مظاہرِ حق

شرح (اردو)

مشکوٰۃ شریف

جلد اوّل

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ العلم

اردو بازار - لاہور

(042) 37231788

مظاہر حق
رجسٹرڈ
(کمپیوٹر)

شرح (اردو)

مشکوٰۃ شریف

جلد اوّل

از افادات علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب مولانا شمس الدین صاحب

ناشر

مکتبۃ العلم

اُردو بازار - لاہور - پاکستان

(042) 37211788 — 37211788

نام کتاب .... مظاہر حق (کمپیوٹر)
ازافادات .... علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب .... مولانا شمس الدین صاحب
طابع .... خالد مقبول
مطبع .... افضل شریف پرنٹرز لاہور

مصححین
★ مولانا فرید بالاکوٹی صاحب ★ مولانا عبدالمنان صاحب ★ مولانا محمد حسین صاحب

ملنے کے پتے
مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور 37224228
مکتبہ علوم اسلامیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور 37221395
مکتبہ جویریہ ۱۸۔ اردو بازار۔ لاہور۔ پاکستان 37211788

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسان طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ

عرضِ ناشر

الحمد للّٰہ الذی ارسل رسولہ الکریم لیھدینا الی الصراط المستقیم وصلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی الہ واصحٰبہ اجمعین

اللہ عزوجل نے اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام کے ذریعے سے دُنیا کو اپنا پیغام ہدایت پہنچایا:

{ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ . . . } [سُوْرَةُ النَّحْلِ: ۱۲۵]

"اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلایئے۔"

اور پیغام کے پہنچاتے ہی یہ نوید بھی سنادی کہ جو اِن اچھی باتوں پر عمل پیرا ہوگا اور دین کی باتوں کی تبلیغ واشاعت میں تن، من، دھن قربان کرنے کے لئے تیار ہوگا وہ یہ خوشخبری سن لے کہ اُس کے لئے اَبدی نعمتیں تیار کی گئی ہیں جنہیں ایسا دوام حاصل ہے کہ اُس کا مقابلہ دُنیا کی بڑی سے بڑی نعمت سے کرنا تو کجا تشبیہ دینا بھی محال ہے۔

لیکن ساتھ یہ تنبیہ بھی کردی:

{ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا } [سُوْرَةُ فَاطِرٍ: ۲۸]

"اللہ سے صرف اُس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

لوگوں کو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کے لئے اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب اس کام کی ذمہ داری علماء کرام پر آ پڑی۔ اللہ کا پیغام پہنچانا کتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ اللہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

{ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ } [سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ: ۱،۲]

"اے چادر اوڑھنے والے، اُٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔"

اب آپ خود ہی غور کیجئے جس کام کی تلقین سردارِ انبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائی جارہی ہے اگر وہی ذمہ داری اُمت کے کچھ سرکردہ افراد کے سر آ پڑے تو اُن کی "فکر" کا کیا عالم ہوگا اور قربان جایئے علماء کرام کی سعی بلیغ پر بھی کہ انہوں نے بھی اس کو کمال حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو اتنے احسن طریقے سے ہم تک پہنچایا کہ سبحان اللہ!

انہی احادیث کے مجموعہ میں سے منتخب کردہ ایک نافع ترین کتاب کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" بھی ہے اور علماء کرام کی متفقہ رائے ہے کہ آج تک اس کی سب سے بہترین شرح **مظاہرِ حق** کے نام سے لکھی گئی ہے جو کہ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کے شاگرد عزیز جناب مولانا علامہ نواب قطب الدین خان رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں احادیث کی تشریح وتفسیر اتنے احسن انداز سے کی گئی ہے کہ یہ باقی شروح سے مستغنی کردیتی ہے۔ اس میں مذاہب اربعہ کو بہترین انداز سے واضح کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں فقہ حنفی کو بڑے آسان اور عام فہم انداز سے سمجھایا گیا ہے۔

جس زمانے میں مولانا نے یہ شرح لکھی اُس زمانے میں یہ انتہائی عام فہم زبان میں تھی لیکن زبان چونکہ کسی زمان ومکان کی

قید میں تو ہوتی نہیں کہ ترقی نہ کرے اِس کے برعکس اس میں روزمرہ کے محاورات والفاظ کا اضافہ ہوتا ہی رہتا ہے اسی وجہ سے اس کی زبان اب اتنی پرانی ہوچکی تھی کہ شاید ایک صفحہ بھی پڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

لیکن اس کام (ترتیب وتصویب) کو کرنے کے لئے بھی ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی جو نہ صرف حدیث پہ عبور رکھتا ہو بلکہ وہ صاحب زبان بھی ہو اور اس کا ادب سے بھی لگاؤ ہو تاکہ زبان کو سلیس کرنے میں سہولت رہے۔ ہم نے اس کی جدید ترتیب میں کوشش کی ہے کہ حتی الامکان مشکل اور دقیق اصطلاحات استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے اور سلیس کرتے وقت اصل عبارت میں سے تابع مہمل، تابع متبوع، تابع موضوع، وغیرہ جیسے الفاظ کا لفظی ترجمہ کرنے کی سعی نہیں کی گئی بلکہ مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ادارہ کو اس بات کا بھی بخوبی احساس تھا کہ اب کوئی بھی ادارہ اسے جتنا مرضی اچھے کاغذ، بہترین زبان وبیان اور خط میں چھاپ لے لیکن اگر وہ مشکوٰۃ کی احادیث کی تخریج میں کوتاہی برتے گا تو ایک ایسی کمی رہے گی جو آج کے قاری کو ذہنی کرب میں مبتلا رکھے گی اسی لئے ہم نے اس کٹھن کام کیلئے بھی کمر ہمت باندھی اور آج الحمدللہ **مظاہرِحق** بمع تخریج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ادارہ نے اس کام پر جس قدر سرمایہ صرف کیا اُس سے کوئی دُنیاوی لالچ ہرگز مقصود نہیں بلکہ محض مقصد یہ ہے کہ اللہ عزوجل اس کتاب کو شائع کرنے کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمادے اور آج الحمدللہ ہمارا دل مطمئن ومسرور ہے کہ ہمیں اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیابی ہوئی۔

جن ساتھیوں کی مدد کے بغیر یہ کام ممکن نہیں تھا اُن میں جناب مولانا شمس الدین صاحب، مولانا فرید الدین صاحب، جناب مولانا احمد حسن صاحب اور بالخصوص جناب حافظ عبدالمنان صاحب کے ہم بہت شکرگزار ہیں کہ انہوں نے دن رات ایک کرکے اس کو فقط تین، ساڑھے تین سال کے قلیل عرصے میں ممکن بنایا۔

لیکن جس ہستی کا میں سب سے زیادہ سراپا احسان ہوں وہ والد محترم حاجی مقبول الرحمٰن صاحب **(مدیر مکتبہ رحمانیہ)** ہیں کہ اُن کی مسلسل نگرانی اور پیہم اصرار نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں اس خدمت کو انجام دے سکوں۔ کتاب کی تصویب سے لے کر پبلشنگ تک کے تمام مراحل والد محترم ہی کی مواظبت کی وجہ سے بحسن وخوبی اتنی جلدی انجام پاسکے۔ اللہ عزوجل میرے والد محترم کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے، اور میری والدہ محترمہ کو اعلیٰ علیین میں بلند درجات سے نوازے کہ ان کی ہی دعاؤں اور تربیت سے آج ادارہ کا نام علمی حلقوں میں اچھے کام کی وجہ سے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اس کام پہ جتنی محنت اور زرِ کثیر صرف ہوا اُس کا اندازہ فقط اہلِ علم حضرات ہی کرسکتے ہیں اس کے باوجود اگر قارئین کرام ہماری کسی لغزش سے مطلع ہوں تو ہمیں اُس سے ضرور آگاہ فرمائیں۔ ادارہ اگلی اشاعت میں اُس کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ ہمیں پاکیزہ اعمال اور عظیم برکات کی توفیق بخشے۔

خاکپائے علماء

خالد مقبول

عرضِ مؤلّف

مصنف مظاہر حق کا دیباچہ ان ھی کی زبان میں

الحمدللہ الذی ارسل رسولہ الکریم لیھدینا الی الصراط المستقیم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحبہ اجمعین

بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہ جہاں آبادی عرض کرتا ہے کہ کتاب مشکوٰۃ شریف علم حدیث میں عجب نافع کتاب ہے کہ ہر مضمون کی حدیثیں اس میں مندرج ہیں اس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے استاد بزگوار مولانا مخدومنا مکرمنا حضرت حاجی محمد اسحق نواسہ حضرت شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بیچ زبان ہندی کے بین السطور میں لکھا تھا لیکن کاتبوں سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا۔ مرضی جناب موصوف کی ایسی پائی کہ اگر یہ بطور شرح کے لکھا جائے بہتر ہے اس لئے ہیچمدان نے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علیحدہ کر کے لکھا اور فائدے مختصر مناسب مقام کے شروح مشکوٰۃ وغیرہ سے مثل مرقاۃ شرح ملا علی قاری اور ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق اور حاشیہ جمال الدین کے اور سوائے ان کے سے زیادہ کر کے خدمت عالی میں عرض کی اور جناب ممدوح نے بھی کچھ فائدے لکھے تھے۔ تبرکاً اس میں درج کئے اور نام اس کا "مظاہر حق" رکھا گیا کہ اس میں تاریخ اس کی نکلتی ہے۔ یا اللہ! اس کو قبول فرما اور ہم سب کو اس سے دارین میں فائدہ مند کر اور سند اس کتاب مستطاب کی یہ ہے کہ کتاب اضعف العباد محمد قطب الدین بن محی الدین احراری الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مخدومی معظمی مکرمی مولوی محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے پڑھی حضرت شیخ عبدالعزیزؒ سے ان کو اجازت ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ان کو شیخ ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو شیخ ابراہیم کردی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو شیخ احمد قشاشی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو شیخ احمد بن عبدالقدوس شناوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو سید غضنفر بن سید جعفر نہروانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو شیخ محمد سعید معروف بمیر کلاں رحمۃ اللہ علیہ سے کہ اپنے وقت میں شیخ مکہ کے تھے اور ان کو سید نسیم الدین میرک شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو اپنے والد بزرگوار سید جمال الدین عطاء اللہ بن سید غیاث الدین فضل اللہ بن سید عبدالرحمٰن سے اور ان کو اپنے عم عالی مقدار سید اصیل الدین عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللطیف بن جلال الدین یحییٰ شیرازی الحسنی سے اور ان کو مسند وقت اور محدث عصر شرف الدین عبدالرحیم الجرہی الصدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو علامہ عصر امام الدین مبارک شاہ ساوجی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو مؤلف کتاب ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب التبریزی سے۔ (رحمۃ اللہ علیہم)

(یا اللہ مجھ کو اور ان سب کو بخش اور خطائیں ہماری معاف فرما)۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل علی اللہ توکلنا لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اللّٰھم صل علی سیدنا محمد والہ واصحابہ صلوۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والافات وتقضی لنا بھا من جمیع الحاجات وتطھرنا بھا من جمیع السیئات وترفعنا بھا عندک اعلی الدرجات وتبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوۃ وبعد الممات انک علی کل شیءٍ قدیر۔

مظاہر حق کے اِس ایڈیشن کی نمایاں خصوصیات

١ اُردو متن کی مکمل تصویب وترتیب جدید (بامحاورہ اور سلیس اُردو)

٢ عربی متن (احادیث) کی عربی نسخوں سے تصحیح کا التزام

٣ احادیث کی مکمل تخریج

٤ اسنادی حیثیت واضح کرنا (خاص طور پر اُن احادیث کی جو غریب ہیں)

٥ احادیث اور ابواب کے مسلسل نمبر لگائے گئے ہیں

٦ جہاں پہ مرتب مظاہر حق نے بخاری' مسلم یا کوئی اور حوالہ دیا ہے اور ہمیں وہ حدیث اُن کتب میں دستیاب نہیں ہوئی وہاں وہ حدیث کس کتاب میں موجود ہے اس کی مکمل وضاحت کر دی۔

٧ کتاب کے شروع میں مصنف مشکوٰۃ ومظاہر حق کے مکمل حالات درج کئے گئے ہیں

٨ پانچویں جلد میں اسماء الرجال متعلقہ مشکوٰۃ شریف کا مکمل تعارف (تقریباً ٣٠٠ صفحات پہ مشتمل ہے)

٩ ہر جلد کی ابتداء میں مکمل تفصیلی فہرست

١٠ جہاں جہاں پہ محسوس ہوا جدید اشکالات کی تشریح' شرح الالفاظ اور حاصل کلام کے عنوان کے تحت کر دی گئی ہے

مندرجہ بالا خصوصیات کی وجہ سے ہمیں یقین واثق ہے کہ اس سے پہلے مظاہر حق کو اتنے احسن انداز سے شائع نہیں کیا گیا۔ اللہ عزوجل ہماری اس کاوش کو قبول ومنظور فرمائے۔ (مرتبین)

فہرست

گلدستۂ احادیث

مشکوٰۃ المصابیح

مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جو مجموعہ اب سے صدیوں پیشتر مرتب ہوا تھا اس کی شادابی و تازگی میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔

یوں تو خود "حدیث" ایک ایسا مقدس فن ہے اور اس کی نسبت ایک ایسی زندۂ جاوید شخصیت کی طرف ہے کہ جب تک اس کرۂ ارضی پر انسان نامی ایک مخلوق موجود ہے اور اس میں زندگی کا اثر اور شعور و احسان کا نشو و نما پایا جاتا ہے اس وقت تک یہ فن اسی تابندگی و شادابی کے ساتھ باقی رہے گا۔ پھر احادیث میں جیسا کہ معلوم ہے، مصنفات اور کتابوں کے درجات میں ہر محدث نے اپنے مخصوص نقطہ نظر کے لحاظ سے کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ مثلاً امام بخاریؒ حدیث کی روایت کے پہلو بہ پہلو اپنی قوت فکری کا مجتہدانہ مظاہرہ کرتے ہیں۔ امام مسلمؒ ایک حدیث کے متعدد طرق کو جمع کر دیتے ہیں۔ امام احمد اپنی مسند میں ایک باب میں جس قدر بھی احادیث مروی ہیں ان سب کو جمع فرما دیتے ہیں اسی طرح بقیہ کتب احادیث کی امتیازی خصوصیات ہیں اور ہر ایک کے کچھ انفرادی فوائد ہیں۔

لیکن "مشکوٰۃ المصابیح" کے نام سے احادیث کا جو گلدستہ ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف صحاح ستہ بلکہ دیگر موثوق بہا کتب احادیث مثلاً شعب الایمان بیہقیؒ، مسند رزین وغیرہ وغیرہ کا وافر ذخیرہ اس میں موجود ہے۔

پھر دوسری خوبی جو بیک نظر سامنے آجاتی ہے یہ ہے کہ اس کتاب میں ان احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا کہ جن کے سمجھنے میں ایک عام قاری کو دشواری ہو بلکہ بعض لوگ تو اس طرف گئے ہیں کہ یہ مجموعہ ابتدائی تعارف یا ایک مشغول زندگی کے لئے احادیث نبویہ سے علمی و عملی تعلق پیدا کرنے کی غرض سے معرض وجود میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی عربی مدارس میں اس کو صحاح ستہ سے مقدم کر کے پڑھایا جاتا ہے اور اس کا یہی سبب ہے کہ تعارف کا ابتدائی اور اولین مرحلہ ایک ایسی کتاب کے ذریعہ طے پائے کہ جس میں نہ اتنا اطناب ہو کہ جس سے صرف منتہی ہی فائدہ اٹھا سکیں اور نہ اتنا ایجاز ہو کہ جس سے عام ذہن مکدر ہو کر رہ جائے۔

ایک دوسری حیثیت سے بھی اس پر نظر ڈال لیے۔ اگر صحیح بخاری کو یہ فخر حاصل ہے کہ مشکلات میں اس کا ختم کرایا جاتا ہے تو مشکوٰۃ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ صوفیاء کے حلقہ میں زیر درس رہی ہے۔ اکابر صوفیہ نے اپنے اذکار و اشغال سے معمور زندگی میں حدیث کے اس مجموعہ کو اس وجہ سے سامنے رکھا ہے کہ اس میں فن کی دوسری کتابوں کی طرح ایجاز و اطناب نہیں ہے۔

دُور جانے کی ضرورت نہیں، ہندوستان کے شمال میں آزادی کی جو اولین کوشش کی گئی ہے اور جس کی سربراہی خانوادۂ محمدی کے ایک گل سرسبد حضرت سید احمد بریلوی برد اللہ مضجعہ کر رہے تھے ان کا اپنے مجاہدین کے سلسلہ میں یہ معمول تھا کہ مشکوٰۃ شریف کا التزاماً درس ہوا کرتا تھا۔ درس کی حقیقی ذمہ داری تو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سر تھی لیکن نکات و حکمات کا اظہار خود سید مرحوم بھی فرمایا کرتے تھے۔

حجۃ اللہ البالغہ جو علوم اسرار الٰہیہ اور حکمات شرعیہ کے موضوع پر عدیم النظیر کتاب ہے اس کے متعلق اہل نظر کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ دراصل مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ جن لوگوں نے ترتیب کتاب سے ہٹ کر استخراج حدیث کے انداز پر گہری نظر رکھی ہے وہ جانتے ہیں کہ شاہ صاحب بالعموم مشکوٰۃ شریف ہی کی احادیث کو سامنے رکھ کر اپنے جواہر ریزے اُمت کے سامنے رکھتے ہیں۔

پھر اس کتاب پر حواشی تقریباً بخاری و مسلم کے بعد سب سے زیادہ لکھے گئے ہیں۔ بعض شارحین نے تو صرف اس لئے مشکوٰۃ کو اختیار کیا کہ اس میں وہ جامعیت ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا۔

مشکوٰۃ شریف کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ حلقے جو بظاہر اس کے مرتب اور مدون کے مسلک کے خلاف مسلک رکھتے ہیں اس کتاب کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور آج سے نہیں بلکہ جب سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی تھی اس کی خوبی کا یہی عالم رہا ہے۔

مشکوٰۃ کا کتاب الفتن کے نام سے جو حصہ ہے وہ تو برابر اہل نظر کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا رہا ہے اگر لوگوں نے خالص اس موضوع پر کچھ لکھا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ مشکوٰۃ کی کتاب الفتن کو سامنے رکھ کر لکھا ہے چنانچہ اس باب میں کثرت کے ساتھ آثار صحابہ ؓ وتابعین ؒ منقول ہیں۔

عملی زندگی کے سلسلہ میں آپ دیکھیں گے کہ وہ باب نہایت تفصیلی ہیں جن کی ہمیشہ شبانہ روز ضرورت پیش آتی رہتی ہے مثلاً دعاو استغفار' اعتصام بالکتاب والسنۃ اسماء اللہ اور اس قسم کے دوسرے ابواب۔

مشکوٰۃ شریف دراصل ''مصابیح السنۃ'' کی مکمل و مدون شکل ہے جس میں امام محی السنۃ' قامع البدعۃ ابو محمد حسن بن مسعود الفراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتب فقہ کے ابواب کی ترتیب پر اہم اور عظیم الشان احادیث کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔

امام بغویؒ نے مصابیح کی ترتیب دو فصلوں پر قائم کی تھی۔ پہلی فصل میں انہوں نے شیخین یعنی بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی روایت کردہ احادیث کو نقل کیا تھا اور دوسری فصل میں دیگر ائمہ و محدثین مثلاً امام ابوداؤد وامام ترمذیؒ سے مروی احادیث کو جمع کیا تھا۔ نیز انہوں نے صرف احادیث کے نقل کرنے پر اکتفا کیا' نہ تو کتاب کے حوالے دیئے تھے اور نہ راویوں کے نام ذکر کئے۔

لہٰذا آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور رفیع المرتبت محدث ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی نے اس کتاب کو از سرنو ترتیب و تدوین کے لئے اختیار کیا۔

آپ نے سب سے پہلے تو اس کتاب میں ایک تیسری فصل کا اضافہ کیا اور اس میں نہ صرف یہ کہ دوسرے ائمہ اور محدثین کی احادیث کو نقل کیا بلکہ خود شیخین یعنی بخاریؒ و مسلم کی ان احادیث کا بھی اضافہ فرمایا جنہیں اصل کتاب مصابیح میں امام محی السنۃ نے چھوڑ دیا تھا۔

دوسرے آپ نے ہر حدیث کے بعد اس کتاب یا محدث کا حوالہ دیا جن سے وہ حدیث نقل کی گئی تھی۔

تیسرے حدیث سے پہلے راوی کا نام ذکر کیا جن سے وہ حدیث روایت کی گئی تھی۔

اس طرح کتاب کی اہمیت زمین سے آسمان پر پہنچ گئی۔

مشکوٰۃ شریف کو جو عظمت و رفعت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت سے یہ معرضِ وجود میں آئی ہے جب سے آج تک عربی مدارس' اسلامی درس گاہیں اپنے نصاب میں اس کو شامل کرنا ضروری سمجھتی رہی ہیں چنانچہ آج بھی تمام عربی مدارس میں یہ کتاب صحاح ستہ سے مقدم کر کے پڑھائی جاتی ہے۔

اصل کتاب ''مصابیح السنۃ'' میں چار ہزار چار سو چونتیس (۴۴۳۴) حدیثیں نقل کی گئی تھیں۔ بعد میں علامہ خطیب تبریزیؒ نے جن احادیث کا اضافہ کیا ان کی تعداد ایک ہزار پانچ سو گیارہ (۱۵۱۱) ہے اس طرح مشکوٰۃ شریف کی تمام احادیث کی تعداد ۵۹۴۵ ہوئی۔

صاحبِ مظاہر حق اور ان کا سلسلۂ تلمذ

''خاندان ولی اللہی'' اسلامیانِ ہند کی علمی تاریخ کا وہ تابناک باب ہے جس کی شعاعوں نے صحیح معنوں میں سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر ''علم حدیث'' کی جوت جگائی اور جس کے افراد آسمان علم و معرفت پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جن کی ذات گرامی ہندوستان کے محدثین کے لئے مدار سند ہے اور آپ کے قابل صد فخر صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے ''خاندان ولی اللہ'' کی علمی عظمت کو چار چاند لگائے اور حضرت شاہ اسحٰق جو شاہ عبدالعزیزؒ کی مسند درس کے صدر نشین اور ان کے جانشین قرار پائے۔ اس عظیم خاندان کی وہ ہستیاں ہیں جن کے تذکرے ہندوستان میں ''خدمت حدیث'' کے ہر سلسلہ کا جلی عنوان بنتے ہیں۔

نیز "مظاہر حق" کے مؤلف مولانا نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کا سلسلۂ تلمذ بھی یہی ہے۔ اس مناسبت سے ان عظیم ہستیوں کے مختصر احوال پیش کئے جا رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ چہارشنبہ کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے' آپ کے والد محترم حضرت شیخ عبدالرحیمؒ نے جو اپنے وقت کے ایک جلیل القدر عالم اور زبردست صوفی تھے' آپ کی تربیت اپنے مخصوص انداز میں فرمائی۔ سب سے پہلے آپ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کئے گئے جہاں آپ نے قرآن شریف کی تعلیم شروع کی۔ چونکہ آپ فطری طور پر علم سے دلچسپی رکھتے تھے اور روزِ ازل سے آپ کے فطری جوہر ربانی قابلیتوں سے آراستہ و درخشاں ہو چکے تھے اس لئے آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا۔ اِدھر والد محترم کی مخصوص تربیت نے یہ جوہر دکھایا کہ آپ نے اس چھوٹی سی عمر میں آداب و اخلاق کی منزلیں طے کر لیں جہاں تک بڑی بڑی عمریں بھی نہیں پہنچتیں' رہن' سہن' نشست و برخاست اور گفتگو کے آداب و طریقے کم سنی ہی کی حالت میں حاصل ہو گئے۔ آپ کا عام قاعدہ تھا کہ اس عمر میں بھی جب کسی بڑے سے بات کرتے خواہ وہ کسی مرتبہ و درجہ کا آدمی کیوں نہ ہوتا احساس ادب سے نگاہیں نیچے جھکی ہوئی ہوتیں۔ سوالات کے جواب نہایت باوقار اور متین لہجہ میں دیتے۔ دوستوں اور ساتھیوں سے بھی گفتگو تہذیب و شائستگی کے حدود سے تجاوز نہ کرتی تھی۔

عمر کی ساتویں منزل میں پہنچے تو فارسی کی درسی کتابیں شروع کرائی گئیں اور چند ہی روز میں تمام کتابیں ختم کر ڈالیں' ایک سال کے قلیل عرصہ میں فارسی کے علوم میں رسوخ حاصل کر لیا۔ فارسی کی درسی کتب سے فراغت کے بعد صرف و نحو کی ابتدائی کتابوں پر عبور حاصل کیا دس سال کی عمر میں آپ شرح ملا پڑھنے لگے تھے۔

آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ دس سال کی عمر میں آپ صرف و نحو کے علوم پر اس طرح حاوی ہو گئے تھے کہ بڑے بڑے صرفی اور نحوی جو اپنے علم و فضل کی بناء پر عظمت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ سے ان فنون کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اس کے بعد معقولات کی کتابیں شروع کیں۔ یہاں پہلے ہی طبیعت خداداد پائی تھی۔ چنانچہ جودت ذہن اور ذکاوت طبع نے اس مرحلہ کو بھی تھوڑے ہی عرصہ میں طے کرا دیا۔

چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی لیکن اس کے باوجود تحصیل علم کا سلسلہ اسی شغف سے جاری رہا۔ چنانچہ شادی ہی کے سال آپ نے تفسیر بیضاوی اپنے والد محترم سے پڑھی اور اس کے ساتھ ان علوم میں بھی کامل دستگاہ حاصل کی جو ان دنوں ہندوستان میں مقبول اور علماء دہلی کے زیر درس تھے اسی سال والد بزرگوار سے بیعت بھی ہو گئے اور مشائخ نقشبندیہ کے سلسلۂ وظائف میں مشغول ہوئے۔ علم تصوف پر آپ نے باقاعدہ تحقیق کی اور اس میں بھی مہارت تامہ کے بعد وہ رموز و نکات اور حکمات پیدا کیں کہ بڑے بڑے مشائخ، صلحاء اور علماء اس کمسن صوفی کے سامنے اپنی جبین عقیدت جھکانے لگے۔

جب چودہ سال کی عمر میں تمام علوم متعارفہ و متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔ اِدھر سلوک و طریقت کی منزلوں کے بھی مراحل طے کر لئے تو والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالرحیمؒ نے ایک دعوت عام کی جس میں اہل شہر اور بڑے بڑے علماء فضلاء اور قضاۃ بطور خاص مدعو کئے گئے اور اسی دعوت میں والد بزرگوار نے اپنے اس ہونہار اور لائق بیٹے کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور درس کی عام اجازت مرحمت فرمائی۔

والد محترمؒ کے انتقال کے بعد آپ ان کی مسند درس کے صدر نشین قرار پائے اور دینیات و معقولات کی کتب کا درس دینا شروع کیا تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے درس کا شہرہ ہو گیا اور دور دور سے طالبانِ علم آپ کے پاس آ کر علم کی دولت سے اپنا دامن بھرنے لگے۔

ہندوستان میں علم حدیث کی بنیاد اگرچہ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ڈالی اور اسی لئے مؤرخین اوّلیت کا سہرا بھی انہیں کے سر باندھتے ہیں

مگر برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کا اصل سہرا خاندان ولی اللہ کے سر ہے اگر ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور اس وقت کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت پورے ہندوستان پر جہالت وضلالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے علم نبوی کو بالکل ترک کر دیا تھا یہاں تک کہ اسلام بھی ان میں برائے نام باقی رہ گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ عبدالحق نے اس ماحول میں حدیث وقرآن کے علوم کی ترویج کی تابجد انتہا جدوجہد کی۔ لیکن حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ شیخ اس خرابی وتاریکی کو دور نہ کر سکے جو صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں میں جم بن گئی تھی اور انجام کار وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن چونکہ ہندوستان کی سرزمین کو علم حدیث کی مقدس شعاعوں سے منور ہونا تھا اس لئے ان کے انتقال کے بعد خدا نے اس عمارت کا معمار ایک اور کھڑا کر دیا جس کی بنیاد حضرت شیخ عبدالحق نے ڈالی تھی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیم نے پرانی دہلی میں اس مقام پر جو آج کل "مہندیوں" کے نام سے مشہور ہے ایک مدرسہ کی بنیاد "مدرسہ رحیمیہ" کے نام سے ڈالی جس میں علم حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی۔ طلبہ اچھی خاصی تعداد میں حدیث پڑھنے کے لئے آنے لگے۔ اور لوگوں میں علم حدیث سے کافی دلچسپی بھی پیدا ہوگئی مگر حضرت شاہ عبدالرحیم نے "حدیث" کو پھیلانے کی جتنی زیادہ سعی وکوشش کی اتنی کامیابی ان کو نصیب نہیں ہوئی۔

آخر کار شاہ ولی اللہ نے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں جس کی بنیاد خود ان کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم ڈال گئے تھے طلبہ کو درس دینا شروع کیا اور بارہ سال تک پورے انہماک اور ذوق وشوق کے ساتھ علم نبوی کے چشمۂ فیض سے نہ صرف یہ کہ ہندوستان بلکہ عرب وعجم کے طلبہ کو سیراب فرمایا۔

اگرچہ بارہ سال کے اس طویل عرصہ میں آپ کا علمی کمال عروج کو پہنچ چکا تھا اور دینی وعقلی علوم میں حیرتناک حد تک ملکہ پیدا ہوگیا تھا جس کے سامنے وقت کے بڑے بڑے علماء عقیدت سے سر جھکاتے تھے لیکن علم کی جویا طبیعت نے اس پر بس نہیں کی اور علم حدیث کی مزید تحصیل کے لئے دیار مقدس کے لئے رخت سفر باندھا اور مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوگئے۔

۱۱۴۳ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد کامل ایک سال تک حرم محترم اور حرم نبوی کی مجاورت کر کے روحانی فیوض وبرکات حاصل کرتے رہے اور پھر تحصیل علم کے لئے علماء وصلحاء کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے آپ شیخ محمد وفد اللہ بن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور حرمین میں استاذ العلماء مانے جاتے تھے۔ استاذ نے بڑی عزت واحترام کے ساتھ خوش آمدید کہا اور شیخ صاحب نے مؤطا یحییٰ بن یحییٰ پوری سنا کر اس کی اور شیخ بن محمد بن سلیمان کی تمام روایت کی اجازت حاصل کی۔

اس کے بعد آپ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ، فصاحت وبلاغت جیسی صفات کی بنا پر اہل عرب میں بڑی عظمت کے مالک مانے جاتے تھے اور علم حدیث میں اپنا امتیازی مقام رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی ان سے نہ صرف یہ کہ علم حدیث حاصل کیا اور علمی مذاکرے کر کے مزید اکتساب فیض کیا بلکہ تصوف وسلوک کے اعلیٰ منازل بھی طے کئے۔ چنانچہ وہاں سے فراغت کے بعد جب آپ رخصت ہونے لگے تو استاد رحمہ اللہ نے احادیث کی اجازت دی اور خرقہ خلافت اپنے ہاتھ سے پہنا کر پرنم آنکھوں سے گرانقدر نصائح کے ساتھ رخصت کیا۔

اسی سلسلہ میں آپ شیخ تاج العین قلعی حنفی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بخاری شریف کے علاوہ احادیث کی دیگر موثوق بہا کتب کی بھی اجازت لی۔

حرمین کے جلیل القدر محدثین اور علماء کے فیوض روحانی سے بہرہ ور ہو کر ان کے چشمۂ علم سے پوری طرح فیض یاب ہو کر آپ ۱۱۴۴ھ میں دوبارہ حج کی نعمت سے مشرف ہوئے اور ۱۱۴۵ھ کے ابتداء میں وطن کو مراجعت فرما ہوئے اور ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ یوم جمعہ کو دہلی رونق افروز ہوئے۔

حرمین سے واپسی کے بعد آپ کے درسِ حدیث نے ایک نئی شکل اختیار کر لی یا یوں کہیے کہ علم حدیث کی جس روشنی سے آپ کا قلب و دماغ پوری تابانی کے ساتھ منور ہو چکا تھا اس کی شعاعیں دہلی کے مدرسہ رحیمیہ سے پھوٹ پھوٹ کر اطراف عالم کو منور کرنے لگیں۔ اس طرح شاہ صاحب نے پوری شان و شوکت اور عزت و عظمت کے ساتھ حدیث کے مسند درس پر بیٹھ کر حدیث نبوی کے علوم و معارف کو پورے ہندوستان میں پھیلایا اور باقاعدہ اس کی اشاعت کی جس کی تنویریں آج تک ہندوستان کو پرنور بنا رہی ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے تحت جب آپ کا بھی پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا تو بعمر ۶۳ سال ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی اور دہلی میں سپرد خاک کیے گئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چار مشہور اور جلیل القدر صاحبزادے تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ۔ اگرچہ یہ چاروں حضرات علم و فضل، فہم و فراست، قوت تقریر، فصاحت تقریر، تقویٰ و تقدس، امانت و دیانت میں یکتا اور لاثانی سمجھے جاتے ہیں لیکن ان سب میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ عظمت و منزلت اور علم و فضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں اور یہی وہ ذات گرامی ہے جس نے اپنے خاندان کو تمام علمی دنیا میں روشناس کرایا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس عظیم خاندان میں شاہ عبدالعزیز کا وجود نہ ہوتا تو یہ خاندان گمنامی کے دائرہ سے نکل کر عزت و عظمت اور شہرت و ناموری کے اس مرتبہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور جو تاریخی شہرت آج اسے حاصل ہے کبھی حاصل نہ ہوتی۔

آپ کی مبارک پیدائش ۱۱۵۹ھ میں ہوئی اور شاہ ولی اللہ جیسے عظیم باپ اور مقدس ہستی کے زیر سایہ نشو و نما کے ابتدائی مراحل طے ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کیے گئے اور قرآن شریف کی تعلیم شروع ہوئی چونکہ آپ نہ صرف نسبی طور پر بلکہ فطری طور پر نہایت ذہین، سلیم الطبع، خوش فہم اور بے حد طباع تھے اس لئے بہت ہی کم سنی میں قرآن کریم کی تعلیم پوری کر لی۔ اس کے بعد آپ کی باقاعدہ تعلیم شاہ ولی اللہ کے ایک قابل خلیفہ کے زیر نگرانی شروع ہوئی۔ تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپ نے عربی کے مختلف فنون میں حیرت انگیز ترقی اور کامیابی حاصل کر لی۔

تیرہ سال کی عمر میں آپ معمولی درسی تعلیم کے علاوہ صرف و نحو، اصول، منطق، کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت، ریاضی جیسے عظیم الشان فنون سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ ان علوم سے فراغت کے بعد آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ دس سال کے عرصہ میں شاہ عبدالعزیزؒ نے تمام حدیث کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھ لیں، آپ کی عمر مشکل سے پندرہ سال کی ہو گی کہ تمام علوم و فنون کی تکمیل کر ڈالی۔

چونکہ آپ کے خاندان میں علوم نقلیہ کے علاوہ علوم عقلیہ کا بھی رواج تھا اور شاہ ولی اللہ کی درس گاہ میں جہاں حدیث و تفسیر کے علوم پورے شغف و انہماک سے پڑھائے جاتے تھے وہاں منطق، ریاضی کی تعلیم بھی اعلیٰ پیمانہ پر دی جاتی تھی اس لئے شاہ عبدالعزیزؒ نے اس چھوٹی سی عمر میں ایک لائق ریاضی دان اور قابل منطقی بھی بن گئے تھے اور تاریخ و جغرافیہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل اور باطنی کمالات کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو والد حضرت شاہ ولی اللہؒ دار البقاء کو سدھار گئے۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کی مسند درس کے جانشین شاہ عبدالعزیزؒ قرار پائے۔ گو شاہ ولی اللہؒ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف سترہ برس تھی لیکن آپ کے علمی تبحر، علمی کمالات اور باطنی رسوخ کی بناء پر بڑے بڑے علماء آپ کے در دولت کی جبیں سائی کیا کرتے تھے اور کثرت سے طلبہ اطراف عالم سے آ کر آپ کے چشمہ علوم سے اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کیا کرتے تھے۔

آپ کے بارے میں صاحب اتحاف النبلاء کی شہادت ہے کہ درحقیقت علم حدیث کا بیج ہندوستان کی بنجر اور سخت زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بویا اور آپ نے اس کی اپنے خون جگر سے آبیاری کر کے اسے نہایت خوشنما اور نونہال پودا

بنا دیا جو چند دنوں میں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دور دور کے لوگ اس کے پھول و پھل سے دامن لبریز کر کے جانے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنے دوسرے علمی کمالات کے علاوہ فن خطابت میں بھی خداداد ملکہ رکھتے تھے' آپ کی سحر آمیز خطابت موافق و مخالف دونوں کے قلوب کو مسخر کرلیا کرتی تھی' اس کے ساتھ ہی آپ کا حافظہ گویا لوح تقدیر کا انمٹ نسخہ تھا کہ جو کتاب پڑھی لی یا جو بات سن لی جوں کی توں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔

بہر حال آپ کی ذات والا صفات خاندان ولی اللہ کے معدن علم کا وہ گوہر آبدار تھی جس کی تنویریں آج تک اسلامیان ہند کے قلوب کو ضیا پاش کر رہی ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ کی بیش بہا تصانیف علم و فضل کے ان گراں بہا موتیوں سے مزین ہیں جن کی آب و تاب تمام عالم کی نظروں کو خیرہ کر رہی ہیں۔

علم و فضل' زہد و تقویٰ' شان و شوکت' عزت و عظمت سے بھرپور آپ کی زندگی نے اپنے ایام حیات بڑی شان سے پورے کئے اور سات شوال ۱۲۴۸ھ میں یوم یک شنبہ کو صبح کے وقت اپنی شاندار علمی تاریخ کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ آپ کے تین صاحبزادیاں تھیں' دوسری صاحبزادی کا عقد شیخ محمد افضل صاحب سے ہوا تھا ان ہی کے بطن سے حضرت مولانا محمد اسحٰق پیدا ہوئے۔

مولانا محمد اسحٰق کی تاریخ ولادت ۶ ذی الحجہ ۱۱۹۷ھ ہے شاہ عبدالعزیز کے چونکہ کوئی لڑکا نہیں تھا اس لئے آپ کی تمام تر توجہات مولانا محمد اسحٰق پر صرف ہوتی تھیں اور ان کی تربیت بھی آپ نے اسی انداز سے کی جس طرح خاندان ولی اللہ کے دوسرے افراد کی کی گئی۔

آپ ابتدائی تعلیم کے بعد علم حدیث کی تعلیم کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے' تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد مسند درس کو اپنی تمکین سے اعزاز بخشا اور مسلسل بیس برس تک شاہ صاحب کے سامنے ہی جدید ذہن و فکر کے حامل طلبہ کو حدیث کا درس اپنے مخصوص انداز میں دیتے رہے۔

سنت نبوی کا اتباع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال محبت آپ کی زندگی کا مابہ الامتیاز مقام تھا۔ چنانچہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ آپ سے نادانستہ بھی کبھی خلاف سنت کاموں کا صدور نہیں ہوا کرتا تھا' چونکہ فیاضی قدرت نے حسن سیرت کے علاوہ حسن صورت کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا اس لئے چہرہ کی شگفتگی آپ کی نجابت اور شرافت کی غمازی کیا کرتی تھی اور آپ کا چہرہ دیکھ کر لوگوں کو یقین ہوا کرتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیض جن مقدس ہستیوں نے پایا ہے وہ یقیناً اسی صورت و سیرت کے ہوں گے۔

جب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سفر آخرت قبول فرمایا تو مخلوق خدا نے خاندان ولی اللہی کی سیادت کا عمامہ آپ کے سر پر رکھا اور شاہ صاحبؒ کے جانشین قرار دیئے گئے۔ تمام معتقدین اور شاگردوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ کے چشمۂ علوم سے اکتساب فیض کرنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین ہونے کی وجہ سے آپ کو وہی عزت و عظمت حاصل ہوئی جو اس عظیم خاندان کے دوسرے پیشواؤں کو حاصل تھی لیکن اس شان و شوکت' ثروت و رفعت اور جاہ و جلال کی موجودگی کے باوجود محض خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کے لئے آپ نے دیار مقدس کی طرف سفر ہجرت کا ارادہ فرمایا اور مع اہل و عیال حجاز تشریف لے گئے وہاں آپ نے فرائض حج ادا کئے مگر کچھ دنوں کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے۔

یہاں پہنچتے ہی مخلوق خدا نے گھیر لیا اور آپ اپنے وعظ و نصائح کے ذریعہ ان کی روحانی تربیت فرماتے رہے لیکن جب ہندوستان کی

پوری فضا پر رسوم و بدعات اور ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھاگئی اور اسلامی شعار بے دینی و بدکرداری کی بھینٹ چڑھنے لگے تو آپ بالکل ہی دل برداشتہ ہوگئے اور یہاں سے ہجرت کا مصمم ارادہ فرمایا۔ گو شہر کے تمام باشندوں اور خود سلطان وقت نے بہ منت و سماجت کوشش کی کہ آپ ہندوستان سے تشریف نہ لے جائیں مگر آپ نہ مانے اور تمام اہل و عیال اور لواحقین کے پورے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار فرمائی اور وہیں ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا۔

مظاہر حق کے مؤلف حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دہلی کے ایک صاحب حیثیت اور باوجاہت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے اجداد ہمیشہ سے بارگاہِ سلطان کے مقرب رہے اور اپنی خدمات جلیلہ کے صلہ میں بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل کئے۔ مولانا بھی دربارِ دہلی میں بڑی عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور بادشاہ وقت کی نظروں میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔

آپ کی پیدائش ۱۲۱۹ھ کی ہے ابتدائی تربیت کے بعد حصولِ علم کے لئے حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کی خدمت میں دیئے گئے اور ان سے اکتسابِ فیض کیا اور علم حدیث میں کمال حاصل کیا' ان کے علاوہ حرمین شریفین کے علماء کے چشمۂ علوم سے بھی مستفیض ہوئے۔

شریعت کا اتباع آپ کی زندگی کا امتیازی مقام تھا وضع قطع میں اپنے استاد کے سچے پیرو تھے اور ان سے اتنے مشابہ کہ جس نے حضرت مولانا اسحٰق کو نہیں دیکھا تھا آپ کو دیکھ کر سکون حاصل کرتا تھا۔ علم و فضل کے اعلیٰ مرتبہ پر ہونے کے علاوہ تواضع و انکسار' زہد و تقویٰ' عبادت و ریاضت اور اخلاق و علم کے اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے۔

آپ کی علمی زندگی کا سب سے شاندار کارنامہ مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ اور شرح ''مظاہر حق'' ہے۔ اسکے علاوہ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے جو آپ کے علم و فضل کی شاہکار ہیں۔ آخر میں آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں ۱۲۸۹ھ میں وفات پائی۔

صاحب مصابیح السنۃ

امام محی السنۃ قامع البدعۃ حضرت ابومحمد حسین بن مسعود الفراء بغوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بغشور کے رہنے والے تھے جو خراسان میں ہرات و مرو کے درمیان ایک گاؤں ہے اسی بنا پر آپ بغوی کی نسبت سے مشہور ہیں امام محی السنۃ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے ایک جلیل القدر عالم' فقید المثال محدث اور رفیع الشان مفسر تھے' فقہ' حدیث اور تفسیر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے' اسی بنا پر اس وقت کے تمام محدثین و مفسرین اور علماء آپ کو اپنا پیشوا اور امام سمجھتے تھے۔ نیز اس وقت ''مفتی اعظم'' کے عظیم منصب پر بھی آپ ہی فائز تھے۔

ان علوم کے علاوہ فن قراءت میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور ایک باکمال و صاحب فن مجود و قاری تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ کے علم و فضل کے اس عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود اور اپنے تمام تر دینی و دنیاوی جاہ و جلال کے باوصف' مزاج میں انتہا درجہ کی سادگی' بے تکلفی اور انکسار رکھتے تھے۔

زہد و تقویٰ کے اعلیٰ مراتب کے حامل تھے۔ قلب میں خشیت الٰہی اور خوف آخرت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ عشق نبوی سے زندگی کا ہر گوشہ منور تھا۔ دنیا کے عیش و راحت سے کوسوں دور رہتے تھے۔ حالانکہ دنیاوی طور پر بھی جاہ و حشمت کا جو مقام آپ کو حاصل تھا اس کی بنا پر اگر آپ چاہتے تو دنیا کی تمام نعمتیں اور راحتیں آپ کے قدموں میں ہوتیں لیکن زہد و استغناء کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ہمیشہ خشک روٹی کھا کر زندگی کے ایام پورے کئے' آپ کے کمال زہد و استغناء کی اس کیفیت کو دیکھ کر جب شاگردوں نے عرض کیا کہ آپ خشک روٹی کھاتے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے آپ کے قلب و دماغ اور اعصاب پر ضعف کا غلبہ ہو جائے اور دین و اسلام کی جو خدمت آپ انجام

دے رہے ہیں اس میں عدم قوت اور ضعف کی وجہ سے اضمحلال پیدا ہو جائے تو اس کے بعد آپ نے صرف اتنی تبدیلی کی کہ خشک روٹی روغن زیتون سے لگا کر کھالیا کرتے تھے۔

''محی السنۃ'' کا عظیم لقب آپ کو براہِ راست بارگاہِ رسالت سے ملا تھا۔ مؤرخین ومحدثین لکھتے ہیں کہ آپ جب اپنی مشہور کتاب ''شرح السنۃ'' کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو ایک روز خواب میں سرکارِ دو عالم نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت حضور ﷺ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ دعائیہ جملہ ارشاد فرمایا: ''جس طرح تم نے میری سنت کو اپنی تصنیف کے ذریعہ زندہ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھے''۔ جب ہی سے آپ ''محی السنۃ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کی زندگی کا سب سے مشہور کارنامہ آپ کی مشہور تصنیف ''مصابیح السنۃ'' ہے جو مشکوٰۃ شریف کی بنیاد اور متن ہے۔ آپ نے صحاح ستہ اور دیگر مستند ومعتبر کتابوں سے احادیث کے اس ذخیرہ کو جمع کر کے کتب فقہ کے ابواب پر مرتب فرمایا۔ آپ کی دوسری عظیم تصنیف تفسیر معالم التنزیل ہے جو قرآن کی تفاسیر میں ایک وقیع درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

صاحب مشکوٰۃ المصابیح

علامہ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزیؒ

آپ کا نام نامی ''محمد'' ہے۔ بعض حضرات نے ''محمود'' لکھا ہے لیکن زیادہ صحیح اور مشہور ''محمد'' ہی ہے' کنیت ابوعبداللہ اور لقب ''ولی الدین'' ہے۔ والد ماجد کا نام عبداللہ ہے۔ نسباً ''عمری'' ہیں اور ''خطیب تبریزی'' سے مشہور ہیں۔

آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم' بلند پایہ محدث' فصاحت وبلاغت کے امام' زہد وتقویٰ سے متصف اور اعلیٰ اخلاق وعادات کے حامل تھے۔ اپنے زمانہ کے یگانۂ روزگار شیوخ اور اساتذہ سے اکتساب علم کیا اور جن بے شمار لائق وفائق تلامذہ کو اپنے علم وعرفان سے مستفید کیا ان میں مبارک شاہ ساویؒ سرفہرست ہیں۔

آپ کے علم وفضل کا سب سے بڑا شاہکار ''مشکوٰۃ المصابیح'' ہے جو مشکوٰۃ کے نام سے مشہور ہے اور حدیث کی بنیادی کتاب مانی جاتی ہے۔ آپ کی اس عظیم کتاب کو دنیائے اسلام میں اعتبار وقبولیت کا جو مقام نصیب ہوا اس کا اندازہ مشکوٰۃ کے تراجم' شروح اور حواشی کی اس طویل فہرست سے لگایا جا سکتا ہے: مثلاً (۱) الکاشف عن حقائق السنن'' از علامہ حسن بن محمد الطیبی''۔ (۲) ''شرح مشکوٰۃ'' از ابوالحسن علی بن محمد علم الدین بخاری۔ (۳) ''منہاج المشکوٰۃ'' از شیخ عبدالعزیز ابہریؒ۔ (۴) ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' از شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ ملاعلی قاریؒ۔ (۵) ''شرح مشکوٰۃ'' از شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن جو ہیثمیؒ۔ (۶) ''حاشیہ مشکوٰۃ'' از سید شریف علی بن محمد جرجانیؒ۔ (۷) ''حاشیہ مشکوٰۃ'' از شیخ محمد سعید بن المجد دالف ثانیؒ۔ (۸) ''ہدایۃ الرواۃ الی تخریج المصابیح والمشکوٰۃ'' از شیخ ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانیؒ۔ (۹) ''لمعات التنقیح'' (عربی) اور (۱۰) ''اشعۃ اللمعات'' (فارسی) از شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ (۱۱) ''التعلیق الصبیح'' از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ (۱۲) ''مرعاۃ المفاتیح'' از مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔ (۱۳) ''ازیقۃ النجاۃ شرح مشکوٰۃ'' از شیخ عبدالنبی عماد الدین محمد شطاریؒ۔ (۱۴) ''زینۃ النکاۃ فی شرح المشکوٰۃ'' از سید محمد ابوالمجد محبوب عالم احمد آبادی۔ (۱۵) ''مظاہر حق'' (اردو) از علامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلویؒ۔ (۱۶) ''ترجمہ مشکوٰۃ'' (جلد اول) از مولانا کرامت علی جونپوریؒ۔

صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی کا سال وفات تحقیق سے معلوم نہ ہو سکا۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ آپ کی وفات ۷۳۷ھ کے بعد ہوئی کیونکہ بروز جمعہ ماہ رمضان ۷۳۷ھ اس کتاب کی تالیف سے فراغت ہوئی۔ لہٰذا اس کے بعد ہی کسی سال آپ کی وفات ہوئی ہوگی۔ بعض حضرات نے اندازہ سے ۷۴۸ھ سالِ وفات ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ۷۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

دیباچہ

مشکوٰۃ شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ

''تمام تعریفیں اللہ ہی کو زیبا ہیں ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے خواستگار ہیں''۔

تشریح ☆ خداوند قدوس کی تعریف اور اس کی توصیف جیسی کہ اس کی شان کے مناسب اور لائق ہے کسی بندہ سے ادا نہیں ہو سکتی اسی لئے مصنف خداوند تعالیٰ سے مدد کا طالب ہے کہ اس کی زبان و بیان کو اتنی طاقت و قوت ملے جس سے وہ اپنے پروردگار کی حقیقی تعریف و توصیف کر سکے۔ نیز اگر بتقاضائے بشریت اس کی تعریف و توصیف میں کچھ کوتاہی و لغزش ہو جائے جو شان الوہیت کے منافی ہو تو اس سے مصنف بخشش اور معافی کا خواستگار ہے۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا

''اور ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے بداعمالیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں''۔

تشریح ☆ یعنی یہ کہ ہماری یہ حمد و تعریف جو خالصۃً اللہ کی رضا اور حصول سعادت کے لئے ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں نفس کی شرارت سے ریا کا دخل ہو جائے۔ اسی طرح وہ برے اعمال جو بتقاضائے بشریت صادر ہوتے رہتے ہیں، جیسے کلام باطل، بری باتیں، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت، طاعات و عبادات میں سستی، حرام و مکروہ افعال کا صدور، تو ان تمام چیزوں سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ

''جس کو اللہ نے سیدھا راستہ دکھا دیا اس کو کوئی بھٹکانے والا نہیں ہے اور جس کو اللہ نے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا اس کو سیدھا راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے''۔

وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ شَهَادَۃً تَکُوْنُ لِلنَّجَاۃِ وَسِیْلَۃً وَّلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ کَفِیْلَۃً وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الَّذِیْ بَعَثَہٗ وَطُرُقُ الْاِیْمَانِ قَدْ عَفَتْ اٰثَارُهَا وَخَبَتْ اَنْوَارُهَا وَوَهَنَتْ اَرْکَانُهَا وَجُهِلَ مَکَانُهَا

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ گواہی جو نجات کے لئے وسیلہ اور بلندی درجات کی ضامن ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنا رسول بنا کر بھیجا جب ایمان کی راہوں کے نشان مٹ چکے تھے اس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں اور اس کے آثار ہلکے پڑ گئے تھے اور اس کی بتائی ہوئی منزل نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی''۔

تشریح ☆ ''ایمان کے راستہ سے مراد انبیاء کرام اور ان کے متبعین و پیروکار یعنی علماء و صلحاء ہیں۔ اس کی روشنیاں بجھ جانے اور ''اس کے آثار ہلکے پڑ جانے سے'' مراد یہ ہے کہ ایمان و دین کی روشنی پھیلانے والے وہ تمام تعلیمات و ہدایات جو انبیاء کرام اس دنیا سے لے کر آئے تھے فراموش کر دی گئی تھیں، ان سچی تعلیمات و ہدایات کے حامل علماء و صلحاء کا وجود ناپید سا ہو گیا تھا، جو کوئی گنا چنا عالم و نیک انسان کہیں پایا جاتا تو سماج و معاشرہ میں اس کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی، وہ لوگوں کو نیکی و بھلائی کی جو تلقین کرتا اور اچھے کام اور اچھی باتوں کی جو

تعلیم دیتا اس کو کوئی سننے تک کا روادار نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح دین وایمان سے تنفر گناہ ومعصیت کی کثرت اور ظلم وجہالت کا اندھیرا پوری کائنات انسانی پر اس طرح پھیل گیا تھا کہ دنیاوی فلاح وسعادت اور اخروی نجات وسرفرازی کی وہ منزل ہی عام نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی تھی جو تخلیق بنی نوع انسان کا مقصد اور دین وایمان کا منتہائے مقصود ہے۔

فَشَيَّدَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ مِنْ مَعَالِمِهَا مَا عَفَا وَشَفٰى مِنَ الْعَلِيْلِ فِيْ تَابِيْدِ كَلِمَةِ التَّوْحِيْدِ مَنْ كَانَ عَلٰى شَفَا۔

''پس نبی کریم ﷺ نے ان مٹے ہوئے نشانوں کو از سر نو نمایاں کیا اور کلمہ توحید سے اس بیمار کو شفاء پہنچائی جو ہلاکت کے کنارے پہنچ چکا تھا۔

تشریح ☆ یعنی پوری انسانیت کفر وشرک کی معصیت اور بداعمالیوں کے گناہ میں مبتلا ہو کر روحانی طور پر بیمار ہو چکی تھی اور قریب تھی کی ہلاکت کی کھائی ''دوزخ'' میں چلی جائے کہ نبی کریم ﷺ نے ایمان وتوحید کی تعلیم کے ذریعہ اس کو مکمل تباہی سے بچالیا اور فلاح ونجات کے راستہ پر لگا دیا۔

وَاَوْضَحَ سُبُلَ الْهِدَايَةِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّسْلُكَهَا وَاَظْهَرَ كُنُوْزَ السَّعَادَةِ لِمَنْ قَصَدَ اَنْ يَّمْلِكَهَا

''اور اس شخص کے لئے ہدایت کے راستہ کو روشن کیا جو اس پر چلنے کا ارادہ کرے اور اس شخص کے واسطے نیک بختی کے خزانے ظاہر کرے جو اس کے مالک ہونے کا قصد کرے''۔

تشریح ☆ ''نیک بختی کے خزانے'' سے مراد ایمان نیک اعمال' عبادات اور معارف ہیں جو آخرت کے لئے گنج گراں مایہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جو کوئی اس خزانہ کو حاصل کر لیتا ہے وہ اس کی دولت سے سرفراز ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے میں آخرت کی ابدی سعادت یعنی رضائے مولیٰ اور جنت کا حقدار ہو جاتا ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ التَّمَسُّكَ بِهَدْيِهٖ لَا يَسْتَتِبُّ اِلَّا بِالْاِقْتِفَاءِ لِمَا صَدَرَ مِنْ مِّشْكٰوتِهٖ وَالْاِعْتِصَامَ بِحَبْلِ اللّٰهِ لَا يَتِمُّ اِلَّا بِبَيَانِ كَشْفِهٖ۔

''بعد ازاں جاننا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے اسوہ کو اختیار کرنا اسی وقت معتبر ہو سکتا ہے کہ اس چیز پر کامل اعتماد کیا جائے' جو آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ظاہر ہوئی تھی یعنی آپ ﷺ کے ارشادات واحکام' اسی طرح خدا کی رسّی یعنی قرآن کریم پر اعتماد اور اس پر عمل جب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کی تشریح وتوضیح احادیث نبوی سے ہو۔

تشریح ☆ نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ کے راستہ پر لگنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ آپ ﷺ کے احکام وہدایات کی پیروی نہ کی جائے اور آپ ﷺ کی احادیث پر پوری طرح عمل نہ ہو اس لئے کہ جب آپ ﷺ کے احکام کی پیروی نہ ہو گی' آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل نہ ہو گا' آپ ﷺ کے نقش قدم کو اختیار نہیں کیا جائے تو آپ ﷺ کے راستہ پر چلنا کیسے نصیب ہو گا اور جو شخص آپ ﷺ کے راستہ پر چل ہی نہیں پائے گا اس کو سنت نبوی ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ کے اتباع کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے احکام وفرمان پر عمل اور ان کا سمجھنا جب ہی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے احکام وفرمان کی جو تشریح وتوضیح اپنے اقوال وافعال اور کردار سے فرمائی ہے پہلے اس کو سمجھا اور جانا جائے۔ چونکہ قرآن کریم میں احکامات اجمالی اور اصولی طریقہ پر بیان کئے گئے ہیں اور اس اجمال کی تفصیل اور اصول کی تشریح یا مرادات خداوندی کا بیان نبی کریم ﷺ ہی کر سکتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ پہلے حدیث کا علم حاصل کیا جائے اور پھر اس کے ذریعہ قرآن کی تعلیمات سے استفادہ اور ان پر عمل کیا جائے۔

وَكَانَ كِتَابُ الْمَصَابِيْحِ صَنَّفَهُ الْإِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ قَامِعُ الْبِدْعَةِ اَبُوْ مُحَمَّدِ الْحُسَيْنُ ابْنُ مَسْعُوْدِ الْفَرَّاءُ الْبَغَوِيُّ رَفَعَ اللّٰهُ دَرَجَتَهُ اَجْمَعَ كِتَابٍ صُنِّفَ فِيْ بَابِهِ وَاَضْبَطَ لِشَوَارِدِ الْاَحَادِيْثِ وَاَوَابِدِهَا۔

''امام محی السنۃ (سنت کوزندہ کرنے والے) قامع البدعۃ (بدعت کودور کرنے والے) ابومحمد حسین الفراء بغوی (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے) نے جو کتاب (مصابیح) تالیف فرمائی تھی وہ اپنے فن کی ایک جامع کتاب تھی جس میں امام موصوف نے نہایت حسن وخوبی کے ساتھ منتشر اور متفرق احادیث کو جمع فرمایا تھا۔

تشریح ☆ شوارد شارد کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں بھاگنے والا اونٹ' ایسے ہی اوابد کے معنی وحشی جانور کے ہیں یہاں ان الفاظ کو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ شوارد سے مراد وہ احادیث ہیں جو اصول کی کتابوں میں نقل تھیں۔ چونکہ ان کتابوں تک ہر ایک طالب علم حدیث کی رسائی مشکل ہوتی تھی اس لئے کسی حدیث کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ کس کتاب میں اور کس جگہ نقل ہے' بڑا دشوار تھا۔ گویا وہ احادیث طالب حدیث کی نظر سے بھاگی ہوئی یعنی پوشیدہ تھیں' اس لئے ان کو ''شوارد'' کے لفظ سے تعبیر کیا ایسے ہی ''اوابد'' سے مراد وہ احادیث ہیں جن کے معنی ومقصود طالب حدیث کے فہم سے بہت بالا تھے اور جن کا سمجھنا طالب علم کے لئے مشکل تھا' اس لئے ان احادیث کو ''اوابد'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

یہ مشکلات طالب حدیث کے لئے بہت وقت طلب اور پریشان کن تھیں اور ان کی وجہ سے حدیث کو حاصل کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے امام محی السنۃ نے ان متفرق احادیث کو جمع کیا اور اپنی کتاب مصابیح میں جس باب کے مناسب جو حدیث تھی وہاں نقل کر دیا تاکہ ایک طالب علم حدیث کو کسی حدیث کی تلاش میں اصول کی بڑی بڑی کتابوں میں سرگرداں نہ ہونا پڑے اور ان کے معنی و مطالب سمجھنے میں اس کو آسانی ہو جائے۔

وَلَمَّا سَلَكَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ طَرِيْقَ الْاِخْتِصَارِ وَحَذَفَ الْاَسَانِيْدَ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ النُّقَّادِ

''اور جب مصنف ؒ نے (نقل حدیث کے وقت) اختصار کے طریقہ کو اختیار کیا اور اسناد کو حذف کر دیا تو اس پر بعض محدثین و ناقدین نے اعتراض کیا''۔

تشریح ☆ اسناد سے مراد یہ ہے کہ جب حدیث بیان کی جاتی ہے تو حدیث سے پہلے اس صحابی کا نام ذکر کیا جاتا ہے جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے' اسی طرح صحابی سے لے کر مصنف کتاب تک جتنے روایت کرنے والے ہوتے ہیں ان کے سلسلہ کو بھی سند و اسناد کہا جاتا ہے چونکہ مصنف مصابیح نے اپنی تالیف میں حدیث جمع کرتے وقت اختصار سے کام لیا تھا اور صرف نقل حدیث پر اکتفا کرتے ہوئے سند کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اس لئے محدثین کی جانب سے اعتراض ہوا' کیونکہ کسی حدیث کی حیثیت کو جاننے اور پہنچانے کا مدار صرف سند پر ہوتا ہے جب تک یہ سند نہ دیکھ لی جائے کہ یہ حدیث کس راوی نے روایت کی ہے اس وقت تک حدیث کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف بہت مشکل ہے۔

وَاِنْ كَانَ نَقْلُهُ وَاِنَّهُ مِنَ الثِّقَاتِ كَالْاَسْنَادِ لٰكِنْ لَيْسَ مَا فِيْهِ اِعْلَامٌ كَالْاِغْفَالِ فَاسْتَخَرْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاسْتَوْفَقْتُ مِنْهُ فَاَوْدَعْتُ كُلَّ حَدِيْثٍ مِنْهُ فِيْ مَقَرِّهِ فَاَعْلَمْتُ مَا اَغْفَلَهُ كَمَا رَوَاهُ الْاَئِمَّةُ الْمُتْقِنُوْنَ وَالثِّقَاتُ مِثْلُ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيِّ وَاَبِي الْحُسَيْنِ مُسْلِمِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيِّ وَاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ الْاَصْبَحِيِّ وَاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ اِدْرِيْسَ الشَّافِعِيِّ وَاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلِ الشَّيْبَانِيِّ وَاَبِيْ عِيْسٰى مُحَمَّدِ بْنِ عِيْسَى التِّرْمِذِيِّ وَاَبِيْ دَاوٗدَ سُلَيْمَانَ بْنِ الْاَشْعَثِ السِّجِسْتَانِيِّ وَاَبِيْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ

اَحْمَدَ بْنِ شُعَیْبِ النَّسَائِیْ وَاَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ مُحَمَّدِ بْنِ یَزِیْدَ ابْنِ مَاجَۃَ الْقَزْوِیْنِیْ وَاَبِیْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِیِّ وَاَبِی الْحَسَنِ عَلِیِّ بْنِ عُمَرَ الدَّارَقُطْنِیِّ وَاَبِیْ بَکْرٍ اَحْمَدَ بْنِ الْحُسَیْنِ الْبَیْھَقِیِّ وَاَبِی الْحَسَنِ رَزِیْنِ بْنِ مُعَاوِیَۃَ الْعَبْدَرِیِّ وَغَیْرِھِمْ وَقَلِیْلٌ مَاھُوَ۔

''اگر چہ مصنف کا حدیث کو ثقہ حضرات سے بغیر سند کے نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سند کے ساتھ نقل کیا ہو کیونکہ وہ نقل حدیث کے معاملہ میں ثقہ اور معتمد محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن پھر بھی جو چیز بے نشان ہو وہ نشان والی چیز کے درجہ میں نہیں ہو سکتی۔ اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس کی توفیق کا طلبگار ہوا۔ میں نے ہر حدیث کو جس باب سے اس کا تعلق تھا اسی باب میں نقل کیا اور علماء و محدثین نے جس طرح اس کو روایت کیا اسی طرح میں نے بھی مع سند اور حوالہ کتاب کے اس کو ذکر کیا۔ مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین بن معاویہ عبدری۔ ان ائمہ اور محدثین نے جس طرح اپنی کتابوں میں حدیث کو نقل کیا ہے اسی طرح میں نے ان کی کتابوں سے حدیث کو لے کر اس کتاب میں جمع کر دیا۔ ان ائمہ اور محدثین کے علاوہ کچھ دوسرے محدثین بھی ہیں جن کی کتابوں سے احادیث نقل کی گئی ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے''۔

تشریح ☆ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ صاحب مصابیح نے جب اپنی کتاب میں حدیث کو جمع کرتے وقت ان کی سند اور حوالہ کتاب کے ذکر کو چھوڑ دیا تو اس پر محض محدثین اور ناقدین نے اعتراض کیا اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے جب مصابیح میں دیگر حدیثوں کا اضافہ کیا تو انہوں نے ساتھ ہی یہ التزام بھی رکھا کہ ہر حدیث کی سند ضرور لکھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا حوالہ بھی دیا جس سے حدیث لی گئی تھی اور طریق وہی اختیار کیا جو ان کتابوں کے مصنفین مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ نے اختیار کیا تھا۔ اس طرح نئی ترتیب و تدوین کے ساتھ یہ کتاب معرض وجود میں آئی جو مشکوٰۃ کی موجودہ شکل میں موجود ہے۔

وَاِنِّیْ اِذَا نَسَبْتُ الْحَدِیْثَ اِلَیْھِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ لِاَنَّھُمْ قَدْ فَرَغُوْا مِنْہُ وَاَغْنَوْنَا عَنْہُ۔

''اور حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے ان احادیث کی ان ائمہ و محدثین کی طرف نسبت کر دی تو گویا اس کی سند پہنچا دی نبی کریم ﷺ تک، کیونکہ ان ائمہ نے (اپنی کتابوں میں) سند ذکر کر کے ہم کو اس سے مستغنی کر دیا ہے''۔

تشریح ☆ یہاں شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ محدثین و ناقدین نے صاحب مصابیح پر اعتراض ہی یہ کیا تھا کہ انہوں نے نقل حدیث کے وقت تمام سند کے ذکر کا التزام نہیں کیا۔ تو اب بھی وہ بات باقی رہ گئی کیونکہ صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف صحابی اور کتاب کے حوالہ کے ذکر کو کافی جانا تمام سند نہیں ذکر کی۔ اسی کا جواب مصنف نے دیا ہے کہ جن ائمہ و محدثین سے یہ احادیث لی گئی ہیں انہوں نے خود ہی سند کے سلسلہ میں تلاش و جستجو اور نقد و نظر کے بعد اس مرحلہ کو طے کر لیا تھا اور ان حضرات نے اپنی کتابوں میں چونکہ اسناد ذکر کر دی ہیں اس لئے ان کی ذکر کردہ سند کو کافی سمجھتے ہوئے اب ہمیں تمام اسناد ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

وَسَرَدْتُ الْکُتُبَ وَالْاَبْوَابَ کَمَا سَرَدَھَا وَاقْتَفَیْتُ اَثَرَہٗ فِیْھَا

''اور میں نے اس میں کتب اور ابواب کی ترتیب وہی رکھی جو صاحب مصابیح نے رکھی تھی اور اس سلسلہ میں ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کی ہے''۔

تشریح ☆ عام طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب میں مختلف موضوعات و مباحث سے متعلق مضامین ہوتے ہیں ان کو ان موضوعات و مباحث کے اعتبار سے کتاب و ابواب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لفظ ''کتاب'' کے ذریعہ جو عنوان قائم کیا جاتا ہے، اس کے تحت وہ مختلف

ابواب ہوتے ہیں جو اگرچہ ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے مضامین ومباحث کی نوعیت وتفصیل الگ الگ ہوتی ہے۔ مثلاً ''طہارت'' ایک موضوع ہے اور اس موضوع سے متعلق مختلف النوع صورتیں اور ان کے احکام ومسائل ہیں جیسے وضو، غسل، تیمم وغیرہ تو سب سے پہلے ''کتاب الطہارۃ'' کا عنوان قائم ہوتا ہے اور پھر اس کے تحت ان مختلف النوع صورتوں اور ان کے احکام ومسائل پر مشتمل مضامین کو نقل کرنے کے لئے ابواب قائم کئے جاتے ہیں جیسے "باب الوضو' باب الغسل ' باب التیمم وغیرہ۔

لہٰذا صاحب مصابیح نے اپنی تصنیف میں جس ترتیب کے ساتھ کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کئے تھے اسی ترتیب سے صاحب مشکوٰۃ نے بھی کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کئے ہیں۔

وَقَسَمْتُ كُلَّ بَابٍ غَالِبًا عَلٰى فُصُوْلٍ ثَلَاثَةٍ اَوَّلُهَا مَا اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاكْتَفَيْتُ بِهِمَا وَاِنِ اشْتَرَكَ فِيْهِ الْغَيْرُ لِعُلُوِّ دَرَجَتِهِمَا فِي الرِّوَايَةِ

''اور میں نے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جن کو شیخین یعنی بخاریؒ اور مسلمؒ نے روایت کیا ہے یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے اگرچہ ان حدیثوں میں بعض ایسی بھی ہیں جن کو دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس فصل میں میں نے صرف شیخین کے ذکر پر اکتفا کیا ہے کیونکہ شیخین کا درجہ تمام محدثین سے بلند ہے''۔

تشریح ☆ مشکوٰۃ میں ''متفق علیہ'' کی اصطلاح اس حدیث کے لئے ہے جو ایک ہی صحابی سے بخاری ومسلم دونوں میں مذکور ہے۔ اگر صحابی کا اختلاف ہو یعنی بخاری میں تو ایک صحابی سے منقول ہے اور مسلم میں دوسرے صحابی سے تو اس روایت کو متفق علیہ نہیں کہیں گے اگرچہ حدیث ایک ہی ہو۔

وَثَانِيْهَا مَا اَوْرَدَهُ غَيْرُهُمَا مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَثَالِثُهَا مَا اشْتَمَلَ عَلٰى مَعْنَى الْبَابِ مِنْ مُلْحَقَاتٍ مُنَاسِبَةٍ مَعَ مُحَافَظَةٍ عَلَى الشَّرِيْطَةِ وَاِنْ كَانَ مَاْثُوْرًا عَنِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ

''اور دوسری فصل میں وہ احادیث نقل کی گئی ہیں جن کو شیخین یعنی بخاری ومسلمؒ کے علاوہ دوسرے مذکورہ ائمہ میں سے کسی اور نے روایت کیا ہے اور تیسری فصل میں احادیث کے علاوہ صحابہ وتابعین کے ان اقوال وآثار کو بھی جمع کیا گیا ہے جو باب کے مناسب اور لائق تھے لیکن آثار واخبار کو شامل کرتے وقت شرائط حدیث کو مدنظر رکھا گیا ہے''۔

تشریح ☆ مصابیح میں دو ہی فصلیں تھیں لیکن تیسری فصل میں صاحب مشکوٰۃ نے اس کا التزام نہیں کیا ہے کہ حدیث مرفوع حضرت ﷺ ہی نقل کی جائیں بلکہ صحابہ اور تابعین کے ایسے اقوال وافعال اور تقریر بھی اس فصل میں نقل کی ہیں جو باب کے مناسب ہیں لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اس فصل میں بھی یہ التزام کیا ہے کہ پہلے راوی کا نام ضرور لکھا ہے خواہ صحابی ہو یا تابعی اسی طرح آخر میں کتاب کا حوالہ دیا ہے کہ کس کتاب سے یہ حدیث لی گئی ہے۔

ثُمَّ اِنَّكَ اِنْ فَقَدْتَ حَدِيْثًا فِيْ بَابٍ فَذٰلِكَ عَنْ تَكْرِيْرٍ اُسْقِطُهُ

''پھر اگر کسی باب میں کوئی حدیث نہ پائی جائے تو سمجھا جائے کہ اسے میں نے تکرار کی وجہ سے نقل نہیں کیا ہے''۔

تشریح: یعنی اگر ایسا ہو کہ ایک حدیث مصابیح کے ایک باب میں تو موجود ہے لیکن مشکوٰۃ کے اسی باب میں نہیں ہے تو یہ اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ نے وہ حدیث کسی دوسرے باب میں ہونے کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کی۔

وَاِنْ وَجَدْتَ اٰخَرَ بَعْضَهُ مَتْرُوْكًا عَلٰى اخْتِصَارِهٖ اَوْ مَضْمُوْمًا اِلَيْهِ تَمَامُهُ فَعَنْ دَاعِيْ اِهْتِمَامٍ اَتْرُكُهُ وَاُلْحِقُهُ

''اور اگر پاؤ تم ایک حدیث کہ اس کا بعض حصہ اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یا اس میں بقیہ حصہ اس حدیث کا ملا دیا گیا ہے تو یہ حذف کرنا اور ملانا خاص مقصد کے تحت ہے''۔

تشریح ☆ مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مقصد کے تحت اگر کسی جگہ حذف والحاق ضروری سمجھا گیا تو وہاں ایسا کیا گیا۔ مثلاً ایک بڑی حدیث ہے جس کا کچھ حصہ تو ایسا ہے جو باب کے مناسب ہے تو اسے وہاں نقل کر دیا گیا اور بعض حصہ ایسا ہے جو مناسب باب نہیں ہے تو اسے ترک کر دیا گیا ہے۔ یا حدیث کا ایک ٹکڑا اس باب کے مناسب ہے اور دوسرا ٹکڑا کسی دوسرے باب سے متعلق ہے تو ایسی شکل میں وہاں حدیث کو اختصار کے ساتھ جو باب سے متعلق تھی بیان کیا گیا ہے۔ اس حالت میں بھی پیروی صاحب مصابیح کی گئی ہے لیکن جہاں ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے تو پوری حدیث نقل کر دی گئی ہے اگر چہ وہاں صاحب مصابیح نے اختصار سے کام لیا ہو۔

وَاِنْ عَثَرْتَ عَلٰی اخْتِلَافٍ فِی الْفَصْلَیْنِ مِنْ ذِکْرِ غَیْرِ الشَّیْخَیْنِ فِی الْاَوَّلِ وَذِکْرِهِمَا فِی الثَّانِیْ فَاعْلَمْ اَنِّیْ بَعْدَ تَتَبُّعِیْ کِتَابَیِ الْجَمْعِ بَیْنَ الصَّحِیْحَیْنِ لِلْحُمَیْدِیِّ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ اعْتَمَدْتُّ عَلٰی صَحِیْحَیِ الشَّیْخَیْنِ وَمَتْنَیْهِمَا۔

''اور اگر تمہیں دونوں فصلوں میں اختلاف نظر آئے یعنی غیر شیخین کی احادیث تو فصل اوّل میں ذکر کی گئی ہوں اور شیخین کی ان احادیث کو فصل ثانی میں نقل کیا گیا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ یہ اختلاف غلطی یا غفلت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ یہ میں نے حمیدی کی کتاب جمع بین الصحیحین اور کتاب جامع الاصول میں بسیار تلاش و تحقیق اور تتبع کے بعد کیا ہے اور اس سلسلہ میں میں نے بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متن پر اعتماد کیا ہے۔

تشریح ☆ صاحب مصابیح نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ فصل اول میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین یعنی امام بخاری و مسلمؒ سے ان کی کتاب میں روایت کی گئی ہے اور فصل ثانی میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ سے مذکور ہیں لیکن مشکوٰۃ میں بعض جگہ ایسا بھی ہے کہ فصل اول میں وہ احادیث جن کو صاحب مصابیح نے شیخین کی طرف نسبت کرتے ہوئے نقل کیا ہے صاحب مشکوٰۃ نے ان کو دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے جیسے باب سنن وضو کی فصل اول میں باب فضائل قرآن میں، اسی طرح بعض جگہ فصل ثانی کی احادیث کو شیخین کی طرف منسوب کیا ہے جیسے باب ما یقرأ بعد التکبیر یا باب الموقف وغیرہ میں، تو اس ردوبدل اور فرق کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ میری غلطی یا سہو کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ میں نے کتاب جمع بین الصحیحین اور کتاب جامع الاصول نیز بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متنوں میں کافی تلاش و تحقیق کی، چنانچہ ان کتابوں میں جن احادیث کو شیخین کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے اور انہیں صاحب مصابیح نے فصل اول میں منسوب کیا ہے تو میں نے ان احادیث کو مشکوٰۃ میں شیخین کی طرف منسوب کرنے کے بجائے انکے اصل راوی و ناقل کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایسے ہی جن احادیث کو صاحب مصابیح نے شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے فصل ثانی میں نقل کیا تھا اور وہ حدیث مجھے ان کتب مذکورہ میں شیخین کی طرف منسوب ملیں تو میں نے انکو شیخین کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ مجھے اپنی تحقیق و جستجو پر اعتماد تھا اسلئے میں نے یہ سوچ کر مصابیح کو نقل کے خلاف ایسا کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ صاحب مصابیح سے نقل حدیث کے وقت سہو ہو گیا ہو۔

وَاِنْ رَاَیْتَ اخْتِلَافًا فِیْ نَفْسِ الْحَدِیْثِ فَذٰلِكَ مِنْ تَشَعُّبِ طُرُقِ الْاَحَادِیْثِ۔

''اور اگر اختلاف اصل حدیث میں نظر آئے تو یہ احادیث کی اسناد میں اختلاف کی وجہ سے ہوگا''۔

تشریح ☆ یعنی صاحب مصابیح نے ایک حدیث روایت کی اور وہی حدیث جب صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی اور دونوں کے الفاظ میں فرق نکلا یعنی صاحب مصابیح کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ کچھ اور ہیں اور صاحب مشکوٰۃ کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ دوسرے ہیں تو اس بارے میں صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ یہ فرق دراصل سندوں کے اختلاف کی بنا پر ہوا یعنی صاحب مصابیح کو وہ روایت جس سند سے

پہنچی ہے اس میں وہ الفاظ ہیں جن کو انہوں نے نقل کیا ہے اور مجھے اِس سند سے یہ روایت پہنچی اس میں یہ الفاظ ہیں جو میں نقل کر رہا ہوں۔

وَلَعَلِّیْ مَا اطَّلَعْتُ عَلٰی تِلْكِ الرِّوَایَةِ الَّتِیْ سلکها الشَّیْخ رضی الله عَنْهُ وَقَلِیْلاً مَا تجدُ اَقُوْلُ مَا وَجَدْتُ هذه الروایة فِیْ کُتُبِ الْاُصُوْلِ اَوْ وَجَدْتُ خِلَافَهَا فَاِذَا وقفت عَلَیْهِ فَانْسِب الْقُصُوْرَ اِلَیَّ لِقِلَّة الدِّرَایَةِ لَا اِلٰی جناب الشَّیْخ رفع الله قدره فی الدَّارَیْنَ حاشَا لِلّٰهِ مِنْ ذٰلِك۔

''اور ہوسکتا ہے کہ جس روایت کو شیخ نے نقل کیا ہے وہ مجھے نہ ملی ہو مگر ایسا کم ہوگا کہ وہ روایت مجھے نہ ملی ہو یا مجھے اصول کی کتابوں میں شیخ کی نقل کردہ روایت کے خلاف وہ روایت ملی ہو لیکن یہ اختلاف اگر معلوم ہو تو خطا و قصور کی نسبت میری کوتاہی علم کی بناء پر میری طرف کی جائے اور شیخ کو غلطی سے مبرا سمجھا جائے اس سے خدا تعالیٰ کے لئے پاکی ہے''۔

تشریح ☆ اصول کی کتابوں سے مراد وہی مذکورہ کتب یعنی بخاری و مسلم ہیں یعنی اگر ایسا ہو کہ جس روایت کو صاحب مصابیح نے نقل کیا ہے مجھے وہ روایت نہ ملی ہو یا انکی نقل کردہ روایت اور میری نقل کردہ روایت میں کوئی اختلاف نظر آئے تو اس میں غلطی اور قصور کی نسبت میری ہی جانب کی جائے۔ صاحب مصابیح کو غلطی اور خطا کا مرتکب قرار نہ دیا جائے اور صاحب مشکوٰۃ کا یہ کہنا کہ غلطی اور قصور کی نسبت میری جانب کی جائے خلوصِ نیت اور اعترافِ حقیقت کی بناء پر ہے اس میں ریا وغیرہ کا دخل نہیں ہے جیسا کہ حاشا الله من ذلك سے اشارہ کر دیا ہے۔

رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ اِذَا وَقَفَ عَلٰی ذٰلِكَ نَبَّهَنَا عَلَیْهِ وَاَرْشَدَنَا طَرِیْقَ الصَّوَابِ۔

''خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جسے وہ روایت معلوم ہو اور ہمیں مطلع کر کے راہ حق بتائے''۔

تشریح ☆ یعنی اگر کسی شخص کو وہ روایت معلوم ہو جو صاحب مصابیح نے نقل کی ہے اور مجھے نہیں معلوم ہوئی ہے تو اس کو چاہئے کہ اگر ہماری زندگی میں اسے معلوم ہو تو وہ ہمیں بتا دے اور مرنے کے بعد ہماری کتاب میں اس کا اضافہ کر دے۔

وَلَمْ اٰلُ جُهْدًا فِی التَّنْقِیْرِ وَالتَّفْتِیْشِ بِقَدْرِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ وَنَقَلْتُ ذٰلِكَ الْاِخْتِلَافَ کَمَا وَجَدْتُ۔

''میں نے اپنی تحقیق و تدقیق اور تلاش و جستجو میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق پوری چھان بین کی اور یہ اختلاف میں نے جیسا پایا ویسا ہی نقل کر دیا''۔

تشریح ☆ یعنی میں نے اصول کی کتابوں میں جیسا پایا اور جس طرح نقل دیکھا' شیخ کی تقلید محض سے ہٹ کر ویسا ہی یہاں ذکر کر دیا' اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ اگر صاحب مشکوٰۃ زیادہ تتبع کرتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کو وہ روایتیں نہ ملتیں' تو اس کا جواب خود صاحب مشکوٰۃ نے دے دیا کہ جہاں تک میری رسائی اور ہمت و طاقت تھی میں نے اس سے بڑھ کر تحقیق و تلاش کی اور اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

وَمَا اَشَارَ اِلَیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ غَرِیْبٍ اَوْ ضَعِیْفٍ اَوْ غَیْرِهِمَا بَیَّنْتُ وَجْهَهٗ غَالِبًا وَمَا لَمْ یُشِرْ اِلَیْهِ مِمَّا فِی الْاُصُوْلِ فَقَدْ قَفَّیْتُهٗ فِیْ تَرْکِهٖ اِلَّا فِیْ مَوَاضِعَ لِغَرَضٍ۔

''اور جن احادیث پر شیخ نے ضعیف یا غریب وغیرہ کا حکم لگایا ہے میں نے ان کا سبب بیان کر دیا ہے اور جن احادیث و اصولی امور کی جانب شیخ نے کوئی اشارہ نہیں کیا تو میں نے بھی شیخ کی پیروی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے مگر بعض مقامات پر مجبوری کی بناء پر میں نے توضیح کر دی ہے''۔

تشریح ☆ یعنی صاحب مصابیح نے بعض احادیث کے بارے میں نقل کیا تھا کہ فلاں غریب ہے اور فلاں ضعیف ہے یا شاذ و منکر کا حکم لگا دیا تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں اس کی توضیح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث کیوں غریب ہے یا ضعیف کیوں ہے اور ان احادیث کو

شاذ ومنکر کیوں کہا گیا اور کچھ ایسی احادیث بھی تھیں جن کو صاحب مصابیح نے نہ تو ضعیف وغریب کہا تھا اور نہ ہی شاذ و منکر، بلکہ انہیں ایسا ہی چھوڑ دیا تھا تو صاحب مشکوۃ نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے انکی کوئی توضیح نہیں کی بلکہ انہیں اسی طرح نقل کر دیا' البتہ بعض مجبوریوں کی بنا پر کچھ ایسے مقامات پر بھی صاحب مشکوۃ نے توضیح کر دی ہے جہاں صاحب مصابیح نے سکوت اختیار کیا ہے مثلاً بعض لوگوں نے طعن وکلام کیا کہ فلاں حدیث موضوع ہے یا باطل ہے تو مجبوراً صاحب مشکوۃ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے ان کی تشریح وتوضیح ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے کی کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اور یہ ضعیف یا غریب ہے۔

وَرُبَمَا تَجِدُ مَوَاضِعَ مُهْمَلَةً وَ ذٰلِكَ حَيْثُ لَمْ اَطَّلِعْ عَلٰى رَاوِيْهِ فَتَرَكْتُ الْبَيَاضَ فَاِنْ عَثَرْتَ عَلَيْهِ فَالْحِقْهُ بِهٖ اَحْسَنَ اللّٰهُ جَزَآءَكَ۔

''اور کچھ ایسے مقام بھی ملیں گے کہ وہاں حدیث کے بعد میں نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا کیونکہ باوجود تحقیق وتلاش کے میں راوی کے نام سے واقف نہیں ہو سکا لہٰذا وہ جگہ میں نے چھوڑ دی ہے☆ پس اگر تمہیں راوی کے نام کا علم ہو تو اس جگہ اس کا حوالہ دے دینا اس کے لئے اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائیں گے''۔

وَسَمَّيْتُ الْكِتٰبَ بِمِشْكٰوةِ الْمَصَابِيْحِ

''اور اس کتاب کا نام میں نے مشکوۃ المصابیح رکھا ہے''۔

تشریح ☆ مصابیح مصباح کی جمع ہے جس کے معنی چراغ کے ہیں اور مشکوۃ کا معنی طاقچہ ہے۔ جس طرح طاقچہ میں چراغ رکھا جاتا ہے اسی طرح کتاب مصابیح' مشکوۃ میں رکھی ہوئی ہے۔

وَاَسْاَلُ اللّٰهَ التَّوْفِيْقَ وَالْاِعَانَةَ وَالْهِدَايَةَ وَالصِّيَانَةَ وَتَيْسِيْرَ مَا اَقْصِدُهٗ

''اس کتاب کی تصنیف کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق' اس کی مدد اور ہدایت کا طلب گار ہوں اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے خطا وقصور سے حفاظت اور مشکلات کی آسانیوں کے لئے دعا کرتا ہوں''۔

وَاَنْ يَّنْفَعَنِيْ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔

''اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس زندگی میں اور مرنے کے بعد مجھے بھی اور ہر مسلمان مرد وعورت کو نفع پہنچائے اور وہی میرے لئے کافی اور بہتر کارساز ہے اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے جو تمام امور پر غالب اور حکمت والا ہے۔

تشریح ☆ زندگی میں نفع تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کتاب کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان احادیث پر عمل کرنے کی توفیق دے اور مرنے کے بعد کا نفع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے مغفرت وبخشش اور جنت کی نعمتوں سے نوازے اور اپنی بے پایاں رحمت کے دروازے کھول دے۔

☆ اللہ عزوجل کا صدہا شکر واحسان ہے کہ اب ادارہ "مکتبۃ العلم" کو توفیق عطا فرمائی کہ اس کو مکمل تخریج وتحقیق کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔

نوٹ: اگر اس سلسلہ میں مزید تحقیق کی جستجو ہو تو "مکتبۃ العلم" ہی کی شائع کردہ "فتاویٰ دار العلوم دیوبند" کے ص: ۸۷ تا ۳۰۰ صفحات کا مطالعہ مفید مطلب رہے گا۔

مشکوٰۃ المصابیح کی پہلی حدیثِ مبارکہ

تمام کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری ۱/۱۳۵حدیث من غیر لفظ انما ـ ومسلم فی صحیحه ۳/۱۵۱۵حدیث ۱۹۰۷وابوداود فی سننه ۲/۶۵۱رقم ۲۲۰۱ـوالنسائی فی سننه ۱/۸۵حدیث ۷۵ بالافراد والترمذی ۴/۱۵۴حدیث ۱۶۴۷ وابن ماجة ۲/۱۴۱۳حدیث ۴۲۲۷ـواحمد فی مسنده ـ ۱/۲۵

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ لہٰذا جس شخص نے خالص اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی۔ تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہوگی اور جس شخص نے دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی خاتون سے شادی کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہوگی۔ جس کا ارادہ کر کے اس نے ہجرت کی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ مقام حدیث:

صاحب کتاب نے مذکورہ حدیث کو قبل العنوان ذکر کیا ہے عنوان تو کتاب الایمان سے شروع ہوتا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ اپنے مضمون کے اعتبار سے صحیح نیت کیلئے اساسی اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے تا کہ ہر عمل اور فعل سے پہلے اپنی نیت کو درست کر لیا جائے۔ اگر نیت صحیح نہ ہو تو عمل اکارت ہو جائے گا۔ صاحب مشکوٰۃ نے بھی طالب علم کو درستی نیت کی ترغیب دینے کیلئے اس حدیث کو مقدم کیا ہے۔

مذکورہ حدیث کا علماء کے نزدیک ایک خاص مقام اور درجہ ہے:

① حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ جو آدمی کوئی کتاب تالیف کرے تو ابتداء اس حدیث سے کرے۔

② امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث کو سب سے پہلے لکھا ہے۔ کیونکہ اس کی صحت اور جلالت شان متفق علیہ ہے۔

③ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نصف علم ہے۔ کیونکہ علم کا تعلق دو چیزوں سے ہے قلب اور لسان اور حسن نیت کا تعلق قلب سے ہے۔ اس اعتبار سے یہ نصف علم ہے۔

④ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس حدیث کو علم کا چوتھا حصہ قرار دیا ہے کیونکہ اسلام کے کل چار شعبے ہیں: ✿ شبہات سے اجتناب۔ ✿ زہد۔ ✿ لایعنی چیزوں کا ترک۔ ✿ اخلاص نیت، مذکورہ حدیث خلوص نیت سے متعلق ہے اس لئے یہ علم کا چوتھائی حصہ ہے۔

⑤ عمدۃ القاری میں مذکور ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے خلاصہ اسلام کے لئے چار احادیث کو منتخب کیا ہے۔

① انما الاعمال بالنیات ......

② من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه۔

③ الحلال بین والحرام بین ......

④ لا یکون المؤمن مؤمناً حتی یر ضی لاخیه مایر ضی لنفسه۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصہ اسلام کے لئے تین احادیث کو منتخب کیا ہے:

① انما الا عمال بالنیات ......۔ ② الحلال بیّن و الحرام بین ......۔

③ من احدث فی امر نا ھذا مالیس منہ فھورد۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: مذکورہ حدیث کے راوی حضرت عمرؓ ہیں۔ آپ کا نام عمرؓ لقب فاروق کنیت ابوحفص ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔ آپ کا نسب نویں پشت میں رسول اللہ سے جاملتا ہے والدہ کا نام ختمہ بنت ہاشم تھا جو کہ ابوجہل کی ہمشیرہ تھیں۔ اسی وجہ سے آپ ابوجہل کو ماموں کہا کرتے تھے۔ آپ دوسرے خلیفہ ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ۲۷ ذی الحجہ بروز بدھ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ایک مجوسی غلام ابولولو نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا اور آپ نے محرم الحرام کو دار فانی سے رحلت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کا مزید تذکرہ ان شاءاللہ العزیز مناقب میں آئے گا۔

شانِ ورود: مذکورہ حدیث کا شان ورود اور پس منظر جو کہ عمدۃ القاری میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مکہ سے ایک آدمی نے قیلہ نامی عورت کو، جو ام قیس کے نام سے معروف تھی نکاح کا پیغام بھیجا کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس عورت نے یہ شرط لگائی کہ اگر آپ ہجرت کریں گے تو نکاح ہوسکتا ہے چنانچہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور اس عورت سے شادی کرلی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا گیا تو اس پر آپ نے مذکورہ بالا حدیث ارشاد فرمائی کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کا بدلہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کریگا۔ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی۔ جو دنیا حاصل کرنے کے لئے اور شادی کے لئے ہجرت کریگا اس کی کی ہجرت اسی کی طرف ہوگی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس آدمی کو مہاجر ام قیس کہا کرتے تھے۔

سوال: مہاجر ام قیس نے جب نکاح کا پیغام بھیجا تو قیلہ نے ہجرت کی شرط لگائی اور اس شرط کو پورا کرتے ہوئے جب اس آدمی نے ہجرت کی تو اس کا ہجرت کا ثواب اکارت ہوگیا۔

مگر حضرت ابوطلحہؓ نے جب ام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے شرط لگائی کہ اگر تم اسلام قبول کروگے تو شادی ہوجائے گی۔ انہوں نے اس شرط کو قبول کرلیا اور شادی ہوگئی لیکن وہاں بطلان ثواب ہجرت کا قول کسی نے نہیں کیا۔ حالانکہ دونوں جگہ نکاح کی غرض کار فرما تھی۔ بظاہر دونوں صورتیں ایک جیسی ہیں وجہ فرق کیا ہے؟

جواب ①: حضرت ابوطلحہ کا پہلے سے مسلمان ہونے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ وہ اسی طریقہ سے مسلمان ہوئے جس طرح دیگر لوگ مسلمان ہوئے جس طرح وہ علی وجہ البصیرت مسلمان تھے اسی طرح یہ بھی علی وجہ البصیرت مسلمان ہوئے البتہ انہوں نے ساتھ ہی ایک امر مباح یعنی شادی کی بھی نیت کرلی جیسے روزہ کی نیت کے ساتھ ساتھ پرہیز کی نیت کرلی جائے۔

جواب ②: عمل کی دو قسمیں ہیں ممتد اور غیر ممتد امتداد سے یہ مراد ہے کہ وہ عمل کسی حد پر ختم نہ ہو اور عدم امتداد سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل کسی حد پر پہنچ کر ختم ہوجائے۔ ہجرت اور اسلام میں امتداد اور عدم امتداد کے اعتبار سے فرق ہے کہ ہجرت ایک غیر ممتد عمل ہے کیونکہ یہ وقتی عمل ہے ایک حد پر پہنچ کر ختم ہوجاتا ہے۔ اور اسلام عمل ممتد ہے۔ کسی جگہ پر اس کی حد ختم نہیں ہوتی۔ الغرض جب کوئی اپنی ذاتی غرض کے لئے ہجرت کرتا ہے تو آخر کار وہ اپنا مقصود پالیتا ہے اور ہجرت ختم ہوجاتی ہے۔ تو آخر تک اس میں خود غرضی شامل تھی اور انتہاء کے بعد ہجرت نہیں تھی اسلئے وہ ضائع ہوگی بخلاف اسلام کے کہ وہ عمل ممتد ہے۔ اگر فی الحال اس میں نیت خراب تھی تو آنے والے وقت

میں صحیح بھی ہو سکتی ہے۔ اسلئے حضرت ابوطلحہؓ پر نکیر نہیں فرمائی گئی۔

سوال: مذکورہ توجیہ تو مہاجر ام قیس کے سلسلہ میں بھی ہو سکتی ہے کہ اس آدمی کا ارادہ ہجرت کا پہلے سے تھا۔ چنانچہ ممکن ہے کہ اس نے بھی دیگر مہاجرین کی طرح علی وجہ البصیرت ہجرت کی ہو البتہ اس کے ساتھ امر مباح کی نیت بھی شامل کر لی ہو۔

جواب: مہاجر ام قیس کے بارے میں یہ توجیہ نہیں ہو سکتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ومن کانت هجرته الى دنيا يصيبها او امراة يتزوجها فهجرته الى ماها جر اليه کے الفاظ کے ساتھ نکیر فرما دی اور حضرت ابوطلحہؓ کے قصہ میں کوئی نکیر مذکور نہیں۔ اس لئے ان کے بارے میں مذکورہ توجیہ درست ہے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ: علماء اہل اصول کے نزدیک انما کے کلمہ کو حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس سے مقصود حکم کی تاکید اور اثبات ہوتا ہے جیسے: انما الهكم الله واحد اور اس کے مدخول کے علاوہ کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ اس ضابطے کے مطابق مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اعمال نیت کی وجہ سے معتبر ہوں گے نیت کے بغیر اعمال کا کوئی اعتبار نہیں اور بالنيات میں باء حرف جار ہے اور النيات مجرور ہے اس کے متعلق میں چند احتمالات ہیں۔

① بعض علماء کے نزدیک اس کا متعلق مقدر ہوگا افعال عامہ میں سے اور وہ یہ ہیں کون، وجود، ثبوت، حصول۔ لیکن یہ درست نہیں کیونکہ افعال عامہ کا متعلق افعال حسیہ سے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ افعال حسیہ کا وجود نیت کے بغیر نہیں ہو سکتا حالانکہ افعال حسیہ کا وجود نیت کے بغیر بالمشاہدہ ثابت ہے۔

② جمہور ائمہ کے نزدیک اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا متعلق مقدر ہے۔ تصح۔ دوسرے یہ کہ اس کا متعلق مقدر ہے منوطہ۔ مطلب یہ ہوگا کہ کوئی عمل نیت کے بغیر صحیح نہیں کیونکہ ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے

③ علماء احناف کے نزدیک اس کا متعلق ثواب مقدر ہوگا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: انما الاعمال تثاب بالنيات کہ اعمال کے ثواب کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر نیت نہیں تو عمل پر ثواب مرتب نہیں ہوگا اگرچہ نفس عمل کا وجود ہو جائے گا

④ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا متعلق تعتبر مقدر ہوگا۔ کیونکہ یہ لفظ عام ہے۔ تو اس عموم کے مطابق مناسب فعل مقدر نکالا جائے گا۔ مثلاً اگر عبادات مقصود ہوں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ تو معنی ہوگا۔ انما الاعمال تعتبر لصحتها النية۔ کیونکہ عبادات مقصودہ فرضیہ کیلئے نیت کا ہونا ضروری ہے اور اگر وہ اعمال عبادات فرضیہ کیلئے شرط ہوں جیسے طہارت اور ستر عورت وغیرہ نماز کے لئے تو اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ انما الاعمال تعتبر لحصول ثوابها النية۔ کیونکہ جب تک ان شرائط کے لئے ثواب کی نیت نہیں ہوگی تو ثواب نہیں ملے گا اگرچہ نفس عمل ثابت ہو جائیگا۔

اور اگر وہ اعمال مباح ہوں تو پھر تعتبر فعل کے بعد تصیر اور تنقلب فعل مقدر ہوگا۔ اس اعتبار سے یہ فعل عبادات مقصودہ اور غیر مقصودہ اور امر مباح سب کو شامل ہو جائے گا۔

سوال: مذکورہ حدیث میں اعمال اور نیات دونوں کو جمع ذکر کیا گیا ہے۔ انما الا عمال بالنيات اور بخاری کتاب الایمان والنذور میں اعمال کو جمع اور نیت کو مفرد ذکر کیا گیا ہے: انما الاعمال بالنية اور بخاری کتاب النکاح میں دونوں کو مفرد ذکر کیا گیا ہے: العمل بالنية۔ وجہ فرق کیا ہے؟

جواب: جس روایت میں اعمال اور نیات دونوں کو جمع ذکر کیا گیا ہے تو وہاں مقابلة الجمع بالجمع ہے۔ جو کہ انقسام الاحاد علی الاحاد کو چاہتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ کل عمل بنية۔ کہ ہر عمل کے لئے اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اس اعتبار سے نیت کا اختلاف عمل کے اختلاف کو مستلزم

ہے۔ جیسے خوشبو استعمال کرنا ایک عمل ہے اس کی ایک نیت اتباع سنت ہے۔ دوسری نیت دفع اذیت ہے کہ بدبودار پسینہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ تیسری نیت یہ ہے کہ دماغ معطر ہو جائے چوتھی نیت یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنا۔ پانچویں نیت اجنبی عورتوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔ پہلی تین صورتوں میں ثواب ہوگا آخری دو صورتوں میں عذاب ہوگا۔

اور جس حدیث میں اعمال کو جمع اور نیت کو مفرد ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال جوارح اور ارکان سے صادر ہوتے ہیں اور جوارح متعدد ہیں اور نیت دل سے صادر ہوتی ہے اور دل ایک ہے۔ اس لئے اعمال کو جمع اور نیت کو مفرد ذکر کیا گیا ہے۔

اور جس حدیث میں عمل کو مفرد ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل اپنی حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے ایک ہی ہوتا ہے، تعدد اس میں باعتبار انواع کے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے مسجد میں جانا ایک عمل ہے۔ اس کی ایک نیت یہ ہے کہ وہ آدمی ذکر کی نیت کرے۔ ثانی یہ کہ تلاوت کی نیت کرے ثالث یہ کہ اہتمام نماز کی نیت ہو۔ رابع یہ کہ جماعت کی نیت کرے۔ خامس یہ کہ دعا میں مشغول ہونے کی نیت کرے۔ سادس یہ کہ لایعنی حرکات سے حفاظت مقصود ہو سابع یہ کہ مسلمانوں کی ملاقات اور زیارت مقصود ہو ان سب صورتوں میں حقیقت کے اعتبار سے عمل میں وحدت ہے صرف حیثیت کے اختلاف سے تعدد پیدا ہوا ہے۔

سوال: مذکورہ حدیث میں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ فرمایا ہے۔ انما الافعال بالنيات کیوں نہیں فرمایا۔ فعل اور عمل میں کیا فرق ہے؟

جواب ①: فعل اور عمل میں فرق یہ ہے کہ عمل میں دوام اور استمرار ہوتا ہے وہ اس طرح کہ عمل کا لغوی معنی ساختن یعنی بنانا ہے اور بنانے میں امتداد ہوتا ہے۔ بخلاف فعل کے کہ فعل کا لغوی معنی ہے کردن۔ یعنی کرنا اور کرنے میں امتداد نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں واعملوا صالحا ہے۔ کیونکہ نیک کاموں میں دوام اور استمرار مقصود ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ فرمایا گیا ہے۔

جواب ②: عمل اس فعل کو کہتے ہیں جو مکلف سے صادر ہو۔ بخلاف فعل کے کہ وہ عام ہے چاہے مکلف سے صادر ہو یا غیر مکلف سے۔ اس مقام پر مکلفین کے افعال کو ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس وجہ سے اعمال کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے نہ کہ افعال کا۔

جواب ③: عمل کا لفظ ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے۔ بخلاف فعل کے کہ وہ عام ہے، ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہائم کے لئے عمل کا لفظ استعمال نہیں ہوتا بلکہ فعل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس مقام پر ذوی العقول کے اعمال کا ذکر ہے اس لئے اعمال کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔

سوال: کیا نیت اور ارادہ میں کوئی فرق ہے اگر ہے تو کیا ہے؟

جواب: محققین علماء کے نزدیک نیت اور ارادہ میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ ارادہ میں مراد کو وجود میں لانے کا قصد ہوتا ہے قطع نظر غرض کے۔ بخلاف نیت کے کہ وہاں عموماً ساتھ غرض کو بھی ذکر کیا جاتا ہے اور ارادہ میں غرض کو ذکر نہیں کیا جاتا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ارادہ کا لفظ تو استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر نیت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلل بالاغراض ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ افعال باری تعالیٰ معلل بالاغراض نہیں ہوتے۔

سوال: از روئے اسلام کن کن اشیاء کے لئے نیت ضروری ہے؟

جواب: درحقیقت اسلام مرکب ہے پانچ امور سے: ① اعتقادات۔ ② اخلاقیات۔ ③ عبادات۔ ④ معاملات اور ⑤ عقوبات۔ فقہ میں آخری تین چیزوں سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ ان میں سے عبادات مقصودہ کے اندر بالاتفاق نیت شرط ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ ان میں سے کوئی عبادت بغیر نیت کے درست نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی آدمی صبح صادق سے لے کر غروب شمس تک مفطرات صوم سے بچے مگر روزے کی نیت نہ ہو تو یہ روزہ ہرگز نہیں ہوگا۔

اور معاملات میں بھی نیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسے نکاح، بیع وشراء، مالی معاوضہ خصومت، ترکہ۔ امانت وغیرہ ان امور میں بالا تفاق نیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح عقوبات میں بھی بالا تفاق نیت شرط نہیں جیسے حد مرتد، حد قذف، حد زنا، حد سرقہ، حد قطع الطریق، قصاص اور حد شرب خمر وغیرہ۔

وانما لکل امرئ مانوی: یہ مذکورہ حدیث کا دوسرا جملہ ہے اس میں امرئ کا لفظ لطائف غریبہ میں سے ہے۔ وہ اس طرح کہ اس میں راء ہمزہ کے اعراب کے تابع ہے یعنی جو اعراب ہمزہ پر ہوگا وہی اعراب۔ راء۔ پر ہوگا۔ اگر ہمزہ مضموم ہوگا تو راء پر بھی ضمہ ہوگا۔ اگر ہمزہ مفتوح ہے تو راء پر بھی فتحہ ہوگا۔ اگر ہمزہ مکسور ہے تو راء پر بھی کسرہ ہوگا اور یہ عجیب اس وجہ سے ہے کہ کلمہ کے درمیان والے حرف پر اعراب جاری ہوتا ہے اور مانوی میں ما موصولہ ہے اور نوی جملہ صلہ ہے۔ ضمیر مستتر اس کے اندر فاعل ہے اور مفعول بہ محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی مانواہ یعنی ہر آدمی کو اس کی نیت کے بقدر ثواب ملے گا۔ ایک عمل میں تعدد نیت سے ثواب کا تعدد ہو جائے گا۔

سوال: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اور انما لکل امرئ مانوی۔ میں کیا فرق ہے؟ بظاہر دونوں جملے متحد ہیں۔

جواب ①: فتح الباری میں مذکور ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کیلئے بمنزلہ تاکید کے ہے کیونکہ اخلاص نیت کا مسئلہ انتہائی جلالت شان والا ہے۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ نے دوسرا جملہ بطور تاکید کے فرمایا۔ پہلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر نیت درست نہ ہوگی تو عمل مردود ہوگا اور دوسرے جملے کا حاصل یہ ہے کہ اگر نیت اچھی ہوگی تو عمل جزاء خیر کا سبب بنے گا۔ اگر نیت میں فساد ہوگا تو عمل بری جزاء کا سبب بنے گا۔

جواب ②: دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید نہیں بلکہ تاسیس کے لئے ہے۔ پہلے جملہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اعمال کا تعلق نیت سے ہوگا اور حکم نیت پر مرتب ہوگا اور دوسرے جملہ میں عامل کی حالت اور کیفیت کا بیان ہے کہ عامل کو اپنی نیت کے مطابق ہی جزاء ملے گی۔

جواب ③: عمدۃ القاری میں مذکور ہے کہ ان دونوں جملوں کے درمیان مناسبت اور ربط موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلے جملہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعمال کے حسن اور قبح کا دارومدار نیت پر ہے اور دوسرے جملہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عامل جب تک منوی کو ذکر نہیں کرے گا اس کا عمل معتبر نہیں ہوگا جیسے ایک آدمی کے ذمہ ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ اب اگر وہ مطلق نیت سے چار رکعات پڑھے تو ظہر ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح مطلقاً چار رکعات کی نیت سے عصر کی نماز ادا نہیں ہوگی۔ ہر ایک کی ادائیگی کے لیے اس کا تعین ضروری ہے۔

جواب ④: امداد الباری میں مذکور ہے کہ ان دونوں جملوں میں فرق ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلا جملہ بمنزلہ علت فاعلیہ کے ہے اور دوسرا جملہ بمنزلہ علت غائیہ کے ہے۔ پہلے جملہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح فاعل فعل میں مؤثر ہوتا ہے اسی طرح نیت عمل میں مؤثر ہوتی ہے اور دوسرے جملہ میں غرض وغایت بیان کی گئی ہے کہ جیسی نیت ہوگی ویسی ہی جزاء ہوگی۔

جواب ⑤: تقریر بخاری میں مذکور ہے کہ ان دونوں جملوں میں ربط وتناسب موجود ہے وہ اس طرح کہ پہلے جملہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے جیسی نیت ہوگی اسی طرح کا عمل ہوگا اور دوسرے جملہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایک عمل میں نیت کا تعدد ہوگا تو سب نیتوں کا ثواب ملے گا۔ جیسے کوئی آدمی مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے جائے، تو اس جانے میں ایک اسکی نیت نماز کی ہو۔ دوم اس کی نیت انتظار جماعت ہو۔ سوم اس کی نیت تلاوت کی ہو۔ چہارم اس کی نیت نفل اعتکاف کی ہو۔ پنجم اس کی نیت تعلیم وتعلم کی ہو۔ ششم اس کی نیت مسلمانوں سے ملاقات کی ہو۔ ہفتم اس کی نیت گناہوں سے بچنے کی ہو۔ ان سب کا الگ الگ مستقل ثواب ملے گا۔

سوال: اگر دوسرا جملہ تاکید کے لئے نہیں بلکہ تاسیس کے لیے ہے تو اس تاسیس کا ماصدق علیہ کیا ہے اور اس سے مراد کیا ہے؟

جواب: اگر جملہ ثانیہ کو تاسیس پر محمول کیا جائے تو تاسیس کی چند صورتیں ہیں۔

① پہلا جملہ اعمال کی حالت پر محمول ہے، کہ عمل جب اخلاص نیت کے ساتھ مقترن ہو جاتا ہے تو اس پر اچھا حکم مرتب ہوتا ہے اور

دوسرا جملہ عامل کی حالت پر محمول ہے کہ عامل کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے کیا۔

۲ پہلے جملہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے اور دوسرے جملہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نیت نیابت قبول نہیں ہوتی۔ ہر عامل کی اپنی ہی نیت کا اعتبار ہوگا۔

۳ پہلے جملہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اخلاص نیت والا عمل معتبر ہوگا اور دوسرے جملہ میں اس کا ثمرہ اور نتیجہ ذکر کیا گیا ہے کہ اخلاص نیت پر یہ نتیجہ ملتا ہے۔

۴ پہلا جملہ بطور مقدمہ عقلیہ عرفیہ کے ذکر کیا گیا ہے۔ کہ لوگ کہتے ہیں کہ اعمال کا پھل نیت کے مطابق ملتا ہے اور دوسرے جملہ میں اسی مقدمہ عرفیہ کو بطور مقدمہ شرعیہ کے ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جو عرف عام میں معروف تھا حکم شرعی بھی وہی ہے۔

فمن کانت ھجرتہ یہ تیسرا جملہ ہے ہجرت لغت میں چھوڑنے کو کہتے ہیں اور عرف عام میں ہجرت ترک وطن کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ہجرت کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضاء جوئی کے لئے اپنی جان مال اور عزت کی حفاظت کے لئے اپنے علاقہ اور مسکن کو چھوڑ دینا۔ پھر ہجرت کی چار قسمیں ہیں۔

۱ دنیا کے مال و منال کیلئے ہجرت کرنا جیسے لوگ تجارت اور ملازمت کی غرض سے دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔

۲ دارالکفر سے دارالامان کی طرف ہجرت کرنا' جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابتداء مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔

۳ دارالکفر سے دارالایمان کی طرف ہجرت کرنا جیسے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔

۴ دارالفسق سے دارالتقویٰ یعنی ایسے ملک کی طرف ہجرت کرنا' جس میں شریعت کا نظام نافذ ہو۔

سوال: **فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ** - یہ متضمن ہے معنی شرط کو **فھجرتہ الی اللہ و رسولہ**۔ یہ اس کی جزاء ہے شرط اور جزاء کے درمیان تغایر ہوتا ہے اور یہاں اتحاد ہے۔

جواب ۱: یہاں شرط اور جزاء میں تغایر ہے باعتبار مقدر کے وہ اس طرح کہ شرط والے جملہ میں۔ قصداً یا۔ نیۃً۔ مقدر ہوگا اور جزاء والے جملہ میں ثمرہ۔ مقدر ہوگا۔ اس اعتبار سے دونوں میں تغایر ہوگا۔

جواب ۲: جملہ شرطیہ میں لفظ۔ دنیا۔ محذوف ہوگا اور جزاء میں لفظ ''آخرت'' تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: **فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فی الدنیا فھجرتہ الی اللہ ورسولہ فی الآخرۃ**۔

جواب ۳: یہاں اگرچہ لفظاً اتحاد ہے مگر معنی تغایر ہے اور مغایرت معنوی صحت کلام کے لئے کافی ہے اور یہاں اتحاد بین الشرط والجزاء مبالغۃً فی التعظیم کے لئے ہے۔

او الی امراۃ ینکحھا: او۔ حرف عاطفہ ہے **امراۃ ینکحھا** معطوف۔ **الی دنیا یصیبھا** معطوف علیہ ہے۔

سوال: یہاں دنیا کے اندر عورت بھی شامل اور داخل ہے اس کے باوجود عورت کو بعد میں علیحدہ مستقلاً کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب ۱: دنیا۔ نکرہ تحت الاثبات ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے اگر یہاں نکرہ تحت النفی ہوتا پھر تو امرأۃ کا اس عموم میں داخل ہونا یقینی تھا۔ مگر نکرہ تحت الاثبات کی صورت میں امرأۃ کا دنیا میں دخول یقینی نہیں اس لئے اس کو بعد میں ذکر کیا گیا۔

جواب ۲: یہاں امرأۃ کو دنیا کے بعد ذکر کرنا' ذکر الخاص بعد العام کے قبیل سے ہے اور مقصود اس سے زیادت اہتمام ہے۔

جواب ۳: عورت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب قبل الاسلام کسی غلام کا نکاح عربی خاتون سے نہیں کرتے تھے۔ اسلام نے اس کو باطل کر دیا۔ اس کے بعد بہت سے موالی نے مدینہ منورہ کی طرف اس لئے ہجرت کی کہ وہاں عربی خاتون سے شادی کریں گے۔

جواب ④: مہاجرین جب مدینہ منورہ میں آئے تو انصار نے انتہا درجہ کا ایثار کیا یہاں تک کہ بیویاں متعدد ہونے کی صورت میں کہا کہ میں ایک کو طلاق دیتا ہوں تم اس سے شادی کرلو۔ مال اور جائیداد میں شریک کیا۔ لوگ ان اخلاق کریمانہ کو سن کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے کہ چلو مدینہ چلتے ہیں وہاں مال بھی ملے گا اور بیوی بھی رسول اللہ ﷺ نے سد اللباب دونوں کو ذکر کر دیا۔

جواب ⑤: حدیث کے شان ورود کے اعتبار سے رسول اللہؐ نے عورت کا ذکر کیا کیونکہ اس حدیث کا شان ورود ام قیس کا واقعہ ہے۔

فهجرته الی ما هاجر اليه: سوال: اس جملہ میں ما موصولہ مذکور ہے جو ابہام پر دلالت کرتا ہے اور اس سے پہلے جملہ میں الی اللہ ورسولہ کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے جملہ میں دنیا اور عورت کو صراحتاً ذکر کرنے کے بجائے ابہام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟

جواب ①: اس سے پہلے جملہ میں اللہ اور رسول کا اعادہ استلذاذ کے لئے کیا گیا ہے۔ دنیا اور عورت محبت عقلی کے مطابق کوئی قابل لذت چیز نہیں۔ اس لئے اس کا تکرار صراحتاً نہیں کیا گیا بلکہ ماهاجر اليه کے عموم میں داخل کر دیا گیا۔

جواب ②: اس حدیث میں اس ہجرت کی جلالت شان کو بیان کرنا مقصود ہے جو اللہ اور اسکے رسول کی طرف ہو، اور اس ہجرت کی عظمت شان کا اصل سبب اللہ اور اسکے رسول کا ارادہ ہے۔ اس لئے اللہ اور رسول کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ بخلاف دنیا اور عورت کے کہ ان کی طرف ہجرت کرنے میں کوئی عظمت نہیں۔ اس لئے ان کا اعادہ نہیں کیا گیا بلکہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔

جواب ③: اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرنے کا اصل مقصد رضاء خداوندی کا حصول ہے اور اس میں وحدت ہے۔ بخلاف دنیا کی ہجرت کے کہ اس کے مقاصد متعدد ہوتے ہیں دنیا کی طرف ہجرت کرنے کا مقصد کبھی مال ومتاع کا حصول ہوتا ہے۔ کبھی عہدے اور منصب کا حصول ہوتا ہے کبھی اسباب عیش اور راحت کا حصول ہوتا ہے۔ اس لیے لفظ اللہ اور رسول کا تکرار کیا گیا ہے اور ہجرت الی الدنیا کے مقاصد اور اسباب متعدد ہونے کی بنا پر تصریح کے بجائے طریقہ اجمال اور ابہام کو اختیار کیا گیا ہے۔

اخلاص کی قدر: مذکورہ حدیث میں اخلاص نیت کی عظمت اور جلالت شان کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر طالب علم دنیا سے اعراض کر کے اخلاص نیت کے ساتھ علم حاصل کر کے اس کی خدمت میں لگ جائے گا تو دنیا خود بخود آ کر قدم بوسی کرے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص اور حسن نیت کی بہت قدر ہے۔

تقریر بخاری میں دو قصے ذکر کیے گئے ہیں:

قصہ ①: ایک مسافر کئی دن سے بھوکا تھا اور دوران سفر ایک جنگل کے اندر مسجد میں پہنچا۔ وہاں اس نے مسجد میں تین آدمی مختلف کونوں میں گردن جھکائے ہوئے دیکھے اس کو امید ہوئی یہ بھی جا کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان خوبصورت لڑکی دسترخوان لے کر حاضر ہوئی یہ اسکو دیکھنے لگا پہلے وہ ان تینوں میں سے ایک کے پاس آئی۔ حاضر خدمت ہو کر کہا کھانا حاضر ہے۔ کئی مرتبہ کہنے کے بعد حضرت نے سر اٹھایا۔ اس نے فوراً ہی انکے ہاتھ دھلائے اور دسترخوان بچھا کر عمدہ قسم کی بریانی سامنے رکھ دی انھوں نے اس میں سے کچھ کھا کر باقی چھوڑ دیا۔ عجیب بات یہ کہ جب کھانے کے دوران کوئی ہڈی نکلتی تو وہ اسکے منہ پر مار دیتے۔ بعینہٖ یہی معاملہ دوسرے اور تیسرے آدمی کے ساتھ بھی ہوا۔ اس کے بعد اس لڑکی نے تینوں کے بچے ہوئے کھانے کو ایک برتن میں ڈالا اور اس مسافر کے پاس لائی۔ یہ پہلے سے ہی منتظر اور ضرورت مند تھا۔ اس نے فوراً کھانا شروع کر دیا۔ جب کھانے میں سے ہڈی نکلی تو اس نے بھی یہاں کا دستور سمجھتے ہوئے ہڈی اس لڑکی کے منہ پر مار دی۔ اس لڑکی نے اسکے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور کہا کھانا ہو تو کھا لے ورنہ چھوڑ دے۔ اس مسافر نے کہا ابھی تھوڑی دیر پہلے ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا میں نے سمجھا شاید یہاں کا دستور ہی ایسا ہو۔ اس لڑکی نے کہا کہ تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں میں دنیا ہوں اور یہ لوگ مجھ سے ناراض ہیں اور میں ان کو منا رہی ہوں اور تو تو میری طرف گھور

گھور کر دیکھ رہا تھا۔

قصہ ﴿۴﴾: ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آدمی گاؤں کی ایک مسجد میں پہنچا جب مسجد کے امام صاحب کھانا کھانے لگے تو اس کو بھی دعوت دی اس نے پوچھا کیا چیز ہے امام صاحب نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے غصہ میں کہا فلاں اور فلاں چیز ہے یعنی مختلف کھانوں کا ذکر کیا اس آدمی نے کہا بس کھاؤ یہ میری خواہش کے مطابق نہیں میں تو مرغ پلاؤ کھاتا ہوں۔ امام صاحب کو بہت غصہ آیا اور اسے خوب طعن وتشنیع کی۔ جب امام صاحب مسجد کا دروازہ بند کر کے سو گئے۔ یہ آدمی بھی ایک کونے میں لیٹ گیا۔ تقریباً نصف رات کے وقت کسی نے دروازے پر دستک دی امام صاحب غصہ سے اُٹھے۔ جب دروازہ کھولا تو ایک عورت پلاؤ لئے کھڑی تھی اور عاجزانہ انداز سے کہنے لگی یہ پلاؤ لے لو۔ میرا بچہ چھ ماہ سے گم ہو گیا تھا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا بچہ مجھے مل گیا تو مسجد میں مرغ پلاؤ بھیجوں گی۔ وہ آج گھر واپس آ گیا۔ میں پلاؤ اچھی طرح پکانا نہیں جانتی تھی۔ پہلے مرغ تلاش کیا پھر فلاں سے پکوایا اس لئے دیر ہو گئی۔ امام صاحب یہ سن کر حیران ہو گئے اور پلاؤ وصول کر کے مسجد کا دروازہ بند کیا اور اس مسافر کے پاس آئے وہ خوب گہری نیند سو رہا تھا۔ امام صاحب نے اٹھایا کہ آپ کے لئے کھانا آ گیا۔ اس آدمی نے امام صاحب کو دعوت دی کہ آپ بھی آ جائیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں کس منہ سے آؤں ابھی تو میں نے تمہیں ملامت کیا تھا۔ مسافر نے کہا میں سب تو کھا نہیں سکتا بہتر یہ ہے کہ باسی ہونے کے بعد کھانے کے بجائے ابھی تازہ تازہ کھالو۔ الغرض جب اللہ پر توکل اور اخلاص نیت ہو تو دنیا خود بخود چل کر آتی ہے۔

حدیث مذکورہ سے متعلقہ چند مسائل

مذکورہ حدیث سے علماء نے چند مسائل کا استخراج واستنباط کیا ہے: مَسْئَلَہ ۱: امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اس حدیث سے استدلال کر کے وضو اور غسل میں نیت کو واجب قرار دیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت ضروری نہیں مَسْئَلَہ ۲: امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک رمضان المبارک کے مہینے میں شروع میں ایک نیت تمام روزوں کے لئے کافی ہے کیونکہ رمضان کے تمام روزے مل کر عبادت واحدہ ہیں اس وجہ سے ایک ہی نیت کافی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر روزہ کے لئے الگ الگ نیت ضروری ہے۔ اس وجہ سے کہ ہر روزہ مستقل عبادت ہے۔ لہٰذا سب کے لیے ایک نیت کافی نہیں ہو گی۔ مَسْئَلَہ ۳: خطبہ کے دوران حدیث بیان کرنا جائز ہے جیسے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے دوران خطبہ یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ مَسْئَلَہ ۴: عبادت کے لئے نیت لازم اور واجب ہے البتہ عبادات مقصودہ میں وجوب نیت اتفاقی ہے اور عبادات غیر مقصودہ میں اختلافی ہے۔ مَسْئَلَہ ۵: علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے ہجرت ظاہرہ درکار ہے اور علوم دینیہ میں حصول کمال ہجرت باطنہ پر موقوف ہے۔ مَسْئَلَہ ۶: نیت کے اثر کا ترتب عبادت پر ہوتا ہے حرام کام میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ امر مباح میں نیت کا اثر مرتب معتبر ہوتا ہے۔ مَسْئَلَہ ۷: نیت کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے اول۔ اسلام یعنی نیت معتبر ہونے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کافر کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ کافر نیت کا اہل نہیں۔ ثانی یہ کہ عقلمند ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجنون کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ثالث یہ کہ علم اور تمیز رکھتا ہو۔ یعنی عبادت کی حقیقت اور اہمیت کو جانتا ہو۔ رابع یہ کہ نیت کے منافی کوئی امر سرزد نہ ہو جیسے ارتداد وغیرہ۔ مَسْئَلَہ ۸: فرض نماز میں چار چیزوں کی نیت ضروری ہوتی ہے ایک نماز پڑھنے کی دوم فرض ادا کرنے کی سوم وقت کی تعیین چہارم اگر مقتدی ہے تو اقتداء کی اور عبادات واجبہ میں واجب کا تعین ضروری ہے۔ سنت مؤکدہ غیر مؤکدہ اور نفل مطلق نماز کی نیت سے ادا ہو جاتے ہیں۔ مَسْئَلَہ ۹: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مال کو علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہو دوم یہ کہ بوقت ادائیگی زکوٰۃ کی نیت ہو۔

كِتَابُ الْاِيْمَانِ

ایمان کا بیان

تمام امور کا دارومدار ایمان پر ہے۔ وحی کی صداقت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اس تعلق کا اظہار ایمان اور اعمال سے ہوگا۔ گویا کہ ایمان روح ہے اور اسلام بدن ہے۔ ایمان ایک حقیقت اور اسلام اس کی صورت ہے۔ ایمان ایک جڑ ہے اور امور اسلام اس کی شاخیں ہیں۔ ایمان ہی وہ اصل حقیقت ہے کہ جس کی وجہ سے تمام امور غیب پر بلا حجت یقین اور اعتماد ہوتا ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر صاحب مشکوٰۃ نے ایمان کی بحث کو مقدم کیا۔

ایمان کا استعمال: ایمان کا لفظ چار طرح سے استعمال کیا جاتا ہے:

① ایمان متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے۔ کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور کبھی دو مفعولوں کی طرف اور دوسرے مفعول کو کبھی بواسطہ حرف جار کے ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی بلا واسطہ حرف جار کے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ کبھی ایمان تصدیق کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اور اس کے صلہ میں باء حرف جار کو ذکر کیا جاتا ہے۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ کبھی ایمان انقیاد کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ اور اس کے صلہ میں لام جارہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

④ چوتھی صورت یہ ہے کہ کبھی ایمان اعتماد کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کے صلہ میں علیٰ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ صورت نادرالوقوع ہے۔

ایمان کا لغوی معنی: ایمان کا لفظ امن سے مشتق ہے اور۔ امن۔ خوف کی ضد ہے۔ امن۔ اطمینان اور سکون کو کہتے ہیں۔ جب یہ باب افعال سے آ جائے تو متعدی ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے۔ ازالۂ خوف۔ کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے امنته۔ اس کا معنی ہے میں نے اس سے ڈر اور خوف کو زائل کر دیا اور اس کو میں نے مطمئن کر دیا اور کبھی یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے جیسے امنته غیری۔ میں اس کو اپنے غیر سے بے خوف اور مطمئن کر دیا اور کبھی دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے من حرف جار کے واسطے سے جیسے و آمنهم من خوف۔ کبھی ایمان کا صلہ باء جار آتا ہے اس وقت ایمان تصدیق کے معنی کو متضمن ہوتا ہے جیسے امن الرسول بما انزل اليه۔ بعض علماء عربیت کے نزدیک ایمان جب تصدیق کے معنی کو متضمن ہو تو اس کا صلہ۔ باء آتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ایمان اعتراف کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اور

اعتراف کا صلہ باء جار ہوتا ہے۔

ایمان کا اصطلاحی معنی: جمہور محققین علماء کے نزدیک ایمان کی شرعی اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جن اشیاء کا ثبوت بداہۃً ہوا ہے اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے اشیاء کا ثبوت دو حالی سے خالی نہیں اجمالاً ہوگا یا تفصیلاً۔ اگر ثبوت اشیاء اجمالی ہے۔ تو اس کی تصدیق بھی اجمالی ہوگی۔ اگر ثبوت اشیاء تفصیلی ہے تو تصدیق بھی تفصیلی ہوگی۔

جیسے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کا ثبوت تواتر کے ساتھ ہے اور وہ اجمالی ہے۔ لہٰذا اجمالی طور پر عذاب قبر کی تصدیق لازم اور ضروری ہے اور عذاب قبر کے بارے میں جو تفصیلات مذکور ہیں وہ خبر واحد سے ثابت ہیں۔ جب کہ نفس عذاب قبر کا ثبوت تواتر سے ثابت ہے اور بدیہی ہے۔

اسی طرح نماز کا ثبوت اور نماز کے اندر تعداد رکعات کا ثبوت اوقات صلوٰۃ کی تفصیل و تعین کا ثبوت، ہر رکعت میں قیام کا ثبوت ایک رکوع اور دو سجدوں کا ثبوت نیز قعدہ اولیٰ اور اخیرہ کا ثبوت یہ سب امور تواتر سے ثابت ہیں اور ان کا ثبوت بدیہی ہے عوام اور خواص سب ہی جانتے ہیں یہی حال ہے روزے کا۔ اس کی ابتداء اور انتہاء اور روزے کی حقیقت اور ماہیت کہ روزہ مفطرات ثلاثہ سے رکنے کا نام ہے یہ سب امور تفصیلاً تواتر سے ثابت ہیں اسی طرح ان کی تصدیق بھی تفصیلاً ضروری ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ بھی دونوں طرح سے ثابت ہے اجمالاً اور تفصیلاً جن کا تذکرہ اجمالی طور پر ثابت ہے ان کی تصدیق بھی اجمالی واجب ہے اور جن انبیاء کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت آدم علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت ہارون علیہ السلام۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ حضرت داؤد علیہ السلام۔ حضرت سلیمان علیہ السلام۔ حضرت شعیب علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ وغیرہ ان پر اسی طرح تفصیلی ایمان لانا ضروری ہوگا۔

سوال: تصدیق لغوی اور تصدیق منطقی میں کیا فرق ہے؟

جواب: ان دونوں کے درمیان فرق کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ تصدیق لغوی اور تصدیق منطقی کے درمیان تین طرح سے فرق ہے با لفاظ دیگر ان دونوں کے درمیان فرق میں تین قول ہیں:

① ایک فرق یہ ہے کہ تصدیق لغوی میں اختیار کا دخل ہوتا ہے۔ اس لئے آدمی تصدیق لغوی میں اپنے اختیار ہی سے کسی خبر کو یا مخبر کو صادق یا کاذب قرار دیتا ہے۔ جب کہ تصدیق منطقی میں اختیار کا دخل ضروری نہیں۔ تصدیق منطقی میں نسبت تامہ خبریہ کا ادراک کبھی بغیر اختیار کے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

② دوسرا فرق یہ ہے کہ تصدیق منطقی انکار اور تکذیب کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ بخلاف تصدیق لغوی کے کہ تکذیب اور انکار کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ جیسے کوئی آدمی کہے میرا یہ چشمہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ میرا ہی ہے۔ مگر آپ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں۔ یہاں میرے اور چشمے کے درمیان آپ کو نسبت تامہ خبریہ کا ادراک حاصل ہے۔ لیکن آپ منکر ہیں۔ منطقیوں کے نزدیک انکار کی وجہ سے یہ قضیہ تصدیق سے خارج نہیں۔ بخلاف تصدیق لغوی کے کہ وہ انکار اور تکذیب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اس میں مخبر اور خبر کو صادق قرار دیا جاتا ہے۔

③ تیسرا فرق یہ ہے کہ شیخ بو علی بن سینا کے مذہب کے مطابق تصدیق کہتے ہیں ''گرویدن'' کو اس اعتبار سے یہ تکذیب اور انکار کا مقابل ہے۔ کیونکہ گرویدن کہتے ہیں کسی چیز کا یقین اور باور کر لینا اور کسی چیز کا یقین کرنا یہ اس شے کے علم کے بعد ہوتا ہے اور نفس

کے افعال اختیاریہ میں سے یہ ایک فعل ہے اور یہ چونکہ تکذیب اور انکار کا مقابل قرار دیا گیا ہے اس لئے تکذیب کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ جب نفس کا فعل اختیاری اور تکذیب کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ اس اعتبار سے تصدیق منطقی تصدیق لغوی کے مرادف ہوگی دونوں تکذیب کے ساتھ جمع نہ ہونے میں مساوی ہیں البتہ تصدیق منطقی اور تصدیق لغوی میں اتنا فرق شیخ کے نزدیک بھی ضروری ہے کہ تصدیق منطقی ظنیات کو بھی شامل ہے اور تصدیق لغوی ظن کو شامل نہیں بلکہ اس کے اندر یقین کا ہونا ضروری ہے۔

ضد الایمان الکفر: ایمان کی ضد کفر ہے۔ ایمان اور کفر کے درمیان تقابل تضاد ہے۔ بعض کے نزدیک تقابل العدم والملکہ ہے کیونکہ انکے نزدیک کفر کا معنی ہے۔ عدم الایمان عما من شانہ ان یکون مؤمناً اور کفر کے چند اقسام ہیں۔

① کفر انکار۔ کہ دل اور زبان دونوں سے انکار کیا جائے۔

② کفر جحود۔ کہ زبان سے تکذیب کی جائے اور دل میں معرفت اور یقین حاصل ہو۔ جیسے ابلیس۔ بلعام بن باعوراء۔ امیہ بن ابی الصلت ثقفی کا کفر۔

③ کفر عناد۔ کہ دل میں معرفت حاصل ہو اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہو۔ لیکن ایمان بالتوحید کو قبول نہ کرے۔ باوجود پہچان کے حق کا انکار کرے اور اس کے ابطال کے لئے فضول اور کمزور دلائل کا سہارا لیتے ہوئے شکوک وشبہات پیدا کرے جیسے ابو طالب کا کفر۔

④ کفر نفاق۔ زبان سے اقرار ہو۔ دل سے کفر اور انکار ہو۔ جیسے اعتقادی منافق جس کے بارے میں قرآن کی وعید شدید ہے۔ ان المنافقین فی الدرك الا سفل من النار۔

⑤ کفر شک۔ یعنی شک اور تردد والا کفر جیسے اکثر منافقین کا کفر اسی قسم کا ہے جیسے: بل هم فی شك من ذکری، فهم فی ریبهم یترددون۔

⑥ کفر جہل۔ جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز نہیں کرتے۔ باطل کو حق سمجھ لیتے ہیں۔ اکثر هم لا یعقلون۔ بل انتم قوم تجهلون۔ وغیرہ قرآنی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

⑦ کفر ارتداد۔ دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین یا دھریت وغیرہ اختیار کرنے والے کا کفر۔

⑧ کفر استکبار خواہشات نفسانیہ میں مبتلا ہو کر غرور اور تکبر کی وجہ سے رسول کی نافرمانی کرنا۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے: افکلما جاء کم رسول بما لا تهوی انفسکم استکبرتم۔

⑨ کفر دھریت۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اعراض کرتے ہوئے تمام حوادثات وغیرہ کو زمانہ کی طرف منسوب کرنا کہ یہ سب کچھ زمانہ کی تاثیر سے ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے و ما یهلکنا الا الدهر اس کو کفر مادیت بھی کہتے ہیں۔

⑩ کفر تاویل۔ ایسا کفر جو کسی باطل تاویل پر مبنی ہو اور غیر دین کو دین سمجھے جیسے پرویز نے۔ اطیعوا اللہ۔ سے وفاقی حکومت کی اطاعت مراد لی ہے اور حج سے مراد عالمی کانفرنس لی ہے اور حور عین سے مراد پاکیزہ فکر لی ہے یا جیسے قادیانی آیت ختم نبوت کی تاویل کرتے ہیں اور خود مرزا قادیانی ملعون نے کہا ہے کہ قرآن میں میرا نام۔ محمد اور۔ رسول بھی رکھا ہے یہ سب الحاد اور کفر ہے۔

⑪ کفر زندقہ: جو بظاہر حق کا اقرار کرے لیکن ضروریات دین میں سے کسی چیز کی ایسی غلط تعبیر اور تشریح کرے جو صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین سے منقول نہ ہو بلکہ اجماع امت کے بھی خلاف ہو جیسے جہنم اور جنت کا اقرار کرتے ہوئے جنت کا معنی یہ کرنا کہ اس سے مراد وہ مسرت ہے جو اہل ایمان کو اعمال صالحہ اور اخلاق عالیہ کے نتیجہ میں حاصل ہو اور جہنم کا معنی یہ کرنا کہ اس سے مراد وہ ندامت اور اذیت ہے جو کافروں کو ان کے برے اعمال کے نتیجہ میں حاصل ہو یقیناً اس طرح کے معانی بیان کرنا کفر ہے۔

۲ کفرعمل۔یعنی کفروالاعمل کرنا۔اس کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ عمل ایمان کی ضد ہو۔جیسے بتوں اور قبروں کو سجدہ کرنا۔قرآن کی توہین کا اقدام کرنا،رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کا ارتکاب کرنا،آپ کو قتل کرنے کا عمل کرنا۔دوم یہ کہ وہ عمل ایمان کی ضد نہ ہو۔جیسے نماز ترک کرنا،فرائض ترک کرنا،منہیات کا ارتکاب کرنا مثلاً شرب خمر، زنا، قتل وغیرہ۔

۳ کفران نعمت۔یعنی نعمت کا کفران کرنا یا کفران حقوق جیسے حدیث میں کفران العشیر کا ذکر ہے۔بخاری میں "باب کفر دون کفر" مذکور ہے۔

۴ کفر براءت۔اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز سے براءت اور بیزاری کا اعلان کرنا۔جیسے:انی کفرت بما اشر کتمونی من قبل۔

حقیقتِ ایمان :اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ایمان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے مرکب ہے یا بسیط یہ مسئلہ معرکہ آراء مسائل میں سے ہے اور اس میں سات مذاہب ہیں۔

مذہب ۱: پہلا مذہب مرجئہ کا ہے۔ان کے نزدیک ایمان بسیط ہے اور تصدیق قلبی کا نام ہے الایمان هو التصدیق فقط۔ ان کے نزدیک جو بشارتیں مؤمن کے لئے نازل ہوئیں ہیں' وہ ان کا مستحق ہے اس لئے کہ اس کے اندر وہ حقیقت بسیطہ موجود ہے اور اعمال صالحہ کی اب کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی افعال سیئہ ومعصیت مضر ہیں۔جیسے کفر کے ساتھ کوئی اطاعت مفید نہیں ہوتی۔ان کا استدلال رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہے:وان زنی وان سرق ......لیکن یہ مذہب باطل محض ہے۔کیونکہ قرآن کریم میں کسی جگہ جنت کا وعدہ عمل صالح کے بغیر نہیں آیا بلکہ قرآن کریم میں ہر جگہ تصدیق قلبی کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر موجود ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے الذین امنوا وعملوا الصلحت۔رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور صحابہ کرام کی زندگیاں اس مذہب کے بطلان کی واضح دلیل ہیں۔آپ کی زندگی میں اور صحابہ کی زندگیوں میں اعمال صالحہ کے ترک کا امکان اور تصور تک نہیں اس سے ثابت ہوا کہ جنت میں دخول کے لئے اعمال صالحہ ضروری ہیں۔

مذہب ۲: دوسرا مذہب خوارج کا ہے ان کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور تین چیزوں کا نام ہے۔تصدیق بالجنان اقرار باللسان وعمل بالارکان ان کے نزدیک اگر کوئی آدمی اعمال صالحہ کو چھوڑ دے تو وہ کافر ہو جائے گا اسی طرح ان کے نزدیک جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ان کا استدلال رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہے ولا یزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن۔لیکن یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ تمام صحابہ کرام، تابعین عظام، سلف صالحین اور اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کبائر کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ایک حدیث میں مذکور ہے کہ جس آدمی کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوا اس کو جہنم کی آگ سے نکال لیا جائے گا۔اسی طرح آیات توبہ اور احادیث کثیرہ اس پر دال ہیں کہ مرتکب کبیرہ ناقص مؤمن ہے۔

مذہب ۳: تیسرا مذہب معتزلہ کا ہے ان کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور اعمال سے مرکب ہے مگر ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے خارج ہے مگر کفر میں داخل نہیں ہوگا۔یہ لوگ مرتکب کبیرہ کو اسلام سے تو اس لئے خارج مانتے ہیں کہ اعمال صالحہ ایمان کا جزء ہیں اور کفر میں اس لئے داخل نہیں مانتے کہ توحید موجود ہے۔یہ منزلۃ بین المنزلتین ثابت کرتے ہیں یعنی ایمان اور کفر کے درمیان ایک درجہ ثابت کرتے ہیں۔اسی طرح ان کے نزدیک دوزخ میں بھی دو درجات کے درمیان ایک درجہ ہے جس میں گناہ کبیرہ کے مرتکب لوگ ہوں گے، نہ کافر ہوں گے اور نہ ہی خالص مؤمن ہوں گے۔

مذہب ۴: چوتھا مذہب کرامیہ کا ہے۔ان کے نزدیک ایمان بسیط ہے اور صرف اقرار باللسان کا نام ہے۔یہ مذہب بھی باطل ہے

اس کے بطلان میں کوئی شک نہیں کیونکہ قرآن کریم نے منافقین کو بدترین کافر قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ اقرار لسانی کرتے تھے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔ ومن الناس من یقول امنا بالله وبالیوم الآخروما هم بمؤ منین اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ مؤمن نہیں ہیں۔ اسی طرح سورۂ منافقون میں فرمان الٰہی ہے اذا جاء ك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله یعلم انك لرسوله والله یشهدان المنافقین لکاذ بون۔ کہ منافقین آپ کے پاس آ کر کہتے ہیں ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ فی الواقع اللہ کے رسول ہیں اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ یقیناً منافق جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر صرف زبانی تصدیق اور اقرار کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو کبھی کافر نہ کہتا اور یہ۔ الست بربکم قالو ابلی کے اقرار کو ایمان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر سب مؤمن ہیں کیونکہ یہ عہد تو سب نے کیا ہے اور ان کو کرامیہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ محمد بن کرام کے پیروکار ہیں۔

مذہب ⑤: پانچواں مذہب جہمیہ کا ہے ان کے نزدیک ایمان بسیط ہے اور صرف معرفت قلبی کا نام ہے اقرار باللسان اور عمل بالارکان کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مذہب بھی باطل ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کے بارے میں قرآن حکیم میں ذکر کیا گیا ہے۔ یعرفونه کما یعرفون ابناء هم۔ کہ اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو معرفت قلبی حاصل تھی تو کیا یہ لوگ مسلمان سمجھے جائیں گے۔ اسی طرح ہرقل روم کو بھی معرفت قلبی حاصل تھی، یہی حال ابو طالب کا ہے حالانکہ دونوں کی وفات کفر پر ہوئی ہے۔ اسی طرح قرآن میں یہود کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ولما جاء هم ماعرفوا کفروابه فلعنة الله علی الکافرین۔ کہ جب ان کے پاس وہ چیز آ گئی جس کو یہ پہچانتے تھے۔ انہوں نے اس کا کفر کیا۔ ان کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر صرف معرفت قلبی ایمان کے لئے کافی ہے۔ تو ان کو اللہ تعالیٰ نے کافر کیوں کہا۔ کیا اس کے باوجود مسلمان سمجھے جائیں گے۔ ان کو جہمیہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ جہم بن صفوان کے پیروکار ہیں۔

مذہب ⑥: چھٹا مذہب اہلسنت والجماعت میں سے احناف اور جمہور متکلمین کا ہے۔ ان کے نزدیک ایمان بسیط ہے اور تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اقرار باللسان اس کے لئے شرط ہے اور اعمال صالحہ ایمان کے لئے مکملات ہیں۔ گویا یہ دونوں چیزیں ایمان کے لئے بمنزلہ شرط کے ہیں نہ کہ شطر یعنی ایمان کا جزء نہیں بلکہ ایمان کی حقیقت سے خارج ہیں۔

مذہب ⑦: ساتواں مذہب جمہور محدثین۔ امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ہے ان کے نزدیک ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے تصدیق قلبی۔ اقرار باللسان اور عمل بالارکان۔ یہ دونوں مذہب اہل حق، اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان دونوں کے درمیان تضاد اور تعارض معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں صرف اور صرف الفاظ اور تعبیر کا فرق ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ایمان اس وجہ سے مرکب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ بنی الاسلام علی خمس ...... کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں۔ شہادتین۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج بیت اللہ اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ایمان کے ستتر شعبے ہیں ان جیسی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان مرکب ہے اور اس کے اجزاء ہیں اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان جیسے تمام امور ایمان کے لئے مکملات اور متممات ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ بھی یہ ہرگز نہیں کہتے کہ اعمال صالحہ کا تارک جنت میں دخول اولی کا مستحق ہوگا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ پہلے جہنم میں جائے گا۔ پھر اس کے بعد اس کو نجات ملے گی اور امام شافعیؒ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ کو چھوڑنے والا جہنم میں جائے گا۔ مگر اس کے لئے خلود فی النار نہیں ہوگا۔ تو دونوں قولوں کا مآل ایک ہی نکلا کہ اعمال صالحہ کا تارک جہنم میں جائے گا اور اپنے ایمان کی وجہ سے آخر کار نجات پا جائے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں محدثین وغیرہ کے نزدیک اعمال کو اجزاء شمار کرنے کی مثال

ایسے ہے۔ جیسا کہ ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، آنکھیں، کان، ناک وغیرہ سب انسان کے اجزاء ہیں مگران اجزاء کے ہوتے ہوئے بھی انسان ایک ہی ہوگا اور اگر ہاتھ پاؤں یا ناک وغیرہ کاٹ دیئے جائیں تب بھی وہ انسان ہی ہوگا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں وہ کامل انسان ہوگا اور دوسری صورت میں ناقص انسان ہوگا۔ بالکل اسی طرح ایمان اعمال کے ساتھ کامل ہے اور اعمال کے بغیر ناقص بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کے مکملات ہیں؛ جن آیات اور احادیث میں ایمان کی کمی اور زیادتی کا ذکر ہے امام صاحب اسی پر محمول کرتے ہیں۔ جہاں ایمان کی زیادتی کا ذکر ہے یہ کمال ایمان پر محمول ہے۔ اگر اعمال کو ایمان کا حقیقی جز مان لیا جائے تو پھر اعمال نہ ہونے کی صورت میں ایمان ہی نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ انتفاء جزء انتفاء کل کو مستلزم ہوتا ہے۔

سوال: کیا ایمان اور اسلام کے درمیان کوئی فرق ہے یا نہ؟ بالفاظ دیگر کیا ایمان اور اسلام میں ترادف ہے یا تداخل یا تباین؟

جواب: ایمان اور اسلام میں فرق ہے یا نہیں، اس میں چھ اقوال ہیں:

قول ①: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام کی باعتبار استعمال کے تین صورتیں ہیں:

① ایک صورت یہ ہے کہ ان کے درمیان ترادف ہے جیسے سورۂ ذاریات میں مذکور ہے۔ **فاخرجنا من كان فيها من المؤمنين فما وجدنا فيها غير بيت من المسلمين** ۔ علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ وہاں ایک ہی گھرانہ تھا حضرت لوط علیہ السلام کا اسی کو ایک آیت میں مؤمن اور دوسری میں مسلم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان ترادف ہے یعنی ایمان اور اسلام دونوں میں سے ہر ایک سے مراد انقیاد ظاہری اور باطنی کا مجموعہ ہے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان تباین ہے وہ اس طرح کہ ایمان سے مراد انقیاد باطنی ہے اور اسلام سے مراد انقیاد ظاہری ہے جیسے سورۂ حجرات میں مذکور ہے: قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا ولما يدخل الايمان في قلوبكم ۔ اس آیت میں دیہاتیوں سے تصدیق قلبی اور اذعان کی نفی کی گئی ہے جو امنا اور لم تؤمنوا سے مفہوم ہو رہی تھی اور اسلمنا میں ظاہری انقیاد کو ثابت کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان تغائر اور تضاد ہے۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تداخل ہے۔ جیسے طبرانی اور مسند احمد کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا۔ ای الاسلام افضل قال الايمان ۔ اس حدیث میں اسلام کے جواب میں ایمان یعنی تصدیق قلبی کو ذکر کیا گیا ہے اور اسلام خود تسلیم قلبی اور عمل بالارکان کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ایمان کو اسلام میں داخل کیا گیا ہے ۔ اس اعتبار سے ان کے درمیان نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔ اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے۔ مادہ اجتماعی کی صورت میں تداخل ہوگا۔

قول ②: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اور ایمان کی مسافت ایک ہے صرف ابتداء اور انتہاء کا فرق ہے۔ اسلام ظاہر سے شروع ہو کر باطن تک حرکت اور تاثیر کرتا ہے اور ایمان کامل باطن سے شروع ہو کر ظاہر کی جانب حرکت کرتا ہے۔ جس قدر ایمان قوی ہوگا اسی قدر ظاہر پر اس کے آثار نمودار ہوں گے۔

قول ③: حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام جب ایک کلام میں جمع ہو جائیں تو اس وقت معنی کے لحاظ سے دونوں جدا جدا ہوں گے۔ ایمان کا معنی تصدیق قلبی ہوگا اور اسلام کا معنی ظاہری انقیاد ہوگا۔ جب ذکر میں جدا جدا ہوں تو پھر ہر ایک کا معنی تصدیق قلبی مع الانقیاد ہوگا ان کے مذہب کی تعبیر اس طرح ہوگی۔ الايمان والاسلام اذا اجتمعا افترقا واذا افترقا اجتمعا۔ عجیب بات ہے کہ جب جمع ہوں تو جدا ہوتے ہیں اور جب جدا ہوں تو جمع ہوتے ہیں۔ جیسے فقیر اور مسکین کا لفظ کہ جب دونوں ایک ہی کلام میں جمع

ہوں تو معنی کے لحاظ سے جدا جدا ہوں گے۔ فقیر کم مال والے اور مسکین خالی ہاتھ والے کو کہتے ہیں اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک مذکور ہو تو دونوں جمع ہوتے ہیں ہر ایک سے محتاج، حاجت مند مراد ہوتا ہے۔

قول ④: علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام ایک ہیں ۔ قالت الاعراب أمنا الآیۃ اس آیت سے بظاہر ان کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ اس میں بھی ان دونوں کی حقیقت اور ماہیت میں فرق بتانا مقصود نہیں۔ اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اسلمنا کا لفظ استعمال کرو۔ کیونکہ اس سے ذہن ظاہر کی طرف جاتا ہے اور اس کا اقرار آسان ہے امنا کہنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے ذہن قلبی کمال کی طرف جاتا ہے، جس کا دعویٰ مناسب نہیں ۔ ہرگز یہ بتلانا مقصود نہیں کہ ان دونوں کی حقیقت و ماہیت الگ الگ ہے۔ بلکہ دونوں کی حقیقت و ماہیت ایک ہی ہے۔ یعنی تصدیق قلبی مع الانقیاد۔

قول ⑤: پانچواں قول معتزلہ اور روافض کا ہے ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب کو مسلم کہہ سکتے ہیں، مؤمن نہیں کہہ سکتے ۔ ان کے نزدیک ایمان اور کفر کے درمیان فسق کا درجہ ہے۔ اسلام فسق اور ایمان دونوں کو شامل ہے، ایمان فسق کو شامل نہیں کیونکہ ایمان تین چیزوں تصدیق قلبی، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کے مجموعے کا نام ہے جبکہ اسلام نفس انقیاد ہے چاہے تینوں سے ہو یا بعض سے۔

قول ⑥: امام صدر الدین بزدویؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام میں تلازم ہے، اگرچہ مفہوم ہر ایک کا الگ الگ ہے مگر اس کے باوجود ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاتے۔ اسلام انقیاد کا نام ہے لیکن بلا تصدیق یہ انقیاد معتبر نہیں اور ایمان تصدیق کا نام ہے لیکن بلا عمل یہ کافی اور مستحسن نہیں اور نجات اولیٰ کے لئے معتبر نہیں۔

الفصل الاول:

حدیثِ جبرئیل علیہ السلام

(۱/۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ بَیْنَ مَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ یَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا یُرٰی عَلَیْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا یَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَسْنَدَ رُكْبَتَیْهِ اِلٰی رُكْبَتَیْهِ وَوَضَعَ كَفَّیْهِ عَلٰی فَخِذَیْهِ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِیَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهٗ یَسْاَلُهٗ وَ یُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَی الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِیًّا ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا عُمَرُ اَتَدْرِیْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِیْلُ اَتَاكُمْ یُعَلِّمُكُمْ دِیْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ اَبُوْ هُرَیْرَةَ مَعَ اخْتِلَافٍ وَفِیْهِ وَاِذَا رَاَیْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ قَرَاَ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ اَلْاٰیَةَ۔ (متفق علیه)

أخرجه مسلم ۱/۳٦حدیث:۱، وابوداوٗد فی السنن ٥/٦٩حدیث:٤٦٩٥، وابن ماجه ۱/۲٤حدیث: ٦۳، وأحمد فی مسنده ۱/٥۱۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کا لباس انتہائی سفید اور بال نہایت ہی سیاہ تھے چمکدار تھے۔ اس پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ وہ رسول کریم ﷺ کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور رعایت ادب کی وجہ سے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملالئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لئے۔ پھر اس نے سوال کیا۔ اے محمد (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے کہ اسلام کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر پابندی سے نماز پڑھا کرو، زکوٰۃ ادا کیا کرو، رمضان المبارک کے روزے رکھا کرو، اگر بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور آنے جانے کا خرچہ موجود ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس شخص نے عرض کیا آپ نے صحیح اور سچ فرمایا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ آدمی سوال بھی کر رہا ہے اور پھر جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس شخص نے سوال کیا۔ اے محمد ﷺ ایمان کیا چیز ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اور اس کے فرشتوں کو۔ اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے تسلیم کرلو اور اس کی بھی تصدیق کرو کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ نے صحیح اور درست جواب دیا۔ پھر اس شخص نے سوال کیا کہ اے محمد ﷺ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر اس کیفیت کا استحضار ممکن نہ ہو تو پھر یہ خیال کرلے کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس شخص نے سوال کیا کہ قیامت کے بارے میں مجھے بتائیے کہ قیامت کب آئیگی۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے متعلق سوال کرنے والے اور جواب دینے والے دونوں کا علم برابر ہے۔ پھر اس شخص نے سوال کیا کہ قیامت کی نشانیاں بتا دیجئے آپ نے فرمایا لونڈی اپنے مالک کو جنم دے گی اور پاؤں سے ننگے، جسم سے ننگے، فقیر اور بکریاں چرانے والوں کو عالیشان محلات میں غرور و تکبر کی زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھو۔ حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر وہ آدمی چلا گیا اور میں نے اس کے بارے میں فوراً آپ ﷺ سے کچھ نہ دریافت کیا کچھ دیر توقف کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے خود ہی مجھ سے پوچھا۔ کہ عمر جانتے ہو وہ سوالات کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں کہ وہ کون تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو اس طریقہ سے تم لوگوں کو تمہارے دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ (مسلم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس روایت کو کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی روایت کے آخر میں الفاظ اس طرح ہیں کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، کانوں سے بہرے اور زبان سے گونگے لوگوں کو زمین پر حکمران دیکھو اور قیامت تو ان پانچ چیزوں میں سے ہے، جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے (اپنی بات کی تائید میں) سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت کی: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ یہ حدیث۔ حدیث جبریل کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ بعض احادیث خاص اور اہم مضامین پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس اہتمام کی وجہ سے وہ خاص درجہ رکھتی ہیں اس لئے ان کا خاص نام ہوتا ہے اور مذکورہ حدیث بھی شریعت کے تمام شعبوں پر مشتمل ہے

اسلام اور ایمان کی حقیقت اور شریعت مطہرہ کے تمام مبادیات کا تعارف رسول کریم ﷺ کی زبان مطہرہ سے کرایا گیا ہے۔

شان ورود: اس حدیث کا شان ورود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی مسافر آیا اور اس کو معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ صحابہ کرام نے آپ سے اجازت لے کر ایک بلند جگہ تیار کی تا کہ آنے والوں کو دشواری نہ ہو اور آپ ﷺ کو پہچان کر سوال کر سکیں۔

مسلم شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دوران مجلس صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے کوئی سوال کرو۔ صحابہ کرام ہیبت اور رعب کی وجہ سے سوال نہ کر سکے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور شریعت مطہرہ کے مبادیات اور اساسی مسائل کے بارے میں پانچ سوالات کیئے اور آپ ﷺ نے ان کے تفصیل کے ساتھ جوابات دیئے۔

آنے والے شخص کا حلیہ اور بیٹھنے کی کیفیت

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید تھے اور بال بہت سیاہ تھے اور اس کے وجود پر سفر کی کوئی علامت اور اثر بھی نہ تھا اور ہم میں سے کوئی بھی اس کو پہچانتا نہیں تھا اس سے مقصود حیرانگی کا اظہار تھا۔ وہ اس طرح کہ اگر اس کے کپڑے اور بالوں کی حالت کو دیکھا جائے اور آثار سفر کے نہ ہونے کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا تھا کہ یہ آدمی قریب سے آیا ہے اور اس چیز کو دیکھا جائے کہ کوئی اس کو جانتا نہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دور سے آیا ہے۔

پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوا اور السلام علیکم کہا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا پھر وہ انتہائی باادب وضع کے مطابق اپنے گھٹنے رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں سے ملا کر دوزانو ہو کر آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے۔

سوال: مذکورہ حدیث میں حضرت عمرؓ نے طلع رجل کے بجائے دخل رجل کیوں نہ فرمایا کیونکہ متبادر الی الفہم یہ ہے کہ طلوع کے بجائے دخول کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔

جواب: دخل رجل۔ کے بجائے طلع رجل فرمانے کی تین وجوھات ہیں

① ایک وجہ یہ ہے کہ آنے والا شخص اچانک آیا تھا اور اچانک آنے کے لئے طلع کا لفظ زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ کسی بھی شئی کا طلوع دفعۃ واحدۃ ہوتا ہے۔

② طلع۔ کا لفظ ذکر کیا ہے تا کہ کمال ظہور اور عظمت شان پر دلالت کرے۔ کیونکہ کسی شئی کی جلالت شان کے بیان کے لئے طلوع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے طلع البدر علینا۔

③ آنے والے رجل سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور وہ فرشتہ ہیں اور فرشتے نورانی مخلوق ہیں اور نور کی آمد کے لئے طلوع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

سوال: حضرت عمرؓ نے یہ کیسے فرمایا: لایعرفہ مناّ احد۔ کہ ہم میں سے کوئی اس کو نہیں جانتا تھا۔ بظاہر یہ جملہ عموم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ۔ احد۔ نکرہ تحت النفی ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے حالانکہ ممکن ہے کہ حاضرین مجلس میں سے کوئی اس کو جاننے والا ہو۔

جواب: حضرت عمرؓ نے اپنے ظن اور علم کے مطابق حاضرین مجلس کی طرف عدم معرفت کی نسبت کر دی اور اس پر ایک قرینہ بھی موجود ہے وہ یہ کہ جب وہ شخص آیا تو عام حاضرین مجلس حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ یہ علامت ہے نہ جاننے کی۔

سوال: فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ۔ آنے والا شخص اپنے گھٹنے رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں کی طرف ٹیک کر بیٹھ گیا۔ بظاہر اس طرح کی نشست سوء ادب پر دال ہے۔

جواب: اس طرح کی نشست اختیار کرنے کی چار وجوہات ہیں:

① علم طلب کرنے میں اپنی ضرورت اور محتاجی کی شدت کو ظاہر کرنے کیلئے کیونکہ اس طرح کی وضع شدت ضرورت پر دلالت کرتی ہے۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کرنے کے لئے کیونکہ اس طرح کا قرب اور وضع اسی طرف اشارہ ہے۔

③ حاضرین مجلس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایسی ہیئت اختیار کی گئی کیونکہ اصل مقصود بھی یہی تھا کہ لوگوں کو مبادیات و ضروریات اسلام کی تعلیم ہو جائے۔

④ اپنی حیثیت اور شخصیت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کے لئے ایسا کیا گیا۔

سوال: وضع كفيه على فخذيه۔ کے اندر فخذیہ کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے کہ ضمیر۔ رجل کی طرف راجع ہو دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو۔ اس احتمال پر بظاہر اشکال ہے کہ یہ تو انتہائی بے ادبی پر دلالت کرتا ہے کہ اس شخص نے اپنے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیئے اور اس احتمال کی تائید نسائی شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ وفيه وضع يديه على ركبتي النبي صلی اللہ علیہ وسلم۔

جواب: اگر چہ بعضوں نے اس کو اسناد مجازی پر محمول کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسناد مجازی پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اصل مقصد ہی اپنے آپ کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا اور حاضرین مجلس کو تحیر و تعجب اور اشتباہ میں ڈالنا تھا اسی وجہ سے بیٹھنے میں مختلف ہیئتیں اختیار کرتے تھے۔ کبھی اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ کر انتہائی باادب انداز سے بیٹھ جاتے۔ کبھی اعرابیوں کی طرح اپنے گھٹنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ جوڑ کر اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ لیتے اور مختلف الفاظ سے خطاب کرتے۔ اسی لئے تو حاضرین مجلس کو بھی۔ لباس کی صفائی بالوں کی نظافت و نزاکت و رنگت اور آثار سفر نہ ہونے سے حیرانگی اور تعجب ہوا۔

پانچ سوالات:

آنے والے شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سوالات کیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات حکیمانہ اسلوب کے مطابق دیتے ہوئے ان میں شریعت مطہرہ کے تمام امور ضروریہ کو ذکر کر دیا۔

سوال ①: قال اخبرني عن الاسلام ...... اے محمدؐ! مجھے اسلام کی حقیقت بتایئے۔ کہ اسلام کیا ہے؟ اور اسلام کس کو کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ چیزوں کو ذکر فرمایا۔

شہادت۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کی گواہی دینا اور اقرار کرنا۔ شہادت توحید سے مراد یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کرنا۔ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ شہادت رسالت سے مراد یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کرنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور آخری رسول ہیں اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جب انسان یہ اقرار کر لیتا ہے تو وہ مسلمان کہلاتا ہے اس پر اسلام کے احکام جاری ہوتے ہیں اس کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت لازم ہو جاتی ہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

توحید کی حقیقت یہ ہے کہ توحید کے لئے دو چھلکے اور دو مغز ہیں جس طرح بادام کے لیے ہوتے ہیں۔ توحید کے لیے اوپر کا چھلکا زبانی اقرار ہے۔ دوسرا چھلکا تصدیق قلبی ہے توحید کا ایک مغز یہ ہے کہ انسان کائنات کی تمام چیزوں کو۔ اللہ وحدہٗ

لاشریک کی مخلوق تسلیم کرے اور مان لے کہ سب کا فاعل مختار اللہ کی ذات ہے اور تمام مسببات ماتحت الاسباب من جانب اللہ ہیں توحید کا دوسرا مغزیہ ہے کہ انسان کا مقصود نظر اس جہان میں صرف اور صرف ایک اللہ کی ذات ہو اور ہمہ وقت اسی کے تصور میں منہمک اور مستغرق رہے۔

۲ اقامت صلوٰۃ۔ یعنی تمام فرض نمازوں کو مکمل پابندی کے ساتھ، تمام شرائط، ارکان اور آداب کی مکمل رعایت کرتے ہوئے ادا کرنا۔ نفل نماز بھی اگر چہ اسلام کا امر ہے۔ لیکن وہ ضروری نہیں اختیاری ہے۔ کیونکہ امور اسلام میں سے بعض اشیاء لازمی ہیں اور بعض اختیاری ہیں۔

۳ ایتاء زکوٰۃ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق شرعی اصول کے تحت تمام اموال کے نصاب کی رعایت کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا۔ اگر چہ صدقات نافلہ بھی امور اسلام میں سے ہیں۔ مگر وہ ضروری اور لازمی نہیں بلکہ اختیاری ہیں

۴ صوم رمضان۔ یعنی رمضان المبارک کے مہینہ میں روزہ رکھنا اور روزہ صبح صادق سے غروب شمس تک نیت کے ساتھ مفطرات ثلاثہ، اکل وشرب اور جماع سے رکنے کا نام ہے۔ نفل روزہ بھی اگر چہ امور اسلام میں سے ہے مگر وہ لازمی نہیں بلکہ اختیاری ہے۔

۵ حج۔ بیت اللہ کا حج کرنا۔ بشرطیکہ وہاں پہنچنے کی استطاعت ہو۔ استطاعت سے مراد امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک زاد اور راحلہ ہے اور یہ تفسیر خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں استطاعت سے کیا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا زاد اور راحلہ۔ امام مالکؒ کے نزدیک استطاعت سے مراد قدرت ممکنہ ہے کہ جب آدمی صحت مند ہو تو اس پر حج فرض ہے وہ پیدل جائے راستے میں محنت کرے اور وسائل پیدا کرے اور آگے بڑھتا جائے امام شافعیؒ کے نزدیک استطاعت سے مراد یہ ہے کہ جو آدمی مال دار ہو اس پر حج فرض ہے اگر صحت مند ہو تو خود کرے۔ اگر معذور یا بیمار ہو تو حج بدل کرائے۔

سوال: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو یا محمد کے لفظ سے خطاب کیا ہے حالانکہ اس طرح خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ چنانچہ سورہ حجرات میں ارشاد خداوندی ہے: لا تجعلوا دعاء الرسول...... کہ رسول اللہ ﷺ کو اس طرح خطاب نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہو۔ اس لئے کہ اس طرح کے خطاب میں سوء ادب ہے۔

جواب: یا محمد کے الفاظ کے ساتھ خطاب کی دو وجہ ہیں اس طرح کے الفاظ کے ساتھ ممانعت خطاب کے مکلّف انسان ہیں نہ کہ ملائکہ اور جبرائیل فرشتہ ہیں نہ کہ انسان۔ ۲ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل کا مقصود اپنے آپ کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا تھا۔ اس لیے ان الفاظ سے خطاب کیا۔

سوال: صاحب مشکوٰۃ نے حدیث جبریل کے اندر اسلام سے متعلق سوال و جواب کو مقدم کیا حالانکہ صاحب مصابیح نے ایمان کے بارے میں سوال و جواب کو مقدم کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس کی تین وجہیں ہیں:

۱ ایک وجہ یہ ہے کہ اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کو مقدم کیا جائے۔ کیونکہ حضرت جبرائیل نے تعلیم و تعلّم کے لئے سوال کیا تھا اور اس کا تعلق ظاہر سے ہے اور امور اسلام کا تعلق بھی ظاہر سے ہے اور یہاں ظاہر سے باطن یعنی ایمان کی طرف تدریجاً ترقی کی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر اسلام ادنیٰ ہے کیونکہ ایمان کا ثمرہ ہے اور ایمان اعلیٰ ہے کیونکہ یہ تو دین کی اساس اور بنیاد ہے تو گویا یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ اس لئے اسلام کو مقدم کیا۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے عملاً صاحب مصابیح پر اعتراض کیا ہے کہ اسلام سے متعلق سوال و جواب کو مقدم ہونا چاہئے تھا۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ تقدیم وتاخیر راویوں کا تصرف ہے اور اس طرح کی تقدیم وتاخیر محدثین کی عام عادت ہے۔

سوال ②: قال فاخبرنی عن الایمان ...... سے پانچ سوالات میں سے دوسرا سوال ہے۔ حضرت جبرائیل نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے چھ چیزوں کو ذکر کیا۔ کہ یہ اشیاء ایمان کی حقیقت اور امور ایمان ہیں۔

① ایمان باللہ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس بات کا پختہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات برحق ہیں چاہے صفات ایجابیہ ہوں یا صفات سلبیہ۔ جمالیہ ہوں یا جلالیہ صفات حقیقیہ ہوں یا اضافیہ اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی صفات علم، ارادہ، قدرت، کلام، بصر، سمع وغیرہ ہیں۔

② ایمان بالملائکہ: فرشتوں پر ایمان لانا۔ فرشتہ کی تعریف یہ ہے: هو جسم نورانی یتشکل با شکال مختلفة لا یذکر ولا یؤنث۔ کہ وہ نورانی مخلوق ہے، مختلف شکلیں اختیار کرنے پر قادر ہے، تذکیر وتانیث کی صفات سے پاک ہے۔ فرشتوں کے بارے میں چند عقائد رکھنے ضروری ہیں:

① فرشتے نورانی مخلوق ہے۔
② انہیں مختلف اشکال اختیار کرنے کی قدرت حاصل ہے
③ تذکیر وتانیث کی صفت سے پاک ہیں۔
④ جسمانی کدورتوں سے مبرا ہیں۔
⑤ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوق ہیں۔
⑥ اللہ تعالیٰ نے ان کو عظیم درجات سے نوازا ہے۔ عالم بالا اور اسفل کے امور عظام پر مامور ہیں۔
⑦ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم ہوتا ہے اس کو اسی طرح پورا کرتے ہیں۔
⑧ بعض فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف انبیاء کی طرف سفیر ہوتے ہیں اور پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔
⑨ چار فرشتے بڑے ہیں، جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام۔
⑩ اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تحمید، تقدیس ان کے لئے ایسے ہے جیسے انسان کے لئے سانس۔

③ ایمان بالکتب:

اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانوں اور جنوں کی ہدایت کے لئے نازل شدہ کتابوں پر ایمان لانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، قدیم ہے، حروف اور آواز سے منزہ ہے۔ کل کتابوں اور صحائف کی تعداد ایک سو چار ہے۔ جن میں چار مشہور کتابیں ہیں۔

① قرآن۔ جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا۔
② توراۃ۔ موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔
③ زبور۔ داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی۔
④ انجیل۔ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔

پچاس صحائف حضرت شعیب علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ دس صحائف حضرت ادریس علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ دس حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ ان میں سب سے افضل قرآن کریم ہے اور دیگر تمام کتب اور صحائف کیلئے ناسخ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔

④ ایمان بالرسل:

رسول اور نبی وہ برگزیدہ شخصیات ہیں۔ انسانوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے، کوئی عورت، فرشتہ اور جن نبی اور رسول نہیں بنایا گیا۔ رسولوں کے بارے میں چند عقائد ضروری ہیں:

① تمام رسولوں پر اجمالاً اور تفصیلاً ایمان لانا۔
② محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام رسولوں سے افضل اور خاتم النبیین ماننا۔
③ رسول کو اللہ کی طرف سے صداقت کے اظہار کے لئے معجزات دیئے جاتے ہیں۔
④ انبیاء کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔
⑤ ایک روایت کے مطابق انبیاء کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا انبیاء کی تعداد کتنی ہے۔ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بوقت تذکرہ کم وبیش کا لفظ لگایا جائے۔
⑥ رسولوں کو مختلف زمانوں، مختلف علاقوں اور مختلف اقوام وقبائل کی طرف مبعوث کیا گیا۔
⑦ تمام رسولوں نے مخلوق کو ہدایت، صداقت اور صراط مستقیم بتا کر اپنا فریضہ صحیح اور کامل طور پر ادا کیا۔ کسی رسول سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں ہوئی۔ بلکہ کوتاہی کا تصور بھی ناممکن ہے۔

⑤ ایمان بالآخرۃ:

قیامت کے دن پر ایمان لانا۔ اس کو یوم آخر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے ایام میں سے آخری دن ہوگا۔ یہاں تک عالم برزخ کا اتمام ہوگا اور اس سے عالم آخرت کا آغاز ہوگا اور اس دن کے بعد رات ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی اور اس دن پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے بعد الموت اور آخرت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے مثلاً برزخ کے احوال، نفخۂ صور، قیام قیامت، حشر ونشر، حساب و کتاب، جزاء وسزا، روح کا جسم کے ساتھ اتصال، جنت اور جہنم سب برحق اور اٹل حقائق ہیں جن کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

⑥ ایمان بالقدر:

اس پر اعتقاد رکھنا کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو کچھ اس کارخانہ عالم میں ہو رہا ہے یہ سب تقدیر کے مطابق رونما ہو رہا ہے، جو بھی عمل سرزد ہوتا ہے چاہے خیر کا ہو یا شر کا وہ اللہ کے علم اور تقدیر میں ازل سے ہے اور اس پر ایمان لانا کہ اللہ ہی خیر وشر کا خالق ہے اور خلق صفت کمال ہے۔ ہاں البتہ شر کا کسب مذموم ہے اور سزا بھی حقیقت میں کسب پر ہوتی ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بندہ مجبور محض ہے بلکہ بندہ من وجہ مجبور ہے اور من وجہ مختار ہے، اس کے لیے خیر وشر، معصیت واطاعت، فجور وتقویٰ کا راستہ واضح کر دیا گیا ہے اور اس سے مجوسیوں کی بھی تردید ہوگئی۔ جو دو خدا مانتے ہیں۔ خالق شر کو اہرمن کہتے ہیں اور خالق خیر کو یزدان کہتے ہیں اور ان لوگوں کی بھی تردید ہوگئی جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔

سوال ⑬: قال فاخبرنی عن الاحسان ...... سے تیسرا سوال وجواب ذکر کیا گیا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ احسان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس خیال اور

دھیان سے کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ تصور قائم نہ ہو سکے تو کم از کم یہ خیال کرلو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

احسان: احسان کے تین معانی ہیں ① احسان سے مراد عمل ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: للذین احسنوا الحسنیٰ، هل جزاء الاحسان الا الاحسان ان الله یحب المحسنین۔ ان آیات میں احسان سے مراد ایمان۔ اسلام۔ اخلاق وغیرہ ہیں ② احسان سے مراد اخلاص ہو۔ جو کہ ایمان اور اسلام کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے شرط ہے۔ کیونکہ جس آدمی نے کلمہ توحید کا اقرار کیا اور اخلاص کی نیت کے بغیر کوئی عمل کیا اس کا ایمان صحیح نہیں ہوگا۔ ③ احسان سے مراد عمل کا احسان اور مضبوطی ہے۔ اس اعتبار سے اخلاص کو بھی شامل ہوگا نسبت عموم وخصوص مطلق کی وجہ سے اور یہاں یہی معنی مراد ہے دو قرائن کی وجہ سے ایک قرینہ آیت ہے۔ لیبلوکم ایکم احسن عملاً اور دوسرا قرینہ اسی حدیث کا اگلا جملہ ہے ان تعبد اللہ..... اس کے اندر احسان واتقان واحکام عمل کی تلقین وترغیب کی گئی ہے اور اس کو تمثیلی انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے اندر اس قدر حسن اور معیار کی بلندی ہو کہ جب بندہ عبادت کرے تو اس کو اللہ کا کامل تقرب اور عبدیت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو اور اس کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو اس طریقہ سے کرو کہ جس طرح کوئی غلام اپنے آقا کی خدمت اس طرح کرے کہ اس کا مالک اس کے سامنے ہے اور یہ ایک طبعی اور نفسیاتی اثر ہے کہ اگر مالک نظروں کے سامنے ہو اور غلام اس کو دیکھ رہا ہو تو یقیناً اس وقت خدمت کی انجام دہی کی حالت اور کوالٹی اور ہوتی ہے اس وقت غلام پوری ہوشیاری اور ادب سے فرض کی ادائیگی کے لئے مستعد ہوتا ہے اور کارکردگی میں والہانہ اور مخلصانہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی آقا نظروں سے پوشیدہ ہو تو غلام اگرچہ خدمت کی ادائیگی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ مگر وہ ہوشیاری، پابندی، تسلسل اور اخلاص نہیں ہوتا ہے جو نظروں کے سامنے ہونے کی صورت میں ہوتا ہے اسی طرح اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت حاصل کرنے میں کامرانی حاصل کرے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے تو عاجزی، انکساری اور تضرع کی کیفیات خود بخود اس کی عبادات میں پیدا ہو جائیں گی اور انسان کو حقیقی عبادت کا درجہ نصیب ہو جائے گا۔ عبادت کے اسی درجہ کو حقیقی احسان کہا جاتا ہے اور صوفیاء عظام کی اصطلاح میں مشاہدہ اور استغراق کہا جاتا ہے کہ عبادت کے وقت عابد پر ایسی کیفیت اور حالت طاری ہونی چاہئے کہ واقعی اللہ کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور عبادت میں ذوق وشوق اور عظمت وحیاء اور اعلیٰ درجہ کی استغراقی کیفیت حاصل ہو اور یہ مقام مقربین ہی کو عطاء ہوتا ہے پھر دوسرے جملہ میں مراقبہ حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ تم دنیا میں ذات حق کا مشاہدہ تو نہیں کر سکتے۔ مگر کم از کم یہ تصور تو رہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ پہلے جملہ میں مقام شہود کا ذکر ہے اور دوسرے جملہ میں مقام غیبوبت کا ذکر ہے۔ مراد دونوں سے اخلاص کی کیفیت اور حالت کو پیدا کرنا ہے اور بندگی کرنے والے کی دونوں حالتوں کی طرف اشارہ کیا گیا کہ عابد کی اعلیٰ حالت مشاہدہ کی ہے اور ادنیٰ حالت مراقبہ اور غیبوبت کی ہے۔

سوال ④: قال فاخبرنی عن الساعة ...... حضرت جبرائیل علیہ السلام نے چوتھا سوال یہ کیا کہ قیامت کب آئے گی۔ یہ سوال قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے زمانہ وقوع کے بارے میں سوال ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک روایت میں متی الساعة۔ کا لفظ مذکور ہے اور اس کا تعین وقت کے بارے میں ہے۔

ساعۃ لغت میں مطلقاً غیر معین زمانے کو کہتے ہیں اور عرف عام کی اصطلاح میں رات اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ کو کہتے ہیں۔

پھر ساعۃ یعنی قیامت کی تین قسمیں ہیں۔

① قیامت صغریٰ۔ اس سے مراد ہر آدمی کی ذاتی اور شخصی موت ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من مات فقد قامت قیامته۔

کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

۲ قیامت وسطیٰ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دور یعنی ایک قرن ختم ہو جائے مثلاً صحابہ کرام کا دور ایک قرن ہے تابعین کا دور دوسرا قرن ہے۔ تبع تابعین کا دور تیسرا قرن ہے علی ھذا القیاس جیسے رسول اللہ ﷺ سے وقوع قیامت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ایک چھوٹے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب یہ بوڑھا ہو جائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ مراد اس سے اس قرن کا اختتام پذیر ہونا ہے

۳ قیامت کبریٰ: اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت وہ دن ہے کہ جب موجودہ نظام ختم ہو جائے گا زمین، آسمان چاند، سورج، ستارے، دریا، پہاڑ سب فناء ہو جائیں گے کوئی اپنی حالت پر نہیں رہے گا اور اسی دن بعث بعد الموت ہوگا۔ اس پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی اور اہم عقائد میں سے ہے جن لوگوں کا یہ عقیدہ نہ ہو ان میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو جاتا ہے جیسے رافضی، خارجی، اہل تشیع، اہل بدعت، اہل شرک وغیرہ جب آخرت کے بارے میں ان کے عقائد کے اندر خرابی پیدا ہوگئی تو یہ لوگ اعمال سے دور ہو گئے۔ کیونکہ یہی عقیدہ دنیاوی زندگی کے نظام کو بگاڑ اور فساد سے کنٹرول کرتا ہے۔

ما المسئول ......۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کے بارے میں جواب دینے والے کا علم سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں ہے بلکہ عدم علم میں دونوں مساوی ہیں مجھے بھی معلوم ہے کہ قیامت آئے گی تجھے بھی معلوم ہے کہ قیامت آئے گی۔ لیکن اس کا وقوع کب ہوگا اس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں۔

سوال: حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ما المسئول عنها با علم من السائل۔ اس کے بجائے مختصر الفاظ۔ لا اعلم کے ساتھ جواب کیوں نہیں دیا اتنا طویل جواب دینے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: رسول کریم ﷺ نے مختصر جملہ کے بجائے طویل جملہ سے جواب دیکر ایک قانون کلی کی طرف اشارہ کر دیا کہ قیامت کے بارے میں کوئی سائل جب بھی سوال کرے تو عدم علم میں سائل اور مسئول دونوں برابر ہوں گے اگر مختصر جملہ سے جواب دیا جاتا تو اس سے صرف اپنی ذات سے علم قیامت کی نفی ہوتی۔

سوال: بعض اہل بدعت نے ما المسئول عنها باعلم من السائل کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے بارے میں جتنا علم تجھے ہے اتنا ہی مجھے۔ گویا کہ علم میں مساوات کو ثابت کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

جواب: یہ ترجمہ تین وجوہ سے صریح تحریف ہے ہرگز درست نہیں: ۱ رسول اللہ ﷺ کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ حضرت جبرائیل ہیں۔ پھر اس ترجمہ کی کیا گنجائش ہے ۲ اگر دونوں کو علم تھا تو پھر قیامت کی علامتوں کے بارے میں کیوں سوال کیا گیا اور جواب میں علامتوں کو کیوں بیان کیا گیا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ ۳ قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ قیامت کا علم خاصہ خداوندی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: الیه یرد علم الساعة اسی طرح سورۂ لقمان میں ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعة۔

سوال: جب حضرت جبرائیل کو معلوم تھا کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں تو پھر قیامت کے متعلق سوال کیوں کیا تھا؟

جواب: حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کا مقصد لوگوں کو امور دین کی تعلیم دینی تھی۔ قیامت کے بارے میں سوال اس لئے کیا تا کہ آئندہ کوئی آدمی قیامت کے متعلق سوال نہ کرے۔ تو گویا اس سوال و جواب سے لوگوں کو قیامت کے بارے میں سوالات سے منع کرنے کی

تعلیم تھی۔

سوال: بعض اولیاء اللہ کو بعض امور غیبیہ کا کیسے علم ہو جاتا ہے؟۔ نیز اولیاء کرام کو کشف کے ذریعہ سے جو امورِ غیب کا علم حاصل ہوتا ہے ۔ کیا اس کو علم غیب کہا جا سکتا ہے؟

جواب: علم غیب کے کچھ مبادیات اور اصول ہیں جنہیں مفاتیح الغیب کہا جاتا ہے اور کچھ لواحقات اور عوارضات ہیں جن کو امور غیبیہ کہا جاتا ہے۔ مبادیات غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ نہ کسی مقرب فرشتے کو نہ کسی نبی اور رسول کو اور امور غیبیہ کا جزوی علم بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین اور مقربین کو عطاء کر دیتا ہے۔ اس کو انباء الغیب۔ اخبار الغیب اطلاع علی الغیب اور اظہار الغیب کہتے ہیں ۔ اس کو علم غیب حقیقی اور شرعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ علم غیب وہ علم ہوتا ہے جو حواس خمسہ وغیرہ کے واسطہ کے بغیر ہو۔ القاء اور الہام وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم۔ علم غیب کی تعریف سے خارج ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ قاضی بیضاویؒ نے علم غیب کی تعریف اس طرح کی ہے کہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو حواس خمسہ ظاہرہ کے ادراک سے بالاتر ہو کر حاصل ہو اور عقل کی دسترس اور قوت سے خارج ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ القاء، الہام، مکاشفات اور اسباب وغیرہ سے جو علم حاصل ہو۔ وہ یقینیات۔ یا ظنیات میں سے ہے۔ علم غیب سے خارج ہے۔

سوال ⑤: قال فاخبرنی عن اماراتھا ...... سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا پانچواں سوال ہے کہ اے اللہ کے رسول قیامت کی علامات بتا دیجئے کہ قیامت کے وقوع سے پہلے کون کون سی علامتیں ظاہر ہونگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ قیامت سے پہلے ایک یہ علامت ظاہر ہوگی کہ باندی اپنے آقا کو جنم دے گی۔ دوسری علامت یہ ہے کہ عالی شان عمارتوں اور محلات میں لوگ ایک دوسرے پر فخر اور تکبر کرنے لگ جائیں گے یہاں تک کہ جو کمزور قسم کے لوگ ہیں اور عاجز اور منکسر المزاج قسم کے لوگ ہیں ان میں یہ غرور و تکبر رونما ہو جائے گا. جیسے فقیر قسم کے لوگ جن کو پہننے کے لئے جوتا نہ ملے جسم ڈھانپنے کے لئے کپڑا میسر نہ ہو اور بکریوں کے چرواہے وغیرہ۔

علاماتِ قیامت: علامات قیامت دو قسم پر ہیں صغریٰ اور کبریٰ علاماتِ صغریٰ وہ ہیں جو حضرت امام مہدی کے ظہور تک وقوع پذیر ہوں گی جیسے مذکورہ حدیث میں بیان کردہ علامات اور علامات کبریٰ وہ ہیں جو حضرت امام مہدی کے ظہور سے لے کر آخر تک واقع ہوں گی. جیسے امام مہدی کی آمد، خروج دجال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ۔

سوال: ربتھا کے اندر تاء تانیث کو کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ بظاہر اس مقام کے خلاف ہے کیونکہ یہاں رب آقا اور مولیٰ کے معنی میں ہے۔

جواب: ربتھا میں تاء تانیث کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ رب العباد کے ساتھ لفظی اشتراک نہ ہو۔ اگرچہ اضافت کے ساتھ اس لفظ کا استعمال اللہ کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے۔

سوال: ان تلد الامۃ ربتھا۔ اس جملہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس جملہ کی تشریح میں علماء کے پانچ اقوال ہیں:

① اس سے مراد یہ ہے کہ نافرمانی اور معصیت اس قدر بڑھ جائے گی اور ایسا دور آجائے گا کہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ آقا اور مالک والا سلوک کریگی۔ جس طرح وہ اپنے غلاموں کو سب و شتم کرتا ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے بعینہ یہی سلوک اولاد والدین کے ساتھ کریگی۔

② اس سے مراد یہ ہے کہ باندیوں کی اولادیں حکمران بن جائیں گے اور ماں اس بادشاہ بیٹے کی رعیت میں آجائے گی تو عملاً اس کی صورت یہی بنی کہ باندی نے اپنے آقا اور مولیٰ کو جنم دیا۔

④ اس سے مراد یہ ہے کہ اس دور میں اسلامی فتوحات کی کثرت ہو جائے گی۔ جس میں مالک اور غلام۔ باندیاں کثرت سے ہوں گے ۔تو لوگ حالات خراب ہونے کی وجہ سے باندیوں کو فروخت کرنا شروع کر دینگے۔ اسی بیع وشراء میں ایسا بھی ہو جائے گا کہ ام ولد اپنے بیٹے کے ہاتھ فروخت ہو جائیگی اب بیٹا آقا ہے اور ماں مملوک ہے۔ یہی مطلب ہے اسکا کہ باندی اپنے مالک کو جنم دیگی۔

④ اس سے مراد یہ ہے کہ بیٹی اپنی ماں پر نافرمانی کی وجہ سے ایسے حکم چلائے گی جس طرح آقا اپنی لونڈی پر حکم چلاتا ہے۔

⑤ اس سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت قریب ہوگی تو شرفاء اور عزت والے لوگ ذلیل ہو جائیں گے اور ذلیل قسم کے لوگ عزت والے لوگوں کی جگہ میں آ جائیں گے۔ جیسے ماں کا مقام عزت والا ہے۔ اس کے مقابلے میں بیٹی کم مقام رکھتی ہے اور جب بیٹی مالکہ بن جائے گی اور ماں مملوکہ تو ظاہر ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہو جائے گا۔

سوال: حدیث میں ربتھا فرما کر لڑکی کی تقیید وتخصیص کیوں کی گئی حالانکہ یہ معاملہ تو مطلقاً اولاد کا ہوگا چاہے مذکر ہو یا مؤنث۔

جواب: یہاں لڑکی کی تخصیص مبالغہ کے لئے کی گئی ہے وہ اس طرح کہ بیٹی، لڑکے، کے مقابلے میں اطاعت شعار ہوتی ہے اور انتہائی باوفا اور چاردیواری میں رہنے والی ہوتی ہے جب اس وقت اس کا یہ حال ہوگا تو پھر خود ہی غور کر لیں کہ لڑکوں کا کیا حال ہوگا۔

سوال: ملیًّا سے کتنا زمانہ مراد ہے؟ ابوداؤد شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد تین دن ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن کے بعد حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے وہ سائل کون تھا؟ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اسی مجلس میں بتا دیا تھا کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے' بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

جواب: ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ہم ان کے درمیان تطبیق کرتے ہیں وہ اس طرح کہ اس سائل کی تلاش میں کئی صحابہ کرام مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔ ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ وہ تلاش کے بعد اپنے گھر چلے گئے اور تین دن کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ ﷺ نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ سائل کون تھا اور جب حضرت عمرؓ وغیرہ سائل کی تلاش میں اٹھ کر چلے گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے حاضرین مجلس کے سامنے حقیقت حال واضح کر دی تھی۔ کہ یہ آنے والے حضرت جبرائیل تھے اور تمہیں دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

سوال: یعلمکم دینکم کے اندر تعلیم کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کیوں کی گئی۔ حالانکہ حقیقت میں تو تعلیم دینے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ہی نے تو ایمان' اسلام' احسان' علامات وغیرہ امور اس کی تعلیم دی اور دینکم۔ دین کی اضافت صحابہ کرام کی طرف کیوں کی گئی۔ دین تو قیامت تک آنے والے سب انسانوں کا ہے۔

جواب: تعلیم کی نسبت حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف اسناد مجازی ہے۔ کیونکہ حقیقتاً تو تعلیم دینے والے رسول اللہؐ تھے' مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام سائل تھے اور سوال جہالت کی شفاء اور نصف علم ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے مجازاً تعلیم کی نسبت جبرائیل کی طرف کی گئی ہے۔

اور دین کی اضافت صحابہ کرامؓ کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ اسلام کے مخاطبین اولین صحابہ کرامؓ ہی تھے۔ اس لئے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ورنہ دین تو قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہے۔

ورواہ ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ مع اختلاف: مذکورہ حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں الفاظ کا کچھ اختلاف ہے۔ اس میں الفاظ اس طرح ہیں: وَاِذَا رَاَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَاَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ...... کہ جب تم دیکھو پاؤں سے ننگے، جسم سے ننگے، بہرے

یعنی حق نہ سننے والے، گونگے یعنی حق نہ کہنے والے زمین کے حکمران ہوں گے۔

فی خمس ...... جب قیامت کے بارے میں سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ ان پانچ امور میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی تائید میں سورۂ لقمان کی آخری آیت پڑھی. ان اللہ عندہ علم الساعۃ ...... کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس آیت کے شان نزول کا قصہ یہ ہے کہ نضر بن حارث نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ پانچ چیزوں کے بارے میں جواب دیجئے۔ ① قیامت کب آئے گی۔ ② بارش کب نازل ہوگی کیونکہ ہمیں بارش کی ضرورت ہے ③ میری بیوی حاملہ ہے بتایئے اس کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی ④ مجھے معلوم ہے کہ آج میں نے کیا کیا ہے آپ یہ بتایئے کہ آئندہ کل میں کیا کروں گا؟ ⑤ مجھے معلوم ہے کہ میری پیدائش کہاں ہوئی ہے آپ یہ بتایئے کہ میری موت کہاں آئے گی اس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ کہ ان پانچ اشیاء کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اسی کے علم میں ہے کہ قیامت کب آئے گی، بارش کب نازل ہوگی، کہاں نازل ہوگی، نفع مند ہوگی یا ضرر رساں رحم مادر میں مستور کے احوال۔ آئندہ کل کے کسب خیر و شر اور کس زمین میں موت آئے گی۔ ان سب امور کی تفاصیل کو اللہ ہی جانتا ہے۔

واقعہ: تفسیر مدارک میں مذکور ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے خواب میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کو دیکھا۔ اس سے معلوم کیا کہ میری کتنی زندگی باقی ہے میری موت کب آئے گی. حضرت عزرائیل نے اس کے جواب میں ہاتھ کی پانچ انگلیوں کا اشارہ کر دیا۔ منصور اس مبہم اور حیران کن جواب سے پریشان ہو گیا۔ ایک معبر سے تعبیر دریافت کی۔ اس نے تعبیر بتائی کہ آپ کی زندگی کے پانچ سال باقی ہیں دوسرے معبر نے بتایا کہ پانچ ماہ باقی ہیں۔ تیسرے معبر نے بتایا کہ پانچ دن باقی ہیں. بالآخر امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تعبیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ آپ نے موت کے متعلق سوال کیا اور یہ پانچ امور میں سے ہے جن کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں کیا۔ پھر آپ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت کو پیش کیا اور فرمایا کہ حضرت عزرائیل نے اسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوال: مذکورہ حدیث میں پانچ مغیبات کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔ حالانکہ مغیبات تو اس کے علاوہ بھی متعدد ہیں۔

جواب: پانچ مغیبات کا حصر اور اختصاص مراد نہیں بلکہ ان پانچ امور کا ذکر سائل کے سوال کے مطابق ہے۔

مسائل حدیث: مذکورہ حدیث سے علماء نے چند مسائل کا استنباط کیا ہے:

① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے اتنی طویل گفتگو میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل کو نہیں پہچانا جب بتایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ جبرائیل ہیں۔

② یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے۔ کسی نبی، رسول اور مقرب فرشتہ کو اس کا علم نہیں دیا گیا اور علم جزئی شرعی میں سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو وافر مقدار میں عطا کیا ہے اور تکوینیات جزئیہ کا علم بھی آپ کو دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں بکثرت دیا گیا ہے۔

③ سفید اور پاکیزہ لباس عمدہ ہے۔ اسی لئے حضرت جبرائیلؑ یہ لباس زیب تن کر کے تشریف لائے۔

④ علم دین کے حصول کے لئے سب سے اعلیٰ زمانہ شباب کا ہے۔ حضرت جبرائیل کے بالوں کے شدت کے ساتھ سیاہ ہونے سے اسی طرف اشارہ ہے۔

⑤ طالب علم کو چاہئے کہ اپنے استاد کے قریب ہو کر بیٹھے اور باادب ہو کر بیٹھے۔ کیونکہ حضرت جبرائیل آپ کے قریب ہو کر بیٹھے اور رعایت ادب کے ساتھ بیٹھے۔

۶ طالب علم کو مفید باتوں کے بارے میں سوال کرنا چاہئے کیونکہ اچھا سوال جہالت کے لئے شفاء اور نصف علم ہے۔اسی لئے تو جبرائیل علیہ السلام نے پانچ سوالات کئے۔

۷ طالب علم یا کسی مسلمان کو اپنی جہالت اور لاعلمی پر شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔بلکہ جو بات معلوم نہیں صاف صاف کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔

۸ طالب علم کو چاہئے کہ دوران تعلیم گمنام رہے اور اپنے مقصد یعنی حصول علم میں انتھک محنت کرے اور لوگوں سے روابط نہ رکھے۔جس طرح حضرت جبرائیل گمنام شخص کی صورت میں آئے۔

۹ طالب علم کو چاہئے کہ حصول علم میں ایسے علوم کو منتخب کرے جو عقائد اور عمال کی اصلاح سے متعلق ہوں جن میں دنیا اور آخرت کا فائدہ ہو۔جس طرح حضرت جبرائیل نے ان اشیاء کے متعلق سوال کیا جو عقائد اور اعمال سے متعلق تھے۔

۱۰ طالب علم کو چاہئے کہ علم حاصل کرنے کے بعد فوراً ہی جلد از جلد اپنے مقصد اور دعوت وارشاد کے کام میں مصروف ہو جائے۔فضول اور بیکار مدارس میں استحقاق گردانتے ہوئے نہ پڑا رہے۔یہ بے حسی اور غفلت کی علامت ہے۔

اسلام کے پانچ بنیادی اُمور

(۲/۲)عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري ۱/۴۹ حديث رقم ۸۔ومسلم في صحيحه ۱/۴۵ حديث (۲۱-۱۶)والنسائي في سننه ۸/۱۰۷ حديث رقم ۵۰۰۱۔ والترمذي في الجامع الصحيح ۵/۸ حديث رقم ۲۶۰۹ وأحمد في المسند ۲/۲۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد اور اساس پانچ چیزوں پر ہے ایک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں' دوم پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا۔سوم زکوٰۃ ادا کرنا۔چہارم بیت اللہ کا حج ادا کرنا۔پنجم رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی ابن عمرؓ ہیں ان کا مختصر تعارف اس طرح ہے۔

تعارف ابن عمر رضی اللہ عنہما:

یہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے بیٹے ہیں۔ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے حقیقی بھائی ہیں ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے ان کا نام عبداللہ ہے اپنے والد کے ساتھ بچپن میں مسلمان ہوئے اور ان سے قبل ہجرت کر کے مدینہ میں آئے۔غزوہ بدر اور احد میں صغرسنی کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے تھے۔غزوہ خندق اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔اتباع سنت میں بے مثال مقام رکھتے تھے۔دوران سفر ان تمام مقامات میں قیام کرتے تھے جہاں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور اپنی سواری کو اسی جگہ بٹھاتے تھے جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری بٹھائی۔ایک درخت کے نیچے آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے اس درخت کی دیکھ بھال کرتے رہے،اسے پانی دیتے رہے کہ کہیں یہ خشک نہ ہو جائے اور یہ عبادلہ اربعہ میں سے ایک ہیں اور مکثرین صحابہ کرام میں سے ہیں ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار چھ سوتیس ۲۶۳۰ ہے جن میں متفق علیہ ایک سو ستر احادیث ہیں صرف بخاری میں اکیاسی اور صرف مسلم میں

اکتیس ہیں. حجاج بن یوسف کی سازش سے ایام حج میں مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شہید کر دیئے گئے۔
مقام محصب یا فخ میں دفن کئے گئے۔

تشبیہ بلیغ: مذکورہ حدیث میں ارکان اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ خیمہ میں پانچ ستون ہوتے ہیں ایک درمیان میں جس کو عمود الفسطاط کہتے ہیں اور چار ستون کناروں پر ہوتے ہیں جن کو اطناب کہتے ہیں اگر درمیان والا ستون نہ ہو تو خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا اور اگر کناروں والے ستون نہ ہوں تو خیمہ کھڑا رہتا ہے اگر چہ نقص واقع ہو جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح اسلام ایک عالی شان عمارت ہے جس کا عمود شہادتین ہے اور اس کے اطناب واوتاد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہے۔ اگر اطناب میں نقص آ جائے تو نقصان ثابت ہو جائے گا مگر عمارت باقی رہتی ہے اور اگر شہادت کے رکن میں نقصان واقع ہو جائے تو اس صورت میں اسلام کی عمارت ہی سرے سے قائم نہیں رہ سکتی۔

سوال: مذکورہ عبادات کا درجہ کیا ہے. اور ان کی نوعیت کیا ہے؟

جواب: قرآن وسنت کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عبادات میں سے سب زیادہ اہمیت نماز کو حاصل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ان چار عبادات میں سے دو اصل ہیں اور دو فرع اور تابع ہیں نماز اصل ہے زکوٰۃ تابع ہے حج اصل ہے اور روزہ تابع ہے اور اللہ تعالیٰ کی دو شانیں ہیں ایک جلالی دوسری جمالی۔ بعض عبادات میں جلالی شان غالب ہے اور بعض میں جمالی شان غالب ہے۔ جیسے نماز اور زکوٰۃ میں جلالی شان غالب ہے۔ حج اور روزہ میں جمالی شان غالب ہے۔

نماز کیا ہے؟ گویا کہ سلطان کے دربار میں حاضری ہے سرکاری منادی کی دعوت اور اطلاع پر فوراً تیاری کر کے صاف ستھرے ہو کر دربار میں حاضر ہو گئے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ جیسے دربار سلطانی سے آدمی انعام یافتہ ہو اور ساتھ ہی اسے حکم دیا جائے کہ جب دربار سے باہر نکلو تو اگر فقراء اور مساکین مل جائیں تو انہیں بھی کچھ دے دینا۔

روزہ کیا ہے؟ شان محبوب کی محبت میں سودائے عشق میں کھانا' پینا اور بیوی سے ہم بستری چھوڑ دینا۔

حج کیا ہے؟ اپنے محبوب کے در و دیار کا چکر لگانا۔

جواب ②: وجہ حصر یہ ہے کہ عبادت دو حال سے خالی نہیں فعلی ہوگی یا ترکی۔ اگر ترکی ہو تو یہ روزہ ہے کیونکہ اس میں اکل وشرب وغیرہ کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اگر فعلی ہو تو پھر چار حال سے خالی نہیں قولی ہوگی۔ یا بدنی ہوگی یا مالی ہوگی یا بدنی اور مالی دونوں سے مرکب ہوگی۔ اگر قولی ہو یہ شہادت ہے اگر بدنی ہو تو یہ نماز ہے اگر مالی ہو تو یہ زکوٰۃ ہے اگر دونوں سے مرکب ہو تو یہ حج ہے۔

جواب ③: ارکان خمسہ عاشقانہ عبادات ہیں پہلا درجہ شہادتین کا ہے۔ کیونکہ عاشق کا سب سے پہلے یہ کام ہوتا ہے کہ وہ محبوب کا زبانی ذکر کرتا ہے۔ تمام مقفیٰ اور مسجع نظم ونثر کے داؤ اسی کے ارد گرد گردش کرتے ہیں اس کے بعد محبوب کی انتہائی تعظیم ہوتی ہے۔ نماز اسی کا مظہر ہے کیونکہ نماز تمام آداب اور عظمتوں کا مجموعہ ہے، اس کے بعد محبوب کے لیے مال خرچ کرنا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ اسی کیفیت کا مظہر ہے۔ اس کے بعد محبوب کے لئے بھوکا اور پیاسا رہنا ہوتا ہے۔ روزہ اسی کی یاد ہے اس کے بعد محبوب کے لئے اپنا گھر بار چھوڑنا ہوتا ہے۔ حج اسی کا مظہر ہے کہ انسان سب کچھ چھوڑ چھڑا کر محبوب کے دیار میں گھومتا ہے۔

سوال: مذکورہ حدیث میں ارکان اسلام پانچ بیان کئے گئے ہیں حالانکہ ارکان اسلام تو اور بھی ہیں مثلاً جہاد، حقوق، فرائض وغیرہ صرف پانچ پر اکتفاء کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: ارکان اسلام میں سے پانچ پر اکتفاء اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ مشہور ہیں اور جامع بھی ہیں ان کے علاوہ تمام اعمال ان کے ضمن

میں موجود ہیں وہ اس طرح کہ شہادت سے مراد ہے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اس کو تسلیم کر لینا۔ اس میں اگر غور کیا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ اسلام کے تمام ارکان آ گئے۔

سوال: مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ارکان اسلام پانچ ہیں حالانکہ اس حدیث میں تو چھ ذکر کیے گئے ہیں: ① شہادت توحید ۔② شہادت رسالت اور چار دیگر عبادات

جواب: شہادتین سے مراد ایک ہی خصلت ہے کیونکہ اس میں تلازم ہے۔

سوال: کئی مقامات ایسے ہیں جہاں توحید کا ذکر ہے رسالت کا ذکر نہیں پھران کے درمیان تلازم کیسے ہے؟ جیسے: افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ وغیرہ۔

جواب: جہاں شہادت کے ساتھ توحید کا ذکر ہو۔ اس کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ جیسے مذکورہ حدیث میں اور جہاں شہادت کا عنوان نہ ہو وہاں صرف توحید پر اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ لا الٰہ الا اللہ کے اندر دو احتمال ہیں کبھی اس سے عقیدہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور کبھی اس سے ذکر مقصود ہوتا ہے جب شہادت کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے عقیدہ توحید کا اظہار مقصود ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ رسالتؐ کو بھی ذکر کیا جاتا ہے اور جب شہادت کے عنوان کے بغیر ذکر کیا جائے تو اس سے ذکر مقصود ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ رسالت کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ بخلاف محمد رسول اللہ کے کہ اس سے صرف عقیدہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے نہ کہ ذکر۔

سوال: اگر محمد رسول اللہ ذکر نہیں تو صوفیاء کرام اپنے متعلقین کو اس کی تلقین اور تعلیم کیوں کرتے ہیں؟

جواب: صوفیاء کی طرف سے ذاکرین کو محمد رسول اللہ کی تلقین اس وجہ سے نہیں کی جاتی کہ یہ ذکر ہے بلکہ اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے کثرت تکرار کی وجہ سے اور اس میں انہماک اور استغراق کی وجہ سے عقیدۂ رسالت سے غفلت اور ذہول نہ ہو جائے۔

سوال: جب اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے تو اسلام مبنی ہوگا اور اشیاء خمسہ مبنیٰ علیہ ہوں گی اور یہ قاعدہ ہے کہ مبنی۔ مبنیٰ علیہ کا غیر ہوتا ہے اور یہ مستلزم ہے اس کو کہ اسلام کوئی اور چیز ہے اور اشیاء خمسہ اس کے مغائر ہیں حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں۔

جواب: علم نحو کا یہ قانون ہے کہ حروف جارہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی علی۔ من کے معنی میں ہے معنی اس طرح ہوگا: بنی الاسلام من خمس اس صورت میں مبنی اور مبنیٰ علیہ نہیں بنیں گے۔ فلا اشکال۔

ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں

(۳/۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ. (متفق علیہ)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٦٣/١ رقم ٥٨ وزاد بضع وستون "وروى البخارى فى صحيحه ٥١/١ حديث رقم ٩ "الايمان بضع وستون شعبة ـ والحياء شعبة من الايمان "وأبو داؤد ٥٥/٥ حديث رقم ٤٦٧٦ ـ والنسائى ١١٠/٨ حديث رقم ٥٠٠٥ والترمذى بنحوه ١٢/٥ حديث ٢٦١٤ وابن ماجة كذلك ٢٢/١ حديث رقم ٥٧ وأحمد فى مسنده ٣٧٩/٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے اور شاخیں ہیں۔ ان میں سے سب سے افضل شعبہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار ہے اور سب سے ادنی شعبہ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دینا ہے اور حیاء ایمان کا ایک خاص درجہ اور شاخ ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ مذکورہ حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور مشہور صحابی ہیں ان کا تعارف معلوم کر لینا ضروری ہے۔

تعارف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

یہ مشہور صحابی ہیں۔ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقعہ پر ایمان لائے اور بالالتزام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور انہیں دو وجہ سے بہت زیادہ احادیث یاد تھیں: ① انکا کوئی شغل نہ تھا۔ بخلاف دیگر صحابہ کرام کے کہ مہاجرین کا شغل تجارت تھی اور انصار کا پیشہ زراعت تھی۔ ② ان کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی دعا تھی اور یہ مکثرین صحابہ کرام میں سے ہیں ان کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔

کنیت: ان کی کنیت ابو ہریرہ ہے۔ ہریرہ یہ ہرۃ کی تصغیر ہے۔ اس کی وجہ بقول ان کے یہ ہے کہ میں دن کو بکریاں چراتا تھا۔ میرے پاس چھوٹی سی بلی تھی۔ رات کو گھر آتے ہوئے ایک درخت کے تنے میں رکھ آتا جس کی وجہ سے لوگوں نے میری کنیت ابو ہریرہ رکھ دی۔

سوال: بعض روایات میں مذکور ہے کہ ان کی کنیت رسول اللہ ﷺ نے رکھی اور پچھلی روایت میں ہے کہ ان کی یہ کنیت لوگوں نے رکھی تھی ان دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی قدیم کنیت کو برقرار رکھا اور اس وجہ سے ان کی اس کنیت کو مزید شہرت حاصل ہوگئی۔

نام: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، زیادہ مشہور تین اقوال ہیں۔ ① عبدالشمس بن صخر ② عبدالرحمٰن بن صخر ③ عبداللہ بن عمرو۔ بعض علماء کے نزدیک جاہلی نام عبدالشمس ہے اور اسلامی نام عبدالرحمٰن ہے۔ امام بخاری اور امام ترمذی کے نزدیک ان کا نام عبداللہ بن عمرو ہے ۵۹ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

سوال: مذکورہ حدیث میں بضع وسبعون کا ذکر ہے کہ ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں جب کہ بخاری کی ایک حدیث میں سبعون کی جگہ ستون کا لفظ مذکور ہے بظاہر تعارض ہے۔

جواب ①: عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ عدد اقل زائد کے بارے میں ساکت ہوتا ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

جواب ②: دونوں عدد کا زمانہ الگ الگ ہے ستون کا لفظ پہلے کا ہے جب کہ ایمان کے شعبے مکمل نہیں ہوئے تھے اور سبعون کا لفظ بعد کا ہے اور تعارض کے لئے وحدت زمان شرط ہے۔

ایمان کے شعبوں کا تفصیلی بیان: مذکورہ بالا حدیث میں مذکور ہے کہ ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اور ایمان کا سب سے بڑا شعبہ اقرار توحید ہے اور ادنیٰ شعبہ راستہ سے کسی ضرر رساں چیز کا ہٹا دینا ہے جبکہ حیاء ایک درمیانی شعبہ ہے۔ جس پر تمام فضائل اور کمالات کا دارومدار ہے جس انسان میں ایمان کے یہ شعبے کامل طور پر ہوں گے وہ کامل الایمان ہے ورنہ ناقص الایمان ہے جتنے شعبے کم ہوں گے اتنا ہی ایمان ناقص ہوگا۔

۳۰ تقاضے دل سے متعلق ہیں۔ ۷ زبان سے متعلق ہیں۔ ۱۶ تقاضے مکلف کی ذات سے متعلق ہیں۔ ۶ تقاضے اہل وعیال اور خدام سے متعلق ہیں۔ ۱۸ تقاضے عامہ خلائق سے متعلق ہیں۔ یہ کل ستتر تقاضے اور شعبے ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا: کہ وہ واجب الوجود ہے جس کا موجود ہونا ضروری ہے اور اس کا عدم محال ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہاء۔

صفاتِ کمالیہ پر ایمان لانا: کہ اللہ واجب الوجود ہے اور واجب الوجود کا اپنی ذات میں کامل ہونا ضروری ہے اس کمال

ذاتی کے لئے جن جن صفات کا ہونا اس میں ضروری ہے۔ وہ سب اس کے لئے ثابت ہیں۔ انھی کو صفات کمالیہ کہتے ہیں' مثلاً: وحدت، قدم، حیاۃ، قدرت۔ علم، ارادہ، سمع، بصر، خلق وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ پر ایمان لانا۔

۲ فرشتوں پر ایمان لانا: کہ وہ اللہ کی مقبول اور نورانی مخلوق ہے جن کو اللہ نے نور سے پیدا کیا ہے اور وہ سب اللہ کی معصیت سے پاک اور منزہ ہیں، ان میں سے چار فرشتے مقرب ہیں۔

۳ کتب الٰہیہ پر ایمان لانا: اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا اور ان کو برحق جاننا اور اس بات کو تسلیم کرنا کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے مختلف رسولوں پر مختلف کتابیں نازل کی ہیں اور ان میں جو کچھ ہے سب حق ہے اللہ نے جس کتاب پر جس وقت عمل کرانا چاہا اپنے بندوں کو حکم دیا بڑی کتابیں چار ہیں قرآن۔ تورات۔ انجیل۔ زبور۔ صحائف کو شامل کر کے کل تعداد ۱۰۴ ہے اور اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک صرف قرآن مجید کو عمل کے لئے تجویز کیا ہے جو آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔

۴ انبیاء و رسل پر ایمان لانا: اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے بڑی تعداد میں انبیاء و رسل بھیجے ہیں ان سب پر ایمان رکھتا ہوں سب ہادی تھے اور وہ تمام مخلوق سے افضل ہیں ان کی ذرا سی گستاخی بھی کفر ہے سب سے آخر میں محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ جو قیامت تک تمام عالم کے لئے اللہ کے رسول ہیں ان کی اطاعت کرنا اور ان کے لائے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور ضروری ہے اور انھوں نے جو عقائد بتائے ہیں ان پر یقین کرنا فرض ہے۔ جو شخص آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبی یا رسول مانے وہ اللہ تعالیٰ کے صریح ارشاد کا منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہے خواہ اس کا نام مسلمانوں جیسا ہو۔

۵ قیامت پر ایمان لانا: آخرت کے دن پر ایمان لانا یعنی قیامت کے آنے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و کتاب' پل صراط' جہنم' جنت اور وہ واقعات جن کا ذکر قرآن و حدیث میں خاص قیامت کے دن اور اس کے بعد کے حالات کے سلسلے میں آیا ہے ان سب کو حق جاننا اور ماننا۔

۶ تقدیر پر ایمان لانا: قضاء و قدر پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر بناؤ بگاڑ اور عدم، وجود کے متعلق اندازے مقرر فرمائے ہیں کہ ایسا ایسا ہوگا۔ جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے جو بھی خیر و شر کا فیصلہ کیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

۷ بعث بعد الموت: آخرت پر ایمان کا حصہ ہے نفخۂ ثانیہ پر تمام انسان اپنے اپنے مدفن سے اٹھ کر میدان حشر کی طرف جائیں گے۔

۸ جنت و دوزخ پر ایمان لانا: مؤمنوں کو جنت ملے گی اور وہاں ہمیشہ رہیں گے اور طرح طرح کے عیش و آرام دیکھیں گے جنت میں ایک سو درجے ہیں اور ہر درجہ میں زمین اور آسمان کے فاصلہ کے برابر فاصلہ ہے جنتیں بھی ۸ ہیں ۱ دار السلام ۲ دار القرار ۳ دار الخلد ۴ جنت الماویٰ ۵ النعیم ۶ جنت العدن ۷ جنت الفردوس اور جنت الفردوس سب سے اعلیٰ ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ سے جنت الفردوس مانگا کرو اور اس سے چار نہریں نکلتی ہیں اور اسکے اوپر عرش ہے۔ قرآن و حدیث میں جنت اور انعامات جنت کا تفصیلی تذکرہ ہے اور یہ کہ اہل جنت سے تمام اوصاف رذیلہ ختم ہو جائیں گے۔ مثلاً چند انعامات: ۱ بالا خانے ۲ عمدہ درخت ۳ حوریں اور خواتین ۴ قوۃ مردانہ ۵ عمدہ لباس ۶ دائمی جوانی ۷ عمدہ رنگ برنگے پھل ۸ عمدہ سواریاں ۹ عمدہ بازار جس میں اللہ کی اور آپس کی ملاقات ہوگی ۱۰ اللہ کا دیدار ۱۱ اللہ کی رضا ۱۲ دودھ' شراب طہور' پانی' شہد کی نہریں ۱۳ خدام ۱۴ برتن اور دیگر اسباب۔

اور نافرمانوں کو جہنم ملے گی۔ جہنم میں کفار اور بعض گناہ گار مسلمان بھی داخل ہوں گے۔ جو اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پا کر نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے نجات پائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔ دوزخ کے سات طبقات ہیں: ۱ لظیٰ ۲ حطمہ ۳ سعیر ۴

سقر ۵ حاویہ ۶ جحیم ۷ جہنم ۔ان ساتوں طبقوں میں کم وبیش عذاب ہے سب سے ادنیٰ عذاب یہ ہوگا کہ آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے اور دماغ ہانڈی کی طرح ابلے گا اور وہ بندہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ مجھ کو عذاب ہے حالانکہ سب سے کم اس کو عذاب ہوگا نیز اس میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے جیسے" آگ کا فرش' آگ کا مکان' زقوم' پینے کے لیے پیپ' گندھک کے کپڑے' گرم پانی' طوق زنجیریں' سانپ' اجسام کا بہت بڑا ہونا' سخت گرمی وسخت سردی" رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:" سب سے زیادہ جہنم میں عورتیں جائیں گی۔ اسباب معلوم کرکے اصلاح احوال کی جائے۔

۹ **اللہ سے محبت:** محبت الٰہی یعنی اللہ کی عظمت شان' رحمت' شفقت' فضل واحسان کا تصور کرتے ہوئے سب سے زیادہ محبت کرنا۔ اللہ کی محبت کو مرکز بنانا اور دوسری تمام محبتوں کو اسکا دائرہ بنانا مثلاً والدین سے محبت' بہن بھائیوں سے محبت' بیوی بچوں سے محبت' رشتہ داروں اور دوستوں سے محبت' علماء اولیاء صلحاء شہداء ومشائخ سے محبت اس لئے ہو کہ اللہ کا حکم ایسا ہی ہے۔

۱۰ **حب فی اللہ اور بغض فی اللہ:** اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے۔ ایک محبت تو بغیر کسی شائبہ کے خالصۃ اللہ کے لئے ہوتی ہے جیسے کسی اللہ والے سے محبت کرنا' ظاہر ہے کہ اس سے محبت دنیاوی غرض کے لئے نہیں ہوتی بلکہ دینی فائدہ اور اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے الغرض تمام محبتوں کو ایسا صاف کیا جائے کہ ہر محبت حب فی اللہ ہو اور حب فی اللہ کے لیے مشق کی ضرورت ہے۔ علماء' اولیاء' بزرگان دین' صوفیاء کی مجالس کا اہتمام کیا جائے:۔ ع جمال ہم نشیں درمن اثر کرد۔

؎ یک زمانہ صحبت با اولیاء ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

حب فی اللہ کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی وقت اللہ کی محبت کا یہ تقاضا ہو کہ میں دیگر تمام محبتوں کو خیر باد کہہ دوں تو اس وقت طبیعت پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ محبت اللہ کے لئے ہے۔ بغض فی اللہ۔ یعنی غصہ بھی اللہ کے لئے ہو۔ بغض کسی کی ذات سے نہ ہو بلکہ برے عمل سے عداوت ہو یا اس کی کسی ایسی بات سے غصہ ہو جو مالک حقیقی کی ناراضگی کا سبب ہے تو یہ بغض فی اللہ ہوگا۔

۱۱ **محبت رسول ﷺ:** رسول کریم ﷺ سے محبت کرنا ایمان کامل کی علامت اور اس کا ضروری تقاضا ہے۔ لیکن محبت کی دو قسمیں ہیں: ۱ طبعی جیسے اولاد کو ماں باپ سے یا ماں باپ کو اولاد سے۔ اس کا تقاضا طبعی وابستگی ہے اس میں عقلی یا خارجی ضرورت کا دخل نہیں ہوتا ۲ عقلی۔ جو کسی عقلی ضرورت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے اور محبت رسول ﷺ سے یہی مراد ہے اور یہ بسا اوقات اس قدر شدید ہوتی ہے کہ طبعی محبت اور فطری تقاضے پر غالب آجاتی ہے۔ تو رسول کریم ﷺ کے ساتھ محبت اتنی پراثر' اتنی بھرپور اور اس قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ طبعی محبت پر غالب آجائے۔ کبھی نبی علیہ السلام کی کسی ہدایت اور کسی شرعی حکم کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ اور فطری محبت کا تعلق رکاوٹ ڈالے تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ ایمانیات اور شریعت کے نقطۂ نظر سے یہ بہت بڑا مقام ہے اور یہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب ایمان' اسلام اور حب رسول ﷺ کا دعویٰ کرنے والا اپنے نفس کو احکام شریعت اور ذات رسالت میں فنا کر دے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضاء اور خوشنودی کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد زندگی نہ ہو۔ آج ہر مسلمان رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویدار تو ہے لیکن محبت کے تقاضے پورے کرنے سے بہت دور کھڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی شکل تک بنانے سے عاری ہے۔ یہود ونصاریٰ کی تہذیب وتمدن میں اتنا گم ہو چکا ہے کہ سنت رسول ﷺ کو پامال کرنے کا احساس تک نہیں ہوتا دراصل اتباع رسول ﷺ محبت رسول کی دلیل ہے۔ اگر اتباع ہے تو دعویٰ سچا ہے ورنہ نہیں الغرض عظمت رسول، محبت رسول اور اتباع واطاعت رسول ایمان کامل کے لئے بہت ضروری ہے۔

۱۲ **صدق اور اخلاص:** اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر تعلق مع اللہ مضبوط ہوگا

۔اس کے بارے میں ایک مسلسل حدیث بھی منقول ہے۔اخلاص سے ایمان اور اسلام کی ظاہری صورت کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے اور اسی سے بندہ کو اللہ کے تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا ہوتا ہے اور اسی کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں مشاہدہ و استغراق سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے حصول کا آسان طریقہ حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم عبادت کرو تو یہ دھیان رکھو کہ جس ذات کی عبادت کررہے ہو تم اس کے سامنے کھڑے ہو اگر چہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔تمہارے تمام اقوال و افعال' حرکات و سکنات پر اس کی نظر ہے اس سے بڑی حد تک خشوع خضوع اور تضرع پیدا ہو جائے گا۔تو تمام اقوال و افعال کے معتبر ہونے کا مدار اخلاص پر ہے۔صدق یعنی سچائی کا دل میں ہونا ضروری ہے اور یہ تین طرح سے ہے ① صدق قلبی ② صدق لسانی ③ صدق عملی' ورنہ بندہ کاذب، منافق' ریا کار ہوگا۔

③ توبہ اور استغفار: توبہ اور استغفار کا تعلق بھی دل سے ہے سچی توبہ میں جلدی کرنی چاہئے تاکہ قبل از موت کبائر معاف ہو جائیں اسکی شرائط یہ ہیں:

① گناہ کے ارتکاب پر شرمندہ ہونا ② اس کے دوبارہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرنا ③ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی رضا کے لئے توبہ کرنا ④ گناہ کے ارتکاب میں حقوق العباد کی تلفی کی صورت میں حق کو صاحب حق تک پہنچانا چاہئے آپ نے کسی کو گالی دی یا زبردستی اس سے کوئی چیز حاصل کرلی تو سب سے پہلے ان حقوق کو ادا کیا جائے اور اس سے معافی کی درخواست کی جائے اور اگر کسی سے ایسا کبیرہ گناہ سرزد ہوا ہو جس میں کسی دوسرے شخص کی حق تلفی نہ ہوئی ہو تو اس سے توبہ کرنے کے لئے مذکورہ بالا پہلی تین شرطیں کافی ہیں۔

④ خوف و خشیت: ان کا تعلق بھی دل سے ہے۔خوف ایسے ڈر کو کہتے ہیں جس میں ضرر اور ایذاء رسانی کا خطرہ ہو جیسے 'درندے' سانپ' بچھو یا موذی انسان سے طبعاً ڈر رہوا کرتا ہے عذاب اور برے حساب کے لئے قرآن میں یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

خشیت اس ڈر کو کہتے ہیں جو عظمت اور محبت کی وجہ سے پیدا ہو جیسے اولاد کو ماں باپ کا اور شاگرد کو استاد کا ڈر عادۃً ہوتا ہے لیکن اس میں کسی ایذاء رسانی کا خوف نہیں ہوتا بلکہ عظمت اور محبت کی وجہ سے ڈر ہوتا ہے اس طرح خشیت الٰہی کا معنی یہ ہوگا کہ کہیں ہمارا کوئی قول و فعل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ نہ ہو جائے۔اسی لئے مقام مدح میں جہاں کہیں اللہ کے ڈر کا ذکر ہے عموماً لفظ خشیت استعمال ہوا ہے۔

⑤ رجاء الٰہی: اللہ کی رحمت اور فضل سے پر امید ہونا اگر معصیت سے انسان کے دل میں ندامت پیدا ہو جائے تو مایوسی کا کوئی جواز نہیں۔البتہ دل سے گناہ کا ڈر اور خطرہ مٹ جانا خطرناک ہے شیطان دل میں مایوسی پیدا کرکے انسان کو بے عمل بنانا چاہتا ہے یہ ہرگز درست نہیں جس بندہ کا مالک ایسا رحمٰن اور رحیم ہے کہ اس نے موت تک توبہ کا دروازہ کھول دیا اور یہ اعلان کردیا کہ جو توبہ کرے گا اس کے گناہ معاف کردینگے بشرطیکہ شرک نہ ہو۔

''سوئے نومیدی مرو کہ امیدھاست ''سوئے تاریکی مرو کہ خورشیدھاست''

''ناامیدی کی طرف مت جاؤ کیونکہ امید کے راستے بے شمار ہیں'' تاریکی کی طرف مت جاؤ کیونکہ بے شمار سورج موجود ہیں''۔

⑥ حیاء کرنا: اللہ تعالیٰ سے شرمانا کہ اسے کیا منہ دکھاؤں گا۔حیاء انسان کے اس اعتدال کو کہتے ہیں جس میں بدنامی اور برائی کے خوف سے نفس میں تغیر اور انقباض پیدا ہو جائے ہر فعل میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ① مبدأ اور ② غایت اسی طرح حیاء میں بھی دو چیزیں ہیں: ① مبدأ یعنی انقباض نفس ② غایت ترک فعل اور حیاء کی دس قسمیں ہیں جو اجمالاً پیش خدمت ہیں۔

① حیاء تقصیر۔جیسے ملائکہ ہمہ وقت حیاء کی وجہ سے اپنی کوتاہی کے معترف ہیں۔

۲ حیاء اجلال۔ اللہ تعالیٰ کے جلال سے انسان شرمائے۔
۳ حیاء کرم۔ جیسے نبی علیہ السلام حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں مکارم اخلاق کی وجہ سے شرمائے۔
۴ حیاء جنایت۔ جیسے آدم علیہ السلام نے فرمایا تھا شرما کر بھاگ رہا ہوں۔
۵ حیاء حشمت۔ جیسے حضرت علیؓ کا مسئلہ مذی دریافت کرنے میں شرمانا۔
۶ حیاء احتقار نفس۔ اپنے نفس کی تحقیر کے پیش نظر اللہ سے مانگتے ہوئے شرمانا۔
۷ حیاء محبت۔ عاشق کا محبوب سے شرمانا۔ اس کی وجوہ مختلف ہوتی ہیں۔
۸ حیاء عبودیت۔ اپنی نااہلی اور اللہ کی عظمت شان کا موازنہ کرتے ہوئے محبت وخوف کی ملی جلی کیفیت جو عبادت کے وقت پیدا ہو۔
۹ حیاء شرف وعزت۔ بڑے مرتبے والے کا کسی کو کچھ دیتے ہوئے حقارت عطیہ کی وجہ سے شرمانا۔
۱۰ حیاء بنفسہ۔ انسان اپنی حیثیت اور مرتبہ سے کم درجہ کا کوئی کام کرے اور خود اپنے نفس سے شرمائے کہ یہ کام میرے لائق نہیں ہے ایسا انسان دوسرے سے بدرجہ اولیٰ شرمائے گا۔

۱۷ صبر کرنا: اپنے نفس کو اللہ کے فیصلے میں محبوس کرنا اور صبر کی تین قسمیں ہیں: ۱ صبر علی الطاعات ۲ صبر عن المعصیات ۳ صبر علی المصیبۃ اس کی بقدر ضرورت وضاحت کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہی صبر زیادہ مشہور ہے صبر کی اصل فضیلت اول صدمہ کے وقت ہے اس لئے کہ مرور زمانہ سے انسان کو صبر آ ہی جاتا ہے۔ اس کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱ رضاء بالقضاء کہ غور کرے اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی اللہ کے حاکم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ کے ہر فیصلہ کو بے چون و چرا تسلیم کرلیں اور حکیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کو کلی اختیار ہے ہمیں جس صدمہ کا سامنا کرنا پڑا اگرچہ بظاہر ہمارے لئے ناگوار ہے لیکن اس کی حکمت کے تحت یقیناً ہمارے لیے خیر ہوگا۔
۲ جزع اختیاری سے احتراز۔ دلی صدمہ اور تکلیف صبر کے منافی نہیں اسی طرح آہ وبکاء غیر اختیاری بھی صبر کے منافی نہیں ہے با آواز ہو یا بے آواز جب نبی علیہ السلام کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور بوقت مصیبت صبر کرتے ہوئے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے پر صلوات ورحمت کا وعدہ ہے۔

۱۸ شکر کرنا: یہ بھی دل کا فعل ہے اس کا معنی ہے احسان ماننا اور محسن کی قدر پہچاننا۔ شکر نعمت کے تصور اور اس کے اظہار کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں کفران نعمت ہے حدیث میں مذکور ہے جو انسان لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہوتا شکر کے لئے پانچ امور ضروری ہیں۔

۱ شاکر کی مشکور کے لئے فروتنی (عاجزی) ۲ مشکور سے محبت کرنا۔
۳ مشکور کے احسان اور نعمت کا معترف ہونا۔ ۴ مشکور کی ثناء اور مدح کرنا۔
۵ نعمت کو ایسی جگہ استعمال میں نہ لانا جہاں وہ ناپسند کرے۔

نوٹ: شکریہ ادا کرنے والے کو شاکر اور جس کا شکریہ ادا کیا جائے اسے مشکور کہتے ہیں لیکن عوام میں بلکہ پڑھے لکھوں میں بھی یہ غلطی عموماً پائی جاتی ہے کہ شکریہ ادا کرتے وقت کہتے ہیں میں آپ کا مشکور ہوں۔ صحیح لفظ ہے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

۱۹ ایفاء عہد: یہ بھی دل کا فعل ہے کہ وعدہ کر کے اس کو نبھانے کی پوری نیت اور ارادہ ہو۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا ہے اور بعد میں اس کو پورا کرنے میں کوئی شدید عذر پیش آ گیا جس کی وجہ سے وعدہ کو پورا کرنا ممکن نہیں رہا تو اس صورت

میں دوسرے شخص کو بتا دے کہ میں وعدہ پورا کرنے سے قاصر ہوں۔ آج اگر کسی کو وعدہ خلافی کا طعن دیا جائے تو اطمینان قلب کے لئے جواب دیتا ہے کہ میں نے سچے دل سے وعدہ نہیں کیا تھا۔ اب اس عہد کی چند صورتیں ہیں۔

① اللہ اور بندے کے درمیان عہد۔ ② رسول ﷺ کا اور بندے کے درمیان عہد۔
③ بندے کا بندے سے انفرادی عہد۔ ④ بندے کا بندے سے اجتماعی عہد جیسے حکومتوں اور جماعتوں کے معاہدے۔ ان سب معاہدات کا ایفاء ضروری ہے۔

⑩ **تواضع اور حسن خلق:** عاجزی اور حسن خلق بھی دل کا فعل ہے قرآن وحدیث میں اسکے فضائل بکثرت بیان کیے گئے ہیں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے اسی کا ثمرہ حسن خلق ہے اور اس میں چند امور ہیں:

① حسن خلق وہ قوت ہے جس سے افعال کا صدور آسانی سے ہو۔ ② قرآن کے مطابق عمل کرنا۔
③ سخاوت کی صفت سے متصف ہونا۔ ④ خالق کی طرف متوجہ رہنا۔
⑤ قطع رحمی کے مقابلے میں صلہ رحمی کرنا اور ظلم کے مقابلے میں معاف کرنا۔ ⑥ پسندیدہ راستہ اختیار کرنا۔

چند فوائد:

① تواضع سے آدمی کے مرتبہ میں زیادتی اور ترقی ہوتی ہے۔
② تواضع سے آدمی کی لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ ③ تواضع زینت کا باعث ہے۔
④ تواضع سے لوگوں کو استفادہ میں سہولت ہوتی ہے۔ ⑤ تواضع سے بہشت بریں کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔
⑥ تواضع امراء وحکام وغیرہ بڑے لوگوں کے لئے کمال ہے نہ کہ گداگر کے لئے اس کی تو عادت ہے۔

⑪ **توکل کرنا:** توکل بھروسہ اور اعتماد کو کہتے ہیں یہ دل کا فعل ہے توکل کی تعریف شاہ ولی اللہؒ نے یہ کی ہے۔

آدمی پر یقین کا اتنا غلبہ ہو کہ جلب منفعت اور دفع مضرت میں اسباب کے متعلق اس کی کوششیں سرد پڑ جائیں۔ لیکن اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو کسب کے طریقے مقرر کر دیئے ہیں ان پر اعتماد کئے بغیر گامزن رہے اس کی دو قسمیں ہیں:

① ایک وہ جس کی طرف دعوت دی گئی ہے کہ جو کچھ قضاء الٰہی ہو اس پر دل مطمئن رہے اور نفع کے فوت ہونے یا نقصان ہو جانے کی پرواہ نہ ہو اور اسباب پر اعتماد کرنا توکل کے خلاف ہے نبی علیہ السلام نے یہ توکل سابقین کی صفت بتلائی ہے۔

② دوسرا وہ جس کی اجازت دی گئی ہے جو مضرت اور مکروہات کے دفعیہ اور حدود کی نگرانی اور آفات سے بچاؤ کے لئے ہوتا ہے یہ بھی توکل ہے اگر چہ ناقص ہے چنانچہ عمرو بن امیہ نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں اونٹنی کو چھوڑ دوں اور توکل کر دوں یا باندھ دوں اور توکل کروں؟ تو آپ نے فرمایا باندھ اور توکل رکھ۔

⑫ **رضاء بالقضاء:** اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر دل وجان سے راضی رہے اس کی وضاحت بقدر ضرورت پہلے ہو چکی ہے

عشق تسلیم ورضاء کے سوا کچھ بھی نہیں ☆ اگر وہ وفاء سے خوش نہ ہوں تو پھر وفاء کچھ بھی نہیں

⑬ **ترحم کرنا:** یعنی شفقت اور رحم کرنا امام راغب نے ترحم کی تعریف اس طرح کی ہے وہ رقت قلبی جو مرحوم کی طرف احسان کی مقتضی ہو۔ مولانا ابو الکلام فرماتے ہیں عواطف کی ایسی رقت اور نرمی کہ جس سے کسی دوسری ہستی کے لئے احسان وشفقت کا

ارادہ جوش میں آ جائے قرآن وحدیث میں اس کی بہت ترغیب دی گئی ہے۔

تم مہربانی کرو اہل زمین پر ☆ خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

⑬ **تقویٰ کرنا**: گناہ اور گناہ کے شبہ سے اپنے آپ کو بچانا۔ تقویٰ کا اصل مقام اور مرکز دل ہے۔ نبی علیہ السلام نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور قرآن نے بھی تقویٰ کا محل دل کو قرار دیا ہے۔ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد دل کو گناہوں سے نفرت ہونے لگتی ہے اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اس کے تین درجات ہیں:

① ادنیٰ: توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانا کہ دوزخ کے ابدی عذاب سے نجات ہو جائے۔

② اوسط: ہر اس کام سے اجتناب کرنا جس میں گناہ کا شائبہ ہو۔

③ اعلیٰ: ہر اس کام سے بچنے کی کوشش کرنا جس سے اس کی توجہ اللہ کے سوا کسی اور طرف مشغول ہو۔

⑮ **ترک اعجاب**: یعنی خود پسندی کو ترک کر دینا جس میں اپنی خود ستائی کا ترک بھی داخل ہے۔ کیونکہ خود پسندی کو ترک نہ کرنے کی وجہ سے تکبر کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور یہ آخرت کے اعتبار سے مہلک ہے۔

⑯ **حسد نہ کرنا**: حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت وراحت کو دیکھ کر جلنا اور چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے چاہے حاسد کو بھی حاصل نہ ہو یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور جو سب سے پہلے زمین میں کیا گیا حاسد جب تک ایذاء رسانی کا اقدام نہ کرے اس وقت تک تو اس کا نقصان خود اس کی ذات کو پہنچتا ہے کہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلتا کڑھتا ہے۔ البتہ محسود کو اس کا نقصان اس وقت پہنچتا ہے جب کہ وہ مقتضاء حسد پر عمل کر کے ایذاء رسانی کی کوشش کرے اور یاد رہے کہ ہر صاحب نعمت محسود ہوتا ہے۔

⑰ **ترک عداوت**: یعنی کینہ اور دشمنی کو ترک کرنا۔ ورنہ فساد اور فتنہ دن بدن بڑھتا رہے گا اس بارے میں البغض فی اللہ کا ضابطہ ہمیشہ یاد رہے۔

⑱ **عفو کرنا**: یعنی غصہ کو پی جانا اور معاف کر دینا۔

⑲ **نصیحت اور ترک غش**: یعنی نصیحت اور خیر خواہی کرنا۔ اللہ، رسول، کتاب، امیر المؤمنین اور عامۂ مؤمنین کے لئے بدخواہی سے پرہیز کرنا جس میں بدگمانی اور سازش کا ترک کر دینا بھی داخل ہے۔

⑳ **زھد اور قناعت**: یعنی حب دنیا کو ترک کر دینا اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں ان پر راضی برضا رہنا۔

⑤ تقاضے زبان سے متعلق:

① تلفظ کلمہ توحید واقرار رسالت۔

یعنی کلمہ توحید کا زبان سے تلفظ کرنا ضروری ہے اور اسی طرح نبی علیہ السلام کی رسالت کا اقرار زبان سے ضروری ہے جب یہ اقرار ہوگا تو تب ہی اس انسان پر مسلمانوں والے احکام جاری ہوں گے اور تب ہی اس کو ہر طرح کا تحفظ حاصل ہوگا۔

② قرآن کی تلاوت۔

قرآن کی تلاوت بھی زبان کا فعل ہے اور تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے۔ قرآن ایک بار پڑھ لینے کی چیز نہیں بلکہ بار بار پڑھنے

اور ہمیشہ پڑھتے رہنے کی چیز ہے اس لیے کہ یہ روح کے لئے بمنزلہ غذا ہے اور جس طرح جسم انسانی اپنی بقاء اور تقویت کے لئے مسلسل غذا کا محتاج ہے اس طرح روح انسانی کلام ربانی کے ذریعے مسلسل غذا و تقویت کا محتاج ہے۔

اگر قرآن ایک مرتبہ پڑھ لینے کی چیز ہوتی تو آپ ﷺ کو مسلسل قرآن پڑھتے رہنے کی بار بار تاکید نہ ہوتی۔ قرآن کی تلاوت کا حق تب ادا ہوگا کہ اسے زندگی کے معمولات میں مستقل طور پر شامل کیا جائے۔ مقدار تلاوت مختلف لوگوں کیلئے مختلف ہوسکتی ہے زیادہ سے زیادہ مقدار جس کی آنحضور ﷺ نے توثیق فرمائی ہے کہ تین دن میں قرآن ختم کیا جائے اور کم سے کم مقدار کہ ایک پارہ روزانہ پڑھ کر ہر مہینے قرآن ختم کرلیا جائے درمیانی درجہ جس پر اکثر صحابہ کرامؓ عامل تھے وہ یہ ہے کہ ہر ہفتے میں قرآن ختم کرلیا جائے یعنی روزانہ ایک منزل کی تلاوت ہو۔ تلاوت قرآن کا یہ نصاب ہر اس شخص کے لئے لازمی ہے جو دینی مزاج اور مذہبی ذوق رکھتا ہو وہ عوام میں سے ہو یا اہل علم وفکر کے طبقے سے' اس لئے کہ روح کی تقویت اور غذا کے لئے سب ہی اس کے محتاج ہیں عوام کو اس سے نصیحت حاصل ہوگی اور اہل علم وفکر اپنے علم کے لئے روشنی اور فکر کے لیے راہنمائی پائیں گے۔ آج ہم سے قرآن کریم کی تلاوت کا رواج ختم ہوگیا یہ ایمان کی کمزوری کا سبب ہے اگر کبھی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے تو خود تلاوت کے بجائے کرائے کے لوگوں کا سہارا لیا جاتا ہے دراصل ہر ایک مسلمان کا فرض اولین ہے کہ قرآن کریم کو پڑھے اور پڑھائے سمجھے عمل کرے اور کرائے اور تمام عمر قرآن کا مبلغ رہے اور اس کی آواز کو دنیا کے آخری کناروں تک پہنچاتا رہے۔

③ تحصیل علم دین:

یعنی علم دین کا حاصل کرنا اتنی مقدار میں کہ جس سے عقیدہ صحیح ہو جائے اور روزمرہ کی عبادات واحکام کی بجا آوری صحیح ہوسکے۔ حلال وحرام' جائز وناجائز' صحیح وغیر صحیح حق وباطل کے درمیان امتیاز ہوسکے اسی مقدار کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد وزن پر فرض ہے دنیاوی فنون سے بہرہ ور ہونا اور دین کا ضروری علم حاصل نہ کرنا یقیناً جہالت ہے۔

④ تعلیم علم دین:

یعنی دوسروں کو علم سکھانا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ حاضرین غائبین تک دین کو پہنچائیں کسی بھی مذہب کی بقاء کے لئے اس کی تعلیم ضروری ہے آج بھی بفضل اللہ تعالیٰ مذہب اسلام کی صحیح صورت باقی ہے۔ جس کی وجہ تعلیم ہے۔ یہودی، نصرانی، بحیثیت قوم کے باقی ہیں لیکن ان کا مذہب باقی نہیں۔

⑤ دعا:

زبان سے دعا کرنا یعنی اللہ سے مانگنا تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے۔ نہ مانگنے والوں سے اللہ ناراض ہوتا ہے دعا کی قبولیت کے لئے بنیادی شرط ہے حلال کھانا' حلال پینا' حلال لباس جب قبولیت دعا کی تمام شرائط موجود ہوں تو وہ دعا رد نہیں ہوتی قبولیت دعا کی چند صورتیں ہیں۔

① جو مانگے وہ عطاء کیا جائے۔

② بعض اوقات جو چیز مانگی جائے وہ اللہ کے علم کے مطابق سائل کے لیے مفید نہیں ہوتی لہٰذا اس کے بجائے کوئی اور چیز عطاء کردی جاتی ہے۔

۳ مطلوبہ چیز عطا نہیں کی جاتی بلکہ اس کی وجہ سے کوئی آنے والی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔
۴ وہ دعا آخرت کے لئے ذخیرہ ہو جاتی ہے اسی لیے بندہ جب آخرت میں ان دعاؤں کے ثمرات واجور دیکھے گا جو دنیا میں قبول نہ ہوئی تھیں تو یہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی۔

۶ ذکر الٰہی:

ذکر سے مراد یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی غافل نہ ہو بلکہ ہر وقت اور ہر حالت میں اپنے معبود حقیقی کو یاد کرے۔ ذکر اللہ کا مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا ہے۔ ذکر کے چند ثمرات درج ذیل ہیں۔

۱ ذکر اسلامی عبادت کی روح ہے۔
۲ ذکر بوقت عدم استطاعت صدقات کا بدل ہے۔
۳ ذکر سے اطمینان قلب ہوتا ہے۔
۴ ذکر سے بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت ہوتا ہے۔
۵ ذکر سے دل میں انکساری اور اللہ کا ڈر پیدا ہوتا ہے۔
۶ ذکر دنیاوی فلاح اور کامیابی کا ضامن ہے۔
۷ ذکر سے مغفرت اور بخشش ہوتی ہے۔
۸ ذکر سے دل کی صفائی ہوتی ہے۔

تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے ☆ نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے

۷ اجتناب از لغو:

یعنی لغویات سے کنارہ کشی اور زبان کو فضول باتوں سے بچانا اس میں جھوٹ غیبت چغل خوری بدگوئی اتہام وغیرہ سب شامل ہیں۔ نبی علیہ السلام نے زبان کی حفاظت کا بہت تاکیدی حکم دیا ہے فرمایا بہت سے لوگوں کو جہنم میں عذاب زبان کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا اور حفاظت زبان پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جس سے اس کا اہتمام ظاہر ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام نے اس پر جنت کی ضمانت دی ہے اور قرآن کریم اس کو مؤمنین کاملین کی صفت قرار دیتا ہے۔

سولہ تقاضے مکلّف کی ذات سے متعلق:

۱ طہارت: نجاست ظاہری وحکمی سے پاکیزگی حاصل کرنا جس میں طہارت بدن اور طہارت لباس طہارت مکان وضو، غسل اور تیمم سب داخل ہیں اور طہارت کے بارے میں قرآن وحدیث میں بہت تاکید کی گئی ہے اور طہارت کا لحاظ نہ کرنا عذاب قبر کا سبب بھی ہے۔

۲ اقامت الصلوٰۃ: یعنی نماز کو اس کے ارکان شرائط آداب وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرنا بالغ ہونے کے بعد اگر ایک نماز بھی رہ گئی تو وہ ذمہ سے ہرگز ساقط نہیں ہوگی۔ اس کو ہر حال میں پڑھنا ضروری ہے نماز مؤمن اور کافر کے درمیان فرق ہے قیامت کے دن عبادت میں سب سے پہلے نما کا حساب ہوگا، نبی علیہ السلام نے فرمایا نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، نماز مؤمن کی معراج ہے۔

۳ ادائے زکوٰۃ: نماز کے بعد اہم ترین رکن ادائے زکوٰۃ ہے زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے ورنہ قیامت کے دن اس مال کو جس کی دنیا میں زکوٰۃ نہ گئی ہوگی سانپ کی شکل میں متشکل کر کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور اس مال کو گرم کر کے جسم کو داغا جائے گا۔ آج اکثر مسلمان ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی کا شکار ہیں خصوصاً مستورات زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے سے بالکل ناواقف ہیں الا ماشاء اللہ نبی علیہ السلام نے فرمایا زیور کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے جہنم کی آگ کا زیور پہنایا جائے گا ابوبکر صدیق نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کا اعلان کیا لہٰذا اس کے مسائل اور مصارف معلوم کرنا ضروری ہیں۔

④ روزہ: یعنی رمضان کا روزہ رکھنا بھی تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے روزے کی تعریف یہ ہے کہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک مفطرات سے رکنا نیت کے ساتھ۔ جب رمضان آئے تو علماء سے مسائل معلوم کر کے خوب شوق سے روزہ رکھیں اور بچوں کو بھی عادت ڈالیں۔

⑤ حج: بیت اللہ کا حج کرنا جس میں عمرہ اور خانہ کعبہ کا طواف بھی شامل ہے صاحب استطاعت لوگ علماء سے اچھی طرح مسائل معلوم کر کے حج اور عمرہ ادا کریں عموماً لوگ حج اور عمرہ کے ارکان سے ناواقف ہوتے ہیں کہتے ہیں بلاوا آ گیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہاں جانا ہی کافی ہے حالانکہ یہ صریح غلطی ہے ارکان کی ادائیگی اور اہتمام ضروری ہے۔

⑥ اعتکاف: مساجد میں اعتکاف کرنا جس میں شب قدر کی تلاش بھی شامل ہے اعتکاف کی تین قسمیں ہیں ① واجب ② سنت مؤکدہ ③ مستحب۔ علماء سے مسائل معلوم کر کے اعتکاف سنت کے مطابق کریں شہروں میں بعض لوگ میدانوں میں شہر اعتکاف بسا لیتے ہیں جس کی کوئی دلیل نہیں یہ ماڈرن اعتکاف فلسفہ اعتکاف کے بھی خلاف ہے اور اعتکاف کی روح سے بھی عاری ہے۔

⑦ فرار من الفتن: اپنے دین کی حفاظت اور اس کو بچانے کے لئے فتنہ کی جگہ سے بھاگ جانا یعنی ایسی جگہ سے بھاگ جانا جہاں دین کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو اور اسی میں دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کرنا بھی داخل ہے ہجرت کی پندرہ قسمیں ہیں جو طوالت کے خوف سے چھوڑی جاتی ہیں۔

⑧ ایفاء نذر: یعنی اگر کوئی آدمی نذر اور منت مان لے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے چاہے نذر معین ہو یا مطلق۔ مسائل علماء سے بقدر ضرورت معلوم کر لیے جائیں البتہ یہ بات بنیادی اور ضروری ہے کہ نذر اللہ کے لئے ہو غیر اللہ کی نذر نا جائز ہے۔

⑨ حفاظت یمین: یعنی اگر کسی جائز کام پر قسم اٹھائی ہے تو اس کو حتی المقدور پورا کرنا اور قسم صرف اللہ کے نام اور صفات کے ساتھ ہوتی ہے غیر اللہ کے نام کی قسم نا جائز ہے۔

قسم کی تین قسمیں ہیں:

① یمین لغو۔ یعنی بات بات پر بلا ارادہ قسم اٹھانے کی عادت ہو جائے اسپر استغفار ہے کفارہ لازم نہیں ہے۔

② یمین غموس: ماضی کی کسی بات پر خلاف واقع قسم اٹھانا اور بوقت قسم علم ہو کہ میں اپنی قسم میں جھوٹا ہوں یہ قسم کبیرہ گناہ ہے دنیا میں کفارہ نہیں لیکن آخرت میں ایسی قسم کھانے والے کو جہنم کی آگ میں غوطے دیئے جائیں گے آج عموماً ہمارے سیاسی زعماء اور کاروباری حضرات اس گناہ کا ارتکاب کرنے کو اپنی سیاسی بصیرت اور عقلمندی جانتے ہیں۔

③ یمین منعقدہ: آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھانا اس کو پورا کرنا ضروری ہے بشرطیکہ قطع رحمی اور گناہ کی قسم نہ ہو۔

⑩ ادائے کفارہ: یعنی کسی جرم پر شریعت کی طرف سے جو کفارہ لازم آتا ہے اس کو ادا کرنا۔

کفارہ کی چند قسمیں ہیں: ① کفارہ قسم۔ ② کفارہ ظہار۔ ③ کفارہ قتل۔ ④ کفارہ صوم۔ مسائل بوقت ضرورت علماء سے معلوم کئے جائیں۔

⑪ ستر عورت: ستر عورت ضروری ہے۔ شریعت نے مرد اور عورت کے جسم کے جن حصوں اور اعضاء کو باہم دیکھنے اور چھونے کی ممانعت کی ہے ان کو ستر کہا جاتا ہے اور جسم کے ان حصوں کو عام نظروں سے چھپانا ضروری ہے۔

① مرد کا ستر زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے جسم کے اس حصے کو بلا ضرورت دیکھنا نہ تو کسی مرد کے لئے جائز ہے اور نہ کسی عورت کے لئے البتہ بیوی دیکھ سکتی ہے۔

۲ عورت کا ستر عورت کے حق میں زیر ناف سے زانو تک کا حصہ ہے اس کو بلا ضرورت دیکھنا عورت کے لئے بھی جائز نہیں۔
۳ عورت کا ستر اجنبی مرد کے حق میں پورا جسم ہے۔
۴ عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں پیٹھ، پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں سے نیچے تک کا حصہ ہے۔
۵ مرد اپنی بیوی کے جسم کے ہر حصہ کو دیکھ سکتا ہے

نوٹ: آج عموماً ہمارے نوجوان بوقت کھیل، کبڈی کشتی وغیرہ اور بوقت مالش ستر عورت کا اہتمام نہیں کرتے یہ بہت کوتاہی اور گناہ ہے۔

۱۲ قربانی: قربانی کرنا عید الاضحیٰ کے موقع پر یہ بھی تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے عقیقہ بھی اس میں داخل ہے تفصیل بوقت ضرورت علماء سے معلوم کی جائے۔

۱۳ اداء حق میت: یعنی جب مسلمان مرجائے اس کی تجہیز اور تکفین اور تدفین اور نماز جنازہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ آج عموماً لوگ میت کے صحیح حقوق سے ناواقف ہیں اور بدعات اور رسومات کو داخل کر کے دین سمجھ لیا گیا۔ علماء سے مسائل معلوم کر کے میت کے حقوق کو صحیح طرح ادا کیا جائے۔

۱۴ ادائے قرض: یعنی کسی کا قرض ہو اس کو بھی صحیح طرح ادا کرنا تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے۔

۱۵ حسن معاملہ: یعنی معاملات میں صدق اور راستبازی سے کام لینا، دھوکے اور فریب سے بچنا۔

۱۶ ادائے شہادت: یعنی حق بات کی شہادت دینا اور شہادت کے بارے میں قرآن نے بہت ہی عمدہ قانون شہادت بیان کیا ہے لیکن آج ہمارے معاشرے میں قرآن سے دوری کے باعث ہر انسان شہادت دینے سے ڈرتا ہے اور سچے شاہد نہیں ملتے تو جھوٹے شاہد خریدنے پڑتے ہیں۔

چھ تقاضے اہل وعیال سے متعلق:

یہ چھ شعبے اہل وعیال وخدام کے حقوق سے متعلق ہیں۔

۱ عفت وغیرت: یعنی نکاح کرنا تاکہ عفت اور پاکدامنی حاصل ہو اور اہل کو پردے میں رکھنا آج ان دونوں باتوں میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے نکاح کرنے میں بھی بہت تاخیر سے کام لیا جاتا ہے جس کی خرابیاں ظاہر ہیں اور وبال والدین پر ہے اور پردہ بھی ختم ہو چکا ہے ماسوائے ان لوگوں کے کہ جن لوگوں کا دین سے تعلق گہرا ہے، اس کے لئے خواتین کو سورۃ النور کی تعلیم ضرور دی جائے۔

۲ والدین کے ساتھ حسن سلوک: دنیا میں قریب ترین خونی رشتہ والدین اور اولاد کا ہے قرآن وحدیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے باہمی حقوق وفرائض کی وضاحت ہے دنیا کے ہر مذہب نے والدین کی خدمت کی تاکید کی ہے عیسائیت ہو یا یہودیت ہندومت ہو یا بدھ مت مگر اسلام کو دیگر مذاہب پر اس امر میں فوقیت حاصل ہے کہ اس نے اپنی تعلیمات میں والدین کی صرف خدمت کی ہی تلقین نہیں بلکہ احسان کی تاکید کی ہے اور احسان کا درجہ خدمت سے بڑھ کر ہے والدین کے حقوق یہ ہیں (۱) ادب و احترام ۲ اطاعت اور فرمانبرداری ۳ خدمت گزاری ۴ دعائے مغفرت آج عموماً والدین کو اولاد کی نافرمانی کی شکایت ہوتی ہے جس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ والدین نے انگلش میڈیم کا فکر اور اہتمام تو کیا لیکن انسانیت سے متصف ہونے کا فکر نہیں کیا لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے بچوں کو عربی سکھائیں اور قرآن وحدیث کی تعلیم بھی دلوائیں۔

۳ اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا: اہل وعیال سے مراد عموماً بیوی اور اولاد ہے۔ اولاد کے حقوق یہ ہیں ۱

تحفظ حیات ۞ اولاد کی پرورش ۞ محبت وشفقت ۞ اسوۂ حسنہ ۞ شادی ۞ مساوات اور بیوی کے حقوق یہ ہیں ① حسن سلوک ۞ مہر کی ادائیگی ۞ نان ونفقہ ۞ ظلم سے اجتناب اور ۞ تحمل ودرگزر۔

۞ **اهل و عیال کی تربیت:** شریعت کے مطابق اہل وعیال کی تربیت کرنا یعنی انکو دین کی تعلیم دینا۔ ایسا نہ ہو کہ انکی صحیح تعلیم وتربیت نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جلنا پڑے اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی اہل کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

۞ **صلہ رحمی:** یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا اس سے مراد وہ رشتہ دار ہیں کہ جن کی قرابت والدین کے خونی رشتہ کی وجہ سے ہوتی ہے مثلاً والدہ کی جانب سے خالہ خالو نانا نانی اور والد کی جانب سے چچا چچی پھوپھی دادی وغیرہ حدیث میں ان کے حقوق کی ادائیگی یا حسن سلوک کو صلہ رحمی کہا گیا ہے اور ان کے چند حقوق ہیں:

① دعوت دین ۞ مالی امداد ۞ حسن سلوک ۞ قطع رحمی سے بچنا ۞ میراث کا حق ۞ محبت والفت ۞ آقا کی اطاعت۔

یعنی غلام اور خادم کے لئے یہ حکم ہے کہ آقا کی اطاعت کرے اور آقا کے لئے یہ حکم ہے کہ خدام کے ساتھ نرمی کرے۔ حدیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے۔

اٹھارہ تقاضے عامہ خلائق سے متعلق:

① **عدل و انصاف:** اسلام دین فطرت ہے۔ عدل تقاضائے فطرت ہے۔ کائنات کا پورا نظام عدل پر قائم ہے۔ نظام عدل کے ذریعے معاشرے کے کمزور طبقوں کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ اس میں خاندان دولت اور قوت کو اثر انداز نہیں ہونا چاہئے تمام طبقوں کے حقوق متعین کر کے ان کی حفاظت کی جائے اور دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے تاکہ دوسرے کے لئے باعث عبرت ہو شریعت نے اسی اصول پر سخت قسم کے جرائم مثلاً قتل، تہمت، ڈاکہ زنی کی سزائیں مقرر کی ہیں۔ جس کی حکمت حیات کی بقاء ہے۔ اگر کسی معاشرے میں کوئی معقول نظام عدل نافذ نہ ہو تو وہاں جنگل کا قانون رائج ہوگا۔ یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل ہوگا زبردست زیردست کے اور ظالم کمزور کے حقوق غصب کرلیں گے اور ان کی زندگی کو جہنم بنادیں گے۔ عدل کی قوت نافذہ جتنی مستحکم ہوگی اتنا ہی دوسروں کے حقوق کی نگہداشت ہوگی جتنا اس میں ضعف ہوگا اتنا ہی معاشرہ وانصاف ختم ہو جائے تو افراتفری اور لاقانونیت کے باعث ہر طرف فتنہ اور فساد کی آگ بھڑک اٹھے انسان اور حیوان میں تمیز مشکل ہو جائے اور یہ شعبہ حاکموں کے لئے ہے عدل کے چند شعبے یہ ہیں۔

① اپنے نفس سے عدل ۞ عائلی زندگی میں عدل ۞ معاشرتی زندگی میں عدل ۞ ناپ تول میں عدل ۞ دو جماعتوں میں عدل ۞ عدالتی معاملات میں عدل ۞ غیر مسلموں سے عدل۔

۞ **حاکم کی اطاعت:** یعنی حاکم وقت کی اطاعت کرنا بشرطیکہ اس کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو جس حاکم وقت میں درج ذیل امور ہوں اس کی اطاعت ضروری ہے۔

① حاکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع ہو۔
۞ ہر طرح کی ضرر رسانی سے اجتناب کرتا ہو۔
۞ قمار بازی اور سود کی حمایت کرنے والا اور اس کا مرتکب نہ ہو۔
۞ احسان اس کی عادت ہو۔
۞ شریعت کی بالادستی کے لئے کوشاں اور عامل ہو۔
۞ مساوات پر عمل پیرا ہو۔
۞ شوریٰ کا قیام اور اس کے مطابق حکومت کرتا ہو۔
۞ حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کرتا ہو۔

⑨ عدل وانصاف پر قائم ہو۔ ⑩ اسلامی تعلیمات کے نفاذ کا مکمل حامی اور عامل ہو۔

اسلامی بیت المال کا قیام اور ایسی صورت میں رعایا اور عوام کے لئے تین امور ضروری ہیں:

① اطاعت اولی الامر (حاکم) ② قانون حرمت کا احترام

③ حکومت سے تعاون۔ جو حکمران مذکورہ بالا اوصاف کے مطابق ہو اسکی اطاعت کرو ورنہ عذاب الٰہی کیلئے کمر بستہ ہو جاؤ۔

③ متابعت جماعت: یعنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں (صحابہ کرامؓ) کی پیروی کرنا ان کا جو طریقہ تھا اس پر چلنا۔ حدیث میں مذکور ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت بھی دور ہو گیا اس نے اسلام کی رسّی اپنے گلے سے نکال لی ہمارے لئے نمونہ اور اسوہ کے تین دور ہیں ① صحابہ کرام کا دور ② تابعین کا دور ③ تبع تابعین کا دور ان ہی کو نبی علیہ السلام نے خیر القرون فرمایا ہے۔

آج خیر القرون کی پیروی چھوڑنے کی وجہ سے امت مسلمہ میں بہت اختلافات اور جھگڑے پیدا ہو گئے ہیں جس کے نتیجے میں بدعات ورسومات وغیرہ کا رواج ہو گیا اور لوگ ان کو دین جاننے لگے ہیں بلکہ بعض بعض جاہل ملاں رسول اللہ ﷺ کے نام سے بدعات اور رسومات کی تبلیغ کرنے لگے آج بھی اگر امت مسلمہ خیر القرون کی متابعت میں آ جائے تو اتفاق واتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔

④ اصلاح ذات البین: یعنی لوگوں کی اصلاح کرنا اور ان میں باہم صلح کروانا اس میں اسلامی حکومت کے باغیوں سے قتال کرنا بھی داخل ہے اسی طرح مفسدین کے فساد کا دفع کرنا بھی اصلاح ہے اور قرآن وحدیث میں اصلاح ذات البین کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

⑤ معاونت علی البر: یعنی خیر اور نیکی کے ہر کام میں اعانت اور امداد کرنا۔

⑥ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: یعنی نیکی کا حکم کرنا برائی سے منع کرنا امر بالمعروف مشہور بھی ہے اور آسان بھی نہی عن المنکر مشکل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی جس فرد میں برائی دیکھے اسی وقت اس کو روکے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تین امور ضروری ہیں۔

① اخلاص کامل ہو نیت فاسد نہ ہو۔ ② بات صحیح اور مدلل ہو۔

③ طریقہ امر اور نہی صحیح یعنی قرآن وحدیث کے اسلوب کے مطابق ہو۔

⑦ اقامت حدود: یعنی حدود اسلامیہ کو قائم کرنا تاکہ لوگوں کی جان مال اور آبرو کی حفاظت ہو حدود یہ ہیں۔

① حد زنا ② حد سرقہ ③ حد شراب ④ حد قطع الطریق اور ⑤ حد قذف وغیرہ۔ یہ حکم ملت اسلامیہ کے فرائض میں سے ہیں لیکن وطن عزیز میں اسلامی مملکت ہونے کے باوجود حدود شرعیہ کا نفاذ ابھی تک نہیں ہوا۔

⑧ جہاد کرنا: یعنی کافروں سے جہاد کرنا تاکہ اللہ کے دین کا غلبہ ہو اور کفر ذلیل ہو قرآن کریم میں جہاد کی اصطلاح کوئی جگہ استعمال کیا ہے بلکہ بعض پوری کی پوری سورتیں جہاد کے احکام وفضائل اور جہاد ترک کرنے والوں پر وعیدوں کے متعلق نازل ہوئیں۔ مثلاً سورۃ انفال، توبہ، الحدید، بقرہ، نبأ، المائدہ، الاحزاب، محمد، الفتح، الصف وغیرہ حقیقت یہ ہے کہ جو مسلمان ایک مرتبہ قرآن کا صحیح مطالعہ کرے تو اس کی روح میدان جہاد میں جانے کے لئے بے چین ہو جاتی ہے اور اسے جہاد کی حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے اس لئے دشمنان جہاد کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھیں کیونکہ قرآن کو سمجھنے والے کسی بھی مسلمان کو جہاد سے دور کرنا بہت ہی مشکل ہے اور کتب حدیث میں جہاد کی بہت تاکید کی گئی ہے صرف صحاح ستہ پر اجمالی نظر پیش خدمت ہے:

① بخاری شریف میں جہاد کے عنوان سے ۲۴۱ ابواب ہیں۔ ② مسلم شریف میں سو (۱۰۰) ابواب ہیں

۳ ترمذی میں ۱۱۵ ابواب ہیں۔ ۴ ابوداؤد میں ۷۶ ابواب ہیں۔
۵ نسائی میں ۴۸ ابواب ہیں ۶ ابن ماجہ میں ۴۶ ابواب ہیں۔

لیکن آج کفار اور منافقین جہاد کو دہشت گردی کا عنوان دیتے ہیں اور حکومت پاکستان بھی کفار سے مرعوب ہو کر نصاب تعلیم سے جہادیہ سورتوں کو نکال رہی ہے۔ جو مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

۹ امانت و صداقت: امانت کا ادا کرنا اور اپنے آپ کو خیانت سے بچانا اور جھوٹ سے بچنا۔

۱۰ قرض دینا: یعنی کسی حاجت مند کو بلاسود کے رضاء الٰہی کے لئے قرض دینا۔

۱۱ ہمسایہ اور مہمان کا حق ادا کرنا: یعنی ہمسایہ اور مہمان کی خیر گیری کرنا۔ نبی علیہ السلام نے ہمسایہ کے بارے میں بہت تاکیدی حکم دیا ہے کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے اور مہمان کا بقدر وسعت اکرام کیا جائے۔

۱۲ حلال کمانا: یعنی حلال طریقے سے مال حاصل کرنا جو آدمی جس شعبے میں کام یا کاروبار کرتا ہے علماء سے مسائل دریافت کرتا رہے تاکہ حرام سے بچ سکے۔

۱۳ مال صحیح جگہ خرچ کرنا: جس میں اسراف فضول خرچی اور بخل سے بچنا بھی داخل ہے۔

۱۴ سلام کرنا: ہر مسلمان کو سلام کرنا اور اس کے سلام کا جواب دینا اس میں مصافحہ بھی شامل ہے۔

۱۵ تشمیت عاطس: یعنی چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنا بشرطیکہ چھینکنے والا الحمد للہ کہے البتہ زکام والا اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۶ ضرر سے اجتناب: یعنی مخلوق خدا کو ضرر اور تکلیف نہ پہنچانا۔

۱۷ لهو و لعب سے اجتناب: یعنی ہر طرح کے لہو ولعب سے اجتناب کرنا۔ آج کا مسلم نوجوان لہو ولعب میں مصروفیت کی وجہ سے مساجد سے، قرآن سے اور نیک مجالس سے دور ہے۔

۱۸ اماطۃ الاذیٰ: یعنی راستہ سے کسی ضرر رساں اور تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا مثلاً کانٹے اور پتھر وغیرہ یہ ایمان کا ادنیٰ شعبہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز راہگیروں کو ضرر دے سکتی ہے اس سے بچنا چاہئے۔ مثلاً تھوکنا، بلغم پھینکنا، راستے میں کرکٹ کھیلنا۔

حقیقی مسلم و حقیقی مہاجر

(۴/۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَى اللّٰهُ عَنْهُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔

أخرجه البخاري ۱/۵۳ حديث رقم ۱۰۔ ومسلم ۱/۶۵ حديث (۶۵۔ ۴۱)۔ وأبو داؤد في سنة ۳/۹ حديث رقم ۲۴۸۱۔ والنسائي في سننه ۸/۱۰۵ حديث رقم ۴۹۹۶ وأحمد ۲/۱۸۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کامل درجے کا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور کامل مہاجر وہ ہے کہ جس نے ان تمام اشیاء کو ترک کر دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں اور مسلم شریف میں یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بہترین مسلمان کون ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے

مسلمان سلامتی میں رہیں

تشریح ❁ اس حدیث میں مسلمان اور مہاجر کا مفہوم بتایا گیا ہے اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمروؓ ہیں۔

تعارف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

ان کا نام عبداللہ ہے باپ کا نام عمرو ہے راء کے بعد واؤ لکھا جائے گا تا کہ عمرو بفتح العین اور عمر بضم العین میں فرق ہو جائے اور یہ قریشی ہیں۔ پورا نام اس طرح ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص قریشی۔ یہ اپنے والد سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ایک قول کے مطابق یہ والد سے گیارہ سال چھوٹے تھے دوسرے قول کے مطابق بارہ سال چھوٹے تھے۔ تیسرے قول کے مطابق تیرہ سال چھوٹے تھے یہ صاحب علم اور مجتہد تھے اور کاتب حدیث بھی تھے آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ان کی وفات مکہ۔ طائف۔ مصر میں سے کسی ایک جگہ میں ۶۵ھ یا ۵۶ھ یا ۷۳ھ میں ہوئی۔

المسلم من سلم المسلمون: المسلم کے شروع میں الف لام کے اندر دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ الف لام عہد خارجی ہے اور المسلم الکامل کے معنی میں ہے مطلب یہ ہوگا کہ کامل اور اعلیٰ درجہ کا مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کے ہاتھ اور زبان کے شر اور ضرر و تکلیف سے امن اور سلامتی میں رہیں۔ دوم یہ کہ اس کے شروع میں الف لام جنسی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کہلانے کا اصل مستحق وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے ضرر سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔ اگر اس کے برعکس دوسروں کو اس کے ہاتھ اور زبان سے کوئی اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مسلم کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ موذی اور ضار کہلائے گا۔ یہ احتمال اول سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ زیادہ زجر اور تنبیہ پر دلالت کرتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے خانہ کعبہ کی عظمت اور جلالت شان کی وجہ سے حصر کر کے اس پر بیت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ گویا یہ تنزیل الناقص بمنزلة المعدوم کے قبیل سے ہے معنی یہ ہوگا کہ اصل اور حقیقی مسلمان وہی ہے کہ دوسرے لوگ اس کے ضرر سے سلامتی میں ہوں اس عنوان میں زیادہ تنبیہ ہے اس سے لوگ ایذاء اور تکلیف سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کریں گے۔ کہ کہیں ہمارے ضرر کی وجہ سے ہم سے مسلم کا نام ہی نہ سلب ہو جائے لہٰذا ہمیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اشکال: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان دوسروں کو اذیت نہیں پہنچاتا تو بس وہ کامل مسلمان ہے چاہے دیگر ارکان اسلام کو ادا کرے یا نہ کرے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ کیونکہ اس حدیث میں اس جیسی اشیاء کا کوئی تذکرہ نہیں۔

جواب ①: مذکورہ حدیث میں۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده کے ساتھ ایک مزید قید کی رعایت رکھی جائے گی اور وہ ہے مع مراعاة باقي الاركان۔ کہ اتنی ہی بات مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں کہ اس کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔ بلکہ دیگر ارکان کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کا اہتمام ضروری ہے۔

جواب ②: المسلم من سلم المسلمون کے اندر صرف یہ بتایا گیا ہے کہ اعلیٰ اور کامل مسلمان میں سلامتی کا وصف ہونا چاہئے۔ صرف وصف سلامتی کی عظمت کو بتانا مقصود ہے۔ اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے ارکان کی کوئی حیثیت اور مقام نہیں۔ دیگر ارکان اسلام کی ادائیگی اپنی جگہ لازم اور ضروری ہے۔

سوال: مذکورہ حدیث میں المسلمون کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ شر سے سلامتی اور حفاظت مسلمانوں کے لئے خاص ہے حالانکہ مطلقاً انسان کو شر اور ضرر سے بچانا ضروری ہے۔ بلکہ حیوانات کو بھی شر سے بچانے کا حکم ہے جیسے بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک عورت

کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا نہ اس کے آگے خوراک رکھی اور نہ پانی دیا اور وہ اسی حال میں مرگئی۔

تشریح ①: المسلمون کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں یہ بطور غلبہ اور اکثریت کے لگائی گئی ہے کیونکہ مسلمان کا واسطہ عموماً مسلمان ہی سے رہتا ہے۔ رات دن اس کا میل جول نشست و برخاست و دیگر معاملات مسلمانوں ہی کے ساتھ ہوتے ہیں اس لئے المسلمون کی قید ذکر کی گئی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مطلقاً انسان کو ضرر اور تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے۔ چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

تشریح ②: کافر کی دو قسمیں ہیں ذمی اور حربی اگر وہ ذمی ہیں تو ان کے بارے میں یہ قانون ہے کہ جس طرح مسلمانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہے اسی طرح ان کی جان، مال اور عزت محفوظ ہے۔ اس اعتبار سے یہ المسلمون کی قید میں شامل ہیں اگر چہ وہ حقیقتاً مسلمان نہیں ہیں۔ مگر حکماً المسلمون میں داخل ہیں اور اگر وہ کافر حربی ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں مصالحین یعنی جن سے صلح ہو چکی ہو۔ دوسرے محاربین یعنی جن سے صلح نہ ہوئی ہو۔ اگر وہ مصالحین ہوں تو ان سے تعرض کی اجازت نہیں صلح کے مطابق ان کی جان مال اور آبرو کی حفاظت ضروری ہے لہٰذا یہ بھی حکماً المسلمون کی قید میں داخل ہیں اور محاربین کا حکم یہ ہے کہ ان کے لئے سلامتی اور حفاظت نہیں ان کو اذیت دینا درست ہے کہ وہ اسلام کا مقابلہ کرنا اور اسلام کے راستہ میں رکاوٹ بننا چھوڑ دیں اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: **المؤمن من امنه الناس علی دمائهم و اموالهم** ۔ یہاں الناس کا لفظ عام ہے جو مؤمن، ذمی اور حربی مستامن سب کو شامل ہے۔

من لسانه ویده: زبان کے شر سے مراد سب وشتم، لعن وطعن، الزام تراشی، چغل خوری اور غیبت وغیرہ مراد ہیں۔ کہ ان میں سے ہر ایک اذیت اور تکلیف کا سبب ہے ان سب سے بچنا واجب اور لازمی ہے اور ہاتھ کی اذیت سے مراد مار پیٹ اور قتل وغیرہ ہیں اور کتابت بالباطل والکذب والبہتان وغیرہ بھی ہاتھ کی اذیت میں داخل ہے۔

سوال: مذکورہ حدیث میں۔ من لسانہ۔ فرمایا ہے من قولہ۔ کیوں نہیں کیا گیا حالانکہ متبادر الی الفہم یہ ہے کہ من لسانہ کے بجائے من قولہ کہا جائے۔

جواب: من قولہ اس وجہ سے نہیں کہا کہ زبان سے اذیت دینا بغیر تلفظ اور بولنے کے بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے کوئی آدمی زبان نکال کر منہ چڑا دیتا ہے۔ یہ بھی اذیت کا سبب ہے۔ اسلئے من لسانہ ذکر کیا تا کہ اسکے عموم میں تکلم اور تفعل دونوں شامل ہو جائیں۔

سوال: مذکورہ حدیث میں اذیت دینے کے لئے ید یعنی ہاتھ کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ حالانکہ اذیت دینے کے افعال دوسرے اعضاء سے بھی صادر ہوتے ہیں۔

جواب: ہاتھ کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ بڑے بڑے تمام افعال کا صدور ہاتھوں سے ہوتا ہے جیسے لینا، پکڑنا، جوڑنا، کاٹنا روکنا۔ اکثریت کا لحاظ کرتے ہوئے ہاتھوں کا ذکر کیا ہے۔ الغرض یدہ کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔

سوال: حدیث میں لسان (زبان) کو ید (ہاتھ) پر مقدم کیوں کیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: زبان کو مقدم اس لئے کیا گیا ہے کہ زبان سے جو اذیت دی جاتی ہے وہ عام بھی ہے اور تام بھی ہے کیونکہ ہاتھ سے اس کو تکلیف دی جاتی ہے جو سامنے حاضر اور موجود ہو اور زبان سے اس آدمی کو بھی اذیت دی جاسکتی ہے جو سامنے موجود نہ ہو جیسے حضرت علیؓ کی طرف ایک شعر منسوب ہے۔

جراحات السنان لها التیام ○ ولا یلتام ماجرح اللسان

کہ زبان سے جو زخم لگایا جاتا ہے وہ کبھی مندمل نہیں ہوتا بلکہ تازہ رہتا ہے جب کہ نیزوں کا زخم کچھ عرصے کے بعد مندمل ہو جاتا ہے اور اس

کا اثر باقی نہیں رہتا اس سے معلوم ہوا کہ زبان کی اذیت عام اور تام ہے۔

والمهاجر من هجر مانهى الله عنه : یہ حدیث کا دوسرا جملہ ہے المہاجر کے الف لام کے اندر دو احتمال ہیں۔ایک یہ کہ الف لام عہد خارجی ہے مراد کامل مہاجر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ کامل مہاجر وہ ہے جو اللہ کے ممنوعات اور منہیات سے رک جائے۔ دوم یہ کہ الف لام جنسی ہے۔اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ مہاجر کہلانے کا وہی مستحق ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے۔ کیونکہ وطن چھوڑنا لذاتہ مقصود نہیں ہوتا۔ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا اس لئے ہوتا ہے تا کہ دین اور ایمان کی حفاظت ہو تو ہجرت کا اصل مقصد اور غرض وغایت گناہوں کو چھوڑنا ہے اسلئے جو آدمی وطن ترک کر کے آ جائے اور گناہوں کو نہ چھوڑے تو وہ حقیقت میں مہاجر کہلانے کا مستحق نہیں۔

سوال : حدیث میں : المهاجر من هجر ما نهى الله عنه کہ مہاجر وہ ہے جو گناہ کے کاموں کو ترک کر دے اس تعبیر اور عنوان کو اختیار کرنے کی وجہ اور حکمت کیا ہے؟

جواب : اس تعبیر کو اختیار کرنے کی دو وجہیں ہیں ① ایک وجہ یہ ہے کہ جب صحابہ کرام ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں آئے تو انصار مدینہ کی طرف سے ایثار اور قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا گیا چنانچہ انہوں نے اپنے مال بھی پیش کر دیئے اور متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں یہ بھی کہا کہ تم جس کو پسند کرو میں طلاق دے دیتا ہوں جب عدت گزر جائے تم نکاح کر لینا۔اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حکیم الامت ہونے کی وجہ سے بطور زجر اور تنبیہ کے فرمایا کہ ان چیزوں کو مطلوب اور مقصود نہ بنالینا۔ بلکہ اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے۔اس سے ہجرت کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ ورنہ بصورت دیگر ہجرت کا عمل ضائع ہو جائے گا۔

② دوسری حکمت اس تعبیر میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا۔ تو اس فتح کے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے انہیں یہ فکر اور افسوس دامن گیر تھا کہ اگر ہم فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو جاتے تو ہمیں بھی ہجرت کی فضیلت نصیب ہو جاتی اور ہجرت کی فضیلت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ظاہر ہے۔ کہ اگر ہجرت کی فضیلت اور جلالت شان نہ ہوتی۔ تو میری آرزو یہ ہوتی کہ میں ایک انصاری ہوتا۔ان لوگوں کے اضطراب اور قلق کے ازالہ کے لئے آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ حقیقی ہجرت یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اس فضیلت کو اب تم بھی حاصل کر سکتے ہو۔

ثمره هجرت : ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ظاہری اور باطنی۔ ظاہری ہجرت کا ثمرہ اور حکم یہ ہے کہ اگر کوئی دار الکفر میں قیام پذیر ہے اور وہاں شریعت کے احکام ادا کرنے میں آسانی نہیں بلکہ بہت مشکلات ہیں۔ایسی صورت میں اس آدمی پر ہجرت کرنا فرض ہے اور اگر اسلام کے احکام کو ادا کرنے میں کوئی رخنہ اندازی نہیں کی جاتی اس صورت میں ہجرت مستحب ہے۔

اور ہجرت باطنہ کو ہجرت اصلیہ اور حقیقیہ کہا جاتا ہے یعنی گناہوں اور منکرات کو ترک کرنا۔ یہ ہجرت ہر مسلمان کے لئے لازم اور ضروری ہے۔

اى المسلمين خير قال من سلم المسلمون من لسانه ويده

مسلم شریف میں حدیث کو اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کونسا مسلمان افضل ہے۔آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ مسلمان افضل اور کامل ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔

سوال : رسول اللہ ﷺ سے مختلف الفاظ کے ساتھ ایک سوال کیا گیا۔ یعنی الفاظ اگر چہ مختلف ہیں مگر مقصد اور لب لباب ایک ہے مثلاً:

اى المسلمين افضل۔ اى الاسلام خير۔ اى العمل افضل۔

اى العمل احب۔ اى الا عمال افضل۔

ان سب سوالات کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے اندر سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ان سب کا جواب ایک ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ ان کے جوابات مختلف ہیں مثلاً۔

① من سلم المسلمون من لسانه ویده ۔ ② تطعم الطعام وتقرأ السلام۔
③ الصلوٰۃ لوقتها۔ ④ الایمان بالله ۔
⑤ الجهاد فی سبیل الله ۔ ⑥ بر الو الدین۔
⑦ حج مبرورٌ۔

وحدت سوال اور تقارب سوال کے باوجود جوابات مختلف ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب ①: جواب کا اختلاف سوال کرنے والوں کے حالات مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اختلاف احوال کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مختلف جوابات دیئے۔ جب آپ نے دیکھا کہ سوال کرنے والا نمازی ہے۔ جہاد میں بھی شریک ہوتا ہے۔ مگر بخیل ہے تو آپ ﷺ نے تطعم الطعام کھانا کھلانے کا حکم دے دیا۔ اگر تکبر کا مادہ ہے تو تقرأ السلام کا حکم دے دیا۔ اگر والدین کی خدمت میں کوتاہی ہے ۔تو برالوالدین کا حکم دے دیا۔ اگر نماز میں کوتاہی ہے۔ الصلوٰۃ علی وقتها کا جواب دے دیا اگر جہاد میں کوتاہی ہے تو الجهاد فی سبیل اللہ کا حکم دے دیا۔ اگر حج میں کوتاہی ہے تو حج مبرور کا حکم دے دیا اگر عقائد میں کمزوری ہے تو ایمان باللہ کا حکم دے دیا۔ اگر لوگوں کے ساتھ اذیت کا معاملہ ہے تو المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده کا حکم دے دیا۔

جواب ②: جوابات کا اختلاف زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے مثلاً حج کے زمانہ میں حج کی ترغیب اور عظمت شان کے لئے حج کو افضل قرار دیا اور جہاد کے وقت میں بوقت سوال جہاد کو افضل الاعمال قرار دیا اور نمازوں کے اوقات میں بروقت نماز پڑھنے کو افضل الاعمال قرار دیا اور قحط سالی کے آثار نمودار ہونے کی صورت میں نفلی حج کے بجائے اطعام الطعام کو افضل قرار دیا اور جس دور میں ایمان لانے میں مشکلات تھیں اس وقت ایمان باللہ کو افضل قرار دیا۔ علی ھذا القیاس۔

جواب ③: یہ اختلاف۔ اختلاف انواع کے قبیل سے ہے بعض انواع کا ذکر آپ ﷺ نے ایک سوال کے جواب میں کر دیا اور بعض انواع کا ذکر دوسرے سوال کے جواب میں کر دیا اور بعض انواع کا ذکر تیسرے سوال کے جواب میں کر دیا۔ علی ھذا القیاس اور نوع کے ماتحت کئی افراد ہیں یہ افراد ایک دوسرے کے معارض اور مخالف نہیں۔

جواب ④: فضیلت کی دو قسمیں ہیں کلی اور جزئی اور یہ قاعدہ ہے کہ فضیلت جزئیہ کی وجہ سے فضیلت کلیہ متاثر نہیں ہوتی۔ جیسے صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت کلی ہے اور انکے مقابلے میں: اشدهم فی امر الله ۔حضرت عمرؓ کی جزئی فضیلت ہے۔

اصدقهم حیاء ۔حضرت عثمانؓ کی جزئی فضیلت ہے۔ اقضاهم ۔حضرت علیؓ کی جزئی فضیلت ہے۔
اعلمهم بالحلال و الحرام۔ حضرت معاذؓ کی جزئی فضیلت ہے۔ افرضهم ۔حضرت زید بن ثابتؓ کی جزئی فضیلت ہے۔
اقرأهم۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی جزئی فضیلت ہے۔ امین هذه الأمة۔ حضرت ابوعبیدہؓ کی جزئی فضیلت ہے۔

علی هذا القیاس۔ رسول اللہ ﷺ کی فضیلت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں جزئی فضیلت ہے اور یہ جزئی فضیلت آپ کی کلی فضیلت کو قطعاً متاثر نہیں کرتی۔

اسی طرح اعمال میں مختلف جہات سے فضیلت پائی جاتی ہے۔ کسی موقعہ پر خاص جہت فضیلت کا لحاظ کر کے خاص اعمال کو بیان کیا ۔کہیں دوسری جہت فضیلت کا لحاظ کر کے خاص اعمال کو ذکر کر دیا۔ مختلف اعمال میں جزئی فضیلت پائی جاتی ہے۔ اسی جزئی فضیلت کے

مطابق مختلف جوابات دیئے گئے۔ مثلاً۔

اطعام الطعام۔ میں بخل کی نفی کی وجہ سے فضیلت ہے۔

تقرأ السلام۔ میں تکبر کی نفی کی وجہ سے فضیلت ہے۔

حج مبرور۔ میں مشقت کی وجہ سے فضیلت ہے۔

ایمان بالله۔ میں توحید کی وجہ سے فضیلت ہے۔

الصلوٰة علی وقتها۔ میں احبیت اور عبدیت کی وجہ سے فضیلت ہے۔

بر الوالدین۔ میں اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے فضیلت ہے۔

الجهاد فی سبیل الله۔ میں اطاعت امیر کی وجہ سے فضیلت ہے۔ علی هذا القیاس۔

حدیث سے متعلق مسائل: اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے:

① کامل مسلمان وہ ہے جس کے قول اور فعل کی اذیت سے مسلمان سلامتی میں ہوں۔

② اصل اور حقیقت میں مسلمان کہلانے کا مستحق وہ ہے کہ جس کی اذیت سے لوگ محفوظ ہوں۔

③ کامل مہاجر وہ ہے جو گناہوں کو ترک کر دے۔

④ اصل اور حقیقت میں مہاجر کہلانے کا مستحق وہ ہے جس نے گناہ چھوڑ دیئے ہوں۔

⑤ بوقت ضرورت شرعی مسئلہ اور اسلام کا حکم معلوم کرنے کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔

تکمیل ایمان کا مدار حب رسول پر ہے

(۵/۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ .(متفق علیه)

أخرجه البخاری ۱/ ۵۸حدیث رقم ۱۴ و مسلم فی صحیحه ۱/ ۶۷حدیث (۶۹-۴۴)والنسائی فی سننه ۸/ ۱۱۴حدیث رقم ۵۰۱۳۔وابن ماجة فی سننه ۱/ ۲۶حدیث رقم ۶۷۔ واحمد فی مسنده۳/ ۲۰۷۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کی محبت میرے ساتھ اپنے والد، اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں کمال ایمان کو بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تعارف بقدر ضرورت معلوم کرنا ضروری ہے۔

تعارف حضرت انس رضی اللہ عنہ:

ان کی کنیت ابوحمزہ اور ابو ثمامہ ہے والد کا نام مالک ہے دادا کا نام نضر ہے انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق ہے نام۔ نسبت و نسب اس طرح ہے۔ ابوحمزہ انس بن مالک بن نضر الانصاری خزرجی۔ آپ کی عمر جب دس سال کی تھی تو آپ کی والدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ آپ کا خادم ہے۔ پھر دس سال تک انہوں نے آپ کی خدمت کی اور آپ نے ان کے حق میں چار دعائیں کیں:

① اے اللہ اس کی اولاد میں برکت عطا کر۔ چنانچہ اس دعا کی برکت سے صحابہ کرام میں کثیر الاولاد ہوئے۔
② اے اللہ اس کے مال میں برکت عطا کر۔ چنانچہ اس دعاء کی برکت سے ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔
③ اے اللہ اس کی زندگی میں برکت دے چنانچہ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں دراز عمر عطاء کی۔
④ اے اللہ اس کی مغفرت فرما۔ حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ میں نے پہلی تین دعاؤں کا اثر اپنی زندگی میں دیکھ لیا اور دعاء مغفرت کی قبولیت کی امید رکھتا ہوں حضرت عمرؓ نے ان کو معلم بنا کر بصرہ میں بھیجا آخر تک وہاں رہے۔ سو سال سے زائد عمر پا کر ۹۳ھ میں بصرہ کے اندر وفات پائی۔

انواعِ محبت:

مذکورہ حدیث میں والد، ولد اور الناس تین چیزوں کو ذکر کر کے درحقیقت محبت کی تین قسموں کی طرف اشارہ کر دیا کہ محبت کی تین قسمیں ہیں۔

① محبت برائے تعظیم۔ جیسے اولاد کی محبت ماں باپ سے
② محبت برائے شفقت جیسے والدین کی محبت اولاد سے
③ محبت برائے لذت جیسے زوجین کی باہم محبت۔ والد سے مراد محبت برائے تعظیم ہے اور ولد سے مراد محبت برائے شفقت ہے اور والناس اجمعین سے تیسری قسم کی طرف اشارہ ہے۔

بالفاظ دیگر اس طرح سمجھو کہ محبت تین حال سے خالی نہیں۔ بڑے سے ہوگی یا چھوٹے سے ہوگی یا مساوی سے ہوگی۔ اگر بڑے سے ہو تو یہ محبت تعظیم ہے۔ والدہ سے اسی طرف اشارہ ہے۔ اگر چھوٹے سے ہو تو یہ محبت شفقت ہے وُلدہ سے اسی کی طرف اشارہ ہے اگر مساوی کی مساوی سے محبت ہو تو یہ محبت لذت ہے والناس اجمعین سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اسبابِ محبت: محبت کے بڑے بڑے اسباب پانچ ہیں۔ جب بھی کسی سے محبت کی جاتی ہے یا محبت ہو جاتی ہے تو اس کا تقاضا عقل کے مطابق کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور اسباب محبت عموماً پانچ ہوتے ہیں وہ پانچوں کے پانچ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں بدرجہ اتم واحسن موجود ہیں اس لئے قوی اور وسیع اور سچی محبت آپ سے بڑھ کر کسی اور کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔

① کمال: کسی کا کمال دیکھ کر اس کے ساتھ محبت ہو جائے اور یہ سبب رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں اعلیٰ اور انتہاء درجہ کا موجود ہے۔ آپ کے کمالات عالیہ کو شمار کرنا ممکن نہیں۔ ختم نبوت کا ہی کمال ایک ایسا مؤثر کمال ہے۔ جس سے تمام لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کر کے عطاء کمالات کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ہر دور میں اپنی اپنی قدر و منزلت کے مطابق انبیاء و رسل اور اولیاء اللہ کو کمالات عطاء کیے گئے اور ان تمام کمالات کی تکمیل آپ پر کر دی۔ آپ کے بعد کسی نبی اور رسول کی آمد ہرگز متوقع اور مقصود نہیں۔ اس لئے وہ تمام رُوحانی اور مادی کمالات آپ کی ذات بابرکات میں جمع کر دیئے صحابہ کرام کے لشکر میں آپ کے کمال کے مظہر اتم حضرت ابوبکرؓ تھے۔

صدیق عکس حسن کمال محمد است۔

② جلال: کسی کا جلال دیکھ کر اس کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے اور یہ سبب بھی رسول اللہ ﷺ کی ذات میں نہایت ہی عمدگی کے ساتھ موجود ہے آپ ﷺ کو اچانک دیکھنے والا ایک مرتبہ ضرور ہیبت اور رعب میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کو بسا اوقات

آپ ﷺ سے سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور تمنا ہوتی تھی کہ کوئی اعرابی آئے اور آپ ﷺ سے سوال کرے اور دشمنوں پر آپ کے جاہ وجلال کا یہ اثر تھا کہ ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مرعوب رہتا تھا اور اس صفت کا مظہر اتم صحابہ کرام کی جماعت میں سیدنا حضرت عمرؓ تھے۔ جن کو اشداء علی الکفار کہا ہے۔ فاروق ظل جاہ وجلال محمد است۔

(۳) جمال: کسی کا جمال دیکھ کر اس کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے یہ سبب محبت بھی آپ کی ذات میں اعلیٰ درجہ کا موجود ہے رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ جمال عطاء کیا گیا تھا۔ شیخ بوعلی بن سینا۔ حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تناسب اعضاء اور اعتدال اعضاء کا نام حسن ہے اور احادیث میں آپ کا جو حلیہ بیان کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ سب سے زیادہ متناسب الاعضاء اور معتدل الاعضاء تھے۔ پوری مخلوق میں آپ جیسا حسین وجمیل کوئی نہیں پیدا کیا گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مصر کی عورتوں نے حسن یوسف کو دیکھ کر انگلیاں کاٹ لیں۔ اگر حسن محمد ﷺ کو دیکھتیں تو انگلیوں کو کاٹنے کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسن محمد دیکھنے والوں نے اپنی گردنیں کٹوا ڈالیں۔ حضرت حسان بن ثابت ؓ آپ ﷺ کے حسن و جمال کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں

واحسن منك لم تر قط عيني ☆ واجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من كل عيب ☆ كانك قد خلقت كما تشاء

"آپ ﷺ جیسا حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ جمال والا کسی خاتون نے جنم نہیں دیا۔ آپ کو ہر عیب سے پاک اور مبرا پیدا کیا گیا ہے۔ گویا کہ آپ کو آپ کی تمنا و چاہت کے مطابق پیدا کیا گیا"۔

اسی طرح ایک اور ثناء خواں نے جمال محمدی کا نقشہ اس طرح پیش کیا

یاصاحب الجمال و یا سید البشر ☆ و جهك المنير لقد نور القمر
لایمکن الثناء کماکان حقه ☆ بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

صحابہ کرام کی جماعت میں صفت جمال کا مظہر حضرت عثمان ذوالنورینؓ ہیں۔
عثمان شمع ضیاء جمال محمد است۔

خصال: کسی کی خصال حمیدہ دیکھ کر محبت ہو جاتی ہے رسول اللہ ﷺ کی خصال حمیدہ کثیر تعداد میں ہیں جن کا شمار یقیناً متعذر اور مشکل ہے اور آپ کی پاکیزہ خصال وعادات اسلام کے پھیلنے کا سبب بنیں، جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ اضطراب اور قلق کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ تو حضرت خدیجہ کبریٰؓ نے آپ کے خصال حمیدہ کو ذکر کر کے تسلی دی تھی کہ اس طرح کی شخصیت کو قطعاً بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جاسکتا۔ صحابہ میں اس کا نمونہ حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں۔ حیدر بہار باغ خصال محمد است۔

(۵) نوال: کسی کا نوال، عطیہ اور سخاوت دیکھ کر محبت ہو جاتی ہے رسول اللہ ﷺ کے اندر صفت نوال اعلیٰ وارفع درجہ کی تھی۔ جس کا اندازہ حضرت عائشہؓ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے کہ رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی سخاوت تیز ہوا کی طرح ہوتی تھی اور اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک دیہاتی کو بکریوں کو پورا گلہ دے دیا۔ جب بھی آپ سے کوئی آدمی چیز مانگتا تھا تو آپ نفی میں جواب نہیں دیتے تھے غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے علاوہ لوگوں کو ہزاروں اونٹ دیکر فیاضی اور سخاوت کا ریکارڈ قائم کر کے لوگوں کو حیرانگی میں ڈال دیا۔

سوال: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کو ایمان کے لئے معیار بنایا گیا ہے۔ حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ طبعی محبت انسان کو

والدین اور اولاد کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے۔ پھر تو مؤمن ہونا بہت مشکل ہے۔ ثانیاً یہ کہ محبت غیر اختیاری چیز ہے اس کو ایمان کامل کے لئے معیار کیسے بنایا گیا ہے۔ یہ تو بظاہر تکلیف مالایطاق کو مستلزم ہے۔ **جواب**:

① طبعی محبت۔ جیسے بچوں کو اپنے ماں باپ سے محبت ہوتی ہے۔ یا والدین کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت غیر اختیاری ہوتی ہے، یہ یہاں مراد نہیں، ورنہ تکلیف مالایطاق لازم آئے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے: لایکلف الله نفسا الا وسعها۔

② عقلی محبت مثلاً ایک کام انسان کی تمنا اور رضامندی کے خلاف ہے۔ انسانی طبیعت اس کو تسلیم نہیں کرتی لیکن عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں فائدہ ہے۔ پھر انسان تقاضائے عقل کے مطابق اس کو کرتا ہے۔ جیسے مریض کڑوی دوائی کو طبعاً پسند نہیں کرتا۔ مگر عقل کا تقاضا ہے کہ اگر بیماری سے نجات حاصل کرنی ہے۔ تو پھر یہ دوائی استعمال کرنی پڑے گی۔ اگر دانت میں درد ہو جائے یا گندے مواد والا پھوڑا نکل آئے۔ تو خلاف طبع تقاضاء عقل کے مطابق دانت نکلوانا پڑے گا اور پھوڑے سے گندہ مادہ نکالنے کے لئے آپریشن کروانا پڑے گا اور یہ قسم یہاں مطلوب اور مراد ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ایک حکم آ جائے کہ یہ کام کرو اور اس کے مقابلہ میں والدین کا حکم آ جائے کہ یہ کام نہ کرو۔ اس مقام پر اگرچہ طبیعت کا میلان یہ ہے کہ والدین کی بات تسلیم کر لی جائے۔ مگر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کی جائے کیونکہ اس میں اخروی فائدہ اور کامیابی ہے الغرض اگر آپ کی کسی ہدایت اور حکم کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ رکاوٹ بنے تو اس کو ترک کر دے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا حکم آ جائے کہ جہاد کے لیے نکلو۔ جب مسلمان اس حکم کی تعمیل کے لئے میدان کارزار میں پہنچ جائیں اور دونوں جانب صف بندی کے بعد میدان جنگ گرم ہو جائے کسی کو اپنا باپ مقابلے میں نظر آئے۔ کسی کو اپنا بیٹا مقابلے میں نظر آئے، کسی کو دیگر کوئی قرابت والا مقابلے میں نظر آ جائے اب طبعی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی تلوار کو باپ، اولاد وغیرہ کے خون سے نہ رنگا جائے۔ مگر اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ تلوار ان کے خون سے آلودہ ہو جائے۔

③ شرعی محبت۔ محبوب کے مرغوبات اور مرضیات کو دوسروں کے مرغوبات اور مرضیات پر ترجیح دینا اور اس محبت کے پیدا ہونے کے چار اسباب ہیں:

① ایمان ② جلالت شان ③ عزت وعظمت ④ رحمت یہ قسم بھی یہاں مطلوب ومقصود ہے۔

چند واقعات: محبت کی مطلوبہ قسم کی وضاحت کے لئے چند واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایمان والے کس قدر محبت کا نمونہ تھے۔

واقعہ ①: صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ حدیث سنی لایؤ من احد کم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین تو عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ مجھے اس دنیا میں سب سے محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم اب بھی کامل اور اعلیٰ درجہ کے مؤمن نہیں ہوئے۔ کیونکہ کامل ایمان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔ اس وقت حضرت عمرؓ پر آپ کی تجلی اور پرتو کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ فوراً ہی حضرت عمرؓ نے طبعی محبت کا اقرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔

واقعہ ②: حضرت عبداللہ بن زیدؓ جو صاحب اذان ہیں، اپنے باغ میں کام کر رہے تھے، ان کے بیٹے نے آ کر یہ خبر سنائی کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اس افسوسناک خبر کو سنتے ہی برداشت اور ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے۔ فی الفور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا اے اللہ اب مجھے بینائی کی دولت سے محروم کر دے کہ یہ آنکھیں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کرتی تھیں اب آپؐ کے علاوہ کسی

اور کو نہ دیکھ سکیں۔

واقعہ ③: حضرت خبیبؓ کو کفار جب قتل کرنے کے لئے میدان میں لے آئے اور جب ظالموں نے آپ کو سولی پر چڑھایا۔ تو ابوسفیان نے کہا کہ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری جگہ اس وقت محمد ﷺ ہوتے اور (العیاذ باللہ) ان کی گردن اُڑا دی جاتی اس کے جواب میں حضرت خبیبؓ نے جو محبت بھرا جوب دیا وہ قابل ستائش ہے۔ فرمایا خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ آپ ﷺ کو کانٹا بھی چبھے۔

واقعہ ④: ایک مرتبہ ایک صحابی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے سب سے بڑھ کر آپ کے ساتھ محبت ہے جب مجھے آپ کی یاد ستاتی ہے تو جب تک آپ کی زیارت نہ کرلوں صبر نہیں آتا۔ مگر اب یہ فکر دامن گیر ہے کہ وفات کے بعد آپ کا مقام اور درجہ تو بہت بلند ہوگا۔ مجھے آپ کا دیدار وہاں کیسے ہوگا اور جب آپ کا دیدار نصیب نہیں ہوگا تو مجھے سکون اور ٹھنڈک کیسے حاصل ہوگی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت نازل کر دی: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء ۶۹] کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جو انعام یافتہ ہیں۔ یعنی انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء اور صالحین کے ہمراہ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت اچھی ہے۔

واقعہ ⑤: غزوہ احد میں جب دشمنان اسلام نے رسول اللہ ﷺ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی اور مدینہ منورہ میں یہ اندوھناک خبر مشہور ہوگئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا مدینہ کی خواتین یہ خبر سنتے ہی میدان احد کی طرف بڑھیں ایک خاتون رافع بنت کلثوم کو کسی نے راستہ میں بتایا کہ تیرا خاوند شہید ہوگیا ہے۔ وہ کہنے لگی مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتاؤ کہ آپ ﷺ کا کیا حال ہے۔ جب مزید آگے بڑھیں تو کسی نے کہا کہ تیرا والد شہید ہوگیا ہے۔ وہ پھر پوچھنے لگی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتاؤ کہ ان کا کیا حال ہے۔ جب وہ میدان احد میں پہنچی اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو کہنے لگی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ خیریت سے ہیں تو باقی سب مصائب چھوٹے اور آسان ہیں۔

واقعہ ⑥: عبداللہ بن ابی نے جب رسول اللہ ﷺ کی شان عالی میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔ آپ نے اس گستاخی کا ذکر اس کے بیٹے کے سامنے کر دیا جو کہ ایک مخلص مسلمان تھے۔ بیٹے نے آپ سے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ مگر آپ نے اس کی اجازت نہیں دی لیکن بیٹے نے اس کے باوجود جا کر اپنے منافق باپ سے کہہ دیا کہ اس بات کا اقرار کرو کہ رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو رسول اللہؐ کے ساتھ کس قدر محبت تھی اور حدیث میں جس محبت کا ذکر ہے اور اسے ایمان کامل کیلئے معیار بتایا گیا ہے۔ وہ ان نفوس قدسیہ کو وافر مقدار میں حاصل تھی۔ اسی وجہ سے تو خونی رشتے بھی آپ کی محبت میں ہیچ تھے۔

حلاوتِ ایمان سے سرشار ہونے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت

(۶/۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري ۱/ ۶۰ حديث رقم ۱۶۔ ومسلم في صحيحه ۱/ ۶۶ حديث (۶۷۔ ۴۳)۔ والنسائي ۸/ ۹۶ حديث رقم ۴۹۸۸ والترمذي ۵/ ۱۶ حديث رقم ۲۶۴۴۔ وابن ماجة ۲/ ۱۳۳۸ حديث رقم ۴۰۳۳ وأحمد في مسنده ۳/ ۱۷۲۔

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی میں تین چیزیں موجود ہیں۔ان کی وجہ سے اس نے ایمان کی لذت کو حاصل کرلیا۔ایک یہ کہ اس کے دل میں اللہ اوراس کے رسول کی محبت تمام چیزوں کی محبت سے بڑھ کر ہو۔دوم یہ کہ کسی شخص سے اس کی محبت صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو۔سوم یہ کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو کفر کے اندھیرے سے نکال کرایمان کی روشنی کی طرف لے آیا تو اب وہ اسلام سے پھرنے کو اس طرح ناپسند جانے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔(متفق علیہ)

تشریح ❀ اس حدیث میں ایمان کی حلاوت مٹھاس اور شیرینی کا ادراک کرنے کے لئے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جس مؤمن میں یہ تین چیزیں موجود ہوں اس کو ایمان کی چاشنی محسوس ہوجائے گی۔

① اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی محبت دیگر تمام اشیاء کی محبت پر غالب ہو۔

② دوم یہ کہ اگر کسی سے محبت ہو تو وہ بھی صرف اور صرف اللہ کے لئے ہو یعنی کسی سے دوستی کرنے کا مقصد اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہو۔اس کے علاوہ کوئی دنیاوی غرض اور مفاد کوئی مال ومنال مقصود نہ ہو۔

③ سوم یہ کہ مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کرنے سے اس طرح نفرت ہو،جس طرح آگ میں ڈالے جانے سے نفرت ہوتی ہے۔ الغرض جس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا اس کے لئے اسلام پر چلنا آسان ہوگا۔

سوال: ثلاث مبتداء ہے من شرطیہ ہے کن شرط ہے اور جملہ شرطیہ مبتداء کی خبر ہے اور ثلاث نکرہ ہے حالانکہ نکرہ مبتداء واقع نہیں ہو سکتا ہے مبتداء کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

جواب: ثلاث کا مبتداء واقع ہونا دو وجہ سے صحیح ہے ایک وجہ یہ ہے کہ ثلاث نکرہ محضہ نہیں بلکہ نکرہ مخصصہ ہے وہ اس طرح کہ ثلاث صفت ہے اوراس کا موصوف محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔خصال ثلاث۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ثلاث کے آخر میں تنوین تنکیر کے لئے نہیں بلکہ تنوین تعظیم کے لئے ہے۔اعتراض تب ہوتا جب کہ تنوین تنکیر کے لئے ہوتی۔

حلاوۃ الایمان: یہاں رسول اللہ ﷺ نے ایمان کے لئے حلاوۃ اور مٹھاس کو ثابت کیا ہے اور مؤمن کی جو ایمان کی طرف رغبت اور میلان ہوتا ہے اس کو میٹھی چیز کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ایمان کی اصل حلاوۃ کو وہی انسان محسوس کرسکتا ہے جس کا قلب روحانی صفات سے متصف اور منور ہو اور روحانی اعتبار سے صحت مند ہو۔اگر کوئی شخص روحانی طور پر مریض ہو یعنی اس کا دل روحانی صفات سے عاری اور مکدر ہو تو ایسا انسان ایمان کی حلاوت اوراس کی چاشنی بالکل محسوس نہیں کرسکتا۔جیسے صحت مند آدمی شہد کی حلاوت کو اس کی حقیقت کے مطابق پالیتا ہے اور اگر کوئی آدمی صفراوی مزاج ہو اوراس پر صفراء کا غلبہ ہو تو شہد اس کو کڑوا محسوس ہوتا ہے۔اس میں شہد کا کوئی قصور نہیں۔اصل خرابی مزاج کی ہے کہ لذیذ ترین چیز اس کو کڑوی محسوس ہورہی ہے اسی طرح اگر کوئی آدمی روحانی صفراء کا شکار ہو تو اس کو ایمان کی حلاوت محسوس نہیں ہوگی۔اس کو شرع کے احکام کی ادائیگی میں تنگی محسوس ہوگی۔

سوال: حدیث میں حلاوت سے کیا مراد ہے کیونکہ حلاوت کی دو قسمیں حلاوت حسی اور حلاوت باطنی۔

جواب: اس میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حلاوت باطنی ہے یعنی اطاعت سے لذت محسوس کرنا،اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو راضی کرنے کے لئے مشقت برداشت کرنا اور اس کو دنیا کی تمام اشیاء پر ترجیح دینا اور احکام شرعیہ کی ادائیگی میں پورا انشراح،مسرت اور خوشی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حلاوت حسی ہے اور بعض نے اس کو راجح اور اولیٰ قرار دیا ہے کیونکہ اس صورت میں حدیث اپنے

ظاہر پر محمول ہوگی اور اس میں کسی تاویل اور توجیہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

مما سواھما: حلاوت ایمانی کے اسباب ثلاثہ میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ انسان کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہو۔ اللہ کی محبت اصل ہے اور رسول اللہ کی محبت اس کی فرع ہے۔

سوال: رسول اللہ ﷺ نے سواھما میں اللہ کا نام اور اپنا نام بصورت تثنیہ ایک ضمیر میں جمع کر دیا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے خود اللہ اور رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنے سے منع کیا ہے۔ مسلم اور ابوداؤد میں حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور اس نے خطبہ پڑھا اور اس میں کہا۔ **من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد غوی**۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ **بئس الخطیب انت قل ومن یعص اللہ ورسولہ**۔

جواب ①: مذکورہ حدیث مبیح ہے اور حضرت عدیؓ والی روایت محرم ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب حرمت اور اباحت میں تعارض ہو جائے تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

جواب ②: رسول اللہ ﷺ کے لئے دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کرنا جائز ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ کیونکہ آپ سے اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تسویہ کا کوئی امکان نہیں۔ بخلاف دیگر لوگوں کے کہ ان کے دل میں دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کر دینے سے تسویہ کا عقیدہ پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔

جواب ③: رسول اللہ ﷺ نے خطیب پر نکیر اس لئے فرمائی تھی کہ اس خطیب نے بے موقع وقف کر دیا تھا، اس نے: **من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما** کہہ کر وقف کر دیا۔ جس کا معنی یہ ہے کہ اطاعت اور نافرمانی کرنے والے دونوں راشد ہیں جبکہ یہ بات صریح البطلان ہے۔

جواب ④: رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کیا ہے کیونکہ ایک جملہ ہے اور ایک جملہ میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لانا مناسب نہیں، جبکہ خطیب والے واقعہ میں دو جملے ہیں اور اس صورت میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لانا مکروہ نہیں ہے۔

جواب ⑤: رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ کامیابی کے لئے وہ محبت ضروری ہے جو دونوں محبتوں سے مرکب ہو۔ اللہ کی محبت بھی ضروری ہے اور رسول ﷺ کی محبت بھی ضروری ہے ہر ایک مستقل نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے معتبر ہے۔ بخلاف خطیب والے واقعہ کے کہ اس پر نکیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ دونوں میں سے ایک کی معصیت مضر ہے چاہے اللہ کی نافرمانی کرے یا رسول اللہ کی نافرمانی کرے۔

لا یحبہ الا للہ: ایمان کی حلاوت کے اسباب ثلاثہ میں سے دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر آدمی کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرے، اس میں مال ومنال اور حسن وجمال کی کوئی غرض مقصود نظر نہ ہو جیسے کسی سے تقویٰ اور علم دین کی وجہ سے محبت کرنا یہ اللہ کے لئے محبت ہے۔ نہ تو حسن سلوک سے اس میں اضافہ ہوگا اور نہ اس میں کوئی کمی آئے گی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اسلام کے احکام واجبہ میں سے ہے اور یہ اولیاء کرام کا عمل ہے۔

ومن یکرہ ان یعود فی الکفر: ایمانی حلاوت کے اسباب ثلاثہ میں سے تیسرا سبب یہ ہے کہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ کر جانا اسی طرح مشکل اور ناپسندیدہ معلوم ہو جیسے آگ میں ڈال دیا جانا ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

عود فی الکفر اس زمانے کے اعتبار سے کہا گیا ہے جب کہ لوگ کفر چھوڑ کر اسلام کی طرف آ رہے تھے۔ لیکن ہمارے اعتبار سے عود فی الکفر کا کوئی معنی نہیں کیونکہ ہم شروع سے مسلمان ہیں۔ اس صورت میں عود کو صیرورت کے معنی میں لیا جائے گا۔ جیسے **او لتعودن فی**

ملتنا ۔ کے اندر عود سے صیر ورت والا معنیٰ مراد ہے ۔ انقاذ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ابتداءً ہی اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچا لیا ہو کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا اور پھر اسلام پر استقامت رہی دوسری صورت یہ ہے کہ کفر کی تاریکی اور ظلمت سے حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے نکالا ہو۔ پہلی صورت میں عود صیر ورت کے معنی میں ہوگا اور دوسری صورت میں عود اپنے اصلی معنی میں برقرار رہے گا۔

اسبابِ ثلاثہ میں ربط: حلاوت ایمانی کے اسباب ثلاثہ میں انتہائی لطیف اور عجیب ربط ہے وہ اس طرح کہ پہلے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ذکر کیا ہے ۔ جب اللہ اور اس کے رسول کی محبت تمام اشیاء کی محبت پر غالب ہوگی ۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں اللہ والوں سے بھی محبت ہوگی ۔ درحقیقت اہل اللہ سے محبت' اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا اثر اور نتیجہ ہے اور جب آدمی کو اللہ' رسول اور اہل اللہ سے سچی محبت ہوگی تو اس کے نتیجہ میں لازماً آدمی کو کفر سے نفرت ہو جائے گی اس لئے فرمایا کہ کفر کی طرف لوٹنے کو اس قدر ناپسند سمجھے جیسے کہ آگ میں ڈالے جانے کو ناگوار سمجھا جاتا ہے۔

(۷/۷) وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٦٢ حديث رقم(٣٤٠٥٦)۔ والترمذي ٥/١٦ حديث ٢٦٢٣ وأحمدفي مسنده ١/٢٠٨۔

ترجمہ: حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کو خوشی سے اپنا رب مان لیا اور محمد ﷺ کو خوشی سے اپنا رسول مان لیا اور اسلام کو خوشی سے اپنا دین مان لیا اس نے ایمان کی حلاوت اور لذت کو چکھ لیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی سابقہ حدیث کی طرح حلاوت ایمان کو ذکر کیا گیا ہے ۔ کہ اس انسان کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی جس میں تین امور کے بارے میں رضا پائی گئی۔

① اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی ہو گیا کہ اللہ ہی تمام مخلوق کا خالق اور پالنے والا ہے وہی رب العالمین ہے کہ تمام انواع عالم کی پرورش کرتا ہے بری ۔ بحری اور فضائی مخلوق کی تربیت کرتا ہے۔

② اسلامی احکام اور امور اسلامیہ کو اپنا دین تسلیم کرے مکمل خوشنودی اور دل کے انشراح سے اپنی زندگی گزارنے کا دستور اور ضابطہ حیات جانے کہ میری کامیابی اسی پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور برحق رسول ہونے کا کامل یقین ہو۔

الغرض اللہ کی ربوبیت پر اس طرح یقین ہو کہ نہ شکایت ہو نہ حکایت اور زمانے کے ہر تغیر پر راضی ہو اور اسلام پر اس طرح راضی ہو کہ تمام احکام کو بلاچون وچرا تسلیم کرے اور رسول اللہ ؐ پر اس طرح راضی ہو کہ آپ سے محبت کی وجہ سے آپ کی سنت اور آپ کے اعمال محبوب ہوں اور صاحب مرقات اس کا مطلب اس طرحؒ بیان کرتے ہیں ۔ کہ مصائب و بلیات پر صبر کرے ۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے ۔ قضاء وقدر پر راضی ہو ۔ اسکے دینے اور نہ دینے کے فیصلہ کو قبول کرے ۔ تمام اسلامی احکام پر عمل کرے ۔ اوامر کی اتباع ہو اور نواہی سے اجتناب ہو اور رسول اللہ ؐ کی کما حقہ اتباع کرے ۔ تمام سنن آداب ، اخلاق ، اصول معاشرت ، زہد فی الدنیا اور توجہ الی الآخرت کو اپنائے۔

تعارف حضرت عباس ؓ: اس حدیث کے راوی حضرت عباس ؓ بن عبدالمطلب ہیں ان کا تعارف بقدر ضرورت اس طرح ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب چچا ہیں ۔ آپ سے عمر میں دو سال بڑے تھے آپ کی ذہانت وفطانت ومتانت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ بڑے ہیں یا ، رسول اللہ ﷺ حضرت عباس ؓ نے بہت خوبصورت جواب دیا کہ عمر میری زیادہ

ہے مگر بڑے آپ ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں آپ سردار تھے، مسجد حرام کی تعمیر اور حجاج کی خدمت آپ کے ذمہ تھا، بدر کی جنگ میں جبراً لائے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عباس جس کے سامنے آجائیں تو قتل نہ کرے اور بدر کے قیدیوں میں یہ بھی شامل تھے۔

ان کی والدہ پہلی وہ خاتون ہے جس نے بیت اللہ کو غلاف چڑھانے کا طریقہ رائج کیا۔ ریشمی غلاف چڑھایا تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عباس بچپن میں گم ہو گئے تھے ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اگر مل گئے تو بیت اللہ کو غلاف چڑھاؤں گی۔ پھر جب یہ مل گئے تو اس نے اپنی نذر کو پورا کیا۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت ستر غلام آزاد کئے تھے جب حضرت عباسؓ کی عمر ۸۸ سال تھی۔ تو ۳۲ھ ۱۲ رجب بروز جمعۃ المبارک کو وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

حدیث سے متعلق مسائل: اس حدیث سے چار مسائل معلوم ہوئے:

① کامل الایمان کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ ② اللہ کی ربوبیت پر رضا ضروری ہے۔
③ دین اسلام کی تعمیل اور تسلیم میں پوری رضا ہو۔ ④ رسول اللہ کی رسالت پر اور آپ کی اتباع پر مکمل رضامندی اور خوشنودی ہو۔

مدارِ نجات

(۸/۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم ۱/۱۳٤ حدیث رقم (۲٤۰-۱۵۳)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اس امت میں جو شخص ہو چاہے یہودی ہو یا نصرانی اس کو میری نبوت کی اطلاع ہو جائے پھر وہ میری لائی شریعت اور اسلام پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمی ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مدار نجات اسلام ہی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا تمام لوگوں پر یکساں طور پر فرض لازم اور ضروری ہے اگر آپ کی نبوت و رسالت اور مذہب اسلام کی خبر پا کر کوئی ایمان نہ لایا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ چاہے یہودی ہو نصرانی ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو۔ الغرض اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ① جنہیں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں علم ہوا مگر اس کے باوجود ایمان نہ لائے یہ لوگ جہنمی ہیں۔ ② جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں سنا اور تسلیم کر لیا، ایمان لے آئے یہ لوگ جنتی ہیں ③ جنہوں نے آپ کے متعلق نہ سنا نہ ایمان لائے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف ہوگا جنتی اور جہنمی کا حکم لگانے سے سکوت ہوگا۔

بیدہ: ایک قول کے مطابق ید سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت، رحمت اور نعمت ہے اصل بات یہ ہے کہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے اعتبار سے متشابہات میں سے ہے پھر متشابہات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جن کا معنی اور مراد دونوں ہمیں معلوم نہ ہوں بلکہ مجہول ہوں جیسے حروف مقطعات جو انتیس سورتوں کے شروع میں آتے ہیں دوم یہ کہ جن کا معنی تو ہمیں معلوم ہو لیکن مراد مجہول ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے لئے ید وغیرہ کا استعمال۔ متشابہات کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے۔ کما یلیق بشانہ جیسے امام مالکؒ نے استوی علی العرش۔ کے بارے میں فرمایا: الاستواء معلوم والکیفیة مجهولة والسوال عنها بدعة۔ کہ استواء علی العرش کا معنی معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے اور اس کے متعلق سوال بدعت ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب ید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کی تاویل قدرت وغیرہ سے کرنا تحریف کے مترادف ہے۔ بعض علماء متاخرین ایسے متشابہات کی

تاویل کرتے ہیں تاکہ عقیدہ کی حفاظت اور فتنہ وفساد سے بچاؤ ہو جائے۔ من هذه الامة: رسول اللہ ﷺ کی امت کی دو قسمیں ہیں۔ ① امت اجابت جنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ توحید ورسالت اور قیامت وغیرہ دیگر ضروری عقائد اور احکام وغیرہ کو قبول کر لیا۔ ایسے لوگوں کو مسلمان کہتے ہیں۔ ② امت دعوت جنہوں نے اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ امت مسلمہ کے علاوہ دیگر تمام لوگ امت دعوت ہیں۔

سوال: رسول اللہ ﷺ نے: والذی نفس محمد بیده فرما کر قسم کیوں اٹھائی۔ اس میں کیا حکمت اور فلسفہ ہے؟

جواب: ① اس کی تین وجوہات ہیں آپ نے امت کو تعلیم دینے کے لئے قسم کھائی۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ اور رسول ہوں خدائی صفات کا مالک نہیں بلکہ آپ کی جان بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ② رسول اللہ نے یہ قسم کھا کر اشارہ کر دیا کہ قسم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی کھانی چاہیے۔ ③ اس قسم سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ بسا اوقات ضرورت کے بغیر کلام کی تاکید کیلئے قسم اٹھانی جائز ہے حرام نہیں۔ بعض بزرگوں سے زندگی بھر قسم نہ اٹھانا جو ثابت ہے یہ انکے ورع، تقوی اور احتیاط پر محمول ہے۔

سوال: اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہودیوں اور عیسائیوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ یہ دونوں صاحب شریعت تھے اور ایک دین پر قائم تھے دونوں کے پاس آسمانی کتاب تھی یہود کے پاس توراۃ تھی اور نصاریٰ کے پاس انجیل تھی ان کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ جو لوگ اللہ کے رسول اور نازل شدہ کتابوں کے ماننے والے ہیں۔ جب ان لوگوں کے لئے مذہب اسلام اور محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے اور شریعت محمدیہ کے دائرہ میں آئے کے بغیر ان کی نجات ناممکن ہے۔ جب ان کا یہ حال ہے تو جو لوگ کسی رسول کو نہیں مانتے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب اور صحیفہ نہیں، کوئی دین الٰہی نہیں ان کی نجات مذہب اسلام کو قبول کرنے کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب ②: یہود اور نصاریٰ کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبع ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب تورات اور انجیل پر عمل کرنے والے ہیں ہم تو ہدایت یافتہ ہیں، جنت تو ہمارا پیدائشی استحقاق ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم مذہب اسلام پر عمل کریں، محمد ﷺ پر ایمان لائیں، کسی اور کتاب کو تسلیم کریں۔ اس حدیث میں ان کے اس فاسد خیال اور باطل عقیدہ کی تردید کی گئی اور ان کے لئے اس بات کو کھول کر بیان کر دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد نجات اور کامیابی صرف ان لوگوں کی ہوگی جو مذہب اسلام کو تسلیم کریں، رسول خاتم النّبیین کی نبوت کو مانیں۔ کیونکہ آپ کی بعثت کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہیں۔

تین اشخاص کے لیے دوگنے اجر کی بشارت

(۹/۹) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ يَطَاُهَا فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١/١٩٠ حديث ٩٧۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ١/١٣٤ حديث (٢٤١۔١٥٤) والترمذي ٣/٤٢٤ حديث رقم ١١١٦۔ والدارمي في سننه ٢/٢٠٦ حديث رقم ٢٢٤٤۔ وأحمد في المسند ٤/٤٠٢۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین آدمی ایسے ہیں جن کو دوہرا اجر

ملے گا: ① اہل کتاب (یہود، نصاریٰ) کے اس آدمی کو جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لایا پھر محمد ﷺ پر ایمان لایا۔ ② وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی پورے ادا کئے اور اپنے مالکوں کے حقوق بھی پورے ادا کئے۔ ③ وہ آدمی جس کی باندی تھی اور وہ اس سے وطی کرتا تھا پھر اس کو اچھا ہنر مند بنایا۔ پھر اس کو اچھی تعلیم سے آراستہ کیا پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی تو یہ بھی دو گنے اجر کا مستحق ہوگا۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کو خوش خبری دی گئی ہے کہ ان کو دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں دو گنا اجر ملے گا۔

① وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں پہلے وہ اپنے دین اور مذہب پر قائم تھے۔ بعد میں جب انہیں اسلام کی دعوت پہنچی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو ڈبل اجر ملے گا۔ اس لئے کہ پہلے ان لوگوں نے اپنے نبی اور اس کے دین کو قبول کیا اور اس کی شریعت پر عمل کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور شریعت محمدیہ پر عمل کیا۔ یہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی عظیم علامت ہے۔ کیونکہ سابقہ نبی اور مذہب سے عقیدت اور وابستگی کے باوجود ایثار کرتے ہوئے اسلام کو قبول کر کے اس کی تعمیل میں زندگی گزارنا اور اپنے اعتقاد اور جذبات کی لگام مذہب اسلام کے حوالے کر دینا یہ فطرت سلیمہ کی نداء پر لبیک کہنے کے مترادف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل اور احسان کے طور پر اسے دو گنا اجر اور ثواب کا مستحق قرار دیا ایک اجر تو سابقہ نبی پر ایمان لا کر اس کی شریعت پر عمل کرنے کا اور دوسرا اجر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر مذہب اسلام پر عمل کرنے کا۔

② دوسرا وہ غلام جو اپنے آقا کا حق بھی کما حقہ ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے کہ اللہ کے احکام کی پوری تعمیل کرے اس کے لئے بھی دو اجر ہیں اور ڈبل اجر کا سبب اس کے حق میں بالکل ظاہر اور واضح ہے کہ ایک اجر اس کو اس لئے ملتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے حق کی پوری حفاظت کرتا ہے اور حق کی ادائیگی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے اور دوسرا اجر اس کو اس لئے ملتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری عقیدت اور احترام کے ساتھ کرتا ہے۔

③ تیسرا وہ شخص جو باندی کا مالک تھا اس نے اس کے ساتھ جماع کیا اور اس کو آداب سے آراستہ کر کے ہنر مند بنایا اور اچھی تعلیم سے تعلیم یافتہ بنایا۔ پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔ اس کے لئے بھی دو گنا اجر ہے ایک اجر تو اس لئے ہے کہ اس نے باندی کو آزاد کر کر اس نے فطرتِ اسلامی کے تقاضے پورے کیے' اسلامی اقدار اور اصولوں کی تعمیل کی۔ دوسرا اجر اس لئے ہے کہ اس نے اس باندی سے شادی کر لی۔ اس نے اس عمل سے انسانی مواسات و مدارات اور اخلاق عالیہ کے اقدار کو فروغ دیا۔ ایک ایسی خاتون کو جو ذلیل' کمتر اور بے وقعت شمار ہونے لگی تھی اس کو اچھی تعلیم و تربیت سے نواز کر معاشرہ کی معزز خواتین میں شامل کر دیا۔ ایک طرف تو اس نے انسانیت کے مقام اور مکارم اخلاق کی روح کو اجاگر کیا۔ دوسری طرف اسلامی تعلیم کا رن بھی جیت لیا۔

مذہبِ اسلام کی خصوصیت: دنیا کے تمام مذاہب میں مذہب اسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسلام کے عقائد، اعمال اور تعلیمات کی بنیاد انکار اور تردید، تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی پر نہیں بلکہ اسلام آسمانی کتابوں اور شرائع میں تفریق کرنے کے بجائے، تمام الہامی کتابوں کی تصدیق پر زور دیتا ہے اور تمام رسولوں پر ایمان لانے کی تعلیم دیتا ہے۔ بخلاف دیگر مذاہب اور ادیان کے کہ ان کا کوئی آدمی اس وقت اس مذہب کا ماننے والا شمار نہیں ہوتا جب تک کہ دوسرے مذہب کے عقائد' نظریات اور اساسی بنیادوں کو مسمار نہ کر دے اور اس وقت تک انسان اپنے مذہب کا سچا پیرو نہیں بن سکتا جب تک کہ دوسرے رسولوں' کتابوں اور مذاہب کا انکار نہ کر دے اور اسلام یہ سبق دیتا ہے کہ سچا مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ سب رسولوں' کتابوں اور شرائع پر ایمان لایا جائے اور اپنے مذہب کو واجب التعمیل اور واجب التسلیم سمجھا جائے اور واضح طور پر یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ایمان کی تکمیل تب ہو گی جب کہ دوسرے

آسمانی مذاہب الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی صداقت کو برحق تسلیم کیا جائے۔

سوال: اس حدیث میں اہل کتاب سے کون مراد ہیں، یہودی یا عیسائی یا دونوں؟

جواب: اس کی مراد میں علماء کے دو قول ہیں۔

① امام طحاویؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب سے مراد صرف عیسائی ہیں اور انہوں نے اپنے مذہب پر دو دلیلیں دی ہیں۔ ایک نقلی دوسری عقلی۔

دلیل نقلی: نقلی دلیل یہ ہے کہ بخاری کی ایک حدیث میں اس بات کی تصریح ہے واذا امن بعیسٰی ثم امن بی فله اجران۔ کہ جو آدمی پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور پھر اس کے بعد مجھ پر ایمان لایا اس کے لئے دو اجر ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو گنا اجر کے لئے اہل کتاب میں سے عیسائی مخصوص ہیں۔

دلیل عقلی: عقلی دلیل یہ ہے کہ یہودیوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا تو وہ کافر ہو گئے۔ اب اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کو دو اجر کیسے ملیں گے۔ کیونکہ ان کا اپنے نبی پر تو ایمان ثابت نہیں ہوا اور وہ عیسائی بھی دو اجروں سے محروم ہوں گے جو تثلیث کے قائل ہیں اور اپنے نبی پر افتراء علی الکذب کے مرتکب تھے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مطلق اہل کتاب ہیں چاہے یہودی ہوں یا نصرانی ہوں اور انہوں نے اس پر دو دلیلیں پیش کی ہیں۔

دلیل ①: قرآن کریم کی آیت: الذین اتینا هم الکتاب من قبله هم به یؤمنون اولئك یؤتون اجرهم مرتین بما صبروا۔ کہ جن لوگوں کو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پہلے کتاب دی ہے۔ پھر وہ آپ پر ایمان لائے تو انہیں دو گنا اجر دیا جائے گا۔ اس آیت میں کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے اور اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ دونوں ہیں۔ کیونکہ طبرانی میں مذکور ہے کہ یہ عبد اللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور حضرت عبد اللہ بن سلام یہودیت سے مسلمان ہوئے اور حضرت سلمانؓ عیسائیت سے مسلمان ہوئے اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب سے یہود اور نصاریٰ دونوں مراد ہیں۔

دلیل ②: بنی اسرائیل کے کچھ یہودی ایسے تھے کہ ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی خبر نہیں پہنچی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے۔ انہوں نے کسی کا انکار نہیں کیا تھا۔ جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی خبر پہنچی تو انہوں نے ایمان قبول کر لیا جیسے ملک یمن کے کچھ یہودی ایسے ہی تھے۔ ان لوگوں کو بھی یقیناً دو اجر ملیں گے۔ جب کہ یہ اہل کتاب یہود ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی عمومیت میں یہود و نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔

سوال: اس حدیث میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ تین اشخاص کو دوہرا اجر ملے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دو عمل کیے ہیں۔ ہر عمل کے بدلے میں ایک اجر ملے گا۔ اس میں ان کی کیا خصوصیت ہے یہ تو ہر آدمی کا یہی مسئلہ ہے کہ ہر دو عمل کرنے والے کو ڈبل اجر ملے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ دو اجر ملنے کا کیا مطلب ہے قانون اور ضابطہ تو یہ ہے کہ ہر عمل کا بدلہ اور اجر دس سے لے کر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زائد ہوتا ہے۔

جواب ①: اس حدیث میں جن دو اجروں کا ذکر ہے۔ یہ دو اجر اصل ثواب سے زائد ہیں اصل اجر کا ضابطہ تو یہی ہے کہ دس سے سات سو تک بلکہ اس سے بھی زائد ہوتا ہے۔

جواب ②: اس حدیث میں جن تین اشخاص کے لئے ڈبل اجر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر عمل دو کے قائم مقام ہو گا۔

مثلاً ہر نماز دو نمازوں کے قائم مقام ہوگی۔ اگر عام لوگوں کی نماز کا ثواب دس تک ہوگا تو ان کی نماز کا ثواب بیس تک ہوگا۔ علی ھذا القیاس اس اعتبار سے یہ ان کے حق میں بڑی فضیلت ہوگی۔

جواب ③: مذکورہ تین اشخاص کو ڈبل اجر اس وقت ملے گا جب کہ ان کے اعمال میں تزاحم اور تضاد پایا جاتا ہو۔ مثلاً ایک غلام دو آقاؤں کے درمیان مشترک ہو۔ ایک آقا کہتا ہے کہ نماز پڑھو دوسرا کہتا ہے کہ فلاں کام کرو۔ اب دونوں کاموں کا پورا کرنا یقیناً متعذر رہوگا۔ تو ایسی صورت میں جب یہ آدمی دونوں پر عمل کریگا تو اسے ڈبل ثواب ملے گا۔ حدیث میں تین اشخاص کی تخصیص بطور تعیین اور تقیید کے نہیں بلکہ بطور تمثیل کے ہے۔

کفار سے قتال کا حکم

(۱۰/۱۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْٓا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ (متفق علیه) اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ یَذْكُرْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ.

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۷۵حدیث ۲۵۔ ومسلم ۱/۵۳حدیث(۳۶۔۲۲) وأبو داؤد فی سننه ۳/۱۰۱ حدیث ۲٦٤۱ والترمذی حدیث رقم ۲٦٤۱ والنسائی ۷/۷۸حدیث ۳۹۷۳ وابن ماجة حدیث رقم (۷۱) والدارمی ۲/۲۸۷ حدیث ۲٤٤٦ وأحمد ۲/۳٤۵ الا أنّ الأربعة لم یرووہ عن ابن عمر بل عن أبی هریرة و أنس۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں کفار سے اور مشرکین سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ اس بات کی شہادت نہ دیدیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ لوگ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور جب وہ ایسا کرنے لگیں تو انہوں نے اپنی جان اور مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا ہاں جو پوچھ گچھ اسلامی قانون کے تحت ہوگی۔ وہ اب بھی باقی ہے اس کے بعد انکے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے اور مسلم شریف کے روایت میں الا بحق الاسلام کے الفاظ نہیں ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے ساتھ قتال اور جہاد کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں کے ساتھ جہاد اور جنگ جاری رکھوں جب تک کہ لوگ تین کام نہ کرلیں۔

① شہادتین کا اقرار: اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ناس۔ سے مراد کفار، مشرکین اور بت پرست ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کریں اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار کریں اور اس کو دیگر عبادات پر مقدم اس لئے کیا گیا ہے کہ توحید و رسالت کا اقرار بمنزلہ اساس اور بنیاد کے ہے اس بنیاد کے بغیر دین اسلام کی عمارت کا وجود ناممکن ہے۔

② اقامت صلوٰۃ: توحید و رسالت کے اقرار کے بعد سب سے مقدم اور اعلیٰ عبادت نماز ہے کہ تمام ارکان، شرائط اور آداب کی رعایت رکھتے ہوئے مکمل پابندی کے ساتھ نماز پنجگانہ ادا کرنا اور نماز کو اس لئے بھی اہمیت حاصل ہے کہ یہ بے حیائی، منکرات اور ظلم سے روکتی ہے نیز یہ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں منافقین بھی نماز کی پابندی کرتے تھے تاکہ کفار اور مشرکین کی صف میں نہ شامل ہو جائیں اور یہ مؤمن کی معراج ہے۔

③ زکوٰۃ ادا کرنا: اس سے مراد فرض زکوٰۃ ہے جو اس کا انکار کرے اسکے ساتھ قتال کا حکم ہے جیسے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں، مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ نماز اور زکوٰۃ کو قرآن میں بھی ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جولوگ یہ تین کام سچی عقیدت اوراحترام سے کرلیں گےاور مخلص مؤمن بن جائیں گےتوان کی جان،عزت اور مال محفوظ ہوجائیں گے۔
اب مسلمانوں کے لئے جائزنہیں کہ ان لوگوں کی جان ، مال اور آبرو سے تعرض کریں ۔ہاں البتہ اگر مسلمان ہونے کے بعد کوئی اسلامی حق ان سے متعلق ہوجائے اور وہ معاملہ ظاہر بھی ہوجائے تو پھران کی جان اور مال سے تعرض ہوگا اوراگر وہ معاملہ پوشیدہ اور راز میں رہے تو باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔

سوال:اس حدیث میں کفار کے ساتھ مطلقاً قتال اور جنگ کرنے کا حکم ہے۔اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں، حالانکہ اسلام میں اہل ذمہ کوامن دیا گیا ہے کہ وہ جزیہ ادا کر کے رہیں ۔اسی طرح معاہد کوبھی امن ہوتا ہے کہ جو کافر مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر کے امن طلب کرے تو وہ بھی مستامن ہوجاتا ہےاوراسی طرح مصالح کوبھی امن حاصل ہوجاتا ہے۔

جواب ①:اس حدیث کی غرض وغایت میں تاویل اورتوجیہ کی جائے گی کہ اس کی غرض وغایت مقدر ہے تقدیر عبارت ہوگی ۔حتی یسلموا او یستلموا کہ وہ لوگ حقیقۃً مسلمان ہوجائیں ۔یااسلام کے سامنے گردن تسلیم خم کردیں اوراستسلام کی صورت میں اہل ذمہ مستامن اور مصالح بھی شامل ہیں اس لئے کہ جہاد کی غرض وغایت اعلاء کلمۃ اللہ ہے اوراعلاء کلمۃ اللہ کی دوصورتیں ہیں اسلام استسلام اور جب کوئی کافراپنے کفر پر رہتے ہوئے اسلامی حکومت کوتسلیم کرلیتا ہے تو گویااس نے اسلام کی سرفرازی کوقبول کرلیا ہےاور یہ بھی اعلاءکلمۃ اللہ کی ایک صورت ہے۔

جواب ②:اس حدیث میں الناس کے شروع میں الف ولام عہد خارجی ہےاس سے مراد وہ مشرکین ہیں جو کہ جزیرہ عرب میں قیام پذیر ہیں ۔جن کے لئے قضیہ شرطیہ منفصلہ مانعۃ الخلو کے طور پر دو ہی صورتیں ہیں :اما السیف او الاسلام ۔مسلمان ہوجائیں یا قتال کریں اوراس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جس کے الفاظ اس طرح ہیں: امرت ان اقاتل المشرکین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں الناس سے مرادمشرکین ہیں۔

جواب ③:اس حدیث میں الناس کے شروع میں الف ولام عہد خارجی ہے مراداس سے اہل عرب ہیں اہل ذمہ اور مستامن اس سے خارج ہوگئے ۔کیونکہ یہ عام ہےاور قاعدہ یہ ہے کہ ہرعام میں تخصیص کا احتمال ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ تمام کفار سے نہیں لڑیں گے بلکہ جو مسلمانوں سے برسرِپیکار ہوں ان سے جنگ کریں گے۔اس حکم سے اہل ذمہ۔مستأمن اور مصالح مستثنیٰ ہوں گے۔

الا بحق الاسلام:اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جوآدمی اسلام کے دائرہ میں آجائے یا ذمی مستأمن اور مصالح بن کر جزیہ ادا کر کے اسلامی ریاست کے قوانین کی مکمل پاسداری کر کے سکونت اختیار کرے تو اس کی جان ، مال اورعزت کا تحفظ اسلامی حکومت کا فرض ہےاوراس کے تمام حقوق کی حفاظت حکومت کے ذمہ لازم ہےاور الا بحق الاسلام کے استثناء سے مراد یہ ہے کہ اگر اہل ذمہ مستامن اور مصالح سے اگرکوئی قانونی جرم اور بے اعتدالی ہوجائے تو اس صورت میں مجرم کا ہر حال میں قانونی مواخذہ اورگرفت ہوگی ۔چاہے مجرم مسلمان ہو یا ذمی ہو یا معاہد۔جرم اور بے اعتدالی کے ارتکاب کی صورت میں کوئی نرمی اور رعایت نہیں ہوگی ۔مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی سے ظلماً قتل کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔اس کو بھی بطور قصاص کے ضرور قتل کردیا جائے گا۔اگر کوئی زنا کا ارتکاب کرے اگر وہ محصن ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا،اگر غیر محصن ہوتواس کوسوکوڑے مارے جائیں گے اگر چوری کا ارتکاب ہوجائے،تو دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا،مال اگر موجود ہے تو واپسی ہوگی،اگر قطع الطریق کا ارتکاب ہوجائے تو ہاتھ پاؤں خلاف جانب سے کاٹے جائیں گے،یا قتل کیا جائے گا، یا سولی پرلٹکایا جائے گا،یا جلاوطن کردیا جائے گا۔گویا قانونی تقاضے کو ہر حال میں پورا کیا جائے گا۔جوشخص بھی قانون کی خلاف ورزی کرےاس کا مواخذہ اورگرفت قانونی تقاضے کے مطابق ضروری ہے۔ورنہ بدامنی اور فساد ہوگا۔

وحسابھم علی اللّٰہ حدیث میں اس جملہ سے اس نکتہ اور فائدہ کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ شریعت مطہرہ اپنے قوانین اور اصولوں کی ترویج وتنفیذ میں ظاہر پر حکم لگاتی ہے نہ کہ باطن پر۔ اس لئے کہ انسان ظاہر کا مکلف ہے اور باطن کو معلوم کرنا انسانی دسترس اور کنٹرول سے خارج ہے اور انسان اسی چیز کا مکلف ہوتا ہے جو اس کی وسعت اور طاقت میں ہو۔ اسی وجہ سے باطن کی حالت کو اس حدیث میں اللہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی انسان اپنی جان ومال کے تحفظ یا کسی اور غرض اور مفاد کے لئے مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں کفر اور نفاق بدستور قائم ہو۔ تو ظاہری اعتبار سے اس کو مسلمان ہی تصور کیا جائے گا اور دل کے کھوٹ اور فساد کا مواخذہ آخرت میں ضرور ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے جرائم اور بے اعتدالیوں کا ارتکاب کیا مگر اس کا معاملہ عند الناس مخفی رہا۔ وہ اگرچہ دنیا میں قانونی گرفت سے بچ جائے گا لیکن آخرت میں اسکا حساب اور معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہاں گرفت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ اور علیم بذات الصدور ہے۔ اس سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

سوال: اس حدیث میں شہادت توحید، شہادت رسالت، نماز اور زکوٰۃ کو تو ذکر کیا گیا ہے مگر روزے اور حج کا ذکر نہیں کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ روزہ اور حج بھی ارکان اسلام میں سے ہیں۔

جواب: اس حدیث میں روزہ اور حج کو ذکر نہ کرنے کی چار وجوہات ہیں۔

① راوی نے اختصار کر دیا کہ روزہ اور حج کو ذکر نہیں کیا۔

② جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت تک روزہ اور حج کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تمام ارکان کو بیان کرنا نہیں تھا۔ بلکہ صرف اور صرف اتنا بتلانا مقصود تھا کہ جو انسان مسلمان ہو جائے اور نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا اہتمام کرے تو یہ اس کے مسلمان اور مؤمن ہونے کی علامت ہے لہٰذا اب اس کے مال وجان اور آبرو کی حفاظت لازم ہے۔

④ اس حدیث میں سب سے پہلے شہادتین کا ذکر ہے یعنی اللہ کی توحید اور نبی کی رسالت کی شہادت اور یہ ایسا جامع کلمہ ہے جو شریعت اسلامیہ کے تمام احکام کو شامل ہے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام دیئے ہیں میں ان سب کا اقرار کرتا ہوں کہ سب اللہ کی طرف سے ہیں اور برحق ہیں۔

سوال: اس حدیث میں مؤمن ہونے کے لئے نماز کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص مؤمن اور مسلمان کہلانے کے باوجود نماز نہیں پڑھتا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: تارک صلوٰۃ کی دو قسمیں ہیں:

① وہ لوگ جو نماز چھوڑنے کو حلال جانتے ہیں اور اس کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور نماز کی ادائیگی کے قریب تک نہیں جاتے۔ ایسے لوگ بالاتفاق کافر، مرتد اور واجب القتل ہیں۔

② وہ لوگ جو غفلت اور سستی کی وجہ سے نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ نماز کو فرض مانتے ہیں اور نماز چھوڑنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے:

① امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا کافر اور مرتد ہے، اس کو قتل کیا جائے جس طرح کہ مرتد کو قتل کیا جاتا ہے۔

② امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نماز چھوڑنے والا کافر تو نہیں مگر اس کی سزا قتل ہے اور یہ قتل قتل ارتداد نہیں بلکہ قتل فسق وفجور ہے۔

③ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر تو نہیں اور اس کو سزا میں قتل نہ کیا جائے بلکہ حکومت اس کو قید خانہ میں ڈال دے۔

جب تک توبہ نہ کرے اسے جیل میں رکھا جائے اور ہر نماز کے وقت کوڑے لگائیں جائیں۔

④ نماز چھوڑنے والے کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے (سلطان باہوؒ)

⑤ نماز چھوڑنے والے کو قرض نہ دو۔ اس لئے کہ جس انسان کو اللہ کا قرض ادا کرنے کی فکر اور اہمیت نہیں وہ آپ کا قرض ادا کرنے کی کیا فکر کرے گا۔ (سعدیؒ)

عجیب نکتہ: جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔ قرآن کی تلاوت کا دور شروع ہو گیا اور ساتھ۔ توحید، رسالت اور قیامت کی تبلیغ شروع ہو گئی۔ پھر اس کے بعد تقریباً نبوت کے پانچویں سال نماز فرض ہوئی۔ پھر نبوت کے تیرہویں سال ہجرت الی المدینہ کا حکم ہوا۔ پھر زکوٰۃ کے احکام کی تفصیل نازل ہوئی۔ پھر ۲ھ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ ۶ھ یا ۹ھ میں حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ پھر دیگر احکام نازل ہوئے۔ پھر جہاد کی مشروعیت کا حکم نازل ہوا۔ پھر دفاعی جہاد کی اجازت کا حکم آیا پھر اقدامی جہاد کا حکم نازل ہوا۔ پھر مسجد حرام کے قریب جنگ کی ممانعت کا حکم آیا۔ پھر اس ممانعت کو رفع کر کے مشروعیت کا حکم ہوا اور پھر آخر میں مطلق جہاد اور قتال کا حکم آیا۔ اس لئے تا قیامت عالمی اعلان ہو گیا۔ امرت ان اقاتل الناس الخ۔

عجیب مباحثہ: ایک مرتبہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے درمیان عمداً نماز چھوڑنے والے کے بارے میں ایک عجیب مباحثہ ہوا۔ حضرت امام شافعیؒ نے حضرت امام احمدؒ سے سوال کیا کہ اگر کوئی جان بوجھ کر نماز کو چھوڑ دے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ امام احمدؒ نے فرمایا کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔ امام شافعیؒ نے دریافت کیا کہ وہ کس طرح مسلمان ہوگا۔ امام احمد نے جواب دیا کہ جب کلمہ پڑھ لے گا تو مسلمان ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ نے سوال کیا کہ کلمہ تو وہ پہلے سے پڑھتا ہے۔ صرف نماز چھوڑ دیتا ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ نماز پڑھ لے۔ امام شافعیؒ نے دریافت کیا کہ جب وہ کافر ہے تو ایمان نہ رہا اور بغیر ایمان کے نماز کیسے پڑھ لے۔ اس پر امام احمدؒ نے سکوت فرمایا۔

مسلمانوں کی تین علامتیں

(۱۱/۱۱) وَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٩٦/١ حديث رقم ٣٩١۔ ورواه النسائي ١٠٥/٨ حديث ٤٩٩٧ لقوله فذلكم المسلم۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو انسان ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی جانب رخ کرے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے۔ وہ انسان مسلمان ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کو امن حاصل ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ اور رسول ﷺ کی ذمہ داری میں ہے تم اس کے ساتھ عہد شکنی کر کے اللہ کی ذمہ داری کو نہ توڑو۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں مسلمان کی تین علامتیں بتائی گئی ہیں۔ کیونکہ ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں اور یہ دل کی صفت ہے اور باطنی کیفیت ہے جس کو معلوم کرنا مشکل ہے اس سے دوسرے ادیان کے ساتھ امتیاز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اقرار باللسان مابہ الامتیاز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اقرار عارضی اور وقتی ہوتا ہے۔ حالانکہ مابہ الامتیاز کے لئے دوام کی ضرورت ہے اس لئے اسلام کے لئے دوسرے مذاہب کے مقابلے میں مابہ الامتیاز کا ہونا ضروری ہے اس لئے اس حدیث میں بطور مابہ الامتیاز کے مسلمان کی تین علامات بتائی گئی ہیں۔

اس کی اصل حقیقت اور پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہودی اور عیسائی بھی اپنے اپنے دین پر کار بند تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے اور ان میں سے مسلمان بھی ہوتے تھے اور صحابہ کرام کو تردد ہوا کہ ہم ان کو مسلمان سمجھیں یا نہ۔ پھر مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور آپ نے مابہ الامتیاز کے طور پر یہ تین علامات بتلائیں اگر یہ موجود ہوں تو ان کو مسلمان سمجھو۔

① جو شخص مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے اہل کتاب نماز تو پڑھتے تھے مگر مسلمانوں کی طرح نہیں پڑھتے تھے اور جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے وہ موحد ہی ہو سکتا ہے۔ نبی علیہ السلام کی نبوت کا بھی اقرار کرے اور شریعت مطہرہ کی حقانیت کا بھی معترف ہو۔

② ہمارے قبلہ (بیت اللہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ کیونکہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا یہ اہل کتاب کے مقابلے زیادہ امتیاز کا ذریعہ ہے کیونکہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ بیت اللہ کو قبلہ تسلیم نہیں کرتے۔ یہود کا قبلہ صخرہ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس کی مشرقی جانب ہے۔ جب اہل کتاب میں سے کوئی آدمی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے گا تو یہ اس چیز کی واضح اور روشن علامت ہے کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔

③ جو شخص مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھاتا ہو۔ کیونکہ اہل کتاب مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہیں کھاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ذبح شدہ جانور کا گوشت ہمارے لئے حلال نہیں اور جب کوئی اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے کا دعویدار ہو اور وہ معاشرتی اعتبار سے اتنا مسلمانوں کے قریب ہو جائے کہ مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے لگے تو اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ہمارے دین کو پورے یقین کے ساتھ قبول کر چکا ہے اور ایمان دل میں پیوست ہو کر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے۔ جن لوگوں میں یہ تین علامات موجود ہوں وہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اب ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امن کا وعدہ ہے کہ ان کی جان مال اور عزت محفوظ ہے اس لئے اب مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی عہد شکنی اور بدسلوکی نہ کریں۔ انہیں تکلیف اور اذیت پہنچانے سے مکمل اجتناب کریں۔ ایسا کوئی معاملہ نہ کریں جس سے ان کو خوف، ہراس، غم اور حوصلہ شکنی ہو اگر ان کے ساتھ کوئی بدامنی کا معاملہ ہو گا تو وہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول پر عہد شکنی اور نقض عہد کے الزام کے مترادف ہو گا اور یہ اللہ کے غیظ و غضب کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

سوال: اس حدیث میں مخلص مسلمان کی تین علامات ذکر کی گئی ہیں کہ سچا مسلمان کون ہے بظاہر ان تین چیزوں میں کوئی مرکزیت معلوم نہیں ہوتی وہ اس طرح کہ نماز اگرچہ ایک عظیم عبادت ہے مگر ایمان کے بعد کا عمل ہے اسی طرح استقبال کعبہ بھی کوئی اتنا مرکزی عمل نہیں اور ہمارا ذبیحہ کھانا بھی کوئی عبادت نہیں پھر ان تین چیزوں کو اتنا اہم مقام اور مرکزیت کیوں دی گئی ہے؟

جواب: اس حدیث میں شخص سے مراد ہر آدمی نہیں بلکہ اس سے مراد اہل کتاب میں کا وہ شخص ہے جو اپنا سابقہ دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا اور آپ نے اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان مابہ الامتیاز کا معیار بتا دیا اور آپ کے زمانہ میں ان کے درمیان امتیاز کرنے والے یہی تین امور تھے۔ اس لئے کہ یہ اسلامی شعائر واضح اور ممتاز اعمال تھے۔ نماز کا شعائر اللہ میں سے ہونا اجلی البدیہات میں سے ہے۔ اسی طرح قبلہ کے مسئلہ میں بھی یہود و نصاریٰ انتہائی متعصب تھے اور ان کے نزدیک اہل حق ہونے کے لئے قبلہ کو اعلیٰ اور معیاری مقام حاصل تھا اور اسی طرح اہل کتاب اپنے ذبیحہ کے علاوہ کسی کا ذبح شدہ جانور نہیں کھاتے تھے۔ اس اعتبار سے اشیاء ثلاثہ کو ذکر کیا گیا ہے جو شخص ان تین امور پر کار بند ہو گا وہ یقیناً اہل کفر سے ممتاز اور جدا ہو جائے گا۔

سوال: اس حدیث میں من صلی صلوتنا کے بعد واستقبل قبلتنا کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہماری نماز قبلہ ہی کی طرف

ہوتی ہے۔ یہ جملہ یا تو زائد ہے یا تاکید ہے، زائد ہو تو کلام میں حشو لازم آتا ہے اور یہاں تاکید کی بھی بظاہر ضرورت نہیں اور بلا ضرورت تاکید کی بجائے تاسیس اولیٰ ہوتی ہے لہٰذا اس کو مستقل بالذات مسلمان ہونے کے لئے معیار بنانا کیسے درست ہے؟

جواب: اس حدیث میں واستقبل قبلتنا کو مستقل بطور معیار کے ذکر کرنے کی دو وجہ ہیں۔

① نماز کے مقابلے میں قبلہ کا مسئلہ زیادہ مشہور تھا۔ کیونکہ کثیر تعداد میں ایسے لوگ ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور کئی نماز کو جانتے بھی نہیں مگر قبلہ کو ہر کوئی جانتا اور پہچانتا ہے۔ اس لیے قبلہ کو نماز کے بعد بناء بر شہرت کے ذکر کر دیا۔

② نماز میں دیگر مذاہب کے لوگ فی الجملہ یعنی کسی نہ کسی درجہ میں مشترک ہیں۔ اس سے امتیاز کلی حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اس کے بعد قبلہ کو ذکر کیا کیونکہ استقبال قبلہ سے امتیاز من کل الوجوہ حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہودیوں کا قبلہ صخرہ بیت المقدس ہے اور عیسائیوں کا قبلہ بیت المقدس کی مشرقی جانب ہے۔

اشکال: بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرزائی اور شیعہ کہتے ہیں کہ ان تین چیزوں پر تو ہم بھی عمل کرتے ہیں لہٰذا ہم مسلمان ہیں ہمارے اوپر کفر کا فتویٰ کیسے لگایا جا سکتا ہے؟

جواب: اس حدیث میں مذکورہ تین چیزوں پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ آدمی ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار نہ کرے۔ اسلئے کہ وہی ایمان اور اعمال معتبر ہیں جن کی بنیاد مضبوط ہو۔ قادیانی اور شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں اسلئے وہ کافر ہیں۔

سوال: اس حدیث میں رسول اللہ ؐ نے زکوٰۃ' روزہ اور حج کا کیوں ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ امور معیار اسلام اور شعائر اللہ میں سے ہیں۔

جواب: اس حدیث میں زکوٰۃ' روزہ اور حج کو ذکر نہ کرنے کی دو وجہ ہیں:

① جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت یہ احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

② رسول اللہ ﷺ کا مقصود تمام ارکان اسلام کو بیان کرنا نہیں تھا۔ بلکہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان جو احکام مابہ الامتیاز تھے۔ صرف ان کو بیان کرنا مقصود تھا۔

جنت میں لے جانے والے اعمال

(۱۲/۱۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَی اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَقَالَ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤَدِّی الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا اَزِیْدُ عَلٰی هٰذَا شَیْئًا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی هٰذَا. [متفق علیہ]

البخاری فی صحیحہ ۲۶۱/۳ حدیث رقم ۱۳۹۷ و مسلم فی صحیحہ ۴٤/۱ حدیث (۱۵۔۱٤)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں آپ ﷺ نے فرمایا پانچ کام کر۔ ① عبادت ایک اللہ کی کر۔ ② اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ ③ فرض نماز پابندی سے ادا کر۔ ④ فرض زکوٰۃ ادا کر۔ ⑤ رمضان المبارک کے روزے رکھ۔ یہ سن کر اعرابی نے کہا' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ نہ میں اس میں کچھ زیادتی کروں گا اور نہ اس سے کچھ کم کروں گا۔ جب وہ اعرابی واپس چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ جس آدمی کی چاہت ہو کہ میں کسی جنتی انسان کو دیکھوں تو وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح اس حدیث میں ایسے اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جن پر عمل کرنے سے انسان کو جنت میں دخول اولی نصیب ہوگا۔ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ جس کا نام طبرانی کی روایت کے مطابق سعد بن احزم تھا اس دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ جب اس عمل کو کروں تو مجھے جنت کا دخول نصیب ہو جائے یعنی پہلے مرحلہ میں بغیر سزا اور عذاب کے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے اس کو پانچ امور کی ہدایت کی جن میں سے چار مثبت ہیں اور ایک منفی ہے بالفاظ دیگر۔ چار ایجابی ہیں اور ایک سلبی۔

① **عبادت:** یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں انتہائی حقیر جاننا اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی عظیم جاننا اور اس میں عبادت کی تینوں قسمیں شامل ہیں۔ لسانی عبادت، بدنی عبادت اور مالی عبادت۔

② **شرک نہ کرنا:** دوسری چیز آپ نے یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور شرک ایسا قبیح گناہ ہے کہ اس کو اللہ معاف نہیں کریں گے۔ ان اللہ لایغفران یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء۔ شرک کرنے سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ لئن اشرکت لیحبطن عملك اور یہ ظلم عظیم ہے ان الشرك لظلم عظیم اور یہ شرک کی تمام قسموں کو شامل ہے اور شرک کی چند اقسام ہیں۔

① **شرك فی العلم:** علم محیط اور کائنات کے ذرے ذرے کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے لیکن مشرک بد باطن اس صفت میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں حالانکہ علم الغیب خاصہ خداوندی ہے۔

② **شرك فی المشیۃ:** مشیت اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وما تشاء ون الا ان یشاء اللّٰہ رب العلمین اور مشرک اللہ تعالیٰ کی اس صفت مشیت میں شرک کرتے ہیں۔

③ **شرك فی الذات:** ایک سے زائد معبود ماننا۔ جیسے مجوس دو خدا مانتے ہیں یزدان اور اہرمن۔ یعنی خالق خیر اور خالق شر عیسائی تین خدا مانتے ہیں۔ علی ھذا القیاس۔

④ **شرك فی التصرف:** خدائی اختیار میں کسی دوسرے کو شریک کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نفع اور نقصان کا مختار سمجھ کر اس سے رزق، مرض سے شفاء، عزت اور اولاد وغیرہ مانگنا۔

⑤ **شرك فی القدرۃ:** اللہ تعالیٰ کی قدرت میں دوسروں کو شریک کرنا بالاستقلال قادر مطلق سمجھ کر غیر اللہ کو پکارنا۔

⑥ **شرك فی العبادت:** اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور شخصیت کو چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ ہو۔ اس کو نافع وضار مافوق الاسباب سمجھ کر اس کی انتہا درجہ کی تعظیم کرنا۔ اس کے سامنے رکوع سجدہ، طواف کرنا اور اس کے تقرب کے لئے نذر و نیاز دینا۔

⑦ **شرك فی العادت:** کفار، مشرکین اور غیر مسلموں کی مذہبی علامات اور امتیازات کو اپنانا۔ جیسے زنار باندھنا۔ صلیب لٹکانا۔ علی ھذا القیاس۔

⑧ **شرك فی النذر:** نذر و نیاز منتی اور منوتی میں غیر اللہ کو شریک کرنا، اس کے نام کی نیاز دینا۔ اس کے تقرب اور تعظیم کے لئے جانور ذبح کرنا۔

⑨ **شرك فی التسمیہ:** نام رکھنے میں غیر اللہ کو شریک کرنا یعنی شرکیہ نام رکھنا۔ جیسے عبد العزی۔ عبد الحسین۔ پیر بخش۔ وغیرہ۔

⑩ **شرك فی الیمین:** غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھانا۔ جیسے فلاں پیر کی قسم، فلاں دربار کی قسم۔

⑪شرک فی الذبح: کسی نہر، مکان یا مارکیٹ، پلازہ وغیرہ تعمیر کرنے کے وقت اس کی بنیادوں میں جانور ذبح کرنا، جنات کے تقرب اور ان کے شر سے بچنے کے لئے یا کسی درخت وغیرہ کو متبرک سمجھ کر اس پر جانور ذبح کرنا۔

⑫شرک فی التاثیر: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں بالاستقلال تاثیر مانتے ہوئے اس کو مؤثر بالذات جاننا۔

⑬شرک فی الاستعاذۃ: اللہ تعالیٰ علاوہ کسی اور سے غائبانہ مافوق الاسباب اپنی مشکلات میں مدد مانگنا۔ جیسے غائبین اور مردوں سے مدد طلب کرنا۔

⑭ شرک فی النداء: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو پکارنا اور نداء کرنا جیسے یا جبرائیل، یا غوث اعظم، یا علی، یا پیر، یا رسول، یا خواجہ، یا حسین، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔

⑮شرک فی الذبح وبسملہ: جانور ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا نام لینا اس کے تقرب اور تعظیم کے لئے جیسے یوں کہنا بسم اللہ واسم محمد۔

⑯شرک فی الطیرۃ: اللہ تعالیٰ سے دعا کے بجائے غیر اللہ سے شگون اور فال لینا۔

⑰شرک فی الاخبار: غیب کی خبریں کاہنوں، نجومیوں یا پیروں سے معلوم کرنا۔

⑱شرک فی التصور: مشائخ عظام اور انبیاء کرام وغیرہ کی ارواح کو حاضر و ناظر جاننا اور یہ تصور کرنا کہ ان کی ارواح ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہوتی ہیں اور دیکھتی ہیں۔

⑲شرک فی التمائم: یعنی تعویذ گنڈے جھاڑ پھونک اور منتر وغیرہ میں غیر اللہ کو شریک کرنا۔

⑳شرک فی التوسل: یعنی غیر اللہ کا توسل اختیار کرنا جو کہ غیر مشروع ہے۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ ہاں البتہ اعمال اور عبادات کا توسل مشروع ہے اور یہی وابتغوا الیہ الوسیلۃ کا مصداق ہے۔

③ اقامتِ صلوٰۃ: تیسرا عمل ہے۔ فرض نماز کو پابندی کے ساتھ تمام ارکان، شرائط اور آداب کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنا۔

④ اداء زکوٰۃ: چوتھا عمل ہے فرض زکوٰۃ ادا کرنا۔

⑤ روزہ: پانچواں عمل ہے رمضان المبارک کے فرض روزے رکھنا۔

سوال: اس حدیث میں مذکور ہے کہ دیہاتی نے قسم کھا کر کہا: **لا ازید علی ھذا شیئاً ولا انقص**۔ کہ میں اس پر کمی اور زیادتی نہیں کرونگا۔ حالانکہ اس وقت احکام نازل ہو رہے تھے۔ اگر ان کو تسلیم کیا جائے تو یہ زیادتی کو مستلزم ہے اور یہ زیادتی تو لازم ہے اور اگر تسلیم نہ کیا جائے تو یہ کفر کو مستلزم ہے پھر اس جملہ کا کیا مطلب ہوگا؟

جواب: اس جملہ **لا ازید علی ھذا شیئا ولا انقص** کے پانچ معانی ہیں۔

① اس کا تعلق تعلیم اور تبلیغ سے ہے یعنی میں دوسروں کو تعلیم دینے اور تبلیغ کرنے میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ قوم کا سفیر، نمائندہ اور بڑا تھا۔ تعلیم اور تبلیغ اس کی ذمہ داری تھی اس ذمہ داری کو کماحقہ نبھانے کے لئے کمی زیادتی کی قسم کے ساتھ نفی کر کے اعتماد دلایا۔

② اس جملے کا تعلق سوال اور عمل سے ہے مطلب یہ ہوگا کہ سوال میں زیادتی نہیں کرونگا اور عمل کرنے میں کمی نہیں کروں گا۔

③ اس جملہ کا تعلق اپنے نفس اور اختیار کے ساتھ ہے۔ کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی و بیشی نہیں کروں گا۔ جس طرح آپ ﷺ نے بتایا اسی طرح محفوظ کروں گا اور ادا کروں گا۔

④ اس جملے کا تعلق محاورہ عرفی کے ساتھ ہے کہ عرف عام میں عموماً کمی اور زیادتی دونوں کو ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ ان میں سے مقصود صرف ایک ہوتا ہے جیسے کوئی مشتری بیع وشراء کے وقت بائع سے کہتا ہے کیا اس کی قیمت میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہوگی۔ حالانکہ یہاں اصل مقصود کمی ہے زیادتی کا ذکر عرف کی وجہ سے ہے۔

⑤ اس جملے کا تعلق اطاعت سے ہے کہ میں ان احکام پر عمل کرنے میں کوئی زیادتی نہیں کروں گا اور یہ کنایہ ہے کمال اطاعت واتباع اور عقیدہ ومحبت سے اس لئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا جذبہ اطاعت دیکھ کر فرمایا کہ اگر کسی آدمی کی تمنا اور آرزو کسی جنتی کو دیکھنے کی ہو تو اس آدمی کو دیکھ لے۔ زبان رسالت سے جنت کی بشارت کوئی معمولی سعادت نہیں بلکہ یہ عظیم بشارت ہے۔

سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ کا سوال اور آپ ﷺ کا جواب

(۱۳/۱۳) وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْئَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۶۵حديث (۶۲-۳۸)۔ والترمذي بلفظ وآخر۴/۵۲۴حديث ۲۴۱۰۔وابن ماجة ۲/۱۳۱۴حديث ۳۹۷۲وأحمد في المسند ۳/۴۱۳۔

ترجمہ: سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول۔ مجھے اسلام کی کوئی ایسی خصلت اور کام بتا دیجئے کہ آپؐ کے بعد مجھے کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو۔ ایک دوسری حدیث میں الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ آپ نے فرمایا زبان اور دل سے سچائی کے ساتھ اس بات کا اقرار کرو کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر اس اقرار پر استقامت اختیار کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ۞ سفیان بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے تکمیل اسلام سے متعلق کوئی ایسا عمل اور کام بتائیں جس پر عمل کرنے سے میرا اسلام مکمل ہو جائے ایسا جامع عمل ہو کہ آپ سے دریافت کرنے کے بعد مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے تو آپ نے اسکو دو کلمے بتائے۔

① دل سے اس بات کا اقرار کرلو کہ میں ان تمام اشیاء پر ایمان لایا جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور جن پر ایمان لانا ایمان باللہ کو مستلزم ہے۔ اس اعتبار سے یہ جملہ تمام احکام شرعیہ اور ایمانیات کو شامل ہے۔

② کہ ایمان باللہ کے اقرار کے بعد اس پر ڈٹ جاؤ اور استقامت سے رہو اور استقامت کا لفظ۔ تمام اوامر کی اطاعت وامتثال اور تمام نواہی اور ممنوعات سے اجتناب کو شامل ہے اس حدیث میں استقامت کا لفظ قرآن کریم کی آیت سے ماخوذ ہے۔

ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا۔ کہ جن لوگوں نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرلیا اور پھر استقامت سے رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ مجھے کوئی وصیت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قل ربی الله ثم استقم۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے کہا: "ربی الله وما توفيقی الا بالله عليه توكلت واليه انيب" آپ بہت خوش ہوئے اور مبارک باد دی۔

یہ حدیث بڑی جامع حدیث ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کے تمام اصول کو شامل ہے۔ مثلاً توحید اور اطاعت۔ توحید حاصل ہے۔ امنت باللہ سے اور اطاعت کی تمام اقسام ثم استقم میں شامل ہیں۔ کیونکہ استقامۃ کہتے ہیں تمام اوامر کی اتباع اور تمام نواہی سے اجتناب کو۔ اس اعتبار سے یہ حدیث افعال قلبیہ اور افعال بدنیہ دونوں کو شامل ہے۔ یعنی ایمان اسلام اور احسان وغیرہ کو۔ کیونکہ اس کی ضد اعوجاج ہے۔ یعنی ٹیڑھاپن اور یہ استقامت کے منافی ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ استقامت ایک ہزار کرامت سے افضل ہے استقامت پر چلنا پل

صراط پر چلنے کے مترادف ہے۔

نجات کا ذریعہ...... چند اعمال

(۱۴/۱۴) وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّاْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَامِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا هُوَ يَسْاَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الزَّكٰوةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ. (متفق عليه)

أخرجه البخاري ١/١٠٦ حديث رقم ٤٦۔ومسلم في صحيحه ١/٤٠ حديث(١١٠٨)۔ورواه أبو داوٗد ١/٣٧٢ حديث رقم ٣٩١ والنسائي في سننه ١/٢٢٦ حديث ٤٥٨۔ومالك في الموطا ١/١٧٥ حديث رقم ٩٤ ورواه الدرامي ١/٤٤٧ حديث ١٥٧٨ وأحمد في مسنده ١/١٦٢۔

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت ہے کہ نجد کا رہنے والا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے خدمت عالیہ میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہم لوگ اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سن رہے تھے لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ آتے آتے آپ ﷺ کے بالکل قریب آ گیا۔ تو اچانک ہم نے سنا تو وہ اسلام کے احکام کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں یہ سن کر اس شخص نے سوال کیا، کیا ان نمازوں کے علاوہ مجھ پر کوئی اور نماز بھی فرض ہے نبی علیہ السلام نے جواب دیا نہیں مگر نفل نماز پڑھنے کا تجھے اختیار ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان المبارک کے روزے تجھ پر فرض ہیں۔ اس شخص نے سوال کیا، کیا رمضان کے روزوں کے علاوہ مجھ پر کوئی اور روزہ فرض ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر نفل روزہ رکھنے کا تجھے اختیار ہے۔ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ اس شخص نے سوال کیا، کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی صدقہ فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ مگر نفلی صدقہ دینے کا تجھے اختیار ہے۔ اس کے بعد وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ اللہ کی قسم میں اس پر نہ زیادتی کروں گا اور نہ ہی اس میں کچھ کمی کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر اس شخص نے سچ کہا ہے تو یہ یقیناً نجات پا گیا اور کامیاب ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

تعارف: ان کی کنیت ابو محمد، نام طلحہ، والد کا نام عبید اللہ ہے اور قبیلہ قریش سے تعلق ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ قریشی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اللہؐ کے ساتھ شریک رہے جنگ بدر کے دن آپ نے ان کو اور حضرت سعید بن زیدؓ کو ابو سفیان کے قافلہ کی جاسوسی کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا گیا تھا۔

غزوہ احد میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور دفاع کا حق ادا کر دیا اور اس موقع پر ۷۴ یا ۷۵ یا ۸۰ زخم کھائے اور ایک انگلی بھی شل ہو گئی اور غزوہ احد ہی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ بشارت بھی سنائی۔ او جب طلحة۔ کہ طلحہ نے اپنے لئے جنت کو

واجب کرلیا۔ پھر ۳۶ھ جنگ جمل میں ۶۴ سال کی عمر میں شہید کردیئے گئے اور بصرہ میں مدفون ہوئے۔

حدیث کا مفہوم: نجد کے رہائشی ایک شخص جن کا نام حضرت ضمام بن ثعلبہؓ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ اپنے قبیلہ بنو سعد بن ابی بکر کی طرف سے نمائندہ اور سفیر بن کر آئے ان کا مقصد اسلام کے فرائض اور احکام کے بارے میں تعلیمات حاصل کرنا تھا، جب وہ آپؐ کے پاس پہنچے تو دور ہی سے بولنا شروع ہو گئے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کی صحیح سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تب حاضرین مجلس کو سمجھ آیا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے فرائض کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے تین فرائض اسلام تعلیم کئے۔

① رات دن میں پانچ نمازیں البتہ نوافل کی اجازت اور اختیار ہے۔

② رمضان المبارک کے روزے، البتہ نفل روزہ کی اجازت اور اختیار ہے۔

③ اپنے مال کی فرض زکوٰۃ ادا کرنا، البتہ نفلی صدقہ کی اجازت اور اختیار ہے۔

حضرت ضمام بن ثعلبہؓ فرائض اسلام کی تعلیم حاصل کر کے یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے اللہ کی قسم میں نہ تو اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ اس میں کچھ کمی کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر یہ شخص سچا ہے اور عزم بالجزم رکھتا ہے تو یقیناً نجات پا گیا اور کامیاب ہو گیا ہے۔

سوال: اس سے پہلے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ایک اعرابی کا ذکر کیا گیا۔ اس نے بھی رسول اللہؐ سے احکام اسلام کے متعلق سوال کیا تھا۔ بظاہر یہ دونوں واقعات مشابہ ہیں کیونکہ سوالات اور مضمون ملتا جلتا ہے۔ کیا یہ دونوں واقعات ایک ہیں یا علیحدہ علیحدہ ہیں؟

اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

① ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہیں رجل اور اعرابی سے مراد ایک ہی آدمی ہے۔ یعنی حضرت ضمام بن ثعلبہؓ۔ یہ حضرات اپنی تائید میں بعض قرائن اور بعض احادیث کے اشارات کو پیش کرتے ہیں۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں پہلا واقعہ حضرت سعد بن حزمؓ کا ہے اور دوسرا واقعہ حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کا ہے اور اس پر تین قرائن ہیں۔

① دونوں حدیثوں کا انداز بیان مختلف ہے۔

② دونوں حدیثوں کا طرز سوالات مختلف ہے۔

③ دونوں حدیثوں کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بشارت کے کلمات مختلف ہیں حضرت سعد والے واقعہ میں جزم کے ساتھ فرمایا کہ یہ جنتی ہے۔ جو جنتی کو دیکھنا چاہتے ہوں اس کو دیکھ لیں اور حضرت ضمام کے واقعہ میں قضیہ شکیہ بولا اور فرمایا: ان صدق۔ الغرض پہلے واقعہ میں بشارت مشروط نہیں اور دوسرے واقعہ میں بشارت مشروط ہے معلوم ہوا کہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں۔

سوال: اس حدیث میں حج کو کیوں ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ دیگر ارکان ثلاثہ کی طرح حج بھی ارکان اسلام میں سے ہے۔

جواب: حج کو یہاں نہ ذکر کرنے کی تین وجوہات ہیں۔

① امکان ہے کہ اس وقت حج فرض نہ ہوا ہو۔ کیونکہ حج کی فرضیت ایک قول کے مطابق ۹ھ کو ہوئی ہے۔

② ممکن ہے کہ سائل غریب آدمی تھا جس پر حج فرض نہیں تھا۔ کیونکہ حج کی فرضیت کے لئے استطاعت اور قدرت میسرہ کا ہونا

ضروری ہے۔اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حج کو ذکر نہیں کیا۔

سوال:اس حدیث میں پانچ نمازوں کا ذکر کیا گیا ہے۔وتروں کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔حالانکہ وتروں کو پڑھنا بھی ضروری ہے۔

جواب:اس حدیث میں وتروں کے ذکر نہ کرنے کی تین وجہ ہیں:

① ہوسکتا ہے کہ اسوقت وتر کا وجوب نہ ہوا ہو۔

② اس حدیث میں اصل مقصود فرائض کا بیان ہے اور وتر فرض نہیں بلکہ واجب ہیں۔

③ اس حدیث میں وتر کو اس لئے ذکر نہیں کیا گیا کہ وتر مستقل نماز نہیں بلکہ نماز عشاء کے تابع ہیں اس لئے تو احادیث میں نمازوں کے پانچ ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔

الاان تطوع:الا۔حرف استثناء ہے ان تطوع مستثنٰی ہے۔پھر استثناء کی دو قسمیں ہیں متصل اور منفصل اور یہاں دونوں قسمیں ہو سکتی ہیں۔اگر مستثنٰی منفصل ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تیرے اوپر فرض نمازیں تو پانچ ہیں اگر نوافل ادا کرنا چاہو تو اختیار ہے۔

اور اگر مستثنٰی متصل ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تیرے اوپر پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز واجب نہیں۔ہاں البتہ اگر نوافل شروع کرے۔تو وہ شروع کرنے کے بعد واجب ہو جائیں گے۔اب ان کی ادائیگی ضروری ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:لاتبطلوا اعمالکم' کہ اپنے عمل کو باطل نہ کرو۔عمل تب ہی بنے گا جب کہ شروع کر دیا جائے اس ثابت ہوا کہ نوافل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتے ہیں۔یہ آیت کریمہ اگرچہ قطعی الدلالت نہیں مگر قطعی الثبوت ضرور ہے اور اس سے وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔

افلح الرجل:الرجل کے شروع میں۔الف لام میں دو احتمال ہیں۔ایک یہ کہ الف و لام عہد خارجی ہے۔اس صورت میں اس کا معہود متعین ہوگا۔یعنی رجل سے مراد حضرت ضمامؓ ہوں گے دوم یہ کہ الف لام جنسی ہے اس صورت میں اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اس طرح کے یقین اور عزم بالجزم کے ساتھ پابندی کا عہد کرے۔

افلح۔یہ مشتق ہے فلاح سے اور فلاح کی دو قسمیں ہیں ایک دنیاوی۔کہ دنیا کی زندگی بھی نصیب ہو اور اسباب زندگی۔مال و منال و متاع اور ضروریات زندگی بھی میسر ہو۔

دوم فلاحِ اُخروی۔وہ یہ کہ نجات حاصل ہو جائے اور یہ جامع لفظ ہے بعض نے اس کا معنی کیا ہے الفائزون بالجنة الناجون من النار اور بعض نے اس کا معنی اس طرح کیا ہے۔کہ ایسی بقاء جو بغیر فناء کے ہو۔ایسی مال داری جو بغیر فقیری کے ہو۔ایسی عزت جو بغیر ذلت کے ہو۔ایسا علم جو بغیر جہالت کے ہو۔

حدیثِ عبدالقیس

(۱۵/۱۵)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِالْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِیَّ ﷺ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ الْقَوْمُ اَوْمَنِ الْوَفْدُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰی قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَّاْتِيَكَ اِلَّا فِی الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَیُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ نُّخْبِرُ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَ نَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَاَلُوْهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاالْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءُ الزَّكٰوةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ

وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ وَقَالَ احْفَظُوهُنَّ وَاَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَ كُمْ. (متفق عليه للفظه للبخاري)

أخرجه البخاري ١/١٢٩ حديث ٥٣ ومسلم في صحيحه ١/٤٧ حديث رقم (٢٤-١٧).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب وفد عبدالقیس رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں یا یوں فرمایا کہ کس قبیلہ کے نمائندے ہیں۔ (گویا راوی کو تردد ہو گیا کہ آپ ﷺ نے یہاں قوم کا لفظ فرمایا یا وفد کا لفظ) ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا خوش آمدید ہو اس قوم یا فرمایا اس وفد کو نہ دنیا میں تمہارے لئے رسوائی ہے اور نہ آخرت میں تمہارے لئے ندامت ہے۔ وفد والوں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا ایک جنگ جو قبیلہ ہے۔ اس لئے ہم آپ کی خدمت عالیہ میں جلدی جلدی حاضر نہیں ہو سکتے۔ صرف حرمت والے مہینوں میں آ سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمیں واضح اور فیصلہ کن احکام کی تعلیم دیدیں۔ جن پر ہم خود بھی عمل کریں اور واپس جا کر اپنی قوم کو بھی بتائیں اور ان پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں پھر ان لوگوں نے نبیذ والے برتنوں کے بارے میں دریافت کیا کہ کون سے برتن قابل استعمال ہیں اور کونسے برتن قابل استعمال نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع کیا۔ ایک تو انہیں اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا اس سے مراد یہ ہے کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود۔ حاجت روا اور کارساز نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ دوم نماز پابندی سے ادا کرنا۔ سوم زکوٰۃ دینا۔ چہارم رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ ان چار باتوں کے علاوہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنے کا حکم دیا اور چار برتنوں کو استعمال کرنے سے منع کیا۔ ایک سبز مرتبان سے دوم کدو کے برتن سے سوم لکڑی کے برتن سے چہارم تارکول لگائے ہوئے گھڑے سے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان باتوں کو اچھی طرح یاد کر لو اور جن لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو ان کو جا کر بتاؤ۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح ❁ یہ حدیث، حدیث عبدالقیس کے نام سے مشہور ہے اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ ہجرت الی المدینہ سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی۔ ان کی والدہ لبابہ بنت حارث تھیں جو زوجہ رسول حضرت میمونہؓ کی بہن ہیں۔ رسول اللہؐ نے ان کے حق میں دعا مانگی تھی۔ اے اللہ ان کو قرآن کی سمجھ عطا کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور آپ رئیس المفسرین کے لقب سے ملقب ہوئے۔ آپ صاحب علم اور فصیح اللسان اور جمیل الصورت اور دراز قد تھے اور آپ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپؓ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں بڑے بڑے صحابہ کرام پر فوقیت اور ترجیح دیتے تھے اور ان کی حکمت اور ہوشمندی کی وجہ سے ان سے مشورہ لیتے تھے۔ آخر عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے۔ ۶۸ھ میں ۷۱ سال کی عمر میں طائف میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

مفہوم حدیث: جب اسلام کی اشاعت حرمین شریفین کی حدود سے خارج ہو کر دیگر علاقوں میں پہنچی تو لوگ مختلف قبائل اور وفود کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ وفود کی آمد کا یہ سلسلہ یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا مصداق تھا اور لوگ بکثرت آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر احکام اسلام اور فرائض اسلام کو سیکھنے لگے اور واپس جا کر اپنے اپنے علاقوں میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنے لگے اور فرائض اسلام کو دور دراز علاقوں تک پھیلانے کا ذریعہ بنے۔ اسی سلسلہ اور جہد مسلسل

کی ایک کڑی وفد عبدالقیس ہے۔ جس کا اس حدیث میں تذکرہ کیا گیا ہے جب لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں آپ نے فرمایا ان لوگوں کا آنا مبارک ہو۔ ان کے لئے کوئی رسوائی ذلت اور ندامت نہیں کیونکہ یہ لوگ برضاء ورغبت مسلمان ہو کر آئے ہیں اور انہوں نے کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ بھی نہیں کی۔ پھر ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ آپ کی خدمت عالیہ میں کچھ دیر کے بعد ہی حاضر ہو سکتے ہیں۔ جلد جلد ہمارا آنا ممکن نہیں کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے لوگ ہیں جو کہ بہت جنگ جو قبیلہ ہے ہمیں ان کے پاس سے گزر کر آنا پڑتا ہے اور ان کے شر سے ہم محفوظ و مامون نہیں صرف حرمت والے مہینوں میں ہم آپ کے پاس آسکتے ہیں کیونکہ ان مہینوں کی حرمت اور احترام کی وجہ سے یہ جنگ کو حرام سمجھتے ہیں ورنہ اس قبیلہ کے بارے میں مشہور تھا کہ جو بھی ان کی آبادی کے پاس سے گزرے ان سے جنگ ضروری ہے۔ آپ ہمیں فرائض اسلام کی تعلیم دیدیں تاکہ ہم خود بھی ان پر عمل کریں اور واپس جا کر اپنی قوم کو بھی بتا دیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں داخل کردے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں چار باتوں کا حکم دیا یعنی:

① اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا۔ یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور سچے رسول ہیں۔

② پابندی سے فرض نماز ادا کرنا۔ ③ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا۔ ④ اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

ان چار باتوں کے علاوہ آپ نے بعد میں یہ حکم بھی دیا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور چار چیزوں سے منع کیا:

① سبز مرتبان اور گھڑے کے استعمال کرنے سے۔ ② کدو کے برتن کو استعمال کرنے سے۔

③ لکڑی کے برتن کو استعمال کرنے سے۔ ④ تارکول لگائے ہوئے گھڑے استعمال کرنے سے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے آخر میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان باتوں کو اچھی طرح یاد کر لو اور ان پر عمل کرو اور اپنی قوم کو بھی جا کر بتاؤ کہ وہ بھی ان پر عمل کریں۔

تعارف عبد القیس: عبدالقیس بحرینؒ کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا اور بحرین اطراف عراق میں سے ہے اور یہ لوگ تاجر پیشہ تھے ان کا ایک تاجر منقذ بن حیان تجارت کے لئے مدینہ منورہ آیا تو اس کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اس سے شرفاء بحرین کے حالات دریافت کئے۔ بالخصوص ان میں سے ایک آدمی منقذ بن عائذ کے حالات پوچھے چونکہ اس کے چہرے پر زخم کا نشان تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس کو اشج کا لقب دیا اسی وجہ سے وہ اشج عبدالقیس کے نام سے مشہور ہوگیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے منقذ بن حیان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہوگیا۔ جب یہ اسلام کے ضروری فرائض اور احکام سیکھ کر اپنے وطن واپس جانے لگا تو آپ ﷺ نے بحرین کے سرداروں کے نام ایک خط لکھ کر اس کو دیا اس نے وہ خط اشج عبدالقیس کے ہاتھ میں دے دیا انہوں نے سب لوگوں کے سامنے خط پڑھ کر سنایا خط سن کر وہ لوگ مسلمان ہوگئے پھر ان کا وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ حاضری لوگوں ۵ھ میں فتح مکہ سے پہلے ہوئی۔ مدینہ منورہ میں پہنچ کر سب نے جلدی جلدی دوڑ دوڑ کر آپ ﷺ کو سلام کیا اور دست بوسی کی۔ مگر اشج عبدالقیس منقذ بن عائذ نے پہلے ساتھیوں کا سامان محفوظ کیا، سواریوں کو باندھا۔ پھر نہا دھو کر جدید لباس زیب تن کر کے انتہائی باوقار ہو کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور دست بوسی کی۔ اس کی شکل وصورت بظاہر اچھی نہیں تھی جب رسول اللہ ﷺ نے تعجب اور حیرانگی سے دیکھا تو اشج عبدالقیس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ انسان کی کھال تو مشکیزہ کی مانند ہے۔ اصل میں انسان تو وہ ہے۔ جو

اپنے دو چھوٹے اعضا کے اعتبار سے انسان ہو یعنی ۔ دل اور زبان آپ ﷺ نے اشج سے کہا کہ تیرے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں اور وہ ہے ۔ حکمت اور حلم اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ دو خصلتیں تخلیقی ہیں یا کسبی آپ ﷺ نے فرمایا تیرے اندر یہ دو خصلتیں پیدائشی ہیں اس پر وہ بہت خوش ہوا اور یہ وہی قبیلہ ہے جن کی مسجد میں مقام جواثی کے اندر مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ پڑھا گیا اور یہ وفد آپ کی خدمت میں دو مرتبہ آیا ایک مرتبہ ۵ ھ میں اس وقت یہ وفد ۱۳ افراد پر مشتمل تھا ۔ دوسری مرتبہ ۸ ھ یا ۹ ھ میں اس وقت یہ وفد ۴۰ افراد پر مشتمل تھا۔

فضیلت وفد عبد القیس: اس وفد کی آمد سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس ابھی ابھی ایک قافلہ آنے والا ہے ۔ جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے ۔ حضرت عمر فاروقؓ ان کو دیکھنے کے لیے انتہائی مسرت سے کھڑے ہوئے ۔ تو انہیں تیرہ افراد پر مشتمل ایک قافلہ آتے ہوئے نظر آیا جب وہ قافلہ قریب آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی بشارت سنائی اور قافلہ کے ساتھ ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے ۔

اسلام وفد عبد القیس: یہ قبیلہ قدیم الاسلام ہے اور اس قبیلہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا سبب یہ ہے کہ اشج عبد القیس کی ایک راہب کے ساتھ دوستی تھی دونوں کی ہر سال ملاقات ہوتی تھی ایک مرتبہ راہب نے ان کو بتایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک نبی ظاہر ہوگا ۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ صدقہ نہیں کھائے گا اور ہدیہ قبول کرے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی اور اس کا دین تمام دینوں پر غالب ہوگا ۔ راہب کے انتقال کے بعد اشج عبد القیس نے اپنے داماد ۔ عمرو بن عبد القیس کو تحقیق کے لئے روانہ کیا ان کو کچھ کپڑے اور کھجوریں دیں تا کہ وہ تاجر کی شکل میں سفر کر سکیں ۔ چنانچہ یہ ایک راہنما کے ساتھ چل پڑے اور ہجرت کے سال مکہ مکرمہ پہنچے ۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور معیار معرفت یعنی علامات نبوت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے پھر آپ ﷺ نے قبیلہ کے سرداروں کے نام بنام احوال دریافت کیے اور اشج عبد القیس کے نام خط بھی لکھ کر دیا ۔ جب یہ اپنے گھر میں پہنچے تو ابتداءً خط بھی چھپایا اور گھر میں چھپ چھپ کر نماز پڑھنے لگے ان کی اہلیہ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اپنے والد کو جا کر صورت حال سے آگاہ کر دیا اشج نے جب پوچھا تو انہوں نے صورت حال اور حقیقت سے روشناس کر دیا چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گئے کچھ روز تک اپنے مسلمان ہونے کو پوشیدہ رکھا ۔ پھر اپنے قبیلہ والوں کے سامنے اعلان کیا تو وہ لوگ بھی فی الفور مسلمان ہو گئے اس کے بعد یہ لوگ وفد کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔

مرحبًا بالقوم: یہ کلمہ اظہار مسرت کے لئے استعمال کیا یعنی کشادہ جگہ میں آئے ہو ۔ یہ کلمہ سب سے پہلے ۔ سیف بن ذی یزن نے استعمال کیا تھا اور یہ یمن کے حمیری بادشاہوں میں سے تھا

وسالوہ عن الاشربۃ: اشربۃ ۔ یہ جمع ہے شراب کی اور شراب مصدر مبنی للمفعول ہے بمعنی مشروب ہے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم تو مشروب کے متعلق سوال کر رہے ہو میں ان مشروبات کے ظروف کو بھی جائز نہیں قرار دیتا یعنی جن برتنوں میں شراب بنانے رکھنے اور پینے پلانے کا عمل ہوا ہو ۔ ان برتنوں کا استعمال بھی جائز نہیں ان برتنوں کا عدم جواز بھی تاکیدی حکم ہے تا کہ شراب سے لوگوں میں مکمل نفرت اور کراہت پیدا ہو جائے ۔ جب صحابہ کرام کے دلوں میں شراب کی نفرت اچھی طرح پیدا ہو گئی ۔ تو بعد میں آپ ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی ۔

سوال: اس حدیث کے اجمال میں ذکر کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا مگر جب تفصیل بتائی تو پانچ چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے: ① ایمان باللہ ② اقامۃ صلوٰۃ ③ ایتاء زکوٰۃ ④ صوم رمضان ⑤ اعطاء خمس ۔ بظاہر اجمال اور تفصیل میں تعارض ہے

کیونکہ اجمال میں امور اربعہ کا ذکر ہے اور تفصیل میں امور خمسہ کا ذکر ہے۔

جواب ①: رسول اللہ ﷺ نے اجمال میں جن چار چیزوں کا وعدہ فرمایا تھا وہ ہیں:

① اقامۃ صلوٰۃ ② ایتاء زکوٰۃ ③ صوم رمضان ④ اعطاء خمس اور شہادتین کا ذکر تو طیہ اور تمہید کے طور پر برکت حاصل کرنے کے لئے ہے کیونکہ یہ لوگ پہلے سے مسلمان تھے۔ ایمان کا تذکرہ صرف حصول تبرک ہی کے لئے ہوسکتا ہے اس کی تائید بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ایک روایت سے ہوتی ہے کہ اس میں شہادتین کا ذکر نہیں باقی چار چیزوں کا ذکر ہے۔

جواب ②: وان تعطوا من المغنم الخمس۔ کا عطف۔ امرھم پر ہے۔ اس صورت میں اجمال میں ذکر کئے گئے امور اربعہ سے مراد: ① ایمان باللہ ② اقامۃ صلوٰۃ ③ ایتاء زکوٰۃ ④ صوم رمضان ہیں اور اعطاء الخمس اس سے مستزاد ہے۔

بیعتِ نبوی ﷺ

(۱۲/۱۶) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَحَوْلَهٗ عِصَابَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَاتَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري ٦٤/١حديث رقم ١٨۔ ومسلم٣/١٣٣٣حديث (٤١)والترمذي ٣٦/٤حديث ١٤٣٩ والنسائي ١٦٠/٧حديث ٤٢٠٥۔واحمدفي المسنده/٣١٤۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حاضرین مجلس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا۔ کہ مجھ سے ان باتوں پر بیعت یعنی مضبوط وعدہ اور اقرار کرلو۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے۔ چوری نہیں کرو گے۔ زنا نہیں کرو گے۔ فقر اور غربت کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے۔ جان بوجھ کر کسی پر الزام تراشی اور بہتان نہیں لگاؤ گے اور مذہب اسلام کے مطابق میں تمہیں جو حکم دوں گا اس کی نافرمانی نہیں کرو گے۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص اس عہد و اقرار کو پورا کرے گا۔ اس کا ثواب اور اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر دنیا میں اس کو اس گناہ کی سزا مل جائے۔ تو یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہو جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کسی گناہ کرنیوالے کی پردہ پوشی کردے۔ اس ستر پوشی کی وجہ سے دنیا میں اس کو سزا نہ ملی۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ چاہے تو اپنے فضل و کرم سے آخرت میں بھی مغفرت کردے اور اگر چاہے تو عذاب دے۔ پس ہم نے ان سب امور پر آپ سے بیعت کرلی۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری ہیں۔ ان کی کنیت ابوالولید ہے اور یہ بیعت لیلہ عقبہ کے شرکاء میں سے ہیں۔ بیعت لیلہ عقبہ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ تینوں میں شریک رہے۔ جنگ بدر اور دیگر تمام غزوات میں بھی شریک رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں ان کو سام کا گورنر بنایا تھا۔ یہ پہلے حمص میں رہے بعد میں فلسطین چلے گئے۔ ان کا انتقال ۷۲ سال کی عمر میں بیت المقدس یا رملہ کے اندر ۳۴ھ میں ہوا۔

مفہوم حدیث: حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ مجھ سے چند امور پر بیعت کرلو اور ان امور پر مضبوطی سے کاربند ہو جاؤ، میرا جو حکم بھی ہوگا وہ نیکی اور خیر خواہی پر مبنی ہوگا۔ وہ دنیا میں تمہارے لئے ہدایت کا باعث ہوگا اور آخرت میں اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا وہ امور یہ ہیں۔

① اللہ کی توحید پر مضبوطی سے قائم رہو گے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات صفات اور افعال میں کسی کو شریک نہیں کرو گے۔ توحید کا اعتقاد اور شرک کی نفی تمام دیگر عقائد اور اعمال کے لئے اساس اور بنیاد ہے۔

② کسی عورت کے ساتھ زنا نہیں کرو گے۔ اس سے حق اللہ اور حق العباد دونوں متعلق ہیں اور بدکاری سے دونوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔

③ اپنی اولاد کو فقر اور غربت کے خوف سے اور عار کے ڈر اور ندامت سے قتل نہیں کرو گے۔ اس لئے کہ سب کا رازق اللہ ہے۔

④ کسی پر جان بوجھ کر الزام اور بہتان نہیں لگاؤ گے۔ بہتان کہتے ہیں کہ کسی انسان پر ایسا عیب لگانا اور ایسا گناہ اس کی طرف منسوب کرنا جو اس میں موجود نہ ہو۔ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

⑤ اور میں تمہیں شریعت مطہرہ کے مطابق جو بھی حکم دوں اس پر اسی طرح عمل کرو گے جس طرح میں حکم دوں اس بارے میں میری نافرمانی ہرگز نہیں کرو گے۔ ① جس نے ان باتوں پر عمل کر لیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ اس کا اجر اور ثواب لازم ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ آخرت میں انعامات سے نوازے گا اور اگر کسی شخص نے ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا اور اس کو دنیا میں اس گناہ کی سزا مل گئی۔ یعنی حد اور تعزیر وغیرہ اس پر جاری کر دی گئی۔ مثلاً اگر اس سے سرقہ کا ارتکاب ہوا تو حد سرقہ جاری کر دی گئی کہ ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ یا زنا کا ارتکاب ہوا۔ تو حد زنا جاری کر دی گئی۔ علی ھذا القیاس تو یہ سزا اس گناہ کے لئے کفارہ ہو جائے گی اور اگر کسی شخص نے ان مذکورہ گناہوں میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ستار العیوب ہونے کی وجہ سے اس کے گناہوں پر پردہ ڈالا اور پردہ پوشی کی اور اس جرم کی دنیاوی سزا اس کو نہ ملی۔ تو اب وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے اگر چاہے تو اپنے فضل اور کرم سے اس کو آخرت میں بھی درگزر کرتے ہوئے معاف کر دے اور چاہے تو اس کو آخرت میں سزا دے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ وعظ اور نصیحت سننے کے بعد ہم نے ان سب امور پر شرط کے مطابق بیعت کر لی۔ کہ ہم ان گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے۔

حقیقت بیعت: بیعت کی حقیقت اور ماہیت یہ ہے کہ انسان اپنی جان مال کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کرنے کا مضبوط عہد اور اقرار کرے کہ میری جان اور مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق خرچ ہوگا۔

ولاتقتلوا اولادکم: اولاد کو قتل نہ کرنے کی بیعت اس لئے لی گئی کہ عرب میں زمانہ جاہلیت کے اندر اولاد کو قتل کرنے کا عام رواج تھا۔ اس دور میں لوگ دو وجہ سے اولاد کو قتل کرتے تھے ایک تو فقر و فاقہ کی وجہ سے کہ مفلس اور فقیر ہونے کی وجہ سے وہ اولاد کے خرچ کا بوجھ برداشت کرنے سے عاجز ہوتے تھے جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولا تقتلوا اولادکم من املاق دوم بعض لوگ فقر و فاقہ کے خوف سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔

کہ اگرچہ ہم فی الحال تو خوش حال ہیں لیکن زمانہ استقبال میں اولاد بڑھنے سے اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے ہم فقیر ہو جائیں گے جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق۔ کہ تم لوگ آئندہ فقر کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور دونوں قسم کے لوگوں کو تسلی اور اعتماد دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نحن نرزقکم وایاھم۔ کہ ہم تمہیں بھی اور آئندہ

تمہاری اولاد کو بھی رزق دیں گے۔ نحن نرزقهم و ایاکم ۔ کہ ہم ان کو بھی رزق دینگے اور تمہیں بھی رزق دیں گے۔

اور لڑکیوں کو قتل کرنے کی مذکورہ دو وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس بات میں بڑی عار اور ندامت محسوس کرتے تھے کہ جب یہ لڑکی بڑی ہو جائے گی۔ تو دوسرے مرد کے ساتھ چلی جائے گی اور وہ اس سے کیوں کر جنسی تعلقات قائم کریگا۔ یہ زمانہ جاہلیت کی ناحق حماقت اور حمیت تھی جس کی وجہ سے وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اسلام نے خواتین پر عظیم احسان کیا کہ اس رسم بد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا۔

ولا تاتوا ببهتان: بہتان سے مراد وہ الزام اور جھوٹ ہے جو سننے والے کو حیرانگی میں ڈال دے اور اس جملہ میں ہاتھ اور پاؤں کا ذکر اس لئے کیا کہ عموماً بڑے بڑے کام انہی سے رونما ہوتے ہیں۔ تو گویا تسمیۃ الشی باسم الجزء کے قبیل سے ہے۔ مراد اس سے انسان کی ذات ہے اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ آمنے سامنے کسی پر بہتان لگانا۔ اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ شدید اور باعث فساد ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے جب غیبت کا ذکر کیا۔ تو آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر اس آدمی میں وہ عیب موجود ہو اور اس کو علی وجہ الغیب ذکر کیا جائے تو یہ بھی غیبت ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہی تو غیبت ہے ورنہ تو بہتان ہوگا اور بہتان غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے۔

ولا تعصوا فی معروف: اور نیکی کے کاموں میں میری نافرمانی نہ کرو۔ یہاں معروف کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے کیونکہ کسی نبی اور رسول کا کوئی قول فعل غیر معروف نہیں ہوتا اور اس جملہ میں معروف کی قید تعمیم بعد التخصیص ہے کہ پہلے خاص خاص چیزوں کو ذکر کیا گیا اس کے بعد معروف عام کو ذکر کیا گیا اس قید میں تمام مامورات آ گئے۔ رسالت پر ایمان اور احکام شرعیہ کی اطاعت کا التزام بھی اسی میں شامل ہے معروف سے مراد ہر وہ کام ہے کہ جس کا حسن شریعت سے معلوم ہو اور اس کے مقابلہ میں منکر سے مراد وہ کام ہے جس کا قبح شریعت سے معلوم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسن اور قبح کا دارومدار انسان کی خواہشات نفسانیہ پر نہیں۔

فهو کفارة له: یعنی جو شخص ان مذکورہ گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے اور پھر دنیا میں اس کو اس کی سزا مل جائے تو یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حدود کفارہ میں یا زاجر ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدود زاجر ہیں نہ کہ کفارہ یعنی یہ دنیاوی سزا ہے تا کہ معاشرہ میں امن و امان اور نظم و نسق قائم رہے اور آخرت میں اسکی سزا ہوگی۔ ہاں البتہ اگر ساتھ سچی توبہ ہو جائے تو پھر سزا کفارہ بھی ہوگی اور زجر بھی ہوگی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود کفارہ ہیں یعنی دنیا میں جس آدمی پر حد جاری ہوگی آخرت میں اس کو سزا نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ دنیاوی سزا کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہو گیا۔

حضور ﷺ کی خواتین کو نصائح

(۱۷/۱۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ اَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِیْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَیْسَ شَهَادَةُ الْمَرْاَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا قَالَ اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِیْنِهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري فی صحيحه ۱/۴۰۵ حديث رقم ۳۰۴ ومسلم ۱/۸۶ حديث (۱۳۲. ۷۹) والترمذی عن أبی هريرة ۵/۱۱ حديث رقم ۲۶۱۳ وابن ماجة عن ابن عمر ۲/۱۳۲۶ حديث ۴۰۰۳

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کی نماز کیلئے عید گاہ کی طرف تشریف لائے۔ تو آپ ﷺ عورتوں کی ایک جماعت کے پاس گئے جو کہ نماز کے لئے الگ ایک کونہ میں جمع تھیں۔ ان عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے خواتین کی جماعت تم صدقہ اور خیرات کرو کیونکہ میں نے تم میں سے اکثر کو جہنم میں دیکھا ہے۔ یہ بات سن کر عورتوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اس کا سبب کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لعن وطعن بہت کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی نافرمانی اور ناشکری کرتی رہتی ہو اور میں نے باوجود عقل اور دین کی کمزوری کے، محتاط اور ہوشیار آدمی کو بیوقوف بنانے میں تم سے بڑھ کر اور کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ بات سن کر ان عورتوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہماری عقل اور دین میں کیا نقصان ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ایک خاتون کی شہادت مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس کی عقل کی کمزوری ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہے کہ جس وقت عورت حیض کی حالت میں ہوتی ہے۔ تو اس دوران نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس کے دین کی کمی اور کمزوری ہے (متفق علیہ)

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدریؓ ہیں آپ کی کنیت ابوسعید اور نام سعد ہے والد کا نام مالک ہے انصار کے قبیلہ بنو خدرہ سے تعلق ہے اس اعتبار سے آپ خدری ہے نام ونسب اور نسبت اس طرح ہوگی ابوسعید سعد بن مالک خدری انصاری اور آپ مکثرین صحابہ کرام میں سے ہیں اور آپ کا ۸۴ سال کی عمر میں ۶۴ھ میں مدینہ منورہ میں بروز جمعۃ المبارک انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کیے گیے۔

مفہوم حدیث: ابتداء اسلام میں خواتین اسلام بھی مردوں کے ساتھ مسجد اور عید گاہ میں نماز میں شرکت کرتی تھیں۔ اس حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کا ہے کہ جب مرد حضرات نماز عید کیلئے عید گاہ میں جمع ہوئے تو عورتیں بھی اپنی روش کے مطابق عید گاہ کے ایک کونہ میں جمع ہو گئیں بعد مسافت کی وجہ سے ان تک وعظ ونصیحت کی آواز کو پہنچانا مشکل تھا۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے گئے تا کہ انکو وعظ ونصیحت کی جائے اور احکام شرعیہ کی تعلیم دی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے خاص مرض اور عیب کی نشان دہی فرمائی تا کہ ان کی آخرت تباہ و برباد نہ ہو۔ کہ اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب اتفاقاً دو یا اس سے زائد عورتیں مل بیٹھیں تو خاموش رہنا ان کے لئے انتہائی متعذر رہتا ہے اور بولتے رہنا ان کی طبیعت ثانیہ اور مجبوری ہوتی ہے اور بولنا بھی کام کا نہیں ہوتا۔ بلکہ موضوع سخن اکثر۔ غیبت، لعن وطعن اور دنیا کے خیر وشر کو بیان کرنا ہوتا ہے ان کا زیادہ تر وقت فضولیات، بکواسات اور خرافات میں گزر جاتا ہے اور عورتوں کے نقائص میں سے ایک بڑا نقص یہ بھی ہے کہ خاوند کی ناشکری اور نافرمانی ان کی عادت مستمرہ ہے اگر چہ خاوند ان کی آسائش۔ راحت وآرام اور سکون کے لئے کتنی ہی مشقت اور سختی برداشت کر کے اور کتنے بھی پاپڑ بیل کر ان کے لئے ضروریات زندگی مہیا کرنے اور ان کو خوش اور راضی رکھنے کے لئے کتنی مصیبتیں جھیلے۔ ان کی زبان سے شوہر کے حق میں کلمہ شکر کا سرزد ہونا مشکل بلکہ محال ہے اور ان کے ارکان و جوارح سے اطاعت ناممکن ہے۔ یقیناً یہ عادت عورتوں کے ایک بہت بڑے عیب کی غمازی کرتی ہے اور یہ ان کے حق میں آخرت کی تباہی اور عذاب کو مستلزم ہے۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے ان کے اس عیب کی نشاندہی کی اور فرمایا کہ یہ جرائم دوزخ میں لے جانے کا سبب ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جہنم میں عورتیں مردوں کے مقابلے زیادہ ہوں گی اس وجہ سے آپ ﷺ نے خواتین اسلام کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تا کہ صدقہ کرنے کی برکت اور اثر سے ان جرائم میں کمی

آئے اوراس بیماری کا زوال ہوتا ہے اوراللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہواورتمہارے گناہوں ۔معصیات اور ناشکری کی مغفرت ہواور اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے جہنم سے بچاؤاور جنت میں داخلہ ہوجائے۔

خرج رسول الله ﷺ فی اضحی اوفطر الی المصلی : کہ رسول اللہ ﷺ عید بقرہ یا عید فطر میں عید گاہ کی طرف نکلے اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے دور میں عید کی نماز مسجد میں نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بلکہ مسجد سے باہر کھلے میدان اور عید گاہ میں پڑھی جاتی تھی اور یہی سنت متوارثہ ہے۔ بلاضرورت مسجد میں عید کی نماز پڑھنا خلاف سنت ہے۔ یہ مسلمانوں کا سالانہ اجتماع ہے، کھلے میدان میں ہونا چاہیے تاکہ اسلام کی شان وشوکت اور مسلمانوں کا رعب ظاہر ہوجائے لیکن موجودہ دور میں بڑے شہروں میں اتنی کثیر تعداد میں لوگوں کا اجتماع مشکل ہے اوراختلاف عقائد بھی شومی قسمت سے اس قدر مستحکم ہے کہ لوگوں کا اجتماع ایک عید گاہ میں محال کے مترادف ہے۔

مرعلی النساء: کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کے ایک کنارے میں عورتوں کے اجتماع کے پاس سے گزرے اوران کو آپ ﷺ نے خصوصی وعظ اور نصیحت فرمائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو اس زمانے میں مردوں کے ساتھ مسجد اور عید گاہ وغیرہ میں نماز کی اجازت تھی اور یہ اجازت بھی مطلقاً نہ تھی۔ بلکہ یہ اجازت بھی چند پابندیوں کے ساتھ مقید تھی حالانکہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا اور وحی کے نزول کا زمانہ تھا اور حرم مدینہ تھا صحابہ کرام کی پاک اور منتخب من اللہ جماعت تھی جس کا ذکر توراۃ اور انجیل میں بھی کیا گیا تھا اور صاحب قرآن' صاحب نبوت ورسالت رسول اللہ ﷺ بذات خود موجود تھے۔ بعد میں رفتہ رفتہ حالات میں فساد اور بگاڑ شروع ہوگیا۔ تو عورتوں پر اجتماع عام میں عملاً پابندی عائد ہوگئی کیونکہ ایسے اجتماعات میں ان کی حاضری اتنی ضروری نہیں جتنا کہ اس کے مفاسد سے بچاؤ ضروری ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے دور کی خواتین کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ آج اگر رسول اللہ ﷺ موجود ہوتے اور عورتوں کے ان حالات کو دیکھ لیتے تو عورتوں کے مساجد میں آنے پر پابندی لگادیتے۔ اگر آج ہمارا دور دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ اچھی طرح غور وفکر کرلو۔

تصدقن: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ صدقہ گناہوں کے لئے کفارہ بنتا ہے اور صدقہ اللہ کی رضا، رحمت اور برکت کا ذریعہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے صدقہ کیا کرو۔ کیونکہ صدقہ آفات مصائب اور حوادثات وبلیات کو رد کردیتا ہے ایک دوسرا ارشاد ہے کہ صدقہ کیا کرو کیونکہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو ٹھنڈا کردیتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرکے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اگرچہ کھجور کے دانے کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہو۔ اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ہر آدمی اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا۔ یعنی صدقہ سے آسائش، راحت، آرام اور سکون میسر ہوگا۔

اس لئے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور جہنم کی آگ سے بچنے کا طریقہ بتادیا۔ تاکہ مایوسی اور پریشانی نہ ہو۔ چونکہ عورتوں کا جہنم کی آگ میں زیادہ اور کثرت سے جانا حب دنیا کی وجہ سے تھا۔ اس لئے اس کے مناسب علاج کرتے ہوئے صدقہ کرنے کا حکم صادر فرمایا تاکہ دنیا کی محبت کا ازالہ ہوجائے اور بخل کی خصلت کا قلع قمع ہوجائے۔

تکثرن اللعن: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے جہنم میں جانے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ تم لعنت زیادہ کرتی ہو۔ لعنت کرنے کے سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ تعیین کے ساتھ کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں' جب تک کہ جس پر لعنت کی جارہی ہے اس کے کفر اور ضلالت پر مرجانے کا یقین نہ ہو۔ جیسے ابوجہل ابولہب اور فرعون وغیرہ کیونکہ اگر کوئی کسی پر تعیین کے ساتھ لعنت بھیجتا ہے تو اس کی دوصورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ خبر دیتا ہے کہ فلاں آدمی لعنتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کردیا ہے۔ یہ بھی

درست نہیں کیونکہ یہ علم غیب کے دعویٰ کو مستلزم ہے۔ جو کہ شرک ہے اور بہت بڑا ظلم اور جرم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ فلاں شخص کو لعنتی کہہ کر بد دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو اپنی رحمت سے دور کردے۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ بخل اور حسد کو مستلزم ہے جو کہ کبیرہ گناہ ہے۔

سوال: اس حدیث میں عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ناقص العقل کہا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالمشاہدۃ ثابت ہے کہ بعض عورتیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ سمجھ دار ہوتی ہیں اور عقلمند ہوتی ہیں اور بعض عورتیں حکومت بھی کرتی ہیں۔

جواب: اگر ایک ہی دور میں، ایک ہی تعلیم اور ایک ہی وطن اور ایک ہی خاندان کے مردوں اور عورتوں میں تقابل کیا جائے تو عورت ہر اعتبار سے ہر معاملہ کی استعداد اور صلاحیت کے اندر مرد کے مقابلہ میں نصف ہوتی ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی دیہاتی مرد کا شہری عورت کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ ان کے درمیان فرق تو ہوگا۔ کیونکہ شہری خاتون جو کہ تعلیم یافتہ ہو، ماڈرن ہو، وہ اپنی عیاری، ہوشیاری مکاری اور دغابازی میں یقیناً دیہاتی مرد کے مقابلے میں فائق ہوگی۔

اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ عورتوں میں عقل اور دین کا نقصان اور کمزوری عورتوں کی تحقیر کے لئے نہیں ہے بلکہ اللہ کی قدرت کے تفاوت کے اظہار کے لئے ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان فطری طور پر جسمانی اور طبعی اطوار میں نمایاں فرق ہے اور یہ فطری تفاوت ضروری ہے اس کے بغیر نوع انسانی کے نظام معاشرت اور نظم ونسق میں اعتدال نہیں رہ سکتا۔ الغرض مرد اور عورت میں مذکورہ حدیث کے اندر بیان کردہ تفاوت اور اختلاف ایک دوسرے پر اظہار فوقیت اور برتری کے لئے نہیں بلکہ زندگی اور نظام معاشرت میں اعتدال برقرار رکھنے کے لئے ہے۔

سوال: اس حدیث میں نقصان دین کا سبب حیض کو بیان کیا گیا ہے حالانکہ حیض غیر اختیاری ہے۔ عورت کے کسب اور اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ پھر اس کو نقصان دین کے لئے سبب کیوں ٹھہرایا گیا؟ یہ تو من جانب اللہ عورت کو عارض اور لاحق ہے۔

جواب: عورت کے نقصان دین کا سبب حیض کو قرار دینے سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ عورت کو قصوروار ٹھہرایا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو دین کا حصہ اتنا ہی دیا ہے۔ بلکہ اس سے عورت کے تخلیقی حصہ کی نشاندہی کی گئی ہے اس سے مقصود امر واقعی اور نفس الامری کو بتلانا ہے اور اس حدیث میں نقصان عقل کا ایک لطیف اشارہ موجود ہے وہ اس طرح کہ عورتوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ کی بیان کردہ ترتیب کو انہوں نے تبدیل کردیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیان میں نقصان عقل پہلے ذکر کیا تھا اور نقصان دین کو بعد میں۔ کیونکہ احکام تکلیفیہ کا دارومدار عقل پر ہے اور عورتوں نے جواب میں نقصان عقل کو مؤخر کردیا اور نقصان دین کو مقدم کردیا دین کے اہتمام کی وجہ سے۔

انسان اللہ کو کیسے جھٹلاتا ہے؟

(۱۸/۱۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَكْذِيْبُهٗ اِيَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ يُّعِيْدَنِیْ كَمَا بَدَاَنِیْ وَلَيْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِيَّایَ فَقَوْلُهٗ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا...... وَاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِّیْ كُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِيَّایَ فَقَوْلُهٗ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۸/۷۳۹ حديث رقم ۴۹۷۴ والنسائی فی سننه ۴/۱۲ حديث رقم ۲۰۷۸ وأحمد فی مسنده۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدم کا بیٹا مجھے جھٹلاتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں اور میرے بارے میں فحش گوئی کرتا اور گالی دیتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے مناسب نہیں اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دنیا میں پہلی بار پیدا کیا ہے اس طرح آخرت میں مجھے دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلے میں مشکل نہیں ہے (بلکہ تقاضا عقل کے مطابق آسان ہے) اور اس کا میرے بارے میں فحش گوئی کرنے اور گالی دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے حالانکہ میں اکیلا ہوں اور بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا ہے اور نہ ہی میرا کوئی ہمسر ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے اور انسان کا مجھ کو گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو اپنا بیٹا یا بیوی بناؤں۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث میں منکرین قیامت کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد پھر اعادہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے پہلی مرتبہ پیدا کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا دونوں برابر ہیں حالانکہ تقاضا عقل تو یہ ہے کہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل اور دوبارہ پیدا کرنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ نمونہ قائم ہو جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے لئے پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل نہیں تو دوبارہ پیدا کرنا بطریق اولیٰ مشکل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اس کیلئے تو سب کچھ آسان ہے۔ اس حدیث میں لیس اول الخلق کی تعبیر لوگوں کی سمجھ کے اعتبار سے اختیار کی گئی ہے۔ کیونکہ لوگوں کے نزدیک پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے اور دوبارہ پیدا کرنا آسان ہوتا ہے۔

حدیث قدسی: مذکورہ حدیث، حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی وہ ہوتی ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہ کی طرف نسبت کر کے یوں فرمائیں قال اللہ تعالیٰ۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حدیث قدسی کا معنی اور مضمون آسمانی ہوتا ہے اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور دیگر احادیث میں معنی من جانب اللہ ہوتا ہے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں اور نسبت بھی آپ کی طرف ہوتی ہے۔ بخلاف قرآن کے کہ قرآن کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ قرآن کو وحی متلو کہا جاتا ہے اور حدیث کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

مضمون حدیث: اس حدیث میں ابن آدم کی طرف دو گناہوں کی نسبت کی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدم کی اولاد یعنی انسان میری تکذیب کرتا ہے یعنی مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ میری تکذیب کرے۔ تکذیب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعث بعد الموت ہوگا۔ ایک مرتبہ اللہ نے پیدا کیا پھر دنیاوی وجود دیکر زندگی عطاء کی۔ پھر موت آئے گی۔ پھر قیامت قائم ہونے تک انسان عالم برزخ میں رہے گا۔ جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ دوبارہ مردوں کو زندہ کریگا، حشر ونشر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور الہامی کتابوں کے ذریعہ سے ہر دور میں خبر دی ہے کہ قیامت کے دن تمام مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔ اس حدیث میں اسی حشر ونشر کے انکار کو تکذیب قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر اور وقوع قیامت کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ بار بار بیان کیا ہے۔ کہ قیامت کا ہونا برحق ہے اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ جب انسان حشر ونشر کا انکار کرتا ہے تو لازماً اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ابن آدم کا قول: لن یعیدنی کہ اللہ مجھے زندہ نہیں کرے گا۔ یا زندہ نہیں کر سکتا۔ یا اس طرح کے جسم کے ساتھ زندہ نہیں کرے گا یہ سب صورتیں کفر کو مستلزم ہیں۔ اس کی تردید کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلے میں کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اھون۔ صیغہ اسم تفضیل انسان کے اعتبار سے اور محض سمجھانے کے لئے ہے۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے

ہر گز نہیں وہ قادر مطلق ہے کسی چیز کو پیدا کرنا اس کے لئے پہلی مرتبہ مشکل ہے نہ دوسری مرتبہ۔

دوسری چیز ذکر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم یعنی انسان نے مجھے گالی دی، فحش گوئی کی اور الزام لگایا کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے جیسے نصاریٰ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں یہود نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا اور جنوں کی سردار زادیوں کو اللہ کی بیوی قرار دیا اس کو اس حدیث میں گالی، فحش گوئی اور بہتان لگانا قرار دیا گیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ماننا یہ احتیاج کو مستلزم ہے۔ کیونکہ توالد و تناسل کی طرف محتاج وہ ہوتا ہے جو نوع اور نسل کی بقاء اور مال جمع کرنے کا محتاج ہو اور یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا یقیناً اللہ کی شان میں گالی اور گستاخی کو مستلزم ہے اس کی تردید کی گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، بے نیاز ہے، سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ پھر اس ذات کی طرف اولاد کی نسبت یقیناً گالی۔ فحش گوئی۔ الزام تراشی بہتان اور گستاخی کو مستلزم ہے۔

زمانے کو برا بھلا کہنا جائز نہیں

(۱۹/۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ یُؤْذِیْنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدَیَّ الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ. (متفق علیه)

أخرجه البخاری ۸/۵۷٤ حدیث رقم ٤۸۲٦ ومسلم٤/۱۷٦۲ حدیث(۲۲٤٦-۲) وأبوداؤد ٥/٥۲۳ حدیث رقم ٥۲۷٤ وأحمد فی المسند ۲/۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھے اولاد آدم یعنی انسان تکلیف دیتا ہے وہ اس طرح کہ وہ زمانے کو برا کہتا ہے۔ حالانکہ زمانہ تو کچھ نہیں وہ تو میں ہی ہوں کیونکہ سب تصرفات میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ رات اور دن کی گردش بھی میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ✿ عام لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ اپنی بداعمالی کی وجہ سے مصائب اور آلام کی گردش میں پھنس جاتے ہیں۔ تو وہ اس سب کچھ کو زمانے کی طرف منسوب کر کے خود کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ بہت برا وقت ہے، بڑا خراب زمانہ ہے، یہ انتہائی غلط اور گناہ کی بات ہے، کیونکہ متصرف اور مختار تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں رات اور دن کی گردش، کمی اور زیادتی ہے لیل و نہار کے اختلاف ہی کا نام دھر ہے۔ زمانے کو برا کہنا۔ اللہ کو برا کہنے کے مترادف ہے اور اگر کوئی زمانے کو متصرف سمجھ کر طعن کرتا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیوں کہ متصرف تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نہ کہ زمانہ گویا انسان متصرف کو برا کہتا ہے اور متصرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

سوال: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے یو ذینی ابن آدم کہ آدم کا بیٹا مجھے اذیت دیتا ہے اذیت تکلیف کو کہتے ہیں اللہ کو اذیت دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یوذینی اس کے دو معانی ہیں۔ ایک یہ کہ اذیت کہتے ہیں قول اور فعل کے ساتھ کوئی مکروہ چیز کسی کی طرف منسوب کرنا چاہے وہ اس میں مؤثر ہو یا نہ ہو اور یہاں کنایۃً اذیت سے مراد اللہ کی ناراضگی ہے دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کے افعال کے انفعال سے منزہ ہے لہٰذا یہاں کنایۃً ایذاء کا معاملہ مراد ہے۔ نہ کہ حقیقی اذیت۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اذیت اور تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

سوال: انا الدھر۔ میں انا ضمیر مبتداء ہے اور مراد اس سے اللہ کی ذات ہے الدھر خبر ہے اور محمول کا ثبوت ہوتا ہے موضوع کے لئے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ دھر کا نام ہے۔اس سے تو دھریہ کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔وہ اللہ کے وجود کے منکر ہیں اور دھر کو متصرف فی الامور سمجھتے ہیں۔

جواب: الدھر مضاف الیہ ہے اس کا مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت ہوگی۔انا خالق الدھر۔کہ زمانے کا خالق میں ہوں۔زمانے کو برا کہنا اس کے فاعل کو برا کہنا ہے۔یا اس کا مضاف مقدر ہوگا۔انا مقلب الدھر والمتصرف فیه۔کہ شب و روز کی گردش میرے اختیار اور تصرف میں ہے اور اس پر قرینہ۔اقلب اللیل والنھار کا جملہ ہے۔

صبرِ خداوندی

(۲۰/۲۰) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَسْمَعُهٗ مِنَ اللّٰهِ یَدْعُوْنَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْهِمْ وَیَرْزُقُهُمْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری ۵۱۱/۱حدیث ۶۰۹۹۔ومسلم فی صحیحه ۲۱۶۰/۴حدیث (۴۹-۲۸۰۴)وأحمد فی المسند ۴۰۱/۴۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تکلیف دینے والے کلمات سن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی زیادہ صبر اور بردباری والا نہیں۔لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ اس پر بھی ان کو عافیت سے نوازتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے۔ (بخاری۔مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے صبر اور تحمل کو بیان کیا گیا ہے۔کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ تکلیف اور اذیت کا معاملہ کرتے ہیں کہ اللہ کی طرف ان اشیاء کی نسبت کرتے ہیں جو اللہ کی شان کے لائق نہیں مثلاً اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا۔نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔مشرکین عرب نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ تو الد و تناسل کے سلسلہ سے پاک ہے۔کیونکہ یہ اللہ کی شان میں گستاخی ہے اللہ کے لئے اولاد کو ثابت کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے اگر اللہ کے غضب کی آگ بھڑک اٹھے تو اس جہاں کے تمام نظام کو زیروزبر کر کے رکھ دے پوری کائنات کو ایک لمحہ میں نیست و نابود کر کے رکھ دے مگر اس کے باوجود اللہ کے صبر و تحمل کو دیکھو کہ وہ قادر مطلق ہونے کے باوجود کوئی انتقام نہیں لیتا کسی کا رزق بند نہیں کرتا کسی کے آمدن کے ذرائع اور وسائل کو ختم نہیں کرتا۔جس طرح اللہ کے نیک اور اطاعت شعار بندے اس کے لطف و کرم سے بہرہ ور ہو رہے ہیں اسی طرح مشرک اور اللہ کے لئے اولاد کا دعویٰ کرنے والے بھی اس کے فضل و کرم کے سایہ میں پرورش پا رہے ہیں باوجود اس کے کہ وہ اللہ کی شان میں انتہاء درجہ کی گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔اللہ ان سے عافیت کا معاملہ کرتا ہے اور ان کو رزق فراہم کرتا ہے۔

سوال: اس حدیث میں صبر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور یہ جائز نہیں۔کیونکہ صبر کا معنی ہے۔چاہت والی اشیاء سے اپنے نفس کو روکنا۔اس معنی کے اعتبار سے صبر کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر درست نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو کوئی انسان اپنے قول اور فعل کے ساتھ اذیت تکلیف اور نقصان پہنچا سکتا ہے۔

جواب: صبر کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے تو یہ درحقیقت کنایہ ہوتا ہے تاخیر عذاب سے کہ اللہ تعالیٰ عذاب کے مستحق سے عذاب کو مؤخر کر دیتا ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ کو انسان کے قول فعل سے کوئی اذیت ہوتی ہے اور وہ برداشت کرتا ہے اصل میں انسانی قلب و عقل کو زجر و تنبیہ کرنا مقصود ہے۔کہ جب اللہ کی مخلوق اور اس کے فضل و کرم کے خزانہ سے فائدہ حاصل

کرنے والے لوگ اس کے ساتھ ایذاء اور تکلیف کا معاملہ کرتے ہیں اس کے احکام کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور اس کی شان میں اولاد کا دعویٰ کر کے گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر بھی دیکھو وہ معاف کرتا ہے اور روزی دیتا ہے اور عذاب کو مؤخر کرتا ہے۔

بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق

(۲۱/۲۱) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦/٥٨حدیث ٢٨٥٦ومسلم فی صحیحه ١/٥٨حدیث (٤٨۔٣٠)والترمذی ٥/٢٦ حدیث رقم٢٦٤٣۔ وابن ماجة فی سننه ٢/١٤٣٥حدیث٤٢٩٦۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر کے دوران سواری کے گدھے پر میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کجاوے کی پچھلی لکڑی حائل تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پوچھا۔ اے معاذ جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا حق کیا ہے؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کیا ہو اس کو عذاب نہ دے۔ آپ ﷺ کا ارشاد سن کر میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول کیا یہ بشارت لوگوں کو سنا دوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو یہ بشارت نہ سناؤ۔ کیونکہ لوگ اسی پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دینگے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ❁ اس حدیث کے راوی حضرت معاذ ہیں ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن یا ابو عبداللہ ہے نام معاذ ہے۔ والد کا نام جبل ہے آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو خزرج سے ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے ابو عبداللہ یا ابو عبدالرحمٰن معاذ بن جبل انصاری خزرجی۔ ان کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے اور بیعت لیلۃ عقبہ ثالثہ کے شرکاء میں سے ہیں۔ تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ ﷺ نے ان کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اور رسول اللہ ﷺ نے چند قدم ان کی سواری کے ساتھ چل کر روانہ کیا ۳۸ سال کی عمر میں ۱۸ ھ میں وفات پائی۔

مضمون حدیث: حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی گدھے پر سوار تھا اور ہمارے درمیان صرف کجاوے کی لکڑی حائل تھی۔ یعنی میں حضور ﷺ کے اتنا قریب تھا آپ ﷺ کبھی کبھی گدھے پر سواری کرتے تھے تواضع اور انکساری کے لئے آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا۔ کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے۔ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں یعنی بت پرستی اور ریا کاری نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر بطور فضل اور کرم کے یہ ہے کہ۔ جب انسان اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اس کو اللہ عذاب نہیں دے گا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو انسان صرف اللہ کی عبادت کرے اور شرک کا مرتکب نہ ہو تو اس پر جہنم کی آگ مطلقاً حرام ہوگی اگرچہ وہ کتنا ہی فاسق فاجر اور بدکار رہو۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کی طرح ان کے لئے دائمی اور ہمیشہ

کے لئے عذاب نہیں ہوگا اور نہ ان کے لئے خلود فی النار ہوگا۔ بلکہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کے بقدر سزا پانے کے بعد بالآخر جنت کا داخلہ نصیب ہو جائے گا۔

سوال: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت معاذؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بشارت سنانے کی اجازت طلب کی اور آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے ممانعت کے باوجود آخر میں اس کو کیوں بیان کیا؟

جواب: حضرت معاذ بن جبلؓ نے آخر میں یہ بشارت سنادی اس کی تین وجوہات ہیں:

① شروع میں لوگوں کی حالت کے پیش نظر اس بشارت کو سنانے سے منع کیا تھا تا کہ لوگ اعمال کو بجالانے میں کوتاہی اور غفلت نہ کریں لیکن جب احکام تفصیلیہ آنے کے بعد لوگ راسخ العمل ہو گئے اور اعمال کو ترک کرنے کا وہم ختم ہو گیا تو حضرت معاذؓ نے اس علمی امانت کو امت کے حوالے کر دیا اور بری الذمہ ہو گئے۔

② ابتداء میں ممانعت تھی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے۔ بلغوا عني ولو آية۔ کا حکم صادر فرمایا تو عوام کو بتانے کی عام اجازت ہوئی اور ممانعت کا نسخ ہو گیا۔

③ حضرت معاذؓ نے یہ بشارت اپنے انتقال کے وقت بتائی تا کہ علم چھپانے کی وعید شدید سے بچ جائیں۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ آئندہ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مخفی رکھنے کا حکم دائمی اور ابدی نہیں تھا بلکہ وقتی اور عارضی تھا۔

جہنم سے بچاؤ کا آسان راستہ

(۲۲/۲۲) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَامِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۱/۲۲۶ حديث ۱۲۸ ومسلم ۱/۶۱ حديث (۵۳۔۳۲)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر حضرت معاذ بن جبلؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا۔ اے معاذ۔ انہوں نے جواباً عرض کیا اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں اور اطاعت کے لئے تیار ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے معاذ۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں اور اطاعت کے لئے تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا۔ اے معاذ۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں اور اطاعت کے لئے تیار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ اسطرح خطاب کرنے کے بعد حضرت معاذؓ کو فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ صدق دل سے اس بات کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود مشکل کشا اور حاجت روا نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت معاذؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا میں یہ بشارت لوگوں کو سنا دوں۔ تا کہ لوگ اس بشارت کو سن کر خوش ہو جائیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں لوگ اسی پر اعتماد کر لیں گے اور اعمال چھوڑ دیں گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بالآخر حضرت معاذؓ نے اس ڈر سے کہ حدیث کو مخفی رکھنے کا گناہ نہ ہو اپنی وفات کے وقت اس حدیث کو بیان کر دیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران سفر حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سواری پر تھے اور آپ ﷺ نے تین مرتبہ حضرت معاذؓ کو خطاب کیا اور بار بار مخاطب کرنے کی وجہ یہ تھی تا کہ مضمون کی اہمیت اور قدر و منزلت اچھی طرح ان کے دل میں ود ماغ میں راسخ ہو جائے اور انہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ جس چیز کے لئے مجھے خطاب کیا جا رہا ہے وہ معمولی نہیں۔ کہ اس کو لاپرواہی کے ساتھ سن لیا جائے بلکہ اس کی اہمیت اور منزلت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے انتہائی توجہ اور انہماک سے سن لیا جائے اور دل کی گہرائیوں سے سمجھ لیا جائے۔

اس خطاب مکرر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے معاذؓ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا صدق دل سے اقرار کر لیا اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جائے گی۔ مگر یہ یاد رہے کہ محض اقرار مجرد کافی نہیں ہوگا بلکہ اس اقرار اور شہادت کے ساتھ ساتھ اس کے جملہ تقاضے پورے کیے جائیں شریعت مطہرہ پر چلتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت اور اتباع کی جائے اور توحید ورسالت کے اقرار اور تصدیق سے جو اسلامی احکام اور فرائض عائد ہوتے ہیں ان پر مکمل عمل کیا جائے۔ جب اس امر کو کماحقہ عمل میں لایا جائے گا تو اللہ اپنے فضل و کرم سے جہنم کی آگ سے بچا لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت معاذؓ نے اس خوشخبری کو آگے لوگوں تک پہنچانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر ممانعت کر دی کہ اے معاذؓ یہ بشارت لوگوں کو نہ سناؤ ورنہ لوگ اسی پر بھروسہ کر لیں گے اور اسلامی احکام اور فرائض پر عمل کرنا چھوڑ دینگے اور اسلامی احکام کا ترک اور ان سے اعراض دوزخ کے عذاب کو مستلزم ہے۔ یا اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ توحید ورسالت کا اقرار کرنے والوں کو وہ عذاب نہیں دیا جائے گا جو عذاب کہ کفار اور مشرکین کو دیا جائے گا وہ اس طرح کہ کفار اور مشرکین کو دائمی عذاب جہنم ہوگا اور توحید ورسالت کی تصدیق کرنے والوں کو دائمی عذاب نہیں ہو سکتا بلکہ اگر گناہ گار ہوں گے تو گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

نجات کا آسان راستہ

(۲۴/۲۳) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَعَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُهٗ وَقَدِ اسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَامِنْ عَبْدٍ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ وَكَانَ اَبُوْ ذَرٍّ اِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ. (متفق علیه)

البخاری فی صحیحه ۱۰/۲۸۳ حدیث رقم ۵۸۲۷۔ مسلم فی صحیحه ۱/۹۵ حدیث رقم(۱۵۴۔۹۴) وأحمد فی المسند ۵/۱۶۶۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ ایک سفید رنگ کا کپڑا اوڑھے سو رہے تھے۔ (میں واپس لوٹ آیا)۔ کچھ دیر کے بعد دوبارہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ جس آدمی نے سچے دل سے لا الہ الا اللہ پڑھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کی صدق دل سے تصدیق کی اور اسی عقیدہ پر اس کی وفات ہوئی تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔ اگر چہ اس آدمی نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اگر چہ اس نے چوری اور زنا کے جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ میں نے پھر تعجب سے دوبارہ سوال کیا۔ اگر چہ

اس نے چوری اور بدکاری جیسے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ میں نے پھر تیسری مرتبہ حیرت سے عرض کیا۔ اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو۔ (بات یہی ہے) اگر چہ ابوذرؓ کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔
راوی کہتے ہیں جب بھی حضرت ابوذرؓ اس حدیث کو بیان کرتے تھے۔ تو فخر کے طور پر یہ آخری فقرہ (وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ) "اگر چہ ابوذر (ؓ) کو کتنا ہی ناگوار گزرے" ضرور نقل کرتے تھے۔ (بخاری۔ مسلم)

تشریح اس حدیث کے راوی حضرت ابوذرؓ ہیں۔ ابوذر ان کی کنیت ہے، اصل نام جندب ہے والد کا نام جنادہ ہے اور قبیلہ بنو غفار سے تعلق ہے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے ابوذرؓ جندب بن جنادہ غفاری۔ آپ مکہ مکرمہ میں ابتداء اسلام میں پانچویں نمبر پر مسلمان ہوئے۔ یہ نہایت ہی متقی، زاہد اور پرہیز گار تھے۔ یہ مال کو ضرورت سے زائد جمع کرنے کے قائل نہیں تھے۔ مال جمع کرنے والے پر ناراض ہوتے تھے اور اس کو لاٹھی سے مارتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے خاندان میں رہے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ غزوہ احزاب کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں ان کی سختی کی وجہ سے انہیں مقام ربذہ میں جانے کا حکم دیدیا تھا اور یہ وہاں چلے گئے اور وہیں ۳۲ھ میں انتقال ہوا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مضمون حدیث: حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق اور اعتراف کرلیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریگا اگر چہ وہ بدکاری اور چوری جیسے کبائر کا مرتکب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی بعید نہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو جنت میں داخل کردے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے کہ شرک کے علاوہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ جس کے لئے معاف کردے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ مرتے وقت اس کا دل تصدیق قلبی توحید و رسالت کی شہادت اور نور ایمان سے منور ہو۔ محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان کی وجہ سے اگر چہ مغفرت اور بخشش ضرور ہوگی اور ابدی اور ہمیشہ کی نجات سے نوازا جائے گا۔ مگر دنیا میں جن کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے پہلے ان کی سزا ملے گی۔
چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو اسی لئے تعجب اور حیرانگی ہو رہی تھی کہ صرف توحید و رسالت کے اقرار اور تصدیق کی وجہ سے ضرور جنت میں داخل کردیا جائے گا۔ اگر چہ اس نے احکام شرعیہ کی اتباع اور امتثال نہ کیا ہو اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب رہا ہو۔ اسی حیرت کی وجہ سے وہ بار بار سوال کر رہے تھے کہ صرف توحید و رسالت کے اقرار کی وجہ سے جنت میں داخل کردیا جائے گا اگر چہ اس نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہو۔ مگر نگاہ نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بحر بیکراں میں مستغرق تھی کہ بڑے بڑے نافرمان اور بدکار انسان، جنہوں نے اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی میں گزاری اور احکام شرعیہ سے دور رہے۔ لیکن جب انہوں نے آخر میں ندامت اور شرمندگی محسوس کی اور صدق دل سے توبہ کرلی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت کی وجہ سے ان کو سچی توبہ، انابت، ندامت، ایمان اور یقین کی وجہ سے معاف کردیا مغفرت اور بخشش کا دریا بہا دیا اور ہمیشہ کے لئے اپنے سایہ عطوفت میں لے لیا۔
فائدہ: اس حدیث سے معتزلہ اور خوارج کے مذہب کی تردید ہوجاتی ہے وہ اس طرح کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے خارج ہوجاتا ہے یا نہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے خارج نہیں ہوتا جبکہ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اگر چہ معتزلہ منزلۃ بین منزلتین کے قائل ہیں۔ مگر یہ خروج عن الاسلام کو مستلزم ہے۔ اس حدیث میں۔ وان زنی وان سرق کی تصریح اور مکرر وضاحت سے ثابت ہوگیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے

خارج نہیں ہوتا وہ بدستور مؤمن ہوتا ہے زنا اور چوری دونوں کبائر میں سے ہیں اور ان کے مرتکب کو مؤمن کہا گیا ہے اور خلود فی الجنة کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

نجات کے بنیادی اصول

(۲۴/۲۴) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَابْنُ اَمَتِهٖ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ. (متفق عليه)

أخرجه البخاري ٦/٤٧٤حديث رقم ٣٤٣٥۔ومسلم ١/٥٧حديث (٤٦۔٢٨)وأخرجه أحمد في المسنده/٣١٤۔ وأخرجه النسائي "في اليوم والليلة ص ٦٠٣حديث ١١٣٠۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو انسان (تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کے ساتھ) اس بات کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اسی بات کی بھی شہادت دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور اللہ کی بندی حضرت مریم صدیقہ کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی طرف ڈالا تھا اور اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی روح ہیں اور اس بات کی بھی شہادت دے کہ جنت اور جہنم دونوں برحق ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو جنت میں ضرور داخل کریگا چاہے اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے اور یہی اس کا ماحصل مضمون ہے کہ انسان کی ابدالآباد کی دائمی نجات اور کامیابی کے لئے عقائد کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ عقیدہ کی کمزوری اور فساد کے ساتھ معافی اور نجات محال ہے۔ البتہ اگر اعمال میں کوئی کمی اور کوتاہی ہو جائے تو اللہ کے فضل و کرم اور رحمت سے بخشش ہو سکتی ہے ایمان کی بنیاد عقیدہ توحید کی تصدیق اور اعتراف پر ہے۔ اسی لئے اس کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ اللہ کی توحید الوہیت اور ربوبیت پر صدق دل سے ایمان لایا جائے۔

اس کے بعد عقیدہ رسالت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی رسالت پر ایمان لانا اور یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ذکر ایک فائدہ کے پیش نظر کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود تفریط اور نصاریٰ افراط کے شکار تھے۔ عیسائیوں کے ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ ہیں ان کے اس باطل عقیدہ کی تردید اور ابطال کرتے ہوئے کہا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام، ابن اللہ نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور سچے رسول ہیں۔ اللہ کی بندی حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ بھی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے خلاف قانون کلمہ کن کے ساتھ پیدا کیا ہے اور آپ کو روح اللہ، اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور مٹی سے پرندے بنا کر ان میں اللہ کے حکم سے جان ڈال کر اڑا دیتے تھے۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ کے اندر اللہ کا حلول ہے اور اللہ کی روح شامل ہے۔

عقیدہ توحید و رسالت کے بعد آخرت کا تصور اور قیامت کے وقوع کا عقیدہ ہے۔ کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں کائنات کا موجودہ نظام درہم برہم اور نیست و نابود ہو جائے گا اور نفخہ ثانیہ کے بعد تمام مردوں کو زندہ کیا جائے گا اور حساب و کتاب ہوگا۔ نیک لوگوں کا ٹھکانہ جنت ہے اور برے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اس سے ثابت ہوا کہ جنت اور دوزخ دونوں برحق ہیں۔ یہ اسلام کے بنیادی

عقائد ہیں جن کی تصدیق اور اعتراف ضروری ہے اس کے بغیر نجات محال ہے۔ ان عقائد کو تسلیم کرتے ہوئے اگر اعمال میں کوتاہی بھی ہو جائے تو اللہ کے فضل و کرم سے جب اس کی رحمت کا دریا جوش میں آئے گا تو مغفرت اور ابدی نجات ہو جائے گی اور اگر ان عقائد کی تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کے ساتھ ساتھ۔ اعمال صالحہ بھی بھرپور کئے اور کبائر کا مرتکب نہیں ہوا تو اس کو جنت کا دخول اولی نصیب ہو جائے گا۔ ورنہ سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخلہ ہوگا۔

اسلام تمام گناہ مٹا ڈالتا ہے

(۲۵/۲۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقُلْتُ اُبْسُطْ یَمِیْنَكَ فَلِاُبَایِعَكَ فَبَسَطَ یَمِیْنَهٗ فَقَبَضْتُ یَدِیْ فَقَالَ مَالَكَ یَاعَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ اَنْ یُّغْفَرَلِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ یَهْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْحَدِیْثَانِ الْمَرْوِیَّانِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْكِ وَالْاٰخَرُ الْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ سَنَذْکُرُهُمَا فِیْ بَابِ الرِّیَاءِ وَالْکِبْرِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم ۱/۱۱۲ حدیث رقم (۱۹۲-۱۲۱) وأخرجه أحمد فی المسند ۴/۲۰۵۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں مسلمان ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ ﷺ سے بیعت اسلام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک آگے بڑھا دیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آپ ﷺ نے تعجب سے فرمایا عمرو یہ کیا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے اس سے پہلے والے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اسلام سے پہلے کئے تھے۔ (اسلام لانے سے حق اللہ اور حق العبد دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔ ہاں البتہ حق العبد کا مطالبہ باقی رہتا ہے) اور ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلے کئے اور حج ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو حج سے پہلے کیئے (ہجرت اور حج سے حق اللہ معاف ہوتا ہے نہ کہ حق العبد)۔ (مسلم)

تشریح: حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت کردہ دونوں حدیثیں: قال اللہ تعالٰی انا اغنی الشر کا ء ...... اور الکبریاء ردائی ...... ریا اور کبر کے باب میں نقل کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ۔ یعنی صاحب مصابیح نے یہ دونوں حدیثیں کتاب الایمان میں روایت کی ہیں اور ہم نے یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا ان کو آگے باب الریاء اور باب الکبر میں ذکر کریں گے۔ پہلی حدیث کی ابتداء قال اللہ ...... سے ہے اور دوسری حدیث کی ابتداء الکبر ء ردائی ...... سے ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عمرو بن العاص ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ یا ابومحمد ہے نام عمرو ہے باپ کا نام عاص ہے اور قبیلہ قریش سے تعلق ہے سلسلہ نام و نسب و نسبت اس طرح ہوگا ابوعبداللہ یا ابومحمد عمرو بن العاص قریشی۔ آپ کا شمار اجلہ صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ ہجرت الی المدینہ سے پانچ سال پہلے مسلمان ہوئے اور تمام جنگوں میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں آپ کی قیادت میں مصر فتح ہوا اور آپ فاتح مصر کے لقب سے ملقب ہوئے اور اپنی زندگی کے آخر تک مصر کے حاکم اور گورنر رہے اور آپ کا انتقال ۴۲ھ یا ۴۳ میں نوے (۹۰) سال کی عمر میں ہوا۔

مضمون حدیث: حضرت عمرو بن العاصؓ بیعت اسلام کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اپنا ہاتھ مبارک بڑھایئے میں آپ کے دست اطہر پر مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں فرمایا۔ کیا شرط لگانا چاہتے ہو۔ تو حضرت عمروؓ نے عرض کیا کہ میرے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرو تم تو عقلمند ہو شیار اور جہان دیدہ سمجھ دار آدمی ہو۔ کیا تم پر یہ بات مخفی ہے جو کسی صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسلام، ہجرت اور حج سے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں کہ اسلام کی روشنی سابقہ تمام سیئات کفر اور شرک کے اندھیروں کو مٹا دیتی ہے اور کلمہ توحید کی برکت سے انسان کا دل و دماغ تمام کدورات سے صاف اور اجلا ہو جاتا ہے۔ کفر و شرک اور معصیت اور دیگر کبائر وغیرہ کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ لیکن یاد رہے کہ اس سے حقوق العباد کی معافی نہیں ہوگی۔ مثلاً قرض عاریت بیع و شراء وغیرہ بلکہ ایسے حقوق تو اسلام کی وجہ سے مزید مستحکم الاداء ہو جاتے ہیں اور جن جرائم کی معافی اور بخشش کی بشارت ہے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ مثلاً زنا۔ سرقہ۔ قتل اور قطع الطریق وغیرہ ان جیسے گناہوں کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اسلام کی دولت سے مستفیض ہونے کے علاوہ حدیث میں ہجرت اور حج یہ دو عمل ایسے بتادیئے اگر ان کو تمام شرائط کی رعایت کرتے ہوئے پورا کیا جائے تو یہ بھی جرائم کے لئے مغفرت اور کفارہ بن جائیں گے۔

گناہوں کی معافی کا قانون: اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اسلام قبول کرنے سے تمام صغائر اور کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ البتہ ہجرت اور حج کے متعلق اختلاف ہے کہ ان سے صغائر اور کبائر دونوں معاف ہوتے ہیں یا نہ۔ بعض علماء کے نزدیک ہجرت اور حج سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں کبائر کے لئے توبہ شرط ہے اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو وہ محض توبہ سے معاف نہیں ہوگا جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے۔

علامہ طیبیؒ اور علامہ قسطلانی وغیرہ کے نزدیک ہجرت اور حج سے صغائر اور کبائر دونوں معاف ہوں گے۔ اس حدیث کا سیاق و سباق، اسلوب کلام اور فصاحت و بلاغت کے اصولوں کو دیکھا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اشیاء ثلاثہ، اسلام، ہجرت اور حج کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہونے میں مساوات ہے اور یہی قول بچند وجوہ راجح ہے۔

① حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے یہ شرط لگائی کہ میرے تمام گناہ بخش دیئے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے ہجرت اور حج کا بھی ذکر کیا۔ کہ بیعت اسلام کا مقام بھی اپنا ہے، میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ گناہوں کی معافی کی خصوصیات تو ہجرت اور حج میں بھی پائی جاتی ہیں۔

② اس حدیث میں یھدم۔ کا صیغہ تکرار کے ساتھ مستقلاً ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اسلوب خود اس بات کی دلیل اور قرینہ ہے کہ جس طرح بیعت اسلام سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسی طرح ہجرت اور حج سے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

③ اس حدیث میں اشیاء ثلاثہ یعنی اسلام ہجرت اور حج کو عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کمال مناسبت ہوتی ہے اور یہاں مناسبت سے مراد اشیاء ثلاثہ کے درمیان مساوات فی الحکم ہے کہ جو حکم معطوف علیہ یعنی اسلام کا ہے وہی حکم معطوف یعنی ہجرت اور حج کا ہے کہ جس طرح اسلام سے تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح ہجرت اور حج سے بھی تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں چاہے صغائر ہوں یا کبائر۔

الفصل الثانی:

جنت میں لے جانے والے اعمال

(۲۶/۲۶)عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ يُّدْخِلُنِی الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَاَلْتَ عَنْ اَمْرٍ عَظِيْمٍ وَاِنَّهٗ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَبْوَا بِ الْخَيْرِ الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَآءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا (تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ)حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَ لَا اَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْاَمْرِ وَعَمُوْدِهٖ وَذِرْوَةِ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلَاةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمِلَا كِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَانَبِیَّ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ وَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْعَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّاحَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ.

(رواه احمدو الترمذی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی ۵/ ۱۳حدیث رقم ۲۶۱۶۔ وابن ماجة فی سننه ۲/ ۱۳۱۴حدیث رقم ۳۹۷۳وأحمد فی مسنده ۵/ ۲۳۱۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔اے اللہ کے رسول مجھے کوئی ایسا عمل بتادیں۔کہ جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے ایک عظیم الشان چیز کے متعلق سوال کیا۔لیکن جس پر اللہ تعالیٰ آسان کردے اس کے لئے بہت آسان ہے۔پھر آپ ﷺ نے چند امور بتائے ① اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ② اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو ③ نماز پابندی سے ادا کرو ④ زکوٰۃ ادا کرو ⑤ رمضان المبارک کے روزے رکھو ⑥ بیت اللہ کا حج کرو۔پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے معاذ کیا تمہاری خیر و بھلائی کے دروازوں تک راہنمائی نہ کروں۔تو سنو روزہ ایک ایسی ڈھال ہے جو گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچاتی ہے اور اللہ کے راستہ میں صدقہ کرنا اور مال خرچ کرنا گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور اسی طرح مؤمن جب وسط رات میں تہجد کی نماز پڑھتا ہے تو گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔پھر آپ ﷺ نے سورۂ سجدہ کی پوری آیت تلاوت کی جس میں تہجد کی نماز پڑھنے والوں اور رات میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کی فضلیت بیان کی گئی ہے اور آیت کا ترجمہ اس طرح ہے اور مؤمنین صالحین کے پہلو بوقت رات بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہم نے جو مال دیا ہے اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں کوئی نفس نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کیسے کیسے آنکھوں کی ٹھنڈک کے اسباب چھپا رکھے ہیں یہ ان کے اعمال صالحہ کا بدلہ اور صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تمہیں دین کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتادوں۔میں نے عرض کیا ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ ضرور بتایئے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا دین کا سر اسلام ہے۔اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا

تمہیں ان تمام امور کی اصل اور جڑ نہ بتادوں؟ میں نے کہا ہاں۔ اے اللہ کے نبی ضرور بتادیجئے۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو بند رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کیا ہم اپنی زبان سے جو بھی لفظ نکالتے ہیں اس پر ہماری گرفت اور پکڑ ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ تمہاری ماں تمہیں گم کر دے اچھی طرح جان لو کہ لوگوں کو ان کے منہ کے بل یا پیشانی کے بل جہنم میں گرانے والی اسی زبان کی بری باتیں ہوں گی۔ (اس کو روایت کیا ہے احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے)۔

تشریح ❁ اس حدیث میں دین اسلام کا نقشہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ نفسیاتی انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ دین کو ایک جسم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کہ جس طرح جسم کے لئے ایک سر ہوتا ہے جس پر اس جسم کے وجود کا دارومدار ہوتا ہے اگر سر کو اس جسم سے الگ کر دیا جائے تو اس جسم کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح دین کے لئے عقیدۂ توحید و رسالت سر کی طرح ہے۔ اگر توحید و رسالت کا عقیدہ نہ ہو تو دین کا وجود باقی نہیں رہے گا۔

اور جس طرح کسی جسم کو کار آمد بنانے کے لئے ستون کا ہونا ضروری ہے اسی طرح دین کا ستون نماز ہے اور نماز ہی ایک ایسی مہتم بالشان چیز ہے جو دین اسلام کے وجود کو قائم رکھتی ہے اگر نماز نہ ہو تو دین اپنی اصلی ہیئت اور حالت پر برقرار نہیں رہ سکتا۔

اور جس طرح کسی جسم کو محترم و معظم اور قدر و منزلت والا بنانے کے لئے اور اس کی شان و شوکت کو نمایاں کرنے کے لئے کسی منفرد اور ممتاز خصوصی صفت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح دین اسلام کے لئے خصوصی اور امتیازی صفت جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کی وجہ سے اسلام کا رعب اور شان و شوکت دوبالا ہوتی ہے۔

اور دین اسلام کے اندر دینی فساد اور بگاڑ اور خرابی سے حفاظت کے لئے اور دین کی عظمت شان کو نقصان سے بچانے کے لئے یہ ھدایت دی گئی ہے کہ نقصان اور فساد کی اصل اور جڑ یعنی زبان کو کنٹرول میں رکھنا۔ دین و دنیا کی کامرانی اور نجات کا دارومدار اسی پر ہے ورنہ دین و دنیا کی ہلاکت اور فساد لازم ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھا جائے ایسے الفاظ کا تلفظ ہرگز نہ کیا جائے جو مضر ہوں مثلاً کلمہ کفر، شرک، تمسخر، تکبر، فحش گوئی، سب و شتم، بدکلامی، غیبت، کذب الزام تراشی اور بہتان لگانا، طعن و تشنیع، کلمہ فسق و فجور، معصیت۔ اگر انسان اپنی زبان کی حفاظت کرلے تو یہ سعادت مندی اور خوش نصیبی ہے جب زبان سے کلمہ خیر، وعظ و نصیحت کا کلام سرزد ہو تو یہ انسان کی عظمت شان اور برتری کا باعث ہے۔

تکمیلِ ایمان

(۲۷/۲۷) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِیْمَانَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ مَعَ تَقْدِیْمٍ وَتَاْخِیْرٍ وَفِیْهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِیْمَانَهٗ. (ترمذی)

أخرجه أبو داوٗد في سننه ۵/۶۰ حديث رقم ۴۶۸۱۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے دشمنی رکھے اور اللہ ہی کے لیے خرچ کرے اور اللہ ہی کے لئے خرچ نہ کرے اپنے مال کو روک لے۔ یقیناً اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا۔ اس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی

نے اس روایت کو حضرت معاذ بن انسؓ سے الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ کے بجائے فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهٗ کے الفاظ ہیں کہ اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

مضمون حدیث: اس حدیث میں تکمیل ایمان کے لئے چار اعمال کو بیان کیا گیا ہے۔

① اگر کسی سے محبت کرے تو صرف رضاء الٰہی کے حصول کے لئے کرے۔ ظاہر ہے کہ صلحاء اور اولیاء اللہ سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ لہٰذا مؤمن آدمی اس شخص سے محبت کریگا جو نیک ہو اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت شعار ہو اور مخلص مؤمن ہو۔

② اگر کسی سے عداوت، دشمنی اور بغض و نفرت رکھے تو یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو۔ کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان اور سرکش ہو وہ یقیناً عداوت اور نفرت ہی کے قابل ہے۔

③ اور اپنا مال اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرے اس میں کوئی دنیاوی غرض اور مفاد پیش نظر نہ ہو۔ جب اللہ کے بیان کردہ مصارف اور طریقہ کے مطابق خرچ کریگا تو یقیناً اس سے مقصود اللہ کی رضا ہی ہوگی۔

④ گناہ، معصیت اور فسق فجور کے کاموں میں اپنا مال خرچ نہ کرے اور جو امور گناہ کو مستلزم ہوں وہاں خرچ کرنے سے مکمل اجتناب اور احتراز کرے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ مالی تعاون نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوں۔ اس حدیث میں ان امور اربعہ کو تکمیل ایمان کا ذریعہ اور سبب قرار دیا گیا ہے۔

اور ان چار چیزوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ یہ امور اربعہ نفس کے مرغوبات اور لذائذ ہیں۔ اس لئے ان میں اخلاص اور للّٰہیت پیدا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ جب کوئی آدمی ان کے اندر اخلاص پیدا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو دیگر اشیاء میں بطریق اولیٰ مخلص ہوگا اور ان اشیاء اربعہ کا تعلق کیفیات قلبیہ سے ہے جب دل درست اور ٹھیک ہو جائے گا تمام نظام درست ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ جب کوئی انسان اپنے تمام احساسات جذبات حرکات و سکنات، خیالات و تصورات کے خدو خال اتصال و انفصال کے تمام تعلقات اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے تابع کر دیگا تو یہی کامل ایمان ہے۔

محض اللہ عز و جل کی خوشنودی کی خاطر محبت و نفرت رکھنا

(۲۸/۲۸) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ. (رواہ ابوداؤد)

اخرجہ ابوداؤد فی سننہ ۵/۶ حدیث رقم ۴۵۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال باطنیہ میں سے سب سے بہتر اور افضل عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے کسی سے محبت کی جائے اور اللہ ہی کیلئے کسی سے بغض اور دشمنی رکھی جائے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دو چیزوں کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے ① اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے کسی سے محبت کی جائے۔ اس میں کوئی غرض، مفاد اور خواہشات شہوانیہ کا دخل نہ ہو ② اور اللہ ہی کی رضا اور خوشنودی کیلئے کسی سے عداوت اور دشمنی کی جائے۔ انکے افضل الاعمال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق انسان کے باطن سے ہے ریاء کاری کا کوئی احتمال نہیں اور باطن کا حال صرف اللہ ہی جانتا ہے جب انسان کا جذبہ اور خیال اس قدر صاف اور پاکیزہ ہوگا تو انسان کو اس نور سے قدم بقدم راہنمائی حاصل ہوتی رہے گی اور یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ ایسا انسان معصیت اور فسق و فجور سے احتراز کرتا رہے گا اور پسندیدہ افعال اور اعمال صالحہ کرتا رہے گا۔

مسلمان کون؟

(۲۹/۲۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَآئِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ بِرِوَایَةِ فَضَالَةَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَایَا وَالذُّنُوْبَ.

الترمذی فی الجامع الصحیح ٥/١٨ حدیث ٢٦٢٧۔ والنسائی ٨/١٠٥ حدیث رقم ٤٩٩٦ عن ابن عمر۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کامل اور پختہ مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان کی تکلیف سے مسلمان محفوظ و مأمون رہیں اور کامل مؤمن وہ ہے کہ جس سے لوگ اپنی جانوں اور اموال کو محفوظ سمجھیں۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے امام ترمذی اور امام نسائی نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت فضالہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اور کامل مجاہد وہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور کامل مہاجر وہ ہے کہ جس نے تمام چھوٹے اور بڑے گناہوں کو چھوڑ دیا۔

تشریح ۞ بیہقی شریف کی روایت کے راوی حضرت فضالہ ہیں۔ ان سے مراد فضالہ بن عبید انصاری اوسی ہیں یہ سب سے پہلے جنگ احد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد تمام جنگوں میں شریک رہے اور ٦ھ میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت رضوان میں شریک تھے بعد میں یہ ملک شام میں چلے گئے اور دمشق میں قیام پذیر رہے اور ۵۳ھ میں حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں دمشق میں وفات پائی۔

مضمونِ حدیث: اس حدیث میں مسلم، مؤمن، مجاہد اور مہاجر کی باعتبار مبدأ اور ماخذ اشتقاق کے تعریفات کی گئی ہیں۔

① المسلم۔ اس کے شروع میں الف لام برائے کمال ہے اور مسلم کا مبدأ اشتقاق سلامتی ہے معنی یہ ہوگا کہ کامل اعلیٰ پکا اور سچا مسلمان وہ ہے جو کہ سلامتی کی صفت کے ساتھ متصف ہو۔ اس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچے جس میں سلامتی نہ ہو، اس پر مسلم کا اطلاق مبدأ اشتقاق مفقود ہونے کی وجہ سے صادق نہیں ہوگا۔

② المؤمن۔ اس کے شروع میں بھی الف لام برائے کمال ہے اور مؤمن کا مبدأ اشتقاق امن ہے معنی یہ ہوگا کہ کامل اعلیٰ، پکا اور سچا مؤمن وہ ہے کہ جو امن کی صفت کے ساتھ متصف ہو۔ کہ جس کا وجود مخلوق کے لئے راحت اور سکون کا ذریعہ ہو۔ لوگوں کو اس کی دیانت، صداقت، عدالت، اخلاق عالیہ اور امانت پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہو۔ نہ کسی کو اس کے بارے میں یہ خوف ہو کہ ہمارا مال ہڑپ کر جائے گا اور نہ ہی کسی کو اپنی جان اور عزت کے نقصان کا اندیشہ ہو۔ کسی کو اس سے کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو۔

③ المجاهد۔ اس کے شروع میں بھی الف لام برائے کمال ہے اور مجاہد کا مبدأ اشتقاق جہد ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ کامل اعلیٰ پکا اور سچا مجاہد وہ ہے جو کہ اپنے نفس امارہ سے جہاد کرے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کو تیار ہو۔ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضاء جوئی کے لئے تمام خواہشات کو پامال کردے اور جہاد کا لفظ جب مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد قتال ہوتا ہے جہاد کی لغوی تعریف اور تحقیق پر زور دیکر قتال الکفار سے راہ فرار درست نہیں ہوگا۔

④ المهاجر۔ اس کے شروع میں بھی الف لام برائے کمال ہے اور مہاجر کا مبدأ اشتقاق ہجر یعنی ترک کرنا ہے معنی یہ ہوگا کہ کامل، اعلیٰ، پکا اور سچا مہاجر وہ ہے کہ جو تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے وہ کیسا مہاجر ہے جس میں ترك عن الخطایا والذنوب کا مبدأ اشتقاق نہ ہو۔

امانت اور وعدہ کی اہمیت

(۳۰/۳۰)وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ٤/٧٨حديث ٤٣٥٤۔وأحمد في المسند ٣/١٥٤۔

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے شاذ و نادر ہی کوئی خطبہ دیا ہوگا جس میں یوں نہ فرمایا ہو کہ جس آدمی میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی نہیں اور جس میں وعدے کو پورا کرنا نہیں اس کا دین بھی نہیں۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دیانت، امانت اور ایفاء عہد جیسے اعلیٰ اوصاف کا ذکر ہے کہ ایک آدمی کے لیے بحیثیت مسلمان ہونے کے ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونا ضروری ہے۔ اس کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی خطبہ دیا کرتے تھے۔ تو امانت دیانت اور ایفاء عہد کے بارے میں ضرور تاکیدی حکم دیا کرتے تھے۔ کہ مؤمن کے اندر اوصاف کا ارتسام بہت ضروری ہے اور پھر اس کی زندگی میں اس کے جوہری تقاضوں کے ثمرات منتج ہونے چاہئیں۔ اس لئے فرمایا کہ جو ان اوصاف عالیہ سے عاری ہے وہ یقیناً دین اور ایمان کی حقیقی لذت اور حلاوت سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ اس حدیث سے ان اوصاف کی اہمیت عظمت اور قدر و منزلت کی طرف ضرور اشارہ ہے ایمان کی نفی مبالغۃً توبیخ اور تشدید پر محمول ہے جنس ایمان کی نفی مراد نہیں۔

الفصل الثالث:

جہنم کی آگ کس پر حرام ہے؟

(۳۱/۳۱)عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٧حديث (٤٧۔٢٩)۔والترمذي ٥/٢٣حديث ٢٦٣٨۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے صدق دل سے اس بات کی شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کردے گا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بشارت ذکر کی گئی ہے کہ جو آدمی صدق دل کے ساتھ توحید و رسالت کا اقرار کرے یعنی دل میں تصدیق جازم ہو اور اقرار باللسان تو ایسے آدمی پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے اگر توحید و رسالت کے عقیدے کے ساتھ اعمال صالحہ کی بجا آوری اور کبائر سے اجتناب ہو تو جہنم ابتداءً حرام ہوگی اور جنت کا دخول اولی نصیب ہوگا اور اگر اعمال میں کوتاہی ہو اور کبائر کا ارتکاب کیا ہو اور گناہ اعمال صالحہ کے مقابلے میں زیادہ ہوں تو پھر جہنم انتہاءً حرام ہوگی یعنی گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

(۳۲/۳۲)وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم)

أخرجه مسلم ۱/ ۵۵ حديث (۴۳-۲۶) وأحمد في مسنده ۱/ ۶۹۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس عقیدہ اور یقین پر وفات پائی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی حضرت عثمان ذوالنورینؓ ہیں آپ خلفاء راشدین میں تیسرے خلیفہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے آپ کے عقد نکاح میں آئیں۔ اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے نسبت اموی قریشی ہے شروع اسلام میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ مسلمان ہوئے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی حضرت رقیہؓ کی بیماری کی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے اور مال غنیمت میں سے حصہ دیا گیا تھا اور بیعت رضوان میں شریک نہ تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو سفیر بنا کر مکہ کو روانہ کر دیا تھا۔ بوقت بیعت رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان ؓ کا ہاتھ قرار دیکر ان کی طرف سے بیعت لی تھی آپ ﷺ نے تقریباً ۱۲ سال خلافت کی ۸۲ سال کی عمر میں آپ کو باغیوں نے مدینہ منورہ میں شہید کر دیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

مضمون حدیث: اس حدیث میں عقیدہ توحید پر مرنے والے کے لئے بشارت ذکر کی گئی ہے کہ جو آدمی صدق دل سے پورے یقین کے ساتھ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود مقصود موجود حقیقی، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں اور اس کو اس کے بارے میں علم یقینی اور عقد جازم ہے چاہے زبانی اقرار کا موقع ملا ہو یا نہ ملا ہو اس سے اقرار لسانی کا مطالبہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو تمام صورتوں میں اس کا جنتی ہونا یقینی ہے اور یہ بھی مستحضر رہے کہ عقیدہ توحید کے ساتھ عقیدہ رسالت بھی ضروری ہے اس کا عدم ذکر گویا کہ ذکر کے درجہ میں ہوتا ہے اور دخل الجنة سے دخول اولی یا ثانوی دونوں کا احتمال ہے۔

دو موجبات

(۳۳/۳۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ قَالَ مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۹۴ حديث رقم (۱۵۱-۹۳) وأحمد في المسند ۳/ ۳۹۱۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو خصلتیں جنت اور جہنم کو واجب کرنے والی ہیں ایک آدمی نے سوال کیا اے اللہ کے رسول جنت اور جہنم کو واجب کرنے والی وہ دو خصلتیں کونسی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پہلی خصلت تو یہ کہ جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھا تھا تو وہ جہنم میں ڈالا جائے گا اور دوسری خصلت یہ ہے کہ جس کی موت اس حال میں ہوئی کہ اس نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کیا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جنت اور جہنم کو واجب کرنے والی دو خصلتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابتداءً ابہام کے ساتھ مجمل طریقہ سے ذکر کیا کہ دو خصلتیں واجب کرنے والی ہیں طریقہ ابہام کو اس لئے اختیار کیا تاکہ سامعین کو توجہ سے بات کو سننے اور سمجھنے کا اشتیاق ہو جائے چنانچہ ایک سائل نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ﷺ جنت اور جہنم کو واجب کرنے والی دو کونسی چیزیں

ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چیز تو یہ ہے کہ جس شخص نے شرک جلی کا ارتکاب کیا ہو اور اسی پر اس کی وفات ہوئی ہو تو اس کے لئے دوزخ واجب ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جس شخص نے عقیدہ توحید کو اپنایا ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرہ برابر شرک نہ کیا ہو اور اسی عقیدہ پر اس کی وفات ہوئی ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہے۔ ہاں البتہ اگر کبائر کا ارتکاب کیا ہو اور عذاب کا مستحق ہو کر جہنم میں چلا گیا تو سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکل آئے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا۔ الغرض اس حدیث میں عقیدہ توحید پر ثابت قدم رہنے والے کے لئے استحقاق جنت کی بشارت ہے چاہے وجوب جنت ابتداء ہو یا انتہاء۔ بالفاظ دیگر دخول اولی ہو یا ثانوی۔

لا الٰہ الا اللہ...... دخولِ جنت کا ٹکٹ

(۳۴/۳۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَعَنَا اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ فِیْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ بَيْنِ اَظْهُرِنَا فَاَبْطَاَ عَلَيْنَا وَخَشِيْنَا اَنْ يُّقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ اَبْتَغِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى اَتَيْتُ حَائِطًا لِّلْاَنْصَارِ لِبَنِی النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ اَجِدُلَهٗ بَابًا فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِیْ جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ وَالرَّبِيْعُ الْجَدْوَلُ قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَاشَاْنُكَ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَاَبْطَاْتَ عَلَيْنَا فَخَشِيْنَا اَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِیْ فَقَالَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ وَاَعْطَانِیْ نَعْلَيْهِ فَقَالَ اِذْهَبْ بِنَعْلَیَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَّرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ لَقِيْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَعَثَنِیْ بِهِمَا مَنْ لَقِيْتُ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَیَّ فَخَرَرْتُ لِاِسْتِیْ فَقَالَ ارْجِعْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبَنِیْ عُمَرُ وَاِذَا هُوَ عَلٰى اَثَرِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَالَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِیْ بَعَثْتَنِیْ بِهٖ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَیَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاِسْتِیْ فَقَالَ ارْجِعْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَبَعَثْتَ اَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِیَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرَهٗ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَخْشٰى اَنْ يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَخَلِّهِمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٩ حديث رقم (٥٢-٣١)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچانک ہمارے درمیان سے اٹھ کر کہیں باہر تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی تو ہمیں بہت فکرمندی ہوئی کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ ہم یکا یک گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے، گھبرا جانے والا سب سے پہلا

شخص میں تھا۔ اس لئے میں رسول کریم ﷺ کی طلب اور تلاش میں باہر نکلا اور تلاش کرتے ہوئے قبیلہ بنونجار کے ایک انصاری کے باغ کے قریب پہنچ گیا کہ شاید آپ ﷺ اس باغ کے اندر ہوں۔ میں نے باغ کے اندر جانے کے لئے چاروں اطراف میں دروازہ تلاش کیا مگر دروازہ کہیں نظر نہ آیا۔ اچانک ایک نالی نظر آ گئی جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر جارہی تھی۔ لہٰذا میں سمٹ کراس نالی میں داخل ہوا۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچ گیا۔ آپ نے مجھے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر حیرت سے فرمایا ابو ہریرہ تم ہو؟ حیرت یہ تھی کہ دروازہ بند ہونے کے باوجود کیسے آگئے میں نے عرض کیا جی ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ میں ابو ہریرہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا ہے اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ پھر آپ اچانک اٹھے اور چلے گئے جب بہت دیر ہوگئی آپ واپس تشریف نہ لائے تو ہم گھبرا اٹھے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں آپ کو کوئی اذیت اور تکلیف نہ پہنچادی جائے اور سب سے پہلے گھبراہٹ کا شکار ہونے والا میں تھا۔ چنانچہ آپ کو تلاش کرتا ہوا آخر کار اس باغ تک پہنچ آیا۔ باغ کے اندر آنے کے لئے تلاش بسیار کے باوجود دروازہ نظر نہ آیا۔ تو لومڑی کی طرح سکڑ اور سمٹ کر نالی سے اندر گھس آیا۔ باقی لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں جوتے اتار کر مجھے دیدیئے اور فرمایا اے ابو ہریرہؓ جاؤ اور ان جوتوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تاکہ لوگ اس بات کو باور کرلیں کہ تم مجھے مل کر واپس آئے ہو اور اس باغ سے باہر جو آدمی بھی صدق دل اور اعتقاد جازم کے ساتھ یہ شہادت دیتا ہوا تمہیں مل جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تو اس کو جنت کی خوش خبری دیدو۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس پیغام اور فرمان کو لے کر واپس آیا۔ تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ جوتے کیسے ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ رسول اللہ ﷺ کے جوتے ہیں آپ ﷺ نے مجھے یہ جوتے علامت اور دلیل کے طور پر دیکر بھیجا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ جو آدمی صدق دل اور اعتقاد جازم کے ساتھ یہ شہادت دیتا ہوا ملے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں تو اس کو جنت کی خوشخبری دیدو۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے میرے سینے پر اتنے زور سے مکا مارا کہ میں سرین اور ایڑی کے بل پیچھے کی جانب نیچے گر پڑا۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ ابو ہریرہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں واپس آ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور حضرت عمرؓ کا ڈر بھی مجھ پر سوار تھا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے پہنچ آئے رسول اللہ ﷺ نے یہ حالت اور کیفیت دیکھ کر پوچھا ابو ہریرہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں آپ کا پیغام لے کر واپس لوٹا تو سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی۔ میں نے آپ کا پیغام ان کو سنایا۔ انہوں نے اس کو سنتے ہی میرے سینے پر انتہائی زور سے مکا مارا کہ میں سرین اور ایڑیوں کے بل زمین پر گر پڑا اور کہا کہ واپس چلے جاؤ۔ تو میں واپس آ گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا عمر تم نے ایسا کیوں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا واقعی ابو ہریرہ کو آپ ﷺ نے دلیل اور علامت کے طور اپنے جوتے دیکر اس لئے بھیجا تھا کہ جو شخص صدق دل اور اعتقاد جازم کے ساتھ۔ توحید کی تصدیق کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے ملے اس کو جنت کی خوش خبری سنا دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ایسا نہ کیجئے مجھے خوف ہے کہ لوگ کہیں اسی خوش خبری پر اعتماد کر بیٹھیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دینگے۔ اس لئے آپ ﷺ ان کو زیادہ سے زیادہ عمل میں مصروف رہنے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آپ کا یہی مشورہ ہے تو ٹھیک ہے لوگوں کو عمل میں

مصروف رہنے دیں۔اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو بشارت کا پیغام ابو ہریرہؓ کو دیکر بھیجا تھا۔اس کا تعلق عقیدہ توحید و رسالت اور اخلاص نیت کے ساتھ تھا۔کہ جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کرلیا اور رسول اللہ ﷺ کو سچا رسول تسلیم کرلیا اور اس عقیدہ کو اپنانے پر مکمل اعتماد اور خوشی ہو کسی قسم کی تنگی گرانی، شک و شبہ اور دباؤ، جبر اور اکراہ نہ ہو اور دل میں مکمل تصدیق ہو کوئی خلفشار اور اضطراب نہ ہو اور ایمان قبول کرنے میں کوئی غرض، لالچ طمع، حرص اور دنیا کا مفاد نہ ہو۔ بلکہ صرف اور صرف اخلاص اور للہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کرنا مقصود ہو۔

البتہ یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد حضرت ابو ہریرہؓ کو کیوں مارا؟ اور آپ ﷺ کا پیغام سنانے سے کیوں منع کیا یہ تو اشاعت دین کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کے مترادف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ بات معلوم تھی کہ اس بشارت کے سنانے اور اعلان کا تعلق فرض اور واجب سے نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی پریشانی کے ازالہ کے لئے جنت کی بشارت سنانے کا حکم دیا۔اس پیغام میں، حلال، حرام، جائز ناجائز، صحیح، فاسد الغرض کسی شرعی حکم کو نافذ کرنا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ یہ آپ ﷺ کی جانب سے رحمت شفقت اور محبت کے جذبہ کا اظہار تھا۔جب یہ بشارت حضرت عمرؓ تک پہنچی۔تو انہوں نے فی الفور محسوس کیا اور اس بات کو سمجھ گئے کہ یہ بشارت اگر چہ اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے اور برحق ہے لیکن مقتضاء حال یہ ہے کہ فی الحال مسلمانوں کو یہ بشارت اس طرح نہ سنائی جائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچ کر اس کی عدم اشاعت کی حکمت اور مصلحت کو واضح کردیا جائے۔

اس لئے حضرت عمرؓ نے پہلا کام تو یہ کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فی الفور زجر و توبیخ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹا دیا اور خود بھی فوراً آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے اور عرض کیا۔اے اللہ کے رسول آپ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت سنانے کے لئے حکم دیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔جب حضرتؓ کو تحقیق حال سے یقین ہوگیا کہ ابو ہریرہؓ کو آپؐ نے بھیجا ہے۔تو حضرت عمرؓ نے محسن انسانیت کے مشن اور مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک صحیح محب اور بیدار عقل و فہم خادم اور جانثار ہونے کی حیثیت سے اپنا مشورہ بطور عرض گزاری آپ کی خدمت میں آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش کردیا جب حضرت عمرؓ نے اپنے حکیمانہ مشورہ سے آپ ﷺ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔تو رسول اللہ ﷺ کے ذہن کی بھی آپ کے ذہن کے ساتھ موافقت ہوگئی اور آپ ﷺ کا ذہن بھی اسی فکر کی طرف منتقل ہوگیا اور حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود اس طرح کی بشارت سنانے سے منع کیا تھا اور حضرت عمرؓ نے بھی درحقیقت اسی کی موافقت اور امتثال میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو توبیخ کی اور بشارت سنانے سے منع کیا اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گرفت نہیں کی بلکہ حضرت عمرؓ کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا اور ترک بشارت کا حکم دیا۔

اب یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اگر اس بشارت کا تعلق احکام شرعیہ میں سے کسی حکم فرض، واجب وغیرہ کے ساتھ ہوتا۔جس کا نافذ العمل ہونا ضروری ہوتا تو حضرت کبھی منع کرنے کی جسارت نہ کرتے بلکہ سچے مسلمان محب رسول ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے خود اس کو قبول کرتے اور اس کو اپنا فرض گردانتے ہوئے خود اس کی نشر و اشاعت میں مصروف عمل ہوجاتے۔یہی وجہ ہے کہ بارگاہ نبوت میں حضرت عمرؓ کی رائے کو فوقیت دی گئی اور ان کا مشورہ قبول کرلیا گیا اگر آپ صادق اور امین نہ ہوتے تو دربار رسالت سے اس اقدام پر آپ کے لئے کبھی چشم پوشی سے کام نہ لیا جاتا۔

الغرض اس حدیث پر غور و فکر سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وافر رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی امت کے ساتھ

شفقت اور محبت کا اظہار ہے۔ تو دوسری جانب حضرت عمرؓ کی شان اور رائے کی پختگی، فہم وفراست، بصیرت ودانائی، صاف گوئی اور جرأت بھی منصۂ شہود پر آجاتی ہے۔

(۳۵/۳۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

(رواہ احمد)

اخرجه احمدفی المسند ۵/۲۴۲۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدق دل سے اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ جنت کی چابیاں ہیں اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں شہادۃ کا لفظ اسم جنس ہے اور مبتداء ہے اور اسم جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ اسی کثرت کا لحاظ کرتے ہوئے مفاتیح۔ خبر کو جمع ذکر کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے شہادت ذو اجزاء ہے اور شہادت کے ہر ہر جزء کو مفتاح قرار دیا گیا ہے۔ جب کسی آدمی نے کلمہ توحید کو اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ قبول کرلیا تو اس کو جنت کی چابی حاصل ہوگئی۔ اسلام میں داخل ہونے کی چابی شہادت توحید ہے اور جنت میں داخل ہونے کی چابی شہادت توحید ہے۔

ایسے انسان کو جنت کا داخلہ نصیب ہوگا چاہے دخول ابتداءً ہو اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی نہ ہوئی یا انتہاءً ہو اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہوئی۔

(۳۶/۳۶) وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ حِیْنَ تُوُفِّیَ حَزِنُوْا عَلَیْهِ حَتّٰی كَادَ بَعْضُهُمْ یُوَسْوِسُ قَالَ عُثْمَانُ وَكُنْتُ بَعْضَهُمْ فَبَیْنَا اَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَیَّ عُمَرُ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَشْعُرْ بِهٖ فَاشْتَكٰی عُمَرُ اِلٰی اَبِیْ بَكْرٍ ثُمَّ اَقْبَلَا حَتّٰی سَلَّمَا عَلَیَّ جَمِیْعًا فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مَا حَمَلَكَ عَلٰی اَنْ لَا تَرُدَّ عَلٰی اَخِیْكَ عُمَرَ سَلَامَهٗ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ عُمَرُ بَلٰی وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتَ قَالَ قُلْتُ وَاللّٰهِ مَا شَعَرْتُ اَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ. قَالَ اَبُوْبَكْرٍ صَدَقَ عُثْمَانُ قَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذٰلِكَ اَمْرٌ فَقُلْتُ اَجَلْ قَالَ مَاهُوَ قُلْتُ تَوَفَّی اللّٰهُ تَعَالٰی نَبِیَّهٗ ﷺ قَبْلَ اَنْ نَّسْاَلَهٗ عَنْ نَّجَاةِ هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قَدْ سَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقُمْتُ اِلَیْهِ وَقُلْتُ لَهٗ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَانَجَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَبِلَ مِنِّی الْكَلِمَةَ الَّتِیْ عَرَضْتُ عَلٰی عَمِّیْ فَرَدَّهَا فَهِیَ لَهٗ نَجَاةٌ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

اخرجه احمد فی مسنده ۶/۱۰۔

ترجمہ: حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا سانحہ ہوا تو آپ ﷺ کے بعض اصحاب پر غم اور رنج کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ان میں سے بعض لوگوں کے بارے میں یہ خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ کہیں شک وشبہ اور وسوسہ کا شکار نہ ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے ایک میں بھی تھا چنانچہ میں ایک مرتبہ اسی کرب و اضطراب کی حالت اور کیفیت میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ میرے پاس سے گزرے اور مجھے سلام کیا اور مجھے اس رنج و حزن کی وجہ سے بالکل پتہ نہیں چلا کہ آپ کب میرے پاس سے گزرے ہیں اور کس وقت مجھے سلام کیا ہے حضرت عمرؓ نے میری عدم توجہ اور سلام کا جواب نہ دینے کو بہت شدت سے محسوس کیا اور اس کی شکایت حضرت ابو بکرؓ سے کی کہ عثمانؓ نے

میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ پھر دونوں حضرات میرے پاس تشریف لائے اور دونوں نے مجھے سلام کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ آپ نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا نہیں۔ ایسا تو ہر گز نہیں ہوا کہ حضرت عمرؓ میرے پاس آئے ہوں اور مجھے سلام کیا ہو اور میں نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا ہو۔ میرے علم میں یہ بات نہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم ایسا ہی ہوا ہے کہ میں نے سلام کیا ہے اور آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں اللہ کی قسم مجھے قطعاً اس کا علم نہیں کہ آپ میرے پاس آئے تھے اور آپ نے مجھے سلام کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عثمان سچ کہتے ہیں ان کو آپ کے گزرنے اور سلام کرنے کا احساس نہیں ہوا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص وجہ اور معاملے نے تمہیں اس سے بے خبر کر دیا اور توجہ نہ ہوئی کہ نہ تو عمرؓ کے آنے کا علم ہوا اور نہ آپ ان کے سلام کا جواب دے سکے۔ میں نے کہا ہاں بالکل ایسی ہی بات ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا پہلے تو رسول اللہ ﷺ کی وفات ہی ہمارے لئے اندوہناک اور صبر آزما تھی اور اب یہ کرب واضطراب لاحق ہوا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دار فانی سے تشریف لے گئے۔ لیکن ہم لوگ آپ ﷺ سے یہ نہ پوچھ سکے کہ اس معاملہ میں یعنی عبادات میں وساوس کا پیدا ہونا۔ شیطان کے ازلال اور جہنم کی آگ سے نجات اور بچاؤ کیسے ہوگا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا آپ غم نہ کریں۔ میں نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیا ہے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں بے اختیار فوراً کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں فی الواقع آپ ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کمال قرب کا خصوصی تعلق رکھنے اور علم حاصل کرنے کے غلبہ شوق کی وجہ سے اس کے متعلق سوال کرنے کے لائق اور مناسب تھے پھر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا تھا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ اس معاملے میں نجات اور کامیابی کی کیا صورت ہوگی۔ تو اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس آدمی نے صدق دل اور اخلاص کے ساتھ مجھ سے کلمہ توحید کو قبول کر لیا۔ جس کو میں نے اپنے چچا ابوطالب کے سامنے پیش کیا تھا اور اس نے اس کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ رد کر دیا تھا۔ وہ کلمہ اس آدمی کی نجات اور فلاح کا ضامن ہوگا۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ کلمہ توحید نجات کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات اور انتقال کا سانحہ فاجعہ ایک عظیم صدمہ تھا اس کو برداشت کرنا صحابہ کرام ہی کی ہمت اور حوصلہ تھا، اس کے باوجود بعض صحابہ کرام حواس باختہ ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر اور باہمت آدمی نے ایک وقت تک موت کا انکار کیا۔ مگر ابوبکر صدیق کی ہوشمندی، عقلمندی، دانشمندی تھی کہ انہوں نے اس عظیم سانحہ کو کنٹرول کیا اور لوگوں کو راہ راست پر گامزن رکھا اور ان متاثرین میں سے حضرت عثمانؓ بھی تھے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہونے لگے۔ کہ آپ کے بعد دین ختم ہو جائے گا اور نور شریعت کی روشنی بجھ جائے گی اسی رنج وحزن کی حالت میں حضرت عثمان تشریف فرما تھے کہ حضرت عمرؓ کا آپ کے پاس سے گزر ہوا اور سلام کیا۔ حضرت عثمان کو غم اور پریشانی کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے گزرنے اور سلام کرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی ناراضگی کا وہم ہوا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی شکایت حضرت ابوبکرؓ سے کی۔ پھر دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لائے اور دونوں نے حضرت عثمان کو سلام کیا اور حضرت عثمانؓ نے جواب دیا پھر حضرت ابوبکرؓ عمرؓ کا شکوہ ذکر کیا۔ تو حضرت عثمانؓ نے صاف انکار کر دیا کہ نہ مجھے حضرت عمرؓ کے گزرنے کا علم ہے کہ وہ کب میرے پاس سے گزرے اور نہ ہی ان کے سلام کا علم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں ایسا ہی ہوا ہے کہ میں آپ کے پاس سے گزرا ہوں اور آپ کو سلام کیا ہے آپ نے جواب نہیں دیا حضرت ابوبکرؓ

نے فرمایا عثمان سچ کہتے ہیں۔ شاید کہ ان کو کوئی غم اور فکر لاحق تھی جس کی وجہ سے ان کی توجہ نہیں ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا ہاں فکر اور سوچ ضرور تھی۔ مجھے اسی نے مدہوش کر رکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا بتاؤ وہ بڑی فکر اور حزن کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور میں آپ سے یہ نہ پوچھ سکا۔ کہ عبادت میں وساوس سے بچاؤ اور شیطان کے بہکانے اور جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اس کے بارے میں آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھ چکا ہوں۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اس سوال کرنے کے زیادہ اہل تھے کیونکہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قرب کا تعلق تھا اور آپ کو علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نجات کا ذریعہ کلمہ توحید کو بتایا۔ جس آدمی نے صدق دل اور اعتقاد جازم کے ساتھ اس کو قبول کر لیا اور اس کے جملہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اسلام کے فرائض اور احکام پر صحیح عمل کیا تو یہ کلمہ اس کی نجات اور فلاح کا ضامن ہے اور اس کی برکات سے وہاں سعادت مندیوں سے نوازا جائے گا اور اس کا ذکر دنیا میں بھی حصول برکات کا ذریعہ ہے اور اس کی وجہ سے انسان شیطانی غلبہ اور تسلط سے مامون رہتا ہے وہم اور وسوسے سے بھی امن رہے گا۔ عبادات میں بھی وساوس سے حفاظت رہے گی۔ دل و دماغ شکوک و شبہات سے پاک رہیں گے۔ اس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی معرفت، آخرت کی فکر اور رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت، عقیدت، احترام اور اتباع نصیب ہوگی۔ یہی وہ کلمہ ہے کہ جس کو آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے رد کر دیا تھا اگر وہ قبول کر لیتا تو ستر سال کے گناہوں اور شرک سے معافی ہو جاتی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا اور اس سے شیعہ شنیعہ کی تردید ہو جاتی ہے کہ ابوطالب ایمان دار تھا۔

(۳۷/۳۷) وَعَنِ الْمِقْدَادِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْيُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ. (رواہ احمد)

اخرجه أحمد في مسنده ٦/٤۔

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ زمین پر کوئی گھر۔ چاہے مٹی کا ہو یا خیمہ ہو باقی نہیں رہے گا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کلمہ اسلام کو عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ داخل نہ کرے۔ پس جو لوگ اپنی رضاء و رغبت سے بخوشی اسلام کو قبول کر لیں گے۔ ان کو اللہ تعالیٰ معزز و محترم بنا کر کلمہ اسلام کا مستحق قرار دے گا اور جو لوگ اپنی رضاء و رغبت اور خوشی سے اس کلمہ کو قبول نہ کریں ان کو اللہ تعالیٰ ذلیل و خوار کر کے چھوڑ دے گا۔ تو پھر وہ لوگ کلمہ اسلام کی اطاعت اور تسلیم پر مجبور ہوں گے وہ اس طرح کہ وہ جزیہ ادا کر کے رہ سکیں گے۔ اس کے علاوہ کوئی صورت نہ ہوگی۔ میں نے یہ سن کر کہا پھر تو ہر طرف اللہ ہی کا دین ہوگا۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے راوی حضرت مقداد بن اسودؓ ہیں آپ کی نسبت کندی ہے اور قدیم الاسلام ہیں تقریباً چھٹے نمبر کے مسلمان ہیں اور مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام جرف میں ۳۷ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور وہاں سے منتقل کر کے جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

مضمون حدیث: اس حدیث میں اسلام کے غلبہ کی پیشنگوئی کی گئی ہے الارض سے مراد جزیرۃ العرب ہے۔ بیت مدر سے مراد

شہری آبادی ہے اور بیت وبر سے مراد دیہات کی آبادی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جزیرۃ العرب میں صرف اسلام کا غلبہ ہوگا دوسرا کوئی دین وہاں غالب نہیں ہوگا۔ جزیرۃ العرب کے ہر شہر اور دیہات میں اسلام ہی اسلام ہوگا۔ اگر کوئی آدمی اپنی رغبت اور رضامندی سے اسلام کو قبول کرلے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صاحبِ مرتبہ اور عزت والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دین دار کی فلاح اور سرفرازیوں سے نوازے گا اور جو لوگ تکبر ہٹ دھرمی اور سرکشی کا ارتکاب کرینگے اور کلمہ اسلام سے اعراض کرینگے اور مذہب اسلام کو قبول نہیں کرینگے اور اپنی خوشی اور اختیار سے مذہب اسلام کے مطیع اور تابعدار نہیں ہوں گے۔ تو ان کے لئے ذلت اور خواری کا طوق لازم ہے۔ وہ اس طرح کہ جزیرۃ العرب میں اسلام کا غلبہ اور بول بالا ہوگا تو یہ منکرین اور معاندین اسلام، اسلامی حکومت کو جزیہ ادا کر کے اسلام کے ماتحت اور تابع ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔ اس طرح دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

جنت کی چابی

(۳۸/۳۸) وَعَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ قِيْلَ لَهُ اَلَيْسَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحٌ اِلَّا وَلَهُ اَسْنَانٌ فَاِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهُ اَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ وَاِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اخرجه البخاری ۱۰۹/۳۔

ترجمہ: حضرت وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ کسی آدمی نے ان سے پوچھا۔ کیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ جنت کی چابی نہیں ہے؟ حضرت وہبؒ نے فرمایا کیوں نہیں۔ یہ جنت کی چابی ہے لیکن کوئی چابی ایسی نہیں ہوتی کہ جس کے دندانے نہ ہوں۔ اگر آپ ایسی چابی لے کر آئے کہ جس کے دندانے موجود ہوں۔ تو یقیناً تمہارے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اگر اس میں دندانے نہ ہوئے تو پھر ہرگز جنت کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اس کو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی۔ حضرت وہب بن منبہؒ ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور یہ فارسی النسل ہیں ان کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ یہ ایک مرتبہ وعظ کر رہے تھے اور لوگوں کو اعمال صالحہ کی ترغیب دے رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے اعمال صالحہ کی قدر و منزلت اور اہمیت بتا رہے تھے حاضرین میں سے ایک آدمی نے سوال کیا۔ کیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جنت کی چابی نہیں؟ یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے جنت کی چابی ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی کوئی ضرورت نہیں۔ حالانکہ آپ تو بڑی شدومد کے ساتھ اعمال صالحہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ حالانکہ جس آدمی نے صدق دل کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرلیا اس کو جنت کے دروازے کی چابی حاصل ہوگئی اور وہ جنت کا مستحق ہوگیا۔ اب اس کو اعمال کی کیا ضرورت؟ حضرت وہبؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یقیناً بلاشک وشبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جنت کی چابی ہے۔ لیکن یہ بات بھی مسلم شدہ ہے کہ ہر چابی کے لئے دندانے ضروری ہیں۔ بغیر دندانوں کے کوئی چابی کارآمد نہیں ہوتی۔ اگر چابی میں دندانے ہوئے تو اس سے تالا کھلے گا۔ تو ارکانِ اسلام۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور دیگر احکام اور فرائض اسلام اس چابی کے دندانوں کی طرح ہیں۔ اگر یہ دندانے ہوئے تو پھر ابتداءً ہی جنت کا دروازہ کھل جائے گا اور جنت کا دخول اولی نصیب ہوگا اور اگر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق قلبی اعتقاد جازم کے ساتھ ہوئی اور شرک سے مکمل اجتناب رہا اور اعمال صالحہ میں کوتاہی ہوئی اور روزِ اعمال کے وقت سیئات کا وزن ثقیل رہا۔ تو پھر گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخلہ ہو گا۔ اس اعتبار سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ انتہاءً جنت کے دروازے کی چابی ہے۔

ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا

(۳۹/۳۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهٗ فَكُلُّ حَسَنَةٍ یَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَیِّئَةٍ یَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰهَ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

أخرجه البخاری ۱/ ۱۰۰ حدیث رقم ۴۲۔ ومسلم ۱/ ۱۱۷ حدیث (۲۰۵۔۱۲۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی انسان صدقِ دل، اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ اپنا ایمان اچھی کیفیت والا بنالیتا ہے۔ اس کے بعد وہ عمل صالح کرتا ہے تو اس کے لیے اس کے صحیفہ میں دس سے لے کر سات سو تک زائد نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو گناہ وہ کرتا ہے وہ اس کے مثل اور برابر لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جاملے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❀ اس حدیث میں نیکی کے اجر کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے حسن اسلام سے مراد باطنی طور پر اخلاص نیت اور اعتقاد جازم کے ساتھ اعمال صالحہ کرنا۔ یعنی ظاہر اور باطن دونوں کے صحیح ہونے کا نام حسن اسلام ہے۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خصوصیات اور فضائل سے نوازا اور ان نوازشات اور انعامات میں سے ایک انعام یہ ہے کہ جب کوئی مؤمن صدق دل اور اخلاص نیت کے ساتھ کوئی نیک عمل کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ایک عمل کے برابر ثواب دینے پر اکتفاء نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے فضل وکرم سے ایک عمل صالح کے صلہ میں اس جیسے دس اعمال کا ثواب دیا جاتا ہے اور اسی پر حصر نہیں بلکہ جس قدر اخلاص للّٰہیت اور تصدیق قلبی کی کیفیت میں رسوخ پیدا ہوتا ہے اور استقامت کا جذبہ صادق پیدا ہوتا ہے اسی کے بقدر انعامات اور اجر کا اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک ہی نیک عمل پر دس سے لے کر سات (۷۰۰) سو تک بلکہ اس سے زیادہ اجر عطاء کیا جاتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات یہ زیادتی اجر اور ثواب کا اضافہ ہزاروں کی حد سے بھی متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسے حرم میں ایک نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ علی ھذا القیاس۔

اور اس کے برعکس اگر مؤمن سے بشری تقاضے کے تحت کسی برائی کا ارتکاب ہو جائے تو اس کا گناہ زیادتی کے ساتھ نہیں لکھا جاتا بلکہ جس قدر خطا سرزد ہوتی ہے اسی کے مطابق گناہ کتاب الاعمال میں درج کیا جاتا ہے۔ فللّٰہ الحمد والشکر۔

ایمان کی تعریف

(۴۰/۴۰) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَآءَتْكَ سَیِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاكَ فِیْ نَفْسِكَ شَیْءٌ فَدَعْهُ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد فی مسنده ۵/ ۲۵۱ وفیه تقدیم وتاخیر۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ایمان کی علامت اور نشانی کیا ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب تمہاری نیکی تمہیں خوش کردے اور تمہاری برائی تمہیں غمزدہ کردے تو سمجھ لو کہ تم سچے مؤمن ہو۔ پھر اس آدمی نے سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول گناہ کی علامت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بات تمہارے دل میں شک اور تردد پیدا کردے تو جان لو کہ وہ گناہ کی بات ہے اس کو ترک کردو۔ اس حدیث کو احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❀ اس حدیث میں ایمان اور گناہ کی علامت کا ذکر کیا گیا ہے۔ سائل نے رسول اللہ ﷺ سے دو سوالات کئے۔

پہلے سوال کا مقصد یہ تھا کہ ایمان کے بارے میں کوئی ایسی واضح اور آسان نشانی اور علامت بتادی جائے جس سے ایمان کی صحت، سلامتی اور استقامت کا اندازہ لگایا جا سکے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ علامت ارشاد فرمائی کہ اگر تم اپنے باطن میں یہ حالت اور کیفیت پاؤ کہ جب کوئی عمل صالح کرو تو اس کے بعد تمہارا دل و دماغ اس عمل کے اچھا ہونے سے خوشی اور اطمینان کی کیفیت محسوس کرے اور ایک خاص قسم کی آسودگی اور سکون حاصل ہو۔

اور اگر انسان سے بشری تقاضے کے تحت کسی ایسے عمل کا ارتکاب ہو جائے جو علی الاعلان اور واضح طور پر گناہ ہو۔ اس گناہ کے بعد فی الفور دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا شعور اجاگر ہو جائے۔ جس کے نتیجہ میں دل شرمساری اور ندامت سے چور چور ہو جائے، تو جان لو کہ ایمان تمہارے دل و دماغ، رگ و ریشہ میں پیوست اور راسخ ہو چکا ہے اور تم سچے اور مخلص مؤمن ہو۔ کیونکہ نیکی اور برائی کا مابہ الامتیاز ثواب اور گناہ کا احساس پیدا ہونا یہ صرف ایمان کی خاصیت اور تقاضا ہے مؤمن کے اندر جس قدر اخروی جزاء وسزا کا فکر، تصور اور عقیدہ ہوتا ہے وہ غیر کے اندر نہیں ہوتا دوسرے سوال سے سائل کی غرض و غایت یہ تھی کہ مؤمن کو اپنی شب و روز کی زندگی میں بعض ایسے امور سے واسطہ پڑتا ہے کہ جن کے حلال و حرام ہونے صحیح اور فاسد ہونے میں جائز اور ناجائز ہونے میں اشتباہ ہوتا ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے یہ چیز نیکی ہے جو کہ ثواب، اجر اور انعام کو مستلزم ہے یا گناہ ہے جو کہ اخروی اعتبار سے عذاب کو مستلزم ہے۔ کیا ایسے تردد اور شک وشبہ والے کام کو کیا جائے یا چھوڑ دیا جائے۔ کیا اس کے کرنے میں خیر ہے یا شر ہے۔ ایسے عمل کی خوبی اور قباحت معلوم کرنے کی علامت کیا ہے؟

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مخلص اور صادق مؤمن کا دل ایک صاف اور سادہ تختی کی مانند ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور احکام شرعیہ کے اتباع کے نقوش ہی سے منقش ہو سکتا ہے اگر معصیت کا ہلکا سا داغ بھی وہاں تک سرایت کرتا ہے تو اس کے نقش کے لئے وہاں جگہ نہیں ہوتی وہ شک و تردد کی تصویر اختیار کر لیتا ہے اور فطرت سلیمہ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی دل میں اس تردد سے ثقل کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور دماغ میں قلق اور اضطراب کے بادل منڈلانے لگتے ہیں، جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو جان لو کہ وہ کام یقیناً گناہ اور معصیت کو مستلزم ہے۔ نجات اور کامیابی اسی میں ہے کہ اس کام کو فی الفور ترک کر دیا جائے۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ، صوفیاء کرام اور اہل اللہ دل و دماغ کی صفائی اور طہارت کی وجہ سے کسی مخفی سے مخفی عمل کی قباحت اور شناعت کو محسوس کر لیتے ہیں اور ایسی چیز سے مکمل اجتناب کرتے ہیں جس میں ذرہ برابر معصیت اور گناہ کا شائبہ ہو۔ جس طرح واضح گناہ سے احتراز ضروری ہے بالکل اسی طرح مشتبہ کام سے بچاؤ ضروری ہے کیونکہ ان کا دل و دماغ شائبہ کا بھی احساس کر لیتا ہے۔ ان کو اسی میں سرور اور اطمینان ہوتا ہے کہ مکمل افراط و تفریط سے پرہیز کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اتباع اور اطاعت کرتے ہوئے صراط مستقیم پر چل کر زندگی بسر کی جائے۔

دین کی بنیادی تعلیمات

(۴۱/۴۱) وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ مَّعَكَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ حُرٌّ وَعَبْدٌ قُلْتُ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ قُلْتُ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ

تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ قَالَ قُلْتُ فَاَيُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِيْقَ دَمُهٗ قَالَ قُلْتُ اَيُّ السَّاعَاتِ اَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ. (رواه احمد)

أخرجه أحمد في مسنده۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ جب آپ ﷺ نے شروع میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تو آپ ﷺ کے ساتھ کون تھا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ ایک آزاد یعنی ابوبکر صدیقؓ اور ایک غلام یعنی بلالؓ تھے پھر میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کی علامت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمدہ کلام اور فقیروں کو کھانا کھلانا۔ پھر میں نے سوال کیا کہ ایمان کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ صبر اور سخاوت اختیار کرنا یعنی سیئات سے باز رہنا اور اطاعت و فرمانبرداری کے کاموں پر ہمہ وقت مستعد رہنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ کونسا مسلمان بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ مسلمان بہتر ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے دوسرے مسلمان سلامتی اور حفاظت میں رہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ ایمان کا کونسا کام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کا افضل کام اچھے اخلاق ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا نماز میں کونسی چیز افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا طویل قیام کرنا۔ پھر میں نے سوال کیا کہ کونسی ہجرت افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا افضل ہجرت یہ ہے کہ جن امور کو اللہ پسند نہیں کرتا ان کو چھوڑ دو۔ پھر مین نے سوال کیا کہ کونسا جہاد افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جہاد افضل ہے کہ جس میں آدمی کا گھوڑا بھی مارا جائے اور خود شہید ہو جائے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ سب سے افضل وقت کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نصف لیل کا آخری حصہ (اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے)۔

تشریح ✿ اس حدیث کے راوی حضرت عمرو ہیں ان کی کنیت ابونجیم ہے والد کا نام عبسہ ہے شروع اسلام میں مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم بنی سلیم میں رہے اور ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقعہ پر ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آ گئے اور حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں انتقال ہوا، یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دین کی باتیں سیکھنے کے لئے حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند سوالات کیے اور آپ ﷺ نے ان کے جواب دیئے۔ جو کہ مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہوئے، تشریح کی حاجت نہیں۔

نجات کے بنیادی اصول

(۴۲/۴۲) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَيُصَلِّي الْخَمْسَ وَيَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَ لَهٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ دَعْهُمْ يَعْمَلُوْا. (رواه احمد)

اخرجه احمد في المسند ۵/ ۲۳۲ ۴۷

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی دنیا سے رحلت کر کے اللہ کے پاس اس حال میں چلا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا رہا اور رمضان المبارک کے روزے رکھتا رہا۔ تو اس کی مغفرت اور بخشش کر دی جائے گی۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت سنا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو یہ

خوش خبری نہ سناؤ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو تا کہ عمل کرتے رہیں۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان اور اسلام پر مرنے والا آدمی جنتی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے کلمہ توحید کو قبول کیا اور شرک جلی۔ خفی سے سلامتی میں رہا۔ تمام نمازوں کو پابندی سے پڑھتا رہا اور رمضان کے روزے پابندی سے رکھتا رہا تو ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخش دیا جائے گا اور جنت میں اس کا داخلہ یقینی ہے اور وہ کامیاب ہو کر اپنے اللہ سے ملے گا۔ اس مغفرت کا تعلق صغائر سے ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے یہ امید بھی بھرپور ہے کہ وہ صغائر اور کبائر سب کو معاف کر دے۔ ورنہ حقیقت میں کبائر کی سزا بھگتنے کے بعد بھی مغفرت اور جنت میں داخلے کا استحقاق ہوگا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یہ بشارت سنانے سے اس لئے منع کیا تھا تا کہ لوگ اس اجمالی بشارت پر اعتماد کر کے اعمال صالحہ ترک نہ کر دیں اور مذکورہ حدیث میں زکوٰۃ اور حج کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ ان دونوں کا تعلق صاحب ثروت لوگوں سے ہے اس لئے ایسے ارکان اسلام کو ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق عمومیت سے ہو۔ یعنی مال دار اور فقیر سب کو شامل ہوں۔

ایمان کے افضل امور

(۴۳/۴۳) وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ اَفْضَلِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِیْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ وَمَاذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَاتَكْرَهُ لِنَفْسِكَ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد في المسند ٥/ ٢٤٧ وزاد "أن تقول خيراً أو تصمت"۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ایمان کے اعلیٰ اور افضل امور کونسے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہاری محبت بھی کسی سے صرف اللہ کے لئے ہو۔ بغض اور دشمنی بھی اللہ ہی کے لئے ہو اور تم اپنی زبان کو اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو۔ پھر حضرت معاذؓ نے سوال کیا اے اللہ کے رسول اس کے علاوہ اور ایمان کے افضل امور کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو اور جس چیز کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی امور ایمان کو ذکر کیا گیا ہے کہ صحابی رسول حضرت معاذ بن جبلؓ نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ امور ایمان اور مقتضیات ایمان کے اعلیٰ اور افضل امور کون سے ہیں۔ تا کہ انسان ان پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکے۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں پانچ امور بتائے۔

① کہ جب بھی کسی سے محبت کرو۔ تو اس محبت کی غرض و غایت خالصتاً رضاء الٰہی کا حصول ہو۔ کوئی دنیاوی غرض اور مفاد پیش نظر نہ ہو۔

② جب کسی سے بغض، عداوت اور دشمنی کرو تو اس عداوت کی غرض و غایت خالصتاً رضاء الٰہی کا حصول ہو۔ اس کے اندر انتقام، ذاتیات کا جذبہ ہرگز نہ ہو۔

③ اپنی زبان کو اخلاص نیت اور للّٰہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رکھو کیونکہ ذکر الٰہی اطمینان قلبی کا ذریعہ ہے۔

④ جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسرے کیلئے بھی پسند کرو یعنی جو چیز اپنے لئے اچھی لگتی ہے اس چیز کو دوسروں کیلئے بھی پسند کرو۔

۵ جو چیز اپنے لئے پسند نہ ہو وہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی پسند نہ کرو یعنی جو چیز اپنے لئے اچھی نہیں لگتی اس چیز کو دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔ جیسے بے آبرو ہونا، ذلت، خواری، غیبت، جہالت، حماقت، ضلالت وغیرہ۔

بَابُ الْكَبَائِرِ وَ عَلَامَاتِ النِّفَاقِ

اس باب میں کبیرہ گناہ اور نفاق کی علامتوں کو بیان کیا گیا ہے گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ ان کی تعریف میں علماء کے چند اقوال ہیں کہ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کس کو کہتے ہیں۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تعریف: ان کی تعریف میں چند اقوال ہیں۔

۱ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس کا مرتکب شرعی حد اور سزا کا مستحق ہو اور صغیرہ وہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔

۲ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس کے ارتکاب پر قرآن وحدیث میں وعید شدید مذکورہ ہو اور گناہ صغیرہ وہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔

۳ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس کے ارتکاب کو شریعت نے کفر سے تعبیر کیا ہو جیسے حدیث میں مذکور ہے: من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر۔ کہ جس آدمی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا اور صغیرہ گناہ وہ جو اس کے خلاف ہو۔

۴ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس کی ممانعت اور تحریم دلیل قطعی سے ثابت ہو اور جس کا ارتکاب ہتک دین کا موجب ہو اور صغیرہ گناہ وہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔

۵ کبیرہ گناہ وہ ہے جو اعمال صالحہ سے معاف نہ ہو اور صغیرہ گناہ وہ ہے جو اعمال صالحہ سے معاف ہو جائے۔ جیسے کئی گناہ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔

۶ کبیرہ گناہ وہ ہے جس کو شریعت میں فاحشہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو اور اس پر دنیاوی اور اخروی سزا ہو ورنہ صغیرہ ہے۔

۷ ہر اخص تحت الاعم صغیرہ ہے اور ہر اعم مافوق الاخص گناہ کبیرہ ہے۔

کبائر: کبیرہ گناہوں کی تعداد کسی حدیث میں بالترتیب تو ذکر نہیں کی گئی مختلف مواقع، احوال اور سوالات کے جواب میں جا بجا کچھ گناہوں کو ذکر کیا گیا اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ کبائر کے آپس میں باہم مختلف درجات ہیں بعض کبیرہ ہیں اور بعض اکبر الکبائر ہیں۔

مولانا جلال الدین دوانیؒ نے کبیرہ گناہوں کی تعداد کو ذکر کیا ہے ان کی ذکر کردہ فہرست درج ذیل ہے:

۱ شرک کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور افعال وعبادات وغیرہ میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ مثلاً استعانت میں، علم میں، قدرت میں، تصرف اور اختیار میں، دعاء میں، تسمیہ میں، ذبح کرنے میں۔ نذر و نیاز اور منت میں اور تفویض امور میں۔ ۲ کسی گناہ پر ارادہ دوام اور اصرار رکھنا۔ ۳ ظلم سے کسی کو قتل کرنا۔ ۴ زنا کرنا۔ ۵ لواطت یعنی ہم جنسی کرنا۔ ۶ چوری کرنا ۷ جادو کا علم حاصل کرنا اور کسی پر جادو کرنا۔ ۸ شراب اور دیگر مسکرات کا استعمال۔ ۹ محرمات سے نکاح اور شادی کرنا مثلاً پھوپھی، بہن، ماں، نانی، دادی اور خالہ وغیرہ۔ ۱۰ جوا کھیلنا۔ ۱۱ دار الحرب سے ہجرت ترک کرنا۔ ۱۲ اسلام کے دشمنوں سے ناجائز موالات رکھنا۔ ۱۳ غلبہ اور طاقت کے باوجود کفار سے جہاد نہ کرنا۔ ۱۴ سود کھانا۔ ۱۵ خنزیر اور مردار کا گوشت کھانا۔ ۱۶ نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا۔ ۱۷ ناحق اور ظلم کے ساتھ کسی کا مال لے لینا۔ ۱۸ پاک دامن مرد اور عورت پر بدکاری کا الزام لگانا۔ ۱۹ جھوٹی گواہی دینا۔ ۲۰ بغیر شرعی عذر کے جان بوجھ کر رمضان کا روزہ نہ رکھنا یا روزہ رکھ کر توڑ دینا۔ ۲۱ جھوٹی قسم کھانا۔ ۲۲ قطع رحمی کرنا۔ ۲۳ والدین کو تنگ کرنا اور ان کی نافرمانی کرنا۔ ۲۴ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا۔ ۲۵ ظلم سے یتیموں کا مال کھانا۔ ۲۶ ناپ تول میں کمی کرنا۔ ۲۷ نماز کو وقت پر نہ پڑھنا۔ ۲۸ مسلمانوں سے ناحق لڑائی کرنا۔ ۲۹ رسولؐ پر جھوٹا الزام لگانا۔ ۳۰ رسول، کتاب اللہ اور

فرشتوں کا انکار کرنا یا ان کے ساتھ تمسخر کرنا۔ (۳۱) احکام شرعیہ کا انکار کرنا۔ (۳۲) ارکان اسلام پر عمل نہ کرنا۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ کو ترک کرنا اور استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا۔ (۳۳) صحابہ کرام کو برا کہنا۔ (۳۴) بغیر مجبوری کے گواہی کو چھپانا۔ (۳۵) رشوت لینا۔ (۳۶) خاوند اور بیوی کے درمیان لڑائی ڈالنا۔ (۳۷) حاکم وقت کے سامنے کسی کی چغل خوری کرنا۔ (۳۸) غیبت کرنا۔ (۳۹) اسراف کرنا۔ (۴۰) ڈاکہ ڈالنا۔ (۴۱) دین کے نام پر یا دنیاوی غرض کے لیے زمین پر فتنہ اور فساد ڈالنا۔ (۴۲) صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا۔ (۴۳) کسی کو گناہ کی طرف رغبت دینا یا گناہ کے کام میں مدد کرنا۔ (۴۴) ممنوع اور ناجائز باجوں کے ساتھ گانا گانا۔ (۴۵) غسل کے وقت کسی کے سامنے اپنا ستر کھولنا۔ (۴۶) واجبات اور صدقات مالیہ میں بخل کرنا۔ (۴۷) خودکشی کرنا۔ (۴۸) اپنے جسم کے کسی عضو کو ہلاک کرنا۔ (۴۹) نطفہ اور پیشاب کی نجاست سے طہارت حاصل نہ کرنا۔ (۵۰) تقدیر کا انکار کرنا۔ (۵۱) حاکم وقت سے عہد شکنی کرنا۔ (۵۲) کسی کی ذات پر عیب لگانا۔ (۵۳) غرور اور تکبر سے شلوار اور تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔ (۵۴) لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دینا۔ (۵۵) میت پر نوحہ کرنا۔ (۵۶) رسومات ایجاد کرنا۔ (۵۷) قتل کے آلہ کے ساتھ کسی مسلمان کی طرف اشارہ کرنا۔ (۵۸) کسی کو خصی کرنا۔ (۵۹) اپنے جسم کے کسی حصے یا عضو کو کاٹنا۔ (۶۰) احسان کرنے والے کے ساتھ احسان فراموشی کرنا۔ (۶۱) زمین حرم میں ممنوع اور ناجائز کاموں کو کرنا۔ (۶۲) زمین حرم میں جاسوسی کرنا۔ (۶۳) شطرنج وغیرہ کھیلنا۔ (۶۴) کسی مسلمان کو کافر کہنا۔ یا مسلمان کو ایسے لفظ سے پکارنا جو کافر کے لئے استعمال ہوتا ہو۔ (۶۵) اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری میں عدل نہ کرنا۔ (۶۶) حیض کی حالت میں صحبت کرنا۔ (۶۷) غلہ وغیرہ کی مہنگائی سے خوش ہونا۔ (۶۸) جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا۔ (۶۹) علم کے مطابق عمل نہ کرنا۔ (۷۰) دنیا کی محبت میں مبتلا ہونا۔ (۷۱) بے ریش لڑکوں پر بدنظری کرنا۔ (۷۲) کسی کے گھر میں جھانکنا۔ (۷۳) کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہونا۔ (۷۴) دیوثی وغیرہ کرنا۔ (۷۵) باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا۔ (۷۶) قرآن مجید پڑھنے کے بعد بھلا دینا۔ (۷۷) جاندار چیزوں کو آگ میں جلانا۔ (۷۸) بیوی کا بغیر عذر شرعی کے خاوند کی نافرمانی کرنا۔ (۷۹) مرد کا عورت پر ظلم کرنا۔ (۸۰) اللہ کی رحمت اور بخشش سے ناامید ہونا۔ (۸۱) اللہ کے عذاب سے نہ ڈرنا۔ (۸۲) علماء اور حفاظ کی توہین کرنا۔ (۸۳) بیوی سے ظہار کرنا۔

الفصل الاول:

سب سے بڑا گناہ

(۱/۴۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ قَالَ اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْیَةَ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَةَ جَارِكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِیْقَهَا (وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ الاٰیة) [الفرقان ٦٨] . (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ١٨٧/١٢حدیث رقم ٦٨٦١ومسلم فی صحیحه ٩١/١حدیث رقم (١٤٢-٨٦)-والترمذی فی السنن ٣١٤/٥حدیث ٣١٨٢- والنسائی ٩٠/٧حدیث رقم ٤٠١٣-وأبوداؤد فی سننه ٧٣٢/٢حدیث رقم ٢٣١٠- واحمد فی المسند ٣٨٠/١-

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ کہ اے اللہ کے رسول ﷺ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ سب سے

بڑا گناہ یہ ہے کہ جس ذات نے تمہیں پیدا کیا ہے۔تم کسی اور کو اس کا شریک بناؤ۔ پھر اس آدمی نے سوال کیا اس کے بعد کبیرہ گناہ کیا ہے۔آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تم اپنی اولاد کو اس خیال سے قتل کر ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائیگی پھر اس آدمی نے سوال کیا کہ اس کے بعد کبیرہ گناہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشادفرمایا کہ اس کے بعد کبیرہ یہ ہے کہ تم پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق مین یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں جو اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہیں بناتے اور جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ ہی زنا کرتے ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے نام عبداللہ ہے والد کا نام مسعود ہے اور آپ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئے اور آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے ان کا رسول اللہؐ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور بہت زیادہ آپ کے گھر میں آنا جانا تھا بعض لوگ ان کو رسول اللہ ﷺ کے گھر کا آدمی سمجھتے تھے۔ نبی علیہ السلام کے وضوء اور جائے نماز اور مسواک کی خدمت ان کے حوالے تھی اور نبی علیہ السلام کے راز دان بھی تھے اور آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی' جنگ بدر مین شریک ہوئے اور غزوہ بدر کے بعد تمام غزوات میں شامل رہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت سنائی۔ آپ اپنی رفتار نشست و برخاست اور سیرت میں رسول اللہ کے مشابہ تھے۔ کوفہ کے قاضی اور معلم مقرر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کی طرف بھیج کر کوفہ والوں پر احسان جتلایا تھا۔ کہ میں نے آپ کے حوالے علم کا خزانہ کیا ہے آپ کا ۳۲ھ ہجری میں ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

مضمون حدیث: اس حدیث میں چند کبیرہ گناہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو درجہ بدرجہ کبیرہ ہیں اور ان گناہوں کو کرنا اخلاق اور انسانیت کے اعتبار سے نہایت خسارے اور پستی کی دلیل ہے ان گناہوں کا مرتکب اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت عذاب کا مستحق ہوتا ہے چنانچہ ایک سائل رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کبیرہ گناہوں کے متعلق آپ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے خالق اور مالک کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے۔

پھر سائل نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ اس کے بعد کبیرہ گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کردے کہ وہ میرے لئے اپنی دنیا کی زندگی بسر کرنے مین بوجھ ہوگا۔ اس کے نان نفقہ، لباس، علاج اور دیگر ضروریات زندگی کی مشقت برداشت کرنی پڑیگی۔ اس کی تعلیم وتربیت اور معاش کی ذمہ داریاں نبھانی پڑیں گی۔

پھر سائل نے سوال کیا اے اللہ کے رسولؐ! اسکے بعد سب بڑا گناہ کیا ہے؟ تو آپؐ نے ارشادفرمایا کہ کوئی اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کا ارتکاب کرے۔ ویسے بھی زنا بہت ہی بڑا گناہ ہے اور دنیا میں اس پر حد ہے۔ کوڑے یا رجم مگر ہمسایہ کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے میں گناہ کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے۔ جیسے قتل کرنا اپنی ذات کے اعتبار سے گناہ کبیرہ ہے۔ مگر اپنی اولاد کو قتل کرنے کی قباحت اور زیادہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ تصدیق میں قرآن کی آیت نازل کی جس میں تینوں گناہوں کا ذکر کیا گیا۔ شرک، قتل ناحق اور زنا۔

کبیرہ گناہ

(۲/۴۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ

النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ أَنَسٍ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱/۵۵۵ حدیث رقم ۶۶۷۵۔وأورده الترمذی بلفظ قریب مع نقص "قتل النفس" وأخرجه النسائی فی سننه ۸۹/۷ حدیث رقم ۴۰۱۱۔والدرامی ۲/۲۵۱ حدیث رقم ۲۳۶۰ واحمد فی المسند ۲/۲۰۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دینا، والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہیں اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور حضرت انسؓ کی روایت میں جھوٹی قسم کھانے کے بجائے جھوٹی شہادت کے الفاظ ہیں۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ماں باپ کی نافرمانی، جھوٹی قسم، شرک اور قتل کو کبیرہ گناہوں میں سے قرار دیا گیا ہے حدیث مذکورہ میں عقوق کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اس کا ایک معنی ہے تکلیف اور اذیت دینا۔ اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے صرف ماں باپ کی نافرمانی ہی کو نہیں بلکہ مطلقاً اذیت کو حرام کر دیا ہے۔ کہ کوئی آدمی اپنے ماں باپ کے ساتھ تکلیف اور ستانے والا معاملہ نہ کرے ہاں البتہ اگر والدین کفر اور شرک کی لعنت میں مبتلا ہوں تو ان کو شرک اور کفر سے نکالنے کے لئے اور قبول اسلام کی ترغیب کے لئے معمولی بقدر ضرورت شدت کی رخصت ہے۔ بشرطیکہ سختی۔ اخلاق اور انسانیت کے خلاف نہ ہو۔ تفسیر عزیزی میں: وبالوالدین احساناً کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان اور اچھے برتاؤ کا حکم تین امور کو شامل ہے۔

① کہ والدین کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں چاہے ہاتھ سے ہو یا زبان وغیرہ سے نہ ان کو مار پیٹ کے ساتھ اذیت دی جائے اور نہ والدین کے ساتھ بدکلامی کرے۔

② جس قدر ممکن ہو جان اور مال دونوں کے ساتھ ماں باپ کی خدمت کرے۔

③ ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے وہ جس وقت کسی کام کے لئے بلائیں فی الفوران کے پاس حاضر ہو جائے اور علماء نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ماں باپ کی خدمت کا حکم اس شرط کے ساتھ ہے کہ جب والدین اولاد کی خدمت کی محتاج ہو اور اولاد ان کی خدمت کرنے پر قادر ہو اس وقت والدین کی خدمت واجب ہے اور اگر والدین خدمت کے محتاج نہ ہوں یا اولاد خدمت کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں خدمت واجب نہیں ہوگی اور والدین کے حکم کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ اگر وہ کسی نیک کام کا حکم دیں جو شریعت کے خلاف نہ ہو تو ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے اور اگر وہ شریعت کے خلاف کسی چیز کا حکم دیں جیسے کسی واجب کو چھوڑنے کا حکم دیں یا فریضہ حج سے روکیں تو ایسے امور میں ان کی اطاعت نہیں کرنی اور اگر والدین سنت مؤکدہ کو چھوڑنے کا حکم دیں جیسے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کا حکم دیں یا عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کریں تو صحیح قول کے مطابق ایک دو مرتبہ ان کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ سنت مؤکدہ کو چھوڑنے کی عادت ڈالنا چاہیں تو اس صورت میں ان کی اطاعت نہ کی جائے ہاں البتہ اگر وہ نفلی عبادت کے بجائے اپنی خدمت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت کی جائے گی۔

اس حدیث میں یمین غموس کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے یمین غموس جھوٹی قسم کو کہتے ہیں مثلاً کوئی آدمی گزری ہوئی بات یا کام کے بارے میں اس طرح قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم میں نے فلاں کام نہیں کیا یا فلاں بات نہیں کہی ہے اس طرح کی قسم کھانے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے ایسی قسم پر آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔

سات مہلکات

(۴۶/۳)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۹۳/۵ حدیث رقم ۲۷۶۶ و مسلم فی صحیحه ۹۲/۱ حدیث رقم (۱۴۵۔۸۹)۔ وأبوداؤد فی سننه ۲۹۴/۳۔ والنسائی فی سننه ۲۵۷/۶ حدیث رقم ۳۶۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو سوال کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہلاک کرنے والی سات چیزیں کون سی ہیں؟ فرمایا۔ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک کرنا، جادو کرنا، کسی جان کو ناحق اور ظلم سے قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا، ایمان والی پاک دامن اور غافل عورتوں پر زنا کا الزام لگانا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں ہلاک کرنے والے سات امور کا ذکر ہے اوران سے بچنے کا حکم دیا ہے شریعت کے عقائد اوراحکام کو دل سے تسلیم کرنا اور زبان سے اعتراف کرنا اور فرائض اسلام پر عمل کرنا ایمان ہے اور دین کی ضروریات میں سے کسی چیز کا انکار کفر ہے اس سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ ایمان کی ایک ہی صورت ہے کہ مذہب اسلام کے تمام عقائد اوراحکام کو صدق دل کے ساتھ تسلیم کیا جائے اور فرائض اسلام پر عمل کیا جائے اور علماء نے کہا ہے کہ کفر صرف زبان کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا انکار کیا جائے بلکہ بعض افعال بھی کفر کو مستلزم ہیں چنانچہ فقہائے اسلام بعض ایسے کاموں پر جو قلبی اوراعتقادی کفر کی ترجمانی کریں ایسے افعال پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے ویسے کفر کی تو ہر قسم بری ہے لیکن سب سے بری قسم قباحت کے اعتبار سے شرک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور عبادات میں کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور شرک ایک ایسا بڑا گناہ اور ظلم ہے جو اپنے مالک کے ساتھ بغاوت کے مترادف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کر کے ان کو کفر وشرک کی آلودگی سے صاف رکھا ہے اگر اس کے باوجود انسان شرک کرے تو وہ اپنی فطرت کو شرک کی نجاست سے آلود کرتا ہے اوراس سے انسان تباہی اور بربادی کا مستحق ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا یقینی فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہر گناہ اور ظلم کی معافی ہو سکتی ہے سوائے شرک کے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (۴:۱۱۶)

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ﴾ (۵:۷۲)

کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس چیز کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو اللہ چاہے گا معاف کر دے گا چنانچہ شرک انسانی تخلیق سے نیک بختی اور سعادت مندی کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور انسانی روح کی ترقی کے لئے موت ہے اسی لیے مذکورہ حدیث میں ہلاک کرنے والی جن چیزوں کو بیان کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلے شرک کو بیان کیا ہے۔

بدترین کبیرہ گناہ

(۴۷/۴)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ

يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاِيَّاكُمْ اِيَّاكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْاِيْمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ اَخْرَجَهَا فَاِنْ تَابَ عَادَ اِلَيْهِ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَقَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ هٰذَا مُؤْمِنًا تَامًّا وَلَا يَكُوْنُ لَهٗ نُوْرُ الْاِيْمَانِ . (هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ)

أخرجه البخاري في صحيحه ١١٩٥ حديث رقم ٢٤٧٥۔ومسلم في صحيحه ١/٧٦حديث (١٠٠۔٥٧)وأخرج أبو داؤد بعضه ٥/٦٤حديث٤٦٨٩والترمذي ٥/١٦حديث رقم ٢٦٢٥۔وابن ماجة في سننه ٢/١٢٩٨حديث رقم ٣٩٣٦والنسائي في السنن ٨/٦٤حديث رقم ٤٨٧٠۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کے اندر ایمان باقی نہیں رہتا اور چوری کرنے والا جب چوری کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا اور ڈاکہ ڈالنے والا جب ڈاکہ ڈالتا ہے اور لوگ اس کو کھلم کھلا راہ زنی کرتے ہوئے دیکھتے ہوں۔ لیکن ڈر اور دہشت کی وجہ سے عاجز ہوں۔ (چیخ و پکار اور شور و غل کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے) تو اس وقت اس کے اندر ایمان باقی نہیں رہتا اور خیانت والا جب خیانت کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ ان گناہوں سے بچو۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ قاتل جب ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سن کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ایمان کس طرح الگ کر لیا جاتا ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس طرح (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی انگلیوں میں تشبیک کی یعنی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کیا اور پھر انگلیوں کو ایک دوسری سے الگ کر لیا اس کے بعد انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو پھر ایمان اس طرح واپس آ جاتا ہے اور یہ فرما کر انہوں نے پھر اپنی انگلیوں میں تشبیک کی یعنی اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کیا اور ابو عبداللہ یعنی امام بخاریؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس حدیث کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی گناہ اور معصیت کے ارتکاب کے وقت کامل اور اعلیٰ درجہ کا مؤمن نہیں رہتا اور اس کے اندر سے ایمان کا نور ختم ہو جاتا ہے (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں ان بدترین کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن کے ارتکاب کے وقت مرتکب کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ مؤمن کا دل پاکیزہ اور حساس برتن کے مثل ہے۔ جس کے اندر صرف اور صرف نور ایمانی قرار پکڑ سکتا ہے۔ جب ایمان کی ضد اس کے اندر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ تو مؤمن کا دل اس کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی ایمان کا نور اس کو برداشت کرتا ہے۔ اس ذکر کردہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ یہ بدترین اور انتہائی سنگین جرائم ہیں اور ایمان کے مخالف ہیں نور ایمان کسی صورت میں ان کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جب کوئی آدمی ان مذکورہ کبائر میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو فی الفور دل سے ایمان کا نور خارج ہو جاتا ہے اور دل خباثت کی تاریکی اور ظلمت سے آلودہ ہو جاتا ہے مگر اللہ کی رحمت اور فضل و کرم کا اندازہ لگایئے کہ جب بندہ صدق دل سے نادم ہو کر تائب ہوتا ہے تو وہ نور ایمان جو قلب سے رخصت ہو گیا تھا واپس دل میں آ جاتا ہے اور جب تک صدق دل سے توبہ نہیں کرتا دل نور ایمان سے عاری رہتا ہے۔ نور ایمان کے خروج اور عود کی کیفیت کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مشاہدہ کی مثال سے سمجھایا کہ نور ایمان

کے خروج کی کیفیت اس طرح ہے کہ انہوں نے پہلے اپنی انگلیوں میں تشبیک کی یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا اور پھر ان کو کھینچ کر نکالا اور فرمایا کہ اس طرح ان کبائر کی وجہ سے مؤمن کے دل سے ایمان کا نور خارج ہو جاتا ہے اور جب مؤمن ان کبائر کا ارتکاب کرنے کے بعد صدق دل سے توبہ تائب ہو جاتا ہے تو نور ایمان واپس دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ پھر ابن عباسؓ نے اپنی انگلیوں میں تشبیک کی یعنی ایک ہاتھ کی اصابع کو دوسرے ہاتھ کی اصابع میں داخل کیا۔

امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ کبائر اور معاصی کے ارتکاب سے ایمان نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس انسان کا ایمان کامل نہیں رہتا یعنی نفس ایمان کی نفی مقصود نہیں بلکہ کمال ایمان کی نفی مقصود ہے اور اس حدیث کے آخر میں امام بخاریؒ کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ جو انسان زنا، چوری، شراب نوشی، راہ زنی، خیانت اور قتل وغیرہ جرائم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا ایمان کامل نہیں رہتا بلکہ ناقص ہو جاتا ہے۔

منافق کی تین نشانیاں

(۴۸/۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اُئْتُمِنَ خَانَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۸۹حدیث رقم۳۳۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۷۸حدیث رقم(۱۰۷۔۵۹)۔ وأخرجه الترمذی ۵/۲۰حدیث رقم۲۶۳۱۔والنسائی فی سننه ۸/۱۱۶حدیث رقم ۵۰۲۱ وأحمد فی المسند ۲/۳۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین علامات ہیں۔ اسکے بعد امام مسلمؒ نے اپنی ذکر کردہ روایت میں اتنا اضافہ کیا ہے۔ اگرچہ وہ نماز کا پابند ہو۔ روزے رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ اسکے بعد امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں متفق ہیں۔ وہ تین علامات یہ ہیں۔ ① جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ② جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ ③ جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

تشریح: اس حدیث میں منافق کی علامات اور نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ منافق آدمی کی تین علامتیں ہیں۔

① جس کسی سے کوئی بات کرے تو جھوٹ بولے۔　② جب کسی سے کوئی وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔

③ جب کوئی اس کے پاس امانت رکھے تو اس میں خیانت کرے جس طرح ایمان کی مختلف قسمیں ہیں اور کفر کی مختلف قسمیں ہیں اسی طرح نفاق کی بھی مختلف اقسام ہیں ایک قسم اعتقادی نفاق ہے اور یہی نفاق کی حقیقی قسم ہے۔ یعنی کوئی آدمی بظاہر تو اللہ کی توحید پر، نبی کی رسالت پر، ملائکہ پر، اور بعث بعد الموت پر عقیدہ رکھنے کا اقرار اور اعتراف کرے مگر باطن میں ان جیسے تمام عقائد اسلام کا منکر ہو اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہی نفاق تھا۔ اسی نفاق کو قرآن مجید میں کفر کہا گیا ہے اور قرآن مجید میں ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کہ منافقین جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے' کی وعید شدید اسی نفاق کے بارے میں ہے پھر اس کے بعد منافقین کی عادات خصائل اور طور طریقوں پر بھی نفاق کا اطلاق ہونے لگا۔ اس لئے کہ ان میں اکثر امور وہی ہیں جو انسان کے اخلاق اور اس کی عملی زندگی کو داغدار بنا دیتے ہیں۔ جو کہ اسلامی تعلیمات اور انسان کے عالی اقدار امانت، دیانت اور شرافت کے صراحتاً منافی ہیں چنانچہ جب مسلمانوں کی زندگی میں تنزل آیا اور انہوں نے ان امور کا ارتکاب شروع کر دیا جو کہ منافقین کی علامت اور طرہ امتیاز تھے تو اس کے لئے اہل علم نے نفاق کی ایک دوسری قسم بیان کی اور وہ ہے عملی نفاق اس حدیث میں نفاق کی

یہی قسم مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں جھوٹ اختیار کرنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت کرنا۔ ان بری خصلتوں میں سے ہے کہ جو منافق میں تو پائی جاسکتی ہیں۔ مگر سچے اور کامل مسلمان میں ان رزائل کا پایا جانا بعید ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو فی الفور اچھی طرح اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اگر اس میں ان خصائل رذیلہ میں سے کوئی خصلت پائی جاتی ہے۔ تو جلد از جلد اس کا ازالہ کرے اور اپنے آپ کو اس سے پاک کرے۔ ورنہ قرآنی وعید کے مطابق آخرت میں عذاب شدید میں گرفتار ہوگا۔

منافق کی چار نشانیاں

(۶/۴۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (مُتَّفق عَلَيْه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۸۹/۱حديث رقم۳٤۔ و مسلم في صحيحه ۷۸/۱حديث (۱۰۷۔۵۹۰) وابو داوٗد والترمذی ۶٤/۵حديث رقم ٤٦۸۸۔والنسائي في سننه۱۱٦/۸ حديث رقم ۵۰۲۰ والترمذی ۲۱/۵حديث رقم ۲٦۳۲ وأحمد في المسند ۱۸۹/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص اور پکا منافق ہے اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک چیز پائی جائے گی تو جان لو کہ اس میں منافقت کی ایک خصلت پیدا ہوگئی ہے۔ جب تک کہ اس کو ترک نہ کردے اور وہ چار چیزیں یہ ہیں: ① جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے ② جب کوئی بات کرے تو اس میں جھوٹ بولے ③ اور جب کوئی وعدہ کرے تو اس میں جھوٹ بولے ④ جب کسی سے جھگڑے اور لڑائی کرے تو گالیاں نکالے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں منافق بنانے والی چار چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ یہ چار چیزیں مخلص اور کامل منافق کی علامت ہیں: ① اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے ② جب کسی سے بات کرے تو جھوٹ بولے ③ جب کوئی وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے ④ جب کسی کے ساتھ لڑائی اور جھگڑا ہو جائے تو گالیاں نکالے اور بے ہودہ باتیں کرے اس حدیث میں بھی نفاق سے مراد عملی نفاق ہے کہ جب کسی آدمی میں یہ چار چیزیں موجود ہوں تو وہ کامل درجہ کا منافق ہے اور اگر ان چار چیزوں میں سے کوئی ایک خصلت اس کے اندر پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کی ایک عادت اور درجہ پیدا ہو گیا ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس انسان میں بحیثیت مسلمان ہونے کے ایک خاصیت پائی گئی اب اسکی زندگی کا نقشہ مخلص مؤمن سے بدل کر نفاق کے مطابق ہوتا جا رہا ہے لہٰذا جو آدمی دنیا و آخرت کی کامیابی چاہتا ہے اور آخرت کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ان چار چیزوں سے بچے۔

منافق کی مثال

(۷/۵۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَاِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۱٤٦/٤حديث (۱۷)۔ والنسائي في سننه ۱۲٤/۸حديث رقم ۵۰۳۷۔ وأحمد في المسند ٤۷/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال اس بکری

کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان گھومتی پھرتی ہے (اپنے مرکز کی تلاش میں) کبھی اس ریوڑ کے طرف مائل ہو جاتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ کی طرف مائل ہو جاتی ہے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ⊛ اس حدیث میں منافق کی مثال بیان کی گئی ہے کہ منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو اپنے مذکر کی تلاش میں گھومتی پھرتی ہے اور اس میں منافق کی دیوثی کی طرف اشارہ ہے کہ منافق کبھی مسلمانوں کے پاس آتا ہے اور کبھی کفار کے پاس جاتا ہے شک اور تردد کا شکار رہتا ہے گویا یہ اس بکری کی طرح ہے جو شہوت پوری کرنے کے لئے دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے منافق بھی دنیا کے مفاد کی خاطر اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے مادہ پرست اور خود غرض بن کر کبھی مسلمانوں کی آغوش میں آ جاتا ہے اور کبھی کافروں کی جماعت میں جا کر پناہ گزین ہو جاتا ہے۔

الفصل الثانی:

دین کے نو بنیادی احکام

(۸/۵۱) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهِ اِذْهَبْ بِنَا اِلَى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهُ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهُ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلَاهُ عَنْ تِسْعِ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا اِلٰى ذِيْ سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصِنَةً وَلَا تُوَلُّوْا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُوْدَ اَنْ لَا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْنِيْ؟ قَالَ اِنَّ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ وَاِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُوْدُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداود والنسائی)

اخرجه الترمذی ٥/٧٢حدیث رقم٢٧٣٣وقال حسن صحیح ـ والنسائی فی سننه ١١١/٧حدیث رقم ٤٠٧٨ـ وأحمد فی مسنده ٢٣٩/٤ـ

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسال سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی نے اپنے دوسرے یہودی ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی (ﷺ) کے پاس چلتے ہیں اس کے ساتھی نے کہا اس شخص کو نبی نہ کہو کیونکہ اگر اس نے سن لیا کہ یہود بھی مجھے نبی کہتے ہیں تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی اس کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہے گی الغرض وہ دونوں یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور آپ سے نو واضح احکام کے بارے میں سوال کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ① کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرو ② چوری نہ کرو ③ بدکاری نہ کرو ④ جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق اور ظلم سے قتل نہ کرو ⑤ کسی بے گناہ پر الزام لگا کر قتل کرانے کے لئے حاکم وقت کے پاس نہ لے جاؤ ⑥ جادو نہ کرو ⑦ سود نہ کھاؤ ⑧ پاکدامن عورت پر زنا کا الزام نہ لگاؤ ⑨ میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ اور یہ بھی فرمایا کہ اے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ ہفتہ کے دن کے بارے میں اللہ کے حکم سے تجاوز نہ کرو راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں چوم لیئے اور کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ سچے نبی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہیں میری رسالت پر یقین ہے تو پھر تم میری اتباع کیوں نہیں کرتے میری اتباع سے

تمہارے لئے کونسا امر مانع ہے انہوں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے رب سے دعاء کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی رہے لہٰذا ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر ہم آپ کی پیروی کریں تو یہودی لوگ ہمیں قتل کر ڈالیں گے اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی حضرت صفوان بن عسال ہیں ان کا انتقال حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ہوا ان کی نسبت مرادی ہے اور یہ کوفہ میں قیام پذیر رہے اس حدیث میں کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے رسول بنا کر بھیجا اور انکی نبوۃ و رسالت کی تصدیق کے لئے بطور دلیل کے دو بڑے معجزات عطا کئے۔

① عصا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بڑا معجزہ تھا اس کے ذریعہ سے آپؑ بہت سے فوائد حاصل کرتے تھے جب فرعون کے دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اسی کے ذریعہ سے فتح اور کامیابی عطا کی تھی وہ اس طرح کہ جب جادوگروں نے اپنے جادو کے فن سے کثیر تعداد میں رسیوں کو سانپ بنا کر میدان میں ڈال دیا تو حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جس نے زمین پر لگتے ہی ایک ہیبت ناک اور عظیم اژدھا کی شکل اختیار کر لی اور جادو سے متغیر سانپوں کو فی الفور نگل گیا۔

② ید بیضاء: حضرت موسیٰ کا دوسرا بڑا معجزہ ید بیضاء تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ مبارک بغل میں ڈال کر باہر نکالتے تو چمک دار ہوتا اور سورج کی طرح اس سے کرنیں روشن ہو جاتیں ان معجزات کے باوجود حضرت موسیٰ کی قوم صراط مستقیم پر نہ آئی اس ہٹ دھرمی اور انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف شکل کے عذاب میں مبتلا کر دیا وہ اس طرح کہ پہلے اس کی نافرمانی کی وجہ سے قحط سالی میں مبتلا کر دیا کہ ان کی زمین کی پیداوار اور پھلوں میں کمی کر دی گئی اس عذاب سے انہیں عبرت نہ ہوئی بلکہ ان کی نافرمانی اور سرکشی اور زیادہ ہوگئی پھر ان پر طوفان کا عذاب آیا کہ اتنی کثرت سے بارش ہوئی کہ زمین پر پانی نے سیلاب اور طوفان کی شکل اختیار کر لی اس سے بھی انہوں نے عبرت حاصل نہ کی پھر ان پر جراد کا عذاب آیا کہ جب ان کی زمین کی فصل پک کر تیار ہوگئی تو ٹڈیوں کے لشکر نے ان کی تیار شدہ فصل کو تباہ کر دیا اور گھن کے کیڑے نے ان کے غلے کے ذخائر کو ختم کر دیا اس سے بھی انہوں نے عبرت حاصل نہ کی پھر ان پر مینڈک کا عذاب آیا کہ ہر کھانے اور پینے کی چیز میں مینڈک اچھلتے ہوئے نظر آنے لگے اور سوتے وقت مینڈک اچھلتے اس سے بھی انہوں نے عبرت حاصل نہ کی پھر ان پر خون کا عذاب آیا کہ کھانے اور پینے کی جو چیز سامنے آتی تو وہ خون کی شکل اختیار کر لیتی یہ نو معجزات موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور صداقت کی خاص دلیلیں تھیں۔

حدیث میں نو احکام:

مذکورہ حدیث میں دو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے جن نو واضح احکام کے بارے میں سوال کیا ان سے یا تو وہی احکام مراد تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتائے یا ان کی غرض اور مراد موسیٰ کی نبوت اور رسالت کے نو معجزات تھے ان کے بارے میں وہ دونوں یہودی رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے تصدیق سننا چاہتے تھے اگر یہی مراد ہیں تو آپ نے انکا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ نو احکام قرآن مجید میں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔

ایمان کی تین جڑیں

(۹/۵۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا

تُكَفِّرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُذْ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٣/ ٤٠ حديث رقم ٢٥٣٢۔اخرجه ابو داوٗد في السنن ٣/ ٤٠ حديث رقم ٢٥٣٣۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین باتیں ایمان کی جڑ اور بنیاد ہیں: ① جو آدمی صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلے اس کے ساتھ جنگ اور جھگڑا ختم کر دینا اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو ہرگز کافر نہ کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر کافر ہونے کا فتویٰ لگاؤ۔ ② جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے اس وقت سے جہاد ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس امت کا آخر میں آنے والا آدمی دجال سے قتال کریگا کسی عادل بادشاہ کا عدل اور کسی ظالم بادشاہ کا ظلم جہاد فی سبیل اللہ کو ختم نہیں کر سکے گا۔ ③ اچھی اور بری تمام تقدیروں پر ایمان لانا۔ اس حدیث کو ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں تین ایسے امور ذکر کیے گئے ہیں جو ایمان کی جڑ اور بنیاد ہیں اس حدیث میں کلمہ توحید کا اقرار کرنے کے بعد کسی مسلمان کو کافر کہنے کی ممانعت کر دی گئی ہے یعنی جس طرح خیر کے کام کرنے والے غیر مسلم کو مسلمان کہنا ممنوع ہے جب تک کہ وہ توحید و رسالت اور قیامت کا اقرار نہ کرلے اسی طرح جب کوئی آدمی صدق دل کے ساتھ توحید و رسالت کا اقرار کرے البتہ کچھ جرائم کا مرتکب ہو تو جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا جب تک کہ اس سے کسی ایسے عقیدہ کا ظہور نہ ہو جو کفر کو مستلزم ہے اس حدیث میں لا تکفرہ بذنب کے لفظ سے خوارج کی تردید ہو جاتی ہے ان کے نزدیک اگر کوئی مؤمن گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو وہ آدمی کافر ہو جاتا ہے اور اس طرح ولا تخرجہ من الاسلام بعمل ان الفاظ سے معتزلہ کی تردید ہو جاتی ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ جب کوئی مؤمن گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور کافر نہیں ہوتا گویا یہ لوگ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے کے لئے کفر اور ایمان کے درمیان ایک درجہ اور ثابت کرتے ہیں خوارج اور معتزلہ کے علاوہ موجودہ دور کے اہل اسلام کو بھی اس حدیث کے آئینہ میں اپنے آپ کو ضرور دیکھنا چاہیے کہ جو ایک مکتب فکر پر قائم ہیں اور اپنے مکتب فکر کے علاوہ دیگر مکاتب فکر کے لوگوں پر بے دریغ کفر کی توپ چلا دیتے ہیں بعض ایسے سخت دل ہوتے ہیں جو غرض اور لالچ اور دنیا کے مفاد کی خاطر علماء حق اور اولیاء اللہ کو کافر کہنے پر پورا زور لگا دیتے ہیں ایسے لوگوں کو ٹھنڈے دل سے غور و فکر کے ساتھ دل و دماغ کو حاضر رکھ کر تعصب اور عناد کو بالائے طاق رکھ کر اس حدیث پر غور کر لینا چاہیے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس مسلمان کو جو گناہ کا مرتکب ہو کافر کہنے سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے تو پھر بزرگان دین علماء حق اولیاء اللہ مشائخ عظام کو کافر کہنے کا جواز کہاں سے اختراع کر لیا گیا اور بعض سرکشی اور انتہائی عناد کی وجہ سے یہاں تک بھی کہہ دیتے ہیں جو ان کو کافر نہ کہے وہ خود ہی کافر ہے جو لوگ اپنے شب و روز اللہ کی اطاعت میں اور نبی کی اتباع میں اور دعوت و ارشاد میں گزار دیں ایسے لوگوں کو کافر کہنے والے دنیا اور آخرت کے واضح خسارے میں ہیں دوسری بات جس کو اس حدیث میں ایمان کی جڑ قرار دیا گیا ہے وہ ہے فریضہ جہاد۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اس وقت سے لے کر اس وقت تک جہاد جاری رہے گا کہ جب میری امت کا آخری آدمی دجال سے قتال کریگا اور اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اب روئے زمین پر اسلام اللہ کا سچا اور برحق دین ہے قتال کے ذریعے سے منکرین اسلام کا خاتمہ کیا جائے گا اور دین کے دشمنوں میں سے آخر دور میں آنے والا بڑا دشمن دجال ہوگا اور نبی کا آخری امتی دجال کے ساتھ قتال کرے گا اور یا جوج ماجوج بھی ختم کر دیئے جائیں گے یہ کرہ ارضی جب تک دشمنان اسلام سے مکمل طور پر پاک نہ ہو جائے اس

وقت تک جہاد فی سبیل اللہ جاری رہے گا جہاد کی فرضیت اور اہمیت کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر اسلامی حکومت کا سربراہ عادل ہو جائے اس کے عادل ہو جانے کے باوجود جہاد ختم نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی آدمی ظالم اور جابر حکمران ہو وہ اپنے جبر اور تشدد سے فریضہ جہاد کو ختم کرنا چاہے تو پھر بھی جہاد ختم نہیں ہو سکتا بلکہ اسلام کی شان و شوکت کو دوبالا کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ جاری اور ساری رہے گا تیسری چیز جس کو اس حدیث میں ایمان کی اصل اور جڑ قرار دیا گیا ہے وہ ہے تقدیر یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کائنات میں جو کچھ ہوا جو ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہوگا وہ سب اللہ کی تقدیر اور اللہ کے فیصلہ کے مطابق ہے۔

دورانِ گناہ ایمان معلق رہتا ہے

(۱۰/۵۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِیْمَانُ فَکَانَ فَوْقَ رَأْسِهٖ کَالظُّلَّةِ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

أخرجه أبو داوٗد في سننه ٥/٦٦ حديث ٤٦٩٠۔ والترمذي تعليقاً ٥/١٧ ضمن حديث رقم ٢٦٢٥۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان اس کے اندر سے نکل جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر لٹک جاتا ہے جب وہ اس گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان دوبارہ اس کی طرف لوٹ کر واپس آ جاتا ہے اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان اس کے اندر سے نکل کر باہر آ جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر معلق رہتا ہے اور جب بندہ اس گناہ اور معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف واپس لوٹ آتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ معصیت کی ظلمت سے نورِ ایمانی مدہم ہو جاتا ہے اب بندے کو معصیت کرنے میں کوئی خوف نہیں ہوتا اور جب بندہ صدقِ دل سے توبہ کر لیتا ہے تو پھر وہ نورِ ایمان واپس آ جاتا ہے۔

الفصل الثالث:

حضور ﷺ کی دس نشانیاں

(۱۱/۵۴) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُکَنَّ صَلٰوةً مَکْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَکْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِیَّاكَ وَالْمَعْصِیَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ وَاِیَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْهِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰی عِیَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَاَخِفْهُمْ فِی اللّٰهِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد في المسند ٥/٢٣٨۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دس چیزوں کی وصیت فرمائی: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے اور آگ میں جلا دیا جائے۔ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ

تمہیں اپنے اہل وعیال اور مال کو چھوڑنے کا حکم دے دیں۔ جان بوجھ کر فرض نماز کو نہ چھوڑنا کیونکہ جو آدمی جان بوجھ کر نماز کو چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اس سے ختم ہو جاتی ہے۔ شراب مت پیو اس لیے کہ شراب تمام برائیوں اور بے حیائیوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ سے بچو کیونکہ نافرمانی کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غصہ اور ناراضگی اتر آتی ہے ۔میدان جہاد میں دشمنوں کے مقابلہ سے پیٹھ نہ پھیرو اگر چہ تمہارے ساتھ والے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔ جب لوگوں میں کوئی وباء پھیل جانے سے موت عام ہو جائے اور تم ان میں موجود ہو تو اسی جگہ میں ثابت قدم رہو۔ اپنے اہل وعیال پر اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق خرچ کرتے رہو۔ اپنے اہل وعیال کو ادب سکھانے کے لئے اپنا لاٹھی ان سے نہ ہٹاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں اپنے اہل وعیال کو ڈراتے رہو یعنی اگر اہل وعیال میں سے کسی کو توبیخ ضروری ہو تو اس سے اعراض نہ کرو اور ان کو اچھی باتوں کی نصیحت اور تلقین کرتے رہو اور منکرات سے بچنے کی تاکید بھی کرتے رہو۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو دس چیزوں کی وصیت فرمائی اور تاکیدی حکم دیا تا کہ انسان ان دس چیزوں پر عمل کر کے اپنی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔

① شرک: سب سے پہلی چیز شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرانا یہ انتہائی گناہ کا کام ہے اور یہ ایسا گناہ ہے کہ جس کی معافی نہیں ہو سکتی اور اس کی قباحت کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو شرک سے بچنے کی وصیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک ہرگز نہیں کرنا اگر چہ تمہیں اپنی جان کے چلے جانے کا خطرہ ہو یا آگ سے جلنے کا ڈر ہو عقیدہ توحید پر پورے یقین اور استقامت کے ساتھ قائم دائم رہنا حضرت معاذؓ کو اپنی طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے احکام شرعیہ کی پیروی بہت محبوب تھی ہمیشہ اولیٰ اور افضل امور پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مزاج اور طبیعت کے مطابق تاکیدی حکم دیا ورنہ مسئلہ کے اعتبار سے اگر کسی آدمی کو کلمہ اسلام کے اقرار کی وجہ سے اپنی جان کا خطرہ ہو تو اکراہ اور جبر کی حالت میں اپنی زبان کے ساتھ شرک وکفر کا کلمہ کہنے کی رخصت ہے بشرطیکہ تصدیق قلبی موجود ہو۔

② اطاعت والدین: دوسری چیز یہ بتائی کہ ماں باپ کی اطاعت کرنی ہے ان کی نافرمانی کبھی نہیں کرنی ہے اور والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدین کی نافرمانی نہیں کرنی اگر چہ والدین تمہیں اپنے اہل وعیال سے اور اپنے مال ومنال سے علیحدہ ہو جانے کا اور دست بردار ہو جانے کا حکم دے دیں اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اگر والدین کا حکم کسی امر شرعی سے متعلق ہے تو اس صورت میں والدین کی اطاعت کرنا فرض ہے اور اگر والدین کا حکم کسی منکر اور گناہ کے کام سے متعلق ہے تو اس صورت میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور اگر ماں باپ کا حکم کسی امر مباح سے متعلق ہو تو اس صورت میں اطاعت کی جائے گا بشرطیکہ فتنہ اور فساد کا خطرہ نہ ہو۔

③ فرض نماز: تیسرا حکم یہ ہے کہ فرض نماز کو پابندی سے ادا کرنا اور اس کی اہمیت کو بتانے کے لئے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی فرض نماز کو جان بوجھ کر چھوڑ دے گا تو وہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے خارج ہو جائے گا دنیا میں تو اس طرح کہ جس جگہ اسلامی ریاست کا نفاذ ہو اور اسلامی حکومت قائم ہو تو شرعی قانون کے تحت اسے تعزیری سزا دی جائے گی اور آخرت میں نماز چھوڑنے والا اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں گرفتار ہوگا۔

④ اور شراب ہرگز نہ پیو: اس کی برائی اور قباحت بیان کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شراب ہر برائی، معصیت اور منکر کی جڑ اور بنیاد ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ سے بچو: اس کی برائی اور قباحت بیان کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گناہ اور نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کا غصہ اور ناراضگی لازم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا غصہ اور ناراضگی انتہائی بری چیز ہے۔

⑥ جہاد: کہ جب تم میدان جہاد میں دشمنان اسلام کے سامنے ہو تو ڈٹ کر مقابلہ کرو میدان سے بھاگنا نہیں اگر دشمنان اسلام مسلمانوں کے مقابلہ میں دو تہائی تک زائد بھی ہوں تمہارے لئے راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں ہے ہاں البتہ اگر ایک کے مقابلہ میں دو سے زائد ہوں اور مقابلہ مشکل ہو اور جان کا خطرہ ہو تو اس صورت میں راہ فرار اختیار کرنے کی رخصت ہے اس حکم کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ میدان جہاد سے کسی صورت میں راہ فرار اختیار نہ کرنا اگرچہ تمہارے تمام ساتھی یعنی مجاہدین شہید ہو جائیں اور تم دشمن کے مقابلہ میں اکیلے رہ جاؤ پھر بھی میدان نہ چھوڑنا بلکہ ڈٹ کر دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا۔

⑦ اسی طرح حضرت معاذ کو عقیدہ کی کمزوری سے بچاتے ہوئے وصیت فرمائی کہ جب کسی علاقے میں کوئی وباء پھیل جائے اور اس وبائی مرض کی وجہ سے اموات کثرت سے واقع ہوں اور آپ اس علاقہ میں موجود ہوں تو اس علاقہ کو چھوڑ کر بھاگنا نہیں کیونکہ لوگ عموماً دہشت اور خوف کی وجہ سے اس علاقہ سے بھاگ جاتے ہیں اس کے متعلق اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ وبائی مرض والے علاقہ میں پہلے سے موجود ہوں تو ان کے لئے اس علاقہ کو چھوڑ کر بھاگنا جائز نہیں اور جو لوگ وہاں پہلے سے موجود نہ ہوں ان کو وبائی امراض والے علاقہ میں نہیں جانا چاہئے۔

⑧ اپنے اہل و عیال پر اپنی استطاعت اور گنجائش کے مطابق نان نفقہ اور لباس وغیرہ کے لئے خرچ کرو جو اللہ نے وسعت اور کشادگی دی ہے اس میں کمی بھی نہ کی جائے اور اس میں حد سے تجاوز بھی نہ کیا جائے بلکہ میانہ روی کو اختیار کیا جائے۔

⑨ اپنے اہل و عیال کو اچھا ادب تعلیم کرو اگر اس تعلیم و تربیت کے لیے لاٹھی استعمال کرنا پڑے تو استعمال کی جائے کیونکہ تعلیم و تربیت اور ادب انسان کے لئے بہترین زیور ہے۔

⑩ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں یعنی فرائض اسلام اور احکام شرعیہ کو بجالانے میں ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہنا چاہیئے یعنی اللہ کی اطاعت، رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب کو بروئے کار لانا چاہئے۔

نفاق اب نہیں رہا......

(۱۲/۵۵) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اِنَّمَا النِّفَاقُ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَاِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ وَالْاِيْمَانُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٣/ ٦٩ حديث ٧١١٤۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ منافقت کا حکم رسول کریم ﷺ کے دور میں ختم ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب دو ہی صورتیں ہیں۔ کفر یا ایمان۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ منافقین رسول اللہ ﷺ کے دور میں پیدا ہوئے اور اس وقت منافقین کا نفاق اعتقادی تھا اور اعتقادی نفاق کفر ہے مگر بعض فوائد اور مصالح کی وجہ سے منافقین کو مسلمانوں کے ساتھ شمار کیا گیا اور وہ مسلمانوں کی صف میں رہے۔ بسا اوقات ان کی اسلام کے خلاف سازشیں بھی ظاہر ہوئیں۔ مگر اس کے باوجود ان کی ناشائستہ حرکات پر چشم پوشی کی گئی۔ لیکن موجودہ دور میں یہ حکم نہیں۔ اگر کسی

مسلمان کے متعلق ظاہر ہو جائے کہ اس کا نفاق اعتقادی ہے۔ تو اس کو مرتد شمار کیا جائے گا اور ارتداد کی سزا اس پر جاری ہوگی۔

بَابٌ فِي الْوَسْوَسَةِ

اس باب میں وسوسہ کا بیان ہے۔ وسوسہ لغت میں نرم اور آہستہ آواز کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وسوسہ ان خیالات فاسدہ اور گھٹیا افکار اور خطرناک تصورات کا نام ہے جو شیطان کی طرف سے اس کی مداخلت سے انسان کے دل میں پیدا ہوں۔ یا وسوسہ وہ رذیل خطرات ہیں جو انسان کو گناہ اور معصیت اور بداعتقادی کی طرف بلائیں۔ یا وسوسہ اس فاسد خیالی کو کہتے ہیں جو انسان کے دل میں گزرے اور وسوسہ کے مقابلہ میں الہام ہے اور الہام القاء الخیر فی القلب کو کہتے ہیں یعنی وہ اچھے تصورات اور خیالات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل میں ڈالے جائیں۔

الفصل الاول:

وسوسہ کب تک معاف ہے؟

(۱/۵۶) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْتَتَكَلَّمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵/۱۶۰ حديث رقم ۲۵۲۸۔ وأخرجه مسلم ۱/۱۱۶ حديث (۲۰۲۔۱۲۷) وأخرجه أبو داوٗد في السنن ۲/۶۵۷ حديث رقم ۲۲۰۹۔ وأخرجه النسائي في سننه ۶/۱۵۶ حديث رقم ۳۴۳۴۔ وأخرجه الترمذي في السنن ۳/۴۸۹ حديث رقم ۱۱۸۳۔ وابن ماجة في السنن ۱/۶۵۸ حديث رقم ۲۰۴۰ وأحمد في مسنده ۲/۳۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لوگوں کے ان وسوسوں اور خیالات کو معاف کر دیا ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہوں جب تک کہ وہ لوگ ان وسوسوں پر عمل نہ کر لیں اور اپنی زبان پر لا کر ان کے ساتھ کلام نہ کر لیں (بخاری ومسلم)

تشریح ✿ اس حدیث میں وسوسہ کے حکم کے طرف اشارہ کیا گیا ہے وسوسہ کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ خیال اور تصور جو انسان کے دل میں پیدا ہو اور اس حدیث میں امت سے مراد امت اجابت ہے یعنی مسلمان نہ کہ امت دعوت کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس وسوسہ کو معاف کر دیا ہے کہ جس کے مطابق انسان نے کوئی کارروائی نہ کی ہو یعنی اگر اس وسوسہ کا تعلق عمل اور فعل سے ہے تو جب تک انسان اس فعل کا ارتکاب نہیں کرتا وہ معاف ہے اور اگر اس وسوسہ کا تعلق قول سے ہے تو جب تک انسان اپنے وسوسہ کے مطابق گفتگو نہیں کرتا تو یہ معاف ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن وسوسوں کا تعلق افعال اور اقوال قلبیہ کے علاوہ عقائد سے ہو تو وہ ہر حال میں گناہ ہے۔

صریح ایمان کی علامت

(۲/۵۷) وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَاَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِيْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۱۱۹ حديث رقم (۲۰۹۔۱۳۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ کرام آپ کی خدمت

عالیہ میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسے وسوسے اور خیالات پاتے ہیں جن کا زبانوں پر لانا بھی ہمارے لئے انتہائی برا ہے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ فی الواقع تم ایسی کیفیت پاتے ہو۔صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم ایسی کیفیت ضرور پاتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ تو واضح وصریح ایمان کی علامت ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب وسوسہ دل میں آجائے اور انسان اس کو برا سمجھے تو یہ ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ جب صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے دلوں میں وساوس آتے ہیں اور وہ اس قدر برے ہیں کہ ہم ان کو اپنی زبان پر لاکر بیان کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگوں میں ایسی کیفیت موجود ہے تو یہ تو واضح ایمان ہے۔ یعنی وساوس کو اتنا برا اور قبیح جاننا صریح ایمان ہے۔ جب زبان پر نہیں لاسکتا تو دل میں کس قدر نفرت ہوگی۔ آپ ﷺ نے وسوسہ کے بارے میں امت کو تسلی دی اور وسوسہ کا علاج بتایا کہ وساوس کے آجانے سے ایمان کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یہ شیطان کا حملہ ہے اور شیطان وہاں حملہ آور ہوتا ہے جہاں ایمان ہو۔

ایک شیطانی وسوسہ

(۳/۵۸)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتّٰى يَقُوْلَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَاِذَا بَلَغَهٗ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ۔ (متفق علیہ)

البخاري في صحيحه ٣٣٦/٦ حديث رقم ٣٢٧٦۔ ومسلم في صحيحه ١٢٠/١ حديث (٢١٤۔١٣٤)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض انسانوں کے پاس شیطان آتا ہے اور آکر یہ کہتا ہے کہ فلاں اور فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ پھر وہ یہ کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب وساوس کا سلسلہ یہاں تک پہنچ جائے تو اس آدمی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور وسوسہ کے سلسلہ کو ختم کردے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب شیطان دل میں وساوس پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو شیطان انسان کی روحانی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر جو یقین اور اعتماد ہے اس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے وہ انسان کو گمراہ کرنے میں مصروف عمل رہتا ہے۔ صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتا کہ وہ دھوکہ کے ذریعہ آدمی کے اعمال صالحہ اور خیر کے امور میں رکاوٹ اور تعطل کی کوشش کرے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ طاقت اور قوت کے ساتھ انسان کے دل ودماغ میں فاسد خیالات تصورات اور وسوسے ڈالتا ہے اور مختلف طریقوں سے شبہات اور خیالات القاء کرتا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے ایمان اور یقین میں مضبوط ہوتے ہیں۔ وہ شیطانی رخنہ اندازیوں سے متاثر نہیں ہوتے وہ ابلیس کی تمام کوششوں کو ناکارہ بنادیتے ہیں۔ مذکورہ حدیث میں جہاں شیطانی وساوس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا علاج بھی بتایا گیا ہے جو ان وساوس کو غیر مؤثر بنادے اور ان کا ازالہ کردے۔ ابلیس وسوسے پیدا کرنے میں تدریجی طریقہ اپناتا ہے کہ سب سے پہلے مخلوقات اور اشیاء موجودہ کے بارے میں وساوس پیدا کرتا ہے۔ مثلاً یہ وسوسہ ذہن میں ڈالتا ہے کہ انسان کا وجود کس نے بنایا ہے۔ زمین وآسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو کس نے پیدا کیا ہے۔ چونکہ ایمان کامل والے لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات و

صفات کے متعلق عقل سلیم کے ساتھ اس کا ادراک اور شعور رکھتے ہیں کہ تمام کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری کا نتیجہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات ہیں یہاں تک تو شیطانی وسوسہ کی کوئی اہمیت نہیں۔ مگر اس وقت یہ معاملہ حساس اور خطرناک ہو جاتا ہے۔ جب اس وسوسہ کی رسائی ذات باری تعالیٰ تک ہو جائے اور شیطانی وسوسہ انسان کے دل و دماغ میں بصورت سوال یہ وسوسہ پیدا کر دے کہ زمین و آسمان، چاند، سورج، سیارات، حیوانات سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ تو پھر خود اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وسوسہ یہاں تک آ جائے۔ تو اب اللہ تعالیٰ سے استعاذہ کرو یعنی پناہ مانگو اور اپنے دل و دماغ کو اس خیال فاسد اور وسوسہ سے پاک کرو تاکہ وساوس کا سلسلہ مزید آگے نہ بڑھے بلکہ فی الفور یہ سلسلہ ختم ہو جائے اور اس پناہ کا تعلق صرف زبان سے نہیں۔ بلکہ اپنے اندر اس عقیدہ کا یقین پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ واجب الوجود ہے وہ کسی کی مخلوق یعنی پیدا کردہ نہیں۔ وہ ازل سے ہے اور ابدالآباد تک رہے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ریاضت مجاہدہ، محنت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ذکر کے استغراق کی وجہ سے تزکیہ نفس اور دل و دماغ کے فاسد خیالات سے سلامتی اور تحفظ کی طرف پوری کوشش کے ساتھ متوجہ ہونا۔ وسوسہ کو فوری طور پر ختم کرنے کا اہل اللہ علماء کرام اور مشائخ عظام نے ایک طریقہ یہ بتایا ہے کہ مجلس کو تبدیل کر لیا جائے۔ یعنی جس جگہ میں بیٹھے یا لیٹے یہ وسوسہ پیدا ہو۔ اس جگہ کو فی الفور چھوڑ دے اور دوسری جگہ چلا جائے اور کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائے تاکہ اس طرف سے توجہ مبذول ہو جائے اور وسوسہ کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔

تصورات کی حدود

(۴/۵۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ ھٰذَا خَلَقَ اللّٰہُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہَ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

الحدیث لیس موجود فی صحیح البخاری إنما الموجود روایۃ أنس لن یبرح الناس یتساء لون حتی یقولوا؟ ھذا اللّٰہ خالق کل شیٔ فمن خلق اللّٰہ حدیث رقم ۷۲۹۶۔ وأخرجہ مسلم فی صحیحہ ۱۱۹/۱ حدیث رقم (۲۱۲۔ ۱۳۴)۔ وأبوداؤد فی سننہ ۹۱/۵ حدیث رقم ۴۷۲۱ وأحمد فی المسند ۲۸۲/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ ہمیشہ اپنے دل میں مخلوق وغیرہ کے متعلق خیالات اور تصورات کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ کہا جائے گا یعنی دل و دماغ میں یہ خیال آئے گا کہ اس تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس انسان کے دل و دماغ میں یہ وسوسہ پیدا ہو۔ تو وہ فوراً یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ابلیس کے وساوس اور فاسد خیالات سے بچنے کے لئے ایک اور علاج اور طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ جب وسوسہ مخلوقات کے تصورات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچ جائے تو اس وقت انسان توحید و رسالت پر ایمان کا اقرار کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کے سچے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں۔ جنہوں نے ہمیں اس بات کی خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم اور واجب الوجود ہے، ہر طرح کے نقص اور عیب اور ابتداء، انتہاء سے منزہ ہے اور وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کسی سے پیدا نہیں ہوا اور تمام کائنات اور اس کی اشیاء اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔ اس پر مضبوط عقیدہ قائم کرے۔ اس سے انسان کے دل و دماغ کو خیالات فاسدہ اور وسوسوں سے تحفظ اور سلامتی حاصل ہو جائے گی اور شیطان بری طرح اپنے ناپاک عزائم میں مردود ہوگا۔

ہرانسان کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ

(۵/۶۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّایَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِیْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم في صحيحه٤/٢١٦٧حديث ٦٩۔والدارمي في سننه ٢/٣٩٦حديث رقم ٢٧٣٤وأحمد في المسند ١/٣٨٥۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ جس کا ایک ساتھی جنوں میں سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس جن سے مقابلہ کرنے کی مدد دے رکھی ہے۔ اس لئے میں اس کے مکروفریب اور ضلالت سے سلامتی میں رہتا ہوں۔ بلکہ یہاں تک کہ وہ بھی مجھے نیکی کا مشورہ دیتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دو ساتھی ہوتے ہیں ایک جنات یعنی شیطانوں میں سے اور دوسرا ملائکہ میں سے۔ فرشتہ نیکی بھلائی خیر اور اعمال صالحہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور انسان کے دل و دماغ میں اچھے اچھے خیالات ڈالتا ہے اور اس کا نام ملہم ہے اور شیطان انسان کو اعمال سیۂ پر لگا دیتا ہے اور انسان کے دل و دماغ میں فاسد خیالات، برے تصورات اور وساوس ڈالتا ہے معصیت اور نافرمانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے اس کا نام وسواس ہے۔

شیطان انسانی رگوں میں

(۶/۶۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ ۔ (متفق عليه)

البخاري أخرجه عن صفية بنت حيي زوجة الرسول٦١/٢٣٦حديث ٣٢٨١وهي الرواية التي اتفق عليها الشيخان ۔ورواية أنس أخرجه مسلم٤/١٧١٢حديث رقم ٢٣۔ وأخرجه أبوداوٗد في سننه ٢/٨٣٤حديث ٢٤٧٠۔وأخرجه ابن ماجة في سننه ١/٥٦٦حديث رقم ١٧٧٩وأحمد في مسنده ٣/١٥٦۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے اندر شیطان اس طرح گردش کرتا ہے۔ جس طرح رگوں میں خون گردش کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی رگوں میں شیطان گردش کرتا رہتا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قوت عطا کی گئی ہے اس کی وجہ سے اس کو انسان کے گمراہ کرنے پر مکمل قدرت حاصل ہے اور اس قدرت کا انحصار صرف ظاہری قدرت اور تصرف پر نہیں کہ ابلیس انسان کو اعمال صالحہ اور خیر کے امور سے ظاہری طور پر رکاوٹیں ڈال سکتا ہے کہ نیک لوگوں کو صراط مستقیم سے دور کر دیتا ہے۔ بلکہ شیطان کو من جانب اللہ ایسی قدرت اور استطاعت بھی میسر ہے کہ وہ داخلی اور باطنی طور پر انسان کے اندر گھس کر دل و دماغ کو وساوس اور خیالات فاسدہ سے خراب کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور اس اثر کو مجری الدم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ تشبیہ ہے اور مجاز پر محمول ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ شیطان وہاں تک وساوس ڈالتا ہے جہاں تک خون انسان کے جسم میں سرایت کرتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک یہ معنی حقیقی پر محمول ہے معنی یہ ہوگا کہ شیطان انسان کے اندر گھس کر

دوڑتا ہے جہاں تک خون چلتا ہے۔

بوقتِ پیدائش شیطانی حملہ

(۷/۶۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ بَنِیْ آدَمَ مَوْلُوْدٌ اِلَّا یَمَسُّهُ الشَّیْطَانُ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّیْطَانِ غَیْرَ مَرْیَمَ وَابْنِهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦/٤٦٩ حدیث رقم ٣٤٣١۔ ومسلم فی صحیحه ٤/١٨٣٨ حدیث رقم ١٣٦۔ وأحمد فی المسند ٢/٢٣٣۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کے ہاں جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو شیطان اس کو مس کرتا ہے یعنی چھوتا ہے۔ جس کی وجہ سے بچہ چیخ مارتا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم کو شیطان نے نہیں چھوا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو ٹھونگ مارتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیخ اٹھتا ہے۔ اس سے ظاہری ٹھونگ مراد نہیں بلکہ باطنی ٹھونگ مراد ہے۔ کیونکہ بچہ معصوم اور گناہوں کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی انس نہیں ہوتا غیر مانوس ہونے کی وجہ سے چیخ مارتا ہے۔

اور اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا استثناء کیا گیا کہ انکو شیطان نے ولادت کے وقت ٹھونگ نہیں ماری۔

شیطان کی ٹھونگ سے بچے کی چیخ وپکار

(۸/۶۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صِیَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِیْنَ یَقَعُ نَزْغَةٌ مِنَ الشَّیْطَانِ. (متفق علیه)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/١٨٣٨ حدیث ١٤٨۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ولادت کے وقت بچہ اس لئے چیخ مارتا ہے کہ شیطان اس کو ٹھونگ مارتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث کا مضمون بھی سابقہ حدیث والا ہے کہ ولادت اور پیدائش کے وقت بچہ چلاتا ہے اور یہ چیخنا اور چلانا اس چیز کی علامت ہے کہ شیطان نے اس کو ٹھونگ ماری ہے اور بچہ کا چلانا اس مس شیطانی کی وجہ سے ہے۔

ابلیس کا تخت

(۹/۶۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اِبْلِیْسَ یَضَعُ عَرْشَهٗ عَلَی الْمَآءِ ثُمَّ یَبْعَثُ سَرَایَاهُ یَفْتِنُوْنَ النَّاسَ فَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً یَجِیْءُ اَحَدُهُمْ فَیَقُوْلُ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَیَقُوْلُ مَا صَنَعْتَ شَیْئًا قَالَ ثُمَّ یَجِیْءُ اَحَدُهُمْ فَیَقُوْلُ مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰی فَرَّقْتُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ امْرَاَتِهٖ قَالَ فَیُدْنِیْهِ مِنْهُ وَیَقُوْلُ نِعْمَ اَنْتَ قَالَ الْاَعْمَشُ اَرَاهُ قَالَ فَیَلْتَزِمُهٗ. (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/٢١٦٧ حدیث ٦٧ وأحمد فی مسنده ٣/٣١٤۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان اپنی حکمرانی کا تخت

سمندر پر رکھتا ہے۔ پھر وہاں سے اپنے لشکروں اور جماعتوں کو روانہ کرتا ہے۔ تا کہ لوگوں کو فتنہ فساد اور ضلالت میں ڈال دیں۔ اس کے لشکروں میں شیطان کا سب سے زیادہ مقرب وہ ہے جو مخلوق میں سب سے بڑا فتنہ اور فساد ڈالے۔ ان میں سے ایک واپس آ کر اپنی کارگزاری سناتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے فلاں اور فلاں فتنے پیدا کیے۔ شیطان اس کے جواب میں کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو گمراہ کرنا شروع کیا اور اس وقت تک اس کے تعاقب میں رہا یہاں تک کہ اسکے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈلوا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان یہ کارگزاری سن کر اس کو اپنے قریب بٹھالیتا ہے اور شاباش دیتے ہوئے کہتا ہے کہ تو نے بہت اچھا کام کیا۔ حدیث کے راوی حضرت اعمش ؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت جابرؓ نے فیدنیه کے بجائے فیلتزمه فرمایا کہ شیطان یہ سن کر اس کو اپنے گلے سے لگالیتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان کا محبوب اور پسندیدہ کام خاوند اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا ہے اس حدیث میں یَضَعُ عَرْشَهٗ عَلَی الْمَآءِ کہ شیطان اپنی حکومت کا تخت سمندر پر رکھتا ہے بعض علماء نے اس کو مجاز پر محمول کیا ہے کہ اس سے مراد شیطان کا تسلط اور غلبہ ہے اور بعض دیگر علماء کے نزدیک اپنے ظاہر اور حقیقت پر محمول ہے کہ شیطان فی الواقع اپنا تخت سلطانی سمندر پر رکھتا ہے اور پھر اپنی ذریت اور کارندوں کو فتنہ اور فساد کی کارروائیوں کے لئے روانہ کرتا ہے اور جب اس کی اولاد اور کارندے واپس آ کر اپنی اپنی کارگذاریاں سناتے ہیں تو سب سے زیادہ اس کی کارگذاری پر خوش ہوتا ہے کہ جو خاوند اور بیوی کے درمیان فتنہ، فساد، لڑائی اور جدائی ڈال دے کیونکہ میاں اور بیوی کے باہم تنازع سے غیظ وغضب اور غفلت میں ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں کہ بیوی کے لئے طلاق بائن کو مستلزم ہوں اور طلاق بائن کی صورت میں بیوی اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور اس سے شیطان کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ خاوند اپنی حماقت اور جہالت کی وجہ سے عورت کو اپنی منکوحہ اور بیوی سمجھتا ہے اور وظیفہ زوجیت اس سے بدستور جاری وساری رکھتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں یہ فعل حرام ہوتا ہے اور اس فعل حرام کے نتیجہ میں ناجائز اور حرام کی اولاد پیدا ہوتی ہے جس سے روز بروز حرام زادوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ایسے لوگ پھر دنیا میں فسق وفجور، گناہ، معصیت، فتنہ، فساد اور شرانگیزی کا کارنامہ سرانجام دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں روئے زمین پر فساد اور فتنہ عام ہو جاتا ہے امن اور سکون ختم ہو جاتا ہے الغرض خاوند اور بیوی کا تنازع ایک فتنہ اور فساد نہیں بلکہ یہ فسادات کثیرہ کو مستلزم ہے۔ اس وجہ سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے شیطان ایسا کام کرنے والے کو داد دیتا ہے اور شاباش دیتے ہوئے کہتا ہے کہ تم نے بہت اچھا کام کیا ہے اور تم کیا ہی اچھے ہو اور پھر اسی زبانی شاباش پر اکتفاء نہیں کرتا۔ بلکہ عملی شاباش کے طور پر اس کو اپنے سینے سے لگالیتا ہے۔

شیطان کی اُمید اور نا اُمیدی

(۱۰/۶۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اَيِسَ مِنْ اَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِیْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَلٰكِنْ فِی التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ٢١٦٦/٤ حديث ٦٥۔ والترمذی ٢٩١/٤ حديث رقم ١٩٣٧ واحمد فی المسند ٣١٣/٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ ابلیس اس بات سے تو نا امید

ہو گیا کہ جزیرہ عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی عبادت کریں لیکن ان کے درمیان فتنہ۔ فساد اور لڑائی جھگڑا ڈالنے سے ناامید نہیں ہوا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں توحید کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں اور شیطان بھی جزیرہ عرب میں شرک اور بت پرستی وغیرہ سے مایوس ہو چکا ہے اور مسئلہ توحید لوگوں کے دل و دماغ میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ جزیرۃ العرب میں شرک اور بت پرستی کی لعنت کبھی نظر نہیں آئے گی گویا اس بارے میں ابلیس نے بھی اپنی شکست تسلیم کر لی ہے اور اس حدیث میں اَلْمُصَلُّوْنَ سے مراد مسلمان ہیں اور نماز کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ نماز عبادات اور ارکان اسلام میں ایک اہم عبادت اور رکن ہے۔ ہاں البتہ شیطان نے اس کے باوجود جزیرۃ العرب میں اپنا مشن ختم نہیں کیا۔ بلکہ اس بات سے پر امید اور مطمئن ہے کہ ان کے درمیان جذبات ابھار کر تنازع، فتنہ، فساد، لڑائی جھگڑا ڈال کر افتراق اور انتشار کا شکار بنایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرۃ العرب میں آج تک بت پرستی، مردہ پرستی اور مشرکانہ افعال وحرکات کا علی الاعلان کوئی مظاہرہ نہیں ہوا۔ لیکن فتنہ اور فساد، اور باہمی تنازعات میں شیطان مصروف عمل اور سرگرم رہا۔ شہادت عثمانؓ شہادت علیؓ وغیرہ جنگوں میں یہی شیطانی کوشش کارفرما ہے اور اسی طرح شیطان کمزور عقائد والے لوگوں کو مرتد بنانے میں کامیاب ہوا۔

الفصل الثانی:

شیطانی وسوسے سے حفاظت پر شکر خداوندی

(۱۰/۶۵) (ل) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ جَآءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّیْ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ بِالشَّیْءِ لَاَنْ اَکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ۔ (رواہ ابوداود)

اخرجه أبوداوٗد فی سننه ٥/٣٣٦حدیث رقم ٥١١٢وفیه زیادة ثلاث تکبیرات قبل "الحمد للّٰه" وأحمد فی المسند ١/٣٤٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول۔ میں اپنے اندر ایک ایسا برا خیال اور وسوسہ پاتا ہوں کہ زبان سے اس کا اظہار کرنے کے بجائے جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے زیادہ محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ جس نے اس برے خیال کو وسوسہ کی حد تک رکھا۔ اس حدیث میں کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیطانی وسوسہ سے حفاظت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ شیطان سے اس صحابی کے دل میں برا وسوسہ ڈال دیا۔ جو کہ ہاجس غیر اختیاری ہے اور اس کی وجہ سے اس صحابی کی ایمانی کیفیت کی حس میں اضطراب اور قلق پیدا ہوا اور وہ فی الفور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ اے اللہ کے رسول میرے دل میں ایک ایسا وسوسہ اور خیال آیا ہے کہ اس کو زبان پر لا کر بیان کرنے کے بجائے مجھے جل کر کوئلہ ہو جانا پسند ہے۔ لیکن اس کا تصور تک مجھے گوارا نہیں۔ مقصود اس سے شدید نفرت کا اظہار ہے اور یہ استحکام ایمان کی علامت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو تسلی دی اور فرمایا کہ اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ تمہاری ایمانی کیفیت اور احساس پوری طرح بیدار ہے اور اس برے وسوسہ اور خیال کو تمہارے دل ودماغ نے قبول نہیں کیا اور اس سے متاثر نہیں ہوا اور یہ خیال وسوسہ کی حد سے متجاوز نہیں ہوا اور وسوسہ معاف ہے ایسے وسوسہ پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں۔ ہاں البتہ اگر یہ وسوسہ کی حد سے بڑھ جاتا تمہارے عمل اور کلام سے اس کا اظہار ہو

جاتا تو پھر خطرہ اور نقصان تھا۔ کیونکہ اس سے دنیا اور آخرت کا خسارہ تھا۔

شیطانی وسوسے اور فرشتے کی ترغیب میں فرق

(۶۶/۱۱)وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ اٰدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَاَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَاِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَاِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ثُمَّ قَرَاَ اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔ (البقرہ ۲۶۸) ۔ (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی ۵/۲۰۴ حدیث رقم ۲۹۸۸۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف شیطان کا اور ایک تصرف فرشتہ کا ہوا کرتا ہے۔ شیطانی تصرف یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی پر ابھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا جو شخص اپنے اندر یہ کیفیت محسوس کرے تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ یہ منجانب اللہ ہے اس پر اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور جو شخص دوسری کیفیت (شیطانی وسوسہ اندازی) اپنے اندر محسوس کرے تو اس کو چاہئے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لئے اکساتا ہے۔'' (اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)۔

تشریح ۞ فرشتہ کے ابھارنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ نیکی کی قدر و قیمت اور اس پر ملنے والے اجر و انعام کی کشش آشکارا کرتا ہے اور انسان کے لاشعور میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ اللہ کا سچا دین ہی انسانیت کی بقاء و ترقی کا ضامن ہے اللہ کے رسول ﷺ جو شریعت لے کر مبعوث ہوئے اسی میں بنی آدم کی دونوں جہان کی نجات پوشیدہ ہے۔ اگر اپنی فلاح و نجات چاہتے ہو تو برائی کے راستہ سے بچو اور نیکی کے راستہ کو مضبوطی سے تھام لو۔

شیطان کا ابھارنا یہ ہے کہ وہ راہِ حق کو دھندلا و گنجلک کر کے دکھاتا ہے وسوسہ اندازی کے ذریعہ دین کی بنیادی باتوں مثلاً توحید' نبوت آخرت اور دوسرے اعتقادات میں کشش و پیچ میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیکی کو کریہہ صورت میں اور برائی کو دلکش شبیہ میں پیش کرتا ہے' انسانی دماغ میں یہ بات بٹھانے کی سعی کرتا ہے کہ اگر ان چیزوں کو اختیار کرو گے جو نیکی سے تعبیر کی جاتی ہیں تو پریشانیاں اٹھاؤ گے۔ تکلیفیں برداشت کرو گے' مثلاً توکل و قناعت کی زندگی اختیار کرو گے اور اپنے اوقات کو دنیا سازی میں صرف کرنے کی بجائے عبادت اور دین کی خدمت میں لگاؤ گے تو تم دنیاوی دولت اور اس کی آسائش سے راحت نہیں اٹھا پاؤ گے۔

وسوسے کا علاج

(۶۷/۱۲)وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَآءَلُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَاِذَا قَالُوْا ذٰلِكَ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ثُمَّ لِيَتْفُلْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلَاثًا وَّلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ فِيْ بَابِ خُطْبَةِ يَوْمِ النَّحْرِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

أخرجه أبو داوٗد فی سننه ٥/٩٢ حدیث رقم ٤٧٢٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ پہلے مخلوق کے متعلق پوچھ گچھ کرینگے اور پھر آخر میں یہ تصور خیال اور سوال پیدا ہوگا کہ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ تو خود اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب یہ سوال کیا جائے تو تم کہو۔ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور اس کا کوئی ہمسر اور مثل نہیں اور پھر اپنی بائیں طرف تین بار تھوک دو اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ عمرو ابن احوص جس کو صاحب مصابیح نے یہاں ذکر کیا ہے۔ ہم اس کو خطبہ یوم النحر کے باب میں نقل کرینگے ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ وہ روایت اسی باب کے مضمون اور موضوع سے متعلق ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی آخری درجہ کا وسوسہ اور اس سے بچنے کا علاج بتایا گیا ہے۔ آخری درجہ کا قبیح اور برا خیال یہ ہے کہ جب انسان کے دل و دماغ میں یہ سوال پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے اس کے علاج کے لئے تین چیزیں بتائی گئی ہیں۔

پانچ کلمات کے ساتھ اللہ کی توحید۔ تقدیس۔ تنزیہ اور تحمید کا اقرار کرو۔

① اللّٰه احد۔ کہ اللہ ایک ہے ② اللّٰه الصمد۔ کہ اللہ بے نیاز ہے ③ لم یلد۔ کہ اللہ سے کوئی پیدا نہیں ہوا ④ ولم یولد۔ کہ اللہ کسی سے پیدا نہیں ہوا ⑤ ولم یکن له کفوا احد۔ کہ اللہ کا کوئی ہمسر اور جوڑا نہیں۔

② جب یہ وسوسہ اور خیال فاسد پیدا ہو کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو بائیں طرف مڑ کے تین بار تھوک دو۔ یہ شیطان کو قبیح جاننے اور اظہار نفرت کے لئے ہے۔ اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور بائیں طرف تھوکنے کا حکم اس لئے ہے کہ دل بھی بائیں طرف ہے اور شیطان کا حملہ بھی دل پر بائیں طرف سے ہوتا ہے۔

③ تیسری چیز ہے کہ شیطان مردود کے حملہ سے اللہ کے ساتھ پناہ مانگو۔ اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور آدمی اس کے وساوس، شر اور خیالات فاسدہ سے حفاظت اور سلامتی میں ہو جائے گا۔

شیطانی وساوس کی حد

(۱۳/۶۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ يَّبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا يَزَالُوْنَ يَقُوْلُوْنَ مَا كَذَا مَا كَذَا حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ١٣/٢٦٥ حدیث رقم ٧٢٩٦۔ ومسلم ١/١٢١ حدیث (٢١٧۔١٣٦)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ ہمیشہ آپس میں پوچھ گچھ یعنی سوال کرتے رہیں گے۔ یعنی شیطانی وساوس کی شکل میں ان کے اندر اس طرح کے فاسد خیالات پیدا ہوتے رہیں گے کہ جب ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ بخاری کی روایت اسی طرح ہے اور مسلم شریف میں اس طرح ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کی امت کے لوگ اگر شیطان کے وساوس سے ہوشیار نہ رہے۔ تو پہلے یوں کہیں گے یہ کیا ہے؟ اور یہ کیسے ہوا؟ یعنی مخلوقات کے متعلق آپس میں

گفتگو اور تفتیش کرینگے اور پھر آخر میں یوں کہیں گے کہ سب اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ تو اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا ہے؟

تشریح اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کے وساوس سے ہوشیار اور چوکنا رہو۔ کہ شیطان انسان کے دل ودماغ میں بتدریج آہستہ آہستہ وسوسہ ڈالتا ہے پہلے دیگر اشیاء اور مخلوقات کے بارے میں خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ فلاں چیز کیا ہے اور کیسے ہے؟ اور اس کو کس نے پیدا کیا ہے؟ بتدریج یہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان کہتا ہے کہ جب تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ وسوسہ چونکہ کفر وضلالت ہے اس لئے اس پر استعاذہ کیا جائے اور مزید وساوس اور خیالات کو ختم کر کے اپنی توجہ اور دھیان دوسری طرف کر لینا چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق کوئی فاسد خیال پیدا نہ ہو۔

خنزب شیطان سے نجات کی صورت

(۶۹/۱۴) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ حَالَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ صَلَاتِيْ وَبَيْنَ قِرَاءَتِيْ يَلْبِسُهَا عَلَيَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خِنْزِبٌ فَاِذَا اَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَلٰى يَسَارِكَ ثَلَاثًا فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَهُ اللّٰهُ عَنِّيْ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۴/۱۷۲۸ حديث ۶۸۔ وأحمد في المسند ۴/۲۱۶۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابو العاص سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول میرے اور میری نماز میری قراءت کے درمیان شیطان دخیل ہو جاتا ہے اور ان چیزوں سے متعلق التباس ڈالتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ وہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے۔ پس جب تمہیں اس کا احساس ہو کہ اب شیطان وساوس اور شبہات میں ڈالے گا۔ تو تم اس شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو اور بائیں طرف رخ کر کے تین مرتبہ تھوک دو۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق میں نے اسی طرح عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے وساوس سے حفاظت اور سلامتی میں رکھا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

نماز میں پیش آنے والے وہم کا علاج

(۷۰/۱۵) وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهُ فَقَالَ اِنِّيْ اَهِمُ فِيْ صَلَاتِيْ فَيَكْثُرُ ذٰلِكَ عَلَيَّ فَقَالَ لَهُ اِمْضِ فِيْ صَلَاتِكَ فَاِنَّهُ لَنْ يَذْهَبَ ذٰلِكَ عَنْكَ حَتّٰى تَنْصَرِفَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ مَا اَتْمَمْتُ صَلَاتِيْ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطا ۱/۱۰۰ حديث رقم ۳ من كتاب السهو۔

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے مجھ سے سوال کیا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم ہو جاتا ہے یعنی کبھی تو یہ شک پڑ جاتا ہے کہ میری نماز صحیح ادا نہیں ہوئی اور کبھی یہ وہم ہو جاتا ہے کہ ایک رکعت پڑھنے سے رہ گئی ہے مجھے اس تردد کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے حضرت قاسم نے فرمایا کہ تم اس طرح کے وسوسہ پر توجہ نہ دیا کرو اور اپنی نماز پوری کرو اس لئے کہ وہ شیطان تم سے تب ہی دور ہوگا کہ جب تم اپنی نماز پوری کر لو اور یہ کہہ دو کہ میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی اس حدیث کو مالک نے روایت کیا ہے۔

مضمون حدیث: ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے اندر وہم اور وسوسہ کو نظر انداز کر کے اپنی نماز کو جاری رکھنے کی

کوشش کی جائے نماز چونکہ تمام عبادات میں سے ایک اہم اور جلالت شان والی عبادت ہے اس لئے شیطان اخلاص کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو اپنی پوری کوشش اور محنت کے ساتھ شک اور تردد میں ڈال کر نماز کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور شیطان کی طرف سے یہ تخریبی کارروائی عام لوگوں کو توجہ اور یکسوئی سے محروم کر دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو باتیں نماز کے علاوہ یاد نہیں رہتیں نماز میں وہ باتیں بھی یاد آ جاتیں ہیں اور دل و دماغ میں گردش کرنے لگتی ہیں جب شیطان کے بہکانے اور ورغلانے سے انسان نماز کے اندر توجہ اور دھیان سے غافل ہو جاتا ہے تو اب اس سے ترقی کر کے شیطان کبھی تو یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تیری نماز مکمل نہیں ہوئی یعنی ایک یا دو رکعت چھوٹ گئیں ہیں اور کبھی یہ تردد ڈال دیتا ہے کہ تیری نماز صحیح نہیں ہوئی کسی فرض اور رکن چھوٹ جانے کا شک ڈال دیتا ہے اور کبھی یہ خیال ڈال دیتا ہے کہ قراءۃ کے دوران آیت چھوٹ گئی ہے اس سب کوشش سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کا سلسلہ ختم ہو جائے چنانچہ یہی شکایت سائل نے حضرت قاسم بن محمد سے کی تو انہوں نے بطور علاج کے شیطان کی اس تخریبی کارروائی سے حفاظت اور سلامتی میں رہنے کا طریقہ بتایا کہ جب شیطان اس طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرے تو اپنی نماز کو ختم نہ کرو بلکہ جاری رکھو نماز مکمل کرنے کے بعد شیطان سے کہہ دو کہ ٹھیک ہے میں غلطی کر رہا ہوں میری نماز صحیح نہیں ہو رہی مگر اس کے باوجود نماز پڑھوں گا اور تیری کوشش پر ہرگز عمل نہیں کروں گا یہ علاج شیطانی اثرات سے حفاظت کے لئے بہترین نسخہ ہے کیونکہ اس سے شیطان نماز پڑھنے والے سے مایوس ہو جاتا ہے جب وہ جان لیتا ہے کہ اس پر میری محنت اثر نہیں کرتی تو وہ انسان سے دور ہو جاتا ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ نماز پڑھنے والے کو پورا یقین ہو کہ میں نماز صحیح پڑھ رہا ہوں نماز کے ارکان اور قراءۃ میں کوئی کمی یا غلطی نہیں ہو رہی اس سے معلوم ہوا کہ اگر فی الواقع نماز میں کوئی کمی اور کوتاہی ہو رہی ہو اور ارکان کی ادائیگی صحیح نہ ہو پھر اس غلطی اور کوتاہی کو ختم کر کے نماز کو صحیح ادا کرنا ضروری ہے حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ مسلمان اور یہودی کی نماز میں یہ فرق ہے کہ ان کی نماز میں وسوسے پیدا نہیں ہوتے اور ہماری نماز میں وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلمان کے عمل کی قدر ہے اس لئے شیطان اس کو ناکارہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہودی کا عمل بیکار ہے وہ پہلے سے خراب ہے شیطان کو خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔

بَابُ الْاِیْمَانِ بِالْقَدْرِ

اس باب میں تقدیر پر ایمان لانے کا بیان ہے تقدیر اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جو اللہ نے کسی کو نہیں بتایا نہ کسی مقرب فرشتہ کو اور نہ کسی مقرب رسول کو اور تقدیر کو عقل کے معیار پر پرکھنا جائز نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت میں جائے گی اور دوسری جماعت اللہ تعالیٰ کے عدل سے جہنم میں جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو خیر اور شر کے کام پر مجبور نہیں کیا بلکہ ہر انسان کو خیر اور شر کے کام کرنے کا اختیار ہے حضرت علیؓ سے کسی آدمی نے تقدیر کے متعلق سوال کیا کہ تقدیر کیا چیز ہے؟ حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تقدیر ایک تاریک راستہ ہے اس پر نہ چلو اس آدمی نے پھر سوال کیا حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا تقدیر ایک گہرا سمندر ہے اس میں نہ اترو اس آدمی نے پھر سوال کیا آخر میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا پوشیدہ راز ہے اس راز کو فاش کرنے کی کوشش نہ کرو۔

معنی تقدیر: تقدیر کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا اندازہ کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول انا کل شیء خلقناہ بقدر کہ بیشک ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا ہے اور دوسرا معنی ہے تنگی میں ڈالنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فظن ان لن نقدر علیہ کہ حضرت یونس علیہ السلام نے خیال کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے اور اصطلاح میں تقدیر کی تعریف تین طرح سے کی گئی ہے۔

① تقدیر ہر مخلوق کی حیثیت اور صفت کے تعین کا نام ہے چاہے وہ صفت نفع یا نقصان کی ہو چاہے حسن اور قباحت کی ہو۔

② تقدیر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کی تخلیق سے پہلے چیزوں کا اندازہ مقرر کر دیا ہے اور لوح محفوظ میں انکو لکھ دیا ہے۔

③ تقدیر سے مراد یہ ہے کہ تمام فیصلے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں۔ تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے وہ اس طرح کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے چاہے وہ عمل خیر کا ہو یا شر کا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اب جو کچھ اس جہان میں ہو رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور ارادہ کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ اطاعت اور خیر کے کاموں سے خوش ہوتا ہے اور کفر سے ناراض ہوتا ہے اس لئے نافرمانی پر سزا کی دھمکی ہے اور اطاعت پر ثواب کا وعدہ ہے۔

تقدیر کی قسمیں : تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک تقدیر معلق ہے اور دوسری تقدیر مبرم ہے۔ ان میں سے تقدیر معلق میں تغیر اور تبدیلی واقع ہو سکتی ہے اور تقدیر مبرم میں تغیر اور تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ تقدیر معلق کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر میں ایک فیصلہ کر دیا گیا ہو۔ مگر اس کو کچھ شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہو۔ جیسے فلاں آدمی کی عمر ستر سال ہو گی اور اگر اس نے والدین کی اطاعت کی۔ یا زہد اور تقوی اختیار کیا تو پھر اس کی عمر اسّی سال ہو جائے گی اور تقدیر مبرم اٹل فیصلہ کو کہتے ہیں۔ اس میں جو کچھ مقرر اور معین کر دیا گیا ہے اس میں ذرہ برابر تغیر اور تبدل ممکن نہیں۔

الفصل الاول:

مخلوقات کی تقدیر کب لکھی گئی؟

(۱/۷۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/٢٠٤٤ حديث ١٦۔ من غير "كان"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھ دیا تھا اور فرمایا اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تقدیر لکھ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے قلم تقدیر کو پیدا کیا اور اس کو تقدیر لکھنے کا حکم دیا اور اس نے لوح محفوظ میں تقدیر کو لکھ دیا اور یا ملائکہ کو حکم دیا انہوں نے تقدیر کو لوح محفوظ میں لکھ دیا اور اس حدیث میں پچاس ہزار سال کا ذکر بطور تحدید کے نہیں بلکہ کثرت زمانہ مراد ہے مطلب یہ ہوگا کہ مخلوقات کی پیدائش سے پہلے تقدیروں کو لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔

كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ : اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اس سے مراد یہ ہے کہ زمین و آسمان اور جملہ مخلوق کی تخلیق سے قبل تمام پانی ہی پانی تھا اور پانی کا استقرار ہوا پر تھا اور ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم تھی اور اس جہان کے تمام احوال از ازل تا ابد اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا یعنی عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی بعض علماء کے نزدیک سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک موتی بنایا پھر اس پر ہیبت کی نظر ڈالی تو وہ پانی ہو گیا۔ اب نیچے پانی تھا اور اوپر عرش تھا۔ پھر اللہ نے غضب کی نگاہ سے اس پانی کو دیکھا تو خشک ہو کر تلچھٹ رہ گئی اور اس کے اوپر سے ایک دھواں اٹھا اس سے آسمان بنایا گیا اور تلچھٹ سے زمین بنائی گئی۔

ہر چیز تقدیر کے تابع ہے

(۲/۷۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ شَیْءٍ بِقَدَرٍ حَتّٰی الْعِجْزِ وَالْكَیْسِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/٢٠٤٥ حديث ١٨۔ وأخرجه الامام مالك في الموطا ٢/٨٩٩ كتاب القدر حديث رقم ٤۔ واحمد في مسنده ٢/١١٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز تقدیر سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ دانائی اور نادانی بھی تقدیر کے تحت ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہر چیز تقدیر کے تحت ہے۔ یہاں تک کہ ہوشیاری اور کمزوری کی صفات بھی احاطہ تقدیر سے خارج نہیں بلکہ قضاء وقدر انسان کے تمام احوال پر محیط ہے۔ دنیا اور آخرت کے تمام فیصلے اور معاملات قضاء وقدر کے تحت ہیں۔

سوال: اس حدیث میں، عجز، کے مقابلے میں کیس کو ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ قانون اور ضابطہ کے مطابق عجز کے مقابلے میں قدرت ہے اور کیس کے مقابلے میں بلادت ہے۔ اس اختلاف کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہاں صنعت اکتفائی ہے کہ احد الضدین میں سے ایک کو ذکر کیا ہے اور اس پر اکتفاء کرتے ہوئے دوسرے کو چھوڑا گیا ہے۔ العجز کو ذکر کر کے قوت کو چھوڑا گیا ہے اور الکیس کو ذکر کر کے بلادت کو چھوڑا گیا ہے اور مراد صنعت اکتفائی سے احاطہ اور استغراق ہے کہ کمزوری اور قوت ذکاوت اور بلادت سب اللہ تعالیٰ کے ہاں اندازے کے ساتھ ہیں اور تقدیر کے مطابق ان کا ظہور ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ

(۳/۷۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰی عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰی قَالَ مُوْسٰی اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِیْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِیَدِهٖ وَنَفَخَ فِیْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَاَسْجَدَلَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَسْكَنَكَ فِیْ جَنَّتِهٖ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِیْئَتِكَ اِلَی الْاَرْضِ قَالَ اٰدَمُ اَنْتَ مُوْسَی الَّذِیْ اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَاَعْطَاكَ الْاَلْوَاحَ فِیْهَا تِبْیَانُ كُلِّ شَیْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِیًّا فَبِكَمْ وَجَدْتَّ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ قَالَ مُوْسٰی بِاَرْبَعِیْنَ عَامًا قَالَ اٰدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَّ فِیْهَا وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِیْ عَلٰی اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیَّ اَنْ اَعْمَلَهٗ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَنِیْ بِاَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰی۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه البخاري في صحيحه بشئ من الاختصار ١١/٥٠٥ حديث رقم ٦٦١٤۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ٤/٢٠٤٣ حديث ١٥۔ وأخرجه أبوداؤد مختصرًا ٥/٧٦ حديث ٤٧٠١۔ والترمذي ٤/٣٨٦ حديث رقم ٢١٣٤۔ وابن ماجة في مقدمته ١/٣١ حديث رقم ٨٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عالم ارواح میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان اپنے پروردگار کے سامنے مناظرہ ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ وہی آدم ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنایا تھا اور پھر آپ کے اندر اپنی روح پھونکی تھی اور ملائکہ سے آپ کے سامنے سجدہ کرایا تھا اور اپنی جنت میں آپ کو ٹھکانہ دیا تھا اور پھر آپ نے اپنی خطاء اور غلطی سے لوگوں کو جنت سے نیچے اتروا دیا تھا۔ یعنی اگر آپ غلطی نہ کرتے تو لوگ یہاں زمین پر نہ

اتارے جاتے اور آپ کی اولاد اس زمین پر نہ پھیلتی بلکہ جنت میں رہتی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم وہی موسیٰ ہو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت سے نوازا اور برگزیدہ کیا اور ہم کلامی کے شرف سے نوازا اور آپ کو تورات کی تختیاں عطا کیں۔ جن میں ہر چیز کا واضح بیان تھا اور پھر آپ کو سرگوشی کے لئے قریب کرنے کی عزت اور شان بخشی پس کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے توراۃ کو لکھ دیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چالیس سال پہلے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ نے توراۃ میں یہ الفاظ لکھے ہوئے نہیں پائے۔ وعصی آدم ربہ فغوی۔ کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ ہاں یہ تو لکھا ہوا ہے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا پھر آپ مجھے میرے اس عمل پر کیوں ملامت کرتے ہو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میرے لئے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس دلیل کی وجہ سے آدم علیہ السلام۔ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسئلہ تقدیر میں عالم ارواح میں دو نبیوں کے درمیان مکالمہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنا اعزاز بخشا۔ کہ آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور پھر اپنی روح آپ کے اندر ڈالی اور آپ نے حکم عدولی کی اور سب لوگوں کو جنت سے زمین پر اتار دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے مقابلے میں ایک دلیل پیش کر کے ان کو خاموش کر دیا اور اس دلیل کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ میری تخلیق سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا کہ شیطان کے بہکاوے سے بہک جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے شجرہ ممنوعہ کو استعمال کروں گا اور میں درخت کے پھل کو استعمال کرنے میں مجبور تھا اس میں میرے اپنے کسب اور اختیار کو کوئی دخل نہیں اور یہ گمراہی میرے مقدر میں لکھی گئی تھی لہٰذا اس کا مجھ پر کوئی الزام نہیں ہے حضرت علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس دلیل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے میری تخلیق سے چالیس سال پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ یہ معاملہ اپنے وقت پر ضرور ظاہر ہوگا اور جب وہ وقت مقدر اور معین آ گیا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے وقت میں وقوع پذیر نہ ہوتا۔ آپ کو میرا عمل، کسب اور اختیار تو یاد رہا لیکن اصل حقیقت کی طرف صرف نظر کیوں نہ کیا۔

اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کا یہ مکالمہ عالم دنیا میں نہیں ہوا جو کہ عالم اسباب ہے بلکہ یہ مناظرہ عالم ارواح میں ہوا ہے قطع نظر عالم اسباب کے اور یہ مکالمہ دونوں کے درمیان روحانی طور پر عالم بالا میں ہوا۔ اگر کوئی عاصی اور گناہ گار اس سے اپنی معصیت کے لئے سہارا لے تو یہ اس کے لئے درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا معاملہ اس جہان کا تھا جس کے وہ مکلف نہ تھے اور ان کی خطا بھی اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو توراۃ نازل کی گئی تھی اس کی تختیاں زمرد کی تھیں اور ان کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ستر اونٹوں پر ان کو لادا جاتا تھا۔ ان تختیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے احکام اور مسائل تھے اور ان کے مضامین قدیم ہیں۔ لہٰذا اس حدیث میں چالیس سال کی تحدید ان مضامین کے بارے میں نہیں ہوگی۔ بلکہ اصل میں یوں کہا جائے گا کہ وہ مضامین جو ان تختیوں پر لکھے ہوئے تھے۔ ان کے لکھنے کی مدت حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چالیس سال قبل ہے ورنہ اصل مضامین تو یقیناً قدیم ہیں۔

انسانی تخلیق کے مراحل

(۴/۷۴) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ

يُجْمَعُ فِي بَطْنِ اُمِّهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَاَجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيٌّ اَوْسَعِيْدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ فَوَالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهُ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَايَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَآ اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَايَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/٣٠٣ حديث رقم ٣٢٠٨۔ومسلم في صحيحه ٤/٢٠٣٦ حديث ١ وأخرجه أبو داوٗد في سننه ٥/٨٢ حديث رقم ٤٧٠٨۔وأخرجه الترمذي ٤/٣٨٨ حديث رقم ٢١٣٧ وابن ماجة في مقدمة سننه ١/٢٩ حديث رقم ٧٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کہ صادق اور مصدوق ہیں ہمارے سامنے بیان کیا کہ تم میں سے ہر انسان کی پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ پہلے اس کا نطفہ ماں کے رحم میں چالیس دن جمع رہتا ہے پھر اتنے ہی دنوں میں یعنی چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون بنتا ہے پھر اتنے ہی دنوں کے بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار چیزوں کے لکھنے کے لئے بھیجتا ہے چنانچہ وہ فرشتہ اس کا عمل اس کی موت کا وقت اس کے رزق کی مقدار اور اس کا بدبخت اور نیک بخت ہونا اللہ کے حکم سے اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے ایک آدمی جنتیوں والا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے ایک آدمی دوزخیوں کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ اہل جنت کے کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی تقدیر اس وقت لکھ دی جاتی ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے جو انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے انسان کی کامیابی اور ناکامی کے اعتبار سے ہوتی ہے ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ کوئی انسان خیر کا راستہ چھوڑ کر شر کا راستہ اختیار کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور فضل و کرم سے ایسا اکثر ہوتا ہے کہ لوگ شر کا راستہ چھوڑ کر خیر کا راستہ اختیار کرتے ہیں اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ انسان کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کی نجات اور عذاب کا دارومدار خاتمہ پر ہے اگر کسی انسان نے اپنی پوری زندگی کفر اور شرک معصیت اور گناہ میں گزار دی لیکن آخر وقت میں اس نے صدق دل اور اخلاص نیت کے ساتھ اپنی سابقہ زندگی پر ندامت کرتے ہوئے اور اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے توبہ کی اور اعمال صالحہ کو کرنا شروع کر دیا تو ایسا انسان بالآخر سعادت مند ہوگا اور نجات پا جائے گا۔

اور اس کے برعکس اگر کوئی انسان اپنی پوری زندگی خیر کے کاموں میں اطاعت اور اعمال صالحہ میں گزارے لیکن اپنی زندگی کے آخر میں شیطان نے اسے گمراہ کر دیا اور نفس امارہ غالب آ گیا تو وہ معصیت اور نافرمانی کر کے عذاب کا مستحق ہو جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کامیابی اور خیر اور آخرت کی نجات اسی میں ہے کہ انسان ہمیشہ کے لئے اپنی پوری زندگی اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اتباع میں اور غلامی میں گزار دے کسی وقت بھی شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرے اور ہر وقت یہ تصور اور خیال رہے کہ شاید یہ وقت میری زندگی کا آخر وقت ہو تا کہ آخر وقت میں خاتمہ بالخیر ہو جائے اور اس مقام پر یہ بات بھی دل اور دماغ میں رہے

کہ جولوگ قضاء وقدر کا سہارا لے کر یہ سوچ لیتے ہیں کہ جب ثواب اور عذاب نیک بختی اور بد بختی کامیابی اور ناکامی جنت اور جہنم ان سب چیزوں کا تعلق تقدیر سے ہے تو پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے ایسے لوگ ضلالت اور جہالت میں مبتلا ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ابتداء میں صحابہ کرام کے سامنے تقدیر کا مسئلہ بیان کیا تو بعض صحابہ کرام نے بھی مسئلہ تقدیر کی حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سامنے اس طرح کے سوالات کئے تھے رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعمال صالحہ کرتے رہو کیونکہ جس کے مقدر میں جو فیصلہ ہو چکا ہے۔ تقدیر کا بہانہ بنا کر اعمال صالحہ کو موقوف کرنا یا اعمال سے انکار کرنا یہ مفید نہیں ہوگا کیونکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حکم شریعت کی طرف سے دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ غور وفکر کی صلاحیت بھی دی گئی ہے خیر اور شر حق اور باطل صحیح اور فاسد کے درمیان امتیاز کرنے کی استعداد بھی عطاء کی گئی ہے اگر کوئی انسان اس کے باوجود تقدیر کا سہارا لے کر اعمال صالحہ کو ترک کر دے گا تو اس کا نتیجہ یقیناً تباہی، بربادی اور خسارہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں ضرورت سے زیادہ بحث کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے اگر تقدیر کے سہارے سے اعمال کا انکار کر دیا جائے تو پھر اس دنیا میں رسولوں کا آنا کتابوں کا نازل کرنا بیکار ہو جائے گا اس کی کوئی غرض اور مقصد نہیں رہے گا حاصل کلام یہ ہے کہ تقدیر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جس کی اصل حقیقت مخلوق سے پوشیدہ ہے یہی وجہ ہے کہ کسی کے ظاہر اعمال کو دیکھ کر جنتی یا جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ یہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے جیسے اللہ کا ارشاد ہے یعذب من یشاء و یرحم من یشاء۔

الصادق المصدوق: یہ رسول اللہ ﷺ کا خاص وصف ہے اس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ آپ سچے ہیں اور سچے مانے گئے ہیں۔ بسا اوقات ایک سچا ہوتا ہے۔ مگر لوگ اس کو سچا نہیں مانتے۔ آپ ﷺ سچے بھی ہیں اور دنیا والے آپ ﷺ کو سچا سمجھتے بھی ہیں۔ قریش مکہ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے اور امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ دشمنی اور عداوت اپنی جگہ مگر دل سے آپ کے صادق اور امین ہونے کے قائل تھے۔

اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے

(۵/۷۵) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاري من حديث طويل ۱۱/۴۹۹ حديث ۶۶۰۷ ورواه مسلم من غير "انما الأعمال بخواتيمها" ۱/۱۰۶ حديث (۱۷۹-۱۱۲)۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اہل جہنم کے کام کرتا رہتا ہے۔ لیکن وہ جنتی ہوتا ہے اور بے شک نجات اور عذاب کا دارومدار خاتمہ کے عمل پر ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کے راوی حضرت سہل ہیں۔ آپ کا نام سھل ہے کنیت ابو العباس ہے نسبت ساعدی۔ انصاری ہے۔ پہلا نام حزن تھا رسول اللہ ﷺ نے نام تبدیل کر کے سھل رکھا آپ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی اور آپ کی وفات ۹۱ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اس حدیث کا مضمون سابقہ حدیث کے مضمون کی طرح ہے۔ کہ انسان کی زندگی میں پہلے اعمال کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دارومدار خاتمہ کے اعمال پر ہے۔ اگر خاتمہ اعمال صالحہ پر ہوا۔ تو کامیابی ہے اور اہل جنت میں شمار ہوگا اور اگر خاتمہ اعمال سیئہ پر ہوا تو پھر ناکامی ہوگی اور اہل جہنم میں شمار ہوگا۔ مذکورہ حدیث میں اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ انسان کو مناسب ہے کہ وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ہر ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں گزارے۔ گناہ اور معصیت سے اجتناب کرتا رہے

کیونکہ معلوم نہیں کہ کس وقت موت آ جائے اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

جنت اور جہنم میں داخلے کا مدار تقدیر پر ہے

(۷۶/۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دُعِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی جَنَازَةِ صَبِیٍّ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰی لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِّنْ عَصَافِیْرِ الْجَنَّةِ لَمْ یَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ یُدْرِكْهُ فَقَالَ اَوَغَیْرُ ذٰلِكَ یَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِیْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِیْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ۔

أخرجه مسلم في الصحيح ٢٠٥٠/٤حديث وأخرجه النسائي في سننه ٥٧/٤حديث رقم ١٩٤٧ وابن ماجة ٣٢/١حديث رقم٨٢۔ وأحمد في المسند ٢٠٨/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ ایک انصاری بچہ فوت ہو گیا اس کے جنازہ میں رسول اللہ ﷺ کو بلایا گیا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول۔ اس بچہ کو خوشخبری ہو۔ یہ بچہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے۔ جس نے کوئی برا عمل نہیں کیا اور نہ ہی برائی کی حد تک پہنچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے عائشہؓ بات اس کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے یعنی اس کے جنتی ہونے کا جزم اور یقین نہ کرو۔ کیونکہ اللہ نے جنت کے لئے مستحق لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے اور جہنم کے لئے بھی مستحق لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم میں داخل ہونے کا دارومدار اچھے اور برے عمل پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا دارومدار تقدیر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس جماعت کے لئے ازل ہی سے جنتی ہونا لکھ دیا ہے۔ وہ جنت میں جائے گا چاہے اچھے اعمال سرزد ہوں یا برے اعمال کا ارتکاب ہو اور اللہ تعالیٰ نے جس جماعت کے لئے ازل ہی سے جہنمی ہونا لکھ دیا ہے وہ جہنم میں جائے گی چاہے اعمال صالحہ کریں یا اعمال سیئہ۔ لیکن اس کے علاوہ اکثر قرآن کی آیات اور اکثر احادیث اور اہل علم کے اقوال سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر کوئی مسلمان بچہ صغرسنی میں فوت ہو جائے تو وہ جنت میں جائے گا۔ بلکہ کفار اور مشرکین کے بچوں کے بارے میں بھی صحیح مسئلہ یہی ہے کہ وہ جنتی ہیں لہٰذا اس صورت حال کے پیش نظر اس حدیث کی توجیہ اس طرح کی جائے گی۔ کہ حضرت عائشہؓ نے اس بچہ کے جنتی ہونے پر اس قدر یقین اور جزم کے ساتھ حکم لگایا تھا۔ کہ گویا ان کو غیب کا علم ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی مصلحت کی خبر ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس جزم اور یقین پر توبیخ فرمائی کہ آپ کو اس قدر وثوق کے ساتھ حکم لگانا مناسب نہیں۔

اور بعض علماء نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا جو فرمان ہے یہ اس زمانے اور وقت پر محمول ہے جب تک آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بچوں کے جنتی ہونے کا معلوم نہیں ہوا تھا۔

تقدیر پر ایمان کے ساتھ ساتھ عمل ضروری ہے

(۷۷/۷) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰی كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُّیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَاَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی الْاٰیَة۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

أخرجه البخاري في الصحيح ۳/۲۲۵ حديث ۱۳۶۲ ومسلم ۲۰۳۹/۴ حديث ٦ والترمذي بعضه ۳۸۷/۴ حديث ۲۱۳۵ وكذلك ابن ماجة ۳۱/۱ حديث رقم ۳۱۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی کا مقام اور ٹھکانہ جنت اور جہنم میں لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی یہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ کون لوگ جنتی اور کون لوگ جہنمی ہیں یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم لکھی ہوئی تقدیر پر توکل اور اعتماد کر کے بیٹھ جائیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ عمل کرو اس لئے کہ جو آدمی جس چیز کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس پر اس کو آسانی اور توفیق دی جاتی ہے لہٰذا جو آدمی نیک بختی کا اہل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نیک بختی کے اعمال کی توفیق دے دیتا ہے اور جو آدمی بد بختی کا اہل ہوتا ہے۔ اس کو بد بختی کے اعمال کا موقع دیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال دیا۔ تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات یعنی کلمہ توحید کی تصدیق کی۔ اس کے لئے ہم آسانی کی جگہ یعنی جنت آسان کر دینگے۔ لیکن جس نے بخل کیا اور نفسانی خواہشات اور دنیا کی چمک دمک میں پھنس کر آخرت کی نعمتوں سے بے پرواہی اختیار کی اور عمدہ بات یعنی کلمہ توحید کی تکذیب کی تو اس کے لئے مشکل جگہ یعنی جہنم کی راہ آسان کر دینگے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنت اور جہنم میں ہر انسان کا ٹھکانہ لکھدیا گیا ہے جب صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جب ہر انسان کا ٹھکانہ جنت اور جہنم میں لکھدیا گیا ہے تو کیا ہم اپنی تقدیر اور نوشتہ پر اعتماد کرتے ہوئے اعمال چھوڑ دیں تو آپ ﷺ نے جو جواب دیا اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ تم لوگ نوشتۂ تقدیر پر اعتماد کر کے اعمال صالحہ کو ترک نہ کرو۔ جو لوگ اس اعتماد کی وجہ سے اعمال کو چھوڑیں وہ غلطی پر ہیں اس لئے کہ جنت اور جہنم کا پہلے ہی لکھدیا جانا اور ہر ایک کے لئے یہ فیصلہ ہو جانا کہ کون سعادت مند ہیں اور کون بد بخت ہیں۔ یہ اعمال کو چھوڑنے کا سبب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور الوہیت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے بندوں کو جو احکام دیئے ان کو پورا کرنا اور بجالانا ضروری ہے۔ عبودیت کو ظاہر کرنے کے لئے اصل میں اعمال ہی سعادت مندی اور شومی قسمت کی علامت ہیں کہ خیر کے کام کرنے والا نیک بخت ہے اور شر کے کام کرنے والا بد بخت ہے۔ اس کے مطابق تو تقاضائے عقل یہ ہے کہ اعمال ضرور کئے جائیں۔ تاکہ نیک بختی اور بد بختی کی علامت ظاہر ہو۔ جہاں تک ثواب اور عقاب کا معاملہ ہے اس کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت پر ہے وہ جو بھی معاملہ کرے اس کو اختیار ہے۔

تقدیر کے لکھے سے فرار ممکن نہیں

(۸/۷۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا اَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مُحَالَةَ فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِیْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كُتِبَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَصِيْبُهٗ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَامُحَالَةَ الْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوٰی وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهٗ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۲٦/۱۱ حديث رقم ٦۳۴۳۔ ومسلم في صحيحه ۲۰۴٦/۴ حديث ۲۰ والرواية الثانية

۲۰۴۷/۴ واخرجه أبو داؤد ۲/ ۶۱۱حدیث ۲۱۵۲ وأحمدفی المسند ۲/ ۲۷۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا حصہ انسان کی تقدیر میں زنا کا لکھدیا ہے۔ وہ ضرور اس سے سرزد ہوگا۔ آنکھوں کا زنا۔ غیر محرم کی طرف دیکھنا ہے اور زبان کا زنا غیر محرم عورتوں سے شہوت انگیز گفتگو کرنا ہے اور انسان کا نفس خواہش اور آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس آرزو کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ انسان کے نوشتہ تقدیر میں زنا کا جتنا حصہ لکھدیا گیا ہے۔ وہ اسے کر کے رہے گا۔ آنکھوں کا زنا غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا اور کانوں کا زنا غیر محرم عورت سے شہوت انگیز گفتگو سننا ہے اور زبان کا زنا غیر محرم عورت سے شہوت انگیز کلام اور گفتگو کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا غیر محرم عورت کو برے ارادہ سے پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا بدکاری کی طرف چل کر جانا ہے اور دل زنا کی خواہش اور آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں زنا کے درجات اور تدریجی مراتب یعنی زنا کے دواعی کو بیان کیا گیا ہے اصل اور حقیقی زنا تو یہی ہے کہ کسی غیر محرم عورت سے بدکاری کا بالفعل ارتکاب کیا جائے۔ لیکن بالتبع اور مجازاً شریعت کی اصطلاح میں ان دواعی اور حرکات کو بھی زنا سے تعبیر کیا گیا ہے جو کہ زناء حقیقی کے لئے سبب ہوں۔ جو اعمال وحرکات مفضی الی الزنا ہوں۔ جیسے کسی غیر محرم عورت سے آنکھ لڑانا ۔شہوت پر برانگیختہ کرنے والی گفتگو کرنا اور خیالات فاسدہ قبیحہ کے ساتھ اس کی گفتگو سننا۔ برے ارادے سے اس کا ہاتھ پکڑنا اور اسی طرح فاسد خیالات کے ساتھ اور گندے ارادے کے ساتھ کسی غیر محرم عورت کے پاس جانا اور ذہن میں گندے خیالات کی گردش کرنا یہ سب امور اگر چہ حقیقتاً زنا نہیں مگر ان کو مجازاً زنا کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ سب زنا کے اسباب ومحرکات اور دواعی ہیں اس لئے ان سے نفرت پیدا کی گئی کہ جو انسان ان کو مکروہ جانے گا وہ حقیقی زنا سے بچ جائے گا الغرض اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جس انسان کے نوشتہ تقدیر میں زنا کا جس قدر حصہ لکھدیا گیا ہے وہ اس کو کرتا ہے چاہے اس کی تقدیر میں مجازی زنا یعنی زنا کے اسباب و محرکات لکھا گیا ہو یا حقیقی زنا اور اللہ تعالیٰ جس انسان کو زنا جیسے برے افعال سے حفاظت اور سلامتی میں رکھتا ہے وہ اس سے بچ جاتے ہیں ان کی شب وروز کی زندگی میں معصیت اور گناہ کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

اس حدیث میں شرم گاہ کی تصدیق اور تکذیب کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب انسان اپنی قوت شہوانیہ کا غلام بن جاتا ہے حرام اور ناجائز فعل کی آروز کرتا ہے تو اگر شرم گاہ اس کی خواہش پر تعمیل کرتی ہے اور زنا کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو یہ شرم گاہ کی تصدیق ہے اور اگر انسان کی شہوت بیدار ہو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر پیدا ہو جائے اور شرم گاہ اس کے ارادہ کی تکمیل سے انکار کردے تو یہ تکذیب ہے یہی تشریح ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں کی ہے۔

ایک شبہے کا ازالہ

(۹/۷۹) وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ الْحُصَيْنِ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْدَحُوْنَ فِيْهِ اَشَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ اَوْفِيْمَا يَسْتَقْبِلُوْنَ بِهٖ مِمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ نَبِيُّهُمْ وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ وَتَصْدِيْقُ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس: ۷، ۸) (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/٢٠٤١ حديث ١٠۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ مزینہ کے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ ہمیں یہ بتائیں کہ آج دنیا میں لوگ جو عمل کرتے ہیں اور اعمال کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کیا یہ وہی چیز ہے جس کا حکم اور فیصلہ ہو چکا ہے اور تقدیر میں لکھا جا چکا ہے یا یہ عمل ان احکامات کے موافق ہے جو آئندہ زمانہ میں ہونے والے ہیں جن کو ان کا نبی لایا ہے اور جن پر دلیل ثابت ہو چکی ہے رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا نہیں بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت سے ہوتی ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۔قسم ہے انسان کی جان کی اور قسم ہے اس ذات کی جس نے اس کو ٹھیک بنایا پھر اس کے گناہ اور پرہیزگاری دونوں کا القاء کیا اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی حضرت عمران ہیں ان کی کنیت ابونجید ہے اور انکی نسبت خزاعی ہے اور یہ ۷ ہجری میں فتح خیبر کے بعد مسلمان ہوئے اور اس کے بعد بصریٰ میں رہے ۵۲ ہجری میں بصریٰ میں وفات پائی۔

قبیلہ مزینہ کے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ہمیں یہ بتائیں کہ دنیا میں لوگ جتنے اعمال کرتے ہیں چاہے وہ اعمال خیر ہوں یا اعمال شر کیا یہ وہی اعمال ہیں کہ جن کا فیصلہ روز ازل سے ہو چکا ہے اور تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اب یہ اعمال اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہو رہے ہیں یا یہ اعمال وہ ہیں جن کا ازل میں فیصلہ نہیں ہوا بلکہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اور انبیاء آئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کئے گئے معجزات اور دلائل کے ذریعہ اپنی صداقت اور حقانیت کا اعلان کیا احکام اور اعمال کرنے کا حکم دیا پھر یہ اعمال وقوع پذیر ہونے لگے تو اس صورۃ میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ اعمال بندوں کے نوشتہ تقدیر میں پہلے سے لکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ اب یہ اپنے اختیار سے عمل کرتے ہیں چاہے اچھے ہوں یا برے یعنی یہی مذہب ہے قدریہ فرقہ کا رسول ﷺ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ وہی اعمال ہیں جن کا روز ازل سے فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ اعمال نوشتہ تقدیر بن چکے ہیں اب یہ اعمال اپنے اپنے وقت پر ظاہر اور صادر ہوتے رہتے ہیں۔

مقدر کا لکھا مٹ نہیں سکتا

(۱۰/۸۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَجُلٌ شَابٌّ وَّاَنَا اَخَافُ عَلٰی نَفْسِی الْعَنَتَ وَلَا اَجِدُ مَا اَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ كَاَنَّهٗ یَسْتَاْذِنُهٗ فِی الْاِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَا اَبَاهُرَیْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰی ذٰلِكَ اَوْذَرْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٩/١١٧ حديث رقم ٥٠٧٦۔ والنسائي في سننه ٦/٨٩ حديث رقم ٣٢١٥۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں ایک جوان آدمی ہوں اور میں اپنے نفس کے بارے میں خوف زدہ رہتا ہوں کہ میرا نفس بدکاری کی طرف مائل نہ ہو جائے اور میرے اندر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ میں کسی عورت سے نکاح کرلوں گویا حضرت ابوہریرہؓ اپنے اندر سے مردانہ قوت کو ختم کردینے کی اجازت مانگ رہے تھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میری یہ بات سن کر

خاموشی اختیار کی میں نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپ پھر بھی خاموش رہے میں نے پھر تیسری مرتبہ یہی عرض کیا پھر بھی آپ خاموش رہے کچھ نہیں فرمایا میں نے پھر یہی عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کچھ ہونا ہے اس کو تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا اور قلم خشک ہو چکا ہے لہٰذا تمہیں اختیار ہے کہ مردانہ قوت کو ختم کر دیا نہ کرو۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ تقدیر میں جو لکھ دیا گیا ہے وہ اپنے وقت میں ضرور ہو کر رہے گا جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قوت مردمی ختم کرنے کی اجازت طلب کی یہ عذر پیش کرتے ہوئے کہ میں بدکاری کا مرتکب نہ ہو جاؤں تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا اے ابو ہریرہ تمہارے بارے میں جو فیصلہ ہو چکا اور نوشتہ تقدیر بن چکا وہ اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا اگر بالفرض بدکاری کا ارتکاب تمہارا نوشتہ تقدیر ہو چکا ہے تو یہ حرام فعل تم سے ضرور صادر ہوگا اور اگر قضاء و قدر نے تمہاری پاکدامنی حفاظت اور سلامتی کا فیصلہ کیا ہے تو تم ضرور اس سے محفوظ رہو گے قلم خشک ہونے سے اسی طرف سے اشارہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس حدیث میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اسباب اور تدبیر کو تقدیر کے مقابلہ میں لانا اور تقدیر کے فیصلہ سے بے پرواہ ہو کر اس سے راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں۔

ساری انسانیت کے دِل اللہ عزوجل کی دوانگلیوں کے مابین ہیں

(۱۱/۸۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِيْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهٗ كَيْفَ يَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم فی الصحيح ٤/٢٠٤٥ حديث ١٧ وأحمد فی المسند ٢/١٦٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دوانگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جیسے ایک انسان کا دل ہے اور وہ اپنی انگلیوں سے جس طرح چاہتا ہے دلوں کو گردش میں لاتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بطور دعا کے ارشاد فرمایا۔ اے اللہ جو دلوں کو پھیرنے والا ہے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام اشیاء کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ کا تصرف تمام اشیاء کے لئے عام ہے۔ یہاں تک کہ انسان کے دل کا میلان، رجحان اور توجہ بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور دل کی دھڑکن بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے انگلیوں کا ثبوت حقیقۃً نہیں بلکہ مجازاً ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات قدیم ہیں اور واجب ہیں مادہ اور جسم کی کثافت سے پاک ہیں۔

تمام انسانوں کے قلوب کا رحمان کی دوانگلیوں کے درمیان ہونے سے مراد یہ ہے کہ تمام دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت اور تصرف میں ہیں وہ جس طرف چاہتا ہے انسانی قلوب کو پھیر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی جس کو ضلالت سے نکال کر ھدایت پر لے آئے اور جس کو چاہے ضلالت اور جہالت کے اندھیروں میں رکھے۔

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے

(۱۲/۸۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ

يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ (الروم ۳۰) ۔ (مُتفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۱۹/۳ حدیث رقم ۱۳۵۸ وأخرجه مسلم فی الصحیح ۲۰۴۷/۴ حدیث رقم ۲۲۔ وأحمد فی المسند ۳۵۱/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس میں حق قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد موجود ہوتی ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے ایک جانور کامل الخلقت بچہ جنم دیتا ہے کیا تم اس میں کوئی کمی پاتے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذالك الدین القیم۔ اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم پکڑو جس فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی فطرت میں تغیر اور تبدل نہیں ہوتا یہ دین مضبوط ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی پیدائش فطرت اسلام پر کی ہے اور یہی فطرت ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے انسان کے اندر حق کو قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد پیدا ہو سکتی ہے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر خارجی عوارضات کی وجہ سے وہ اس فطرت کے تقاضوں سے دور ہو جاتا ہے اور فطرت کے اصولوں کے خلاف زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے والدین جس سوسائٹی اور ماحول کے ہوں وہی اثر بچے پر ہو جاتا ہے۔ اگر والدین یہودی ہوں تو بچہ بھی یہودی ہو جاتا ہے اگر والدین عیسائی ہوں تو بچہ بھی عیسائی ہو جاتا ہے اگر والدین مجوسی ہوں تو بچہ بھی مجوسی ہو جاتا ہے اور اگر والدین مشرک ہوں تو بچہ بھی مشرک ہو جاتا ہے۔ علی ھذا القیاس۔

رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھایا کہ جس طرح کسی جانور سے کوئی بچہ پیدا ہوا اور تام الخلقت ہو تو وہ اپنی اصلی حالت پر پیدا ہوتا ہے اس کے اندر کسی قسم کا کوئی نقصان اور کمی نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ اگر خارجی طور پر کوئی عارضہ یا حادثہ پیش آ جائے اور اس کی وجہ سے اس کا کوئی عضو کٹ جائے یا اس کے جسم میں کوئی عیب پیدا کر دے۔ تو وہ اصلی حالت سے محروم ہو جاتا ہے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح انسان اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس تخلیق کے بعد خارجی عوارضات ماحول اور سوسائٹی کے رنگ میں رنگا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اعمال صالحہ کے بجائے اس سے برے اعمال صادر ہوتے ہیں اور صحیح عقائد اور نظریات کے بجائے فاسد عقائد اور گندے نظریات دل و دماغ میں اثر کر جاتے ہیں اور انسان خارجی دباؤ اور اثر کی وجہ سے اصل فطرت سے ہٹ کر صراط مستقیم سے دور ہو جاتا ہے۔

تقدیر سے متعلق خطبہ نبوی ﷺ

(۱۳/۸۳) وَعَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِىْ لَهٗ اَنْ يَّنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهٗ يُرْفَعُ اِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ كَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۶۱/۱ حدیث (۲۹۳۔۱۷۹)۔ وابن ماجة ۷۰/۱ حدیث رقم ۱۹۵ وأحمد فی المسند ۴۰۵/۴۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ

میں پانچ باتیں بیان فرمائیں۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور سونا اس کی شان کے مناسب نہیں ہے اور وہ ترازو کو بلند و پست کرتا ہے اور دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل اور رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل اللہ کے پاس پہنچا دیے جاتے ہیں اور اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ اس کو اٹھا دے تو اس کی ذات پاک کا نور مخلوق کی تا حد نگاہ تمام چیزوں کو جلا دے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ✿ اس حدیث میں تقدیر سے متعلق اور اللہ تعالیٰ کی شان سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ اور وعظ بیان کیا گیا ہے اس حدیث میں ترازو کو بلند اور پست کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کا رزق کشادہ کر دیتا ہے اور اس کو مال و منال کی فراوانی عطا کرتا ہے اور کسی کے لئے دنیاوی معیشت کے دروازے تنگ کر دیے جاتے ہیں فقر و فاقہ۔ تنگدستی اور محتاجی کی زندگی بسر کرتا ہے کسی بندہ کو اطاعت شعاری اور اعمال صالحہ کی وجہ سے عزت، عظمت، شرافت اور فضیلت سے نوازا جاتا ہے اور اس کے برعکس فاسق اور فاجر کو ذلت، خواری، تباہی اور ہلاکت میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اللہ کا حجاب نور ہے۔ اس سے مراد کوئی حسی اور مادی نور نہیں۔ بلکہ اس سے مراد نوری حجاب ہے جو مخلوق کیلئے اللہ کی رؤیت سے مانع ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حجاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت جلال۔ وہ نور اور عظمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے مانع ہے۔

اللہ کا خزانہ ختم نہیں ہوتا

(۱۴/۸۴)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَدُاللّٰهِ مَلْاٰی لَا تَغِیْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ اَرَاَیْتُمْ مَآ اَنْفَقَ مُذْخَلَقَ السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ فَاِنَّهٗ لَمْ یَغِضْ مَافِیْ یَدِهٖ وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ وَبِیَدِهِ الْمِیْزَانُ یَخْفِضُ وَیَرْفَعُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ یَمِیْنُ اللّٰهِ مَلْاٰی وَقَالَ ابْنُ نُمَیْرٍ مَلْاٰنُ سَحَّآءُ لَا یَغِیْضُهَا شَیْءٌ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ.

أخرجه البخاری فی الصحیح ۳۵۲/۸ حدیث ۴۶۸۴۔ومسلم فی الصحیح ۶۹۱/۲حدیث ۳۷والترمذی ۲۳۴/۴ حدیث ۳۰۴۵وابن ماجة ۷۱/۱حدیث رقم۱۱۷وأحمد فی المسند۳۱۳/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ یعنی اس کا خزانہ بھرا ہوا ہے دن اور رات ہر وقت خرچ کرنا بھی اس میں کمی نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو؟ کہ جب سے اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور جس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ کتنا خرچ کیا ہے؟ لیکن اتنا زیادہ خرچ کرنے کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے یعنی اس کے خزانے اس میں کمی نہیں ہوئی ہے اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے جس کو وہ بلند اور پست کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا داھنا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور ابن نمیر کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور ہمیشہ دینے والا ہے۔ رات اور دن میں خرچ کرنے کے باوجود اس میں کوئی چیز نقصان اور کمی نہیں کرتی۔

تشریح ✿ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ کے خزانے سخاوت کے لئے بھرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمہ وقت شب و روز خرچ کرتا ہے۔ موسلا دھار اور مسلسل بارش کی طرح اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں کو مخلوق پر بہا رہا ہے اس کثرت کے ساتھ خرچ کرنے کے باوجود اللہ کے خزانوں میں کمی واقع نہیں ہوئی اور قرآن مجید میں سورۂ حجرات میں مذکور ہے وان من شئ الا عندنا خزائنه وما ننزله الا

بقدر معلوم۔ کہ تمام چیزوں کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ان کو ایک خاص اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں۔

(۱۵/۸۵) وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذَرَارِی الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاري في صحيحة ۲۴۵/۳ حديث رقم ۱۳۸۴۔ وأخرجه مسلم في الصحيح ۲۰۴۹/۴ حديث ۲۶ وأخرجه أبوداؤد ۸۴/۵ حديث رقم ۴۷۱۱ والنسائي ۵۸/۴ حديث رقم ۱۹۵۰ وأحمد في المسند ۲/۴۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ مرنے کے بعد جنت میں جائیں گے یا جہنم میں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو کیا عمل کرتے۔

(بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔ تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اگر وہ اس صغرسنی کی حالت میں نہ مرتے اور زندہ رہتے تو بڑے ہو کر کیسے اعمال کرتے۔ لہٰذا اب ان کے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ اسی کے مطابق ہوگا اور یا یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔

الفصل الثانی:

سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا

(۱۶/۸۶) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ قَالَ مَآاَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا)

أخرجه الترمذي في السنن ۳۹۸/۴ حديث رقم ۲۱۵۵۔ وقال غريب من هذا الوجه۔ وأخرجه أحمد في المسند ۳۱۷/۵۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ پھر اس قلم کو لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے کہا اے اللہ میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جواب ملا کہ تقدیر لکھو۔ لہٰذا اس قلم نے ان چیزوں کو لکھا جو اب تک ہو چکی ہیں اور ان چیزوں کو لکھا جو آئندہ ہونے والی ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم تقدیر کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس ترتیب سے اس جہان کو پیدا کیا مثلاً آسمان زمین، عرش، کرسی اور باطنی نظام چلانے کیلئے فرشتے پیدا کیے۔ ان تمام امور کو اسی ترتیب کے ساتھ لکھنا مناسب تھا تو قلم تقدیر کو پیدا کر کے حکم دیا کہ لکھ دو اور قلم نے لکھ دیا۔ اگرچہ اللہ اس کا محتاج نہیں مگر ایک نظام ہے اس کیلئے مناسب ہے۔

عالم ارواح میں انسانوں سے لیا گیا میثاق

(۱۷/۸۷) عَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ

ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الْاٰيَةَ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُسْئَلُ عَنْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَدِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَجُلٌ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ اِذَاخَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلَهٗ بِهِ الْجَنَّةَ وَاِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِّنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلَهٗ بِهِ النَّارَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ: الاعراف ۱۷۲)

اخرجه مالك فی الموطا ۲/ ۸۹۸ حدیث رقم ۲ من کتاب القدر والترمذی ۵/ ۲۴۸ حدیث رقم ۳۰۷۵ وقال حدیث حسن وأبو فی السنن ۵/ ۷۹ حدیث ۴۷۰۳ واحمد فی المسند ۱/ ۴۴۔

ترجمہ: حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ (اور جب تیرے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو عقل وشعور عطا کر کے ان سے انہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب اس کی شہادت دیتے ہیں۔ تاکہ قیامت کے دن نہ کہنے لگو کہ ہم تو اللہ کی اس توحید سے غافل تھے) تو حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا۔ پھر ان کی پشت پر داھنا ہاتھ پھیرا اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے ان کو جنت کیلئے اور اہل جنت کے اعمال کرنے کیلئے پیدا کیا ہے۔ پھر اپنا ہاتھ آدم کی پشت پر پھیرا اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے ان کو جہنم کے لئے اور دوزخیوں کے اعمال کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت کے اعمال کراتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بندہ کی وفات اہل جنت کے اعمال پر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو ان اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو جہنم کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جہنم کے اعمال کراتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے اعمال پر مر جاتا ہے پھر اس کو ان اعمال کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ (موطا امام مالکؒ، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں انسان کی ابتداء آفرینش کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور اس وعدہ کا ذکر کیا ہے جو وعدہ تمام انسانوں سے عالم ارواح میں لیا گیا تھا۔ جیسے اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو جنہوں نے ازل سے ابد تک دنیا میں آنا تھا ان کو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں پیدا کیا اور پھر ان کو عقل اور شعور دیا۔ پھر ان سے اپنی ربوبیت اور الوھیت کا اقرار کرایا۔ اس حدیث میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اس سے مراد یہ ہے کہ ازل سے ابد تک اس دنیا میں جتنے انسانوں نے پیدا ہونا تھا۔ سب کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی تھی۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا گیا اور ان کی اولاد کی پیٹھ سے ان کی اولاد کو نکالا گیا تھا۔ علی ھذا القیاس اسی طرح قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا گیا۔

تقدیر کے متعلق دو کتابیں

(۱۸/۸۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْ يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاهٰذَانِ الْكِتَابَانِ قُلْنَا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهَا اَسْمَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ شِمَالِهِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا فَقَالَ اَصْحَابُهٗ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَ اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ وَ اِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيْهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

أخرجه الترمذی ٤/٣٩١ حديث رقم ٢١٤١ وقال هذا حديث حسن غريب صحيح وأخرجه أحمد فی المسند ١٦٧/٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں اور صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دو کتابیں کیسی ہیں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ ہمیں کیا معلوم یہ دو کتابیں کیسی ہیں۔ آپ ﷺ ہی ہمیں بتا دیجئے کہ یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ پھر آپ ﷺ نے اس کتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا جو داھنے ہاتھ میں تھی۔ کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے۔ جس میں جنتیوں، ان کے آباء اور قبائل کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ پھر آخر میں ٹوٹل کر دیا گیا ہے اب اس میں کمی زیادتی کبھی نہیں ہو سکتی اس کے بعد آپؐ نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہل جہنم اور ان کے آباء اور قبیلوں کے نام لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں ٹوٹل کر دیا گیا ہے اب اس میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر یہ چیز پہلے سے مقرر اور ثابت ہو چکی ہے کہ جنت اور جہنم کا دار و مدار نوشتہ تقدیر پر ہے۔ تو پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شریعت کے مطابق اپنے اعمال کو اچھی طرح مضبوط کرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ اس لئے کہ جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوتا ہے۔ اگر چہ اس نے اپنی زندگی میں کیسے ہی اعمال کئے ہوں اور جہنمی کا خاتمہ اہل جہنم کے اعمال پر ہوتا ہے۔ اگر چہ اس نے اپنی زندگی میں کیسے ہی اعمال کئے ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور ان دونوں کتابوں کو رکھدیا۔ یعنی پس پشت ڈال دیا اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا رب اپنے بندوں کے بارے میں یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ ایک جماعت جنتی ہے اور ایک جماعت جہنمی ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ﴿اس حدیث میں تقدیر سے متعلق دو کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں فی الواقع حقیقتاً وہ کتابیں تھیں۔ جن کو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے پیش کیا اور انہیں دکھایا اور علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دو کتابیں حسی اور حقیقی تھیں یا محض تمثیل تھی۔ مگر جمہور علماء اور محدثین کا یہی نظریہ ہے کہ یہ دو کتابیں حقیقی اور حسی تھیں۔ ان کا ظاہری حجم اور جسامت آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو دکھایا۔ لیکن ان کے اندر جو مضمون تھا وہ نہیں دکھایا۔ پھر آپ ﷺ نے

مضمون کے بارے میں وضاحت کی۔ کہ داھنے ہاتھ والی کتاب میں جنتیوں کے اوران کے باپوں کے نام اوران کے قبائل کے نام ہیں اور بائیں ہاتھ والی کتاب میں اہل جہنم ان کے باپوں اوران کے قبائل کے نام ہیں پھر ہر کتاب کے اندر آخر میں ٹوٹل بھی کر دیا گیا ہے ۔اب ان میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔

علاج اور حفاظت کے اسباب تقدیر کے تحت ہیں

(۱۹/۸۹) وَعَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَدَوَآءً نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَیْئًا قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَه.)

اخرجه أحمد فی المسند۳/۴۲۱۔ والترمذی ۴/۳۴۹ حدیث رقم ۲۰۶۵ وقال حدیث حسن صحیح و ابن ماجة فی السنن ۱۱۳۷ حدیث رقم ۳۴۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابوخزامہ اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول۔ وہ وظائف اور دم جن کو ہم شفاء حاصل کرنے کے لئے پڑھواتے ہیں اور وہ دوائیں جن کو ہم صحت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور وہ چیزیں جن کو ہم حفاظت کے لئے استعمال کرتے ہیں جیسے ڈھال اور زرہ وغیرہ ان کے بارے میں مجھے بتائیے کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے کسی چیز کو رد کر سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یہ چیزیں بھی تقدیر کے تحت ہیں اس حدیث کو روایت کیا ہے امام احمدؒ اور امام ترمذی اور ابن ماجہ نے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ علاج اور حفاظت کے اسباب بھی تقدیر کے تحت ہیں حضرت ابوخزامہ کے والد نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ کہ ہم بیماری سے صحت حاصل کرنے کے لئے علاج معالجہ کرتے ہیں اور شفاء حاصل کرنے کے لئے دم کرواتے ہیں اور اپنی حفاظت کے لیے اسباب استعمال کرتے ہیں کیا یہ چیزیں نوشتہ تقدیر کو رد کر دیتی ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جس طرح بیماری وغیرہ تقدیر کے تحت ہیں۔ اسی طرح ان کا علاج معالجہ اور ان سے حفاظت کے اسباب بھی تقدیر کے تحت ہیں یعنی جس طرح کسی آدمی کی تقدیر میں بیماری لکھدی گئی ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی لکھدیا گیا ہے۔ کہ فلاں مریض فلاں وقت میں اس مرض کا علاج کریگا اور اس کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے کہ اس علاج سے اس کو فائدہ ہوگا یا نہ اگر تقدیر میں صحت یاب ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو صحت یاب ہو جائے گا اور اگر تقدیر میں صحت یاب نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ تو پھر اس علاج سے ٹھیک نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مریض نے اپنی بیماری کا علاج کرایا اور اس کو اس علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تو اس کو جان لینا چاہئے کہ تقدیر میں یہی فیصلہ تھا کہ شفاء نہیں ہوگی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیماری میں علاج معالجہ اور اپنی حفاظت کے لئے خارجی اسباب کو بروئے کار لانا نوشتہ تقدیر کے منافی اور مخالف نہیں۔

تقدیر میں بحث اور جھگڑا نہ کرو

(۲۰/۹۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰی اِحْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّمَا فُقِیَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ اَنْ لَّا تَنَازَعُوْا فِیْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ.)

أخرجه الترمذي ٤/٣٨٦ حديث رقم ٢١٣٣۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ تقدیر کے مسئلہ میں بحث اور جھگڑا کر رہے تھے۔ کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ ہمیں اس مسئلہ میں جھگڑتے ہوئے دیکھ کر آپ کا چہرہ انور غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور یوں معلوم ہوتا تھا گویا کہ انار کے دانے آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر نچوڑ دیئے گئے ہوں اسی حالت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تمہیں یہی حکم دیا گیا ہے؟ اور مجھے اسی لئے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؟ اور تم اس بات کو جان لو کہ تم سے پہلے لوگ اس وقت ہلاک کر دیئے گئے جب انہوں نے مسئلہ تقدیر میں بحث اور جھگڑا کیا۔ لہٰذا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور پھر دوبارہ اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اس مسئلہ تقدیر میں بحث نہ کیا کرو۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے اسی طرح کی روایت عمرو بن شعیب سے نقل کی ہے۔ جو انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مسئلہ تقدیر کے اندر بحث اور جھگڑا کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو وہاں موجود صحابہ کرام تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے بعض صحابہ کرام نے فرمایا کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر میں لکھ دی گئیں ہیں اور تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر ثواب اور عقاب کیوں ہوتا ہے یہی معتزلہ کا مذہب ہے اور بعض صحابہ کرام نے کہا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے کہ کچھ انسانوں کو جنت کے لئے پیدا کیا اور کچھ انسانوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے اور کچھ صحابہ کرام نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعمال کرنے اور نہ کرنے کا اختیار بھی دے دیا ہے اور کچھ صحابہ کرام نے فرمایا کہ یہ اختیار کس نے دیا ہے؟ الغرض صحابہ کرام کے درمیان اس قسم کی بحث اور جھگڑا ہو رہا تھا اور اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس پوشیدہ راز کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کرام کو اس قسم کی گفتگو اور بحث میں مصروف پایا تو غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے سرخ انار کے دانے آپ کے رخسار مبارک پر نچوڑ دیئے گئے ہوں پھر آپ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ تقدیر اللہ کا ایک پوشیدہ راز ہے جو اس نے کسی پر ظاہر نہیں کیا لہٰذا اس میں اپنی عقل اور شعور سے غور اور تحقیق کرنا ضلالت کا راستہ اختیار کرنے کے مترادف ہے اور فرمایا کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کیا مجھے تمہاری طرف اس لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ تم تقدیر کے مسئلہ میں بحث اور جھگڑا کرو میرے رسول بن کر آنے کی غرض تو یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچا دوں اور تمہیں اطاعت اور صراط مستقیم پر لگا دوں اور احکام شرعیہ کو پورا کرنے کی تلقین کروں لہٰذا تمہیں جن احکام کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو بجا لاؤ اور مسئلہ تقدیر کی تحقیق میں ہرگز نہ پڑو اور یہ عقیدہ رکھو کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جس کی حقیقت اور حکمت کو اللہ ہی جانتا ہے۔

اولادِ آدم کی پیدائش زمین کی کیفیات کے مطابق ہوئی

(۲۱/۹۱) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ اٰدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْهُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ۔ (رواہ احمد والترمذی و ابوداود)

أخرجه أحمد في المسند ٤/ ٤٠٠۔ وأخرجه أبوداؤد في سننه ٥/٦٧ حديث رقم ٤٦٩٣۔ وأخرجه الترمذي ٥/١٨٧ حديث

رقم ۲۹۵۵۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پیدائش مٹی کی ایک مٹھی سے کی ہے جو ہر جگہ کی زمین سے لی گئی تھی اسی وجہ سے آدم کی اولاد زمین کے موافق پیدا ہوئی کہ بعض انسان سرخ بعض سفید بعض سیاہ اور بعض درمیانہ رنگ کے ہیں بعض نرم مزاج بعض سخت مزاج بعض پاک اور بعض ناپاک ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کا خمیر جس مٹی سے تیار کیا گیا تھا باقی تمام انسانوں کی پیدائش اس مٹی کی کیفیت کے مطابق ہوئی وہ اس طرح کہ حضرت آدم کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل کو حکم دیا کہ وہ زمین کے مختلف حصوں سے ایک مٹھی بھر کر مٹی لے آئیں چنانچہ وہ فرشتہ تمام روئے زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی اپنی مٹھی میں بھر کر لے آیا اس سے حضرت آدم کا خمیر تیار کیا گیا پھر اس خمیر سے حضرت آدم کی تخلیق کی گئی یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم کی اولاد میں مختلف رنگ اور نسل کے اور مختلف طبیعتوں کے انسان پیدا ہوئے کوئی سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور کوئی گورا ہوتا ہے اور کوئی گندمی رنگ کا ہوتا ہے علی ھذا القیاس اس طرح کچھ انسان اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے نرم مزاج خوش اخلاق اور عمدہ گفتگو کرنے والے ہوتے ہیں اسی طرح بعض لوگ فطرتاً پاک اور صاف ہوتے ہیں اور بعض گندگی اور نجاست سے آلود رہتے ہیں بعض کی عادات اور خصائل عمدہ ہوتی ہیں اور بعض کی عادات خبیث ہوتی ہیں۔

نورِ ہدایت اسلام میں ہے

(۲۲/۹۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ خَلْقَہٗ فِیْ ظُلْمَۃٍ فَاَلْقٰی عَلَیْھِمْ مِنْ نُّوْرِہٖ فَمَنْ اَصَابَہٗ مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ اِھْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَہٗ ضَلَّ فَلِذٰلِکَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰہِ

(رواہ احمد والترمذی)

أخرجه أحمد في المسند ۲/ ۱۷۶۔ والترمذی ۵/ ۲۶ حدیث ۲۶۴۲ وقال حدیث حسن۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق یعنی جنوں اور انسانوں کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنے نور کی جھلک ڈالی لہٰذا جس کو اس نور کی روشنی مل گئی اس نے ہدایت حاصل کر لی اور جو اس نور کی روشنی سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم یعنی تقدیر پر قلم خشک ہو چکا ہے یعنی اب تقدیر میں تبدیلی ممکن نہیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نور ہدایت صرف اسلام میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مخلوق کو پیدا کیا تو اس وقت یہ مخلوق ظلمت یعنی اندھیرے میں تھی۔ یہاں اندھیرے سے مراد نفس امارہ کی تاریکی ہے کہ انسان کی پیدائش میں غفلت اور نفسانی خواہشات کا مادہ رکھ دیا لہٰذا جس کا دل و دماغ ایمان کے نور سے منور ہو گا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو وہ نفس امارہ کے مکر و فریب اور اس کی تاریکی سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت خوش اخلاق اور اعمال صالحہ کے گلشن میں آ گیا اور جو انسان اپنے نفس امارہ کے مکر و فریب اور خواہشات نفسانیہ کے جال میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کے

نور سے محروم رہا تو وہ انسان ضلالت اور گمراہی کے جال میں پھنس گیا۔

انسان ہر وقت خطرہ میں ہوتا ہے

(۲۳/۹۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَانَبِىَّ اللّٰهِ اٰمَنَّابِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَاقَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَآءُ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

أخرجه أحمد فی المسند ۳/۱۱۲۔ وأخرجه الترمذی ۴/۳۹۰حدیث رقم، ۲۱۴وقال حدیث حسن وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲/۱۲۶۰حدیث رقم۳۸۳۴۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر دعا کرتے ہوئے یہ فرمایا کرتے تھے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے۔ میرے دل کو اپنے دین پر قائم اور ثابت رکھ۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے لائے ہوئے احکام اور شریعت پر بھی ایمان لائے کیا پھر بھی آپ ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم گمراہ نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں بے شک تمام دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت، تصرف اور اختیار میں ہیں اور وہ جیسے چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان ہر وقت ضلالت اور گمراہی کے خوف اور خطرہ میں رہتا ہے۔ جب حضرت انس ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اکثر یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك۔ تو سمجھ گئے کہ یہ دعا ہمارے لئے ہے اس لئے کہ آپ ﷺ تو بالکل گناہوں سے معصوم ہیں۔ آپ کے اندر تو معصیت اور ضلالت کا شائبہ تک نہیں پایا جا سکتا اس کا تو تصور بھی محال ہے ظاہر ہے کہ پھر یہ دعا امت کے لئے ہے کہ امت اس دنیا کی چمک دمک میں مبتلا ہو کر اپنے دین اور ایمان سے محروم نہ ہو جائے۔ تو حضرت انسؓ نے اس چیز کا احساس کر کے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ہم آپ کی رسالت پر اور شریعت مطہرہ پر ایمان لائے اور تصدیق کی اور آپ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارے دل ایمان و یقین کی حقیقی کیفیت سے معمور ہیں۔ لہٰذا ہمارے گمراہ ہو جانے اور بھٹک جانے کا خوف اور خطرہ ہو سکتا ہے اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور جس طرف کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے دل کو مائل کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دل کو ھدایت سے ضلالت کی طرف پھیر دے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ دعا مانگی۔

دِل پَر کی طرح ہے

(۲۴/۹۴) وَعَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيْشَةٍ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ يُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد فی المسند ۴/۴۰۸۔ وابن ماجة ۱/۳۴حدیث رقم ۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابی موسیٰ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے دل کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی پر کسی میدان میں پڑا ہوا ہو اور ہوائیں اس کو پشت سے پیٹ اور پیٹ سے پشت کی طرف الٹ پلٹ کرتی

رہیں۔اس حدیث کوامام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حدیث میں انسان کے دل کی کیفیت اور حالت بتائی گئی ہے کہ انسان کا دل کبھی ہدایت اور خیر سے ضلالت اور شر کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور کبھی ضلالت اور شر سے ہدایت اور خیر کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کو پرندے کے پر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ایک کشادہ میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اس کو الٹ پلٹ کریں۔ بالکل یہی کیفیت ہے انسان کے دل کے تغیر اور تبدل کی کہ خواہشاتِ نفسانیہ کی وجہ سے وساوس میں مبتلا ہو کر کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

چار چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے

(۲۵/۹۵)وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِىْ بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ۔ (رواه الترمذی وابن ماجه)

اخرجه الترمذی فی السنن ٤/٣٩٣ حديث رقم ٢١٤٥۔وابن ماجة ١/٣٢ حديث ٨١۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔اس بات کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں دین حق لے کر اس دنیا میں آیا ہوں موت اور مرنے کے بعد دوبارہ میدان محشر میں زندہ ہونے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ چار چیزوں پر ایمان لانا ضروری اور فرض ہے۔

① اقرار شہادتین۔اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور محمد ﷺ اس کے سچے رسول ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو دین حق دے کر بھیجا ہے وہ برحق ہے۔

② موت پر ایمان لانا۔اس سے مراد یہ ہے کہ اس بات کا یقین کرنا کہ دنیا کی زندگی عارضی اور فانی ہے۔اس کے اختتام کا وقت مقرر ہے۔اس وقت پر زندگی ختم ہو جائے گی اور اس دنیا کا تمام نظام فانی اور عارضی ہے۔

③ بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔کہ قیامت برحق ہے جب قیامت آئے گی تو تمام مردوں کو زندہ کیا جائے گا اور میدان محشر میں جمع کیا جائے گا۔حساب و کتاب ہوگا۔اللہ کی عدالت میں پیشی اور فیصلہ ہوگا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔ایک جماعت جنت میں جائے گی اور ایک جماعت جہنم میں جائے گی۔

④ تقدیر پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر لکھدی ہے۔

فرقہ مرجیہ اور قدریہ

(۲۶/۹۶)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِىْ لَيْسَ لَهُمَا فِى الْاِسْلَامِ نَصِيْبٌ اَلْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَاحَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٣٩٥ حديث رقم ٢١٤٩ وقال هذا حديث حسن صحيح۔ وأخرجه ابن ماجة ١/٢٤ حديث رقم ٦٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔کہ میری امت میں دو

فرقے ایسے ہیں جن کے لیے اسلام کا کچھ حصہ نہیں ہے اور وہ مرجیہ اور قدریہ ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دو باطل فرقوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ایک مرجیہ اور دوسرا قدریہ۔ مرجیہ کا دوسرا نام جبریہ ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ مجبور محض ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں ہے جس طرح کفر کے ساتھ کوئی نیکی قابل اعتبار نہیں ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال میں مجبور اور بے بس ہیں۔ کسی عمل کی نسبت بندہ کی طرف ایسی ہے جیسے کسی فعل کی نسبت پتھر وغیرہ کی طرف کر دی جائے جس طرح کسی پتھر کو جس طرف پھینک دیا جائے ادھر ہی چلا جائے گا۔ پتھر کو اس حرکت میں ذاتی طور پر کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے۔ پتھر مجبور محض اور بے بس ہے۔ بعینہٖ اسی طرح انسان کو اپنے کسی فعل اور عمل میں کوئی دخل اور اختیار نہیں۔ وہ مجبور اور بے بس ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے جو عمل کراتا ہے وہ اسی عمل کو کرتا ہے۔ وہ اپنے کسی عمل اور فعل کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اور قدرت نہیں رکھتا اور قدریہ وہ فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال کی تخلیق کی قدرت دی ہے اور ان کے نزدیک افعال خیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور افعال شر کا خالق نفس امارہ یا شیطان ہے۔ بندہ کے افعال و اعمال میں تقدیر کا کوئی دخل نہیں بندہ اپنے افعال کا خود خالق اور مختار ہے۔

ان دونوں فرقوں کے متعلق علماء کے دو قول ہیں بعض علماء نے ان کو کافر قرار دیا ہے اور بعض دیگر علماء نے کافر تو نہیں کہا بلکہ فاسق اور فاجر کہا ہے اور یہ ضلالت کے راستہ پر ہیں ان کا نتیجہ عذاب الٰہی اور آخرت میں خسارہ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ان دونوں باطل فرقوں کے مقابلے میں اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام افعال اور اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان اعمال کا کسب کرنے والا بندہ ہے۔ یعنی دنیا میں جتنی اشیاء معرض وجود میں آچکی ہیں۔ یا زمانہ استقبال میں وقوع پذیر ہونے والی ہیں۔ سب اللہ کے علم میں ہیں اور اللہ کے حکم اور ارادہ سے ہوتی ہیں اسی طرح بندوں سے جو بھی افعال صادر ہوتے ہیں سب تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں اور انسان کو عقل، شعور، صلاحیت اور استعداد دے کر ہدایت اور ضلالت، خیر اور شر، تقویٰ اور فجور دونوں راستے واضح کر دیئے اور افعال و اعمال کرنے میں اختیار دیدیا اور ساتھ ہی اچھے اعمال کرنے کا حکم بھی دیدیا۔ نیک بختی اور بدبختی کے نتائج اور ثمرات بھی بتادیئے۔ کہ اگر خیر کا کام کرو گے تو جنت کے مستحق ہو جاؤ گے اور اگر شر کا کام کرو گے تو جہنم کے مستحق ہو جاؤ گے بندہ اپنے افعال کے کسب میں مکمل اختیار رکھتا ہے ہدایت کے راستہ پر چلے گا تو ثواب کا مستحق ہوگا۔ ضلالت کے راستہ پر چلے گا تو عقاب کا مستحق ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک نہ تو بندہ مختار مطلق ہے اور نہ ہی مجبور محض ہے بلکہ من وجہ مختار ہے اور من وجہ مجبور ہے۔

منکر تقدیر کے لیے سزا

(۲۷/۹۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَذٰلِكَ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ۔ (رواہ ابو داود و روی الترمذی نحوہ)

أخرجه الترمذي في السنن ٣٩٧/٤ حديث رقم ٢١٥٢ وقال حديث حسن صحيح غريب۔ وأخرج أبو داؤد نحوه ٢٠/٥ حديث رقم ٤٦١٣ وأحمد في المسند ١٠٨/٢۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں زمین میں دھنس جانا اور شکلوں کا بگڑ جانا بھی ہوگا اور یہ عذاب ان لوگوں کے لئے ہوگا جو تقدیر کی تکذیب کریں اور انکار

کریں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں تقدیر کا انکار اور تکذیب کرنے والے کے لئے سخت سزا کا ذکر ہے کہ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور ان کی شکلوں کو بری صورتوں میں تبدیل کر دیا جائے گا اور اس طرح کا عذاب یعنی زمین میں دھنس جانا اور شکل کا بگڑ جانا اس امت سے پہلی امتوں پر نازل ہوا جب کہ وہ سرکش ہو چکے اور نافرمان ہو چکے چنانچہ بعض کو خنزیر بنا دیا گیا بعض کو بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا علی ھذا القیاس۔

اور اس حدیث میں اشارہ کیا گیا کہ اس امت میں بھی آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں اور بغاوت کرنے والوں کے لئے اس طرح کا سخت عذاب ہو سکتا ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ امتوں پر زمین میں دھنس جانے کا اور شکلوں کے بگڑ جانے کا عذاب ہوا میری امت میں یہ عذاب نہیں ہوگا۔ اگر اس طرح کا شدید عذاب میری امت میں سے کسی پر آیا تو ان لوگوں پر آئے گا جو تقدیر کے منکر ہونگے گویا سابقہ امتوں پر یہ عذاب بطور عموم کے تھا اور اس امت پر یہ عذاب بطور خصوص کے ہوگا۔

اِس اُمت کے مجوسی

(۲۸/۹۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

اخرجه أحمد في المسند ۸۶/۲۔واخرجه ابوداؤد ه/۶۶حديث رقم ۴۶۹۱۔واخرجه ابن ماجة بنحوه عن جابر ۳۵/۱حديث رقم ۹۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قدریہ فرقہ اس امت کے مجوسی ہیں لہٰذا اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کے لئے نہ جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بتایا گیا کہ قدریہ فرقہ اس امت کے مجوسی ہیں یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قدریہ فرقہ گمراہ ہے ان کو ضلالت اور گمراہی میں مجوسیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے مجوسی اس قوم کو کہتے ہیں جو آتش پرست ہیں اور یہ دو خدا مانتے ہیں ایک خالق خیر جس کو یزدان کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جس کو اہرمن کہتے ہیں جس طرح مجوسی متعدد معبود مانتے ہیں اس طرح قدری بھی کئی خالق اور معبود مانتے ہیں وہ اس طرح کہ قدریہ فرقہ والے تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے تو اس طرح ہر انسان اپنے افعال کا خالق ہوگا اگر فعل اچھا ہوا تو خالق خیر ہوگا اگر فعل برا ہوا تو خالق شر ہوگا اس اعتبار سے قدری لوگ مجوسیوں سے بھی بدتر ہیں کیوں کہ مجوسی صرف دو خدا مانتے ہیں قدریہ اور معتزلہ متعدد خدا مانتے ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اس فرقہ کے ساتھ مکمل سوشل بائیکاٹ کرنا چاہئے اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت اور مزاج پرسی نہ کی جائے اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں حاضری نہ دی جائے الغرض ان کی غمی اور خوشی میں شرکت نہ کی جائے اور نہ ان کے ساتھ کوئی معاشرتی تعلق رکھا جائے بعض علماء ان کو کافر سمجھتے ہیں اور اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے ان کے حق پر بھی فتویٰ صادر کرتے ہیں اور بعض علماء ان کو کافر نہیں کہتے بلکہ فاسق اور فاجر کہتے ہیں اور اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصد ان کی ضلالت کو بیان کرنا ہے اور ان کے لئے زجر اور ملامت اور ندامت کا اظہار ہے۔

اہلِ باطل سے تعلق نہ رکھو

(۲۹/۹۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُجَالِسُوْا اَهْلَ الْقَدَرِ وَلَا تُفَاتِحُوْهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أحمد في المسند ١/ ٣٠۔ وأخرجه أبو داؤد ٥/ ٨٤ حديث رقم ٤٧١٠۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قدریہ فرقہ کے ساتھ میل جول اختیار نہ کرو اور نہ ان کو اپنا قاضی بناؤ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں اہل باطل کے ساتھ میل جول نشست و برخاست رکھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان کے ساتھ میل جول اور تعلق رکھنے اور ان کی مجالس اور پروگراموں میں شریک ہونے سے ان کے ساتھ محبت اور ہمدردی ظاہر ہوگی اور مسلمانوں کے لئے یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ کسی گمراہ جماعت کے ساتھ اپنا تعلق قائم کریں اور ان کے ساتھ میل جول پیار محبت رکھیں اور اس میں یہ خطرہ بھی ہے کہ اگر ان کے ساتھ میل جول تعلق نشست و برخاست رکھی جائے تو ان کے غلط نظریات اور برے عقیدہ کا اثر ان پر بھی ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی مسلمان شیطان کے مکر و فریب کے جال میں پھنس کر ان کے عقائد اور نظریات کو تسلیم کر لے اس لئے اس ضلالت کی جڑ کو کاٹ دیا گیا کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے اور اسی طرح اس حدیث میں اس بات کو بھی ظاہر کر دیا گیا کہ اگر مسلمانوں کا کسی چیز میں جھگڑا ہو جائے تو ان لوگوں میں سے کسی کو اپنے فیصلہ کے لئے قاضی اور جج مقرر نہ کیا جائے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ لا تفاتحوھم کے مضمون میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو اور ان سے مناظرہ بھی نہ کرو کیونکہ وقت ضائع ہوگا اور فائدہ کی امید نہیں بلکہ نقصان کا خطرہ غالب ہے۔

چھ قسم کے لوگوں پر لعنت

(۳۰/۱۰۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابُ الزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِيُعِزَّ مَنْ اَذَلَّهُ اللّٰهُ وَيُذِلَّ مَنْ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرُمِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهِ)
(بيهقي: رزين)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/ ٣٩٧ حديث رقم ٢١٥٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھ آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اور میں بھی ان پر لعنت بھیجتا ہوں اور ہر نبی کی دعاء قبول ہوتی ہے۔ اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا اللہ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا وہ آدمی جو زبردستی غلبہ پالے پھر اس آدمی کو عزت والا بنا دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا ہے اور اس آدمی کو ذلیل کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت عطا کی ہے جو آدمی اللہ کی حدود سے تجاوز کر کے حرام کو حلال جانے وہ آدمی جو میری اولاد سے اس چیز کو حلال جانے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے (یعنی قتل کو) وہ آدمی جو میری سنت کو چھوڑ دے اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے مدخل میں اور رزین نے بیان کیا ہے اپنی کتاب میں۔

تشریح ❁ اس حدیث میں چھ آدمیوں پر لعنت کی گئی ہے یہ چھ آدمی ایسے ہیں جو اپنی ضلالت، گمراہی اور بداعتقادی اور بداعمالی میں اتنے بڑے مجرم ہیں کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے۔ دربار رسالت سے اور دربار الٰہی سے مردود قرار دیئے گئے رسول

اللہ ﷺ سے کسی نے سوال کیا۔ کہ آپ ﷺ ان پر لعنت کیوں بھیجتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ان کی بداعتقادی اور بداعمالی پر اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔ اس لئے یہ اس کے مستحق ہیں کہ یہ رسول کی جانب سے بھی ملعون قرار دیئے جائیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا یا بددعا رنگ اور تاثیر دکھائے بغیر نہیں رہتی اس کو ضرور اللہ کے دربار میں شرف قبولیت کی پذیرائی ہوتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کو لعنت کا مستحق قرار دیا۔ اس حدیث میں کل نبی یجاب سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ اس حدیث میں ان چھ افراد کے لئے انتہائی شدت کی تنبیہ اور ملامت ہے۔

① اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں زیادتی کرنے والا۔ اگر کوئی آدمی کتاب اللہ کے الفاظ میں زیادتی کرے یا زیادتی کا قائل ہو تو ایسا شخص کافر ہے اور اگر معنوی طور پر تاویل اور تحریف کرتا ہے تو وہ بدعتی، فاسق اور فاجر ہے کہ شریعت کے خلاف تاویل کرتا ہے۔

② دوسرا وہ شخص جو اللہ کی تقدیر کی تکذیب اور انکار کرے حالانکہ تقدیر پر اعتقاد رکھنا ایمان کے وجود کے لئے ضروری ہے۔ یہی لوگ ہیں معتزلہ، خوارج اور قدریہ۔

③ تیسرا وہ شخص ہے جو اپنی طاقت اور غلبہ سے حکومت اور اقتدار پر مسلط ہو جائے اور پھر اپنی شان وشوکت کی وجہ سے جو لوگ فسق و فجور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہیں ان کو عزت دے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے عزت والے ہیں ان کو ذلیل کردے۔

④ چوتھا وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی قائم اور مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

⑤ پانچواں وہ آدمی ہے جو ان چیزوں کو حرام قرار دے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔

⑥ چھٹا وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کا تارک ہو اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ جو آدمی سستی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ دے تو وہ گناہ گار ہے اور اگر کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کی سنت کو حقیر سمجھ کر ترک کردے تو وہ کافر ہے مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی لعنت میں دونوں شریک ہیں جو آدمی سستی کی وجہ سے سنت کا تارک ہے اس پر لعنت تنبیہ کے لئے ہے اور جو آدمی حقیر سمجھ کر سنت کا تارک ہو وہ حقیقتاً لعنت کا مستحق ہے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بیان کی گئی وعید اس شخص کے لئے ہے جو سنت مؤکدہ کا تارک ہو اور یہی ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے۔

ہر انسان کی موت کی جگہ مقرر ہے

(۱۰۱/۳۱) وَعَنْ مَطَرِبْنِ عُكَامِسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَيْهَا حَاجَةً۔ (رواہ احمد والترمذی)

أخرجه أحمد في المسند ٥/٢٢٧۔ والترمذي ٤/٣٩٤ حديث رقم ٢١٤٦۔ وقال حسن غريب۔

ترجمہ: حضرت مطر بن عکامسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی موت کو زمین کے کسی حصہ میں مقرر کردیتا ہے تو پھر اس علاقہ کی طرف اس انسان کے لئے کوئی حاجت اور ضرورت پیدا کردیتا ہے تاکہ اس حاجت کی وجہ سے وہاں جائے اور وہاں اس پر موت کا فیصلہ نافذ ہو جائے اس حدیث کو امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح ہر انسان کی موت کا وقت مقرر ہے اسی طرح ہر انسان کی موت کی جگہ بھی مقرر ہے جس زمین میں انسان نے مرنا ہوتا ہے اس کے وہاں پہنچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حاجت اور ضرورت پیدا کر دی جاتی ہے تاکہ وہاں جانے پر مجبور ہو اور وہاں جا کر موت کا شکار ہو۔

مسلمان اور مشرک کی اولاد باپ کے تابع ہوگی

(۳۲/۱۰۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَرَارِي الْمُؤْمِنِيْنَ؟ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ قُلْتُ فَذَرَارِيُّ الْمُشْرِكِيْنَ؟ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ قُلْتُ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٥/٨٥ حديث رقم ٤٧١٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ جنت اور جہنم کے بارے میں مسلمانوں کے بچوں کا کیا حکم ہے آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں یعنی وہ اپنے باپوں کے ساتھ جنت میں جائیں گے پھر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ بغیر کسی عمل کرنے کے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے پھر میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول مشرکوں کی اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے باپوں کے تابع ہیں۔ میں نے عرض کیا بغیر کوئی عمل کرنے کے فرمایا اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مؤمنین اور مشرکین کے چھوٹے بچوں کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا کہ جو بچے چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیں جن سے ابھی تک خیر اور شر کا کوئی عمل صادر نہیں ہوا کیا وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں رسول اللہؐ نے جواب دیا کہ باپ کے تابع ہوں گے اگر باپ جنتی ہے تو بچہ بھی جنت میں جائے گا اگر باپ جہنمی ہے تو بچہ بھی جہنم میں جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے جواب کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اس پر بہت تعجب ہوا کہ مسلمانوں کے بچے عمل کے بغیر کس طرح جنت میں داخل ہو گئے اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے اس جواب میں آپ نے قضاء و قدر کی طرف اشارہ کر دیا کہ انہوں نے جو اعمال کرنے تھے وہ تقدیر میں لکھ دیئے گئے ہیں اگرچہ ان سے ابھی تک کوئی عمل صادر نہیں ہوا مگر ان کے اعمال نوشتہ تقدیر بن چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں لہٰذا ان کے جنتی ہونے پر کوئی تعجب کی ضرورت نہیں ہے۔

مشرکین کے بچوں کے بارے میں حضرت علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے جواب سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے باپ کے تابع ہیں اور آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اس لئے ان کے بارے میں کوئی قطعی اور یقینی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

زندہ درگور کرنے والی اور جس کو کیا گیا ہے دونوں جہنمی ہیں

(۳۳/۱۰۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْءُوْدَةُ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٥/٨٩ حديث رقم ٤٧١٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زندہ بچہ درگور

کرنے والی عورت اور جس کو زندہ در گور کیا گیا ہے دونوں جہنمی ہیں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے بچہ کو زندہ در گور کرنے والی عورت اور جس کو زندہ در گور کیا گیا ہے دونوں جہنمی ہیں زمانہ جاہلیت میں اولاد زندہ در گور کرنے کا انتہائی دردناک عمل اور طریقہ رائج تھا۔ خصوصاً بچیوں کو پیدا ہوتے ہی فی الفور زندہ زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا اور اس عمل کی دو وجوہات تھیں ایک فقر و فاقہ کے ڈر سے۔ دوسرے اگر بچی ہے تو داماد بننے کے عیب سے کہ کل کو یہ کسی کی بیوی بنے گی، یہ برداشت نہیں تھا۔ جب اسلام کی مقدس روشنی آئی تو اس نے ظلم اور جہالت کی تمام تاریکیوں کو کافور کر دیا۔ اسی لئے اس حدیث میں بچوں کو زندہ در گور کرنے والوں کو جہنمی قرار دیا گیا۔

اس حدیث میں الوائدۃ۔ سے مراد وہ عورت ہے جس نے بچہ کو زمین میں زندہ دفن کیا ہے مثلاً دائیہ یا نوکرانی اور ملازمہ وغیرہ۔ الموؤدۃ۔ اس سے مراد یا تو الموؤدۃ لھا یعنی بچے کی ماں ہے۔ جس کے حکم سے بچہ کو زندہ زمین میں دفن کر دیا گیا ہے۔ یا اس سے مراد وہی بچی ہے جس کو زندہ در گور کیا گیا ہے۔ کہ اس کے والدین جہنمی ہیں ان کے تابع ہو کر یہ بھی جہنمی ہوگی۔ جیسے اس سے ماقبل حدیث میں ذکر کیا گیا کہ مشرکین کی صغر سنی میں فوت ہو جانے والی اولاد والدین کے تابع ہو کر دوزخ میں جائے گی اور یا اس حدیث میں زندہ در گور ہونے والی بالغہ لڑکی مراد ہے اس صورت میں اس کا جہنمی ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ خود کافرہ اور مشرکہ ہے۔

الفصل الثالث:

پانچ چیزوں کا فیصلہ ہو گیا ہے

(۱۰۴/۳۴) عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَرَغَ اِلٰی کُلِّ عَبْدٍ مِنْ خَلْقِهٖ مِنْ خَمْسٍ مِنْ اَجَلِهٖ وَعَمَلِهٖ وَمَضْجَعِهٖ وَاَثَرِهٖ وَرِزْقِهٖ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد فی المسند ٥/١٩٧۔

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کے بارے میں پانچ چیزوں کا فیصلہ تقدیر میں لکھ کر فارغ ہو گیا ہے۔ ① اس کی موت کب آئے گی ② اس کے اچھے اور برے اعمال کے بارے میں ③ اس کی رہائش کی جگہ کے بارے میں ④ اس کی واپسی کی جگہ کے بارے میں ⑤ اس کے رزق کے بارے میں۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے پانچ چیزوں کا فیصلہ کر دیا گیا ہے جن میں اب کمی زیادتی کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔

① ہر انسان کی زندگی کا فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اس کی عمر کتنی ہے اور موت کس وقت آئے گی ذرہ برابر تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

② اسی طرح ہر انسان کے اچھے اور برے اعمال کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ اپنی زندگی میں کیسے اعمال کرے گا اور اس کا خاتمہ خیر پر ہو گا یا شر پر۔ انسان کی تخلیق سے بہت پہلے یہ فیصلہ ہو گیا ہے۔

③ اسی طرح ہر انسان کے قیام اور رہائش کی جگہ کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے۔

④ اسی طرح ہر انسان کے حرکات و سکنات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ کہاں کہاں یہ جائے گا اور کس کس جگہ میں اس کے پاؤں پڑیں گے اور کیا کیفیات ہوں گی۔

⑤ اسی طرح ہرانسان کے رزق کا فیصلہ کردیا گیا ہے کہ اس کو کتنا رزق ملے گا۔ کہاں کہاں سے کمائے گا تھوڑا ملے گا یا زیادہ ملے گا۔ حلال کمائے گا یا حرام۔ ان سب امور کا فیصلہ ہو چکا ہے اور تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے۔ نفع، نقصان، راحت وآرام اور سکون وغیرہ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

تقدیر کے اندر بحث کرنے والے سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا

(۱۰۵/۳۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْقَدَرِ يُسْئَلُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَّمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ لَمْ يُسْئَلْ عَنْهُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

أخرجه ابن ماجة في السنن ۱/ ۲۳ حديث رقم ۸٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی مسئلہ تقدیر میں بحث مباحثہ کریگا۔ قیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا اور جو آدمی تقدیر پر ایمان لا کر خاموشی اختیار کریگا وہ قیامت کے دن گرفت سے بچ جائے گا۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا کہ جو آدمی مسئلہ تقدیر کے بارے میں فضول بحث، جھگڑا، غور وفکر تحقیق اور تجسس کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے جس کو وہ اپنے بندوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے اس میں بحث مباحثہ تنازع اور مناظرہ اور عقل کی دوڑ کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کے بارے میں تحقیق اور تجسس آخرت میں نقصان اور خسارے کا سبب ہے ہاں البتہ جس آدمی کو اپنے اوپر اعتماد ہو اور اس کے پاس راسخ علم ہو تو اس کے لئے بقدر ضرورت باطل فرقوں کے ساتھ شکوک وشبہات کے ازالہ کے لئے بحث ومباحثہ جائز ہے۔ اسی لئے تو علماء کرام نے علم کلام میں تقریراً اور تحریراً مباحث کی ہیں۔

وہی ہوگا جو تقدیر میں لکھا گیا ہے

(۱۰۶/۳۶) وَعَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهٗ قَدْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِّنَ الْقَدَرِ فَحَدِّثْنِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّذْهِبَهٗ مِنْ قَلْبِيْ فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوٰتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَّهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۵/ ۷۵ حديث ٤٦۹۹۔ وأخرجه ابن ماجة ۱/ ۲۹ حديث رقم ۷۷۔ احمد في المسند ۵/ ۱۸۹۔

ترجمہ: حضرت ابن دیلمیؒ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ میں صحابی رسول حضرت ابی بن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ کہ جب تمام چیزیں تقدیر کے مطابق ہیں۔ تو پھر یہ ثواب اور عقاب کیوں ہے؟ اس لئے آپ میرے سامنے کوئی حدیث بیان کریں شاید اللہ تعالیٰ

میرے دل کو ان شکوک و شبہات سے پاک کر دے۔ یہ سن کر حضرت ابیؓ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تمام زمین و آسمان والوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔ تو وہ ان پر کسی طرح سے بھی ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ زمین و آسمان والوں کو کتنا ہی عذاب کیوں نہ دے وہ ظالم نہیں ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نواز دے۔ تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے یقیناً بہتر ہوگی اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو تمہارا یہ خیر کا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر کامل اعتقاد و یقین اور ایمان نہ رکھو اور اس بات کو اچھی طرح نہ جان لو کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوگیا ہے۔ وہ رکنے اور خطا کرنے والا نہ تھا اور جو چیز رک گئی ہے تمہیں نہیں پہنچی تو سمجھ لو کہ وہ تمہارے مقدر اور نصیب میں نہیں تھی اور اگر تم اس حالت میں فوت ہو جاؤ کہ تمہارا عقیدہ اس کے خلاف ہو۔ یعنی تقدیر پر کامل ایمان نہ ہو۔ تو پھر یقیناً تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ابن دیلمیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ کا یہ بیان سن کر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انہوں نے اسی طرح بیان کیا۔ پھر میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا پھر میں حضرت زید بن ثابتؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی بالکل اسی طرح کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ اس حدیث کو امام احمدؒ امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کچھ ہوگا جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ حضرت دیلمیؒ کے دل میں مسئلہ تقدیر کے بارے میں کچھ شکوک و شبہات پیدا ہو گئے کہ جب سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو پھر یہ ثواب و عقاب کا ضابطہ کس لیے ہے؟ یہ اضطرابی کیفیت اگر چہ باعث گرفت نہیں۔ مگر باعث پریشانی ضرور ہے۔ انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس اضطرابی کیفیت کو بیان کیا تا کہ کوئی تسلی والی بات بیان کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کر دیں۔ تا کہ اس اضطرابی کیفیت کا ازالہ ہو جائے۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے ان ما اصابك ...... اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو جو کچھ حاصل ہوا اور مل جائے تو اسکے متعلق یہ نہ کہو کہ میں نے اپنی جدوجہد سے حاصل کر لیا ہے اور اگر کوئی چیز آپ کو میسر نہ ہو تو اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ اگر میں کوشش اور محنت کرتا تو اس چیز کو حاصل کر لیتا۔ اسلئے کہ جو کچھ آپ کو حاصل ہو چکا ہے اسکے حصول میں تمہاری محنت کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ تقدیر کے مطابق ہوا ہے اور جو کچھ آپ کو حاصل نہیں ہوا وہ تمہارے مقدر اور نصیب میں نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ قضاء و قدر کے تحت ہو رہا ہے۔

تقدیر کے منکر کے لئے خسف، مسخ اور پتھروں کی بارش ہوگی

(۱۰۷/۳۷) وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهٗ بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ اَوْفِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِيْ اَهْلِ الْقَدَرِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

أخرجه الترمذي في السنن ٣٩٧/٤ حديث رقم ١٢٠٢ وقال حديث حسن صحيح غريب۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ١٢٥٠/٢ حديث رقم ٤٠٦١۔ وأخرج أبو داؤد ونحوه ٢٠/٥ حديث رقم ٤٦١٣۔ وأحمد في المسند ١٣٦/٢۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا

کہ فلاں آدمی نے آپ کو سلام کہا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اس آدمی نے دین میں کوئی نئی بات نکالی ہے۔ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے کہ اس نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی ہے۔ تو میری طرف سے اس کو جواب میں سلام نہ کہنا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے یا یہ فرمایا کہ اس امت میں سے اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب زمین میں دھنس جانا شکل کا تبدیل ہو جانا اور پتھروں کی بارش اہل قدر یعنی تقدیر کا انکار کرنے والوں پر ہوگا۔ اس حدیث کو امام ترمذی امام ابو داؤد امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح ﴿اس حدیث میں تقدیر کے منکر کے لئے سخت دردناک عذاب کی وعید ذکر کی گئی ہے۔ کہ جو آدمی تقدیر کا منکر ہو اس کے لئے تین طرح کا عذاب ہوگا۔ (۱) زمین میں دھنس جانا۔ (۲) شکلوں اور صورتوں کا تبدیل ہو جانا (۳) آسمان سے پتھروں کی بارش جیسے قوم لوط پر ہوئی تھی۔ آنے والے آدمی نے حضرت ابن عمرؓ کو جس آدمی کا سلام پہنچایا۔ اس کے جواب میں آپؓ نے قاصد سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس سلام بھیجنے والے شخص نے اسلام میں غلط نظریہ اور بدعت ایجاد کی ہے۔ اگر اس نے واقعتاً ایسا کیا ہے تو اس کو میرا اسلام نہ کہنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدعتی کو سلام کرنا جائز نہیں اسی طرح بدعتی کے ساتھ میل جول اس کا اکرام اور تعظیم جائز نہیں ہے۔ کیونکہ بدعتی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے حکم لگایا ہے کہ فاسق فاجر اور بدعتی کے سلام کا جواب دینا واجب اور لازم نہیں بلکہ سنت بھی نہیں اس شدت توبیخ کی وجہ سے ان کے ساتھ ترک ملاقات جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ اور افضل ہے۔

زمانہ جاہلیت میں مرنے والا بچہ جہنمی ہے

(۱۰۸/۳۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلَتْ خَدِيْجَةُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ وَلَدَيْنِ مَاتَالَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُمَا فِي النَّارِ قَالَ فَلَمَّا رَأَى الْكَرَاهَةَ فِي وَجْهِهَا قَالَ لَوْرَأَيْتِ مَكَانَهُمَا لَا بْغَضْتِهِمَا قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَلَدِيْ مِنْكَ قَالَ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَوْلَادَهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَوْلَادَهُمْ فِي النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

احمد في المسند ۱/۱۳۴۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کے متعلق سوال کیا جو اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے کہ وہ جنتی ہیں یا جہنمی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دونوں بچے دوزخ میں ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتے دیکھا۔ تو ارشاد فرمایا کہ اگر تم ان بچوں کا ٹھکانہ اور حال دیکھ لو کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں۔ تو تمہیں ان سے نفرت ہو جائے گی۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول میری وہ اولاد جو آپ ﷺ سے پیدا ہوئی ہے یعنی قاسم اور عبداللہ ان کا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جنت میں ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہوں گے۔ مشرکین اور ان کی اولاد جہنم میں ہوں گے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت تلاوت کی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ ...... کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی

اولاد نے ان کی اطاعت کی تو ہم ان کی اولاد کو جنت میں ان کے ساتھ رکھیں گے اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❀ حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کے بارے میں سوال کیا تھا جو پہلے شوہر ہالہ سے تھے اور جاہلیت کے دور میں فوت ہو چکے تھے کہ وہ جنتی ہیں یا جہنمی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ دونوں بچے جہنم میں ہیں۔ جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ کو رنجیدہ خاطر دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم ان کا ٹھکانہ دیکھ لیتی اور ان کا مبغوض عند اللہ ہونا تمہیں معلوم ہو جاتا تو تم ان سے نفرت کرنے لگتیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق میں قرآن کی آیت تلاوت کی۔ والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے وہ بچے ملا دیئے جائیں گے جن بچوں نے والدین کی اطاعت کی تا کہ جنت میں والدین کو مکمل خوشی حاصل ہو اور مشرکین کی اولاد کو جہنم میں ان کے ساتھ ملا دیا جائے گا تا کہ مشرکین کو جہنم میں کامل درجہ کا غم لاحق ہو۔

اولادِ آدم انکار اور خطا کرتی ہے

(۳۹/۱۰۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهٖ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ اِلٰى یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَجَعَلَ بَیْنَ عَیْنَیْ كُلِّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِیْصًا مِّنْ نُوْرٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى اٰدَمَ فَقَالَ اَیْ رَبِّ مَنْ هٰؤُلَاۤءِ فَقَالَ ذُرِّیَّتُكَ فَرَاٰى رَجُلًا مِنْهُمْ فَاَعْجَبَهٗ وَبِیْصُ مَابَیْنَ عَیْنَیْهِ قَالَ اَیْ رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ دَاوٗدُ فَقَالَ اَیْ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهٗ قَالَ سِتِّیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِیْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا انْقَضٰى عُمْرُ اٰدَمَ اِلَّا اَرْبَعِیْنَ جَاۤءَهٗ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ اٰدَمُ اَوَلَمْ یَبْقَ مِنْ عُمْرِیْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوٗدَ فَجَحَدَ اٰدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّیَّتُهٗ وَنَسِیَ اٰدَمُ فَاَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ فَنَسِیَتْ ذُرِّیَّتُهٗ وَخَطَاَ اٰدَمُ وَخَطَاَتْ ذُرِّیَّتُهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

اخرجه الترمذی ٥/١٤٩ حدیث رقم ٣٠٧٦ وقال حسن صحیح۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا چنانچہ اس کے نتیجہ میں ان کی پشت سے تمام جانیں نکل پڑیں۔ جن کو اولاد آدم سے قیامت تک اللہ نے پیدا کرنا تھا اور ہر آدمی کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک رکھی پھر ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے لا کر کھڑا کیا حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔ اے میرے رب یہ کون لوگ ہیں؟ رب نے فرمایا یہ سب آپ کی اولاد ہے حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان غیر معمولی چمک تھی۔ اس سے آدم علیہ السلام کو بڑا تعجب اور حیرانگی ہوئی۔ سوال کیا اے رب یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ داؤد علیہ السلام ہیں۔ پھر آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے میرے رب تو نے اس کی کتنی زندگی مقرر کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ساٹھ (۶۰) سال۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا اے میرے رب۔ اس کی زندگی میں میری عمر میں سے چالیس سال زیادہ کر دے۔ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کی زندگی کے چالیس سال باقی رہ گئے۔ تو ملک الموت ان کے پاس روح قبض کرنے کے لئے آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس فرشتہ سے کہا کیا ابھی میری زندگی کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ موت کے فرشتہ نے کہا۔ کیا آپ نے اپنی زندگی میں

سے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دیئے تھے؟ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے انکار کر دیا۔ اب ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام اپنے وعدہ کو بھول گئے اور انہوں نے شجرہ ممنوعہ کا پھل کھالیا اور اب آدم کی اولاد بھی بھولتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی تھی اور اب آدم کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جس نور اور چمک کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد ہدایت کی وہ صلاحیت اور استعداد ہے جو اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو عطا کی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی پیشانی میں یہ نور زیادہ چمک دمک کے ساتھ واضح اور روشن تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو پسند کر کے ان کے بارے میں سوال کیا تھا کہ یہ کون ہے؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام میں خلافت ارضی کے اعتبار سے قدر اشتراک کے مناسبت تھی کیونکہ دونوں کو قرآن میں خلیفہ کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے حضرت آدم علیہ السلام نے خصوصیت سے داؤد علیہ السلام کا انتخاب کیا اور ان کے بارے میں سوال کیا۔

اس حدیث میں جحو دیعنی انکار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد جحو دعنادی ہے اور یہ عالم ارواح کا معاملہ تھا زمانہ گزرنے سے ذہول آ گیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنی زندگی دوسرے کو دینے کا جو معاملہ تھا وہ بھی عالم ارواح سے متعلق ہے۔ اب اگر کوئی اس عالم شہود میں اپنی زندگی دوسرے کو دینا چاہے تو یہ ناجائز اور ناممکن ہے۔ کیونکہ زندگی اور موت کا تعین امور تکوینیہ میں سے ہے اور امور تکوینیہ میں کسی کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں۔

جنتی اور جہنمی ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے

(۱۱۰/۴۰) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ حِيْنَ خَلَقَهٗ فَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُمْنٰى فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً بَيْضَاءَ كَاَنَّهُمُ الذَّرُّ وَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرٰى فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً سَوْدَاءَ كَاَنَّهُمُ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ يَمِيْنِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ وَلَا اُبَالِیْ وَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى اِلَى النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد في المسند ٦/٤٤١۔

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر ہاتھ مارا۔ یعنی دست قدرت یا ہاتھ مارنے کا حکم دیا اور اس سے سفید اولاد نکالی گویا کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں جتنے تھے اور پھر بائیں کندھے پر ہاتھ مارا اور اس سے سیاہ رنگ کی اولاد نکالی گویا کہ وہ کوئلہ ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دائیں جانب والی اولاد کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنتی ہیں اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں اور بائیں کندھے والی اولاد کے بارے میں فرمایا کہ یہ جہنمی ہیں اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہے اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اور ان کے دائیں کندھے پر دست قدرت مارا یا کسی فرشتہ کو ہاتھ مارنے کا حکم دیا اس سے روشن اور چمکدار اولاد نکل پڑی۔ یہ درحقیقت تجلیات ربانی کے القاء کی ایک صورت تھی اور یہ سفیدی، نور اور ہدایت کے لئے استعداد اور صلاحیت کی علامت تھی کہ یہ شخص دنیا میں نور ایمان کو حاصل کریگا اور ہدایت یافتہ ہوگا اور پھر بائیں کندھے پر ہاتھ مارا۔ یا

فرشتہ کو ہاتھ مارنے کا حکم دیا اس سے سیاہ رنگ کی اولاد نکل پڑی یہ اصل میں ظلمت جہالت اور ضلالت کی علامت تھی کہ یہ شخص دنیا میں آ کر گمراہی کو اختیار کریگا۔ یہ دونوں تصویریں عالم ارواح میں ہدایت اور ضلالت کی علامت بن گئیں اور اس حدیث میں ولا ابالی کے لفظ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب اور لازم نہیں اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے افعال، اغراض اور مقاصد کے بارے میں سوال کر سکتا ہے کسی کے جنت میں جانے سے اس کا کوئی مفاد، غرض اور مطلب وابستہ نہیں اور کسی کے جہنم میں جانے سے اس کو کوئی خوف اور خطرہ نہیں۔

جنتی اور جہنمی ہونے کی فکر کرنی چاہئے

(۴۱/۱۱۱) وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ یُقَالُ لَهٗ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ دَخَلَ عَلَیْهِ اَصْحَابُهٗ یَعُوْدُوْنَهٗ وَهُوَ یَبْکِیْ فَقَالُوْا لَهٗ مَایُبْکِیْكَ اَلَمْ یَقُلْ لَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُذْ مِنْ شَارِبِكَ ثُمَّ اَقِرَّهٗ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ بِیَمِیْنِهٖ قَبْضَةً وَّاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَهٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَلَا اُبَالِیْ وَلَا اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقَبْضَتَیْنِ اَنَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد في ٥/٦٨۔

ترجمہ: حضرت ابونضرہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے ایک آدمی جن کا نام ابوعبداللہ تھا' بیمار ہو گئے اور ان کے دوست واحباب ان کی تیمارداری کے لئے تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے وہاں جا کر دیکھا کہ ابو عبداللہ رو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے رونے پر مجبور کیا ہے؟ اور آپ کیوں رو رہے ہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنی مونچھوں کے بال کاٹ کر چھوٹے کرو اور اسی پر قائم رہو۔ یہاں تک کہ تم مجھ سے جنت میں مل جاؤ۔ ابوعبداللہؓ نے فرمایا۔ ہاں یہ تو فرمایا ہے۔ لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی میں ایک جماعت کو پکڑا اور فرمایا کہ یہ جنت کے لئے ہیں اور اسی طرح دوسرے ہاتھ میں ایک جماعت کو پکڑا اور فرمایا یہ جماعت جہنم کے لئے ہے اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے یہ فرما کر ابوعبد اللہ نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ میں کس مٹھی میں ہوں۔ یعنی جنت والی مٹھی میں ہوں یا جہنم والی مٹھی میں اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت ابوعبداللہؓ بیمار ہو گئے اور ان کے دوست واحباب ان کی عیادت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابوعبداللہؓ رو رہے ہیں جب ان کے دوستوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ پریشان کیوں ہیں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور آپ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بشارت بھی ہے کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنی مونچھوں کو کاٹ کر برابر کرو اور پھر اسی پر قائم دائم رہنا۔ یہاں تک کہ تم مجھ سے جنت میں ملاقات کرو۔ الغرض آپ کو فکر مندی کی کیا ضرورت ہے آپ کو جنت کی بشارت موصول ہو چکی ہے اور یہ بشارت اس کو مستلزم ہے کہ آپ سعادت مند ہیں اور سعادت مند ہو کر نور ایمانی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوں گے حضرت ابوعبداللہ صحابیؓ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ بات آپ لوگوں کی صحیح اور بجا ہے اور اس بشارت کے سچا ہونے پر بھی مکمل یقین ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج اور پابند نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مرضی میں کسی کو دخیل اور شریک ہونے کی مجال نہیں اور اللہ تعالیٰ

نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ میں جس کو چاہوں جنت کی نعمتوں سے نوازدوں اور جس کو چاہوں جہنم میں ڈال دوں اور اللہ فرماتے ہیں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ حضرت ابوعبداللہ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہی خوف اور خطرہ کھائے جا رہا ہے۔ کہ اللہ جانے میرا میدان محشر میں کیا حال ہوگا اس ڈر سے میرا دل خوف زدہ ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابوعبداللہ فکر آخرت کے غلبہ سے اس بشارت کو بھول گئے ہوں اور ان کو اس کا احساس نہ رہا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مجھے اس قدر عظیم الشان بشارت مل چکی ہے۔

حضرت علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی وضاحت اور شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لبوں کو کاٹ کر برابر کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس پر استقامت سے قائم دائم رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حوض کوثر پر ملاقات کا اور جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ اور سبب ہے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اس ایک سنت کو چھوڑنے سے عظیم سعادت کامیابی اور فلاح سے محروم ہو سکتا ہے۔ تو پھر اندازہ لگائیے کہ بہت کثیر تعداد سنتوں کو چھوڑنے کا وبال کیا ہوگا اسی لئے علماء ربانیین نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اصرار کے ساتھ چھوڑنے سے انسان ملحد اور زندیق بن جاتا ہے۔ اس لیے سنتوں پر عمل کرنا چاہئے۔

اللہ نے عالم ارواح میں سب سے الست بربکم کا وعدہ لیا ہے

(۴۲/۱۱۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهٖ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَاَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قُبُلًا قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ۔ الاعراف ۱۷۲)

اخرجه احمد في المسند ۱/ ۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات کے قریب وادی نعمان میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام پیدا ہونے والی اولاد کو نکالا اور ان سب کو چیونٹیوں کی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پھیلا دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے گفتگو کی اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد نے کہا۔ بے شک آپ ہمارے رب ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شہادت میں نے تم سے اس لئے لی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے بے خبر اور غافل تھے یا تم یہ کہہ دو کہ ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے۔ ہم نے ان کی اطاعت کی تھی اے اللہ کیا تو ان باطل پرستوں کے اعمال کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ میدان عرفات کے قریب وادی نعمان میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا جنہوں نے قیامت تک پیدا ہونا تھا اور ان سے اپنی الوہیت اور ربوبیت کا اقرار لیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ ہم نے آپ سے یہ شہادت اس لئے لی ہے تاکہ قیامت کے دن تم یہ دلیل قائم نہ کرسکو کہ ہمارے آباء واجداد نے شرک کیا تھا۔ اس لئے ہم بھی ان کے ساتھ رہے۔ یا یہ کہ ہمارے پاس اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ تو ہم اپنے آباء واجداد کے تابع رہے۔ انہوں نے ہماری جو تربیت کی۔ جس کام پر لگایا اور جس راستہ پر چلایا

ہم نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اسی کو اختیار کیا۔لہٰذا ہمارے کفروشرک ضلالت اور بداعمالی کے اصل ذمہ دار ہمارے آباءواجداد ہیں۔ہماری گمراہی کا اصل الزام ان پر عائد ہوتا ہے۔ان کی وجہ سے ہم جہنم کے مستحق نہیں ہوسکتے۔اصل جہنم کے مستحق وہی لوگ ہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے دن تمہاری یہ دلیل کام نہیں آئے گی اس لئے کہ ہم نے آپ سے اپنی الوھیت،خالقیت اورربوبیت کا اقرار لے لیا ہے اورتم اس کی شہادت دے چکے ہو اور اسی وعدہ اور شہادت کی یاددہانی کے لئے مختلف علاقوں میں اور مختلف زمانوں میں رسول اور نبی آتے رہے اور کتابیں،صحائف بھی نازل کیے گئے۔تاکہ وہ انسانوں کو یہ وعدہ یاد کرا کر صحیح راستہ پر چلنے کی تلقین کرتے رہیں۔

فقیراور مالدار کیوں؟اوراقرار کے بعد انکار کیوں؟

(۱۱۳/۴۳)وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ قَالَ جَمَعَھُمْ فَجَعَلَھُمْ اَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَھُمْ فَاسْتَنْطَقَھُمْ فَتَکَلَّمُوْا ثُمَّ اَخَذَ عَلَیْھِمُ الْعَھْدَ وَالْمِیْثَاقَ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ (اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی) قَالَ فَاِنِّیْ اُشْھِدُ عَلَیْکُمُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وَاُشْھِدُ عَلَیْکُمْ اَبَاکُمْ اٰدَمَ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَمْ نَعْلَمْ بِھٰذَا اِعْلَمُوْا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ غَیْرِیْ وَلَارَبَّ غَیْرِیْ وَلَا تُشْرِکُوْا بِیْ شَیْئًا اِنِّیْ سَاُرْسِلُ اِلَیْکُمْ رُسُلِیْ یُذَکِّرُوْنَکُمْ عَھْدِیْ وَمِیْثَاقِیْ وَاُنْزِلُ عَلَیْکُمْ کُتُبِیْ قَالُوْا شَھِدْنَا بِاَنَّکَ رَبُّنَا وَاِلٰھُنَا لَارَبَّ لَنَا غَیْرُکَ وَلَآ اِلٰہَ لَنَا غَیْرُکَ فَاَقَرُّوْا بِذٰلِکَ وَرَفَعَ عَلَیْھِمْ اٰدَمَ یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ فَرَاَی الْغَنِیَّ وَالْفَقِیْرَ وَحَسَنَ الصُّوْرَۃِ وَدُوْنَ ذٰلِکَ فَقَالَ رَبِّ لَوْلَا سَوَّیْتَ بَیْنَ عِبَادِکَ قَالَ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْکَرَ وَرَاَی الْاَنْبِیَآءَ فِیْھِمْ مِثْلَ السُّرُجِ عَلَیْھِمُ النُّوْرُ خُصُّوْا بِمِیْثَاقٍ اٰخَرَ فِی الرِّسَالَۃِ وَالنُّبُوَّۃِ وَھُوَقَوْلُہٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ اِلٰی قَوْلِہٖ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ کَانَ فِیْ تِلْکَ الْاَرْوَاحِ فَاَرْسَلَہٗ اِلٰی مَرْیَمَ عَلَیْھَا السَّلَامُ فَحُدِّثَ عَنْ اُبَیٍّ اَنَّہٗ دَخَلَ مِنْ فِیْھَا۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد في المسند ۱۳۵/۵۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ قرآن کی اس آیت :وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ کہ جب تمہارے رب نے آدم کی اولاد کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا۔اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو جمع کیا اور ان کو مختلف قسم کا بنادیا۔یعنی کسی کو فقیر اور کسی کو مال دار بنادیا باعتبار ارادہ کے۔ پھران کو شکل وصورت عطا کی اور پھر بولنے کی طاقت عطا کی اور انہوں نے باتیں کیں۔پھران سے مضبوط وعدہ لیا اور پھر ان کوان کی اپنی جانوں پر گواہ بنا کر پوچھا۔کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟آدم کی اولاد نے کہا۔بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو تمہارے سامنے گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ حضرت آدم کو بھی گواہ بناتا ہوں تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل اور بے خبر تھے۔اس وقت تم اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی معبود ہے اور نہ ہی میرے سوا کوئی رب ہے اور خبر دار کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس عنقریب اپنے رسول اور انبیاء بھیجوں گا۔جو تمہیں میرا یہ وعدہ یاددلائیں گے اور تمہارے لئے اپنی کتابیں بھی بھیجوں گا۔یہ سن کر آدم کی اولاد نے کہا کہ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔کہ تو ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا معبود

ہے۔ تیرے سوانہ تو ہمارا کوئی رب ہے اور نہ ہی تیرے سوا ہمارا کوئی معبود ہے۔ چنانچہ آدم کی تمام اولاد نے اس کا اقرار کرلیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے اوپر بلند کردیا اور وہ اپنی نگاہ کو بلند کیے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی اولاد میں امیر بھی ہیں اور غریب بھی۔ خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی یہ منظر دیکھ کر آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے اللہ تو نے اپنے تمام بندوں کو برابر اور یکساں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے بندے میرا شکر ادا کرتے رہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے انبیاء کرام کو دیکھا جو چراغوں کے مثل روشن تھے اور نوران کے اوپر جلوہ نما تھا۔ ان سے خصوصیت کے ساتھ نبوت و رسالت کے بارے میں وعدہ لیا گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ اِلٰی قَوْلِهٖ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ اور جب ہم نے انبیاء کرام سے ان کا عہد لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی وعدہ لیا۔ ان روحوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے چنانچہ ان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ روح حضرت مریم علیہا السلام کے جسم مبارک میں ان کے منہ سے داخل کی گئی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں حضرت ابی بن کعب نے قرآن مجید کی آیت: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ کی تفسیر ذکر کی ہے۔ جب حضرت آدم نے تمام پیدا ہونے والی ارواح کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان میں فرق ہے کوئی غریب ہے کوئی مالدار ہے کوئی خوبصورت ہے کوئی بدصورت ہے۔ تو حضرت آدم کو اس پر بہت تعجب ہوا اس لئے انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ یہ سب میری اولاد ہیں اور سب تیرے بندے ہیں ان سب کو تو نے برابر کیوں نہیں کیا ان میں یہ اختلاف اور فرق کیوں رکھا ہے کہ کوئی فقیر ہے کوئی غنی ہے کوئی قوی ہے کوئی ضعیف ہے کوئی عزت والا ہے کوئی ذلت والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ان میں اختلاف اور فرق رکھنے کی ایک حکمت اور مصلحت ہے وہ یہ کہ اگر میں ان سب کو برابر پیدا کردیتا تو یہ میرا شکر ادا نہ کرتے۔ کہ جب ایک انسان کو نعمتیں حاصل ہونگی جو دوسرے انسانوں کو میسر نہیں ہونگی تو وہ لازماً دوسروں کو دیکھ کر میرا شکر ادا کرے گا۔ لہٰذا جس انسان کے اندر جو خصائل اور صفات ہونگی وہ ان کی لذت سے آشنا ہوگا۔ جب دوسرے انسان میں وہ چیزیں موجود نہیں ہونگی تو لازماً خوش ہوکر میرا شکر ادا کرے گا اور شکریہ ادا کرنے سے نعمتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

انسان کی عادت نہیں بدلتی

(۴۴/۱۱۴) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَتَذَاكَرُ مَا یَكُوْنُ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَیَّرَ عَنْ خُلُقِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ یَصِیْرُ اِلٰی مَا جُبِلَ عَلَیْهِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

اخرجه أحمد فی المسند۶/۴۴۳۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مستقبل میں پیش آنیوالے حالات کے بارے میں باہم گفتگو کررہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری گفتگو کو سن کر ارشاد فرمایا کہ جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کردو لیکن جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی فطرت اور عادت بدل گئی ہے تو

اس کی تصدیق نہ کرو۔ اس لئے کہ ہر انسان اپنی فطرت اور پیدائش کی طرف جاتا ہے جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے مگر کسی کی جبلت اور عادت نہیں بدل سکتی۔ صحابہ کرام ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ مستقبل میں واقع ہونے والے حالات تقدیر کے مطابق ہیں یا تقدیر کے بغیر ہی خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا کہ ہر چیز تقدیر کے مطابق اپنے وقت پر ثابت ہو جاتی ہے جیسے ایک انسان اپنی جس خلقت پر پیدا ہوتا ہے اسی پر قائم اور دائم رہتا ہے اور اسی کی طرف اس کا رجحان رہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو عقل مند پیدا کیا ہے اور اس کی فطرت میں عقل اور دانائی کا مادہ رکھ دیا ہے اور اس کی تقدیر میں فہم و فراست کو لکھ دیا ہے تو وہ کبھی بے وقوف نہیں ہو سکتا اور اس کے برعکس کسی انسان کو احمق اور بے وقوف پیدا کیا ہے تو وہ عقل منداور سمجھدار نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ جو لوگ اپنی محنت اور مشقت سے کوشش کر کے اپنی عقل مندی سے فراست حاصل کر لیتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث میں بحث خلقت کے اعتبار سے ہے کہ جس انسان کو جس جبلت پر پیدا کر دیا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر اور تبدل ممکن نہیں۔ باقی اپنی ذاتی کوشش اور محنت ریاضت اور مشقت یہ ایک علیحدہ چیز ہے کیونکہ اس کے بارے میں بھی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ یہ انسان اپنے کسب اور اختیار کوشش اور محنت سے عقل مند بن جائے گا۔ لیکن جس انسان کی تقدیر میں حماقت لکھ دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں محنت اور کوشش بھی کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی۔

تقدیر آدم کی تخلیق سے پہلے لکھ دی گئی

(۴۵/۱۱۵) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَا یَزَالُ یُصِیْبُكَ فِیْ كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ الَّتِیْ اَكَلْتَ قَالَ مَآ اَصَابَنِیْ شَیْءٌ مِنْهَا اِلَّا وَهُوَ مَكْتُوْبٌ عَلَیَّ وَاٰدَمُ فِیْ طِیْنَتِهٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجة في السنن ۲/۱۱۷٤ حديث رقم ۳۵٤٦۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے جو زہر آلود بکری کھائی تھی ہر سال اس کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے آپ نے فرمایا جو تکلیف یا بیماری مجھ کو پہنچتی ہے وہ میرے لئے اس وقت لکھی گئی تھی۔ جب کہ آدم مٹی کے اندر تھے۔ یعنی میری تقدیر میں اسی طرح لکھا تھا۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ خیبر میں ایک یہودیہ عورت نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اور بکری کا گوشت پکایا اور اس میں زہر ڈال دیا۔ آپ نے اس میں سے کچھ کھا لیا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع کر دی گئی۔ اس کے بعد ہر سال آپ کو اس کی وجہ سے تکلیف پہنچتی تھی۔ اسی چیز کے متعلق حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کو ہر سال زہر آلود گوشت کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ ابھی آدمؑ اپنی تخلیق کے مراحل میں تھے۔ اس وقت سے اس کو میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا۔

بَابُ اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ

عذاب قبر کے ثبوت کا بیان

اس باب مین عذاب قبر کے ثبوت کا بیان ہے عذاب قبر قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے اس مین کوئی شک اور شبہ نہیں اور یہ

بات بھی اچھی طرح دل ودماغ میں بیٹھالینی چاہئے کہ قبر سے مراد زمین کا یہ گھڑا نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ حقیقت میں قبر عالم برزخ کا نام ہے۔ جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک عالم ہے اور یہ عالم ہر جگہ میسر ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی آدمی دریا یا سمندر میں ڈوب جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور کھا جائے، اگر ایسا انسان بداعمال ہے تو اس کو بھی عذاب قبر ہوتا ہے۔ اگر نیک ہو تو اس کو انعامات سے نوازا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا یہ ضروری نہیں جن لوگوں کو اس عرفی قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ صرف ان پر ہی عذاب ہوتا ہے ۔عذاب قبر کے بارے میں اس چیز کا عقیدہ اور یقین رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ فاسق وفاجر لوگوں پر عذاب مسلط کیا جاتا ہے۔ منکر نکیر جو سوال وجواب کرنے والے ملائکہ ہیں اور عذاب دینے والے فرشتے نیز سانپ اور بچھو وغیرہ جن کو فاسق وفاجر قسم کے لوگوں پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ یہ سب چیزیں مسلّمہ حقیقت ہیں۔ جن کے بارے میں عقیدہ رکھنا اور ایمان لانا لازم ہے ہاں البتہ اس کے ساتھ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ کسی چیز کا مشاہدہ میں آجانا اور اس کو دیکھ لینا ہی اس کی حقانیت اور صداقت کی دلیل نہیں اگر چہ یہ چیزیں ہمارے مشاہدہ میں نہیں آسکتیں۔ پھر بھی ان کو مان لینا ضروری ہے۔ اس لئے کہ عالم بالا کی چیزوں کا مشاہدہ کر لینا اور عالم ملکوت کی چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا ممکن نہیں ان کو دیکھنے کے لئے چشم حقیقت کی ضرورت ہے۔ ہاں البتہ اگر اللہ اپنی قدرت کے ساتھ کسی کو انہی آنکھوں کے ساتھ عالم ملکوت کی چیزوں کو دکھلانا چاہے تو دکھلا سکتا ہے ۔اس سے کوئی چیز بعید نہیں۔ بعض اوقات ہم اس دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ ایسی اشیاء موجود ہیں کہ جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے نہیں مگر اس کے باوجود ان اشیاء کا ادراک ہوتا ہے اور ان کی حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ جیسے کوئی آدمی خواب کی حالت میں دنیا بھر کی چیزیں دیکھتا ہے اور سن لیتا ہے غم' مصیبت لذت' خوشی اور آرام اور سکون محسوس کرتا ہے مگر دوسرا آدمی ان چیزوں سے غافل اور ناواقف ہوتا ہے یا اسی طرح کسی آدمی کو کوئی تکلیف اور درد ہو۔ یا اس سے لذت حاصل ہو یا کسی غم اور پریشانی کا شکار ہو اس کو ان سب امور کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن اس کے پاس بیٹھنے والا دوسرا آدمی ان امور سے بے خبر ہوتا ہے اس کو کوئی احساس اور ادراک نہیں ہوتا اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں آپ کے پاس وحی آتی تھی۔ حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر رسول ﷺ کی خدمت اقدس میں آتے تھے صحابہ کرام آپ کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے نہ وہ وحی کے نزول کو دیکھتے تھے اور نہ حضرت جبرائیل کو دیکھتے تھے اس کے باوجود صحابہ کرام کا وحی کے نزول پر اور حضرت جبرائیل پر یقین اور ایمان ہوتا تھا۔ بالکل اسی طرح عذاب قبر کا معاملہ ہے بندے کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے نہ تو اس دنیا میں اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ ان آنکھوں کے ساتھ اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے عذاب قبر کے برحق ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے کہ جو کچھ اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے عذاب قبر کے بارے میں وہ سچ اور حق ہے۔ البتہ عذاب قبر کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے بڑی کتابوں میں علماء نے تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ جیسے روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قبر عالم برزخ کا نام ہے یعنی قبر سے شروع ہو کر اگلے تمام مراحل قیامت قائم ہونے تک برزخ ہیں

الفصل الاول:

عذابِ قبر قرآن سے ثابت ہے

(۱/۱۱۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ

وَفِی رِوَایَةٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ نَزَلَتْ فِیْ عَذَابِ الْقَبْرِ یُقَالُ لَہٗ مَنْ رَّبُّکَ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ وَنَبِیِّیْ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/٢٣١حديث رقم ١٣٦٩۔ومسلم في الصحيح ٤/٢٢٠١حديث ٧٣۔ وأبوداؤد بنحوه ٥/١١٢حديث رقم ٤٧٥٠۔والنسائي ٤/١٠١حديث رقم ٢٠٥٧۔والترمذي ٥/٢٧٦حديث رقم ٣١٢٠۔وابن ماجة ٢/١٤٢٧حديث رقم ٤٢٦٩۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے۔ تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا: ﴿یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ.....﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قائم اور ثابت رکھتا ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ مضبوط طریقہ پر ثابت رکھنا دنیا کی زندگی اور آخرت میں اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت: ﴿یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ.....﴾ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب قبر میں مردہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ﴿یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ.....﴾ اس آیت میں بالقول الثابت سے مراد کلمہ شہادت ہے کہ جب مؤمن سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ بتا تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ اور تیرا دین کون سا ہے؟ ان تینوں سوالات کا جواب کلمہ شہادت میں ہے اور اس آیت کے دوسرے جملہ۔ فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاخرۃ سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ ایمان کے نور سے اپنے دلوں کو روشن اور منور کر لیتے ہیں اور مذہب اسلام کی حقانیت ان کے دل و دماغ میں راسخ ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا اور آخرت میں رحمتوں اور برکات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ فلاح اور کامیابی ان کا مقدر بن جاتی ہے اور اللہ کے ہاں سعادت مند ہو جاتے ہیں۔

دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رحمت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو مذہب اسلام اور حق پر قائم و دائم رکھتا ہے اور ان کے دل و دماغ میں اسلام کی حقانیت کو مستحکم کر دیتا ہے۔ اگر دنیا کے اندر کوئی آزمائش آجائے تو اللہ تعالیٰ استقامت عطا کرتا ہے اور ان کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہیں آتی اور اپنی جان تک کو قربان کر دیتے ہیں۔

اور اخروی زندگی میں اللہ کے فضل و کرم اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے شمار نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اور عالم برزخ میں جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو ٹھیک ٹھیک جواب دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کو فلاح اور کامیابی سے نوازا جاتا ہے۔

قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا جائے گا

(۲/۱۱۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ وَاِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ اَتَاہُ مَلَکَانِ فَیُقْعِدَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَیَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّہٗ عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ فَیُقَالُ لَہٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَیَرَاھُمَا

جَمِيْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَآ اَدْرِيْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَهٗ لَادَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ولفظه للبخاری)

أخرجه البخاري في الصحيحه ۳/ ۲۰۵ حديث رقم ۱۳۳۸۔ ومسلم في الصحيح ٤/ ۲۲۰۱ حديث (۷۰۔ ۲۸۷۰) وأخرجه النسائي في السنن ٤/ ۹۷ حديث رقم ۲۰۵۱۔ وأخرجه أبو داؤد في سننه ٥/ ۱۱٤ حديث رقم ٤۷۵۲۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے رشتہ دار اور احباب واپس آ جاتے ہیں۔ تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے اس کے پاس قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس کے جواب میں مؤمن بندہ کہتا ہے کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں پھر اس آدمی سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانہ جہنم میں دیکھو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلہ میں تمہیں جنت میں جگہ دیدی ہے۔ چنانچہ وہ مردہ اپنے دونوں ٹھکانے جنت اور جہنم میں دیکھتا ہے اور جو مردہ منافق یا کافر ہو اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے کہ اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ مؤمن کہتے تھے وہی کچھ میں کہتا تھا۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے عقل سے سمجھا اور نہ تو نے قرآن پڑھا۔ اس کے بعد اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کی چیخ و پکار کو سوائے جنوں اور انسانوں کے قرب وجوار کی تمام مخلوق سنتی ہے بخاری و مسلم اور الفاظ اس حدیث کے بخاری کے ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ جب بھی کوئی انسان مرتا ہے چاہے مسلمان ہو۔ کافر ہو یا منافق ہو۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب انسان قبر یعنی عالم برزخ میں پہنچتا ہے جب اس کے عزیز واقارب اور دوست واحباب دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں۔ تو وہ لوٹنے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے سرعت اتیان ملائکہ سے یعنی وہ وقت اتنا قریب ہوتا ہے کہ ابھی مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے کہ اس کے پاس منکر اور نکیر دو فرشتے آ جاتے ہیں اور اس سے دیگر سوالات کے علاوہ ایک سوال رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کرتے ہیں کہ ان کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے۔ اگر وہ مردہ مؤمن ہے تو صحیح جواب دیتا ہے اور اگر وہ کافر یا منافق ہے تو وہ صحیح جواب نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد صحیح جواب دینے والے کو اس کا نتیجہ سنا دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی رحمتوں اور نعمتوں کا مستحق قرار دیا گیا ہے اور اس کی آخری منزل اور مقام، جنت کی طرف اس کی راہنمائی کر دی جاتی ہے اور غلط جواب دینے والا اللہ کے عذاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے اور اس کی آخری منزل اور ٹھکانے جہنم کی طرف اس کی راہنمائی کر دی جاتی ہے۔

مردے کو جنت اور جہنم سے اپنا ٹھکانہ نظر آتا ہے

(۱۱۸/۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاري في الصحيحه ۳/۲۴۳ حديث ۱۳۷۹ ـ ومسلم في صحيحه ۴/۲۱۹۹ حديث رقم (۶۵ ـ ۲۸۶۶) والترمذي ۴/۳۸۴ حديث رقم ۱۰۷۲ ـ وأخرجه النسائي ۴/۱۰۶ حديث رقم ۲۰۷۰ ـ وابن ماجة ۲/۱۴۲۷ حديث رقم ۴۲۷۰ ـ ومالك في الموطا ۱/۲۳۹ حديث ۴۷ من كتاب الجنائز ـ وأحمد في المسند ۲/۱۶ ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو قبر کے اندر روزانہ صبح اور شام اس کو اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اگر جہنمی ہے تو اس کو جہنم میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے اس کا انتظار کر۔ یہاں تک کہ جب قیامت آ جائے گی تو پھر تجھے اٹھا کر اللہ اس میں بھیجے گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر مرنے والے کو چاہے نیک ہو یا فاسق، منافق ہو یا کافر اس کو عالم برزخ میں روزانہ صبح شام اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اگر مردہ سعادت مند اور نیک ہے تو جنت میں اس کا جو ٹھکانہ ہوتا ہے وہ اس کو دکھایا جاتا ہے اور اگر مردہ فاسق فاجر اور کافر ہے تو جہنم میں اس کا جو ٹھکانہ ہوتا ہے وہ اس کو دکھایا جاتا ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ ملائکہ کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے اور جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اس وقت تجھے اس میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس وقت تک انتظار کرو۔

عذاب قبر حق ہے

(۴/۱۱۹) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعْدُ صَلّٰى صَلَاةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۲۳۲ حديث رقم ۱۳۷۲ ـ وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۱۱ حديث رقم (۱۲۵ ـ ۵۸۶) ـ وأخرجه النسائي في سننه ۴/۱۰۵ حديث رقم ۲۰۶۷ وأحمد في المسند ۶/۱۷۴ ـ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی خاتون ان کے پاس آئی اور اس نے حضرت عائشہؓ کے سامنے قبر کا ذکر کیا اور پھر اس نے حضرت عائشہؓ سے کہا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ آپ کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، عذاب قبر برحق ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز پڑھی اور عذاب قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے حدیث کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس یہودیہ عورت کی ملاقات سے پہلے حضرت عائشہؓ کو عذاب کے قبر کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ اسی لئے اس عورت نے جب آپ کے سامنے عذاب قبر کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ کو بڑا تعجب اور حیرانگی ہوئی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ کیا عذاب قبر حق ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ عذاب قبر حق ہے۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں نافرمان لوگوں پر عذاب مسلط کیا جاتا ہے اور اس کا احساس اور ادراک اس دنیا میں نہیں کیا جاتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ ﷺ کو بھی پہلے عذاب قبر کے بارے میں نہ بتایا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ اس کے بعد ہر نماز ادا کرنے کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ تو آپ ﷺ کو اس کے بعد بذریعہ وحی عذاب قبر کے بارے میں بتایا گیا اور رسول اللہ ﷺ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا

حقیقت میں امت کے لئے تھا۔ کیونکہ آپ کے بارے میں قبر کے اندر کسی اس طرح کے معاملہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لازمایہ پناہ امت کے لئے ہوگی۔ بطور مبالغہ کے کہ جب رسول اللہ ﷺ عذاب قبر سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ تو امت کے لئے بطریق اولیٰ عذاب سے پناہ مانگنا ضروری ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے سے عذاب قبر کے بارے میں معلوم تھا اور پوشیدہ طور پر اس سے پناہ مانگتے تھے اور حضرت عائشہؓ کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ یہودیہ عورت کے واقعہ کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے آپ سے سوال کیا۔ تو پھر آپ نے ظاہری طور پر عذاب سے پناہ مانگنی شروع کی تاکہ امت کو بھی معلوم ہو جائے اور وہ بھی عذاب قبر سے پناہ مانگنی شروع کردیں۔

عذاب قبر کا انکشاف

(۵/۱۲۰) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ اِذْحَادَتْ بِهٖ وَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْخَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/٢١٩٩ حديث رقم (٦٧_٢٨٦٧) وأخرجه أحمد في المسند ٥/١٩٠۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنو نجار کے ایک باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک خچر بدک گیا اور اس شدت سے کودا کہ قریب تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو گرادے۔ پھر اچانک وہاں پانچ چھ قبریں نظر آئیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ ان قبر والوں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول میں جانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کب فوت ہوئے ہیں۔ یعنی کفر کی حالت میں مرے ہیں یا کہ ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ اس آدمی نے جواب میں عرض کیا کہ یہ لوگ تو شرک اور کفر کی حالت میں مرے ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔ یعنی ان کو اپنی قبروں میں عذاب ہورہا ہے۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردوں کو قبر میں دفن کرنا چھوڑ دو گے۔ تو میں ضرور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تم کو بھی عذاب قبر کی آواز سنا دے، جس کو میں سن رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے عرض کیا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں عذاب قبر کے فتنہ کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنونجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ اچانک آپ کی سواری بہت شدت سے بدک گئی اور قریب تھا کہ آپ کو گرا دے۔ پھر آپ نے وہاں پانچ چھ قبریں دیکھیں۔ تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ ان کے متعلق کون جانتا ہے۔ کیا ان کا خاتمہ اسلام پر ہوا یا کفر پر۔ ایک صحابی نے جواب دیا کہ یہ لوگ کفر پر فوت ہوئے ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ ان کو اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور رسول کا احساس شعور اور ادراک دنیا کے تمام لوگوں سے بہت زیادہ قوی ہوتا ہے اس کے ظاہری اور باطنی احساس میں وہ قوت ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ عالم غیب کی اشیاء کا ادراک کر لیتا ہے اللہ کے نبی کی ظاہری بصارت کے ساتھ ساتھ باطنی بصارت بھی انتہائی طاقت ور ہوتی ہے۔ اسی طاقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جو کچھ دکھاتا ہے وہ دیکھ لیتا ہے اسی طرح مذکورہ واقعہ میں آپ کی چشم بصارت نے اللہ کے بتانے پر ادراک کر لیا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ قبر کے عذاب سے پناہ مانگا کرو اور عذاب قبر کی سختی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگر تمہاری آنکھیں اس عذاب کو دیکھ لیں اور تمہارے کان اس کی آواز سن لیں تو تمہارا دل و دماغ کام کرنا چھوڑ دے اور تم بے ہوش ہو جاؤ اور تمہارے اوپر اس قدر خوف اور دہشت چھا جائے کہ تم مردوں کو زمین میں دفن کرنا چھوڑ دو۔

الفصل الثانی:

قبر میں منکر نکیر کا سوال

(۶/۱۳۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اُقْبِرَ الْمَیِّتُ اَتَاهُ مَلَکَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ یُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْکَرُ وَلِلْاٰخَرِ النَّکِیْرُ فَیَقُوْلَانِ مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاِنْ کَانَ مُؤْمِنًا فَیَقُوْلُ هُوَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَیَقُوْلَانِ قَدْکُنَّا نَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ یُفْسَحُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِیْ سَبْعِیْنَ ثُمَّ یُنَوَّرُ لَهٗ فِیْهِ ثُمَّ یُقَالُ لَهٗ نَمْ فَیَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰی اَهْلِیْ فَاُخْبِرُهُمْ فَیَقُوْلَانِ نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِیْ لَایُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَیْهِ حَتّٰی یَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِکَ وَاِنْ کَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَااَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ قَدْکُنَّا نَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْلُ ذٰلِکَ فَیُقَالُ لِلْاَرْضِ الْتَئِمِیْ عَلَیْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَیْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا یَزَالُ فِیْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰی یَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِکَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

أخرجه الترمذی فی سننه ۳/۳۸۳ حدیث رقم ۱۰۷۱۔ وقال حدیث حسن غریب۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب مردہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے دو فرشتے نیلی آنکھوں والے آ جاتے ہیں ان میں سے ایک منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں اس مردہ سے سوال کرتے ہیں کہ تو اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بارے میں دنیا میں کیا کہتا تھا اگر وہ شخص مؤمن ہو تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں یہ سن کر وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو یقیناً یہی جواب دے گا اس کے بعد اس کی قبر لمبائی اور چوڑائی میں ستر ستر گز کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس مردہ سے

کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ مردہ کہتا ہے میں چاہتا ہوں کہ واپس اپنے اہل وعیال میں چلا جاؤں تا کہ ان کو اپنے اس حال کی خبر دوں فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو صرف وہی آدمی جگا سکتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو مراد اس کا شوہر ہے کیونکہ ہر کسی کا جگانا اچھا نہیں لگتا اس لئے کہ اس سے وحشت پیدا ہوتی ہے البتہ محبوب کا جگانا اچھا لگتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھائے اور اگر وہ مردہ منافق ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں اس شخص کے بارے میں لوگوں کو جو کچھ کہتے سنتا تھا میں بھی وہی کہتا تھا لیکن میں اس کی حقیقت کو نہیں جانتا منافق کا یہ جواب سن کر فرشتے کہتے ہیں ہمیں معلوم تھا کہ یقیناً تو یہی جواب دے گا اس کے بعد زمین کو مل جانے کا حکم دیا جاتا ہے چنانچہ زمین اس مردہ کو اسطرح دباتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جگہ سے اٹھائے اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قبر میں دو خوفناک فرشتے اس کے پاس انتہائی بری شکل میں آ جاتے ہیں جن کا رنگ کالا ہوتا ہے آنکھیں بلی کی آنکھوں کی طرح نیلی ہوتی ہیں اور یہاں قبر سے مراد عالم برزخ ہے فرشتوں کی یہ شکل وصورت منافقین اور کفار کے لئے ہیبت طاری کرنے کے لئے ہوتی ہے تا کہ جواب دینے میں بدحواس ہو جائیں اور مؤمنوں کے لئے یہ خوفناک شکل و صورت آزمائش اور امتحان کے لئے ہوتی ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ استقامت کے ساتھ صحیح جواب دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کامیاب ہو جاتے ہیں مردہ کے جواب میں فرشتوں کا یہ کہنا کہ ہمیں معلوم تھا تو یقیناً یہی جواب دے گا یہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی جاتی ہے کہ فلاں مردہ یہ جواب دے گا اور فلاں مردہ وہ جواب دے گا دوسرا احتمال یہ ہے کہ مردہ کی پیشانی اور چہرہ کے آثار سے فرشتے معلوم کر لیتے ہیں کیونکہ مؤمن کی پیشانی پر خوشی اور نور کی کیفیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے دیکھنے میں سعادت مند معلوم ہوتے ہیں کافر اور منافق کے چہرہ پر ندامت پریشانی اور نحوست کے آثار ہوتے ہیں۔

اور اس حدیث میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب مؤمن فرشتوں کے سوال کا جواب دیتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرم، رحمت و برکات اور نعمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں وہ یہ منظر دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں دنیا میں جا کر اپنے اہل وعیال کو اس کامیابی اور خوش کرنے والے معاملہ کی خبر دے دوں۔ جس طرح کوئی مسافر کسی جگہ میں قیام کرتا ہے اور اس کو راحت اور سکون حاصل ہو تو اس کی آرزو ہوتی ہے کہ کاش میں اس وقت اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کے پاس پہنچ جاتا اور اپنے اس آرام و راحت اور سکون کی خبر دے دیتا بالکل اسی طرح مردہ جب مؤمن ہو تو وہ بھی اپنے اہل وعیال کو خبر کرنے کی خواہش ظاہر کرے گا۔

قبر کا سوال وجواب

(۱۲۲/۷) وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْاٰيَةَ قَالَ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ لَهٗ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْهَا مَدَّ بَصَرِهٖ وَاَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ قَالَ وَيُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ

هَاهْ لَا اَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِیْنُكَ فَیَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَااَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ لَهٗ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْكُمْ فَیَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَااَدْرِیْ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَآءِ اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَی النَّارِ قَالَ فَیَاْتِیْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا قَالَ وَیُضَیَّقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِیْهِ اَضْلَاعُهٗ ثُمَّ یُقَیَّضُ لَهٗ اَعْمٰی اَصَمُّ مَعَهٗ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِیْدٍ لَوْضُرِبَ بِهَاجَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَیَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً یَسْمَعُهَا مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَیْنِ فَیَصِیْرُ تُرَابًا ثُمَّ یُعَادُ فِیْهِ الرُّوْحُ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

أخرجه أحمد فی المسند ٤ /٢٨٧۔ وأخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥ /١١٤ حدیث رقم ٤٧٥٣۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا قبر میں مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے پھر فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ کون ہے وہ کہتا ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں یہ تجھے کس نے بتایا؟ وہ کہتا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا: ﴿ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت قدم رکھتا ہے جو قول ثابت پر ایمان لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان سے پکارنے والا یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے حکم سے فرشتہ پکار کر کہتا ہے میرے بندے نے سچ کہا۔ لہٰذا اس کے لئے جنت کا بستر بچھاؤ اور اس کو جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے اس دروازے سے اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتیں ہیں اور تا حد نگاہ اس کے لئے قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ اب رہا کافر کا معاملہ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی موت کا ذکر کیا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ سوال کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ سوال کرتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اندر مبعوث کیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان کی طرف سے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا۔ یہ جھوٹا ہے۔ اس کے لیے آگ کا بستر بچھاؤ۔ آگ کا لباس اس کو پہناؤ اور اس کے لئے ایک دروازہ جہنم کی طرف کھول دو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم سے اس کے پاس گرم ہوائیں اور لوئیں آتی ہیں اور فرمایا کہ اس کی قبر اس کے لئے تنگ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ پھر اس پر ایک اندھا بہرہ فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایسا گرز ہوتا ہے کہ اس کو پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے اور وہ فرشتہ اس کو اس گرز سے اس طرح مارتا ہے کہ اس کے چیخنے اور چلانے کی آواز مشرق سے مغرب تک تمام مخلوق سنتی ہے۔ سوائے جنوں اور انسانوں کے کہ وہ نہیں سنتے اور اس مار کی وجہ سے مردہ مٹی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر اس کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔
اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ؛ اس حدیث میں بھی قبر کے سوال و جواب کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب مردہ کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھاتے ہیں اور یہاں بھی قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ اس اعتبار سے قبر ہر انسان کو حاصل ہوگی۔ چاہے دفن کیا جائے یا غرق ہو جائے۔ یا جلا دیا جائے یا کوئی جانور کھا جائے۔ پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں۔ اگر انسان مؤمن ہو تو صحیح جواب دے گا اور اس کو نعمتوں سے نوازا جائے گا اور تا حد نگاہ قبر کشادہ کر دی جائے گی اور جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جائے گا۔ راحت اور سکون عطا کیا جائے گا اور کافر سے جب سوال کیا جائے گا تو وہ صحیح جواب نہیں دے سکے گا اور جواب میں کہے گا ہاہ ہاہ اس لفظ کو کلام عرب میں وہ آدمی استعمال کرتا ہے جو خوفزدہ، دہشت زدہ اور حیران ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت کافر اس قدر خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی زبان سے ہیبت اور حسرت کے کلمات نکلتے ہیں اور وہ صحیح جواب نہیں دے سکتا اور کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان کی طرف سے ایک غیبی آواز کے ساتھ اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مذہب اسلام کی حقانیت، اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی صداقت کی آواز تمام عالم میں پھیلی اور مشرق تا مغرب صدائیں گونجیں اور یہ اس کے باوجود کہتا ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ یہ جھوٹ کہتا ہے اور اس حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قبر میں عذاب کے لئے جو فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں وہ اندھے اور بہرے ہوتے ہیں اور اس کی مصلحت اور حکمت یہ ہے کہ وہ مردہ کی چیخ و پکار کی آواز کو نہ سن سکیں اور نہ اس کی حالت اور کیفیت کو دیکھ سکیں۔ اگر سنتے اور دیکھ لیتے تو رحم آ جاتا اور مردہ کے جسم میں بار بار روح ڈالی جاتی ہے۔ مراد اس سے جسم مثالی ہے۔ تاکہ اس پر عذاب شدید سے شدید ہو سکے۔ کیونکہ وہ دنیا میں عذاب قبر کا انکار کیا کرتا تھا اور اس کی تکذیب کیا کرتا تھا۔

قبر کا منظر زیادہ سخت ہے

(۸/۱۲۳) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰی قَبْرٍ بَکٰی حَتّٰی یَبُلَّ لِحْیَتَہٗ فَقِیْلَ لَہٗ تَذْکُرُ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْکِیْ وَتَبْکِیْ مِنْ ھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ فَاِنْ نَجَا مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَیْسَرُ مِنْہُ وَاِنْ لَمْ یَنْجُ مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَشَدُّ مِنْہُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا رَاَیْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْہُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

اخرجه احمد فی المسند ۱/۶۳۔ واخرجه الترمذی ۴/۴۷۹ حدیث رقم ۲۳۰۸ وقال حسن غریب واخرجه ابن ماجة ۲/۲/۱۴۴۶ حدیث رقم ۴۲۶۷۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ جب جنت اور جہنم کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس مقام پر آپ کھڑے ہو کر روتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل قبر ہے۔ جس نے قبر میں نجات حاصل کر لی اس کو اس کے بعد بھی آسانی ہے اور جس نے اس منزل سے نجات حاصل نہیں کی اس کے لئے اس کے بعد سخت دشواری ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کبھی کوئی منظر قبر سے زیادہ سخت گھبراہٹ والا نہیں دیکھا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ؛ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قبرستان رونے کا مقام ہے۔ اس لیے کہ یہ عبرت کی جگہ ہے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جب

قبر پر کھڑے ہوتے تھے تو بہت زیادہ روتے تھے۔ آپ کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی کیونکہ جب انسان قبر پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو دنیا کی عیش و عشرت بھول جاتا ہے اور دنیا کے فانی ہونے پر اس کا ایمان اور یقین مضبوط ہو جاتا ہے اور خوف خدا کی وجہ سے اس کا دل خائف رہتا ہے اور فکر آخرت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب انسان کو قبر یاد آتی ہے تو انسان کی طبیعت عیش و عشرت اور دنیا کے لذائذ سے متنفر ہو جاتی ہے اور انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کی طرف مصروف ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر ایک سخت منزل ہے اور گھبراہٹ والا مقام ہے۔

تدفین سے فارغ ہو کر میت کے لئے دعا کرو

(۱۲۴/۹) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْاَلُ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

اخرجه أبو داوٗد فی السنن ۳/ ۵۵۰ حدیث رقم ۳۲۲۱۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں سے فرماتے اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس کو ثابت قدم رکھے اسلئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب میت کو دفن کر دیا جائے اس کے بعد اس کے حق میں اجتماعی دعا کی جائے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی زندہ مردہ کے لئے استغفار کی دعا کرے تو اس دعا کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے اور یہی اہل و سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

قبر میں ننانوے سانپ مسلط کئے جاتے ہیں

(۱۲۵/۱۰) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيُسَلَّطُ عَلَى الْكَافِرِ فِيْ قَبْرِهٖ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعُوْنَ تِنِّيْنًا تَنْهَسُهٗ وَتَلْدَغُهٗ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ لَوْاَنَّ تِنِّيْنًا مِنْهَا نَفَخَ فِي الْاَرْضِ مَااَنْبَتَتْ خَضِرًا رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ سَبْعُوْنَ بَدَلَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ .

اخرجه الدارمی فی السنن ۲/ ٤۲٦ حدیث رقم ۲۸۱۵۔ واخرجه احمد فی المسند ۳/ ۳۸ والترمذی بنحوه من حدیث طویل وذکر "سبعین" بدل "تسعة وتسعون" ٤/ ٥٥١ حدیث رقم ۲٤٦۰۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں کافر پر ننانوے سانپ مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈستے ہیں اور وہ سانپ ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک سانپ اس زمین پر پھونک مار دے تو زمین سبزہ اگانا چھوڑ دے اس حدیث کو امام دارمی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ سے بھی اسی قسم کی حدیث منقول ہے لیکن اس میں ننانوے کی بجائے ستر کی تعداد ذکر کی گئی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قبر میں کافر آدمی پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ننانوے بڑے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں جو قیامت تک اس کو کاٹتے ہیں اور ڈستے ہیں اور ننانوے سانپ مسلط کرنے کی یا تو یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں اور ہر نام ایک خاص صفت اور خصوصیت پر دلالت کرتا ہے اور کافر اس کا انکار کرتا ہے ہر نام کے انکار پر ایک سانپ مقرر کیا جاتا ہے۔

الفصل الثالث:

قبر کا تنگ ہو جانا

(۱۲۶/۱۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا ﷺ وَوُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

أخرجه أحمد في المسند ۳/ ۳٦۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ یہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ کے جنازہ میں شرکت کے لئے نکلے جب حضرت سعد کی وفات ہوئی جب رسول نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت سعد کو قبر میں اتار کر قبر کی مٹی کو برابر کر دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ کافی دیر تک سبحان اللہ پڑھتے رہے اور ہم بھی تسبیح کرتے رہے پھر آپ نے اللہ اکبر کہا اور ہم نے بھی ساتھ تکبیر کہی پھر رسول ﷺ سے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے تسبیح اور تکبیر کیوں کہی۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس نیک بندے کی قبر تنگ ہوگئی تھی اللہ تعالیٰ نے ہماری تسبیح اور تکبیر سے اس کی قبر کو کشادہ کر دیا۔

تشریح ❁ اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ کی قبر کا تنگ ہو جانا ذکر کیا گیا ہے یہ غزوہ احزاب میں شدید زخمی ہو گئے تھے اور بعد میں شہید ہو گئے ان کی شہادت پر اللہ کا عرش بھی حرکت میں آ گیا تھا آسمان بھی اپنے انداز سے رویا زمین اپنے انداز سے روئی دوسرے جمادات بھی روتے رہے اور ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازہ میں شرکت کی مگر اس سب کے باوجود قبر نے اپنا حساب نہیں چھوڑا جب ان کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا جب رسول اللہ ﷺ کو اس معاملہ سے آگاہی ہوئی تو اپنے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تکبیر کہی کیونکہ اس سے اللہ کا غصہ اللہ کی شفقت اور رحمت میں بدل جاتا ہے پھر اس کو اللہ اپنی رحمت اور نعمت سے نواز دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خوف اور دہشت کی جگہ میں خطرناک چیز کو دیکھ کر تکبیر کہنی مستحب ہے انسان جتنی زیادہ اللہ کی تسبیح اور تکبیر کہے گا اتنا ہی اللہ کی رحمت کے قریب ہوگا دنیا کی آفات مصائب اور تکالیف سے حفاظت ہوگی۔

نیک آدمی کی وفات پر عرش حرکت میں آ جاتا ہے

(۱۲۷/۱۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذَا الَّذِيْ تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَشَهِدَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ۔ (رَوَاهُ النِّسَائِيُّ)

أخرجه النسائي في السنن ٤/ ۱۰۰ حديث رقم ۲۰۵۵۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن معاذ وہ شخصیت ہے کہ جن کے لئے عرش الٰہی نے حرکت کی۔ یعنی جب ان کی پاکیزہ روح آسمان پر پہنچی تو اہل عرش نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے اور ان کی قبر تنگ کی گئی۔ پھر یہ تنگی رسول اللہ ﷺ کی تسبیح اور تکبیر کی برکت سے دور ہوئی۔ اس حدیث کو امام نسائیؒ نے روایت

کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت سعد بن معاذؓ کی فضیلت بیان فرمائی۔ کہ حضرت سعدؓ کی رحلت پر اللہ کا عرش حرکت میں آ گیا۔ جب ان کی روح وہاں تک پہنچی تو اہل عرش نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور ان کی روح مبارک کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور ستر ہزار ملائکہ ان کے جنازہ میں حاضر ہوئے۔ یہ تعداد تعیین اور تحدید کے لئے نہیں بلکہ اظہار تکثیر کے لئے ہے۔

قبر کا فتنہ دجال کے فتنہ کے قریب ہے

(۱۳/۱۲۸) وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَطِیْبًا فَذَکَرَ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ الَّتِیْ یُفْتَنُ فِیْھَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَکَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّۃً رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ھٰکَذَا وَزَادَ النِّسَائِیُّ حَالَتْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَنْ اَفْھَمَ کَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَلَمَّا سَکَنَتْ ضَجَّتُھُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِیْبٍ مِّنِّیْ اَیْ بَارَكَ اللّٰہُ فِیْكَ مَاذَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ اٰخِرِ قَوْلِہٖ قَالَ قَالَ قَدْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ قَرِیْبًا مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ۔

أخرجه البخاري ۲۳۲/۳ حديث رقم ۱۳۷۳۔ والنسائي مع زيادة ۱۰۳/٤ حديث رقم ۲۰٦۲۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور قبر کے فتنہ کا ذکر کیا جس میں انسانوں کو مبتلا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ آپ کے اس وعظ سے خوف زدہ ہو کر روتے اور چلاتے رہے۔ اس حدیث کو اس طرح امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے اتنا اضافہ اور زیادتی کی ہے۔ کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے 'مسلمانوں کے رونے اور چلانے کی وجہ سے میں رسول اللہ ﷺ کی آواز نہ سن سکی۔ جب یہ چیخنا اور چلانا ختم ہوا۔ تو میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا کرے۔ یعنی تمہارے علم اور بردباری میں اضافہ ہو۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا؟ اس آدمی نے کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر یہ وحی آئی ہے کہ تم قبر کے اندر فتنہ میں ڈالے جاؤ گے۔ یعنی تم کو آزمایا جائے گا اور یہ امتحان دجال کے فتنہ کے قریب قریب ہوگا۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ قبر کی آزمائش اور امتحان دجال کے فتنہ کے مثل ہوگا۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ وعظ فرمایا تو مسلمانوں پر بڑی رقت طاری ہوگئی اور لوگ چیختے چلاتے رہے یہاں تک کہ میرے لئے آپ ﷺ کی بات سمجھنا بھی مشکل ہوگیا۔ میں نے ساتھ والے شخص سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے یہ آخر میں کیا فرمایا ہے۔ اس نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے وحی آئی کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے اور یہ آزمائش دجال کے فتنہ کے قریب ہوگی۔ یعنی جس طرح دجال کا فتنہ، تباہی، بربادی ہلاکت، نقصان اور خسارہ میں سخت اور تباہ کن ہوگا۔ اسی طرح فتنہ قبر میں بھی شدید خوف و ہراس دہشت۔ ہیبت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ اللہ ہمیں قبر کے فتنہ، آزمائش اور امتحان سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

قبر میں نماز پڑھنے کی آرزو

(۱۴/۱۲۹) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَیِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَہُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِھَا فَیَجْلِسُ یَمْسَحُ عَیْنَیْہِ وَیَقُوْلُ دَعُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

أخرجه ابن ماجة ۲/۱٤۲۸ حديث رقم ٤۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمن مردہ کو قبر کے اندر دفن کر دیا جاتا ہے۔تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا وقت پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ مردہ اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو تا کہ میں نماز پڑھ لوں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے بیان کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نیک عمل کرنے والے مؤمن کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ تو وہ جس طرح اس دنیا میں اسلام پر قائم تھا اور احکام شرعیہ پر عمل کرتا تھا۔ اسی طرح قبر میں بھی اس کو سب سے پہلے نماز یاد آئے گی۔ جس وقت سوال کرنے والے فرشتے منکر نکیر اس کے پاس جاتے ہیں۔ تو وہ مردہ سوال و جواب سے پہلے کہتا ہے کہ پہلے مجھے نماز پڑھنے دیں نماز کا وقت ہے ۔بعد میں آپ سے گفتگو کروں گا اور یہ احتمال بھی ہے کہ شاید مردہ نماز پڑھنے کا سوال و جواب کے بعد کہے گا اور اس وقت اس کو خیال ہوتا ہے کہ میں اپنے گھر میں اپنے اہل و عیال کے درمیان بیٹھا ہوا ہوں۔ اس لیے دنیا کا تصور کرتے ہوئے اس کو سب سے پہلے نماز ہی کا احساس اور شعور پیدا ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں ابھی نیند سے بیدار ہوا ہوں اور اٹھتے ہی سب سے اول نماز ادا کرنی ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو آدمی دنیا میں نماز پنجگانہ کا پابند ہوگا قبر میں بھی اس کو اپنی عادت شریفہ کے مطابق نماز ہی یاد آئے گی۔

اس حدیث میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ میت کے لئے اس وقت غروب شمس کا وقت دکھایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حالت مسافرت اور تنہائی پر دلالت ہے جیسے کوئی انسان دوران سفر شام کے وقت جب کسی شہر اور بستی میں پہنچتا ہے تو وہ اس وقت انتہائی پریشانی اور تحیر کی حالت میں چاروں طرف دیکھتا ہے کہ اب میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ جیسے کسی شاعر نے کیا خوب عکاسی کی ہے۔

تو زلف را کشادی و تاریک شد جہاں ☆ اکنوں فتاد شام غریباں کجا روند

کہ جب تو نے اپنے زلف کو کھولا تو سارا جہان اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اب شام ہوگئی ہے مسافر کہاں جائیں گے۔

قبر کے احوال

(۱۵/۱۳۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ الْمَیِّتَ یَصِیْرُ اِلَی الْقَبْرِ فَیُجْلَسُ الرَّجُلُ فِیْ قَبْرِهٖ مِنْ غَیْرِ فَزَعٍ وَّلَا مَشْغُوْبٍ ثُمَّ یُقَالُ لَهٗ فِیْمَ کُنْتَ فَیَقُوْلُ کُنْتُ فِی الْاِسْلَامِ فَیُقَالُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَ نَا بِالْبَیِّنَاتِ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ رَاَیْتَ اللّٰهَ فَیَقُوْلُ مَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّرَی اللّٰهَ فَیُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَیَنْظُرُ اِلَیْهَا یَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَیُقَالُ لَهٗ انْظُرْ اِلٰی مَا وَقَاكَ اللّٰهُ ثُمَّ یُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَیَنْظُرُ اِلٰی زَهْرَتِهَا وَمَا فِیْهَا فَیُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَی الْیَقِیْنِ کُنْتَ وَعَلَیْهِ مُتَّ وَعَلَیْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَیُجْلَسُ الرَّجُلُ السُّوْءُ فِیْ قَبْرِهٖ فَزِعًا مَشْغُوْبًا فَیُقَالُ لَهٗ فِیْمَ کُنْتَ فَیَقُوْلُ لَآ اَدْرِیْ فَیُقَالُ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُهٗ فَیُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَیَنْظُرُ اِلٰی زَهْرَتِهَا وَمَا فِیْهَا فَیُقَالُ لَهٗ انْظُرْ اِلٰی مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ ثُمَّ یُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ اِلَی النَّارِ فَیَنْظُرُ اِلَیْهَا یَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَیُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَی الشَّكِّ کُنْتَ وَعَلَیْهِ مُتَّ وَعَلَیْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

أخرجه ابن ماجة ۲/۱٤۲۸ حديث رقم ٤۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب مردہ قبر

کے اندر پہنچتا ہے۔ یعنی اس کو دفن کر دیا جاتا ہے تو نیک انسان اس طرح قبر میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے کہ نہ تو وہ خوف زدہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی گھبراہٹ ہوتی ہے پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ کہ تم کس دین پر تھے۔ وہ کہتا ہے کہ میں دین اسلام پر تھا پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ یہ شخص یعنی محمد ﷺ کون ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ جو اللہ کی طرف سے ہمارے لئے واضح اور روشن دلائل لے کر آئے ہیں اور ہم نے ان کی تصدیق کی ہے۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا اور وہ آگ کے شعلے اس طرح دیکھتا ہے کہ گویا اس کی لپیٹیں ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں اور اس کو کہا جاتا ہے۔ اس چیز کو دیکھو جس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے بچایا ہے۔ پھر اس کے لئے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے وہ جنت کی تر و تازگی رونق اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ کیونکہ تمہارا عقیدہ مضبوط اور اس پر تمہیں کامل یقین تھا اور اسی یقین اور اعتماد کی حالت میں تمہاری رحلت ہوئی اور اسی حالت میں تمہیں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور بدکار انسان اپنی قبر میں خوف زدہ اور گھبرایا ہوا اٹھ کر بیٹھتا ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تو کس دین پر تھا وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ یہ شخص محمد ﷺ کون تھے؟ وہ جواب میں کہتا ہے میں لوگوں کو جو کچھ کہتے سنتا تھا وہی میں کہتا تھا۔ اس کے بعد اس کے لئے جنت کی طرف ایک روشن اور کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے وہ جنت کی تر و تازگی اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے۔ اس چیز کی جانب دیکھو جس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے محروم کر دیا ہے۔ پھر اس کے لئے دوزخ کی جانب ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ آگ کے شعلے ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں اور اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ اس شک اور تردد کی وجہ سے جس میں تو مبتلا تھا اور جس پر تیری موت واقع ہوئی اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی سابقہ احادیث کی طرح احوال قبر کو بیان کیا گیا ہے مؤمن اور کافر کی حالت کو بیان کیا گیا کہ جب منکر نکیر ملائکہ قبر میں اس سے سوال کرتے ہیں تو مؤمن صحیح اور ٹھیک جواب دیتا ہے۔ اس پر کوئی دہشت اور گھبراہٹ کے آثار نہیں ہوتے۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے کیا تو نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں تین مشہور سوالات کے علاوہ بھی کچھ سوالات ہوں گے۔ پھر اس مؤمن کو اس کا ٹھکانہ جنت میں دکھایا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ تجھے اٹھایا جائے گا کیونکہ تمہارا عقیدہ مضبوط تھا اور اس میں کوئی تزلزل نہیں تھا۔

بخلاف کافر کے کہ جب اس سے فرشتے سوال کریں گے تو وہ جواب صحیح طریقہ سے نہیں دے سکے گا اور اس کو ناکام قرار دیا جائے گا۔ پھر جنت کا نظارہ دکھا کر کہا جاتا ہے کہ اگر تو دنیا میں اعمال صالحہ کرتا اور آج قبر میں صحیح جواب دیتا تو یہ نعمتوں والا اور تر و تازگی والا تیرا ٹھکانہ ہوتا۔ پھر اس کو جہنم کا نظارہ اور اس کی سختی اور رنگ برنگے عذاب کا منظر دکھایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اب یہ تیرا ٹھکانہ ہوگا جب اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے گا تو اس میں داخل کر دیا جائے گا۔

بَابُ الْاِعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

قرآن وسنت پر اعتماد کرنے کا بیان

اعتصام کا معنی ہے مضبوطی سے کسی چیز کو پکڑنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا کہ قرآن کریم اور سنت کے

احکام کو دل و جان سے تسلیم کر کے اس پر عمل کرنا ہی اعتصام بالکتاب والسنۃ ہے۔ یہاں الکتاب سے مراد وحی متلو اور وحی جلی ہے اور سنت سے مراد وحی غیر متلو اور وحی خفی ہے۔ اس اعتبار سے الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور السنۃ سے مراد سنت رسول ﷺ ہے اور شریعت کے احکام کا دارومدار رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر ہے۔ چنانچہ کبھی احکام بعد میں آئے ہیں اور عمل رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے پہلے ہوتا رہا ہے جیسے وضو کا حکم بعد میں نازل ہوا ہے اور عمل رسول اللہ ﷺ کی ذات کی وجہ سے پہلے ہو رہا ہے۔ کتاب اللہ بمنزلہ متن کے ہے اور حدیث رسول بمنزلہ شرح کے ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کتاب اللہ میں اجمال کے ساتھ ہیں اور ان کی وضاحت اور شرح حدیث رسول اللہ میں ہے اور ان کے ظاہری احکام اور فرائض کے لئے دستور اعمال فقہ ہے اور فقہ کوئی الگ چیز نہیں۔ بلکہ قرآن و سنت سے ہی مستنبط شدہ دفعات ہیں باعتبار ہیئت کیفیت اور ترکیبی عمل کے لئے۔

الفصل الاول:

دین میں نئی بات ایجاد کرنا بدعت ہے

(۱/۱۳۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْه)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۳۰۱/۵ حدیث رقم ۲۶۹۷۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱۳۴۳/۳ حدیث رقم (۱۷-۱۷۱۸) وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱۲/۵ حدیث رقم ۴۶۰۶۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۷/۱ حدیث رقم ۱۴ و أخرجه أحمد فی المسند ۲۷۰/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ دین میں کوئی نئی بات ایجاد کرنا جو دین میں نہ ہو۔ یعنی خیر القرون میں نہ ہو یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں نہ ہو اور اس کو ضروری خیال کرنا اور نہ کرنے والے کو ملامت کرنا جیسے موجودہ زمانہ میں آذان سے قبل اور بعد مروجہ صلوٰۃ و سلام۔ نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا۔ گیارہویں شریف کا ختم۔ علی ھذا القیاس۔

حالانکہ انسان جب مؤمن کا مطلب یہی ہے کہ انسان کا عقیدہ اور ایمان اس قدر مضبوط اور کامل ہو۔ کہ قرآن و سنت نے جو طریقہ کار، راستہ اور حدود مقرر کی ہیں صحیح طریقہ سے اس پر چلنا۔ ذرہ برابر ان حدود سے تجاوز نہ کرنا۔ اس لئے کہ قرآن و سنت ہی کے راستہ پر چلنا موجب سعادت اور فلاح ہے اور اس بات کا یقین کر لینا کہ اپنی طرف سے اختراع شدہ امور ضلالت کا راستہ جو قرآن و سنت کی ہدایت کے خلاف ہو وہ موجب خسارہ ہے اور مردود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کو مردود قرار دیا گیا ہے جو اپنی نفسانی خواہشات ذاتی اغراض اور مفاد کی وجہ سے قرآن و سنت کے خلاف دین میں نئے نئے امور ایجاد کر کے ان کو عوام میں رائج کریں اور پھر الم یہ کہ ان بدعات و رسومات کی نسبت اللہ اور اس کے رسول کی طرف کریں جن کا سرے سے قرآن و سنت میں کوئی وجود نہ ہو۔ مثلاً کوئی آدمی اپنی عقل اور اپنی فہم و فراست کے مطابق اسلام اور دین میں نئی نئی چیزوں کو ایجاد کرتا ہے۔ جن کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی سند ثابت

ہے۔اس حدیث میں ایسے بدعت والے کام اور بدعتی آدمی دونوں کو مردود قرار دیا گیا ہے۔

بدعت گمراہی ہے

(۲/۱۳۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اخرجه احمد فی المسند ۲۷۰/۶۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا۔ بہرحال اس کے بعد جاننا چاہئے کہ سب سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بدترین چیز وہ ہے کہ جس کو دین میں ایجاد کیا گیا ہو اور ہر بدعت یعنی اپنی طرف سے دین میں پیدا کی ہوئی نئی چیز گمراہی ہے۔(مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ دین میں نئی بات نکالنا اور ایجاد کرنا بدعت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر اس کے بعد اما بعد کا کلمہ ارشاد فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین سیرت آپ ﷺ کی سیرت ہے اور سب سے بدترین چیز بدعت ہے۔ بدعت سے مراد وہ امور ہیں جن کا وجود محمد ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہ ہو۔ بلکہ آپ ﷺ کے بعد مختلف زمانوں میں اور مختلف علاقوں میں ایجاد کی گئی ہوں۔لغوی اعتبار سے بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ یعنی اگر کوئی ایسی چیز ایجاد کی گئی ہو جو اسلامی اصول وضوابط کے مطابق ہو اور قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو تو اس کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے اور اگر ایسی چیز کا اختراع اور ایجاد کیا جو قرآن وسنت کے تقاضے کے خلاف ہو اس کو بدعت سیئہ کہا جاتا ہے اور اسی بدعت کو ضلالت اور گمراہی کہا گیا ہے اور یہی بدعت اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے اور اس حدیث میں کل بدعۃ ضلالۃ سے یہی بدعت مراد ہے اور اس سے بچنا ضروری اور لازمی ہے اور بعض بدعات ایسی ہیں جو واجب ہیں صرف اور نحو کے بغیر کلام اللہ کو سمجھنا مشکل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جیسے امور پر بدعت کا اطلاق درست نہیں۔ کیونکہ بدعت اختراع اور ایجاد فی الدین کو کہتے ہیں اور یہ ایجاد للدین ہے۔

اور بعض بدعات حرام ہیں جیسے فرقہ قدریہ، جبریہ وغیرہ کے افکار ونظریات اور ان کے عقائد جو قرآن و سنت کے خلاف اور منافی ہیں اور اہل حق پر ان کی تردید ضروری اور لازمی ہے۔

اور بعض بدعات مستحب اور مستحسن ہیں جیسے عوام کی اصلاح اور تربیت کے لئے خانقاہیں قائم کرنا، اللہ تعالیٰ کی معرفت دلوں میں پیدا کر کے لوگوں کو راہ راست پر لانا اسی طرح دینی جامعات مدارس دینیہ اور مکاتب اسلامیہ قائم کرنا جہاں مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت کا بندوبست قائم کیا جائے اسی طرح دیگر امور خیر جن کی اسلامی افادیت مسلم شدہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود نہ ہوں۔

اور بعض بدعات مکروہ ہیں۔ مثلاً کلام اللہ اور مساجد پر تزیین اور آرائش کرنا اور ان پر نقش ونگار بنانے کے لئے خلاف سنت طریقے اختیار کرنا اور بعض بدعات مباح ہیں جیسے نماز فجر کے بعد مصافحہ کرنا۔امام شافعیؒ اس کے جواز کے قائل ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہؒ اس کی کراہیت کے قائل ہیں۔

بدعت کے بارے میں امام شافعیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ جو نیا کام ایجاد کیا جائے اگر وہ کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ آثار صحابہ اور اجماع

امت کے خلاف ہوتو وہ ضلالت اور گمراہی ہے اور خسارے کا سبب ہے اور قل هل ننبئكم بالا خسرين اعمالا الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا و هم يحسبون انهم يحسنون صنعًا کے مترادف ہے ورنہ کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔

تین قسم کے لوگ مبغوض ہیں

(۳/۱۳۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَهُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اخرجه البخاري في صحيحه ۱۲/ ۲۱۰ حديث رقم ۶۸۸۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض یعنی جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے وہ تین قسم کے لوگ ہیں ① حرم میں بے حرمتی اختیار کرنے والا ② اسلام میں جاہلیت کے طریقوں کو اختیار کرنے والا ③ کسی مسلمان کے خون ناحق کا طلب گار تا کہ اس کے خون کو بہائے۔اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسند ہیں۔

① وہ شخص جو بیت اللہ میں جائے اور وہاں جا کر الحاد اختیار کرے الحاد سے مراد یہ ہے کہ جو زمین حرم میں صراط مستقیم سے اعراض کرے کج روی اختیار کرے حرم میں احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرے۔حرم کی بے حرمتی کرے۔ وہاں فساد پھیلائے۔جھگڑا کرے وہاں شکار کرے۔

② وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت عطا کی اور اس کے دل و دماغ کو ایمان اور یقین کے نور سے منور کیا مگر وہ اسلام میں جاہلیت کا طور طریق اپنائے جیسے نوحہ کرنا مصائب و تکالیف کے وقت گریبان چاک کرنا، چہرہ پیٹنا، بدشگونی لینا، نوروز کرنا یا ایسی رسومات اختیار کرنا جو خالص کفر کی علامات ہیں جیسے اولیاء اللہ اور مشائخ کی قبروں پر عرس کرنا، میلا لگانا، وہاں چراغاں کرنا، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دینا اسی میں شامل ہیں محرم اور شب براءت اور لیلۃ القدر کی رسومات ماتم کرنا، بال نوچنا، تعصب کو ہوا دینا، وغیرہ ذالک۔

③ تیسرا وہ شخص جو کسی مسلمان کا ناحق خون بہانے کا طلبگار ہو۔یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنے کا مقصد صرف اور صرف خون ریزی ہو اور کوئی مقصد نہ ہو اگرچہ قتل ناحق بذات خود ایک بڑا جرم ہے۔مگر مذکورہ صورت میں اس کی قباحت اور شناعت اور بڑھ جاتی ہے۔
مذکورہ تین خصلتوں کو خاص کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اول میں اسلام کا احترام ہے اور دوسرے میں حدود اسلام کی رعایت ہے اور تیسرے میں امن عامہ کی رعایت ہے۔

یا اول میں قباحت باعتبار محل کے ہے اور ثانی میں قباحت باعتبار فاعل کے ہے اور ثالث میں قباحت باعتبار فعل کے ہے۔

نبی کا نافرمان جنت میں نہیں جائے گا

(۴/۱۳۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۳/ ۲۴۹ حديث رقم ۷۲۸۰۔ واحمد في المسند ۲/ ۳۶۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی۔ مگر وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ کون آدمی ہے؟ جس نے سرکشی اور انکار کیا؟ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت اور فرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس آدمی نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور سرکشی کی اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ✿ اس حدیث میں اگر امت سے مراد امت دعوت ہے تو الامن ابی سے مراد کافر ہوں گے۔ اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ جن کفار نے ایمان قبول کرنے سے انکار کیا وہ جنت میں نہیں جائیں گے اور اگر امت سے مراد امت اجابت ہو یعنی مسلمان تو پھر الامن ابی کے اندر دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اگر انکار سے مراد اعتقادی انکار ہے تو اس سے مراد کافر ہوگا اور مستثنیٰ منفصل ہوگی۔ مطلب یہ ہوگا کہ سب مسلمان جنت میں جائیں گے لیکن جنت کا اعتقاد نہ رکھنے والا نہیں جائے گا اور دوم یہ کہ اگر انکار سے مراد صرف نافرمانی ہے تو پھر مستثنیٰ متصل ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ سب مسلمان جنت میں جائیں گے مگر انکار کرنے والا مسلمان نہیں جائے گا۔ یعنی اس کو جنت کا دخول اولی نصیب نہیں ہوگا۔

صحابہ کرام نے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ انکار کرنے والا کون ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ اس سے مراد وہ انسان ہے جس نے میری اطاعت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی۔ وہ جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مثال

(۵/۱۳۵) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَآءَتْ مَلَآئِكَةٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوْا اِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهٗ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوْا مَثَلُهٗ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَّجَعَلَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوْا اَوِّلُوْهَا لَهٗ يَفْقَهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوْا اَلدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِيْ مُحَمَّدٌ فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲٤۹/۱۳ حديث رقم ۷۲۸۱۔ وأخرج الترمذي بمعناه ۱۳٤/۵ حديث رقم ۲۸٦۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ کچھ فرشتے رسول کریم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ فرشتوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ تمہارے اس ساتھی یعنی محمد ﷺ کے لئے ایک مثال ہے۔ اس کو ان کے سامنے بیان کرو۔ دوسرے فرشتوں نے کہا وہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا بیان کرنے کا کیا فائدہ؟ ان میں سے بعض نے کہا۔ بے شک ان کی آنکھیں تو سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے۔ پھر اس نے کہا۔ اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے۔ جس نے گھر بنایا اور اس میں لوگوں کے کھانے کے لئے ایک دستر خوان لگایا اور پھر لوگوں کو دعوت دینے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا۔ لہٰذا جس نے بلانے والے کی بات کو قبول کر لیا۔ وہ گھر میں داخل ہوگا اور اس دستر خوان سے کھانا کھائے گا اور جس آدمی نے اس بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ تو گھر میں داخل ہوگا اور نہ ہی اس

دستر خوان سے کھانا کھائے گا۔ یہ گفتگو سن کر فرشتوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔ اس مثال کو وضاحت سے بیان کرو۔ تاکہ وہ سمجھ لیں۔ بعض فرشتوں نے کہا وہ تو سو رہے ہیں' دوسروں نے کہا بے شک آنکھیں تو سوئی ہوئی ہیں۔ لیکن دل جاگ رہا ہے اور پھر کہا گھر سے مراد جنت ہے اور بلانے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ کہ منام کی حالت میں فرشتے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ تمہارے اس دوست کے لئے ایک مثال ہے اس کو بیان کرو دوسرے فرشتے کہنے لگے کہ یہ سوئے ہوئے ہیں مثال بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے۔ عام لوگوں کی نیند ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے اعضاء پر اثر کرتی ہے کہ نیند کی وجہ سے آنکھیں اور دل دونوں غافل ہوتے ہیں ادراک اور شعور سے خالی ہوتے ہیں۔ بخلاف نبی کی نیند کے کہ وہ ظاہری طور پر تو اثر کرتی ہے مگر باطنی طور پر مؤثر نہیں ہوتی۔ یعنی دل کے ادراک اور شعور پر اثر نہیں کرتی۔ کیونکہ نبی کا ہر وقت عالم بالا سے تعلق رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کا خواب وحی کی ایک مستقل قسم ہے جو اپنے حکم کے اعتبار سے قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی کی وجہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پھر فرشتوں نے مثال بیان کی۔ جیسے ایک آدمی نے گھر بنایا۔ اس میں دستر خوان لگایا۔ پھر دعوت دینے والے کو بھیجا۔ جس نے داعی کی اطاعت کی وہ گھر میں داخل ہوگا اور دستر خوان سے کھائے گا۔ جس نے اس کی بات نہ مانی وہ نہیں آئے گا اور محروم رہے گا گھر بنانے والے اور دستر خوان لگانے والے سے مراد اللہ کی ذات ہے۔ گھر سے مراد جنت ہے۔ دستر خوان سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں اور داعی سے مراد محمد ﷺ ہیں جس نے آپ کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں کہ آپ کو ماننے والا مؤمن ہے اور نہ ماننے والا کافر ہے۔ یعنی جو محمدی ہے وہ مؤمن ہے اور جو محمدی نہیں وہ کافر ہے۔ کیونکہ اب ایمان اور کفر اور حق اور باطل کے درمیان مابہ الامتیاز کا مدار محمدیت ہے۔

نبی کی سنت سے اعراض نہ کرو

(۱۳۶/۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ النَّبِيُّ ﷺ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹/۱۰۴ حديث رقم ۵۰۶۳ وأخرج مسلم نحوه ۲/۱۰۲۰ حديث رقم (۵-۱۴۰۱)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تاکہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے متعلق دریافت کریں اور جب ازواج کی طرف سے آپ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا۔ تو انہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کو تھوڑا خیال کیا پھر باہم گفتگو کی اور کہا کہ ہم رسول اللہ

ﷺ کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ اب میں ہمیشہ پوری رات قیام کروں گا اور نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا۔ شادی کبھی نہیں کروں گا۔ ان کے درمیان آپس میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ابھی ایسا ویسا کہا ہے۔ خبردار میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ یہی میرا طریقہ ہے اور جو آدمی میری سنت سے اعراض کرے گا۔ وہ میرا نہیں۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ عمل میں رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ آپ کے اسوہ حسنہ کو اپناتے ہوئے سنت کے دائرہ کے اندر رہا جائے ایک مرتبہ صحابہ کرام حضرت علیؓ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ ازواج مطہرات کی خدمت میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت کا حال اور مقدار معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئے جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہو گیا تو انہوں نے اس کو اپنے خیال کے مطابق بہت قلیل سمجھا ان کا خیال تھا کہ آپ کی عبادت اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ پھر سوچا اور فکر کیا اور کہا کہ ہماری رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے۔ آپ کو تو عبادت کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ آپ گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہیں۔ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ لیغفر لك الله ماتقدم من ذنبك وما تاخر۔

پھر انہوں نے اپنی اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق ایک ایک عمل کو اپنے اوپر لازم اور ضروری کر لیا اور خیال کیا کہ جس قدر عبادت زیادہ ہوگی۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا قرب نصیب ہوگا۔ ایک نے کہا میں ہمیشہ رات کو عبادت کروں گا اور نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا افطار نہیں کروں گا۔

تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا اپنا تمام وقت عبادت میں گزاروں گا۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ان کو اس سے منع کیا۔ اس لئے کہ عبادت کا وہی طریقہ قابل اعتبار اور مقبول ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی حدود کے اندر ہو اور انسان کو جتنی عبادت کے لئے مکلف بنایا گیا ہے اتنی ہی عبادت اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حصول رضا کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں میرا دل یاد الٰہی سے اور خوف خدا سے معمور ہے مگر اس کے باوجود میری عبادت اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی اور مقرر کی ہوئی حدود کے اندر ہے اس لئے میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں اور یہ انسان کے کامل ہونے کی علامت ہے کہ انسان دنیا کے امور سے بھی تعلق رکھے اور عورتوں سے نکاح بھی کرے اور ان کے حقوق بھی مکمل طور پر ادا کرے اور اللہ کی ذات پر مکمل توکل اور اعتماد ہو۔ اسی چیز کو رسول اللہ ﷺ نے عملی اعتبار سے دنیا کے سامنے نہایت ہی احسن طریق سے پیش کیا ہے۔

پھر آخر میں رسول اللہ ﷺ نے واضح اعلان کیا کہ یہ میری سنت ہے اور جو آدمی میری سنت سے منحرف ہوگا اور میری بتائی ہوئی حدود اور طریق سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں یعنی وہ میری سنت اور طریقہ سے براءت کا اظہار کر رہا ہے ایسا شخص میری جماعت یعنی مسلمانوں سے خارج ہے اور اس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ امور دنیا سے اعراض اور انحراف کر کے رہبانیت کا طریقہ

اختیار کرلینا بھی صحیح نہیں ہے۔اس سے انسانی زندگی کے مقاصد کا شیرازہ بھی منتشر ہو جائے گا اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی غفلت ہوگی اور عبادت کا جو اصل حق ہے وہ ادا نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بعض علماء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ جو لوگ بدعت حسنہ کے قائل ہیں یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ تینوں صحابہ کرام نے جن اعمال کو اپنے اوپر لازم کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ اعمال بظاہر عبادت تھے لیکن حقیقت میں سنت طریقہ سے تجاوز تھا اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پسند نہیں کیا اور اس سے منع کر دیا۔جو عمل سنت سے جس طرح ثابت ہوا اس کو اسی طرح حدود کی رعایت رکھتے ہوئے مکمل طریقہ سے ادا کیا جائے۔اس طریقہ سے تجاوز نہ کیا جائے اگرچہ بظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے۔

سنت پر عمل نہ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہیں

(۷/۱۳۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ).

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/۵۱۳حديث۶۱۰۱۔ واللفظ وأخرجه مسلم بالفاظ متقاربة ۴/۱۸۲۹حديث رقم (۱۲۷۔۲۳۵۶)وأخرجه أحمد في المسند۶/۴۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا اور اس کام کو کرنے کی اجازت دیدی۔مگر کچھ لوگوں نے اس سے احتراز کیا۔یعنی اس کام سے بچنے لگے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال اور معاملہ ہے کہ وہ اس چیز کو کرنے سے احتراز کرتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں اللہ کی قسم میں اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیز کو ان سے بڑھ کر اچھی طرح جانتا ہوں اور ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔(بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہو۔پھر بھی اگر اس میں تردد کریں تو یہ مناسب نہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں اپنی ازواج سے تقبیل کی ہے۔

اور سفر کی حالت میں روزہ افطار کیا ہے اور ان جیسے بہت سے امور کی رخصت ہے اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ان پر عمل کیا ہے اور لوگوں کو بھی اجازت دی ہے مذکورہ بالا حدیث میں آپ کے کسی امر کی اجازت دینے کے باوجود کچھ لوگوں نے احتیاط کی وجہ سے اس سے اجتناب کیا جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا میں سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور میرے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں مگر اس کے باوجود میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی رخصت پر عمل کرتا ہوں پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی رخصت پر میرے عمل کرنے کے باوجود عمل نہ کریں اور اگر ٹھنڈے دل سے سوچا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جن امور میں آسانی اور رخصت دی ہے اس میں بڑی حکمت ہے مثلاً ایسے امور پر عمل کرنے میں بشری تقاضا کے مطابق بندے کی عاجزی اور کمزوری کا اظہار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس لئے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو پسند کرتا ہے جو بغیر کسی شک اور تردد کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی رخصت اور

اجازت پر عمل کرے۔

دین کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے

(۸/۱۳۸) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْلَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّأْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۳۵/۴ حدیث رقم (۱۴۰-۲۳۶۲)۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اس وقت مدینہ کے لوگ کھجور کے درختوں میں پیوند کاری کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ تم کیا کرتے ہو اہل مدینہ نے عرض کیا کہ ہم ایسا ہی کرتے رہے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم ایسا نہ کرو شاید بہتر ہو لوگوں نے آپ کا یہ ارشاد سن کر پیوند کاری کے عمل کو چھوڑ دیا تو اس سال پھل کم پیدا ہوا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کا تذکرہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا میں بھی ایک آدمی ہوں لہٰذا جب میں تمہیں دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اسے قبول کرلو اور جب کوئی بات تمہیں دنیا کے معاملہ میں اپنی رائے سے کہوں تو تم سمجھ لو کہ میں بھی ایک انسان ہوں۔

تشریح ✿ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جب دین کے بارے میں کوئی حکم آئے تو اس پر عمل کرو اور جب دنیا کے کسی معاملہ کے بارے میں آپ کی کوئی رائے آئے تو اختیار ہے جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو اس زمانہ میں مدینہ کے لوگ کھجور کے درختوں میں پیوند کاری کرتے تھے کہ کھجور کے درختوں میں ایک نر ہوتا ہے اور دوسرا مادہ نر کھجور کے درخت کے پھول مادہ کے پھولوں میں لگاتے تھے اور یہ کافی مشقت والا کام تھا اور اس عمل کی غرض یہ تھی کہ پھل زیادہ پیدا ہو رسول اللہ ﷺ نے ان کی مشقت کو دیکھ کر فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو اور آپ نے یہ بھی خیال کیا کہ شاید یہ بھی جاہلیت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہو لوگوں نے اس عمل کو چھوڑ دیا تو اس سال پھل میں کمی ہوئی جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں بھی ایک انسان ہوں اور دنیا کے معاملات میں مجھ سے غلطی ہو سکتی ہے اور میں اگر کسی دنیا کے معاملہ میں اپنی رائے کا اظہار کر دوں جس میں اللہ کی وحی کا کوئی دخل نہ ہو اس پر عمل کرنا تمہارے لیے لازم اور ضروری نہیں ہے اسی وجہ سے آپ نے امور جاہلیت میں سے خیال کرتے ہوئے اپنی رائے کے مطابق کھجوروں کے درختوں میں پیوند کاری کے عمل کو چھوڑنے کا حکم دیا جب تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ یہ تو ایک قدرتی چیز ہے کہ پیوند کاری کے عمل سے پھل زیادہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی وعید بھی نہیں تو آپ نے خاموشی اختیار کی اور اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہو گی کہ رسول اللہ ﷺ کو دنیا کے امور اور معاملات میں کوئی زیادہ توجہ اور دلچسپی نہ تھی بلکہ آپ کی توجہ اور محنت آخرت کے امور مسائل احکام اور دینی امور میں تھی اور مذکورہ حدیث کے اندر بعض احادیث میں متن کے الفاظ اس طرح ہیں انتم اعلم بامور دنیا کم کہ تم اپنی دنیا کے معاملات اور امور کو اچھی طرح جانتے ہو ورنہ جہاں تک عقل اور فہم کا معاملہ ہے وہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر ہیں اور اس حدیث میں انما انا بشر کے لفظ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ذات کے اعتبار سے بشر ہیں۔ اس سے اہل بدعت کی تردید ہو جاتی ہے جو آپ کو نور مانتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال

(۹/۱۳۹) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمًا فَقَالَ یَاقَوْمِ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنَیَّ وَاِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَآءَ النَّجَآءَ فَاَطَاعَہٗ طَآئِفَۃٌ مِنْ قَوْمِہٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰی مَھْلِھِمْ فَنَجَوْا وَکَذَّبَتْ طَآئِفَۃٌ مِنْھُمْ فَاَصْبَحُوْا مَکَانَھُمْ فَصَبَّحَھُمُ الْجَیْشُ فَاَھْلَکَھُمْ وَاجْتَاحَھُمْ فَذَالِکَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِہٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَکَذَّبَ مَاجِئْتُ بِہٖ مِنَ الْحَقِّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۳/ ۲۵۰حديث رقم ۷۲۸۳۔ومسلم ٤/ ۱۷۸۸حديث رقم(۱٦۔۲۲۸۳)۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اور اس چیز کی مثال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے یعنی دین اسلام اور شریعت اس آدمی کی طرح ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا اے قوم میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور میں ننگا یعنی بے غرض تمہیں ڈرانے والا ہوں لہٰذا تم اپنی نجات کو تلاش کرو چنانچہ اس قوم میں سے ایک جماعت نے اس آدمی کی بات کو مان لیا اور راتوں رات آہستہ آہستہ وہاں سے نکل گئے اور نجات حاصل کر لی اور ان میں سے ایک جماعت نے اس کی تکذیب اور نافرمانی کی اور صبح تک اپنے گھروں میں رہا، صبح کے وقت لشکر نے ان پر حملہ کر دیا اور ہلاک کر ڈالا یہاں تک کہ ان کی جڑ کاٹ ڈالی یعنی ان کی نسل کو ختم کر دیا یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری اطاعت کی اور جو احکام میں لے کر آیا ہوں ان کی پیروی کی اور اس شخص کی مثال بھی یہی ہے کہ جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات یعنی اسلامی احکامات میں لے کر آیا ہوں اسکی تکذیب کی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ آپ کی مثال اور شریعت کی مثال اور ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ جو کسی قوم کے پاس آ کر یہ خوفناک خبر سنائے کہ صبح کے وقت تم پر ایک لشکر حملہ آور ہونے والا ہے اور میں تمہیں ننگا ڈرانے والا ہوں یہ حقیقت میں ضرب المثل ہے عرب لوگ اس کو اس وقت استعمال کرتے تھے کہ جب کوئی بہت بڑی مصیبت اور آفت آ پڑتی تھی تو کوئی آدمی اپنے کپڑے پھاڑ کر اتار لیتا تھا اور ان کو سر پر یا کسی لکڑی پر لٹکا کر بالکل ننگا ہو کر چیختا اور چلاتا رہتا تھا تاکہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کی بات کو سنیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح وہ شخص مصیبت اور حادثہ سے اپنی قوم کو آگاہ کرتا ہے میں بھی تمہیں اسی طرح آنے والے خطرہ اور مصیبت سے آگاہ کرتا ہوں جس طرح اس انسان کی بات سن کر دو جماعتیں بن گئیں ایک جماعت نے نافرمانی کی اور ہلاک ہو گئے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والی جماعت نجات پا گئی اور کامیاب ہو گئی اور نافرمانی کرنے والی جماعت ہلاک ہو گئی اور اللہ کے غیظ وغضب کا شکار ہو گئی۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کی ایک اور مثال

(۱۰/۱۴۰) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَآءَتْ مَا حَوْلَھَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَھٰذِہِ الدَّوَآبُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْھَا وَجَعَلَ یَحْجُزُھُنَّ وَیَغْلِبْنَہٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْھَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا (ھٰذِہٖ رِوَایَۃُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ) نَحْوَھَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِھَا

قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱۱/۳۱٦ حدیث رقم٦٤٨٣۔ ومسلم فی صحیحه ٤/۱۷۸۹حدیث رقم(۱۸۔۲۲۸٤)
وأخرجه الترمذی بنحوه ٥/۱٤۲ حدیث رقم۲۸۷٤ وأحمد فی المسند ۲/۲٤٤۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری مثال اس انسان کی طرح ہے کہ جس نے آگ کو جلایا اور جب آگ نے چاروں اطراف کو روشن کر دیا پروانے اور دوسرے وہ جانور جو آگ میں گرتے ہیں وہ آ کر اس آگ میں گرنے لگے آگ جلانے والے انسان نے ان کو روکنا شروع کیا لیکن وہ نہیں رکتے بلکہ اس کی تمام کوشش اور محنت پر غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر جاتے ہیں اسی طرح میں بھی تمہاری کمر سے پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے بچاتا ہوں اور تم لوگ آگ میں گرے جا رہے ہو یہ روایت بخاری کی ہے اور مسلم میں بھی ایسی ہی روایت ہے البتہ مسلم کی روایت کے آخر کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بالکل اسی طرح میری اور تمہاری مثال ہے کہ میں تمہاری کمر کو پکڑے ہوئے ہوں تا کہ تمہیں آگ سے بچاؤں اور یہ کہتا ہوں کہ جہنم کی آگ سے بچو میری طرف آؤ دوزخ سے بچو میری طرف آؤ لیکن تم مجھ پر غالب آجاتے ہو اور آگ میں گر پڑتے ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بھی رسول اللہ کے لئے آپ کی زبان مبارک سے ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص آگ کو روشن کرتا ہے اور پھر آگ میں گرنے والے جانور گرنا شروع ہو جاتے ہیں وہ آدمی بچانے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ اس پر غالب آ کر گر جاتے ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام اور ممنوع چیزوں کو واضح طریقہ سے اچھی طرح کھول کھول کر بیان کر دیا ہے یہی مراد ہے آگ جلانے سے اور آپ نے لوگوں کو برے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کی اور جہنم کو آگ سے بچانے کی کوشش کی مگر اس کے باوجود لوگ حرام اور ممنوع چیزوں کو اختیار کر کے زور سے جہنم میں گرنا چاہتے ہیں۔

وحی کی مثال

(۱۴۱/۱۱) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰی وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ بِالْكَثِيْرِ وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَآءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰی اِنَّمَا هِیَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَآءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَاً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَاْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَی اللّٰهِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱/۱۷٥ حدیث رقم۷۹۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ٤/۱۷۸۷ حدیث رقم (۱٥۔۲۲۸۲)۔
وأخرجه أحمد فی المسند ٤/۳۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس چیز کی مثال جسے دے کر مجھ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے یعنی علم اور ہدایت موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر ہوئی۔ چنانچہ زمین کے اچھے حصہ نے اس کو قبول کیا۔

یعنی اپنے اندر جذب کر لیا اور اس کے ذریعہ سے بہت زیادہ گھاس اور چارہ پیدا ہوا اور زمین کا ایک حصہ ایسا زیادہ سخت تھا کہ اس کے اوپر پانی جمع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا اور یہ بارش کا پانی زمین کے ایک ایسے حصہ پر بھی پہنچا جو چٹیل میدان تھا۔ نہ تو اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس کو اگایا اور یہ اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے میرے واسطے سے بھیجی تھی۔ اس نے اس سے فائدہ حاصل کیا۔ کہ اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس آدمی کی مثال ہے کہ جس نے اللہ کے دین کو سمجھنے کے لئے سر نہیں اٹھایا۔ تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو جو میری وساطت سے بھیجی گئی ہے اس کو قبول نہیں کیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں وحی کے علم کی مثال بیان کی گئی ہے اور دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک قسم کے وہ لوگ ہیں جو دین کے علم سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو دین کے علم سے فائدہ حاصل نہیں کرتے ان کی تمثیل کے لئے اس حدیث میں دو قسم کی زمین کا ذکر کیا گیا ہے ایک قسم زمین کی یہ ہے کہ جو پانی کو اپنے اندر جذب کرے اور فائدہ حاصل کرے دوسری قسم زمین کی وہ ہے جو پانی سے فائدہ حاصل نہ کرے۔ فائدہ حاصل کرنے والی زمین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک منبت یعنی گھاس وغیرہ اگانے والی۔ دوسری غیر منبت یعنی گھاس وغیرہ نہ اگانے والی۔ اسی طرح وحی کے علم سے فائدہ حاصل کرنے والے بھی دو قسم کے لوگ ہیں ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے خود بھی وحی کے علم سے فائدہ حاصل کیا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔ جیسے علماء، فقہاء اور معلمین وغیرہ کہ انہوں نے خود بھی دین کے علم سے فائدہ حاصل کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی فیض ارسال کیا۔ جیسے زمین پانی کو اپنے اندر جذب کر کے خود حاصل کرتی ہے اور گھاس، پھل، فصل اور پھول وغیرہ اگا کر دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے اور دوسرے قسم کے وہ لوگ ہیں جو عالم اور معلم تو ہوں مگر عابد اور فقیہ نہ ہوں۔ تو عبادات نافلہ کے اندر مصروف نہ ہوں اور نہ ہی اپنے علم میں تفقہ پیدا کیا ہو۔ جیسے زمین کا وہ حصہ جس نے پانی جمع کیا ہو اور لوگوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا ہو اور خود اس نے فائدہ حاصل نہ کیا ہو اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ زمین کا وہ حصہ جس نے پانی جذب کیا ہو اور فصل وغیرہ بھی اگاتی ہو یہ ائمہ مجتہدین کی مثال ہے کہ جنہوں نے علم حاصل کیا اور پھر اس سے بہت سے مسائل کا اجتہاد اور استنباط کیا گویا کہ انہوں نے خود بھی اس سے فائدہ حاصل کیا اور دوسری کو بھی فائدہ پہنچایا۔

اور وہ زمین جو سخت ہو۔ اس نے پانی کو جمع کیا ہو مگر اپنے اندر جذب نہ کیا ہو۔ یہ مثال ہے محدثین عظام کی کہ انہوں نے علم حدیث کو حاصل کیا اور تمام احادیث کو جمع کیا اور دوسرے لوگوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا اور ان دونوں کے مدمقابل تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں کہ جنہوں نے غرور اور تکبر سے اللہ تعالیٰ کے علم اور دین کے سامنے اطاعت کی گردن نہ جھکائی اور نہ ہی اس نے علم دین کی طرف اپنی توجہ اور فکر اور محنت کو مبذول کیا چاہے ایسا شخص مسلمان ہو یا کافر ہو۔

اس کی مثال اس زمین کی طرح ہے کہ جو چٹیل میدان ہو۔ نہ اس نے اپنے اندر پانی کو جذب کیا اور نہ ہی فصل اور گھاس وغیرہ اگائی اور نہ ہی اس نے دوسروں کے فائدہ کے لئے پانی جمع کیا۔

کج رو لوگ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں

(۱۲/۱۴۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ وَقَرَأَ اِلٰى وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا رَاَيْتِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (مُتفق علیہ)

أخرجه البخاري في الصحيح ٨/ ٢٠٩ حديث رقم٤٥٤٧۔ وأخرجه مسلم صحيحه ٤/ ٢٠٥٣ حديث رقم (١۔٢٦٦٥)۔ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ٥/ ٦ حديث رقم٤٥٩٨۔ وأخرجه ابن ماجة ١/ ١٨ حديث رقم٤٧۔ والدارمي في السنن ١/ ٦٦ حديث رقم١٤٥۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ۔ یہ آیت: وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ تک پڑھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب نازل کی اس کی آیات دو قسم کی ہیں محکمات اور متشابہات اور اس آیت کا آخر الا اولوا الالباب ہے کہ نصیحت عقل مند لوگ حاصل کرتے ہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت تلاوت کر کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت تو دیکھے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے جب تم دیکھو کہ لوگ ان آیات کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہ ہیں تو تم جان لو کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے کجرو اور گمراہ رکھا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں سے بچتے رہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں جس آیت کا حوالہ ذکر کیا گیا ہے یہ سورۂ آل عمران کی آیت ہے اور پوری آیت اس طرح ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞﴾

''اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی اور اس کی کچھ آیات محکمات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ آیات اس کی متشابہات ہیں ایسے لوگ جن کے دلوں میں کجی اور فساد ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں فتنہ کی تلاش میں تاکہ اس کی حقیقت کا سراغ لگائیں حالانکہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم کے اندر مضبوطی رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت صرف عقلمند ہی قبول کرتے ہیں''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کی آیات دو قسم پر ہیں محکم اور متشابہ محکم وہ آیات ہیں کہ جن کا معنی اور مراد ظاہر ہو۔ جیسے احکام، مواعظ، قصص اور امثال کی آیات اور متشابہ وہ آیات ہیں کہ یا تو ان کا معنی اور مراد دونوں ہم سے مجہول ہوں جیسے سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات یا معنی معلوم ہو اور مراد مجہول ہو جیسے يد الله فوق ايديهم، الرحمن على العرش استوى وغیرہ۔

اور اس حدیث میں متشابہات کے پیچھے پڑنے اور ان کی حقیقت کو تلاش کرنے کیلئے عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو گمراہ قرار دیا گیا ہے اور جو لوگ نیک ہوں اور ان کا دل و دماغ نور ایمان سے منور ہو وہ آیات محکمات کو سمجھتے ہیں اور ان پر ایمان بھی لاتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں اور آیات متشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حقیقت کو معلوم کرنے کی ناکام کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں اور ایسے لوگ اول کے مقابلے میں ہدایت یافتہ ہیں۔

کتاب اللہ میں اختلاف ہلاکت ہے

(۱۳/۱۴۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ هَجَّرْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ اَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِيْ اٰيَةٍ فَخَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْرَفُ فِيْ وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/٢٠٥٣ حديث رقم (٢-٢٦٦٦)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو پہر کے وقت حاضر ہوا حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو متشابہ آیت کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے یعنی اس کے معنی میں جھگڑ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر نکلے اور ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نمایاں تھے آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگ اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی کتاب میں اختلاف اور جھگڑا کرنا ہلاکت کا باعث ہے اس حدیث میں جن دو آدمیوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی کسی آیت کے اندر اختلاف کر رہے تھے اس سے مراد ایسا اختلاف ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کے دل میں شک اور تردد پیدا ہو جائے اور ایمان میں کمزوری پیدا ہو جائے فتنہ اور فساد پھیل جائے دشمنی اور عداوت پیدا ہو جائے کفر اور بدعت تک پہنچائے ہاں البتہ ائمہ مجتہدین اور محققین علماء کرام کا اختلاف اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس اختلاف سے شک اور تردد دور ہوتا ہے فتنہ اور فساد ختم ہوتا ہے علم میں اضافہ ہوتا ہے اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے دین میں وسعت اور آسانی کا سبب ہے اور صحابہ کرام کا اختلاف بھی ایسا ہی ہے یعنی اجتہادی اختلاف ہے جو فائدہ مند ہے البتہ مشاجرات صحابہ کو زیادہ چھیڑنا اور بیان کرنا مناسب نہیں۔

سوال کرنے سے سختی ہو سکتی ہے

(۱۴۴/۱۴) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ جُرْمًا مَنْ سَاَلَ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُحَرَّمْ عَلَی النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْاَلَتِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٣/٢٦٤ حديث رقم ٧٢٨٩۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ٤/١٨٣١ حديث رقم (١٣٢-٢٣٥٨)۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن ٥/١٦ حديث رقم، ٤٦١٠ وأخرجه أحمد في المسند ١/١٧٩۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا گناہ گار وہ آدمی ہے کہ جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا ہو جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام کر دی گئی ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بغیر کسی ضرورت کے فضول اور لایعنی سوالات سے ممانعت ہے کہ جو آدمی بلاضرورت اس طرح کے سوالات کرے اور اس کے سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام کر دی گئی ہو۔ تو ایسا آدمی بڑا مجرم ہے۔ بنی اسرائیل نے گائے کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فضول سوالات کیے اور ان سوالات کی وجہ سے ان پر سختی کر دی گئی اور گائے تلاش کرنے میں غیر معمولی مشقت اٹھانی پڑی اگر بغیر سوالات کے کوئی گائے بھی ذبح کر دیتے تو مقصد پورا ہو جاتا ہاں البتہ اگر کوئی آدمی بغیر سرکشی اور شرارت کے علم حاصل کرنے کے لئے یا کسی دوسری ضرورت کے لئے سوال کرے تو یہ جائز ہے نبی علیہ السلام نے اچھے سوال کو نصف علم قرار دیا ہے اور سوال کو جہالت کے لئے شفاء قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں حکم دیا ہے: فاسئلوا اھل الذکر۔ علم والوں سے پوچھ لیا کرو۔

آخری زمانے میں کذاب اور دجال ہونگے

(۱۴۵/۱۵)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَكُمْ مِّنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاؤُكُمْ فَاِیَّاكُمْ وَاِیَّاهُمْ لَا یُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَكُمْ ۔(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم فى مقدمة صحيحه ١/ ١٢ حديث رقم(٧) وأخرجه أحمد فى المسند٢/٣٤٩۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانہ میں مکار اوردھوکہ دینے والے اور جھوٹے لوگ ہونگے جوتمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جن کو نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباءواجداد نے سنا ہوگا لہٰذا ایسے لوگوں سے بچو اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں اس حدیث کوامام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ دجالون جمع ہے دجال کی اور مبالغہ کا صیغہ ہے اور مشتق ہے دجل سے اس کا معنی ہے بہت بڑا افراڈی اور مکار کہ جس کے دھوکہ کی وجہ سے حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشینگوئی فرمائی کہ آخر زمانہ میں کچھ فریب کار اور دھوکہ باز لوگ پیدا ہو جائیں گئے جو بظاہر زہد اور تقویٰ کے لباس میں ہونگے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے اور لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو علماء اور مشائخ میں سے ظاہر کریں گے اور لوگوں کو دین کی طرف بلائیں گئے اور جھوٹی حدیثیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گئے لوگوں میں ضلالت فتنہ غلط عقائد رائج کریں گے لیکن حقیقت میں وہ نام نہاد علماء سوء اور مصنوعی مشائخ ہونگے اور اس حدیث میں مسلمانوں کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ جب وہ ایسے لوگوں کو پائیں تو ان سے دور رہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے صوفیانہ مکروفریب کی وجہ سے شرک اور بدعت میں مبتلا کردیں اور علم حاصل کرنے کے لئے اور دین کے احکام معلوم کرنے کے لئے صحیح علماء اور مشائخ کو تلاش کیا جائے بدعتی قسم کے لوگوں سے جو ذاتی اغراض وخواہشات نفسانیہ کی قید میں مقید ہوں بظاہر اسلام کا نام لیتے ہوں ایسے لوگوں سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

چوں بسا ابلیس آدم روئے ہست ☆ پس بہر دست نباید داد دست

''بہت سے شیطان آدم کی شکل میں ہوتے ہیں۔لہٰذا ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے''۔

اہلِ کتاب مسلمانوں کے سامنے تورات کی تفسیر عربی میں کرتے تھے

(۱۴۶/۱۶) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ یَقْرَؤُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِیَّةِ وَیُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِیَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا الایة ...... (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

أخرجه البخارى فى صحيحه ١٣/ ٥١٦ حديث رقم ٧٥٤٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور صرف یہ کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے

ایمان لائے آخر تک آیت پڑھی اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب تورات مسلمانوں کے سامنے اپنی عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر اور وضاحت عربی زبان میں کرتے تھے۔ اب یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اس کی تفسیر صحیح کرتے تھے یا غلط۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ان کی تصدیق بھی نہ کرو ہوسکتا ہے کہ غلط بات کی تصدیق کردی جائے اور تکذیب بھی نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ صحیح بات کی تکذیب کردی جائے ۔ بلکہ تم اس کے جواب میں یہ آیت پڑھ دو۔

﴿قُولُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ : ۱۳۶)

''مسلمانو! تم کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور ایمان لائے اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور جو نازل کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرف اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف اور ان کی اولاد کی طرف جو نازل کیا گیا اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور باقی انبیاء علیہم السلام کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا اور ہم رسولوں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔''

سنی سنائی بات کو آگے پھیلانے والا جھوٹا ہے

(۱۷/۱۴۷) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِم)

أخرجه مسلم في صحيحه في المقدمة ۱ / ۱۰ حديث رقم(۵-۵)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جس بات کو سنے تحقیق کے بغیر اس کو آگے پھیلائے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے نقل کرے اور اس حدیث میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے نقل نہ کریں اگر کوئی آدمی جھوٹ نہ بولتا ہو۔ مگر اس کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے پھیلا دیتا ہے تو اس کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے کہ ہر سنی سنائی بات کو آگے پھیلا دینا بغیر تحقیق کے یہ جھوٹ کا پہلا درجہ ہے۔ جس انسان کی یہ عادت اور خصلت ہوگی وہ لازماً جھوٹ بھی بولے گا کیونکہ جب وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے نقل کرے گا تو یقیناً اس میں بہت سی باتیں غلط بھی ہوں گی اور یہ نقل کرنے والا اگرچہ جھوٹ کا ارادہ نہ بھی کرے پھر بھی بغیر تحقیق اور تصدیق کے نقل کرنے پر کاذب شمار ہوگا لہٰذا جس بات کی پوری حقیقت معلوم نہ ہو اور اس کی صداقت کا تحقیقی علم نہ ہو تو اس کو آگے نقل نہیں کرنا چاہئے۔

ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں

(۱۸/۱۴۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّتِهٖ قَبْلِيْٓ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ

جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٦٩ حديث رقم (٨٠۔ ٥٠)۔ وأخرج بعضه أحمد في المسند ١/ ٤٥٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی قوم میں کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس کے حمایتی اور دوست اس قوم سے نہ ہوں۔ جو اس نبی کے طریقہ کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے احکام کی اتباع کرتے ہیں۔ پھر ان حمایتیوں اور دوستوں کے بعد ایسے نالائق جانشین پیدا ہوتے ہیں جو لوگوں سے ایسی بات کہتے ہیں جس کو خود نہیں کرتے اور وہ کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔ جیسے علماء سوء اور امراء اور سرداروں کا طریقہ ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو ایسے آدمی سے اپنے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو آدمی ان لوگوں کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور اس کے علاوہ جو آدمی ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے ۔اس میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی امت میں سے حواری اور اصحاب ہوتے ہیں ۔ حواری سے مراد ایسے مخلص اور خاص مددگار اور ساتھی ہیں جن کے دل اور دماغ عیب اور میل سے پاک ہوں۔ وہ اس نبی کے طریقہ کو اپناتے ہیں اور اس کے حکم کی اقتدا کرتے ہیں اور اس کے بعد نالائق لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے جو آدمی ان کے ساتھ جہاد بالید کرے وہ کامل درجہ کا مؤمن ہے اور جو آدمی ان کے ساتھ جہاد باللسان کرے وہ متوسط درجہ کا مؤمن ہے۔ جہاد باللسان سے مراد یہ ہے کہ ان کو سمجھائے غلط عقائد اور اعمال پر ان کو تنبیہ کرے اور برے خصائل و اخلاق سے ان کو منع کرے اور زوردار انداز سے ان پر تردید کرے اور ان کی جرح و قدح میں کوشش کرتا رہے اور جو ان کے ساتھ دل سے جہاد کرے وہ ادنیٰ درجہ کا مؤمن ہے جہاد بالقلب سے مراد یہ ہے کہ دل سے ان کو برا مانے اور دین اور شریعت کے خلاف کرنے پر دل کے اندر نفرت ہو اور یہ عزم بالجزم ہو کہ جب اللہ تعالیٰ قوت بالید عطا کرے گا۔ تو پھر ان سے جہاد بالید کر کے ایمان کا اعلیٰ درجہ حاصل کروں گا اور جس انسان کے اندر جہاد بالقلب کا درجہ بھی حاصل نہ ہو۔ تو اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ رضا بالمعصیت کو مستلزم ہے اور اس سے انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یعنی اس کا احساس اور شعور اتنا مردہ ہو چکا ہے کہ غلط امور کو دل سے برا نہیں مانتا۔ اس سے لازم آیا دل کا عاری عن الایمان ہونا۔

ہدایت کے داعی کے لئے اجر اور ضلالت کے داعی کے لیے گناہ ہوتا ہے۔

(۱۴۹/۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَعَا اِلٰى هُدًى كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا دَعَا اِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/ ٢٠٦٠ حديث رقم (١٦۔ ٢٦٧٤)۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن ٥/ ١٥ حديث رقم ٤٦٠٩۔ وأخرجه الترمذي في السنن ٥/ ٤٢ حديث رقم ٢٦٧٤۔ وابن ماجة ١/ ٧٥ حديث رقم ٢٠٦ والدارمي في مقدمة سننه ١/ ١٤١ حديث رقم ٥١٣ و أحمد في المسند ٢/ ٣٩٧۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے کسی کو ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس کی پیروی اختیار کرنے والے کو ملتا ہے اور اس اتباع کرنے

والے کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہیں ہوگی اور جو آدمی کسی کو گمراہی کی طرف دعوت دے۔تو اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا۔ جتنا کہ اس کی پیروی اختیار کرنے والے کو ملتا ہے اوران پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہیں ہوگی۔اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو آدمی خود ہدایت پر ہو اور دوسروں کو ہدایت کی طرف دعوت دی۔خود بھی نیک کام کیے اور دوسروں کو بھی اعمال صالحہ پر لگایا۔تو جو آدمی کسی خیر اور ہدایت کے کام کا واسطہ اور ذریعہ ہوگا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس ہدایت پر عمل کرنے والے کو ملتا ہے لیکن اس کی وجہ سے اتباع کرنے والے کے ثواب میں کمی نہیں آئے گی الدال علی الخیر کفاعلہ کے قانون اور ضابطہ کے تحت کیونکہ اتباع کرنے والوں کو جو ثواب ملے گا وہ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوگا اور داعی کو جو ثواب ملے گا وہ دعوت وارشاد کی وجہ سے ملے گا اور یہی معاملہ ہوگا داعی ضلالت کا کہ جو کسی کو غلط اور خلاف شرع کسی کام پر لگا دے گا۔تو جتنا گناہ عمل کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی گناہ داعی کو ملے گا اور اتباع کرنے والے کو جو گناہ ملے گا وہ ان کے عمل کی وجہ سے ہوگا اور داعی کو جو گناہ ملے گا وہ ضلالت اور گمراہی کی طرف لگانے اور دعوت دینے کی وجہ سے ملے گا۔

دین قبول کرنے کی وجہ سے غریبوں کے لئے خوشخبری ہے

(۱۵۰/۲۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۳۰/۱حدیث (۲۳۲۔۱٤٥)وأخرجه الترمذی ۱۹/٥حدیث رقم(۲٦۲۹)وابن ماجة ۱۳۱۹/۲حدیث رقم ۳۹۸٦۔ وأحمد فی المسند۳۸۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام غریبوں میں شروع ہوا اور آخر میں بھی غریبوں میں ہوگا۔لہٰذا غرباء کے لئے بڑی خوشخبری ہے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں غرباء کیلئے عظیم خوشخبری ہے کہ جب ابتداء میں اسلام کا آغاز اور ابتداء ہوئی اور اسلام کو قبول کرنے والے اور اسلام کی حفاظت کرنے والے لوگ غریب تھے اور آخر میں بھی ایسا ہی ہوگا یعنی اسلام کو قبول کرنے والے لوگ غریب ہوں گے۔

اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسلمان تھوڑے تھے اور نادار تھے جس کی وجہ سے انہیں ہجرت کرکے اور اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ممالک کی طرف جانا پڑا اور آخر میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ غرباء سے مراد معنی عرفی اور معروف معنی مراد نہیں ہے۔بلکہ غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین سے فساد کو ختم کریں گے اور لوگوں کی اصلاح کریں گے۔لہٰذا ایسے غرباء کے دل ایمان کے نور سے اچھی طرح منور اور روشن ہوں گے اور ایسے لوگوں کے لئے بڑی خوش نصیبی اور سعادت مندی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے اشارہ ہے اسلام پر استقامت اور ثبات قدمی کا کہ ایسے لوگوں کے دل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے معمور ہوں گے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گزاریں گے۔

مسلمان سمٹ کر مدینہ منورہ چلے جائیں گے

(۱۵۱/۲۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا يَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فِيْ كِتَابِ الْمَنَاسِكِ وَحَدِيْثَيْ مُعَاوِيَةَ وَجَابِرٍ لَايَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِيْ بَابِ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى).

أخرجه البخاري في صحيحه ٤/٩٣ حديث رقم١٨٧٦ ومسلم ١/١٣١ حديث رقم(٢٣٣-١٤٧) وأخرج الترمذي نحوه وهو ١٧٠ من المشكاة۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ٢/١٠٣٨ حديث رقم٣١١١۔ وأخرجه أحمد في المسند ٢/٢٨٦۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان اس طرح مدینہ منورہ کی طرف سمٹ کر آ جائے گا جس طرح سانپ اپنے سوراخ کی طرف سمٹ جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث: ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ ہم اس کو مناسک حج میں ذکر کریں گے نیز حضرت معاویہؓ اور حضرت جابرؓ کی دو حدیثیں ایک لَایَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ...... اور دوسری لَایَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ...... بَابُ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ میں ہم ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یعنی ان دونوں حدیثوں کو صاحب مصابیح نے اسی باب میں ذکر کیا ہے لیکن ہم نے ان حدیثوں کو کِتَابُ الْمَنَاسِكِ اور بَابُ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ میں ذکر کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ آخری زمانے میں مسلمان تھوڑے ہو جائیں گے اور سب لوگ سمٹ کر اپنے اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے مدینہ منورہ چلے جائیں گے اور پھر حضرت امام مہدی کا ظہور ہو جائے گا۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے دشمنوں کی تکالیف مصائب اور مظالم سے مسلمانوں کے بھاگنے کو ایک مثال سے واضح کیا ہے۔ کہ جس طرح سانپ اپنے سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ سانپ سے تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ یہ دوسرے جانوروں کے مقابلے میں تیزی سے بھاگتا ہے اور بہت سکڑ سمٹ کر اپنے سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس کو اس سوراخ سے نکالنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے اور اس حدیث سے بطور اشارہ الذہی کے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ مشکل وقت میں بھی دین، اسلام اور ایمان اور مسلمانوں کے لئے مرکز ہوگا۔ جس طرح ابتداء اسلام میں مظالم اور تکالیف کے وقت مرکز تھا۔

الفصل الثانی:

رسول اللہ ﷺ کی آنکھ سوتی ہے دِل جاگتا ہے

(۲۲/۱۵۲) وَعَنْ رَبِيْعَةَ الْجُرَشِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُتِيَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ فَقِيْلَ لَهُ لِتَنَمْ عَيْنُكَ وَلْتَسْمَعْ اُذُنُكَ وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ اُذُنَايَ وَعَقَلَ قَلْبِيْ قَالَ فَقِيْلَ لِيْ سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَّاَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَاْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ قَالَ فَاللّٰهُ السَّيِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِيْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْمَأْدُبَةُ الْجَنَّةُ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

أخرجه الدارمي في السنن ١/١٨ حديث رقم ١١۔

ترجمہ: حضرت ربیعہ الجرشیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس خواب میں فرشتے بھیجے گئے اور آپ ﷺ سے کہا گیا۔ یعنی فرشتوں نے کہا۔ چاہئے کہ آپ کی آنکھیں سوئیں اور آپ کے کان سنیں اور آپ ﷺ کا دل سمجھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میری آنکھیں سوئیں۔ میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ مجھ سے کہا گیا۔ یعنی فرشتوں نے میرے سامنے بطور مثال کے بیان کیا۔ کہ ایک سردار نے گھر بنایا اور کھانے کا دسترخوان لگایا اور پھر ایک بلانے والے کو بھیجا۔ تا کہ وہ سب لوگوں کو بلا کر لائے۔ لہٰذا جس نے اس بلانے والے کی دعوت

کو قبول کرلیا۔ وہ اس گھر میں داخل ہوا۔ کھانا کھایا اور سردار اس سے خوش ہوا اور جس نے بلانے والے کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ وہ نہ گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی کھانا کھایا اور نہ ہی سردار اس سے خوش ہوا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس مثال میں سردار سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ داعی سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ گھر سے مراد اسلام ہے اور کھانے سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔ اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک الہامی مثال کا بیان ہے کہ آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ کہ آپ کے پاس منام کی حالت میں فرشتے آئے اور آپ سے کہنے لگے۔ چاہیے کہ آپ کی آنکھ سوئے اور کان سنے اور دل سمجھے یعنی دل میں کوئی اور تصور اور خیال نہ آئے۔ ملائکہ کے اس قول کی غرض وغایت یہ تھی کہ آپ مکمل توجہ، انہماک اور غور وخوض کے ساتھ اس مثال کو سنیں اور سمجھیں تاکہ بات اچھی طرح دل میں مضبوطی کے ساتھ راسخ ہو جائے فرشتوں کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ میری آنکھیں سوگئیں۔ کانوں نے سن لیا اور دل نے سمجھ لیا۔ اس مضمون کی حدیث پہلے بھی گزر گئی ہے ان دونوں میں قدرے اختلاف ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلی حدیث میں گھر سے مراد جنت اور کھانے سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں اور اس حدیث میں گھر سے مراد اسلام اور کھانے سے مراد جنت لی گئی ہے۔ بظاہر اگرچہ تعارض ہے لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اسلام جنت کے لئے سبب ہے اور جنت مسبب ہے کسی حدیث میں سبب کا ذکر ہے اور کسی حدیث میں مسبب کا ذکر ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں السید کا لفظ ذکر کیا گیا ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور داعی سے مراد محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کسی حدیث میں داعی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات مراد لی گئی ہے اس میں بھی کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ اصل داعی بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بالواسطہ داعی سے مراد محمد ﷺ کی ذات ہے کہیں داعی بالواسطہ کا ذکر ہے اور کہیں داعی بلاواسطہ کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات۔

منکرین حدیث کی تردید

(۲۳/۱۵۳) وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاأُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَاْتِیْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْنَهَیْتُ عَنْهُ فَیَقُوْلُ لَآ اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ دَلَآئِلِ النُّبُوَّةِ)

أخرجه أحمد فی المسند ٦/٨ بغیر هذه الألفاظ ـ وأخرجه ابوداؤد فی السنن ٥/١٢ حدیث رقم ٤٦٠٥ وأخرجه الترمذی فی السنن ٥/٣٦ حدیث رقم ٢٦٦٣ وقال حسن صحیح وأخرجه ابن ماجة فی سننه ١/٦ حدیث رقم ١٣۔

ترجمہ: حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہو اور میرے احکام سے جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جن سے میں نے منع کیا ہے کوئی حکم اس تک پہنچے اور وہ اسے سن کر یہ کہہ دے کہ میں کچھ نہیں جانتا ہم نے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پایا ہے ہم اس کی اتباع کریں گے اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں منکرین حدیث پر انتہائی بلیغ انداز سے تردید کی گئی ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے احادیث رسول ﷺ کا انکار کرتے ہیں اور فتنہ انکار حدیث ایک عظیم فتنہ ہے ایسے شخص کی وضع اور ہیئت اس طرح بیان کی گئی کہ

اپنے تخت پر تکیہ لگا کر بیٹھ جائے اور جب اس کے پاس میرا کوئی حکم پہنچے جو کہ کتاب اللہ میں صراحۃً مذکور نہ ہو اور وہ میرے حکم کو سن کر نہایت ہی غرور اور تکبر کے ساتھ کہے کہ میں تو قرآن مجید کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی کتاب اللہ کے علاوہ کسی اور شئی کی اتباع کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں تو صرف اسی چیز کی اتباع کروں گا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہو۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکرین حدیث کے بارے میں پیشینگوئی فرمادی کہ ایسے جاہل اور متکبر لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ جو کہ انتہائی مستانہ اور متکبرانہ حالت میں میرے دیے گئے احکام کے بارے میں شک وشبہ اور تردد کا اظہار کریں گے اور میرے احکامات پر عمل نہیں کریں گے بلکہ سستی کریں گے اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے، اسرار اور رموز، دقائق، نکات اور اصل حقائق سے ناواقف ہوں گے۔ ظاہر بین ہوں گے اور دوش ظاہر کے سوار ہوں گے۔

اور حقیقت ومعرفت سے نا آشنا اور کور چشم ہوں گے ان کا خیال فاسد یہ ہوگا کہ احکام شرعیہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہی کے اندر منحصر ہیں۔ حالانکہ وہ عقل کے اندھے اور شپرہ چشم یہ نہیں جانتے کہ کثیر تعداد میں مسائل اور احکام ایسے ہیں جو کتاب اللہ میں صراحۃً مذکور ہیں۔ صرف احادیث مبارکہ میں ان کو تصریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ کہ تمام علماء کرام کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح احکام شرعیہ کے لئے قرآن حکیم حجت اور دلیل ہے۔ بالکل اسی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی احکام شرعیہ کے لیے حجت اور برہان ہے۔ کیونکہ جس طرح قرآن کریم منزل من اللہ ہے اسی طرح احادیث مبارکہ کا مضمون بھی منزل من اللہ ہے اور بلا شک وشبہ دونوں وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے اور احادیث کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا مشکل بلکہ ناممکن اور محال ہے۔ قرآن متن ہے اور حدیث اس کی تشریح اور تفسیر ہے۔

قرآن کی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی واجب العمل ہے

(۲۴/۱۵۴) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَاحَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمُ الْحِمَارُ الْاَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَلَا لُقْطَةُ مُعَاهِدٍ اِلَّا اَنْ يَّسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ اَنْ يَّقْرُوْهُ فَاِنْ لَّمْ يَقْرُوْهُ فَلَهٗ اَنْ يُّعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ) رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ وَكَذَا ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ كَمَاحَرَّمَ اللّٰهُ.

أخرجه داوٗد فی السنن ٥/ ١٠ حديث رقم ٤٦٠٤ وروى الترمذي نحوه فی السنن ٥/ ٣٧ حديث رقم ٢٦٦٤ و كذلك ابن ماجة ١/ ٦ حديث رقم ١٢ والدارمي أيضاً ١/ ١٥٣ حديث رقم ٥٨٦ وأحمد فى المسند ٤/ ١٣٢۔

ترجمہ: حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خبردار مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل دیا گیا ہے۔ خبردار عنقریب اپنے تخت پر پڑا ہوا ایک آدمی جس کا پیٹ بھرا ہوا ہوگا کہے گا کہ قرآن کو اپنے اوپر لازم پکڑلو۔ یعنی صرف قرآن کو سمجھو اور اس پر عمل کرو اور جس چیز کو تم قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جس چیز کو تم قران میں حرام پاؤ اس کو حرام جانو۔ حالانکہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام بتایا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے خبردار تمہارے لئے گھریلو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ ہی کچلیوں والا

درندہ حلال ہے اور نہ ہی تمہارے لئے معاہدہ کرنے والے کا لقطہ حلال ہے لیکن وہ لقطہ حلال ہے کہ جس کا مالک اس سے مستغنی ہو اور جو انسان کسی قوم کا مہمان ہو۔ اس قوم پر لازم اور ضروری ہے کہ اس کی ضیافت کریں اور اگر وہ اس کی ضیافت نہ کریں۔ تو اس انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے حق ضیافت کے مثل ان سے حاصل کرے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام دارمیؒ نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح امام ابن ماجہؒ نے کما حرمہ اللہ تک حدیث نقل کی ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن اور اس کا مثل دیا گیا ہے اس حدیث میں مثل سے مراد حدیث رسول ہے کہ جس طرح قرآن اللہ کی جانب سے نازل شدہ ہے اسی طرح حدیث بھی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ قرآن حکیم وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے واجب العمل ہونے میں دونوں مساوی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے بطور مثال کے چار چیزوں کا ذکر کیا۔

① گھریلو گدھا یہ حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حمار وحشی حلال ہے اب گھریلو گدھے کی حرمت کا حکم قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ حدیث رسول ﷺ میں ہے اور سب اس کو حرام مانتے ہیں۔

② ذی ناب۔ یعنی ہر وہ جانور جو کچلیوں اور ڈاڑھوں والا ہو۔ یعنی اپنی کچلیوں سے شکار کرتا ہو اور شکار کو پھاڑتا ہو وہ بھی حرام ہے اور اس کی حرمت کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں بلکہ حدیث میں ہے جیسے شیر کتا اور بھیڑیا وغیرہ۔

③ لقطہ معاہدہ سے مراد وہ کافر ہے کہ جس نے مسلمانوں کے ساتھ صلح اور امن کا معاہدہ کیا ہو چاہے وہ کافر ذمی ہو یا حلیف اس کا لقطہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں اور اس کی حرمت کا حکم بھی قرآن میں نہیں بلکہ حدیث میں ہے۔ ہاں البتہ اگر لقطہ کوئی ایسی حقیر اور گھٹیا چیز ہو جس سے اس کا مالک مستغنی اور بے پرواہ ہو تو اس کو لینے میں کوئی حرج نہیں گٹھلی، چھلکا، گاجر وغیرہ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر ذمی مسلمان کا لقطہ استعمال کرنا بطریق اولیٰ حرام ہوگا۔

④ حق ضیافت۔ کہ جب کوئی آدمی کسی قوم کا مہمان ہو جائے تو ان پر لازم اور ضروری ہے کہ اس کی ضیافت کریں اگر انہوں نے اس کی ضیافت نہ کی تو یہ اپنا حق ضیافت ان سے وصول کر سکتا ہے۔

بظاہر اس حدیث سے جبراً دوسرے کا مال لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت میں اس کو ناجائز کہا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ تو اس کے اندر تین احتمال ہیں۔

① یہ حکم اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے ساتھ جزیہ کا معاہدہ ہوتا تھا اور اس معاہدہ میں یہ شق بھی شامل ہوتی تھی اور معاہدے کا حصہ تھی کہ اگر مسلمانوں کا تمہارے گاؤں اور بستی پر گزر ہو تو تم ان کی ضیافت کرو گے۔ اس اعتبار سے یہ جزیہ کا حصہ تھا اس لئے اس کو جبراً وصول کرنا جائز تھا۔

② یہ حکم اضطراری اور مجبوری کی حالت پر محمول ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے ایسا کیا جا سکتا ہے اور بعد میں اس کا عوض ادا کیا جائے گا۔

③ یہ حکم پہلے تھا۔ بعد میں منسوخ ہو گیا ہے۔ یعنی ابتداء اسلام میں اسکی اجازت تھی اور آنے والی حدیث بھی اس پر محمول ہوگی۔

احکامِ حدیث کی مقدار احکامِ قرآن کی مقدار سے زیادہ ہے

(۱۵۵/۲۵) وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَيَحْسَبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ؟ اَلَا وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَاۗءِ هِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ اَشْعَثُ بْنُ شُعْبَةَ الْمَصِّيْصِيُّ قَدْ تُكُلِّمَ فِيْهِ.

أخرجه أبو داوٗد من حديث طويل ۳/۴۳۶ حديث رقم ۳۰۵۰۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی آدمی اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں ذکر کی گئی ہیں۔ خبردار! اللہ کی قسم بے شک میں نے حکم دیا ہے۔ میں نے نصیحت کی ہے اور میں نے منع کیا ہے چند چیزوں سے جو قرآن کے مثل ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ تمہارے لئے حلال نہیں کیا کہ تم لوگ اہل کتاب کے گھروں میں اجازت لئے بغیر چلے جاؤ اور نہ ہی تمہارے لئے ان کے پھلوں کو کھانا حلال ہے۔ جب کہ وہ مقدار ادا کریں جو ان کے ذمہ لازم ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں اشعث بن شعبہ مصیصی ہے اس راوی کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ بعض نے ثقہ کہا ہے اور بعض نے ضعیف کہا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے منکرین حدیث کی تردید فرمائی ہے کہ منکرین حدیث کہیں گے۔ کہ ہم صرف ان چیزوں کو حرام مانتے ہیں جن کو قرآن میں حرام کہا گیا ہے۔ حالانکہ کثیر تعداد میں اشیاء کو میں نے حرام قرار دیا ہے اور ان کی حرمت کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے مثلاً چند چیزوں کو یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ اشیاء حرام ہیں۔ حالانکہ ان کی حرمت کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

① اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہونا حرام ہے جیسے عموماً فاتحین کی عادت ہے کہ فتح کے بعد ان کے گھروں میں داخل ہو کر ان کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کی تحقیر اور تذلیل کرتے ہیں۔

② اہل کتاب کی عورتوں کو مارنا حرام ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ مفتوح قوم کی عورتوں کو مارنے کی ممانعت ہے۔ جیسے عموماً فاتحین کی عادت ہوتی ہے ایسے موقعہ پر بے حرمتی کرنے کی۔

③ ان کا پھل اور مال ناجائز طریقہ سے کھانا حرام ہے جب کہ وہ جزیہ اصول اور قانون کے مطابق صحیح طرح پورا پورا ادا کریں۔ ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے مگر قرآنی احکام کی طرح واجب العمل ہیں۔

اس حدیث کے آخر میں رواہ کے بعد مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں بیاض ہے۔ کیونکہ صاحب مشکوٰۃ کو اس حدیث کے راوی کا علم نہ ہوا ہوگا۔ مگر بعد میں میرک شاہ نے وہ عبارت لکھدی ہے اور وہ یہ ہے:

رواہ ابو داؤد وفی اسنادہ اشعث بن شعبۃ المصیصی قد تکلم فیہ۔

سنت کو لازم پکڑو اور بدعت سے بچو

(۲۶/۱۵۶) وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ: اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ وَتَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا الصَّلٰوةَ۔

أخرجه أحمد في المسند ٤/ ١٢٦۔وأخرجه أبوداؤد ٥/ ١٣حديث رقم٤٦٠٧۔والترمذي في السنن ٥/ ٤٣ حديث رقم ٢٦٧٦۔وابن ماجة في سننه ١/ ١٥حديث رقم ٤٢۔ والدارمي في سننه ١/ ٥٧حديث رقم٩٥۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں نہایت ہی مؤثر انداز میں وعظ اور نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل خوف زدہ ہو گئے ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آج کے وعظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت کرنے والے کی جانب سے یہ آخری نصیحت ہے۔ لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرما دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تمہیں مسلمانوں کے حکمران اور سردار کی بات سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر چہ وہ سردار حبشی غلام ہو تم میں سے جو آدمی میرے بعد زندہ رہے گا۔ وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ ایسی صورت حال میں تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے خلفاء راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو لازم پکڑو اور اسی پر اعتماد کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور تم دین میں ہر نئی بات ایجاد کرنے سے بچو کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے مگر امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔ یعنی ان کی حدیث میں۔ صلی بنا رسول اللہ ﷺ کے الفاظ مذکور نہیں ہیں ان کی بیان کردہ حدیث: فو عظنا موعظة سے شروع ہوتی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز پڑھائی اور اس کے بعد صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر۔ انتہائی بلیغ اور مؤثر نصیحت فرمائی جس کی وجہ سے لوگ رونے لگے اور لوگوں کے دلوں میں خوف، گھبراہٹ اور خشوع پیدا ہو گیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ آپ کی جانب سے آخری اور الوداعی وعظ معلوم ہو رہا ہے۔ آپ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں۔ اس وعظ کی جامعیت اور تاثیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب ہے لہٰذا اس سے قبل کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے جائیں آپ ہمیں کوئی وعظ و نصیحت اور وصیت فرمائیں۔

پھر آپ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اپنے حکمران کی بات سنی ہے اور اس کی اطاعت کرنی ہے اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ حبشی غلام کا ذکر بطور مبالغہ کے ہے مراد معمولی آدمی ہے۔ اس کی اطاعت کرو۔ تاکہ امت میں انتشار پیدا نہ ہو۔ بشرطیکہ وہ حکمران کتاب اللہ اور سنت اللہ کا پابند ہو۔ خواہشات نفسانیہ کا پیروکار نہ ہو اور ارشاد فرمایا کہ میرے بعد تم

بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے۔ایسے وقت میں میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے لازم پکڑو۔دانتوں کے ساتھ پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ سنت کو پورے عزم بالجزم اور استحکام کے ساتھ لازم پکڑو اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین معیار حق ہیں اور ساتھ ہی بدعات سے بچنے کی وصیت فرمائی اور اس کی قباحت کو واضح فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ہر گمراہی دوزخ میں لے جاتی ہے۔

اور جب سنت کا ترک ہوگا تو پھر بدعت کا رواج ہوگا اچھی طرح غور کرلیں موجودہ زمانے میں جتنی بدعات ہیں وہ سب ترک سنت کا ثمرہ ہے اگر سنت پر عمل شروع ہو جائے تو بدعات خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

صراطِ مستقیم کی مثال

(۱۵۷/۲۷)وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَطًّا ثُمَّ قَالَ ھٰذَا سَبِیْلُ اللّٰہِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَقَالَ ھٰذِہٖ سُبُلٌ عَلٰی کُلِّ سَبِیْلٍ مِّنْھَا شَیْطَانٌ یَدْعُوْا اِلَیْہِ وَقَرَأَ (وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ الْاٰیَۃَ)۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

أخرجه أحمد في المسند ۱/ ۴۳۵۔والدارمي ۱/ ۷۸حديث رقم ۲ ۲۰۲وأخرج ابن ماجة نحوه ۱/ ۶حديث رقم ۱۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سمجھانے کے لئے ایک سیدھا مستطیل خط کھینچا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے۔پھر آپ ﷺ نے اس خط کے دائیں اور بائیں کئی خطوط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستے ہیں۔جن میں سے ہر راستہ پر شیطان بیٹھا ہوا ہے۔جو اپنے راستہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ...... اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو۔تا کہ متعدد راستے تمہیں منتشر نہ کر دیں۔اس حدیث کو امام احمدؒ امام نسائیؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صراط مستقیم کو ایک مثال سے واضح کیا اور سمجھایا کہ آپ ﷺ نے ایک خط مستقیم کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے یعنی صراط مستقیم ہے افراط اور تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل راستہ ہے صحیح عقائد اور اعمال صالحہ کا راستہ ہے۔پھر آپ ﷺ نے اس خط مستقیم کے دائیں اور بائیں متعدد خطوط کھینچے اور فرمایا یہ سب شیطانی راستے ہیں اور ہر راستہ صراط مستقیم سے جدا اور دور ہے اور سب افراط وتفریط والے راستے ہیں اور سب جہنم کی طرف پہنچانے والے راستے ہیں اور یہ سب ضلالت اور گمراہی والے راستے ہیں۔پھر آپ ﷺ نے اس کی تائید میں قرآن کریم کی آیت تلاوت کی: وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ...... کہ یہ صراط مستقیم ہے اس پر چلو اس کے علاوہ سب شیطانی اور ضلالت کے راستے ہیں ان سے بچو اگر ان پر چل پڑے تو صراط مستقیم سے بھٹک جاؤ گے۔

دین اطاعت کا نام ہے

(۱۵۸/۲۸)وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ قَالَ النَّوَوِیُّ فِیْ اَرْبَعِیْنِہٖ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ رَوَیْنَاہُ فِیْ کِتَابِ الْحُجَّۃِ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ۔

أخرجه البغوي في شرح السنة ١/٢١٢ حديث رقم ١٠٤ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی انسان اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں اس حدیث کو شرح السنۃ میں روایت کیا گیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے اس کو اپنی چہل حدیث میں لکھا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے جس کو ہم نے کتاب الحجۃ میں صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ ایمان کامل کی علامت نے یہ بتایا ہے کہ ایمان کامل کی علامت اور اصلیت یہ ہے کہ جو انسان احکام شرعیہ کی پوری طرح اتباع اور پیروی کرے اس کا ایمان کامل ہے اور اس کا عقیدہ احکام شرعیہ کی صداقت اور حقانیت پر راسخ ہو اور اس کی دنیاوی حیات میں تمام مراحل کے اندر برضاء ورغبت شریعت مطہرہ کی اتباع ہو چاہے عقیدہ ہو اعمال ہوں، عبادت ہو، غمی ہو، یا خوشی ہو اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ روحانی طہارت کی ترقی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کما حقہ اسی انسان کو میسر ہوسکتی ہے کہ جس کا دل ودماغ خواہشات نفسانیہ کی نجاستوں اور کدورتوں سے پاک ہو اور یہ درجہ ترقی منازل معرفت کا اصل میں اللہ تعالیٰ کے مقربین اولیاء کرام وغیرہ کو حاصل ہوتا ہے۔

الغرض جب تک انسان اپنی طبیعت اور جبلت کو شریعت مطہرہ کے تابع نہ کرے اس وقت تک اسکا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

سنت کو زندہ کرنے کا ثواب

(۲۹/۱۵۹) وَعَنْ بِلَالِ بْنِ حَارِثٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّ مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ:

أخرجه الترمذي ٥/٤٤ حديث رقم ٢٦٧٧ وهو عنده من طريق كثير بن عبدالله عن أبيه عن جده أن النبي ا قال لبلال بن الحرث "اعلم قال: ماأعلم يارسول الله" وذكر الحديث۔

ترجمہ: حضرت بلال بن حارث مزنیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس انسان نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا۔ یعنی باعتبار عمل کے رائج کیا جو کہ میرے بعد چھوڑی گئی تھی۔ تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو دیا جائے گا اور ان سنتوں پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس انسان نے ضلالت اور بدعت کی کوئی چیز ایجاد اور نافذ کی جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ راضی نہیں ہوتا۔ تو اس کو اتنا ہی گناہ ہوتا ہے۔ جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کو گناہ ہوتا ہے اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو سے اور عمرو نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مقام سنت کو اور بدعت کی قباحت کو واضح کیا ہے کہ اگر کوئی انسان ایسی سنت کو زندہ کرے جو لوگوں میں متروک ہو چکی ہو اور اس رائج کرنے والے کو اتنا ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے

اوران کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور یہاں سنت سے مراد عام ہے چاہے وہ عمل فرض ہو یا واجب ہو یا سنت ہو اور زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس پر خود بھی عمل کرے۔ مثلاً کوئی نماز جمعہ کا تارک ہو جائے یا مصافحہ وغیرہ کو ترک کر دے اور اگر کوئی انسان بدعت اور رسم کا طریقہ ایجاد کرتا ہے جس پر عمل گناہ کو مستلزم ہے تو اس آدمی کو اتنا ہی گناہ ملتا ہے جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والے کو گناہ ملتا ہے اور اس کے گناہ سے ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی۔

دین سمٹ کر مدینہ منورہ میں چلا جائے گا

(۱۶۰/۳۰) وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الدِّيْنَ لَيَاْرِزُ اِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَاْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْاُرْوِيَّةِ مِنْ رَاْسِ الْجَبَلِ اِنَّ الدِّيْنَ بَدَاَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَاَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ١٩/٥ حديث رقم ٢٦٣٠ وقال حسن صحيح۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک دین اسلام سمٹ کر ارض حجاز یعنی مکہ اور مدینہ میں چلا جائے گا۔ جیسے سانپ سمٹ کر اپنے سوراخ کی طرف آ جاتا ہے اور دین ارض حجاز میں سمٹ کر اسی طرح آ جائے گا اور جگہ پکڑے گا جس طرح پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑتا ہے اور دین ابتداء اور شروع میں غریب تھا اور آخر میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا جس طرح کہ ابتداء اور آغاز میں تھا پس غریبوں کے لئے خوشخبری ہے اور غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں کہ میرے بعد لوگوں نے میری سنت میں جو فساد ڈالا ہو گا اس کی اصلاح کریں گے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک پیشینگوئی فرمائی کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ زمین کے اطراف اور جوانب میں دین نہیں رہے گا اور دین اسلام سمٹ کر ارض حجاز کی طرف آ جائے گا۔ یعنی مکہ اور مدینہ میں جس طرح سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر آ جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام سمٹ کر حجاز کی زمین میں داخل ہو جائے گا اور دین اسلام اس طرح ارض حجاز میں مضبوط جگہ پکڑے گا جس طرح کہ پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑتا ہے اور یہ انتہائی مشکل مقامات پر رہتا ہے دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پاؤں میں پہاڑ پر چپکنے والا کوئی مادہ چسپاں ہے اور یہ سحری کے وقت جماعت کی شکل میں چرنے کے لئے چراگاہ کی طرف نکلتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب قیامت کے قریب فتنوں کا ظہور ہو گا اور اس زمانے میں دین سمٹ کر ارض حجاز میں جگہ پکڑ لے گا۔ جس طرح کہ پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر انتہائی مضبوطی سے جگہ پکڑ لیتا ہے۔ باوجود دشواری کے اس زمانہ میں یہی حال ہو گا دین اسلام کا اور پھر غرباء کو بشارت دی گئی ہے۔ غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے والے ہوں گے اور لوگوں نے بدعات اور رسومات کا ایجاد اور اختراع کر کے جو فساد پیدا کیا ہو گا یہ لوگ اس کی اصلاح کریں گے۔

یہ اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی

(۱۶۱/۳۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا

مَنْ هِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ مَآاَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وفي رواية احمد وابی داود عَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَاِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِيْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَآءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَايَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَّلَا مَفْصِلٌ اِلَّادَخَلَهٗ.

أخرجه الترمذی ٥/٢٦ حدیث ٢٦٤٢ وقال مفسر غریب۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا اور دونوں میں ایسی مماثلت ہوگی جیسے دونوں جوتے آپس میں برابر ہوتے ہیں یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی آدمی نے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کیا ہوگا۔ تو میری امت میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اسی طرح کی بدفعلی کریںگے اور بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور وہ تمام فرقے جہنمی ہوں گے۔ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ جنتی فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو فرقہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام احمدؒ اور امام ابوداودؒ نے جو روایت حضرت معاویہؓ سے روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ فرقہ میری جماعت ہے اور میری امت میں کئی قومیں ظاہر ہونگی جن میں خواہشاتِ نفسانیہ' عقائد واعمال اور بدعات میں اس طرح سرایت کر جائیں گے۔ جس طرح ہڑک والے کتے میں ہڑک سرایت کر جاتی ہے۔ کوئی رگ اور جوڑ اس سے خالی نہیں ہوتا۔ ہر رگ و ریشہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور وہ سب جہنمی ہوں گے ماسوائے ایک جماعت کے اور یہ امت بنی اسرائیل کی مماثلت اور مشابہت اختیار کرے گی اور اس کو تشبیہ دی گئی ہے جوتوں کی مساوات کے ساتھ کہ بنی اسرائیل جس طرح اپنے دور میں بداعمالیوں میں مبتلا ہوئے۔ اسی طرح ایک ایسا وقت آ جائے گا کہ یہ لوگ بھی بد اعمالیوں میں مبتلا ہوں گے عقائد اور اعمال کے فساد میں مکمل مطابقت اور موافقت ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے بنی اسرائیل میں سے اپنی ماں کے ساتھ بدفعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ یہاں ماں سے حقیقی ماں مراد نہیں بلکہ سوتیلی ماں مراد ہے۔ کیونکہ حقیقی ماں کے ساتھ بدفعلی کرنا شرعًا اور طبعًا دونوں طرح سے بعید اور ناممکن ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں امت سے مراد اہل قبلہ ہیں یعنی جو لوگ بظاہر مسلمان سمجھے جاتے ہیں اس صورت میں کلھم فی النار سے مراد یہ ہے کہ تمام بداعمال اور فاسد عقائد والے لوگ جن کا فساد اور بگاڑ مفضی الی الکفر نہ ہو تو وہ اول مرحلے میں جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور اپنی بداعمالی کی سزا بھگتنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور اس حدیث کے آخر میں جس فرقہ کو جماعت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس سے مراد اہل علم، صاحب بصیرت اور فقہاء وغیرہ ہیں کیونکہ یہی لوگ اہل حق ہیں اور شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہیں اور فرائض اسلام کو پورا کرنے کے پابند ہیں۔

اس مقام پر بقدر ضرورت ان فرقوں کی وضاحت معلوم کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے گروہ اور فرقے آٹھ ہیں:

① فرقہ ناجیہ ② معتزلہ ③ شیعہ شنیعہ ④ خوارج
⑤ مرجیہ ⑥ نجاریہ ⑦ جہمیہ ⑧ مجسمہ

ان میں سے معتزلہ کے بیس (۲۰) فرقے ہیں۔ شیعہ کے بائیس (۲۲) فرقے ہیں۔ خوارج کے بیس (۲۰) فرقے ہیں۔ مرجیہ کے پانچ (۵) فرقے ہیں۔ نجاریہ کے تین (۳) فرقے ہیں۔ جہمیہ۔ ایک فرقہ ہے۔ مجسمہ ایک فرقہ ہے۔ فرقہ ناجیہ یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کا بھی ایک طائفہ ہے۔

معتزلہ: معتزلہ کے عقائد درج ذیل ہیں:

① ان کے نزدیک بندہ اپنے تمام اعمال کا خالق ہے نہ کہ کاسب۔

② اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری ہے کہ نیک بندے کو ثواب دے اور بدکار گمراہ کو عذاب دے۔

③ انکے نزدیک قیامت کے اندر اللہ تعالیٰ کا دیدار اور رویت نہیں ہوگی اس کا انکار کرتے ہیں نیز اس طرح کے بے شمار فاسد عقائد ہیں۔

مرجئہ: انکا عقیدہ ہے کہ جس طرح کافر آدمی کو اسکے نیک اعمال کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کوئی مؤمن اور مسلمان برے اعمال کرے تو اسکو اس کی بداعمالی سے کوئی ضرر اور نقصان نہیں ہوگا اور ان کے نزدیک مؤمن کے ایمان میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوسکتا۔

نجاریہ: ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا ثبوت نہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کمالیہ کا انکار کرتے ہیں اور یہ قرآن مجید یعنی اللہ کے کلام کو حادث مانتے ہیں۔

جہمیہ: ان کے نزدیک بندہ اپنے کسی فعل کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ بندہ اپنے تمام اعمال اور افعال میں مجبور محض ہے یہ بندے کو اپنی حرکات وسکنات میں پتھر کی طرح مانتے ہیں کہ جس طرح پتھر اپنی کسی حرکت کا اختیار اور ارادہ نہیں رکھتا بعینہ یہی حال ہے انسان کا۔

مجسمہ: انکے نزدیک اللہ تعالیٰ کیلئے جسم اور اعضاء ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو انسان کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مشبہہ بھی کہتے ہیں اور ان کے فاسد عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں حلول کر جاتا ہے۔

شیعہ وخوارج: ان کے عقائد مشہور ہیں اور ان کے کئی فرقے اور گروہ ہیں۔ شیعہ حضرت علیؓ کو فضیلت دیتے ہیں حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ پر اور بعض شیعہ حضرت علیؓ کو حضرات شیخین پر فضیلت اور فوقیت ہی نہیں دیتے۔ بلکہ معاذ اللہ حضرات شیخین کی تکفیر بھی کرتے ہیں اور شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن اپنی اصل شکل اور صورت میں باقی نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی فضیلت اور منقبت پر مشتمل آیات نکال دی گئی ہیں اور خوارج بالکل اس کے برعکس حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہیں اور تکفیر کرتے ہیں شیعہ حضرت علیؓ کے بارے میں افراط کا شکار ہیں اور خوراج تفریط کا شکار ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا حل: اس مقام پر ایک اشکال اور اس کے حل کی طرف توجہ ضروری ہے اشکال یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو جاہل تھا اس کو اللہ کے بارے میں رسول ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کے متعلق اور مذہب اسلام کے متعلق کچھ معلومات نہ تھیں پھر وہ مسلمان ہوگیا اسلام کی دولت سے مشرف ہونے کے بعد دو جماعتوں سے وابستہ پڑا ایک اہل السنت والجماعت اور دوسری شیعہ کی جماعت ہر جماعت نے اپنے آپ کو سچا اور برحق کہا دونوں نے اس آدمی کے سامنے اپنے سچا اور برحق ہونے پر قرآن وسنت سے دلائل پیش کیے وہ انسان جو ابھی ابھی مسلمان ہوا حیران ہے کہ ان دونوں میں سے کس کو سچا اور حق پر کہوں اور کس کی تصدیق کروں جبکہ وہ آدمی مسائل اور علم سے ناواقف ہے اس کا حل کیا ہوگا۔

اس کا بالکل سیدھا اور آسان حل یہ ہے کہ بعض ایسی اشیاء جو وضاحت کے ساتھ اہل سنت والجماعت کے حق میں دلیل ہونے کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان چیزوں کا عموماً مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور جب ایسا آدمی ان چیزوں میں اچھی طرح غور وفکر کرے گا تو اس کے

سامنے اہل سنت والجماعت کی صداقت اور حقانیت بالکل ظاہر اور واضح ہو جائے گی۔

دلیل (۱): سب سے واضح اور آسان دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس نعمت کے وارث کما حقہ اہل سنت والجماعت ہیں یہی وجہ ہے کہ مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجید کے جتنے حافظ ہیں وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہیں آج تک کسی شیعہ کو قرآن مجید کا حافظ نہیں دیکھا گیا اس نعمت عظمیٰ سے محرومی ان کے جھوٹا ہونے کی بالکل واضح دلیل ہے اور اگر کہیں کوئی شیعہ حافظ نکل آئے تو یہ شاذ و نادر ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ کوئی چیز شاذ ہو تو وہ معدوم کے درجہ میں ہوتی ہے۔

دلیل (۲): دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت محمدؐ کے علماء مبلغین ائمہ فقہاء مجتہدین اور محدثین سب اہل سنت والجماعت میں سے تھے اور شیعہ بھی بعض ان کے علم اور زہد و تقویٰ سے متاثر ہیں یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب سچ اور برحق ہے۔

دلیل (۳): تیسری دلیل یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں سے وہ فرائض اسلام جو شعائر اسلام کہلاتے ہیں اور مذہب اسلام کی شان وشوکت کا ذریعہ ہیں اور مسلمانوں کی عظمت شان پر دلالت کرتے ہیں مثلاً نماز، جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ علی الاعلان ادا کرنا یہ سعادت اور نعمت اہل سنت والجماعت کو حاصل ہے شیعہ اس نعمت سے محروم ہیں۔

دلیل (۴): یہ ہے کہ حرمین شریفین یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جو شروع سے لے کر آج تک اسلام کا مرکز ہیں اور وہاں کے رہنے والے لوگ اپنی بزرگی اور عظمت کے اعتبار سے ضرب المثل ہیں اور حرمین شریفین کے ائمہ، خطباء، مدرسین، معلمین اور مفتیان سب اہل سنت والجماعت میں سے ہیں اگر شیعہ کا مسلک صداقت اور حق پر مبنی ہوتا تو یہ لوگ شیعہ مسلک کے پابند ہوتے حالانکہ ایسا نہیں۔

دلیل (۵): پانچویں دلیل یہ ہے کہ مذہب اسلام اپنی مکمل اور صحیح صورت کے ساتھ جو ہم تک پہنچا ہے وہ نقل کے ساتھ پہنچا ہے اس میں عقل کو دخل نہیں ہے جب تمام دلائل میں غور کیا جائے مثلاً تواتر اخبار، احادیث اور آثار میں تو یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین اہل سنت والجماعت کے عقائد اور مسلک پر مجھے دوسرے باطل فرقے سن بعد میں پیدا ہوئے نہ تو صحابہ کرام ان باطل فرقوں کے پابند تھے اور نہ ہی دیگر صلحاء اور مشائخ عظام تابعین کے دور میں بعض باطل فرقے پیدا ہو چکے تھے لیکن ان لوگوں نے انتہائی نفرت کا اظہار کیا یہاں تک کہ ایسے لوگوں سے تعلقات اور روابط منقطع کر دئے اسی طرح کتب احادیث کے مصنفین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ وغیرہ سب اہل سنت والجماعت تھے اسی طرح دوسرے باطل فرقے بھی اپنی اپنی صداقت اور حقانیت پر طرح طرح کے دعوے کرتے ہیں لیکن ان سب کا جواب یہی ہے کہ صرف دعویٰ برائے نام کافی نہیں اگر دعویٰ کی صداقت پر کوئی دلیل ہے تو لاؤ اس سے ثابت ہوا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک سچا اور برحق ہے۔

اگر اہل سنت والجماعت کا مسلک صداقت اور حقانیت پر مبنی نہ ہوتا تو صحابہ کرام، تابعین، محدثین علماء اور کثیر تعداد میں صلحاء عقلاء اور دانشور اہل سنت والجماعت کے مذہب کے پابند نہ ہوتے یہ مذہب ہے اہل سنت والجماعت کی صداقت وحقانیت پر چیز دلیل تھیں اگر ضد اور ہٹ دھرمی کو اور ذاتی مفاد کو چھوڑ کر اگر راہ حق کی جستجو کی جائے گی تو اس سے اہل سنت والجماعت کی صداقت معلوم ہو جائے گی۔

ے ہشیار کو اک حرف نصیحت ہے کافی ☆ ناداں کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ

باطل فرقوں کی مثال:

حدیث کے آخر میں تمام باطل فرقوں کی ایک مثال ذکر کی گئی ہے کہ اس امت کے اہل باطل کے جسم و جان میں اور ان کے رگ و ریشہ میں نفسانی خواہشات اور بدعات اس طرح داخل ہو جائیں گی جس طرح ہڑک کی بیماری پاگل کتے کے رگ و ریشہ میں داخل ہو جاتی

ہے جس کی وجہ سے وہ پانی سے بھاگتا ہے نہ پانی کو دیکھ سکتا ہے نہ پی سکتا ہے اور جس انسان کو وہ کتا کاٹ لے وہ بھی بدعت کا حال ہے کہ وہ حق کے قریب نہیں جاتے بلکہ حق سے دور بھاگتے ہیں اور جو ان کے پاس بیٹھتا ہے اس کو بھی باطل والا اور بدعتی بنا دیتے ہیں۔

اجماعِ امت دلیل ہے

(۳۲/۱۶۲)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَايَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَةٍ وَّ يَدُاللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی ٤/٤٠٥ حدیث رقم ٢١٦٧۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو اور یا یہ فرمایا کہ امت محمدیہ کو ضلالت اور گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو آدمی جماعت سے الگ ہے وہ اہل جنت سے الگ کر کے اکیلا جہنم میں ڈال دیا جائے گا اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ امت محمدیہ ضلالت اور گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت اور دلیل ہے کہ جس بات پر تمام علماء، فقہاء اور مجتہدین اتفاق کر لیں۔ یہ اجماع امت ہے اور یہ اس امت کے خصوصیات میں سے ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ عوام کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اجماع امت کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اس امت کا دورانیہ طویل ہے اور نبوت ختم ہو چکی ہے جدید مسائل پیدا ہونگے جن کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنا ضروری ہے۔

اور یہ کام علماء امت کا ہے اور اس حدیث میں اللہ کے ہاتھ سے مراد اللہ کی مدد توفیق اور وہ حفاظت ہے جو جماعت پر ہوتی ہے اور اس امت کی ایک عظمت اور فضیلت یہ بھی ہے کہ امت کے تمام لوگ کسی غلط بات پر جمع ہو کر اتفاق نہیں کر سکتے۔

سوادِ اعظم کا اتباع کرو

(۳۳/۱۶۳)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔

(رواه ابن ماجة من حديث كتب السنة)

أخرجه ما أخرجه ابن ماجة من حديث أنس "أن أمتي لا تجتمع على ضلالة فاذا رأيتم اختلافا فعليكم بالسواد الأعظم" ١٣٠٣/٢ حديث رقم ٣٩٥٠۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑی جماعت کی پیروی کرو۔ اس لئے کہ جو جماعت سے الگ ہو گیا تو وہ تنہا جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے کتاب السنۃ سے حضرت انس اور حضرت ابن عاصم سے روایت کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں سوادِ اعظم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ ان عقائد کی پیروی کرنی چاہئے جو اکثر علماء کے نزدیک حق ہوں اور اسی طرح ایسے افعال اور اقوال کو قبول کرنا چاہئے جو اکثر علماء سے ثابت اور منقول ہوں۔ اس حدیث میں رواہ کے لفظ کے بعد اصل مشکوٰۃ میں بیاض تھا۔ کیونکہ صاحب مشکوٰۃ کو شاید کہ اصل کتاب کے نام سے ذہول ہو گیا تھا۔ جس سے یہ حدیث نقل کی گئی بعد میں میرک شاہ نے مذکورہ عبارت نقل کی ہے۔

سوال: اس حدیث میں سوادِ اعظم کی اتباع کا حکم ہے۔ حالانکہ ہر زمانے میں اہل حق اہل باطل کے مقابلہ میں قلیل ہوتے ہیں پھر ان کو

مذکورہ حدیث میں سوادِ اعظم کیسے کہا گیا ہے۔

جواب: سوادِ اعظم سے مراد صرف ایک زمانے کے لوگ مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے لوگ اہل حق ہیں وہ سب سوادِ اعظم ہیں۔ بخلاف کفار کے کہ وہ ایک جماعت نہیں بلکہ ہر زمانے کا کفرا لگ الگ ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا جنت میں ساتھ ہوگا

(۳۴/۱۶۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَابُنَیَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ یَابُنَیَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ كَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی ٥/٤٤ حديث رقم ٢٦٧٨۔ وقال حسن غريب من هذا الوجه۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا اے میرے پیارے بیٹے۔ اگر تم اس پر قدرت رکھتے ہو کہ اس حال میں صبح وشام کرو کہ کسی کے بارے میں تمہارے دل میں کینہ نہ ہو تو ایسا ہی کرو۔ پھر فرمایا اے میرے پیارے بیٹے یہی میری سنت ہے لہٰذا جس آدمی نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے محبت کرے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت کا ذریعہ اور سبب ہے اور آپ سے محبت جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور اس خوش نصیب انسان کو جنت میں آپ کی رفاقت اور معیت نصیب ہوگی۔ لہٰذا یہ غور وفکر اور تدبر کی بات ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کو پسند اور محبت کرنے پر اتنی عظیم بشارت ہے۔ تو پھر آپ کی سنت پر عمل کرنے پر کتنی بڑی سعادت اور بشارت ہوگی۔ غور کیجئے آپ کی سنت اور طریقہ کو پسند کرنے والے کے لئے کیا خوش بختی اور مرتبہ ہے کہ ان کو جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور معیت کی نعمت عظمیٰ حاصل ہوگی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دونوں جہانوں کی تمام نعمتیں ایک طرف۔ اس کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں رفاقت والی نعمت وزنی ہوگی۔ اسی لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کو قرار دیا ہے۔

ایک سنت کو زندہ کرنا سو شہیدوں کا ثواب ہے

(۳۵/۱۶۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ۔ رواه البيهقی فی كتب الزهد له من حديث ابن عباس

لم يذكر من أخرجه۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ میری امت میں فساد کے وقت جس آدمی نے میری سنت کو مضبوطی سے اپنایا اس کو سو (۱۰۰) شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اس روایت کو امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب الزہد میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سنت کو زندہ کرنے کا ثواب سو (۱۰۰) شہیدوں کے ثواب کے برابر بتایا ہے۔ اس عظیم اجر اور بشارت کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح شہید اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور مذہب اسلام کی شان وشوکت کو بڑھانے کے لئے

دنیا کی تکالیف اور مصائب کو برداشت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی جان کو بھی اللہ کے راستہ میں قربان کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب مصیبت، فسق وفجور، فتنہ اور فساد کا غلبہ اور سیلاب ہو۔ رسومات اور بدعات کا دور دورہ ہو ایسے وقت میں اسے رائج اور نافذ کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں مصائب اور تکالیف کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ انسان ایسی حالت میں لوگوں کے طعن وتشنیع کا ہدف بن جاتا ہے۔ بلکہ شہید کو تو ایک تیر لگتا ہے۔ مگر اس پر مشکلات اور دشواریوں کے تیروں کی بارش ہوتی ہے۔

اس حدیث میں رواج کے لفظ کے بعد مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں بیاض ہے مذکورہ عبارت کا میرک شاہ نے اضافہ کیا ہے۔

اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے

(۱۶۶/۳۶) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ: اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِيْثَ مِنْ يَهُوْدَ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰى اَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا؟ فَقَالَ اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى ؟ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ۔ (رواه احمد والبيهقي في كتاب شعب الايمان)

أخرجه أحمد في المسند ۳۸۷/۳۔ وذكره البيهقي تعليقًافي شعب الايمان في الحديث ۱۷۶ وأورده بطرق أخرى حديث ۱۷۷۔(۱/۱۹۹۔۲۰۰)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ یہودیوں سے احادیث سنتے ہیں اور وہ ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض کو لکھ لیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم بھی اس طرح حیران ہو جس طرح یہود ونصاری حیران ہیں اور تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ میں تمہارے پاس صاف اور واضح شریعت اور دین لے کر آیا ہوں۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اتباع اور پیروی کرتے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کو شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

تشریح ❁ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم بسا اوقات یہودیوں سے احادیث سنتے ہیں۔ کیا ہم ان میں سے کچھ لکھ لیا کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم بھی یہود ونصاری کی طرح حیرانگی میں ہو۔ کہ ان کی کتابوں میں تغیر اور تبدل ہو چکا ہے۔ اب وہ احکامات اپنے راہبوں سے لیتے ہیں۔ کیا تم ان کی طرح اپنے دین اور کتاب کے بارے میں حیران ہو۔ کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کتابوں کو پڑھنا شروع کر دو گے۔ تمہارے پاس اللہ کا دین اور قرآن مجید ہے تمہیں اور کتابوں کی کیا ضرورت ہے یہود ونصاری نے تو اللہ کی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی اور حقیقی تعلیم کو چھوڑ دیا تھا۔ اپنی غرض، لالچ، حرص اور دنیاوی مفاد کے لئے اپنے علماء اور راہبوں کے فرمانبردار ہو گئے تھے کیا اے عمرؓ! تم لوگ بھی ایسا ہی کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ میری لائی ہوئی شریعت اس قدر واضح اور روشن ہے۔ کہ اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری شریعت کی اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

جس کی زیادتیوں سے لوگ امن میں ہوں وہ جنت میں داخل ہوگا

(۱۶۷/۳۷) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِيْ سُنَّةٍ وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ لَكَثِيْرٌ فِي النَّاسِ؟ قَالَ : وَسَيَكُوْنُ فِيْ

قُرُوْنٍ بَعْدِیْ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی ٤/٥٧٧ حديث رقم ٢٥٢٠۔ وقال حديث غريب لا تعرفه۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس انسان نے رزق حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور اس کی زیادتیوں سے لوگ امن میں ہوں تو وہ انسان جنت میں داخل ہوگا ایک آدمی نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ایسے لوگ تو آج کل بہت ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں تین امور ذکر کیے گئے ہیں جو جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں۔

① کہ جس انسان نے رزق حلال کھایا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی تحصیل رزق کا جو بھی ذریعہ اپنائے وہ حلال اور طیب ہو' چاہے تجارت ہو یا ملازمت ہو یا مزدوری ہو اس میں مکمل دیانت اور امانت ہو اور شریعت کی حدود سے تجاوز ہرگز نہ ہو اور ایسا کوئی طریقہ اور طرز نہ اپنائے جس کی وجہ سے رزق میں شبہ پیدا ہو جائے یا حرام ہو جائے۔ مثلاً اگر کوئی تاجر بوقت بیع و شراء کوئی ایسا فعل کرے جو شرعی نقطہ نظر سے صحیح نہ ہو تو اس صورت میں مال حلال نہیں رہے گا بلکہ حرام اور مشتبہ ہو جائے گا۔

② دوسری چیز جو جنت میں داخلہ کا سبب ہے وہ یہ کہ سنت کی پوری پوری اتباع اور پیروی اختیار کی جائے۔ یعنی ہر قول اور فعل سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو۔ یعنی انسان اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں اقوال' افعال' اعمال' عبادات' معاملات' عقود' معاشرت' زراعت' شراکت' تجارت وغیرہ تمام امور میں سنت رسول ﷺ کی پوری پوری اور مکمل اتباع ہو۔ ہر چیز کے بارے میں جس طرح حدیث وارد ہوئی ہے اسی کے مطابق عمل کرے۔ مثلاً بیت الخلاء میں داخل ہونا' خارج ہونا' مسجد میں داخل ہونا' خارج ہونا' بازار میں جانا' راستہ سے ضرر رساں اور تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا علی ہذا القیاس ان سب کے بارے میں احادیث منقول ہیں۔ احادیث کے مطابق عمل کیا جائے۔

③ جنت میں داخلے کا تیسرا عمل اور سبب یہ ہے کہ لوگ اس کے شر اور اذیت و تکلیف سے محفوظ اور امن و سلامتی میں ہوں اور حقوق العباد کی مکمل رعایت اور ادائیگی ہو۔

جب یہ امور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائے تو ایک صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ایسے لوگ تو ہمارے زمانہ میں بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں جو ان مذکورہ صفات کے ساتھ متصف ہیں کیا ہمارے دور کے بعد بھی ایسے لوگ موجود ہوں گے یا نہیں۔

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس دور کے بعد بھی ایسے لوگ موجود ہوں گے اس امت سے خیر اور بھلائی کے امور ختم نہیں ہوں گے اگرچہ فتنہ اور فساد کی کثرت ہوگی اور خیر والے لوگوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ مگر بالکل معدوم نہیں ہوں گے کچھ اولیاء اللہ' صلحاء اور مشائخ' زاہد اور متقی قسم کے لوگ ضرور ہوں گے۔ جو اتباع رسول ﷺ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے زندگی گزاریں گے۔

دین کے دسویں حصے پر بھی عمل نہ کرنا ہلاکت ہے

(۱۶۸/۳۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَكَ ثُمَّ يَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا. (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٤٥٩ حدیث رقم ٢٢٦٧ وقال غریب لانعرفه الامن حدیث نعیم بن حماد بن سفیان بن عیینة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی ان احکام کا دسواں حصہ بھی ترک کر دے جو مجھے عطا کیے گئے ہیں تو وہ ہلاک ہو جائے گا لیکن آئندہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اگر کوئی آدمی اُن احکام کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا تو وہ نجات پا جائے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ⊙ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا اور آپ کے بعد کے دور کا فرق بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت شدت سے اہتمام تھا۔ جس میں تھوڑی سی لغزش' غفلت اور کوتاہی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہو سکتی تھی۔ لیکن آخری دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اس قدر کوتاہی اور غفلت پیدا ہو جائے گی۔ کہ اگر کوئی انسان احکام شرعیہ کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا' تو کامیاب ہو جائے گا۔

اور یہ بھی خیال میں رہے کہ یہاں مأمورات سے فرائض مراد نہیں بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مراد ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ دعوت وارشاد کے اعتبار سے تم ایسے دور میں ہو کہ اگر ایک جز بھی چھوڑ دیا تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت خامی زیادہ ہیں۔ اگر اس دور میں غفلت ہوگی تو اسلام جزیرہ عرب تک محدود ہو جائے گا اور جب خیر القرون کے زمانہ کے لوگ نہ رہے تو بعد والے لوگ اگر دعوت وارشاد کے دسویں حصہ پر بھی عمل کریں گے تو نجات پا جائیں گے۔

دینی معاملات میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیے

(۱۶۹/۳۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَاضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًی کَانُوْا عَلَیْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم هٰذِهِ الْاٰیَةَ مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجة)

أخرجه أحمد فی المسند ٥/٢٥٢ وأخرجه الترمذی ٥/٣٥٣ حدیث ٣٢٥٣ وقال حسن صحیح ۔ وأخرجه ابن ماجة ١/١٨ حدیث رقم ٤٨ ۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہدایت حاصل کرنے اور ہدایت پانے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر اس وقت جب کہ اس میں جھگڑا ظاہر ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ماضربوه لك الاجدلا بل هم قوم خصمون۔ کہ وہ تمہارے لئے نہیں بیان کرتے مثال مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ شدید جھگڑا کرنے والی قوم ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ⊙ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ دینی امور اور معاملات میں جھگڑا کرنا درست نہیں اور دینی احکام اور فرائض کے بارے میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانا جائز نہیں۔ گزشتہ دور میں جب لوگوں نے ہدایت حاصل کرنے کے بعد اور راہ راست حاصل کرنے کے بعد دینی امور کے بارے میں جھگڑا کیا تو اس کی وجہ سے راہ راست سے ہٹ کر ضلالت میں پڑ گئے اور یہ کام اس زمانہ کے علماء شر اور خواہش نفسانیہ کے پرستاروں نے کیا اور اس سے ان کی غرض وغایت یہ تھی کہ دینی احکام اور معاملات میں تفقہ اور تقسیم پیدا ہو اور آپس میں لڑائی اور جھگڑا کریں اور باطل عقائد اور اعمال کا رواج ہو اور حق وصداقت کا قلع قمع اور مکمل استیصال ہو جائے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق اور تائید میں قرآن کریم کی آیت تلاوت کی ماضربوه لك الاجدلا بل هم قوم

حصبون اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی. انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم۔ کہ جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ جہنم کی آگ کا ایندھن ہوں گے۔ تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی گئی ہے وہ تمام جہنم میں جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام بھی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ ان کی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی گئی ہے اور یہ لوگ جہنم میں گئے تو اگر ان کے ساتھ ہمارے بت بھی چلے گئے تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔

مشرکین کی تردید اور جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ماضر بوه للك...... کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشرکین اور کفار لوگ جو آپ سے قرآن کی آیت سن کر تم سے جھگڑا اور بحث کرتے ہیں اور اپنی جانب سے غلط مطلب اور مراد لیتے ہیں یہ ان کی ہٹ دھرمی ضد سرکشی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ یہ لوگ صاحب لسان ہیں عربی زبان کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف ہیں اور وہ اس چیز کو جانتے ہیں کہ وما تعبدون...... والی آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس آیت میں لفظ ما ذکر کیا گیا ہے اور لفظ ما عربی زبان میں غیر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے نہ کہ ذوی العقول کے لئے۔ لہٰذا یہ آیت بتوں اور مورتیوں کے متعلق ہے۔

ہاں البتہ اگر کوئی آدمی کسی مسئلہ کی وضاحت کے لئے یا صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے یا معلومات میں اضافہ پر واقفیت کی غرض سے یا سامعین کو تعلیم دینے کی غرض سے بحث کرے تو اس میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں۔

اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو

(۱۷۰/۴۰) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُوْلُ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدُ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِى الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ رَهْبَانِيَّةَ اِبْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد من حديث طويل ٥/٢٠٩ حديث رقم ٤٩٠٤۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنی جانوں پر سختی اور مشقت نہ کرو۔ اس لئے کہ پھر اللہ تعالیٰ بھی سختی کرے گا اور بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے اوپر سختی کی تھی۔ پھر اس کے نتیجہ میں اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ پس آج جو لوگ گرجوں اور دیروں میں پائے جاتے ہیں رہبانیت کو ان ہی لوگوں نے اختراع کر لیا ہے ہم نے ان پر فرض نہیں کیا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ میں اپنے آپ کو سختی اور مشقت میں نہ ڈالو یعنی عبادت کے اندر مستحبات اور مباحات کو اس انداز اور طریقہ سے نہ اپناؤ کہ تمہارے اندر اس سختی اور مشقت کو برداشت کرنے کی قوت ہمت اور استطاعت نہ ہو اور اسی طرح جن اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اور ان کے استعمال کو جائز کیا ہے ان کو اپنے اوپر حرام اور ممنوع نہ کرو۔ اگر اس طرح کی سختی اور مشقت اپنی جانوں پر کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کو تمہارے لیے لازم اور ضروری کر دیا جائے گا اور تمہارے اندر استطاعت نہیں کہ تم ان کو کما حقہ مکمل رعایت کے ساتھ ادا کر سکو۔ اس کے نتیجہ میں آخرت کی تباہی اور ہلاکت تمہارا مقدر ہو گی جو کہ خسارہ ہے۔

اس حدیث میں صوامع اور دیار کا ذکر کیا گیا ہے صوامع جمع ہے صومعہ کی اس کا معنی ہے گرجا یعنی عیسائیوں کا عبادت خانہ اور دیار دیر

کی جمع ہے اس کا معنی ہے یہودیوں کا عبادت خانہ اور رہبانیت کہتے ہیں کہ انتہائی مشقت اور تکلیف کے ساتھ عبادت اور ریاضت میں اپنے نفس کو ڈالنا اور دنیا سے تعلق منقطع کر لینا اور تمام لوگوں سے الگ تھلگ ہو جانا۔صوفیانہ خستہ حالت کا لباس استعمال کرنا مردانگی قوت کو غیر فطری طریقہ سے ختم کر لینا اور خواہشات نفسانیہ کو ختم کرنے کے لئے ناجائز محرکات کو اختیار کر لینا آبادی اور شہری زندگی ختم کر کے خلوت اور جنگلی زندگی اختیار کر لینا۔رہبانیت اہل کتاب نے اپنے اوپر خود لازم کر لی تھی۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ان پر فرض اور ضروری نہ تھی اور رہبانیت کی زندگی اسلام کے فطری تقاضوں اور اصولوں کے بالکل خلاف ہے اسی لئے شریعت محمدیہ میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔لا رهبانية في الاسلام۔کہ اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں۔بلکہ رہبانیت اسلام سے قبل بھی کسی دین میں مشروع نہیں تھی۔بلکہ ان لوگوں نے خود ہی اسے اپنی دین و دنیا کی بھلائی اور کامیابی کے لئے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور یہود و نصاریٰ نے بھی خود ہی اس کو اختراع کر لیا تھا۔فضول پابندیاں اپنے اوپر عائد کر لی تھیں اور یہ لوگ فطرۃً ہی گویا کہ آزاد منش لوگ تھے ان کے اندر کوئی مستقل مزاجی نہ تھی اپنے نفسانی تقاضوں اور آرزوؤں کو پورا کرنے والے تھے انہوں نے اپنے اس فطری مزاج اور طبیعت کے مطابق رہبانیت کو اختراع کیا اور اپنے اوپر پابندیاں لازم کیں پھر ان کو پورا بھی نہ کر سکے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے اصل دین سے بھی دور ہو گئے چنانچہ بہت سے نصاریٰ اپنے مذہب سے ہٹ کر یہودیت میں داخل ہو گئے اور اسی طرح اس کے برعکس بہت سے یہودی اپنے اصل دین سے منحرف ہو کر نصرانیت میں داخل ہو گئے اور بعض ایسے بھی تھے جو اپنے دین پر قائم رہے اور جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔الغرض اس حدیث میں یہی ہدایت کی گئی کہ تم رہبانیت اختیار نہ کرو اور اپنے آپ کو غیر فطری چیزوں میں نہ ڈالو۔شریعت مطہرہ کی بیان کردہ حدود کے اندر رہو۔شریعت کی حدود سے ہرگز تجاوز نہ کرو اور اللہ کے بتائے ہوئے احکام کو رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اپناتے ہوئے اسلامی حدود کے اندر تجاوز ہرگز نہ کرو۔

جیسے سابقہ لوگوں نے تکالیف اور مشقتوں کو اپنایا مثلاً منہ کے بل چلنا، عورتوں کے قرب سے اجتناب، بالوں سے اپنے آپ کو باندھ کر چھت کے ساتھ لٹکا لینا، ہنسلی کی ہڈی میں سوراخ کر کے رسّی سے باندھ کر لٹکا لینا، اکل و شرب کے لذائذ سے اجتناب کرنا اور دیگر اشیاء راحت و استراحت سے احتراز کرنا۔

قرآن پانچ قسم کی آیات پر مشتمل ہے

(۱۷۱/۴۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٍ وَّحَرَامٍ وَّمُحْكَمٍ وَّمُتَشَابِهٍ وَّاَمْثَالٍ فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْكَمِ وَاٰمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ. (وروى البيهقي في شعب الايمان) ولفظه: فَاعْمَلُوْا بِالْحَلَالِ وَاجْتَنِبُوا الْحَرَامَ وَاتَّبِعُوا الْمُحْكَمَ......۔

مصابيح السنة ١/١٦٤ حديث رقم ١٤٤۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم پانچ قسم کی آیتوں پر نازل ہوا ہے: ① حلال ② حرام ③ محکم ④ متشابہ ⑤ امثال۔لہٰذا تم حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام سمجھو۔ محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے عبرت حاصل کرو۔یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور امام بیہقیؒ نے جو روایت شعب الایمان میں نقل کی ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔لہٰذا حلال پر عمل کرو۔حرام سے اجتناب کرو اور محکم کی پیروی کرو۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ قرآن کریم پانچ قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔

① حلال: یعنی ایسی آیات جن میں حلال امور اور اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے احکام کو تفصیل اور وضاحت سے بتایا گیا ہے۔

② حرام: یعنی ایسی آیات جن میں حرام امور اور اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے اور حرام کے احکام کو تفصیل اور وضاحت سے بتایا گیا ہے۔

③ محکم: یعنی ایسی آیات کہ جن کا معنی اور مراد دونوں معلوم ہوں۔ ان کے معنی اور مراد میں کسی قسم کا ابہام اور اشتباہ نہ ہو بلکہ اپنے مقاصد اور مراد میں صاف واضح اور روشن ہوں جیسے: اقیموا الصلٰوۃ ۔ اتوا الزکٰوۃ اتموا الصیام الی اللیل۔ ...... وغیرہ۔

④ متشابہ: یعنی وہ آیات جن کا معنی اور مراد دونوں ہم سے مجہول ہوں۔ جیسے حروف مقطعات اور یا معنی معلوم ہو لیکن مراد معلوم نہ ہو۔ جیسے ید اللہ فوق اید یھم ۔ الرحمن علی العرش استوی متشابہات کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ ان پر ایمان لاؤ ان کے معانی اور مطالب کی تحقیق اور تفتیش میں نہ پڑو اور اس کی مراد کی حقانیت پر محکم ایمان ہو کہ جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے۔

⑤ امثال: یعنی ایسی آیات جن میں گزشتہ قوموں کے حالات' واقعات اور قصص ذکر کیے گئے ہوں۔ یعنی جن میں نیک اور اطاعت شعار اقوام کی نجات اور فلاح کا راز بتائی گئی ہو اور نافرمان اقوام کی تباہی' بربادی اور ہلاکت ذکر کی گئی ہو۔ کہ ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔

دینی امور کی تین قسمیں ہیں

(۱۷۲/۴۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْاَمْرُ ثَلَاثَۃٌ اَمْرٌ بَیِّنٌ رُشْدُہٗ فَاتَّبِعْہُ وَاَمْرٌ بَیِّنٌ غَیُّہٗ فَاجْتَنِبْہُ وَاَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِیْہِ فَکِلْہُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ . (رواہ احمد)

لیس عند أحمد فی المسند وقد أخرجه الطبرانی فی الکبیر۔ مع بعض التغییر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ دینی امور تین قسم کے ہیں: ① وہ امر جس کی ہدایت واضح ہو اس کی پیروی اور اتباع کرو ② وہ امر جس کی گمراہی ظاہر ہو اس سے اجتناب کرو ③ وہ امر جس میں اختلاف ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرو۔

اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ دینی امور تین قسم کے ہیں:

① وہ امر جس کی مراد ظاہر اور واضح ہو کہ یہ ہدایت کا ذریعہ ہے اور اس پر قرآن کی آیات اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ دلالت کریں۔ جیسے نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' عمرہ وغیرہ فرائض اسلام ایسے امور کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی پیروی کرو۔

② وہ امر جس کی ضلالت اور گمراہی ظاہر اور واضح ہو اور اس پر قرآن کی آیات اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ دلالت کریں۔ جیسے غیر مسلم' یہود' ہنود' نصاریٰ اور مشرکین وغیرہ کی رسومات۔ ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

③ وہ امر جس میں اختلاف ہو۔ یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی حقیقت اور ماہیت میں اختلاف ہو کہ یہ امور متشابہات میں سے ہیں یا غیر متشابہات میں سے ہیں یا اس میں لوگوں کا اپنی طرف سے اختلاف پایا گیا ہو۔ جیسے آیات متشابہات میں اختلاف ہے

یا قیامت کا تعین وغیرہ مور۔ ایسے امور اور اشیاء کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ کہ اپنی طرف سے محض اور خیال کے ساتھ کوئی مراد اور مطلب متعین نہ کرو۔ بلکہ ان جیسے امور کی تعیین کا علم اللہ کے سپرد کردو کہ وہی زیادہ علم والا ہے۔ کیونکہ ان امور میں لوگوں کا اپنی طرف سے اختلاف پایا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اصل حقیقت کا ادراک متعذر ہو گیا ہے۔

الفصل الثالث:

شیطان انسان کے لئے بھیڑیا ہے

(۴۳/۱۷۳)عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَاِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٥/٢٤٣۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے ۔جس طرح بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ اس بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ گئی ہو یا ریوڑ سے دور چلی گئی ہو یا ریوڑ کے کنارے پر ہو اور تم لوگ ضلالت کی گھاٹیوں سے بچو۔ نیز جماعت اور عام لوگوں کو پکڑے رہو۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں شیطان کو بھیڑیے کے ساتھ تشبیہ دی ہے فساد ہلاک کرنے اور تباہی مچانے میں کہ جس طرح بھیڑیا بکریوں کو تباہ اور ہلاک کر دیتا ہے۔ اسی طرح شیطان بھی انسان کے لئے بھیڑیے کی طرح ہے۔ خصوصاً جب بکری ریوڑ سے الگ اور جدا ہو جائے تو اس وقت ہلاکت کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان باطل اور گمراہ جماعتوں کی گھاٹیوں میں گھس جاتا ہے۔ تو شیطان کے لئے اس کو شکار کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے لہٰذا ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اہل حق کے ساتھ رہے۔ اسی جماعت کا ذکر دوسری احادیث میں سواد اعظم کے ساتھ آیا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک موجود ہے۔ جو شخص اہل حق کی جماعت سے الگ ہوگا وہ یقیناً ضلالت اور گمراہی کی گھاٹیوں میں پڑ جائے گا۔

اس حدیث میں بطور تشبیہ کے تین طرح کی بکریوں کا ذکر کیا گیا ہے:

① شاذہ۔ اس بکری کو کہتے ہیں جو غیر مانوس ہو کر دوسرے جانوروں سے الگ ہو جائے۔

② قاصیہ۔ اس بکری کو کہتے ہیں جو گھاس اور پانی کی تلاش میں دور نکل جائے۔

③ ناحیہ۔ اس بکری کو کہتے ہیں جو غفلت اور لاپرواہی سے دوسری بکریوں سے الگ ہو جائے۔

جو جماعت سے الگ ہوا اس نے اسلام کا پٹہ گردن سے اتار دیا

(۴۴/۱۷۴)وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ ۔ (رواہ احمد وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٥/١١٨ حديث رقم ٤٧٥٨ وأحمد في المسند ٥/١٨٠۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوا یعنی ایک گھڑی کے لیے بھی اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام

ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ جو آدمی اہل حق کی جماعت سے ذرہ برابر بھی جدا ہوا یعنی قلیل مقدار میں الگ ہوا یا قلیل زمانہ کے لئے جدا ہوا تو اس نے اسلام کا طوق اور پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا اور یہ اس بات نشانی ہوگی کہ وہ اسلام کی قیودات اور فرائض اسلام کی پابندیوں سے بھی آزاد ہو جائے گا اور اب وہ شریعت مطہرہ کا پابند نہیں رہے گا۔

جس نے کتاب اللہ اور سنت کو لازم پکڑا وہ گمراہ نہیں ہوگا

(۴۵/۱۷۵) وَعَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهِ (رواه في الموطا)

أخرجه مالك في الموطا ٢/ ٨٩٩ ٣ من كتاب القدر۔

ترجمہ: حضرت مالک بن انس ؓ سے مرسلاً روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے اور وہ ہے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ یہ حدیث مرسل ہے۔ یہاں مرسل بمعنی منقطع کے ہے۔ کیونکہ امام مالک تبع تابعی ہیں لہٰذا یہاں تابعی اور صحابی دونوں متروک ہیں۔ ایسی حدیث امام ابوحنیفہؒ 'امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر ثقہ راویوں پر مشتمل ہو تو مقبول ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر دیگر صحیح احادیث سے اس کی تائید ہو جائے تو مقبول ہے ورنہ نہیں۔

اور اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک انسان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عامل رہے گا۔ تو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے ہدایت پر قائم رہنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ کتاب اللہ اور میری سنت کو لازم پکڑو۔ اس سے انسان گمراہی سے بچا رہے گا۔

بدعت کی نحوست

(۴۶/۱۷۶) وَعَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٤/ ١٠٥۔

ترجمہ: حضرت غضیف بن حارث ثمالیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم دین میں نئی بات یعنی بدعت ایجاد کرتی ہے۔ جو کہ سنت کے مقابل ہو۔ تو اس کے مثل ایک سنت اٹھالی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت ایجاد کرنے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں بدعت کی نحوست کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ بدعت سنت کی ضد اور نقیض ہے۔ جب بدعت آئے گی تو سنت اٹھ جائے گی۔ کیونکہ دونوں کا اجتماع ناممکن ہے ورنہ اجتماع ضدین لازم آئے گا اور ادنیٰ درجہ کی سنت پر بھی عمل کرنا بدعت ایجاد کرنے کے مقابلے میں بدرجہا بہتر ہے اگرچہ وہ بدعت حسنہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اگر سنت انسان کے عمل اور زندگی میں آئے گی تو اس سے روح میں جلاء اور تازگی پیدا ہوگی۔ اس سے انسان کے دل اور دماغ میں بھی نور اور جلاء کی کیفیت پیدا ہوگی اور بدعت کا نتیجہ بالکل اس

کے برعکس ہے۔ کہ بدعت ظلمت اور تاریکی کا سبب ہے۔ جیسے بیت الخلاء میں سنت طریقہ کے مطابق داخل ہونا مسافر خانے وغیرہ قائم کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ اگر کوئی انسان آداب کی رعایت کرتے ہوئے بیت الخلاء میں داخل ہوگا تو متبع سنت ہوگا اور مسافر خانے اور خانقاہیں بنانا براہ راست سنت نہیں بلکہ بدعت حسنہ کے زمرے میں ہیں۔ اسکے باوجود اس سنت پر عمل کرنے والا اتنے بڑے بڑے کام کرنے والے کے مقابلے میں افضل اور بہتر ہوگا۔ کیونکہ سنت کی پیروی کرنے والا مقام عروج کی طرف ترقی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے منازل طے کرنے کی طرف گامزن ہوتا ہے اور سنت کو ترک کر کے بدعت پر عمل کرنے والا بلندی سے پستی کی طرف گر جاتا ہے اسکا ثمرہ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ اور افضل امور کا تارک بن جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بدعت پر اصرار کے ساتھ عمل کرتے کرتے قساوت قلبی کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور اسی کو شریعت میں بزبان قرآن ران اور طبع اور ختم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ جمال الدین فرماتے ہیں کہ اس کی حکمت اور فلسفہ یہ ہے کہ جس انسان نے آداب سنت کی رعایت رکھی مثلاً اس کا بیت الخلاء میں جانا اور خارج ہونا جب سنت طریقہ کے مطابق ہوگا۔ تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کو اس سے اعلیٰ اور بڑی سنت پر عمل کی توفیق مرحمت کر دیتا ہے اور اس ارتقائی صورت حال سے دن بدن اس کو ترقی حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی منزل مراد کو حاصل کر کے مقربین میں سے ہو جاتا ہے اور جو آدمی کسی ادنی سنت کو بھی اگر ترک کر دیتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ اور افضل چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے اس کے دل و دماغ میں ظلمت اور تاریکی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں بلندی، عروج اور رفعتوں سے تنزل کر کے پستی میں گر جاتا ہے۔ بالآخر دل کے زنگ آلود ہونے کی وجہ سے مقام رین، طبع اور ختم علی القلب تک جا پہنچتا ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے اس مقام پر بڑی خوبصورت اور اچھی بات ارشاد فرمائی کہ کیا تم اس بات پر غور و فکر نہیں کرتے ہو کہ سستی، غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے سنت رسول ﷺ کو چھوڑ دینا ملامت، عتاب، توبیخ اور زجر کا سبب ہے اور سنت رسول کی قدر اور اہمیت نہ سمجھ کر اس پر عمل کو چھوڑ دینا معصیت، فسق و فجور اور عذاب الٰہی کا سبب ہے اور سنت کا انکار بدعت کو مستلزم ہے اور اگر انسان ہر قسم کی بدعت کو چھوڑ دے تو وہ معصیت اور عذاب خداوندی سے محفوظ ہو جائے گا اور یہ بہت بڑی نعمت اور کامیابی ہے الغرض سنت کو ترک کرنا بے شمار فساد، نقصان اور خسارہ کو مستلزم ہے اس سے معلوم ہوا کہ سنت کو اپنانا اگرچہ ادنی درجہ کی سنت کیوں نہ ہو اور بدعت اس کے مقابلے میں بظاہر حسنہ ہی کیوں نہ ہو۔ اعلیٰ، افضل فلاح اور سعادت مندی کا ذریعہ ہے اس لیے اس حدیث میں بتایا گیا کہ سنت کو مضبوطی سے اختیار کر لینا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ اگر چہ وہ سنت ادنی سے ادنی ہی کیوں نہ ہو۔

جب بدعت سے سنت اُٹھ جاتی ہے تو قیامت تک لوٹتی نہیں

(۱۷۷/۴۷) وَعَنْ حَسَّانَ قَالَ: مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِيْ دِيْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا اِلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمی ۱/ ۵۸ حدیث رقم ۹۸۔

ترجمہ: حضرت حسانؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم اپنے دین میں بدعت ایجاد کر لیتی ہے۔ یعنی ایسی بدعت سیئہ جو سنت کے خلاف ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی سنت میں سے اس کے مثل سنت دنیا سے اٹھا لیتا ہے اور پھر وہ سنت قیامت تک اس کی طرف واپس نہیں کی جاتی۔ اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ بدعت پر عمل کرنے سے اس کے مثل سنت کا ارتفاع ہو جاتا ہے اور پھر قیامت تک اس کا

اعادہ نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت اپنی جگہ برقرار تھی اور اس نے درخت کی طرح جڑیں پکڑ لی تھیں جب اس کو اکھاڑ کر زائل کر دیا گیا تو وہ دوبارہ اس شکل میں قائم نہیں رہ سکتی۔ جس طرح درخت کو اگر اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ تو دوبارہ مضبوطی سے قائم نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح سنت مٹنے کے بعد اپنی حالت پر قائم نہیں رہ سکتی۔ الغرض بطور سزا کے ناقدری کی وجہ سے سنت اٹھالی جاتی ہے پھر بدعتی کو ہمیشہ کے لئے اس نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

بدعتی کی تعظیم درست نہیں

(۱۷۸/۴۸) وَعَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ (رواه البيهقي في شعب الايمان مرسلا)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ٧/ ٦١ حديث رقم ٩٤٦٤۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن میسرہؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے بدعتی کی تعظیم اور عزت کی اس نے اسلام کے ستون کو گرانے میں اس کی اعانت اور مدد کی۔ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے مرسل طریق سے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ بدعتی کی تعظیم اور عزت واحترام کرنا اسلام کے ستون کو گرانے میں اس کی مدد ہے۔ کیونکہ بدعتی کی تعظیم اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کے مقابلے میں سنت کی عزت اور احترام کا کوئی تصور اور خیال نہیں اور یہ اقدام سنت کی تحقیر کو مستلزم ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ سنت کی تحقیر اسلام کو گرانے کے مترادف ہے اور یہی حال ہے اہل حق اور اہل اسلام کی تحقیر کا کہ اگر کوئی شومیٔ قسمت کا مارا ہوا کسی صحیح مسلمان کی تحقیر کرتا ہے جو کہ متبع سنت ہو اور فرائض اسلام کو پابندی سے ادا کرتا ہو۔ تو وہ دین اسلام کی عمارت کو گرانے کی اور نقصان پہنچانے کی کوشش اور محنت کرتا ہے اور اگر کوئی بدعت کی تحقیر اور تذلیل کرتا ہے۔ تو یہ اقدام سنت رسول سے محبت کو مستلزم ہے اور یہ دین اسلام کی عمارت کو مضبوط کرنا ہے۔ ایسا انسان یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر اور ثواب کا مستحق ہوگا۔

کتاب اللہ کی اتباع کرنے والا دنیا' آخرت میں کامیاب ہے

(۱۷۹/۴۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَافِيْهِ هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَ وَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنِ اقْتَدٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ لَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى فِي الْاٰخِرَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (رواه رزين)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس انسان نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا اور پھر اس چیز کی اتباع کی جو اس کتاب میں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ضلالت سے ہٹا کر ہدایت کے راستہ پر لگائے گا۔ یعنی اس کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے گا اور گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن اس کو برے حساب سے بچائے گا۔ یعنی اس کی گرفت نہیں ہوگی اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جس آدمی نے کتاب اللہ کی پیروی کی نہ تو دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا یعنی آخرت میں اس کو عذاب نہیں ہوگا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت کی۔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔ کہ جس شخص نے میری ہدایت یعنی قرآن کی اتباع کی نہ تو وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں ناکام و بدبخت ہوگا۔ اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں قرآن کریم کی فضیلت اور عظمت کو بیان کیا گیا ہے کہ جس انسان نے قرآن کو سیکھا اور اس میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں ان پر عمل کیا۔ تو وہ انسان دنیا اور آخرت میں کامیاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو پڑھنا سعادت مندی کی بات ہے اور اس پر عمل کرنا نجات ہے جو آدمی قرآن کو سیکھ کر فہم قرآن کی شرائط کے مطابق قرآنی علوم اور معارف کو حاصل کرے اور قرآنی احکام اور ہدایت پر عمل کرے اور قرآن کے بتائے ہوئے صراط مستقیم کے مطابق زندگی گزارے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و برکت اور سعادت مندی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہے دنیا کی کامیابی تو یہ ہے کہ وہ قرآن کریم سے ہدایت حاصل کر کے ہدایت یافتہ کہلائے گا اور اتباع اور اطاعت کی زندگی گزارے گا۔ فسق و فجور اور معصیت سے بچتا رہے گا اور آخرت کی کامیابی یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اور نعمت سے نوازا جائے گا۔ حساب کتاب میں آسانی ہوگی عذاب سے حفاظت ہوگی یہی مطلب ہے اس آیت کا: أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

ہر مؤمن کے دل پر ایک فرشتہ ہوتا ہے جو خیر کی راہنمائی کرتا ہے

(۱۸۰/۵۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَ عَنْ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ اِسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعَوَّجُوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَدْعُوْ كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ يَفْتَحَ شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ : وَيْحَكَ لَاتَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمَّ فَسَّرَهٗ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ رواه رزين واحمد والبيهقى فى شعب الايمان عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَكَذَا الترمذى عَنْهُ اِلَّا اَنَّهٗ ذَكَرَ اَخْصَرَ مِنْهُ.....

أخرجه أحمد فی المسند ٤ /۱۸۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ ایک سیدھا راستہ ہے اور اس راستہ کے دونوں طرف دیواریں ہیں اور ان دیواروں میں دروازے کھلے ہوئے ہیں اور ان دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں اور اس راستہ کے کنارہ پر ایک داعی کھڑا ہے جو پکار پکار کہتا ہے۔ سیدھے راستہ پر چلو غلط راستہ پر نہ چلو اور اس پکارنے والے کے اوپر ایک اور پکارنے والا ہے۔ جب کوئی انسان ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔ تو وہ دوسرا داعی پکار کر کہتا ہے۔ تجھ پر افسوس اس کو نہ کھول۔ اگر تو اس دروازہ کو کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا اور وہاں سخت تکلیف اُٹھائے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے۔ جس پر چل کر انسان جنت میں پہنچتا ہے اور ابواب مفتوحہ سے مراد وہ چیزیں ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ جن پر عمل کرنا تکمیل ایمان کے خلاف ہے اور دروازوں پر لٹکے ہوئے پردوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ حدود ہیں اور راستے کے سرے پر داعی سے مراد قرآن کریم ہے اور دوسرے داعی سے مراد جو پہلے داعی کے آگے کھڑا ہونے والا ہے۔ وہ ایک فرشتہ ہے جو ہر مؤمن کے دل پر ہے اور اس کو نصیحت کرتا ہے۔ اس حدیث کو رزین اور امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے اس روایت

کو شعب الایمان میں حضرت نواس بن سمعان سے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے بھی انہی سے نقل کیا ہے مگر امام ترمذی نے الفاظ مختصر ذکر کیے ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ انسان کا ایک خفیہ اور پوشیدہ دشمن ہے۔ جس کو ابلیس کہا جاتا ہے جو ہر وقت اس انتظار میں رہتا ہے کہ کس وقت انسان ذرہ برابر اہل حق کی جماعت سے منحرف ہو فوراً اس پر حملہ آور ہو کر اپنا جال ڈال دے اور اس کو ضلالت کے پھندے میں لے آئے اللہ تعالیٰ اس خفیہ دشمن سے حفاظت کے لئے دل پر پہرہ دار فرشتہ کی صورت میں مقرر کر دیتا ہے جو انسان کو خیر کا الہام کرتا رہتا ہے۔ احکام شرعیہ کی عمومی طور پر دو قسمیں ہیں۔ حلال اور حرام اور ان کو شریعت مطہرہ نے اچھی طرح وضاحت سے بیان کر دیا ہے حلال اشیاء کو بھی علی الاعلان بتا دیا گیا ہے اور حرام اشیاء کو بھی تصریحات کے ساتھ بتا دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جو انسان حلال کمائے اور حلال کھائے اور حلال استعمال کرے وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کا مستحق ہوگا اور جو آدمی حرام کمائے، حرام کھائے اور حرام استعمال کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی سزا اور ناراضگی کا مستحق ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے انسان اور حرام کردہ اشیاء کے درمیان اپنے احکام سے حدود قائم کر دی ہیں تا کہ انسان ان حدود سے تجاوز نہ کرے اور اسی چیز کو مذکورہ حدیث میں ایک مثال سے واضح کر دیا گیا ہے اور اس مثال میں دروازے اور پردوں سے مراد حرام کردہ اشیاء ہیں اور ان کی حدود ہیں اور اسی طرح مذکورہ مثال میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہر مؤمن کے دل پر ایک فرشتہ ہے جو انسان مؤمن کے دل کا محافظ ہوتا ہے اور امور خیر کی تلقین اور الہام کرتا رہتا ہے اور اسی کو اللہ کی توفیق اور تائید کہا جاتا ہے اور کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید کے بغیر راہ راست پر نہیں لگ سکتا اور اس مثال میں قرآن کو ہادی کہا گیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ قرآن سے ہدایت تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ اللہ کی توفیق شامل حال ہو۔ قرآن کریم یقیناً صراط مستقیم بتاتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی تلقین کرتا ہے مگر ہدایت تب ہی ہو سکتی ہے جب اللہ کی توفیق اور تائید ہو۔ ورنہ ناممکن ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کرو

(۵۱/۱۸۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ : مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْمَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَاتُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثَارِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ ۔ (رواہ رزین)

البیهقی فی شعب الایمان ٥/٤٤٥ حدیث رقم ٧٢١٦۔ والترمذی مختصرا ٥/١٣٣ حدیث رقم ٢٨٥٩۔ وقال حدیث غریب۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو انسان کسی طریقہ کی اتباع کرنا چاہتا ہے، تو اس کو چاہئے کہ وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو فوت ہو گئے ہیں، کیونکہ زندہ آدمی دین میں فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا اور وہ لوگ جو فوت ہو گئے ہیں اور جن کی اتباع کرنی چاہئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں جو اس امت کے بہترین لوگ ہیں اور دلوں کے اعتبار سے انتہاء درجہ کے نیک لوگ ہیں اور علم کے اعتبار سے انتہائی کامل درجہ کے لوگ ہیں اور بہت تھوڑا تکلف کرنے والے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ لہٰذا تم لوگ ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی اتباع کرو اور جس قدر ممکن ہو ان کے اخلاق اور عادات کو اپناؤ۔ کیونکہ یہی

لوگ ہدایت اور صراط مستقیم پر تھے۔ اس حدیث کو رزین نے بیان کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں صحابہ کرام کی فضیلت اور منقبت کو بیان کیا گیا ہے اور مختلف وجوہ سے صحابہ کرام کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں فوت شدہ گان سے مراد صحابہ کرام کی پاکیزہ جماعت ہے اور زندوں سے حضرت عبداللہؓ کے زمانہ کے لوگ اور تابعین مراد ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے تابعین کے سامنے یہ بات بطور نصیحت ارشاد فرمائی تھی اور یہ احتمال اور امکان بھی موجود ہے کہ اس زمانہ میں کچھ اہل باطل نے سر اٹھالیا تھا اور ایسے لوگوں نے اپنے خبث باطن کی وجہ سے صحابہ کرام پر طعن و تشنیع، سب وشتم کا آغاز کر دیا تھا۔ جیسے روافض اور ملحدین اس ناپاک مشغلہ میں مشغول ہیں۔ اس لئے حضرت عبداللہؓ ان کی تردید کرتے ہوئے اپنے خطبہ میں نہایت ہی جامع مانع انداز سے صحابہ کرام کا مقام اور ان کا فضل وشرف بیان کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے شہادت دی کہ حضرت صحابہ کرام امت محمدیہ کے بہترین لوگ ہیں اور صلحاء امت ہیں، ان کے دل نور ایمان سے اچھی طرح مزین اور منور ہیں، اخلاق اور للّٰہیت اور استقامت صحابہ کرام کا طرہ امتیاز ہے اور صحابہ کرام اعلیٰ اور کامل درجہ کے مؤمن تھے۔ زہد و تقویٰ اور خوف خدا کے وصف سے متصف تھے۔ یہ وہ مقدس اور پاکیزہ جماعت ہے جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حاضر باش ہونے کا ثبوت دیا اور دعوت و تبلیغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی اور دین کی نشر واشاعت کے لئے جان مال اور وقت کی قربانی دی اور باوجود شدید تکالیف' مصائب اور اذیت کے جبل استقامت کا ثبوت دیا ظلم وستم اور تشدد و بربریت کو برداشت کیا اسلامی تاریخ اس کا واضح باب ہے۔

اسلامی تاریخ کی شہادت: اسلامی تاریخ کے ماہرین اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری' تعاون' رفاقت کا حق ادا کیا جس کی مثال مشکل ہے دعوت وارشاد اور دین کی اشاعت میں باوجود مصائب کے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے گزار دیا۔ اللہ کی توفیق سے ان کے دل منور اور صاف کر دیئے گئے تھے اور تکالیف کے پہاڑ اس لیے ٹوٹے تاکہ ان کا امتحان لیا جائے اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کر دیا جائے۔ کہ جس عظیم اعلیٰ اور ارفع مشن کے لئے ان کو منتخب کیا جا رہا ہے اور جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمنشینی کے لئے انہیں فائز کیا جا رہا ہے۔ آیا ان کے دل و دماغ اس کے اہل ہیں یا نہیں؟ کیا ان کے قلوب مصائب اور آلام کو برداشت کرنے کے قابل ہیں یا نہیں کیا یہ مصائب اور تکالیف پر صبر اور شکر کرتے ہیں یا کہ جزع فزع اور کفران کرتے ہیں اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ وہ امتحان اور آزمائش کے ہر موڑ اور مرحلہ پر کامیاب وکامران ثابت ہوئے اور امتحان میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کی۔ جب صبر اور رضا کا امتحان لیا گیا تو صابر اور شاکر ثابت ہوئے ان کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ اپنے مشن میں پوری استقامت کے ساتھ یقین اور اعتماد کے ساتھ ثابت قدم رہے اور قائم دائم رہے۔

قرآن کی شہادت: حضرت صحابہ کرام کے اخلاص وللّٰہیت اور ایمان کی مضبوطی کی شہادت' قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی۔ کہ صحابہ کرام کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور ایمان کے لئے صاف اور ستھرا کر دیا ہے اگر علم اور فضیلت کے معیار پر ان کو پرکھا جائے تو یقیناً بغیر کسی مبالغہ کے یہ نتیجہ اخذ ہوگا کہ ہر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم علم، فضل، معرفت فہم و ذکاء غور وخوض فراست اور عقل وتدبر میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے جن سے مخلوق خدا نے استفادہ کرتے ہوئے تعلیم وتربیت' تہذیب وتمدن' شرافت صداقت' امانت' عدالت اور سخاوت جیسے منازل کو حاصل کیا کوئی علم قراءت اور تجوید میں یکتا ہے۔ کوئی تفسیر میں یکتا ہے کوئی فقہ میں یکتا ہے کوئی میراث میں یکتا ہے کوئی تصوف اور زہد میں یکتا ہے الغرض ہر فرد اپنے مقام اور حیثیت میں کامل اکمل اور منفرد ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے شرف اور برکت کی تاثیر تھی اور یہ بھی حاشیہ ذہن میں رہے کہ صرف مرد ہی نہیں۔ بلکہ صحابیات اور خواتین

اسلام جن کو آپ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ بھی اپنی جگہ علم وحکمت' معرفت عقل ودانش کا مینارۂ نور اور ماہ وآفتاب تھیں یہاں تک کہ بعض صحابیات کو یہ مقام اور رتبہ حاصل تھا۔ کہ بڑے بڑے صحابہ کرام بھی ایسی خواتین سے علمی استفادہ کرتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے تکلفی: صحابہ کرام کی اس شان وشوکت' رفعت وعظمت' امانت' صداقت' شرافت' عقل مندی' دانشمندی اور سعادت مندی کے باوجود ان نفوس قدسیہ کی بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ عملی میدان میں مال ودولت اقتدار وسیادت' جاہ ومنصب کے باوجود نہ انہیں برہنہ پاؤں چلنے میں کوئی عار تھی اور نہ ہی زمین پر نماز پڑھنے' بیٹھنے اور سونے میں کوئی شرم محسوس ہوتی تھی۔ طبیعت اور مزاج کے سادہ تھے۔ مٹی اور لکڑی اور کدو وغیرہ کے برتن استعمال کرنے میں کوئی تصنع اور تکلف نہیں تھا۔ کھانے پینے کی اشیاء کے اعتبار سے سادہ مزاج تھے ایک دوسرے کا سؤر یعنی باقی ماندہ کھانا اور پینا استعمال کرنا معیوب نہ سمجھتے تھے کلام اور گفتگو انتہائی ادب کے ساتھ ہوتی تھی اپنے ذاتی معاملات اور کلام وغیرہ میں کبھی تہذیب وتمدن' شرافت اور خیر کا دامن نہیں چھوڑا ضروری گفتگو' فضول کلام اور لایعنی بحث ومباحثہ سے انتہاء درجہ کے اجتناب اور احتراز کرنے والے تھے صرف با مقصد اور بقدر ضرورت گفتگو پر انحصار رہتا تھا۔ صداقت اور صاف گوئی ان کا شعار تھا۔ اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور معلوم ہوتا تو فوراً بغیر کسی تکلف کے بتاتے تھے اور اگر معلوم نہ ہوتا تو صاف کہتے کہ ہمیں یہ مسئلہ معلوم نہیں کسی اور سے معلوم کرلیں ہمارے موجودہ دور کی طرح نام نہاد پرست شہرت کے بھوکے خطیبوں' کذب اور دھوکہ کے مرتکب لچھے دار مقررین کی طرح نہیں تھے کہ غلط مسئلہ بتاؤ سستی شہرت کو حاصل کرو اور حضرات صحابہ کرام علم اور رشد وہدایت کے اس قدر طالب اور حریص تھے کہ اپنے سے کم مرتبہ اور چھوٹے سے بھی علم وحکمت کے جواہر بارے حاصل کرلیتے تھے اس میں اپنی توہین اور ذلت نہ سمجھتے تھے ان کی زندگی میں کسی قسم کا تکلف تصنع اور بناوٹ نہ تھی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید کی تلاوت بھی بغیر کسی تکلف کے خالص عربی طرز اور لہجہ میں کرتے تھے اور تجوید وقراءت اور ترتیل اور مخارج کی پوری رعایت ہوتی تھی جیسے آج کل کے قاری انتہائی تکلف اور تصنع کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں بعض تو راگ لگا کر گانے کے انداز میں لے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طہارت باطنی: جس طرح صحابہ کرام کا ظاہر وقار اور سکینت سے آراستہ اور مزین تھا۔ اس سے کہیں بڑھ کر ان کے باطنی طہارت کی کیفیت تھی صحابہ کرام کو چونکہ بلاواسطہ رسول اللہ ﷺ کا قرب اور صحبت حاصل تھی اس کی وجہ سے ان کا دل انتہائی صاف اور منور اور ایمان کی کیفیات سے معمور آباد تھا۔ جس کے نتیجہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل تھی اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد میں مصروف رہتے تھے اور ان کی افکار عالیہ معرفت کے عروج پر تھے آج کے دور کے جاہل اور نام نہاد پیروں اور صوفیوں کی طرح نہ تھے کہ ریاکاری اور شہرت کے لئے رقص اور وجد میں آجائیں نہ ان کے ہاں شور وغل تھا۔ نہ طبلہ باجے اور سارنگی تھی اور نہ ہی سماع اور قوالی کی مجالس کا اہتمام ہوتا تھا۔

جیسے آج کل بھنگی' چرسی' مجاور اور بے نماز پیر مزارات اور مقابر پر کرتے ہیں۔

حضرات صحابہ کرام انتہائی سادگی سے' دینی اور علمی محافل میں شرکت کرتے' خاموشی اور اطمینان سے مساجد میں عبادات کو بجالاتے۔ ہمہ وقت یاد الٰہی سے زبان کو تر رکھتے تھے۔ ذکر کی اجتماعی مجالس منعقد کرنے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ مقام اور مرتبہ تھا کہ دیکھنے میں ان کے اجسام کرہ ارضی کے فرش پر نظر آتے تھے مگر حقیقت میں ان کے قلوب عرش سے معلق رہتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی معاشرت: صحابہ کرام کی معاشرت بھی ہر طرح کے تکلف سے مکمل طور پر خالی تھی۔ جو مل جاتا وہی کھا لیتے اور جو میسر ہوتا وہی پی لیتے تھے۔ جس طرح کا کپڑا اور لباس میسر ہوتا اسی کو بطیب خاطر استعمال کرلیتے تھے۔ ایسا نہیں کہ اپنے صوفیانہ مزاج کے رعب کو جمانے کے لئے' صوفیانہ لباس اور خرقہ پوش علیحدہ ہو۔ ہاں البتہ' کھانے' کھلانے' پینے' پلانے' پہننے اور پہنانے

میں حلال کا اہتمام ضروری کرتے تھے اور لذیذ نعمتیں میسر ہوتیں جیسے گوشت' دودھ' گھی پنیر اور فروٹ وغیرہ انتہائی ذوق اور شوق سے استعمال کرتے اور اگر کسی وقت گھٹیا قسم کی خوراک میسر ہوتی کوئی دال' ساگ' روکھا' سوکھا مل جاتا تو اس کو بھی انتہائی صبر وشکر کے ساتھ استعمال کر لیتے تھے الغرض عبادات ہوں یا معاملات ہوں یا اخلاق وعادات ہوں۔ تہذیب وتمدن' معیشت اور معاشرت غرضیکہ زندگی کے ہر موڑ اور مرحلے میں اخلاص للّٰہیت اور عمدہ نیت بے تکلفی اور سادگی سے روشناس تھے اور ان نفوس قدسیہ نے اپنے طرز زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھال رکھا تھا۔ جو خالص اسلامی' شرعی اخلاقی اور دینی تھا۔ یہ سب ذات نبوت کی رفاقت اور صحبت کا اثر اور برکات تھیں اور آپ کی تعلیم وتربیت کی کرشمہ سازی کا نتیجہ تھا جیسے ارشاد فرمایا۔ ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔ کہ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور ادب کے آخری مقام اور کمال تک پہنچایا۔ اس زریں اصول اور ضابطہ کے مطابق ادب' اخلاق عالیہ' تہذیب شرافت وصداقت وامانت کے تمام جواہرات ازل ہی سے ذات مقدسہ میں راسخ تھے اور پیوست تھے۔ کہ دیکھو دنیا میں جو قوم سب سے بڑھ کر غیر مہذب اور طنز یافتہ تھی۔ وہ اس تعلیم وتربیت اور اصلاح کے بعد اس مقام اور درجہ تک پہنچا دیا جہاں دنیا کی مہذب' ترقی یافتہ' صدق وامانت کے پیکر بن گئے۔ بلکہ بلا مبالغہ دوسری کی اقوام دنیا نے ان کے نقش قدم پر چل کر اور ان کا طرز حیات اپنا کر تہذیب وتمدن کی انتہائی بلندیوں کو حاصل کیا اور باعزت اور غیرت مند' جرأت مند شمار ہونے لگے اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے انسانوں کو یہی ہدایت اور نصیحت فرمائی کہ اگر تم صراط مستقیم اور سیدھا راستہ چاہتے ہو کامیابی اور کامرانی کی منزل کے طالب ہو۔ اللہ کی معرفت اور محبت رسول ﷺ کے خواہش مند ہو۔ تو پھر تمہارے لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام کا طرز زندگی اختیار کرو۔ اس لیے کہ ان کے اخلاق' اطوار' اسوہ' طرزِ حیات' عبادات معاملات' کامیابی اور ترقی کی ضمانت ہیں۔

اور اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو صحابی اس دار فانی سے رخصت ہو گئے اور انتقال کر گئے ہیں ان کی اتباع اور اطاعت کرنی چاہئے اور یہ یاد رہے کہ یہ قید احترازی نہیں ہے۔ بلکہ قید اتفاقی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی اتباع اور اطاعت کرنی ہے چاہے وہ بوقت مذکورہ ارشاد زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں اور مرنے کی قید اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ اس وقت اکثر صحابہ کرام اس دنیا سے رحلت کر چکے تھے۔ اس حدیث سے صحابہ کرام کی عظمت اور فضیلت کا اثبات ہے چونکہ صحابہ کرام سب انسانوں اور جملہ مخلوق سے اعلیٰ اور افضل تھے۔ کیونکہ ان میں حق وصداقت کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت اچھی طرح موجود تھی۔ جب بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی حکم ہوا تو فوراً سر تسلیم خم ہو گئے اور صحابہ کرام کی جماعت رسول ﷺ کی نصرت اور حمایت کے لئے اور آپ ﷺ سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے لئے اور آپ کی اطاعت اور وفا شعاری کے لئے منتخب من اللہ تھی اور اس جماعت کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے منتخب من اللہ ہونے کی اور ان کے برگزیدہ ہونے کی شہادت اس طرح دی ہے۔

والزمھم کلمۃ التقوی و کانوا احق بھا واھلھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی جماعت کو تقویٰ کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے مستحق اور اہل تھے۔ بعض آثار میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دلوں پر نظر کی۔ تو رسول اللہ ﷺ کا قلب اطہر سب سے زیادہ منور اور روشن تھا۔ چنانچہ نبوت کو اس میں رکھ دیا اور صحابہ کرام کے دل بھی بہت روشن اور منور تھے اور حق کو قبول کرنے کی اہلیت رکھتے تھے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت اور اطاعت واتباع کے لئے منتخب کیا۔ آج کے دور میں اگر کوئی شاگرد اپنے استاد کی اطاعت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کر کے مقام عالی پر فائز ہو جاتا ہے اور ایک مرید اپنے پیر اور شیخ کی اطاعت اور پیروی کر کے اس کے مقربین میں سے ہو جاتا ہے اور اعلیٰ وارفع مقام حاصل کر لیتا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام اپنی تمام زندگی جان مال اور اولاد

اللہ کے رسول ﷺ کے لئے قربان کریں اور آپ ﷺ کی محبت میں بال برابر حکم عدولی نہ کریں۔

اور معصیت کا شائبہ بھی نہ ہو اور وہ کمال کو حاصل نہ کر سکیں۔تمام صحابہ کرام عادل تھے صداقت' امانت' شرافت اور فضیلت وعظمت کے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز تھے۔

اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو شریعتِ محمدیہ کی اتباع کرتے

(۵۲/۱۸۲) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرٰاةِ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ نُسْخَةٌ مِّنَ التَّوْرٰاةِ فَسَکَتَ فَجَعَلَ یَقْرَأُ وَوَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَتَغَیَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ مَاتَرٰی مَابِوَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ بَدَالَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ حَیًّا وَاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمي ١/ ١٢٦ حديث رقم ٤٣٥۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بن خطاب رسول اللہ ﷺ کے پاس تورات کا ایک نسخہ لائے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ تورات کا نسخہ ہے۔رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر خاموش رہے۔پھر حضرت عمرؓ نے تورات کو پڑھنا شروع کر دیا اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کا چہرہ غصہ سے متغیر ہونے لگا۔یہ تغیر دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا۔اے عمرؓ گم کرنے والیاں تمہیں گم کریں۔کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کے تغیر کو نہیں دیکھتے۔پھر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کی طرف آنکھ اٹھائی اور غصہ کے آثار کو دیکھ کر فرمایا۔کہ میں اللہ کے غضب اور اللہ کے رسول ﷺ کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان ظاہر ہو جاتے تو تم ان کی اتباع کرنے لگ جاتے اور مجھے چھوڑ دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں تم صراط مستقیم سے بھٹک کر گمراہ ہو جاتے۔حالانکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پا لیتے تو وہ بھی یقیناً میری ہی اتباع کرتے اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں ثکلتك الثواکل کا جملہ دعائیہ ہے اور یہ مشتق ہے ثکل۔سے اس کا معنی ہے گم کرنا۔ثواکل' ثاکلة کی جمع ہے اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بچہ گم ہو جائے یا ہلاک ہو جائے یہ محاورہ اہل عرب کے ہاں عام گفتگو میں استعمال کیا جاتا ہے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم کے حریص تھے۔اسی حرص کی وجہ سے کبھی کبھی یہودیوں کے پاس چلے جاتے تھے۔پہلے اچھی باتیں سننے کی اجازت طلب کی تھی۔آپ اس کے بعد کچھ اچھی باتیں سنانے کا خیال دل میں آیا اور یہ خیال نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس قدر غصہ آئے گا۔تب حضرت ابوبکر صدیق نے مذکورہ محاورہ استعمال کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی اور اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر یہود ونصاریٰ اور دیگر حکماء اور فلاسفہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ناسخ اور منسوخ کا مسئلہ

(۱۸۳/۵۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ كَلَامِيْ لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللّٰهِ وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ بَعْضُهُ بَعْضًا. (رواہ الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني في سننه ٤/ ١٤٥ "النوادر" حديث رقم ٩۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا کلام کتاب اللہ کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے اور کلام اللہ کا بعض' بعض حصہ کو منسوخ کر دیتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں ناسخ اور منسوخ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے نسخ کا لغوی معنی ہے مٹانا' نقل کرنا اور تبدیل کرنا جیسے اہل عرب کا محاورہ ہے نسخت الريح القوم۔ کہ ہوا نے لوگوں کے پاؤں کے نشانات مٹا دیئے نسخ الكتاب الى الكتاب ۔ کہ کتاب کو دوسری طرف منتقل کر دیا اور شریعت کی اصطلاح میں نسخ کی تعریف یہ ہے کہ ایک شرعی حکم کو ختم کر دینا یا ایک حکم کی جگہ دوسرے حکم کو نافذ اور جاری کر دینا اول کو منسوخ اور ثانی کو ناسخ کہتے ہیں اور نسخ کی چار صورتیں ہیں:

① کلام اللہ کا نسخ کلام اللہ کے ساتھ۔ ② کلام الرسول کا نسخ کلام الرسول کے ساتھ۔

③ کلام اللہ کا نسخ کلام الرسول کے ساتھ ④ کلام الرسول کا نسخ کلام اللہ کے ساتھ۔

تفصیل اجمال: اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل کیا گیا اور بعد میں کسی خاص حکمت اور علت کی وجہ سے کتاب اللہ میں دوسرا حکم نازل کیا گیا۔ اب اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ منسوخ الحکم مع بقاء التلاوت ہو یعنی حکم ختم ہو جائے اور تلاوت باقی رہے دوسری یہ کہ منسوخ الحکم اور منسوخ التلاوت ہو یعنی حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوں اور اسی طرح نسخ کی دوسری صورت یہ ہے کہ حدیث کے کسی حکم کو حدیث سے منسوخ کر دیا جائے تیسری صورت اور احتمال یہ ہے کہ کتاب اللہ کے کسی حکم کو حدیث رسول ﷺ کے ساتھ منسوخ کر دیا جائے اس پر بظاہر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ کلام اللہ کا نسخ کلام الرسول سے کیسے درست ہو گا۔ کیونکہ رسول انسان ہے اور انسان کے کلام سے اللہ تعالیٰ کے کلام کا نسخ کیسے ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کلام الرسول بھی حقیقت میں من جانب اللہ وحی ہوتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ کتاب اللہ وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے اور کلام اللہ سے' کلام اللہ کا نسخ جائز ہے لیکن اس تقریر پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر مذکورہ حدیث میں کلامی کا کیا مطلب ہو گا۔ کہ میرا کلام کتاب اللہ کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ اس سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حدیث وحی نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ كلامي ينسخ كلام الله میں کلامی سے مراد وہ کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے اور اجتہاد ہو۔ یا صورت مذکور خود منسوخ ہے۔

چوتھی صورت اور احتمال یہ ہے کہ کلام الرسول کو کتاب اللہ سے منسوخ کر دیا جائے اور کسی حکم کے منسوخ ہونے کی عموماً دو وجہ ہوتی ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ قانون ساز سے قانون بناتے وقت کوئی غلطی یا غفلت اور سہو ہو جائے اور اس وجہ سے قانون کو تبدیل کر دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ وجہ کلام اللہ میں صریح البطلان اور محال ہے کیونکہ اللہ کی ذات' علیم' خبیر' حکیم اور بصیر ہے اللہ تعالیٰ جو بھی قانون بنائے گا وہ سو فیصد صحیح اور کامل ہو گا اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے احکام میں بھی یہ چیز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جن احکام کا تعلق دین سے ہوتا ہے وہ براہ راست من جانب اللہ نازل کردہ ہوتے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بزبان رسول نافذ العمل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے بعینہٖ اسی طرح رسول کی طرف سے نافذ شدہ احکام پر بھی عمل کرنا ضروری اور لازمی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مذکورہ وجہ سے حدیث رسول ﷺ کے احکام میں بھی نسخ ہو سکتا۔

دوسری وجہ نسخ اور تبدیلی کی یہ ہوتی ہے کہ محکوم کی حالت بدلنے سے حکم میں تبدیلی کر دی گئی ہے جیسے کسی مریض کی حالت بدلنے سے

دوائی اور نسخہ بدل جاتا ہے اس طرح کا نسخ جائز ہے اس میں کوئی اشکال اور عقلی استبعاد نہیں ہوسکتا۔ قرآن اور حدیث میں نسخ کی یہی صورت ہوسکتی ہے اس میں کوئی کلام نہیں۔

حدیث کا حدیث سے نسخ جائز ہے

(۱۸۴/۵۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَحَادِيْثَنَا يَنْسَخُ بَعْضُهَا بَعْضًا كَنَسْخِ الْقُرْاٰنِ ۔ (رواه الدارقطني)

أخرجه الدارقطني في سننه ٤/١٤٥ "النوادر" حديث رقم ١٠۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہماری بعض احادیث بعض کو اس طرح منسوخ کرتی ہیں جس طرح قرآن کا بعض حصہ بعض کو منسوخ کر دیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حدیث رسول ﷺ سے حدیث رسول ﷺ کو منسوخ کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل بطور تشبیہ کے ذکر کی گئی ہے کہ جس طرح قرآن کا بعض حصہ بعض کو منسوخ کر دیتا ہے۔ اس میں کوئی اشکال اور تردد نہیں۔

فرائض محرمات اور حدود کی رعایت رکھو

(۱۸۵/۵۵) وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا۔ (روى الاحاديث الثلاثة الدارقطني)

أخرجه الدارقطني في سننه ٤/١٨٣ حديث رقم ٤٢ من كتاب الرضاع وأخرج عن الدرداء معناه ٤/٢٩٧۔

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چند فرائض کو مقرر کیا ہے لہٰذا تم ان کو ضائع نہ کرو یعنی ان فرائض یا انکے ارکان اور شرائط کو نہ چھوڑو اور چند چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں انکی حرمت کو نہ توڑو اور چند حدود اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور بعض امور کے بارے میں عمداً خاموشی اختیار کی ہے بغیر بھول جانے کے انکے متعلق بحث نہ کرو۔ ان تینوں حدیثوں کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے چار امور کو ذکر کیا ہے۔ کہ ان کی حفاظت اور رعایت رکھو:

① فرائض: کہ اللہ تعالیٰ نے بعض امور کو تمہارے اوپر فرض کیا ہے ان کی رعایت رکھو ان کو ضائع نہ کرو۔ ضائع نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان فرائض یا ان کے ارکان یا ان کی شرائط کو ترک نہ کرو یا ان میں ریاکاری، شہرت، غرور اور تکبر نہ کرو۔

② محرمات: کہ اللہ تعالیٰ نے بعض امور کو تمہارے اوپر حرام کیا ہے ان کی حرمت کو نہ توڑو یعنی حرام کردہ امور کو نہ کرو۔

③ حدود: کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود مقرر کی ہیں۔ مثلاً قصاص، حدِ زنا، حدِ شراب، حدِ قذف، حد سکر من غیر خمر حد قطع الطریق، ان سے تجاوز نہ کرو۔

④ سکوت: کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ امور اور اشیاء کے بارے میں کسی نسیان اور غفلت کے بغیر سکوت اور خاموشی اختیار کی ہے یعنی ان اشیاء کے فرض، واجب حلال اور حرام ہونے کی وضاحت نہیں کی تم بھی انکے بارے میں اپنی طرف سے فضول بحث مباحثہ نہ کرو۔

كِتَابُ الْعِلْمِ

علم اوراُس کی فضیلت کا بیان

اس مقام پر کتاب العلم کا عنوان قائم کر کے جس علم کی ضرورت اور فضیلت کو بیان کیا گیا ہے احادیث کی روشنی میں اس سے مراد اسلام اور دین کا علم ہے یہ علم از روئے شریعت لازم اور ضروری ہے علم دین دیگر علوم کے مقابلے میں سب سے مقدم اور ضروری ہے جس کو حاصل کرنا سیکھنا اور طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد فرمایا ہے: ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ))۔

کہ علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے اور انسان کو حسن عبادت کی جس معراج پر دیکھنا چاہتا ہے وہ یہی قرآن وسنت کا علم ہے جس سے انسان اپنی حقیقت کو پہچان کر انسان انسان بنتا ہے اور اپنی کھوئی ہوئی حقیقت کو حاصل کر کے انسان کی معرفت کا نور حاصل کرتا ہے اپنے عقائد اور اعمال میں اعتدال اختیار کر کے صراطِ مستقیم پر چلتا ہے اور یہ وہ علم ہے جو انسان کو شرافت اور صداقت کا درجہ بخشتا ہے۔ عزت اور عظمت سے نوازا جاتا ہے اخلاص اور عادات میں حسن اور جمال پیدا کرتا ہے اور انسان کو مقام رفعت عطا کرتا ہے انسان کے دل و دماغ کو معرفت الٰہی کے نور سے منور کرتا ہے خدا پرستی اور اطاعت گزاری کے راستہ پر لگاتا ہے انسان کی ترقی، عظمت، رفعت اور فضیلت کا منیارۂ نور ہے وصف علم انسانی برادری کے لئے تہذیب وتمدن کی استواری کے لئے ضروری ہے علم انسان کو دین اور دنیا کی ترقی عطا کرتا ہے اس علم سے انسان کی قوت فکر یہ صحیح ہوتی ہے اس علم کے نور سے ان علوم اور فنون کا فساد معلوم ہوتا ہے جو انسان کو ضلالت دہریت افراط تفریط اور الحاد کے راستہ کو گامزن کرتے ہوں۔

اقسام علم:

علم کی ابتداءً دو قسمیں ہیں: ① مبادیات کا علم۔ ② مقاصد کا علم۔

مبادیات سے مراد وہ علوم ہیں جو مقاصد کے لئے ذریعہ وسیلہ اور واسطہ ہوں علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم لغت، علم اشتقاق، علم صرف، علم نحو اور علم کلام وغیرہ۔

اور مقاصد سے مراد قرآن وسنت کا علم ہے اور اس کو علم شرعی کہا جاتا ہے پھر علم شرعی کی دو قسمیں ہیں نمبر ا کسبی نمبر ۲ وہبی۔ وہبی ان علوم کو کہا جاتا ہے کہ جن کے حصول میں انسان کے کسب کو اور محنت کو دخل نہ ہو اور علم وہبی کی پھر دو قسمیں ہیں نمبر ا جو بغیر واسطہ کے بذریعہ

وحی کے حاصل ہوں جیسے نبوت اور رسالت کا علم نمبر۲ وہ علم جو کسی کو کمال اتباع نبی کی وجہ سے حاصل ہو جائے جیسے الہام' کشف اور فراست وغیرہ اور کسبی علم وہ ہوتا ہے۔ جو اکتساب سے حاصل ہو۔ یعنی انسان' انسان سے حاصل کرے۔ جیسے قرآن وسنت کا علم اور علم الاحکام وغیرہ اس علم سے مقبول اور غیر مقبول میں امتیاز حاصل ہوتا ہے اگر یہ قبولیت ظاہری سے متعلق ہو تو یہ علم فقہ ہے۔ اگر باطن سے متعلق ہو تو یہ تصوف ہے۔

الفصل الاول:

علم کو عام کرو

(۱/۱۸۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤٩٦/٦حدیث رقم ٣٤٦١۔وأخرجه الترمذی فی السنن ٣٩/٥حدیث رقم٢٦٦٩۔ وأحمد۔ فی المسند ١٥٩/٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے پہنچاؤ اگر چہ ایک ہی آیت اور حکم ہو اور بنی اسرائیل سے جو باتیں سنو ان کو آگے بیان کر سکتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو آدمی قصداً میری طرف جھوٹ کی نسبت کرے اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث میں علم تبلیغ اور نشرواشاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں آیۃ سے مراد یا حکم لیا گیا ہے۔ یا ایک مسئلہ ہے یا اس سے مراد ایسی حدیث ہے جس کے الفاظ تو مختصر ہوں مگر اپنے مضمون کے اعتبار سے جامع ہو۔ اس میں علم وحکمت وعرفان کے خزانے موجود ہوں جیسے ایک حدیث ہے۔ من صمت نجا۔ کہ جو انسان خاموش رہا تو وہ نجات پا گیا یہ حدیث اگر چہ مختصر ہے مگر اپنی افادیت کے اعتبار سے انتہائی جامع ہے یا اسی طرح کی دیگر احادیث اسی لئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں گویا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اگر چہ تم میری کسی مختصر حدیث کو پاؤ جو اپنے الفاظ اور تعداد حروف کے اعتبار سے مختصر ہو۔ اس کو بھی دوسرے لوگوں تک ضرور پہنچاؤ اور اس کی افادیت سے دوسروں کے دل ودماغ کو ضرور متعارف کرو۔

بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کی غرض وغایت یہ ہے کہ اس حدیث میں علم کو پھیلانے اور اس کی دعوت وتبلیغ اور نشرواشاعت کی ترغیب دی گئی ہے کہ جس قدر ممکن ہو علم دین کی تبلیغ کی جائے اور علم کو دوسروں تک پہنچانے کی پوری محنت کی جائے ممکن ہے کہ آپ جس بات کو دوسروں تک پہنچا رہے ہیں اگر چہ وہ مختصر ہے کیا معلوم کہ اسی سے اس کے دین ودنیا کی بھلائی ہو جائے اور وہ ہدایت یافتہ ہو کر اپنی منزل مراد کو حاصل کر لے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس آدمی کو ہدایت مل جائے اور اجر کا مستحق ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ مبلغ کو بھی اجر وثواب اور حسنات سے نوازا جائے گا۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر تم بنی اسرائیل سے کوئی قصہ امثال اور مواعظ میں سے کوئی چیز سنو یا آپ لوگوں کو ان سے کوئی واقعہ معلوم ہو جائے تو تم دوسرے لوگوں سے اس کو بیان کر سکتے ہو۔ مگر ان کے احکام کو آگے منتقل کرنے کی اجازت نہیں جیسے اس سے پہلے حضرت عمرؓ کا واقعہ گزر گیا ہے۔ وہ اسی پر محمول ہے ورنہ احادیث میں تعارض لازم آئے گا اور واقعہ' قصہ' مثال وغیرہ کو نقل کرنے کی اس لئے اجازت ہے کہ اس سے دین میں نقصان اور خرابی لازم نہیں آتی بخلاف ان احکام کے کہ ان کو آگے نقل کرنا دین اور

اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف اور منافی ہے اس لئے کہ شریعت محمدیہ کے آنے کے بعد تمام سابقہ دین اور تمام شرائع من قبلنا منسوخ اور کالعدم ہو چکی ہیں لہٰذا شریعت محمدیہ کو ترک کر کے کسی دوسری شریعت کے احکام کو دوسرں تک نقل کرنے کی اجازت نہیں بلکہ ممانعت ہے۔

اور اس حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر شدید وعید اور تنبیہ اور توبیخ فرمائی ہے کہ آپ کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے اور بہتان لگائے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ جہنم کی آگ میں جلنے کے تیار ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا بدبخت جو صادق اور مصدوق ذات پر الزام اور افتراء واتہام کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اسی سزا کا استحقاق رکھتا ہے کہ جہنم کی آگ میں ڈالا جائے اس مسئلہ میں تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی ایسے قول اور عمل کی نسبت کرنا جو آپ ﷺ سے ثابت نہیں حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور ایسا شخص سخت عذاب میں گرفتار ہوگا۔

اور امام محمد نے تو ایسے بدبخت انسان پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ محدثین کرام نے اس حدیث کو **وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ** ۔ اعلیٰ اصح اور ارفع قسم کی حدیث قرار دیا ہے اور اس حدیث کا شمار متواترات میں سے ہوتا ہے دوسری متواتر احادیث اس حدیث کے درجہ تواتر کو نہیں پہنچتی ہیں۔ اس حدیث کو تقریباً باسٹھ صحابہ کرام نے نقل کیا ہے اور اجلہ صحابہ کرام نے نقل کیا اور اس حدیث کے ناقلین میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

جانتے ہوئے جھوٹی حدیث بیان کرنے والا جھوٹا ہے

(۲/۱۸۷) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَالْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يَرٰى اَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی مقدمة صحيحه ۹/۱۔ وأخرجه الترمذی عن المغيرة فی سننه ۳۵/۵ حديث رقم ۲۶۶۲ وابن ماجة فی مقدمة سننه ۱۵/۱ حديث رقم ۳۹ عن سمرة۔ وحديث رقم ۴۱ عن المغيرة وأخرجه أحمد فی المسند عن سمرة ۱۴/۵ وعن المغيرة ۲۵۰/۴۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری طرف نسبت کر کے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں اس کا یہ خیال ہو کہ وہ حدیث جھوٹی ہے تو وہ دو جھوٹے آدمیوں میں سے ایک جھوٹا شخص ہے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی لوگوں کے سامنے ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے یعنی اسے معلوم ہو کہ جو حدیث میں بیان کر رہا ہوں وہ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔ بلکہ موضوع اور من گھڑت ہے۔ تو ایسا شخص کاذب ہے۔ کیونکہ ذات رسالت و نبوت کی طرف جھوٹ اور کذب کی نسبت کی ہے اور جو آدمی اس حدیث کی اشاعت کرے وہ بھی جھوٹا ہے۔ کیونکہ وہ کذب اور جھوٹ کی نشر واشاعت میں مدد کر رہا ہے۔ جس طرح ایسی حدیث ایجاد اور اختراع کرنے والا عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اسی طرح تعاون اور تبلیغ کرنے والے کا بھی مواخذہ ہوگا۔ ہاں البتہ اگر کوئی ایسی حدیث کو موضوع بتانے کے لئے نقل کرے تو جائز ہے۔ کیونکہ ایسا شخص درحقیقت صدق اور کذب کے درمیان امتیاز کرتا ہے اور یہ باعث اجر اور ثواب ہے۔

جس کو اللہ خیر سے نوازنا چاہتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں

(۳/۱۸۸)وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٦٤/١حديث رقم ٧١ومسلم الى قوله"ويعطي الله"٧١٩/٢حديث رقم(١٠٠-١٠٣٧) والدارمي في سننه ٨٥/١حديث رقم٢٢٤۔ ومالك بعضه في الموطأ ٩٠٠/٢حديث ٨۔وأحمد في المسند عن معاوية٩٢/٤۔ورواه عن ابن عباس الترمذي ٢٨/٥حديث رقم ٢٦٤٥وقال حسن صحيح وأحمد في مسنده ٣٠٦/١والدارمي ٨٥/١حديث رقم ٢٢٥۔ وأخرجه ابن ماجة عن أبي هريرة٢٢٠/١حديث رقم٢٢٠۔

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کیلئے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے اور میں علم کو تقسیم کرنے والا ہوں علم دینے والا تو اللہ ہی ہے۔

(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس خوش نصیب انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی فقاہت نصیب کر دیتا ہے اور اس حدیث میں علم اور عالم کی فضیلت کو بھی ظاہر کیا گیا ہے اور اس حدیث میں جس فقاہت کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد ایسا ملکہ ہے کہ جس کی وجہ سے انسان مسائل کا استخراج کر سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطاء کردے اور اس حدیث کے آخر میں انما انا قاسم سے یہ مراد ہے کہ میں وحی کے علوم کا قاسم ہوں کہ ان کو تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ علم کا مبدأ حقیقی ہے وہ ہر انسان کو اس کے سمجھنے کا فہم دیتا ہے اہل بدعت نے اپنی کج فہمی کی وجہ سے اس سے مراد مال و دولت اور رزق کی تقسیم لی ہے یہ درست نہیں اس حدیث کا رزق کی تقسیم سے کوئی تعلق نہیں یہی وجہ ہے کہ اس کو کتاب العلم میں ذکر کیا گیا ہے۔

دین کی سمجھ رکھنے والے بہتر ہیں

(۴/۱۸۹)وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم من حديث طويل ٢٠٣١/٤ حديث (١٦٠-٢٦٣٨)۔أما لفظ "خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا" فهو متفق عليه من حديث أبي هريرة "قيل يارسول الله من أكرم الناس......أخرجه البخاري في صحيحه ٣٨٧/٦حديث رقم ٣٣٥٣۔ ومسلم في صحيحه ١٨٤٦/٤حديث (١٦٨-٢٣٧٨)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کی اسی طرح کانیں ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کان ہوتی ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے۔ وہ اسلام کے زمانہ میں بھی بہتر ہیں اگر وہ دین میں سمجھ حاصل کر لیں اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں انسان کو معدن سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ اخلاق، عادات، صفات، کمالات، نیکی، کی استعداد اور قابلیت کے اختلاف کے اعتبار سے دی گئی ہے کہ جس طرح معدن سے قیمتی پتھر جیسے یاقوت عقیق زبرجد فیروزہ وغیرہ حاصل ہوتے ہیں کسی کان سے سونا اور چاندی حاصل ہوتے ہیں کسی کان سے سرمہ نمک، کوئلہ اور دیگر معدنیات حاصل ہوتی ہیں بالکل اسی طرح

انسان بھی مذکورہ صفات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں بعض انسان اعلیٰ اخلاق وعادات کے مالک ہوتے ہیں اور بعض گھٹیا درجہ کے لوگ ہوتے ہیں اور حدیث کے آخری جملہ کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت اور کفر میں اچھے اخلاق اور عادات کے مالک تھے اور اچھے اوصاف کے ساتھ متصف تھے تو ایسے لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ان صفات عالیہ کی وجہ سے باکمال اور اچھے لوگ شمار ہونگے کہ جس طرح سونا اور چاندی جب تک معدن میں موجود ہوں وہ مٹی کی وجہ سے اپنی اصلی شکل وصورت میں نہیں ہوتے اور جب انہیں معدن سے نکال لیا جاتا ہے اور آگ کی بھٹی میں ڈال کر صاف اور ستھرا کر لیا جاتا ہے اور جب انکا کھوٹ ختم ہو جاتا ہے۔ تو ان کی اصلی شکل وصورت ظاہر ہو جاتی ہے اسی طرح جب کوئی انسان جہالت اور کفر کی حکمت میں پوشیدہ رہتا ہے وہ اگرچہ صفات کمالیہ کے ساتھ متصف رہتا ہے مگر اس کی عظمت اور فضیلت ظاہر نہیں ہوتی اور جب وہ کفر کے پردوں سے اور ظلمت سے نکل جاتا ہے ایمان قبول کر کے کمال حاصل کر لیتا ہے اور علم دین کے نور سے اپنے دل اور دماغ کو منور کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو ریاضت اور مجاہدہ کی بھٹی میں ڈال دیتا ہے تو وہ انسان اپنی اصل حالت میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کو حاصل ہو جاتی ہے تو وہ عزت اور عظمت سے نواز دیا جاتا ہے۔

دو چیزوں میں حسد جائز ہے

(۱۹۰/۵) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِیْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ١/١٦٥ حديث رقم ٧٣۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٥٩ حديث رقم (٢٦٨۔٨١٦) وأخرجه أحمد في المسند ١/٤٣٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزوں کے بارے میں حسد کرنا جائز ہے ایک وہ آدمی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو حق کے راستہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا کی دوسرا وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا اور وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں دو انسانوں کے بارے میں حسد اور رشک کرنے کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے ایک آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال ودولت عطا کیا ہو اور پھر اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی ہو۔

دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ نے علم عطا کیا ہو اور پھر اس کے علم سے مخلوق خدا کو فائدہ حاصل ہو کوئی آدمی یہ تمنا کرے کہ اس طرح میں بھی ہو جاؤ اور اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ ہے حسد کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا اور آرزو کرے کہ یہ نعمت اس سے ختم ہو جائے اور مجھے حاصل ہو جائے اور یہ انتہائی بری خصلت ہے اسلام اس طرح کی بری خصلت کو پسند نہیں کرتا بلکہ ایسی خصلت سے بچنے کا حکم ہے اور غبطہ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا اور آرزو کرے کہ جس طرح کی نعمت اس کے پاس ہے اللہ تعالیٰ اس طرح کی نعمت مجھے بھی نصیب کرے اور اس کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔

تین قسم کا عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے

(۱۹۱/۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ

صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/۱۲۵۵حديث (۱٤-۱٦۳۱)وأخرجه أبو داوٗد ۳/۳۰۰حديث رقم ۲۸۸۰وأخرجه النسائي في السنن ٦/۲٥۱حديث رقم ۳٦٥۱۔ وأخرجه الترمذي ۳/٦٦۰حديث رقم ۱۳۷٦۔وأخرجه أحمد في المسند ۲/۳۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ مرنے کے بعد جاری رہتا ہے۔صدقہ جاریہ وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک انسان دنیا میں زندہ رہتا ہے اور وہ اعمال کرتا ہے تو اس کے اعمال پر ثواب مرتب ہوتا رہتا ہے اور جو انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کے اثرات اس دنیا میں ہی ختم ہوجاتے ہیں اور عبادات کا ثواب محفوظ ہوتا ہے اور آخرت کے لئے ذخیرہ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی جزاء اور انعام ملتا ہے مگر ان اعمال کا سلسلہ دنیا سے انتقال کے بعد جاری نہیں رہتا بلکہ ختم ہوجاتا ہے جب تک یہ اعمال دنیا میں کئے جاتے ہیں تو ثواب بھی جاری تھا جب زندگی ختم ہوگئی تو اعمال بھی ختم ہوگئے مگر کچھ اعمال ایسے ہیں کہ جن کا ثواب دنیا کی زندگی میں بھی ملتا ہے اور مرنے کے بعد بھی ملتا ہے اور اس حدیث میں تین اعمال ذکر کئے گئے ہیں کہ جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔

① پہلی چیز ہے صدقہ جاریہ کہ کوئی آدمی صدقہ جاریہ کا کوئی کام کرجائے جیسے خیر کے کام کے لئے زمین کو وقف کردیا پانی کے لئے کنواں وغیرہ کا انتظام کردیا مسجد تعمیر کردی یا دینی مدرسہ قائم کردیا علی ہذا القیاس جب تک لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے اس آدمی کو ثواب ملتا رہے گا۔

② دوسری چیز ہے علم یعنی آدمی علم نافع حاصل کرے اور اپنی زندگی میں لوگوں کو علم سے فیض یاب کرتا رہے اور پھر اپنے علم کو لوگوں کے فائدہ کے لئے محفوظ کردے مثلاً اپنے شاگردوں کو پڑھا کر عالم بنادیا یا کوئی کتاب لکھ کر علم محفوظ کردیا جب تک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے مرنے والے کو اس سے فائدہ اور ثواب حاصل ہوتا رہے گا۔

③ کوئی آدمی فوت ہونے کے بعد نیک اولاد چھوڑ جائے اولاد کا نیک اور صالح ہونا بڑی سعادت اور فخر کی بات ہے ایسی اولاد والدین کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی سکون اور راحت کا ذریعہ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد ان کے پیچھے نجات اور فلاح کا ذریعہ ہوتی ہے کہ نیک اولاد والدین کی قبر پر جاکر فاتحہ خوانی کرتی ہے اور دعاء مغفرت کرتی ہے قرآن مجید کی تلاوت اور صدقات خیرات کے ذریعہ سے ایصال ثواب کرتی ہے۔

امورِ اسلام کی تعلیمات

(۷/۱۹۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ

وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَّأَبِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/٢٠٧٤حديث رقم (٣٨-٢٦٩٩)وأخرج البخاري بعض الفاظه ٥/٩٧حديث رقم٢٤٤٢-وأخرجه أبوداؤد الى "والله في عون العبد......"٥/٢٣٤حديث رقم ٤٩٤٦وأخرجه الترمذي ٥/١٧٩حديث رقم٢٩٤٥-وابن ماجة ١/٨٢حديث ٢٢٥ واحمد في المسند ٢/٢٥٢-

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی دنیا کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت کسی مؤمن سے دور کردے۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی مصیبتوں کو دور کردے گا اور جس آدمی نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی۔ تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے۔ جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا ہو اور جو انسان علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چل نکلتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے راستہ کو آسان اور سہل کردیتا ہے اور جب کوئی اللہ تعالیٰ کے گھر مسجد وغیرہ میں کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کو پڑھتے پڑھاتے' تو اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر چھا جاتی ہے اور فرشتے اس کو اپنے احاطے اور گھیرے میں لے لیتے ہیں اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اس مخلوق میں کرتے ہیں۔ جو اللہ کے پاس ہے یعنی ملائکہ اور جس نے عمل میں تاخیر اور سستی کی اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں امور اسلام کی تعلیم دی گئی ہے اور اس سے اسلام کی تعلیم کا وقار اور قدر و منزلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اسلام کی تعلیمات کا دائرہ کار یہ ہے کہ انسانوں میں باہم محبت' ہمدری اور غم خواری کا جذبہ پیدا ہو۔ تاکہ تمام انسان یک جان اور یک جسم کی طرح راحت اور سکون کی زندگی گزاریں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کرسکیں جو انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ آخرت کی مشکلات سے محفوظ ہوجائے تو اس پر لازم ہے کہ ان تعلیمات کو اپنائے اور اس حدیث میں سات امور کی تعلیم دی گئی ہے۔

① **مصیبت کو دور کرنا**: کہ اگر کوئی انسان کسی مصیبت میں مبتلا مسلمان کی چھوٹی سی مصیبت اور مشکل دور کردیتا ہے۔ اور اس کی خبر گیری کرکے اس کی الجھن کو رفع کردیتا ہے۔ ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک بڑی مصیبت سے نجات دیدیگا اور ایمان کی قید سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان کے بغیر دکھی انسانیت کی خدمت کرتے ہیں جیسے رفاہی ادارے اور حقوق انسانیت وغیرہ کی تنظیمیں۔ جو کہ مسلمان نہیں وہ اس حدیث کا مصداق نہیں تھیں۔

② **تنگدست کی مدد**: دوسری چیز ہے تنگ دست کی مدد کرنا جو فقر اور غربت کے جال میں پھنسا ہوا ہے رزق اور معاش کی تنگی میں ہے اور قرض کی پریشانی میں ہے تو اس کی مدد کرنا' قرض کی ادائیگی میں تعاون کرنا' قرض معاف کرنا اور تباہ حال اور پریشان حال کی مدد کرنا اور اس کو تباہی اور پریشانی سے خلاصی دیدینا اور شدید ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کردینا۔ اس کے ثمرہ اور نتیجہ میں دیکھنا اللہ تعالیٰ تمہاری ضرورت کو کس طرح پورا کرتا ہے اور اللہ کی رحمت کیسے تمہیں اپنے دامن میں لے لیتی ہے دنیا کی عزت اور عظمت کیسے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ آخرت کی تنگی سے نجات دے گا۔

③ **پردہ پوشی**: تیسری چیز ہے پردہ پوشی۔ کہ اگر کسی انسان سے بشری اور انسانی تقاضے کے مطابق کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو اس کے اس عیب اور گناہ کو لوگوں کے سامنے ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے بیان نہ کرنا اور اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرکے اور سر عام لوگوں

کے سامنے بیان کر کے شرمندہ نہ کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے اس کو دنیا اور آخرت میں سزا دے یا معاف کر دے۔

یا پردہ پوشی سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے فقر و فاقہ افلاس و غربت کی وجہ سے لباس کی نعمت سے محروم ہے اور اپنے ستر کو چھپانے کے لئے بھی کپڑا نہیں پاتا۔ کہ جس سے ستر پوشی کر سکے۔ تو اس صورت حال جو آدمی ایسے شخص کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا کہ اس کے عیوب کو ظاہر نہیں کرے گا اور گناہ کی صورت میں اگر کوئی آدمی عادی مجرم ہے تو اس کے گناہ کو چھپانا جائز نہیں تاکہ لوگ بھی اس سے محفوظ ہیں۔

④ مدد کرنا: کہ جب تک کوئی آدمی کسی کی مدد اور تعاون میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا ہے اور یہ مدد مسلسل جاری رہتی ہے اور جو کسی کی خبر گیری اور حمایت میں مشغول رہتا ہے تو اس کی اللہ تعالیٰ نصرت اور اعانت کرتا ہے۔

⑤ دین کا علم سیکھنا: کہ جو انسان علم دین حاصل کرنے کے لئے دین کے کسی راستہ پر چل پڑتا ہے اور علم حاصل کرنے کے لئے مشقت برداشت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اس سے علم حاصل کرنے کی اور طالب علم کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی کہ جو آدمی علم سیکھنے کے لئے اپنے وطن کو چھوڑ کر عزیز و اقارب سے جدا ہو کر اپنے آرام، راحت اور سکون کو چھوڑ کر طلب علم کے لئے کسی راستہ گامزن ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کی محنت اور مشقت کی وجہ سے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے یعنی علم طلب کرنے کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ عظیم سعادت اس خوش نصیب کو حاصل ہوتی ہے جس نے طلب علم کے لئے ہر ممکن کوشش کی ریاضت اور مجاہدہ کو اختیار کیا۔

⑥ تلاوتِ قرآن: کہ جو لوگ کسی مسجد، خانقاہ، مدرسہ، تربیت گاہ اور تعلیم گاہ وغیرہ میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت اور تدریس وغیرہ کریں اور قرآن مجید کے معارف اور نکات سے فائدہ حاصل کریں اور درس و تدریس میں مصروف ہوں تو ان کو چار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

① ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سکون اور اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور انکے دل میں اطمینان اور سکون ودیعت رکھ دیا جاتا ہے انکے دل میں راحت آرام اور سکون کی فکر کی بجائے اللہ کی یاد اور حصول معرفت کی فکر ہوتی ہے انکے دل نور سے منور ہو جاتے ہیں۔

② اللہ کی رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور ان کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کا احاطہ کر لیتی ہے۔

③ اور فرشتے انکو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور ملائکہ انکی تعظیم کرتے ہیں اور عقیدت سے اپنے احاطہ میں لے لیتے ہیں۔

④ اللہ تعالیٰ ایسے مقدس و محترم لوگوں کا تذکرہ ان فرشتوں میں کرتے ہیں جو ملائکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتے ہیں۔

⑦ عمل صالح کرنا: کہ انسان کی سعادت فلاح اور کامرانی کا دارومدار نیک اعمال پر ہے اگر دنیا میں اعمال صالحہ کیے تو آخرت میں کامیابی اور نجات کا حقدار ہوگا اور اگر اس کے برعکس دنیا میں نیک عمل میں کوتاہی کی اور گناہ کے کام کرتا رہا۔ تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں قومیت اور نسبت بلسب کی عظمت نجات کا ذریعہ نہیں ہوگی۔ آخرت میں مواخذہ، گرفت، حساب اور تفتیش ہوگی وہاں نسب کی بلندی، جاہ و جلال اور منصب کام نہیں آئے گا۔ کیا ہی خوب کہا کسی شاعر نے۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی ☆ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

"اے جامی جب تم عشق کے قیدی ہو چکے ہو تو پھر حسب و نسب کے چکر میں نہ پڑو۔ اس لئے کہ اس راستہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے"۔

قیامت کے دن شہید، عالم اور مالدار کا حساب پہلے ہوگا

(۸/۱۹۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ

بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اُسْتُشْهِدْتُّ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِيْءٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَاْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ اِنَّكَ قَارِيٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَآ اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ ـ لٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ۱۵۱۳/۳حديث (۱۵۲ـ۱۹۰۵) وأخرجه النسائى فى سننه ۲۳/۶حديث رقم ۳۱۳۷ـ وأخرجه أحمد فى المسند۳۲۲/۲ـ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلا وہ آدمی جس کے بارے میں اخلاص نیت کو چھوڑنے کا حکم لگایا جائے گا۔وہ شخص ہوگا جس کو دنیا میں شہید کر دیا جائے گا۔جب وہ میدان محشر میں اللہ کی عدالت میں پیش کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو عطا کی ہوئی نعمتیں یاد کرائے گا اور وہ اس کو یاد آجائیں گی۔پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے دنیا میں ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا عمل کیا۔یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد کرا کر بطور الزام ارشادفرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا کام کیا۔وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے تیرے راستے میں جہاد اور قتال کیا۔یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔تو نے تو اس لئے قتال کیا تھا تاکہ تجھ کو جرأت مند اور بہادر کہا جائے اور وہ تیرا مقصد دنیا میں پورا کر دیا گیا ہے۔اب مجھ سے کیا چاہتے ہو۔پھر کہا جائے گا کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دو۔چنانچہ اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔پھر ایک دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کی عدالت میں لایا جائے گا۔جس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو تعلیم دی اور قرآن مجید کو پڑھا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی دی ہوئی نعمتیں یاد دلائے گا اور اس کو یاد آجائیں گی۔پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا عمل کیا اور پھر دوسروں کو اس کی تعلیم دی اور تیری رضا جوئی کے لئے قرآن کریم پڑھا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹ کہتا ہے۔تو نے علم اس لئے حاصل کیا تھا تاکہ تجھے دنیا میں بڑا عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا تاکہ تجھے قاری کہا جائے اور یہ تیرا مقصد دنیا میں پورا کر دیا گیا ہے کہ تجھے دنیا میں عالم اور قاری کہا گیا۔پھر حکم دیا جائے گا اور اس کو گھسیٹ کر جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا پھر ایک مال دار کو اللہ کی عدالت میں لایا جائے گا۔جس کو اللہ تعالیٰ نے مال کی وسعت عطا کی ہوگی اور ہر طرح کا مال دیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی دی ہوئی نعمتیں یاد کرائے گا اور وہ اس کو یاد آجائیں گی پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا عمل کیا۔تو وہ آدمی کہے گا کہ میں نے تیری رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر راستے میں مال خرچ کیا جہاں خرچ کرنے کو تو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ ارشادفرمائے گا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو نے مال اس لئے خرچ کیا تھا تاکہ تجھے دنیا میں سخی کہا جائے چنانچہ دنیا میں تجھے سخی کہہ دیا گیا ہے پھر حکم دیا جائے گا اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین افراد اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کئے جائیں گے شہید، عالم اور مالدار اور ان تینوں کو عمل میں ناکام قرار دیا جائیگا۔ نیت خراب ہونے کی وجہ سے اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص نیت بہت ضروری ہے اور خلوص نیت کے مقام اور درجہ کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اگر نیت میں فساد اور کھوٹ ہے تو بڑے سے بڑا عمل بھی کام نہیں آئے گا۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث میں تینوں اعمال انتہائی عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کو گروہ عمل محبوب ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کیلئے اخلاص نیت کے جذبہ کے ساتھ کیا جائے اخلاص اور للّٰہیت کے بغیر ہر عمل دربار الٰہی سے ٹھکرا دیا جائے گا۔ بلکہ ایسا عمل بجائے ثواب کے الٹا عذاب کا ذریعہ ہوگا اور یہ بھی یاد رہے کہ اس حدیث میں تین افراد اور اشخاص مراد نہیں بلکہ تین انواع کے لوگ مراد ہیں جن کی کثیر تعداد ہوگی اور انکی حقیقی تعداد کو اللہ ہی جانتا ہے اور اس حدیث میں نیت کے فساد کے خطرات سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا گیا ہے۔ البتہ اس حدیث کو بیان کرنے میں حکمت اور ضروری وضاحت ضرور کی جائے۔ کیونکہ اگر اس حدیث کو اس انداز سے عوام الناس کے سامنے پیش کیا جائے کہ جس سے یہ تاثر ظاہر ہو کہ شہید اور شہادت کوئی چیز نہیں، علم اور علماء ریاکاری کا شکار ہیں اس طرح کا بیان انتہائی خطرناک ہوگا اخلاص نیت کے لئے دیگر احادیث کثیر تعداد میں ہیں ان سے اخلاص نیت کو سمجھانے کے لئے مدد لی جائے۔

علم اُٹھ جائے گا علماء کو قبض کرنے کے ساتھ

(۹/۱۹۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُ وْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۱۹۴ حدیث ۱۰۰ ومسلم فی صحیحه ۴/۲۰۵۸ حدیث رقم (۱۳۔۲۶۷۳) وأخرجه الترمذی فی سننه ۵/۳۰ حدیث رقم ۲۶۵۲۔ وابن ماجة فی السنن ۱/۲۰ حدیث رقم ۵۲۔ وأحمد فی المسند ۲/۱۶۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم کو آخری زمانہ میں اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے دل و دماغ سے کھینچ کر اس کو نکال دے۔ بلکہ علم اس طرح اٹھالے گا کہ علماء کو اس دنیا سے قبض کرلے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی بھی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو امام بنالیں گے اور ان سے مسائل دریافت کیے جائیں گے اور وہ لوگوں کو بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں علم کے ختم ہونے اور اٹھ جانے کی صورت بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا اور علم کے اٹھ جانے سے یہ مراد نہیں کہ لوگوں کے دل و دماغ سے علم کو نکال دیا جائے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ اچھے راسخ العلم علماء کو اٹھالیا جائے گا اور پھر ان کی جگہ خالی رہ جائے گی۔ لوگ چونکہ مسائل معلوم کرنے کے لئے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب صحیح العقیدہ اور راسخین فی العلم نہیں رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا مقتدی اور امام بنالیں گے اور وہ لوگوں کو غلط مسائل بتائیں گے اور غلط فتوے صادر کریں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

وعظ اور نصیحت میں اعتدال کرو

(۱۰/۱۹۵) وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا اَبَا

عَبْدِالرَّحْمٰنِ! لَوَدِدْتُ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِىْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّهُ يَمْنَعُنِىْ مِنْ ذٰلِكَ اِنِّىْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّىْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّاٰمَةِ عَلَيْنَا۔ (متفق عليه)

أخرجه- البخاري في صحيحه ١٦٢/١حديث رقم ٦٨-وأخرجه مسلم في صحيحه ٢١٧٣/٤حديث رقم (٨٣-٢٨٢١)۔وأخرج الترمذي نحوه ١٣٠/٥ حديث رقم ٢٨٥٥ وأحمد في المسند ٣٧٨/١۔

ترجمہ: حضرت شقیق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ اور نصیحت کرتے تھے۔ایک دن ایک شخص نے عرض کیا۔اے ابوعبدالرحمٰن۔میری تمنا اور خواہش ہے کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ ونصیحت کیا کریں۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں روزانہ اس لئے وعظ نہیں کرتا کہ تم لوگ اس سے تنگ آ جاؤ گے میں وعظ ونصیحت کے معاملہ میں تمہاری خبر گیری اس طرح کرتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ وعظ میں ہماری خبر گیری کرتے تھے اور ہمارے تنگ ہو جانے کا بھی خیال کرتے تھے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں واعظ' ناصح اور مبلغ کے لئے ایک بہترین اصول اور ضابطہ تبلیغ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہؓ سے روزانہ نصیحت کرنے کا مطالبہ کیا کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ اور نصیحت کیا کریں آپ نے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا اس سے ثابت ہوا کہ وعظ اور نصیحت کے معاملہ میں اعتدال سے کام لینا چاہئے ہر روز ہر موقعہ پر وعظ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے اندیشہ ہے کہ لوگ تنگ ہو جائیں گے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ توجہ اور رغبت سے وعظ ونصیحت کو نہیں سنیں گے اس سے خاطر خواہ اثر مرتب نہیں ہوگا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اسی طرح دوران وعظ' زجر وتوبیخ' ملامت' بدمزاجی اور بداخلاقی بھی نہیں کرنی چاہئے۔کیونکہ اس سے مخاطب اور سامع پر اچھا اثر نہیں پڑے گا اور اس وعظ سے کوئی اثر قبول نہیں کرے گا اس سے لوگ دین کی باتوں سے نفرت کریں گے اور دین سے نفرت میں طوالت بھی مضر ہے۔یہ اثر و ہدایت اور رحمت کے بجائے زحمت بن جائے گا۔آج کل واعظین اس کا خیال نہیں کرتے۔جس کا نتیجہ مثبت کے بجائے منفی ہے۔

بات کو تین مرتبہ دہرانا

(۱۹۶/۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٨٨/١ حديث رقم ٩٥-وأخرجه الترمذي مع تقديم وتأخير في سننه ٦٨/٥ حديث رقم٢٧٢٣۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات ارشاد فرماتے۔تو اس کو تین مرتبہ فرماتے تھے۔یہاں تک کہ لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ لیتے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ کسی جماعت کے پاس آتے تھے تو ان کو تین مرتبہ سلام کرتے تھے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کا ایک مطلب اور مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت بات کو تین مرتبہ دہراتے تھے جب آپ کو یہ خیال ہو تا کہ لوگ سمجھے نہیں ہوں گے۔یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ہر بات کو تین مرتبہ دہراتے تھے۔بلکہ جو بات اہم ضروری' دقیق اور علمی ہوتی تھی اس کو آپ ﷺ تین مرتبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تاکہ اچھی طرح سمجھ آ جائے اور دل میں بیٹھ جائے اور اس حدیث میں حتی تفهم عنه۔اس کا واضح قرینہ ہے اور مذکورہ حدیث میں تین مرتبہ سلام کرنے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مجلس میں تشریف لاتے تھے اور اہل مجلس کی تعداد زیادہ ہوتی تو ایک سلام آمد پر کرتے تھے۔دوسرا دائیں جانب اور تیسرا بائیں جانب۔یا اس

سے مراد یہ ہے کہ ایک سلام مجلس کے شروع والوں کو ہوتا تھا۔ دوسرا درمیان والوں اور تیسرا مقام اور منزل مقصود پر پہنچ کر۔

اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ

(۱۲/۱۹۷)وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اِنَّهٗ اُبْدِعَ بِیْ فَاحْمِلْنِیْ فَقَالَ مَاعِنْدِیْ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَدُلُّهٗ عَلٰی مَنْ یَّحْمِلُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/۱۵۰۶حديث رقم(۱۳۳-۱۸۹۳)۔وأخرجه أبو داوٗد في سننه ۵/۳۴۶حديث رقم ۵۱۲۹۔وأخرجه الترمذي في السنن ۵/۴۰حديث رقم ۲۶۷۱۔وأخرجه أحمد في المسند ۴/۱۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول میری سواری چلنے سے تھک گئی ہے اور عاجز ہوگئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی سواری دیدیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو کوئی سواری نہیں ہے۔ کہ میں تمہیں دے سکوں ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ایسا آدمی بتا تا ہوں جو اس کو سواری دیدے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی خیر اور بھلائی کی طرف راہنمائی کرے۔ تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جتنا کہ خیر کا کام کرنے والے کو ملے گا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ اصول ذکر کیا گیا ہے کہ جو انسان کسی کی خیر اور بھلائی کے کام کی طرف راہنمائی کرے تو اس راہنمائی کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب دیا جائیگا جتنا کہ خیر کا کام کرنے والے کو ثواب عطا کیا جائے گا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور اپنی سواری کے عاجز ہونے کا عذر پیش کر کے سواری کا مطالبہ کیا اور پھر اس پر مذکورہ واقعہ پیش آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی کسی کی خیر اور نیکی کے کام کی طرف رہنمائی کرے اس کو بھی عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملے گا۔ اس سے مشہور شرعی ضابطہ ماخوذ ہے۔ الدال علی الخیر کفاعلہ۔

جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کو ثواب ملتا رہتا ہے

(۱۳/۱۹۸)وَعَنْ جَرِیْرٍ قَالَ كُنَّا فِیْ صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَآءَ قَوْمٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِی النِّمَارِ اَوِ الْعَبَاءِ مُتَقَلِّدِی السُّیُوْفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَا رَاٰی بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ فَصَلّٰی ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ (یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ الاية اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا وَالْاٰیَةُ الَّتِیْ فِی الْحَشْرِ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ) تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِّنْ دِیْنَارِهٖ مِنْ دِرْهَمِهٖ مِنْ ثَوْبِهٖ مِنْ صَاعِ بُرِّهٖ مِنْ صَاعِ تَمْرِهٖ حَتّٰی قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ قَالَ فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهٗ تَعْجِزُ عَنْهَا بَلْ قَدْعَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰی رَاَیْتُ كَوْمَیْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِیَابٍ حَتّٰی رَاَیْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَتَهَلَّلُ كَاَنَّهٗ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ

اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی الصحیح ۷۰٤/۲ حدیث رقم(٦٩-١٠١٧)وأخرجه النسائی فی السنن ٧٥/٥ حدیث رقم ٢٥٥٤ وأخرج نحوہ الترمذی فی السنن ٤٢/٥ حدیث رقم ٢٦٧٥ وأحمد فی المسند ٣٥٩/٤۔

ترجمہ: حضرت جریرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک روز دن کے شروع حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود اور حاضر تھے۔ کہ ایک قوم کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے جو ننگے جسم والے تھے اور اپنے اوپر عبایا کمبل لپیٹے ہوئے تھے اور گلے میں تلواریں لٹکائی ہوئی تھیں اور ان میں سے اکثر بلکہ سب ہی قبیلہ مضر کے لوگ تھے ان پر فقر و فاقہ کے اثرات دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا رنگ اور چہرہ انور متغیر ہونا شروع ہو گیا اور آپ ﷺ ان کے لئے کھانے کی تلاش میں گھر تشریف لے گئے اور جب اپنے گھر میں کچھ نہیں ملا واپس تشریف لائے تو حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور اقامت پڑھی آپؐ نے نماز پڑھی پھر آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ آیت تلاوت کی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ...... اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے۔ پوری آیت کریمہ تلاوت کی جس کا آخری حصہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہے۔ پھر سورۂ حشر کی آیت تلاوت کی۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ الاية۔ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہر شخص اچھی طرح غور و فکر کرلے کہ کل یوم قیامت کے لئے آگے کیا ذخیرہ بھیجا ہے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرے ہر آدمی اپنے دینار سے اپنے درہم سے اپنے کپڑے سے اور اپنی گندم کے پیمانے سے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرے اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث کے راوی فرماتے ہیں کہ ایک انصاری آدمی دراہم یا دنانیر سے بھری ہوئی تھیلی لایا۔ جس کے بوجھ اور وزن سے اس کا ہاتھ تھک کر عاجز ہونے کے قریب تھا۔ بلکہ تھک ہی گیا تھا۔ پھر تو لوگوں نے لگا تار یکے بعد دیگر اشیاء کو لانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ میں نے غلے اور کپڑے کے جمع شدہ دو ڈھیر دیکھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور سنہری چیز کی طرح چمک اٹھا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کسی اچھے طریقے کو رائج کرے تو اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے اور عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس آدمی نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو رائج کیا۔ تو اسے اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس شخص کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا اور عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جن لوگوں کی آمد کا ذکر ہے یہ قبیلہ مضر کے لوگ تھے اور یہ ننگے جسم آئے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جسم پر کپڑا تھوڑا تھا، پورے جسم کو ڈھانپنے والا نہیں تھا اون کے پرانے اور خستہ حال پھٹے ہوئے تھے اور انہوں نے۔ عبا یا نمار زیب تن کیا ہوا تھا یہ دو قسم کے موٹے کمبل ہیں نمار۔ اس کو کمبل کہتے ہیں جو اون اور بکری کے بالوں سے بنایا گیا ہو اور دھاری دار ہو اور یہ لوگ پہلے کافر تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے گلے میں تلواروں کا ہونا جہاد اور مجاہدین ہونے کی علامت ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کی خستہ حالی اور بدحالی کو دیکھ کر ان کے فقر و فاقہ کی وجہ سے ان کے لئے صدقہ اور خیرات کرنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ نے سورۃ النساء اور سورۃ الحشر کی ایک ایک آیت تلاوت کی جس میں انفاق فی سبیل اللہ اور شفقت اور ہمدردی کا سبق تھا اور فکر آخرت کی تذکیر تھی۔

لوگوں نے آپ ﷺ کا وعظ اور خطبہ سنتے ہی کثیر مقدار میں بہت قسم کا مال جمع کر دیا اور آپ کا چہرہ انور خوشی سے چمک دمک اٹھا۔

قابیل کو ہر قتل کا گناہ ہوگا

(۱۹۹/۱۴)وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ (متفق عليه) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ مُعَاوِيَةَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِىْ فِىْ بَابِ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

أخرجه البخاري ٦/٣٦٤ حديث رقم ٣٣٣٥۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ٣/١٣٠٣ حديث رقم (٢٧۔١٦٧٧) وأخرجه الترمذي في السنن ٥/٤١ حديث رقم ٢٦٧٣۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن٥/٤١ حديث رقم ٢٦٧٣۔وأخرجه ابن ماجة في السنن ٢/٨٧٣ حديث رقم ٢٦١٦۔وأحمد في المسند ١/٣٨٣۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کو بھی ظلم سے قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون اور قتل کا ایک حصہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل پر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت معاویہؓ کی وہ حدیث جس کے شروع میں لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِهٖ ہے ہم اس کو ان شاء اللہ باب ثواب ہذہ الامۃ میں بیان کریں گے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص بھی اس دنیا میں قتل کے جرم کا ارتکاب کرے گا جس طرح قاتل کو گناہ ملے گا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو بھی ملے گا کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا کہ اپنے بھائی ہابیل کو اپنی نفسانی خواہش اور جذبہ کی تکمیل کے لئے قتل کر دیا تو جس طرح اچھا اور نیک کام ایجاد کرنے کا بھی ثواب ہوتا ہے اور بعد میں کرنے والوں کا ثواب بھی اس کو ملتا ہے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور جو شخص کوئی برائی اور گناہ کا طریقہ ایجاد کرتا ہے اس کو ایجاد کا بھی گناہ ہوتا ہے اور اس کے بعد جو اس پر عمل کرتا ہے اس کا بھی گناہ اس کو ملتا ہے اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ بالکل یہی حال ہے قتل کا۔ چونکہ اس کا موجد قابیل ہے۔ اس لئے ہر ظلم کے قتل کا اس کے لئے بھی حصہ ہے۔

الفصل الثانی:

تعلیم و تعلّم کے فضائل

(۲۰۰/۱۵)عَنْ كَثِيْرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِى الدَّرْدَآءِ فِىْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَآءِ اِنِّىْ جِئْتُكَ مِنْ مَدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ ﷺ لِحَدِيْثٍ بَلَغَنِىْ اَنَّكَ تُحَدِّثُهٗ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاجِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلَآئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًى لِّطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِىْ جَوْفِ الْمَآءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔ (رواه احمد والترمذی وابوداود وابن ماجة والدارمی وسماه الترمذی قیس بن کثیر)

۲۱۲ : أخرجه أحمد في المسند ٥/١٩٦ وأخرجه الترمذي ٥/٤٧ حديث ٢٦٨٢ ـ وسماه قيس بن كثير وأخرجه أبوداؤد ٤/٥٧ حديث رقم ٣٦٤١ ـ وأخرجه ابن ماجة في مقدمة لسننه ١/٨١ حديث رقم ٢٢٣ ـ وأخرجه الدارمي ١/١١٠ حديث رقم ٣٤٢ ـ

ترجمہ: حضرت کثیر بن قیسؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ صحابی رسول حضرت ابودرداءؓ کے پاس ملک شام کے شہر دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے شہر سے آپ کی خدمت میں ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں۔ جس کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ آپ اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ کے پاس آنے کی میری اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابودرداءؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ جو انسان علم طلب کرنے کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے چاہے وہ طویل ہو یا مختصر ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلا دیتا ہے اور جنت کا راستہ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پروں کو جھکاتے ہیں اور عالم کے لئے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے۔ یعنی ملائکہ اور جو چیز زمین کے اوپر ہے۔ یعنی جنات اور انسان وغیرہ اور مچھلیاں پانی کے اندر استغفار کرتی ہیں اور عابد زاہد پر عالم کو ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے کہ چودھویں رات کے چاند کو دوسرے ستاروں پر فضیلت ہے اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام درہم اور دینار کے وارث نہیں بناتے۔ ان کی وراثت علم ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کیا۔ اس نے کامل اور وافر حصہ حاصل کر لیا۔ اس حدیث کو امام احمدؒ امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ امام ابن ماجہؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے راوی کا نام قیس بن کثیر ذکر کیا ہے۔ حالانکہ صحیح کثیر بن قیس ہے جیسے کہ صاحب مشکوٰۃ نے ذکر کیا ہے۔

تشریح ☼ اس حدیث میں علماء اور طلباء کی بڑی فضیلت اور عظمت ذکر کی گئی ہے اور علم حاصل کرنے کی فضیلت اور اس کے لئے سفر کرنے کی فضیلت کو واضح کیا گیا ہے حضرت کثیر بن قیسؒ نے جس واقعہ کو بیان کیا۔ کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں حضرت ابودرداءؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے شہر مدینہ منورہ سے آیا ہوں اور میرے آنے کی غرض وغایت اور مقصد صرف یہ ہے کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں تا کہ وہ حدیث آپ سے بلاواسطہ سماعت کرلوں اندازہ لگایئے کس قدر جذبہ اور اخلاص تھا۔ ممکن ہے کہ اس شخص نے وہ حدیث اجمالی طور پر پہلے سنی ہوئی ہو۔ اب اس آدمی کو خواہش اور تمنا ہوئی کہ میں اس حدیث کو حضرت ابودرداءؓ سے تفصیل اور وضاحت کے ساتھ مکمل طور پر حاصل کرلوں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس آدمی نے وہ حدیث تفصیل کے ساتھ پہلے سے سنی ہوئی ہو۔ مگر اس آدمی کی آرزو ہوئی کہ میں صحابی رسول ﷺ حضرت ابودرداءؓ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر بلاواسطہ خود ان سے یہ حدیث حاصل کرلوں۔ تا کہ سند عالی ہو جائے۔

مطلوب حدیث: اب یہ کہ وہ حدیث کونسی ہے جس کے لئے اس آدمی نے اتنا طویل سفر کیا مدینہ سے شام تک تقریباً ۸۰۰ کلومیٹر ہوتے ہیں۔ اس کے اندر ایک احتمال یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہی حدیث ہو حضرت ابودرداءؓ نے اس آدمی کے سامنے بیان کی اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطلوب و مقصود حدیث اس بیان کردہ حدیث کے علاوہ ہو اور یہ حدیث حضرت ابودرداءؓ نے اس آدمی کے اطمینان کے لئے بیان کردی ہو۔ کیونکہ وہ بڑی مشقت اٹھا کر ایک طویل سفر کر کے حدیث کو حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا اسلئے اس کی نیک بختی اور خوش قسمتی کو ظاہر کرنے کے لئے اس کے ثواب ثمرات مرتبہ اور قدر و منزلت کی وضاحت کردی اور اس طالب علم کی مطلوبہ حدیث ہو سکتا

ہے کہ ترجمۃ الباب کے موافق اور مناسب نہ ہو اس لئے مصنف نے اس کو یہاں ذکر نہیں کیا۔

طالب علم کی فضیلت: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب طالب علم۔ علم حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر بار' اہل و عیال' اعزاء و اقارب اور دوست و احباب اور متعلقین کو چھوڑ کر راہ سفر کا توشہ باندھ کر چل پڑتا ہے تو اس کی رضا اور خوشنودی کے لئے اللہ تعالیٰ کے ملائکہ اس کے لئے اپنے نورانی پر بچھاتے ہیں اور یہ تو اپنی حقیقت اور ظاہر پر محمول ہے کہ فی الواقع حقیقت اور نفس الامر میں طالبعلم کی شرافت اور عظمت کے لئے ملائکہ اپنے نورانی پروں کو بچھاتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اپنی حقیقت پر محمول نہیں بلکہ کنایہ ہے اس سے مراد طالب علم کی فضیلت عظمت اور اس کی قدر و منزلت اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا نزول ہے۔

اور اس حدیث میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ طالب علم کے لئے تمام مخلوق مغفرت اور بخشش کی دعا کرتی ہے۔ سمندر اور دریاؤں اور تالابوں کے اندر رہنے والی مچھلیاں اس کے حق میں دعائیں کرتی ہیں اگرچہ مچھلیاں من فی الارض کی عمومیت میں شامل ہیں۔ مگر اس کے باوجود مچھلیوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس تخصیص بعد التعمیم سے مقصود طالب علم کی انتہاء درجہ کی قدر و منزلت کا اظہار ہے اور ساتھ ہی اس طرف اشارہ ہے کہ باران رحمت کا برسنا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت کے نزول کی علامت ہے اور دنیا کی اکثر آرام و آرائش' نظافت و طہارت اسی سے حاصل ہوتی ہے الغرض علماء کا وجود تمام خیر اور بھلائی اور اللہ تعالیٰ کی برکات کے وجود اور حصول کا سبب ہے۔ اسی طرح سمندروں اور دریاؤں کے اندر مچھلیوں کا زندہ اور آباد رہنا بھی سبب کے درجہ میں علماء ہی کا مرہون منت ہے۔

عالم اور عابد میں فرق: اس حدیث میں عالم اور عابد کے درمیان فرق بھی ظاہر اور واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ عالم کا مقام اور درجہ عابد پر بہت عالی اور ارفع ہے اس بلندی اور رفعت شان کی وجہ یہ ہے کہ عالم کا فائدہ متعدی ہوتا ہے۔ اس کا انحصار اس کی ذات کے لئے خاص نہیں ہے دیگر مخلوق کو اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے عقائد' اعمال' عبادات' معاملات' معاشرت اور اخلاقیات لوگ علماء سے سیکھتے ہیں۔ دینی اعتبار سے لوگ علماء دین سے کسب فیض کرتے ہیں اور عابد کی تمام محنت اور کوشش اور سعی اپنی ذات کے لئے ہے۔ دوسرے لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

اور اس فرق کو واضح کرنے کے لئے اس حدیث میں علماء کو بدر یعنی چودھویں رات کے چاند کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور عابد کو ستاروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح چودھویں رات کا چاند اپنی مکمل آب و تاب اور چمک و شباب کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے تو تمام مخلوق اس سے فائدہ حاصل کرتی ہے اور اس کا نور ہر جگہ ہوتا ہے اور ہر چیز کو روشن کرتا ہے بخلاف ستاروں کے کہ وہ اگرچہ جگمگاتے ہیں اور روشن ہوتے ہیں مگر ان کا فیض چاند کی طرح عام نہیں ہوتا ہے۔

عالم کی فضیلت عابد پر

(۱۶/۲۰۱) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ قَالَ ذُکِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلَانِ: اَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِکَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّی النَّمْلَةُ فِیْ جُحْرِهَا وَحَتَّی الْحُوْتِ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ (رواه الترمذی ورواه الدارمی) عَنْ مَکْحُوْلٍ مُرْسَلًا وَلَمْ یَذْکُرْ رَجُلَانِ وَقَالَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ (اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا) وَسَرَدَ الْحَدِیْثَ اِلٰی اٰخِرِهٖ۔ (ترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٤٨ حديث رقم ٢٦٨٥ وقال حديث غريب.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا۔ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم۔آپ سے سوال کیا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے۔جس طرح کہ مجھے تم میں سے ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے۔پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق یہاں تک چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں اس شخص کے لئے مغفرت اور خیر کی دعائیں کرتی ہیں جو لوگوں کو دین کا علم سکھاتا ہے۔اس روایت کو امام ترمذی اور امام دارمی نے مکحول سے مرسل طریقہ پر روایت کیا ہے اور اس میں۔ رَجُلَانِ کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ عابد پر عالم کو ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تم میں سے ادنیٰ درجہ کے آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔پھر آپؐ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔(اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ)۔ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں اور پھر پوری حدیث آخر تک اسی طرح بیان کی۔

تشریح ❀ اس حدیث میں بھی عالم دین کی فضیلت کو عابد پر بیان کیا گیا ہے کہ عالم کو عابد پر بہت زیادہ فضیلت اور فوقیت حاصل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس عظمت اور فضیلت کو کَفَضْلِی عَلٰی اَدْنَاکُمْ سے بصورت تشبیہ بیان فرمایا ہے کہ عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح کہ مجھے تم میں سے ادنیٰ پر فضیلت ہے اور یہ نسبت غیر متناہی ہے۔کیونکہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بعد نبی کا مقام ہے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ادنیٰ آدمی پر اپنے بلند اور ارفع تفاوت سے عالم اور عابد کے درجہ اور مقام کو تشبیہ دی ہے۔جس طرح اس تشبیہ میں نسبت غیر متناہی ہے۔اسی طرح عالم اور عابد کی نسبت بھی غیر متناہی ہے مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور فضیلت کا اندازہ ایک ادنیٰ امتی کے مقابلے میں نہیں لگایا جا سکتا۔اسی طرح عالم کی فضیلت اور عظمت کا اندازہ عابد کے مقابلے میں نہیں لگایا جا سکتا۔

اور اس حدیث کے آخر میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اسی حدیث کو امام دارمیؒ نے مکحول راوی سے مرسل طریقہ سے نقل کیا ہے اور اس حدیث کے شروع میں رَجُلَانِ کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا مطلب یہ ہوگا کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کیا گیا۔کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔کہ ان میں سے ایک عالم تھا اور دوسرا عابد۔بلکہ اس کے مطابق یہ حدیث: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔گویا یہ امام دارمیؒ کی روایت کا دوسری روایت کے مقابلے میں فرق ہے۔

حدیث حاصل کرنے والوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرو

(۲۰۲/۱۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا یَاْتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّھُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِھِمْ خَیْرًا ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ۳۰ حدیث رقم ۲۶۵۰۔وأخرجه ابن ماجة فی مقدمته ۱/ ۹۱ حدیث ۲۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک لوگ تمہارے یعنی صحابہ کے تابع ہیں اور کثیر تعداد میں لوگ تمہارے پاس دین کا علم حاصل کرنے کے لئے اطراف عالم سے آئیں گے۔لہٰذا جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ بھلائی اور شفقت کا معاملہ کرنا۔اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خصوصی نصیحت اور وصیت فرمائی۔ کہ جب میرا دنیا سے انتقال ہو جائے گا تو پھر دنیا والوں کے امام اور راہنمائی تم لوگ ہی کرو گے۔ پھر اس عالم اور کائنات کے جوانب اور اطراف سے لوگ تمہارے پاس دین کا علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے اور میری احادیث کو حاصل کرنے کا جذبہ لے کر آئیں گے لہٰذا ان کے ساتھ شفقت محبت اور خیر کا برتاؤ کرو اور اچھی طرح ان کی تربیت کرو۔ تاکہ ان کا دل و دماغ دین کے علم سے منور ہو جائے۔

اور حدیث کے آخری جملہ فَاسْتَوْصُوْابِهِمْ خَيْرًا کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے بارے میں وصیت قبول کرلو اور ان کے ساتھ شفقت کرو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ جب اطراف عالم سے لوگ تمہارے پاس آجائیں تو ان کو خیر اور نیکی کی وصیت کرتے۔ اس میں غفلت اور کوتاہی ہرگز نہ کرو اور اچھی طرح ان کی تربیت کرو۔ تاکہ ان کے قلوب منور ہوں۔

حکمت کی بات مؤمن کا گم کردہ متاع ہے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے

(۲۰۳/۱۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيْمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔ (رواه الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذاحدیث غریب وابراهیم بن الفضل الراوی يُضَعَّفُ فِی الحدیث)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٤٩حدیث رقم ٢٦٨٧ـوأخرجه السنن بنفس اللفظ ٢/١٣٩٥حدیث رقم ٤١٦٩وتکلم الترمذی فی مسنده۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دانائی اور حکمت کی بات دانش مند آدمی کا گم کردہ سامان ہے جو اس کو مطلوب ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ جہاں اس کو پالے وہ اس کا حق دار ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن فضل راوی کو روایت حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے انتہائی قیمتی نصیحت ارشاد فرمائی ہے۔ کہ حکمت اور دانائی کی بات فقاہت اور علم کی بات ایک سمجھ دار اور عقلمند دانش مند آدمی کا متاع گم کردہ ہے اور وہ اس کو مطلوب ہوتا ہے۔ جہاں سے بھی اور جس سے بھی حاصل ہو جائے۔ جب بھی انسان کوئی عقلمندی اور حکمت کی بات سنے تو فی الفور اس کو قبول کرلے کیونکہ یہی چیز انسان کی ترقی اور کامیابی کی علامت ہے اور ایسا انسان انتہائی بے وقوف احمق اور تنگ ظرف ہوگا جو کسی کو چھوٹا سمجھ کر اور حقیر جان کر اور کم رتبہ گردان کر اس فائدے اور حکمت کی بات کو حاصل نہ کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ تو بڑی بات اور چھوٹے منہ کے مترادف ہے اسی وجہ سے اہل علم حضرات نے فرمایا ہے کہ کوئی حق بات کو قابل اعتبار اور اس کی حیثیت کو تسلیم کرے جو حضرت بایزید بسطامی جیسی شخصیات سے منقول ہو اور اگر وہی بات کسی باندی سے منقول ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہ جانے۔ ایسی سوچ اور خیال رکھنے والا شخص متکبر ہوگا

ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے

(۲۰۴/۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔

(رواه الترمذی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٤٦حدیث رقم ٢٦٨١ـوقال غریب لا نعرفه الامن هذا الوجه۔ وأخرجه ابن ماجة ١/٨١ حدیث رقم ٢٢٢۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک فقیہ یعنی دین کا عالم شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دین کے ایک عالم کو شیطان کے لئے ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے مکروفریب اور مکائد سے عالم دین اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔وہ اس کے تمام مکروں کو جانتا ہے اور تلبیس ابلیس کے تمام طریقوں کو جانتا ہے کہ شیطان ان طریقوں سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔عالم دین ان سے واقف ہونے کی وجہ سے خود بھی بچتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی تلبیس ابلیس کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتا رہتا ہے تاکہ وہ بھی شیطان کے مکائد سے بچ جائیں۔ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم دائم رہیں۔بخلاف عابد اور صوفی کے کہ اس کی تمام زندگی کا انحصار صرف عبادت پر ہوتا ہے۔علم سے بہت دور اور عاری ہوتا ہے۔وہ صرف ریاضت' مجاہدہ نفس میں مشغول رہتا ہے اور تلبیس ابلیس کے چور دروازوں سے واقف نہیں ہوتا اور شیطان اس کی عبادت میں خلل ڈالتا ہے اور کوشش کر کے پوری عبادت کو ناکارہ کر دیتا ہے ظاہری طور پر اگر چہ وہ عبادت میں مصروف ہوتا ہے۔مگر صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ تلبیس ابلیس کا شکار رہتا ہے۔اس لئے عابد نہ تو خود شیطان کے مکائد سے محفوظ ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو اس کی ضلالت سے بچا سکتا ہے۔

اسی لئے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک عالم شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ شیطان کے مقابلہ کے لئے ایک ہزار عابد جتنی طاقت رکھتے ہیں۔تنہا ایک عالم اتنی طاقت رکھتا ہے۔کیونکہ شیطان جب لوگوں پر اپنی تلبیس کا جال ڈالتا ہے اور سبز باغ دکھا کر ضلالت میں گرفتار کرتا ہے۔تو عالم اس کے طور وطریق کو جان لیتا ہے۔چنانچہ وہ اس کے دھوکہ اور مکر کو ظاہر کر دیتا ہے۔بخلاف عابد کے کہ وہ شیطان کے مکروفریب کو جاننے کے بجائے اس کے برعکس بسا اوقات تلبیس ابلیس کو اپنی بزرگی کی علامت بنا لیتا ہے۔ویسے بھی حکماء کے نزدیک ایک مسلّم شدہ ضابطہ ہے کہ جو انسان اپنے بد مقابل کے مکروفریب سے واقف ہوتا ہے وہ اس سے نقصان نہیں اٹھاتا۔کیونکہ واقف ہونے کی وجہ سے وہ اس کا توڑ جانتا ہے۔

واقعہ: حضرت حاجی امداد اللہؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحبزادہ تعلیم حاصل کرنے سے کتراتا تھا۔والدین کی مکمل کوشش تھی کہ وہ تعلیم حاصل کرلے۔بالآخر والدین نے عاجز آکر کہا جو مرضی ہے کرو۔چاہے یہاں رہ کر تعلیم حاصل کرو یا چلے جاؤ۔وہ فوراً ہی نکل گیا اور اتفاق سے خارج ہوتے ہی ایک مسجد میں چلا گیا وہاں کوئی صوفی صاحب وضو کر رہے تھے۔انہوں نے ایک آنکھ اور ناک کا ایک سوراخ بند کیا ہوا تھا اس نوجوان نے اس کی وجہ دریافت کی۔صوفی نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ میرے نفس نے خوشبو کی خواہش کی تو میں نے اس کی اصلاح اور تربیت کے لئے بدبو کی بتی بنا کر ناک میں رکھ لی اور آنکھ کو اس لئے بند کیا ہے کہ جب قدرت کا مشاہدہ ایک آنکھ سے ہوسکتا ہے تو دوسری آنکھ کی کیا ضرورت۔اس نوجوان کو ضروری مسائل معلوم ہی تھے۔اس نے صوفی سے کہا اس طرح تو وضو نہیں ہوتا،اس صوفی نے کہا کہ بھائی تمہارے علم سے مجھے بڑا فائدہ ہوا ہے جاؤ جاکر علم حاصل کرو۔

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

(۲۰۵/۲۰)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَ الذَّهَبَ (رواه ابن ماجة وروى البيهقى فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ اِلٰى قَوْلِهٖ مُسْلِمٍ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مَتْنُهٗ مَشْهُوْرٌ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ وَقَدْ رُوِىَ مِنْ اَوْجُهٍ كُلُّهَا ضَعِيْفٌ)۔

أخرجه ابن ماجة ١/٨١حديث رقم ٢٢٤۔والبيهقى فى شعب الايمان لعند لفظ "مسلم"٢/٢٥٤حديث رقم١٦٦٦۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ چاہے مرد ہو یا عورت اور نا اہل کو علم کی تعلیم دینا ایسے ہے جیسے کوئی شخص خنزیر کے گلے میں جواہرات' موتی اور سونے کا ہار ڈال دے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے اس روایت کو شعب الایمان میں لفظ۔ مسلم۔ تک نقل کیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور یہ حدیث مختلف سندوں سے نقل کی گئی ہے اور وہ سب ضعیف ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے علم کی قدر و منزلت اور اہمیت کو واضح کر دیا ہے کہ ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے چاہے مرد یا عورت ہو۔ کیونکہ انسان کو اس دنیا میں خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجا گیا ہے اور خلافت الہیہ کا مقصد علم کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ علم کے بغیر انسان کو نہ تو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی اپنی اصلیت اور حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔

اور یہاں علم سے مراد دین کا اور وحی کا علم ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن وسنت کا علم ہے اور علم کی ضرورت انسان کو ہر مرحلے میں ہوتی ہے مثلاً سب سے پہلے جب انسان میں شعور پیدا ہوتا ہے تو ضرورت ہے اس بات کی انسان اپنے خالق اور مالک کو جان لے۔ اس سے اللہ کی ذات کی معرفت کا نور حاصل ہوگا۔ جس سے انسان کا دل و دماغ منور ہو جائے گا۔ اس سے ظلمت اور کجروی کے راستے مسدود ہو جائیں گے اس کے بعد پھر ذات رسالت اور نبوت کی معرفت ہے اس کے بعد ضروری اور بنیادی عقائد اسلام کا علم۔ اس کے بعد فرائض اسلام اور احکام اسلام کا علم مثلاً نماز' زکوٰۃ' رمضان' حج وغیرہ کا علم۔ اس کے بعد جب شادی کا مرحلہ آئے گا تو نکاح کے مسائل۔ حیض و نفاس' طلاق' تربیت اولاد وغیرہ کے مسائل اسی طرح بیع وشراء' زراعت اور دیگر عقود اور معاملات کے مسائل الغرض از ابتداء تا انتہاء انسان کو علم کی شدید ضرورت ہے۔ تاکہ حلال و حرام جائز و ناجائز' صحیح اور فاسد وغیرہ کا علم ہو تاکہ انسان کا ہر قول اور فعل شریعت مطہرہ کے مطابق ہو اور خلاف شرع امور سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

اور بعض علماء کے نزدیک یہاں علم سے مراد اخلاص نیت اور نفس کی آفات کی معرفت ہے مطلب یہ ہوگا کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے لازم ہے کہ وہ نفس کی جملہ خرابیوں سے آگاہ ہو جیسے کینہ' حسد' بغض' عداوت' تکبر' برے عقائد اور فاسد خیالات ان سب مفاسد نفس سے مطلع ہو۔

اور اس حدیث میں غیر اہلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو طالب درہم و دینار ہوں اور خواہشات نفسانیہ کے متبع ہوں۔ اہل بدعت اور نالائق لوگ ہوں جو علم دین کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کو علم سکھانا علم کی ناقدری ہے ایسے لوگوں کو علم پڑھانا خنزیر کے گلے میں جواہرات' موتیوں اور سونے کا ہار ڈالنے کے مترادف ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم دین کی روشنی ان لوگوں کا مقدر اور نصیب ہے جو اس کے اہل ہوں۔ جن کا علم حاصل کرنے کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ جس کے اندر جس قدر اہلیت' قابلیت' صلاحیت اور طلب ہوتی ہے اتنا ہی وہ علم حاصل کرتا ہے۔ ہر ایک اپنی استعداد اور معیار کے مطابق علم حاصل کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک کو اس کی قابلیت کے مطابق علم کی تعلیم دی جائے۔ یعنی اگر کسی آدمی کی استعداد اور فہم کی صلاحیت کم ہو تو اس کو اعلیٰ اور ارفع قسم کا علم نہ سکھایا جائے۔ اسی طرح جو علم موقع محل کے مطابق ہو تو اس کی تعلیم دی جائے اگر کوئی جہلاء کے سامنے معرفت الٰہی اور تصوف کی جملہ باریکیوں اور نکات کو بیان کرنا شروع کر دے۔ تو ممکن ہے کہ فائدہ کے بجائے الٹا خسارہ ہو جائے۔

منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوسکتیں اچھی خصلت اور دین کی سمجھ

(۲۱/۲۰۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٤٨ حديث رقم ٢٦٨٤ وقال غريب لا نعرفه الا من حديث ابن أيوب العامري ولا أدري كيف هو۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں ایک اچھے اخلاق اور دوسری دین کی سمجھ۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ کامل اور صحیح مسلمان میں دو صفتیں ہونی چاہئے ایک اچھے اخلاق اور دوسری دین کی سمجھ۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان دو صفتوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرے اس حدیث میں اچھے اخلاق سے مراد یہ ہے کہ انسان مخلوق کے لئے مجسمہ خیر بن جائے۔ بھلائی اور آسانی ذریعہ بن جائے گا اور یہ دو وصف اور خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ یہ ایمان کامل کی علامت ہیں اور منافق ان دو صفتوں کا اہل نہیں ہے حضرت علامہ توربشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تفقہ فی الدین سے مراد یہ ہے کہ دین کی صحیح قدر اور حقیقت دل میں پیدا ہوجائے اور اس کی وجہ سے اللہ کی معرفت اور رسول اللہؐ کی صداقت اور قرآن کی حقانیت حاصل ہو اور اسکے نتیجہ میں اللہ کی یاد خوف خدا اور تقویٰ حاصل ہوجائے۔

طالبعلم اللہ کے راستہ میں ہوتا ہے

(۲۲/۲۰۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَرْجِعَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٢٩ حديث رقم ٢٦٤٧ وقال حسن غريب۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی علم حاصل کرنے کیلئے اپنے گھر سے نکلا وہ جب تک واپس نہ آجائے وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے طالبعلم کی فضیلت بیان کی ہے کہ جب کوئی آدمی علم طلب کرنے کے لئے سفر کرتا ہے۔ اپنا گھربار۔ عزیز واقارب اور والدین کو چھوڑ کر دین کا علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے۔ چاہے وہ فرض عین کا سفر ہو یا فرض کفایہ کا سفر ہو تو وہ طالبعلم مجاہد فی سبیل اللہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ یعنی جو ثواب اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کو ملتا ہے وہی ثواب طالبعلم کو ہوتا ہے جب تک طالبعلم سفر سے گھر واپس نہیں لوٹتا۔ تو یہ اللہ کے راستے میں شمار ہوتا ہے کیونکہ طالبعلم علم حاصل کرنے کے سفر میں بہت بڑی تکالیف اور مشقتیں برداشت کرتا ہے محنت اور کوشش کی وجہ سے اس کو مجاہد فی سبیل اللہ والا ثواب ملتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مشقت اور محنت کی وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے اور اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب طالبعلم تحصیل علم سے فارغ ہو کر اپنے گھر واپس آجاتا ہے۔ تو اس سے بھی زیادہ مقام اور درجہ حاصل کرلیتا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ علم حاصل کرکے اور فارغ التحصیل ہو کر واپس آجاتا ہے۔ تو اب وہ ایک مبلغ، مدرس، واعظ، خطیب اور مربی بن کر آتا ہے اب وہ دین کے علم کی روشنی پھیلاتا ہے اور لوگوں کی اصلاح اور تربیت کرتا ہے۔ اور اب وہ انبیاء کا وارث کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ اب مشن انبیاء کا امین بن کر آیا ہے۔

اور اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء کرام نے زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ کے مصرف میں مجاہدین اسلام کے ساتھ دین کے طلباء کو بھی داخل اور شامل کیا ہے۔

علم حاصل کرنا گناہ کا کفارہ ہے

(۲۳/۲۰۸)وَعَنْ سَخْبَرَةَ الْاَزْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا۔ (مَضٰى رواه الترمذی والدارمی وقال الترمذی هذاحديث ضعيف الاسناد وابو داود الراوی يضعف)

اخرجه الترمذی فی السنن ۲۹/۵حديث رقم ۲۶۴۸۔ وقال حديث ضعيف الاسناد واخرجه الدارمی فی السنن ۱۴۹/۱حديث رقم ۵۶۱۔

ترجمہ: حضرت سخبرہ ازدیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی علم حاصل کرتا ہے تو اس کے گزشتہ گناہوں کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے یعنی صغیرہ گناہوں کے لئے اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند کمزور ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے ابوداؤد اس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے علم حاصل کرنے کی فضیلت بیان کی ہے کہ علم حاصل کرنے سے انسان سے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ اگر توبہ بھی کر لی جائے تو پھر کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

اور یہ بھی حاشیہ ذہن میں رہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کی سند میں جس ابوداؤد راوی کو ضعیف قرار دیا ہے اس سے مراد صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد شریف کے مصنف نہیں ہیں۔

مؤمن علم سے سیر نہیں ہوتا

(۲۴/۲۰۹) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ يَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَّسْمَعُهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۴۹/۵ حديث رقم ۲۶۸۶ وقال حسن غريب۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن عالم حاصل کرنے سے سیر نہیں ہوتا وہ اس کو سنتا یعنی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء جنت ہوتی ہے اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مؤمن اپنی زندگی کے آخر تک علم حاصل کرتا رہتا ہے۔ علم کو حاصل کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور اس حدیث میں اہل علم کے لئے بہت بڑی بشارت ہے کہ ایسے لوگ اس دار فانی سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی سے ان پہ یہ دامن ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض اللہ والے اپنی زندگی کے آخر تک علم حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کو اللہ کی طرف سے اعلیٰ درجہ کی فضیلت وعظمت اور شرافت حاصل ہوتی ہے پھر بھی علم کے حریص ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ علم کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ اپنے بہت سے امور کو شامل ہے اور حاوی ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو

تالیف وتصنیف اور تعلیم وتعلم میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ بھی درحقیقت طلب علم میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان کو وہ ثواب بھی ملتا ہے جو تحصیل علم کا ہے اور وہ ثواب بھی ملتا ہے جو اشاعت دین کا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنا ایمان کا خاصہ ہے اور ایمان نور ہے اور ایمان نورانی علم کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جب انسان کا دل ودماغ ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ تو اس کی وجہ سے انسان ترقی درجات معرفت الٰہی کی معراج کی انتہاء تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤمن کبھی علم سے سیر نہیں ہوتا۔ وہ جوں جوں علم کے مقام عالی کو حاصل کرتا ہے۔ مزید اس کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ وہ اس کی آخری حدود تک پہنچ جائے اگرچہ علم کے میدان کی وسعت اور کشادگی اس قدر ہے کہ انسان اپنی تمام زندگی پوری کوشش کے ساتھ حاصل کرنے میں منہمک رہے پھر بھی اس کی آخری حدود تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر اس کے باوجود ساری زندگی علم حاصل کرنے کی محنت اور تلاش میں رہتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے آخر تک علم حاصل کرنے کے دامن سے وابستہ رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی زندگی اپنے مقررہ وقت پر اختتام پذیر ہو جاتی ہے اور اس کو ان کوششوں کے صلہ میں جنت کی ابدی نعمتیں اور جنت کی سعادتوں سے نوازا جاتا ہے۔

علم چھپانے والے کو قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی

(۲۱۰/۲۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ اُلْجِمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ۔ (رواہ احمد وابوداود والترمذی ورواہ ابن ماجۃ عن انس)

اخرجہ احمد فی المسند ۲۶۳/۲۔ واخرجہ ابوداوٗد فی السنن ۶۷/۵ حدیث رقم ۳۶۵۸ واخرجہ الترمذی فی السنن ۲۹/۵ حدیث رقم ۲۶۴۹ وقال حدیث حسن۔ ولابن ماجۃ نحوہ ۹۶/۱ حدیث رقم ۲۶۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اور وہ اس کو جانتا تھا۔ مگر اس نے اس کو چھپایا یعنی بتایا نہیں تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ اس حدیث کو امام احمدؒ امام ابوداوٗدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو حضرت انسؓ نے نقل روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس عالم کے لئے شدید وعید ذکر کی ہے جس نے علم کی بات چھپائی ہو۔ کہ امور دین معلوم ہونے کے باوجود لوگوں کو نہ بتائے اور کوئی آدمی ضرورت مند ہو اور سائل ہو اور وہ عالم اس کے باوجود لوگوں کو نہ بتائے اور یہ وعید اس علم کے بارے میں ہے کہ جس کی تعلیم ضروری اور واجب ہو۔ مثلاً اگر کوئی غیر مسلم مسلمان ہونے کا ارادہ کرے اور اسلام کے بارے میں آگاہ کرو اور مجھے بتاؤ کہ اسلام کیا چیز ہے یا کوئی انسان نماز کے بارے میں دریافت کرے کہ نماز کیا چیز ہے اور نماز کے مسائل کیا ہیں؟ یا کوئی آدمی کسی عالم سے حلال وحرام کے بارے میں فتویٰ طلب کرے۔ تو ایسی صورت حال میں عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح مسائل لوگوں کو بتائے اور یہ حکم مشروط ہے ساتھ تین شرائط کے۔

① یہ عالم دین مسائل بتانے کے لئے متعین ہو اور وہاں اس کے علاوہ دوسرا کوئی عالم نہ ہو۔

② مذکورہ وعید اس وقت ہے جب کہ اس عالم کو وہ مسئلہ معلوم ہو اور علم کے باوجود اس کو چھپا رہا ہو۔

③ معلوم ہوا کہ مستحبات اور نوافل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

غلط نیت سے علم حاصل کرنے والا جہنم میں داخل ہوگا

(۲۶/۲۱۱)وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ . (رواه الترمذی ورواه ابن ماجة عن ابن عمر)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳۲/۵حدیث رقم۲۶۵۴وقال حدیث لا نعرفه الا من هذا الوجه واسحاق بن یحی بن طلحة لیس بذاك القوی عندهم۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جس آدمی نے علم اس نیت سے حاصل کیا کہ علم کے ذریعہ سے علماء پر فخر کرے۔ بیوقوفوں سے جھگڑے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

تشریح ❀ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے غلط نیت سے علم حاصل کرنے والے کے لئے وعید ذکر فرمائی ہے۔ کہ ایسا انسان جہنم میں داخل ہوگا۔ علم نور ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور علم حاصل کرنے سے انسان کی ظاہری اور باطنی کیفیت میں انقلاب پیدا ہوتا ہے اور علم رسول اللہ ﷺ کی نیابت اور وراثت ہے اس کے ذریعہ سے مخلوق کا دل ودماغ منور ہوتا ہے اور عالم دین کا تحصیل وتبلیغ علم سے یہی مقصود ہونا چاہئے اگر اس عظیم الشان غرض وغایت کے علاوہ اگر کوئی علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ علم حاصل کر کے علماء سے مناظرہ کرے۔ ان سے مقابلہ مکابرہ اور مجادلہ کرے اور عام لوگوں سے جھگڑا کرے اور اس کی تحصیل علم سے غرض ہی صرف یہ ہو کہ لوگوں سے مناظرہ، مقابلہ اور مجادلہ وغیرہ کرنا ہے۔ علم کے ذریعہ سے اپنی شخصیت کا وجود منوانا مقصود ہو۔ تا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور لوگوں پر اس کی سرداری قائم ہو جائے اور اپنے مقابلے میں دوسروں لوگوں کو ذلیل اور حقیر سمجھا جائے ایسے انسان کی حقیقت کے ہاں کوئی حیثیت اور مقام نہیں ایسا انسان حقیقت میں جاہل اور جہنم کا ایندھن ہے ہاں البتہ اگر اس نے علم اچھی نیت سے حاصل کیا اور پھر احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے باطل سے مناظرہ وغیرہ کی نوبت آگئی تو یہ ممنوع نہیں اور نہ ہی یہ اس حدیث کا مصداق ہے۔ بلکہ یہ از روئے شرع جائز محمود بلکہ مطلوب ہے۔

دنیا کے لئے علم حاصل کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا

(۲۷/۲۱۲)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِیْ رِيْحَهَا۔ (رواه احمد وابوداود اوابن ماجة)

أخرجه احمد فی المسند ۳۳۸/۲؛ وأخرجه ابوداوٗد فی السنن ۷۱/۴حدیث رقم ۳۶۶۴وأخرجه ابن ماجة ۹۲/۱ حدیث رقم۲۵۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا علم کو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے حاصل کیا جاتا ہے اور جس نے اس کو اس غرض اور مقصد کے لئے سیکھا کہ وہ اس کے ذریعہ دنیا کا مال ومتاع حاصل کرے تو قیامت کے دن اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی اس حدیث کو امام احمدؒ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کے لئے وعید ذکر فرمائی ہے جو علم کو حاصل کرے دنیا کے ساز وسامان کے لئے، مال ومنال کے لئے۔ ہاں البتہ دنیاوی علوم اور فنون دنیا کا مال ومتاع حاصل کرنے کے لئے سیکھتا ہے اور اپنی معاش کا ذریعہ بناتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ علم اور فن شریعت کے خلاف نہ ہو جیسے علم النجوم وغیرہ۔ یا ایسے فنون اور علوم جو عقیدہ اور عمل کے فساد کو مستلزم ہوں۔

ہاں البتہ اس حدیث سے ایک اشکال لازم آتا ہے وہ یہ کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا۔ بظاہر یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ آدمی کافر ہو گیا ہے۔ حالانکہ شرعی اصول اور ضابطہ کے مطابق اس سے آدمی کافر تو نہیں ہو جاتا اس کا حل تین وجوہ سے ہے۔

① اس حدیث میں دخول سے مراد دخول اوّلی ہے کہ اول مرحلے میں وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ بلکہ عذاب اور سزا یافتہ ہونے کے بعد جنت میں جائے گا۔

② جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے علم حاصل کیا ہو گا وہ قیامت کے دن میدان محشر میں جنت میں داخل ہونے سے قبل ہی جنت کی خوشبو سونگھ لے گا۔ ان کے مسامات کھلے ہوں گے اور حشر میں ہی جنت کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں گے اور جس نے علم کو حاصل کیا ہو دنیاوی اغراض اور مفاد کے لئے اور اس میں اللہ کی رضا کا کوئی دخل نہ ہو تو ان کے مسام بند ہوں گے لہٰذا وہ میدان محشر میں جنت کی خوشبو سونگھنے سے محروم ہوں گے۔

③ تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حدیث تشدید اور تہدید پر محمول ہو۔ اس صورت میں یہ حدیث مبالغہ فی التوبیخ پر محمول ہو گی۔

حدیث یاد کرنے والے کے لئے بشارت

(۲۸/۲۱۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ ثَلَاثٌ لَا يَغُلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ (رواہ الشافعی والبیھقی فِی الْمَدْخَلِ ورواہ احمد والترمذی وابوداود وابن ماجۃ والدارمی عن زید بن ثابت الا ان الترمذی و ابا داود لَمْ يَذْكُرَا ثَلَاثٌ لَا يَغُلُّ عَلَيْهِنَّ اِلٰى اٰخِرِهٖ......)۔

اخرجہ الترمذی فی السنن ۵/۳۴ حدیث رقم ۲۶۵۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر و تازہ رکھے۔ یعنی اس کی بہت قدر و منزلت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو دین و دنیا کی خوشی اور مسرت کے ساتھ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی اور اس کو یاد کیا اور یاد رکھا اور اس کو جس طرح سنا بعینہ اسی طرح لوگوں تک پہنچایا۔ کیونکہ بعض علم دین کو حاصل کرنے والے فقیہ یعنی سمجھدار نہیں ہوتے اور بعض علم حاصل کرنے والے ان لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ جو ان سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوتے ہیں اور تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں مسلمانوں کا دل خیانت نہیں کرتا ایک تو یہ کہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کرنا۔ تیسرا یہ کہ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا اسلئے کہ جماعت کی دعا ان کو چاروں اطراف سے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے امام شافعیؒ اور

امام بیہقیؒ نے مدخل میں اور اس کو روایت کیا ہے امام احمدؒ امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ امام ابن ماجہؒ اور امام دارمیؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے۔ مگر اس میں امام ترمذی اور امام ابوداؤد ثلاث لَا یَغُلُّ عَلَیْهِنَّ سے آخر تک کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا فرمان اور حدیث یاد کرنے والے یاد رکھنے والے اور دوسروں تک پہنچانے والے کے لئے عظیم خوشخبری ذکر فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو تروتازہ رکھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کو یاد رکھنے والا شخص بسا اوقات اتنا زیادہ سمجھدار اور عقلمند نہیں ہوتا اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث کو یاد رکھنے والا شخص ہوتا تو سمجھدار ہے مگر اس کے مقابلے میں دوسرا آدمی جس کے سامنے حدیث بیان کی جائے وہ زیادہ سمجھ اور عقل رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسرا شخص اس حدیث کو آگے پہنچانے میں اول کے مقابلے میں زیادہ بہتر ثابت ہوگا اور وہ جس کے سامنے اس حدیث کو بیان کرے گا وہ اس کو اچھی طرح سمجھ جائے گا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث کے راویوں کو حدیث جس طرح معلوم ہو۔ بعینہ ان الفاظ کے ساتھ اس کو یاد کیا جائے اور یاد رکھا جائے اور اسی طرح آگے اس کی تبلیغ کی جائے۔

لَا یَغُلُّ: اس لفظ کے اندر دو احتمال ہیں۔

① بفتح الیاء اور بکسر الغین ہو اور یہ مشتق غل سے اس کا معنی ہے حسد اور کینہ۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق کسی مسلمان کے دل میں کسی قسم کا حسد اور کینہ باقی نہیں رہ سکتا ہے اور کوئی مسلمان ان امور کے متعلق کوتاہی نہیں کر سکتا۔

② بضم الیاء و بکسر الغین۔ باب افعال سے نفی کا صیغہ ہوگا اور مشتق ہے غلول سے اس کا معنی ہے مال غنیمت میں خیانت کرنا۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اشیاء ثلاثہ کے اندر مسلمان کا دل خیانت نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان اشیاء ثلاثہ کی دعوت و تبلیغ میں ہر مسلمان حتی المقدور محنت اور کوشش کرتا ہے۔

اشیاء ثلاثہ: اس حدیث میں جن اشیاء ثلاثہ کو ذکر کیا گیا ہے ان کی مراد کو معلوم کرنا ضروری ہے۔

① اخلاص عمل: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان جو بھی عمل کرے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے کرے اس کے علاوہ دوسری کوئی غرض و غایت اور مقصد نہ ہو۔ کوئی دنیاوی مفاد اور غرض اس سے وابستہ نہ ہو۔ صرف اور صرف رضاء الٰہی مقصود نظر ہو اور لوگوں کے عموماً اس اعتبار سے تین درجات ہیں اعلیٰ متوسط اور ادنیٰ ہر ایک کا اخلاص عمل جدا جدا ہوگا۔ سب سے اعلیٰ درجہ کا اخلاص مقربین کا ہوگا۔ پھر متوسط طبقہ کا اور پھر ادنیٰ درجہ کے لوگوں کا۔

② مسلمانوں کی خیر خواہی: اس سے مراد یہ ہے کہ حتی الامکان اپنے مسلمان بھائیوں کو خیر اور بھلائی کے امور کی تلقین کرتے رہنا اور ان کو صراط مستقیم پر لگانے کی محنت کرنا اور دنیاوی امور اور حوائج میں اور ضروریات زندگی میں ان کی اعانت کرتے رہنا اور ہر مشکل گھڑی میں ان کے ساتھ معاونت کرنا۔

③ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا یعنی انسان اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اجتماعیت کے اصولوں پر کاربند رہے اور جماعت کو چھوڑ کر کبھی انفرادیت کے زندگی نہ گزارے۔ تمام عقائد اور اعمال میں اہل حق کے راستہ کا اتباع کرے اور اجتماعی اعمال میں ہمیشہ جماعت کو لازم پکڑے جیسے نماز باجماعت، نماز جمعہ، نماز عیدین وغیرہ۔ اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت ظاہر ہوگی اور مسلمان سواد اعظم ہوں گے اور اس اجتماعیت سے اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوگی اور ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت برکت اور فضل کے مستحق ہوتے ہیں۔

مِنْ وَرَآئِهِمْ: اس جملہ میں مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یہ لفظ بفتح المیم ہے اور بعض نسخوں میں بکسر المیم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا

کہ شیطان کے دھوکہ اور خباثت سے بچنے کے لئے جماعت کو مسلمانوں کی دعا گھیرے ہوئے ہے۔ جس کی وجہ سے وہ شیطان کی ضلالت سے بچتے ہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے اس کو لزوم جماعت کی برکت اور رحمت نصیب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہر مسلمان کو قلبی طور پر اطمینان جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے اور وابستہ اور منسلک رہنے سے جماعت کی دعاؤں کا مستحق ہوتا ہے۔

حدیث کے سامع اور مبلغ کے لئے بشارت

(۲۹/۲۱۴) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی لَہٗ مِنْ سَامِعٍ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ ورواہ الدارمی عن ابی الدرداء)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٣٣ حدیث رقم ٢٦٥٧۔ وقال حدیث حسن صحیح وأخرجه ابن ماجة فی السنن ١/٨٥ حدیث رقم ٢٣٢۔ وأخرجه أحمد فی المسند ١/٤٣٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تر و تازہ رکھے یعنی خوش و خرم رکھے کہ جس نے مجھ سے کوئی بات سنی اور جس طرح سنی بالکل اسی طرح دوسروں تک پہنچا دی۔ کیونکہ اکثر اوقات جن لوگوں تک بات پہنچائی جاتی ہے۔ وہ سننے والے کے مقابلے میں زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام دارمیؒ نے اس حدیث کو حضرت ابوداؤدؓ سے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حدیث کے سامع اور مبلغ کے لئے دعا فرمائی ہے کہ جو آدمی حدیث کو سنے اور اس حدیث پر عمل کرے اور دوسرے لوگوں تک اس حدیث کو پہنچائے اللہ تعالیٰ اس انسان کو تر و تازہ رکھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو انسان حدیث کو سنے۔ اس کے مقابلے میں اکثر اوقات دوسرے لوگ زیادہ فہم اور فراست والے ہوتے ہیں وہ اس کو سن اور سمجھ کر اعلیٰ اور اکمل طریقہ سے دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور یہ انسان کیلئے باعث سعادت اور برکت ہے اور اس پر اہل علم کا اعتقاد ہے کہ حدیث رسول کا تعلم اور تعلیم دارین میں فلاح اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے اور اسکا اندازہ اس حدیث میں مذکور دعا سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

جھوٹی حدیث بیان کرنے سے بچو

(۳۰/۲۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِتَّقُوا الْحَدِیْثَ عَنِّیْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجۃ عن ابن مسعود وجابر ولم یذکر) اِتَّقُوا الْحَدِیْثَ عَنِّیْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/١٨٣ حدیث رقم ٢٩٥١ وزاد "من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار" وقال حدیث حسن۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے حدیث بیان کرنے سے بچو۔ مگر صرف اس حدیث کو بیان کرو جس کے متعلق تمہیں یقین ہو کہ یہ سچ ہے اور جس آدمی نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ کی نسبت کی۔ اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں تلاش کرے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے اور اس

میں حدیث کا ابتدائی حصہ۔ اِتَّقُوا الْحَدِیثَ عَنِّیْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ۔ کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کا انجام بیان کیا ہے۔ کہ اس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث بیان کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ جب انسان کو پوری تسلی اور یقین ہو جائے کہ یہ حدیث رسول ﷺ ہے پھر لوگوں کے سامنے بیان کرے۔ جب تک حدیث رسول ﷺ ہونے کا اطمینان نہ ہو۔ اس وقت تک لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔ صرف اس کو بیان کرنا چاہیے کہ جس کے بارے میں حدیث رسول ﷺ ہونے کا یقین یا غلبہ ظن ہو۔ ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط نسبت ہو جائے کیونکہ جھوٹ اور غلط نسبت پر شدید وعید مذکور ہے۔

قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے والے کا انجام

(۲۱۶/۳۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ١٨٣/٥ حديث رقم ٢٩٥٠ وقال حديث حسن صحيح۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے اور عقل سے کی۔ اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں تلاش کرے اور دوسری ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں کہ جس آدمی نے بغیر علم کے قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں کچھ کہا اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں تلاش کرے اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی تفسیر بالرائے کرنے والے کا انجام بیان کیا ہے کہ جو انسان بغیر قطعی علم کے محض اپنی رائے اور عقل سے قرآن کی تفسیر کرے۔ وہ جہنمی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح حدیث رسول ﷺ میں احتیاط کا حکم ہے اسی طرح قرآن کریم کی تفسیر میں بھی احتیاط کا حکم ہے قرآن کی وہی تفسیر معتبر ہوگی جو صحیح احادیث سے ثابت ہو اور اہل حق علماء امت سے منقول ہو اپنی رائے اور عقل سے قرآن کریم کی تفسیر ہرگز نہ کی جائے۔ ورنہ جہنم کی آگ کا مستحق ہوگا۔

تفسیر بالرائے اگرچہ درست ہو پھر بھی خطاء ہے

(۲۱۷/۳۲) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ۔

(رواہ الترمذی و ابو داود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٦٣/٤ حديث رقم ٣٦٥٢۔ وأخرجه الترمذي في سننه ١٨٣/٥ حديث رقم ٢٩٥٢۔

ترجمہ: حضرت جندبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن کی تفسیر بالرائے کی اگرچہ صحیح اور درست ہو۔ تو پھر بھی اس نے غلطی کی اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے والے کی مذمت بیان کی ہے کہ جو آدمی محض اپنی رائے اور عقل سے قرآن کی تفسیر کرے جو کہ حدیث اور علماء مفسرین سے ثابت نہ ہو۔ ایسی تفسیر درست نہیں اگرچہ وہ اتفاقاً حدیث اور مفسرین کی صحیح تفسیر کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ اس کی تفسیر اگرچہ صحیح ہے۔ مگر اس میں اس کی رائے اور عقل کو دخل ہو گیا ہے اور قرآن کی تفسیر کا جو ضابطہ اور اصول ہے اس سے اعراض کیا ہے اور تفسیر کے مسلمہ اصول سے انحراف بھی ایک غلطی ہے۔

ہاں البتہ مجتہد کا اختلاف اس کے برعکس ہے اگر کوئی مجتہد اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا ہو جائے تو پھر ایک اجر ملتا ہے اور اس پر اس کی گرفت اور مواخذہ نہیں ہوتا۔

سوال: تفسیر اور تاویل کس کو کہتے ہیں اور ان میں کیا فرق ہے؟

جواب: تفسیر اس کو کہتے ہیں کہ آیت کریمہ کا جو مطلب بیان کیا جائے۔ اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ آیت کا صحیح معنی اور مراد ہے اور وہ حدیث رسول اللہ ﷺ اور علماء امت سے منقول ہو۔

اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ آیت کا جو معنی اور مراد بیان کیا جائے۔ اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ممکن ہے جو تفسیر کی گئی ہے یہ صحیح اور درست ہو اور شریعت مطہرہ کے مطابق ہو۔

قرآن میں جھگڑنا کفر ہے

(۳۳/۲۱۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْاٰنِ كُفْرٌ. (رواه ابو داود و احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٢/٢٨٦۔ وأخرجه أبو داوٗد في السنن حديث رقم ٤٦٠٣۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام احمدؒ روایت کیا ہے۔

تشریح ⊛ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن میں جھگڑا کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کی آیت کے معانی اور مطالب کو متعین کرنے میں جھگڑتے رہتے ہوں اور ہر آدمی اپنی عقل میں آنے والی بات صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے کم فہم لوگوں کو جب قرآن کی آیات میں معنی اور مطلب کے اعتبار سے اختلاف نظر آتا ہے۔ تو وہ بعض آیات کو غیر مقبول قرار دے کر ناقابل استشہاد قرار دے کر دوسری آیات کو راجح قرار دیتے ہیں۔ گویا کہ وہ قرآن کی بعض آیات کو بعض دیگر آیات سے ساقط کر دیتے ہیں اور یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ایسا عمل شرعی ضابطہ اور اصول کے خلاف ہے اور عظیم جرم ہے جب دو آیتوں کے درمیان بظاہر تعارض معلوم ہو تو اس کے متعلق اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ رفع تعارض کے لئے ان کے درمیان تطبیق کی جائے اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو۔ تو پھر اپنی کم علمی اور کوتاہ فہمی جانتے ہوئے اس کی حقیقی اور اصلی مراد کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے۔ کہ اس کی اصل حقیقت اور مراد کو اللہ ہی جانتا ہے۔ جیسے اہل السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ خیر اور شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر دلیل قرآن کی یہ آیت ہے۔ قل کل من عند اللّٰه۔ اے محمد ﷺ آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اہل السنّت والجماعت کے اس عقیدہ کے مقابلے میں قدریہ کا عقیدہ ہے کہ خیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور شر کا خالق خود انسان ہے اور انہوں نے اپنے اس عقیدہ پر دلیل میں یہ آیت پیش کی ہے: ما اصابك من حسنة فمن اللّٰه وما اصابك من سيئة فمن نفسك۔ کہ جب آپ کو کوئی خیر اور بھلائی پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی اور شر پہنچے وہ آپ کے نفس کی طرف سے ہے اب ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے پہلی آیت کا عموم چاہتا ہے کہ ہر خیر اور شر کا خالق خیر اللہ ہے اور دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خالق خیر اللہ ہے اور خالق شر خود انسان ہے اب ان دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق کی جائے گی کہ پہلی آیت سے مراد یہ ہے کہ خالق خیر وشر اللہ تعالیٰ ہے اور تمام اشیاء تقدیر کے مطابق ہیں اور دوسری آیت میں منافقین کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ منافقین صحیح اور واضح بات کو بھی نہیں سمجھتے اور یہ کہتے ہیں کہ خیر تو من جانب اللہ ہے اور شر بندہ کی جانب سے ہے۔ اس تطبیق سے دونوں آیتوں کے درمیان سے

تعارض اور تضاد ختم ہو جائے گا۔

جب قرآن کی آیت کا معنی سمجھ نہ آئے تو علماء سے پوچھ لیا جائے

(۳۴/۲۱۹)وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ قَوْمًا يَتَدَارَؤُوْنَ فِي الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ وَاِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِّنْهُ فَقُوْلُوْا وَمَاجَهِلْتُمْ فَكِلُوْهُ اِلٰى عَالِمِهٖ . (رواه احمد وابن ماجة)

أخرجه أحمد فی المسند ۱۸۵/۲ـ ولابن ماجة نحوه ۳۳/۱ حدیث رقم ۸۵ـ

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قوم کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہیں اور بحث کر رہے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے بعض حصہ کو بعض پر مارا۔ یعنی کتاب اللہ کی آیات میں اختلاف اور تضاد ثابت کر دیا کہ فلاں آیت اس آیت کے خلاف ہے اور یہ آیت فلاں آیت کے مخالف ہے۔ لہٰذا تم قرآن کے بعض حصہ کی بعض کے ساتھ تکذیب نہ کرو اور اس کے بارے میں جتنا جانتے ہو اس کو آگے بیان کرو اور جس کو نہیں جانتے اس کو اس کے جاننے والے کی طرف حوالے کر دو۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہؐ نے قرآن کی آیات میں جھگڑا کرنے سے منع کیا ہے۔ کہ قرآن میں جھگڑا کرنا ہلاکت کا سبب ہے۔ جھگڑا کرنے سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں تضاد اور اختلاف پیدا کرنا کہ بعض کم فہم اور کج فہم لوگ اپنی نالائقی اور کوتاہ فہمی کی وجہ سے قرآن کی آیات میں اختلاف پیدا کر کے حق سے اعراض کر کے باطل پر ڈٹ جاتے ہیں ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اگر وہ قرآن کی آیات کو خود نہیں سمجھ سکتے۔ تو ان علماء سے دریافت کر لیا کریں جو راسخ فی العلم ہیں اور تفسیر کے علم سے واقف ہیں اگر خود تطبیق نہیں کر سکتے تو اپنی عقل کے گھوڑے ہرگز نہ دوڑائیں اور اس طرح کے اختلاف سے سابقہ دور کے لوگ بھی ہلاکت کا شکار ہوئے۔

قرآن سات لغات پر نازل ہوا

(۳۵/۲۲۰)وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ لِكُلِّ اٰيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ وَّلِكُلِّ حَدٍّ مُّطَّلَعٌ ۔ (رواه فی شرح السنة)

وقد أخرجه البزار والطبرانی فی الأوسط۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا قرآن سات لغات پر نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر آیت کے لئے ظاہر اور باطن ہے اور ہر حد کے لئے ایک خبردار ہونے کی جگہ ہے۔ شرح السنۃ۔

تشریح ۞ اس حدیث میں قرآن کریم کی سات لغات کو بیان کیا گیا ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر زبان میں فصاحت و بلاغت اور لب ولہجہ کے اعتبار سے مختلف انداز اور اسلوب ہوتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح قرآن کے نزول کے وقت اہل عرب میں سات مشہور لغات تھیں۔ ان کے بارے میں اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم سات لغات پر نازل کیا گیا ہے۔

① لغت قریش۔ ② لغت بنی طے۔ ③ لغت بنو تمیم۔

④ لغت ہوازن۔ ⑤ لغت اہل یمن۔ ⑥ لغت ثقیف۔

⑦ لغت ہذیل۔

ان سات قبائل کی لغات مختلف تھیں ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کی زبان اور لغت کو نہیں جانتا تھا اور قرآن کریم کو یاد کرنا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ کی طرف سے سات لغات میں پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

اس رخصت اور اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر لغت میں سات طریقوں سے پڑھنا جائز تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ مجموعی اعتبار سے لغات کی تعداد سات ہے اور ہر لغت کے لب ولہجہ کا انداز مختلف تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے دور تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا اور لوگ اپنی اپنی زبان اور لغت کے مطابق قرآن کو پڑھتے تھے جب حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کو جمع کیا اور اس کی کتابت کرا کے دنیا کے مختلف ممالک اور اطراف عالم میں بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے اس لغت کو مستقل قرار دیا جس پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن کریم کو جمع کیا تھا اور وہ قریش کی لغت تھی اور حضرت عثمانؓ نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ یہ لغت دیگر تمام لغات کے لئے ناسخ ہے اور دیگر تمام لغات منسوخ ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ سے مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے بہت بڑے فتنہ اور اختلاف کا استیصال ہو گیا ورنہ مسلمانوں کا آپس میں لغات کی وجہ سے بہت بڑا اختلاف پیدا ہوتا جب حضرت عثمانؓ نے تمام لوگوں کو ایک لغت پر جمع کر دیا تو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے آسانیاں ہو گئیں اور لغت قریش کے علاوہ صرف وہ لغت باقی رہی جس پر صحابہ کرام کا اتفاق رہا اور جو تواتر اور متصل سند کے ساتھ قراء سبعہ تک پہنچی اور اس کے علاوہ لغت۔ امالہ اور ادغام وغیرہ کا اختلاف بھی باقی رہا۔

اور دوسرے قول کے مطابق۔ سبعۃ احرف۔ سے مراد قراء سبعہ کی سات قراءتیں سات سے زیادہ ہیں مگر یہاں سات کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اختلاف کی بھی ممکنہ صورتیں سات ہی ہیں۔

① کلمہ کی ذات میں اختلاف ہو باعتبار زیادت اور نقصان کے۔
② افراد، تثنیہ اور جمع کا اختلاف ہو۔
③ تذکیر اور تانیث کا اختلاف ہو۔
④ صرفی اختلاف ہو باعتبار تخفیف، تشدید فتح اور کسرہ کے جیسے میت (بتشدید الیاء)
⑤ اعراب کا اختلاف ہو۔
⑥ حروف کا اختلاف ہو۔ جیسے لکن الشیطان میں نون کی تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ ہے۔
⑦ کلمات میں تلفظ اور ادائیگی کے اعتبار سے اختلاف ہو جیسے تفخیم اور امالہ وغیرہ۔

لِكُلِّ اٰيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ:

کہ ہر آیت کا ایک ظاہر اور باطن ہے اس کی مراد میں تین احتمالات ہیں:

① ایک یہ کہ ہر آیت کا ایک ظاہری معنی ہے اور ایک تاویلی اور باطنی معنی ہے تو تاویل باطن ہے اور ظاہر ظاہر ہے۔
② ثانی یہ کہ ہر آیت کا ایک ظاہری معنی ہے جو تمام اہل لسان اور علماء کرام جانتے اور سمجھتے ہیں دوسرا معنی باطنی ہے جس کو اہل باطن اور اہل معرفت وطریقت جانتے ہیں۔
③ ثالث یہ کہ ہر آیت کا ایک ظاہر ہے یعنی ان معانی کا تعلق اعمال ظاہرہ سے ہے اور ہر ایک آیت کا باطن ہے یعنی اس کا تعلق احکام باطنی سے ہے جس کو اہل باطن جانتے ہیں۔

وَّلِکُلِّ حَدٍّ مُّطَّلَعٌ: کہ ہر جگہ مطلع اور خبردار ہونے کی ایک جگہ ہے حد کا معنی ہے نہایت اور طرف اور مطلع اطلاع، خبر اور پہنچنے کی جگہ اور مقام کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ ہر آیت کے ظاہر اور باطن کی ایک حد ہے اور اس حد کا ایک ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان اس کی حد اور طرف تک پہنچ جاتا ہے۔

آیت کے ظاہر پر مطلع ہونے سے مراد یہ ہے کہ عربی زبان کے قواعد اور ضوابط کو حاصل کیا جائے جیسے مبادیات کا علم مثلاً صرف، نحو اور لغت وغیرہ شان نزول اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کا علم اور باطن پر اطلاع پانے سے مراد یہ ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ کر کے احکامات قرآنیہ پر عمل کیا جائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اپنے دل و دماغ کو منور کیا جائے تمام کبائر صغائر اور معصیت فسق و فجور وغیرہ سے اجتناب کیا جائے۔ تاکہ انسان کو باطنی علوم اسرار اور معارف کا انکشاف ہو۔ اور امام محی السنۃ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حدیث میں ظہر سے مراد قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور بطن سے مراد الفاظ کی تاویل ہے اور مطلع سے مراد فہم قرآن ہے جن میں انسان غور و فکر اور تدبر کر کے قرآن کے علوم، معانی، اسرار اور تاویل کو معلوم کر سکے۔

علم کی تین اقسام ہیں

(۲۲۱/۳۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ اٰيَةٌ مُّحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ۔ (رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

أخرجه أبو داود فی السنن مع تقدیم و تاخیر ۳۰۶/۳ حدیث رقم ۲۸۸۵ و کذلك ابن ماجة ۲۱/۱ حدیث رقم ۵۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم تین قسم کا ہے نمبر ۱ محکم نمبر ۲ سنت قائمہ نمبر ۳ فریضہ عادلہ۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے اس حدیث کو امام ابوداودؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم کی تین قسمیں ہیں۔

① آیت محکم اس سے مراد وہ آیات ہیں جو مستحکم اور غیر منسوخ ہوں اور آیات محکمات اصل کتاب ہیں اس لئے ان کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے اور مراد اس سے کتاب اللہ ہے۔

② سنت قائمہ۔ اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن کا متن صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اس جملہ سے سنت رسول اللہ کی طرف اشارہ ہے۔

③ فریضہ عادلہ۔ اس سے مراد وہ احکام اور مسائل ہیں جو اجتہاد کے ساتھ قرآن و سنت سے مستخرج ہوں اس جملہ سے قیاس اور اجماع کی طرف اشارہ ہے اس کو فریضہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے جس طرح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنا ضروری ہے اور عادلہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ قرآن و سنت کے مثل ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصول شرعیہ چار ہیں نمبر ۱ کتاب اللہ نمبر ۲ سنت رسول اللہ نمبر ۳ اجماع امت نمبر ۴ اور قیاس ان کے علاوہ جو بھی علم ہوگا۔ اس کی احکام شرعیہ کے اندر دخیل ہونے کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں۔

تین آدمی قصہ بیان کریں گے

(۲۲۲/۳۷) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ (رواہ ابوداود ورواہ الدارمی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وفی روایۃ) اَوْ مُرَآءٍ بَدَلَ اَوْ مُخْتَالٍ۔

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/ ٧١ حديث رقم ٣٦٦٥ ـ وأخرجه أحمد في المسند ٦/ ٢٧ ـ

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا تین آدمی قصہ بیان کریں گے نمبرا حاکم نمبر۲ محکوم اور نمبر۳ تکبر کرنے والا اس حدیث کو روایت کیا ہے امام ابوداؤد نے اور امام دارمیؒ نے اس حدیث کو حضرت عمرو بن شعیبؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے. اور دارمی کی روایت میں مختال کے لفظ کی بجائے مراء کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ریا کار۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان کیا ہے کہ وعظ اور نصیحت تین آدمی کریں گے۔ ان میں دو وعظ کرنے میں حق پر ہیں۔ حاکم اور محکوم۔ تیسرے آدمی کو وعظ نہیں کہنا چاہئے یعنی متکبر اور یہی حال ہے ریا کار کا کیونکہ متکبر اور ریا کار وعظ اور نصیحت کرنے کے اہل نہیں ہیں حاکم کو وعظ کرنے کا حق اس لئے ہے کہ وہ اپنی رعیت پر سب سے زیادہ شفقت کرنے والا ہوتا ہے اور رعیت کی اصلاح اور تربیت کو اچھی طرح جانتا ہے اور اگر حاکم وقت کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے فرصت نہ ہو تو پھر حاکم ایسے عالم کو وعظ کے لئے مقرر کردے۔ جو عالم باعمل' زاہد اور متقی ہو حریص اور مفاد پرست خود غرض نہ ہو یا مامور سے مراد وہ آدمی ہے جو کہ من جانب اللہ رعیت کی اصلاح کے لئے مقرر ہو جیسے علماء کرام اور اولیاء عظام اور اس حدیث میں متکبر اور ریا کار کو وعظ کرنے کا کوئی حق نہیں یہ تو خود اپنی تربیت اور اصلاح کے محتاج ہیں دوسرے کو کیا وعظ اور نصیحت کریں گے موجودہ دور میں ایسے مبلغین اور خطباء مقررین' واعظین جو کہ عالم نہ ہوں وہ بیان کریں وہ بھی متکبر اور ریا کار میں شامل ہیں۔

بغیر علم فتویٰ دینا گناہ ہے اور غلط مشورہ دینا خیانت ہے

(۲۲۳/۳۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اُفْتِیَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِيْهِ بِاَمْرٍ يَّعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في سننه ٤/ ٦٦ حديث رقم ٣٦٥٧ ـ وأخرج أوله ابن ماجة ١/ ٢٠ حديث رقم ٥٣ وكذلك الدارمي ١/ ٦٩ حديث رقم ١٥٩ ـ وبنحوه أحمد في المسند ٢/ ٣٢١ ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا ہو۔ تو اس کا گناہ مفتی پر ہوگا۔ جس نے اس کو غلط فتویٰ دیا ہے اور جس آدمی نے اپنے مسلمان بھائی کو ایسے کام کا مشورہ دیا جس کے بارے میں اس کو علم ہے کہ بھلائی اور خیر اس کے غیر میں ہے تو اس نے خیانت کی اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے غلط فتویٰ دینے والے مفتی اور غلط مشورہ دینے والے کا انجام بیان کیا ہے فتویٰ پوچھنے والے پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ ماہر عالم اور مفتی سے مسئلہ و فتویٰ دریافت کرے تا کہ وہ صحیح فتویٰ دے اگر پوچھنے والے نے کسی نا اہل اور جاہل سے مسئلہ دریافت کیا اور اس نے غلط مسئلہ بتا دیا تو دونوں گناہ گار ہوں گے اور اگر فتویٰ پوچھنے والے نے خوب تحقیق اور بسیار جستجو کے بعد مسئلہ دریافت کیا۔ حقیقت میں وہ صحیح عالم نہ تھا بلکہ صرف جبہ اور دستار والا مفتی تھا تو اس صورت میں غلط فتویٰ کا وبال اس مفتی پر ہوگا جس نے غلط مسئلہ بتایا ہے اور اس حدیث کے دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے اعتماد کی وجہ سے مشورہ طلب کیا اور جس سے مشورہ طلب کیا گیا اس نے عمداً جان بوجھ کر غلط مشورہ دیا اور اس کو معلوم تھا کہ اس مشورہ میں خیر نہیں جو میں نے اس کو دیا

ہے تو وہ آدمی اخلاقاً اور شرعاً دونوں طرح سے خیانت کا مرتکب ہوا۔

مغالطہ دینے سے بچو

(۲۲۴/۳۹)وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/٦٥ حديث رقم ٣٦٥٦۔

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو مغالطہ دینے سے منع کیا ہے۔اس حدیث کوامام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معمہ میں ڈالنے اور مغالطہ دینے سے منع کیا ہے کہ علماء کرام سے ایسے سوالات کئے جائیں جو مغالطہ میں ڈالنے والے ہوں اور ذو معنیین ہونے کی وجہ سے ایذاء رسانی اور پریشانی کا باعث ہوں۔جن لوگوں کے دل ودماغ میں علماء کرام کی قدر اور عزت نہیں ہوتی وہ عموماً علماء سے ہتک عزت کے لئے ایسے مسائل دریافت کرتے ہیں جو کہ مغالطہ عامۃ الورود کے قبیل سے ہیں مثلاً کوئی آدمی سوال کرے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ کا مارا ہوا کھالیتا ہے اور اللہ کا مارا ہوا نہیں کھاتا یا کوئی کہے کہ فرعون پر ایمان لاتے ہو یا نہیں اگر ایمان لاتے ہو تو کافر ہوگئے اور اگر ایمان نہیں تو پھر قرآن کا انکار ہے کیونکہ قرآن میں فرعون کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے اسی قبیل سے ہے یہ محاورہ قال زيد تحت الشجرة فنقض وضوئه۔

اور اسی طرح ان زيد كريم علی ہذا القیاس اور اگر کسی کی ذہانت اور ذہن کو تیز کرنے کے اس طرح کے سوالات کئے جائیں تو یہ حدیث میں بیان کی گئی وعید اور ممانعت سے مستثنیٰ ہیں۔

فرائض اور قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو تعلیم دو

(۲۲۵/۴۰)وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَعَلَّمُوا الْفَرَآئِضَ وَالْقُرْآنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّيْ مَقْبُوْضٌ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٣٦٠ حديث رقم ٢٠٩١ وقال فيه اضطراب وقد ضعفه أحمد بن حنبل۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم فرائض یعنی احکام اسلام یا وراثت کا علم اور قرآن سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ اس لئے کہ میں قبض کیا جاؤں گا۔یعنی اس جہان سے اٹھالیا جاؤں گا اس حدیث کوامام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرائض اور قرآن خود سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں دنیا سے اٹھنے والا ہوں۔اس حدیث میں فرائض سے مراد یا تو احکام شرعیہ ہیں یا اس سے مراد علم وراثت کے احکام ہیں۔

اور قرآن کی تعلیم کا حکم رسول اللہ ﷺ نے اس لئے دیا کیوں کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صرف قرآن مجید ہی ہدایت کا ذریعہ ہے۔

یہ وحی بند ہونے کا وقت ہے

(۲۲۶/۴۱)وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا اَوَانُ

يُخْتَلَسُ فِيْهِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذى فى السنن من حديث طويل ٥/٣١ حديث رقم ٢٦٥٣ وقال حسن غريب ورواه الدارمى فى سننه ١/٩٩ حديث رقم ٢٨٨۔

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور ارشاد فرمایا یہ وقت ہے کہ علم لوگوں کے درمیان سے اٹھالیا جائے گا یہاں تک کہ وہ علم کے ذریعہ سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھیں گے اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ وحی کے انتظار میں اکثر آپ ﷺ کی نگاہ آسمان کی جانب رہتی تھی ایک مرتبہ آسمان کی طرف دیکھنے کے دوران آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اپنی وفات کا اشارہ ہو گیا تو اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اب عنقریب وہ وقت آ گیا ہے کہ علم اٹھالیا جائے کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو جائے کیونکہ وحی کا نزول آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص اور مقید ہے جب وفات ہوگئی تو وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عالم مدینہ کون ہے؟

(۴۲/۲۲۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رِوَايَةً يُوْشِكُ اَنْ يَّضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُوْنَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ (رواہ الترمذی وفی جامعه) قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ اَنَّهٗ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَمِثْلُهٗ عَنْ عَبْدِالرَّزَّاقِ وَقَالَ اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى وَسَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ اِنَّهٗ قَالَ هُوَ الْعُمَرِيُّ الزَّاهِدُ وَاسْمُهٗ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ۔

أخرجه الترمذى فى السنن ٥/٤٦ حديث رقم ٢٦٨٠ وقال حديث حسن۔ وأخرجه أحمد فى المسند ٢/٢٩٩۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ جب لوگ علم حاصل کرنے کے لئے اونٹوں کے جگروں کو پھاڑ ڈالیں گے اور اس وقت مدینہ کے عالم سے بڑا کوئی عالم نہیں پائیں گے اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور جامع ترمذی میں ابن عیینہؒ سے منقول ہے کہ عالم مدینہ سے مراد حضرت مالک بن انسؒ ہیں اور عبدالرزاق سے بھی یہی منقول ہے اور حضرت اسحٰق بن موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے ابن عیینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عالم مدینہ سے مراد عمری زاہد ہے یعنی وہ حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان سے ہے جن کا اسم گرامی حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دو چیزوں کی خبر دی۔ اول یہ کہ لوگ دنیا کے اطراف سے دور دراز علاقوں سے سفر کر کے علم حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں آئیں گے۔ ثانی یہ کہ اس وقت عالم مدینہ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہوگا۔

رِوَايَةً :اس حدیث میں اس لفظ سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے مرفوع نقل کی گئی ہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد کو وہ الفاظ یاد نہیں رہے اس لئے انہوں نے اس طرح نقل کر دیا۔

اَكْبَادَ الْاِبِلِ :اونٹوں کے جگر پھاڑنے اور مارنے سے مراد استعارہ ہے سرعت رفتار سے اس لئے کہ جب کوئی جانور تیز چلتا ہے تو اس کے جگر میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ گویا کہ جگر کو مارا جاتا ہے اور یہ کنایہ ہے طویل سفر سے مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ عالم مدینہ سے مراد اکثر علماء کے نزدیک حضرت امام مالکؒ ہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ اور مشہور محدث حضرت شیخ عبدالرزاقؒ نے بھی عالم مدینہ کا مصداق حضرت امام مالکؒ کو قرار دیا ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک عالم مدینہ سے مراد حضرت عمری زاہد ہیں جن کا اسم گرامی حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک عالم مدینہ سے مراد خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں پہلا قول راجح ہے کیونکہ لوگ طویل سفر کر کے اطراف مدینہ سے آیا کرتے تھے اور امام مالکؒ مدینہ کے عالم تھے اور یہ بول و براز کے علاوہ مدینہ سے باہر نہیں جاتے تھے۔

مجدّد کون ہوتا ہے

(۴۳/۲۲۸)وَعَنْهُ فِيْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَادِيْنَهَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/ ٤٨٠ حديث رقم ٤٢٩١۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے نفع کے لئے ہر صدی پر ایک شخص کو بھیجتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین میں تجدید کرتا ہے اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت دی ہے کہ ہر صدی مکمل ہونے پر یعنی سو سال پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ ایک مجدد کو بھیجتا ہے۔ جو دین میں تجدید کرتا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ہر دور میں امت کے اندر علم اور فضل کے اعتبار سے ایک ممتاز شخصیت ہوتی ہے۔ جو دین کے مسائل کو نکھارتا ہے اور ان میں تجدید کرتا ہے۔ ایسے شخص کو مجدد کہتے ہیں۔ جب امت میں رسومات رواج اور بدعات کی خرابیاں پیدا ہو جائیں تو مجدد قرآن وسنت اجماع اور قیاس کی روشنی میں دین کے اندر پیدا شدہ خرابیوں اور فساد کو ختم کرتا ہے اور صحیح قرآن وسنت کی صورت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے چنانچہ اس حدیث کی روشنی میں بعض علماء نے تعیین بھی کی ہے کہ فلاں صدی کا فلاں مجدد ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عموم پر دلالت کرتی ہے کہ مجدد ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور ایک جماعت بھی ہو سکتی ہے۔ کہ وہ جماعت مجدد ین کی مل کر یا اپنے اپنے علاقے میں رسوم ورواج اور بدعات کے فساد کا ازالہ کرے۔

حفاظتِ دین

(۴۴/۲۲۹)وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ ا لْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ (رواه البيهقى وسنذكر حديث جابر) فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ فِىْ بَابِ التَّيَمُّمِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تعالى .

أخرجه البيهقي في المدخل الى السنن والأجري۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن عذری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے نیک ثقہ اور با اعتماد لوگ اس علم کو قرآن وسنت سے حاصل کریں گے اور وہ لوگ اس علم کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث میں تحریف کرنے والوں کی تحریف کو اور اہل باطل کے جھوٹ اور افتراء کو اور جاہلوں کی تاویلات کو ختم کر دیں گے اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب مدخل میں بقیہ بن ولید سے نقل کیا ہے اور انہوں نے معان بن رفاعہ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن عذری سے نقل کیا ہے اور حضرت جابرؓ کی روایت جس کی ابتداء انما شفاء العی السوال ہے۔ اس کو ہم باب التیمم میں ان شاءاللہ ذکر کریں گے یہاں اصل نسخے میں

رواہ البیہقی سے العذری تک بیاض ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دین اسلام کی حفاظت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر دور میں صحیح علماء کرام افراط و تفریط سے ہٹ کر راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے دین کے اندر خرابی اور فساد کرنے والے تین قسم کے لوگوں کا مقابلہ کریں گے۔

① جھوٹے قصے اور کہانیاں اور بزرگوں کی طرف غلط خیالات منسوب کر کے اپنی اغراض اور مفاد کو پورا کرنا جیسے روافض اور اہل بدعت وغیرہ۔

② وہ جہلاء لوگ جو قرآن کی آیات کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کریں جو قرآن وسنت کے احکام کو اپنی عقل کے معیار پر میزان کر کے اپنی خواہشات کے مطابق تاویلات کرتے ہیں جو اس قول کے مترادف ہے۔خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

الفصل الثالث:

طالب علم کی فضیلت

(۴۵/۲۳۰) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمي في السنن ١/١١٢ حديث رقم ٣٥٤۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔جس آدمی کی موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو اور علم حاصل کرنے کی غرض یہ ہو کہ وہ اس کے ذریعہ سے اسلام کو رائج کرے گا۔تو جنت میں اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔اس سے مراد نبوت اور رسالت کا درجہ ہے۔اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث کے راوی حسن سے مراد حضرت حسن بصریؒ مشہور تابعی ہیں جب تابعین کے طبقہ میں حسن مطلق جائے تو اس سے مراد حضرت حسن بصری ہوتے ہیں:المطلق اذا يطلق ينصرف الى الفرد الكامل کے ضابطہ کے مطابق۔

جنت میں سو درجات ہیں جو انبیاء کرام کو ملیں گے اور علماء کرام کو جو کہ انبیاء ﷺ کے وارث ہیں ان کو ۹۹ درجات عطا ہوں گے یہی مراد ہے اس حدیث میں جو ذکر کیا گیا ہے۔علماء اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔اور اس سے مراد نبوت کا درجہ ہے۔

عالم کو عابد پر فضیلت ہے

(۴۶/۲۳۱) وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْاٰخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِيْ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمي في السنن ١/١٠٩ حديث رقم ٣٤٠۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے متعلق

سوال کیا گیا۔ ان میں سے ایک تو عالم تھا۔ جو فرض نماز پڑھتا تھا۔ اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم کی تعلیم دیتا تھا اور دوسرا آدمی وہ تھا جو دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو اللہ کی عبادت کے لئے قیام کرتا تھا۔ چنانچہ ان کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ اس عالم کو کہ جو فرض نماز پڑھتا ہے اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم کی تعلیم دیتا ہے۔ اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات میں عبادت کرتا ہے ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے کہ مجھے تمہارے ادنیٰ آدمی پر فضیلت حاصل ہے اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بنی اسرائیل کے عالم اور عابد کا جو ذکر کیا گیا ہے یہ دونوں اپنے علم اور فضیلت کے اعتبار سے ہم رتبہ تھے۔ مگر اس اعتبار سے دونوں میں امتیاز اور فرق تھا کہ ان میں سے ایک عالم نے اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ تعلیم کو اپنا مقصد بنالیا تھا کہ وہ لوگوں کو علم سکھاتے تھے اور دوسرے عالم نے صرف اللہ کی عبادت کو اپنا مقصد بنالیا تھا۔ ایک کی محنت صرف اپنی ذات کے لئے تھی اور دوسرے کی محنت اپنے لئے اور دوسروں کے لئے تھی۔ اس اعتبار سے دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے۔

عالم کو لوگوں سے مستغنی رہنا چاہئے

(۲۲۲/۴۷) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيْهُ فِي الدِّيْنِ اِنِ احْتِيْجَ اِلَيْهِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ اَغْنٰى نَفْسَهٗ۔ (رواہ رزین)

أخرجه رزين وفي اسناده مقال۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ آدمی اچھا ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہو۔ اگر اس کی طرف لوگوں کو ضرورت پڑے تو نفع پہنچائے اور اگر اس سے استغناء اختیار کیا جائے۔ تو وہ اپنے آپ کو لوگوں سے بے نیاز رکھے۔ اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے عالم دین کی یہ شان بیان کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کا محتاج کر کے اپنی حیثیت اور مقام کو کمزور نہ کرے اور اپنے غلط اغراض و مقاصد اور دنیا کے مفاد کے لئے لوگوں کی طرف مائل نہ ہو۔

مگر یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اپنے علوم کو چھپا کر اور لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر ان کو خیر اور بھلائی سے محروم کرے۔ اگر وہاں کوئی اور عالم نہ ہو تو تعلیم دین کے لئے لوگوں سے رابطہ ضروری ہے۔

ہاں البتہ اگر لوگوں کو باوجود محنت اور ترغیب کے اس عالم کی طرف رغبت نہ ہو اور اسکی طرف توجہ نہ دیں اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کی طلب نہ ہو تو اس صورت میں عالم کے لئے جائز ہے کہ لوگوں سے مستغنی ہو جائے اور عبادت میں مشغول ہو جائے۔

زیادہ وعظ نہ کرو

(۲۲۳/۴۸) وَعَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ اَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَاِنْ اَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَلَا اُلْفِيَنَّكَ تَاْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِيْ حَدِيْثٍ مِّنْ حَدِيْثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيْثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلٰكِنْ اَنْصِتْ فَاِذَا اَمَرُوْكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُوْنَهٗ وَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَاِنِّيْ عَهِدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابَهٗ لَا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري: ۱۳۸/۱۱ حديث رقم ۶۳۳۷۔ وأخرجه أحمد في المسند ۲۱۷/۶ عن عائشة رضي الله عنها۔

ترجمہ: حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عکرمہؒ سے فرمایا تم ہر جمعہ کو ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے وعظ و نصیحت کی بات بیان کیا کرو اور اگر تمہیں اس سے انکار ہو۔ یعنی ہفتہ میں ایک مرتبہ وعظ کو کافی نہ سمجھو تو ہفتہ میں دو یا تین مرتبہ وعظ کر دیا کرو اور تم قرآن سے لوگوں کو تنگ نہ کیا کرو۔ یعنی ہفتہ میں دو یا تین بار سے زیادہ وعظ کر کے لوگوں کو تنگ مت کرو اور میں تمہیں اس حال میں نہ پاؤں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ لوگ اپنی باتوں میں مصروف ہوں اور تم ان کی گفتگو میں مخل ہو کر ان کے سامنے وعظ و نصیحت شروع کر دو۔ اس طرح تم ان کو پریشان اور تنگ کر دو ایسے موقع پر مناسب ہے کہ تم خاموش رہو ہاں البتہ اگر وہ تم سے وعظ و نصیحت کی فرمائش اور مطالبہ کریں اور جب تک ان کی تمنا ہو تو تم ان کے سامنے وعظ و نصیحت کی باتیں بیان کرو اور تم اپنی دعا میں قافیہ بندی سے اجتناب کرو۔ چنانچہ میں نے معلوم کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایسا نہیں کرتے تھے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہؐ کے خاص صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے وعظ و نصیحت میں اعتدال کا حکم دیا ہے اس طرح وعظ کرنا کہ جس سے لوگ رنجیدہ خاطر ہو جائیں اس سے منع کیا ہے اور اس حدیث میں چار امور کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

① پہلی بات یہ ہے کہ وعظ ہفتہ میں ایک بار یا دو یا تین مرتبہ ہونا چاہئے اس وعظ سے مراد عوامی وعظ ہے کہ عوام کے سامنے وعظ زیادہ سے زیادہ ہفتہ میں تین بار ہونا چاہئے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ سے لوگوں کو تنگ نہ کیا کرو۔ مقتضائے حال کی رعایت رکھ کر قرآن کریم سنانا چاہئے۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ جب تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ لوگ اپنی کسی بات میں مصروف ہوں تو تم ایسے موقع پر وہاں پہنچ کر وعظ و نصیحت شروع نہ کرو چاہے ان لوگوں کی گفتگو دنیاوی امور سے متعلق ہو یا دینی امور سے متعلق ہو۔ اگر دینی گفتگو میں مشغول ہوں پھر تو بطریق اولیٰ ان کے کلام میں خلل اندازی اور گفتگو کو ختم کرنا مناسب نہیں اگر ایسے موقع پر وعظ و نصیحت شروع کر دیا جائے تو ممکن ہے بتقاضائے بشریت ان کو ناگوار گزرے ہاں البتہ اگر مصلحت اس میں ہو کہ ان کی گفتگو کو ختم کیا جائے تو پھر انداز اور طریقہ ایسا اختیار کیا جائے کہ مقصد بھی پورا ہو جائے اور انہیں ناگواری بھی نہ ہو اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول مذکور اسی پر محمول ہوگا۔ کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ لوگ اکثر دنیا کی باتوں میں مصروف رہتے تھے۔

④ چوتھی بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو سجع اور قافیہ بندی سے مکمل طور پر اجتناب کرو اور توجہ اللہ سے مانگنے کی طرف ہو نہ کہ سجع اور قافیہ بندی کی طرف کاہنوں کی طرح سجع اور قافیہ بندی کے تکلف سے منع کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر بغیر کسی تکلف اور تصنع کے دعا مسجع اور مقفیٰ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بکثرت دعاؤں میں سجع موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ تکلف والی قافیہ بندی ممنوع ہے اور تکلف کے بغیر جائز ہے اس سے اس قسم کی احادیث میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

طالب علم کو اجر ملے گا

(۲۴۴/۴۹) وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَكَهٗ كَانَ لَهٗ كِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ لَّمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهٗ كِفْلٌ مِّنَ الْاَجْرِ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمي في سننه ١٠٨/١ حديث رقم ٣٣٥۔

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو انسان علم کا طالب ہو

اور اس کو علم حاصل بھی ہو جائے تو اس کو ڈبل ثواب ملے گا اور اگر اس کو علم حاصل نہ ہو تو اس کو ایک حصہ اجر ملے گا اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ دین کا طالبعلم کبھی ناکام اور فیل نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ نیت درست ہو۔ نیت میں فساد اور خرابی نہ ہو اگر دین کے طالبعلم کو علم حاصل ہو جائے تو اس کو ڈبل ثواب ملے گا۔ ایک ثواب ملے گا محنت اور مشقت کی وجہ سے اور دوسرا ثواب ملے گا حصول علم پر۔ کیونکہ جب علم ہوگا تو دعوت وارشاد کا کام ہو سکے گا اور جب علم ہوگا تو صحیح عمل ہو سکے گا اور اگر محنت اور کوشش کے باوجود علم حاصل نہیں ہو سکا تو پھر بھی ناکامی نہیں ایک ثواب پھر بھی ملے گا اس سے معلوم ہوا کہ دین کا طالب کبھی فیل نہیں ہو سکتا کیا خوب کہا ہے کسی ذوقِ سلیم والے نے۔

گرچہ نتواں بدوست رہ بردن ☆ شرط یاری ست در طلب مردن

''اگرچہ دوست تک پہنچنا ممکن نہیں مگر شرط یاری ہی کافی ہے کہ اس کی طلب اور جستجو میں موت آجائے''۔

صدقہ جاریہ کے کام

(۲۳۵/۵۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْمُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْمَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْبَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاهُ اَوْنَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْصَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَیَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ ۔ (رواہ ابن ماجة والبیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۸۸ حدیث رقم ۲۴۲۔أخرجه البیهقی فی شعب الایمان ۳/۲۴۷ حدیث رقم ۳۴۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مؤمن کو اس کے جس عمل یا جن نیکیوں کا ثواب مرنے کے بعد ملتا ہے۔ اس میں سے ایک تو علم ہے جس کو اس نے سیکھا اور اس کی اشاعت کی اور نیک اولاد ہے جس کو اپنے مرنے کے بعد چھوڑا اور قرآن مجید ہے جس کو وارثوں کے لئے چھوڑا اور مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنایا ہو اور مسافر خانہ ہے جس کو اس نے بنایا ہو اور پانی کی نہر جس کو اس نے جاری کیا ہو اور وہ صدقہ ہے جس کو اس نے اپنی زندگی میں نکالا ہو اپنے مال سے صحت اور تندرستی کی حالت میں ان تمام امور کا ثواب مرنے کے بعد ملتا ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہؒ نے اور امام ترمذیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سات ایسے امور ذکر کیے ہیں جن کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا ہے ورنہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

① جس آدمی نے علم سیکھا اور آگے دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔

② جس آدمی نے اپنی اولاد کی اچھی اصلاح کی اور اچھی تعلیم وتربیت کا بندوبست کیا وہ اس کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

③ جس آدمی نے قرآن کریم وارثوں میں چھوڑا اور اسی کے حکم میں شرعی کتابیں ہیں کہ قرآن وسنت کے مطابق دینی کتابوں کو چھوڑ کر دنیا سے انتقال کیا۔

④ جس آدمی نے اپنی زندگی میں کوئی مسجد بنائی ہو چاہے مسجد چھوٹی ہو یا بڑی ہو اور مسجد کے حکم میں مدارس دینیہ اور مشائخ کی خانقاہیں بھی شامل ہیں جن میں تزکیہ نفس ہوتا ہے۔

۵ جس آدمی نے لوگوں کی سہولت کے لئے کوئی مسافر خانہ تعمیر کیا ہو۔ جب تک اس سے لوگ فائدہ حاصل کرتے رہیں اس مرنے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔

۶ جس آدمی نے لوگوں کی سہولت کے لئے کوئی نہر جاری کی ہو اور اسی میں شامل ہے کسی دوسرے طریقے سے لوگوں کے لئے پانی کا بندوبست کرنا۔

۷ جس آدمی نے اپنی زندگی میں اور صحت وتندرستی کی حالت میں صدقہ وخیرات کیا ہو۔ ان سب چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد اس کو ملتا رہتا ہے۔

دین کی جڑ پرہیز گاری ہے

(۲۳۶/۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَوْحٰى اِلَىَّ اَنَّهٗ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِىْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهٗ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِىْ عِلْمٍ خَيْرٌ مِّنْ فَضْلٍ فِىْ عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ ۔ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ۵/۵۳حديث رقم ۵۷۵۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی بھیجی ہے۔ یعنی وحی غیر متلو۔ کہ جو آدمی علم طلب کرنے کے لئے کوئی راستہ تلاش کرے۔ تو میں اس کے لئے جنت کے راستہ کو آسان کر دوں گا اور جس آدمی کی دو آنکھیں میں نے چھین لی ہوں۔ یعنی اس کو نابینا کر دیا ہو اس نعمت سے محرومی اور اس صبر وشکر کے صلہ میں اس کو جنت میں بدلہ عطا کیا جائے گا اور علم کے اندر زیادتی عبادت کے اندر زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پرہیز گاری ہے اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے چار چیزوں کو بیان فرمایا ہے۔

۱ کہ جو آدمی علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ کو اختیار کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ یعنی دنیا میں ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت' حقیقت اور عبادت کی توفیق سے نوازا جائے گا اور یہ چیز جنت میں دخول کا سبب ہے اور بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ جنت کے دروازہ کا راستہ اور جنت میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کیلئے جو خاص محل بنایا ہے اس کا راستہ آسان کر دیا جائے گا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دنیا میں جو علم کا راستہ ہے وہی آخرت میں جنت کا راستہ ہے اور علم کے دروازے کے علاوہ جنت کے تمام راستے بند ہیں۔ یعنی علم کے بغیر جنت میں داخل ہونا متعذر ہے۔ ہاں البتہ اس فضیلت کا حامل وہ علم ہے جو اخلاص اور اچھی نیت کے ساتھ حاصل کیا جائیگا اور علم کے مطابق عمل بھی ضروری ہے۔ عمل کے بغیر علم کا کوئی فائدہ نہیں اور علم بلا عمل اس قول کے مترادف ہے۔ ؏ چار پایہ برو کتابے چند' یعنی ایک جانور ہے جس پر چند کتابوں کا بوجھ ہے''۔

۲ جس آدمی کی دونوں آنکھوں کا نور سلب کر لیا ہو۔ اس کو جنت میں جزائے خیر سے اور طرح طرح کے انعامات سے نوازا جائے گا۔

۳ علم کے اندر محنت اور مشقت برداشت کر کے زیادتی حاصل کرنا عبادت کے اندر زیادتی حاصل کرنے سے افضل اور بہتر ہے۔ جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ عالم کو عابد پر فضیلت حاصل ہے۔

۴ پرہیز گاری اور تقویٰ دین کی جڑ اور بنیاد ہے۔

رات کی ایک گھڑی تدریسی مشغلہ میں گزارنا پوری رات عبادت کرنے سے افضل ہے

(۵۲/۲۲۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا۔ (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمي في مقدمة سننه ۱/ ۱۵۷ حديث رقم ۱۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کی ایک گھڑی علم کا درس اور تدریس پوری رات عبادت کرنے سے بہتر ہے اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں علم کی تدریسی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے کہ رات میں تھوڑی دیر کے لئے بھی علمی درس وتدریس کا مشغلہ اور مصروفیت پوری رات عبادت کرنے سے افضل ہے کیونکہ عبادت کا تعلق اپنی ذات سے ہے اور ذات کو اس کا فائدہ ہے اور علمی مصروفیت چاہے درس ہو یا تدریس ہو یا تعلیم ہو یا تکرار اور مباحثہ ہو یا تحریر۔ تالیف اور تصنیف ہو یہ امت مسلمہ کی عمومی اور اجتماعی خدمت ہے الغرض عبادت فعل لازم کے مترادف ہے اور علمی مصروفیت فعل متعدی کے مترادف ہے۔

علماء ذاکرین سے افضل ہیں

(۵۳/۲۲۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَّاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ۔

أخرجه الدارمي ۱/ ۱۱۱ حديث رقم ۳۴۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں منعقد دو مجلسوں کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دونوں خیر اور بھلائی کے کام پر ہیں لیکن ان میں سے ایک نیکی اور خیر میں دوسری سے افضل اور بہتر ہے ایک جماعت عبادت اور دعا میں مصروف ہے اور اس سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے۔ یعنی اپنے مقصد کے حصول کے لئے اللہ سے امید وابستہ کئے ہوئے ہے۔ اگر اللہ چاہے تو انہیں عطا کرے اور اگر چاہے تو عطا نہ کرے اور دوسری جماعت فقہ اور علم حاصل کر رہی ہے اور جاہلوں کو علم کی تعلیم دے رہی ہے اور یہ لوگ افضل ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان میں بیٹھ گئے اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درس وتدریس والے لوگوں کی فضیلت بیان کی ہے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور وہاں صحابہ کرام کے دو حلقے لگے ہوئے تھے ایک حلقہ والے تو ذکر و دعا میں مصروف تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ درس وتدریس میں مشغول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں خیر پر ہیں اور دونوں جماعتیں نیکی کا کام کر رہی ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو افضل اور بہتر قرار دیا۔ جو درس وتدریس میں مشغول تھے زبان اور فعلی طور پر ان کی فضیلت کو ثابت کر دیا کہ آپؐ تعلیم والے حلقے میں بیٹھ گئے۔ اس سے اہل علم کی فضیلت' شرافت اور عظمت ظاہر ہوگئی اہل علم کی اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عابدوں کی جماعت اور حلقے کو چھوڑ کر اہل علم کی ہم نشینی اور رفاقت اختیار کی۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

گدایاں رازیں معنی خبر نیست ☆ کہ سلطان جہاں با ماست امروز

''کہ گداگروں کو اس حقیقت کی خبر اور علم نہیں کہ جہان کا بادشاہ آج ہمارے ساتھ ہے''۔

چالیس احادیث کا حافظ فقیہ ہے

(۵۴/۲۳۹) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاحَدُّ الَّذِیْ اِذَا بَلَغَہُ الرَّجُلُ کَانَ فَقِیْھًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ دِیْنِھَا بَعَثَہُ اللّٰہُ فَقِیْھًا وَکُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَافِعًا وَّشَھِیْدًا۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ۲/ ۲۷۰ حديث رقم ۱۷۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا۔ کہ اس علم کی مقدار کیا ہے کہ جس کو حاصل کرنے سے انسان فقیہ اور عالم ہوجائے اور عالم آخرت میں اس کا شمار علماء کی جماعت میں ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو انسان میری امت کو فائدہ پہنچانے کے لئے دین سے متعلق چالیس احادیث کو یاد کرلے۔ تو قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ فقیہ اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا اور اس کی اطاعت کی گواہی دوں گا۔

تشریح ❁ اس حدیث میں چالیس حدیثوں سے مراد علماء کے نزدیک یہ ہے کہ چالیس احادیث دوسرے لوگوں تک پہنچانا۔ ان کا حفظ اور زبانی یاد ہونا مراد نہیں چنانچہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے علماء نے اربعینات پر مشتمل مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں تا کہ اس حدیث میں بیان کردہ بشارت میں شامل ہو کر رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور شہادت میں شامل ہو جائیں۔

سب سے بڑا سخی کون ہے

(۵۵/۲۴۰) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ھَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰہُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ اَجْوَدُھُمْ مِنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَہٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَمِیْرًا وَّحْدَہٗ اَوْقَالَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ۲/ ۲۸۱ حديث رقم ۱۷۶۷۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ سب سے بڑا سخی کون ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا سخی اللہ تعالیٰ ہے اور آدم کی اولاد میں سے بڑا سخی میں ہوں پھر لوگوں میں میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے جس نے خود علم سیکھا اور دوسری کو سکھایا۔ وہ انسان قیامت کے دن امیر یا فرمایا ایک جماعت کی طرح آئے گا۔

تشریح ❁ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ سخاوت کے باب میں سب سے بڑا سخی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ابتداء آفرینش عالم سے آج تک تمام مخلوق کو بلا تفریق اور بلا امتیاز کھلا رہا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا دستر خوان وسیع اور عام ہے اور اولاد آدم میں سب سے بڑے سخی رسول اللہ کی ذات گرامی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر صاحب حاجت آپ کے پاس اپنی حاجت اور ضرورت لے کر آتا تھا اور سب سے زیادہ آپ کی سخاوت رمضان المبارک میں ہوتی تھی اور آپ کے بعد مخلوق میں سب سے بڑا سخی عالم دین ہے۔ جو لوگوں کو علم سکھائے۔

امیراً وحدہٗ:

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ آخرت میں ایک امیر کی مثل آئے گا۔ کسی کے تابع نہیں ہوگا بلکہ لوگ اس کے تابع ہوں گے اور لوگوں کا ایک جم غفیر اس کے ماتحت ہوگا جن کو اس کے علم سے فیض حاصل ہوا ہوگا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ شخص اکیلا ایک جماعت کے مثل ہوگا۔ مخلوق میں صاحب عزت وشرف ہوگا اور آخرت میں انتہائی شان وشوکت کا حامل ہوگا۔ لوگ اس کو عزت کی نظر سے دیکھیں گے۔

دو حریصوں کا پیٹ نہیں بھرتا

(۲۴۱/۵۶) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْهُوْمَانِ لَایَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِی الْعِلْمِ لَا یَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِی الدُّنْیَا لَایَشْبَعُ مِنْهَا (رَوَی البیھقی الاحادیث الثلا ثۃ فی شعب الایمان وقال قال الامام احمد فی حدیث ابی الدرداء) ھذا مَتْنٌ مَشْھُوْرٌ فِیْمَا بَیْنَ النَّاسِ وَلَیْسَ لَہٗ اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ۔

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ٧/٢٧١ حديث رقم ١٠٢٧٩ ـ والدارمي نحوه ١/١٠٨ حديث رقم ٣٣٤ أخرجه عن ابن عباس۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا ایک علم کا حریص کہ وہ علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور دوسرا دنیا کا حریص کہ اس کا پیٹ دنیا سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ مذکورہ تینوں حدیثوں کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے امام ابوداؤدؒ کی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا متن لوگوں میں مشہور ہے۔ مگر اس کی سند صحیح نہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دو حرص کرنے والے کبھی سیر نہیں ہوتے۔ ایک دنیا کا حریص جو مذموم ہے اور دوسرا علم کا حریص جو محمود ہے کیونکہ دنیا کا حریص انجام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رضا سے محروم ہوتا ہے اور علم کا طالب اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا طالب ہوتا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں اس کا متن مشہور ہے۔ مگر اس کی سند کمزور ہے۔ حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بے شک سند کے اعتبار سے ضعیف اور کمزور ہے۔ مگر اس کے طرق متعدد اور کثیر ہیں تعدد طرق کی وجہ سے اس میں قوت پیدا ہو جائے گی اور تمام علماء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث فضائل کے اندر مقبول اور معتبر ہے ہاں البتہ عقائد کے اندر اس طرح کی حدیث بالکل معتبر نہیں عقائد کے لئے خبر متواتر کا ہونا ضروری ہے۔

علم اور دُنیا کے حریص برابر نہیں

(۲۴۲/۵۷) وَعَنْ عَوْنٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ مَنْهُوْمَانِ لَا یَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْیَا وَلَایَسْتَوِیَانِ اَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَیَزْدَادُ رِضًی لِلرَّحْمٰنِ وَاَمَّا صَاحِبُ الدُّنْیَا فَیَتَمَادٰی فِی الطُّغْیَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُاللّٰہِ کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی قَالَ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمي ١/١٠٨ حديث رقم ٣٣٢۔

ترجمہ: حضرت عونؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے۔ ایک عالم اور دوسرا دنیادار لیکن یہ دونوں درجہ میں برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ عالم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو زیادہ

کرتا ہے اور دنیا دار سرکشی میں زیادتی کرتا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دنیادار کے حق میں بطور دلیل کے یہ آیت پڑھی۔ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی۔ خبردار انسان البتہ سرکشی کرتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو کثرت مال کی وجہ سے لوگوں سے مستغنی دیکھتا ہے۔ حضرت عون فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دوسرے یعنی عالم کے متعلق یہ آیت تلاوت کی۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اللہ کے بندوں میں سے علماء اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ علم کا حریص اور دنیا کا حریص دونوں برابر نہیں بلکہ دونوں متضاد ہیں عالم اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے اور دنیادار اس کے برعکس ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان دونوں کے درمیان فرق قرآن کی دو آیتوں سے واضح اور مبرہن کیا۔ یہ حدیث اگرچہ مرفوع ہے مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مضمون کو اپنے الفاظ بیان کیا ہے۔

اگر علماء امراء کے پاس جائیں گے تو نقصان ہوگا

(۲۴۳/۵۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اُنَاسًا مِنْ اُمَّتِیْ سَیَتَفَقَّھُوْنَ فِی الدِّیْنِ وَیَقْرَاُوْنَ الْقُرْاٰنَ یَقُوْلُوْنَ نَاْتِی الْاُمَرَآءَ فَنُصِیْبُ مِنْ دُنْیَاھُمْ وَنَعْتَزِلُھُمْ بِدِیْنِنَا وَلَایَکُوْنُ ذٰلِکَ کَمَا لَا یُجْتَنٰی مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْکُ کَذٰلِکَ لَایُجْتَنٰی مِنْ قُرْبِھِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ کَاَنَّہٗ یَعْنِی الْخَطَایَا۔

أخرجه ابن ماجة ۱/۹۳ حديث رقم ۲۵۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں بہت سے لوگ دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن مجید پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس جا کر ان کی دولت اور دنیا میں سے اپنا حصہ حاصل کریں گے اور اپنے دین کو ان سے بچا کر رکھیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ دین اور دنیا ایک جگہ جمع ہو جائیں کیونکہ امراء کی مجلس میں فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے جس طرح کہ خاردار درخت سے کانٹا ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح امراء کی رفاقت اور مجلس سے نہیں حاصل ہوتا مگر حضرت محمد بن صباح فرماتے ہیں کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد لفظ الا کے بعد خطایا تھی۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب علماء امراء کے پاس جائیں گے تو ان کا دین محفوظ نہیں رہے گا اور مذکورہ حدیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ الا۔ استثنائیہ کے بعد کسی لفظ کو تلفظ نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد بن صباحؒ جو کہ مشہور ومعروف اور جلیل القدر محدث ہیں اور حضرت محمد بن اسماعیل بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے عظیم الشان محدثین کے استاذ ہیں۔ انہوں نے اس چیز کی وضاحت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد لفظ۔ الا۔ کے بعد۔ خطایا۔ کا لفظ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہوگا: لَایُجْتَنٰی مِنْ قُرْبِھِمْ اِلَّا الْخَطَایَا۔ مطلب یہ ہوگا کہ امراء کی رفاقت اور صحبت سے سوائے گناہ کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

اب یہاں حاشیہ ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطایا کا لفظ ذکر کیوں نہیں کیا تو اس کو ذکر نہ کر کے آپ نے فائدہ اور نکتہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ یہ کہ امراء کی مجلس کا اتنا زیادہ نقصان ہے کہ اسے زبان سے بیان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس حدیث کا حاصل مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایسے علماء بھی پیدا ہوں گے کہ جن کا مقصد

صرف اور صرف یہ ہوگا کہ وہ علم حاصل کر کے اور قرآنی علوم حاصل کر کے امراء کے پاس جائیں گے اور ان کے سامنے اپنی بزرگی اور عظمت شان کا اظہار کر کے دنیا کا مفاد اور مال و متاع حاصل کریں گے۔ حالانکہ یہ علم حاصل کرنے کی غرض وغایت کے خلاف اور منافی ہے علم کی اصل غرض یہ ہے کہ عوام الناس کو صراط مستقیم پر لگایا جائے اور بغیر کسی طمع اور لالچ کے ان کی صحیح راہنمائی کی جائے اور جب کہ مذکورہ صورت میں علماء کو اس سے کوئی غرض نہ ہوگی اور بعض صحیح لوگ جو اس صورت حال سے واقف ہوں گے۔ وہ ان کی بات سن کر کہ ہم اپنے دین کو ان سے بچالیتے ہیں اور ان سے اپنا حصہ لئے لیتے ہیں۔ کہیں گے کہ تفقہ فی الدین اور امراء کے گھروں اور دفاتر کا طواف کرنے والے علماء اپنے حق میں حفاظت دین سے محروم ہو جاتے ہیں اور امراء کی مجلس سے فائدہ کے بجائے خسارہ اٹھاتے ہیں۔

اگر علماء علم کی حفاظت کریں گے تو سرداری کریں گے

(۲۴۴/۵۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَوْاَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهٖ لَسَادُوْا بِهٖ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ بَذَ لُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْاعَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ فِيْ اَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ (رواہ ابن ماجة ورواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عمر من قولہ) مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

اخرجه ابن ماجة ۱/۹۵ حدیث رقم ۲۵۷۔ والبیهقی فی شعب الایمان ۲/۳۰۶ حدیث رقم ۱۸۸۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا اگر علماء علم کی حفاظت کریں اور علم قدردانوں کے پاس رکھیں تو وہ یقیناً اپنے علم کی وجہ سے اہل دنیا کے سردار بن جائیں گے۔ لیکن اگر علماء نے ایسا نہ کیا۔ یعنی علم کو دنیاداروں پر خرچ کیا۔ تاکہ اس سے دنیا کا جاہ وجلال اور رعب و دبدبہ حاصل کریں اور علم کے اصلی اور حقیقی مقصد دنیا والوں کی راہنمائی اور نصیحت کی طرف توجہ نہ دی تو وہ دنیا والوں کے ہاں ذلیل وخوار ہوں گے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس انسان نے اپنے مقصد میں سے صرف ایک مقصد یعنی آخرت کے مقصد کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی مقاصد کو پورا کر دے گا اور جس انسان کے مقاصد مختلف ہوں جیسے دنیا کے حالات ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کسی جنگل اور دنیا کی کسی حالت میں مرے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو شعب الایمان میں حضرت ابن عمرؓ سے ان کے قول۔ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ۔ سے آخر تک روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے علماء کو ان کے مقام اور شان کا احساس دلایا ہے کہ علماء کرام اصل میں علم کی وجہ سے اعلیٰ اور اشرف مقام پر فائز ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے علماء کو احساس شعور دیا ہے کہ وہ اپنے مقام اور مرتبہ کو پہچانیں۔ اس کی اہمیت اور نزاکت اور مہتم بالشان ہونے کو جانیں۔ کہ جس طرح دین کا علم بلند اور اعلیٰ احساس اور شعور کا حامل ہے اسی طرح علم اپنے ظرف کی بلندی اور شرافت کا تقاضا کرتا ہے اور علم کی عظمت شان کا تقاضا یہ ہے کہ علم قدردانوں اور باشعور لوگوں کے پاس رہے۔ اگر علم کو بے قدر حکمران اور امراء کے دروازوں کا طواف کرایا جائے۔ تو یہ علم کی ناقدری اور توہین کے مترادف ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سے ترقی کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کے عہدے منصب سرداری شان وشوکت عزت عظمت جاہ وجلال کی کوئی حیثیت اور مقام نہیں۔ بلکہ اصل سیادت اور امارت قیادت عظمت تو وہ ہے جو بزرگی فضل کمال ورع اور تقویٰ کے اعتبار سے ہو۔ یہی

وجہ ہے کہ علماء کرام کے لئے بادشاہ امیر وزیر وغیرہ بننا ان کی توہین اور تحقیر ہے وہ تو اپنے علم اور فضل وکمال کی وجہ سے روحانی میدان اور جہان کے تاج دار ہوتے ہیں۔ ان کی حکومت تو لوگوں کے دل ودماغ پر ہوتی ہے اور حقیقت میں بڑے بڑے بادشاہ ان کے زیرِ قدم زیرِ قلم اور ان کے فہم وذکاء کے تابع ہوتے ہیں جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمایا ہے۔ یرفع الله الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔ کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہیں علم دیا گیا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا مقصد احساس شعور اور ادراک اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہونا چاہئے کہ اس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف فکر آخرت کا نور موجزن ہو اور اس کا دل و دماغ اس کے نور سے منور ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود اس پر رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اللہ کی برکات اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اور اگر کسی انسان کا دل و دماغ مختلف خیالات اور تفکرات سے مشوش ہو اور دنیا کی اغراض میں مستغرق ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں اور وسعتوں سے محروم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ دنیا کی کسی مصیبت اور تکلیف میں تباہ و برباد ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نظر وکرم سے محروم رہتا ہے۔ دارین کی فلاح سے محروم ہو جاتا ہے اور دارین کا خسارہ اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

علم کی آفت بھولنا ہے

(۶۰/۲۴۵) وَعَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَاِضَاعَتُهٗ اَنْ تُحَدِّثَ بِهٖ غَيْرَ اَهْلِهٖ۔ (رواه الدارمی مرسلا)

أخرجه الدارمی فی السنن ۱/ ۱۵۸ حدیث رقم ۶۲٤۔

ترجمہ: حضرت اعمشؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کی آفت بھولنا ہے اور نا اہل کے سامنے علم بیان کرنا اس کو ضائع کرنا ہے اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے مرسل طریق سے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے علم کی آفت اور ضائع کرنے کو بیان کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق بیان کیا ہے کہ کیا ہی خوب کسی نے کہا ہے۔

لکل شئ آفة وللعلم آفات۔ کہ ہر چیز کی ایک ہی آفت ہوتی ہے مگر علم کے لئے بہت آفات ہیں لیکن علم حاصل کرنے کے بعد ایک ہی آفت ہے اور وہ یہ ہے کہ حصول علم کے بعد اس کا نسیان یعنی بھولنا اور کسی چیز کا حاصل ہونے کے بعد زائل ہو جانا اور ذہن سے مٹ جانا باعث اذیت وتکلیف ہے۔

اور اس حدیث میں اہل علم کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ایسی باتوں اور امور سے اجتناب کریں جو علم کے حصول کے بعد نسیان کا سبب ہوں۔ یعنی انسان ایسے گناہوں سے احتراز کریں جو کہ دل و دماغ کو غافل کر دیں۔

قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

امام شافعیؒ نے اپنے استاد حضرت وکیعؒ سے ضعف حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے گناہوں کو چھوڑنے کی وصیت کی۔ اسی کو امام شافعیؒ نے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی ☆ فاوصانی الی ترک المعاصی

"میں نے اپنے استاد حضرت وکیعؒ سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے معاصی کے چھوڑنے کی نصیحت کی"۔

فان العلم فضل من الله ☆ وفضل اللّٰہ لا یعطی لعاص

"کیونکہ علم تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور نور ہے اور اللہ کا فضل اور نور گناہ کرنے والے کو عطا نہیں کیا جاتا"

اور اس حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ نا اہل لوگوں کے سامنے علم کا نور پیش کرنا اس علم کو ضائع کرنا ہے اور نا اہل سے مراد وہ انسان ہے جو علم کی قدر نہ کرے اور نہ ہی اس کو علم کا فہم ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے علم رکھنا ضائع ہی کرنا ہے۔ علم کو قدر دانوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے کیوں کہ وہی اس سے صحیح فائدہ اور تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔

لالچ علم کو دل سے نکال دیتی ہے

(۶۱/۲۴۶) وَعَنْ سُفْيَانَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِكَعْبٍ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ؟ قَالَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ قَالَ فَمَا اَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ الْعُلَمَآءِ قَالَ الطَّمَعُ۔ (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمی فی السنن ۱/۱۵۲ حدیث رقم ۵۸٤۔

ترجمہ: حضرت سفیانؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت کعبؓ سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے نزدیک صاحب علم کون ہے؟ حضرت کعبؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنے علم کے مطابق عمل کریں وہ اہل علم ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ کونسی چیز علماء کے دل سے علم کو نکال دیتی ہے؟ حضرت کعبؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ وہ لالچ ہے۔ اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے دو سوالات کئے۔ ایک سوال یہ کیا کہ صاحب علم کون لوگ ہیں؟ حضرت کعبؓ نے اس کا جواب دیا کہ جو لوگ اپنے علم کے مطابق عمل کریں وہ صاحب علم ہیں اور جن لوگوں کا عمل علم کے مطابق نہیں بلکہ قول اور فعل میں تضاد ہے وہ صاحب علم نہیں۔

دوسرا سوال یہ کیا کہ وہ کونسی چیز ہے جو علم کے نور اور برکت کو اور عظمت کو دل سے نکال دیتی ہے اور وہ کونسی چیز ہے جو علم کے منافی اور متضاد ہے حضرت کعبؓ نے جواب دیا کہ وہ بری خصلت لالچ ہے جب عالم کے دل میں جاہ وجلال اور دنیا کے مال ومنال اور اسباب دنیا کی محبت اور عیش وعشرت کی طمع پیدا ہو جاتی ہے۔ تو علم کا نور برکت اس کے دل سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی محبت اسباب دنیا کی لالچ وطمع علم کی برکت اور عظمت کو زائل کرنے والی چیز ہے۔

علماء کی دو قسمیں ہیں علماء خیر اور علماء شر

(۶۲/۲۴۷) وَعَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنِ الشَّرِّ وَاسْئَلُوْنِيْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ۔ (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمی فی السنن ۱/۱۱٦ حدیث رقم ۳۷۰۔

ترجمہ: حضرت احوص بن حکیم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے شر کے بارے میں

سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے شر کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ خیر کے بارے میں سوال کرو اور ان جملوں کو آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر آپ ؐ نے فرمایا سنو برے لوگوں میں بدترین علماء شر ہیں اور اچھے لوگوں میں سب سے اچھے علماء خیر ہیں اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں علماء خیر اور علماء شر کا بیان کیا گیا ہے کہ علماء کی یہ دو قسمیں ہیں صحابی نے یا تو رسول اللہ ﷺ سے نفس شر اور برائی کے متعلق سوال کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ صحابی نے برے لوگوں کے بارے میں سوال کیا ہو۔ جواب سے یہی مترشح ہوتا ہے اور آپ ﷺ نے صحابی کو اس طرح کا سوال کرنے سے منع کیا کہ مجھ سے شر کے بارے میں سوال نہ کرو بلکہ خیر کے بارے میں سوال کرو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس رحمت اور سراپا خیر ہے۔ اس لئے یہ مناسب نہیں کہ آپ ﷺ سے صرف شر کے بارے میں سوال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جواب میں خیر اور شر دونوں کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا۔ آپ ﷺ کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ علماء کرام لوگوں کے راہنما اور مقتدیٰ ہوتے ہیں اور عوام کے لئے معیار اور نمونہ ہوتے ہیں۔ عالم کے طور طریقے اور اخلاق وصفات اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتے بلکہ اس کے اثرات دوسروں تک متعدی ہوتے ہیں اگر عالم اچھی عادات، خصائل اور صفات عالیہ والا ہو تو اس کے ماننے والے، اتباع کرنے والے بھی یقیناً اچھے لوگ ہوں گے اور اگر عالم کے اخلاق، عادات اور خصائل اچھے نہ ہوں تو لوگ بھی یقیناً ایسے ہی ہوں گے یہی وجہ ہے کہ موحد اور متبع سنت عالم کے مقتدی اور ماننے والے بھی موحد اور متبع سنت ہوتے ہیں۔ مشرک اور بدعتی عالم کے مقتدی بھی مشرک اور بدعتی ہوتے ہیں۔

جو عالم اپنے علم سے نفع حاصل نہ کرے وہ بدترین ہے

(۶۳/۲۴۸) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَا یَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ.

أخرجه الدارمي ١/٩٣حديث رقم ٢٦٢۔

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ میں سب سے بدتر وہ عالم ہے۔ جس نے اپنے علم سے فائدہ حاصل نہ کیا ہو۔ اس حدیث کو امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اس عالم کے لئے زجر اور توبیخ ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ حاصل نہ کیا ہو۔ اس کی مراد میں دو احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا علم ہو جو فائدہ دینے والا نہ ہو۔ وہ علم کوئی عالم حاصل کرے۔ جیسے دنیاوی علوم اور فنون کا علم اور اسی میں غیر شرعی علوم شامل ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عالم ہو کہ جس نے قرآن وسنت کا علم حاصل کیا مگر اس علم کے موافق اس نے عمل نہ کیا۔ ایسے عالم کے بارے میں یہ وعید ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین ہوگا ایسا عالم جاہل سے بھی برا ہوگا اور اس پر جاہل سے بھی زیادہ سخت عذاب ہوگا جیسے منقول ہے۔ ویل للجاهل مرة وويل للعالم سبع مرات۔ کہ جاہل کے لئے ایک مرتبہ ہلاکت اور بربادی ہے اور عالم کے لئے سات مرتبہ ہلاکت اور بربادی ہے قیامت کے دن اس عالم کو سخت عذاب ہوگا جس نے اپنے علم کے مطابق عمل نہ کیا ہوگا۔

عالم کا پھسلنا اسلام کی عمارت کو گرا دیتا ہے

(۶۴/۲۴۹) وَعَنْ زِیَادِ بْنِ حُدَیْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِیْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا یَهْدِمُ الْاِسْلَامَ قُلْتُ لَا قَالَ

يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ ۔ (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمی فی السنن ۱/ ۸۲ حدیث رقم ۲۱۴۔

ترجمہ: حضرت زید بن حدیر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کی عمارت کو گرانے والی چیز کونسی ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عالم کا پھسلنا۔ (یعنی کسی مسئلہ میں عالم سے غلطی ہو جانا) اور منافق کا اللہ کی کتاب میں جھگڑا کرنا اور گمراہ سرداروں کا حکم جاری کرنا اسلام کی عمارت کو گرا دیتا ہے اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اسلام کی عمارت سے مراد اسلام کے بنیادی پانچ ارکان ہیں جن کو ارکان اسلام کہا جاتا ہے نمبر ا کلمہ شہادت نمبر۲ نماز نمبر۳ روزہ نمبر۴ زکوٰۃ نمبر۵ حج۔

اور اسلام کی عمارت کو گرانے سے مراد یہ ہے کہ جس کی وجہ سے ارکان اسلام بیکار ہو کر رہ جائیں اور اس حدیث میں اسلام کی عمارت کو گرانے کے تین اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

① عالم دین کا پھسل جانا: کہ جب کوئی عالم دین دنیاوی اغراض اور مفاد کی خاطر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سستی کرے گا تو ظاہر ہے کہ ارکان اسلام میں سستی تو ہو ہی جائے گی۔

② منافق کا جدال: کیونکہ منافق بظاہر تو اسلام کا نام لیوا ہوتا ہے۔ مگر اصل اور حقیقت میں کفر اور بدعت کا حامی ہوتا ہے اور قرآن میں غلط تاویلات کر کے فرائض اسلام کو رد کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ناپاک کوشش ارکان اسلام کے اندر خرابی اور فساد کو مستلزم ہے۔ جیسے رافضی خارجی اور اہل بدعت۔ یہ لوگ بھی ذاتی اغراض اور مفاد کی خاطر خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتے ہوئے قرآن کی آیات میں غلط تاویلات کر کے لوگوں میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔

③ گمراہ حکمران: یعنی جب حکمران گمراہ ہوں گے تو ان کی ضلالت اور گمراہی کی وجہ سے بھی ارکان اسلام کی ادائیگی میں کمزوری واقع ہو جائے گی کیونکہ عام لوگ اپنے بادشاہوں کے دین کے تابع ہوتے ہیں۔

علم کی دو قسمیں ہیں قلبی اور لسانی

(۲۵۰/۶۵) وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْقَلْبِ. فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ ۔ (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمی ۱/ ۱۱۴ حدیث رقم ۳۶۴۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جو دل میں ہوتا ہے اور دوسرا وہ علم جو زبان کے اوپر ہوتا ہے اور یہ علم انسان پر اللہ تعالیٰ کی حجت اور دلیل ہوتا ہے اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم باطن اور علم ظاہر۔ جب تک ظاہر کی اصلاح نہ ہو۔ تو اس وقت تک علم باطن سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ علم باطن کے بغیر ظاہر کی تکمیل بھی نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ علم کی یہ دو قسمیں علم باطنی اور علم ظاہری اصل اور بنیاد ہیں اور ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق اور ربط ہے ان دونوں کے درمیان اتصال ضروری ہے ان میں سے ہر ایک دوسرے سے منفصل اور جدا نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ ایمان اور

اسلام کے درمیان اتصال اور تعلق ہے۔یا جس طرح کہ جسم اور روح کے درمیان علاقہ لزوم ہے کہ یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے کہ علم نافع وہ ہے جس کے نور سے دل منور ہو جائے اور وہ حجابات اور پردے جو کہ اشیاء کی معرفت اور ان کی حقائق کے ادراک کے لئے مانع ہیں وہ سب کافور ہو جائیں پھر علم نافع کی دو قسمیں ہیں۔
نمبر ۱ علم معاملہ جو کہ عمل کا باعث اور سبب ہو۔
نمبر ۲ علم مکاشفہ جو کہ عمل کا اثر اور نتیجہ ہو اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اس کے دل میں اس علم کا نور پیدا کر دے اور حضرت حسن بصریؒ نے جس علم کو نفع مند قرار دیا ہے اس سے یہی مراد ہے اور جو علم صرف زبان پر ہوتا ہے اس کی نہ تو تائید ہوتی ہے اور نہ ہی وہ دل میں نور پیدا کرتا ہے کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

علم چوں بر دل زند یارے شود ☆ علم چوں بر تن زند مارے شود

کہ جو علم دل میں ہوتا ہے وہ مفید ہوتا ہے اور جو علم ظاہر میں ہوتا ہے وہ غیر مفید ہوتا ہے اور اسی علم کے متعلق اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت اور دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بطور الزام کے کہے گا کہ میں نے تمہیں علم دیا تھا تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا اسی وجہ سے کہا گیا ہے

ویل للجاهل مرة ☆ وللعالم سبع مرات

کہ جاہل کیلئے ایک ہلاکت اور تباہی ہے اور عالم کیلئے سات ہلاکتیں اور تباہیاں ہیں کیونکہ جاہل ناواقف ہے اور عالم واقف۔

علم کے دو برتن

(۶۶/۲۵۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَائَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِيْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ يَعْنِىْ مَجْرَى الطَّعَامِ ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱/ ۲۱٦ حديث رقم ۱۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن یعنی دو طرح کا علم حاصل کیا ہے اور میں نے اس کو یاد کیا ہے۔ان میں سے ایک کو میں نے تمہارے درمیان پھیلا دیا ہے اور دوسرے علم کو اگر میں تمہارے درمیان پھیلاؤں اور بیان کروں۔تو میرا گلا کاٹ دیا جائے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن یاد کر لئے ہیں۔ایک برتن کو تو میں نے عوام میں پھیلا دیا ہے اس سے مراد فرائض اسلام اور احکام شرعیہ کا علم ہے اور دوسرے برتن کے مصداق اور مراد میں دو احتمال ہیں۔ایک یہ کہ اس سے مراد باطنی علم ہے۔جس کو عارفین اور اہل اللہ جانتے ہیں۔اگر میں اس کو بیان کروں تو لوگ اس کی کنہ اور حقیقت کا ادراک نہ کر سکنے کی وجہ سے میرا گلا کاٹ دیں گے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے زمانہ استقبال کے فتنہ باز، فتنہ ساز حکمران ہیں۔اگر میں مستقبل کے فتنوں کی نشاندہی کروں اور حقیقت حال کو ظاہر کر دوں۔تو یہ لوگ میرا گلا کاٹ دیں گے۔حضرت ابو ہریرہؓ نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ مجھے فتنہ باز حکمرانوں سے پہلے ہی اٹھا لینا۔

علم نہ ہونے کے وقت اللہ اعلم کہنا بھی علم ہے

(۶۷/۲۵۲) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِنَّ مِنَ

الْعِلْمِ اَنْ تَقُوْلَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اَللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ. (سورة ص ٨٦: متفق عليه)

أخرجه البخاری من حديث طويل ٨/٥٤٧ حديث رقم ٤٨٠٩ـ وكذلك مسلم ٤/٢١٥٥ حديث رقم (٣٩ـ٢٧٩٨) وأخرجه الدارمی بلفظ المشكاة ١/٧٣ حديث رقم ١٧٣ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جو شخص کسی بات کو جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ اس کو بیان کر دے اور جو نہ جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ کہہ دے: اللہ اعلم کہ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کیونکہ اللہ اعلم کہنا بھی علم ہے۔ یعنی معلوم اور غیر معلوم کے درمیان امتیاز کرنا بھی ایک علم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کیلئے ارشاد فرمایا۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔ (اے محمد! فرما دیجئے کہ میں اس قرآن کو سنانے پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی سے کوئی علمی سوال کیا جائے اور وہ اس کو معلوم ہو تو جواب دیدے اور اگر اس کو معلوم نہ ہو تو تکلف کرنے کی ضرورت نہیں اللہ اعلم کہہ کر اس کا علم اللہ کے سپرد کر دے۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا علم ہے۔ معلوم اور مجہول کے درمیان امتیاز کرنا۔ حضرت عبداللہؓ نے تائید میں ایک آیت پڑھی۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔ اے محمد ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم دیا ہے اور پھر اس کو لوگوں تک پہنچانے کا جو حکم دیا ہے۔ اسی کو لوگوں تک پہنچاتا ہوں۔ اور ان کو اس کی تعلیم دیتا ہوں اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کا اپنی طرف سے دعویٰ نہیں کرتا اور نہ ہی ایسے علوم سے بحث کرتا ہوں کہ جن کا سمجھنا لوگوں کے لیے دشوار اور مشکل ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا تکلف کو مستلزم ہے۔

قابل اعتماد آدمی سے علم حاصل کرو

(۶۸/۲۵۳) وَعَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ١/١٤ فی المقدمة ـ وأخرجه الدارمی فی السنن ١/١٢٤ حديث رقم ٤١٩ ـ

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن وسنت کا علم دین ہے۔ لہٰذا جب تم اس کو حاصل کرو۔ تو غور وفکر کر لیا کرو کہ کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو اس کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت محمد بن سیرینؒ نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جب قرآن وسنت کا علم حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو تحصیل علم سے پہلے اچھی طرح غور وفکر کر لیا کرو کہ جس آدمی سے علم حاصل کرنا چاہتے ہو وہ کیسا آدمی ہے؟ با اعتماد ہے یا نہیں۔ جب اس عالم کے حالات کا علم ہو جائے اس کا ورع' تقویٰ اور قوت حافظہ معلوم ہو جائے پھر اس سے استفادہ کرو۔ بغیر تحقیق کے ہر ایرے غیرے کو استاد بنانے سے احتراز کرو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی بدعتی اور خواہشات نفسانیہ کے قیدی کے ہاتھ آ جاؤ اور وہ تمہیں بجائے ہدایت کے راستہ پر لگانے کے الٹا ضلالت کے راستہ پر لگا دے۔

یہی وجہ ہے کہ مدارس دینیہ کے طلباء گمراہ نہیں ہوتے کیونکہ مدارس دینیہ کے اساتذہ ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اسکول اور کالجز میں عموماً اساتذہ ملحد ہوتے ہیں وہاں اسلامیات پڑھانے والے استاد کے شاگرد گمراہ ہوتے ہیں کیونکہ استاد خود ضلالت اور الحاد کا شکار ہوتا ہے۔

اے قاریوں کی جماعت سیدھے رہو

(۶۹/۲۵۴)وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَامَعْشَرَ الْقُرَّآءِ اِسْتَقِيْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا وَاِنْ اَخَذْتُمْ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري ۱۳/ ۲۵۰ حديث رقم۷۲۸۲۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے قاریوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے قاریوں کی جماعت سیدھے رہو۔ اس لئے کہ تم سبقت لے گئے ہو دور کی سبقت۔ اگر تم سیدھے راستہ سے ہٹ کر ادھر ادھر ہو گئے تو بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حضرت حذیفہؓ نے ان صحابہ کرام کو خطاب کیا۔ جو ابتداء اسلام میں مشرف با اسلام ہو گئے تھے ان حضرات نے ابتداء ہی میں اسلام کو مضبوطی سے اختیار کرلیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ شروع میں مشرف با اسلام ہونے کی وجہ سے اپنے فضل وکمال اور بزرگی میں دوسرے لوگوں سے سبقت لے گئے تھے۔ ان حضرات کو حضرت حذیفہؓ نے نصیحت فرمائی کہ تم لوگ شریعت و طریقت اور صراط مستقیم پر استقامت سے رہو۔ استقامت سے مراد یہ ہے کہ عقائد حقہ اعمال صالحہ اور علم نافع پر استقامت اختیار کرو اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو۔

جب الحزن سے پناہ مانگو

(۷۰/۲۵۵)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَعَوَّذُوْا مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاجُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّدْخُلُهَا قَالَ الْقُرَّآءُ الْمُرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ (رواه الترمذی و كذا ابن ماجة) زَادَ فِيْهِ وَاِنَّ مِنْ اَبْغَضِ الْقُرَّآءِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَلَّذِيْنَ يَزُوْرُوْنَ الْاُمَرَآءَ قَالَ الْمُحَارِبِیُّ يَعْنِی الْجَوَرَةَ۔ (رواه الترمذی و ابن ماجة)

أخرجه الترمذي في السنن ٥١٢/٤ حديث رقم ٢٣٨٣ وقال حسن غريب۔ وأخرجه ابن ماجة ٩٤/١ حديث رقم٢٥٦۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے۔ تم جب الحزن یعنی جہنم کے کنویں سے پناہ مانگو صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ جب الحزن کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا وہ جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ اس میں کون داخل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ قاری جو دکھلاوے کے لئے اعمال کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین وہ قاری ہیں جو امیروں سے ملاقات کرتے ہیں اس حدیث کے راوی محاربی نے کہا ہے۔ کہ امراء سے مراد ظالم سردار ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ریاء کار قاریوں کے لئے سخت وعید ذکر فرمائی ہے کہ ان کو جب الحزن میں ڈالا جائے گا۔ جب الحزن جہنم کی ایک بہت گہری وادی کا نام ہے جو کہ کنویں کے مشابہ ہے اور یہ وادی بہت ہی سخت ہیبت ناک اور وحشت ناک ہے۔ اہل جہنم تو درکنار جہنم بذات خود اس وادی سے دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے اور اس وحشت ناک وادی میں

ریا کار قاریوں کو ڈالا جائے گا یہی حکم ہے ریا کار عالم اور عابد وزاہد کا۔ اس لئے کہ علم کی اصل بنیاد تو قرآن ہی ہے اور عبادت بھی قرآن کے حکموں کے مطابق ہو تو معتبر ہوتی ہے اسی وجہ سے ریا کار عالم اور عابد کا بھی وہی انجام ہوگا جو ریا کار قاری کا ہے اور اس حدیث میں ظالم سرداروں کی ملاقات سے مراد یہ ہے کہ قاری صاحب ایسے سرداروں سے صرف حب جاہ، دنیاوی لالچ اور مفاد پرستی کے لئے ملاقات رکھے ایسا قاری اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہے ہاں البتہ اگر کوئی قاری یا عالم یا عابد ایسے سرداروں سے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ان کے شر سے بچنے کے لئے ملتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جب اس حدیث میں سرداروں کو ظلم کی قید کے ساتھ مقید کر دیا ہے تو اس سے عادل اور نیک سرداروں سے احتراز ہو گیا کہ ان سے ملاقات ممنوع نہیں۔ بلکہ بہتر ہے اور عبادت میں شامل ہے۔

علماءِ سوء فساد پیدا کر کے اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کریں گے

(۲۵۶/۷) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِ هِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ...... (رواه البيهقي في شعب الايمان)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ۲/۳۱۱ حديث رقم ۱۹۰۸۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عنقریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نقوش باقی رہ جائیں گے ان کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی۔ مگر درحقیقت ہدایت سے ویران ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے۔ ظالموں کی حمایت کی وجہ سے ان ہی سے دین میں فتنے پیدا ہوں گے اور ان ہی میں لوٹیں گے یعنی ان پر ہی ظالم مسلط کر دیے جائیں گے اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

تشریح: اخبار الغیب کے طور پر اس حدیث میں چار چیزوں کی خبر دی گئی ہے کہ آئندہ زمانہ میں یہ چار چیزیں ظاہر ہونگی۔

① اسلام کا نام رہ جائے گا اور اسلام کا کام نہیں ہوگا یعنی لوگ نام کے مسلمان ہوں گے اور کام مسلمانوں والے نہیں ہوں گے جیسے موجودہ دور میں نام کے مسلمان ہیں کام کے مسلمان نہیں۔ دھوکہ' فراڈ' کذب' سود' رشوت' حرام خوری' شراب نوشی یہ سب امور اسلام کے خلاف ہیں اور مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔

② رسم قرآن باقی رہ جائے گا۔ قرآن ضابطہ حیات ہے۔ لوگ اس کی طرف توجہ نہیں دیں گے تجوید اور قراءت کی طرف توجہ ہوگی الفاظ اور نقوش ہوں گے۔ معانی اور مفاہیم ہوں گے مگر مصداق باقی نہیں ہوگا۔ مثلاً لفظ تقویٰ تو ہوگا۔ مگر تقویٰ کا وجود نہیں ہوگا۔ لفظ علم تو ہوگا۔ مگر علم کا وجود نہیں ہوگا۔ لفظ امانت تو ہوگا مگر امانت کا وجود نہیں ہوگا لفظ ہدایت تو ہوگا مگر ہدایت کا وجود نہیں ہوگا لفظ زکوٰۃ تو ہوگا مگر زکوٰۃ کا وجود نہیں ہوگا۔ لفظ عدل تو ہوگا مگر عدل کا وجود نہیں ہوگا۔ علی ہذا القیاس۔

③ مساجد بظاہر آباد ہوں گی مگر شریعت کے مطابق آباد نہیں ہونگی۔ مساجد اپنی اصلی غرض وغایت اور مقصد سے خالی ہوں گی۔ مساجد میں اصلی عبادت درس وتدریس' اشاعت توحید وسنت نہیں ہوگی۔

④ علماء کرام اپنے آپ کو روحانی پیشوا اور راہنما کہلائیں گے مگر اپنے فرض منصبی سے اعراض کر کے مذہب کے نام پر تفرقہ بازی کریں گے اور ظالم حکمرانوں اور سرداروں کی حمایت اور مدد کر کے فتنہ برپا کریں گے۔ اس سے مراد علماء سوء ہیں جو تمام انسانوں

سے بدتر ہوں گے دین میں فتنہ اور فساد پیدا کر کے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کریں گے۔ ان ہی سے فتنے پیدا ہوں گے اور پھر وہ فتنے ان ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔

اگر علم کے مطابق عمل نہ ہوا تو علم ختم ہو جائے گا

(۲/۲۵۷ء۷)وَعَنْ زِیَادِ بْنِ لَبِیْدٍ قَالَ ذَکَرَ النَّبِیُّ ﷺ شَیْئًا فَقَالَ ذٰلِكَ عِنْدَ اَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ یَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِئُهُ اَبْنَاءَ نَا وَیُقْرِئُهُ اَبْنَاءَ هُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَقَالَ ثَکِلَتْكَ اُمُّكَ زِیَادُ اِنْ کُنْتُ لَاَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِیْنَةِ اَوَلَیْسَ هٰذِهِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی یَقْرَأُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِیْلَ لَایَعْمَلُوْنَ بِشَیْءٍ مِّمَّا فِیْهِمَا۔ رواہ احمد وابن ماجة و روی الترمذی عَنْهُ نَحْوَهٗ وَکَذَا الدَّارِمِیُّ عن ابی امامة۔ (رواہ احمد وابن ماجة)

أخرجه أحمد فی المسند٤/١٦٠۔ وأخرجه ابن ماجة فی سننه ٢/١٣٤٤حدیث رقم ٤٠٤٨وأخرج الترمذی نحوه عن أبی فی السنن ٥/٣١حدیث رقم ٢٦٥٣۔

ترجمہ: حضرت زیاد بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ فتنہ اور فساد کے بارے میں ذکر فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا جب کہ علم ختم ہو جائے گا۔ یہ سن کر میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول علم کس طرح ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں گے اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ زیاد تمہیں تمہاری ماں گم کر دے۔ میں تو آپ کو مدینے کے لوگوں میں بڑا سمجھ دار جانتا تھا۔ کیا یہود و نصاری تورات اور انجیل کو نہیں پڑھتے ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں میں جو کچھ ہے (یعنی احکام) ان میں سے وہ کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے بھی حضرت زیاد سے اس جیسی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح امام دارمی نے حضرت ابوامامہ سے نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ فتنہ اور فساد کے دور کا ذکر کیا اور اس دوران یہ بھی ذکر کیا کہ اس وقت علم ختم ہو جائے گا۔ حضرت زیادؓ نے آپ ﷺ کی صحیح مراد کو نہ سمجھا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ علم کیسے ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں گے اور وہ آگے اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک علی ہذا القیاس چلتا رہے گا تو علم ختم کیسے ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیاد کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم نے میرے کلام کی صحیح مراد اور مقصد کو نہیں سمجھا اور اپنے خیال سے سمجھ لیا کہ قرآن کا پڑھ لینا اور اس کا علم حاصل کر لینا ہی کافی ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ صرف قرآن کریم پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ اصل چیز تو قرآن کی اتباع اور احکام القرآن پر عمل کرنا ہے اور آپ ﷺ نے جس وقت کی طرف اشارہ کیا اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت لوگ قرآن کو پڑھیں گے اور قرآن کا علم حاصل کریں گے مگر احکام قرآن پر عمل نہیں کریں گے۔ جس طرح کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاری تورات اور انجیل کو پڑھتے ہیں اور ان کا علم حاصل کرتے ہیں مگر تورات اور انجیل کے احکامات پر عمل نہیں کرتے۔

علم ختم ہو جائے گا اور فتنے ظاہر ہو جائیں گے

(۳/۲۵۸ء۷) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ

وَعَلِّمُوْہُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْہُ النَّاسَ فَاِنِّی امْرُءٌ مَقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَیُقْبَضُ وَتَظْھَرُ الْفِتَنُ حَتّٰی یَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِیْ فَرِیْضَۃٍ لَّایَجِدَانِ اَحَدًا یَّفْصِلُ بَیْنَھُمَا۔ (رواہ الدارمی و الدارقطنی)

أخرجه الدارمی ۱/۸۳حدیث رقم ۲۲۱۔وأخرجه الدارقطنی ۴/۸۱حدیث ۴۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشادفرمایا علم کو سیکھو اور دوسروں کو سکھلاؤ۔علم وارثت یا فرض احکام کو سیکھو اور دوسروں کو سکھلاؤ۔اس لئے کہ میں ایک شخص ہوں کہ جو اٹھالیا جاؤں گا اور علم بھی اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے۔یہاں تک کہ دو آدمی ایک فرض میں اختلاف کریں گے اور کوئی شخص ایسا موجود نہ ہوگا جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے یعنی علم کے کم ہوجانے اور فتنوں کے بڑھ جانے سے یہ صورت حال ہو جائے گی۔اس حدیث کو امام دارمی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت اور وصیت فرمائی۔کہ علم دین سیکھو اور دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دو۔فرائض کا علم حاصل کرو۔مراد فرائض سے یا تو وراثت کا علم ہے یا فرائض اسلام ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دو۔قران کریم خود سیکھو اور دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دو۔کیونکہ ایک ایسا وقت آجائے گا کہ علم کم ہوجائے گا۔اگر دو آدمیوں کا کسی فریضہ میں جھگڑا ہوگا تو ان کے درمیان کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ہوگا۔مجھے بھی عنقریب دنیا سے اٹھالیا جائے گا اور علم بھی ختم ہوجائے گا اور رنگ برنگے فتنوں کا ظہور ہوجائے گا۔

غیر نافع کی مثال

(۷۴/۲۵۹)وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلُ عِلْمٍ لَّایُنْتَفَعُ بِہٖ کَمَثَلِ کَنْزٍ لَّایُنْفَقُ مِنْہُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (رواہ احمد و الدارمی)

أحمد فی مسنده ۲/۴۹۹۔وأخرجه الدارمی ۱/۱۴۸حدیث رقم ۵۵۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس علم کی مثال جس سے نفع حاصل نہ کیا جائے۔یعنی نہ تو اس پر خود عمل کیا جائے اور نہ ہی دوسروں کو پڑھایا جائے اس مال اور خزانہ کی طرح ہے جس میں سے اللہ کے راستہ میں کچھ نہ خرچ کیا جائے اس حدیث کو امام احمد اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے غیر نفع مند علم کی مثال کو ذکر کیا ہے کہ غیر نافع علم کی مثال اس خزانے کی طرح ہے کہ جس میں سے خیر کے کاموں میں اور جہاد فی سبیل اللہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے اس مثال سے یہ بتانا مقصود ہے کہ علم سے فائدہ حاصل نہ کرنا ایسا ہے جیسے خزانہ سے خرچ نہ کرنا۔گویا کہ یہ تشبیہ صرف عدم استفادہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ طریق عموم کے اعتبار سے۔اس لئے کہ علم خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے۔علم باقی ہے اور مال فانی ہے علم کی چوری نہیں ہوتی اور مال چوری ہوجاتا ہے۔علم انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے بخلاف مال کے کہ وہ اس طرح نہیں۔

❁ ❁ ❁

کِتَابُ الطَّہَارَۃِ

پاکیزگی کا بیان

''صاحب مشکوٰۃ نے سب سے پہلے کتاب الایمان کو بیان کیا پھر کتاب العلم کو پھر کتاب الطہارۃ کو۔ کتاب الایمان کو مقدم اسلئے کیا کہ ایمان کے بغیر کسی چیز کا اعتبار نہیں پھر کتاب العلم کو اسکے بعد اسلئے بیان کیا کیونکہ علم ہر چیز کی بنیاد ہے اور عبادات میں سب سے مقدم نماز کا درجہ ہے اور نماز کے لئے طہارت شرط ہے اور نماز مشروط ہے اور قاعدہ ہے کہ شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے اسلئے کتاب العلم کے بعد کتاب الطہارۃ کو بیان کیا۔''

معنی طہارت: طہارت لغت میں نظافت اور پاکیزگی کو کہتے ہیں۔ طہور اگر بضم الطاء ہو تو اس کا معنی ہے آلہ طہارت جیسے پانی' مٹی وغیرہ اور اگر بفتح الطاء ہو تو اس صورت میں یہ مصدر ہے یعنی طہارت کرنا۔

اور اصطلاح میں طہارت کی تعریف ہے نجاست حکمی اور حقیقی سے پاکیزگی اور صفائی حاصل کرنا۔ نجاست حکمی سے مراد حدث اصغر اور حدث اکبر ہے اور نجاست حقیقی سے مراد نجاسات ہیں جیسے بول و براز وغیرہ۔

الفصل الاوّل:

طہارت نصف ایمان ہے

(۱/۲۶۰) عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ اَوْتَمْلَأُ مَابَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْعَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَّفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْمُوْبِقُهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَمْلَآنِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِی الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِیْ كِتَابِ الْحُمَيْدِیِّ وَلَافِی الْجَامِعِ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا الدَّارِمِیُّ) بَدَلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

تخریج ☆ اخرجه مسلم ۱/۲۰۳ حديث رقم (۱ ۲۲۳)۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۵/۳۴۲ جمعا بين الروايتان وأخرجه الدارمی ۱/۱۷۴ حديث ۶۵۳۔ والترمذی ۵/۵۰۱ حديث ۳۵۱۷ والنسائی بنحوه ۵/۵ حديث رقم ۲۴۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پاکیزگی حاصل

کرنا نصف ایمان ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا نامہ اعمال کے ترازو کو بھر دیتا ہے اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ دونوں یا فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک آسمان اور زمین کے درمیانی خلا کو بھر دیتا ہے، نماز نور ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر کرنا روشنی ہے اور قرآن تمہارے لیے یا تمہارے خلاف دلیل ہے ہر انسان جب صبح کرتا ہے۔ یعنی جب نیند سے بیدار ہوتا ہے۔ تو اپنی جان کو اپنے کاموں میں فروخت کرتا ہے۔ یعنی لگاتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی جان کو آزاد کرتا ہے یا ہلاک کرتا ہے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ دونوں آسمان اور زمین کے درمیانی خلا کو بھر دیتے ہیں ہے صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم میں نہیں پایا اور نہ ہی حمیدی کی کتاب میں اور نہ ہی جامع الاصول میں مجھے یہ روایت ملی ہے۔ البتہ امام دارمیؒ نے اس روایت کو بجائے سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا صاحب مصابیح کا اس روایت کو فصل اول میں ذکر کرنا درست نہیں ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں مقصود بالذات طہارت اور پاکیزگی کی فضیلت کو بیان کرنا ہے اور اس حدیث میں چند امور مذکور ہیں:

① طہارت نصف ایمان ہے: وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان سے صغیرہ اور کبیرہ دونوں طرح کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وضو سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اس اعتبار سے طہارت نصف ایمان ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ طہارت کو اسلام میں کیا مقام حاصل ہے۔

② سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ: ان کا ورد کرنا اور ان کو پڑھنا اس قدر فضیلت کا حامل ہے کہ اگر ان دونوں کلموں کو جسم عطا کیا جائے تو یہ اس قدر عظمت اور فضیلت والے ہیں کہ یہ دونوں کلمات زمین و آسمان کے درمیان کی فضا کو بھر دیں اور اس حدیث میں راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تَمْلَاُ مفرد کا صیغہ استعمال کیا یا تملآن تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا چنانچہ راوی نے اس شک کی وجہ سے دونوں کو نقل کر دیا۔

③ نماز نور ہے اس کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ نماز عالم برزخ اور قیامت کے اندھیروں کے لئے روشنی اور نور کا باعث ہے۔ یا نماز کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ نماز روشنی کے مثل ہے جو مؤمن کو بری باتوں اور گناہوں سے بچاتی ہے اعمال صالحہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے یا نماز کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ نماز مؤمن کے دل کو معرفت خداوندی کے نور سے منور کرتی ہے اور نماز پڑھنے والے کے چہرہ پر عبادت، اطاعت کی وجہ سے سعادت اور نیک بختی کا نور چمک پیدا کر دیتا ہے۔

④ صدقہ دلیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنا اور صدقہ دینا ثبوت ایمان کی دلیل ہے کیونکہ ایمان کو معلوم کرنے کی سب سے بہترین کسوٹی اور معیار مال خرچ کرنے کی قربانی ہے۔

یا صدقہ کے دلیل ہونے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جب غنی اور مال دار سے سوال کیا جائے گا کہ ہم نے تجھے بہت مال دیا تھا اور خوب مالی وسعت حاصل تھی۔ تو بتاؤ کہ وہ مال کہاں خرچ کیا اور اس کا مصرف کیا تھا اپنا مال نیکی کے امور میں خرچ کیا یا برائی کے امور میں خرچ کیا تو اس کے جواب میں صدقہ بطور دلیل کے پیش کیا جائے گا۔ اے اللہ تیرا دیا ہوا مال تیرے حکم کے مطابق تیری رضا اور خوشنودی کے لئے خرچ کیا گیا ہے۔ گناہ اور معصیت کے کاموں میں خرچ نہیں کیا گیا۔

⑤ صبر کرنا روشنی ہے اس لئے کہ صبر کرنے والے کا دل و دماغ ایمان کی روشنی سے منور ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان دین اور دنیا کے ہر مرحلہ میں کامیاب ہوتا ہے اور صبر اپنی تینوں اقسام کو شامل ہے: ❶ صبر علی الطاعة۔ ❷ صبر علی المصيبة۔ ❸ صبر عن المعصية۔

⑥ قرآن کریم حجت ہے یعنی اگر قرآن کو پڑھ کر اس کے احکامات پر عمل کیا تو یہ اس صورت میں پڑھنے والے اور عمل کرنے والے کیلئے دلیل ہے کہ یہ مؤمن ہے اور جنت کا مستحق ہے اور اگر قرآن کے احکام پر عمل نہ کیا تو یہ قرآن انسان کے خلاف دلیل ہوگا۔

⑦ صبح کو جان فروخت کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی آدمی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے لہٰذا اگر اس نے اس کے بدلے میں آخرت کو خرید لیا۔ یعنی دنیا کے بدلے میں آخرت کو خرید لیا اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔ تو اس نے اپنے نفس کو آخرت کے عذاب سے بچا لیا اور اگر اس نے آخرت کے بدلے میں دنیا کو خرید لیا اور دنیا کو آخرت کے بدلے میں ترجیح دے دی۔ تو اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا

گناہوں کو ختم کرنے والے اور درجات کو بلند کرنے والے کام

(۲/۲۶۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَایَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِهِ وَکَثْرَةُ الْخُطَا اِلَی الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذَالِکُمُ الرِّبَاطُ وَفِیْ حَدِیْثِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ فَذَالِکُمُ الرِّبَاطُ رَدَّدَ مَرَّتَیْنِ۔ (رَواه مسلم وفي رواية الترمذی ثلاثا)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۱۹/۱ حديث (۴۱-۵۱)۔ وأخرجه الترمذی في السنن ۷۲/۱ حديث رقم ۵۱۔ وأخرجه النسائی فی سننه ۸۹/۱ حديث رقم ۱۴۳۔ وأخرجه مالك فی الموطأ ۱۶۱/۱ حديث رقم ۵۵۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۲۷۷/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلا دوں۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو ختم کر دے اور جنت میں تمہارے درجات کو بلند کر دے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کیوں نہیں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ضرور ایسا کام بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وضو کو صحیح اور کامل کرنا۔ باوجود مشقت کے بیماری یا سخت سردی کی وجہ سے مسجد کی طرف زیادہ قدم چل کر آنا گھر دور ہونے کی وجہ سے اور ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہنا۔ پس یہ رباط ہے اور حضرت مالک بن انسؒ کی حدیث میں فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ کا لفظ دو مرتبہ ہے اور جامع ترمذی کی حدیث میں یہ لفظ تین مرتبہ ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان امور کو ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور جنت میں درجات کو بلند کرے گا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسے کام نہ بتاؤں کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جنت میں تمہارے درجات بلند کر دے۔ صحابہ کرام جو کہ جانثار رسالت تھے وہ ان جیسے امور کے لئے حریص تھے انہوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں ضرور ایسے کام بتائیں جن کی وجہ سے ہمارے گناہ معاف ہو جائیں اور ہمارے درجات جنت میں بلند ہو جائیں تو آپ ﷺ نے تین امور بتائے۔

① اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ: یعنی وضو کو صحیح اور کامل کرنا باوجود مشقت کے مثلاً مرض ہو کہ جس کی وجہ سے وضو کرنے میں دشواری اور مشکل ہو یا شدید سردی ہو۔ ایسی مشقت کے باوجود وضو کے فرائض و سنن اور مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے وضو کرنا اور اطالۃ مع التثلیث کی رعایت کرنا ایسے وضو کی یہ تاثیر ہے کہ گناہ معاف ہوں گے اور جنت میں درجات بلند ہوں گے۔

② كَثْرَةُ الْخُطٰى اِلَى الْمَسَاجِدِ: جمع ہے خطوۃ کی۔ اس کا معنی ہے قدم اٹھانا اس سے مراد یہ ہے کہ کثرت سے مسجد میں آنا جانا۔ نماز کے لئے یا ویسے عبادت کے لئے یا مسجد سے لگاؤ اور محبت کی وجہ سے بار بار مسجد میں آنا جانا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا گھر مسجد سے دور ہو اور وہ دور دراز علاقہ سے چل کر مسجد میں آئے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مسجد تک آنے میں اس کے قدم زیادہ ہوں گے اور یہ عمل بھی گناہوں کی معافی کا اور جنت میں درجات کی بلندی کا ذریعہ اور سبب ہے۔

③ اِنْتِظَارُ الصَّلٰوةِ: یعنی ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے لئے مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرنا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے لئے فکرمند ہو جانا چاہیے گھر میں ہو یا دفتر میں، دکان میں ہو یا کھیتی وغیرہ میں اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔
ورجل قلبه معلق بالمساجد۔ اور تعلق بالمسجد، مسجد سے باہر رہ کر ہو سکتا ہے۔

الرِّبَاطُ: امر سوم کو رسول اللہ ﷺ نے رباط کے ساتھ تشبیہ دی ہے، رباط اصل میں اسلامی سرحدوں پر پہرہ دینے کو کہتے ہیں کیونکہ اس پہرہ دار نے گویا کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھوڑوں کو وہاں پابند کر کے باندھ رکھا ہے۔ اس عمل کا بہت زیادہ ثواب ہے اور یہاں اس عمل کے ساتھ انتظار الصلوٰۃ کے عمل کو تشبیہ دی گئی ہے جیسے وہاں کفار کے مقابلہ کے لئے بیٹھتے ہیں۔ یہاں شیطان کے مقابلہ کے لئے بیٹھتے ہیں۔ جو کہ دین کا سب سے بڑا ازلی دشمن ہے تو جو فضیلت اور عظمت اس رباط میں ہے۔ وہی فضیلت عظمت اور سعادت یہاں ہے اور اس مضمون کی تائید سورت نساء کی اس آیت سے ہوتی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔ اے ایمان والو! تکلیفوں پر صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہو اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرو۔

وضو کے فرائض: وضو کے چار فرائض ہیں: ① چہرے کا دھونا پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ایک کان کے نرمے سے لے کر دوسرے کان کے نرمے تک۔ ② دونوں ہاتوں کو کہنیوں سمیت دھونا ③ چوتھائی حصہ سر کا مسح کرنا ④ دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چہرے کے اندر ڈاڑھی کا دھونا شامل ہے البتہ اس کی حد میں علماء کا اختلاف ہے متون کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے متصل ہوں فرض ہے درمختار اور فتاوٰی عالمگیری میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے جو بال منہ کی جلد سے متصل ہوں ان کا دھونا فرض ہے اور لٹکی ہوئی ڈاڑھی کا دھونا فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔

وضو کی سنتیں: ① دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا۔ ② وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔ ③ وضو کرتے ہوئے مسواک کرنا۔ ④ مضمضہ یعنی کلی کرنا۔ ⑤ ناک میں پانی داخل کر کے جھاڑنا۔ ⑥ ڈاڑھی کا خلال کرنا۔ ⑦ انگلیوں کا خلال کرنا۔ ⑧ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا۔ ⑨ وضو سے پہلے نیت کرنا۔ ⑩ فرائض وضو کو قرآنی ترتیب کے مطابق ادا کرنا۔ ⑪ تمام سر کا مسح کرنا۔ ⑫ وضو کے اعضا کو لگا تار دھونا۔ ⑬ سر کے باقی ماندہ پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کرنا۔

وضو کے مستحبات: ① اعضاء وضو کو دھونے کے وقت دائیں جانب سے ابتداء کرنا۔ ② گردن کا مسح کرنا۔ ③ قبلہ رُخ ہو کر وضو کرنا۔ ④ دھوتے ہوئے اعضائے وضو کو ملنا۔ ⑤ غیر معذور کو وقت سے پہلے وضو کرنا۔ ⑥ کشادہ انگشتری کو حرکت دینا۔ یہی حکم ہے قرط یعنی بالی کا اور اگر ان دونوں کے متعلق یہ خیال ہو کہ نیچے پانی نہیں پہنچا ہو گا چاہے وضو ہو یا غسل تو پھر حرکت دینا فرض ہے۔ ⑦ بغیر ضرورت کے کسی دوسرے سے وضو کرانے کے لئے مدد نہ لینا۔ ⑧ وضو کے دوران دنیاوی گفتگو نہ کرنا۔ ہاں البتہ اگر ضروری گفتگو ہو تو رخصت ہے۔ ⑨ ہر عضو کو دھوتے وقت اور مسح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔ ⑩ اعضاء وضو کو دھوتے وقت منقول شدہ دعاؤں کو پڑھنا۔ ⑪ وضو مکمل کرنے کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور علامہ زیلعیؒ نے لکھا ہے کہ ہر عضو کو دھونے کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحب

ہے۔ ⑫ وضو کے بعد شہادتین اور منقول شدہ دعاؤں کو پڑھنا۔ ⑬ وضو کا باقی ماندہ پانی قبلہ رخ کھڑے ہو یا بیٹھ کر پینا۔ ⑭ حواجب یعنی ابروؤں، شوارب یعنی مونچھوں اور گوشہ چشم تک پانی پہنچانے کا اہتمام کرنا۔

وضو کے مکروہات: ① منہ پر زور اور شدت سے پانی مارنا۔ ② ضرورت اور حاجت سے زیادہ پانی استعمال کرتے ہوئے اسراف کرنا۔ ③ اعضاء مغسولہ کو تین مرتبہ سے زیادہ دھونا۔ ④ ماء جدید کے ساتھ تین مرتبہ سر کا مسح کرنا۔

وضو کے منہیات: ① عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا منع ہے۔ ② نجاست والی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا منع ہے۔ ③ مسجد میں وضو کرنا منع ہے۔ ④ لعاب اور بلغم وضو کے پانی میں ڈالنا منع ہے۔

وضو سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

(۳/۲۶۲) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ (متفق علیه)

أخرجه مسلم ۱/۲۱٦ حديث رقم (۳۳۔۲٤۵) وأحمد في المسند ۱/٦٦۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی اچھی طرح وضو کرے فرائض، سنن اور مستحبات کی رعایت کے ساتھ تو اس کے گناہ اس کے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے وضو کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے۔ کہ وضو سے جس طرح ظاہری طہارت حاصل ہوتی ہے کہ اعضاء وضو پاک ہو جاتے ہیں اسی طرح باطنی طہارت بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ وضو کرنے والے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ انسان گناہوں سے صاف ہو جاتا ہے۔ بطور مبالغہ کے ارشاد فرمایا کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں۔

سوال: یہاں خروج کی نسبت گناہ کی طرف کی گئی ہے بظاہر یہ نسبت درست نہیں کیونکہ خروج کا تعلق جواہر سے ہے اور گناہ عرض ہے؟

جواب: خروج کی نسبت گناہوں کی طرف تین وجہ سے کی گئی ہے۔

① یہ اسناد مجازی ہے اور خروج کنایہ ہے مغفرت سے کنایہ ہے۔

② خطایا سے مراد گناہ کا اثر ہے اور حدیث میں مذکور ہے کہ گناہوں سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اثر کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے۔

③ عالم کی دو قسمیں ہیں نمبر ا عالم مشاہدہ نمبر ۲ عالم مثال۔ جو چیز عالم مشاہدہ میں عرض ہوتی ہے وہ عالم مثال میں جوہر ہوتی ہے جیسے خواب میں دودھ سے مراد علم ہوتا ہے اور علم عالم مشاہدہ میں عرض ہے اور عالم مثال میں جوہر ہے اسی طرح گناہ بھی عالم مشاہدہ کے اعتبار سے عرض ہیں اور مثال کے اعتبار سے جوہر ہیں اور اسی اعتبار سے خروج کی نسبت گناہوں کی طرف کی گئی ہے۔

(۴/۲۶۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِالْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَآءِ اَوْمَعَ اٰخِرِقَطْرِالْمَآءِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْمَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ فَاِذَاغَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَآءِ اَوْمَعَ اٰخِرِقَطْرِالْمَآءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنَ الذُّنُوْبِ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم ۱/۲۱۵ حديث رقم (۳۲۔۲٤٤) والترمذي في السنن ۱/٦ حديث رقم ۲ أخرجه الدارمي ۱/۱۹۷ حديث

رقم ۷۱۸ و مالك في الموطأ ۱/۳۲ حديث رقم ۳۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ مسلمان یا فرمایا مؤمن وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے۔ تو پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے چہرے سے خارج ہو جاتے ہیں یعنی آنکھوں کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں پھر جب ہاتھوں کو دھوتا ہے تو دونوں ہاتھوں کے گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا تو پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں یعنی ہاتھوں کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ دونوں پاؤں دھوتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف وہ پاؤں سے چلا تھا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی وضو کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ وضو سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس حدیث کے متن میں او کا کلمہ مذکور ہے۔ او۔ کی دو قسمیں ہیں: ① او تنویعیہ جو کسی شئ کی نوع اور قسم بیان کرنے کے لیے ہو۔ ② او تشکیکیہ۔ جو راوی کے شک کو بیان کرنے کے لئے آئے اور یہاں او شک کے لئے ہے اور ان دونوں کے درمیان امتیاز سیاق و سباق قرائن اور ذوق سلیم سے ہوگا اور یہ بھی یاد رہے کہ وضو کی وجہ سے محققین کے نزدیک صغائر معاف ہوتے ہیں کیونکہ کبائر کے لئے توبہ شرط ہے۔

نماز گناہوں کے لئے کفارہ ہے

(۲۶۴/۵) وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهٗ صَلَاةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَ هَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ.

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۲۰۶ حديث رقم (۷-۲۲۸)۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں خشوع اور رکوع اچھی طرح کرے۔ تو اس کی یہ نماز اس سے پہلے کیے ہوئے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور زمانہ بھر ایسا ہوتا رہتا ہے یعنی جو نماز گناہوں کا کفارہ ہے کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ فضیلت ہر وقت قائم رہتی ہے اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے گی۔ وہ نماز ان گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائے گی جو اس سے پہلے کیے گئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس نماز کے خشوع اور رکوع کو پوری رعایت کے ساتھ کیا گیا ہو۔ خشوع فی الصلوٰۃ نماز کی اصل اور بنیاد ہے۔ نماز کے اندر جس قدر خشوع اور خضوع ہوگا اس قدر وہ نماز حسن اور قبولیت کے اعلیٰ درجہ میں ہوگی خشوع فی الصلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ جب بندہ نماز پڑھے تو نماز کے تمام ظاہری اور باطنی آداب کو پورا کرے اور ان کی رعایت کرے تاکہ نمازی کے دل میں خوف خدا رہے انتہائی سکون اور وقار کے ساتھ قیام کرنے اور قیام کے دوران نظر سجدہ کی جگہ رہے۔ پوری توجہ اور خیال نماز کی طرف ہو اپنے جسم کے اعضاء اور کپڑوں کے ساتھ نہ کھیلے اور نظر ادھر ادھر متوجہ نہ کرے اور آنکھیں بند نہ کرے اگر ان تمام آداب کی رعایت کی جائے گی، تو نماز کے اندر مقام حضوری نصیب ہوگا جو کہ عند اللہ مقبول ہونے کی علامت ہے۔

وضو کرنے کا طریقہ

(۶/۲۶۵)وَعَنْهُ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ (متفق عليه و لفظه للبخاری)

اخرجه البخاری فی صحيحه ۱/ ۲۹۵ حديث رقم ۱۵۹ ۔ ومسلم ۱/ ۲۰۴ حديث رقم (۳۔۲۲۶) والنسائی ۱/ ۶۵ حديث رقم ۸۵۔ واحمد فی المسند ۱/ ۶۶۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ وضو کیا۔ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا۔ پھر تین مرتبہ مضمضہ یعنی کلی کی۔ پھر تین مرتبہ استنشاق یعنی ناک میں پانی داخل کر کے ناک جھاڑا۔ پھر تین مرتبہ منہ دھویا۔ پھر تین مرتبہ دایاں ہاتھ کہنی سمیت دھویا۔ پھر تین مرتبہ اپنا بایاں ہاتھ کہنی سمیت دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنا دایاں پاؤں تین مرتبہ دھویا۔ پھر اپنا بایاں پاؤں تین مرتبہ دھویا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح کہ ابھی میں نے وضو کیا ہے پھر فرمایا جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے۔ پھر دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھے اور نماز میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے۔ یعنی پوری توجہ اور انہماک سے نماز پڑھے تو اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حضرت عثمانؓ سے وضو کرنے کا طریقہ نقل کیا گیا ہے اور حضرت عثمانؓ نے وضو کرنے کے بعد فرمایا کہ جس طرح میں نے وضو کیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا اور تین مرتبہ سے زیادہ اعضاء کو دھونا علماء کے نزدیک مکروہ ہے اگر تین مرتبہ دھونے سے تمام عضو تر ہو گیا ہے تو پھر اس صورت میں تین مرتبہ سے اضافہ کرنا مکروہ ہے اور اگر ایک چلو سے نصف عضو کو دھویا اور دوسرے چلو سے دوسرا نصف دھویا تو یہ ایک ہی مرتبہ ہوگا اس طرح چھ چلوں سے دھونا تین مرتبہ ہی دھونا ہوگا اور اگر کسی وجہ سے تین مرتبہ زائد دھونے کی ضرورت ہو تو اس صورت میں بھی زیادہ کرنا مکروہ نہیں ہوگا۔

اور اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اور دو رکعت کی حد کم از کم مقدار ہے اگر کوئی دو رکعتوں سے زیادہ نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے الغرض یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کو مکمل کرنے کے بعد تحیۃ الوضو کا پڑھنا مستحب ہے اگر کسی نے وضو کے فوراً بعد فرض نماز یا سنت مؤکدہ کو پڑھا۔ تو اس کے ضمن میں تحیۃ الوضو کی ادائیگی ہو جائے گی اور اس حدیث میں نماز کے اندر خشوع وخضوع اور عاجزی کی بہت تاکید کی گئی ہے اور یہ عبادت کی زینت ہے اور مطلوب ہے اور اس حدیث میں اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ دل مکمل طور پر نماز کی طرف متوجہ رہے۔ دل میں نماز اور توجہ الی اللہ کے علاوہ اور خیالات پیدا نہ ہوں۔ دنیاوی خیالات وتفکرات جو نماز اور توجہ الی اللہ کے منافی ہیں ہرگز دل میں نہ آئیں اور اگر دل میں ایسے خیالات وتفکرات آئیں جو نماز اور توجہ الی اللہ کے لیے مخل اور مضر نہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ الغرض خیالات کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ اس حدیث میں خیالات

سے مراد اختیاری خیالات ہیں کہ وہ مضر ہیں اور غیر اختیاری میں کوئی حرج نہیں۔

صحیح وضو اور تحیۃ الوضوء سے جنت واجب ہو جاتی ہے

(۲۶۶/۷)وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۰۹/۱ حديث رقم (۱۷۔۲۳٤)وأحمد في المسند ۱۵۳/٤۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے۔ پھر کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھے۔ دل اور منہ سے متوجہ ہو کر۔ یعنی ظاہر اور باطن دونوں کی توجہ کے ساتھ تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دو رکعتوں کی خاصیت یہ ذکر کی گئی ہے کہ ان سے جنت واجب ہو جاتی ہے اور ان دو رکعتوں سے مراد یا تو تحیۃ الوضوء ہے یا اس سے مراد تحیۃ المسجد ہے اور اس حدیث میں کھڑے ہو کر پڑھنے سے مراد یا تو قیام حقیقی ہے یا حکمی۔ دونوں کا ایک حکم ہے باقی اس حدیث کا مفہوم وہی ہے جو اوپر والی حدیث کا ہے۔

وضو کے بعد کی دعا

(۸/۲۶۷)وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ (هكذا رواه مسلم في صحيحه والحميدي في افراد مسلم وكذا ابن الاثير في جامع الاصول و ذكر الشيخ محي الدين النووي في آخر حديث مسلم على ما رويناه وزاد الترمذي) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ والحديث الذي رواه المحي السنة في الصحاح مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ اِلٰى آخِرِهٖ (رواه الترمذي) فِیْ جامعه بعينه اِلَّا كَلِمَةَ اَشْهَدُ قَبْلَ اَنَّ مُحَمَّدًا

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۰۹/۱حديث (۱۷۔۲۳٤)وأخرجه الترمذي ۷۷/۱حديث رقم ۵۵ وأخرجه النسائي ۹۲/۱حديث رقم ۱٤۸وأبوداود ۱۱۸/۱ حديث رقم ۱۶۹وأخرجه ابن ماجةفي السنن ۱۵۹/۱ حديث رقم ٤۷۰۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو انسان وضو کرے اور اس کی خوبیوں کو انتہاء درجہ تک پہنچا دے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ پورا اور مکمل وضو کرے اور پھر یہ پڑھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد ﷺ اس

کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے سے اس کا دل چاہے داخل ہو اس حدیث کو روایت کیا ہے امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام حمیدی نے افراد مسلم میں اور اسی طرح ابن الاثیر نے جامع الاصول میں ذکر کیا ہے۔ اور امام نووی نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جس کو ہم نے روایت کیا ہے یہ ذکر کیا ہے کہ امام ترمذیؒ نے شہادتین کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں سے بنادے۔ یعنی مسلم کی روایت جس طرح ہم نے ذکر کی ہے۔ وہی روایت علامہ نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں نقل کی ہے اور اس کے آخر میں۔ رواہ الترمذی کی عبارت کا اضافہ کیا ہے اور وہ حدیث جس کو امام محی السنۃ نے صحاح میں روایت کیا ہے یعنی من توضأ فاحسن الوضو .... یعنی جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا آخر تک اس روایت کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہٖ اس طرح نقل کیا ہے مگر ان محمدًا سے پہلے اشھد کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو آدمی اچھی طرح وضو کرے اور پھر مذکورہ دعا پڑھے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس حدیث میں جو آٹھ دروازوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سے حقیقتاً آٹھ دروازے مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد جنت کے آٹھ مراتب ہیں اور یہاں ہر جنت کو ایک دروازے سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی مطلب ہے اس مقولہ اور محاورہ کا۔ ہشت بہشت۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ ☆ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

اس دعا کے دو جملے ہیں پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تو ہمیں اس بات کی توفیق اور اہمیت نصیب کر کہ جب ہم سے بشری اور انسانی طاقت کے مطابق کوئی گناہ اور معصیت کا ارتکاب کیا جائے۔ تو ہم اس سے فی الفور توبہ کریں اور اپنے عیوب اور گناہوں سے اجتناب کریں اور اپنی لغزشوں سے معافی مانگیں۔

اس دعا سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ ہم سے گناہ اور معصیت کے کام زیادہ ہوں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہم سے گناہوں کا ارتکاب ہو جائے۔ تو اے اللہ ہمارے دلوں میں توبہ کا داعیہ اور فکر پیدا کردے تا کہ ہم صدق دل سے توبہ کر کے تیرے محبوب اور مقرب بندوں میں شامل ہو جائیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔

کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پسند کرتا ہے جو کہ دربار الٰہی سے کسی طرح اعراض نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پرامید ہوتے ہیں۔ کبھی رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہوتے۔

اور اس دعا کے دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں شامل کردے۔ کہ ہمیں باطنی طہارت اور صفائی نصیب کر۔ برے خصائل، عادات اور اخلاق سے ہمیں پاک کردے۔ الغرض اس اعتبار سے طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری طہارت ہمارے اختیار میں تھی۔ اس کو ہم نے حاصل کرلیا۔ کہ ہمارے اعضاء بظاہر نجاست حقیقیہ اور حکمیہ سے پاک ہوگئے اور باطنی طہارت ہمارے اختیار اور کسب میں نہیں ہے۔ وہ تو ہمیں عطا کردے تا کہ ہمارا ظاہر اور باطن دونوں پاک اور صاف ہو جائیں۔

قیامت کے دن وضو کے اعضاء چمکتے ہوں گے

(۹/۲۶۸)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اُمَّتِیْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱/۲۳۵حديث رقم ـ ومسلم ۱/۲۱٦حديث رقم(۳۵ـ۲٤٦)وأحمد في المسند ۲/۳۳٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن میری امت کو اس حال میں بلایا جائے گا کہ وضو کی وجہ سے ان کی پیشانیاں چمک رہی ہوں گی اور وضو کے اعضاء چمکتے ہوں گے لہٰذا تم میں سے جو شخص چاہے وہ اپنی پیشانی کے نور کو بڑھائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن وضو کے اثر سے یہ تمام اعضاء چمکدار ہوں گے اور جب روز حشر نمازیوں کو جنت میں داخل ہونے کے لئے بلایا جائے گا۔ تو وہ تمام مخلوق کے درمیان اس حال میں آئیں گے۔ کہ ان کے وضو کے اعضاء خوب روشن اور چمکدار ہوں گے اور پھر فرمایا کہ جس آدمی کی چاہت ہو کہ قیامت کے دن اس کی پیشانی روشن اور اعضاء وضو کی سفیدی طویل ہو۔ تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کامل پوری احتیاط اور آداب کی رعایت کے ساتھ کرے۔

اعضاء وضو کی زیور کی طرح آرائش کی جائے گی

(۱۰/۲۶۹)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ۔

۲۹۱: أخرجه مسلم ۱/۲۱۹حديث رقم(٤۰ـ۲۵۰)وأخرجه النسائي في السنن ۱/۹۳حديث رقم ۱٤۹۔ وأخرجه احمد في المسند ۲/۳۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں مؤمن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ وضو کرتے وقت جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے۔ جنت میں ان سب اعضاء کی جنتی زیورات سے زیب وزینت کی جائے گی۔ بالکل اسی طرح اعضاء وضو کی آرائش اور تزیین اعلی اور بہترین قسم کی کی جائے گی یعنی وضو کرنے والا جتنا زیادہ اعضاء وضو کو فرض مقدار سے بڑھا کر دھوئے گا وہ حصہ مزین اور روشن ہوگا۔

الفصل الثانی:

نماز بہترین عمل ہے

(۱۱/۲۷۰)عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ۔ (رواه مالك واحمد وابن ماجة والدارمي)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۳٤حديث رقم وأخرجه احمد في المسند ۵/۲۸۲وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۱۰۱حديث رقم ۲۷۷۔ وأخرجه الدارمي ۱/۱۷٤حديث رقم ٦۵۵۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سیدھے رہو اور ہرگز تم سیدھا

رہنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے ہو اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں بہترین عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مؤمن ہی کر سکتا ہے۔ اس حدیث کو امام مالکؒ امام احمدؒ ' امام ابن ماجہؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدھا رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اعمال کرنے پر مستقیم رہو اور ہمیشہ صراط مستقیم پر قائم و دائم رہو۔ صراط مستقیم کے علاوہ دیگر راستوں سے اجتناب کرو اور یہ کام بظاہر مشکل تھا۔ اس لئے آگے فرمایا۔ لن تحصوا۔ کہ پورے کمال کے ساتھ تم صراط مستقیم پر استقامت کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تمہارے اندر استقامت کی طاقت نہیں ہے۔ تمام اعمال کی تمہارے اندر استقامت کی طاقت نہیں ہے تمام اعمال اور افعال میں استقامت کے جو حقوق ہیں وہ کما حقہ ادا نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اس سے اگلے جملہ میں واعلموا ان خیر .... سے اس کا نہایت ہی بہترین اور آسان طریقہ بتایا گیا ہے کہ تمام عبادات کی جڑ اور اصل نماز ہے۔ اگر صرف اس ایک عبادت کو اہتمام کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔ تو دیگر اعمال کے اندر آسانی پیدا ہو جائے گی اور وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں کی اصلاح ہو جائے گی اور نقصان کا تدارک ہو جائے گا لہٰذا مناسب ہے کہ نماز کو تمام شرائط، ارکان اور آداب کی مکمل رعایت کے ساتھ ادا کر لیا جائے تو اس کے نتیجہ میں دیگر اعمال کے اندر خود بخود استقامت پیدا ہو جائے گی۔ اور نماز بمنزلہ مشروط کے ہے اور طہارت اس کے لیے بمنزلہ شرط کے ہے اس لئے نماز کے بعد اس کی شرط کے اکمال اور حفاظت کے لئے حکم دیا گیا ہے طہارت نماز کے لئے ضروری تو ہے ہی ہے ویسے بھی اس سے قطع نظر احادیث میں طہارت کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے اور وضو کی حفاظت آداب کی مکمل رعایت کے ساتھ یہ صرف مؤمن ہی کر سکتا ہے کیونکہ مؤمن کا دل و دماغ توجہ الی اللہ اور معرفت الٰہی کے نور سے منور ہوتا ہے وہ ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے بارگاہ الٰہی میں حاضر رہتا ہے اور یہ مسلم شدہ حقیقت ہے کہ بارگاہ الٰہی کی حاضری اسی خوش قسمت انسان کو نصیب ہوتی ہے جو ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی طہارت سے مزین ہو)۔

وضو علی الوضو کی فضیلت

(۱۲/۲۷۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ۔

(رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی ۱/۸۷ حدیث رقم ۵۹۔ اخرجه ابوداود فی السنن ۱/۵۰ حدیث رقم ۶۲ وابن ماجة فی السنن ۱/۱۷۰ حدیث رقم ۵۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو انسان وضو کے اوپر وضو کرے۔ تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو علی الوضو کی فضیلت کو بیان کیا ہے ایک صرف وضو کا ثواب ہے وہ تو ملتا ہی ہے مگر جو آدمی وضو علی الوضو کرے۔ تو اس کے لئے مقررہ ثواب کے علاوہ دس حسنات لکھی جاتی ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ وضو علی الوضو کا ثواب اور اجر اس وقت ہے جب کہ ان کے درمیان حد فاصل قائم ہو چکی ہو یعنی پہلے وضو کے بعد کوئی فرض یا نفل عبادت ادا کی گئی ہو اور اس کے بعد پھر وضو کرے۔

شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ تجدید وضوء۔ یعنی وضو علی الوضو اس وقت مستحب ہے جب کہ پہلے وضو سے کوئی عبادت ادا کی گئی ہو اور بعض علماء کرام کے نزدیک اگر پہلے وضو سے کوئی عبادت ادا نہ کی گئی ہو تو پھر اس کے بعد وضو کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ کیونکہ یہ تحصیل

حاصل اور اسراف کو مستلزم ہے۔

الفصل الثالث:

نماز کی کنجی وضو ہے

(۱۳/۲۷۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ۳/ ۳٤۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ مذکورہ حدیث معنی تشبیہ کو متضمن ہے وہ اس طرح کہ جیسے مقفل دروازہ کنجی کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ اسی طرح نماز بغیر وضو کے نہیں ہو سکتی اور نماز کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔

اور اس حدیث میں نماز کی اہمیت کو حفاظت کے اعتبار سے بطور مبالغہ بیان کیا گیا ہے اور اس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جو حکماً ایمان میں شامل ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا نماز کو احسن طریقہ سے ادا کیا جائے اور نماز کو ہرگز چھوڑا نہ جائے۔

اگر وضو اچھی طرح نہ کیا جائے تو نماز میں التباس ہو جاتا ہے

(۱۴/۲۷۳) وَعَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِىْ رُوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَاِنَّمَا يُلَبِّسُ عَلَيْنَا قُرْآنَ اُولٰٓئِكَ ۔ (رواہ النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ۲/ ۱۵٦ حديث رقم ۹٤۷۔ وقال حديث حسن۔ وأخرجه أحمد في المسند ۵/ ۳٦۳۔

ترجمہ: حضرت شبیب بن ابی روح سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ الروم کی قراءت کی اور آپ ﷺ کو نماز کے درمیان التباس ہو گیا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اچھی طرح وضو نہیں کرتے اور اس وجہ سے یہ لوگ ہمارے اور قرآن پڑھنے میں التباس ڈالتے ہیں اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کسی بھی عمل اور عبادات کے لئے جو سنن اور آداب ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے وہ عبادت کامل درجہ کی ادا ہو جاتی ہے اور ایسی عبادت من جانب اللہ خیر و برکت کا ذریعہ ہوتی ہے اور وہ خیر و برکت عامل کی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ دوسروں تک بھی متعدی ہو جاتی ہے جس طرح کہ کوتاہی اور تقصیر کا تعلق بھی صرف عامل کی ذات تک محدود نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسروں تک اس کا ضرر اور نقصان سرایت کر جاتا ہے اور اس سے اس طرف بھی لطیف اشارہ ہو گیا کہ جب کسی عمل کے ارکان و آداب کی رعایت نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے ایک عبرت اور بصیرت ہے جو صحبت کی تاثیر سے غافل اور منکر ہیں ایسے لوگوں کو غور و فکر اور تدبر

سے کام لینا چاہیے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی کیا شان اور مقام ہے اور آپ کے قرآن پڑھنے کا سوز و گداز کیا ہوگا اور اس دوران آپ کے تقرب الی اللہ اور توجہ الی اللہ کا کیا حال ہوگا۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود ایک امتی کی صحبت نے اثر کیا جس نے اپنے وضو میں تقصیر اور کوتاہی کا ارتکاب کیا۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو قراءت میں اشتباہ اور التباس ہو گیا۔ تو پھر ذرا غور کیجئے ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو کہ شب و روز فساق و فجار اور اہل بدعت کی مجالس میں رونق افروز ہوتے ہیں۔ لہٰذا فلاح اور کامیابی اسی میں ہے کہ فاسق اور فاجر قسم کے لوگوں کی مجالس سے اجتناب کیا جائے اور اولیاء علماء مشائخ اور صلحاء کی ہمنشینی کو اختیار کیا جائے تاکہ ان کی نیک صحبت سے نور پیدا ہو۔

صحبت صالح ترا صالح کند ☆ صحبت طالح ترا طالح کند

ع جمال ہمنشیں درمن اثر کرد

اس حدیث کے شروع میں راوی نے صحابی کا نام ذکر نہیں کیا جس صحابی رسول سے اس راوی نے حدیث حاصل کی مگر حضرت علامہ میرک شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس صحابی سے مراد حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں۔

تسبیح، تحمید اور تکبیر کی فضیلت

(۲۷۴/۱۵) وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ قَالَ عَدَّ هُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ یَدِیْ اَوْفِیْ یَدِهٖ قَالَ التَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ یَمْلَاُهٗ وَالتَّکْبِیْرُ یَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ (رواہ الترمذی وقال ھذاحدیث حسن)

أخرجه الترمذی ۵/۵۰۱، حدیث رقم ۳۵۱۹، و قال حدیث حسن واخرجه احمد فی المسند ۵/۳۶۳

ترجمہ: قبیلہ بنی سلیم کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان امور کو جو آگے مذکور ہیں میرے ہاتھ پر یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ۔ کہنا یعنی اس کا اجر اور ثواب آدھے میزان کو بھر دیتا ہے اور الحمد للہ سبحان اللہ کے ساتھ ملا کر کہنا یا صرف الحمد للہ پورے میزان کو بھر دیتا ہے اور اللہ اکبر کہنا زمین و آسمان کے درمیانی حصہ کو بھر دیتا ہے اور روزہ نصف صبر ہے اور طہارت نصف ایمان ہے اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پانچ امور کو ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے راوی کو اس میں شک ہو گیا کہ آپ ﷺ نے ان پانچ امور کو میرے ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیا یا اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیا۔

① سبحان اللہ۔ نصف ترازو کو بھر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں ایجابیہ اور سلبیہ اور صفات سلبیہ صفات ایجابیہ کے مقابلے میں نصف ہیں۔

② الحمد للہ: پورے ترازو کو بھر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ پر دلالت کرتا ہے۔ صفات سلبیہ اور ثبوتیہ کے اجتماع سے پورا میدان بھر جاتا ہے۔

③ اللہ اکبر: زمین و آسمان کے درمیان کی تمام فضا کو بھر دیتا ہے کیونکہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے اور اس عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہو۔

④ روزہ نصف صبر ہے: کیونکہ روزہ کی وجہ سے شہوت فرج اور شہوت بطن کے تمام مرغوبات ترک ہو جاتے ہیں اور صبر کے تین اجزاء ہیں نمبرا

صبر علی الطاعۃ نمبر۲ صبر عن المعصیۃ نمبر۳ صبر علی المصیبۃ۔ روزہ میں صبر کے یہ تینوں اجزا نہیں پائے جاتے ہیں بلکہ دو بڑے اجزاء پائے جاتے ہیں نمبر۱ صبر عن شہوۃ البطن نمبر۲ صبر عن شہوۃ الفرج۔ اس اعتبار سے صوم کو نصف صبر کہا گیا ہے۔

۵ طہارت نصف ایمان ہے: کیونکہ ایمان ظاہر اور باطن کی پاکیزگی کو چاہتا ہے تو اس اعتبار سے طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری اور باطنی اور وضو سے ظاہری طہارت حاصل ہو جاتی ہے اس لحاظ سے وضو کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔

وضو سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

(۱۶/۲۷۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ وَاِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ اَنْفِهٖ فَاِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَا يَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ يَدَيْهِ فَاِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهٗ اِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهٗ نَافِلَةً لَّهٗ۔

(رواه مالك والنسائي)

أخرجه مالك في الموطأ ۳۱/۱ حديث رقم ۳۰۔ وأخرجه النسائي في السنن ۷٤/۱ حديث رقم ۱۰۳ وأخرج ابن ماجة نحوه ۱۰۳/۱ حديث رقم ۲۸۲۔ وأحمد في المسند ۳٤۹/٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ الصنابحی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب مؤمن بندہ وضو کا ارادہ کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو اس کے منہ سے گناہ خارج ہو جاتے ہیں اور جب استنشاق کرتا ہے۔ تو اس کے ناک سے گناہ خارج ہو جاتے ہیں اور جب اپنا منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ سے گناہ خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں اور جب دونوں ہاتھ دھوتا ہے۔ تو اس کے دونوں ہاتھوں سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی خارج ہو جاتے ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں اور جب اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں پھر مسجد کی طرف اس کا چلنا ہوتا ہے اور اس کی نماز اس کے لئے اس کے اعمال میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے اس حدیث کو امام مالکؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث وضو کی فضیلت میں جامع اور واضح روایت ہے کہ جوں جوں انسان وضو کرتے ہوئے اعضاء وضو کو دھوتا ہے تو ہر ہر عضو سے گناہ خارج ہوتے ہیں اور انسان اچھی طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب وضو کرنے والا اپنے سر کا مسح کرتا ہے۔ تو اس کے سر سے گناہ خارج ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد فرمایا یہاں تک کہ اس کے کانوں سے بھی خارج ہو جاتے ہیں اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کان باعتبار حکم کے سر میں شامل اور داخل ہیں اور یہی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ مسح کرتے وقت کانوں کے مسح کے لئے ماء جدید نہیں لیا جائے گا بلکہ سر کا مسح کرنے کے بعد ماتھی پانی سے کانوں کا مسح کیا جائے گا اور حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب وضو سے تمام گناہ معاف ہو گئے تو اب اس کے بعد نماز زائد ہے یعنی

گناہوں کی معافی میں اس کا دخل نہیں اب نماز صرف درجات کی بلندی کا ذریعہ اور سبب ہے وضو سے انسان ظاہراً اور باطناً دونوں طرح سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔

حوضِ کوثر پر پہچان اعضائے وضو سے ہوگی

(۲۷۶/۱۷) وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتَی الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُّ اَنَّا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَاِخْوَانُنَا الَّذِیْنَ لَمْ یَاْتُوْا بَعْدُ فَقَالُوْا کَیْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ یَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَرَءَیْتَ اَنَّ رَجُلًا لَهٗ خَیْلٌ غُرٌّ مُّحَجَّلَةٌ بَیْنَ ظَهْرَیْ خَیْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا یَعْرِفُ خَیْلَهٗ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنَّهُمْ یَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَی الْحَوْضِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱ /۲۱۸' حدیث رقم (۳۹-۲۴۹) وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۹۳' حدیث رقم. ۱۵۰' وأحمد فی المسند ۲/۳۰۰

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ جنت البقیع کے قبرستان میں دعاء مغفرت کیلئے تشریف لائے۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے دعاء فرمائی اے مؤمنین کی جماعت تم پر سلامتی ہو اور فرمایا کہ ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں اور میں اس بات کی تمنا اور آرزو رکھتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم تو میرے دوست ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی دنیا میں نہیں آئے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کی امت میں سے جو لوگ ابھی نہیں آئے ان کو آپ قیامت کے دن کس طرح پہچانیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی انسان کے پاس سفید پیشانی اور سفید ٹانگوں والے گھوڑے ہوں اور وہ نہایت ہی سیاہ رنگ کے گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں۔ تو کیا وہ اپنے گھوڑے کو پہچان لے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ان امتیازی اوصاف کی وجہ سے وہ ضرور پہچان لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح مؤمنین قیامت کے دن اس حال میں آئیں گے۔ کہ وضو کی وجہ سے ان کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے اور اس علامت سے میں ان کو پہچان لوں گا اور میں حوض کوثر پر ان سے آگے جانے والا ہوں گا اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی وضو کی فضیلت اور تاثیر کو بیان کیا گیا ہے کہ وضو کی وجہ سے قیامت کے دن اعضاء روشن ہوں گے اور اسی علامت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ تمام اولین اور آخرین میں سے اپنی امت کے لوگوں کو حوض کوثر پر پہچان لیں گے۔

اور اس حدیث میں نہایت ہی عمدہ اسلوب سے صحابہ کرام اور بعد والے مؤمنین کے درمیان فرق بیان کیا گیا اور ساتھ ہی صحابہ کرام کی شان کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو اپنا دوست قرار دیا ہے اور بعد میں پیدا ہونے والے مؤمنین کو اپنا بھائی قرار دیا ہے الغرض آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے بارے میں واضح کر دیا کہ ان کے ساتھ میرے تعلق کی دو نوعیتیں ہیں ایک نوعیت ہے اخوت کی کہ تم میرے بھائی ہو۔ دوسری نوعیت ہے صحابیت کی کہ تم میرے خاص ساتھی ہو اور بعد میں آنے والے مؤمنین کے ساتھ صرف ایک نوعیت کا تعلق ہے اور وہ اخوت ہے۔

اَنَا فَرَطُھُمْ: کہ میں ان سے آگے جانے والا ہوں گا اور ان کا میر سامان ہوں گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میں لوگوں سے پہلے جا کر ان کے لئے مغفرت اور رفع درجات کے اسباب کی تیاری کروں گا۔

مؤمنوں کو صحیفۃ الاعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا

(۱۸/۲۷۷) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّؤْذَنُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّؤْذَنُ لَہٗ اَنْ یَّرْفَعَ رَاْسَہٗ فَاَنْظُرُ اِلٰی مَا بَیْنَ یَدَیَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِیْ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ وَمِنْ خَلْفِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ وَعَنْ یَمِیْنِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ وَعَنْ شِمَالِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَکَ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ فِیْمَا بَیْنَ نُوْحٍ اِلٰی اُمَّتِکَ قَالَ ھُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَیْسَ اَحَدٌ کَذٰلِکَ غَیْرُھُمْ وَاَعْرِفُھُمْ اَنَّھُمْ یُؤْتَوْنَ کُتُبَھُمْ بِاَیْمَانِھِمْ وَاَعْرِفُھُمْ تَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ ذُرِّیَّتُھُمْ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ۱۹۹/۵۔

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن جن لوگوں کو سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی ان میں سے سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور پھر ان لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جس کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی۔ چنانچہ میں اپنے سامنے کی طرف دیکھوں گا اور تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا پھر میں اپنے پیچھے دائیں اور بائیں بھی اسی طرح دیکھوں گا یعنی چاروں طرف بہت زیادہ مخلوق دیکھوں گا اور ان میں اپنی امت کو پہچان لوں گا ایک صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کی امت تک کی تمام امتوں میں آپ ﷺ اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے اعضاء وضو روشن ہوں گے۔ یعنی پیشانی' دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں دیگر امتوں کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل نہ ہوگی اور میں اپنی امت کو اس طرح پہچان لوں گا کہ میری امت کے لوگوں کو صحیفۃ الاعمال دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا اور اس سے بھی پہچان لوں گا کہ ان کی چھوٹی اولاد ان کے آگے دوڑ رہی ہوگی اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے ابتدائی حصہ میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے شفاعت کے لئے سجدہ ریز ہوں گے اور تقریباً ایک ہفتہ کی مقدار سجدہ ریز رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا اے میرے محبوب اپنا سر مبارک اٹھایئے۔ آپ سفارش کریں، آپکی سفارش کو شرف قبولیت سے نوازا جائے گا اور آپ سوال کریں جو مانگیں گے وہ عطا کیا جائے گا پھر اس کے بعد رسول کریم ﷺ سفارش کریں گے اور آپ کی سفارش قبول کر لی جائے گی۔

اُمتِ محمدیہ کی کثرت:

فَاَنْظُرُ...... سے امت محمدیہ کی کثرت اور زیادتی کو بیان کیا گیا ہے کہ میدان محشر میں امت محمدیہ کے کثرت کے اعتبار سے مختلف احوال اور مراتب ہوں گے اور اس میں چار اطراف کا ذکر کیا گیا ہے۔ قدام' خلف' یمین اور شمال کہ ان چاروں اطراف میں کثرت کے ساتھ لوگ موجود ہوں گے ان جوانب اربعہ میں دور دراز تک امت پھیلی ہوئی ہوگی۔

صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اے اللہ کے رسول آپ قیامت کے دن اپنی امت کے لوگوں کو کیسے پہچانیں گے اس دن تو آپ کی امت کے آخر سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کی امت تک کی دیگر تمام امتیں جمع ہوں گی یعنی تمام اولین اور آخرین جمع ہوں گے تو آپ ان کو کیسے پہچانیں گے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کو تین علامتوں سے پہچان لوں گا۔

① ان کے اعضاء وضو روشن اور چمکدار ہوں گے یعنی پیشانی دونوں ہاتھ دونوں پاؤں بخلاف دیگر امتوں کے کہ ان کو یہ امتیازی صفت اور خصوصیت حاصل نہ ہوگی۔ اس علامت سے میں ان کو پہچان لوں گا۔

② دوسری خصوصیت اور شان کے ساتھ صحیفۃ الاعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جب کہ دیگر امتوں کو اس خصوصیت اور امتیازی شان کے ساتھ نہیں دیئے جائیں گے۔

③ قیامت کے دن ان کی چھوٹی اولاد ان کے آگے دوڑتی ہوگی اور کھیل رہی ہوگی اس سے ان کی خوشی اور سکون کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو کوئی خوف اور خطرہ نہ ہوگا اور جنت کی طرف جا رہے ہوں گے۔

بَابُ مَا يُوْجِبُ الْوُضُوْءَ

یہ باب وضو کو واجب کرنے والی چیزوں کے بیان میں ہے

اس باب میں نواقض وضو کا بیان ہے۔ یعنی جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درج ذیل امور سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

① سبیلین سے جو نجاست خارج ہو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے بول براز اور ہوا وغیرہ ہاں البتہ جو ریح مرد یا عورت کے قُبل سے خارج ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ مفضاۃ عورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

② انسان کے بدن سے من غیر سبیلین نجس شی خود بخود خارج ہو کر اس حصۂ جسم تک پہنچ جائے جس کو وضو یا غسل میں دھونا ضروری ہے

③ قئی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جب کہ منہ بھر کر ہو چاہے وہ قئی کھانے کی ہو یا پت کی ہو یا پانی کی ہو یا جما ہوا خون ہو۔ ہاں البتہ بلغم کا خروج ناقض وضو نہیں ہے۔

④ اگر پتلے خون یا پیپ کی قئی ہو تو اگر وہ لعاب کے مساوی یا لعاب پر غالب ہو تو وہ ناقض وضو ہے اس صورت میں منہ کا بھرنا شرط نہیں ہے اگر مذکورہ مقدار سے قلیل ہو تو پھر ناقض وضو نہیں ہوگی۔

⑤ اگر تھوڑی تھوڑی قئی کئی مرتبہ کی اور سبب ایک ہو اگر اس کو جمع کیا جائے تو منہ بھرنے کی مقدار کو پہنچ جائے تو یہ بھی ناقض وضو ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جو چیز حدث کا سبب نہیں ہوتی وہ نجس بھی نہیں ہوتی جیسے تھوڑی قئی سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو یہ نجس بھی نہیں ہوگی یا اسی طرح اگر خون جسم سے ظاہر ہو اور خارج نہ ہو تو یہ بھی نجس نہیں ہوگا۔

⑥ مجنون ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

⑦ اسکار یعنی نشہ ناقض وضو ہے۔

⑧ بے ہوش ہو جانا ناقض وضو ہے۔

⑨ رکوع اور سجدہ میں بالغ کا قہقہہ لگانا ناقض وضو ہے۔

⑩ مباشرت سے مراد یہ ہے کہ انتشار اور شہوت کے ساتھ مرد اور عورت کا ستر مل جائے یا عورت کا ستر عورت یا مرد کا ستر مرد سے مل جائے۔

⑪ اضطباع کی حالت میں سو جانا یا ایسی چیز سے تکیہ لگا کر سو جانا کہ اگر اس چیز کو ہٹایا جائے تو آدمی گر پڑے یہ ناقض وضو ہے۔

⑫ اگر مقعد نیند کی حالت میں زمین سے اٹھ جائے۔ یا کولہے پر سو جائے۔ یا کولہے کو دیوار وغیرہ سے لگا کر سو جائے۔ یا پیٹ پاؤں پر لگا کر سو جائے ان سب صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کوئی قیام کی حالت میں یا رکوع اور سجدہ کے اندر پر ہو۔ تو ناقض وضو نہیں ہے۔ اسی طرح اگر زخم سے کیڑے کا خروج ہو۔ یا گوشت کٹ کر گر جائے تو یہ بھی ناقض وضو نہیں ہے۔

⑬ اگر جونک نے یا بڑی چیچڑی نے پیٹ بھر کر خون پی لیا تو یہ ناقض وضو ہے اور اگر پیٹ بھر کر خون نہیں پیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

⑭ اگر آنکھیں خراب ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے تو یہ ناقض وضو ہے۔ لوگ عموماً اس کے بارے میں غفلت کا شکار ہیں حالانکہ بہت احتیاط کی ضرورت ہے جس آدمی کی ہمیشہ آنکھیں جاری رہیں تو وہ معذور ہے۔

⑮ اگر کان دکھتا ہے اور اس سے خون یا پیپ وغیرہ خارج ہو جائے تو یہ ناقض وضو ہے۔

یہ سب نواقض وضو ہیں جو نجاست سبیلین سے خارج ہو۔ یا نوم غالب ہو تو بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے اور باقی صورتوں میں ائمہ کا اختلاف بھی ہے۔

الفصل الاول:

وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی

(۱/۲۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّاَ. (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۲۳٤حدیث رقم ۱۳۵۔ ومسلم۱/۲۰٤حدیث رقم (۲۔۲۲۵)وأخرجه أبوداود ۱/٤۹حدیث رقم ٦۰وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۱۱۰حدیث رقم ۷٦ وأخرجه أحمد فی المسند ۲/۳۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وضو کر لے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ پانی موجود ہو اور وہ آدمی پانی کو استعمال کرنے پر قادر ہو اور کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ تو اس صورت میں وضو کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ یہاں ایک اور مسئلہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ جس کو مسئلہ فاقد الطہورین کہتے ہیں۔ یعنی انسان وضو حقیقی اور وضو حکمی یعنی تیمم پر بھی قادر نہ ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ اس میں اختلاف ہے اور پانچ مذاہب ہیں۔

① امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے آدمی پر فی الحال نماز پڑھنا ضروری نہیں اور بعد میں قضا واجب ہے۔

② امام احمدؒ کے نزدیک فی الحال نماز ادا کرنا واجب ہے بعد میں قضا نہیں ہے۔

③ امام مالکؒ کے نزدیک ایسے آدمی پر ادا اور قضا دونوں واجب نہیں بلکہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔

④ امام شافعیؒ کے نزدیک اصح قول کے مطابق ایسے آدمی پر ادا اور قضا دونوں واجب ہیں۔

⑤ صاحبین کے نزدیک ایسا آدمی فی الحال تشبہ بالمصلین کرے گا اور بعد میں قضا واجب ہے یہی قول مفتی بہ اور اصح ہے۔ کیونکہ

شریعت میں اسکے نظائر موجود ہیں ہاں البتہ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شریعت کے احترام میں ایسا کیا ہو۔ اگر کسی نے لوگوں سے شرم کی وجہ سے ایسا کیا ہو بغیر احترام شریعت کے تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ عمل شریعت کی حقارت کو مستلزم ہے۔

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا

(۲/۲۷۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في الصحيح ۲۰٤/۱ حديث رقم (۱-۲۲٤) وأخرجه الترمذي في السنن ۵/۱ حديث رقم ۱- وابن ماجة في السنن ۱۰۰/۱ حديث رقم ۲۷۲- وأحمد في المسند ۳۹/۲ وأخرجه أبو داؤد عن أبي المليح عن أبيه في السنن ٤۸/۱ حديث رقم ۵۹ وكذلك النسائي ۸۷/۱ حديث رقم ۱۳۹-

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز وضو کے بغیر قبول نہیں کی جاتی اور حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حرام مال سے صدقہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ حرام اور خیانت کی کمائی سے صدقہ قبول نہیں ہوتا کیونکہ حرام مال سے صدقہ کرنا درحقیقت صدقہ کی تحقیر اور توہین کو مستلزم ہے یہاں تک کہ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جو آدمی حرام مال سے صدقہ کرے اور پھر اس پر اجر اور ثواب کا امیدوار ہو تو وہ انسان کافر ہو جاتا ہے ہاں البتہ اگر وہ ایسے مال کو اجر وثواب کی نیت کے بغیر فراغ ذمہ کی نیت سے صدقہ کر دے تو جائز ہے۔ حلال مال سے صدقہ کرنا اللہ کی رحمت کو مستلزم ہے اور حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ کے قہر کو مستلزم ہے۔

مذی کے بارے میں حکم

(۳/۲۸۰) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ اَسْتَحْيِيْ اَنْ اَسْاَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَكَانِ ابْنَتِهٖ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهٗ وَيَتَوَضَّأُ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۳۰/۱ حديث رقم ۱۳۲- وأخرجه مسلم في صحيحه ۲٤۷/۱ حديث رقم (۱۷-۳۰۳) وأخرجه أحمد في المسند ۸۰/۱ ومعناه في كتب السنن من عدة طرق وعدة ألفاظ-

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے مذی بہت زیادہ آتی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ میرے نکاح میں تھی اس لئے شرم کی وجہ سے میں براہ راست آپ سے معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ کہ آیا اس سے غسل واجب ہے یا وضو اس لئے میں نے حضرت مقدادؓ کو آنحضرتؐ سے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لیے کہا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شرم گاہ کو دھو لیا جائے اور وضو کر لیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ایک اعلیٰ اخلاق کی تعلیم اور تنبیہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں شرم وحیاء کا ایک بڑا مقام ہے۔ اگر داماد کو ایسا مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت پڑ جائے جس میں شہوت پر دلالت ہو۔ یا مباشرت عورت سے اس کا تعلق ہو۔ جس کا تذکرہ شرم وحیا اور تہذیب واخلاق کے منافی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ مسئلہ خود دریافت کرنے کے بجائے کسی کو وکیل بنا دے جیسے حضرت علیؓ نے حضرت مقدادؓ کو وکیل بنایا ہے۔

سوال: حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت مقدادؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مذی کے متعلق مسئلہ دریافت کیا۔ دوسری ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے خود دریافت کیا۔ تیسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ کے حکم پر حضرت عمارؓ نے پوچھا بظاہر تعارض ہے؟

جواب: حضرت علیؓ نے حضرت عمارؓ اور حضرت مقدادؓ دونوں کو یہ مسئلہ معلوم کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایسی صورت میں آمر اور مأمور دونوں کی طرف نسبت کرنا صحیح ہے۔ آمر ہونے کی حیثیت سے حضرت علیؓ کی طرف اور مأمور ہونے کی حیثیت سے حضرت عمارؓ اور حضرت مقدادؓ کی طرف نسبت کر دی گئی ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کا مسئلہ

(۴/۲۸۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ (رواہ مسلم) قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ مُحِیُّ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ (متفق علیه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۲۷۲حديث رقم۱/۲۷۲حديث رقم(۳۵۲)۔ وأخرج الترمذي نحوه ۱/۱۱٤حديث رقم ۷۹وأخرجه النسائي في السنن ۱/۱۰٦حديث رقم ۱۷۵وأخرجه أحمد في المسند ۲/۲٦۵۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا آگ پر لگی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو کرو۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے حضرت امام محی السنۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے منسوخ ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کی دستی کھائی پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔

① جمہور ائمہ کے نزدیک مامست النار ناقض وضو نہیں ہے۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کا گوشت کھایا۔ پھر بغیر وضو جدید کے نماز پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ مامست النار ناقض وضو نہیں ہے۔

② بعض ائمہ کے نزدیک مامست النار ناقض وضو ہے۔

دلیل: ان کا استدلال حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے ہے اور اس میں مامست النار کی وجہ سے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ ناقض وضو ہے۔

جواب ①: یہ حکم ابتداء میں تھا بعد میں منسوخ ہو چکا ہے۔ جیسے مذکورہ حدیث میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

جواب ②: جن روایتوں میں وضو کا حکم ہے وہ وجوب پر نہیں بلکہ استحباب پر محمول ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مرتبہ وضو کیا ہے اور بعض مرتبہ وضو نہیں کیا اور یہ استحباب کی علامت ہے۔

جواب ③: جن روایتوں میں مامست النار سے وضو کا ذکر ہے اس سے مراد وضو لغوی ہے یعنی ہاتھ اور منہ کا دھونا۔ اس کی دلیل ترمذی میں حضرت عکراشؓ کی روایت ہے۔ اس میں وضو لغوی کا ذکر ہے۔

اُونٹوں کے باڑہ میں نماز نہ پڑھو

(۵/۲۸۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ قَالَ اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَاِنْ شِئْتَ فَلاَ تَتَوَضَّأْ قَالَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ اُصَلِّیْ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ اُصَلِّیْ فِیْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ قَالَ لاَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢٧٥/١ حديث رقم(٩٧۔ ٣٦٠)وأخرجه أحمد في المسند ٨٦/٥۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ کیا ہم لوگ بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے اگر تمہارا جی چاہے تو کرلو۔ اگر نہ چاہے تو نہ کرو۔ پھر اس نے عرض کیا۔ کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرو۔ پھر اس شخص نے آپ سے سوال کیا، کیا میں بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھ سکتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پڑھ لیا کرو۔ پھر اس شخص نے سوال کیا، کیا میں اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھ سکتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں پڑھ سکتے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بکری کے گوشت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ناقض وضو نہیں اور پھر اس کے بعد اونٹ کے گوشت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اونٹ کا گوشت ناقض وضو ہے یا نہیں۔

① جمہور کے نزدیک یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اونٹ کا گوشت ناقض وضو نہیں ہے ان کا استدلال ان روایات کے عموم سے ہے کہ جن میں مامست النار کو غیر ناقض وضو قرار دیا گیا ہے۔

② امام احمدؒ کے نزدیک اونٹ کا گوشت ناقض وضو ہے ان کا استدلال اسی مذکورہ روایت سے ہے اس میں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا ہے۔ یا وضو استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر اور یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اونٹ کے گوشت میں دسومت زیادہ ہوتی ہے تا کہ رائحہ کریہہ کی وجہ سے کوئی موذی چیز تکلیف نہ پہنچا دے۔

اور اس حدیث میں بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے کہ بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھ سکتے ہو اور اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے کہ اونٹوں کے باڑہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے ہو۔ وجہ فرق یہ ہے کہ بکریوں کے باڑہ میں نجاست زیادہ نہیں ہوتی اور اونٹوں کے باڑہ میں نجاست زیادہ ہوتی ہے دوسری وجہ فرق یہ ہے کہ بکری شریف جانور ہے اس کے حملہ آور ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ لہٰذا نماز خشوع اور خضوع کے ساتھ ہوگی۔ بخلاف اونٹ کے کہ وہ شرارتی اور ضدی جانور ہوتا ہے۔ اس کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ خدشہ نماز میں خشوع اور توجہ کے لئے مخل ہے۔

جب ہوا کے خروج کا یقین ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں

(۶/۲۸۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِیْ بَطْنِهٖ شَيْئًا فَاَشْكَلَ عَلَيْهِ اَخَرَجَ مِنْهُ شَیْءٌ اَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢٧٦/١ حديث رقم(٩٩۔٣٦٢)۔ وأبوداود ١٢٣/١ حديث رقم١٧٧۔ وأحمد في المسند ٤١٤/٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم سے کوئی آدمی اپنے پیٹ کے اندر کچھ محسوس کرے اور اس کو اشتباہ ہو جائے کہ کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہ۔ تو اس وقت تک وضو کے لئے مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک کہ آواز کو نہ سنے یا بو نہ پائے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حصر کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ خروج ریح کی صورت میں وضو اس وقت واجب ہوگا جب کہ آواز آئے یا ریح محسوس ہو۔ لیکن یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر ادعائی ہے اور یہ کنایہ ہے تیقن سے کہ جب تک خروج ریح کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک نقض وضو نہیں ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ اگر خروج کا یقین ہو صوت اور رائحہ نہ بھی ہو تو نقض وضو ہو جائے گا۔

دودھ پینے کے بعد کلی کی جائے

(۷/۲۷۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۱۳/۱حديث رقم ۲۱۱۔ وأخرجه مسلم ۲۷٤/۱حديث رقم (۹۵۔۳۵۸) والترمذي ۱٤۹/۱حديث رقم ۸۹۔ والنسائي في السنن ۱۰۹/۱ حديث رقم ۱۸۷ وأبوداود ۳۵/۱ حديث رقم ۱۹۶۔ وابن ماجة عن أنس ۱۶۷/۱ حديث رقم ۵۰۱ وأخرجه أحمد في المسند ۲۲۳/۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا۔ اس کے بعد کلی کی اور فرمایا کہ دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پینے کے بعد کلی کی اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دسومت والی چیز کو استعمال کرنے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اگر کلی نہ کی جائے تو چکناہٹ کی وجہ سے اس کا کچھ حصہ منہ میں لگا رہ جائے اس کے بعد اگر نماز پڑھی جائے تو وہ حصہ دوران نماز پیٹ میں چلا جائے اور اسی پر قیاس کر کے یہ حکم ثابت کیا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز کھائی ہو اور اس کا کچھ حصہ منہ میں لگا رہ گیا ہو تو اس کے ازالہ کے لئے کلی کرنا مستحب ہے اس حدیث سے علماء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کھانا کھانے سے قبل صفائی اور طہارت کے لئے ہاتھوں کو دھونا چاہئے۔ ہاں البتہ اگر ہاتھ صاف ستھرے ہوں ان پر نجاست اور میل کچیل نہ ہو تو اس صورت میں ہاتھوں کو دھونا ضروری نہیں۔ اسی طرح کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھونا چاہئے۔ ہاں البتہ اگر کھانا خشک ہو یا چمچ سے کھایا جائے اور ہاتھوں پر کچھ نہ لگے تو اس صورت میں ہاتھوں کو دھونا ضروری نہیں ہے اور آخر میں اس اشکال کا حل بھی ضروری ہے کہ بظاہر اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو اس باب میں کیوں ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کلی کا ذکر ہے اور وہ وضو کا تتمہ ہے۔ متممات وضو میں سے ہونے کی وجہ سے اس ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں

(۸/۲۷۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الصَّلَوَاتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَّمْ تَكُنْ تَصْنَعُهٗ فَقَالَ عَمَدًا صَنَعْتُهٗ يَا عُمَرُ. (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۳۲/۱ رقم (۸۶۔۲۷۷)۔ وأبو داود ۱۲۰/۱ حديث رقم ۱۷۲ والترمذي حديث رقم ۶۱۔ والنسائي ۸۶/۱ حديث ۱۳۳۔ وأحمد في المسند ۳۵۱/۵۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں ادا کیں۔ یعنی ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آج آپ نے ایسا کام کیا ہے۔ کہ اس سے پہلے آپ ﷺ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر میں نے قصداً ایسا کیا ہے اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھیں اور موزوں پر مسح بھی کیا۔ حضرت عمرؓ کو بڑا تعجب ہوا کہ اس سے پہلے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ازراہ تعجب رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا۔ کہ آج آپ نے دو کام خلاف معمول کیے ایک یہ کہ ایک وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں۔ جب کہ اس سے پہلے آپ کا ہر نماز کے لئے جدید وضو کرنے کا معمول تھا دوسرا یہ کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے پاؤں کو دھونے کا حکم تھا۔

آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں عمل درست ہیں ایک وضو کے ساتھ متعدد نمازیں پڑھنا اور دوسرا موزوں پر مسح کرنا۔

ستو کھانے کے بعد وضو نہیں

(۹/۲۷۶) وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعٰى بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَبِهٖ فَثُرِّيَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱/۳۱۲رقم ۲۰۹۔وأخرج ابن ماجة نحوه في السنن ۱/۱۶۵حديث رقم ۴۹۲وأخرجه مالك في الموطا ۱/حديث رقم ۲۰۔وأخرج أحمد نحوه ۳/۴۸۸۔

ترجمہ: حضرت سوید بن نعمانؓ سے روایت ہے کہ وہ فتح خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر گئے۔ جب مقام صہباء پر پہنچے جو کہ خیبر کے قریب ہے عصر کی نماز ادا کی پھر آپ ﷺ نے زادراہ منگوایا۔ چنانچہ ستو کے علاوہ اور کچھ نہ تھا اور آپ ﷺ کے حکم سے اس کو گھولا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور ہم نے کھایا اور پھر مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے مضمضہ کیا اور ہم نے بھی مضمضہ کیا اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کر دیا گیا ہے کہ ما مست النار ناقض وضو نہیں ہے وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے فتح خیبر والے سال مقام صہباء میں ستو کھائے اور سب نے کلی کی وضو نہیں کیا اور ستو بنانے سے پہلے دانے آگ پر بھون کر تیار کیے جاتے ہیں۔

الفصل الثانی:

خروج ریح کا یقین ناقض وضو ہے

(۱۰/۲۷۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْرِيْحٍ۔ (رواہ احمد والترمذی)

أخرجه أحمد فی المسند ۲/٤٧١۔ والترمذی ١/١٠٩حدیث ٨٤۔ وأخرجه ابن ماجة ١/١٧٢حدیث رقم٥١٥۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وضو کرنا آواز یا بو سے واجب ہوتا ہے۔اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر ادعائی ہے کہ جب پیٹ میں گڑبڑ ہو اور خروج ریح کا شک ہو جائے۔تو محض شک سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہ حصر کنایہ ہے تیقن سے۔کہ جب خروج ریح کا یقین ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ آواز اور بو نہ بھی ہو۔

مذی سے وضو اور منی سے غسل ہوتا ہے

(۱۱/۲۷۸)وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْمَذِيِّ فَقَالَ مِنَ الْمَذِيِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ . (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی في السنن ١/١٩٣حدیث رقم ١١٤وقال حسن صحیح وأخرجه ابن ماجة ١/١٦٨حدیث رقم ٥٠٤۔ وأحمد فی المسند ١/١٠٩۔ ١١٠۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مذی کے بارے میں سوال کیا۔کہ اس سے وضو ہے یا غسل تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مذی خارج ہونے سے وضو لازم ہوتا ہے اور منی خارج ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے۔اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مذی کے متعلق سوال کیا کہ اس کے خارج ہونے سے وضو لازم ہوتا ہے یا غسل۔آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مذی سے وضو اور منی سے غسل واجب ہوتا ہے باقی اس پر بحث بقدرِ ضرورت گزر چکی ہے۔

تکبیر تحریمہ کا مسئلہ

(۱۲/۲۷۹)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ .

(رواه ابوداود والترمذی والدارمی ورواه ابن ماجة عنه وعن ابی سعید)

أخرجه أبو داود فی السنن ١/٤٩حدیث رقم ٦١۔وأخرجه الترمذی فی السنن ١/٨حدیث رقم ٣ وقال أصح شئی فی هذا الباب وأحسن۔وأخرجه الدارمی فی السنن ١/١٨٦حدیث رقم ٦٨٧۔وأخرجه أحمد فی المسند ١/١٢٣۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز کی کنجی وضو ہے اور نماز کی تحریمہ اللہ اکبر کہنا ہے اور نماز کی تحلیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا ہے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے اور حضرت امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو حضرت علیؓ اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں تین چیزوں کو بتایا گیا ہے۔① نماز کی کنجی وضو ہے وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔② نماز کی تحریمہ اللہ اکبر کہنا ہے تحریمہ کا معنی ہے حرام کر دینا اور اس تکبیر کو کہنے سے نماز سے قبل جو امور حلال تھے وہ ممنوع ہو جاتے ہیں جیسے اکل و شرب وغیرہ۔③ نماز کی تحلیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا ہے۔تحلیل کا معنی ہے حلال کرنا۔مطلب یہ ہوگا کہ نماز شروع کرنے سے جتنی چیزیں حرام ہو گئیں تھیں سلام پھیرنے سے وہ سب حلال ہو جائیں گی۔یہی مراد ہے تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ سے۔

فطرت کے خلاف کارروائی نہ کرو

(۱۳/۲۸۰) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَاْتُوا النِّسَاءَ فِيْ اَعْجَازِهِنَّ۔ (رواہ الترمذی و ابوداود)

أخرجه أبو داود في السنن ١/١٤١ حديث رقم ٢٠٥۔ والترمذي ٣/٤٦٩ حديث رقم ١١٦٦۔

ترجمہ: حضرت علی بن طلقؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے بغیر آواز کے تو اس کو وضو کرنا چاہئے اور تم عورتوں کے ساتھ ان کی مقعد میں جماع نہ کرو اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں ① جب مقعد سے خروج ریح کا یقین ہو جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بلا صوت کی قید سے یقین کی طرف اشارہ ہے۔ ② عورت کے ساتھ دبر سے وطی حرام ہے۔ بظاہر اس حدیث پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ وطی فی الدبر کے مسئلہ کو یہاں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بظاہر ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب دبر سے ہوا خارج ہونے کا مسئلہ بیان کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسلوب الحکیم کے طور پر وطی فی الدبر کا مسئلہ بھی بیان کر دیا۔

نوم سے استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے

(۱۴/۲۸۱) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِنَّمَا الْعَيْنَانِ وِكَاءُ السَّهِ فَاِذَا نَامَتِ الْعَيْنُ اسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمي في السنن ١/١٩٨ حديث رقم ٧٢٢۔ وأخرجه أحمد في المسند ٤/٩٧۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آنکھیں سرین کا سر بند ہیں۔ جب آنکھ سو جاتی ہے۔ تو سر بند کھل جاتا ہے۔ (داری)

تشریح: آنکھیں انسان کی مقعد کے لیے سر بند ہیں جب تک انسان جاگتا رہتا ہے تو مقعد پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے اگر ہوا کا خروج ہو تو انسان کو اس کا احساس ہو جاتا ہے اور جب انسان سو جاتا ہے تو استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے اس سے انسان کا اپنے جسم اور اعضاء پر کنٹرول نہیں ہوتا اور اس حالت میں خروج ریح کا قوی امکان ہوتا ہے اسی لئے نیند کو خروج ریح کے قائم مقام رکھ کر نوم پر نقض وضو کا حکم لگایا گیا ہے۔

نوم ناقض وضو ہے یا نہیں

(۱۵/۲۸۲) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ (رواہ ابوداود) وَقَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا فِيْ غَيْرِ الْقَاعِدِ لِمَا صَحَّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّأُوْنَ (رواہ ابوداود والترمذی اِلَّا اَنَّهٗ ذَكَرَ فِيْهِ) يَنَامُوْنَ بَدَلَ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ......

أخرجه أبو داود في السنن ١/١٤٠ حديث رقم ٢٠٣۔ وابن ماجة ١/١٦١ حديث رقم ١٦١۔ وأحمد في المسند ١/١١١۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سرین کا سر بند آنکھیں ہیں۔ لہٰذا جو آدمی سو جائے اس کو چاہئے کہ وضو کرے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت امام محی السنۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس آدمی کے لئے ہے جو بیٹھا ہوا نہ ہو۔ بلکہ لیٹ کر سو جائے۔ اس لئے کہ حضرت انسؓ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بیٹھے ہوئے نماز عشاء کا انتظار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نیند کی وجہ سے ان کے سر جھک جاتے تھے اسی حالت میں وہ اٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے اور جدید وضو نہیں کرتے تھے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے ہاں البتہ اتنا فرق ہے کہ امام ترمذی نے اپنی روایت میں يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ کے بجائے يَنَامُوْنَ کا لفظ ذکر کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث کے آخر میں حضرت امام محی السنۃؒ کا قول نقل کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث میں جس نوم کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد کوئی عام اور مطلق نیند نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی لیٹ کر سو جائے۔ اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ نوم غالب ہے اور نوم غالب سے استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے اور اس صورت میں انسان کو اپنے اوپر کنٹرول اور قابو نہیں رہتا اور ایسی حالت میں قوی امکان ہے کہ خروج ریح ہوا ہو اور اس آدمی کو اس کا احساس نہ ہوا ہو۔

بخلاف اس شخص کے کہ جو بیٹھا بیٹھا سو جائے اور اس کی مقعد زمین سے زائل نہ ہو۔ جب نیند سے بیدار ہو تو مقعد کا زمین پر مکمل قرار ہو۔ اس صورت میں وہ جتنا بھی سو جائے۔ وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ اس صورت میں استرخاء مفاصل نہیں ہوتا۔ حضرت انسؓ کی روایت سے بھی یہی مراد ہے باقی اس مسئلہ کی وضاحت فقہ کی کتابوں میں ہے۔

اضطباع کی حالت میں سو جانا ناقض وضو ہے

(۱۶/۲۸۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰى مَنْ نَّامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّهٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ (رواه الترمذی وابوداود)

أخرجه أبوداود في السنن ۱/۱۳۹ حديث رقم ۲۰۲۔ والترمذی فی السنن ۱/۱۱۱ حديث رقم ۷۷ وأحمد فی المسند ۱/۲۵۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وضو اس آدمی پر لازم ہے جو اضطباع کی حالت میں سو جائے۔ اس لئے کہ جب آدمی لیٹ کر سو جاتا ہے تو استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے (اور اس سے خروج ریح کا امکان ہوتا ہے۔) اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں بھی یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جو انسان لیٹ کر سو جائے۔ تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ ایسی نوم سے استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے اور استرخاء مفاصل سے خروج ریح کا قوی امکان ہے اور خروج ریح پوشیدہ امر ہے۔ اس لیے نوم کو اس کے قائم مقام رکھ کر نقض وضو کا حکم لگایا گیا ہے۔

حضرت میرک شاہؒ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی یزید دالانی بھی ہے اور اس پر محدثین نے بہت جرح کی ہے اس کو کثیر الخطا اور فاحش الوہم قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔

کیا مس ذکر ناقض وضو ہے؟

(۱۷/۲۸۴) وَعَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَامَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رواہ مالك واحمد وابوداود والترمذی والابن ماجة والدارمی)

أخرجه مالك ١/٤٢ حديث رقم ٥٨۔ وأحمد فی المسند ٦/٤٠٦۔ وأبوداود فی السنن ١/١٢٥ حديث رقم ١٨٦ وأخرجه الترمذی فی السنن ١/١٢٦ حديث رقم ٨٢ وقال حسن صحيح ۔ وابن ماجة فی السنن ١/١٦١ حديث رقم ٤٧٩ والدارمی بلفظ مقارب ١/١٩٩ حديث رقم ٧٢٤۔

ترجمہ: حضرت بسرہ بنت صفوان بن نوفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اپنے آلۂ تناسل کو ہاتھ لگائے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے۔ اس حدیث کو امام مالکؒ امام احمدؒ امام ابوداؤدؒ امام ترمذیؒ امام نسائیؒ امام ابن ماجہ اور امام دارمی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے یا نہیں اور یہ مسئلہ صحابہ کرام کے زمانہ سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے حضرت امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے باطن کف کے ساتھ مس ذکر کر لیا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا ان کا استدلال حضرت بسرہ کی مذکورہ حدیث سے ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے ان کا استدلال حضرت قیس بن علی کی روایت سے ہے جس کو انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے جو کہ مسند ابی حنیفہ میں مذکور ہے اور یہاں بھی بعد میں وہ روایت آ رہی ہے اور اس کے علاوہ امام صاحب کا استدلال احادیث کثیرہ سے ہے اور اس مسئلہ کی مزید وضاحت ملا علی قاریؒ کی مرقات میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ترجمہ مشکوٰۃ میں ہے۔ حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک حضرت بسرہ کی حدیث جو کہ امام شافعیؒ کی دلیل ہے اور دوسری طلق بن علی کی روایت جو امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔ دونوں حدیثیں حسن ہیں۔ لیکن طلق بن علی کی حدیث کو حضرت بسرہ کی روایت کے مقابلے میں ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ حضرت بسرہ عورت ہیں اور حضرت طلق بن علی مرد ہیں اور عورت کے مقابلے میں مرد کی شان اور حالت مضبوط ہوتی ہے کیونکہ مرد کے اندر علم کی مضبوطی اور قوت حافظ کی مضبوطی ہوتی ہے اسی وجہ سے شہادت کے اندر ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتیں ہوتی ہیں اس وجہ سے طلق بن علی کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی۔

مس ذکر ناقض وضو نہیں

(۱۸/۲۸۵) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهٗ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ اِلَّا بُضْعَةٌ مِّنْهُ (رواہ ابوداوٗد والترمذی والروی ابن ماجة نحوه) وَقَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ هٰذَا مَنْسُوْخٌ لِاَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ وَقَدْ (رَوٰى اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا اَفْضٰى اَحَدُكُمْ بِيَدِهٖ اِلٰى ذَكَرِهٖ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ (رواہ الشَّافِعِيُّ والدارمی والدارقطنی وروا‌ہ النسائی عن بسرة الا انه لم يذكر لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ)۔

أخرجه أبوداود ١/١٢٧ حديث ١٨٢۔ والترمذی ١/١٣١ حديث رقم ٨٥۔ وقال أحسن شئ روي في هذا الباب۔ وأخرج الترمذی بنحوه ١/١٦٣ حديث رقم ٤٨٣۔ وأخرجه أحمد فی المسند ٤/٢٢۔ أخرجه الشافعي فی مسنده (١٢۔١٣) وأخرجه الدارقطنی فی السنن ١/١٤٧ حديث رقم ٦ من باب ماروي فی لمس القبل والدبر وأحمد بمعناه فی المسند

۲/۳۳۳۔ لیس فی النسائی "اذا أفضی" انما ما أخرجه عن بسرة "اذ مس أحدکم ذکره ......" ۱/ ۱۰۰ حدیث رقم ۱۶۳۔

ترجمہ: حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی آدمی وضو کرنے کے بعد اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگالے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شرم گاہ بھی آدمی کے گوشت کا حصہ ہے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ 'امام ترمذیؒ 'امام نسائی نے روایت کیا اور امام ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور امام محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس لیے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ 'حضرت طلق ابن علی کے آنے کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور حضرت ابو ہریرۃؓ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ تم میں سے جو شخص اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگائے اور درمیان میں کوئی کپڑا نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وضو کرے اس حدیث کو امام شافعیؒ اور امام دار قطنی نے روایت کیا ہے او رامام نسائی نے حضرت بسرہ سے یہ روایت نقل کی ہے لیکن اس میں لیس بینه و بینها شی ء کے الفاظ نہیں ہیں۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی آدمی وضو کرنے کے بعد مس ذکر کرلے تو اس کا کیا حکم ہے تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بدن کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہے جس طرح جسم کے دوسرے اعضاء کو مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسے ہاتھ پاؤں ناک اور کان وغیرہ اگر کوئی آدمی ان اعضاء کا مس کرے تو ناقض وضو نہیں اسی طرح مس ذکر بھی ناقض وضو نہیں ہے۔

امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ حضرت طلق ابن علی کی روایت سے استدلال درست نہیں اس لیے کہ یہ روایت منسوخ ہے وہ اس طرح کہ طلق ابن علی مدینہ میں اس وقت آئے جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی اور مسجد نبوی کی تعمیر اھ ابتداء ہجرت میں ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ طلق ابن علی مدینہ میں ابتداء ہجرت میں آئے اور نقض وضو کی روایت حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے جو ۷ھ میں مسلمان ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ نقض وضو کی روایت بعد کی ہے اور یہ اول کے لیے ناسخ ہے۔

احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ طلق بن علی مدینہ میں وفد بنو حنیفہؓ کے ساتھ آئے اور طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ مسیلمہ کذاب مدینہ میں آیا وفد بنو حنیفہ کے ساتھ اور سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ مسیلمہ کذاب مدینہ میں آیا عام الوفود میں اور عام الوفود لقب ہے سنہ ۹ھ کا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت طلق بن علیؓ کی روایت بعد کی ہے لہٰذا اس کے نسخ کا دعوی صحیح نہیں ثانیا یہ کہ مسجد نبوی کی تعمیر دو مرتبہ ہوئی ہے ایک مرتبہ ابتداء ہجرت میں دوسری مرتبہ غزوہ خیبر کے بعد۔ ممکن ہے کہ حضرت طلق بن علی دوسری تعمیر کے وقت آئے ہوں ثالثاً یہ کہ نسخ کا دعوی تو صحیح ہوگا جب دلیل کے ساتھ یہ ثابت کردیا جائے۔ کہ حضرت طلق بن علی مسجد نبوی کی پہلی تعمیر کے بعد دوبارہ مدینہ میں نہیں آئے۔ حالانکہ یہ ثابت نہیں ممکن ہے کہ حضرت طلق بن علی پہلی تعمیر کے وقت بھی آئے ہوں اور دوسری تعمیر کے وقت بھی آئے ہوں اور دوسری آمد کے وقت یہ حدیث سنی ہو لہٰذا نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

حضرت مظہرؒ نے نہایت خوبصورت انداز میں اس کا فیصلہ فرمایا ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں وہ اس طرح کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے اور حضرت طلق بن علی کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے لہٰذا اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے دیگر صحابہ کرام کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ چنانچہ تحقیق سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ 'حضرت ابوداؤدؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمار کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔ اسی وجہ سے احناف کے مذہب کو ترجیح حاصل ہے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔

تقبیل امرأہ ناقض وضو ہے یا نہیں

(۱۹/۲۸۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَبِّلُ بَعْضَ اَزْوَاجِهٖ ثُمَّ يُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّأُ (رواہ ابوداود

والترمذی والنسائی وابن ماجة وقالَ الترمذی) **لَا يَصِحُّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا بِحَالِ اِسْنَادِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَاَيْضًا اِسْنَادُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا وَقَالَ ابوداود هذا مرسل وابراهيم التيمي لم يسمع عن عائشة۔**

أخرجه أبو داود ١/١٢٤ حديث رقم ١٧٩ ـ والترمذی فی السنن ١/١٢٣ حديث رقم ٨٦۔وقال نقلاً عن علي بن المديني قال ضعف يحی بن سعيد القطان هذا الحديث وقال هوشبه لا شیء ـ وقال سمعت محمد بن إسماعيل يضعف هذا الحديث ـ وأخرجه النسائي فی السنن ١/١٠٤ حديث ١٧وقال ليس فی هذا الباب أحسن منه۔ وأخرجه ابن ماجة ١/١٦٨ حديث رقم ٥٠٢ ـوأحمد ٦/٢١٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک زوجہ کا بوسہ لیتے تھے۔ پھر بغیر جدید وضو کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ امام ترمذیؒ امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک کسی حال میں عروہ کی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ابراہیم تیمی کی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ اس لیے کہ ابراہیم تیمی کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے۔

تشریح ۞ مس مرأہ ناقض وضو ہے یا نہیں اس میں تین مذاہب ہیں۔

① امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غیر محرم عورت کو ہاتھ لگانا ناقض وضو ہے۔

② امام مالکؒ کے نزدیک اگر غیر محرم عورت کو شہوت کے سات مس کیا تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا۔

③ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مس امرأہ ناقض وضو نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ایک تو حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث سے ہے اور اس کے علاوہ ان کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے اٹھتے تھے۔ تو میں آپ کے سامنے سوئی ہوتی تھی اور کمرے میں اندھیرا ہوتا تھا اور میرے پاؤں آپ کے سجدہ والی جگہ ہوتے تھے آپ سجدہ کو جاتے وقت میرے پاؤں کو دبا دیتے تھے تو میں اپنے پاؤں کھینچ لیتی تھی۔ اس حدیث سے بھی صراحۃً ثابت ہوا کہ مس امرأہ ناقض وضو نہیں۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث پر جرح کرتے ہوئے فرمایا ہے جو یہ کہ حضرت عروہؓ کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ بخاری اور مسلم کی اکثر احادیث ایسی ہیں کہ جن میں حضرت عروہؓ کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مشکوۃ سے امام ترمذی کے اس قول کو نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے امام ترمذی کے قول کا یہ مطلب لینا درست نہیں ہے جو کہ صاحب مشکوۃ نے لیا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے عروہ سے مراد عروہ مزنی لیا ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عروہ سے مراد ابن زبیر ہیں جو کہ حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں اور ان کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یقیناً ثابت ہے باقی حضرت امام ابوداؤدؒ کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث مرسل یعنی منقطع ہے اس سے ان کی غرض احناف کی دلیل کے ضعف کو ظاہر کرنا ہے کہ جب یہ حدیث مرسل ہے تو اسکو بطور استدلال پیش کرنا درست نہیں ہے احناف کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل حدیث بھی حجت ہوتی ہے بلکہ جمہور علماء کے نزدیک مرسل حدیث قابل استدلال اور حجت ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث کو مرسل کہہ کر رد کرنا درست نہیں ہے۔

کھانے کے بعد ہاتھ صاف کر لینا چاہئے

(۲۰/۲۸۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَتِفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَهٗ بِمَسْحٍ كَانَ تَحْتَهٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

أخرجه أبو داود في السنن ۱/۱۳۲ حديث رقم ۱۸۹۔ وابن ماجة ۱/۱۶٤ حديث رقم ٤٨٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے شانے کا گوشت کھایا۔ پھر اپنے ہاتھ نیچے بچھائی ہوئی ٹاٹ کے ساتھ صاف کر لئے پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❂ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور اس حدیث نے امام صاحب کے مذہب کی توثیق ہوتی ہے۔

اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کھانا کھانے کے بعد ہاتھوں پر دسومت اور چکناہٹ وغیرہ نہ ہو تو ہاتھوں کو دھونا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا جائے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھوئے نہیں بلکہ کپڑے کے ساتھ صاف کر لیا۔

کھانے کے بعد وضو کرنا ضروری نہیں ہے

(۲۱/۲۸۸) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم جَنْبًا مَشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٦/۳۰۷۔ والترمذي في السنن ٤/۲٤۰ حديث رقم ۱۸۲۹۔ وقال حسن صحيح غريب من هذا الوجه۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکری کا روست کیا ہوا پہلو پیش کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں کیا اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❂ اس حدیث سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ دعوت کرنا مسنون عمل ہے حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی ثانیاً یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ کو بکری کا گوشت مرغوب تھا۔

ثالثاً یہ بات ثابت ہوئی کہ ما مست النار کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

الفصل الثالث:

بات کو مضبوط کرنے کے لئے قسم اُٹھانا

(۲۲/۲۸۹) عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ اَشْهَدُ لَقَدْ كُنْتُ اَشْوِيْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَطْنَ الشَّاةِ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۲۷٤ حديث رقم (۹٤۔۳۵۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے بکری کے پیٹ کے اندر کی چیزیں دل، کلیجی وغیرہ بھونتا تھا اور آپ اس سے کھاتے۔ پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور جدید وضو نہ کرتے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر کسی بات کو مخاطب کی یقین دہانی کے لیے مضبوط کرنا مقصود ہو تو اس کو شہادت اور قسم کے ساتھ مقید کرنا درست ہے جیسے حضرت ابورافعؓ نے کیا اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کو کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اکابر کے سامنے نامناسب سوال سے توجہ الی اللہ میں فرق آجاتا ہے

(۲۳/۲۹۰) وَعَنْهُ قَالَ اُهْدِيَتْ لَهٗ شَاةٌ فَجَعَلْنَا فِي الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَاهٰذَا يَا اَبَارَافِعٍ فَقَالَ شَاةٌ اُهْدِيَتْ لَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَطَبَخْتُهَا فِي الْقِدْرِ فَقَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ يَا اَبَا رَافِعٍ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِيْ ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَاسَكَتَّ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ فَاهُ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْمًا بَارِدًا فَاَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَآءً۔ (رواہ احمد ورواہ الدارمی عن ابی عبید الا انہ لم یذکر) ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

اخرجہ احمد فی المسند ۶/۳۹۲۔ ۳۲۸

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میرے پاس بطور ہدیہ ایک بکری بھیجی گئی۔ چنانچہ میں نے اس کے گوشت کو پکانے کے لئے ہنڈیا میں ڈالا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور دریافت کیا اے ابورافع یہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بکری کا گوشت ہے۔ جو میرے لئے بطور ہدیہ کے لایا گیا تھا۔ اس کو میں نے ہانڈی میں ڈال کر پکایا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابورافع ایک دست مجھے بھی دے دو چنانچہ میں نے ایک دست آپ کی خدمت میں پیش کر دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا ایک اور دست دے دو۔ چنانچہ میں نے دوسرا دست بھی آپ کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ایک اور دست دے دو۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول بکری کے تو دو ہی دست ہوتے ہیں (اور وہ دونوں میں آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر چکا ہوں) رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے ابورافع اگر تم خاموش رہتے تو مجھ کو دست پر دست دیتے چلے جاتے۔ جب تک آپ خاموش رہتے پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا۔ مضمضہ کیا۔ پھر انگلیوں کے پورے دھوئے اور کھڑے ہوئے پھر نماز پڑھی اور نماز کے بعد پھر ابورافع کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس ٹھنڈا گوشت دیکھا۔ چنانچہ آپ نے اس کو تناول کیا اس کے بعد مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز شکرادا کی اور پانی کو ہاتھ تک نہیں لگایا یعنی نہ مضمضہ کیا اور نہ ہی وضو کیا اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو امام دارمیؒ نے بھی روایت کیا ہے ابوعبیدؓ سے۔ مگر ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ سے آخر تک کے الفاظ کو ذکر نہیں کیا۔

تشریح ۞ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام کے ساتھ کس قدر بے تکلفی اور میل جول تھا کہ ابورافع سے سوال کیا کہ ہانڈی میں کیا ہے ﷺ پھر گوشت طلب کیا اور وہ بھی دستی کا کیونکہ آپ ﷺ کو دستی کا گوشت پسند تھا دو وجہ سے ایک یہ کہ دست کا گوشت زیادہ قوت بخش ہوتا ہے۔ تاکہ جسمانی قوت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں طاقت حاصل ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بکری کی دستی کا گوشت جلدی پک جاتا ہے اور آپ کی دیگر مصروفیات بھی بکثرت تھیں۔ تاکہ مشاغل میں مشغول ہو جائیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ابورافع سے تیسری دستی کا مطالبہ کیا۔ تو ابورافع کو بڑا تعجب ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول بکری کے دو دست ہوتے ہیں اور وہ دونوں میں آپ کو دے چکا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ابورافع جب تک آپ خاموش رہتے تو مجھے دست پر دست دیتے رہتے۔ اور تم دیکھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے بطور معجزہ کئی دست عطا کرتا مگر تمہاری نظر صرف ظاہر پر تھی اور تم نے یہ سوچ کر کہ بکری کے دو ہی دست ہوتے ہیں اب مزید دست کہاں سے لا کر دوں گا۔ سوال کر دیا اور ہاتھ کھینچ لیا اور نصرت الٰہی کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس معجزہ کا امتناع ہو گیا۔

اشکال اور اس کا حل:

یہاں بظاہر ایک اشکال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی تکمیل کی خاطر نصرت غیبی سے بکری کے دست کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ تو محض حضرت ابورافع کے قول سے وہ غیبی مدد کا سلسلہ کیوں منقطع ہو گیا؟

اس کا جواب اور حل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام فضل و عنایت، اخلاص اور للّٰہیت اور توجہ الی اللہ سے ہوتا ہے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی توجہ الی اللہ اور حضوری قلب میں ابورافع کے قول کی وجہ سے انقطاع ہو گیا ہو۔ کیونکہ آپ اس کے جواب کی طرف متوجہ ہو گئے ابورافعؓ نے ہاتھ کھینچ لیا اور ادھر سے دستیاں ختم ہو گئیں۔

(۲۹۱/۲۴) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَاُبَيٌّ وَاَبُوْطَلْحَةَ جُلُوْسًا فَاَكَلْنَا لَحْمًا وَخُبْزًا ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوْءٍ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ لِهٰذَا الطَّعَامِ الَّذِیْ اَكَلْنَا فَقَالَا اَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ. (رواہ احمد)

مسند احمد، کتاب اوّل مسند المدنیین اجمعین، حدیث ابی طلحة زید بن سهل الانصاری عن النبیؐ ح ۱۵۷۷۰

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور ابی بن کعبؓ اور ابوطلحہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے گوشت اور روٹی کھائی۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے وضو کے لئے پانی منگوایا حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوطلحہؓ نے کہا۔ تم وضو کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا اس کھانے کی وجہ سے جو میں نے ابھی کھایا ہے۔ ان دونوں نے کہا کیا پاکیزہ چیزوں کے کھانے سے وضو کرتے ہو۔ ان چیزوں کو کھا کر اس شخص نے وضو نہیں کیا جو تم سے بہتر ہیں (یعنی رسول کریم ﷺ) اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تقبیل اور مس امرأة کا حکم

(۲۹۲/۲۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ وَجَسُّهَا بِيَدِهٖ مِنَ الْمُلَامَسَةِ وَمَنْ قَبَّلَ امْرَاَتَهٗ اَوْ جَسَّهَا بِيَدِهٖ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ. (رواہ مالک والشافعی)

اخرجه مالك فی الموطأ ۱/ ۴۳ کتاب الطهارة حدیث رقم ٦٤۔ والشافعی فی مسنده (ص ۱۱)۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مرد اپنی عورت کا بوسہ لے یا اس کو ہاتھ لگائے تو یہ بھی ملامست ہے اور جس آدمی نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا ہاتھ لگایا تو اس پر وضو واجب ہے اس حدیث کو امام مالک اور امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے تقبیل امراہ اور مس بالید کو ملامست میں سے قرار دیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب قرآن کریم میں نواقض وضو کا ذکر کیا گیا تو ان میں سے ایک چیز کو ذکر کیا گیا ہے۔ او لامستم النساء یا تم عورتوں سے ملامست کرو۔ اب یہ کہ اس آیت میں ملامست سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ملامست سے مراد یہ ہے کہ جب عورت کو ہاتھ لگایا جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اگر ہاتھ لگانے سے قبل اس کا وضو تھا تو مس بالید کے بعد پھر وضو کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مذکورہ ارشاد بھی امام شافعیؒ کے مسلک کا مؤید ہے کیونکہ ابن عمرؓ کے قول سے امام شافعیؒ کے مذہب کی تصدیق ہوتی ہے اور ان کے قول میں ملامست سے اسی آیت کی طرف اشارہ ہے کہ ملامست سے مراد تقبیل امراہ اور مس بالید ہے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملامست سے مراد جماع ہے نہ کہ مس بالید اور امام صاحب کے مسلک پر کثیر تعداد میں دلائل ہیں۔ جو فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

(۲۶/۲۹۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ الْوُضُوْءُ. (رواه مالك)

موطا مالك، كتاب الطهارة، باب ان عبد الله بن مسعود كان يقول من قُبلة الرجل

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی کا بوسہ لے تو اس پر وضو لازم ہے اس حدیث کو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے۔

(۲۷/۲۹۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الْقُبْلَةَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّؤُا مِنْهَا.

رواهما الدارقطني

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ عورت کا بوسہ لینا لمس میں داخل ہے۔ جس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے لہٰذا بوسہ لینے کے بعد وضو کیا کرو۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مذکورہ ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانا ناقض وضو ہے اور یہی حضرت امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مس امراہ ناقض وضو نہیں اور ان روایات کے متعلق اولاً تو امام صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام کے اقوال ہیں اور موقوف روایات ہیں ان کا حکم احادیث مرفوعہ والا نہیں ہوگا ثانیاً یہ کہ یہ روایات صحت کے درجہ سے نیچے ہیں۔

ثالثاً۔ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی مرفوع حدیث میں موجود ہے جس کو حضرت عائشہ ؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں تصریح اور وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

رابعاً۔ اس کے علاوہ مسند ابی حنیفہ میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک حدیث ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لیس في القبلة وضوء کہ عورت کا بوسہ لینا ناقض وضو نہیں ہے۔ الغرض اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ تقبیل امراہ اور مس امراہ ناقض وضو نہیں ہے۔

خامساً یہ بھی ممکن ہے۔ کہ جن احادیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مس امراہ اور تقبیل امراہ ناقض وضو نہیں یہ ناسخ ہوں اور جن روایات

میں تقبیل امرأہ اور مس امرأہ کو ناقض وضو قرار دیا گیا ہے وہ منسوخ ہوں۔

دَم سائل سے وضو

(۲۸/۲۹۵) وَعَنْ عُمَرَبْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِعَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ. (رواهما الدارقطني وقال عمربن عبدالعزيز لم يسمع من تميم الداري ولارآه ويزيد بن خالد ويزيد بن محمد مجهولان).

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت تمیم داریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بہنے والے خون سے وضو لازم ہے ان دونوں روایتوں کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور امام دارقطنی نے فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نہ تو تمیم داری سے سنا ہے اور نہ ہی انہیں دیکھا ہے اور اس حدیث کے دو راوی یزید بن خالد اور یزید بن محمد مجہول ہیں۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ انسان کے بدن سے خون خارج ہو جائے تو یہ ناقض وضو ہے یا نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر دم سائل سے وضو لازم ہے مراد اس سے یہ ہے کہ اگر جسم کے کسی حصہ سے خون جاری ہو کر اس جگہ تک پہنچ آیا جس کو وضو اور غسل میں دھونا ضروری ہے اس سے نقض وضو ہو جاتا ہے اور امام صاحب کا استدلال اسی مذکورہ روایت سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بہنے والے خون سے وضو لازم ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک اگر خون سبیلین سے خارج ہو تو ناقض وضو ہے اور اگر غیر سبیلین سے خارج ہو تو پھر ناقض وضو نہیں۔

دارقطنی کی جرح اور اس کا جواب:

امام دارقطنی نے اس حدیث پر جرح کی ہے اور مقصود اس جرح سے یہ ہے کہ امام صاحب کا استدلال اس حدیث سے درست نہیں ہے دو وجہ سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے وہ اس طرح کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نہ حضرت تمیم داریؓ کو دیکھا ہے۔ اور نہ ہی ان سے حدیث سنی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں دو راوی مجہول ہیں ایک یزید بن خالد دوسرا یزید بن محمد۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث قابل حجت ہے علامہ زیلعیؒ نے تصریح کی ہے کہ ابن عدی نے اس حدیث کو متصل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی اس حدیث کو متصل سند کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لہٰذا مرسل قرار دینا درست نہیں اور یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے اور تعدد طرق سے بھی قوت پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے باقی امام دارمی کا دوسرا اعتراض کہ یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں تو ہم کہتے ہیں یہ دونوں مجہول الحال تو ہیں مگر مجہول الذات نہیں اور ان سے بہت سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہے لہٰذا وہ مجہول نہ رہے اور علامہ زیلعی نے صحیح سند کے ساتھ یزید بن خالد سے روایت کی ہے۔

ثانیاً یہ کہ احناف کے استدلال کا دار و مدار اسی حدیث پر نہیں بلکہ اس کے علاوہ امام صاحب کا استدلال حدیث رعاف سے بھی ہے۔ من قاء او رعف او امذی فی صلوته فلینصرف ولیتوضاولیبن علی صلوته مالم یتکلم۔ اگر کسی آدمی نے نماز میں قئی کی یا اس کی نکسیر پھوٹی یا مذی نکلی تو اس کو چاہئے کہ وہ نماز سے نکل کر آ جائے اور وضو کرے اور جب تک کلام نہ کرے وہ اسی نماز پر بناء کرے

اس حدیث سے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ خروج نجاست من غیر سبیلین ناقض وضو ہے اور اسی مضمون کی موافقت میں ابوداؤد شریف میں ایک روایت منقول ہے اور اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خروج نجاست من غیر سبیلین ناقض وضو ہے۔

بَابُ اٰدَابِ الْخَلَاءِ

قضائے حاجت کے آداب کا بیان

آداب یہ ادب کی جمع ہے ادب اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کرنا بہتر ہو چاہے وہ عمل سے ہو یا قول سے اور اس باب میں ان احادیث کو ذکر کیا گیا ہے جو استنجاء کے اندر مطلوب ہیں اور ان احادیث کا ذکر کیا ہے جو استنجاء کے اندر کراہت سے متعلق ہے۔

الخلاء: یہ لفظ خاء کے فتح اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے تنہائی والی جگہ۔ مراد اس سے قضائے حاجت کی جگہ ہے۔ کیونکہ انسان وہاں سب سے الگ ہو کر جاتا ہے۔

آداب خلاء: خلاء کے چند آداب ہیں۔

① قضائے حاجت کے دوران استقبال اور استدبار قبلہ نہ ہو۔ کیونکہ بیت اللہ شعائر اللہ میں سے ہے اس کی تعظیم ضروری ہے۔
② مقعد کو اچھی طرح صاف کیا جائے اگر استنجاء بالاحجار ہو تو کم از کم تین پتھر استعمال کیے جائیں۔
③ راستہ میں سایہ دار درخت اور پھل دار درخت کے نیچے قضائے حاجت نہ کی جائے۔
④ سوراخ میں پیشاب نہ کیا جائے تاکہ کوئی موذی چیز نقصان نہ پہنچائے۔
⑤ ہڈی وغیرہ سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ یہ جنات کی خوراک ہے۔
⑥ دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کیا جائے۔
⑦ غسل خانہ میں پیشاب نہ کیا جائے۔
⑧ ستر اور حجاب کا پورا خیال رکھا جائے
⑨ معظم اور مکرم چیز سے استنجاء نہ کیا جائے۔
⑩ دخول خلاء اور خروج خلاء کے وقت مسنون دعائیں پڑھی جائیں۔

الفصل الاول:

مسئلہ استقبال واستدبار قبلہ

(۱/۲۹۶) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْغَرِّبُوْا (متفق علیه) قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحیُّ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا الْحَدِیْثُ فِی الصَّحْرَآءِ اَمَّا فِی الْبُنْیَانِ فَلَا بَاْسَ لِمَارُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ ارْتَقَیْتُ فَوْقَ بَیْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِیْ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقْضِیْ حَاجَتَهٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۴۹۸ حدیث رقم ۳۹۴۔ واخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۲۲۴ حدیث رقم (۵۹۔۲۶۴) وابو داؤد فی السنن ۱/۱۹ حدیث رقم ۹۔ واخرج الترمذی فی السنن ۱/۱۳ حدیث رقم ۸ واخرجه النسائی فی السنن

۱/۲۱۔۲۲ حدیث ۲۔۲۱۔ وأخرجه ابن ماجة بمعناه ۱/۱۱۵ حديث رقم ۳۱۸۔ وأحمد في المسند ۵/۴۱۷۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو بلکہ اپنا رخ مشرق اور مغرب کی طرف کرو۔ (بخاری و مسلم) حضرت امام محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ یہ جنگل کا حکم ہے۔ بنیان میں استقبال و استدبار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں کسی کام کے لئے اپنی بہن حفصہ کے گھر کی چھت پر چڑھا۔ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ کا استدبار قبلہ کی طرف اور استقبال شام کی طرف تھا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں مسئلہ استقبال و استدبار بیان کیا گیا ہے کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی استقبال اور استدبار نہ کرو اور اس حدیث میں شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا کا حکم اہل مدینہ کے لئے ہے کیونکہ مدینہ سے قبلہ جنوب کی طرف ہے اس لئے اہل مدینہ کو قضائے حاجت کے وقت مشرق اور مغرب کی طرف استقبال اور استدبار کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن علاقوں میں خانہ کعبہ مشرق اور مغرب کی سمت میں ہو۔ تو ان کے لئے شمال اور جنوب کی طرف استقبال اور استدبار کا حکم ہوگا۔

مسئلہ استقبال و استدبار: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قضاء حاجت کے وقت بیت اللہ کی طرف استقبال اور استدبار کا کیا حکم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بول و براز کے وقت خانہ کعبہ کی طرف استقبال اور استدبار دونوں ناجائز ہیں مطلقاً یعنی انسان قضاء حاجت کے وقت صحراء میں ہو یا بنیان میں' ہر حال میں خانہ کعبہ کی طرف استقبال اور استدبار دونوں ناجائز ہیں۔ امام صاحبؒ کی پہلی دلیل حضرت ابوایوب انصاریؓ کی مذکورہ روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قضاء حاجت کے وقت مطلقاً خانہ کعبہ کی طرف استقبال اور استدبار سے منع کیا ہے اور یہ حدیث مسئلہ استقبال و استدبار کے بارے میں قانون کلی پر مشتمل ہے اور یہ حکم صحراء اور بنیان دونوں کو عام ہے اور اس حدیث کو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے علاوہ صحابہ کرام کی کثیر تعداد نے نقل کیا ہے۔ **دلیل ثانی**: امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خانہ کعبہ شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تعظیم کے لیے قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف استقبال و استدبار سے منع کیا ہے اور یہ تعظیم صحراء اور بنیان دونوں میں ضروری ہے جیسے قبلہ کی طرف تھوکنا اور پاؤں پھیلانا 'صحراء اور بنیان دونوں میں ناجائز ہے۔

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ کا ہے ان کے نزدیک قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف استقبال و استدبار صحراء میں جائز نہیں ہے اور بنیان میں جائز ہے۔ **دلیل امام شافعیؒ**: حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے جس کو امام محی السنۃ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بہن حضرت حفصہؓ کے گھر ان کی چھت پر کسی کام کے لئے چڑھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرتے ہوئے دیکھا آپ کی پیٹھ قبلہ کی طرف تھی اور منہ شمال کی طرف' اس سے معلوم ہوا کہ بنیان کے اندر قبلہ کی طرف استقبال اور استدبار جائز ہیں۔

جواب: ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جس حالت میں رسول اللہ ﷺ کو قضاء حاجت کرتے ہوئے دیکھا ہے یہ واقعہ استقبال و استدبار کعبہ کی ممانعت سے پہلے کا ہو اور بعد میں اس سے منع کر دیا گیا ہو۔ تو اس اعتبار سے حضرت ابوایوب انصاری والی روایت ناسخ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی روایت منسوخ ہے۔ **ثانیاً**: یہ کہ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کو دیکھا ہو اور متبادر الی الفہم بھی یہی چیز ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اچانک نظر پڑ سکتی ہے۔ قصداً بالارادہ تو نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے شرم گاہ کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہو۔ **ثالثاً**: یہ کہ ابوایوبؓ کی روایت قولی ہے اور ابن عمرؓ والی روایت فعلی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ بوقت

تعارض قول کو ترجیح ہوتی ہے فعل پر کیونکہ قول قانون کلی پر مشتمل ہوتا ہے اور فعل خصوصیت بھی ہوسکتا ہے اور قانون کو خصوصیت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ رابعا: یہ کہ ابوایوبؓ کی روایت محرم ہے اور عمرؓ کی روایت مبیح ہے اور بوقت تعارض حرمت کو اباحت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

ہڈی اور گوبر کے ساتھ استنجاء منع ہے

(۲/۲۹۷)وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَعْنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في الصحيح ۱/۲۲۳حديث (۵۷_۲۶۲)وأبوداؤد ۱/۱۷حديث رقم ۷والترمذي ۱/۲۴حديث رقم ۱۶_وروى نحوه النسائي ۱/۳۸حديث رقم ۴۱_ وأحمد في المسند ۵/۴۳۹_

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے اس سے کہ ہم بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف رخ کریں اور دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجاء کرنے سے بھی منع کیا ہے اور استنجاء بالاحجار کی صورت میں تین پتھروں سے کم پتھر استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ ہڈی اور گوبر کے ساتھ استنجاء کرنے سے بھی منع کیا ہے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں چار مکروہات کو ذکر کیا گیا ہے۔

① بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف استقبال واستدبار مکروہ تحریمی ہے گویا اس صورت میں نہی سے مراد نہی تحریمی ہے۔

② دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے گویا اس صورت میں نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے اور دوران استنجاء شرم گاہ کو دایاں ہاتھ نہیں لگانا چاہئے بلکہ طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ڈھیلا بائیں ہاتھ میں پکڑے اور استنجاء کرے۔

③ اگر پتھروں کے ساتھ استنجاء کرنا ہو تو تین سے کم پتھر استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ استنجاء کرنے کے لئے پتھروں کی کوئی خاص مقدار مسنون ہے یا نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استنجاء کے لئے تین پتھروں کی تعداد ضروری نہیں ہے۔ اگر اس سے کم پتھروں سے طہارت حاصل ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے البتہ ایتار کا لحاظ اولیٰ ہے۔

ان کا استدلال بخاری کی ایک روایت سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قضاء حاجت کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پتھر لانے کا حکم دیا۔ تو میں پتھر اور ایک گوبر کا ٹکڑا لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے دو پتھر لے لیے اور گوبر کو پھینک دیا اس سے ثابت ہوا کہ دو پتھر بھی استنجاء کے لئے کافی ہیں۔ تین پتھر ضروری نہیں۔

④ ہڈی اور گوبر کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہڈی سے زخمی ہونے کا خطرہ ہے اور ثانیا یہ کہ یہ جنوں کی خوراک ہے اور گوبر خود نجس ہے۔ اس سے طہارت کیسے حاصل ہوگی ثانیا یہ کہ یہ جنات کی سواریوں کی خوراک ہے۔

دخولِ خلاء کے وقت دُعا پڑھنے کا حکم

(۳/۲۹۸)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ . (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱/۲۴۲حديث رقم ۱۴۲_ ومسلم في صحيحه ۱/۲۸۲_حديث (۱۲۲_۳۷۵) وأبوداؤد

فی السنن ۱/۱۵حدیث رقم ٤۔والترمذی ۱/۱۰حدیث رقم ٥والنسائی ۱/۲۰حدیث رقم ۱۹۔ وابن ماجۃ فی السنن ۱/۱۰۹حدیث رقم ۲۹۸۔والدارمی ۱/۱۸۰حدیث رقم ٦٦۹وأحمد فی المسند ۳/۹۹۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تھے یعنی جب داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)) اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں مذکر اور مؤنث جنات سے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تھے تو دخول خلاء سے قبل یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ اور اس موقع پر دعا اور استعاذہ کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مقامات میں اکثر شرارتی جنات ہوتے ہیں اور وہ آدمی کی مخرج کے ساتھ کھیلتے ہیں بلکہ بعض اوقات آدمی کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔ اس لئے استعاذہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر قضاء حاجت بنیان میں کرے تو دخول خلاء سے قبل یہ دعا پڑھی جائے اور صحراء میں کشف عورت سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے۔

قبروں پر پھول چڑھانے کا حکم

(۲۹۹/۴)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِقَبْرَیْنِ فَقَالَ اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَایَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَۃً قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۳۱۷حدیث رقم ۲۱٦۔ وأخرجه مسلم۱/۲٤۰حدیث رقم (۱۱۱-۲۹۲) وأبو داؤد۱/۲٥حدیث رقم ۲۰۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۱۰۲حدیث رقم ۷۰۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۲۸حدیث رقم ۳۱۔وابن ماجة مختصرًا فی السنن ۱/۱۲٥حدیث رقم ۳٤۷۔والدارمی ۱/۲۰٥ حدیث رقم ۷۳۹۔وأحمد فی المسند ۱/۲۲٥۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ تو آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ان دونوں قبروں میں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی چیز کی وجہ سے نہیں ہو رہا۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور مسلم شریف کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ان میں سے ایک پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی تر شاخ لی۔ اس کو درمیان سے چیر کر دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ ایک قبر پر گاڑ دیا اور دوسرا حصہ دوسری قبر پر گاڑ دیا۔ صحابہ کرامؓ نے یہ عمل دیکھ کر سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ اس عمل سے ان کے عذاب میں اس وقت تک تخفیف رہے جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا اور آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی کہ ان دو قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی ایسی چیز کی وجہ سے نہیں ہو رہا کہ جس سے بچنا مشکل ہو۔ ایک کو پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور دوسرے کو نمیمہ کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔ نمیمہ کا معنی ہے چغل خوری کہ دو آدمیوں کی آپس میں عداوت اور دشمنی

ہو اور ان دونوں کے درمیان مزید فساد اور دشمنی کی آگ کو بھڑکانے کیلئے ان کی باتیں ایک دوسرے کے سامنے نقل کرے۔ کہ فلاں نے تجھے یہ گالی دی ہے اور یہ نازیبا بات کی ہے علی ہذا القیاس تاکہ ان دونوں کے درمیان اچھی طرح اشتعال پیدا ہو اور خوب فتنہ انگیزی ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: علامہ نووی فرماتے ہیں کہ نمیمہ کی تعریف یہ ہے کہ کسی کا کلام دوسرے تک تکلیف اور اذیت رسانی کے لئے نقل کرنا اور پہنچانا۔ آج کل کے دور اور عرف میں اس کو چغل خوری کہتے ہیں اور یہ انسانی اور اخلاقی نقطہ نظر سے انتہائی گری ہوئی بات ہے اور بدترین عادت اور خصلت ہے اسلام چغل خوری کو انتہائی نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسلام اس کی حوصلہ شکنی کرتا ہے نہ کہ حوصلہ افزائی۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں مذکور ہے۔ کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

کعب احبار کا قول: حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے یہودیوں کے ایک بڑے عالم کعب احبار سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد سوال کیا کہ تورات میں ہیبت ناک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے کعب احبار نے جواب دیا کہ چغل خوری۔ پھر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ کیا اس کا گناہ قتل کے گناہ سے بھی زیادہ ہیبت ناک اور خطرناک ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ قتل بھی چغل خوری کے سبب سے ہوتا ہے اور دیگر مفاسد بھی کثرت کے ساتھ چغل خوری سے پیدا ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ بھی ظاہر ہے وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک تر شاخ لے کر اس کو درمیان سے شق کیا پھر ایک ایک حصہ ہر قبر پر گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے سوال کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے آپ نے جواب دیا کہ جب تک یہ تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع ہوگئی کہ یہ دونوں قبر والے عذاب میں گرفتار ہیں۔ تو آپ سے رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے برداشت نہ ہوسکتا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں رحم و کرم کی درخواست کی اور آپ کی دعا اللہ کے دربار میں قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ صادر کیا گیا کہ کھجور کی شاخ شق کر کے دونوں قبروں پر رکھیں تو ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ چنانچہ اس کی وضاحت مسلم شریف کی ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا اور شفاعت ان کے حق قبول کی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی۔ ان کو عذاب نہیں ہوگا۔ ایک قول کے مطابق اس کا سبب یہی ہے اور اس کی تصدیق مسلم شریف کی حدیث سے ہو جاتی ہے اور بعض علماء کے نزدیک اس کے دیگر اسباب بھی ہیں جن کو شروحات حدیث کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ عذاب کی تخفیف کا سبب وہ تر شاخ تھی کہ اس میں دفع عذاب اور تخفیف عذاب کی خصوصیت تھی۔ مگر یہ خاصیت اس کے اندر لذاتہ نہ تھی۔ بلکہ بطور تبرک اور معجزہ من جانب اللہ تھی اور اس کے معجزہ ہونے پر عقلی قرینہ بھی موجود ہے وہ یہ کہ معجزہ خلاف عقل ہوتا ہے اور یہ بھی خلاف عقل ہے۔ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر اس کو تر رکھنا مقصود ہے تو بجائے شق کرنے کے قطع مناسب تھا۔ کیونکہ قطع کی صورت میں رطوبت زیادہ دیر تک رہ سکتی ہے اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علماء صلحاء اور نیک لوگوں کو قبور پر جانا چاہئے۔ تاکہ ان کی دعا اور برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو۔

روایت کے الفاظ کا اختلاف: مذکورہ حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ مسلم شریف کی روایت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ پہلا آدمی جس کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔ وہ خود پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ یعنی پیشاب کرتے وقت اپنے آپ کو چھینٹوں سے نہیں بچا سکتا تھا اور دوسری روایت میں لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ کے الفاظ ہیں اور لَا یَسْتَنْزِہُ مشتق ہے لَا یَسْتَبْرِءُ سے اس کا معنی ہے عضو تناسل کو کھینچ کر اندر سے پیشاب کے قطرات کو نکالنا۔ اس صورت میں مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عضو مخصوص کو کھینچ کر اچھی طرح اندر سے پیشاب کے قطرات کو نہیں نکالتا تھا بہر حال مآل اور نتیجہ دونوں عبارتوں کا ایک ہی ہے کہ وہ پیشاب سے پاکی اور

صفائی نہیں کرتا تھا اور پیشاب سے طہارت حاصل نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے اور بطلان صلوٰۃ کا سبب ہے اور یہ عذاب میں گرفتار ہونے کا سبب اور موجب ہے۔

اور اس حدیث سے اہل بدعت نے اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول چڑھانے کا جواز ثابت کیا ہے جبکہ اہل بدعت کا یہ ثبوت جواز دو وجہ سے صحیح نہیں ایک وجہ یہ ہے کہ یہ معجزہ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور نے شاخ گاڑی ہے ان کو معذب سمجھ کر اب اگر اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول چڑھانے ہیں تو دو حال سے خالی نہیں ان کو معذب سمجھا جائے گا یا نہیں۔ اگر معذب سمجھا جائے تو یہ ان کی گستاخی ہے اور اگر معذب نہ سمجھا جائے تو یہ حدیث کے خلاف ہوگا۔

لعنت کے دو کام

(۵/۳۰۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ يَتَخَلّٰى فِیْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْفِیْ ظِلِّهِمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٢٢٦حديث رقم (٦٨۔٢٦٩)۔وأخرجه أبو داوٗد في السنن ١/٢٨حديث رقم ٢٥وأخرجه أحمد في المسند ٢/٣٧٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان دو چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول وہ دو چیزیں کونسی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک تو وہ آدمی جو راستہ میں قضائے حاجت کرے دوسرا وہ آدمی جو لوگوں کی سایہ دار چیز کے نیچے پاخانہ کرے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دو امور کو رسول اللہ ﷺ نے لعنت کا موجب قرار دیا ہے۔ کہ یہ دو کام لعنت کا سبب ہیں۔ ہر انسان جس کو ان سے اذیت ہوگی تو ایسا کام کرنے والے پر لعنت کریں گے۔

① راستہ میں بول و براز کرنا۔ اس راستہ سے مراد ایسا راستہ ہے جس پر لوگ کثرت سے چلتے ہوں کیونکہ ایسے راستہ میں اگر کوئی قضائے حاجت کرے گا۔ تو اس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور کسی کو تکلیف پہنچانا درست نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایسا راستہ ہو جس پر لوگوں کا مرور نہ ہو یا کبھی کبھی اس پر لوگ چلتے ہوں۔ تو وہ راستہ اس حکم سے خارج ہے۔

② سایہ میں بول و براز کرنا۔ سایہ سے مراد ایسی چیز ہے جو سایہ دار ہو۔ چاہے درخت ہو۔ یا سائبان ہو۔ یا کوئی دیوار وغیرہ ہو۔ کہ جس کے سایہ سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہوں۔ اگر کوئی آدمی ایسی جگہ غلاظت اور نجاست پھیلائے تو اس سے لوگوں کو تکلیف اور اذیت ہوگی اور یہ مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ کسی کو اذیت اور ضرر پہنچائے۔

دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کیا جائے

(۶/۳۰۱) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمُسَّ ذَكَرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١/٢٥٣حديث رقم ١٥٣۔ ومسلم في صحيحه (٦٣۔٢٦٧)۔وأبو داوٗد ١/٣١حديث رقم ٣١ وأحمد في المسند ٥/٢٩٦۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو پانی والے برتن میں سانس نہ لے اور جب قضائے حاجت کرے تو دائیں ہاتھ سے مس ذکر نہ کرے۔ اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں تین آداب بتائے گئے ہیں ادب سے انسان باوقار بن جاتا ہے۔ اسلئے آداب کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔

① پہلا ادب یہ بتایا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی پانی پیئے تو پانی پینے کے دوران برتن میں سانس نہ لیا جائے بلکہ سانس لیتے وقت برتن کو اپنے منہ سے جدا کرے۔ تاکہ ناک سے کوئی نامناسب چیز پانی میں نہ گر پڑے۔

② دوسرا ادب یہ بتایا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی بیت الخلاء میں جائے تو وہ اس دوران اپنے آلہ تناسل کو دائیں ہاتھ سے مس نہ کرے۔ کیونکہ دائیں ہاتھ کو محترم امور میں استعمال کیا جاتا ہے اور مس ذکر بالیمین اس کے خلاف ہے۔

③ تیسرا ادب یہ ہے کہ بول و براز کرنے کے بعد دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ دایاں ہاتھ کھانے وغیرہ امور کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب اس دوران اس کو استنجاء کا تصور اور خیال آئے گا تو کراہت پیدا ہوگی۔

وضو کرتے وقت ناک کو جھاڑا جائے

(۳۰۲/۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ . (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱/۲٦۲ حدیث رقم ۱٦۱۔ ومسلم ۱/۲۱۲ حدیث رقم (۲۲۔۲۳۷) والترمذی ۱/٤۰ حدیث رقم ۲۷۔ والنسائی ۱/٦٦ حدیث رقم ۸۸۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱٤۳ حدیث رقم ٤۰۹۔ وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۱۹۱ حدیث ۷۰۳۔ وأخرجه مالك فی الموطأ ۱/۱۹ کتاب الطهارة حدیث ۳۔ وأحمد فی المسند ۲/۲۳٦۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی وضو کرے تو اس کو چاہیئے کہ وہ ناک کو بھی جھاڑے اور جو آدمی قضائے حاجت کے بعد استنجاء بالاحجار کرے تو اس کو چاہیئے کہ طاق عدد کی رعایت کرے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ استنجاء بالاحجار جائز ہے اور اس کے لئے کوئی متعین عدد ضروری نہیں۔ بلکہ اصل دارومدار ضرورت پر ہے ہاں البتہ ایتار کی رعایت رکھنا مستحب ہے اس حدیث میں اسی کو بتلایا گیا ہے۔

پیشاب نرم جگہ کیا جائے

(۳۰۳/۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَعَنَزَةً يَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۲۵۰ حدیث رقم ۱۵۰ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۲۲۷ حدیث رقم (۷۰۔۲۷۱) وأخرجه النسائی فی السنن ۱/٤۲ حدیث رقم ٤۵۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۳/۱۷۱۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا ایک برتن اور ایک برچھی لیتے تو آپ ﷺ اس پانی سے استنجاء کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ کے ساتھ

ایک خادم پانی کا برتن اٹھا کر چلتا اور دوسرا خادم ایک برچھی ساتھ لے کر چلتا۔ دونوں خادموں سے مراد حضرت بلال اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں۔ پانی لے جانے کی غرض و غایت یہ ہوتی تھی تاکہ آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اس پانی کے ساتھ استنجاء کریں اور برچھی کو ساتھ لے جانے کی تین وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ اس برچھی کے ساتھ زمین کو کھود کر نرم کر لیا جائے اور پھر اس جگہ پر پیشاب کیا جائے تاکہ جسم اور کپڑوں پر چھینٹ نہ پڑے۔ ثانی یہ کہ اس برچھی کے ساتھ بوقت ضرورت استنجاء کے لئے ڈھیلے توڑ کر مناسب مقدار میں کر لیے جائیں ثالث یہ کہ بوقت ضرورت کسی موذی چیز سے اپنا دفاع کیا جائے۔

الفصل الثانی:

بیت الخلاء جاتے وقت متبرک چیز کو ساتھ لے جانا مکروہ ہے

(۹/۳۰۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهٗ (رواہ ابوداود والنسائی والترمذی وقال هذاحدیث حسن صحیح غریب وقال ابوداود هذاحدیث منکروفی روایته) وَضَعَ بَدَلَ نَزَعَ......

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۲۵حدیث رقم ۱۹۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۴/۲۰۱حدیث رقم ۱۷۴۶۔والنسائی فی السنن ۸/۱۷۸حدیث رقم ۵۲۱۳۔وابن ماجة ۱/۱۱۰حدیث رقم ۳۰۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء کو جاتے تو اپنی انگشتری اتار دیا کرتے تھے اس حدیث کو امام ابوداؤد امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور امام ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ نیز انکی روایت میں لفظ نَزَعَ کی جگہ وَضَعَ ہے۔

تشریح ❂ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء میں جاتے تھے تو اپنی انگشتری کو اتار کر جاتے تھے کیونکہ آپ کی انگوٹھی میں محمد رسول اللہ ﷺ کا نقش تھا اور ادب کا تقاضا ہے کہ ایسے متبرک کلمات کو بیت الخلاء میں ساتھ نہ لے جایا جائے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ استنجاء کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ بیت الخلاء میں کوئی ایسی چیز ساتھ لے کر نہ جائے۔ جس پر اللہ یا قرآن یا کسی نبی کا نام وغیرہ لکھا ہوا ہو۔

حضرت علامہ ابہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر محمد ﷺ کے علاوہ بھی کسی نبی اور رسول کا نام لکھا ہوا ہو تو اس کو بھی اپنے ساتھ بیت الخلاء میں نہ لے جائے اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جب کوئی آدمی استنجاء کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ اپنے جسم سے ہر ایسی چیز کو دور کرے جو متبرک ہو۔ یا اس پر کوئی معظم نام لکھا ہوا ہو جیسے اللہ کا نام رسول کا نام قرآن کا نام یا کسی فرشتے کا نام۔

حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اگرچہ اس حدیث کے بارے میں کلام کیا ہے۔ لیکن دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بطور استدلال کے پیش کیا جا سکتا ہے۔

قضائے حاجت کے لئے دور جانا چاہیے

(۱۰/۳۰۵) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ اَحَدٌ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی سننه ۱/۱۴۔ حدیث رقم ۲۔وأخرجه ابن ماجة ۱/۱۲۱حدیث رقم۳۳۵وروا ه الترمذی عن المغیرة ،

بن شعبة ۱/۳۱حدیث رقم ۲۰۔و کذلك الدارمی ۱/۱۷۶۔حدیث رقم ۶۶۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے باہر صحراء میں جاتے تو بہت دور تشریف لے جاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو کوئی نہ دیکھتا۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے صحراء میں جانے کا ارادہ کرتے تو بہت دور تشریف لے جاتے تاکہ آپ کو کوئی دیکھ نہ لے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کے لئے صحراء اور جنگل میں اتنا دور جانا چاہئے کہ انسان دوسرے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جائے۔

پیشاب کے لئے نرم جگہ تلاش کی جائے

(۳۰۶/۱۱)وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ فَاَرَادَ اَنْ یَّبُوْلَ فَاَتٰی دَمِثًا فِیْ اَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّبُوْلَ فَلْیَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/۱۵ حدیث رقم ۳۔وأحمد فی المسند ۴/۳۹۶۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ نے پیشاب کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ ایک دیوار کی جڑ یعنی اس کے قریب پہنچے اور نرم زمین تلاش کر کے وہاں پیشاب کیا۔ پیشاب سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پیشاب کے لئے نرم زمین تلاش کرے اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ایک دیوار کے قریب نرم زمین تلاش کر کے پیشاب کیا اور امت کو بھی حکم دیا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ نرم جگہ تلاش کرے تاکہ پیشاب کی چھینٹ جسم اور کپڑوں پر نہ پڑے۔ بظاہر اس حدیث پر ایک اشکال ہے کہ یہ دیوار کسی کی ملکیت ہوگی اور اس کی جڑ میں پیشاب کرنا ضرر اور ایذاء رسانی سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس سے دیوار کی مٹی کو شور لگ جاتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی جڑ میں پیشاب کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ دیوار کسی کی ملکیت نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دیوار کسی کی مملوک ہو اور مالک کی جانب سے اجازت ہو آگے اجازت عام ہے چاہے حقیقۃً ہو یا حکما ہو۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

قضائے حاجت کے وقت زمین کے قریب ہو کر کشف عورت کیا جائے

(۳۰۷/۱۲)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ یَرْفَعْ ثَوْبَهٗ حَتّٰی یَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ ۔

(رواہ الترمذی وابوداود والدارمی)

أخرجه الترمذی ۱/۲۱ وأخرجه أبو داؤد عن ابن عمر ۱/۲۱ حدیث رقم ۱۴ والدارمی ۱/۱۷۸ حدیث رقم ۶۶۶۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ کرتے تھے۔ تو جب تک بیٹھتے وقت زمین کے قریب نہ ہو جاتے۔ اپنے ستر سے کپڑا نہ اٹھاتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کے وقت زمین کے قریب ہو جاتے تو تب کشف عورت کرتے تھے اس حدیث میں

بھی قضائے حاجت کے وقت کا ایک ادب بیان کیا گیا ہے کہ انسان طبعا حیا کا پیکر ہے اور اس شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت کے بغیر کشف عورت نہ کرے۔ جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو زمین کے قریب ہو کر کشف عورت کرے یہی رسول اللہ ﷺ کا مزاج اور عادت شریفہ تھی اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے سے پہلے کھڑے کھڑے کشف عورت جائز نہیں چاہے صحراء میں ہو یا بنیان میں۔ اس حدیث سے علماء نے دو مسائل کا استنباط کیا ہے ایک یہ الضرورۃ تبیح المحظورات دوم یہ کہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ۔

رسول اللہ ﷺ کی شفقت

(۱۳/۳۰۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُکُمْ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَاَمَرَ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ وَنَهٰی عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰی اَنْ یَّسْتَطِیْبَ الرَّجُلُ بِیَمِیْنِهٖ ۔ (رواہ ابن ماجۃ والدارمی)

أخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۱۱٤ حديث رقم ۳۱۳۔ وأخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۱۸ حديث رقم ۸ وأخرجه النسائي في السنن ۱/۳۸ حديث رقم ٤۰۔ وأحمد بالفاظ متقاربة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شفقت اور نصیحت کے اعتبار سے میں تمہارے لئے ایسے ہوں جیسے باپ بیٹے کے لئے ہوتا ہے چنانچہ میں تمہیں یہ تعلیم دیتا ہوں کہ تم قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف استقبال اور استدبار نہ کرو اور استنجاء بالاحجار کی صورت میں تین پتھر استعمال کرنے کا حکم دیا۔ لید اور ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کیا اور اسی طرح دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجاء کرنے سے بھی منع کیا اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں بھی آداب استنجاء کو بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی نصیحت اور شفقت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کا جوامت کے ساتھ خصوصی تعلق ہے اس کو تمثیلی انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح باپ تعلیم وتربیت کے اعتبار سے اپنی اولاد کے لئے ناصح اور شفیق ہوتا ہے اسی طرح آپ ﷺ ناصح اور شفیق ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اولاد پر لازم ہے کہ وہ باپ کی اطاعت کرے اور والد پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو تربیت اور آداب کی تعلیم دے۔

دایاں ہاتھ مکرم اور بایاں مکروہ امور کے لئے استعمال ہو

(۱۴/۳۰۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْیُمْنٰی لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَکَانَتْ یَدُهُ الْیُسْرٰی لِخَلَائِهٖ وَمَا کَانَ مِنْ اَذًی ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۳۲ حديث رقم ۳۳۔ وأحمد في مسنده ٦/۲٦۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دایاں ہاتھ وضو کرنے اور کھانے کے لئے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاء کرنے کے لئے اور ہر مکروہ کام کے لئے استعمال ہوتا تھا اس حدیث کو امام ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ سے ان امور کو سرانجام دیتے تھے جو کہ متبرک اور مکرم ہوں مثلاً وضو کرنا' کھانا کھانا' ہدیہ کرنا' صدقہ اور خیرات کرنا' علی ہذا القیاس اور جو امور مکروہ یا ناپسندیدہ ہوتے تھے ان کو بائیں ہاتھ سے سرانجام دیتے تھے جیسے استنجاء

کرنا، ناک جھاڑنا علی ہذا القیاس اس حدیث کے مفہوم سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وضو کرتے وقت ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے ڈالتے ہوں گے اور ناک کو بائیں ہاتھ سے جھاڑتے ہوں گے اور صاف کرتے ہوں گے یہی آداب ہیں ان کو اپنانا چاہئے مگر افسوس در افسوس کہ موجودہ زمانہ میں دین سے اس قدر دوری ہے کہ ماڈرن اور فیشن ایبل لوگوں نے اسلامی آداب کو ترک کر دیا۔ بائیں ہاتھ میں کتاب پکڑتے ہیں اور دائیں ہاتھ میں جوتا پکڑتے ہیں۔ اسلامی آداب کو چھوڑنا لوگوں نے اپنا فیشن بنالیا ہے اور یہ بیماری موجودہ زمانے میں لوگوں کے اندر بہت سرایت کر چکی ہے۔

یہ شریعت مطہرہ کے آداب اور احکام اور مزاج شریعت سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے ضلالت اور ہوسکے جال میں پھنس کر غفلت کا شکار ہیں۔

استنجاء میں تین پتھر کفایت کر جاتے ہیں

(۳۱۰/۱۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهٗ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ يَسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ۔ (رواہ ابوداود والنسائی والدارمی)

أخرجه أحمد في المسند ٦/١٠٨ وأبوداوٗد في السنن ١/٣٧ حديث رقم ٤٠ والنسائي في السنن ١/٤٢ حديث رقم ٤٤۔ والدارمي في السنن ١/١٨٠ حديث رقم ٦٧٠۔ وأخرجه الدارقطني في السنن ١/٥٤ باب الاستنجاء حديث ٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی قضائے حاجت کے لئے جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے ان کے ساتھ استنجاء کرے۔ کیونکہ تین پتھر استنجاء کے لئے کافی ہوتے ہیں اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں استنجاء کے وقت تین پتھر استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے لئے پتھروں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں ہے بلکہ اصل مقصد تو طہارت حاصل کرنا ہے اور تین پتھروں سے عموماً صفائی اور طہارت حاصل ہو جاتی ہے اس لئے تین کا ذکر کیا گیا ہے اگر استنجاء بالاحجار سے طہارت اچھی طرح حاصل ہو جائے تو اس کے بعد استنجاء بالماء کی بھی ضرورت نہیں ہاں البتہ استنجاء بالماء مستحب ضرور ہے۔

جنات کی خوراک سے استنجاء نہ کرو

(۳۱۱/۱۶) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّهٗ زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ (رواہ الترمذی والنسائی الا انه لم یذکر) زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ

أخرجه الترمذي في السنن ١/٢٩ حديث رقم ١٨ والنسائي في السنن ١/٣٧ حديث رقم ٣٩۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم لوگ لید اور ہڈی کے ساتھ استنجاء نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ امام نسائی نے زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔

تشریح ❁ رسول اللہ ﷺ کی شریعت مطہرہ میں جس طرح انسان احکام شرعیہ کے مخاطب ہیں اسی طرح جنات بھی مخاطب ہیں اور آپ ﷺ نے جس طرح انسانوں کی دینی اور دنیاوی اعتبار سے راہنمائی فرمائی ہے بالکل اسی طرح جنات کی بھی راہنمائی فرمائی ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے لید اور ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ لید ان کے جانوروں کے لئے خوراک ہے اور ہڈی خود جنات کے لئے غذا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہڈی کو ان کے لئے پُر گوشت بنا دیتا ہے۔

ڈاڑھی کو گرہ لگانے اور تانت باندھنے پر وعید

(۳۱۲/۱۷) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِيْ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ اَوْتَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِاسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَآبَّةٍ اَوْعَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِیْءٌ. (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/ ۳٤ حديث رقم ۳٦ والنسائی فی السنن ۸/ ۱۳۵ حديث رقم ۵۰٦۷۔

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابت ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا اے رویفع۔ شاید کہ میرے بعد تمہاری زندگی دراز ہو۔ لہٰذا تم لوگوں کو خبردار کرنا کہ جس شخص نے اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائی یا گلے میں تانت باندھی۔ یا لید' گوبر اور ہڈی سے استنجاء کیا۔ تو محمد ﷺ اس سے بیزار ہیں اس حدیث کو امام ابوداوٗد ؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت رویفع کو ایک خاص طریقہ سے مخاطب کیا اور اس مخصوص انداز کے ساتھ مخاطب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ میری رحلت کے بعد تمہاری زندگی دراز ہو اور دیگر لوگوں کو دیکھو کہ وہ معصیت' ضلالت' بدعات اور رسومات میں مبتلا ہوں تو ان کو چار امور سے منع کر دینا۔

① ڈاڑھی کو گرہ لگانے سے۔ ② گلے میں تانت باندھنے سے۔

③ لید اور گوبر کے ساتھ استنجاء کرنے سے۔ ④ ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے۔

داڑھی کو گرہ لگانا:

ڈاڑھی کو گرہ لگانے کی تین صورتیں ہیں:

① اکثر علماء کے نزدیک ڈاڑھی کو گرہ لگانے سے مراد یہ ہے کہ تدبیر اور تکلیف کے ساتھ ڈاڑھی کے بالوں کو گھنگھریالے کرنا۔ چنانچہ اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ عمل سنت کے خلاف ہے سنت طریقہ یہ ہے کہ ڈاڑھی کے بالوں کو سیدھا چھوڑا جائے۔

② بعض علماء کے نزدیک ڈاڑھی کو گرہ لگانے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی عادت یہ تھی کہ دوران جنگ اپنی ڈاڑھی کے بالوں کو گرہ دے لیتے تھے۔ اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت کو مستلزم ہے۔

③ بعض اہل علم کے نزدیک ڈاڑھی کو گرہ دینے سے مراد یہ ہے کہ عجمی لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگاتے تھے اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر اور تبدل کو مستلزم ہے۔

تانت باندھنا:

اس حدیث میں وَتَر یعنی تانت باندھنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں۔

① وَتَر۔ یعنی تانت باندھنے سے مراد یہ ہے کہ لوگ نظر اور آفات و مصائب سے بچنے کے لئے بطور حفاظت تعویذ اور گنڈے وغیرہ بچوں اور گھوڑوں کے گلے میں باندھ لیتے تھے۔ اس سے منع کیا گیا۔

② بعض علماء کے نزدیک وَتَر یعنی تانت سے مراد ڈورے ہیں جن میں کافر لوگ گھنٹی اور گھنگرو وغیرہ باندھ کر لٹکاتے تھے۔

④ وتر باندھنے سے مراد کمان کی تانت ہے جس کو لوگ گھوڑے کے گلے میں ڈالتے تھے تاکہ نظر بد سے محفوظ اور مامون رہے۔ ان تمام سے رسول اللہ نے منع کیا ہے کیونکہ یہ عمل کفار کے ساتھ مشابہت کو مستلزم ہے اسی لئے تو آپ ﷺ نے براءت کا اظہار کیا۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان چھوٹی چھوٹی رسومات پر براءت کا اعلان کیا ہے جو کہ حقیقت میں کبائر میں بھی شامل نہیں ہیں۔ تو اس کے مقابلے میں ان بڑی بڑی رسومات کے بارے میں غور و فکر کیجئے جن میں شومی قسمت کہ آج مسلمان مبتلا ہیں اور ان کا تعلق کبیرہ گناہوں سے ہے اور ایسے لوگوں سے کتنی نفرت ہوگی اور ان کا کیا اور کیسا انجام ہوگا۔

شیطان انسان کی مقعد کے ساتھ کھیلتا ہے

(۳۱۳/۱۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اكْتَحَلَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْاَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْیَلْفِظْ وَمَا لَاكَ بِلِسَانِهٖ فَلْیَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَتَی الْغَائِطَ فَلْیَسْتَتِرْ فَاِنْ لَمْ یَجِدْ اِلَّا اَنْ یَّجْمَعَ كَثِیْبًا مِنْ رَمْلٍ فَلْیَسْتَدْبِرْهُ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِیْ اٰدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ۔

(رواہ ابوداود وابن ماجہ والدارمی)

أخرجه أبو داوٗد ۱/۳۳حدیث رقم ۳۵وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۲۱حدیث رقم ۳۳۷والدارمی فی السنن ۱/۱۷۷حدیث رقم ۶۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی سرمہ لگائے تو اس کو چاہئے کہ طاق کی رعایت رکھتے ہوئے لگائے جس نے اس طرح کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے اس طرح نہ کیا تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ اس میں کوئی گناہ نہیں اور جو آدمی استنجاء بالاحجار کرے تو اس کو چاہئے کہ طاق کی رعایت رکھے۔ جس نے ایسا کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں اور جو آدمی کوئی چیز کھائے اور جو چیز خلال کے ذریعہ سے نکالے تو اس کو چاہیے کہ اس کو پھینک دے اور جو زبان کے ساتھ نکالے تو اس کو چاہئے کہ نگل لے۔ جس نے ایسا کر لیا تو اس نے اچھا کیا اور جو ایسا نہ کرے تو اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں اور جو آدمی قضائے حاجت کے لئے جائے تو اسکو چاہئے کہ پردہ کرے۔ اگر پردہ کرنے کیلئے کوئی اور چیز نہ ملے۔ تو کم از کم ریت جمع کر کے اس کا تودہ بنالے اپنے پیچھے کی طرف۔ اس لئے کہ شیطان انسان کی مقعد کے ساتھ کھیلتا ہے۔ جس نے اس طرح کیا تو اس نے اچھا کام کیا ہے اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں اس حدیث کو امام ابوداودؒ اور امام ابن ماجہؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے چند آداب بتائے ہیں کہ جس شخص نے ان آداب کی رعایت کی اس نے اچھا کام کیا اور جس نے اس طرح نہ کیا تو اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔

① آنکھوں میں طاق کی رعایت کے ساتھ سرمہ لگانا اس کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تین سلائیاں ایک آنکھ میں لگائے اور تین سلائیاں دوسری آنکھ میں لگائے یہی صورت بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے دوم یہ کہ تین سلائیاں دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائیاں بائیں آنکھ میں لگائے۔ سوم یہ کہ پہلے دو سلائیاں دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائیاں بائیں آنکھ میں لگائے اور اس کے بعد پھر ایک سلائی دائیں آنکھ میں لگائے ابتداء اور اختتام دونوں دائیں آنکھ سے ہوں۔ یہ عمل مستحب ہے۔ اگر

ایسا کرلیا تو بہتر ورنہ کوئی حرج اور گناہ نہیں۔

⑥ استنجاء بالاحجار کی صورت میں طاق کی رعایت کی جائے جس نے استنجاء بالاحجار کی صورت میں ایتار کی رعایت کی تو اس نے اچھا کام کیا اگر اس کی رعایت نہ کی تب بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں اور اس سے امام صاحب کے مذہب کی تائید اور تقویت ہوتی ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک استنجاء بالاحجار کی صورت میں کوئی خاص تعداد واجب اور ضروری نہیں ہے دارومدار صفائی اور طہارت پر ہے ہاں البتہ ایتار کا لحاظ مستحب ہے۔

⑦ اگر کسی آدمی نے کھانا کھایا اور کھانا کھانے کے بعد اگر دانتوں سے خلال کے ساتھ کوئی چیز نکالی تو اس کو پھینک دینا مستحب ہے اس لئے خلال کی صورت میں اکثر مسوڑھوں سے خون نکلنے کا قوی امکان ہوتا ہے اس لئے پھینک دینا بہتر ہے تاکہ خون اندر نہ جائے اور اگر زبان کے ساتھ نکالا جائے تو اس کو نگل لیا جائے کیونکہ اس صورت میں خون نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور مذکورہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ خون نکلنے کا یقین نہ ہو اور اگر خلال کی صورت میں خون نکلنے کا یقین ہو۔ تو اس صورت میں پھینک دینا واجب اور ضروری ہے۔

⑧ جو آدمی قضائے حاجت کے لئے جائے۔ اس کو اس دوران باپردہ ہو کر بیٹھنا چاہئے۔ تاکہ اس کو کوئی دیکھ نہ سکے اگر اس کو پردہ کے لئے کوئی چیز میسر نہ ہو نہ ہی باپردہ جگہ ملے اور نہ ہی اپنے پاس پردہ کے لئے کوئی کپڑا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس صورت میں اپنے پیچھے ریت کا ایک تودہ جمع کرلے اور اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ جائے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی قضائے حاجت کے دوران تستر کا خیال نہ کرے تو اس دوران شیطان اس کی مقعد کے ساتھ کھیلتا ہے کھیلنے سے مراد یہ ہے کہ شیطان اس آدمی کے متعلق دل میں وساوس ڈالتا ہے اور اس بات پر برانگیختہ کرتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کو دیکھیں کہ جو بغیر پردہ کے بیٹھا ہوا ہے اور قضائے حاجت میں مصروف ہے اور پردہ نہ کرنے سے یہ نقصان اور اذیت بھی ہوسکتی ہے کہ جب ہوا چلے تو پیشاب کی چھینٹوں سے جسم اور کپڑے آلودہ ہو جائیں اور اس کے آخر میں بھی حسب سابق یہ بتایا گیا ہے کہ جس نے اس طرح کرلیا اس نے اچھا کام کیا۔ اگر ایسا نہ کیا تو اس میں بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔ بہرحال پردہ کرنا ہر حال میں بہتر ہے ہاں البتہ اگر اس امر کا یقین ہو کہ لوگ اس کو دیکھیں گے۔ تو اس صورت میں پردہ کرنا لازم اور ضروری ہے اگر اس کے باوجود اہتمام نہ کیا جائے تو گناہ گار ہوگا۔

اور اگر کوئی آدمی اضطراری اور مجبوری کی حالت میں بغیر پردہ کے بیٹھ جائے۔ تو اس صورت میں دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ اس کی طرف نہ دیکھیں۔ اس کے باوجود کسی نے قصداً دیکھا تو دیکھنے والا گناہ گار ہوگا۔ مجبوری سے مراد یہ ہے کہ پردہ کا اہتمام اور انتظام ممکن نہ ہو اور اس کو غائط کی شدید حاجت ہو۔

بول فی المغتسل سے وسواس پیدا ہوتے ہیں

(۱۹/۳۱۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ مُسْتَحَمِّهٖ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْيَتَوَضَّأُ فِيْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ (رواه ابوداود والترمذی والنسائی) اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْيَتَوَضَّأُ فِيْهِ.

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲۹/۱ حدیث رقم ۲۷۔ وابن ماجة ۱۱۱/۱ حدیث رقم ۳۰۴۔ وأخرجه النسائی ۳٤/۱ حدیث

رقم ٣٦۔ والترمذی ١/ ٣٢حدیث رقم ٢١ ولم یذکر "ثم یغتسل"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی آدمی اپنے غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے۔ جس میں پھر غسل کرے یا وضو کرے یعنی عقل مند انسان ایسا نہیں کر سکتا کہ غسل خانہ میں پیشاب کرے پھر وہیں غسل اور وضو کرے۔ کیونکہ اس سے اکثر وساوس پیدا ہوتے ہیں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے ترمذی اور امام نسائی نے ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ اَوْیَتَوَضَّأُ فِیْهِ۔ کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غسل خانہ کے اندر پیشاب کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے جگہ ناپاک ہو جاتی ہے۔ اس جسم پر چھینٹے پڑنے کا قوی امکان ہے یہی مراد ہے وسوسہ سے اور اگر اس خلجان اور تردد کو ختم نہ کیا جائے تو اس سے دل میں مستقل وسوسہ اور قلق پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں البتہ اگر غسل خانہ ایسی جگہ میں واقع ہو جہاں چھینٹے پڑ کر جسم آلود ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً زمین ریگستان ہو یا بن کی نالی بنی ہوئی ہو پیشاب نکل جائے وہاں ٹھہرے نہیں ایسی جگہ میں پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ مکروہ تحریمی۔

سوراخ میں پیشاب کرنا منع ہے

(۳۱۵/۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ جُحْرٍ۔

(رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ١/ ٣٠حدیث رقم ٢٩ والنسائی فی السنن ١/ ٣٣حدیث رقم ٣٤ وأخرجه أحمد فی المسند ٥/ ٨٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی آدمی کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ سوراخ میں کوئی موذی چیز کیڑا مکوڑا، سانپ اور بچھو وغیرہ ہو۔ جب سوراخ میں پیشاب کیا جائے گا تو ممکن ہے کہ کوئی چیز اندر سے نکل کر تکلیف اور اذیت پہنچائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سوراخ کے اندر کوئی ضعیف اور کمزور جانور ہو پیشاب کی وجہ سے اس کو اذیت ہو یہ بھی مناسب نہیں۔

اور بعض علماء نے سوراخ کے اندر پیشاب کے ممنوع ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سوراخ میں جنات ہوں اور وہ نکل کر اس کو تکلیف پہنچائیں اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ انصاری خزرجیؓ کی وفات کا واقعہ کچھ اسی طرح ہے کہ انہوں نے ایک سوراخ میں پیشاب کر دیا تھا اور اس میں جنات تھے اور انہوں نے ان کو تکلیف پہنچائی تھی۔ جب لوگ ان کو تلاش کر رہے تھے تو جنات نے یہ شعر پڑھا تھا۔

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادة ☆ ورمیناہ بسهمین فلم نخط فوادہ

''ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا۔ ہم نے ان کو دو تیر مارے اور ان کے دل کو نشانہ بنانے میں ہم نے خطا نہیں کی''۔

ہاں البتہ اگر کوئی سوراخ پیشاب کرنے کے لئے متعین ہو تو اس میں پیشاب کرنا منع نہیں ہے۔

لعنت کے کاموں سے بچو

(۲۱/۳۱۶)وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِتَّقُوا الْمَلَا عِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ . (رواہ ابو داود و ابن ماجۃ)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۲۸ حديث رقم ۲۶۔ وابن ماجة في السنن ۱/۱۱۹ حديث رقم ۳۲۸۔

ترجمہ: حضرت معاذؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم تین امور سے بچو جو کہ لعنت کا سبب ہیں پانی کے گھاٹ پر بول و براز کرنے سے، راستہ کے اندر پیشاب کرنے سے اور سایہ میں پیشاب کرنے سے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین امور کو لعنت کا سبب اور ذریعہ قرار دیا ہے کہ ان تین امور سے بچو:

① گھاٹ میں بول و براز کرنا' موارد سے مراد یا تو وہ جگہیں ہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یا موارد سے مراد پانی کی گھاٹ ہے۔ تو ایسی جگہ پر بول و براز سے منع کیا گیا ہے۔

② لوگوں کی گزرگاہ یعنی راستہ پر پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

③ سایہ دار چیز کے نیچے بھی بول و براز سے منع کیا گیا ہے۔ ان تین مقامات میں بول و براز کرنا لعنت کا سبب ہے۔ کیونکہ ان تین جگہوں سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں جب ان جگہوں میں کوئی بول و براز کرے گا۔ یقیناً لوگ اس پر طعن و تشنیع کریں گے اور لعنت کریں گے کیونکہ اس سے ان کے سکون' استراحت میں فساد اور خلل آتا ہے۔

قضائے حاجت کے وقت گفتگو مکروہ ہے

(۲۲/۳۱۷)وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا يَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلٰى ذٰلِكَ. (رواہ احمد وابو داود وابن ماجۃ)

أخرجه أحمد في المسند ۳/۳۶ وأخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۲۲ حديث رقم ۱۵ وابن ماجة في السنن ۱/۱۲۳ حديث ۳۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو آدمی قضائے حاجت کے لئے اس طرح ساتھ نہ جائیں کہ دونوں اپنی شرم گاہ کو کھول کر باتیں کریں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی قضائے حاجت کا ایک ادب بتایا گیا ہے وہ یہ کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے یہ بات حرام ہے کہ قضائے حاجت کے وقت ایک دوسرے کے سامنے اپنی شرم گاہوں کو کھولیں اور ایسی حالت میں ایک دوسرے سے گفتگو اور کلام کرنا بھی منع ہے۔ ایسی حالت پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے اور اس مقام پر اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بدقسمتی سے اس زمانہ میں خواتین کے اندر بہت سی بے احتیاطیاں پائی جاتی ہیں اور عورتوں کی عموماً یہ بھی ایک عادت شریفہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے سامنے ستر کھولنے کو قطعاً معیوب نہیں سمجھتیں۔ خصوصاً غسل اور قضائے حاجت کے وقت ایسی شرمناک حرکت ان کے مزاج عالی میں بالکل غیر معمولی ہوتی ہے۔ لہٰذا خواتین اسلام کو مذکورہ حدیث پر اچھی طرح غور و فکر کرنا چاہئے تاکہ اس نامناسب حرکت سے بالکل باز آجائیں، کیونکہ ایسے شرم وحیاء کے منافی امور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

شرح السنہ میں مذکور ہے کہ قضائے حاجت اور جماع کے وقت ذکر لسانی سے مکمل احتراز کیا جائے۔ ہاں البتہ ذکر قلبی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بوقت بیت الخلاء دعا پڑھنا مسنون ہے

(۲۳/۳۱۸) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضِرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ۔ (رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ١/١٦ حديث رقم ٦۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ١/١٠٨ حديث رقم ٢٩٦ وأخرجه أحمد فی المسند ٤/٣٦٩۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیت الخلاء میں شیاطین اور جنات حاضر ہوتے ہیں۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو یہ دعاء پڑھے۔

تشریح ۞ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ۔ یعنی میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں مذکر اور مؤنث شیاطین سے اس حدیث کو امام ابو داؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں بھی قضائے حاجت سے متعلق ایک اداب بتایا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی قضائے حاجت کے لئے بیت......لاء جائے تو یہ دعا پڑھے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ۔ کیونکہ ایسی جگہوں میں شرارتی جنات ہوتے ہیں اور انسان کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ جب یہ دعا پڑھ لی جائے گی تو شرارتی جنات سے انسان اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں ہو جائے گا۔

اس سے پہلے بیت الخلاء کی دعا کے الفاظ اس طرح گزرے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ۔ ان دونوں دعاؤں میں کوئی تعارض نہیں مآل دونوں کا ایک ہے۔ کبھی ایک پڑھ لی جائے اور کبھی دوسری پڑھ لی جائے۔

بسم اللہ شیطان کی آنکھ اور انسان کی شرمگاہ کے درمیان پردہ ہے

(۲۴/۳۱۹) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَتْرُ مَا بَيْنَ اَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِيْ اٰدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ اَنْ يَّقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ . (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب واسناده ليس بقوی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢/٥٠٤ حديث رقم ٦٠٦ وقال حديث غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه ـ وابن ماجة ١/١٠٩ حديث رقم ٢٩٨۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی آدمی بیت الخلاء میں داخل ہو تو جنات کی آنکھوں اور انسان کی شرم گاہ کے درمیان پردہ یہ ہے کہ وہ کہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند مضبوط نہیں ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث مین قضائے حاجت کا ایک اور ادب بیان کیا گیا ہے کہ جب آدمی بیت الخلاء میں جاتا ہے اور وہاں کشف عورت کر کے بیٹھتا ہے اور شرارتی جنات اس کی شرم گاہ کو دیکھتے ہیں اور اس کی مقعد کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں لیکن جب انسان بِسْمِ

اللّٰہِ پڑھ لیتا ہے تو شیاطین اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی انسان بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے لئے جائے تو پہلے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ لے اور پھر یہ دعا پڑھ لے۔
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ دونوں کو جمع کر لینا افضل ہے۔ لیکن دونوں میں سے کسی ایک کو بھی پڑھ لیا جائے تو سنت کی ادائیگی ہو جائے گی یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف اور کمزور ہے مگر فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو معتبر مانا گیا ہے۔

بیت الخلاء سے خارج ہونے کی دعا

(۳۲۰/۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَكَ.

(رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۱۲حدیث رقم۷ وقال حسن غریب۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۱۱۰حدیث رقم ۳۰۰۔ وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/ ۱۸۳حدیث رقم ۶۸۰ وأخرجه أبو داؤد ۱/ ۳۰حدیث رقم ۳۰ وأحمد فی المسند ۶/ ۱۵۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ غُفْرَانَكَ۔ اے اللہ میں تیری بخشش مانگتا ہوں۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ، امام ابن ماجہؒ اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے: غُفْرَانَكَ۔

بظاہر یہاں استغفار کا کوئی موقع نہیں ہے۔ علماء کرام نے اس کی متعدد وجوہات لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتے تھے اور قضائے حاجت کے دوران یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا تھا۔ اس انقطاع ذکر پر استغفار کیا کرتے تھے دوسری وجہ یہ ہے کہ جب انسان کوئی غذا استعمال کرتا ہے تو وہ معدہ میں جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک حصہ خون بن جاتا ہے یہ جزو بدن بنتی ہے جس سے جسم میں طاقت پیدا ہوتی ہے اور دوسرا حصہ فضلہ بن جاتا ہے اور بول و براز کی شکل میں خارج ہو جاتا ہے اگر اس پر غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ قدرت الٰہی کا بہت بڑا انعام ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے شکر کا حق کما حقہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ اس شکرانہ کی کوتاہی پر استغفار کرتے تھے۔
تیسری وجہ بعض مشائخ نے یہ بتائی ہے کہ انسان جب قضائے حاجت کرتا ہے تو انسان اپنی کمزوری اور احتیاجگی کا احساس کرتا ہے کہ انسان تو نجاستوں کا مجموعہ ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا تصور کرتا ہے اور یہ تصور اور احساس استغفار کا موجب ہے۔
بعض احادیث میں خروج خلاء کے وقت ایک دوسری دعا بھی منقول ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔
تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے مجھ سے اذیت کو دور کیا اور مجھے عافیت دی افضل یہ ہے کہ ان دونوں کو پڑھ لے اگر کوئی ایک دعا بھی پڑھ لی تو درست ہے۔

قضائے حاجت کے بعد پانی کے ساتھ استنجاء کرنا

(۳۲۱/۲۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ اَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِيْ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰى

ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِإِنَاءٍ آخَرَ فَتَوَضَّأَ. (رواه ابوداود وروى الدارمى والنسائى معناه)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ۱/۳۹ حديث رقم ٤٥ وأخرجه ابن ماجة مختصراً ۱/۱۲۸ حديث رقم ۳٥۸ والدارمى ۱/۱۸۳ حديث ٦٧٨۔ والنسائى ۱/٤٥ حديث رقم ٥٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء کے لیے تشریف لے جاتے تو میں آپ کے لئے ایک برتن یا چمڑے کے چھاگل میں پانی لاتا تھا۔ آپ اس سے استنجاء کرتے۔ پھر ہاتھ کو زمین پر رگڑتے۔ پھر اس کے بعد میں پانی کا دوسرا برتن لاتا آپ اس سے وضو کرتے۔ اس حدیث کو امام ابوداودؒ نے روایت کیا ہے اور اسی کے ہم معنی روایت امام دارمیؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے پانی کے ساتھ استنجاء کرتے تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ خود پانی لا کر دیتے تھے۔ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ: اس جملہ میں لفظ او شک کے لئے ہے۔ جس راوی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث نقل کی ہے اس کو شک ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے تَوْرٍ کا لفظ فرمایا یا رَكْوَةٍ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ او تنویع کے لئے ہے۔ یعنی نوع کو بیان کرنے کیلئے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کبھی تو پانی تور میں لاتا تھا اور کبھی رکوہ میں لاتا تھا۔

تَوْرٍ۔ پیتل یا پتھر کا چھوٹا سا پیالہ نما برتن ہے کھانا کھانے کے لئے استعمال ہوتا تھا اور ضرورت کے وقت وضو کے پانی بھر کر اس سے وضو کیا جاتا تھا۔

اور رَكْوَةٍ چمڑے کی چھاگل کو کہتے ہیں۔ استنجاء کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ زمین پر ہاتھ رگڑ کر دھوتے تھے تا کہ ہاتھ سے رائحہ کریہہ ختم ہو جائے اور ہاتھ اچھی طرح صاف اور پاک ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کے بعد اس طرح اہتمام کے ساتھ ہاتھ دھونا مسنون ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ باقی ماندہ وضو کے لیے دوسرے برتن میں پانی لاتے تھے اور یہ یاد رہے کہ دوسرے برتن میں پانی لانا اس وجہ سے نہیں ہوتا تھا کہ استنجاء کے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز نہیں بلکہ دوسرے برتن میں پانی لانا اس وجہ سے ہوتا تھا۔ کہ پہلے برتن میں صرف استنجاء کی ضرورت کے لیے پانی ہوتا تھا اس لیے وضو کے لیے دوسرے برتن میں پانی لانے کی ضرورت ہوتی تھی اس حدیث سے بعض علماء مجتہدین نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ استنجاء اور وضو کے لیے الگ الگ دو برتنوں میں پانی کا ہونا مستحب ہے، کیونکہ اس میں طہارت اور نظافت زیادہ ہے۔

شرمگاہ پر پانی چھڑکنا

(۳۲۲/۲۷) وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَهُ. (رواه ابوداود والنسائى)

أخرجه أبو داوٗد ۱/۱۱۷ حديث رقم ١٦٦۔ والنسائى ۱/٨٦ حديث رقم ١٣٤ وابن ماجة ۱/۱٥٧ حديث رقم ٤٦١۔ وأحمد فى المسند ۳/٤١٠۔

ترجمہ: حضرت حکم بن سفیانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کر چکتے تو وضو کرتے اور اپنی شرم گاہ پر پانی چھڑک دیتے تھے اس حدیث کو امام ابوداودؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے عمل سے وساوس کو ختم کرنے کے لیے ایک نسخہ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ آپ ﷺ وضو

کرنے کے بعد وساوس کے ازالہ کے لئے اپنی شرم گاہ پر پانی چھڑک دیتے تھے تاکہ پیشاب کے قطرات کے خروج کا وہم دور ہو جائے اور یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کا یہ عمل امت کی تعلیم اور تربیت کے لیے تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس وسوسہ سے پاک اور منزہ تھی معلوم ہوا کہ آپ کا یہ عمل امت کے لیے تھا کہ شرم گاہ پر پانی چھڑک لیا جائے۔ کیونکہ اگر پانی کے چھینٹے نہ مارے جائیں اور شرم کی جگہ کے اوپر رطوبت کا احساس ہو تو اس سے پیشاب کے قطروں کا احساس ہوگا اور پانی چھڑک لینے سے اطمینان قلب حاصل ہو جائے گا کہ یہ رطوبت اس پانی کا اثر ہے۔

حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ وضو کے بعد ستر پر پانی چھڑکنے کی ایک وجہ تو وہی ہے کہ اس سے پیشاب کے قطرات کے خروج کا وہم زائل ہو جائے گا اور دوسرا فائدہ اس کا یہ ہے کہ اس سے پیشاب کے قطرات کا خارج ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

رات کو برتن میں پیشاب کرنا

(۲۸/۳۲۳) وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَدَحٌ مِنْ عِيْدَانٍ تَحْتَ سَرِيْرِهٖ يَبُوْلُ فِيْهِ بِاللَّيْلِ۔ (رواہ ابو داود والنسائی)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/ ۲۸ حديث رقم ۲٤ ـ وأخرجه النسائي في السنن ۱/ ۳۱ حديث رقم ۳۲ ـ

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے لکڑی کا پیالہ تھا۔ جو آپ کی چارپائی کے نیچے رکھا رہتا تھا۔ آپ ﷺ رات کو اس میں پیشاب کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رحمۃ للعالمین کا یہ عمل ذکر کیا گیا ہے کہ آپ رات کے وقت لکڑی کے ایک برتن میں پیشاب کرتے تھے۔ چونکہ رات کے وقت بعض مرتبہ باہر نکلنا مشکل ہوتا ہے آپ ﷺ نے ایک برتن اس کے لیے مخصوص کر لیا تھا آپ بوقت ضرورت اس میں پیشاب کرتے تھے اس عمل سے درحقیقت امت کو تعلیم وتربیت اور آسانی مقصود ہے۔ کہ اگر کسی کو رات کے وقت پیشاب آ جائے اور سردی یا خوف وغیرہ کی وجہ سے باہر نکلنا مشکل ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ کسی برتن کو اس کے لیے خاص کر لے اور اس میں پیشاب کر کے صبح کو باہر پھینک دے امت کیلئے یہ تعلیم وتربیت رسول اللہ ﷺ کی جانب سے رحمت اور شفقت کی مرہون منت ہے کہ جملہ افعال اور اعمال میں امت کی آسانی اور سہولت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ایک صحابیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے لاعلمی کے ساتھ آپ ﷺ کا پیشاب اس پیالہ سے پی لیا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے ان کے بدن سے خوشبو آتی رہی۔ بلکہ ان کی ذات تک محدود نہیں کئی نسلوں تک ان کی اولاد میں یہ خوشبو بطور توارث کے باقی رہی۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم

(۲۹/۳۲۴) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ رَاٰنِى النَّبِيُّ ﷺ وَاَنَا اَبُوْلُ قَائِمًا فَقَالَ يَا عُمَرُ لَا تَبُلْ قَائِمًا فَمَا بُلْتُ قَائِمًا (رواہ الترمذی وابن ماجۃ قال الشیخ الامام محی السنۃ رحمہ اللہ) قَدْ صَحَّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اَتَى النَّبِيُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا (متفق علیہ) قِيْلَ كَانَ ذٰلِكَ لِعُذْرٍ......

أخرجه الترمذي في السنن تعليقًا وضعّفه ۱/ ۱۷ ـ وابن ماجة ۱/ ۱۱۱ حديث رقم ۳۰۵ عن حذيفة ـ

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے حضرت امام محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر آئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا عذر کی وجہ سے تھا۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے البتہ کراہت کی جہت میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مسئلہ ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا طریقہ رائج تھا اور انہوں نے اسی عادت کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور یہ بھی خارج از امکان نہیں کہ کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہو۔

اسی طرح حضرت حذیفہؓ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق جو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا وہ بھی کسی عذر کی وجہ سے تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ جگہ نجاست والی تھی بیٹھنا مشکل تھا یا پاؤں میں درد تھا یا پیٹھ میں درد تھا یا گھٹنے کے اندر کی جانب زخم تھا جس کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا مشکل تھا اس لیے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

الفصل الثالث:

بول قائما کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول

(۳۰/۳۲۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ اِلَّا قَاعِدًا. (رواہ احمد و الترمذی و النسائی)

أخرجه أحمد فی المسند ۱۹۲/۶ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱۷/۱ حدیث رقم ۱۲۔ والنسائی ۲۶/۱ حدیث رقم ۲۹ وابن ماجة نحوه ۱۱۲/۱ حدیث رقم ۳۰۷۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جو شخص تم سے یہ بات بیان کرے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اس کی تصدیق نہ کرو آپ تو ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے اس حدیث کو امام احمدؒ، اور امام ترمذیؒ اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ حضرت امام محی السنۃؒ نے حضرت حذیفہؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے مگر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات اس کی نفی کرتی ہے بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم کے مطابق نفی کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو گھر میں کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے انہوں نے اس بات کی شدت سے نفی کر دی اور حضرت حذیفہؓ نے جو واقعہ جزئیہ بتایا ہے وہ گھر کے باہر سے متعلق ہے اور وہ بھی حالت عذر پر محمول ہے اور نادر ہے اور نادر شی معدوم کے درجہ میں ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وضو کی تعلیم دی

(۳۱/۳۲۶) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ جِبْرِيْلَ اَتَاهُ فِيْ اَوَّلِ مَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنَ الْمَآءِ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهُ . (رواه احمد والدارقطنی)

أخرجه أحمد فی المسند ٤/١٦١ وأخرجه الدارقطني فی السنن ١/١١١ باب نضح الماء علی الفرج حديث رقم ١ وأخرج ابن ماجة ١/١٥٧ حديث رقم ٤٦٢۔

ترجمہ: حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب آپ کے پاس سب سے پہلے وحی لے کر آئے تو آپ کو وضو کی تعلیم دی اور پھر نماز پڑھنے کی تعلیم دی۔ چنانچہ وہ وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیا اور اس کو اپنی شرم گاہ پر چھڑک لیا۔

تشریح ❁ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو پہلی وحی کے موقع پر وضو اور نماز کی تعلیم دی۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے وضو کیا اور نماز پڑھی تاکہ دیکھ کر آپ بھی سیکھ جائیں اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک چلو پانی لے کر شرم گاہ پر چھڑکا۔ تاکہ ازالہ وساوس کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پانی چھڑکنے کا حکم دیا

(۳۲/۳۲۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَآءَ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِذَا تَوَضَّاْتَ فَانْتَضِحْ.

(رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب وسمعت محمدا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يَقُوْلُ الْحَسَنُ عَلِيِّ الْهَاشِمِيُّ الراوی منكر الحديث)

أخرجه الترمذی فی السنن ١/٧١ حديث رقم ٥٠۔ وأخرجه ابن ماجة بنحوه ١/١٥٧ حديث رقم ٤٦٣۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا۔ اے محمد ﷺ جب آپ وضو کریں تو تھوڑا سا پانی اپنی شرم گاہ پر ازالہ وسواس کے لئے چھڑک لیا کریں اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور کہا ہے کہ میں نے محمد ابن اسماعیل بخاری سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی حسن بن علی ہاشمی منکر الحدیث ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں وضو کے بعد شرم گاہ والی جگہ کپڑے کے اوپر پانی چھڑکنے کا ذکر ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ شرم گاہ والی جگہ پانی چھڑک لیا کریں تاکہ اس سے دفع وسواس ہو جائے اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے اور اپنے اس قول کی تائید میں امام بخاری کا قول پیش کیا ہے کہ امام بخاری نے حسن بن علی ہاشمی کی وجہ سے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔

پیشاب کرنے کے بعد وضو ضروری نہیں ہے

(۳۳/۳۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهُ بِكُوْزٍ مِّنْ مَآءٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عُمَرُ

قَالَ مَآءٌ نَتَوَضَّأُ بِهٖ قَالَ مَا اُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً. (رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۳۸حديث رقم ۴۲۔ وأخرجه ابن ماجة ۱/۱۱۸حديث رقم ۳۲۷وأخرجه أحمد في المسند ۶/۹۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا حضرت عمرؓ پانی کا لوٹا لے کر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ آپ کے وضو کے لئے پانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جب میں پیشاب کروں تو وضو بھی کروں۔ اگر ایسا کرتا تو میرا یہ عمل سنت ہو جاتا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پیشاب کیا تو حضرت عمرؓ پانی کا لوٹا لے کر حاضر ہو گئے آپ نے دریافت کیا اے عمرؓ یہ کیا ہے فرمایا آپ کے وضو کے لئے پانی لایا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں جب بھی پیشاب کروں تو اس کے بعد وضو کروں۔ آپ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بطور فرض اور وجوب کے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں جب بھی پیشاب کروں تو اس کے بعد وضو کروں اگر اپنی طرف سے میں یہ فعل اختیار کر لیتا تو ہر مرتبہ پیشاب کرنے کے بعد وضو کرنا سنت مؤکدہ ہو جاتا اور یہاں سنت سے مراد سنت مؤکدہ ہی ہے۔ کیونکہ ویسے تو استنجاء بالماء کرنا اور ہر وقت باوضو رہنا باتفاق علماء مستحب ہے اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادنیٰ امور کو امت کی آسانی کے لیے ترک کر دیتے تھے تا کہ آپ کے عمل کی وجہ سے وہ امور امت کے لیے بطور فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ کے ضروری نہ ہو جائیں۔

اہل قباء کی طہارت کی تعریف

(۳۲۹/۳۴) وَعَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ وَجَابِرٍ وَاَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِي الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِيْ بِالْمَآءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ. (رواہ ابن ماجۃ/ التوبۃ:۱۰۸)

أخرجه ابن ماجة ۱/۱۲۷حديث رقم ۳۵۵۔

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ کہ قباء میں سے ایسے لوگ ہیں کہ جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ اچھی طرح طہارت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ اچھی پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انصار کی جماعت۔ اللہ تعالیٰ نے طہارت کے سلسلہ میں تمہاری تعریف کی ہے، تم لوگ کیا اور کیسی طہارت کرتے ہو۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور جنابت سے غسل کرتے ہیں اور استنجاء بالاحجار کے بعد استنجاء بالماء کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں وہ یہی طہارت ہے جس کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کو لازم پکڑو۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اہل قباء قضائے حاجت سے فارغ ہو کر استنجاء بالاحجار کرتے تھے اور اس کے بعد استنجاء بالماء کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں قرآن کے اندر آیت نازل کر دی جب ان کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ وہ کونسی طہارت ہے کہ جس کو حاصل کرنے کے بعد تم اس سعادت کے حق دار ہوئے کہ قرآن میں تمہاری تعریف کی گئی اہل قباء

انصار نے جواب میں استنجاء بالاحجار کے بعد استنجاء بالماء کا ذکر کیا آپ نے ان کی تصدیق کی اور اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استنجاء بالماء افضل ہے:
استنجاء کی کل تین صورتیں ہیں:

① استنجاء بالاحجار۔ ② استنجاء بالماء۔ ③ استنجاء بالاحجار کے بعد استنجاء بالماء۔

فقہاء کرام کے نزدیک یہ تینوں صورتیں جائز ہیں مگر جمہور کے نزدیک تیسری صورت افضل ہے۔

آداب کی تعلیم

(۳۳۰/۳۵) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ يَسْتَهْزِئُ اِنِّیْ لَاَرٰی صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ حَتّٰی الْخِرَآءَةِ قُلْتُ اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَّا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِیَ بِاَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِیَ بِدُوْنِ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيْهَا رَجِيْعٌ وَّلَا عَظْمٌ۔ (رواہ مسلم واحمد واللفظ لہ)

أخرجه ابن ماجة ١/١١٥ حديث رقم ٣١٦۔ وأحمد في المسند ٥/٤٣٩۔

ترجمہ: حضرت سلمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مشرک آدمی نے بطور استہزاء کے یہ کہا کہ میں تمہارے ساتھی یعنی محمد ﷺ کو دیکھتا ہوں کہ تمہیں ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ قضائے حاجت کے لئے بیٹھنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں میں نے کہا۔ ہاں آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف رخ نہ کریں اور اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کریں اور تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجاء نہ کریں اور اشیاء استنجاء میں ہڈی اور گوبر لید وغیرہ نہ ہو۔ اس حدیث کو امام مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے اور الفاظ احمد کے ہیں۔

تشریح ❁ حضرت سلمان فارسی پر کفار نے بطور استہزاء کے اعتراض کیا کہ تمہارا نبی تمہیں پیشاب کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کی تعلیم دیتا ہے گویا اس نے تمہیں بچہ بنایا ہوا ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا اَجَلْ ہاں وہ نبی ہمیں یہ چیزیں سکھاتا ہے حضرت سلمان فارسیؓ نے اسلوب حکیم پر جواب دیا جس کو علم معانی والوں کی اصطلاح میں ارخاء العنان کہتے ہیں۔ تاکہ سامع جواب سننے کے لیے اچھی طرح تیار اور متوجہ ہو جائے گویا کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا اے بے وقوف۔ احمق۔ سن لے یہ تعلیمات اور آداب الہامی ہیں غیر مدرک بالعقل ہیں۔ یہ بدیہیات نہیں ہیں تم بیوقوف ہو کہ ان کو عقل کے تحت مانتے ہو۔ دیکھو ہمارے نبی نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف استقبال واستدبار نہ کریں۔ یہ حقوق اللہ میں سے ہے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کریں یہ حق النفس میں سے ہے اور ہڈی، گوبر اور لید وغیرہ سے استنجاء نہ کریں یہ حقوق العباد میں سے ہے۔ اس میں حق اللہ، حق النفس اور حق العبد تینوں آ گئے اس سے معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ کے احکام اور آداب کیسے جامع ہیں۔ اس کا استہزاء کرنا انتہائی حماقت ہے۔

اسلام کی جامعیت: اگر مذہب کی بنیادی اور اساسی حیثیت کا لحاظ کیا جائے تو نتیجہ یہ برآمد ہوگا مذہب اور دین مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے اور ایک دستور زندگی کا نام ہے جس میں انسانوں کے لئے دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے ہدایت اور راہنمائی موجود ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ مخصوص عقائد اور عبادات اور چند مخصوص اعمال اور جزئیات کا نام مذہب اور دین رکھ دیا جائے۔ تو وہ یقیناً کامل اور جامع مذہب نہیں ہوگا بلکہ انسانی اختراعات اور ایجادات کا ناقص مجموعہ ہوگا۔ اسلام دیگر تمام مذاہب میں امتیازی شان و

شوکت دیگر ادیان عالم پر تفوق اور برتری ہمہ گیر اور جامع ہونے کی وجہ سے رکھتا ہے۔ دنیا کے وہ عقلاء اور دانشور جو مذہب اسلام کے ماننے والے نہیں ہیں اور احکام شرعیہ کی اتباع نہیں کرتے وہ بھی اس پر متفق ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر دنیا میں کوئی جامع کامل دستور العمل اور ضابطہ حیات ہے تو وہ صرف اور صرف مذہب اسلام ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو حاوی ہے۔ انسانی زندگی کے ہر چھوٹے اور بڑے معاملہ کی رہبری موجود ہے۔ چنانچہ مذہب اسلام اگر ایک طرف عقائد اور نظریات کے اعتبار سے انتہائی رفعت تک تمام انسانوں اور جنوں کی راہنمائی کرتا ہے احکام اسلام کے بلند و بالا نظام کی برتری بخشتا ہے۔ تو دوسری طرف چھوٹے چھوٹے امور کی معرفت اور ہدایت کا جلاء بھی بخشتا ہے۔ اس کا اندازہ مذکورہ حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

اللہ کے حکم کو روکنے سے عذاب قبر ہوتا ہے

(۳۳۱/۳۶) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْ يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ اِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اُنْظُرُوْا اِلَيْهِ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْاَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ وَيْحَكَ اَمَا عَلِمْتَ مَا اَصَابَ صَاحِبَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِيْ قَبْرِهٖ.

(رواه ابو داوٗد و ابن ماجة و رواه النسائي عن اَبِيْ مُوسٰى)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/ ۲٦ حديث رقم ۲۲۔ و أخرجه ابن ماجة في السنن ۱/ ۱۲٤ حديث رقم ۳٤٦۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ گھر سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک ڈھال تھی اس کو آپ نے اپنے سامنے زمین پر رکھ لیا۔ پھر اس کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کیا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک مشرک نے کہا۔ ان کو دیکھو اس طرح پیشاب کرتے ہیں جس طرح عورت پیشاب کرتی ہے یہ بات رسول اللہ ﷺ نے سن لی اور فرمایا تجھ پر افسوس ہے۔ کیا تو اس بات کو نہیں جانتا۔ جو بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے ساتھ پیش آئی یعنی اس کو عذاب ہوا۔ بنی اسرائیل جب پیشاب کرتے اور پیشاب ان کے کپڑے کو لگ جاتا تو اس کو قینچی سے کاٹ ڈالتے تھے چنانچہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے لوگوں کو اس حکم کو ماننے سے منع کیا تو اس کو عذاب قبر میں مبتلا کیا گیا اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام نسائیؒ نے اس حدیث کو حضرت عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے جب پیشاب کرتے وقت تستر کا لحاظ کیا تو کسی مشرک نے اس پر طعنہ دے دیا۔ تو آپ نے بطور تنبیہ کے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا بنی اسرائیل کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ اگر قضاء حاجت کرتے وقت جسم کے حصہ کو یا کپڑے کو پیشاب لگ جاتا تو جسم کے اتنے حصہ کو چھیل دیا جاتا تھا اور کپڑے کے اتنے حصے کو کاٹ دیا جاتا تھا مگر ان میں سے ایک آدمی نے شریعت کے اس حکم کو تسلیم کرنے سے روک دیا نہ خود اس پر عمل کیا اور نہ ہی دوسروں کو اس پر عمل کرنے دیتا جب وہ شخص فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب قبر میں گرفتار کیا گیا۔

اسی چیز کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل کی شریعت کا وہ قانون اور حکم اگرچہ محبوب تھا۔ مگر اس میں مال اور جان کا ضرر موجود تھا۔ بظاہر عقل اور فراست کے خلاف تھا مگر اس کے باوجود اس حکم کا انکار کرنا اور اس سے دوسروں کو منع کرنا عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب بنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرم و حیاء نہ کرنا بطریق اولیٰ عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ کیونکہ قضائے حاجت کے تستر کا خیال

کرنا اگرچہ شریعت کا حکم ہے۔ مگر عقل اور فراست کے بھی مطابق اور موافق ہے۔

پیشاب کرتے وقت سامنے پردہ ہو

(۳۷/۳۳۲) وَعَنْ مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُوْلُ اِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلْ اِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَآءِ فَاِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْئٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَأْسَ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/ ۲۰ حديث رقم ۱۱۔

ترجمہ: حضرت مروان اصفر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا اونٹ قبلہ کی طرف بٹھایا اور پھر بیٹھ کر اس کی طرف رخ کر کے پیشاب کیا۔ میں نے یہ دیکھ کر عرض کیا اے ابوعبدالرحمٰن کیا اس طرح قبلہ کی طرف رخ کر کے پیشاب کرنے سے منع نہیں کیا گیا انہوں نے فرمایا ہاں صحراء میں اس سے منع کیا گیا ہے لیکن جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پیشاب کرنے والے کے درمیان اور قبلہ کے درمیان کوئی حائل اور رکاوٹ ہو تو اس دوران استقبال کعبہ میں کوئی حرج نہیں ہے مگر ابن عمرؓ کا یہ قول قابل حجت نہیں۔ کیونکہ یہ استدلال کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے اس فعل سے کہ انہوں نے حضرت حفصہؓ کے گھر کی چھت پر قضاء حاجت کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اس وقت آپ کا استقبال شام کی طرف اور استدبار کعبہ کی طرف تھا اور یہ واقعہ جزئیہ کئی احتمالات پر مشتمل ہے اس وجہ سے یہ قابل استدلال نہیں اور یہ امر بھی مسلم شدہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے بول و براز کے وقت استقبال و استدبار کعبہ سے منع کیا ہے۔ جیسے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت اس سے پہلے گزر چکی ہے اور وہ قولی ہے اور قانون کلی پر مشتمل ہے اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ کہ بول و براز کے وقت استقبال و استدبار کعبہ مطلقاً ناجائز ہے۔ چاہے بنیان میں ہو یا صحراء میں۔

خروجِ خلاء کے وقت دعا

(۳۸/۳۳۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجة في السنن ۱/ ۱۱۰ حديث رقم ۳۰۱۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دیا اور مجھے عافیت بخشی۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اگر انسان خداداد نعمتوں کو احاطہ شمار میں لانا چاہے تو نہیں لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو شمار میں لانا مشکل ہے۔ بلکہ ناممکن ہے۔ انسان پر اس کی تخلیق سے لے کر موت تک کثیر نعمتیں ہوئیں۔ انسان

کے ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں ایک نعمت ہے سانس کا اندر جانا اور دوسری نعمت ہے سانس کا باہر نکلنا اور انسان پر لازم ہے کہ ہر نعمت کا شکر ادا کرے اور ہر نعمت کا شکر ادا کرنا انسان کی استطاعت سے خارج ہے۔

بول و براز کی نعمت کا اندازہ لگائیے۔ بظاہر یہ کتنی معمولی سی چیز ہے۔ مگر کسی ڈاکٹر اور حکیم سے اس کی حقیقت معلوم کی جائے۔ تو آپ کو ڈاکٹر اور حکیم بتائے گا۔ کہ بول و براز کے خروج پر انسانی زندگی کا کتنا دارومدار ہے اور انسان کی صحت اور توانائی کے لئے اس کا ہونا کس قدر اشد ضروری ہے اور انسان کی موت و حیات کا اس سے کتنا گہرا تعلق ہے اگر کسی انسان کا کچھ وقت کے لئے بول و براز اور غائط بند ہو جائے تو کس قدر وہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر بالفرض بول و براز کی بندش میں کچھ امتداد اور طوالت ہو جائے تو پھر حیات ختم ہے اور موت یقینی ہے۔

غور کیجئے کیا یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت اور احسان نہیں ہے کہ وہ اس تکلیف دہ چیز، موذی اور ضرر رساں چیز کو کتنی آسانی سے خارج کر دیتا ہے۔

چنانچہ مذکورہ حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بیت الخلاء سے خروج کے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم رحمت اور شفقت سے ضرر رساں مادے کو جسم سے خارج کر کے مجھے سکون اطمینان اور عافیت مرحمت کی۔

بعض احادیث میں ایک اور دعا بھی منقول ہے۔

الحمد الله الذی اذهب عنی مایؤذینی و ابقی علی ماینفعنی۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کیا اور وہ چیز باقی رکھی جو میرے لیے نفع بخش ہے۔

اس دعا میں دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایک ضار۔ دوسری نافع۔ کیونکہ غذا ہضم ہونے کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک حصہ غذا کا فضلہ بن جاتا ہے دوسرا حصہ خون اور بدن کا جزء بن جاتا ہے۔ یہی حصہ غذا کا اصل جوہر ہوتا ہے اور انسان کی زندگی کی بقاء کا انحصار اسی پر ہوتا ہے مذکورہ دعا میں غذا کے انہی دو حصوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اگر انسان اس کا کماحقہ احساس کر لے تو اس نعمت کی قدر معلوم ہو جائے گی۔

جنات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست

(۳۹/۳۴۴) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ يَّسْتَنْجُوْا بِعَظْمٍ اَوْ رَوْثَةٍ اَوْ حُمَمَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لَنَا فِيْهَا رِزْقًا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۳۶ حدیث رقم ۳۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنات کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ اے اللہ کے رسول آپ اپنی امت کے لوگوں کو منع کر دیجئے کہ وہ گوبر، ہڈی اور کوئلہ سے استنجاء نہ کریں کیونکہ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے رزق مقدر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان چیزوں کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کر دیا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ہڈی گوبر اور کوئلہ کو جنات کی خوراک کہا گیا ہے کہ ہڈی سے جنات خوراک حاصل کرتے ہیں اور اللہ

تعالیٰ ہڈی کو ان کے لئے پر گوشت بنا دیتے ہیں اور گوبر لید وغیرہ ان کے جانوروں کی خوراک ہے اور کوئلہ سے جنات اشیاء پکانے کا اور روشنی کا فائدہ حاصل کرتے ہیں اس لئے اس کو تبعاً اور عرضاً بالواسطہ رزق کہا گیا ہے۔

بَابُ السِّوَاکِ

مسواک کرنے کا باب

مسواک کا اطلاق آلہ پر بھی ہوتا ہے یعنی مسواک کرنے کا آلہ اور مسواک کا اطلاق فعل پر بھی ہوتا ہے یعنی مسواک کرنا۔ اس باب کی احادیث کو معلوم کرنے سے پہلے چند امور کو بطور توطیہ اور تمہید کے بیان کرنا ضروری ہے:

① احناف کے نزدیک مسواک وضو کرتے وقت کی سنت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک وضو اور نماز دونوں کے لئے سنت ہے۔

② نماز فجر اور ظہر سے پہلے مسواک کرنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

③ مسواک کرنا خیر و برکت اور فضیلت کا ذریعہ ہے کثرت سے اس کے بارے میں احادیث منقول ہیں اور یہ ثواب جزیل کا باعث ہے۔

④ مسواک میں علماء نے ستر سے زائد فوائد بتائے ہیں اعلاها تذکیر الشهادتين عند الموت وادناها اماطة الاذى عن الغم۔

⑤ مسواک سے دانت سفید اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔

⑥ مسواک سے مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔

⑦ مسواک سے دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔

⑧ قرآن کی تلاوت کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے۔

⑨ جب دانتوں پر میل چڑھ جائے تو مسواک کرنا مستحب ہے۔

⑩ جب منہ سے بو آئے تو مسواک کرنا مستحب ہے۔

⑪ جب نیند سے بیدار ہو تو مسواک کرنا مستحب ہے۔

⑫ جب بدبودار چیز کھانے سے منہ کا ذائقہ متغیر ہو جائے تو مسواک کرنا مستحب ہے۔

⑬ کسی مجلس میں مسواک کرنا جب کہ منہ سے رال ٹپکے مکروہ ہے۔

⑭ مسواک زیتون، پیلو اور نیم وغیرہ کڑوے درخت کی ہونی چاہئے۔ امام نوویؒ نے پیلو کی مسواک کو مستحب قرار دیا ہے۔

⑮ مسواک کا سر چھنگلیا کی طرح ہو اور طول ایک بالشت ہو۔

⑯ مسواک دانتوں پر عرضاً کرنا اولیٰ ہے نہ کہ طولاً کیونکہ اس سے مسوڑھے چھل جاتے ہیں۔

⑰ کلی کے وقت مسواک کی جائے جب کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ وضو سے پہلے مسواک کر لی جائے۔

⑱ دائیں طرف سے مسواک شروع کرنا مستحب ہے۔

⑲ اگر مسواک نہ ہو یا دانت ٹوٹے ہوئے ہوں تو انگلی سے صاف کر لیا جائے۔

⑳ اگر مسواک کو نرم کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو کسی دوسری چیز سے دانتوں کو صاف کر لیا جائے جیسے موٹا کپڑا، ٹوتھ پیسٹ، منجن اور انگلی وغیرہ سے۔

㉑ جب مسواک چار انگشت کے برابر رہ جائے تو اس کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔

الفصل الاوّل:

مسواک کا مسئلہ

(۱/۳۳۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاْخِیْرِ الْعِشَاءِ وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۳۷۵ حدیث رقم ۸۸۷۔ ومسلم ۱/۲۲۰ حدیث رقم (۴۲۔۲۵۲) وأبوداوٗد ۱/۴۰ حدیث رقم ۴۰ واللفظ له۔ وأخرج الترمذی شطره الثانی ۱/۳۴ حدیث ۲۲ وکذلك ابن ماجة ۱/۱۰۵ حدیث رقم ۲۸۷ وأحمد فی المسند ۲/۲۴۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان کو یہ حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھیں اور ہر نماز کے لئے مسواک کریں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں دو چیزوں کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے ایک عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا۔ دوم ہر نماز کے لئے مسواک کرنا۔ چنانچہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس بات کو ضروری قرار دیتا کہ تمام مسلمان عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھیں اور تاخیر کی حد میں اختلاف ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک ثلث لیل۔ یا نصف لیل تک عشاء کی نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔

اور دوسری چیز آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان کو یہ حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت وضو کے ساتھ مسواک کیا کریں۔

لیکن رسول اللہ ﷺ امت کے حق میں انتہائی رفیق، رحیم اور کریم ہیں۔ اس لئے آپ نے ان چیزوں کو ضروری اور فرض ہونے کا درجہ نہیں دیا۔ ورنہ مسلمان تنگی میں پڑ جاتے تغافل اور تساہل و تکاسل کی وجہ سے عمل میں کوتاہی ہو جاتی اور گناہ گار ہو جاتے۔ اس لئے ان کو مستحب قرار دیا۔ اگر کسی وجہ سے عمل نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہ ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو مسواک کرتے

(۲/۳۳۶) وَعَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیءٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِاَیِّ شَیْءٍ كَانَ یَبْدَاُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ قَالَ بِالسِّوَاكِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی الصحیح ۱/۲۲۰ حدیث رقم (۴۳۔۲۵۲) وأخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۴۴ حدیث رقم ۵۱۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۱۳ حدیث رقم ۸۔ وابن ماجة ۱/۱۰۶ حدیث رقم ۲۹۰ وأحمد فی المسند ۶/۱۸۸۔

ترجمہ: حضرت شریح بن ہانیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تھے تو ابتداء کس کام سے کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ سب سے پہلے آپ مسواک کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو سب

سے پہلے مسواک کرتے تھے اور یہ آپ کے مزاج عالی کے نظیف ہونے کی علامت ہے کہ اگر مجلس میں سکوت اختیار کرنے کی وجہ سے یا گفتگو کرنے کی وجہ سے منہ میں کوئی تغیر وتبدل پیدا ہو گیا ہو تو اس کا ازالہ ہو جائے۔

اگر آپ کے اس عمل کی حقیقت پر اچھی طرح غور وخوض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کا یہ عمل امت کی تعلیم وتربیت کے لئے تھا کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے معاشرے میں اور گھروں میں اچھی طہارت اور نظافت اختیار کریں اور مسواک کی فضیلت اور قدر ومنزلت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسواک کے ستر سے زائد فوائد ہیں۔ سب سے اعلیٰ تذکیر الشہادتین عند الموت ہے اور ادنی منہ کی نظافت اور بدبو کا ازالہ ہے اور اسی طرح افیون وغیرہ کے ستر نقصانات ہیں سب سے ادنی نقصان یہ ہے کہ ایسے انسان کو موت کے وقت کلمہ شہادت کا نسیان ہو جائے گا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس طرح کے مسکرات سے محفوظ رکھے۔

حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ گھر میں داخل ہو تو وہ سب سے پہلے مسواک کرے۔ کیونکہ اس سے منہ میں خوشبو پیدا ہوتی ہے اور اہل خانہ خوش ہوں گے اور میل وجول میں مزید اضافہ اور ترقی ہوگی۔

تہجد کے وقت مسواک کرنا

(۳/۳۳۷) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ الَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۵۶/۱ حديث ۲۴۵۔ وأخرجه مسلم في الصحيح ۲۲۰/۱ حديث رقم (۴۶۔۲۰۵) وأبوداؤد ۴۷/۱ حديث رقم ۵۵۔ والنسائي في السنن ۸/۱ حديث رقم ۲ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱۰۵/۱ حديث رقم ۲۸۶۔ وأحمد في المسند ۳۸۲/۵۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تھے تو اپنا منہ مسواک کے ساتھ صاف کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ جب رات کے وقت تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوتے تھے تو مسواک کے ساتھ اچھی طرح اپنے منہ کو صاف کر کے نظافت حاصل کرتے تھے۔

دس خصالِ فطرت

(۴/۳۳۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ وَقَالَ الرَّاوِيْ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ رواه مسلم وفي رواية بَدَلَ اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخَطَّابِيُّ فِيْ مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِيْ دَاوُدَ۔ (برواية عمار بن ياسر)

أخرجه مسلم في الصحيح ۲۲۳/۱ حديث رقم (۵۶۔۲۶۱)۔ وأبو داؤد ۴۴/۱ حديث رقم ۵۳۔ والترمذي ۸۵/۵ حديث ۲۷۵۷۔ والنسائي ۱۲۶/۸ حديث ۵۰۴۰ وابن ماجة ۱۰۷/۱ حديث ۲۹۳ وأحمد ۱۳۷/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دس چیزیں دین فطرت سے ہیں۔:① لبوں کے بال کٹوانا۔② ڈاڑھی کا بڑھانا۔③ مسواک کرنا۔④ استنشاق کرنا (ناک میں پانی ڈالنا)

⑤ ناخن کٹوانا۔ ⑥ مفاصل کو اچھی طرح دھونا۔ ⑦ بغلوں کے بال صاف کرنا۔ ⑧ زیرِ ناف کے بال صاف کرنا۔
⑨ پانی کے ساتھ بالوں کو صاف کرنا۔ ⑩ اس حدیث کے راوی حضرت مصعب یا زکریا فرماتے ہیں کہ دسویں چیز کو میں بھول گیا ممکن ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک دوسری حدیث میں داڑھی بڑھانے کے بجائے ختنہ کا ذکر ہے اور صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث نہ تو بخاری اور مسلم میں ملی ہے اور نہ ہی حمیدی کی کتاب میں جو کہ صحیحین کی جامع ہے البتہ اس روایت کو صاحب جامع الاصول نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح خطابی نے معالم السنن میں ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دس خصال فطرت کا ذکر کیا گیا ہے یہ دس امور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں بھی تھے اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں بھی سنت ہیں اکثر ائمہ اور شراح حدیث کے نزدیک فطرت سے یہی مراد ہے اور بعض علماء کرام نے اس کے علاوہ بھی فطرت کی تشریح کی ہے۔

قَصُّ الشَّارِبِ: دس امور فطرت میں سے امر اول قص الشارب یعنی لبوں کے بال کٹوانا ہے۔ اس مسئلہ میں مذہب مختار یہ ہے کہ لبوں کو اس طرح کٹوایا جائے کہ لبوں کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ مونچھیں ابروؤں کے برابر رکھی جائیں۔

ہاں البتہ مجاہدین اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کو اس سے زیادہ طویل شوارب رکھنی جائز ہیں تاکہ کفار اور دشمنوں پر رعب اور دہشت چھا جائے اور مونچھوں کو حلق کروانا ایک قول کے مطابق مکروہ ہے دوسرے قول کے مطابق حرام ہے۔ تیسرے قول کے مطابق بدعت ہے اور چوتھے قول کے مطابق سنت ہے۔ **اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ:** خصال فطرت میں سے دوسری چیز ڈاڑھی کا بڑھانا ہے اعفاء باب افعال سے مصدر کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے معاف کر کے اچھی طرح چھوڑنا۔

اس مسئلہ میں تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ ڈاڑھی کا طول ایک مشت کے برابر ضروری ہے۔ اس سے کم جائز نہیں ہے اور ایک مشت سے زائد جائز ہے بشرطیکہ حد اعتدال سے تجاوز نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی کو چھوٹا کرنا یا منڈوانا حرام ہے اور اس سے ہنود و انگریزوں کی مشابہت بھی لازم آتی ہے اور ایسے لوگ قلندری گروہ کے ہم مشرب ہوتے ہیں دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

در حقیقت ڈاڑھی ایک مشت کے مساوی رکھنا واجب اور ضروری ہے اور اس کو سنت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے۔ جیسے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کو سنت کہا جاتا ہے۔ حالانکہ عیدین کی نماز واجب ہے سنت کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے۔

ہاں البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ ڈاڑھی کی آرائش اور تزیین تحسین وجمیل وضع کے ساتھ رکھنی ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اگر طول اور عرض میں کچھ بال نامناسب انداز سے بڑھ جائیں تو ان کو کتروا کر برابر ترتیب سے کرنا جائز ہے۔ بلکہ مطلوب ہے اگر خاتون کی ڈاڑھی آ جائے تو اس کو صاف کرنا چہرے سے مستحب ہے۔ **وَالسِّوَاكُ:** خصال فطرت میں سے تیسری چیز مسواک کرنا ہے اور مسواک کی شرعی حیثیت بالاتفاق سنت ہے اور امام داؤد کے نزدیک تو مسواک واجب ہے۔

اور حضرت امام اسحٰقؒ کے نزدیک اگر کوئی قصداً مسواک کو چھوڑ دے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ **اِسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ:** خصال فطرت میں سے چوتھی چیز استنشاق ہے یعنی ناک میں پانی ڈال کر اس کو اچھی طرح جھاڑنا۔ وضو میں استنشاق مستحب ہے اور غسل میں فرض

ہے۔یعنی یہی حکم مضمضہ کا ہے کہ وضو میں مستحب ہے اور غسل میں فرض ہے۔ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ: خصال فطرت میں سے پانچویں چیز ناخن تراشنا ہے۔موجودہ زمانے میں ناخن کو بڑھانا باعث فخر سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ حقیقت میں غیر فطری فعل کا ارتکاب ہے۔

ناخن تراشنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے خنصر انگلی تک کاٹ لیا جائے۔ پھر ابہام کا ناخن تراش کر بائیں ہاتھ کی خنصر سے شروع کر کے ابہام تک تراش لیا جائے اور بعض علماء کے نزدیک دائیں ہاتھ کے ابہام کو چھوڑ کر بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے ابہام تک تراش لیا جائے اور آخر میں دائیں ہاتھ کے ابہام پر ختم کرے۔

اور پاؤں کے ناخن تراشنے میں دائیں پاؤں کی خنصر انگلی سے لے کر بائیں پاؤں کے آخر تک تراش لیا جائے۔ یہی طریقہ مشہور اور رائج ہے۔

بعض علماء کے نزدیک جمعہ کے دن ناخن تراشنا مستحب ہے بعض علماء کے نزدیک ناخن کو زمین میں دفن کر دینا مستحب ہے اور اگر ناخنوں کو ویسے ہی پھینک دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ: خصال فطرت میں سے چھٹی چیز براجم کو دھونا ہے۔ براجم برجمۃ کی جمع ہے۔انگلیوں کے جوڑوں کی لکیروں کو کہتے ہیں اور یہی حکم ہے ہر اس جگہ کا جہاں میل کچیل جمع ہو جاتا ہو۔جیسے کان کے ارد گرد اور کان کا اندرونی حصہ۔ جو لوگ محنت اور مشقت والا کام کرتے ہیں ان کے براجم سخت ہو جاتے ہیں اور ان میں عموماً میل کچیل جمع ہو جاتا ہے لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے ان کو دھونے کی تاکید کی گئی ہے۔ نَتْفُ الْاِبِطِ: خصال فطرت میں سے ساتویں چیز بغل کے بال اکھاڑنا ہے۔نتف کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بغل کے بال استرے سے صاف نہ کئے جائیں کیونکہ اس سے بال زیادہ گھنے ہو جاتے ہیں اور ان میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔

اور علماء کے نزدیک بغل کے بالوں کو اکھاڑنا اس آدمی کے لئے ہے جو اس مشقت کو برداشت کر سکتا ہو اور بغل کے بالوں کو بذریعہ حلق، نورہ اور کیمیکل وغیرہ کے ساتھ صاف کرنا بھی جائز ہے۔ حَلْقُ الْعَانَةِ: خصال فطرت میں سے آٹھویں چیز زیر ناف بالوں کو صاف کرنا ہے اس حدیث میں حلق کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ زیر ناف بالوں کو مونڈنا سنت ہے بعض علماء کے نزدیک نورہ، کریم، پاؤڈر وغیرہ سے بھی صاف کرنا جائز ہے مگر قینچی سے کاٹنا جائز نہیں ہے اور مردوں کے لئے لوہے کے آلہ سے صاف کرنا قوت باہ کا باعث ہے اور خواتین کے لئے زیر ناف بالوں کو نوچنا زیادہ بہتر ہے اس سے شہوت پر کنٹرول ہو جاتا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بغل اور زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا وقت دیا تھا اور یہی امت کے لئے تعلیم و تربیت ہے کہ چالیس دن سے متجاوز نہ ہو، بہتر تو یہ ہے کہ ہر ہفتے صفائی کی جائے اور چالیس روز سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اِنْتِقَاصُ الْمَآءِ: خصال فطرت میں سے نویں چیز ہے انتقاص الماء اس کے دو معانی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ اس سے مراد استنجاء بالماء ہے کیونکہ استنجاء کرنے سے پانی خرچ ہوتا ہے اور جو چیز خرچ ہو وہ کم ہو جاتی ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ استنجاء بالماء کرنے سے پیشاب کم آتا ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ لفظ انتقاص کے بجائے انتفاض سے ہے فاء اور ضاد کے ساتھ۔اس کا معنی ہے ستر والی جگہ پر پانی چھڑکنا الغرض یہ دونوں امر مسنون ہیں۔

حدیث کے راوی حضرت مصعب یا حضرت زکریا فرماتے ہیں کہ دسویں چیز خصال کی میں بھول گیا مگر ممکن ہے کہ اس سے مراد مضمضہ ہو۔ یہ وضو میں مستحب یا مسنون ہے اور غسل میں فرض ہے۔ الختان: بعض روایتوں میں اعفاء اللحیۃ کی جگہ الختان کا ذکر ہے۔حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ختنہ کرنا واجب ہے جمہور ائمہ کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کے لئے ختنہ ضروری ہے۔حضرت

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرد کے لئے ختنہ مسنون ہے اور خاتون کے لیے افضل ہے۔

اور ختنہ شعائرِ اسلام میں سے ہے اگر کسی علاقہ کے تمام لوگ ختنہ کرنا ترک کر دیں تو امام وقت پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ قتال کرے یہاں تک کہ وہ ختنہ کرنے کو اختیار کر لیں جیسے اذان وغیرہ کا حکم ہے کہ یہ بھی شعائرِ اسلام میں سے ہے اگر کسی شہر کے لوگ اس کو ترک کر دیں اور سمجھانے سے نہ سمجھیں تو ان کے ساتھ قتال کرنے کا حکم ہے۔

مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کتنی عمر میں ختنہ کیا جائے بعض علماء کرام کے نزدیک پیدائش کے ساتویں روز ختنہ کر دینا چاہیے جیسا کہ بچے کا عقیقہ ساتویں روز کیا جاتا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق ختنہ سات سال کی عمر میں کیا جائے۔ تیسرے قول کے مطابق نو سال کی مدت میں کیا جائے۔ چوتھے قول کے مطابق اس کے لئے کوئی وقت اور حد نہیں ہے جب چاہے ختنہ کر دیا جائے۔ الغرض بالغ ہونے سے قبل جب طبیعت چاہے ختنہ کر دیا جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبل البلوغ کی قید ضروری ہے کیونکہ ختنہ کرنا سنت ہے اور بعد البلوغ ستر عورت واجب ہے اگر کوئی آدمی بعد البلوغ ختنہ کرائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سنت کو ادا کرنے کے لئے واجب کو ترک کر دیا۔

الفصل الثانی:

مسواک اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے

(۳۳۹/۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلسِّوَاكُ مِطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ ۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ واحمد والدارمی والنسائی وروی البخاری فی صحیحه بِلَا اِسْنَادٍ)

أخرجه الشافعی فی مسنده ص ١٤ ـ وأحمد فی المسند ٦/٤٧ والدارمی فی السنن ١/١٨٤ حدیث رقم ٦٨٤ والنسائی فی السنن ١/١٠ حدیث رقم ٥ ـ وذکره البخاری تعلیقاً ٤/١٥٨ کتاب الصوم باب ٢٧۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسواک کرنا منہ کی طہارت کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا باعث ہے۔ اس حدیث کو امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام دارمیؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح بخاری میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں مسواک کرنے کے دو فائدے ذکر کئے گئے ہیں ایک فائدہ یہ ہے کہ مسواک منہ کی طہارت اور نظافت کا ذریعہ ہے۔ منہ کے تغیر و تبدل اور رائحہ کریہہ کا ازالہ ہو جائے گا۔ دوم یہ کہ مسواک کرنا اللہ کی رضا مندی اور خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

چار امور انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں

(۳۴۰/۶) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْحَيَاءُ وَيُرْوٰى اَلْخِتَانُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ ۔ (رواه الترمذی)

الترمذی فی السنن ٣/٣٩١ حدیث رقم ١٠٨٠ (وقال حسن غریب ـ وأحمد فی المسند ٥/٤٢١۔

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنت میں سے ہیں: ① حیاء اور شرم کرنا۔ دوسری روایت میں ختنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ② خوشبو استعمال کرنا۔ ③ مسواک کرنا۔

۞ نکاح کرنا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ اس حدیث میں چار چیزوں کو رسولوں کی سنت قرار دینا باعتبار اللہ کے ہے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے کہ جن کے اندر ان میں سے بعض چیزیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تھا۔ بعض روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام' حضرت شیت علیہ السلام' حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ہود علیہ السلام' حضرت صالح علیہ السلام' حضرت لوط علیہ السلام' حضرت شعیب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت سلیمان علیہ السلام' حضرت زکریا علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام جو کہ اصحاب الرس کے نبی تھے ایک قول کے مطابق اور رسول اللہ ﷺ یہ سب رسول اس دنیا میں مختون حالت میں تشریف لائے تھے۔

اور بعض علماء کرام نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ آپ کا ختنہ پیدا ہونے کے بعد ہوا ہے۔

حضرت محمد ﷺ چونکہ طہارت اور نظافت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اس لئے آپ کو عطر بہت پسند اور مرغوب تھا اسی طرح آپ کی شریعت مطہرہ میں نکاح کی بہت اہمیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ نے اس کو اپنی سنت قرار دیا ہے اور یہاں تک فرمایا کہ جو میری سنت سے اعراض کرے گا۔ اس کا مجھ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نکاح کی منقبت اور فضیلت میں سو سے زائد احادیث کو جمع کر دیا ہے۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا

(۳۴۱/۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَرْقُدُ مِنَ الَّيْلِ وَلَانَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّايَتَسَوَّكُ قَبْلَ اَنْ يَّتَوَضَّأَ (رواه احمد و ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۴۷ حديث رقم ۵۷۔ وأخرجه أحمد في المسند ۶/۱۶۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات اور دن کی نیند سے بیدار ہوتے تھے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے تھے اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح رات کو آرام اور نیند کرتے تھے۔ اسی طرح دوپہر کو قیلولہ بھی کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دن کے وقت قیلولہ کرنا سنت عمل ہے کیونکہ اس سے صلوٰۃ اللیل کے لئے اٹھنے میں آسانی ہو جاتی ہے اور رمضان وغیرہ میں روزہ کے لئے اٹھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ سونے کی وجہ سے منہ میں تغیر و تبدل پیدا ہو جاتا ہے اور رائحہ کریہہ پیدا ہو جاتی ہے۔ مسواک سے اس کا ازالہ ہو جائے گا اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ وضو کرتے وقت پھر مسواک کرتے تھے یا نہیں۔ اس میں دونوں احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ اسی سابقہ مسواک پر اکتفاء کرتے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضو کرتے وقت دوبارہ پھر مسواک کرتے ہوں۔

مسواک کرنے کے بعد دھونا مستحب ہے

(۳۴۲/۸) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَاكُ فَيُعْطِيْنِى السِّوَاكَ لِاَغْسِلَهٗ فَاَبْدَأُ بِهٖ فَاَسْتَاكُ ثُمَّ اَغْسِلُهٗ

وَاَدْفَعُهُ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ١/ ٤٤ حديث رقم ٥٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے اور پھر مجھے دیدیتے تا کہ میں اس کو دھوڈالوں۔ چنانچہ میں آپ سے مسواک لے کر پہلے اس سے خود مسواک کرتی اور پھر دھوتی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیتی۔ اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مسواک کرنے کے بعد اس کو دھونا مستحب ہے۔

حضرت ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ مسواک کرنا مستحب ہے اور ہر مرتبہ مسواک کو پانی سے دھولیا جائے تا کہ میل کچیل اس سے دور ہو جائے اور مسواک نرم ہونی چاہئے نہ کہ سخت۔

اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے مسواک لے کر اپنے منہ میں دھونے سے قبل اس کو پھیرتی تھیں اس کی وجہ یہ تھی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کی برکت نصیب ہو جائے اور پھر اس کو دھو کر آپ کو دیدیتی تھیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طریقہ سے مسواک کرلیں اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ کسی دوسرے کی اجازت کے ساتھ اس کی مسواک کو استعمال کرنا جائز ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صلحاء کے لعاب سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ:

مسواک کی فضیلت

(۹/۳۴۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَرَانِیْ فِی الْمَنَامِ اَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَآءَنِیْ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِیْلَ لِیْ كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ اِلَی الْاَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في الصحيح ١/ ٣٥٦ حديث رقم ٢٤٦۔ ومسلم في صحيحه ٤/ ٧٧٩ حديث (١٩۔ ٢٢٧١)۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں اسی دوران دو آدمی میرے پاس آئے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا میں نے ان میں سے چھوٹے کو مسواک دینے کا ارادہ کیا۔ مگر مجھے حکم دیا گیا کہ بڑے کو مسواک دے دو۔ چنانچہ میں نے ان میں سے بڑے کو مسواک دیدی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں مسواک کی فضیلت اور قدر و منزلت کو بیان کیا گیا ہے وہ اس طرح کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں میں سے چھوٹے کو مسواک دینے کا ارادہ کیا تو آپ کو حکم دیا گیا کہ بڑے کو دے دو۔ بڑے کو دیے جانے کا حکم مسواک کی بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس مجلس میں اکابر اور اصاغر دونوں موجود ہوں۔ تو کھانے پینے وغیرہ کی عظمت والی چیز دینے کی ابتداء اکابر سے کی جائے۔

مبالغہ فی السواک

(۱۰/۳۴۴)وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَاجَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِیْ بِالسِّوَاكِ لَقَدْخَشِیْتُ اَنْ اُحْفِیَ مُقَدَّمَ فِیَّ ۔ (رواہ احمد)

أخرجه ابن ماجة من حديث طويل ١/٦/١٠٦حديث رقم ٢٨٩ وأحمد فى المسند ٥/٢٦٣۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آتے تو مجھے مسواک کرنے کا حکم دیتے۔ یہاں تک مجھے ڈر ہوا کہ میں مسواک کی زیادتی سے اپنے منہ کے اگلے حصہ کو چھیل نہ ڈالوں۔اس حدیث کوامام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں مبالغہ فی السواک کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لاتے تو آپ ﷺ کو ہمیشہ مسواک کرنے کا حکم دیتے تھے اسی حکم کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کثرت سے مسواک کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے بار بار تاکید اور اہتمام کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتے تھے اور میں اس کثرت اور اہتمام وشدت سے مسواک کرتا تھا کہ میرے منہ کے چھل جانے کا امکان ہوتا۔

مسواک زیادہ سے زیادہ کرنی چاہئے

(۱۱/۳۴۵)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَقَدْ اَكْثَرْتُ عَلَیْكُمْ فِی السِّوَاكِ. (رواہ البخاری)

أخرجه البخارى فى صحيحه ٢/٣٧٤حديث رقم ٨٨٨۔وأخرجه النسائى فى السنن ١/١١حديث رقم ٦ وأخرجه الدارمى فى السنن ١/١٨٤حديث رقم ٦٨٢۔وأخرجة أحميد ٣/١٤٣۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ میں نے تم سے مسواک کے متعلق بہت کچھ بیان کیا ہے۔اس حدیث کوامام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی مسواک کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسواک زیادہ سے زیادہ کرنی چاہئے۔کیونکہ کسی چیز کا بار بار کثرت سے تذکرہ اس چیز کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

مسواک کی فضیلت وحی سے ثابت ہے

(۱۲/۳۴۶)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَسْتَنُّ وَعِنْدَہٗ رَجُلَانِ اَحَدُھُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَاُوْحِیَ اِلَیْهِ فِیْ فَضْلِ السِّوَاكِ اَنْ كَبِّرْ اَعْطِ السِّوَاكَ اَكْبَرَھُمَا. (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فى السنن ١/٤٣حديث رقم ٥٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسواک کررہے تھے اور آپ کے پاس دو آدمی تھے ان میں سے ایک بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا چنانچہ مسواک کی فضیلت کے بارے میں آپ کی طرف یہ وحی نازل کی گئی کہ ان میں سے بڑے کو مسواک دے دو۔اس حدیث کوامام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خواب میں مسواک کررہے ہیں اور آپ ﷺ نے دو آدمی

دیکھنے ایک بڑا تھا تو دوسرا چھوٹا۔ آپ ﷺ نے چھوٹے کو مسواک دینے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ بڑے کو مسواک دے دو۔ یہ حکم اس وجہ سے دیا گیا تھا تا کہ مسواک کی فضیلت ظاہر ہو جائے۔ الغرض اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوا کہ مسواک کی فضیلت وحی سے ثابت ہے۔

مسواک والی نماز کا ثواب ستّر درجہ زیادہ ہوتا ہے

(۱۳/۳۴۷)وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَفْضُلُ الصَّلَاةُ الَّتِیْ یُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلَاةِ الَّتِیْ لَایُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِیْنَ ضِعْفًا۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه أحمدفی المسند ٦/ ٢٧٢ ـ والبیهقی فی شعب الایمان۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ نماز کہ جس کے لئے وضو کرتے وقت مسواک کی گئی ہو۔ اس نماز پر جس کے لئے مسواک نہیں کی گئی ستر درجہ فضیلت اور ثواب رکھتی ہے۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں بھی ایک اور جہت سے مسواک کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے کہ مسواک کی وجہ سے نماز کے مراتب اور درجات میں تفاوت اور تفاضل ہوتا ہے چنانچہ اس حدیث میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جس نماز کے لئے وضو کرتے وقت مسواک کر لی گئی ہو۔ وہ نماز اس نماز کے مقابلے میں ستر گنا ثواب اور درجات کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہے جس کے لئے وضو کرتے وقت مسواک نہ کی گئی ہو۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ مسواک کان پر رکھتے تھے

(۱۴/۳۴۸)وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَلَاَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ قَالَ فَكَانَ زَیْدُ بْنُ خَالِدٍ یَشْهَدُ الصَّلَوٰتِ فِی الْمَسْجِدِ وَسِوَاكُهٗ عَلٰی اُذُنِهٖ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ اُذُنِ الْكَاتِبِ لَایَقُوْمُ اِلَی الصَّلٰوةِ اِلَّا اسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّهٗ اِلٰی مَوْضِعِهٖ رواه الترمذی وابو داود اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَذْكُرْ وَلَاَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَقَالَ الترمذی هٰذاحدیث حسن صحیح۔ (رواه ابو داود والترمذی)

أخرجه الترمذی ١/ ٣٥ حدیث رقم ٢٣ وقال حسن صحیح ـ وأخرجه أبو داوٗد ١/ ٤٠ حدیث ٤٧ وأحمد فی المسند ٤/ ١١٦۔

ترجمہ: حضرت ابوسلمہؒ حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا میں ان کو ہر نماز کے وقت مسوک کرنے کا حکم دیتا اور میں عشاء کی نماز کو ثلث لیل تک مؤخر کرتا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد جہنیؓ جب نماز کے لئے مسجد میں آتے تھے تو مسواک ان کے کان پر رکھی ہوتی تھی جس طرح کاتب اپنے کان پر قلم رکھتا ہے۔ وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو فوراً مسواک کر لیتے اور پھر کان پر رکھ لیتے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابو داوٗدؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابو داوٗدؒ نے اس حدیث میں۔ لَاَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ کے الفاظ ذکر نہیں اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسواک نماز کی سنت ہے یا وضو کی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسواک وضو کی سنت ہے کیونکہ مسواک آلہ طہارت ہے اور وضو بھی طہارت کا ذریعہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسواک نماز کی سنت ہے۔ یہ حدیث بظاہر امام شافعیؒ کے مذہب کی مؤید ہے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ کل سے قبل مضاف یعنی لفظ وضو محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ عند وضوء کل صلوۃ۔

بَابُ سُنَنِ الْوُضُوْءِ

یہ باب وضو کی سنتوں کے بیان میں ہے

اس باب میں وضو کی سنتوں کا بیان ہے اور یہ بھی حاشیہ ذہن میں رہے کہ یہاں سنن الوضو سے مراد صرف وضو کی سنتیں نہیں۔ بلکہ اس سے مراد قول رسول فعل رسول، اور تقریر رسول سب ہیں۔ چاہے اس کا تعلق سنت سے ہو۔ یا فرض واجب وغیرہ سے فرض اور واجب کو سنت کہنے سے مراد یہ ہے کہ ان کا ثبوت سنت سے ہے اس اعتبار سے یہ باب فرض' واجب' سنت' مستحب سب کو شامل ہوگا۔

الفصل الاوّل:

غَمْسُ الْيَدِ فِي الْاِنَاءِ

(۱/۳۴۹)عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَا یَغْمِسُ یَدَهٗ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰی یَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَاِنَّهٗ لَایَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُهٗ . (متفق علیه)

أخرجه البخاري ۱/۲٦۳حديث رقم ۱٦۲۔ ومسلم ۱/۲۳۳حديث رقم (۸۷۔۲۷۸)۔وأ بوداؤد ۱/۷۸حديث رقم ۱۰۵وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۳٦حديث رقم ۲٤۔والنسائی فی السنن ۱/٦حديث رقم ۱۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۳۸حديث رقم ۳۹۳۔ وأخرجه الدارمی ۱/۲۱٦حديث رقم ۷٦٦وأخرجه مالك فی الموطأ ۱/۲۱کتاب الطهارة حديث رقم ۹۔واحمد فی المسند ۲/۲٤۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو۔ اس کو چاہئے کہ وہ اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں اس وقت تک نہ ڈالے جب تک کہ پہلے اس کو تین مرتبہ دھو نہ ڈالے کیونکہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سو کر اٹھنے کا ایک ادب بتا دیا کہ جو کوئی آدمی نیند سے بیدار ہو تو سب سے پہلے ہاتھوں کو دھونا سنت ہے۔ اس حدیث میں بعد النوم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے۔ کہ عرب کے علاقہ میں پانی کی قلت تھی۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پانی کی بہت قلت تھی اس لئے لوگ عموماً استنجاء بالماء نہیں کرتے تھے۔ بلکہ قضاء حاجت کے بعد استنجاء بالاحجار پر اکتفاء کرتے تھے اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ گرمی کی وجہ سے شرم گاہ پر باقی جسم کی طرح پسینہ بھی آ جاتا ہے اور اس صورت میں اس کا قوی امکان اور احتمال ہے کہ نوم کی حالت میں ہاتھ شرم گاہ پر لگا ہو اور پسینہ کی رطوبت کی وجہ سے نجاست ہاتھوں پر لگی ہو۔ یہی مراد ہے مذکورہ حدیث میں اس جملہ سے۔ فَاِنَّهٗ لَایَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُهٗ۔

کہ انسان کو معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ نوم کی حالت میں کس کس نجس مقام پر لگا ہوگا اور ہاتھ نجاست سے آلودہ ہوا ہوگا۔ جب اس حالت میں ہاتھ پانی میں ڈالا جائے گا تو وہ پانی بھی یقیناً نجس ہو جائے گا اس لئے نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ برتن میں داخل کرنے سے پہلے تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا۔ الغرض اس حدیث میں نوم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس حالت میں نجاست لگنے کا قوی امکان ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر وضو کرنے والے کو قبل الوضو ہاتھ دھونا سنت ہے چاہے وہ نیند سے بیدار ہو یا نہ ہو۔

اس حدیث میں ہاتھ دھونے کا حکم فرض اور واجب نہیں بلکہ مسنون اور مستحب ہے صرف بناء بر احتیاط کے یہ حکم دیا گیا ہے اگر ہاتھوں پر نجاست لگنے کا یقین نہ ہو تو ہاتھوں کو دھونا ضروری بھی نہیں اور اگر اسی حالت میں برتن میں ہاتھ ڈال دیا تو پانی نجس نہیں ہوگا حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھوں کو دھونا واجب ہے اگر اس نے بعد النوم ہاتھوں کو دھوئے بغیر برتن میں ڈالا تو پانی نجس ہو جائے گا۔

نیند سے بیدار ہو کر ناک اچھی طرح جھاڑ کر صاف کرو

(۲/۳۵۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيْتُ عَلٰى خَيْشُوْمِهٖ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۳۹/۶ حدیث رقم ۳۲۹۵۔ ومسلم ۲۱۲/۱ حدیث رقم (۲۳۔۲۳۸) والنسائی ۶۷/۱ حدیث رقم ۹۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو اور وضو کا ارادہ کرے تو تین مرتبہ ناک میں پانی ڈال کر ناک کو جھاڑے کیونکہ اس کی ناک کے بانسے پر شیطان رات گزارتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ شیطان انسان کی ناک کے بانسے پر رات گزارتا ہے اس کی اصل حقیقت اور کیفیت کا علم تو اللہ اور اس کے رسول کو ہے یہ گویا کہ متشابہات میں سے ہے اس کے اصل راز اور رموز سے ہماری عقل قاصر اور عاجز ہے ہمارے لئے ان جیسے امور میں لازم ہے کہ ان کی صداقت اور حقانیت کو تسلیم کیا جائے اور ایمان لایا جائے اور اس کی حقیقت و ماہیت کو بیان کرنے سے سکوت اختیار کیا جائے اور اللہ کے سپرد کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ وضو کیسے کرتے تھے

(۳/۳۵۱) وَقِيْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِيَدِهٖ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بِمُقَدَّمِ رَاْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَاَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ رواه مالك و النسائی وَلِاَبِيْ داؤد نحوه ذکره صاحب الجامع وفی المتفق علیه قِيْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَدَعَا بِاِنَاءٍ فَاَكْفَاَ مِنْهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَّاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ

ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ یَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ فَاَقْبَلَ بِیَدَیْهِ وَاَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَیْهِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ قَالَ هٰکَذَا کَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰی قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰی رَجَعَ الْمَکَانَ الَّذِیْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غُرُفَاتٍ مِنْ مَّاءٍ وَفِیْ اُخْرٰی فَمَضْمَضَ واسْتَنْشَقَ مِنْ کَفَّةٍ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلْبُخَارِیِّ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَیْهِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ وَفِیْ اُخْرٰی فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غُرْفَةٍ وَاحِدَةٍ۔

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱/۲۸۹حدیث ۱۸۵۔ومسلم ۱/۲۱۰حدیث رقم (۱۸۔۲۳۵)وأخرجه أبوداؤد ۱/۸۹حدیث رقم۱۱۸۔وأخرجه النسائی فی السنن۱/۷۱حدیث رقم ۹۷۔وأخرجه ابن ماجة ۱/۱۴۹حدیث رقم ۴۳۴۔وأخرجه فی الموطأ ۱/۱۸ کتاب الطھارۃ حدیث ۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ وضو کس طرح کیا کرتے تھے یہ سن کر حضرت عبداللہ نے وضو کے لئے پانی منگوایا جب پانی آ گیا تو انہوں نے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور انہیں گٹوں تک دو دو مرتبہ دھویا۔ پھر کلی کی پھر ناک میں پانی ڈال کر اس کو تین تین مرتبہ جھاڑا پھر اپنا چہرہ دھویا تین مرتبہ' پھر دونوں بازوؤں کو مرفقین سمیت دو دو مرتبہ دھویا پھر دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کیا اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور اسی طرح پیچھے سے آگے کی طرف لائے یعنی انہوں نے مسح سر کے آگے کی جانب سے شروع کیا اور ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر ان کو لوٹا کر اسی جگہ واپس لائے جہاں سے مسح شروع کیا تھا اور پھر دونوں پاؤں کو دھویا۔ اس حدیث کو امام مالکؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے بھی اسی طرح کی روایت کو ذکر کیا ہے جس کو صاحب الجامع نے ذکر کیا ہے۔ بخاری اور مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے پوچھا گیا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ وضو کرتے تھے۔ اسی طرح آپ ہمارے سامنے وضو کر کے دکھائیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زید نے پانی کا ایک برتن منگوایا۔ جب پانی کا برتن آ گیا۔ تو انہوں نے اس کو جھکایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر تین مرتبہ دھویا۔ پھر ہاتھ برتن میں داخل کیا اور اس سے پانی نکالا۔ پھر ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ تین مرتبہ ایسا کیا پھر انہوں نے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالا اور تین مرتبہ منہ دھویا پھر انہوں نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر نکالا اور اس طرح سر کا مسح کیا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا اور پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح وضو کیا کرتے تھے۔ بخاری اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ مسح کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے یعنی سر کے اگلے حصہ سے مسح شروع کر کے گدی تک لے گئے۔ پھر گدی کی طرف سے اسی جگہ واپس لے آئے جہاں سے مسح شروع کیا تھا اور پھر اپنے پاؤں کو دھویا۔ اور بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے۔ کہ مضمضہ کیا اور استنشاق کیا اور ناک کو تین مرتبہ جھاڑا تین چلوؤں سے۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ پس مضمضہ کیا اور ایک ہی چلو سے ناک میں پانی ڈالا اس طرح تین مرتبہ کیا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے۔ اپنے سر کا مسح کیا اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پیچھے سے آگے کی طرف لے

آئے اور یہ ایک مرتبہ کیا پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔ بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے۔ پس مضمضہ کیا اور ناک جھاڑی تین مرتبہ صرف ایک چلو سے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ نے رسول اللہؐ کے وضو کی طرح وضو کر کے دکھایا۔

اس حدیث کے پہلے حصہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے اپنے ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا حالانکہ دیگر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو تین تین مرتبہ دھوتے تھے بظاہر تعارض ہے۔ بعض علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ سنت تو یہی ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے۔ مگر دو مرتبہ دھولینا بھی جائز ہے اسی لئے حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے بیان جواز کے لئے ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا۔ تاکہ یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جائے کہ دو مرتبہ بھی دھولینا جائز ہے۔

مذکورہ حدیث پر ایک سوال یہ بھی ہے کہ مرتین کا لفظ دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اس لفظ کو ایک مرتبہ بھی ذکر کر دینا کافی تھا اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مرتین کے لفظ کو دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے ایک وہم کو ختم کرنے کے لئے وہ یہ کہ اگر اس لفظ کو صرف ایک مرتبہ ذکر کیا جاتا تو اس کا یہ مطلب ہو سکتا تھا کہ دونوں متفرق طور پر دو مرتبہ دھوئے ہوں گے ایک مرتبہ ایک ہاتھ دھویا ہوگا اور دوسری مرتبہ دوسرا ہاتھ دھویا ہوگا اس لئے مرتین کے لفظ کو دو مرتبہ ذکر کیا تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ دونوں ہاتھ ملا کر دو مرتبہ دھوئے۔ مَسَحَ رَأْسَهٗ: سر کے مسح کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں مقدم رأس کی جانب رکھی جائیں اور دونوں ہاتھوں کے ابہامین، شہادتین اور کفین کو سر سے جدا رکھا جائے۔ پھر ان چھ انگلیوں کو گدی کی طرف لے جایا جائے پھر دونوں ہتھیلیوں کو سر کی دونوں جانب رکھ کر آگے کی طرف لایا جائے اور پھر دونوں کے اوپر والے حصہ پر ابہامین سے اور دونوں کانوں کے سوراخوں میں شہادتین سے مسح کیا جائے۔ وفی المتفق علیه: اس جملہ کے بعد مشکوٰۃ میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ صاحب مصابیح کی نقل کردہ نہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے اس کا اضافہ کیا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ اس سے ماقبل والی روایت باوجود اس کے کہ بخاری اور مسلم کی نہیں ہے مگر صاحب مصابیح نے اس کو فصل اوّل میں نقل کیا ہے حالانکہ اول کا انعقاد صحاح کی روایات کے لئے ہوتا ہے۔ اس لیے صاحب مشکوٰۃ نے صحیحین کی روایتوں کا اضافہ کر دیا۔ تاکہ صاحب مصابیح کی ترتیب برقرار رہے۔

اور بخاری شریف کی آخری روایت میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ مضمضہ کیا اور ناک جھاڑی تین مرتبہ ایک چلو سے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی چلو سے تین مرتبہ ناک میں پانی ڈال کر جھاڑا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تین مرتبہ پانی لیا اور ہر مرتبہ ناک میں ڈال کر اس کو جھاڑا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ مضمضہ اور استنشاق کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

بعض روایتوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ کلی کی اور تین چلوؤں سے ناک میں پانی ڈال کر جھاڑا۔

بعض روایتوں سے فصل ثابت ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں سے ہر ایک کے لئے تین تین مرتبہ پانی لیا گیا ہے۔

اور بعض روایتوں سے وصل ثابت ہے کہ مضمضہ اور استنشاق دونوں کے لئے تین مرتبہ پانی لیا ہر مرتبہ پانی لے کر دونوں کام کئے۔

چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق کے لئے وصل اولیٰ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق کیلئے فصل اولیٰ ہے یعنی ہر ایک کے لئے الگ الگ تین مرتبہ پانی لیا جائیگا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ طریقہ اس لئے راجح ہے کہ فصل والا طریقہ قیاس کے مطابق ہے کیونکہ منہ اور ناک دونوں الگ الگ

عضو ہیں۔ لہٰذا جس طرح دیگر وضو کے اعضاء کو جمع نہیں کیا جاتا ان دونوں کو بھی جمع نہیں کیا جائے گا اور یہ قانون ہے کہ جو حدیث مؤید بالقیاس ہو اس کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ تطبیق: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب کے درمیان تطبیق بھی کی گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ شمنی نے فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فصل اولیٰ ہے اور وصل جائز ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فصل اولیٰ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی امام شافعیؒ کا مسلک صحیح اور جائز ہے امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں ایک ہی چلو کے ساتھ جمع کرنا جائز ہے لیکن میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل فصل ہے یعنی ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ پانی لینا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں احناف اور شوافع کے درمیان کوئی زیادہ اختلاف اور تضاد نہیں ہے۔

اعضاء وضو کو ایک ایک، دو دو، تین تین مرتبہ دھونا

(۴/۳۵۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ یَزِدْ عَلٰی هٰذَا. (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۲۵۸ حدیث رقم ۱۵۷۔ وأبوداوٗد فی السنن ۱/۹۵ حدیث رقم ۱۳۸ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۶۰ حدیث رقم ۴۲۔ وأخرجه ابن ماجة ۱/۱۴۳ حدیث ۴۱۱۔ والدارمی ۱/۱۸۹ حدیث رقم ۶۹۶۔ وأحمد فی المسند ۱/۳۳۲ والنسائی ۱/۶۲ حدیث رقم ۸۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا یعنی اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا اور اس پر زیادہ نہیں کیا۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

(۵/۳۵۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۲۵۸ حدیث رقم ۱۵۸۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۴/۴۱ وأخرجه أبوداوٗد عن أبی هریرة ۱/۹۴۔ حدیث رقم ۱۳۶۔ وکذلك الترمذی ۱/۶۲ حدیث رقم ۴۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو، دو مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(۶/۳۵۴) عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ اَلَا اُرِیْکُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا.

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۲۰۷ حدیث رقم (۹۔ ۲۳۰) وفی الباب عن أبی هریرة وعلی بن أبی طالب۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے مقام مقاعد میں وضو کیا اور فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا وضو کر کے نہ دکھاؤں چنانچہ انہوں نے اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ ان تین احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے اعضاء وضو کی تعداد غسل کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے تین طرح کا عمل ثابت ہے۔ اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھونا۔ اعضاء وضو کو دو، دو مرتبہ دھونا۔ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا۔

بظاہر یہ عمل تضاد اور تعارض کو مستلزم ہے اس میں رفع تعارض اور تطبیق اس طرح ہوگی کہ آپ ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ بیان جواز کے لئے دھویا ہے کہ اگر غسل کا استیعاب ہو جائے تو ایک ایک مرتبہ بھی دھونا جائز ہے یہ غسل کا ادنیٰ درجہ ہے اور یہی فرض ہے۔ اسی طرح دو دو مرتبہ بھی دھونا بیان جواز کے لئے ہے۔ کہ ہر عضو کو دو دو مرتبہ بھی دھونا جائز ہے اور اگرچہ آپ کا عمل ہر عضو کو تین تین مرتبہ

دھونے کا تھا اور اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ ہی دھونا سنت ہے۔

اور یہی طہارت کا انتہائی اور اعلیٰ درجہ ہے اس پر بلا ضرورت زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض احادیث میں ان تین صورتوں کے علاوہ ایک چوتھی صورت بھی مذکور ہے کہ بعض اعضاء کو ایک مرتبہ دھونا بعض کو دو دو مرتبہ دھونا اور بعض کو تین تین مرتبہ دھونا بھی ثابت ہے اور یہ صورت بھی بیان جواز پر محمول ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھونا گناہ ہے کیونکہ یہ عمل سنت مشہورہ کے ترک کو مستلزم ہے مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ جب احادیث سے یہ عمل ثابت ہے اور بیان جواز کے لئے ہے پھر اس کو کیسے گناہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

حدیث نمبر ۶ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا بظاہر یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسح رأس بھی تین مرتبہ کیا یہ درست نہیں ہے کیونکہ بخاری اور مسلم کی دیگر روایات میں صراحۃً مذکور ہے کہ مسح رأس مرۃ واحدۃ کیا ہے۔

وضو میں پاؤں کا حکم غسل ہے نہ کہ مسح

(۳۵۵/۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَآءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢١٤/١ حديث رقم (٢٦-٢٤١) وللبخارى معناه ١٤٢/١ حديث رقم ٦٠ وأخرجه أبوداوٗد ٧٣/١ حديث رقم ٩٧- والنسائى فى السنن ٧٧/١ حديث رقم ١١١- وابن ماجة فى السنن ١٥٤/١ حديث رقم ٤٥٠- والدارمى ١٩٢/١ حديث رقم ٧٠٦- وأحمد فى المسند ١٩٣/٢-

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے۔ یہاں تک کہ جب ہم راستہ میں ایک پانی پر پہنچے تو کچھ لوگوں نے نماز عصر کے وضو کرنے میں جلدی کی۔ چنانچہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشکی کی وجہ سے چمک رہی تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایڑیوں کو خشک دیکھ کر فرمایا ان ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ سے ہلاکت ہے وضو صحیح اور کامل کیا کرو۔

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف آ رہے تھے۔ سفر کے دوران عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ راستہ میں قافلہ ایک پانی پر رکا۔ کچھ لوگ جب اس پانی کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے سبقت کر کے اس پانی پر جا کر جلدی جلدی وضو کرنے لگے۔ جلدی اور تیزی کی وجہ سے پاؤں صحیح طرح نہ دھوئے گئے ایڑیاں خشک رہ گئیں جب رسول اللہ ﷺ ان کے قریب آئے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں جلد بازی کی وجہ سے خشک رہ گئیں۔ پاؤں مکمل طور پر صحیح طرح نہیں دھوئے گئے۔ تو آپ ﷺ نے اس موقع پر سخت وعید ذکر کی۔ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ۔ ویل کے ایک معنی ہے خرابی اور ہلاکت۔ دوسرا معنی ہے سخت عذاب۔ تیسرا معنی ہے جہنم میں پیپ اور خون کا ایک پہاڑ۔ بعض علماء کے نزدیک یہ ایسا کلمہ ہے جس کو غم زدہ شخص تلفظ کرتا ہے بہر حال ان تمام معانی کے پیش نظر اس کا معنی یہ ہوگا کہ ایسی ایڑیوں کے لئے بڑی ہلاکت اور شدید عذاب الٰہی ہے ایڑیوں کی تحقیق کی وجہ ظاہر ہے خصوص واقعہ کی وجہ سے کیونکہ وضو کے دوران ایڑیاں خشک رہ گئی تھیں۔

اس حدیث کے آخر میں وضو کو پورا اور کامل کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی وضو کے فرائض، سنن، مستحبات اور آداب کو پورا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حدیث میں مذکور ہے کہ اگر اعضاء وضو میں سے ایک ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی تو وضو نہیں ہوگا۔

مسئلہ غسل الرجلین: اس حدیث سے واضح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں کا حکم غسل ہے یعنی پاؤں کو دھویا جائے گا کیونکہ اگر وضو میں پاؤں کو دھونا فرض نہ ہوتا تو محض ایڑیوں کے خشک رہ جانے پر اس قدر شدید وعید اور تنبیہ نہ کی جاتی تمام مشائخ اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ وضو میں پاؤں کو دھونا فرض ہے اس میں کسی قابل قدر شخصیت کا اختلاف ثابت نہیں۔ نیز جن صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حکایت نقل کی ہے ان سب نے یہی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں پاؤں کو دھویا کرتے تھے جیسے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن زیدؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حکایت منقول ہے۔ الغرض غسل رجلین کا حکم متواتر احادیث سے ثابت ہے اور اس کے خلاف پر وعید مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں پہلے صحابہ کرام پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کو دھونے کا حکم دیا اور وضو کو کامل کرنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت امام طحاویؒ عبدالملک بن سلیمان کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء خراسانیؒ سے سوال کیا۔ کیا آپ کے علم میں کوئی ایسی روایت ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہو کہ صحابہ کرامؓ وضو میں پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب میں قسم اٹھا کر نفی کی۔

خلاصہ کلام: خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم میں وضو کے مسئلہ میں پاؤں کا حکم مجمل اور مشتبہ ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے چاہے قولی ہو یا فعلی ہو اس کی وضاحت کر دی کہ وضو میں پاؤں کا حکم غسل ہے نہ کہ مسح اور یہ احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ قدمین کو دھونا ہی فرض ہے۔ ہاں البتہ مسح علی الخفین کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے۔

اہل تشیع اور روافض کے نزدیک وضو میں قدمین کا حکم مسح ہے یہ لوگ دلائل قاطعہ کے ہوتے ہوئے ضلالت اور حماقت کا شکار ہیں۔

سر کے مسح کی مقدار

(۸/۳۵۶) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۲۳۱ حديث رقم (۸۳-۲۷٤)۔ والترمذی ۱/۱۷۰ حديث رقم ۱۰۰ وأخرجه النسائی ۱/۷٦ حديث رقم ۱۰۷۔ وأحمد ٤/۲۵۵۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناصیہ پر، پگڑی پر اور موزوں پر مسح کیا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسح رأس کی مقدار کیا ہے؟

① حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تمام سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

② حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بعض مطلق کا مسح کافی ہے اگرچہ دو تین بالوں کا مسح کیا جائے۔

③ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ربع رأس کا مسح فرض ہے۔

امام صاحب کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ پر مسح کیا اور

ناصیہ سے مراد ربع رأس ہے اس لیے معلوم ہوا کہ چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے کیونکہ اگر ربع رأس کے مسح کو فرض نہ کہیں تو دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تمام سر کے مسح کو فرض قرار دیا جائے جیسے امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ربع رأس سے کم کرکے مسح کو فرض قرار دیا جائے جیسے امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور یہ دونوں احتمال درست نہیں۔ پہلا احتمال اس لئے درست نہیں کہ اگر تمام سر کا مسح فرض ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کم یعنی ناصیہ کا مسح نہ کرتے بلکہ فرض کی ادائیگی کے لئے تمام سر کا مسح کرتے اسی طرح دوسرا احتمال بھی درست نہیں ہے کیونکہ اگر ربع رأس سے کم حصہ کا مسح ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم ایک مرتبہ تو ربع رأس سے کم حصہ پر مسح کر لیتے بیان جواز کے لئے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ربع رأس سے کم کا مسح ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں اس سے ثابت ہوا کہ نہ تو کل رأس کا مسح فرض ہے اور نہ ہی ناصیہ سے کم کا مسح ہے بلکہ ربع رأس کا مسح فرض ہے۔ مسح عَلَى الْعِمَامَةِ: اس حدیث میں مسح علی العمامہ کا بھی ذکر ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسح علی العمامہ جائز ہے یا نہیں اور مذہب ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مسح علی العمامہ جائز نہیں ہے کیونکہ قرآن میں مسح رأس کا حکم ہے اور عمامہ غیر رأس ہے۔

اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک مسح علی العمامہ جائز ہے بشرطیکہ عمامہ کو طہارت کے بعد پہنا ہو اور عمامہ نے تمام سر کو ڈھانپا ہوا ہو۔ امام احمدؒ نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پر مسح کیا ہے۔

جواب نمبر ۱: امام احمدؒ کے استدلال کا پہلا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربع رأس کا مسح کرنے کے بعد وضو کی تکمیل اور سنت کی ادائیگی کے لئے عمامہ کے اوپر مسح کر لیا بجائے اس کے کہ تمام سر کا مسح کرتے۔

جواب نمبر ۲: یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ پر مسح کرنے کے بعد اپنے عمامہ کو درست کیا ہو۔ نہ یہ کہ عمامہ پر مسح کیا ہو۔ راوی نے گمان کیا شاید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا ہے۔

فضیلت والے امور کو دائیں طرف سے شروع کرو

(۹/۳۵۷) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِيْ شَأْنِهٖ كُلِّهٖ فِيْ طُهُوْرِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ. (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱/۲۵۳ حديث رقم ۴۲۶۔ ومسلم ۱/۲۲۶ حديث رقم (۶۷۔۲۶۸) وأخرجه أبو داوٗد في السنن ۴/۳۷۸ حديث ۴۱۴۰۔ والترمذي بمعناه ۲/۵۰۶ حديث رقم ۶۰۸ والنسائي ۱/۲۰۵ حديث رقم ۴۲۱ وابن ماجة ۱/۱۴۱ حديث رقم ۴۰۱۔ وأحمد ۶/۹۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی المقدور اپنے تمام کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے یہاں تک کہ طہارت میں، کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں دائیں طرف سے شروع کرنے کی رعایت کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں اس طرف اشارہ اور ترغیب ہے کہ فضیلت والے کاموں کو دائیں طرف سے شروع کیا جائے کیونکہ رسول اللہؐ بھی حتی الامکان امور عظام میں ابتداء بالیمین کی رعایت کرتے تھے۔ اسی سے اس بات کی قدر اور اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ جیسے مذکورہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طہارت میں بھی ابتداء بالیمین کی رعایت اور محافظت کرتے تھے۔ مثلاً وضو میں پہلے دائیں ہاتھ دایاں پاؤں دھوتے تھے اسی طرح حدث اکبر سے طہارت یعنی غسل میں دائیں پہلو کو دھوتے تھے۔ پھر

بائیں پہلو کو دھوتے تھے۔ بہر حال اس حدیث میں جن اشیاء ثلاثہ کا ذکر کیا گیا ہے یعنی طہارت کنگھی اور جوتا پہننے کا وہ بناء بر تحدید کے نہیں بلکہ بناء بر تمثیل کے ہے ان کے علاوہ بھی فضیلت والی اشیاء کے متعلق یہی حکم ہے مثلاً لباس پہننے میں۔

موزہ اور جراب پہننے میں، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسواک کرتے وقت، بیت الخلاء سے خروج کے وقت، سرمہ لگاتے وقت، ناخن تراشتے وقت، بغل اور حلق العانہ کے وقت، قص الشوارب کے وقت، حلق الرأس کے وقت اور ان جیسے تمام امور میں دائیں جانب سے شروع کرنے کی مکمل رعایت کی جائے اور اس سے معلوم ہوا کہ جو امور قدر و منزلت اور فضیلت والے نہیں ان کو بائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے۔ مثلاً دخول خلاء کے وقت، بازار میں دخول کے وقت، مسجد سے خروج کے وقت اور نا مناسب جگہ دخول کے وقت پہلے بایاں پاؤں داخل کیا جائے۔ علی ہذا القیاس فضیلت والے امور میں دائیں جانب کی رعایت کی جائے اور دیگر ارذل امور میں بائیں جانب کی رعایت کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ دائیں کندھے پر ہوتا ہے۔ سیئات کو لکھنے والا فرشتہ بائیں کندھے پر ہوتا ہے کیونکہ دائیں کو بائیں پر فضیلت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصحاب الیمین کامیاب ہوں گے اور اصحاب الشمال ناکام ہوں گے۔

الفصل الثانی:

وضو اور لباس کے وقت دائیں طرف سے شروع کرو

(۱۰/۳۵۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَأُوْا بِاَیْمَانِکُمْ۔

(رواہ احمد وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/٣٧٩ـ حدیث رقم ٤١٤١ ـ وأخرجه أحمد في المسند ٢/٣٥٤ـ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم لباس پہنو یا وضو کرو تو دائیں جانب سے شروع کرو۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابوداودؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی امور عظام کے اندر ابتداء بالیمین کا ذکر ہے اور بطور مثال کے دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ لباس زیب تن کرتے وقت اور وضو کرتے وقت نہ یہ کہ خود ابتداء بالیمین کی رعایت کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے افراد امت کو ایسے امور میں ابتداء بالیمین کا حکم دیا ہے۔

وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ

(۱۱/۳۵۹) وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَاوُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ (رواہ الترمذی وابن ماجة ورواہ احمد وابوداود عن ابی ہریرة والدارمی عن ابی سعید الخدری عن ابیه وزادفی اوله لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَّاوُضُوْءَ لَهٗ).

أخرجه الترمذي في السنن ١/٣٧ حدیث رقم ٢٥ـ وأخرجه ابن ماجة في السنن ١/١٤٠ حدیث رقم ٣٩٨ـ

ترجمہ: حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے بوقت وضو تسمیہ کو نہ پڑھا اس کا وضو نہیں ہوا۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے امام احمد اور امام ابوداود نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے

روایت کیا ہے اور امام دارمی نے حضرت ابوسعید خدری سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اس حدیث کے شروع میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ۔ کہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے وضو کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں ہوتا اس حدیث سے وضو کے آغاز میں تسمیہ پڑھنے کی فضیلت اور اہمیت معلوم ہوئی کہ تسمیہ کے بغیر وضو کی تکمیل نہیں ہوتی۔

اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وضو کے شروع میں تسمیہ کی شرعی حیثیت کیا ہے اور دو مذہب ہیں حضرت امام احمدؒ کے نزدیک وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

ایک قول کے مطابق بعض علماء کے نزدیک وضو کے شروع میں سبحان الله العظيم و بحمده پڑھنا افضل ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک تعوذ کے بعد تسمیہ کو پڑھنا افضل ہے اور بعض کے نزدیک بسم الله والحمد لله على دين الاسلام پڑھنا افضل ہے۔

وضو کامل کرو

(۱۲/۳۶۰)وَعَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَآئِمًا (رواه ابوداود والترمذی والنسائی وروى ابن ماجة والدارمی) اِلٰى قَوْلِهٖ بَيْنَ الْاَصَابِعِ۔

اخرجه ابوداؤد ۱/۹۷حدیث رقم ۱۴۲۔والترمذی ۳/۱۵۵حدیث رقم ۷۸۸وقال حسن صحیح والنسائی مختصرًا ۱/۶۶حدیث رقم ۸۷۔وابن ماجة ۱/۱۴۲حدیث رقم ۴۰۷والدارمی ۱/۱۹۱حدیث رقم ۶۹۸الی "وخلل بين الاصابع" واخرجه أحمد ۴/۳۲۔

ترجمہ: حضرت لقیط بن صبرۃؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے وضو کے متعلق کچھ بتائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم وضو کو کامل طریق سے کیا کرو اور انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور اگر تمہارا روزہ نہ ہو تو ناک میں پانی داخل کرنے میں مبالغہ کرو۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے امام ابن ماجہ اور امام دارمی نے اس حدیث کو بین الاصابع تک روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ صحابی رسول ﷺ نے آپ ﷺ سے وضو کے بارے میں سوال کیا کہ آپ مجھے کمال وضو کا طریقہ بتا دیں۔ تاکہ میں اس طریقہ کو اختیار کروں میرا وضو کامل درجہ کا ہو اور مجھے زیادہ ثواب حاصل ہو۔

آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وضو کو پورا کیا کرو یعنی وضو کے فرائض، سنن، مستحبات اور آداب کی پوری پوری رعایت کے ساتھ ادائیگی ہو۔

اور وضو کے دوران اصابع کے درمیان خلال کرنے کا حکم دیا گیا اور تخلیل اصابع حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اصابع خلقۃً باہم منفصل اور کشادہ ہوں اور اگر اصابع خلقۃً متصل ہوں اور بغیر مشقت کے ان کے درمیان پانی نہ پہنچایا جا سکتا ہو تو پھر تخلیل اصابع واجب ہے۔

تخلیل اصابع کا طریقہ:

احناف کے نزدیک تخلیل اصابع کا افضل اور اولیٰ طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی کف بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کیا جائے۔ یہ تو اصابع بالید کی تخلیل کا طریقہ ہے اور پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی خنصر انگلی کے ساتھ خلال کیا جائے اس طرح کہ دائیں پاؤں کی خنصر انگلی کے نیچے سے داخل کر کے خلال شروع کیا جائے اور بائیں پاؤں کی خنصر پر ختم کیا جائے۔ الاِسْتِنْشَاق: تیسرا حکم اس حدیث میں یہ ہے کہ اگر روزہ نہ ہو ناک میں پانی مبالغہ کے ساتھ داخل کیا جائے وہ اس طرح کہ ناک میں پانی داخل کرنے کی حد یہ ہے کہ ناک کے نرمہ تک پانی داخل کیا جائے اور اس میں مبالغہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس حد سے آگے متجاوز ہو جائے یہ مبالغہ اس آدمی کے لئے ہے جو روزہ کی حالت میں نہ ہو۔ کیونکہ روزہ کی حالت میں اس طرح کا مبالغہ مکروہ ہے۔ مضمضہ اور استنشاق وضو میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سنت ہیں اور غسل میں فرض ہیں اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق وضو اور غسل دونوں میں سنت ہیں۔

وضو میں تخلیل اصابع کا اہتمام کرو

(۱۳/۳۶۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ.

(رواہ الترمذی وروی ابن ماجة نحوه وقال الترمذی هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی ۵۷/۱ حديث رقم ۳۹ وقال حسن غريب وابن ماجة نحوه ۱۵۳/۱ حديث ٤٤٧۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم وضو کرو۔ تو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور حضرت امام ابن ماجہؒ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں بھی تخلیل اصابع کا حکم مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تخلیل اصابع کا حکم دیا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ انگلیوں کا خلال ہاتھوں اور پاؤں کو دھونے کے بعد کیا جائیگا اور تخلیل اصابع کا افضل اور اولیٰ طریقہ وہی ہے جو ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

پاؤں کی اُنگلیوں کا خلال خنصر کے ساتھ کیا جائے

(۱۴/۳۶۲) وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّاَ يَدْلُكُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهٖ. (رواہ الترمذی وابوداود وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۷/۱ حديث رقم ٤۰ وقال حسن غريب لانعرفه الا حديث ابن لهيعة۔ وابوداؤد ۱۰۳/۱ حديث رقم ۱٤۸۔ وابن ماجة ۱۵۲/۱ حديث رقم ٤٤٦ وأحمد فی المسند ۲۲۹/٤۔

ترجمہ: حضرت مستورد بن شدادؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ پاؤں کی انگلیوں کا خلال خنصر انگلی کے ساتھ کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ قدمین کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی خنصر انگلی کے ساتھ کیا جائے اس حدیث میں

یدلک کے لفظ کا معنی ہے ملنا مراد اس سے خلال ہے کہ اصابع رجلین کا خلال بائیں ہاتھ کی خنصر انگلی کے ساتھ کرتے تھے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اس میں صراحۃً خلال کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی خنصر انگلی کے ساتھ اصابع رجلین کا خلال مستحب ہے۔

ڈاڑھی کا خلال

(۳۶۳/۱۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ كَفًّا مِّنْ مَّاءٍ فَاَدْخَلَهٗ تَحْتَ حَنَكِهٖ فَخَلَّلَ بِهٖ لِحْيَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد ۱/ ۱۰۱ حدیث رقم ۱۴۵۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے تھے تو ایک چلو پانی لیتے پھر اس کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے اور اس سے اپنی ڈاڑھی میں خلال کرتے اور پھر فرماتے کہ میرے رب نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وضو میں ڈاڑھی کا کیا حکم ہے۔ جمہور کے نزدیک مطلقاً وضو میں ڈاڑھی کو دھونا واجب ہے۔ اور احناف کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ ڈاڑھی کی دو قسمیں ہیں خفیف اور کثیف خفیف کو جڑوں تک دھونا واجب ہے اور کثیف کو اوپر سے دھونا فرض ہے۔

اور اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ ڈاڑھی کے خلال کی شرعی حیثیت کیا ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ڈاڑھی کا خلال سنت ہے امام مالک کے نزدیک مستحب ہے احناف کے نزدیک بھی راجح قول کے مطابق سنت ہے اور ڈاڑھی کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دھونے کے بعد ہاتھ کی انگلیاں ڈاڑھی کے نیچے سے داخل کر کے اوپر کی جانب بڑھائیں۔

(۳۶۴/۱۶) وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهٗ ۔ (رواه الترمذی والدارمی)

أخرجه الترمذی ۱/ ۴۶ رقم ۳۱۔ وقال حسن صحیح ۔والدارمی ۱/ ۱۹۱ حدیث رقم ۷۰۴ وابن ماجة ۱/ ۱۴۸ حدیث رقم ۴۳۰۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وضو کرتے وقت اپنی ڈاڑھی کا خلال کیا کرتے تھے اس حدیث کو امام ترمذی اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا

(۳۶۵/۱۷) وَعَنْ اَبِیْ حَيَّةَ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ حَتّٰى اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طَهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ۔ (رواه الترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذی ۱/ ۶۷ حدیث رقم ۴۸۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/ ۷۰ حدیث رقم ۹۶ وأخرجه أبوداوٗد مختصرًا فی السنن ۱/ ۸۳ حدیث رقم ۱۱۶۔

ترجمہ: حضرت ابوحیہؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ انہوں

نے اپنے ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ ان کو اچھی طرح صاف کیا۔ پھر تین مرتبہ کلی کی۔ تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا۔ تین مرتبہ منہ دھویا' تین مرتبہ دونوں ہاتھ مرفقین سمیت دھوئے ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے پھر کھڑے ہو کر وضو کے بچے ہوئے پانی کو پی لیا اور پھر فرمایا کہ میں نے پسند کیا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ کا وضو کر کے دکھاؤں۔ کہ آپ ﷺ کا وضو کس طرح تھا اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی وضو کے ضروری تمام اجزاء کو بیان کیا گیا ہے اور حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کی حکایت نقل کی ہے اور حضرت علیؓ نے آخر میں وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لیا حصول برکت کے لئے۔ کیونکہ وضو کے بچے ہوئے پانی میں برکت آ جاتی ہے۔

(۱۸/۳۶۶) وَعَنْ عَبْدِ خَيْرٍ قَالَ نَحْنُ جُلُوْسٌ نَنْظُرُ اِلٰى عَلِيٍّ حِيْنَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى فَمَلَأَ فَمَهُ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَنَثَرَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى فَعَلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَهٰذَا طُهُوْرُهٗ. (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمی فی سننه ۱/ ۱۹۰ حدیث رقم ۷۰۱۔ والنسائی فی السنن ۱/ ۶۷ حدیث رقم ۹۱۔

ترجمہ: حضرت عبد خیرؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت علیؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے ایک برتن میں سے اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ پانی لیا۔ پھر مضمضہ اور استنشاق کیا اور بائیں ہاتھ سے ناک کو جھاڑا۔ اس طرح تین مرتبہ کیا۔ پھر فرمایا جس کو یہ بات اچھی لگے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کو دیکھے۔ تو وہ اس وضو کو دیکھ لے آپ ﷺ کا وضو اسی طرح تھا۔ اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت کو بیان کرنا راوی کا مقصد تھا۔ اس لئے صرف کلی کرنے اور ناک میں پانی داخل کرنے کی کیفیت کو بیان کیا ہے باقی وضو کا طریقہ معلوم تھا۔ شہرت اور علم کی وجہ سے اس نے اس کو بیان نہیں کیا۔

(۱۹/۳۶۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا. (رواه ابوداود والترمذی)

أخرجه أبو داؤد ۱/ ۸۷ حدیث رقم ۱۱۹ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۴۱ حدیث رقم ۲۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ اس طرح کیا اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے آخری جملہ میں کف واحد فعل ذالك ثلاثا کے مطلب اور مراد میں چار احتمالات ہیں۔

① ایک ہی چلو سے مضمضہ اور استنشاق کیا اور اس طرح تین مرتبہ کیا۔ یعنی دونوں کام تین چلوؤں سے کئے اسی کو وصل کہا جاتا ہے۔
② تین چلوؤں سے تین مرتبہ مضمضہ کیا اور پھر تین چلوؤں سے استنشاق کیا یہ احتمال افضل اور راجح ہے کیونکہ کثیر تعداد میں احادیث اس کی مؤید ہیں۔
③ ایک ہی چلو سے تین مرتبہ مضمضہ اور استنشاق کیا دوسرا چلو نہیں لیا۔
④ من کف واحد سے مراد یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کے لئے پانی داخل کرنے کے لئے ایک ہاتھ استعمال کیا ہے۔

کانوں کا مسح

(۳۶۸/۲۰)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّابَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِاِبْهَامَيْهِ.

(رواہ النسائی)

أخرجه النسائي من حديث طويل ۱/۷۴حديث رقم ۱۰۲۔والترمذي نحوه ۱/۵۲حديث رقم ۳۶وقال حسن صحيح۔ وابن ماجة ۱/۱۵۱حديث رقم ۴۳۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کا اور دونوں کانوں کا مسح کیا اور کانوں کے اندر کا مسح شہادت کی اصابع سے کیا اور ظاہر کا مسح ابہامین کے ساتھ کیا۔اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

(۳۶۹/۲۱)وَعَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّهَا رَاَتِ النَّبِیَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ مَا اَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَیْ اُذُنَيْهِ.

(رواه ابو داود روى الترمذي الرِّوَايَةُ الْاُوْلٰى وَاحمد وابن ماجة الثانية)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۹۱حديث ۱۲۹۔والترمذي ۱/۴۸۔وقال حسن صحيح وأحمد في السمند ۶/۳۵۹وأخرجه الرواية الثانية أبو داوٗد في السنن ۱/۹۱حديث رقم ۱۳۱وأحمد في السند ۶/۳۵۹ وابن ماجة ۱/۱۵۱حديث ۴۴۱۔

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا وہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کے اگلے حصہ پر اور پچھلے حصہ پر کنپٹیوں پر اور کانوں پر ایک مرتبہ مسح کیا۔

اور ایک دوسری میں روایت میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا۔چنانچہ مسح کرتے وقت اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔امام ترمذی اور امام احمد نے پہلی حدیث کو اور امام ابن ماجہ نے دوسری حدیث کو روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ ان دونوں حدیثوں میں بھی سر اور کانوں کے مسح کا ذکر کیا گیا ہے اس حدیث میں صُدْغَيْهِ وَاُذُنَيْهِ۔ان دونوں کا عطف ہے رَأْسَهٗ پر اور یہ عطف عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے کیونکہ راس عام ہے صدغ اور اذن خاص ہیں معنی یہ ہوگا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سر کا مسح کیا تو اسی پانی کے ساتھ کنپٹیوں اور کانوں کا مسح بھی کیا اور ان دونوں کے مسح کے لئے ماء جدید نہیں لیا۔یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔صدغ: اس حدیث میں صُدْغَيْهِ۔تثنیہ ہے۔صدغ کا نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے ساقط ہے اب یہ کہ صدغ سے کیا مراد ہے ایک قول کے مطابق صدغ کان اور آنکھ کے درمیان والے حصہ کو کہتے ہیں اردو زبان میں اس کو کن پٹی کہتے ہیں اور اسی طرح اس جگہ پر جو بال لٹکے ہوں ان کو بھی صدغ کہا جاتا ہے اور ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ صدغ سے مراد وہ بال ہیں جو سر کے دونوں جانب کان اور ناصیہ کے درمیان ہوں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق یہی معنی ہے۔

شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ مسح راس میں تثلیث مسنون ہے یا نہیں۔جمہور ائمہ کے نزدیک مسح راس میں تثلیث مسنون نہیں بلکہ مسح راس صرف ایک مرتبہ ہوگا یہی امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا مسلک ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسح راس میں تثلیث مسنون ہے ماء جدید کے ساتھ اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ مسح راس تین مرتبہ مستحب ہے۔

حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ مسح راس کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ کی مرویات صحیح ہیں اور وہ سب روایات اس پر دلالت

کرتی ہیں کہ مسح راس میں تثلیث مسنون نہیں۔ بلکہ مسح راس مرۃ واحدۃ ہوگا۔

علامہ شمنیؒ فرماتے ہیں کہ مسح راس میں تثلیث ماء جدید کے ساتھ بدعت ہے اور صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ایک پانی کے ساتھ تین مرتبہ مسح کرنا مشروع ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ ایک پانی کے ساتھ مسح راس میں تثلیث مشروع ہے۔

مسح راس کرنا ماء جدید کے ساتھ

(۲۲/۳۷۰)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّاَ وَاَنَّهٗ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ۔

(رواہ الترمذی ورواہ مسلم مع زوائد)

أخرجه الترمذي في السنن ۱/ ۵۰ حديث رقم ۳۵۔وقال حسن صحيح ۔وأخرجه أبو داوٗد بمعناه ۱/ ۸۷حديث ۱۲۰ ومسلم في حديث طويل ۱/ ۲۱۱حديث رقم (۱۹۔۲۳۶)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سر کا مسح کیا ماء جدید کے ساتھ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

اور امام مسلم نے اس روایت کو کچھ زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس میں مسح راس کے ساتھ دیگر اعضاء وضو کے دھونے کا بھی ذکر ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اختلاف ہے کہ مسح راس کے لئے ماء جدید لینا شرط ہے یا نہیں احناف کے نزدیک ماء جدید لینا شرط نہیں ہے اور علماء احناف کی کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ ایک آدمی نے وضو کے وقت ہاتھوں کو دھویا اور ہاتھ دھونے کے بعد جو رطوبت ہاتھ پر تھی اس سے سر کا مسح کر لیا تو مسح ہو جائے گا اور اگر کسی عضو پر مسح کیا اور مسح کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں پر رطوبت باقی تھی۔ اس سے سر کا مسح کر لیا تو یہ مسح درست نہیں ہوگا اور اس کی تائید میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بھی نقل کی جاتی ہے اور مذکورہ حدیث میں ایک نسخہ غبر ہے اور اس حدیث کو ابن لہیعہ کے طریق سے اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے۔ بِمَاءٍ غَبْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ۔ یعنی لفظ غبر باء کے ساتھ ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس پانی کے ساتھ مسح کیا جو ہاتھ پر باقی بچا ہوا تھا یعنی مسح راس کے لئے ماء جدید نہیں لیا۔ بلکہ ہاتھ دھونے کے بعد جو رطوبت ہاتھوں پر باقی تھی اسی کے ساتھ مسح راس کیا۔ اس اعتبار سے حدیث کا معنی مذکورہ نسخہ کے بالکل برعکس ہوگا صرف ایک نقطہ کے تغیر سے معنی میں تغیر اور تبدل واقع ہو جائے گا اس نسخہ کے اعتبار سے یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہوگی اور اگر مذکورہ نسخہ کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان تطبیق ہوگی کہ ماء جدید لینے کا حکم اس وقت ہے کہ ہاتھ خشک ہو چکے ہوں۔

کانوں کے مسح کا حکم

(۲۳/۳۷۱)وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ذَكَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقَيْنِ وَقَالَ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّاْسِ (رواه ابن ماجة وابوداود والترمذي) وَذَكَرَا قَالَ حَمَّادٌ لَا اَدْرِيْ اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّاْسِ مِنْ قَوْلِ اَبِیْ اُمَامَةَ اَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

أخرجه النسائي في السنن ۱/ ۸۸حديث ۱۴۰۔وأخرجه ابن ماجة ۱/ ۱۴۶حديث ۴۲۲وأبو داوٗد مطولاً ۱/ ۹۴ حديث

رقم وأحمد فی المسند ۲/ ۱۸۰۔

ترجمہ: حضرت امامہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ آنکھ کے دونوں کناروں کو بھی ملا کرتے تھے اور فرمایا کہ دونوں کان بھی سر میں داخل ہیں اس حدیث کو امام ابن ماجہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حماد راوی نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ کا جملہ ابوامامہ کا قول ہے یا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ اس حدیث میں مسح اذنین کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ اذنین مسح رأس کے ساتھ مسلم ہوگا۔

تشریح ۞ اَلْمَاقَیْنِ یہ تثنیہ ہے ماق کا اور ماق گوشہ چشم یعنی آنکھ کے کنارہ کو کہتے ہیں علامہ جوہریؒ نے فرمایا کہ ماق دونوں طرف کے گوشہ چشم کو کہتے ہیں لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کرتے وقت اولیٰ اور مستحب ہے کہ آنکھوں کے دونوں کناروں کو مسح کر لیا جائے یعنی ہاتھ ملا جائے تاکہ آنکھ کے اندر کی میل کچیل اچھی طرح صاف ہو جائے۔ اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ۔ اس جملہ سے دو حکم ثابت ہوئے ایک یہ کہ کانوں کا مسح سر کے مسح کے ساتھ کرنا چاہیے۔ دوم یہ کہ سر کے مسح کے لئے جو پانی لیا ہے۔ اسی پانی کے ساتھ کانوں کا مسح بھی کیا جائے۔ کانوں کے مسح کے لئے ماء جدید لینے کی ضرورت نہیں پہلے حکم پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے اور دوسرے حکم کے بارے میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اذنین کا مسح سر کے مسح سے باقی ماندہ پانی کے ساتھ کیا جائے گا۔ کانوں کے مسح کے لئے ماء جدید لینے کی کوئی ضرورت نہیں اس مذہب کی تائید احادیث کثیرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

اور دوسرا مذہب امام شافعی کا ہے ان کے نزدیک اذنین کے مسح کے لئے ماء جدید لیا جائے گا یعنی سر کے مسح سے باقی ماندہ پانی کانوں کے مسح کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

ایک حدیث سے بھی حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

البتہ دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق ممکن ہے وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر سر کے مسح سے باقی ماندہ پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کرتے تھے کبھی کبھی اذنین کے مسح کے لئے ماء جدید لیتے تھے جب کہ ہاتھ خشک ہو جائیں۔ اس صورت میں ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ماء جدید لیا جائے گا۔

وضو میں حد سے تجاوز ظلم ہے

(۲۴/۳۷۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ يَسْاَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰی هٰذَا فَقَدْ اَسَآءَ وَتَعَدّٰی وَظَلَمَ ۔

(رواہ النسائی و ابن ماجۃ وروی ابوداود معناہ)

أخرجه النسائی فی السنن ۱/ ۸۸حدیث ۱۴۰۔ وأخرجه ابن ماجة ۱/ ۱۴۶ حدیث ۴۲۲ وأبو داؤد مطولاً ۱/ ۹۴حدیث رقم وأحمد فی المسند ۲/ ۱۸۰۔

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے وضو کے متعلق سوال کیا پھر آپ ﷺ نے اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھو کر دکھلایا اور فرمایا کامل وضو اس طرح ہے لہٰذا جس آدمی نے اس پر زیادتی کی اس نے برا کیا تعدی اور ظلم کیا۔ اس

حدیث کوامام نسائی اورامام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اورامام ابوداؤد نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

تشریح ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے وضو کی کیفیت کے متعلق سوال کیا آپؐ نے اس کے جواب میں عملاً وضو کر کے دکھایا اور ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا اور اس کو بتایا کہ کامل وضو اس طرح ہے اور اس طرح کا وضو کامل ثواب کا ذریعہ ہے اور پھر آپؐ نے تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونے والوں کے لئے وعید ذکر کی ہے کہ جو شخص مذکورہ تعداد سے زیادتی کرے یہ عمل اس کے لئے مفید تو نہیں ہوگا البتہ نقصان دہ ضرور ہوگا اور آپؐ نے ایسے شخص کے بارے میں تین وعیدیں ذکر کی ہیں:

① **اساء**: اس نے سنت کو ترک کر کے برا کیا۔

② **تعدی**: اس نے زیادتی کر کے حدود سنت سے تجاوز کیا۔

③ **ظلم**: رسول اللہ ﷺ کے طریقہ اور سنت کے خلاف عمل کر کے اپنے اوپر ظلم کیا۔

یہ وعید اس وقت ہے جب کہ تین مرتبہ دھونے کو سنت نہ سمجھے اور اگر کوئی تثلیث کو سنت سمجھے اور بقدر ضرورت زیادتی کرے وہ اس وعید سے مستثنیٰ ہے۔

وضو اور دعا میں تجاوز نہ کرو

(۳۷۳/۴۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْقَصْرَ الْاَبْيَضَ عَنْ يَمِيْنِ الْجَنَّةِ قَالَ اَیْ بُنَیَّ سَلِ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذْ بِهٖ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ يَّعْتَدُوْنَ فِی الطُّهُوْرِ وَالدُّعَاءِ۔ (رواه احمد وابو داود وابن ماجة)

أخرجه أحمد فی المسند ٤/٨٧ وأخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٧٣ حديث رقم ٩٦ وأخرجه ابن ماجة مقتصرًا على الدعاء ٢/١٢٧١ حديث رقم ٣٨٦٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔

اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں طرف سفید محل کا سوال کرتا ہوں تو انہوں نے کہا۔ اے میرے بیٹے تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور دوزخ کی آگ سے پناہ مانگو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو وضو اور دعاء میں حد سے تجاوز کریں گے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح اس حدیث میں وضو اور دعاء میں تجاوز کرنے سے منع کیا گیا ہے جب حضرت عبداللہ بن مغفل کے بیٹے نے قیودات سے مقید دعاء کی تو آپ نے اس کو تنبیہ کی اور اس تنبیہ کی غرض وغایت یہ تھی کہ جن قیودات سے مقید کر کے دعا مانگ رہے ہو یہ طریقہ سوال شان عبودیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک تو تحکم کا پہلو ہے اور دوسرا جنت میں مخصوص صفت کی مخصوص جگہ کی طلب ایک نامناسب امر ہے۔ پھر حضرت عبداللہ نے اصلاح کرتے ہوئے دعا کی صحیح تربیت کرتے ہوئے اصلاح کی کہ دعاء اس طرح مانگو۔

کہ اللہ تعالیٰ سے حصول جنت کی دعا کرو اور عذاب جہنم سے پناہ مانگو۔ آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ وہ تمہیں جنت میں داخل کر کے اپنے فضل وکرم سے جس درجہ پر فائز کرے اس کی مرضی۔

حد سے تجاوز پسندیدہ نہیں:

اس حدیث میں طہارت اور دعا میں حد سے تجاوز کو منع کیا گیا ہے طہارت میں حد سے تجاوز یہ ہے کہ اعضاء وضو کو مسنون طریقہ سے تجاوز کر کے تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے اور پانی بھی ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔ یہاں تک کہ نہر اور دریا پر بھی اسراف منع کیا ہے یا اعضاء وضو کو اتنا زیادہ مبالغہ کے ساتھ دھویا جائے کہ وہم اور وسوسہ کی حد تک پہنچ جائے اور دعاء میں حد سے تجاوز یہ ہے کہ دعا اس طرح مانگی جائے جس سے بے ادبی کا اظہار اور شائبہ ہو اور یہ کہ دعا شان عبودیت کے خلاف ہو یا دعا کو نامناسب قیودات کے ساتھ مقید کیا جائے یا ایسی اشیاء اور امور کے بارے میں سوال کیا جائے جو کہ امکان اور عادت سے خارج ہوں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ دو چیزوں میں حد سے تجاوز خاص نہیں۔ بلکہ ہر چیز میں حد سے تجاوز پسندیدہ نہیں چاہے وہ چیز شریعت ہی کا مطلوب کیوں نہ ہو چنانچہ مذکورہ حدیث میں اس طرف اشارہ موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ پیشگوئی کی جارہی ہے۔ کہ اس امت میں ضرور ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ سے متجاوز ہوں گے۔ یہاں تک کہ حدود شرعی سے تجاوز کرتے ہوئے طہارت اور دعا میں بھی حد سے تجاوز کریں گے۔

وضو کا شیطان ولہان ہے

(۲۶/۳۷۴) وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَیْطَانًا یُقَالُ لَهُ الْوَلَهَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَآءِ (رواہ الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذاحدیث غریب) وَلَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِیْثِ لِاَنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَسْنَدَهٗ غَیْرُ خَارِجَةَ وَهُوَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۸۴/۱ حدیث ۵۷ وقال حدیث غریب اسناده لیس بالقوی وأخرجه ابن ماجة ۱۴۶/۱ حدیث رقم ۴۲۱۔ وأحمد فی المسند ۱۳۶/۵۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وضو کا ایک شیطان ہے جسے ولھان کہا جاتا ہے لہٰذا پانی کے وسوسہ سے بچو۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور محدثین کے نزدیک اس کی سند قوی نہیں ہے اس لئے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ خارجہ کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو مسند بیان کیا ہو اور خارجہ ہمارے علماء کے نزدیک مضبوط راوی نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ وضو میں خلل اندازی کے لئے ایک خاص شیطان ہے جو وضو کے دوران وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کا نام ولھان ہے اس کا معنی ہے عقل کا زائل ہونا اور متحیر ہونا اور اس شیطان کو بھی ولھان اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ بھی لوگوں کے دلوں میں وساوس پیدا کر کے عقل کو زائل کر دیتا ہے اور لوگوں کو تحیر میں ڈال دیتا ہے اس کا اثر اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا اس چکر میں پھنس کر وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ابھی فلاں عضو ٹھیک طریقہ سے نہیں دھویا گیا یا فلاں عضو کو ایک مرتبہ دھویا ہے۔ فلاں کو دو مرتبہ دھویا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی کے وسوسہ سے بچو کہ وسوسہ میں مبتلا ہو کر زیادہ پانی استعمال کرتے ہوئے اسراف سے بچو۔

اور انسان سنت کے مطابق وضو کر کے اس پر یقین رکھے۔ پھر بھی اگر وسوسہ پیدا ہو۔ تو اپنے آپ سے یہ کہے کہ بس میرا یہی وضو ہے اگر ٹھیک ہے تو تب بھی ٹھیک۔ اگر ٹھیک نہیں تو تب بھی ٹھیک ہے۔

وضو کے بعد تولیہ استعمال کرنا

(۲۷/۳۷۵)وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرَفِ ثَوْبِهٖ. (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۷۵ حدیث رقم ۵٤۔وقال حدیث غریب اسنادہ ضعیف۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ وضو کرتے تو اپنے کپڑے کے کنارے سے اپنا چہرہ صاف کر لیتے اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وضو کر کے فارغ ہوتے تو پانی خشک کرنے کے لئے اپنے کپڑے کے ایک کنارے سے اپنا چہرہ مبارک خشک کر لیتے تھے۔

علامہ زیلعیؒ نے کنز کی شرح میں لکھا ہے کہ وضو کرنے کے بعد اعضاء وضو کو خشک کرنے کے لئے رومال اور تولیہ وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے اور اس کا جواز حضرت عثمانؓ حضرت انسؓ اور حضرت حسن بن علیؓ سے بھی ثابت ہے اور اس کے بعد آنے والی حضرت عائشہؓ کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور صاحب منیہ نے وضو کے بعد تولیہ وغیرہ استعمال کرنے کو مستحب کہا ہے اور احناف کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر وضو کرنے کے بعد تولیہ وغیرہ کا استعمال تکبر اور غرور کی وجہ سے ہو تو پھر اس کا استعمال مکروہ اور ناجائز ہے اور اگر تکبر اور غرور کی وجہ سے نہ ہو تو پھر جائز ہے بلا کراہت اور امام شافعیؒ کے تین قول ہیں ایک یہ کہ تولیہ وغیرہ استعمال کرنا مستحب ہے دوم یہ کہ سردیوں میں جواز ہے اور گرمیوں میں ممانعت ہے سوم یہ کہ وضو اور غسل دونوں میں تولیہ استعمال کرنا مکروہ ہے۔

دلیل: ان کا استدلال ایک حدیث سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وضو کر چکے تو حضرت میمونہؓ نے ایک رومال آپ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ آپ اعضاء وضو کو اس سے خشک کر لیں مگر آپ نے واپس کر دیا اس کو استعمال نہیں کیا۔

جواب: احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رومال کو اس وجہ سے واپس نہیں کیا تھا کہ اس کا استعمال ناجائز ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ کسی اور وجہ سے اس کو استعمال کرنے سے انکار کیا ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ سے اعضاء وضو کو خشک کرنا تو ثابت ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو احادیث میں تعارض لازم آئے گا۔

رسول اللہ ﷺ ایک کپڑے کے ساتھ اعضاء وضو کو خشک کرتے تھے

(۲۸/۳۷۶)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا اَعْضَاءَهٗ بَعْدَ الْوُضُوْءِ.

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث لیس بالقائم وابو معاذ الراوی ضعیف عند اھل الحدیث)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۷٤ حدیث رقم ۵۳۔ وقال لیس بالقائم۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک کپڑا تھا جس کے ساتھ وضو کرنے کے بعد اعضاء وضو کو خشک کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے اور اس کا راوی ابو معاذ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

تشریح: اس حدیث میں صراحۃً رسول اللہ ﷺ سے اعضاء وضو کو خشک کرنا ثابت ہے امام ترمذی نے اس حدیث کو ابو معاذ راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے بلکہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے پر اکتفاء نہیں کیا اس سے بڑھ کر یہ بھی فرمایا ہے کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو خشک کرنے کے بارے میں کوئی بھی صحیح حدیث منقول نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ اور تابعین کی

ایک جماعت نے اعضاء وضو کو خشک کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت رسول اللہ ﷺ کے کسی قول اور فعل سے ثابت نہیں ہے یہ ان لوگوں کا اپنا خیال ہے یہی ارشاد فرمایا ہے سید جمال الدین شافعیؒ نے۔

علماء احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ صحابہ اور تابعین نے جو اعضاء وضو کے خشک کرنے کی اجازت دی ہے یہ یقیناً ان کی ذاتی رائے' خیال اور ذہنی اختراع نہیں ہے۔ بلکہ لازماً یہ عمل قول' فعل اور تقریر رسول ﷺ سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ صحابہ کرام جیسے حضرت عثمانؓ' حضرت انسؓ' حضرت حسنؓ سے اعضاء وضو کو خشک کرنا ثابت ہے اور ان کی جلالت شان اور اتباع نبوی کا جذبہ بالکل ظاہر ہے ان شخصیات کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ دینی معاملات میں ان کا کوئی عمل اختراعی ہو۔ لہٰذا ان لوگوں کا عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے پاس ضرور کوئی حدیث ہے اور یہ اصول بھی محدثین کے نزدیک مسلم شدہ ہے۔ کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا اپنی رائے کے مقابلے میں اولیٰ ہے۔

الفصل الثالث:

(۲۹/۳۷۷)وَعَنْ ثَابِتِ ابْنِ اَبِیْ صَفِیَّةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ هُوَ مُحَمَّدُ الْبَاقِرُ حَدَّثَكَ جَابِرٌ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً وَمَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ . (رواه الترمذی و ابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۶۵ حدیث رقم ۴۵۔ و ابن ماجة ۱/ ۱۴۳ حدیث رقم ۴۱۰۔

ترجمہ: حضرت ثابت بن ابی صفیہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادق کے والد سے جن کا نام محمد باقر ہے کہا کہ آپ سے حضرت جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ایک ایک مرتبہ کبھی دو دو مرتبہ اور کبھی تین تین مرتبہ وضو کیا انہوں نے جواب دیا ہاں (جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے)۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ✿ حدیث کے نقل کا ایک طریقہ ہے عرض حدیث۔ محدثین عظام کی عادت ہے کہ جب متعلم اپنے شیخ سے کوئی حدیث سنتا ہے تو وہ پوچھتا ہے: حدثك فلان عن فلان۔ کیا یہ حدیث آپ کے سامنے فلاں نے فلاں سے نقل کی ہے اس طرح شاگرد اپنی سند کے سلسلہ کو رسول اللہ ﷺ تک متصل کرتا ہے اور شیخ خاموشی کے ساتھ اپنے شاگرد کے اس سلسلہ سند کو سنتا رہتا ہے۔

کیا آپ سے یہ حدیث فلاں نے اور فلاں نے فلاں سے اور فلاں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اس کے جواب میں استاذ کہتا ہے نعم تو یہ روایت اور نقل حدیث کا ایک طریقہ ہے اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے استاد اپنے شاگرد کے سامنے کہتا ہے حدثنی فلان عن فلان...... کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی فلاں نے اور فلاں سے فلاں نے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے فلاں نے سنی ہے اس صورت میں شیخ بیان کرتا ہے اور شاگرد خاموشی سے سنتا ہے۔

اسی طرح یہاں حضرت ثابت بن ابی صفیہؒ نے اپنے استاذ حضرت محمد باقرؒ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا حدثك جابرؓ ...... کیا یہ حدیث آپ کے سامنے حضرت جابرؓ نے بیان کی ہے اس کے جواب میں حضرت امام محمد باقر نے اقرار کیا کہ ہاں حضرت جابرؓ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

اعضاء وضو کو دو دو مرتبہ دھونا نور علیٰ نور ہے

(۳۰/۳۷۸)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَقَالَ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔

رواہ رزین وفیہ مقال۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعضاء وضو کو دو دو مرتبہ دھویا اور پھر فرمایا یہ نور علی نور ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں اعضاء وضو کو دو دو مرتبہ دھونے کو نور علی نور قرار دیا گیا ہے وہ اس طرح کہ ایک ایک مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہوا۔ یہ ایک نور ہے اور دوسری مرتبہ اعضاء وضو کو دھونے سے سنت ادا ہوئی۔ یہ دوسرا نور ہے اور دونوں نور مل کر نور علی نور ہے۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام کا وضو

(۳۱/۳۷۹) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ تَوَضَّأَ ثَلاَثًا ثَلاَثًا وَقَالَ ھٰذَا وُضُوْئِیْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِیَآءِ قَبْلِیْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاھِیْمَ۔ (رواھما رزین والنووی ضَعَّفَ الثَّانِیْ فِیْ شَرْحِ مسلم)

رواہ رزین وفیہ مقال۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا اور فرمایا یہ میرا اور مجھ سے پہلے رسولوں کا وضو ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیا ہے اور علامہ نووی نے شرح مسلم میں دوسری حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح ❁ رسول اللہ ﷺ نے اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا وضو ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو ہے یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر تمام انبیاء کے بعد تخصیص بعد التعمیم کے طور پر ہے۔ یعنی پہلے تمام انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو کہ بمنزلہ عام کے ہے۔ پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر کیا گیا جو کہ بمنزلہ خاص کے ہے اور تخصیص بعد التعمیم کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طہارت و نظافت کا بہت اہتمام تھا۔

رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے

(۳۲/۳۸۰) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَتَوَضَّأُ لِکُلِّ صَلاَۃٍ وَکَانَ اَحَدُنَا یَکْفِیْہِ الْوُضُوْءُ مَالَمْ یُحْدِثْ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱/۳۱۵ حدیث رقم ۲۱۴۔ وأبوداوٗد بالمعنی ۱/۱۲۰ حدیث رقم ۱۷۱ والنسائی فی السنن ۱/۸۵ حدیث ۱۳۱۔ وأخرجه الترمذی ۱/۸۸ رقم ۶۰ وقال حسن صحیح وابن ماجة ۱/۱۷۰ حدیث رقم ۵۰۹ وأخرجه الدارمی ۱/۱۹۸ حدیث رقم ۷۲۰۔ وأحمد فی المسند ۳/۱۳۲۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے لئے وضو کیا کرتے تھے اور ہمیں ایک ہی وضو کافی ہوتا تھا جب تک کہ حدث نہ ہو جائے اس حدیث کو امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لئے وضو لکل صلوٰۃ کو ذکر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر نماز کے لیے نیا وضو واجب تھا۔ مگر بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد والی حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے بعض علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ بطور عزیمت کے وضو لکل صلوٰۃ پر عمل کرتے تھے۔

وضولکل صلوٰۃ کا حکم منسوخ ہے

(۳۴/۳۸۱) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ قَالَ قُلْتُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَأَيْتُ وُضُوْءَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ عَمَّنْ اَخَذَهُ فَقَالَ حَدَّثَتْهُ اَسْمَآءُ بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ حَنْظَلَةَ بْنِ اَبِيْ عَامِرِ الْغَسِيْلِ حَدَّثَهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اُمِرَ بِالْوُضُوْءِ لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْغَيْرَ طَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اُمِرَ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَّوُضِعَ عَنْهُ الْوُضُوْءُ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ قَالَ فَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ يَرٰى اَنَّ بِهٖ قُوَّةً عَلٰى ذٰلِكَ فَفَعَلَهُ حَتّٰى مَاتَ . (رواہ احمد)

أخرجه احمد في المسند ٥/٢٢٥ـ وأخرجه أبو داوٗد في السنن ١/٤١ حديث رقم ٤٨ـ

ترجمہ: حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے کہا کہ مجھے یہ بتایئے کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ وضولکل صلوٰۃ کیا کرتے تھے چاہے وہ باوضو ہوں یا بے وضو ہوں اور انہوں نے یہ عمل کس سے حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسماء بنت زید بن خطاب نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ ابی عامر الغسیل نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ سرکار دو عالم رسول اللہ ﷺ کو وضولکل صلوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا۔ چاہے آپ باوضو ہوں یا بے وضو ہوں۔ جب آپ کے لئے یہ مشکل ہوا تو پھر ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور وضولکل صلوٰۃ کو منسوخ کر دیا گیا کہ اب وضو صرف حدث ہو جانے کی صورت میں کیا جائے گا حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ گمان تھا کہ ان میں ہر نماز کے لئے جدید وضو کرنے کی طاقت ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی پر عمل کیا اپنی موت تک۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پہلے وضولکل صلوٰۃ پر عمل کرتے تھے۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا اور اس کے قائم مقام مسواک کا حکم دیا گیا اس سے مسواک کی عظمت اور فضیلت بھی ظاہر ہوگئی کہ مسواک کو وضو کے قائم مقام کر دیا گیا۔

عبد اللہ بن عمر ؓ کا عمل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ وضولکل صلوٰۃ پر عمل کیا کرتے تھے انہوں نے یہ اجتہاد اور استنباط کیا کہ اگرچہ وضولکل صلوٰۃ کا وجوب منسوخ ہو گیا ہے مگر جو آدمی اس کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ وضولکل صلوٰۃ پر عمل کرے اس کے لئے اس کی فضیلت اور اہمیت باقی ہے اس لئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب دیکھا کہ میرے اندر اس کی استطاعت موجود ہے تو میں اس پر عمل کروں گا میں اس کی فضیلت' سعادت اور ثواب سے محروم نہیں ہو سکتا چنانچہ انہوں نے تادم حیات وضولکل صلوٰۃ کو اپنا معمول بنا لیا اور موت تک اس پر کاربند رہے۔ **الغسیل**: یہ حضرت حنظلہؓ کی صفت اور لقب ہے۔ حضرت حنظلہؓ کو غسیل کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کو ملائکہ نے غسل دیا تھا وہ اس طرح کہ حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حنظلہؓ کی زوجہ محترمہ سے پوچھا کہ ان کا کیا حال اور کیفیت تھی۔ یعنی جب وہ اپنے گھر سے نکلے تھے تو اس وقت وہ کیا کام کر رہے تھے۔ انہوںؓ نے جواب دیا کہ وہ جنابت کی حالت میں تھے۔ غسل کی تیاری میں مصروف تھے اتنے میں ندا آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے لئے بلایا ہے۔ اسی حالت میں چل پڑے کہ اللہ کے رسول کے حکم کو پورا کرنے میں تاخیر نہ ہو جائے اور اسی حالت میں غزوہ احد میں جام شہادت نوش کر لیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ملائکہ ان کو غسل دے رہے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔

وضواور غسل میں پانی کا اسراف جائز نہیں

(۳۴/۳۸۲)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ يَاسَعْدُ قَالَ اَفِى الْوُضُوْءِ سَرَفٌ قَالَ نَعَمْ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ . (رواه احمد وابن ماجة)

أخرجه أحمد في المسند ٢/٢٢١۔ وابن ماجة ١/١٤٧ حديث رقم ٤٢٥۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا گزر حضرت سعدؓ کے پاس سے ہوا اور وہ وضو کر رہے تھے اور وضو میں اسراف کر رہے تھے آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر اشارہ فرمایا۔ اے سعد یہ اسراف کیوں کر رہے ہو۔ حضرت سعدؓ نے ارشاد فرمایا کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اگرچہ تم جاری نہر پر بھی وضو کر رہے ہو۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو اور غسل کے اندر پانی کا اسراف جائز نہیں۔ بقدر ضرورت پانی استعمال کیا جائے اگرچہ انسان کسی نہر یا دریا اور تالاب وغیرہ پر وضو اور غسل کرے اور اسراف اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

اور اس کی دلیل اور قرینہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت سعدؓ کو وضو کے دوران اسراف کرتے ہوئے دیکھا۔ تو آپ ﷺ نے اس اسراف پر حضرت سعدؓ کو شدت سے تنبیہ فرمائی۔ حضرت سعدؓ کو اس پر تعجب اور حیرانگی ہوئی۔ کہ پانی کے اندر فراوانی اور کثرت ہے۔ پھر اس میں اسراف اور فضول خرچی کا کیا مطلب ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سعدؓ وضو کے اندر پانی زیادہ استعمال کرنے کو اسراف نہیں سمجھ رہے تھے۔

اسی وجہ سے حضرت سعدؓ نے سوال کیا اے اللہ کے رسول کیا وضو کے اندر بھی اسراف ہوتا ہے آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے یہاں تک کہ فرمایا اگر تم کسی نہر وغیرہ پر بھی وضو کرو تو وہاں بھی ضرورت سے زائد پانی استعمال کرنا اسراف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسراف کا تعلق پانی کی قلت سے نہیں۔ اسراف مطلقاً ہوتا ہے چاہے پانی کی قلت ہو یا کثرت ہو۔ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ: جاری نہر پر اسراف کی وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ جاری نہر وغیرہ پر اسراف اس لئے ہوتا ہے کہ جب بندہ نہر پر وضو کرتے ہوئے شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے ضرورت سے زائد پانی استعمال کرتا ہے تو اس کی وجہ سے وقت فضول ضائع ہوتا ہے اور یہ اسراف کو مستلزم ہے۔

علامہ طیبیؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے بطور مبالغہ کے اسراف سے بچنے کی تاکید ہے: کہ جس چیز میں اسراف کا تصور بھی نہیں ہوسکتا ہے۔ جب اس میں بھی اسراف ہے۔ تو دیگر اشیاء میں بطریق اولیٰ اسراف ہوگا جو اسراف سے متعلق ہیں کہ جن میں حقیقۃً اسراف ہوتا ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ وضو اور غسل میں ضرورت سے زائد پانی استعمال کرنے میں اسراف ہے اس سے احتراز ضروری ہے کیونکہ اسراف گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

وضو میں تسمیہ پڑھنے کی فضیلت

(۳۵/۳۸۳)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُطَهِّرُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ يُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ . (رواهما الدارقطني)

أخرجه الدارقطني ١/٧٤ حديث رقم ١٢ من باب التسمية على الوضوء۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے وضو کیا اور بسم اللہ پڑھی۔ تو اس نے اپنا تمام جسم گناہوں سے پاک کرلیا اور جس نے وضو کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس نے صرف اعضاء وضو کو پاک کیا۔

تشریح: اس حدیث میں وضو کے دوران بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس آدمی نے وضو کے آغاز میں بسم اللہ پڑھی اور پھر وضو شروع کیا تو اس کا تمام جسم گناہوں کی آلودگی سے پاک ہوجاتا ہے مراد اس سے صغیرہ گناہوں کی نجاست ہے کہ جس آدمی نے وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھی تو اسکا تمام بدن صغیرہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے اور کبیرہ گناہ اس سے معاف نہیں ہوتے کیونکہ کبائر کی معافی کیلئے توبہ شرط ہے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے تو احناف کے نزدیک وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی مسنون ہے یا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

وضو میں انگشتری کو حرکت دینے کا مسئلہ

(۳۶/۳۸۴) وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلَاةِ حَرَّكَ خَاتَمَهُ فِیْ اِصْبَعِهِ۔

(رواهما الدارقطنی وروی ابن ماجة الاخير)

أخرجه الدارقطنی فی السنن ۱/۸۳ باب صفة وضوء رسول اللّٰه ا ـ وفيه راويان ضعيفان وقال الدارقطنی لا يصح هذا۔ وأخرجه ابن ماجة ۱/ ۱۵۳ حديث رقم ۴۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے وضو کرتے تھے تو انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے۔ ان دونوں حدیثوں کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے صرف دوسری حدیث کو نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں وضو کے دوران انگشتری کو حرکت دینے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر انگشتری کشادہ ہو اور اس بات کا غلبہ ظن ہو کہ پانی اگر انگشتری کے نیچے انگلی تک پہنچ گیا ہوگا۔ تو اس صورت میں انگشتری کو حرکت دینا مسنون ہوگا اور اگر انگشتری تنگ ہو اور اس بات کا یقین ہو کہ انگشتری کو حرکت دیئے بغیر انگشتری کے نیچے انگلی تک پانی نہیں پہنچا ہوگا تو اس صورت میں انگشتری کو حرکت دینا واجب اور ضروری ہے تاکہ انگلی تک اچھی طرح پانی کی رسائی ہوجائے۔

بَابُ الْغُسْلِ

غسل کا بیان

اس باب میں غسل کا بیان ہے گویا کہ اس سے پہلے حدث اصغر سے طہارت کا بیان تھا اب اس باب میں حدث اکبر سے طہارت کا بیان ہے اور اس باب میں غسل کی مسنون، مستحب اور واجب صورتوں کو بیان کیا گیا ہے اور غسل کا طریقہ، سنن، فرائض اور آداب کا بیان ہے۔

الفصل الاول:

اکسال سے غسل واجب ہوجاتا ہے

(۱/۳۸۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ

وَجَبَ الْغُسْلُ وَاِنْ لَّمْ یَنْزِلْ . (متفق علیه)

البخاری فی صحیحه مختصراً ۱/۳۹۵ حدیث رقم ۲۹۱ ومسلم فی صحیحه ۱/۲۷۱ حدیث رقم (۸۷۔۳۴۸) والنسائی فی السنن ۱/۱۱۰ حدیث رقم ۱۹۱ وابن ماجة فی السنن ۱/۲۰۰ حدیث رقم ۶۱۰ والدارمی فی السنن ۱/۲۱۴ حدیث ۷۶۱ ۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۲/۳۴۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور پھر جماع کرے۔ تو اس پر غسل واجب اور ضروری ہے اگر چہ اس کو انزال نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اکسال سے غسل واجب ہو جاتا ہے اس حدیث میں ۔ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ۔ کا معنی ہے عورت کی چار شاخیں ۔ مراد اس سے دو ہاتھ اور دو ٹانگیں ہیں اور بعض علماء کے نزدیک چار شاخوں سے مراد دو ٹانگیں اور فرج کی طرفین یعنی دو کنارے ہیں اور جھدھا سے مراد جماع ہے اور یہ جملہ کنایہ ہے جماع سے اور یہ جماع کے لئے انتہائی بلیغ اور مناسب تعبیر ہے ۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی شرم وحیاء کے پیکر تھے اس لئے آپ نے تصریح کے بجائے کنایہ کا سہارا لیا اور امت کیلئے بھی یہی تعلیم اور تربیت ہے کہ ان جیسے امور کو کنایہ سے تعبیر کیا جائے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ کنایہ تصریح کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے ۔

الغرض اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے عورت سے جماع کیا اور انزال نہیں ہوا محض حشفہ غائب ہوا۔ تو اس سے غسل واجب ہو جائے گا۔ یہی اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ اکسال سے غسل واجب ہو جاتا ہے اگر چہ انزال نہ ہو۔ یہی مذہب ہے خلفاء راشدین اکثر صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کا۔

احتلام سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں

(۲/۳۸۶) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ (رواہ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحِیُّ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ فِی الْاِحْتِلَامِ ۔

(رواہ الترمذی وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِیْحَیْنِ)

أخرجه مسلم فی الصحیح ۱/۲۶۹ حدیث رقم (۸۰۔۳۴۳)۔ وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۱۴۸ حدیث رقم ۲۱۷ والترمذی تعلیقاً ۱/۱۸۶ ضمن حدیث رقم ۱۲۲۔ واحمد فی مسنده ۳/۲۹۔

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پانی پانی سے ہے (یعنی منی کے خروج سے غسل واجب ہوتا ہے) اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت امام محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اَلْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ کا حکم احتلام کے متعلق ہے۔

اس حدیث کو حضرت امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور مجھے یہ حدیث بخاری اور مسلم میں نہیں ملی۔

تشریح ۞ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک جماع کے وقت منی کا خروج نہ ہو اس وقت تک محض اکسال سے غسل واجب نہیں ہوتا اس کے برخلاف اس باب میں پہلی حدیث جو بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکسال سے غسل واجب ہو جاتا ہے بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

چنانچہ اسی تعارض کو ختم کرنے کے لئے صاحب مشکوۃ نے امام محی السنۃ اور عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے تو گویا اس تعارض کو رفع کرنے کی دو توجیہات ہیں۔

① حضرت محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء تھا اور اس پر قرینہ اور دلیل حضرت ابی بن کعبؓ کا قول ہے کہ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَآءِ والی رخصت اور آسانی اور سہولت ابتداء اسلام میں تھی۔ بعد میں اس رخصت کو ختم اور منسوخ کر دیا گیا لہٰذا اب محض اکسال سے غسل واجب ہو جائے گا اگر چہ انزال نہ ہو۔

اور اس کی تائید امام ترمذی کے قول سے بھی ہوتی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَآءِ والی رخصت ابتداء اسلام میں تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اب یہ حکم ہے کہ محض التقاء ختنین سے غسل واجب ہو جائے گا۔ چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔

② دوسری توجیہ رفع تعارض کے لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں اَلْمَاءُ مِنَ الْمَآءِ والی حدیث احتلام کے متعلق ہے۔ یعنی اس قول رسول کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے حالت منام میں جماع کی صورت دیکھی تو محض صورت جماع سے غسل واجب نہیں ہوگا جب تک کہ منی اور رطوبت کا خروج نہ ہو۔ جب بیدار ہوا اور دیکھا کہ کپڑوں پر رطوبت موجود ہے تو تب غسل واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیان کردہ توجیہ کے مطابق اَلْمَاءُ مِنَ الْمَآءِ والے حکم کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَآءِ والا حکم مطلق اور عام ہے یہ احتلام اور غیر احتلام دونوں کے بارے میں ہے پھر یہ حکم غیر احتلام کے بارے میں منسوخ ہے اور احتلام کے بارے میں باقی ہے۔

اور اس حدیث پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس قدر شرم وحیاء کی تعلیم اور تربیت دی ہے۔ ایک جانب تو رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر فرائض اسلام اور احکام شرعیہ کی تعلیم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ شرم وحیاء کے پیکر اور اعلیٰ وارفع مقام پر فائز تھے اس لئے آپ شرم وحیاء سے متعلق احکام کو بیان کرنے کے لئے ایسا اسلوب اختیار کرتے تھے کہ شرم وحیا بھی باقی رہ جائے اور مسئلہ کی وضاحت بھی اچھی طرح ہو جائے اور ایسے مواقع پر آپ عموماً تصریح کے مقابلے میں کنایہ اور اشارہ کو پسند کرتے تھے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث سے بخوبی اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

عورت کے احتلام کا مسئلہ

(۳/۳۸۷) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَايَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَارَاَتِ الْمَآءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَتَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا. (متفق علیه وزاد مسلم بروایة ام سلیم اِنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَمَاءَ الْمَرْاَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَمِنْ اَيِّهِمَا عَلَا اَوْ سَبَقَ يَكُوْنُ مِنْهُ الشَّبَهُ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۲۶/۱ حدیث رقم ۱۳۰۔ واخرجه مسلم فی الصحیح ۲۵۱/۱ حدیث (۳۲۔۳۱۳) واخرجه فی السنن ۱۱۵/۱ حدیث رقم ۱۹۷۔ واخرجه ماجة فی السنن ۱۹۷/۱ حدیث رقم ۶۰۰ وفیه بعض الزیادات۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نے رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ حق بات کو بیان کرنے سے شرم نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ مسئلہ بتائیے کہ اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر

غسل واجب ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ احتلام کی صورت میں عورت پر غسل واجب ہے جب کہ وہ رطوبت یعنی منی دیکھ لے۔ یہ سن کہ حضرت ام سلمہؓ نے اپنا چہرہ شرم وحیاء کی وجہ سے ڈھانپ لیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے یعنی کیا مرد کی طرح عورت سے بھی منی خارج ہوتی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں خاک آلود ہو جائے تیرا دایاں ہاتھ اگر اس طرح نہ ہوتا پھر اس کا بچہ اس کے مشابہ نہ ہوتا اور امام مسلم نے اس حدیث میں ام سلیمؓ کی روایت کے اندر یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مرد کی منی گاڑھی اور سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی اور زردی مائل ہوتی ہے۔ لہٰذا ان میں سے جس کی منی غالب ہو یا سبقت کر جائے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں عورت کے احتلام کے بارے میں مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کے احتلام سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں اور چونکہ عورت کے احتلام کا مسئلہ عرب میں شرم وحیاء سے متعلق تھا۔ اسی وجہ سے اس کا حکم معلوم کرنے سے پہلے حضرت ام سلیمؓ نے ایک تمہید قائم کی۔ کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ حق بات کو بیان کرنے سے شرم وحیاء نہیں کرتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہیں دیتا کہ حق بات کو بیان کرنے سے شرم وحیاء کی جائے یا حق بات کا سوال کرنے میں شرم کی جائے پھر انہوں نے آپ ﷺ سے اصل مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کسی عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل واجب ہے یا نہیں۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ محض خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ جب تک کہ انزال نہ ہو جائے۔ یا بیدار ہونے کے بعد اس کی کوئی علامت نہ دیکھ لی جائے جسم پر یا کپڑوں پر۔ احناف کے نزدیک مذی کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر بیدار ہونے کے بعد جسم یا کپڑوں پر اس کو دیکھ لیا تو اس صورت میں بھی غسل واجب ہوگا۔ تَرِبَتْ یَمِیْنُکَ: تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو جائے یہ جملہ اہل عرب کے ہاں کنایہ ہے شدت فقر سے اور یہ بددعائیہ جملہ ہے اور یہاں یہ جملہ حقیقی معنی پر محمول نہیں بلکہ مجازی معنی پر محمول ہے وہ یہ کہ اہل عرب کے محاورہ میں یہ جملہ تعجب اور تحیر کے مقام پر بولا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ام سلمہؓ بڑے تعجب اور حیرانگی کی بات ہے کہ تم اس طرح کی بات کہہ رہی ہو کیا تمہیں اتنی سمجھ بھی نہیں کہ اگر عورت کی منی نہ ہوتی تو پھر بچے اکثر اپنی ماں کے مشابہ کیوں ہوتے ہیں لہٰذا مرد اور عورت دونوں کی منی ہوتی ہے اور دونوں کی منی کے امتزاج سے بچہ کی تخلیق ہوتی ہے۔

منی کا رنگ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مرد اور عورت کی منی کا جو رنگ بتایا ہے وہ باعتبار اکثر اور اغلب کے ہے کیونکہ جو مرد صحت مند اور توانا ہو تو اس کی منی عموماً گاڑھی اور سفید ہوتی ہے اور جو عورت صحت مند اور تندرست ہو اس کی منی عموماً پتلی اور زردی مائل ہوتی ہے ورنہ بعض مردوں کی منی کسی بیماری یا کثرت مباشرت کی وجہ سے پتلی اور سرخ رنگ کی ہوتی ہے اور اسی طرح بعض عورتوں کی منی قوت اور طاقت کی بناء پر سفید رنگ کی ہوتی ہے۔

بچہ کی مشابہت: حدیث کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ اگر جماع کے وقت مرد اور عورت کی منی ساتھ ساتھ رحم میں گرے۔ تو ان دونوں میں سے جس کی منی غالب ہوگی۔ بچہ اس کے مشابہ ہوگا۔

اور اگر منی رحم مادر میں یکے بعد دیگرے گرے تو جس کی منی سبقت کر جائے گی یعنی پہلے رحم مادر میں گرے گی تو بچہ اس کے مشابہ ہو گا۔ تو ان صورتوں سے ثابت ہوا کہ جس طرح مرد کی منی ہوتی ہے اسی طرح عورت کی منی بھی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بچہ کی تخلیق ہوتی ہے اور اسی وجہ سے بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔

غسل کا سنت طریقہ

(۴/۳۸۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ

كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَآءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفَاتٍ بِيَدِهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ متفق عليه وَفِي روايةٍ لِمُسْلِمٍ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُّدْخِلَهَا الْاِنَاءَ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ١/ ٣٦٠ حديث رقم ٢٤٨ وذكر "جلده" بدل "جسده" واللفظ له۔ وأخرجه مسلم في صحيحه بحديث مطول ١/ ٢٥٣ حديث رقم (٣٥-٣١٦)۔ وأخرجه النسائي في السنن ١/ ١٣٤ حديث رقم ٢٤٧۔ وأخرجه مالك في الموطأ ١/ ٤٤ كتاب الطهارة حديث ٦٧۔ وأخرجه نحوه أحمد في السنن ٦/ ٣٣٠۔ والرواية الثانية أخرجها مسلم ١/ ٢٥٣ حديث رقم (٣٥-٣١٦)۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت کرتے تھے تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھوتے تھے پھر وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو ہوتا ہے پھر انگلیوں کو تر کرنے کے لئے پانی میں ڈالتے۔ پھر انگلیوں کو نکال کر ان کی تری کے ساتھ بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے۔ پھر دونوں ہاتھوں سے تین چلوں لے کر پانی کے اپنے سر پر ڈالتے اور پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہاتے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب آپ غسل شروع کرتے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے۔ پھر اپنی شرمگاہ کو دھوتے اور پھر اس کے بعد وضو کرتے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کا طریقہ بتایا ہے کہ جب جنابت کے ازالہ کے لئے غسل کرتے تھے تو اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ سب سے پہلے آپ ﷺ دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھوتے تھے کیونکہ یہ آلہ طہارت ہیں ان کو پہلے پاک کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ وضو کرتے تھے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے اگر غسل خانہ میں پانی جمع نہ ہوتا تو پھر ابتداء ہی مکمل وضو کر لیتے تھے یعنی پاؤں کو بھی دھو لیتے تھے۔ اگر کسی چیز پر کھڑے ہو کر غسل کرتے تو تب بھی ایسا ہی کرتے تھے اور اگر غسل خانہ ایسا ہو کہ اس میں پانی جمع ہو جاتا تو پھر پاؤں کو غسل کرنے کے بعد آخر میں دھو لیتے تھے۔ تاکہ پاؤں مستعمل پانی میں رہنے کی وجہ سے گندے نہ ہو جائیں۔

اس کے بعد آنے والی حدیث میں بھی اس مسئلہ کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے اور صاحب ہدایہ نے بھی یہ مسئلہ اسی طرح لکھا ہے کہ اگر غسل خانہ میں پانی جمع ہو جاتا ہو تو پاؤں کو آخر میں دھویا جائے اور اگر غسل خانہ میں پانی جمع نہ ہوتا ہو تو پھر پاؤں کو پہلے ہی وضو کے ساتھ دھو لیا جائے اور اس مقام پر اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔

اگر غسل خانہ میں پانی جمع ہو جاتا ہو تو پاؤں آخر میں دھوئے جائیں

(۵/۳۸۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا (ثُمَّ صَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا) ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهِ وَاَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ۔ (متفق عليه ولفظه للبخاري)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱/ ۳۸۴حدیث رقم ۲۷٦ واللفظ له۔ وأخرجه مسلم فی الصحیح ۱/ ۲۰٤حدیث (۳۷۔۳۱۷)۔ وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۱٦۹حدیث رقم ۲٤٥۔والترمذی فی السنن ۱/ ۱۷۳حدیث رقم ۱۰۳۔وأخرجه النسائی فی السنن۱/ ۱۳۷حدیث رقم ۲۵۳۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۱۹۰حدیث رقم ۵۷۳۔وأخرجه أحمد فی مسنده ٦/ ۳۳٥۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کے لئے پانی رکھا اور کپڑا ڈال کر پردہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھویا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ ﷺ پر پانی ڈالا اور اپنی شرم گاہ کو دھویا اور پھر اپنا بایاں ہاتھ جس کے ساتھ شرم گاہ کو دھویا تھا زمین پر رگڑا اور اس کو صاف کیا۔ پھر مضمضہ کیا اور ناک میں پانی ڈالا۔ چہرہ دھویا اور دونوں بازوؤں کو مرفقین سمیت دھویا پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور تمام جسم پر پانی بہایا پھر غسل والی جگہ سے ہٹ کر دونوں پاؤں کو دھویا اس کے بعد میں نے بدن خشک کرنے کے لیے کپڑا دیا لیکن آپ ﷺ نے کپڑا لینے سے انکار کر دیا۔ پھر آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے وہاں سے چل پڑے اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی غسل کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس حدیث میں اس بات کی وضاحت اور تفصیل کر دی گئی ہے کہ اگر کسی ایسی جگہ اور مقام میں غسل کیا جائے جہاں غسل کا پانی جمع ہو جاتا ہو۔ تو وہاں سے ہٹ کر آخر میں پاؤں کو دھویا جائے جیسے رسول اللہ ﷺ نے جس جگہ میں غسل کیا تھا وہاں پانی جمع ہو جاتا تھا اور آپ ﷺ کسی بلند چیز پر بھی نہ تھے تو آپ نے وضو کیا اور پھر غسل کیا اور آخر میں پاؤں دھوئے تھے۔

جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے جسم خشک کرنے کے لئے تولیہ دیا تو آپ ﷺ نے اس تولیہ کو لینے سے انکار کر دیا۔

اور اس کی چار وجوہات میں سے کوئی ایک وجہ ہے۔

① آپ نے کپڑا لینے سے اس لئے انکار کیا۔ کہ غسل کے بعد جسم کو خشک نہ کرنا شاید افضل اور اولیٰ ہو۔

② یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو کوئی جلدی ہو۔ جلدی کی وجہ سے کپڑا لینے سے انکار کر دیا۔ تاکہ جسم کو خشک کرنے میں دیر نہ لگ جائے۔

③ ممکن ہے کہ جس زمانے کا یہ واقعہ ہو وہ گرمی کا زمانہ ہو اور غسل کے ساتھ ساتھ تبرید بھی مقصود ہو۔ کیونکہ گرمی کے زمانہ میں جب جسم پر پانی کے قطرات ہوں تو اس سے راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے تولیہ استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔

④ اور یہ بھی خارج از امکان نہیں کہ اس کپڑا پر آپ ﷺ کو گندگی کا وہم اور شبہ ہو اس وجہ سے آپ ﷺ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ غسل کے بعد کپڑا لینے سے انکار کسی عذر کی وجہ سے تھا نہ اس وجہ سے کہ غسل کے بعد تولیہ استعمال کرنا جائز نہیں اس حدیث سے اس مسئلہ کا استخراج و استنباط ہرگز درست نہیں کہ غسل کے بعد تولیہ استعمال نہ کرنا سنت ہے یا تولیہ استعمال کرنا مکروہ ہے۔

اور اس حدیث کے آخر میں جو ہاتھ جھاڑتے ہوئے چلنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ غسل کے بعد اس طرح ہاتھ جھاڑتے ہوئے چلنا مسنون ہے بلکہ اس صورت میں ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چلنا اتفاقی امر ہے اور اس بات کی علامت اور نشانی

ہے کہ یہ انسان صحت اور طاقتور ہے کیونکہ ایسا عمل صحت مندی اور طاقت کی علامت ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ بھی ہاتھ جھاڑتے ہوئے تشریف لے گئے۔

شرم والے مسائل میں اسلوب کنایہ افضل ہے

(۶/۳۹۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَاَةً مِّنَ الْاَ نْصَارِ سَاَلَتِ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِیْضِ فَاَمَرَهَا کَیْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِیْ فِرْصَةً مِّنْ مِّسْكٍ فَتَطَهَّرِیْ بِهَا قَالَتْ کَیْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِیْ بِهَا قَالَتْ کَیْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِیْ بِهَا فَاجْتَذَبْتُهَا اِلَیَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِیْ بِهَا اَثَرَالدَّمِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح ١/٤١٤حديث رقم ٣١٤ـوأخرجه مسلم في صحيحه ١/٢٦٠ حديث رقم (٦٠ـ٣٣٢) وأخرجه أبو داؤد نحوه في السنن ١/٢٢٢ حديث رقم ٣١٥وأخرجه النسائي في السنن ١/١٣٥حديث رقم ٢٥١ـوأخرجه ابن ماجة في السنن ١/٢١٠حديث رقم ٦٤٢ـ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک انصاری خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے حیض کے غسل کے بارے میں دریافت کیا کہ میں حیض سے طہارت حاصل کرنے کے لئے کس طرح غسل کروں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو حیض کے غسل کرنے کا حکم دیا کہ کس طرح حیض سے غسل کیا جائے۔ یعنی غسل کا طریقہ آپ ﷺ نے بیان کیا اور پھر ارشاد فرمایا کہ مشک سے تر اور آلود کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے طہارت حاصل کرو اس عورت نے عرض کیا کہ اس سے کس طرح طہارت حاصل کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بس تم اس سے طہارت حاصل کرو۔ اس عورت نے پھر پوچھا کہ میں اس سے کس طرح طہارت حاصل کروں آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ۔ اس سے طہارت حاصل کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ کو تکرار کے ساتھ سن کر اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کو میں نے سمجھایا کہ تم اس مشک سے آلود کپڑے کو خون کی جگہ یعنی شرم گاہ پر رکھ لو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی امت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عظیم تعلیم و تربیت ہے کہ شرم وحیاء والے مسائل میں تصریح کی بجائے کنایہ کا اسلوب افضل اور اولیٰ ہے جیسے اس حدیث سے مترشح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شرم وحیاء سے متعلق مسائل کو کنایہ اور اشارہ کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ باوجود اس کے کہ فرائض اسلام اور احکام شرعیہ کی وضاحت اور بیان آپ کی ذمہ داری ہے اور مسائل بتانے میں شرم وحیاء کی وجہ سے اخفاء کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ شرم وحیاء سے متعلق مسائل بتانے میں باوجود وضاحت کے اشارہ اور کنایہ کا اسلوب اختیار کرتے تھے اس لئے آپ شرم وحیاء سے متعلق مسائل بتانے میں ایسا طریقہ اختیار کرتے تھے جو کہ شرم وحیاء کے دائرے سے ذرہ برابر متجاوز نہ ہو اور مسئلہ کی وضاحت بھی حتی المقدور ہو جائے۔

جیسے مذکورہ حدیث سے اچھی طرح اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک انصاری خاتون مسئلہ کی وضاحت اور تفصیل کی طلب گار ہے۔ آپ ﷺ اس کو اس انداز سے جواب دیتے ہیں کہ جس سے اس کی راہنمائی بھی ہو جائے اور شرم وحیاء کی بھی مکمل رعایت اور پاسداری ہو جائے چنانچہ آپ اس عورت کو اشارہ اور کنایہ کے انداز میں مسئلہ سمجھاتے ہیں۔

پھر اس خاتون نے دوسری مرتبہ سوال کیا آپ نے پھر اس کو اسی طرح جواب دیا کہ وہ سمجھ جائے مگر وہ عورت مزید وضاحت اور تفصیل چاہتی تھی اور پھر سوال کر دیتی تھی پھر آپ ﷺ نے تعجب اور تحیر کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ طہارت حاصل کرو۔

بہت تعجب اور حیرانگی کی بات ہے کہ تم ایک آسان اور بالکل ظاہر مسئلہ کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ کوئی دقیق اور مشکل مسئلہ تو نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی باریک نکتہ مضمر ہے کہ جس کو سمجھنے میں کوئی اعلیٰ اور کامل درجہ کی نظر وفکر کی ضرورت ہو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انتہائی ذکاوت اور ذہانت کی مالک تھیں۔ انہوں نے فوراً وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس خاتون کو اپنی طرف کھینچ لیا کہ یہ انصاری خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تک نہیں پہنچ رہی اور آپ کا شرم وحیاء مزید مسئلہ کی وضاحت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ مزید وضاحت کے لئے مانع ہے۔

پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو وضاحت کے ساتھ مسئلہ سمجھایا۔ مِنْ مِسْك: مِسْك۔ کا لفظ دو طرح کے تلفظ کے ساتھ ہے۔

① میم کے کسرہ کے ساتھ اس کا معنی ہے مشک۔ اس صورت میں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ مشک کا ایک ٹکڑا یا مشک سے آلود کپڑا لے کر اس کو خون والی جگہ یعنی شرم گاہ پر رکھ کر اس کے ساتھ پاکی حاصل کرو۔

② ایک روایت میں یہ لفظ میم کے فتح کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے چمڑا مگر اس مقام کے مناسب پہلا نسخہ ہے لہٰذا وہی اولیٰ اور افضل ہے۔

اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ عورت کے لئے ایام حیض سے فراغت کے بعد یہ امر مستحب ہے کہ وہ مشک کا ایک ٹکڑا یا مشک سے آلود کوئی کپڑا یا روئی وغیرہ شرم گاہ پر رکھ لے تا کہ بدبو کا ازالہ ہو جائے اور تعفن ختم ہو جائے اور اچھی طرح طہارت بھی حاصل ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ نظافت بھی حاصل ہو جائے۔

غسل میں عورت کے لئے سر کے بالوں کو کھولنا ضروری نہیں

(۷/۳۹۱) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ امْرَاَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَاْسِیْ اَفَاَنْقُضُهٗ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا يَكْفِيْكِ اَنْ تَحْثِیَ عَلٰی رَاْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ. (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی الصحيح ۱/۲۵۹ حديث رقم (۵۸۔۳۳۰) وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۱۷۳ حديث رقم ۲۵۱۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۱۷۵ حديث رقم ۱۰۵۔ والنسائی فی السنن ۱/۱۳۱ حديث رقم ۲۴۱۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۹۸ حديث رقم ۶۰۳۔ وأخرجه أحمد نحوه فی المسند ۶/۳۱۴۔۳۱۵۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک عورت ہوں اپنے سر کے بالوں کو مضبوط گوندھتی ہوں کیا غسل جنابت میں انہیں کھولا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں بلکہ تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ پانی کے تین چلو لے کر اپنے سر پر ڈال لیا کرو اور پھر تمام جسم پر پانی بہا لیا کرو اس طرح تم پاک ہو جاؤ گی۔

تشریح ۞ اس حدیث میں عورتوں کے لئے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جس عورت نے اپنے سر کے بال مضبوطی کے ساتھ گوندھے ہوئے ہوں یعنی چھوٹی چھوٹی مینڈیاں بنائی ہوئی ہوں۔ جن کو کھولنا مشکل ہوتا ہے ان کے متعلق اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کو کھولنا ضروری نہیں بلکہ جڑوں تک پانی پہنچ جائے تو کافی ہے ہاں البتہ اگر جڑوں تک پانی نہ پہنچے تو پھر بالوں کو کھولنا ضروری ہے اور اگر مردوں نے اس طرح کے بال رکھے ہوئے ہوں جیسے علوی ہوتے ہیں تو ان کے لئے یہ رخصت نہیں بلکہ بالوں کو ہر حال میں کھولنا ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ایک مد اور غسل ایک صاع کے ساتھ ہوتا تھا

(۸/۳۹۲)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ . (متفق عليه)

أخرجه البخاري في الصحيح مع تقديم وتأخير ۱/۳۰۴حديث رقم ۲۰۱۔وأخرجه مسلم في الصحيح ۱/۲۵۸حديث رقم (۵۱۔۳۲۵)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد کے ساتھ وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے پانچ مدوں تک پانی کے ساتھ غسل کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی کے ساتھ وضو کرتے تھے اور ایک صاع پانی کے ساتھ غسل کرتے تھے اس سے مقصود وضو اور غسل کے پانی کی تحدید نہیں بلکہ امر عادی کا ذکر ہے فقہاء کرام نے کہا ہے کہ وضو اور غسل میں اسراف سے بچتے ہوئے بقدر ضرورت پانی استعمال کرنا جائز ہے۔

مد اور صاع: مد ایک مکیال اور ظرف کا نام ہے جس میں تقریباً ایک سیر چیز سما جاتی ہے اور صاع بھی ایک مکیال اور ظرف کا نام ہے جس میں تقریباً چار مد کے بقدر چیز سما جاتی ہے اور اس مقام پر مد اور صاع سے مراد مکیال یعنی ظرف نہیں ہے بلکہ وزن مراد ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک سیر پانی سے وضو کرتے تھے اور چار یا پانچ سیر پانی سے غسل کرتے تھے یعنی مناسب یہ ہے کہ اتنی مقدار سے وضو اور غسل کیا جائے ورنہ اس سے مقصود پانی کی مذکورہ مقدار کی تحدید نہیں ہے۔

تعارض اور اس کا حل: اس مقام پر ایک تعارض ہے وہ یہ کہ بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ آپ ایک مد پانی کے ساتھ وضو کرتے تھے اور بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ دو تہائی مد پانی کے ساتھ وضو کرتے تھے اور بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ نصف مد پانی کے ساتھ وضو کرتے تھے۔ بظاہر ان تینوں روایتوں میں تعارض ہے رفع تعارض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ایک مد پانی کے ساتھ وضو کرتے تھے اور کبھی کبھی اس سے تھوڑا پانی بھی استعمال کرتے تھے۔ چاہے وہ مد کا ثلثان ہو یا نصف لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

مرد اور عورت کا ایک ساتھ ایک برتن سے غسل کرنا

(۹/۳۹۳)وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ فَيُبَادِرُنِيْ حَتّٰى اَقُوْلَ دَعْ لِيْ دَعْ لِيْ قَالَتْ وَهُمَا جُنُبَانِ . (متفق عليه)

أخرجه البخاري في الصحيح ولم يذكر "فيبادر في ...الخ"۔۱/۳۶۳حديث رقم ۲۵۰۔وأخرجه مسلم في الصحيح ۱/۲۵۷حديث رقم (۴۶۔۳۲۱)واللفظ له۔ أخرجه النسائي في السنن ۱/۱۳۰حديث رقم ۲۳۹وأخرج أحمد في المسند نحوه ۶/۹۱۔

ترجمہ: حضرت معاذہؒ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے جو ہم دونوں کے درمیان رکھا ہوتا اس سے غسل کرتے تھے اور آپ پانی لینے میں مجھ سے جلدی کرتے تھے تو میں کہا کرتی تھی کہ میرے لئے بھی پانی چھوڑ دیجئے حضرت معاذہؒ فرماتی ہیں کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں جنابت کی حالت میں ہوتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں غسل جنابت ایک برتن

سے ساتھ کرتے تھے اور یہ حضرات جس برتن سے معاً غسل کرتے تھے اس برتن میں تقریباً تین صاع پانی یعنی تقریباً بارہ سیر پانی سماجاتا تھا اور غسل کرتے وقت دونوں حضرات اس میں ہاتھ ڈال کر پانی نکال کر اپنے اپنے جسم پر بہاتے تھے اور اس سے غسل کرتے تھے اور اس حدیث میں بیادرنبی سے یہ مراد نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے غسل کرنے سے پہلے تھوڑے سے پانی کے ساتھ غسل کر لیتے تھے اور باقی پانی حضرت عائشہؓ کے لئے چھوڑ دیتے تھے اور وہ اس سے غسل کرتی تھیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ پانی کا برتن دونوں کے درمیان رکھا ہوا ہوتا تھا اور دونوں اکٹھے اس سے غسل کرتے تھے۔ **وَهُمَا جُنُبَانِ** : کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ ؓ دونوں جنابت کی حالت میں ہوتے تھے۔ ابن مالکؒ نے اس جملہ سے استدلال کرکے یہ کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس پانی میں کوئی آدمی جنابت کی حالت میں ہاتھ ڈالے تو وہ پانی نجس نہیں ہوجاتا ہے ہاتھ ڈالنے والا مرد ہو یا عورت بلکہ وہ پانی بدستور طاہر اور مطہر رہے گا۔

ابن ہمام ؒ کا قول: حضرت علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے تمام علماء کرام کا یہ قول ہے کہ جنبی اور حائض کے ہاتھ پاک ہوں اور وہ پانی کے برتن میں چلو بھرنے کے لئے ہاتھ ڈالیں تو وہ پانی نجس نہیں ہوتا کہ جو استعمال کے قابل نہ رہے کیونکہ وہ برتن سے پانی نکالنے کیلئے اس طریقہ کے محتاج ہیں اور ضرورت مند ہیں ابن ہمامؒ نے اس کی تائید میں بطور دلیل کے اسی حدیث کو پیش کیا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رخصت صرف ضرورت کی حد تک محدود رہے گی اور جن اعضاء کو پانی میں ڈالنے کی رخصت نہیں ہے اگر ان کو پانی میں ڈالا تو نجس ہوجائیگا وہ قابل استعمال نہیں ہوگا جیسے سر یا قدمین وغیرہ کو پانی میں ڈالنا۔

الفصل الثانی:

عورتیں تخلیق میں مردوں کے مشابہ ہیں

(۱۰/۳۹۴)عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا قَالَ يَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ يَرٰى اَنَّهٗ قَدِ احْتَلَمَ وَلَايَجِدُ بَلَلًا قَالَ لَاغُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ تَرٰى ذٰلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ اِنَّ النِّسَآءَ شَقَآئِقُ الرِّجَالِ (رواه الترمذی وابوداودوروی لدارمی وابن ماجة اِلٰی قَوْلِهٖ)لَاغُسْلَ عَلَيْهِ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۱۶۱ حديث رقم ۱۳۶۔والترمذی فی السنن ۱/۱۸۹ حديث رقم ۱۱۳۔والدارمی إلی قوله ......لاغسل "۱/۲۵ حديث رقم ۷۶۵"۔وابن ماجة فی السنن ۱/۲۰۰ حديث رقم ۶۱۲۔وأخرجه أحمد كاملاً فی المسند ۶/۲۵۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا اس آدمی کے متعلق جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد اپنے کپڑے پر منی کی رطوبت محسوس کرے اور اس کو خواب یاد نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو غسل کرنا چاہئے اور آپ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں بھی سوال کیا گیا کہ جس کو خواب یاد ہو مگر بیدار ہونے کے بعد منی کی رطوبت محسوس نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص پر غسل واجب نہیں۔ پھر حضرت ام سلیمؓ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول۔ اگر عورت اس طرح کی رطوبت دیکھ لے تو کیا اس پر غسل واجب ہے۔ کیونکہ عورتیں بھی مردوں کے مثل ہیں۔
اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور امام دارمی اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو یہاں تک روایت کیا ہے۔ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ۔ کہ اس پر غسل واجب نہیں ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں خواب اور احتلام کے بارے میں حکم بیان کیا گیا ہے۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آدمی سو گیا۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے کپڑے پر منی یا مذی کی رطوبت دیکھی مگر اس آدمی کو کوئی ایسا خواب یاد نہیں ہے کہ اس نے کسی سے نیند کی حالت میں مباشرت کی ہو۔ جس کی وجہ سے اس کو احتلام ہو گیا ہو۔ کیا ایسے شخص پر غسل واجب ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایسے شخص پر غسل ہے یعنی اس کو غسل کرنا چاہئے کیونکہ غسل کے وجوب کا دارومدار خواب کے یاد ہونے یا نہ ہونے پر نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار منی اور مذی کی رطوبت محسوس کرنے پر ہے کہ اگر بیداری کے بعد منی اور مذی کی رطوبت دیکھ لی ہے تو اس پر غسل واجب ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ منی اور مذی کی رطوبت دیکھ لینے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس بات کا یقین نہ ہو کہ منی علی وجہ الدفق خارج ہوئی ہے یہی مسلک حضرات تابعین کی ایک جماعت اور حضرت امام ابوحنیفہ کا ہے۔

مگر جمہور علماء کرام اس بات کے قائل ہیں کہ غسل اس وقت تک واجب اور ضروری نہیں ہوگا۔ جب تک کہ اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ منی علی وجہ الدفق خارج ہوئی ہے اگر اس کا یقین ہو جائے تو غسل واجب ہوگا ورنہ نہیں مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ غسل کر لینا مستحب ہے۔ اِنَّ النِّسَآءَ شَقَآئِقُ الرِّجَالِ: کہ عورتیں تخلیق اور طبائع کے اعتبار سے مردوں کے مشابہ ہیں یعنی جس طرح مرد کے اندر شہوت ہوتی ہے اسی طرح عورت کے اندر بھی قوت شہوانیہ ہوتی ہے اور جس طرح مرد کے اندر منی ہوتی ہے اسی طرح عورت کے اندر بھی منی ہوتی ہے جس طرح مرد کو احتلام ہوتا ہے اسی طرح عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ جس طرح مرد بیداری کے بعد اگر منی کی رطوبت محسوس کرے تو اس پر غسل واجب ہے اسی طرح اگر عورت منی کی رطوبت بیداری کے بعد دیکھ لے تو اس پر بھی غسل واجب ہے۔

اشکال اور اس کا جواب: اس مقام پر ایک اشکال ہے اس کا حل ضروری ہے اشکال یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں اکٹھے ایک بستر پر محو استراحت ہوں۔ نیند سے بیداری کے بعد انہوں نے منی کی رطوبت محسوس کی۔ لیکن دونوں میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ یہ کس کی منی ہے اور نہ ہی کسی کو خواب یاد ہے کیا اس صورت میں ان پر غسل واجب ہوگا یا نہیں اور کس پر واجب ہوگا اور کس پر نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ منی کا رنگ کیسا ہے سفید یا زرد۔ اگر منی کا رنگ سفید ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ مرد کی منی ہے لہٰذا اس صورت میں مرد پر غسل واجب ہوگا اور اگر منی کا رنگ زرد ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ یہ منی عورت کی ہے اس صورت میں عورت پر غسل واجب ہوگا مگر اس کے باوجود احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں غسل کر لیں۔

اکسال سے غسل واجب ہو جاتا ہے

(۳۹۵/۱۱) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاغْتَسَلْنَا. (رواه الترمذی و ابن ماجة)

أخرجه الترمذي في السنن ١/ ١٨٠ حديث رقم ١٠٨ ـ وقال حسن صحيح و أخرجه ابن ماجة بلفظ "اذا التقى......" في سننه ١/ ١٩٩ حديث رقم ٦٠٨ ـ و أخرجه أحمد في مسنده ٦/ ١٦١ ـ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب دو ختنوں کا تجاوز ہو جائے یعنی حشفہ غائب ہو جائے تو مرد اور عورت دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا اور پھر ہم نے غسل کیا۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ محض اکسال سے غسل واجب ہو جاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔ اَلْخِتَانَ: اس جگہ اور حصہ کو کہتے ہیں جس کو ختنہ کے وقت کاٹا جاتا ہے جو مرد کے آلہ تناسل کے سر پر ایک اُبھری ہوئی کھال کی شکل ہوتی ہے اور عورت کی شرم گاہ پر مرغ کے سر کی کلغی کی طرح گوشت کا ایک بڑھا ہوا حصہ ہوتا ہے اور اہل عرب میں عورت کے ختنہ کا بھی رواج تھا۔ کیونکہ وہ اس کو جماع کے لئے الذ سمجھتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ تثنیہ حقیقی ہوگا اور اگر عورت کے ختنہ کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر یہ تثنیہ تغلیبی ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت کے ختنہ کا التقاء ہو جائے اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا اگرچہ انزال نہ ہو۔

ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے

(۱۲/۳۹۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَاَنْقُوا الْبَشَرَةَ. (رواه ابوداود والترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هٰذا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَالْحَارِثُ بْنُ وَجِیْهِ الرَّاوِی وَهُوَشَیْخٌ لَیْسَ بِذٰلِكَ)۔

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/۱۷۱۔ حدیث رقم ۲۴۸ وضعفه أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۱۷۸ حدیث ۱۰۶۔وابن ماجه فی السنن ۱/۱۹۶ حدیث رقم ۵۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جڑ میں جنابت ہوتی ہے۔ لہٰذا بالوں کو اچھی طرح دھویا کرو اور جسم کو پاک کیا کرو۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ امام ترمذی امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا ایک راوی حارث ابن وجیہ ایک بوڑھا شخص ہے وہ معتبر اور مقبول نہیں یعنی کبرسنی کی وجہ سے اور نسیان کے غلبہ کی وجہ سے اس کی روایت کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ ضعیف ہے۔

تشریح ۞ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے ہر بال کے نیچے جڑ میں جنابت ہوتی ہے لہٰذا غسل کرتے وقت جسم کو اچھی طرح صاف کیا جائے اور سر کے بالوں کو اچھی طرح دھویا جائے تاکہ پانی بالوں کی جڑ تک پہنچ جائے کیونکہ اگر پانی بالوں کی جڑ تک نہیں پہنچے گا تو طہارت اچھی طرح حاصل نہیں ہوگی۔

چنانچہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر ایک بال کے نیچے بھی جگہ خشک رہ گئی تو غسل نہیں ہوگا۔ درحقیقت بالوں کو اچھی طرح دھونے کا اور صاف کرنے کا حکم دے کر پورے بدن کو اچھی طرح پاک اور صاف کرنے کا حکم دینا مقصود ہے کہ غسل جنابت کے وقت خوب اچھی طرح تمام بدن کو مل کر دھویا جائے اور صاف کیا جائے غسل کے وقت خوب اچھی طرح تمام بدن پر پانی بہایا جائے کوئی حصہ جسم کا خشک نہ رہے اور اگر کوئی ذرہ برابر خشک رہ گیا تو غسل نہیں ہوگا اور اگر جسم پر کوئی ایسی چیز ہو جو پانی کے بہاؤ کے لئے مانع ہو مثلاً آٹا' موم اور رنگ وغیرہ تو اس سے بھی غسل نہیں ہوگا۔ جب تک کہ پہلے اس کا ازالہ نہ کیا جائے۔

غسل میں غفلت کرنے پر وعید

(۱۳/۳۹۷) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ یَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا

وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي ثَلَاثًا (رواه ابو داود واحمد والدارمی اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يُكَرِّرَا فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۱۷۳ حديث رقم ۲۴۹۔ وأحمد في مسنده ۱/۹۴۔ وأخرجه الدارمي في السنن ۱/۲۱۰ حديث رقم ۷۵۱۔ وأخرجه ابن ماجة في سننه ۱/۱۹۶ حديث رقم ۵۹۹۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے غسل جنابت میں ایک بال کے برابر بھی جگہ خشک چھوڑ دی اس کو نہ دھویا تو اس کو اس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں اپنے سر کا دشمن ہو گیا تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا۔ کہ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی اور سر کا حلق کروایا اس حدیث کو امام ابو داؤد و امام احمد اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔ مگر امام احمد اور امام دارمی نے یہ الفاظ مِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي۔ کہ اسی وجہ سے میں اپنے سر کا دشمن ہو گیا کو تکرار کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔

تشریح ۞ اس حدیث میں سابقہ حدیث کے مضمون کی مزید وضاحت اور تفصیل ہے اور اس حدیث میں غسل جنابت میں بالوں کو صحیح طرح نہ دھونے والوں کے لئے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے تنبیہ کی گئی ہے اور اس حدیث میں كَذَا مِنَ النَّارِ کنایہ از عدد ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے غسل جنابت میں غفلت کی اور بالوں کو جڑوں تک اچھی طرح نہیں دھویا اس کو متعدد قسم کے بہت زیادہ عتاب دیے جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب: اس حدیث میں حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے غسل جنابت میں بالوں کو دھونے کے بارے میں غفلت کرنے والوں کے لئے وعید سنی تو میں نے اس ڈر سے کہ اگر بال سر پر رہے تو شاید کہ ان کو دھونے میں کوتاہی ہو جائے اور جڑیں خشک رہ جائیں تو میں اس وجہ سے اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہو گیا کہ جس طرح کوئی آدمی اپنے دشمن کو اپنے لئے خطرہ اور اذیت کا باعث سمجھ کر موقع کی تلاش میں رہتا ہے جونہی موقع ملتا ہے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے میں بھی اسی طرح اس وعید شدید کی وجہ سے اپنے بالوں کو اپنے لئے خطرہ کا باعث سمجھنے لگا موقع کی تلاش میں رہتا جب بھی بال ذرا بڑھتے تو فوراً حلق کروالیتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس عمل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سر کے بالوں کا لگاتار حلق جائز ہے۔ مگر اولیٰ اور سنت طریقہ بال رکھنے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر خلفاء راشدین بال رکھتے تھے اور صرف حج کے موقع پر حلق کرواتے تھے۔

جہاں تک حضرت علیؓ کے قول کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے حضرت علیؓ کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں نے اپنے سر کا حلق کروایا ہے اس حلق کی اور کوئی غرض نہ تھی۔ کہ اس سے آرائش زیبائش یا راحت اور سکون کا حصول مقصود نہیں تھا۔ اس سے اصل مقصد یہ تھا تا کہ غسل جنابت میں کسی قسم کی کوتاہی اور غفلت نہ ہو۔ گویا کہ حضرت علیؓ نے یہ عذر پیش کیا اس شیٔ کے ترک پر جس پر رسول اللہ ﷺ سے مواظبت ثابت ہے۔ تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپ کے عمل کے خلاف کر دیا۔

غسل سے وضو ہو جاتا ہے

(۱۲/۳۹۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ. (رواه الترمذي وابوداود والنسائي وابن ماجة)

أخرجه الترمذي في السنن ۱/۱۷۹ حديث رقم ۱۰۷۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن بمعناه ۱/۱۷۳ حديث رقم ۲۵۰

وأخرجه النسئی فی السّنن ۱/۱۳۷ حدیث رقم ۲۵۲ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۹۱ حدیث رقم ۵۷۹۔وأخرجه أحمد فی المسند ۶/۶۸۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔
اس حدیث کو امام ترمذی' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ غسل کرنے سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے وہی وضو کافی ہو جاتا ہے۔اس وضو کے ساتھ نماز اور دیگر عبادات ادا ہو سکتی ہیں۔یعنی غسل کرنے کے بعد عبادات ادا کرنے کے لئے جدید وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہی سابقہ وضو کافی ہو جائے گا۔ویسے بھی غسل سے حدث اکبر سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور حدث اصغر کی طہارت تو اس کے ضمن میں ہے۔

پانی میں اگر پاک چیز مل جائے تو اس سے طہارت جائز ہے

(۱۵/۳۹۹)وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِيِّ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَزِئُ بِذَالِكَ وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَآءَ. (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/۱۷۶ حدیث رقم ۲۵۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں غسل کے وقت خطمی سے سر کو دھو لیتے تھے اور اسی پر کفایت کرتے اور دوبارہ سر پر خالص پانی نہ ڈالتے تھے۔
اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اہل عرب میں رواج تھا خطمی وغیرہ سے سر دھونے کا جیسے ہمارے ہاں صابن اور شیمپو وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں خطمی ایک پودے کا نام ہے جس کو پانی میں ملا کر سر دھونے کا کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرتے تو اپنے سر کے بالوں کو خطمی کے پانی سے دھویا کرتے تھے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر دھونے کے لئے سر پر خطمی لگاتے تو پھر دوبارہ پانی بہانے کے وقت سر پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ جو سر دھویا تھا اسی کو کافی سمجھتے تھے جیسے عموماً غسل کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ پہلے سر کو دھوتے ہیں اس کے باقی جسم کو دھوتے ہیں جب باقی جسم پر پانی بہاتے ہیں تو اس کے ساتھ پھر سر پر بھی پانی بہاتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کرتے تھے۔
اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس پانی سے سر دھوتے تھے اس میں خطمی کے اجزاء قلیل ہوتے تھے جس کی وجہ سے پانی کی حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا تھا یعنی پانی کی رقت اور سیلان میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

حیاء اور پردہ پوشی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

(۱۶/۴۰۰) وَعَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَآءَ وَالتَّسَتُّرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ (رواہ ابوداؤد والنسائی) وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ سِتِّيْرٌ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَغْتَسِلَ فَلْيَتَوَارَ بِشَيْءٍ۔

أخرجه أبوداوٗد في السنن ٤/ ٣٠٢حديث رقم ٤٠١٢۔وأخرجه النسائي في السنن ١/ ٢٠٠حديث رقم ٤٠٦وأخرج أحمد في مسنده نحوه ٤/ ٢٢٤۔

ترجمہ: حضرت یعلیٰؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو صحراء میں برہنہ حالت میں غسل کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ ﷺ وعظ اور نصیحت کے لیے منبر پر جلوہ افروز ہوئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت حیاء والا ہے۔ یعنی اپنے بندوں سے حیاء داروں کا سا معاملہ کرتا ہے وہ اس طرح کہ انہیں معاف کرتا ہے اور بہت پردہ پوش ہے یعنی اپنے بندوں کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ حیاء اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی صحراء میں غسل کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پردہ کرلیا کرے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پردہ پوش ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی غسل کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ کسی چیز کا پردہ کرلیا کرے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں شرم وحیاء اور پردہ پوشی کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی عظیم الشان اور خاص ضروری مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے تھے۔ تو منبر پر جلوہ افروز ہو جاتے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اس کی حمد وثناء کرتے اس کے بعد حاضرین مجلس کے سامنے اصل مسئلہ کو بیان کرتے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو صحراء میں برہنہ حالت میں غسل کرتے ہوئے دیکھا۔ تو شرم وحیاء کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں تغیر پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ فی الفور مسجد نبوی میں پہنچے اور منبر پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے شرم وحیاء کی قدر ومنزلت اور اہمیت کو انتہائی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بیان کیا۔

آپ ﷺ کی نصیحت اور وعظ کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے چنانچہ صفات میں سے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق ان اوصاف کی نورانی کرنوں سے اپنے دل ودماغ کو منور کریں اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے شرم وحیاء کے اصولوں پر کاربند رہیں ان اوصاف سے اپنے ظاہر اور باطن کو مزین اور خوبصورت کریں اور ستر یعنی پردہ پوشی کو کسی حال میں ترک نہ کریں۔ لہٰذا تمام بندوں کو خصوصاً مؤمنین کو شرم وحیاء لازم ہے اور ستر کی صفات کو نہ چھوڑیں ان سے اپنے دامن کو مالا مال کریں۔

الفصل الثالث:

اَلْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ کا حکم منسوخ ہے

(۴۰۱/۱۷) وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ رُخْصَةً فِي اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُهِيَ عَنْهَا۔

(رواه الترمذی وابوداود والدارمی)

أخرجه الترمذي في السنن ١/ ١٨٣حديث رقم ١١٠وقال حسن صحيح۔ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ١/ ١٤٦حديث رقم ٢١٤۔ والدارمي في السنن ١/ ٢١٣حديث رقم ٧٥٩۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اَلْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ والا حکم ابتداء اسلام میں آسانی کی وجہ سے تھا۔ بعد میں اس حکم کو منسوخ کردیا گیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ اَلْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ کا حکم ابتداء اسلام میں آسانی کے لئے تھا یعنی ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے تو جب تک منی کا خروج نہ ہو اس وقت تک غسل واجب نہیں ہوتا۔ انزال ہونے سے غسل واجب ہوتا تھا مگر بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اب یہ حکم ہے کہ محض اکسال سے غسل واجب ہے یعنی جب ادخال حشفہ ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔

ہاں البتہ احتلام کی صورت میں اَلْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ والا حکم اب بھی باقی ہے۔ کہ جب تک انزال نہ ہو اس وقت تک غسل واجب نہ ہوگا۔ اگرچہ خواب یاد ہو۔

غسل جنابت میں جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے تو؟

(۴۰۲/۱۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنِّى اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَاَيْتُ قَدْرَ مَوْضِعِ الظُّفُرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَآءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ بِيَدِكَ اَجْزَاَكَ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجة في السنن ١/ ٢١٨ حديث رقم ٦٦٤ وفي الزوائد أنه ضعيف لضعف محمد بن عبيد الله ـ

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے غسل جنابت کیا اور صبح کی نماز پڑھ لی پھر میں نے دیکھا کہ بدن پر ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی ہے وہاں پانی نہیں پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس خشک جگہ پر اپنے تر ہاتھ سے مسح کر لیتے تو کافی ہو جاتا۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں نے غسل جنابت کیا اور تھوڑا سا حصہ جسم کا خشک رہ گیا اور میں نے اسی حالت میں صبح کی نماز پڑھ لی میرے لئے کیا حکم ہے آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم غسل کرتے وقت اس خشک جگہ کو پانی سے تر ہاتھ کے ساتھ مسح کر لیتے یا خفیف سا دھو لیتے تو تمہارا غسل ہو جاتا اور آپ کو اگر اس جگہ کی خشکی کا احساس کچھ دیر بعد ہوا تھا تو تمہیں چاہئے تھا کہ تم اس کو معمولی سا دھو لیتے اور جو نماز اس حالت میں پڑھ لی ہے اس کی قضاء کی جائے۔

ابتداء اسلام میں احکام میں تبدیلی ہوتی رہی

(۴۰۳/۱۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسِيْنَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْاَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسًا وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغُسْلُ الثَّوْبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/ ١٧١ حديث رقم ٢٤٧ ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں اور جنابت سے غسل سات مرتبہ تھا اور کپڑے سے پیشاب دھونا سات مرتبہ فرض ہوا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ متواتر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے کہ ان میں تخفیف کر دی جائے یہاں تک کہ نمازیں پانچ کر دی گئیں اور غسل جنابت ایک مرتبہ اور کپڑے سے پیشاب کو دھونا ایک مرتبہ کر دیا گیا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا۔

تشریح: اس حدیث سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ میں ابتداء تغیر و تبدل ہوتا رہا جیسے اس حدیث میں اشیاء ثلاثہ میں تغیر و تبدل کا ذکر ہے۔ کہ ابتداءً سختی تھی اور بعد میں تخفیف کر دی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روحانی اور جسمانی ظاہری اور باطنی تمام رفعتوں اور بلندیوں کو طے کر لیا اور لیلۃ المعراج میں اللہ تعالیٰ کے حقیقی قرب کا شرف اور مقام حاصل ہوا۔ تو اس بڑی سعادت اور رفعت کی یادگار کے طور پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اپنے بندوں کے لئے نماز کا تحفہ عنایت فرمایا اور اسی واسطہ اور تعلق کی وجہ سے نماز کو مؤمنوں کی معراج قرار دیا گیا ہے۔ نماز چونکہ عبادات میں سے اپنی عظمت اور اہمیت کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے اجر و ثواب، سعادت اور رضائے الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے تاکہ اللہ کے نیک بندے اس مقدس فریضہ کی اطاعت گزاری سے اپنے دامن کو اجر و ثواب اور سعادت مندی سے مالا مال کر سکیں اسی وجہ سے ابتداء شب و روز میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

اگرچہ پچاس نمازوں کا تحفہ اجر و ثواب سعادت مندی اور عظمت کا باعث ضرور تھا مگر یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے ذہن فکری اور عملی اعتبار سے اس فریضہ کی ادائیگی تعداد کے اعتبار سے بمشکل برداشت کر سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ رحمۃ للعالمین انسانی فطرت کے مزاج شناس، محسن انسانیت اس امر کو جان گئے کہ انسانی قوت اس عظیم بار کو برداشت نہیں کر سکے گی اور نمازوں کی اتنی بڑی تعداد کی ادائیگی پر قادر نہیں ہوں گے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوت فکریہ اور فراست نبوت سے اس بات کو سمجھ لیا کہ اگر پچاس نمازیں فرض رہیں تو اس سے مخلوق اخروی خسارے میں مبتلا ہو جائے گی۔ کیونکہ پچاس نمازیں ادا نہیں ہو سکیں گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی کو مستلزم ہے اور اس کا نتیجہ لازماً عذاب الٰہی ہے۔ تو اس وقت آپ نے امت کی حالت پر شفقت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نمازوں کی تعداد میں تخفیف کی دعا کی اور دربار الٰہی سے اس استدعا کو شرف قبولیت سے نوازا ہے بالآخر نمازوں کی تعداد میں تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں۔

اس حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ معراج کی رات میں نمازیں پچاس فرض ہوئیں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف کی دعا متواتر کرتے رہے یہاں تک کہ آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں۔ تخفیف کی استدعا کے لئے اگرچہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی کہا تھا۔ مگر اس کا اصل داعیہ آپ کی شفقت تھی اور عجیب امر یہ ہے کہ اگرچہ تعداد میں تخفیف کر دی گئی مگر ثواب میں تخفیف نہیں کی گئی کہ پڑھنے میں پانچ نمازیں ہیں اور ثواب پچاس نمازوں کا ہوگا۔

غسل اور غسل ثوب کی تعداد:

اسی طرح پہلے یعنی ابتداء اسلام میں غسل جنابت سے طہارت حاصل کرنے کے لئے سات مرتبہ غسل کرنے کا حکم تھا۔ بعد میں اس کو بھی منسوخ کر دیا گیا اور صرف ایک مرتبہ غسل جنابت کرنے کا حکم دیا گیا کہ پورے جسم پر ایک مرتبہ پانی بہانے سے فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر مسنون طریقہ یہ ہے کہ پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہایا جائے۔

بخاری اور مسلم میں اس کے بارے میں حدیث منقول ہے اس میں صرف نماز کا ذکر ہے۔ غسل جنابت اور کپڑے سے پیشاب دھونے کا ذکر نہیں مگر ابوداؤد کی روایت میں غسل جنابت اور کپڑے سے پیشاب دھونے کا بھی ذکر ہے اور اس روایت پر ضعیف ہونے کا حکم بھی لگایا گیا ہے۔

اسی طرح ابتداءً اگر کپڑے پر پیشاب لگ جائے تو اس کو سات مرتبہ دھونے کا حکم تھا بعد میں تخفیف کر کے ایک مرتبہ دھونے کا حکم

دیا گیا۔ اگر چہ اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کپڑا ایک مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ کپڑا پیشاب لگنے سے ایک مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اور احناف کے نزدیک اگر کپڑے پر نجاست لگ جائے تو اس کو اتنا دھویا جائے کہ اس کے پاک ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کو تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ نچوڑا جائے اس سے کپڑے کے پاک ہونے کا غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

اس مقام پر یہ معلوم کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غسل کن صورتوں میں فرض، واجب اور مستحب ہوتا ہے۔

غسل کے فرض واجب اور مستحب ہونے کی صورتیں

① جب منی اپنے محل سے شہوت کے ساتھ جدا ہو کر علی وجہ الدفق خارج ہو۔ اگر چہ خروج منی کے وقت شہوت نہ بھی ہو تو غسل فرض جاتا ہے۔
② نیند سے بیداری کے بعد منی یا مذی کی رطوبت دیکھی اگر چہ خواب یاد نہ ہو تو اس صورت میں بھی غسل واجب ہوگا۔
③ اگر زندہ عورت کے قبل یا دبر میں آلہ تناسل داخل کیا جائے تو دونوں پر غسل فرض ہوگا۔ اگر چہ انزال نہ ہو۔
④ عورت کا حیض ختم ہونے کے بعد غسل فرض ہوتا ہے۔
⑤ عورت کا نفاس ختم ہونے کے بعد غسل فرض ہوتا ہے۔
⑥ اگر مردہ کے قبل یا دبر میں آلہ تناسل داخل کیا تو انزال کی صورت میں غسل فرض ہوگا۔ ورنہ نہیں ہوگا۔
⑦ اگر کسی چوپائے کے اندر عضو تناسل کو داخل کیا تو انزال کی صورت میں غسل فرض ہوگا۔ ورنہ نہیں ہوگا۔
⑧ مذی اور ودی خارج ہونے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ ان دونوں میں وضو واجب ہوتا ہے۔
⑨ اگر کسی کو خواب یاد ہو اور بیداری کے بعد کوئی رطوبت محسوس نہ ہو تو اس صورت میں غسل نہیں ہوگا۔
⑩ اگر کوئی جنابت کی حالت میں مسلمان ہوا تو اس پر غسل واجب ہوگا اور اگر جنابت کی حالت نہ ہو تو پھر غسل کرنا مستحب ہے۔
⑪ زندوں پر مردے کو غسل دینا واجب علی الکفایہ ہے۔
⑫ صلوٰۃ جمعہ کے لئے غسل مسنون ہے۔
⑬ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روز غسل کرنا مسنون ہے۔
⑭ حج اور عمرہ کا احرام باندھتے وقت غسل جائز ہے۔
⑮ یوم عرفہ کو عرفات میں جانے کے لئے غسل مسنون ہے۔
⑯ حدث کی حالت میں قرآن کو مس یا لیدنا ناجائز ہے ہاں البتہ اگر قرآن کریم کسی کپڑا میں لپٹا ہوا ہو تو جائز ہے۔ اگر قرآن کی جلد پر چولی چڑھی ہوئی ہو تو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔
⑰ حدث کی حالت میں آستین یا کرتے یا ایسے کپڑے کے ساتھ پکڑنا جو اس نے پہنا ہوا ہو مکروہ ہے۔
ہاں البتہ اگر وہ کپڑا بدن سے الگ ہو تو پھر اس کے ساتھ قرآن کو پکڑنا جائز ہے۔
⑱ حدث کی حالت میں کتب تفسیر، کتب حدیث اور کتب فقہ کو ہاتھ لگانا مکروہ ہے اور آستین وغیرہ کے ساتھ پکڑنا بالاتفاق جائز ہے۔
⑲ اگر درہم پر قرآن کی آیت ہو تو حدث کی حالت میں اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔
⑳ جنابت، حیض اور نفاس کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر ضرورت شدیدہ اور مجبوری ہو تو رخصت

ہے۔

(۲۱) جنابت، حیض اور نفاس کی حالت میں قرآن کی تلاوت حرام ہے۔ ہاں البتہ اگر قرآن کا کوئی حصہ دعا اور ثناء اور وظیفہ کے طور پر پڑھا تو جائز ہے۔ اسی طرح تسبیح، تحمید، تکبیر اور تہلیل وغیرہ بھی جائز ہے۔

بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ وَمَا يُبَاحُ لَهٗ

جنبی شخص سے اختلاط اور جو اُمور اُس کے لئے جائز ہیں اُن کا بیان

اس باب میں دو مسائل کے بارے میں احادیث ذکر کی جائیں گی:

(۱) پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ جنابت والا آدمی یعنی جو جنبی ہو۔ اس کے ساتھ نشست و برخاست اور اس کے ساتھ گفتگو کرنا۔ اس کے ساتھ مصافحہ کرنا اور اس کے ساتھ دیگر معاملات کرنا درست اور صحیح ہیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جنابت والے کے لئے کونسے امور جائز ہیں کہ وہ ان کو جنابت کی حالت میں کر سکتا ہے اور کون سے امور نا جائز ہیں کہ جن کو وہ نہیں کر سکتا۔

الفصل الاول:

جنابت حکمی نجاست ہے

(۱/۴۰۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِيَدِیْ فَمَشَيْتُ مَعَهٗ حَتّٰى قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَاَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهٗ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ لَقِيْتَنِیْ وَاَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ حَتّٰى اَغْتَسِلَ وَكَذَا الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۹۱/۱ حدیث رقم ۲۸۵۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۲۸۲/۱ حدیث (۳۷۱) وأخرجه أبوداؤد بمعناه ۱۵٦/۱ حدیث رقم ۲۳۱۔ وأخرجه الترمذی مختصرًا فی السنن ۲۰۷/۱ حدیث رقم ۱۲۱ وأخرجه النسائی فی السنن ۱۴۵/۱ حدیث رقم ۲٦۹۔ وأخرج ابن ماجة فی السنن ۱۷۸/۱ حدیث رقم ۵۳۴۔ وأحمد فی مسنده ۳۸۲/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میری ملاقات ہوئی اور اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا اور آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں آپ کے ساتھ چلنے لگا۔ جب آپ ﷺ بیٹھ گئے تو میں آہستہ سے چپکے کے ساتھ نکل کر گھر آیا اور غسل کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے پوری صورت حال آپ کے سامنے ذکر کر دی کہ میں جنابت کی حالت میں تھا اس لئے میں چلا گیا تھا آپؐ نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ۔ مؤمن ناپاک نہیں ہوتا اس روایت کے یہ الفاظ بخاری کے ہیں امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے مزید یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں چونکہ جنابت کی حالت میں تھا۔ اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ آپ کے پاس اس حالت میں بیٹھوں۔ جب تک کہ غسل نہ کرلوں۔ اسی طرح بخاری کی ایک دوسری روایت میں بھی یہی الفاظ منقول ہیں۔

تشریح حضرت ابوہریرہؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابت حکمی نجاست ہے شریعت مطہرہ نے اس سے طہارت کا حکم دیا ہے اور اس سے غسل کو واجب قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ نجاست سے آدمی حقیقۃً نجس نہیں ہوتا بلکہ حکماً نجس ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے نتیجہ میں جنبی شخص کا جھوٹا بھی پاک ہے اس کا پسینہ بھی پاک ہے۔ اس کے ساتھ نشست و برخاست میل، جول، مصافحہ کرنا اور اس کے ساتھ کلام کرنا اور اس جیسے دیگر امور بلا کراہت اور قباحت جائز ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جنابت کی حالت میں سونے کا حکم

(۲/۴۰۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح ۳۹۳/۱ حديث ۲۹۰۔ ومسلم في صحيحه ۲۴۹/۱۔ حديث رقم (۲۵۔۳۰۵) وأخرجه النسائي في السنن ۱۴۰/۱ حديث رقم ۲۶۰۔ وأخرجه الدارمي بمعناه ۲۱۲/۱ حديث ۷۵۶ وأخرجه مالك في الموطأ ۴۷/۱ كتاب الطهارة حديث ۷۶۔ وأحمد في مسنده ۶۴/۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے رات میں جنابت ہو جاتی ہے یعنی احتلام یا جماع کی وجہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ تو میں ایسی حالت میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وضو کر کے اور عضو مخصوص کو دھو کر سو جایا کرو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب رات کے وقت جنابت ہو جائے چاہے جنابت احتلام کی وجہ سے ہو یا جماع کی وجہ سے ہو اور اس کے بعد سونے کا ارادہ ہو۔ یا کسی اور ضرورت اور عذر کی وجہ سے غسل جنابت میں تاخیر ہو جائے تو ایسی صورت حال میں جنبی کے لئے وضو کر لینا ہی سنت ہے اور یہ وضو کرنا جنبی شخص کے لئے پاکی ہے۔ جب جنبی شخص وضو کر کے سوئے گا تو گویا یہ اس کے لئے طہارت ہے۔

اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ صورت مذکورہ میں پہلے وضو کیا جائے اور اس کے بعد آلہ تناسل کو دھویا جائے۔ حالانکہ اصل ترتیب اور حکم اس طرح نہیں بلکہ اصل ترتیب اس کے برعکس ہے یعنی پہلے عضو مخصوص کو دھویا جائے اور اس کے بعد وضو کیا جائے۔ پھر ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اصل ترتیب اس طرح ہے تو پھر مذکورہ حدیث میں ترتیب اس کے خلاف کیوں ہے؟ اس کا جواب دو طرح سے ہے اول یہ کہ یہاں وضو اور غسل ذکر کے درمیان واؤ حرف عاطفہ ہے جو مطلقاً جمعیت کو چاہتی ہے۔ اس میں ترتیب کا لحاظ نہیں ہوتا۔ ثانی یہ کہ یہاں وضو کو ذکراً مقدم کیا شرافت، عظمت اور کمال کی وجہ سے لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ جنابت کی حالت میں طعام اور نوم کے لئے وضو کرتے تھے

(۳/۴۰۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا كَانَ جُنُبًا فَاَرَادَ اَنْ يَّاْكُلَ اَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ۔

(متفق علیه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۴۸/۱ حديث رقم (۲۲۔۳۰۵) وأخرجه أحمد في المسند ۱۲۶/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنابت کی حالت میں ہوتے تھے۔ تو کھانا کھانے یا سونے کا ارادہ کرتے تو جس طرح نماز کے لئے وضو ہوتا ہے اسی طرح وضو کر لیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل ذکر کیا ہے۔ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں ہوتے اور آپ کو کھانے کی ضرورت پڑ جاتی یا اس کے بعد سونے کی ضرورت ہوتی تو آپ وضو کر کے سوجایا کرتے تھے معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں یہ عمل جائز ہے۔

دو مرتبہ جماع کرنے کے درمیان وضو کرنا

(۴/۴۰۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ اَھْلَهٗ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یَّعُوْدَ فَلْیَتَوَضَّأْ بَیْنَھُمَا وُضُوْءًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲٤۹/۱ حدیث رقم (۲۷_۳۰۵) وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱٤۹/۱ حدیث رقم ۲۲۰ وأخرجه الترمذی فی السنن ۲٦۱/۱ حدیث رقم ۱٤۱ وأخرجه النسائی فی السنن ۱٤۲/۱ حدیث رقم ۲٦۲۔ وابن ماجة ۱۹۳/۱ حدیث رقم ۵۸۷۔ وأحمد فی مسنده ۲۱/۳۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے صحبت کرے اور پھر دوبارہ صحبت کرنے کا ارادہ کرے۔ تو اس کو چاہئے کہ دونوں مرتبہ صحبت کے درمیان وضو کرلے۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جماعین کے درمیان وضو کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنی زوجہ سے دو مرتبہ جماع کرنا چاہے۔ تو جماعین کے درمیان وضو کرے۔ اس وضو کے دو فائدے ہیں:

① ایک یہ کہ اس وضو سے طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔

② دوم یہ کہ اس وضو سے صحبت میں نشاط اور لذت میں قدرے اضافہ ہو جاتا ہے۔

بعض علماء کرام کے نزدیک جنبی کے لئے کھانا کھانے کے متعلق جو احادیث ہیں ان سے وضو حقیقی اور اصطلاحی مراد نہیں بلکہ اس سے وضو لغوی مراد ہے کہ اس وقت دونوں ہاتھ دھو لئے جائیں اور یہی جمہور ائمہ کا مذہب ہے اور نسائی شریف کی ایک روایت نے اس کی تائید ہوتی ہے۔

<u>اشکال اور اس کا حل</u>: مگر اس قول کے مطابق کہ کھانا کھانے کے لئے وضو اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی وضو مراد ہے۔ اس سے بظاہر مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں وضو اصطلاحی کی تصریح اور وضاحت ہے اور اس قرینہ کی وجہ سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی وضو اصطلاحی مراد ہوگا اور اس حدیث میں وضو مفعول مطلق تاکیدی اس کا قرینہ ہے۔ بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں عمل ثابت ہیں۔ کبھی آپ نے مکمل وضو بھی کیا ہے اور کبھی اختصار کے پیش نظر وضو لغوی سے بھی کام لیا ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج سے شب باشی کرنے کے بعد ایک وضو کیا

(۵/۴۰۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَطُوْفُ عَلٰی نِسَآئِهٖ بِغُسْلٍ وَّاحِدٍ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲٤۹/۱ حدیث (۲۸_۳۰۹) أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱٤۸/۱ حدیث رقم ۲۱۸۔ وأخرجه

الترمذی فی السنن ۱/ ۲۵۹۔حدیث رقم ۱٤۰۔والنسائی فی السنن ۱/ ۱٤۳حدیث رقم ۲٦٤۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۱۹٤حدیث رقم ۵۸۸۔وأحمد فی مسنده ۳/ ۲۲۵۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام ازواج سے وظیفہ زوجیت ادا کیا اور آخر میں ایک غسل کیا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام ازواج سے ایک رات وظیفہ زوجیت ادا کیا اور آخر میں صرف ایک مرتبہ غسل کیا یعنی ایسا نہیں کیا کہ ہر بیوی سے صحبت کرنے کے بعد غسل کیا ہو۔ ہاں البتہ یہ احتمال موجود ہے کہ درمیان میں وضو کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے امت کی آسانی کے لئے اور بیان جواز کے لئے درمیان میں وضو کو بھی چھوڑ دیا ہو۔

اشکال اور اس کا جواب:

اس مقام پر ایک اشکال ہے کہ تعدد ازواج کی صورت میں قسم بین الزوجات واجب اور ضروری ہے تو آپ ﷺ نے اس واجب کو کیوں شریک کیا؟ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔

① قسم بین الزوجات کا حکم امت کے لئے ہے رسول اللہ ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اس کی تائید حضرت ابوسعید خدریؓ کے قول سے ہوتی ہے اور قرآن کی آیت ترجی من تشاء منهن...... سے بھی یہی مراد ہے۔

② یہ واقعہ قسم بین الزوجات کے وجوب سے قبل کا ہے۔

③ صاحب النوبۃ کی اجازت سے ایسا کیا ہے اور اس کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے۔

④ یہ واقعہ قسم بین الزوجات کے دور مکمل ہونے کے بعد کا ہے دو دوروں کے درمیان اس طرح کا مشترک وقت جائز ہے۔

⑤ یہ واقعہ صرف دو مرتبہ پیش آیا ہے ایک مرتبہ حجۃ الوداع کے موقع پر احرام سے قبل اور اس سفر میں تمام ازواج ساتھ نہیں تھیں اس لئے آپ نے تکمیل سنت کے لئے ایسا کیا۔ کیونکہ قبل الاحرام وظیفہ زوجیت سے فارغ ہونا سنت ہے اور دوسری مرتبہ حجۃ الوداع ہی کے موقع پر حج سے فراغت کے بعد ایسا کیا گیا اور اس موقع پر یہ عمل مسنون ہے۔

رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں رہتے تھے

(۴۰۹/۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ (رواه مسلم وحديث ابن عباس سنذكره فِيْ كِتَابِ الْاَطْعِمَةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى)۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۲۸۲حدیث (۱۱۷۔۳۷۳)۔وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۲٤حدیث ۱۸۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ٤۳۲حدیث رقم ۳۳۸٤۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۱۱۰حدیث ۳۰۲۔ وأخرجه احمد فی المسند ٦/ ۷۰۔وقد أخرجه البخاری تعلیقًا فی صحیحه ۲/ ۱۱٤ کتاب الاذان باب ۱۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت جس کو صاحب مصابیح نے اس موقع پر نقل کیا ہے۔ ہم ان شاء اللہ اس کو کتاب الاطعمہ میں نقل کریں گے۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے بظاہر اس پر ایک اشکال ہے کہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں رہتے تھے۔ حالانکہ بعض اوقات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن میں ذکر مناسب نہیں مثلاً قضاء حاجت وغیرہ کے وقت تو پھر کل احیان کی عمومیت کا کیا مطلب ہے؟ اس کے تین جوابات ہیں۔

① کل احیان سے مراد وہ اوقات ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مناسب ہیں نامناسب اوقات اس میں شامل نہیں ہیں۔

② کل احیانہ۔ میں ضمیر مضاف الیہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ نبی علیہ السلام کی طرف راجع نہیں ہے مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ ذکر کے اوقات میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رہتے تھے اور ذکر کے اوقات سے مراد وہی اوقات ہیں جن میں ذکر جائز ہے۔

③ ذکر سے مراد ذکر قلبی ہیں نہ کہ ذکر لسانی اور ذکر قلبی ہر وقت جاری رہ سکتا ہے۔

الفصل الثانی:

مرد عورت کے باقی ماندہ پانی سے وضو کر سکتا ہے

(۴۱۰/۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ جَفْنَةٍ فَأَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّتَوَضَّأَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ اِنَّ الْمَآءَ لَايُجْنِبُ (رواه الترمذی وابوداود وابن ماجة وروى الدارمی نَحْوَهٗ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ.

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۹٤ حدیث ٦٥ وقال حسن صحیح۔ وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ٥٥ حدیث ٦٨۔ وأخرج النسائی نحوه فی السنن ۱/ ۱۷۳ حدیث ۳۲٥۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۱۳۲ حدیث رقم ۳۷۰ وأخرج الدارمی نحوه ۱/ ۲۰۳ حدیث ۷۳٤۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ نے ایک پانی کے بھرے ہوئے ٹب سے بھر بھر کر غسل جنابت کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد اسی بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ان زوجہ مطہرہؓ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اس سے غسل جنابت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا پانی تو جنبی نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام دارمی نے بھی اسی طرح نقل کی ہے اور شرح السنۃ میں حضرت ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت میمونہؓ سے مصابیح کے الفاظ کے ہم مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے غسل سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ مرد کو طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔

اشکال اور اس کا حل: اس مقام پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اسی باب کی فصل ثالث کے اندر حضرت حکم بن عمرو کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کے باقی ماندہ پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنے سے منع کیا ہے اور زیر بحث روایت سے جواز ثابت ہوتا ہے بظاہر تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات کے جواز پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے باقی ماندہ پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے اور فصل ثالث کی حدیث اولویت پر دلالت کرتی ہے کہ اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ عورت کے باقی ماندہ پانی سے طہارت حاصل نہ کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ کیونکہ عورتوں کے اندر طہارت کے حصول میں احتیاط نہیں ہوتی۔

غسل کرنے کے بعد جنبی کے ساتھ لپٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے

(۸/۴۱۱)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِئُ بِيْ قَبْلَ اَنْ اَغْتَسِلَ۔

(رواه ابن ماجة وروى الترمذى نَحْوَهٗ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

أخرجه ابن ماجة فى السنن ۱/۱۹۲ حديث رقم ۵۸۰۔وأخرج الترمذى نحوه ۱/۲۱۰ حديث رقم ۱۲۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غسل جنابت کرنے کے بعد میرے جسم کے ساتھ لپٹ کر گرمی حاصل کرتے تھے اور میں نے ابھی تک غسل نہیں کیا ہوتا تھا۔اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے بھی اسی کے مثل روایت نقل کی ہے اور شرح السنۃ میں مصابیح کے روایت کے مثل روایت منقول ہے۔

تشریح ۞ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غسل جنابت کرنے کے بعد میرے غسل کرنے سے قبل میرے بدن سے متصل ہو کر حرارت حاصل کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ مجھ سے پہلے ہی غسل کر لیتے تھے اور سردی کے موسم میں جب آپ کو ٹھنڈک اور سردی محسوس ہوتی اور آپ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور میرے بدن سے متصل ہو کر لیٹ جایا کرتے تھے تاکہ جسم کو گرمی حاصل ہو۔اس سے ثابت ہوا کہ جنبی کا بدن پاک ہے۔اس کے ساتھ لیٹ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس کی نجاست حکمی ہوتی ہے نہ کہ ظاہری۔

بغیر وضو کے قرآن کی تلاوت جائز ہے

(۹/۴۱۲)وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْاٰنَ وَيَاْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهٗ اَوْ يَحْجُزُهٗ عَنِ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ۔ (رواه ابوداود والنسائى وروى ابن ماجة نحوه)

أخرجه أبوداؤد فى السنن ۱/۱۵۵ حديث ۲۲۹۔وأخرجه النسائى فى السنن ۱/۱۴۴ حديث رقم ۲۶۵ وأخرج ابن ماجة نحوه ۱/۱۹۵ حديث رقم ۵۹۴۔ورواه الترمذى مختصرًا فى السنن ۱/۲۷۳ حديث ۱۴۶۔وقال حسن صحيح۔وأخرجه فى مسنده ۱/۸۴۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد ہمیں قرآن پڑھاتے تھے اور اسی وقت ہمارے ساتھ گوشت کھا لیتے تھے۔آپ ﷺ کو قرآن پڑھنے سے سوائے جنابت کے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے بھی اسی کے مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے دو مسائل ثابت ہوئے:

① حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو کے قرآن کریم پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔کیونکہ حدث کی حالت میں قرآن کریم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔

② جنابت کی حالت میں قرآن کریم کو پڑھنا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ہر حالت میں قرآن پڑھاتے تھے سوائے جنابت کی حالت کے۔

جنبی اور حائض کے لئے قرآن کی تلاوت جائز نہیں

(۱۰/۴۱۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقْرَءُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۱/۲۳۶ حديث ۱۳۱ وتكلم فيه۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۱۹۶ حديث رقم ۵۹۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیض والی عورت اور جنبی قرآن کریم کا کوئی حصہ بھی تلاوت نہیں کر سکتے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حائض اور جنبی کے لئے قراءت قرآن کی ممنوعیت کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ حیض والی عورت اور جنبی آدمی قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ مادون الآیۃ کی تلاوت بھی ناجائز ہے یہی مسلک ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا کہ جنبی اور حائض کے لئے قرآن کی تلاوت مطلقاً ناجائز ہے اگرچہ ایک آیت سے کم ہو۔

اور بعض ائمہ کے نزدیک حائض اور جنبی کے لئے ایک آیت یا اس سے زیادہ کی تلاوت جائز نہیں ہے البتہ ایک آیت سے کم کی تلاوت جائز ہے۔

اگر حائض یا جنبی قرآن کا کوئی حصہ تلاوت کے ارادہ اور نیت سے نہیں بلکہ دعا، ثناء، شکر اور وظیفہ کے طور پر پڑھیں تو یہ جائز ہے۔ مثلاً تبرک کے لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا، شکر کے لئے الحمد للہ رب العلمین پڑھنا علی ہذا القیاس۔

جنبی اور حائض کے لئے مسجد عبور کرنے کا مسئلہ

(۱۱/۴۱۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّيْ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۱۵۷ حديث رقم ۲۳۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے مکانوں کے دروازے مسجد کی طرف سے پھیر دو کیونکہ حیض والی عورت اور جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونا چاہئے وہاں ٹھہرنے کے لئے ہو یا گزرنے کے لئے ہو درست نہیں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جنبی اور حائض کے لئے مسجد میں داخل ہونے اور عبور کرنے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور ایک محترم اور مقدس مقام ہے۔ مسجد کے احترام، عظمت اور تقدس کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی انسان جنابت، حیض اور نفاس کی حالت میں اس کے اندر داخل نہ ہو۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جن گھروں کے دروازے مسجد کی جانب کھلتے ہیں ان کا رخ تبدیل کر کے دوسری طرف موڑ دیا جائے تاکہ جو لوگ ناپاکی کی حالت میں ہوتے ہیں مثلاً جنابت، حیض اور نفاس کی حالت میں ان لوگوں کو مسجد میں داخل ہونے کی ضرورت محسوس نہ رہے اور مسجد کا احترام اور تقدس بدستور قائم اور باقی رہے۔

ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہونے کی شرعی حیثیت

اس مسئلہ میں اختلاف ہے جنبی اور حائض وغیرہ بطور راستہ کے مسجد میں داخل ہو کر عبور کر سکتے ہیں یا نہیں اور دو مذہب ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر جنبی اور حائض کسی دوسری جگہ جانے کے لئے مسجد میں داخل ہو کر اس کو عبور کرنا چاہیں تو وہ گزر سکتے ہیں۔ مگر ان کو جنابت اور حیض کی حالت میں مسجد کے اندر ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جنبی اور حائض کو جس طرح مسجد کے اندر ٹھہرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مسجد میں بطور عبور کے داخل ہونا بھی حرام ہے مذکورہ حدیث امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی مؤید ہے کیونکہ اس حدیث میں مطلقاً مسجد میں داخل ہونے کو حرام کر دیا گیا ہے۔ چاہے وہاں ٹھہرنے کے لئے ہو یا راستہ عبور کرنے کے لئے ہو۔ اس اطلاق اور عموم کا تقاضا یہ ہے کہ جنبی اور حائض کے لئے مطلقاً مسجد میں دخول منع ہے۔ چاہے وہاں قرار کے لئے ہو یا عبور کے لئے ہو۔ حدیث میں اس تفریق کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

تصویر کی ممانعت

(۱۲/۴۱۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ ۔

(رواہ ابو داود و النسائی)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ١/١٥٣ حديث رقم ٢٢٧۔ والنسائي في السنن ١/١٤١ حديث رقم ٢٦١۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ٢/١٢٠٣ حديث ٣٦٥٠ وأخرجه أحمد في مسنده ١/٨٣۔ وأخرجه الدارمي في السنن ١/٣٦٩ حديث رقم ٢٦٦٣۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس گھر میں تصویر یا کتا یا جنبی آدمی ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ جس گھر میں یہ تینوں اشیاء تصویر، کتا اور جنبی ہوں تو وہاں ایسے فرشتے داخل نہیں ہوتے جو آسمان سے ذکر، تلاوت وغیرہ سننے کے لئے نازل ہوتے ہیں اور جو ملائکہ رحمت اور برکت کا باعث ہوتے ہیں۔

تصویر کا حکم: تصویر کا حکم یہ ہے کہ وہ تصویر دو حال سے خالی نہیں۔ جاندار کی ہوگی یا غیر جاندار کی۔ اگر تصویر جاندار کی ہو اور جگہ پر ہو مثلاً دیوار پر لٹکائی ہوئی ہو یا چھت پر معلق ہو یا دروازوں اور دیواروں پر لٹکائے ہوئے پردوں پر تصویریں ہوں تو ایسے گھر میں رحمت کے ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہاں البتہ اگر تصویر ایسے مقام میں ہو جو اہانت اور ذلت والا ہو۔ مثلاً نیچے بچھائی جانے والی چادر وغیرہ پر تصویریں ہوں یا ایسی جگہ پر تصویریں ہو جو پاؤں میں روندی جاتی ہوں تو اس صورت میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔

اور اگر وہ تصویر غیر جاندار کی ہو مثلاً وہ تصویر کسی پہاڑ، درخت اور مکان و عمارت وغیرہ کی ہو تو ایسی تصویر ممانعت میں شامل نہیں۔ اسی طرح جاندار کی تصویر کا اگر سر قلم ہو یا ذلت اور اہانت والے مقام پر ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح گھروں میں بالغ بچیاں کھیلنے کے لئے گڑیا بناتی ہیں یہ بھی جائز ہے۔

تصویر والی کرنسی کا حکم: ایسے سکے اور کرنسی نوٹ جن پر تصاویر ہوں جیسے موجودہ دور میں تمام کرنسی نوٹوں پر اور سکوں پر تصاویر ہوتی ہیں ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ حدیث کے عموم اور اطلاق سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایسے سکے اور کرنسی نوٹ گھر میں موجود ہیں تو رحمت کے ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ایسے امور کے قانون ساز تو گرفت سے مامون نہیں ہوں گے۔ مگر ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے ان کو گھروں میں رکھنا جائز ہے یہاں تک کہ ان کو اپنے پاس رکھنا بھی جائز ہے۔ چاہے جیب میں ہوں یا کسی اور چیز میں کیونکہ انسان کو ہر وقت لین دین کی ضرورت ہوتی ہے اور اس ضرورت میں سب شریک ہیں بلا امتیاز و تفریق۔ علماء صلحاء اور مشائخ کا

خود اس پر عمل ہے۔

کتوں کا حکم: کتوں کے متعلق اصول اور حکم یہ ہے کہ گھر میں اگر کتا فیشن اور شوق کے لئے رکھا ہے تو یہ ناجائز ہے ہاں البتہ ضرورت کیلئے کتا رکھنا جائز ہے شکار کے لئے، گھر کی حفاظت کے لئے، جانوروں کی حفاظت کیلئے، کھیتی اور باغ وغیرہ کی حفاظت کیلئے۔

جنبی کا حکم: اس حدیث میں جنبی سے مراد ہر جنبی نہیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ جنبی ہے کہ جس کی عادت مستمرہ ہو کہ وہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے غسلِ جنابت کرنے میں تاخیر کرتا ہو اور اتنی تاخیر کرے کہ نماز کا وقت بھی نکل جائے۔

کافر کے بدن کے قریب رحمت کا فرشتہ نہیں آتا

(۱۳/۴۱۶) وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ جِيْفَةُ الْكَافِرِ وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوْقِ وَالْجُنُبُ اِلَّا اَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/ ٤٠٤ حديث رقم ١٨٠ ٤۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ رحمت کے ملائکہ ان کے قریب نہیں آتے کافر کا بدن، خلوق خوشبو لگانے والا، جنبی جب تک کہ وضو نہ کر لے۔ (ابوداود)

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن کے قریب رحمت کے ملائکہ نہیں آتے۔

① جِيْفَةُ الْكَافِرِ: یہاں جیفہ سے مراد کافر کا بدن۔ ہے چاہے کافر زندہ ہو یا مردہ۔ جیفہ کا لغوی معنی ہے مردار اور وجہ مناسبت ظاہر ہے کہ کافر بھی بمنزلہ مردار کے ہوتا ہے کیونکہ کافر نجس اشیاء مثلاً شراب اور سور اور حرام گوشت وغیرہ سے احتراز نہ کرنے کی وجہ سے ناپاک ہوتا ہے۔

② بِالْخَلُوْق خوشبو لگانے والا: خلوق ایک خوشبو ہے جو کہ زعفران وغیرہ سے بنتی ہے اور رنگ دار ہوتی ہے اس لئے عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مردوں کے لئے اس کا استعمال حرام کر دیا گیا ہے کہ اس خوشبو کو عورتیں استعمال کر سکتی ہیں اور مردوں کے لئے اس کا استعمال منع ہے اس لئے اگر کوئی مرد اس کو استعمال کرتا ہے تو رعونت اور عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے رحمت کے ملائکہ اس کے قریب نہیں جاتے۔

اس سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جو آدمی خلاف سنت کام کرتا ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر کتنا ہی خوبصورت مزین اور معطر ہو اور مخلوق کی نظروں میں عزت اور احترام والا ہو۔ مگر اس کے باوجود وہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے خسیس اور رذیل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے کا باعث ہوتا ہے۔

③ جنبی کے قریب رحمت کا فرشتہ نہیں آتا رسول اللہ ﷺ کا فرمان جنبی کے لئے زجر اور توبیخ پر محمول ہے اور اس ارشاد کی غرض وغایت یہ ہے کہ جنبی آدمی غسل جنابت میں غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے تاخیر نہ کرے۔

وضو کے بغیر قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں

(۱۴/۴۱۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِبْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِوبْنِ حَزْمٍ اَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِيْ كَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ﷺ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنْ لَّا يَمَسَّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ۔ (رواه مالك والدارقطني)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١٩٩ كتاب القرآن حديث رقم ١۔ والدارقطني في السنن ١/١٢١ باب في نهي المحدث عن سر القرآن حديث رقم ٢۔ مرسل ورواته ثقات۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے جو ہدایت نامہ حضرت عمرو بن حزم کے لئے لکھا تھا اس میں یہ حکم بھی ذکر کیا گیا تھا کہ قرآن کریم کو صرف پاک لوگ ہاتھ لگا سکتے ہیں اس حدیث کو امام مالکؒ اور امام دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کو یمن کے کسی علاقہ کی طرف گورنر بنا کر روانہ کیا تھا اور ساتھ ہی انہیں ایک ہدایت نامہ لکھ کر دیا تھا۔ جس میں فرائض صدقات اور دیات وغیرہ کے احکام ذکر کئے گئے تھے اور اس صحیفہ میں یہ مسئلہ بھی لکھا گیا تھا کہ قرآن کریم کو وضو کے بغیر ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا جمہور ائمہ کے نزدیک طہارت کے بغیر قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے اور جمہور ائمہ نے استدلال کیا ہے قرآن کریم کی اس آیت سے لایمسہ الا المطہرون۔ کہ قرآن کریم کو صرف باوضو لوگ مس بالید کر سکتے ہیں۔

سلام کا جواب دینے کے لئے وضو کرنا

(۴۱۸/۱۵) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ حَاجَةٍ كَانَ مِنْ حَدِيْثِهِ يَوْمَئِذٍ اَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ فِيْ سِكَّةٍ مِّنَ السِّكَكِ فَلَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى اِذَا كَادَ الرَّجُلُ اَنْ يَّتَوَارٰى فِي السِّكَّةِ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ عَلَى الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً اُخْرٰى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْنِيْ اَنْ اَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ اِلَّا اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ عَلٰى طُهْرٍ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٢٣٤ حديث رقم ٣٣٠ وقال: سمعت أحمد بن حنبل يقول روى محمد بن ثابت حديثاً منكراً في التيمم۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لئے جا رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا پہلے تو انہوں نے قضائے حاجت کی اور استنجاء کیا اس کے بعد انہوں نے اس دن یہ حدیث بیان کی کہ ایک آدمی کسی گلی میں جا رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ غائط یا بول سے فارغ ہو کر تشریف لا رہے تھے۔ اس آدمی نے آپ سے ملاقات کی اور سلام عرض کیا۔ رسول اللہؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب یہ شخص دوسرے کوچہ کی طرف مڑنے والا تھا۔ تب آپ ﷺ نے تیمم کے لئے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مار کر منہ پر پھیرے پھر دوسری ضرب لگائی اور اپنے ہاتھوں کا مرفقین تک مسح کیا اس کے بعد آدمی کے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے کسی چیز نے نہیں روکا تھا۔ صرف اور صرف یہ بات تھی کہ میں بغیر وضو کے تھا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کے بغیر سلام کا جواب نہیں دیا۔ درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے ایک اسم مبارک ہے اگرچہ بوقت سلام یہ حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد سلامتی اور عافیت والا معنی مراد ہوتا ہے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے اصل معنی کی رعایت کرتے ہوئے وضو کے بغیر اس کا تلفظ مناسب نہیں

سمجھا۔ اور آپ ﷺ نے تیمم کر کے پھر سلام کا جواب دیا۔

اس حدیث سے دو مسائل معلوم ہوئے:

① ایک یہ کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

② دوم یہ کہ اگر کوئی آدمی کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے سلام کا جواب نہ دے سکے تو اس کے لئے مستحب امر یہ ہے کہ وہ سلام کرنے والے کے سامنے اپنا وہ عذر اور مجبوری بیان کر دے کہ میں اس مجبوری کی وجہ سے سلام کا جواب نہیں دے سکا۔ تاکہ وہ سلام کا جواب نہ دینے کو کسی غرور اور تکبر پر محمول نہ کرے اور کسی بدگمانی کا شکار نہ ہو۔

اشکال اور اس کا حل: اس مقام پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اس باب میں پہلے حضرت علیؓ کی روایت گزری ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے واپس آ کر وضو کرنے کے بغیر قرآن کریم پڑھتے اور پڑھاتے تھے اور اسی طرح حضرت عائشہ ؓ کی روایت میں گزرا ہے کہ آپ ﷺ ہر وقت ذکر میں مشغول رہتے تھے اور یہ عموم حدث کی حالت کو بھی شامل ہے اور اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے سلام کا جواب وضو کے بغیر نہیں دیا۔ بظاہر تعارض ہے۔

اس تعارض کا دفعیہ اور حل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی روایتیں رخصت اور بیان جواز پر محمول ہیں۔ آپؐ امت کی آسانی کیلئے ایسا کرتے تھے اور حضرت نافعؒ کی روایت عزیمت پر محمول ہے کہ اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ وضو کر کے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔

پیشاب کرنے کی حالت میں سلام کا جواب نہ دیا جائے

(۱۶/۴۱۹) وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ اِلَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ كَرِهْتُ اَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ اِلَّا عَلٰى طُهْرٍ (رواہ ابوداود وروى النسائى الى قوله) حَتّٰى تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ۔

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۲۳ حديث رقم ۱۷۔ ورواه النسائي في السنن مختصرًا ۱/۳۷ حديث رقم ۳۸ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۱۲۶ حديث رقم ۳۵۰۔ وأحمد في مسنده ٤/٣٤٥۔

ترجمہ: حضرت مہاجر بن قنفذؓ سے روایت ہے کہ یہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا آپ ﷺ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور پھر عذر داری کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا نام وضو کے بغیر ذکر کروں۔ اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے یہ روایت حتی توضا تک نقل کی ہے اور کہا ہے کہ جب آپ ﷺ نے وضو کر لیا تو سلام کا جواب دیا۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کے بغیر اللہ تعالیٰ کا نام لینا مکروہ ہے۔ یہاں مکروہ سے یہ مراد نہیں کہ وضو کے بغیر اللہ تعالیٰ کا نام لینا حرام ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام وضو کی حالت میں لیا جائے اگر کسی نے حدث کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا مبارک اور مقدس نام لے لیا تو یہ گناہ نہیں ہے وضو کی حالت میں اللہ کا نام لینا رعایت ادب کا تقاضا ہے۔

الفصل الثالث:

(۱۷/۴۲۰) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُجْنِبُ ثُمَّ يَنَامُ ثُمَّ يَنْتَبِهُ ثُمَّ يَنَامُ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في مسنده ٦/٢٩٨۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کی حالت میں سو جایا کرتے تھے۔ پھر بیدار ہوتے اور سو جاتے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ذکر کیا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جب جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے تو وضو کرکے اس کے بعد سو جایا کرتے تھے۔

مذکورہ حدیث میں اگرچہ اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ جنابت کی حالت میں سونے سے پہلے وضو کرنے کے بعد ہی آرام کرتے تھے مگر متبادل الی الفہم یہی ہے کہ وضو کرنے کے بعد ہی آرام کرتے ہوں گے اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ بھی کبھی امت پر آسانی اور بیان جواز کے لئے وضو کے بغیر ہی سو جاتے ہوں گے۔ مگر اس کے باوجود اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ وضو کرکے سویا جائے کیونکہ رخصت پر عمل کرنے کے بجائے اولویت اور افضلیت پر عمل اولیٰ ہوگا۔

استاذ شاگرد کو غفلت پر تنبیہ کرسکتا ہے

(۴۲۱/۱۸) وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى سَبْعَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهُ فَنَسِيَ مَرَّةً كَمْ اَفْرَغَ فَسَأَلَنِي فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ فَقَالَ لَا اُمَّ لَكَ وَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَدْرِيَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يَفِيْضُ عَلٰى جِلْدِهِ الْمَآءَ ثُمَّ يَقُوْلُ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَطَهَّرُ ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ١/١٧١ حديث رقم ٢٤٦۔

ترجمہ: حضرت شعبہؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب غسل جنابت کرتے۔ تو پہلے اپنے دامیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات مرتبہ پانی ڈالتے تھے پھر اپنی شرم گاہ کو صاف کرتے تھے ایک مرتبہ بھول گئے کہ پانی کتنی مرتبہ ڈالا ہے۔ پھر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے یاد نہیں کہ کتنی مرتبہ پانی ڈالا ہے۔ انہوں نے فرمایا تمہاری ماں مرے۔ تمہیں یاد رکھنے سے کس شئی نے روک دیا تھا پھر وضو کیا جس طرح نماز کے لئے وضو ہوتا ہے پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہایا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح طہارت حاصل کرتے تھے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شاگرد اپنے استاذ اور شیخ کے سامنے کوتاہی اور غفلت کرے تو استاذ اس کو ضروری تنبیہ کرسکتا ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت شعبہ کو تنبیہ فرمائی۔ کہ تم نے پانی ڈالنے کی تعداد کو کیوں یاد نہیں رکھا اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کو اپنے استاذ کے سامنے ہوشیار اور محتاط رہنا چاہیے۔

مسئلة الحديث: غسل جنابت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ہاتھوں کو دھونے کے سلسلہ میں کوئی خاص تعداد منقول نہیں۔ اس سے پہلے جتنی احادیث گزری ہیں ان میں تعداد کا کوئی ذکر نہیں یا تو وہ روایات اطلاق پر محمول ہیں اور جن روایتوں میں تعداد کا ذکر ہے ان میں دو مرتبہ یا تین مرتبہ کا ذکر ہے سات مرتبہ کا کوئی ذکر نہیں اور اس سے پہلے خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت گزری ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل جنابت سے پہلے ہاتھ دھوتے تھے۔ مگر اس میں بھی تعداد کا کوئی ذکر نہیں مگر مذکورہ حدیث میں حضرت شعبہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ عمل ذکر کیا ہے کہ وہ غسل جنابت سے پہلے سات مرتبہ ہاتھوں کو دھوتے تھے۔ بظاہر تعارض کی کیفیت ہے لہٰذا رفع تعارض کی.

صورت یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کوئی ایسی صورت پیش آئی ہوگی کہ جس کی وجہ سے انہوں نے ساتھ مرتبہ دھونے کو ضروری سمجھا ہوگا اور رفع تعارض کی دوسری صورت یہ ہے کہ ممکن ہے ابتداء سات مرتبہ دھونے کا حکم ہوا اور بعد میں تسبیع والا حکم منسوخ ہو گیا ہو اور ابن عباسؓ کو نسخ کا علم نہ ہوا ہو اس لئے انہوں نے سات مرتبہ دھویا۔

جماعین کے درمیان غسل نشاط کا ذریعہ ہے

(۱۹/۴۲۲) وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم طَافَ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی نِسَآئِهٖ یَغْتَسِلُ عِنْدَ هٰذِهٖ وَعِنْدَ هٰذِهٖ قَالَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَجْعَلُهٗ غُسْلًا وَّاحِدًا اٰخِرًا قَالَ هٰذَا اَزْكٰی وَاَطْیَبُ وَاَطْهَرُ۔ (رواہ احمد وابوداود)

أخرجه أحمد في مسنده ۶/۸۔ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۱۴۹ حديث رقم ۲۱۹ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۱۹۴ حديث رقم ۵۹۰۔

ترجمہ: حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنی تمام ازواج سے وظیفہ زوجیت ادا کیا اور ہر جماع کے بعد علیحدہ علیحدہ غسل کیا حضرت ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول آپ نے آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہ کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر جماع کے بعد غسل کرنا اچھی طرح پاک کرنا ہے اور نفس کے لئے نشاط پیدا کرنے والا ہے اور جسم کو صاف کرتا ہے اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ✿ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تمام ازواج سے وظیفہ زوجیت ادا کیا اور ہر جماع کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا۔ حضرت ابو رافع نے سوال کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے آخر میں ایک غسل کیوں نہ کر لیا۔ ہر جماع کے بعد علیحدہ علیحدہ کیوں غسل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں تین الفاظ ارشاد فرمائے:

① ازکی۔ ② اطیب۔ ③ اطہر۔ علامہ طیبیؒ نے ان تینوں میں یہ فرق بتایا ہے کہ تطہیر کا لفظ ظاہری مناسبت کی وجہ سے ہے اور دوسرے دونوں لفظ باطنی طہارت کی مناسبت سے ہیں وہ اس طرح کہ تطہیر اخلاق رذیلہ کی تطہیر کے لئے ہے۔ تطییب اور تزکیہ اچھی عادات اور خصائل کے حصول کے لئے ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ غسل سے برے اخلاق کا ازالہ ہوتا ہے جیسے غصہ وغیرہ اور اچھے اخلاق حاصل ہوتے ہیں جیسے ورع تقوی اور حلم وغیرہ۔

تعارض اور اس کا جواب:

اس جگہ ایک تعارض ہے وہ یہ کہ اس سے پہلے حضرت انسؓ کی روایت گزری ہے اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تمام ازواج سے وظیفہ زوجیت ادا کیا اور آخر میں ایک غسل کیا اور حضرت ابو رافع کی مذکورہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج سے جماع کیا اور ہر جماع کے بعد غسل کیا۔ بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے ان دونوں روایتوں میں رفع تعارض بصورت تطبیق ہوگا وہ اس طرح کہ حضرت انسؓ کی روایت بیان جواز اور رخصت پر محمول ہے کہ آپ نے امت کی آسانی کے لئے ایسا کیا کہ تعدد ازواج کی صورت میں تعدد جماع کے بعد آخر میں ایک غسل کر لینا کافی ہے اور حضرت ابو رافعؓ کی مذکورہ روایت اولویت اور افضیلت پر محمول ہے کہ تعدد جماع کی صورت میں اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ ہر جماع کے بعد غسل کیا جائے۔ کیونکہ اس میں تزکیہ اور طہارت ہے۔

فضل المرأة سے وضو منع ہے

(۲۰/۴۲۳)وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طُهُوْرِ الْمَرْأَةِ۔ (رواه ابوداود وابن ماجة والترمذی وَ زَادَ اَوْ قَالَ بِسُؤْرِهَا وَقَالَ هٰذا حديث حسن صحيح)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۶۳ حديث رقم ۸۲۔ وأخرج ابن ماجة نحوه ۱/۱۳۲ حديث رقم ۳۷۳ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۹۳ حديث رقم ۶۴ وقال حديث حسن وأخرجه أحمد في مسنده ۵/۶۶۔

ترجمہ: حضرت حکم بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کے غسل یا وضو کے باقی ماندہ پانی سے مرد کو وضو کرنے سے منع کیا ہے۔اس حدیث کو امام ابوداؤد امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں: اَوْ قَالَ بِسُؤْرِهَا یا آپ نے فرمایا کہ عورت کے سؤر سے نیز امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں لفظ سؤر سے وضو یا غسل سے باقی ماندہ پانی مراد ہے اس کا لغوی معنی جوٹھا ہے یہ معنی اس مقام پر مراد نہیں ہے مطلب یہ ہوگا کہ لفظ اُو راوی کے شک کے لئے ہے کہ راوی کو شک ہو گیا کہ آپ ﷺ نے فضل کا لفظ فرمایا یا سؤر کا لفظ فرمایا مراد دونوں سے ایک ہی ہے۔

تعارض اور دفع تعارض: اس مقام پر بظاہر ایک تعارض ہے وہ یہ کہ مذکورہ حدیث میں عورت کے وضو اور غسل سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ طہارت کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے طہارت کرنے کی رخصت اور اجازت ہے اور اسی طرح اس کے مابعد والی روایت سے بھی عدم جواز ثابت ہے بظاہر تعارض ہے۔علامہ سید جمال الدین صاحب اس تعارض کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن احادیث سے عورت کے وضو یا غسل سے باقی ماندہ پانی کی نہی مذکورہ ہے اس سے مراد نہی تنزیہی ہے اور یہ بھی جواز کا ایک درجہ ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے

(۲۱/۴۲۴)وَعَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ اَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهُ اَبُوْهُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ اَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْاَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا رواه ابوداوٗد والنسائی زاد احمد فِيْ اَوَّلِهِ نَهَى اَنْ يَّمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ اَوْيَبُوْلَ فِيْ مُغْتَسَلِهِ۔ (رواه ابن ماجة عن عبداللّٰہ بن سرجس)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۶۳ حديث رقم ۸۱۔ وأخرجه النسائي في السنن ۱/۱۳۰ حديث رقم ۲۳۸۔ وأخرجه أحمد في مسنده ۴/۱۱۰۔

ترجمہ: حضرت حمید حمیریؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح چار سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ چکے تھے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے کہ عورت مرد کے غسل سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ غسل کرے۔یا مرد عورت کے غسل سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ غسل کرے اور اس

حدیث میں مسدد راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں: وَلْيَغْتَرِ فَا جَمِيْعًا کہ دونوں ایک ساتھ چلو بھر کر غسل کریں تو جائز ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور امام احمدؒ نے اس حدیث کے شروع میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے روزانہ کنگھی کرنے سے اور غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن سرجس سے نقل کی ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث کا نفس مسئلہ تو وہی ہے جو کہ اس سے پہلے گزر گیا ہے اور مزید اس حدیث میں دو چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ ایک روزانہ کنگھی کرنے سے کیونکہ یہ ان لوگوں کا شعار ہے جن کا مقصد زیب و زینت ہو لہٰذا سنت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دن کے ناغہ کے ساتھ کنگھی کی جائے۔

دوم غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بول فی المغتسل سے وساوس کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور یہ عبادت میں حضوری قلب کے لئے مانع ہے لہٰذا ان دونوں امور سے اجتناب کیا جائے۔

بَابُ اَحْكَامِ الْمِيَاهِ

پانی کے احکام کا بیان

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور دستور زندگی ہے اس میں زندگی گزارنے کے متعلق تمام مسائل اور احکام کو ذکر کیا گیا ہے اسی طرح پانی انسان کی ضروریات میں سے ایک اہم ترین ضرورت ہے اور انسان کی بقاء اور ارتقاء کے لئے اس کو انسانی زندگی سے بہت دخل اور تعلق ہے اسی لئے شریعت میں اس کو شرح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے مصنف نے ترجمۃ الباب میں المیاہ کا لفظ ذکر کر کے پانی کے تمام انواع کی طرف اشارہ کر دیا مثلاً بارش کا پانی' کنوؤں کا پانی' نہر کا پانی' سمندر کا پانی' دریا کا پانی' چشموں کا پانی اسلامی احکام کی ترتیب بھی عجیب حکمت پر مبنی ہے مثلاً حکم ہے وضو کے شروع میں ہاتھ دھونے کا اس سے پانی کی کیفیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ پانی گرم ہے یا ٹھنڈا ہے۔ پھر منہ میں ڈالنے کا حکم ہے اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کیا چیز ہے پھر حکم ہے استنشاق کا اس سے بذریعہ رائحہ اندازہ ہو جائے گا کہ پانی صحیح ہے یا سڑا ہوا اور بدبودار ہے علیٰ ہذا القیاس۔

پانی میں پیشاب نہ کرو

(۴۲۵/۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الْمَآءِ الدَّآئِمِ الَّذِیْ لَا يَجْرِیْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ (متفق عليه وفی رواية لمسلم) قَالَ لَا يَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِی الْمَآءِ الدَّآئِمِ وَ هُوَ جُنُبٌ قَالُوْا كَيْفَ يَفْعَلُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهٗ تَنَاوُلًا۔

أخرجه البخاری فی الصحيح ۳٤٦/۱ حديث رقم ۲۳۹۔ وأخرجه مسلم فی صحيحه ۲۳۵/۱ حديث (۹۰-۲۸۲) وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۵٦/۱ حديث رقم ٦۹۔ وأخرجه الترمذی نحوه ۱۰۰/۱ حديث رقم ٦۸۔ وأخرج النسائی فی السنن ٤٦/۱ حديث وأخرجه الدارمی فی السنن ۲۰۲/۱ حديث رقم ۷۳۔ وأخرجه أحمد ۳٤٦/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی کھڑے پانی میں

پیشاب نہ کرے ہوسکتا ہے کہ اس کو پھر اسی سے غسل کرنے کی ضرورت پڑ جائے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی آدمی کھڑے پانی میں غسل جنابت نہ کرے۔ لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ پھر کس طرح غسل کرے آپ نے فرمایا چلو سے پانی لے کر غسل کرے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں کھڑے پانی کے اندر پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد ماء قلیل ہے کیونکہ ماء قلیل وقوع نجاست سے نجس ہو جاتا ہے بخلاف ماء کثیر کے کہ وہ ماء جاری کے حکم میں ہوتا ہے اور وہ وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں تغیر نہ ہو۔ لہٰذا اگر تھوڑے پانی میں نجاست گر گئی تو اس سے غسل اور وضو درست نہیں اور اگر ماء کثیر میں نجاست گر گئی تو اس سے غسل اور وضو درست ہے۔

بعض علماء کے نزدیک ماء کثیر میں پیشاب کرنا منع ہے اگر چہ وہ پانی پیشاب سے نجس نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر اس میں کوئی آدمی پیشاب کرے گا تو اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس میں پیشاب کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب لوگوں کو اس میں پیشاب کرنے کی عادت ہو جائے گی اور اس قدر کثرت کے ساتھ پیشاب کرنے سے لازماً آہستہ آہستہ اس پانی میں تغیر پیدا ہو جائے گا پانی کے تغیر اور تبدل سے مراد اوصاف ثلاثہ کا تغیر ہے یعنی رنگ، ذائقہ اور بو۔ کیونکہ ان اوصاف کے تغیر سے پانی کی اصل حقیقت اور ماہیت ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ جب ماء قلیل ہو تو اس صورت میں اس میں پیشاب نہ کرنے کی نہی تحریم پر محمول ہے کیونکہ ماء قلیل وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے اور ماء کثیر کی صورت میں نہی سے مراد نہی تنزیہی ہوگی۔

اب یہ کہ ماء قلیل اور کثیر سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت ان شاء اللہ آئندہ آئے گی اور حدیث میں پانی کے ساتھ جاری کی قید اس لئے لگائی گئی ہے۔ کہ اگر اس میں نجاست گر گئی تو وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوگا چاہے ماء جاری قلیل ہو یا کثیر۔

اور علماء کے نزدیک یہ تمام تفصیل دن کے ساتھ مقید ہے رات کے وقت مطلقاً پانی میں قضائے حاجت اور پیشاب کرنا منع ہے اس کی علت یہ ہے کہ ندی نالے اور تالاب وغیرہ میں رات کے وقت کیڑے مکوڑے اور دیگر جانور ہو سکتے ہیں اور اس وقت پانی میں پیشاب وغیرہ کرنے سے تکلیف اور اذیت کا قوی امکان ہے۔

اس حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی جنابت کی حالت میں ہاتھ پانی میں ڈال دے تو اس سے پانی مستعمل نہیں ہو جاتا۔ کہ جو استعمال کرنے کے قابل نہ رہے ہاں البتہ اگر وہ اپنے ہاتھوں کو پانی میں ازالہ حدث کے لئے ڈالے تا کہ ہاتھ نجاست سے پاک ہو جائیں تو اس صورت میں وہ پانی ماء مستعمل ہو جائے گا اور استعمال کے قابل نہیں رہے گا۔

(۲/۴۲۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّبَالَ فِى الْمَآءِ الرَّاكِدِ۔ (مسلم)

اخرجه مسلم فى الصحيح ۱/۲۳۵ حديث رقم (۹۴۔۲۸۱) واخرجه احمد فى مسنده ۳/۳۵۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کا مضمون بھی سابقہ حدیث والا ہے کہ کھڑے پانی میں رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ کھڑا پانی ماء قلیل کے حکم میں ہے اور ماء قلیل وقوع نجاست سے نجس ہو جاتا ہے۔

وضو کا پانی برکت کے لئے پینا

(۴/۴۲۷)وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِيْ وَدَعَالِيْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ اِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱/ ۲۹٦ حديث رقم ۱۹۰۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ میرا بھانجا بیمار ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سر پر پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعاء کی۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور میں نے آپ کے وضو کا پانی پی لیا اس کے بعد میں آپ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا اور مہر نبوت کو دیکھنے لگا۔ جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور دلہن کے پلنگ کی گھنڈی کی طرح چمک رہی تھی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور میں نے آپ کے وضو کا پانی پی لیا حصول برکت کے لئے۔ اس حدیث میں وضو کے پانی کی مراد میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کرنے کے بعد جو پانی برتن میں باقی بچ گیا تھا حضرت سائبؓ نے اس کو حصول برکت کے لئے پی لیا تھا دوسرا احتمال یہ ہے کہ جب پانی رسول اللہ ﷺ کے وضو کے دوران آپ کے اعضاء سے منفصل ہو کر گرتا حضرت سائب اس کو حصول برکت کے لئے پی لیتے تھے۔

مُہر نبوت: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جب نبوت اور رسالت کے منصب سے سرفراز کیا تو آپ کی حقانیت اور صداقت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور حجت اور برہان کے آپ کو بہت سے معجزات سے نوازا گیا ان معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ مہر نبوت ہے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ اس حدیث میں اسی مہر نبوت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ مہر نبوت دلہن کے پلنگ کی گھنڈی کی طرح روشن اور چمکدار تھی۔

اور اس کو مہر نبوت اس لئے کہا گیا ہے کہ سابقہ انبیاء کرام رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے قبل آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت کی خبر دیتے تھے اور ان کی کتابوں میں بذریعہ وحی اس خبر کا تذکرہ موجود تھا اور اس کی نشانی یہ بتائی گئی تھی کہ آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ جب آپ کی بعثت ہوئی تو اسی مہر نبوت سے آپ ﷺ کی معرفت اور تصدیق ہوئی کہ آپ ﷺ نبی آخر الزمان اور خاتم النبیین ہیں اور آپ ہی کے متعلق سابقہ کتابوں میں خبر دی گئی ہے چنانچہ مہر نبوت اس کی علامت اور دلیل قرار دی گئی۔

اس کے علاوہ بھی علماء نے اس کی وجوہات بتائی ہیں مگر طوالت کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے اس مہر نبوت کے متعلق منقول ہے کہ اس کے اندرونی حصہ میں۔ وحدہ لاشریک۔ کے الفاظ لکھے ہوئے تھے اور اس کے ظاہری حصہ پر یہ الفاظ مرقوم تھے۔ **توجه حيث ماكنت فانك منصور۔** کہ آپ ﷺ جس طرف متوجہ ہوں گے ہماری مدد آپ کے ساتھ ہے۔

مہر نبوت کے ظاہر ہونے کے وقت میں علماء کرام کا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک شرح صدر کے بعد مہر نبوت ظاہر ہوئی اور بعض علماء کرام کے نزدیک پیدائش کے فوراً بعد ظاہر ہوئی اور بعض علماء کے نزدیک آپ کی تخلیق مہر نبوت کے ساتھ ہوئی تھی۔

قلتین کا مسئلہ

(۴/۴۲۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الْمَآءِ یَکُوْنُ فِی الْفَلَاۃِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا یَنُوْبُہٗ مِنَ الدَّوَآبِّ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ اِذَاکَانَ الْمَآءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلِ الْخَبَثَ۔

(رواہ احمدوابوداود والترمذی والنسائی والدارمی وابن ماجۃ وفی اخرٰی لابی داود فَاِنَّہٗ لَایَنْجِسُ)

أخرجه أحمد في مسنده ٢/٢٧۔وأخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٥١حديث رقم ٦٣۔وأخرجه الترمذي في السنن ١/٩٧حديث رقم ٦٧۔وأخرجه النسائي في السنن ١/٤٦حديث رقم ٥٢عن عمر ابن أبيه۔وأخرجه الدارمي في السنن ١/٢٠٢حديث رقم ٧٣٢۔وأخرجه ابن ماجة في السنن١/١٧٢حديث رقم ٥١٧۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس پانی کے متعلق دریافت کیا گیا جو جنگل میں زمین پر جمع ہوتا ہے اور اکثر اس پر جانور اور درندے آتے جاتے ہیں اور اس میں پیشاب بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر وہ پانی دو مٹکوں کے برابر ہو تو پانی وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا اس حدیث کو امام احمد' امام ابوداوٗد' امام ترمذی' امام نسائی' امام دارمی' امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابو داوٗد کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے۔ فانہ لاینجس۔ کہ وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب پانی قلتین ہو تو نجس نہیں ہوتا قلتین تثنیہ ہے قلۃ کا۔ قلہ اس مٹکے کو کہتے ہیں جس میں تقریباً اڑھائی مشک پانی سما جاتا ہو۔ اس حساب سے دو مٹکوں کا پانی تقریباً پانچ مشکوں کے برابر ہوگا اور دو مٹکوں کے پانی کا وزن تقریباً سوا چھ من کے قریب ہوتا ہے۔ اس حدیث سے استدلال کر کے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پانی دو مٹکوں کے برابر ہو اور اس میں گندگی گر جائے۔ تو وہ پانی نجس نہیں ہوتا جب تک کہ اوصاف ثلاثہ کا تغیر اور تبدل نہ ہو اور اوصاف ثلاثہ سے مراد رنگ' ذائقہ اور بو ہیں۔

حدیث قلتین کی تحقیق: حدیث قلتین کے بارے میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف اور اس میں کلام ہے کہ فن حدیث کے اعتبار سے اس کا کیا حکم ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے۔

چنانچہ سفر السعادہ کے مصنف جو کہ عظمت اور جلالت شان میں اپنی مثال آپ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک حدیث القلتین صحیح ہے اور بعض علماء کے نزدیک حدیث القلتین صحیح نہیں ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ زم زم کے کنوئیں میں ایک حبشی گر گیا تھا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حکم سے کنوئیں کا تمام پانی نکال دیا گیا تھا اور یہ فیصلہ اکثر صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا تھا کسی نے اس پر انکار نہیں کیا تھا اور بعض علماء کے نزدیک وقوع نجاست کے مسئلہ میں احناف اور شوافع کے نزدیک کوئی ایسی حدیث معلوم نہیں ہو سکی کہ جس کے اندر پانی کی کوئی خاص حد اور مقدار مقرر اور بیان کر دی گئی ہو کہ اگر پانی کی اتنی مقدار میں کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔

قول امام طحاوی رحمہ اللہ: حضرت امام طحاویؒ جو کہ حنفی مسلک رکھتے ہیں اور فن حدیث کے جلیل القدر امام مشہور ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث قلتین اگرچہ صحیح ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ ہمارے نزدیک معمول بہا نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس حدیث میں پانی کی مقدار دو قلہ بتائی گئی ہے اور قلہ کے معانی متعدد ہیں اس کا ایک معنی ہے مٹکہ۔ دوسرا معنی مشک ہے۔ تیسرا معنی ہے راس الجبل یعنی

پہاڑ کی چوٹی۔ چوتھا معنی ہے قامۃ الرجل۔ لہٰذا جب تک یقین نہ ہو اور دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ قلہ سے کیا مراد ہے تو اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام: حاصل کلام یہ ہے کہ جو علماء کرام حدیث کے صرف ظاہری الفاظ کا اعتبار کرتے ہیں ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ وقوع نجاست سے پانی مطلقاً نجس نہیں ہوتا۔ چاہے پانی کثیر ہو یا قلیل ہو جاری ہو یا جاری نہ ہو۔ اوصاف ثلاثہ کا تغیر ہو یا نہ ہو ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے ان الماء طهور لا ينجسه شيء۔ کہ پانی پاک ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کر سکتی۔

ان کے علاوہ دیگر علماء اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی کثیر ہو گا تو وقوع نجاست سے نجس نہیں ہو گا اور اگر پانی قلیل ہو تو وقوع نجاست سے نجس ہو جائے گا۔

ماء کثیر اور قلیل کی حد: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ماء کثیر اور قلیل کی حد کیا ہے حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اگر پانی میں نجاست گرنے سے اوصاف ثلاثہ کا تغیر نہ ہو تو وہ ماء کثیر ہے اور اگر اوصاف ثلاثہ کا تغیر ہو جائے تو وہ ماء قلیل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جو پانی اس حدیث کے مطابق دو مٹکوں کے برابر ہو تو وہ ماء کثیر ہو گا اور جو پانی دو مٹکوں سے کم ہو تو وہ ماء قلیل ہو گا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر پانی کی اتنی مقدار ہے کہ اگر ایک کنارے سے پانی کو حرکت دی جائے تو دوسرا کنارہ حرکت نہ کرے تو وہ ماء کثیر ہے اور اگر دوسرا کنارہ حرکت کرے تو وہ قلیل ہے۔ اور بعض متاخرین احناف کے نزدیک دہ دردہ ہو تو ماء کثیر ہے۔ یعنی اتنا بڑا حوض اور تالاب ہو کہ جو دس ذراع لمبا دس ذراع چوڑا اور اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو بھر کر پانی لیا جائے تو زمین ظاہر نہ ہو۔ چنانچہ ایسے حوض اور تالاب میں اگر نجاست گر جائے تو وہ نظر نہیں آتی۔ جس کنارے سے چاہے وضو کر سکتا ہے اور اگر ایسے حوض میں اتنی نجاست گر جائے کہ وقوع نجاست سے اوصاف ثلاثہ کا تغیر ہو جائے تو پھر یہ پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر حوض کی شکل یہ ہو کہ وہ بیس ذراع طویل ہو اور چوڑائی پانچ ذراع ہو۔ یا طول پچیس ذراع ہو اور عرض چار ذراع ہو تو یہ بھی دہ دردہ کے حکم میں ہو گا۔

حدیث بیر بضاعہ

(۵/۴۲۹) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِیَ بِئْرٌ یُلْقٰی فِیْهَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهُ شَیْءٌ۔

(رواه أحمد والترمذي وابوداود والنسائي)

أخرجه أحمد في مسنده ۳/ ۳۱ وأخرجه الترمذي في السنن ۱/ ۹۵ حديث رقم ٦٦۔ وقال حديث حسن۔ وأخرجه أبوداود في السنن ۱/ ۵۳ حديث رقم ٦٦۔ والنسائي في السنن ۱/ ۱۷٤ حديث رقم ۳۲٦۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کیا ہم بیر بضاعہ کے کنوئیں سے وضو کر سکتے ہیں جب کہ اس کنوئیں میں حیض کے خون سے آلود کپڑے کتوں کے گوشت اور اس کے علاوہ نجاست ڈالی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کنوئیں کا پانی پاک ہے۔ اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔ اس حدیث کو امام احمدؒ، امام ترمذی، امام ابوداؤدؒ اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: بیر بضاعہ مدینہ منورہ میں ایک کنوئیں کا نام ہے اور وہ ایک نشیبی جگہ میں واقع تھا بارش سے سیلابی نالے اس میں آ کر

گرتے تھے اور اس پانی میں غلاظت آتی تھی مگر اس حدیث میں سائل کے سوال سے کچھ اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ خود اس میں نجاست ڈالتے تھے حالانکہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے غلط کام کا ارتکاب تو عام انسان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی غیر شرعی اور غیر اخلاقی چیز کا ارتکاب کریں۔

یہ کنواں بہت زیادہ پانی والا تھا اور چشمہ دار تھا اور جاری تھا جو گندگی اس میں گر جاتی تو بہہ کر آگے چلی جاتی تھی اور بعض علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کنواں نہر جاری کی طرح تھا اور اس کا پانی ایک باغ میں بہتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کا پانی پاک ہے تو گویا آپ نے ماء کثیر والا جواب دیا کہ جو پانی جاری ہو تو ماء کثیر ہوتا ہے اور ماء کثیر کا یہی حکم ہے۔

اس حدیث میں: اِنَّ الْمَآءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ کے عموم سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ وقوع نجاست سے کوئی پانی نجس نہیں ہوتا چاہے وہ کثیر ہو یا قلیل بلکہ یہ حکم ماء کثیر کا ہے کہ وہ وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا ماء قلیل کا یہ حکم نہیں ہے اور احناف کے نزدیک چشمہ دار کنواں ماء جاری کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس کا وہی حکم ہوگا جو کہ ماء جاری کا ہے۔

سمندر کے پانی اور میتہ کا حکم

(۶/۴۳۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ تَوَضَّاْنَا بِهٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّاُ بِمَآءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهٗ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهٗ۔ (رواه مالك والترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی)

أخرجه مالك فی الموطا ۱/۲۲ كتاب الطهارة ۱۲۔ والترمذی فی السنن ۱/ ۱۰۰ حديث ۶۹ وقال حسن صحيح وأخرجه النسائی فی السنن ۱/ ۵۰ حديث رقم ۵۹ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۳۶ حديث رقم ۳۸۶۔ وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/ ۲۰۱ حديث رقم ۷۲۹۔ وأخرجه ايضاً ابوداؤد فی السنن ۱/ ۶۴ حديث رقم ۸۳۔ وأحمد فی مسنده ۲/ ۳۶۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ سمندر میں سفر کرتے ہیں اور میٹھا پانی ہمارے پاس تھوڑا ہوتا ہے۔ اگر ہم اس پانی کے ساتھ وضو کریں تو پھر ہم پیاسے رہ جائیں گے۔ تو کیا سمندر کے پانی کے ساتھ وضو کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا میتہ حلال ہے۔ اس حدیث کو امام مالکؒ امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ امام نسائیؒ امام ابن ماجہ اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا کیا یہ پاک ہے یا نہیں؟ منشا سوال یہ ہے کہ سمندر میں بڑے بڑے جانور مرتے ہیں اور وہ نجس ہوتے ہیں کیا پانی اس سے نجس ہو جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک ہے کیونکہ یہ ماء کثیر ہے اور ماء کثیر وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا۔ مَیْتَتُہٗ: میتہ اس مردار جانور کو کہتے ہیں کہ جس کو شرعی طریقہ کے مطابق ذبح نہ کیا جائے اور خود بخود مر جائے اور اس حدیث میں میتہ سے مراد مچھلی ہے۔ کیونکہ اس کو ذبح نہیں کیا جاتا۔ اس کو شکار کرنا اور پانی سے نکالنا ہی ذبح کے مترادف ہے ہاں البتہ جو مچھلی خود بخود پانی میں مر جائے اور پانی کے اوپر آ جائے وہ حلال نہیں ہے دریائی جانوروں میں سے مچھلی بالاتفاق حلال ہے اور دیگر جانوروں کے بارے میں اختلاف ہے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

نبیذ تمر سے وضو کا حکم

(۴۳۱/۷) وَعَنْ اَبِیْ زَیْدٍ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَہٗ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَافِیْ اِدَاوَتِكَ قَالَ قُلْتُ نَبِیْذٌ قَالَ تَمْرَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّمَآءٌ طَھُوْرٌ (رواہ ابوداود وزاد احمد والترمذی فَتَوَضَّأَ مِنْہُ وَقَالَ الترمذی وابو زید مجھول وصح عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ اَکُنْ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٦٦ حديث ٨٤۔ وأحمد في مسنده ١/٤٥٠ وأخرجه الترمذي في السنن ١/١٤٧ حديث رقم ٨٨ واللفظ له۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن بالفاظ متقاربة ١/١٣٥ حديث رقم ٣٨٤۔

ترجمہ: حضرت ابوزید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے لیلۃ الجن کے واقعہ میں پوچھا تھا تمہاری چھاگل میں کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ نبیذ تمر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کھجوریں پاک ہیں اور پانی پاک کرنے والا ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے۔ اور امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں: فَتَوَضَّأَ مِنْہُ کہ آپ نے اس سے وضو کیا اور امام ترمذی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ابوزید راوی مجہول ہے ہاں البتہ حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت صحیح طور پر نقل کرتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں لیلۃ الجن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ تھا۔

تشریح ۞ لیلۃ الجن ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب جنات کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ اس کے بعد وہ جنات کی جماعت اپنی قوم میں گئی اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآنی تعلیمات سے انہیں آگاہ کیا اسی واقعہ کو سورۃ الجن میں بیان کیا گیا ہے اور یہ واقعہ وادی نخلہ میں پیش آیا تھا۔

نبیذ تمر:

نبیذ تمر کی تین قسمیں ہیں:

① کھجوریں پانی میں ڈالی جائیں حلاوت بھی نہ آئے اور نقصان فی السیلان بھی نہ ہو۔

② کھجوریں پانی میں ڈالی جائیں حلاوت آ جائے اور نقصان فی السیلان نہ ہو۔

③ کھجوریں پانی میں ڈالی جائیں حلاوت بھی آ جائے اور نقصان فی السیلان بھی ہو جائے۔

نمبر۱ سے بالاتفاق وضو جائز ہے اور نمبر۳ سے بالاتفاق وضو جائز نہیں ہے اور نمبر۲ میں اختلاف ہے کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے۔ اس کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں ہوگا اور امام صاحب کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔ کیونکہ اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نبیذ تمر سے وضو کیا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں ہے اور یہ حدیث امام شافعیؒ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے امام شافعیؒ نے اس پر دو اعتراض کیے ہیں۔

اعتراض نمبر۱: اس حدیث میں ابوزید راوی مجہول ہے اور مجہول راوی کی روایت ضعیف ہوتی ہے اور ضعیف روایت سے استدلال کرنا اور اس پر کسی مسلک کی بنیاد قائم کرنا درست نہیں لہٰذا اس سے استدلال کر کے نبیذ تمر سے وضو کو جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔

جواب: ابوزید راوی کی جہالت سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ اس طرح کہ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ ابوزید کی جہالت سے کیا مراد

ہے جہالت ذات مراد ہے یا کہ جہالت صفت مراد ہے اگر جہالت ذات مراد ہو تو یہ درست نہیں کیونکہ وہ مجہول الذات نہیں بلکہ معلوم الذات ہے وہ اس طرح کہ ابوزید عمرو بن حریث کا غلام تھا اور راشد بن کیسان اور ابوروق نے ان سے روایت کی ہے اور اصول حدیث کا یہ ضابطہ ہے کہ جب کسی سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو وہ ذات کے اعتبار سے مجہول نہیں رہتا بلکہ معلوم الذات ہو جاتا ہے اور اگر جہالت سے مراد جہالت صفت ہو کہ معلوم نہیں کہ ابوزید ثقہ راوی ہے یا غیر ثقہ ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کے چودہ متابعات موجود ہیں اور جس کے کثیر تعداد میں متابعات ہوں وہ ثقہ راوی ہوتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لیلۃ الجن کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علقمہ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا گیا۔ کیا لیلۃ الجن کے واقعہ میں تم میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم میں سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھا۔ تو پھر نبیذ تمر سے وضو کرنے کا واقعہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب نمبر ۱: ترمذی جلد ثانی میں تصریح ہے ابواب الامثال میں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لیلۃ الجن کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

جواب نمبر ۲: آکام المرجان میں مذکور ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا ہے۔ تین واقعات میں عبداللہ بن مسعودؓ ساتھ تھے اور تین واقعات میں ساتھ نہ تھے اور ۔لَمْ اَكُنْ لَيْلَةَ الْجِن۔ کی نفی صرف تین واقعات سے متعلق ہے نہ کہ مطلقاً۔

جواب نمبر ۳: اس سفر کے دو حصے تھے ایک حصہ گھر سے لے کر جنگل تک دوسرا حصہ جنگل سے لے کر جنات کی وادی تک پہلے حصے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ساتھ تھے جنگل میں پہنچ کر آپ کو لے کر حصار میں بٹھلا دیا گیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کے پاس تشریف لے گئے اور نبیذ تمر سے وضو کا واقعہ پہلے سفر میں پیش آیا ہے اور معیت کی نفی دوسرے سفر کے حصہ کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض اور اشکال نہیں ہے۔

سور ہرہ کا حکم

(۸/۴۳۲) وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ اَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهٗ وَضُوْءًا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاَصْغٰى لَهَا الْاِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَاٰنِىْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ اَخِىْ قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ۔ (رواه مالك واحمد والترمذى وابوداود والنسائى وابن ماجة والدارمى)

أخرجه مالك فى الموطأ ۲۲/۱ حديث رقم ۱۳ من كتاب الطهارة۔ وأخرجه احمد فى مسنده ۳۰۳/۵۔ وأخرجه الترمذى فى السنن ۱۵۳/۱ حديث رقم ۹۲ وقال حسن صحيح وأخرجه ابوداؤد فى السنن ۶۰/۱ حديث رقم ۷۵۔ وأخرجه النسائى ۵۵/۱ حديث رقم ۶۸۔ وأخرجه ابن ماجة فى السنن ۱۳۱/۱ حديث رقم ۳۶۷۔ وأخرجه الدارمى فى السنن ۲۰۳/۱ حديث رقم ۷۳۶۔ وأخرجه الشافعى فى مسنده ص ۹۔

ترجمہ: حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک جو کہ حضرت ابوقتادہ کے بیٹے کی بیوی تھیں ان سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوقتادہؓ ان کے ہاں تشریف لائے اور میں نے ان کے وضو کے لئے ایک برتن میں پانی ڈالا اور رکھ دیا۔ ایک بلی

آ کر اس میں سے پانی پینے لگی۔ حضرت ابوقتادہ نے برتن کو اس کی طرف جھکا دیا۔ چنانچہ بلی نے پانی پی لیا۔ کبشہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوقتادہ نے مجھے دیکھا کہ میں تعجب سے ان کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ تو انہوں نے کہا اے میری بھتیجی! کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے میں نے کہا جی ہاں۔ حضرت ابوقتادہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلیاں نجس نہیں ہیں کیونکہ یہ بار بار تمہارے پاس آتی جاتی ہیں۔ یا یہ فرمایا کہ آنے جانے والیوں میں سے ہیں۔ اس حدیث کو امام مالکؒ امام احمدؒ امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ امام نسائیؒ امام ابن ماجہ اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں سور ہرہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سور ہرہ نجس نہیں بلکہ پاک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سور ہرہ مکروہ تنزیہی ہے مراد یہ ہے کہ اگر سور ہرہ کے علاوہ اور پانی نہ ملے تو اس کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے اس پانی کے ہوتے ہوئے تیمم نہیں کیا جائے گا اور اگر سور ہرہ کے علاوہ اور پانی موجود ہو۔ اس کے باوجود سور ہرہ کے ساتھ وضو کر لیا تو وضو تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

سور ہرہ کے مکروہ ہونے کی وجہ: امام صاحب کے نزدیک سور ہرہ کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں ہرہ کو سبع یعنی درندہ کہا گیا ہے اور درندہ نجس ہوتا ہے لہٰذا اس کا سور بھی ناپاک ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ سور ہرہ ناپاک ہے اور مذکورہ حدیث اس کے بالکل برعکس ہے اس سے معلوم ہوا کہ سور ہرہ پاک ہے بظاہر دونوں حدیثیں متعارض ہیں لہٰذا ان دونوں حدیثوں سے ایسا حکم اخذ کیا جائے گا جو دونوں کے لئے جامع ہو۔ لہٰذا اس کی یہی صورت ہے۔ کہ جس حدیث میں بلی کو درندہ کہا گیا ہے جس سے اسکی نجاست معلوم ہوتی ہے وہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے اور مذکورہ حدیث کی وجہ سے سور ہرہ نجس تو نہیں البتہ مکروہ ضرور ہے۔

اشکال اور اس کا حل: اشکال یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے کبشہ کو اپنی بھتیجی کہا ہے حالانکہ کبشہ ان کی بھتیجی نہ تھیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کا دستور تھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی عمر سے چھوٹے کو مخاطب کرتا تو مرد ہونے کی صورت میں ابن الاخ۔ یا ابن العم وغیرہ کہا جاتا تھا اور عورت ہونے کی صورت میں بنت الاخ وغیرہ سے خطاب کیا جاتا تھا۔ اسی محاورہ استعمال کے مطابق حضرت ابوقتادہ نے کبشہ کو بھتیجی کہا ہے۔ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ۔ اس حدیث میں طوافین اور طوافات دونوں لفظ ذکر کیے گئے ہیں طوافین کا اطلاق مذکر پر ہوتا ہے اور طوافات کا اطلاق مؤنث پر ہوتا ہے۔ اس مقام پر یہ دونوں لفظ خادم کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ بلیاں تمہاری خادم ہیں۔ کیونکہ بلی انسان کی مختلف طریقوں سے خدمت کرتی ہے اور انسان کے آرام راحت اور سکون کے بعض امور میں بہت معاون ثابت ہوتی ہے ایک یہ کہ موذی چیزوں کو مار دیتی ہے مثلاً چوہا اور سانپ وغیرہ یا ان کو خادم اس لئے کہا گیا ہے کہ جس طرح خادم کی خبر گیری باعث اجر اور ثواب ہے اسی طرح اس کی خبر گیری باعث اجر اور ثواب ہے اور یا ان کو طوافین اور طوافات سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس لفظ کا معنی ہے بار بار کثرت سے چکر لگانا اور آنا جانا اور بلی بھی بار بار کثرت سے گھر میں آتی جاتی ہے۔ اگر اس کے جوٹھے کو نجس قرار دیا جائے تو بہت حرج لازم آئے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بلی کا جوٹھا استعمال کیا

(۴۴۳/۹) وَعَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اُمِّهٖ اَنَّ مَوْلَاتَهَا اَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ اِلٰى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُهَا تُصَلِّيْ فَاَشَارَتْ اِلَيَّ اَنْ ضَعِيْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَاَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَائِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا اَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ اَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَتَوَضَّأُ بِفَضْلِھَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/ ۶۱ حديث رقم ۷۶۔

ترجمہ: حضرت داؤد بن صالحؒ اپنی والدہ ماجدہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ان کی آزاد کنندہ مالکہ نے ہریسہ دے کر حضرت عائشہ ؓ کی خدمت عالیہ میں بھیجا۔ ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت عائشہؓ نماز پڑھ رہی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اشارہ کیا کہ وہاں رکھ دو۔ چنانچہ میں نے ہریسہ کا برتن رکھ دیا۔ اتنے میں ایک بلی آئی اور اس نے اس میں سے کھانا شروع کر دیا۔ حضرت عائشہؓ جب نماز سے فارغ ہوئیں۔ تو ہریسہ کو بلی نے جہاں سے کھایا تھا۔ وہاں ہی سے انہوں نے بھی کھایا۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بلی نجس نہیں ہے اور وہ تمہارے پاس کثرت سے آنے جانے والوں میں سے ہے اور میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو سور ہرہ سے وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سور ہرہ نجس نہیں ہے۔ مذکورہ واقعہ سے اچھی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب داؤد کی والدہ حضرت عائشہؓ کے پاس ہریسہ لے کر پہنچیں۔ تو ام المؤمنین نماز پڑھنے میں مشغول تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے سر یا ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہاں رکھدو۔ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ نماز میں معمولی اشارہ کیا جا سکتا ہے یہ نماز کے لئے مخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اور عمل قلیل نماز کے لئے مخل نہیں بلکہ عمل کثیر ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ ہے اسی طرح گفتگو فی الصلوٰۃ بھی مفسد صلوٰۃ ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی سور ہرہ سے وضو کیا ہے اور یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی مؤید ہے اور اپنے ظاہر پر محمول ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے اور آپ کا یہ فعل امت کے لئے آسانی، رخصت اور بیان جواز پر محمول ہے البتہ جو حضرات سور ہرہ کے نجس ہونے کے قائل ہیں ان کو اس میں تاویل کرنے کی ضرورت ہے جیسے حضرت امام شافعیؒ وغیرہ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بلی کو گھر میں پالنا جائز ہے۔

وحشی جانوروں کے جوٹھے کا حکم

(۱۰/۴۳۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَتَوَضَّأُ بِمَا اَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا اَفْضَلَتِ السِّبَاعُ کُلُّھَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

رواه الشافعي في مسنده ص۸۔ شرح السنة ۲/ ۷۱ حديث رقم ۲۸۷۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا ہم لوگ اس پانی سے وضو کر سکتے ہیں جس کو گدھوں نے جوٹھا کر دیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس پانی سے وضو کر سکتے ہو اور اس پانی سے بھی وضو کرنا جائز ہے جس کو درندوں نے جوٹھا کر دیا ہو۔ اس حدیث کو شرح السنۃ میں روایت کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے سور حمار اور سور سباع سے وضو کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

تشریح ۞ گدھے اور خچر کے جوٹھے کے بارے میں کوئی قطعی اور یقینی حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ اس مسئلہ میں احادیث بظاہر متعارض ہیں وہ اس طرح کہ بعض احادیث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ان کا جوٹھا حرام ہے اور بعض دیگر احادیث سور حمار اور سور بغل کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں حضرت ملا علی قاریؒ نے دونوں قسم کی احادیث کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اس تعارض کی وجہ سے کوئی قطعی اور یقینی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

اور صحابہ کرام کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گدھوں اور خچروں کے جوٹھے کو نجس کہتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں سور الحمار والبغل طاہر ہے۔

اور مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا سور پاک ہے یہی حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درندوں کا جوٹھا نجس ہے کیونکہ ہر شئی کے سور کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس کے لعاب کا ہوتا ہے اور لعاب کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس کے گوشت کا حکم ہوتا ہے تو درندوں کا گوشت نجس ہے لہٰذا ان کا لعاب بھی نجس ہوگا جب لعاب نجس ہے تو ان کا سور بھی نجس ہوگا۔

سور السباع کی تحقیق: جن احادیث سے درندوں کے سور کا طاہر ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ان حدیثوں کے متعلق کوئی قطعی اور یقینی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان احادیث کی صحت میں علماء کرام نے کلام کیا ہے۔ کہ یہ احادیث فن حدیث کے اصول کے مطابق صحیح ہیں یا نہیں اور اگر بالفرض ان احادیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے۔ تو اس سے ان درندوں کا جوٹھا مراد ہوگا جو کہ صحراء اور جنگلات میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع شدہ پانی پر آ کر پانی پی لیتے ہیں چنانچہ اس کے بعد حضرت یحییٰؒ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی احادیث سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر درندے نے بہت بڑے کسی تالاب اور حوض سے پانی پی لیا تو وہ پاک ہوگا اور اگر وہ پانی تھوڑا تھا اس سے پی لیا تو وہ نجس ہو جائے گا اس سے دونوں طرح کی حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی کہ جن احادیث سے درندوں کے سور کی نجاست معلوم ہوتی ہے وہ ماء قلیل پر محمول ہیں اور جن احادیث سے طہارت معلوم ہوتی ہے وہ ماء کثیر پر محمول ہیں۔

کیونکہ ان احادیث سے مطلقاً یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ان احادیث میں درندے اور پانی دونوں عموم پر محمول ہیں کہ کوئی درندہ ہو۔ اسی طرح پانی چاہے قلیل ہو یا کثیر وہ نجس نہیں ہوگا تو اس سے لازم آئے گا کہ کتوں کے جوٹھے کو بھی پاک کہا جائے۔ حالانکہ سور الکلب بالاتفاق نجس ہے اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ توجیہ اور تطبیق ہی قابل اعتبار ہے۔

ایک مسئلہ کی وضاحت: مذکورہ تقریر کی مناسبت سے اس موقع پر ایک مسئلہ کی وضاحت مناسب رہے گی وہ یہ کہ کتے کا لعاب نجس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کتے کا لعاب کپڑے پر لگ جائے یا بدن کے کسی حصہ پر لگ جائے تو اس کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہے مگر اس سلسلہ میں اتنی وضاحت ضروری ہے کہ اگر کتے نے کسی آدمی کو اپنے منہ سے پکڑ لیا تو کیا وہ نجس ہو جائے گا یا نہیں تو اس کے متعلق اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ کتے کا پکڑنا دو حال سے خالی نہیں۔ غصہ سے ہوگا یا پیار اور کھیل نے اگر غصہ سے پکڑا اور دبایا ہے تو پھر ناپاک نہیں ہوگا اور اگر کھیل اور پیار سے پکڑا ہے تو پھر نجس ہو جائے گا وجہ فرق دونوں کے درمیان یہ ہے کہ جب کتا غصہ سے کسی چیز کو پکڑتا ہے تو وہ دانتوں سے پکڑتا ہے اور اس کے دانتوں میں رطوبت نہیں ہوتی اس لئے جس چیز کو پکڑا ہے وہ نجس نہیں ہوگی اور کتا جب کسی چیز کو کھیل اور پیار کے طور پر پکڑتا ہے تو دانتوں سے نہیں پکڑتا بلکہ ہونٹوں سے پکڑتا ہے اور ہونٹوں پر لعاب کی رطوبت موجود ہوتی ہے اور اس کا لعاب نجس ہوتا ہے اور جس کو وہ لعاب لگ جائے گا لازماً وہ شئی بھی نجس ہو جائے گی۔

اگر پانی پاک چیز سے متغیر ہو تو اس سے طہارت جائز ہے

(۱۱/۴۳۵) وَعَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ اِغْتَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ وَ مَیْمُوْنَةُ فِیْ قَصْعَةٍ فِیْهَا اَثَرُ الْعَجِیْنِ۔

(رواه النسائي وابن ماجة)

أخرجه النسائي في السنن ۱/۱۳۱ حديث رقم ۲۴۰۔ وابن ماجة في السنن ۱/۱۳۴ حديث رقم ۳۷۸۔ وأخرجه أحمد في مسنده ۶/۳۴۲۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت میمونہؓ نے ایک ایسے برتن سے غسل کیا کہ جس کے پانی میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر موجود تھا۔ اس حدیث کو امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر پانی میں کسی چیز کے مل جانے سے تغیر آ جائے تو کیا اس سے وضو اور غسل جائز ہے یا نہیں۔ شوافع کے نزدیک پانی کے متغیر ہو جانے سے اس کے ساتھ وضو اور غسل جائز نہیں ہے چاہے وہ تغیر پاک چیز سے ہوا ہو یا ناپاک چیز سے ان حضرات کے نزدیک مذکورہ حدیث میں تاویل کی جائے گی وہ یہ کہ اس برتن میں آٹے کا اثر ضرور تھا مگر اس قدر نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے پانی متغیر ہو جائے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ اور حضرت میمونہؓ نے اس سے غسل کیا۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر پانی میں کوئی پاک چیز مل جائے اور اس سے پانی متغیر ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے بشرطیکہ اس چیز کے اختلاط سے رقت اور سیلان میں فرق نہ آئے اس سے معلوم ہوا کہ اگر نقصان فی السیلان ہو جائے تو اس صورت میں اس سے وضو اور غسل جائز نہیں ہے۔

(۱۲/۴۳۶) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ اِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِیْ رَكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُو ابْنُ الْعَاصِ حَتّٰى وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرٌو يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَيْنَا (رواه مالك وزاد رزين قال زاد بعض الرواة فی قول عمر اِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَهَا مَا اَخَذَتْ فِیْ بُطُوْنِهَا وَمَا بَقِیَ فَهُوَ لَنَا طُهُوْرٌ وشَرَابٌ.

أخرجه مالك فی الموطأ ۱/۲۳ حديث رقم ۱٤ من كتاب الطهارة۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ ایک قافلہ کے ساتھ سفر میں نکلے اور اس قافلہ میں حضرت عمرو بن عاص بھی تھے۔ جب قافلہ ایک تالاب پر پہنچا۔ تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے تالاب کے مالک سے دریافت کیا کیا تمہارے اس تالاب پر درندے بھی پانی پینے کے لئے آتے ہیں۔ یہ سوال سن کر حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا اے تالاب کے مالک اس سوال کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ہم درندوں پر آتے ہیں اور درندے ہم پر آتے ہیں۔ اس حدیث کو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے اور حضرت رزینؒ نے فرمایا کہ بعض راویوں نے حضرت عمرؓ کے اس قول میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ درندے جو اپنے پیٹ میں لے جائیں وہ ان کا ہے اور جو باقی بچ جائے وہ ہمارے پینے اور طہارت حاصل کرنے کے لئے ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اگر درندے صحراء اور جنگل میں بڑے تالابوں اور حوضوں پر آئیں اور پانی پی جائیں تو باقی پانی پاک ہے۔ کیونکہ وہ ماء کثیر ہے اور ماء کثیر سے اگر درندہ پانی پی لے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ البتہ ماء قلیل نجس ہو جائے گا۔

(۱۳/۴۳۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِیْ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ تَرِدُهَا السِّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الطُّهْرِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا حَمَلَتْ فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُوْرٌ۔ (رواه ابن ماجه)

أخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۷۳ حديث رقم ۵۱۹۔ وفی الزوائد اسناده ضعيف۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ان تالابوں کے متعلق سوال کیا گیا جو مکہ اور مدینہ

کے درمیان واقع ہیں اوران تالابوں پر درندے کتے اور گدھے پانی پینے کے لئے آتے ہیں آیا ان کے باقی ماندہ پانی سے کسی چیز کو پاک کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ان کے پیٹوں میں آ گیا وہ ان کا ہے اور جو باقی بچ گیا وہ ہمارے لئے پاک کرنے والا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر ماء کثیر پر درندے آئیں اور پانی پئیں تو وہ پانی پاک ہے اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے اس حدیث میں بیان کردہ مسئلہ مطلقا پانی اور تالاب کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ مقید ہے ماء کثیر اور بڑے تالاب کے ساتھ۔

دھوپ میں گرم پانی سے غسل منع ہے

(۱۴/۴۳۸)وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوْا بِالْمَاءِ الْمُشَمَّسِ فَاِنَّهٗ يُوْرِثُ الْبَرَصَ. (رواه الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني في سننه ۳۹/۱حديث رقم ٤ باب الماء المسخن ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب ؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا دھوپ میں گرم کیے ہوئے پانی سے غسل نہ کرو۔ کیونکہ اس سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اس روایت کو امام دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دھوپ کے اندر گرم کئے ہوئے پانی کے ساتھ غسل کرنے سے منع کیا گیا ہے بعض علماء کے نزدیک یہ حکم خاص ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ پانی بالقصد اور بالارادہ دھوپ میں رکھ کر گرم کیا گیا ہو تب یہ ممانعت والا حکم ہے اگر قصدا ایسا نہ کیا گیا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

مگر اطلاق حدیث اس تخصیص اور تقیید کے منافی ہے۔ مطلقا دھوپ میں گرم پانی کا یہی حکم ہے کہ اس سے غسل منع ہے۔ چاہے قصداً دھوپ میں گرم کیا گیا ہو۔ یا کسی جگہ رکھا ہوا تھا اور دھوپ پڑنے سے خود بخود گرم ہو گیا ہو۔ حضرت میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی حدیث منقول نہیں ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو ایک دوسری سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے راوی تمام ثقہ اور قابل اعتماد ہیں لہٰذا قول صحیح اور معتمد ہے۔

اور حضرت عمرؓ کے اس قول کا مطلب اور مراد یہ ہے کہ ایسے پانی سے مسلسل غسل کرنے کی عادت مستمرہ نہ بنائی جائے۔ تاکہ اس سے برص کی بیماری پیدا نہ ہو اور انسان اس موذی مرض سے محفوظ رہے۔

ورنہ ازروئے شریعت دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے وضو اور غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک اور امام احمدؒ کا کہ ان کے نزدیک دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ ہاں البتہ امام شافعیؒ کے صحیح قول کے مطابق ایسے پانی سے غسل کرنا مکروہ ہے اور جمہور علماء متاخرین کے نزدیک دھوپ میں گرم کیے ہوئے پانی سے غسل کرنے میں کوئی کراہت اور قباحت نہیں ہے۔

بَابُ تَطْهِيْرِ النَّجَاسَاتِ

نجاستوں کے پاک کرنے کا باب

نجاسات یہ جمع ہے نجاسۃ کی اور یہ طہارت کی ضد ہے اور نجاسات کو جمع کا صیغہ نجاست کی انواع اور اصناف کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے۔ گو انواع نجاست متعدد ہیں ان کے احکام اور مسائل الگ الگ ہیں اور ہر نجاست سے طہارت حاصل

کرنے کا طریقہ الگ الگ ہے۔اس لئے اس باب میں مختلف قسم کی نجاستوں سے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ، مسائل اوراحکام بیان کئے جائیں گے۔

الفصل الاول:

سور الکلب کا حکم

(۱/۴۳۹)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا شَرِبَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ (متفق علیه وفی روایة لِمُسْلِمٍ قَالَ طُهُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ اِذَا وَلَغَ فِیْهِ الْکَلْبُ اَنْ یَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ)۔

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱۰/۲۷٤حدیث رقم ۱۷۲ـوأخرجه مسلم فی الصحیح ۱/۲۳٤حدیث. (۹۰ـ۲۷۹) وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۵۲رقم ٦۳ـ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۲۰حدیث ۳٦٤وأخرجه مالك فی الموطأ ۱/۳٤حدیث رقم ۳۵من کتاب الطهارة ـ وأخرجه أحمد فی مسنده ۲/۲٤۵ وروایة "طهور أحدکم ......"اخرجها مسلم فی الصحیح ۱/۲۳٤ـحدیث رقم (۹۱ـ۲۷۹)وأخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/۵۷حدیث رقم ۷۱ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے برتن سے کتا پانی پی لے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھو لینا چاہئے۔(بخاری ومسلم)اور مسلم کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں کہ جب تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو پاک کرنے کی ضرورت یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھویا جائے اور پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ مانجا جائے۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال کر پانی پی لے۔تو اس برتن کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اس کو تین مرتبہ دھولیا جائے تو کافی ہو جائے گا اور وہ برتن پاک ہو جائے گا اور اس کو مٹی لگانا بھی ضروری نہیں۔بغیر مٹی کے دھونا کافی ہو جائے گا۔

اور جمہور ائمہ کے نزدیک اگر کتا کسی برتن میں منہ داخل کر دے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے گا اور پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ دھویا جائے گا اس کے بغیر وہ پاک نہیں ہوگا ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے کہ اس میں ولوغ کلب سے سات مرتبہ برتن کو دھونے کا ذکر ہے اور ایک مرتبہ مٹی لگانے کا بھی ذکر ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سات مرتبہ دھونے والا حکم یا تو استحباب اور اختیار پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر۔اور یا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پہلے کتوں کے بارے میں تشدید تھی لوگوں کو نفرت دلانے کے لئے بعد میں نرمی کر دی گئی اور تسبیع والا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

مسجد کو پاک کرنے کا طریقہ

(۲/۴۴۰)وَعَنْهُ قَالَ قَامَ اَعْرَابِیٌّ فَبَالَ فِی الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ ﷺ دَعُوْهُ وَهَرِیْقُوْا عَلٰی بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّاءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ. (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۳۲۳حدیث رقم ۲۲۰ـوأخرج أبوداؤد نحوه۱/۲٦۳حدیث رقم ۳۸۰ـ وکذلك

الترمذی فی السنن ۱/۲۷۵ حدیث رقم ۱۴۷۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۴۸ حدیث ۵۶ و کذلك ابن ماجة فی السنن ۱/۱۷۶ حدیث ۵۲۹ وقد رواه الثلاثة اما مطولاً واما مختصرًا وقد رواه ابن ماجة عن أبی هریرة کروایة أنس الاتیة۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۲/۲۳۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک دیہاتی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا لوگ اس کو روکنے لگے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اور پانی کا ایک ڈول لا کر اس کے پیشاب پر بہا دو اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں آسانی کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے نہ کہ تنگی کرنے کے لئے اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر زمین ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے جمہور ائمہ کے نزدیک ناپاک زمین کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی سے اس کو دھویا جائے۔

اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناپاک زمین کو پاک کرنے کے تین طریقے ہیں:

① زمین کو دھویا جائے۔ ② مٹی کو کھود کر نکالا جائے اور نئی مٹی بھر دی جائے۔ ③ جب دھوپ سے زمین خشک ہو جائے۔

اگر مسجد کے درمیان میں پیشاب کیا گیا تو دو حال سے خالی نہیں فرش پختہ ہوگا یا کچا۔ اگر فرش کچا ہے تو کپڑے کے ساتھ پہلے اس کو خشک کیا جائے۔ پھر کپڑا پانی سے اچھی طرح بھگو کر اس ناپاک جگہ کو صاف کیا جائے دو تین مرتبہ ایسا کرنے سے جگہ پاک ہو جائے گی مسجد کا وسط نجس ہونے کی صورت میں پانی بہا کر دھونا صحیح نہیں ہے اگر پختہ فرش کے کنارے پر پیشاب کیا گیا ہو تو اس کو ہر حال میں دھو کر صاف کیا جائے گا اور اگر فرش کچا ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں مٹی مضبوط ہے یا نہیں۔ اگر مٹی مضبوط ہے تو اس کو کھود کر نکالا جائے اور نئی مٹی وہاں بھر دی جائے اور اگر مٹی مضبوط نہیں ہے بلکہ پانی اس میں جذب ہو جاتا ہے تو اس پر پانی ڈالا جائے اور جذب ہونے تک انتظار کیا جائے تین مرتبہ ایسا کرنے سے جگہ پاک ہو جائے گی۔

امام صاحب کا استدلال ایک تو اس حدیث سے ہے کہ مسجد نبوی میں کلاب آتے جاتے تھے اور اس کو دھویا نہیں جاتا تھا اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے اور اس میں مذکور ہے کہ جب زمین خشک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔

ایسی زمین پر نماز تو پڑھی جا سکتی ہے مگر اس سے تیمم جائز نہیں ہے کیونکہ تیمم کے لئے نص قطعی کے ساتھ مٹی کا پاک ہونا شرط ہے اور زمین کا خشک ہونے کے بعد پاک ہونا خبر واحد کے ساتھ ثابت ہے اور خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: علامہ طیبی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر زمین نجس ہو جائے تو وہ خشک ہونے سے پاک نہیں ہوگی بلکہ دھونے سے پاک ہو جائے گی۔ جیسے اعرابی نے پیشاب کیا تو اس جگہ کو دھویا گیا تھا۔ لیکن احناف کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں جو دھونے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی ڈالنے سے نجاست میں کچھ کمی آ جائے۔ پیشاب کا رنگ اور اس کی بدبو کا ازالہ ہو جائے۔ مگر زمین کا وہ حصہ خشک ہونے کے بعد ہی پاک ہو گیا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ انتہائی شفیق تھے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ امت کے حق میں انتہائی شفیق اور عفو و درگزر کرنے والے تھے کہ دیکھو ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کیا۔ آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا اور درگزر کیا۔ بلکہ صحابہ کرام نے اس کو اس حرکت قبیحہ پر ملامت کرنا شروع کیا تو آپ نے ان کو منع کیا بلکہ اس سے بڑھ کر تربیت فرمائی کہ تم اس کو زجر اور ملامت کا نشانہ بنا کر کیوں سختی کرتے ہو تمہیں تو امت کے لئے آسانی اور نرمی کا معاملہ کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے اور سختی تو آسانی کی ضد ہے اور لوگوں کے

ساتھ تمہاری شایان شان نہیں ہے۔ اَوْ ذَنُوْبًا: یہاں اَوْ کا کلمہ شک کے لئے ہے راوی کو شک ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے۔ سَجْلاً مِّنْ مَّآءٍ کالفظ فرمایا یا ذَنُوْبًا مِّنْ مَّآءٍ کالفظ فرمایا۔ سجل اور ذنوب دونوں کا معنی ڈول ہے البتہ باعتبار استعمال کے کچھ فرق ہے وہ اس طرح کہ سجل اس ڈول کو کہتے ہیں کہ جس میں پانی ہو چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اور ذنوب پانی سے بھرے ہوئے ڈول کو کہتے ہیں۔ نقل حدیث میں کس قدر احتیاط اور دیانت ہے کہ شک کو مخفی نہیں رکھا۔

مساجد عبادت کے لئے ہیں

(۴۴۱/۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذَرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَاَمَرَ رَجُلًا مِّنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَّاءٍ فَشَنَّهٗ عَلَيْهِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري مختصرًا في صحيحه ۱/۳۲۲حديث رقم ۲۱۹۔ أخرجه مسلم بلفظه في الصحيح ۱/۲۳۶حديث رقم (۹۹۔۲۸۴)۔والترمذي في السنن ۱/۲۷۶حديث رقم ۱٤۸ ذكر اسناده الى أنس ثم قال نحو حديث أبي هريرة و النسائي نحوه في السنن ۱/٤۸ حديث ۵۳۔۵٤۔ والدارمي مختصرًا ۱/۲۰۵حديث ۷٤۰۔ وأحمد في مسنده ۳/۱۱۰۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر صحابہ کرام نے کہا: ٹھہر جا! ٹھہر جا! یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پیشاب نہ روکو۔ بلکہ اس کا پیشاب رک گیا تو اس کو تکلیف ہوگی۔ جب وہ اعرابی پیشاب سے فارغ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلایا اور انتہائی مشفقانہ انداز سے اس کی اصلاح کی کہ یہ مساجد پیشاب اور گندگی وغیرہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لئے ہیں یا آپ ﷺ نے اس کے مثل اور الفاظ فرمائے۔ راوی کو اس میں شک ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی کو حکم دیا۔ اس نے ایک ڈول پانی لا کر اس پیشاب پر بہا دیا۔

تشریح ۞ اس حدیث کی تشریح وہی ہے جو سابقہ کے تحت گزر گئی ہے۔ اس دیہاتی کا نام ایک قول کے مطابق ذوخویصرہ تمیمی تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اقرع بن حابس تھا اس نے پیشاب مسجد میں عدم واقفیت کی وجہ سے کیا تھا تو مسلم تھا مسجد کے احکام اور مسائل سے پوری طرح واقف نہ تھا۔

دم حیض سے طہارت کس طرح کی جائے

(۴۴۲/۴) وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ سَاَلَتِ امْرَاَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِحْدَانَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيْهِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۴۱۰حدیث رقم ۳۰۷۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۲۴۰حدیث (۱۱۰-۲۹۱) وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۲۵۵حدیث رقم ۳۶۱۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۲۵۴حدیث ۲۹۵۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۷۸حدیث رقم ۵۳۶۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۶/۱۴۲۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ بتائیے کہ اگر ہم میں سے کسی خاتون کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے۔ تو پھر وہ عورت کیا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی عورت کے کپڑے پر دم حیض لگ جائے تو پہلے اس کو کھرچ لے اور پھر پانی سے دھولے۔ پھر اس کپڑے میں نماز پڑھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو اس کو معلوم کر لیا جائے۔ دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ دم حیض نجس ہے تیسری یہ بات معلوم ہوئی کہ دم حیض سے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس خون کو پہلے چٹکیوں کے ساتھ کھرچ اور مل لیا جائے اور اس کے بعد اس کو دھولیا جائے تو وہ کپڑا پاک ہو جائے گا۔ پھر اس کپڑے کو زیب تن کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

منی سے طہارت کا حکم

(۵/۴۴۳) وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِیِّ یُصِیْبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ کُنْتُ اَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَیَخْرُجُ اِلَی الصَّلَاةِ وَاَثَرُ الْغَسْلِ فِیْ ثَوْبِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۳۳۲حدیث رقم ۲۳۰۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۲۳۹حدیث (۱۰۸-۲۸۹)۔وأخرج أبوداؤد نحوه ۱/۲۶۰حدیث رقم ۳۰۳وکذلك النسائی فی السنن ۱/۱۵۶حدیث ۲۹۵۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۷۸حدیث رقم ۵۳۶۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۶/۱۴۲۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسارؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کپڑے پر لگی ہوئی منی کے بارے میں مسئلہ پوچھا۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی چنانچہ جب آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو اس کپڑے پر دھونے سے رطوبت کا نشان باقی ہوتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ منی پاک ہے یا نہیں اور دو مذہب ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک منی پاک نہیں ہے اور مذکورہ حدیث سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ منی نجس ہے تب ہی تو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک منی پاک ہے اور یہ بمنزلہ مخاط کے ہے کہ جس طرح مخاط پاک ہے اسی طرح منی بھی پاک ہے۔

(۶/۴۴۴) وَعَنِ الْاَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِیَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (رواه مسلم وبروایة) **عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهٗ ثُمَّ یُصَلِّیْ فِیْهِ۔**

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۲۳۸حدیث (۱۰۶-۲۸۸)۔وعن همام أخرجه أبوداؤد ۱/۲۵۹حدیث ۳۷۱۔ وعن الأسود أخرجه أیضاً ۱/۲۶۰حدیث ۳۷۲وأخرجه الترمذی فقط عن همام ۱/۱۹۸حدیث ۱۱۶۔وأخرجه النسائی عن همام ۱/۱۵۶حدیث ۲۹۸۔ وعن الأسود أیضاً ۱/۱۵۶حدیث رقم ۳۰۰۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۷۱عن همام

الحدیث ۲۳۷وعن الأسود الحدیث ۵۳۹۔ وأحمد في مسنده عن الأسود ۲۱۳/۶وعن همام۱۳۵/۶۔

ترجمہ: حضرت اسود اور حضرت ہمامؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے خشک منی کو کھرچ دیا کرتی تھی۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ، حضرت علقمہؒ اور حضرت اسود کی روایت کی طرح ایک روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر آپ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ منی نجس ہے اور اس اعتبار سے یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے مسلک کی مؤید ہے اور اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ منی دو حال سے خالی نہیں ہے۔ خشک ہو گی یا رطب۔ اگر خشک ہو تو اس کو کھرچ دینا بھی کافی ہو گا اور اگر رطب ہو تو اس کو دھویا جائے گا۔ یہی امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ اگر منی خشک اور گاڑھی ہو جو کپڑے کے اندر سرایت نہ کرے تو اس کو کھرچ دینا کافی ہے ورنہ دھونے سے طہارت حاصل ہو گی۔

شیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم

(۴۴۵/۷) وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَجْلَسَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حِجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَآءٍ فَنَضَحَهٗ وَلَمْ يَغْسِلْهُ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح ۳۲۶/۱حديث رقم ۲۲۳۔وأخرجه مسلم في الصحيح ۲۳۸/۱حديث (۱۰۳۔۲۸۷) وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۲۶۱/۱حديث رقم ۳۷۴۔والترمذي في السنن ۱۰۴/۱حديث رقم ۷۱۔ وأخرجه النسائي في السنن ۱۵۷/۱ حديث رقم ۳۰۲وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱۷۴/۱حديث رقم ۵۲۴۔وأخرجه الدارمي في السنن ۲۰۶/۱ حديث رقم ۷۴۱۔وأخرجه مالك في الموطا في كتاب الطهارة الحديث ۱۱۰۔ ۶۴/۱وأحمد في مسنده ۳۵۰/۶۔

ترجمہ: حضرت ام قیس بنت محصن سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں۔ جس نے ابھی تک کھانا شروع نہیں کیا تھا بلکہ شیر خوار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھایا۔ اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور کپڑوں پر بہا دیا اور اچھی طرح مل کر نہیں دھویا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ شیر خوار بچے کے بول کا کیا حکم ہے یعنی جس نے ابھی تک کھانا شروع نہیں کیا دودھ پر ہی گزارہ کرتا ہے اس میں دو مذہب ہیں حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر شیر خوار بچہ پیشاب کر دے تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اس پر پانی چھڑک دینا کافی ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک شیر خوار بچہ کے پیشاب کو دھونا ہو گا۔ پانی چھڑکنا کفایت نہیں کرے گا۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں نضح کا لفظ ہے اس کا معنی ہے پانی چھڑکنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شیر خوار بچہ کے پیشاب سے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ غسل نہیں بلکہ نضح یعنی پانی کا چھڑکنا ہے۔

مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ نضح کو غسل خفیف پر محمول کرتے ہیں اور اس حدیث میں لا یغسلہ کے لفظ کو بھی غسل خفیف پر محمول کرتے ہیں نہ کہ دھونے کی نفی پر۔ مطلب یہ ہو گا کہ خوب مل کر اچھی طرح نہیں دھویا بلکہ خفیف سا دھو لیا اور امام طحاویؒ نے نضح کی یہ تاویل کی ہے بغیر مل کر دھونے اور نچوڑنے کے پانی بہا دیا۔

اور امام صاحب کے مسلک اور تاویل وتوجیہ کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه۔ کہ پیشاب سے بچو عذاب قبر اکثر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے اس حدیث میں مطلقاً پیشاب سے بچنے کا حکم ہے۔ یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے شیر خوار بچہ کے بول کو بھی شامل ہے اس اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ بول غلام کو دھویا جائے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ چھوٹے بچوں کو علماء' مشائخ' اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے پاس دعا اور برکت کے حصول کے لئے لے جانا جائز بلکہ مستحب ہے اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ پیار محبت اور شفقت مستحب ہے۔

مردار کی کھال کا حکم

(۸/۴۴۶)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۷۷/۱ حديث رقم (۱۰۵-۳٦٦)۔وأخرجه أبوداؤد في السنن ۳٦۷/٤ حديث ٤۱۲۳۔وأخرجه الترمذي في السنن ۱۹۳/٤ حديث رقم ۱۷۲۸ وأخرجه النسائي في السنن ۱۷۳/۷ حديث ٤۲٤۱۔ أخرجه ابن ماجة في السنن ۹۳/۲ حديث رقم ۳٦۰۹ وأخرجه مالك في الموطا ٤۹۸/۲ الحديث ۱۷ من كتاب الصيد۔وأخرجه الدارمي في السنن ۱۱۷/۲ حديث ۱۹۸۵۔أخرجه أحمد في المسند ۲۱۹/۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ میں تو اتفاق ہے کہ چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے مگر اتفاق میں فرق ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آدمی اور خنزیر کا چمڑا دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتا پاک نہ ہونے کی جہت الگ الگ ہے انسان کا چمڑا پاک نہیں ہوتا شرافت کی وجہ سے اور خنزیر کا چمڑا پاک نہیں ہوتا نجس العین ہونے کی وجہ سے۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے ساتھ ساتھ کتے کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتی مگر مذکورہ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتے کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے کیونکہ الاہاب کی عمومیت اور اطلاق میں جلد الکلب بھی شامل ہے۔

دباغت: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دباغت سے مردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔ اب یہ کہ دباغت کیا چیز ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے تو اس کے متعدد طریقے ہیں۔ نمبر۱ چمڑے کو چھال وغیرہ میں ڈال کر پکایا جائے نمبر۲ تشمیس۔ یعنی دھوپ میں خشک کر لیا جائے۔ نمبر۳ موجودہ زمانے میں چمڑے کے کارخانوں میں دباغت کے جدید انداز کے طریقے ہیں' ان سب سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

(۹/۴۴۷)وَعَنْهُ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّبِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَ بَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَكْلُهَا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۵۵/۱ حديث رقم ۱٤۹۲۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۲۷٦/۱ حديث (۱۰۰-۳٦۳) وأخرجه أبوداؤد في السنن ۳٦۵/٤ حديث رقم ٤۱۲۰۔وأخرجه النسائي في السنن ۱۷۲/۷ حديث ٤۲۳٦ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱۱۹۳/۲ حديث رقم ۱۱۹۳/۲ حديث رقم ۳٦۱۰۔وأخرجه الدارمي في السنن ۱۱۸/۲ حديث ۱۹۸۸۔ وأخرجه مالك في الموطا ٤۹۸/۲ الحديث ۱٦ من كتاب الصيد۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہؓ کی آزاد کردہ باندی کو ایک بکری صدقہ کی گئی۔ اتفاق سے وہ بکری مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ اس بکری کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کی کھال کیوں اتار لی۔ اس کو دباغت دے کر اس سے فائدہ حاصل کرتے لوگوں نے عرض کیا یہ تو مردار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا صرف اس کا کھانا حرام ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماکول اللحم جانور کو اگر شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا جائے تو وہ مردار ہوتا ہے اس کو کھانا حرام ہے ہاں البتہ اس کے دیگر اجزاء سے اصول کے مطابق استفادہ جائز ہے مثلاً کھال کو دباغت دینے کے بعد استعمال کرنا اور اس سے فائدے حاصل کرنا۔ بال اور ہڈی وغیرہ سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے ان کو ضرورتوں میں استعمال کرنا بھی جائز ہے اور ان کی بیع وشراء بھی جائز ہے۔

(۱۰/۴۴۸) وَعَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مُسْكَهَا ثُمَّ مَازِلْنَا نُبِذُ فِيْهِ حَتّٰى صَارَشَنًّا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۶۹/۱۱ حدیث رقم ۶۶۸۶۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱۷۳/۷ حدیث رقم ۴۲۴۰۔ وأخرجه أحمد فی مسنده ۴۲۹/۶۔

ترجمہ: حضرت سودہؓ جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں ان سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مرگئی تھی ہم نے اس کی کھال اتار کر اس کو دباغت دی۔ اس میں ہمیشہ ہم نبیذ بناتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ پرانی ہو کر مشک ہوگئی۔
اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

الفصل الاوّل:

شیرخوار لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں فرق

(۱۱/۴۴۹) عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَقُلْتُ اِلْبَسْ ثَوْبًا وَاَعْطِنِيْ اِزَارَكَ حَتّٰى اَغْسِلَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ (رواه احمد وابوداود وابن ماجة وفی روايةٍ لِاَبِیْ داود والنسائی عَنْ اَبِی السَّمْحِ قَالَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ .)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲۶۱/۱ حدیث رقم ۳۷۵۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱۷۴/۱ حدیث ۵۲۲۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۳۳۹/۶۔

ترجمہ: حضرت لبابہ بنت حارثؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حسین بن علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں بیٹھ کر آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا میں نے عرض کیا کہ آپ دوسرا کپڑا پہن کر یہ تہہ بند مجھے دیدیں تاکہ میں اس کو دھو ڈالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے۔ لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑک دینا کافی ہے۔
اس حدیث کو امام احمدؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔ اور ابوداؤد ونسائی کی ایک روایت میں حضرت ابوسمح

سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔

تشریح اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں تطہیر کے اعتبار سے فرق ہے اس فرق کی حقیقت یہ ہے کہ لڑکے کے پیشاب سے طہارت غسل خفیف پر محمول ہے کہ ملنے کی اور نچوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اس پر پانی کا بہا دینا کافی ہے اور لڑکی کے پیشاب کو ذرا مبالغہ کے ساتھ دھونے کی ضرورت ہے کیونکہ لڑکے کا پیشاب سوراخ کی تنگی کی وجہ سے زیادہ پھیلتا نہیں۔ بخلاف بول الجاریہ کے کہ وہ سوراخ کی فراخی کی وجہ سے زیادہ پھیلتا ہے۔

حضرت امام طحاویؒ نے اس حدیث کو غسل خفیف پر محمول کیا ہے کہ مل کر دھونے کی اور نچوڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ پانی چھڑک دینا کافی ہے یہی مراد نضح اور رش سے ہے اور غسل اس کے مقابلے میں مبالغہ کے ساتھ دھونے پر محمول ہوگا اس کی تائید حضرت عائشہ ؓ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا اس بچہ نے آپ ﷺ پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگوا کر اس پر چھڑک دیا اس سے معلوم ہوا کہ بول الغلام سے بھی دھونے کا حکم ہے۔

راستے کی گندگی کا حکم

(۱۲/۴۵۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وَطِیَ اَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰی فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ۔

(رواہ ابو داود ولابن ماجۃ معناہ)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۲۲۷ حديث ۳۸۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتوں کے ساتھ گندگی پر چلے تو مٹی اس کو پاک کر دینے والی ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے بھی اس کے مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی جوتا پہن کر راستہ پر چل رہا ہو اور راستے میں گندگی تھی اور وہ آدمی اس کے اوپر سے گزرا اور نجاست اس کے جوتوں کے ساتھ لگ گئی۔ اس کے بعد جب وہ پاک زمین پر چلے گا تو وہ جوتا مابعد کی رگڑ سے پاک ہو جائے گا۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس حدیث میں نجاست اور گندگی سے کیا مراد ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نجاست سے مراد وہ نجاست ہے جو جسم والی ہو اور خشک ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر راستہ پر چلتے ہوئے جوتے یا موزے کے ساتھ ایسی نجاست لگ گئی تو وہ جوتا اور موزہ بعد کی رگڑ سے پاک ہو جائے گا اس کو دھونا ضروری نہیں ہے اور اگر نجاست خشک نہ ہو تو پھر رگڑ سے پاک نہیں ہوگی بلکہ اس صورت میں دھونے سے نجاست زائل ہوگی امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہاں نجاست سے مراد عام ہے۔ چاہے خشک ہو یا تر۔ اگر جوتا یا موزہ اس سے آلودہ ہو جائے تو وہ بعد کی رگڑ سے پاک ہو جائے گا اور امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ نجاست چاہے خشک ہو یا تر اس کو دھونا ضروری ہے دھونے کے بغیر طہارت حاصل نہیں ہوگی اور فتویٰ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہے کہ نجاست اگر جسم والی ہو چاہے خشک ہو یا تر ہو اور جوتے یا موزے کے ساتھ لگ جائے تو وہ بعد کی رگڑ سے پاک ہو جائے گا اور اگر نجاست جسم والی نہ ہو جیسے پیشاب اور شراب وغیرہ تو اس کو بالاتفاق دھویا جائے گا۔ تب طہارت حاصل ہوگی۔

طویل دامن جو زمین پر لگے اس کا حکم

(۱۳/۴۵۱)وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَهَا امْرَأَةٌ اِنِّیْ اُطِیْلُ ذَيْلِیْ وَاَمْشِیْ فِی الْمَكَانِ الْقَذِرِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ (رواه مالك واحمد والترمذی وابوداود والدارمی) وَقَالَا الْمَرْأَةُ اُمُّ وَلَدٍ لِاِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ۔

أخرجه مالك فی الموطا ۲۴/۱ حديث قم ۱۶ من كتاب الطهارة ۔وأخرجه أحمد فی مسنده ۲۹۰/۶ وأخرجه الترمذی فی السنن ۲۶۶/۱ حديث زقم ۱۴۳ ۔وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲۶۶/۱ ۔حديث ۳۸۳ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱۷۷/۱ حديث رقم ۵۳۱ وأخرجه الدارمی فی السنن ۲۰۶/۱ حديث رقم ۷۴۲۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ان سے ایک عورت نے پوچھا کہ میرا دامن طویل ہے اور میں (بسا اوقات) گندگی والی جگہ میں چلتی ہوں اور خیال ہوتا ہے کہ دامن کو گندگی لگ گئی ہوگی۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ مابعد کی رگڑ سے پاک ہو جائے گا اس حدیث کو امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤد اور امام دارمی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سوال کرنے والی عورت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولد تھی۔

تشریح ۞ اس حدیث میں سوال کرنے والی خاتون کا مطلب یہ تھا کہ میری قمیص کا دامن بہت طویل ہے جب میں راستہ پر چلتی ہوں تو میرا دامن زمین پر رگڑتا ہوا چلتا ہے اور جب میں گندگی والی جگہ سے گزرتی ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے شاید کہ میرے دامن کے ساتھ نجاست لگ گئی ہوگی اس کے متعلق میرے لئے کیا حکم ہے؟ ان کے جواب میں حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی گندگی والی جگہ سے گزرے اور اس کا دامن نجاست سے آلود ہو جائے تو وہ مابعد پاک زمین کی رگڑ سے پاک ہو جائے گا لیکن یہ حکم عام نہیں بلکہ اس نجاست کے ساتھ خاص ہے جو جسم والی ہو اور خشک ہو۔ اسکے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ اگر ایسی نجاست کپڑے کو لگ جائے تو اس کے مابعد پاک زمین کی رگڑ سے نجاست گر جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا اس حکم کو جسم والی خشک نجاست کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو وہ دھونے کے بغیر پاک نہیں ہو گا بخلاف جوتے اور موزہ کے کہ بعض علماء کے نزدیک ان کو اگر نجاست لگ گئی تو وہ مابعد کی رگڑ سے پاک ہو جائے گا یہی مذہب ہے بعض تابعین امام شافعیؒ اور امام ابویوسفؒ کا۔

درندہ کی کھال پر بیٹھنے کا حکم

(۱۴/۴۵۲)وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لُبْسِ جُلُوْدِ السِّبَاعِ وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا۔ (رواه ابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳۸۳/۴ حديث رقم ۴۱۳۱ وهو حديث طويل ۔وأخرجه النسائی فی السنن ۱۷۶/۷ حديث رقم ۴۲۵۵۔

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کی کھالوں کو پہننے سے اور ان پر بیٹھنے سے منع کیا ہے اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شیر اور چیتے وغیرہ کی کھال کو لباس بنا کر پہننے سے منع کیا ہے اور اس طرح درندوں کی کھال پر سوار ہونے سے بھی منع کیا ہے سوار ہونے سے مراد یہ ہے کہ درندے کی کھال کو نیچے بچھا کر اس پر بیٹھا جائے یا زین بنا کر اور گھوڑے پر ڈال کر اس پر سواری کی جائے اس سے بھی منع کیا ہے اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل دنیا دار متکبرین کی علامت ہے لہٰذا نیک اور زاہد قسم کے لوگوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اب یہ کہ اس نہی سے کیا مراد ہے تو اس کے متعلق اصول یہ ہیں کہ جن علماء کے نزدیک مردار کی کھال کے بال دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے اور جن علماء کے نزدیک مردار کے بال نجس ہوتے ہیں دباغت سے بھی طہارت حاصل نہیں ہوتی ان کے نزدیک نہی سے مراد نہی تحریمی ہے۔

(۴۵۳/۱۵) وَعَنْ اَبِی الْمَلِيحِ بْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ (رواه احمد وابوداود والنسائی وزادالترمذی والدارمی) اَنْ تُفْتَرَشَ۔

أخرجه أحمد فی مسنده ٥/٧٤۔وأخرجه أبوداود فی السنن ٤/٣٧٤حديث رقم ٤١٣٢۔وأخرجه النسائی فی السنن ١٧٦/٧حديث رقم ٤٢٥٣۔وأخرجه الترمذی بهذااللفظ ٤/٢١٢حديث ١٧٧١۔ومع الزيادة ٤/٢١٢حديث ١٧٧٠وأخرجه كذلك الدارمی فی السنن ٢/١١٧ حديث رقم ١٩٨٣۔

ترجمہ: حضرت ابوالملیح بن اسامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھال کو استعمال کرنے سے منع کیا ہے اس حدیث کو امام احمدؒ امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ درندوں کی کھال کو بچھونا بنایا جائے۔

(۴۵۴/۱۶) وَعَنْ اَبِی الْمَلِيحِ اَنَّهٗ كَرِهَ ثَمَنَ جُلُوْدِالسِّبَاعِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٢١٢من غير ذكر ثمن۔

ترجمہ: حضرت ابوالملیح سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ درندوں کی کھالوں کی قیمت مکروہ ہے اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت ابوالملیح کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو خریدنا اور بیچنا مکروہ ہے یہی قول ہے ابن مالک کا فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے کہ درندوں کی کھال کو دباغت دینے سے پہلے بیچنا ناجائز ہے۔ یہاں مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں رواہ کے لفظ کے بعد بیاض ہے مذکورہ عبارت کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

(۴۵۵/۱۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ اَتَانَاكِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ لَّاتَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِاِهَابٍ وَّلَاعَصَبٍ۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/١٩٤ حديث رقم ١٧٢٩وقال حديث حسن۔ وأخرجه أبوداود فی السنن ٤/٣٧٠حديث رقم ٤١٢٧والنسائی فی السنن ١٧٥/٧حديث رقم ٤٢٥١۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ٢/١١٩٤حديث رقم ٣٦١٣۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عکیم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط آیا اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ تم مردار کے چمڑے اور اس کے پٹھے سے فائدہ حاصل نہ کرو اس حدیث کو امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جو حکم بیان کیا گیا ہے کہ مردار کی کھال اور پٹھے سے فائدہ حاصل نہ کرو یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ یہ نفی اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ جب تک کھال اور پٹھے کی دباغت نہ دی جائے اس سے معلوم ہوا کہ دباغت دینے کے بعد اس کو استعمال کرنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔ یہی جمہور علماء کا مذہب ہے یہی اکثر احادیث سے ثابت ہے۔

(۱۸/۴۵۶) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَاَنْ يُّسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَيْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ. (رواہ مالک وابوداود)

أخرجه مالك في الموطا ۲/۴۹۸ حديث رقم ۱۸ من كتاب الصيد ـ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۴/۳۶۸ حديث ۴۱۲۴ ـ وأخرجه النسائي في السنن ۷/۱۷۶ حديث رقم ۴۲۵۲ ـ وابن ماجة في السنن ۲/۱۱۹۴ حديث رقم ۳۶۱۲ ـ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مردار کے چمڑے سے دباغت دینے کے بعد فائدہ حاصل کیا جائے اس حدیث کو امام مالک اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ مردار کی کھال کو دباغت دینے کے بعد استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس سے فائدہ حاصل کیا سکتا ہے اور اس کی بیع وشراء بھی جائز ہے یہی مضمون اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں حضرت میمونہ کی باندی کے واقعہ میں بیان کیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں امام مالک کے دو قول ہیں ایک قول ان کا یہ ہے کہ مردار کی کھال اگرچہ دباغت دینے کے بعد پاک ہو جاتی ہے مگر اسے خشک چیزوں اور پانی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے پانی کے علاوہ دوسری سیال چیزوں کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

(۱۹/۴۵۷) وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ مَرَّعَلَى النَّبِيِّ ﷺ رِجَالٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يَجُرُّوْنَ شَاةً لَّهُمْ مِثْلَ الْحِمَارِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْاَخَذْتُمْ اِهَابَهَا قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُطَهِّرُهَا الْمَآءُ وَالْقَرَظُ۔

(رواہ احمد وابوداود)

أخرجه أحمد في مسنده ۶/۳۳۴ ـ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۴/۳۶۹ حديث رقم ۴۱۲۶ ـ وأخرجه النسائي في السنن ۷/۱۷۴ حديث رقم ۴۲۴۸ ـ

ترجمہ: حضرت میمونہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قریش کے چند آدمی اپنی ایک مردار بکری کو گدھے کی طرح کھینچتے ہوئے گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کاش کہ تم اس کی کھال کو اتار لیتے انہوں نے عرض کیا یہ تو مردار ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو پانی اور کیکر کے پتے پاک کر دیتے ہیں اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ دباغت دینے کے بعد مردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور دباغت دینے کے کئی طریقے ہیں جن میں سے دو طریقوں کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے ایک یہ کہ پانی کے ساتھ دباغت دی جائے دوسرا یہ کہ کیکر کے پتوں کے ساتھ دباغت دی جائے ان دو چیزوں کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ ان سے طہارت اچھی طرح حاصل ہو جاتی ہے اور دباغت ان دو کے ساتھ خاص نہیں دباغت کے دوسرے طریقے بھی ہیں اور ان دو چیزوں کی تخصیص زیادہ سے زیادہ مستحب ہوگی۔

(۲۰/۴۵۸) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَآءَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ فَاِذَا قِرْبَةٌ

مُعَلَّقَةٌ فَسَأَلَ الْمَآءَ فَقَالُوْا لَهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ دِبَاغُهَا طُهُوْرُهَا۔ (رواہ احمد وابوداود)

أخرجه أحمد في مسنده ۳/۴۷٦۔ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۳٦۸/٤ حديث رقم ٤۱۲٥۔ وأخرجه النسائي عن عائشة رضي الله عنها في السنن ۷/۱۷٤ حديث رقم ٤۲٤٤۔

ترجمہ: حضرت سلمہ بن محبق ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک میں ایک آدمی کے گھر تشریف لائے تو اچانک آپ کی نظر ایک لٹکی ہوئی مشک پر پڑی آپ نے پانی مانگا تو گھر والوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ دباغت دی ہوئی مردار کی کھال ہے آپ نے فرمایا دباغت سے اس کو پاک کر دیا ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے بھی سابقہ احادیث کی طرح یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ مردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے اور اس کو پانی ڈالنے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔

الفصل الثالث:

راستہ کی نجاست کا حکم

(۲۱/۴۵۹) عَنِ امْرَأَةٍ مِّنْ بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لَنَا طَرِيْقًا اِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا قَالَتْ فَقَالَ اَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ؟ هِيَ اَطْيَبُ مِنْهَا قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۳٦٦۔ حديث رقم ۳۸٤۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۱۷۷ حديث رقم ٥۳۳۔

ترجمہ: بنو عبدالاشہل کی ایک عورت سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہمارا مسجد میں آنے کا راستہ گندا ہے جب بارش ہو جائے تو ہم کیا کریں وہ خاتون کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس راستہ کے بعد کوئی پاک صاف راستہ نہیں آتا میں نے عرض کیا جی ہاں اس کے بعد پاک راستہ ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا یہ پاک راستہ اس ناپاک راستہ کے بدلے میں ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ مسجد کی طرف جو راستہ جاتا ہے اس میں گندگی اور نجاست ہوتی ہے جب بارش ہو جاتی ہے تو اس نجاست سے جوتے آلودہ ہو جاتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے آپ نے اس کے جواب میں فرمایا اس کے بعد جو صاف راستہ ہے اس پر چلنے کی رگڑ سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے مزید اس کی وہی تشریح ہے جو اس سے پہلے حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن کی ام ولد کے واقعہ میں گزر چکی ہے کہ اگر وہ نجاست جسم والی ہے جوتے اور موزے کو لگ گئی تو وہ مابعد کی رگڑ سے پاک ہو جائے گا ہاں البتہ اگر نجاست کپڑے کو لگ گئی تو وہ دھونے کے بغیر پاک نہیں ہوگا۔

(۲۲/۴٦۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِئِ۔

(رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي تعليقاً في سننه ۱/۲٦۷ بعد الحديث ۱٤۳۔ وأخرجه أبو داود في السنن ۱/۱٤۰ حديث رقم ۲۰٤ ولفظه "كنا لا نتوضأ من موطئ ولا نكف شعراً ولا ثوباً" وأخرجه ابن ماجة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور زمین پر چلنے کی وجہ سے وضو نہیں کرتے تھے اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے گھر سے وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف جاتے تھے ننگے پاؤں یا جوتے اور موزے پہن کر تو راستے میں جو نجاست لگ جایا کرتی تھی اس کو دھویا نہیں کرتے تھے یہ حدیث اس نجاست پر محمول ہو گی جو جسم والی ہو اور خشک ہو جیسے گوبر لید اور مینگنیاں وغیرہ ایسی نجاست سے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مابعد کی رگڑ سے صاف ہو جاتی ہے اور ایسے راستہ کی گرد اور غبار بھی مانع نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ نجاست تر ہو تو اس کو بالاتفاق دھویا جائے گا دھونے کے بغیر طہارت حاصل نہیں ہوگی۔

کتے کے مسجد میں داخل ہونے کا حکم

(۲۳/۴۶۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ البخاری)۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۷۸/۱ حديث رقم ۱۷۴۔ وأخرجه أبوداؤد في حديث طويل ۲٦٥/۱ حديث رقم ۳۸۲۔ وكذلك في مسنده ۷۱/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں کتے آتے جاتے تھے اور صحابہ کرام ان کے آنے جانے کی وجہ سے کچھ بھی نہ دھوتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر کتا مسجد میں داخل ہو جائے تو محض کتا کے داخل ہونے سے مسجد ناپاک نہیں ہو جاتی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے اندر کتوں کی آمد و رفت ہوتی تھی اور صحابہ کرام مسجد کو دھوتے نہیں تھے ابتدائے اسلام میں مسجدوں کے دروازے نہیں ہوتے تھے اسی وجہ سے مسجد کے اندر کتوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور ان کے پاؤں خشک ہوتے تھے اس وجہ سے دھونے کی ضرورت نہ تھی جب مسجد میں دروازے لگنے کا دور شروع ہو گیا تو اب اس مسئلہ میں احتیاط ہونے لگی تا کہ مسجد میں کتوں کی آمد و رفت نہ رہے۔

ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کا حکم

(۲۴/۴۶۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَفِيْ رواية جابر قَالَ مَا أُكِلَ لَحْمُهٗ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهٖ۔ (رواہ احمد و الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني ۱۲۸/۱ حديث رقم ۳ من باب نجاسة البول والأمر بالتنزه منه والحكم في بول مايؤ كل لحمه۔

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جائے ان کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے اور حضرت جابرؓ کی روایت میں اس طرح ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور امام دارقطنی نے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک اور دو مذہب ہیں امام مالک، امام احمد اور امام محمد کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے ان کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے لیکن ہم کہتے ہیں یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ دوسرا مذہب امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو یوسف کا ہے ان کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب نجس ہے ان کا استدلال ایک تو اس حدیث سے ہے: استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه. کہ پیشاب سے طہارت حاصل کرو کیونکہ عذاب قبر اکثر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے اس حدیث میں مطلقاً بول سے بچنے کا حکم ہے ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کی وضاحت نہیں اس حدیث کے عموم اور اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کا بیان

اس باب میں مسح علی الخفین کا بیان ہے اور مسح علی الخفین کا ثبوت اور جواز سنت اور آثار مشہورہ سے ثابت ہے۔ بلکہ محدثین عظام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کا جواز اور ثبوت خبر متواتر سے ہے اور محدثین محققین کے نزدیک مسح علی الخفین کی احادیث تقریباً اسی صحابہ کرام سے منقول ہیں اور ان صحابہ کرام میں عشرہ مبشرہ کی جماعت بھی شامل ہے۔

مسح علی الخفین کے متعلق اکابر کے اقوال

مسح علی الخفین اہلسنت والجماعت کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ مسح علی الخفین جائز اور ثابت ہے اس کا انکار درست نہیں ہے اکابر اور سلف صالحین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

① علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ علماء سلف صالحین میں سے کسی نے مسح علی الخفین کے جواز اور ثبوت کا انکار کیا ہو۔

② حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مسح علی الخفین کے جواز پر ستر (۷۰) صحابہ کرام کو اعتقاد رکھتے ہوئے پایا۔

③ حضرت امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی مسح علی الخفین کے جواز کو تسلیم نہ کرے مجھے اس کے کافر ہو جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ مسح علی الخفین کا جواز خبر متواتر سے ثابت ہے۔

④ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں مسح علی الخفین کے جواز کا اس وقت تک قائل نہیں ہوا۔ جب تک کہ مسح علی الخفین کے جواز کی احادیث مجھے روز روشن کی طرح نہیں پہنچ گئیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ایک فرمان میں مسح علی الخفین کو اہل السنة الجماعة کی علامت قرار دیا ہے کہ سنی ہونے کے لئے ضروری ہے حضور کے دو دامادوں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے محبت رکھو اور شیخین کو دوسرے صحابہ کرام پر فضیلت دو اور مسح علی الخفین کو جائز سمجھو۔

اور اہل روافض مسح علی الخفین کے منکر ہیں۔

مسح علی الخفین عزیمت یا رخصت: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسح علی الخفین عزیمت ہے یا رخصت ہے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جو آدمی مسح علی الخفین کے جواز کا عقیدہ نہ رکھے وہ بدعتی ہے۔ اور جو آدمی مسح علی الخفین کے جواز کا قائل ہے مگر عزیمت

پر عمل کرتے ہوئے مسح علی الخفین نہیں کرتا اس کو عزیمت پر عمل کرنے کی وجہ سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ مواہب لدنیہ میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسح علی الخفین افضل ہے یا کہ پاؤں کو دھونا افضل ہے بعض ائمہ کے نزدیک مسح علی الخفین افضل ہے۔ کیونکہ اس سے روافض اور خوارج کی تردید ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ اہل بدعت اس مسئلہ کے بارے میں بہت طعن و تشنیع کرتے ہیں یہی حضرت امام احمدؒ کا قول مختار ہے اور یہی امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ شوافع کے نزدیک پاؤں کو دھونا افضل ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مسح علی الخفین کو ترک نہ کیا جائے۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دونوں میں کوئی تکلف نہ تھا کہ اگر موزے پہنے ہوئے ہوتے تھے تو مسح کر لیتے تھے اور اگر موزے پہنے ہوئے نہیں ہوتے تھے تو مسح کے لئے پہننے کا تکلف نہیں کرتے تھے بلکہ پاؤں کو دھو لیتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مسح علی الخفین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اپنایا جائے۔

الفصل الاوّل:

مسح علی الخفین کی توقیت

(۱/۴۶۳) عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِىْ طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحة ۲۳۲/۱ حديث رقم (۸۵، ۲۷۶)۔ وأخرجه النسائي في السنن ۸٤/۱ حديث رقم ۱۲۸ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱۸۳/۱ حديث رقم ۵۵۲۔ وأخرجه الدارمي في السنن ۱۹۵/۱ حديث رقم ۷۱٤۔ وأحمد في مسنده ۹۶/۱۔

ترجمہ: حضرت شریح بن ہانیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے مسح علی الخفین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات کی مدت مقرر کی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مسح علی الخفین کی مدت مقرر ہے وہ یہ کہ مسافر تین دن اور تین رات تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور مقیم کے لئے مسح علی الخفین کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس مدت کی ابتداء حدث کے وقت سے ہوگی۔ کہ جب وضو کرنے کے بعد موزے پہنے ہیں تو جس وقت حدث لاحق ہوگا اس وقت سے اس مدت کا آغاز ہوگا۔ مثلاً ایک آدمی نے صبح کے وقت وضو کر کے موزے پہنے ہیں اور حدث لاحق ہوا ہے ظہر کے وقت تو مسح علی الخفین کی مدت کا آغاز ظہر سے ہوگا اور امام مالکؒ کے نزدیک مسح علی الخفین کی مدت مقرر نہیں ہے۔

وضو کے وقت موزے اُتارنے کی ضرورت نہیں

(۲/۴۶۴) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَزْوَةَ تَبُوْكَ قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهٗ اِدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ اَخَذْتُ اُهْرِيْقُ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوْفٍ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَاَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَاَلْقَى الْجُبَّةَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ

وَعَلَى الْعِمَامَةِ ثُمَّ اَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّىْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوْا اِلَى الصَّلَاةِ وَيُصَلِّىْ بِهِمْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً فَلَمَّا اَحَسَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ فَاَدْرَكَ النَّبِيُّ ﷺ اِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ مَعَهٗ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْتُ مَعَهٗ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِىْ سَبَقَتْنَا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ۱/۳۱۷حديث رقم (۱۰۵-۲۷۴)۔وأخرجه البخارى مختصرا ومطولاً وأخرجه أبود داوٗد فى السنن ۱/۱۰۳حديث ۱۴۹۔والنسائى فى السنن ۱/۸۳حديث رقم ۱۲۵۔وأخرجه ابن ماجة فى السنن ۱/۱۸۱حديث ۵۴۵،والدارمى فى السنن۱/۱۹۴حديث رقم ۷۱۳۔وأخرجه أحمد فى مسنده ۴/۲۵۱۔واللفظ لمسلم۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں شرکت کی۔وہ فرماتے ہیں کہ اسی دوران ایک دن رسول اللہ ﷺ فجر کے وقت قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔میں بھی پانی کی چھاگل لے کر آپ کے ساتھ ہو گیا۔جب آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے اور وضو کرنے کے لیے بیٹھے۔تو میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا شروع کیا۔چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اور منہ دھوئے۔آپ نے ایک اون کا جبہ پہنا ہوا تھا۔آپ ﷺ نے آستین اوپر کرنی چاہی مگر آستین تنگ تھیں اوپر نہ ہو سکی۔آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جبہ کے اندر سے نکال کر جبہ کو کندھوں پر ڈال لیا اور دونوں بازوؤں کو کہنیوں تک دھویا سر کے چوتھائی حصہ اور پگڑی پر مسح کیا۔جب پاؤں دھونے کے لئے میں نے موزے اتارنے کا ارادہ کیا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو نہ اتارو بلکہ چھوڑ دو کیونکہ میں نے موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہے اور آپ نے دونوں موزوں پر مسح کیا پھر آپ ﷺ اور میں دونوں سوار ہو کر لوگوں کے پاس آئے تو نماز فجر کی جماعت شروع ہو چکی تھی اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نماز پڑھا رہے تھے اور ایک رکعت پڑھ چکے تھے جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو پیچھے ہٹنے لگے۔مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اشارہ کیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور نماز پڑھاؤ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز ان کے ساتھ پڑھی جب عبدالرحمٰن بن عوف نے سلام پھیر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اور میں نے ایک رکعت کھڑے ہو کر پڑھ لی جو کہ رہ چکی تھی۔اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❀ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے وضو کا راوی نے ذکر کیا ہے۔مگر مضمضہ اور استنشاق کا ذکر نہیں کیا گیا۔اس کی تین وجوہات ہیں۔

① راوی کے پیش نظر اختصار تھا۔اس وجہ سے ان دونوں کو ذکر نہیں کیا گیا۔

② راوی کو نسیان ہو گیا۔

③ کلی اور ناک میں پانی داخل کرنا دونوں چہرے کی حد کے تحت داخل ہیں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا۔

اس حدیث میں مسح علی العمامہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ربع رأس پر مسح کرنے کے بعد تمام سر کا استیعاب کرنے کے لئے عمامہ پر مسح کر لیا تا کہ مسح علی الرأس کے استیعاب کی سنت پوری ہو جائے۔مسح علی العمامہ جائز ہے یا نہیں اس کی وضاحت پہلے باب سنن الوضوء میں گزر چکی ہے۔

فوائد ❀ اس حدیث سے چند فوائد معلوم ہو گئے۔

① رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے پہلے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ نماز سے پہلے نماز کے لئے تیاری مستحب ہے کہ انسانی ضرورت سے فراغت حاصل کی جائے اور پھر طہارت کی جائے۔

② اگر کوئی دوسرے آدمی کو وضو کرائے تو یہ جائز ہے جیسے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرایا۔ کہ پانی ڈالتے رہے اور آپ ﷺ وضو کرتے رہے۔

③ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ اگر افضل مفضول کی اقتداء میں نماز پڑھے تو یہ جائز ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ امام کے لئے گناہوں سے معصوم ہونا شرط نہیں ہے اس سے فرقہ امامیہ کی تردید ہو جاتی ہے ان کے نزدیک امام کے لئے معصوم ہونا ضروری اور شرط ہے وہ اس طرح کہ جب رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو بعد میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھانی شروع کر دی جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور حضرت عبدالرحمٰن نے آپ کی آمد کا احساس کرتے ہوئے ازروئے ادب پیچھے ہٹنے کی کوشش کی مگر آپ ﷺ نے روک دیا اور آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن کی اقتداء میں نماز پڑھی آپ افضل ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن مفضول ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن گناہوں سے معصوم بھی نہیں ہیں۔

④ اس حدیث کے آخر میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب کسی آدمی کی امام سے کوئی رکعت رہ جائے۔ تو اس کو ادا کرنے کے لئے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب کہ امام سلام پھیر دے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی آدمی فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے لئے امام کے سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہو گیا تو اس کا کیا حکم ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے لئے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا جائز نہیں ہے اور احناف کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا مکروہ تحریمی ہے ہاں البتہ اگر یہ اندیشہ اور خوف ہو کہ امام کے سلام کا انتظار کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی تو اس صورت میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہونا فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے لئے جائز ہے جیسے فجر کی نماز شروع ہے کوئی آدمی دوسری رکعت میں آ کر شریک ہو گیا اب اگر وہ یہ انتظار کرے کہ جب امام سلام پھیرے تو پھر کھڑا ہو۔ مگر یہ اندیشہ بھی ہے کہ سورج طلوع ہو جائے اپنی فوت شدہ رکعت کو مکمل کرنے تک تو اس صورت میں امام کے سلام پھیرنے سے قبل ہی کھڑا ہو جائے یہ جائز ہے ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس مسئلہ کی تفصیل اور وضاحت فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

⑤ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت کا وقت ہو جائے اور امام موجود نہ ہو اور حال دلالت کرے کہ اس کے آنے میں دیر ہے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ کب آئے گا تو اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ امام کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ کوئی دوسرا آدمی نماز پڑھا دے اور اگر امام کی آمد کا وقت معلوم ہو تو پھر اس کا انتظار مستحب ہے اور اگر امام وہاں قریب موجود ہو تو اس کو ادب کی رعایت کے ساتھ مطلع کر دینا مستحب ہے۔

الفصل الثانی:

مسح علی الخفین مسافر کے لئے تین دن اور مقیم کے لئے ایک دن ہے

(۴۶۵/۳) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَّلَیَالِیَهُنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّلَیْلَةً

اِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ اَنْ يَّمْسَحَ عَلَيْهِمَا ۔

(رواه الاَثْرَمُ فِيْ سُنَنِهٖ وَابْنُ خُزَيْمَةَ والدارقطني وقال الخطابي هو صحيح الاسناد هكذا في المنتقى)

أخرجه الدارقطني في السنن ١/١٩٤ الحديث الأول من باب في المسح على الخفين......وأخرج ابن ماجة نحوه في السنن ١/١٨٤ حديث رقم ٥٥٦۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسح علی الخفین کی اجازت مسافر کو تین دن اور تین رات تک اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات تک دی ہے جب کہ موزوں کو طہارت کے بعد پہنا ہو۔ اس حدیث کو اثرم نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ نے اور امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ابن تیمیہ کی کتاب المنتقی میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

جنابت سے موزے اُتارے جائیں

(۴/۴۶۶) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْمُرُنَا اِذَا كُنَّا سَفَرًا اَنْ لَّانَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهِنَّ اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ مِّنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَّنَوْمٍ۔ (رواه الترمذي والنسائي)

أخرجه الترمذي في السنن ١/١٥٩ حديث رقم ٩٦ وقال حديث حسن صحيح وأخرجه النسائي في السنن ١/٨٣ حديث رقم ١٢٧۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ١/١٦٠ حديث رقم ٤٧٨۔ وأخرجه أحمد في المسند ٤/٢٣٩/٤۔

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سفر میں ہوتے تھے تو رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ تین دن اور تین راتوں تک ہم قضائے حاجت اور نیند کے بعد موزے نہ اتاریں۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے موزے پہنے ہوئے ہیں اور وہ آدمی مسافر ہے تو تین دن اور تین راتوں تک موزوں پر مسح کرے۔ نیند سے بیداری کے بعد اسی طرح نماز اور بول کے بعد موزے اتارنے کی ضرورت نہیں ہے اگر مقیم ہے تو اسی طرح ایک دن اور ایک رات مکمل کرلے ہاں البتہ اگر حدث اکبر یعنی جنابت ہو جائے تو پھر موزے اتارے جائیں گے کیونکہ اس صورت میں مسح علی الخفین جائز نہیں ہے۔

مسح علی الخفین کا محل کیا ہے؟

(۵/۴۶۷) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّاْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَمَسَحَ اَعْلَى الْخُفِّ وَاَسْفَلَهٗ۔

(رواه ابوداود والترمذي وابن ماجة وقال الترمذي هذا الحديث مَعْلُوْلٌ وَسَاَلْتُ اَبَا زُرْعَةَ وَمُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ عَنْ هذا الحديث فَقَالَ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ وَكَذَا ضَعَّفَهٗ ابوداود)

أخرجه أبوداود في السنن ١/١١٦ حديث رقم ١٦٥ وضعفه۔ وأخرجه ابن ماجة ١/١٨٣ حديث رقم ٥٥٠ وأخرجه الترمذي في السنن ١/١٩٢ حديث رقم ٩٧ وقال سألت أبا زرعة ومحمد بن إسماعيل عن هذا الحديث فقالا ليس بصحيح۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ تبوک کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کو وضو

کرایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اعلیٰ اور اسفل دونوں پر مسح کیا تھا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث معلول ہے اور میں نے اس حدیث کے بارے میں ابوزرعہ اور محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا تو دونوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسح علی الخفین ظاہر پر ہوگا یا ظاہر اور اسفل دونوں پر ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک موزوں کے ظاہر پر مسح کرنا واجب ہے اور اسفل پر مسح کرنا سنت ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک موزوں کے ظاہر پر مسح کیا جائے گا نہ کہ اسفل پر۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے ظاہر اور اسفل دونوں پر مسح کیا تھا۔

مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ علماء حدیث نے اس کی صحت کے بارے میں کلام کیا ہے اور اس کے برعکس احادیث کثیرہ میں قدمین کے ظاہر پر مسح کا ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا عمل ان احادیث پر ہی کیا جائے گا جن سے یہ ثابت ہے کہ مسح خفین کے ظاہر پر کیا جائے گا اور مذکورہ حدیث کو محدثین نے معلول قرار دیا ہے معلول اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی علت خفیہ قادحہ موجود ہو اور معلول حدیث پر عمل درست نہیں ہوتا۔

مذکورہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے ضعف کی تین وجوہات ہیں۔

① اس حدیث کی سند حضرت مغیرہ تک ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی سند کاتب مغیرہ تک پہنچتی ہے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو ثور بن یزید نے رجاء بن حیوہ سے روایت کیا ہے اور رجاء بن حیوہ نے حضرت مغیرہ کے کاتب سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ رجاء بن حیوہ سے ثور کا سماع ثابت نہیں ہے۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت مغیرہ کی اپنی بیان کردہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ وہ اس طرح کہ اس سے پہلے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے صحیح حدیث گزر چکی ہے اس میں مطلقاً مسح علی الخفین کا ذکر ہے اعلیٰ اور اسفل کی کوئی وضاحت اور تفصیل مذکور نہیں ہے اور اس کے بعد حضرت مغیرہ کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے ظاہر پر مسح کیا۔ یہ تو اضطراب کی علامت ہے۔ ان وجوہات سے یہ روایت ضعیف ہے۔

(۶/۴۶۸) وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا. (رواه الترمذی وابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۱۱۴ حدیث رقم ۱۶۱۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۱۶۵ حدیث رقم ۹۸ وقال حدیث حسن۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے ظاہر پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اب یہ کہ مسح علی الخفین کا طریقہ کیا ہے اس کے طریقے متعدد ہیں جو فقہ کی کتابوں میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں پاؤں کی انگلیوں پر اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں پاؤں کی انگلیوں پر رکھی جائیں پھر ان کو کھینچتے ہوئے پنڈلی تک لایا جائے اور اس دوران انگلیاں کشادہ ہوں آپس میں متصل نہ ہوں۔

اور اگر کسی نے ایک انگلی سے ماء جدید کے ساتھ مسح کا محل بدل کر تین مرتبہ اس طرح مسح کرلیا تو کفایت کر جائے گا۔ ورنہ نہیں۔

مسح علی الجوربین کا مسئلہ

(۴۶۹/۷)وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ.

(رواه احمد و الترمذی و ابو داود و ابن ماجة)

أخرجه أحمد فی المسند ۴/۲۵۲ أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۱۶۷ حدیث رقم ۹۹ وقال حسن صحیح۔ وأخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۱۱۲ حدیث رقم ۱۵۹ وضعفه۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۱۸۵ حدیث رقم ۵۵۹

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور نعلین کے ساتھ جوربین پر مسح کیا۔اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ امام ابوداوٗد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جوربین پر مسح کا ذکر کیا گیا ہے اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ جوربین کس کو کہتے ہیں قاموس لغت کی مشہور کتاب ہے اس میں مذکور ہے کہ جورب پاؤں کے لفافہ کو کہتے ہیں۔ جیسے جراب اور موزہ اس کی متعدد قسمیں ہیں اس کی وضاحت اور تفصیل چلپی میں مذکور ہے۔ اب یہ کہ جوربین پر مسح جائز ہے یا تو اس کے اصول یہ ہے کہ جوربین کی چار قسمیں ہیں وہ اس طرح کہ ابتداء دو قسمیں ہیں رقیقین اور ثخینین۔ ثخینین اس کو کہتے ہیں کہ جو سخت ہوں۔ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہر جائیں اور موٹے ہوں۔ ایک فرسخ یعنی تقریباً پونے چار میل تک اس میں چلنا ممکن ہو علامہ چلپی کی عادت سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے اور رقیقین وہ ہیں جو اس کے خلاف ہوں۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: منعلین اور غیر منعلین۔ منعلین جن پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔ غیر منعلین جو اس کے خلاف ہوں تو کل چار قسمیں ہوگئیں۔

۞ رقیقین منعلین۔ ۞ رقیقین غیر منعلین۔ ان دونوں پر بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔

۞ ثخینین منعلین۔ ان پر بالاتفاق مسح جائز ہے۔

۞ ثخینین غیر منعلین۔ اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح ناجائز ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک مسح جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوربین پر مسح جائز نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ غسل الرجلین کا حکم کتاب اللہ سے ثابت ہے اور مسح علی الخفین خبر متواتر سے ثابت ہے لہٰذا جو جوربین خفین کے مشابہ ہوں گے ان پر مسح جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ جوربین پر مسح جائز نہیں ہے اگر چہ منعلین ہو۔ مگر مذکورہ حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جوربین پر مسح کیا ہے اور اسی طرح صحابہ کرام میں سے حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت انسؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ نے جوربین پر مسح کیا ہے۔ وَالنَّعْلَيْنِ: اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نعلین پر مسح کیا ہے۔ حالانکہ نعلین پر مسح تو جائز نہیں ہے۔ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں چند احتمال ہیں۔

۞ نعلین سے مراد ایسے جوتے ہیں جو چپل کی طرح ہوتے تھے۔ اور ان کے اوپر تسمہ لگا ہوتا تھا۔ ان کو پہننے کے بعد پاؤں کے اوپر کا حصہ کھلا رہتا تھا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے جوربین پر مسح نعلین کے ساتھ کیا۔

۞ یہاں نعلین سے مراد جوربین منعلین ہیں اور ان پر مسح جائز ہے۔

۞ ابتداء نعلین پر مسح جائز تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

۴ مسح تو اصل میں جوربین پر کیا تھا۔ نعلین کو درست کیا تھا دیکھنے والے نے نعلین پر مسح سمجھا اور اس کو نقل کر دیا۔

الفصل الثالث:

مسح علی الخفین اللہ کا حکم ہے

(۸/۴۷۰)عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَسِيْتَ قَالَ بَلْ أَنْتَ نَسِيْتَ بِهٰذَا اَمَرَنِىْ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ۔ (رواہ احمد وابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۱۰۸ حديث رقم ۱۵۶۔وأحمد فی مسنده ۴/۲۵۳۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ آپ بھول گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم بھول گئے ہو۔ میرے اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

دین عقل پر موقوف نہیں

(۹/۴۷۱)وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّاْيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ وَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔ (رواہ ابوداود وللدارمی معناہ)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۱۱۴ حديث رقم ۱۶۲۔وأخرجه الدارمی بمعناه ۱/۱۹۵ حديث رقم ۷۱۵۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے اور عقل پر موقوف ہوتا۔ تو موزوں کے ظاہر پر مسح کرنے کے بجائے اسفل پر مسح کرنا اولیٰ اور افضل ہوتا اور میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو موزوں کے ظاہر پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے اور امام دارمی نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

تشریح ۞ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دین عقل اور رائے پر موقوف ہوتا تو موزوں پر مسح ظاہر کے بجائے اسفل پر اولیٰ اور افضل ہوتا۔ کیونکہ مسح کا مطلب ہے گندگی اور نجاست کا ازالہ اور نجاست ظاہر کے مقابلہ میں اسفل پر ہوتی ہے۔ کیونکہ نجاست اور گندگی کا محل زمین ہے اور پاؤں کا اسفل زمین سے مس کرتا ہے نہ کہ ظاہر مگر رسول اللہ ﷺ سے مسح علی الخفین ظاہر پر صراحۃً ثابت ہے۔ اس لئے اپنی عقل اور رائے کو اس میں دخل دینے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ کے اندر عقل کو دخل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ عقل شریعت مطہرہ کے تابع ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو معلوم کرنے میں عقل عاجز اور قاصر ہے بہت سے عقلاء حکماء اپنی عقل کی وجہ سے الحاد زندقہ اور ضلالت کا شکار ہو گئے۔ جب کہ ان کی عقل شریعت کی تابعداری سے عاری اور خالی ہوگی اور جب بھی عقل شریعت کی مطاوعت سے دور ہوگی تو اس کا نتیجہ سوائے ضلالت اور الحاد کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

موزوں پر مسح کے مسائل:

۱ اگر موزہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر پھٹ جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہوگا۔

۲ اگر ایک موزہ تھوڑا تھوڑا متعدد جگہ سے پھٹا ہوا ہے۔ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو تین انگلیوں کے مساوی ہو تو اس پر بھی مسح

درست نہیں ہے۔

③ اگر دونوں متعدد جگہ تھوڑے تھوڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ اگر ان کو جمع کیا جائے تو تین انگلیوں کے مساوی ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس صورت میں مسح جائز ہے۔

④ جو چیزیں نواقض وضو ہیں وہ مسح علی الخفین کے لئے بھی ناقض ہیں۔

⑤ حدث لاحق ہونے کے بعد مسح ختم ہو جاتا ہے۔

⑥ مسح علی الخفین کی مدت ختم ہونے کے بعد مسح ختم ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ سردی کی وجہ سے قدمین ضائع اور ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ ورنہ مسح کی اجازت ہے۔

⑦ اگر موزہ اتارنے کی وجہ سے یا مدت ختم ہونے کی وجہ سے مسح ختم ہو جائے اور وضو باقی ہو۔ تو اس صورت میں تمام وضو کا اعادہ ضروری نہیں بلکہ صرف پاؤں کا دھولینا کافی ہے۔

⑧ اگر نصف سے زیادہ پاؤں موزے سے نکل جائے تو مسح ختم ہو جاتا ہے۔

⑨ اگر مقیم مسافر ہو جائے تو وہ تین دن اور تین راتیں مکمل کرلے اور اگر مسافر مقیم ہو جائے تو وہ ایک دن اور ایک رات مکمل کرلے۔

⑩ اگر کوئی آدمی معذور ہے اور وہ وضو کر کے موزے پہنے۔ جس عذر کی وجہ سے وہ معذور ہے اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز کی وجہ سے اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اس کے لئے مسح علی الخفین کی مدت تک مسح جائز ہوگا۔

بَابُ التَّيَمُّمِ

تیمّم کا بیان

وضو اصل ہے اور تیمم اس کا خلیفہ ہے تو اس سے پہلے اصل کا بیان تھا اب یہاں سے اس کے خلیفہ کا بیان ہے۔ تیمم لغت میں ارادہ کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں تیمم کی تعریف یہ ہے کہ نیت کے ساتھ ایسی چیز پر جو زمین کی جنس ہو دو ضربیں لگانا ایک کے ساتھ چہرے کا مسح کرنا اور دوسری کے ساتھ ہاتھوں کا مسح کرنا۔

تیمّم کے نزول کا واقعہ:

تیمم کا حکم ۵ھ میں غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر نازل ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور ہم لوگ مقام بیداء میں تھے کہ میرا ہار ٹوٹ کر گم ہو گیا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ لوگ میرا ہار تلاش کرنے میں مصروف تھے اور پانی بھی نہیں تھا لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا ہے اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو رکنا پڑا۔ نماز کا بھی وقت ہے اور پانی بھی کسی کے پاس نہیں ہے حضرت ابوبکرؓ میرے پاس آئے اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا اور فرمانے لگے کہ تمہاری وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو رکنا پڑا اور سب پریشان ہیں نماز کا وقت ہے پانی کسی کے پاس نہیں ہے پھر اپنے ہاتھ سے میرے پہلو میں مارنے لگے مگر میں نے پوری کوشش کی کہ حرکت نہ ہو تا کہ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل نہ آئے۔ جب آپ اٹھے تو اس وقت تیمم کا حکم نازل ہو گیا اور آخر میں اونٹ کے نیچے سے ہار بھی مل گیا۔

تیمّم کے جواز کی صورتیں:

① وضو اور غسل کے لئے پانی کفایت کرنے والا نہ ہو۔ ایک میل یا اس سے زیادہ دور ہو۔
② پانی تو موجود ہو مگر کسی کی امانت ہو یا غصب شدہ ہو۔
③ پانی کی قیمت زیادہ ہو۔
④ پانی قیمت سے ملتا ہو اور قیمت میسر نہ ہو۔
⑤ پانی کے استعمال سے مرض کے پیدا ہو جانے کا یا مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔
⑥ سردی اس قدر شدید ہو کہ پانی کے استعمال سے کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا یا مرض کے پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو۔
⑦ پانی تک پہنچنے کے لئے کسی درندے یا دشمن کا خوف ہو یا عورت کو اپنی بے حرمتی کا خوف ہو۔
⑧ پانی کھانے اور پینے کی ضرورت کے لئے ہو اگر اس سے وضو کیا جائے تو پھر کھانے اور پینے کے لئے پانی میسر نہیں ہوتا۔
⑨ پانی کا کنواں تو موجود ہو مگر اس سے پانی نکالنے کے لئے ڈول یا رسی موجود نہ ہو۔
⑩ وضو کرنے کی وجہ سے ایسی نماز کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو جس کی قضاء نہیں ہے مثلاً عید الفطر کی نماز عید الاضحیٰ کی نماز اور جنازہ۔
⑪ پانی کے بارے میں نسیان کا ہو جانا۔ ان سب صورتوں میں تیمم جائز ہے۔

طریقہ تیمم: تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ پڑھ کر نیت کی جائے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو ایسی چیز پر رکھے جو مٹی کی جنس سے ہو۔ ہاتھوں کو اس پر ملے آگے اور پیچھے لے جانے کی صورت میں پھر ہاتھوں کو اٹھا کر جھاڑے پھر دونوں ہاتھ کے ساتھ چہرہ کا مسح کرے اس طرح کہ کوئی حصہ چہرے کا مسح سے خالی نہ رہے پھر اسی طرح دوسری ضرب لگائے پھر ہاتھوں کو اٹھا کر جھاڑے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں سوائے شہادت اور ابہام کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سرے پر رکھ کر پشت کی جانب مرفقین تک کھینچ لائے اس طرح کہ بائیں جانب ہتھیلی بھی لگ جائے اور مرفقین کا مسح بھی ہو جائے اور پھر باقی اصابع کو اور کف کو دوسری جانب رکھ کر اصابع تک کھینچ کر لایا جائے اسی طریقہ سے بائیں ہاتھ کا مسح بھی کیا جائے۔

مسائل تیمم:

① تیمم کے لئے نیت کرنا فرض ہے وہ اس طرح کہ ازالہ حدث کی نیت کی جائے یا جس چیز کے لئے تیمم کیا جا رہا ہے اس کی نیت کی جائے مثلاً نماز کے لئے یا نماز جنازہ کے لئے یا تلاوت کے لئے علیٰ ہذا القیاس۔
② تیمم کرتے وقت اعضاء تیمم سے ایسی چیزوں کو دور کر دینا جو مٹی کے پہنچنے کے لئے مانع ہو۔
③ اگر انگشتری تنگ ہو تو اس کو تیمم کے وقت اتارنا واجب ہے۔
④ اگر کوئی قرینہ اور علامت پانی کے قرب پر دلالت کرے تو تقریباً سو قدم تک اس کی تلاش واجب ہے۔
⑤ اگر کسی دوسرے انسان کے پاس پانی ہو اور اس سے ملنے کی توقع بھی ہو تو اس سے مانگنا واجب ہے۔
⑥ تیمم میں ترتیب کا لحاظ رکھنا سنت ہے یعنی پہلے چہرہ کا مسح کرنا پھر ہاتھوں کا مسح کرنا۔
⑦ اگر کسی آدمی کو آخر وقت تک پانی ملنے کا یقین یا ظن غالب ہو تو اس کو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے۔

جْهَهٗ وَكَفَّيْهِ (رواه البخاری ولِمُسلِم) نَحْوَهٗ وَفِيْهِ قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ اَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ۔

أخرجه البخاری فی صحيحه ۴۴۳/۱حديث رقم ۳۳۸۔وأخرج أبوداؤد نحوه فی السنن ۲۲۸/۱حديث رقم ۳۲۲وأخرجه النسائی فی السنن ۱۶۵/۱حديث ۳۱۲۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱۸۸/۱حديث رقم ۵۶۹۔فی الصحيح ۲۸۰/۱حديث (۱۱۲۔۱۔۳۶۸)۔

ترجمہ: حضرت عمارؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے غسل کی ضرورت ہے اور مجھے پانی نہیں ملا۔اب میں کیا کروں۔حضرت عمارؓ نے یہ سن کر حضرت عمرؓ سے کہا۔کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ دونوں سفر میں تھے اور ہم دونوں کو غسل جنابت کی ضرورت پڑ گئی۔تو تم نے نماز نہیں پڑھی تھی۔لیکن میں نے تیمم کے لئے زمین پر الٹ پلٹ کے نماز پڑھ لی تھی۔پھر یہ صورت حال میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کی۔تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس طرح کر لینا کافی تھا۔چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان کو جھاڑ کر چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا تھا۔اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اسی طرح امام مسلم نے روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے کافی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارو۔پھر ان کو جھاڑ کر چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ سے سوال کیا کہ میں جنبی ہوں اور پانی میسر نہیں ہے میرے لئے کیا حکم ہے۔اب میں کیا کروں۔اس حدیث میں اگرچہ حضرت عمرؓ کا جواب مذکور نہیں ہے بعض دیگر طرق میں وہ جواب مذکور ہے کہ عمرؓ نے اس آدمی کو کہا۔لاتصل کہ جب تک پانی میسر نہ ہو نماز چھوڑ دو۔گویا حضرت عمرؓ کا نظریہ یہ تھا کہ جنبی کے لئے تیمم نہیں ہے۔

بعض علماء کے نزدیک حضرت عمرؓ نے سائل کو جواب نہیں دیا تھا بلکہ سکوت کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جنبی کے لئے ان کے خیال میں تیمم کا حکم نہیں رہا تھا اسی وجہ سے پھر حضرت عمارؓ نے اپنا تمام واقعہ تفصیل سے سنایا تا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بات یاد آجائے۔وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اور حضرت عمارؓ دونوں صدقہ کے اونٹوں میں تھے اور اتفاق سے دونوں کو غسل کی ضرورت پڑ گئی جب صبح ہوئی تو پانی میسر نہ تھا۔حضرت عمارؓ نے فرمایا تیمم کر لیتے ہیں حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ شاید تیمم صرف وضو کے لئے ہے نہ کہ غسل کے لئے۔کیونکہ ابھی تک اس مسئلہ کی صحیح طرح وضاحت نہیں ہوئی تھی اور حضرت عمارؓ کا خیال تھا کہ اگر وضو کے لئے تیمم ہے تو غسل کے لئے بطریق اولیٰ ہوگا۔کیونکہ یہ حدث اکبر ہے اور وضو حدث اصغر ہے۔اگر چھوٹی بیماری کا علاج ہے تو بڑی کا ضرور ہوگا۔مگر حضرت عمارؓ نے اس طریقہ کو اپنی طرف سے ایجاد کیا کہ یہ تیمم ہوگا زمین پر الٹ پلٹ کے ساتھ۔

لہٰذا حضرت عمرؓ نے نماز نہ پڑھی اور حضرت عمارؓ نے اپنے ایجاد کردہ طریقہ کے مطابق تیمم کر کے نماز پڑھی پھر یہ مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے نفس تیمم کے اعتبار سے حضرت عمارؓ کی تصدیق فرمائی کہ جس طرح وضو کے لئے تیمم ہے اسی طرح غسل کے لئے بھی تیمم ہے اور ان کے ایجاد کردہ طریقہ کی تردید فرمائی کہ غسل کے لئے وضو والا تیمم ہوگا۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تیمم کے لئے ایک ضرب ہے یا کہ دو ضربیں ہیں امام احمدؒ کے نزدیک ایک ضرب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو ضربیں ہیں۔

اور مذکورہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو تیمم کے لئے ایک ضرب کے قائل ہیں کیونکہ اس حدیث میں ایک ضرب کا ذکر ہے۔

شیخ محی الدین نوویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمارؓ کو پورے تیمم کا طریقہ نہیں بتایا بلکہ طریقہ تیمم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غسل کے لئے زمین پر الٹ پلٹ کر کے تیمم کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ غسل کے لئے بھی وضو والا ہی تیمم کافی ہے تو آپ نے صرف تیمم کے طریقہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس پر ایک قرینہ بھی دلالت کرتا ہے وہ یہ کہ حضرت عمارؓ کی دیگر تمام روایات میں دو ضربوں کا ذکر ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اس حدیث میں کفین سے مراد ذراعین ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے مرفقین تک مسح کیا۔

اللہ کے ذکر کے لئے طہارت مستحب ہے

(۴/۴۷۵) وَعَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ مَرَرْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ یَبُوْلُ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی قَامَ اِلٰی جِدَارٍ فَحَتَّهٗ بِعَصًا کَانَتْ مَعَهٗ ثُمَّ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیَّ وَلَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلٰکِنْ ذَکَرَهٗ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

لیس موجوداً بهذا اللفظ بالصحیحین إنما الموجود الحدیث الأتی ۔راجع حدیث رقم ۵۳۵ وقد أخرجه الشافعی بهذا اللفظ فی مسنده ص ۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گزرا۔ آپ اس وقت پیشاب کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا اور آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا اور پیشاب سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے پاس کھڑے ہوئے اور آپ کے پاس جو لاٹھی تھی اس کے ساتھ دیوار کھرچ کر اپنے دونوں ہاتھ اس پر مارے۔ پھر اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔ پھر میرے سلام کا جواب دیا۔ صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت نہ بخاری اور مسلم میں ملی ہے اور نہ ہی حمیدی کی کتاب میں۔ ہاں محی السنہ نے اس کو شرح السنۃ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ لہٰذا صاحب مصابیح کو چاہیے تھا کہ اس حدیث کو فصل اول میں ذکر نہ کرتے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب تیمم کرنے کے بعد دیا۔ کیونکہ سلام میں اللہ تعالیٰ کا نام ضمناً مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے طہارت کا ہونا مستحب ہے اور ہر وقت طہارت کے ساتھ رہنا بھی مستحب ہے۔

اس حدیث میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عصا کے ساتھ دیوار کو کھرچا۔ اس کی وجہ یہ ہے تا کہ غبار ظاہر ہو جائے اور ایسی جگہ پر تیمم کرنا افضل ہے۔

الفصل الثانی:

جب تک پانی نہ ملے تیمم ہوگا

(۵/۴۷۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَمْ یَجِدِ الْمَآءَ عَشْرَ سِنِیْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَآءَ فَلْیَمَسَّهٗ بَشَرَهٗ فَاِنَّ ذٰلِكَ خَیْرٌ۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداود وروی النسائی نحوہ الی قولہٖ عَشْرَ سِنِیْنَ)

أخرجه الامام أحمد فى المسند ١٥٥/٥۔ وأخرجه الترمذى فى السنن ٢١١/١حديث رقم ١٢٤ وقال حديث حسن صحيح ۔وأخرجه أبوداوٗد فى السنن من حديث طويل ٢٣٥/١حديث رقم ٣٣٢۔ وروى النسائى إلى قوله "عشر سنين" فى السنن ١٧١/١حديث ٣٢٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کے لئے آلہ طہارت ہے۔ اگر چہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب پانی مل جائے تو بدن کو دھونا چاہئے۔ کیونکہ یہ بہتر ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ امام ترمذی اور امام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے بھی اسی طرح کی روایت عشر سنین تک نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک پانی میسر نہ ہو اس وقت تیمم کیا جائے گا۔ اگر چہ دس سال بھی گزر جائیں اس حدیث میں دس سال کی قید تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ کثرت کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر اتنا طویل عرصہ بھی پانی نہ ملے تو وضو اور غسل کے لئے تیمم ہوگا اور بعد میں جب پانی مل جائے اور کھانے پینے کی ضرورت سے زائد ہو وضو اور غسل کے لئے کافی ہو۔ تو اس صورت میں وضو اور غسل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں تیمم جائز نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ نماز کا وقت خارج ہو جانے سے تیمم نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ اس کا حکم بعینہٖ وضو والا ہے کہ جس طرح ایک وضو کے ساتھ متعدد نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اسی طرح ایک تیمم کے ساتھ بھی متعدد نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ مگر حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم معذور کے وضو کی طرح ہے کہ معذور کا وضو نماز کا وقت خارج ہونے سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح تیمم بھی نماز کا وقت خارج ہو جانے سے ختم ہو جاتا ہے۔

علم کے بغیر مسئلہ بتانا درست نہیں

(٦/٤٧٧) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِیْ سَفَرٍ فَاَصَابَ رَجُلاً مِّنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهٗ فِیْ رَأْسِهٖ فَاحْتَلَمَ فَسَأَلَ اَصْحَابَهٗ هَلْ تَجِدُوْنَ لِیْ رُخْصَةً فِی التَّیَمُّمِ قَالُوْا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَّاَنْتَ تَقْدِرُ عَلَی الْمَآءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَی النَّبِیِّ ﷺ اُخْبِرَ بِذٰلِكَ قَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ اَلَاسَاَلُوْا اِذَا لَمْ یَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْهِ اَنْ یَّتَیَمَّمَ وَیَعْصِبَ عَلٰی جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ یَمْسَحُ عَلَیْهَا وَیَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ۔

(رواہ ابوداود ورواہ ابن ماجة عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباسؓ)

أخرجه ابوداوٗد فى السنن ٢٣٩/١حديث رقم ٣٣٦ وأخرجه الدارقطنى فى السنن ١٨٨/١حديث رقم ٣ من باب جواز التيمم لصاحب الجرح۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سفر میں جارہے تھے کہ ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگا۔ جس نے اس کے سر کو زخمی کر ڈالا۔ اتفاق سے اس آدمی کو غسل کی ضرورت پڑ گئی چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے مسئلہ دریافت کیا کہ کیا اس صورت میں تمہارے نزدیک میرے لئے تیمم کرنے کی اجازت اور رخصت ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ پانی استعمال کرنے پر قادر ہیں لہٰذا آپ کے تیمم کی کوئی رخصت نہیں ہے چنانچہ اس آدمی نے غسل کیا اور اس وجہ سے وہ فوت ہو گیا

جب ہم لوگ سفر سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے انتہائی غم کے ساتھ فرمایا کہ لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اللہ انہیں مارے پھر فرمایا جو بات ان کو معلوم نہ تھی۔ انہوں نے اس کو پوچھ کیوں نہ لیا۔ کیونکہ جہالت کی بیماری کا علاج سوال ہے اور اس کے لئے تیمم کافی تھا اور اپنے زخم پر ایک پٹی باندھ کر اس کے اوپر مسح کر لیتا اور پھر اپنا تمام بدن دھو لیتا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت عطاء بن ابی رباح سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی کی حالت اور کیفیت مذکور آدمی کی طرح ہو کہ کچھ حصہ زخمی اور باقی جسم تندرست ہے تو اس کو چاہئے کہ زخمی حصہ کا تیمم کرے اور باقی حصہ کو دھولے اور یہی حضرت امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں سے ایک کام ہوگا۔ امام شافعیؒ کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے کہ اس میں دونوں کا ذکر ہے امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ثانیا یہ کہ خلاف قیاس ہے وہ اس طرح کہ اس سے بدل اور مبدل منہ دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے۔

اور اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی کو پانی استعمال کرنے کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خوف اور خطرہ ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے۔

اور جمہور ائمہ کے نزدیک اگر کسی شخص کو پانی استعمال کرنے کی وجہ سے بیماری کے زیادہ ہو جانے کا اندیشہ ہو یا صحت یاب ہونے میں تاخیر کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا۔

مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی کا کوئی عضو زخمی ہو اور اس پر پٹی باندھی ہوئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ پٹی پر مسح کرے اور تیمم کرلے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ دیکھا جائے گا زخمی حصہ کثیر ہے یا قلیل اگر اکثر حصہ زخمی ہے تو پھر تیمم ہوگا اور اگر اکثر حصہ صحیح ہے تو پھر زخم پر مسح ہوگا اور باقی کو دھویا جائے گا اور امام احمدؒ کے نزدیک جو حصہ صحیح ہے اس کو دھویا جائے گا اور جو زخمی ہے اس کے لئے تیمم ہوگا۔

مسئلہ غلط بتانے کی حقیقت: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ لوگوں نے اس آدمی کو غلط مسئلہ بتایا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ بسا اوقات کم علمی اور عدم واقفیت کی وجہ سے اندوہناک واقعہ رونما ہو سکتا ہے جیسے مذکورہ واقعہ میں اس آدمی نے اپنے ساتھیوں سے مسئلہ دریافت کیا اور مشورہ لیا۔ تو انہوں نے تیمم کی اجازت نہ دی اور غسل کرنے کا حکم دیا ان کی نظر قرآن کی اس آیت پر گئی۔ فلم تجدوا ماءً فتیمّموا۔ انہوں نے سمجھا کہ تیمم تب جائز ہوگا جب کہ پانی موجود نہ ہو اور یہاں پانی تو موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ تیمم کے جواز کی علت اور شرط موجود نہیں حالانکہ پانی موجود نہ ہونے کا مفہوم عام ہے یہ اپنی عمومیت کی وجہ سے اس کو بھی شامل ہے کہ پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو۔ مرض پیدا ہو جانے کا خوف ہو۔ یا مرض سے صحت یاب ہونے میں تاخیر کا خدشہ ہو یا جان اور عضو کی ہلاکت کا خطرہ ہو ان سب صورتوں میں تیمم جائز ہے۔

اور ساتھ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو اس کی تحقیق کر لی جائے اور پوچھ لیا جائے جہالت کی بیماری کا علاج سوال کرنے میں ہے۔

الفصل الثانی:

تیمّم کے ساتھ پڑھے جانے والی نماز کے اعادہ کا حکم

(۴۷۸/۷) وَعَنْ اَبِی سَعِیدِ الْخُدْرِیّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِی سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ وَلَیْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَیَمَّمَا صَعِیدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصَّلٰوۃَ بِوُضُوءٍ لَمْ یُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَکَرَا ذٰلِکَ فَقَالَ لِلَّذِی لَمْ یُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَاَتْکَ صَلَاتُکَ وَقَالَ لِلَّذِی تَوَضَّأَ وَاَعَادَلَکَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ.

(رواہ ابوداود والدارمی وروی النسائی نحوہ وقدروی هُوَوابوداود ایضاعن عطاءِ بن یسار مرسلا)

أخرجه ابوداوٗد فی السنن ۱/۲۴۰حدیث رقم ۳۳۸۔ وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۱۹۰حدیث رقم ۷۴۴۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۲۱۳جدیث رقم ۴۳۳۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ دو آدمی سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ چنانچہ دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کرلیا اور نماز پڑھ لی۔ آگے چل کر انہیں پانی مل گیا اور نماز کا وقت بھی باقی تھا۔ ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کرلیا اور دوسرے نے اعادہ نہ کیا۔ جب یہ دونوں واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ ذکر کیا رسول اللہ ﷺ نے پورا واقعہ سن کر اس شخص سے کہا جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا کہ تم نے سنت پر عمل کیا اور جس شخص نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کیا تھا اس کو کہا کہ تمہارے لئے ڈبل اجر ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداوٗد اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے امام نسائی اور امام ابوداوٗد نے عطاء بن یسار سے مرسلا بھی نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اگر کسی آدمی نے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کر لی اور نماز پڑھ لینے کے بعد اگر پانی مل جائے اور نماز کا وقت ابھی باقی ہو تو اس نماز کا اعادہ ضروری نہیں ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے کہا جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا کہ تم نے سنت پر عمل کیا شریعت کا حکم یہی ہے کہ وہ نماز ہوگئی اس کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔

اور جس شخص نے نماز کا اعادہ کیا تھا اس کو آپ نے ڈبل ثواب کا مستحق قرار دیا ایک ثواب ہے فرض کی ادائیگی کا اور دوسرا ثواب ہے نفل کی ادائیگی کا۔ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی پھر نماز ادا کرنے کے بعد اگر پانی مل جائے تو اس نماز کا اعادہ ضروری نہیں ہے چاہے وقت باقی ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کسی آدمی نے تیمم کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی اگر اس کو نماز کے درمیان پانی مل جائے تو اب وہ کیا کرے نماز کو ختم کر دے یا اسی نماز کو پوری کر لے۔ اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس شخص کا تیمم باطل ہو جائے گا۔ وہ نماز ختم کر کے وضو بنا کر نماز پڑھے یہی ایک قول ہے امام احمدؒ کا اور جمہور ائمہ کے نزدیک اسی نماز کو مکمل کر لے وہی نماز ہو جائے گی۔

الفصل الثالث:

(۴۷۹/۸) وَعَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ اَقْبَلَ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِیَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ

عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی اَقْبَلَ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَیَدَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی السنن ۱/٤٤١ حدیث رقم ۳۳۷۔ومسلم فی صحیحه ۱/۲۸۱ حدیث رقم (۱۱٤۔۳٦۹).وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۲۳۳ حدیث رقم ۳۲۹۔وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۱٦۵ حدیث رقم ۳۱۱۔ وأخرجه أحمد فی مسنده ٤/۱٦۹۔

ترجمہ: حضرت جہیم بن حارث بن صمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمل کے کنوئیں کی طرف سے تشریف لائے راستہ میں ایک آدمی آپ کو ملا اور اس نے آپ کو سلام کیا رسول اللہ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور ایک دیوار کے پاس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے مٹی پر ضرب لگائی۔ پھر آپ ﷺ نے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا پھر سلام کا جواب دیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث کی تشریح بقدر ضرورت گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے رعایت ادب کی وجہ سے ایسا کیا۔

مناکب اور آباط تک مسح کرنا

(۹/۴۸۰)وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ اَنَّهٗ کَانَ یُحَدِّثُ اَنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالصَّعِیْدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوْا بِاَکُفِّهِمُ الصَّعِیْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا بِوُجُوْهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِاَکُفِّهِمُ الصَّعِیْدَ مَرَّةً اُخْرٰی فَمَسَحُوْا بِاَیْدِیْهِمْ کُلِّهَا اِلَی الْمَنَاکِبِ وَالْاٰبَاطِ مِنْ بُطُوْنِ اَیْدِیْهِمْ. (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۲۲٤ حدیث رقم ۳۱۸۔وأخرجه النسائی فی السنن بحدیث طویل ۱/۱٦۷ حدیث رقم ۳۱٤۔وأخرجه أحمد فی مسنده ٤/۳۲۰۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور فجر کی نماز کے لئے انہوں نے اس طرح تیمم کیا کہ پہلے اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مار کر اپنے چہروں کا مسح کیا۔ پھر دوسری ضرب کے ساتھ پورے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں کے اندر تک ہاتھوں کے باطن کی طرف سے مسح کیا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنے کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت تیمم کے اندر لفظ ید ذکر کیا گیا ہے اور اس کا اطلاق انگلیوں کے اطراف سے لے کر بغلوں اور کندھوں تک ہوتا ہے اس لئے لوگوں نے اس کے اطلاق اور عموم کی رعایت کرتے ہوئے کندھوں اور بغلوں تک کا مسح کیا۔ لیکن یہ صحابہ کرام کا اپنا اجتہاد ہے اس پر تقریر رسول ثابت نہیں ہے۔

جمہور ائمہ کے نزدیک تیمم میں دوسری ضرب کے ساتھ ہاتھوں کا مسح ہوگا مرفقین تک کیونکہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور آیت وضو کے اندر یدین کی حد مرفقین ہے۔ لہٰذا تیمم کے اندر بھی یدین کی حد مرفقین تک ہوگی اور فعل رسول سے بھی یہی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمم میں ہاتھوں کا مسح مرفقین تک کیا ہے۔ مِنْ بُطُوْنِ اَیْدِیْهِمْ: حدیث کے اس جملہ میں لفظ من ابتدائیہ ہے معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے پہلے ہاتھوں کے باطن کا مسح کیا نہ کہ ہاتھوں کے اوپر کا یا پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے ہتھیلیوں سے مسح کرنا شروع کیا۔ یہی معنی زیادہ مناسب ہے۔

تیمم کس چیز پر کیا جائے ؟ تیمم ان چیزوں سے کرنا جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہوں جیسے مٹی' ریت' چونا' سرمہ' ہڑتال' پتھر' موتی' مونگے اور دیگر جواہرات جو اشیاء زمین کی جنس سے ہوں ان کے ساتھ تیمم کے لئے ان پر غبار کا ہونا ضروری نہیں اگر ایسی اشیاء پر تیمم کیا جائے جو زمین کی جنس سے نہ ہوں تو ان پر غبار کا ہونا ضروری ہے ورنہ تیمم نہیں ہوگا۔

شرائط تیمم: تیمم کے جواز کے لئے چار شرائط ہیں:

① پانی کے استعمال سے حقیقۃً یا حکماً عاجز ہو۔ ② جس چیز سے تیمم کیا جائے اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔

③ استیعاب یعنی جن اعضاء کا مسح کرنا ہے۔ان کا کوئی حصہ مسح سے رہ نہ جائے۔

④ تیمم کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے ازالہ حدث اور حصول طہارت کی نیت کی جائے چاہے حدث اصغر ہو یا حدث اکبر ہو اور عبادت مقصودہ کی نیت کی جائے۔جس کے لئے طہارت ضروری ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے قبول اسلام یا دخول مسجد کے لئے تیمم کیا ہو تو اس کے ساتھ پھر نماز جائز نہیں ہوگی اور تیمم کا طریقہ سب کے لئے ایک ہے۔

بَابُ الْغُسْلِ الْمَسْنُوْنِ

مسنون غسل کا بیان

اس سے پہلے صاحب مشکوٰۃ نے ایک باب قائم کیا ہے باب الغسل کے عنوان سے اور اب یہاں ترجمۃ الباب قائم کیا ہے باب الغسل المسنون کے عنوان سے۔ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے اس غسل کا بیان تھا جو فرض اور واجب تھا اب اس غسل کا بیان ہے جو سنت ہے مثلاً جمعہ کے لئے غسل، مردے کو غسل دینے والے کے لئے غسل، حجامت کے بعد غسل، اسلام قبول کرتے وقت غسل، عیدین کے لئے غسل، اسلام کے لئے غسل۔

جمعہ کے لئے غسل

(۱/۴۸۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۵۶/۲ حدیث رقم ۸۷۷۔ واخرجه مسلم فی صحیحه ۵۷۹/۲ حدیث رقم (۱-۸۴۴) واخرجه ابوداؤد فی السنن ۲۴۲/۱ حدیث رقم ۳۴۰۔ واخرجه الترمذی فی السنن رقم ۳۶۴/۲ حدیث رقم ۴۹۲۔ ولفظه اذا اتی۔ واخرجه النسائی فی السنن ۹۳/۳ حدیث رقم ۱۳۷۶۔ واخرجه ابن ماجة فی السنن ۳۴۶/۱ حدیث رقم ۱۰۸۸۔ واخرجه الدارمی فی السنن ۴۳۳/۱ حدیث رقم ۱۵۳۶۔ واخرجه مالك فی الموطأ ۱۰۲/۱ حدیث رقم ۵ من کتاب الجمعة۔ واخرجه احمد فی مسنده ۹/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن نماز پڑھنے کے لئے آئے تو اس کو چاہیے کہ غسل کر کے آئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ غسل یوم الجمعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے اہل ظواہر کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے یہی مذہب ہے حضرات صحابہ کرام کا۔اہل ظواہر کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے کہ اس میں فَلْيَغْتَسِلْ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ صیغہ استحباب کے

لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے ورنہ اس کا دیگر روایات سے تعارض لازم آئے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابتداءً ایک علت کی وجہ سے وجوب کا حکم تھا بعد میں وجوب منسوخ کر دیا گیا۔

جمعہ کے دن غسل واجب ہے

(۲/۴۸۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ غُسْلُ یَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح ۳۸۲/۲ حديث رقم ۸۹۵۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۵۸۰/۱ حديث رقم (۵۔۸۴۶)وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۲۴۳/۱ حديث رقم ۳۴۱۔وأخرجه النسائي في السنن ۹۳/۳ حديث رقم ۱۳۷۷۔وأخرجه ابن ماجة في السنن ۳۴۶/۱ حديث رقم ۱۰۸۹۔وأخرجه مالك في الموطا ۱۰۲/۱ حديث رقم ٤ من كتاب الجمعة۔وأخرجه الدارمي في السنن ۴۳۴/۱ حديث رقم ۱۵۳۷۔وأخرجه أحمد في مسنده ۶۰/۳۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل واجب ہے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں غسل یوم الجمعہ کو واجب قرار دیا گیا ہے یہاں واجب سے مراد واجب شرعی اور اصطلاحی نہیں ہے۔ کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل نہ کرے تو ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار ہو بلکہ یہاں واجب بمعنی ثابت کے ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جمعہ کے دن غسل ثابت ہے اس کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے ہمارے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی رعایت ہم پر واجب ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مساجد تنگ تھیں۔ لوگ اون کا موٹا لباس استعمال کرتے تھے اور محنت مشقت والے تھے۔ جب پسینہ آتا تھا تو اس کی وجہ سے رائحہ کریہہ پیدا ہو جاتی تھی۔ اسلئے تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا تا کہ اس رائحہ کریہہ کا ازالہ ہو جائے۔

غسل جمعہ حق ہے

(۳/۴۸۳)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّغْتَسِلَ فِیْ کُلِّ سَبْعَةِ اَیَّامٍ یَوْمًا یَغْسِلُ فِیْهِ رَاْسَهٗ وَجَسَدَهٗ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح ۳۸۲/۲ حديث رقم ۸۹۶۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۵۸۲/۲ حديث رقم (۹۔۸۴۹)وأخرجه أحمد في مسنده ۳۴۲/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان پر حق اور لائق ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کرے اپنا سر اور تمام جسم دھوئے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ غسل جمعہ کے دن کے لئے مسنون ہے یا نماز جمعہ کے لئے مسنون ہے جمہور ائمہ کے نزدیک غسل یوم جمعہ کے لئے مسنون ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز جمعہ کے لئے مسنون ہے۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کسی نے صبح کے وقت غسل کیا اور اسی کے ساتھ جمعہ کی نماز بھی ادا کی تو بالاتفاق سنت کی ادائیگی ہو جائے گی اور اگر غسل کے بعد نقض وضو ہو گیا۔ پھر وضو کر کے نماز جمعہ ادا کی۔ تو امام صاحب کے نزدیک سنت پوری نہیں ہوگی اور جمہور ائمہ کے نزدیک سنت کی ادائیگی ہو جائے گی۔

الفصل الثانی:

جمعہ کے دن غسل افضل ہے

(۴/۴۸۴) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ ۔ (رواہ احمدوابوداوٗد والترمذی والنسائی والدارمی)

أخرجه أحمد في المسند ١٦/٥۔وأخرجه أبوداوٗد في السنن ٢٥١/١حديث رقم ٣٥٤۔وأخرجه الترمذي في السنن ٣٦٩/٢حديث رقم ٤٩٧وقال حديث حسن ۔وأخرجه النسائي في السنن ٩٤/٣حديث رقم ١٣٨٠وأخرجه الدارمي في السنن ٤٣٤/١حديث رقم ١٥٤٠۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے جمعہ کے دن وضو کرلیا تو اس نے بہت اچھا کیا کہ فرض ادا ہو گیا اور جس نے غسل کیا تو اس نے افضل کام کیا۔

اس حدیث کو امام احمدؒ امام ابوداوٗدؒ امام ترمذیؒ امام نسائی اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب نہیں بلکہ افضل ہے اور اس سے پہلے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے رفع تعارض یہ ہے کہ وجوب والا حکم پہلے تھا ایک علت کی وجہ سے اور بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔ فَبِهَا وَنِعِمَتْ: حدیث کے اس جملہ کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ جس انسان نے نماز جمعہ کے لئے وضو کیا تو اس نے فرض ادا کیا اور وہ فرض کیا ہی خوب اور اچھا ہے۔

مردہ کو غسل دینے والا غسل کرے

(۵/۴۸۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ (رواہ ابن ماجۃ وزاد احمد والترمذی وابوداود وَمَنْ حَمَلَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ)

أخرجه ابن ماجة في السنن ٤٧٠/١حديث رقم ١٤٦٣وبزيادة "من حمله فليتوضا"۔ أخرجه أحمد في مسنده ٤٥٤/٢وأخرجه الترمذي في السنن ٣١٨/٣حديث رقم ٩٩٣ وحسنه وأخرجه أبوداوٗد في السنن ٥١١/٣ حديث رقم ٣١٦١۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی مردے کو غسل دیا ہو اس کو بعد میں خود بھی غسل کر لینا چاہئے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ، امام ترمذیؒ اور امام ابوداوٗدؒ نے کچھ زیادتی کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے کہ جو شخص جنازہ کو اٹھانے کا ارادہ کرے اس کو وضو کر لینا چاہئے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہو گئے ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مردہ کو غسل دے تو اس کو چاہئے کہ میت کو غسل دینے کے بعد خود بھی غسل کر لے وجہ اس کی یہ ہے کہ ممکن ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت اس پر گندے پانی کی چھینٹیں پڑ گئی ہوں۔ لہٰذا اس میں احتیاط ہے کہ مردہ کو غسل دینے والا بعد میں خود غسل کر لے تاکہ صفائی اور طہارت کی کما حقہٗ رعایت ہو سکے۔ اب یہ کہ اس غسل کی شرعی حیثیت کیا ہے تو جمہور علماء کے نزدیک میت کو غسل دینے والے کے لئے غسل کرنا مستحب ہے اور اس کی تائید ایک

صحیح حدیث سے ہوتی ہے کہ اگر تم میت کو غسل دو تو تم پر غسل کر لینا لازم نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جب کوئی آدمی جنازہ کو اٹھانے اور کندھا دینے کا ارادہ کرے۔ تو اس کو اس سے پہلے وضو کر لینا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی وضو کر کے جنازہ کو اٹھائے گا۔ تو جب جنازہ اس جگہ تک پہنچایا جائے جہاں نماز جنازہ ادا کرنی ہے۔ تو آدمی فی الفور نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں نماز جنازہ کے اندر بآسانی شریک ہو جائے گا۔ بخلاف اس کے کہ اگر وہ جنازہ کو رکھ کر وضو کرنے کے لئے چلا جائے۔ تو ہو سکتا ہے کہ اس کے آنے تک نماز جنازہ ہو جائے۔ اب یہ کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے تو بالاتفاق یہ حکم یعنی جنازہ اٹھانے سے قبل وضو کر لینا مستحب ہے، واجب اور لازم نہیں ہے۔

چار چیزوں کی وجہ سے غسل کرنا

(۶/۴۸۶) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَغْتَسِلُ مِنْ اَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَیَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنَ الْحِجَامَةِ وَمِنْ غُسْلِ الْمَیِّتِ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۲۴۸ حدیث رقم ۲۴۸ وأحمد فی مسنده ۶/۱۵۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چار چیزوں کی وجہ سے غسل کرنے کا حکم دیتے تھے نمبر۱ جنابت کی وجہ سے نمبر۲ یوم جمعہ کی وجہ سے نمبر۳ حجامت کی وجہ سے نمبر۴ مردہ کو غسل دینے کی وجہ سے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ چار چیزوں کی وجہ سے غسل کرتے تھے مگر یہ مسئلہ قرین قیاس نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی میت کو غسل نہیں دیا کہ پھر اس کے بعد غسل کیا ہو معلوم ہوا کہ اس مقام پر حدیث کے لفظ کَانَ یَغْتَسِلُ: کا یہ ترجمہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے غسل کرتے تھے۔ بلکہ اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے غسل کرنے کا حکم دیتے تھے۔

① جنابت کی وجہ سے۔ یہ فرض ہے۔ ② نماز جمعہ کے لئے۔
③ حجامت یعنی پچھنا لگوانے کے بعد۔ ④ میت کو غسل دینے کے بعد۔ یہ مستحب کے درجہ میں ہیں۔

مسلمان ہونے کے وقت غسل کا حکم

(۷/۴۸۷) وَعَنْ قَیْسِ بْنِ عَاصِمٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ فَاَمَرَهُ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یَّغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ۔

(رواہ الترمذی و ابوداود و النسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۵۰۲ حدیث رقم ۶۰۵ وقال حدیث حسن ۔ وأخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۲۵۱ حدیث رقم ۳۵۵ ۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۱۰۹ حدیث ۱۸۸ ۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۵/۶۱۔

ترجمہ: حضرت قیس بن عاصم کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کریں۔ اس حدیث کو امام ترمذی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اگر کوئی کافر مسلمان ہوا اور مسلمان ہوتے وقت وہ جنابت کی حالت میں تھا تو اس صورت میں اس کے لئے غسل کرنا واجب ہے اور اگر مسلمان ہوتے وقت جنابت کی حالت میں نہ ہو تو اس صورت میں مسلمان ہونے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے اور

اس مسئلہ کے بارے میں اولیٰ اور افضل صورت یہ ہے کہ پہلے وہ آدمی کلمہ شہادت پڑھے اور اپنے سر کا حلق کروائے اور اس کے بعد غسل کرلے اور غسل اچھی طرح کرے جس سے اچھی طرح صفائی اور طہارت حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت قیس بن عاصم کو پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل کرنے کا حکم دیا تاکہ اچھی طرح صفائی اور طہارت حاصل ہوجائے۔

یوم جمعہ کے لئے غسل واجب نہیں

(۴۸۸/۸) عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوْا فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلٰكِنَّهٗ اَطْهَرُ وَخَيْرٌ لِّمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَّمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَاُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ اِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِىْ ذٰلِكَ الصُّوْفِ حَتّٰى صَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ اٰذٰى بِذٰلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ الرِّيَاحَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ اَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَاءَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوْا غَيْرَ الصُّوْفِ وَكُفُوا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ وَ ذَهَبَ بَعْضُ الَّذِىْ كَانَ يُؤْذِىْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعِرَقِ. (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۲۵۱ حديث رقم ۳۵۳۔

ترجمہ: حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ عراق کے چند آدمی آئے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا۔ کیا آپ کی رائے کے مطابق جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں مگر جمعہ کے دن غسل کرنا زیادہ صفائی اور طہارت ہے جو شخص غسل کرلے اس کے لئے بہتر ہے اور جو آدمی غسل نہ کرے اس کے لئے واجب نہیں ہے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جمعہ کے دن غسل کی ابتداء کیسے ہوئی۔ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ لوگ غریب تھے اور اون کا لباس پہنتے تھے اور اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھانے کا کام کرتے تھے ان کی مسجد تنگ تھی چھت پست تھی۔ کھجور کی شاخوں کی تھی ایک روز جب جمعہ کے دن سخت گرمی تھی۔ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ شدید گرمی کی وجہ سے لوگ اون کے موٹے لباس میں پسینہ سے تر ہوگئے۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے لوگوں میں رائحہ کریہہ پھیلی۔ جس کی وجہ سے لوگ اذیت محسوس کرنے لگے جب رسول اللہ ﷺ کو رائحہ کریہہ کا احساس ہوا تو پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جمعہ کے روز غسل کرلیا کرو اور جس کو تیل اور خوشبو میسر ہو اس کو استعمال کرکے آیا کرے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مال کی وسعت اور کشادگی عطا کی۔ تو لوگوں نے اون کا لباس چھوڑ کر دیگر عمدہ قسم کے ملبوسات استعمال کرنے شروع کر دیے اور محنت و مشقت والے کاموں سے بھی نجات ہوگئی اور لوگوں کو پسینہ کی وجہ سے جو رائحہ کریہہ کی اذیت تھی وہ بھی ختم ہو گئی اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ ابتداء اسلام میں جمعہ کے روز غسل کرنا واجب اور ضروری تھا بعد میں اس وجوب کو منسوخ کردیا گیا اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ابتداءً جمعہ کے دن کے لئے غسل لازم ہونے کی وجہ کو بیان کیا اور مسلمانوں کے ابتدائی دور کا مختصر سا نقشہ پیش کیا کہ ابتداءً مسلمان نادار اور تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے اون کے موٹے ملبوسات استعمال کرتے تھے اور اسباب معیشت کی

آسانیاں میسر نہ تھیں۔ محنت اور مشقت کا کام کرتے تھے۔ مسجد تنگ اور پست تھی اس میں کھڑکیاں اور روشن دان نہ تھے شدید گرمی کی وجہ سے جب پسینہ آتا تو اس کی وجہ سے رائحہ کریہہ پیدا ہو جاتی تھی اس لئے ابتداءً رسول اللہ ﷺ نے اس رائحہ کریہہ کے ازالہ کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا تھا بعد میں جب آسانی اور سہولت پیدا ہوگئی اور رائحہ کریہہ والی اذیت کا خاتمہ ہو گیا۔ تو غسل کے لزوم کو بھی ختم کر دیا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ابتداء پسینہ کی وجہ سے جو رائحہ کریہہ پیدا ہوتی تھی اس کی وجہ سے جمعہ کے دن غسل کرنا واجب تھا اس کے بعد جب آسانی، فراوانی اور کشادگی کا دور آیا۔ تو رائحہ کریہہ کا بھی ازالہ ہو گیا۔ تو جمعہ کے دن غسل کا وجوب بھی منسوخ ہو گیا۔

مسلمانوں کی ابتدائی حالت کا نقشہ: اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مسلمانوں کی ابتدائی حالت کا نقشہ جو بیان کیا ہے اس کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ شروع اسلام میں مسلمانوں کی زندگی انتہائی تنگی اور مشقت والی تھی فقر اور ناداری کا دور تھا بہت تھوڑے صحابہ کرام مالی وسعت کی وجہ سے خوشحال تھے زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو دن کے وقت محنت اور مشقت کا کام کرتے تھے۔ صحراؤں اور آبادیوں میں مزدوری کرتے تھے مشکلات اور تکالیف کی زنجیروں میں مقیدرہ کر اپنے دین اور ایمان کی حفاظت اور آبیاری کرتے تھے اس طرح کا تنگی اور مشقت والا دور ابتداءً کچھ عرصہ تک رہا۔

جب اسلام کی حقیقت اور صداقت پر مبنی آواز حرمین شریفین کی گھاٹیوں سے نکل کر اطراف عالم تک پہنچی اور مسلمان کثرت سے فوج در فوج اسلام کا علم بلند کرتے ہوئے تمام تکالیف اور مشقتوں کو اپنا زاد راہ بناتے ہوئے قیصر و کسریٰ کے والیان سے جا ٹکرائے تو فتوحات ان کی قدم بوسی کرنے لگیں اور غنائم کا حصول ان کا مقدر بن گیا اب مسلمانوں کے حالات بہتری سے بہتری کی طرف گامزن ہو گئے وسعت اور کشادگیوں کا درخت بار آور ہونے لگا۔

بَابُ الْحَيْضِ

حیض کا بیان

حیض خواتین کی مخصوص بیماری کا نام ہے۔ جو تقریباً ہر مہینے انہیں عارض ہوتی ہے۔ اس باب میں حیض کے بارے میں احکام اور مسائل بیان کیے جائیں گے۔

معنی حیض: حیض کا لغوی معنی ہے جاری ہونا اور شریعت کی اصطلاح میں حیض اس خون کا نام ہے جو بالغہ عورت کے رحم سے خارج ہو بغیر کسی بیماری اور ولادت کے۔ اگر کسی عورت کو مرض کی وجہ سے استمرار دم ہو جائے تو اس کو استحاضہ کہتے ہیں اور ولادت کی وجہ سے جو خون جاری ہو اس کو نفاس کہتے ہیں۔

مسائل حیض: **مَسْئَلَہ ۱** حیض کی کم از کم مدت تین دن، زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ تین سے کم اور دس دن سے زیادہ ہو تو اس کو استحاضہ کہتے ہیں مدت حیض کے اندر خالص سفیدی کے علاوہ جو رنگ بھی ہو وہ حیض ہے۔ **مَسْئَلَہ ۲** حیض کی مدت میں نماز، روزہ اور جماع ممنوع ہے مدت حیض کے بعد روزہ کی قضاء ہوگی اور نماز کی قضاء نہیں ہوگی۔ **مَسْئَلَہ ۳** اگر کوئی خاتون نیند سے بیدار ہونے کے بعد حیض کا خون دیکھے تو اس کا حیض اس وقت سے شمار ہوگا جس وقت وہ بیدار ہوئی ہے اور اگر کوئی خاتون نیند سے بیداری کے وقت اپنے آپ کو پاک پائے تو جس وقت سے سوئی تھی اسی وقت سے پاک شمار ہوگی۔ **مَسْئَلَہ ۴** حیض اور نفاس کی حالت میں ناف سے گھٹنوں تک دیکھنا اور استمتاع بلا حائل مکروہ تحریمی اور جماع کرنا حرام ہے۔ **مَسْئَلَہ ۵** حیض اور نفاس

کی حالت میں عورت سے تقبیل کرنا، اس کا جوٹھا استعمال کرنا، اس کے ساتھ لیٹ کر سونا، یہ سب امور جائز ہیں اور حیض کی وجہ سے عورت سے علیحدگی اختیار کر کے سونا یا اس کے ساتھ میل جول سے اجتناب کرنا مکروہ ہے۔ مسئلہ ۶ اگر کسی عورت کو دم حیض دس ایام مکمل ہونے پر بند ہو جائے تو اس صورت میں غسل کیے بغیر جماع جائز ہے اور اگر کسی خاتون کا دم حیض دس ایام سے کم مدت میں ختم ہو جائے۔ تو پھر دو حال سے خالی نہیں، ایام عادت سے قبل ختم ہوا ہوگا یا ایام عادت کے بعد۔ اگر ایام عادت سے پہلے ہوا ہے تو پھر جماع جائز نہیں ہے جب تک کہ ایام عادت پورے نہ ہو جائیں اگرچہ غسل بھی کر لے اور اگر ایام عادت پورے ہو گئے ہیں تو پھر اس وقت تک جماع جائز نہ ہوگا جب تک کہ غسل نہ کر لے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے۔ مسئلہ ۷ اگر کسی عورت کا نفاس چالیس ایام مکمل ہونے کے بعد ختم ہو جائے تو بغیر غسل کے جماع جائز ہے اور اگر چالیس ایام سے پہلے انقطاع دم ہو جائے اور عادت کے مطابق ہو تو غسل کے بعد یا ایک نماز کا وقت گزرنے کے بعد جماع جائز ہے اور اگر ایام عادت سے پہلے انقطاع دم ہو جائے تو ایام عادت تک جماع جائز نہیں ہے۔ مسئلہ ۸ اگر کسی خاتون کو دس ایام سے پہلے انقطاع دم ہو جائے اور ایام عادت سے بھی پہلے ہو تو اس کے لئے نماز کے وقت کے آخر تک غسل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ کیونکہ امکان ہے کہ پھر خون جاری ہو جائے اور اگر کسی عورت کا خون دس ایام مکمل ہونے سے پہلے اور ایام عادت مکمل ہونے کے بعد بند ہو جائے تو اس صورت میں تاخیر مستحب ہے۔ مسئلہ ۹ اگر کسی عورت کو حیض کے وقت کے علاوہ کسی دوائی کی وجہ سے خون جاری ہو گیا تو وہ حیض نہیں ہوگا۔ مسئلہ ۱۰ اگر کسی معتادہ عورت کو استمرار دم ہو جائے اور اس کو یہ یاد نہ ہو کہ اس کو کتنے دن حیض آتا تھا اور یا یہ یاد نہ ہو کہ مہینے کی کس تاریخ کو شروع ہوتا تھا اور کب ختم ہوتا تھا یا دونوں باتیں یاد نہ ہوں تو اس صورت میں غلبہ ظن پر عمل ہوگا اور اگر غلبہ ظن قائم نہ ہو سکے تو پھر وضو لکل صلوٰۃ پر عمل ہوگا۔

الفصل الاول:

یہودی حیض کی حالت میں عورت کو علیحدہ کر دیتے تھے

(۱/۴۸۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَةُ فِيهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا وَلَمْ يُجَامِعُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ فَسَأَلَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ النَّبِيَّ ﷺ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الْاٰيَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْيَهُوْدَ فَقَالُوْا مَا يُرِيْدُ هٰذَا الرَّجُلُ اَنْ يَدَعَ مِنْ اَمْرِنَا شَيْئًا اِلَّا خَالَفَنَا فِيْهِ فَجَاءَ اُسَيْدُ ابْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ فَقَالَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا اَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَّبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَرْسَلَ فِيْ اٰثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا اَنَّهٗ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في الصحيح ۲۴۶/۱ حديث رقم (۱۶۔۳۰۲) وأخرجه ابوداود في السنن ۱۷۷/۱ حديث رقم ۲۵۸۔ وأخرجه الترمذي في السنن ۱۹۹/۵ حديث رقم ۲۹۷۷۔ وأخرجه النسائي في السنن ۱۵۲/۱ حديث رقم ۲۸۸۔ وأخرجه الدارمي مختصراً ۲۶۱/۱ حديث رقم ۱۰۵۳۔ وأخرجه أحمد في مسنده ۱۳۲/۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہود میں جب کسی عورت کو حیض آ جاتا تھا تو وہ لوگ نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اور نہ گھروں میں اس کے ساتھ میل جول رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام نے اس کے

متعلق مسئلہ دریافت کیا کہ حائضہ کے متعلق تو یہودیوں کا یہ عمل ہے ہم کیا کریں؟ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ ...... الخ کہ یہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کے ساتھ حیض کی حالت میں جو چاہو کرو سوائے جماع کے۔ یہ خبر جب یہودیوں کو پہنچی تو انہوں نے کہا یہ شخص ہمارے جس دینی کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس میں ضرور ہماری مخالفت کرتے ہیں یہودیوں کی یہ بات سن کر حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہودی ایسا اور ایسا کہہ رہے ہیں کیا ہم ان کی مخالفت میں حیض کی حالت میں اپنی عورتوں کے ساتھ جماع نہ کیا کریں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور ہمیں یہ خیال ہوا کہ آپ ﷺ ان دونوں پر ناراض ہو گئے ہیں چنانچہ یہ دونوں حضرات نکل کر چلے گئے ان کے جانے کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس کہیں ہدیہ میں دودھ آ گیا آپ ﷺ نے ان دونوں کے پیچھے کسی کو بھیجا کہ بلا کر لاؤ دودھ پینے کے بعد ان کو معلوم ہو گیا کہ آپ ہم سے ناراض نہیں ہوئے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ مذہب اسلام میں حیض والی عورت کے ساتھ صرف مباشرت حرام ہے دیگر امور جائز ہیں اور یہود کے مذہب میں راہ اعتدال سے تجاوز ہے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے حیض والی عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھا کہ حیض کی حالت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ اس کے جواب میں سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ ط قُلْ ھُوَ اَذًی لا فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ لا وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ ج۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرام حیض کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے حیض کی حالت میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت اختیار نہ کرو۔ اس آیت میں حالت حیض میں کنارہ کشی اور عدم مقاربت کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے جماع نہ کرو۔ اس کے علاوہ تمام امور جائز ہیں ان کے ساتھ کھانا' پینا' اٹھنا' بیٹھنا' تقبیل کرنا' ہمکنار ہونا' ساتھ لیٹنا وغیر ذلک۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ حیض کی حالت میں جماع کرنا حرام اور گناہ ہے بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی آدمی حیض کی حالت میں وطی کو حلال سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

مرد اور عورت جنابت کی حالت میں ایک برتن سے غسل کر سکتے ہیں

(۲/۴۹۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِیُّ ﷺ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ وَکِلَانَا جُنُبٌ وَکَانَ یَاْمُرُنِیْ فَاَتَّزِرُ فَیُبَاشِرُنِیْ وَاَنَا حَائِضٌ وَکَانَ یُخْرِجُ رَاْسَهٗ اِلَیَّ وَھُوَ مُعْتَکِفٌ فَاَغْسِلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح ۱/۴۰۳ حديث رقم (۲۹۹۔۳۰۰۔۳۰۱۱)۔ وأخرجه مسلم في روايات متفرقة وهي في ۱/۲۴۳ (۵۔۲۹۶) و ۱/۲۴۴ حديث رقم (۸۔۲۹۷)۔ واللفظ للبخاري مع تفرق الأحاديث۔ وكذلك أخرج هذا الحديث متفرقاً في عدة روايات فقد أخرج النسائي أوله ۱/۲۰۱ حديث ۴۱۱ وآخره ۱/۱۹۳ حديث ۳۸۸۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ دونوں جنابت کی حالت میں ایک برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے اور بعض اوقات میں ایام میں ہوتی تو آپ مجھے تہہ بند باندھنے کا حکم دیتے تھے۔ تو میں تہہ بند

باندھ لیتی۔ تو آپ اپنا جسم مجھ سے لگا کر سو جایا کرتے تھے اور بعض اوقات آپ ﷺ اعتکاف کی حالت میں ہوتے تھے اور اپنا سر مبارک مسجد سے باہر نکالتے۔ تو میں ایام حیض کی حالت میں آپ کا سر دھو دیا کرتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں تین مسائل بیان کیے گئے ہیں:

① اگر مرد اور عورت دونوں حیض کی حالت میں ہوں اور دونوں ایک برتن میں پانی بھر کر درمیان میں رکھ کر اس میں معاً غسل کریں تو یہ جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ دونوں جنابت کی حالت میں ہوتے تھے اور ہمارے درمیان ایک طشت نما برتن پانی سے بھرا ہوا ہوتا تھا اور ہم دونوں اس سے چلو بھر بھر کر غسل کرتے تھے۔

② دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو۔ اور مرد اس کے ساتھ لیٹے اور اپنا جسم اس کے ساتھ لگائے تو یہ جائز ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی اور مجھے رسول اللہ ﷺ اتزار کا حکم دیتے اور بعد الاتزار میرے ساتھ مباشرت کرتے تھے یعنی اپنے جسم کو میرے جسم کے ساتھ لگاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں جماع اور استمتاع بماتحت الازار ناف سے گھٹنوں تک حرام ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا امام احمدؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک حیض کی حالت میں صرف وطی یعنی دخول کرنا حرام ہے۔

③ اگر کوئی عورت حیض کی حالت میں ہو اور وہ اپنے خاوند کا سر دھو دے جب کہ وہ اعتکاف کی حالت میں ہو تو یہ جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر مسجد نبوی سے متصل تھا اور اس کا دروازہ بھی مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں ہوتے۔ تو اپنا سر مبارک اسی دروازہ سے مسجد سے باہر حجرہ کی طرف نکال دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں ہونے کے باوجود آپ کا سر دھو دیتی تھیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس طرح کر لینے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

حائض کا جوٹھا استعمال کرنا جائز ہے

(۳/۹۴۱) وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَاَتَعَرَّقُ الْعَرَقَ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢٤٥/١ حديث رقم (١٤-٣٠٠) وأخرجه أبوداؤد في السنن ١٧٨/١ حديث رقم ٢٥٩ وأخرجه النسائي في السنن ١٤٩/١ حديث رقم ٢٨٢ ونحوه أخرجه ابن ماجة ٢١١/١ حديث رقم ٦٤٣ وأحمد في مسنده ١٢٧/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں حائض ہوتی تھی اور پانی پی کر وہی برتن رسول اللہ ﷺ کو دے دیا کرتی تھی اور آپ اسی جگہ سے جہاں میرا منہ لگا تھا منہ لگا کر پی لیتے تھے اور کبھی میں حائض ہونے کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی۔ پھر وہی ہڈی رسول اللہ ﷺ کو دیدیتی آپ اسی جگہ پر منہ لگا کر گوشت کو نوچتے جہاں سے میں نے منہ رکھ کر نوچا تھا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حائض کا جوٹھا استعمال کرنا جائز ہے دو چیزوں کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں ہوتی تھیں اور جس برتن میں پانی پیتی تھیں اسی برتن سے اور اسی جگہ سے منہ لگا کر رسول اللہ ﷺ پانی پیتے تھے۔ دوم یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی تھی پھر وہی ہڈی رسول اللہ

ﷺ کو دیدیتی تو آپ ﷺ اس جگہ سے منہ لگا کر گوشت نوچ کر کھاتے جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منہ لگا کر گوشت کھایا تھا۔
اور اس عمل کی دو وجہ تھیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے بہت زیادہ محبت تھی اور سچی محبت کا یہی تقاضا ہے دوم یہ کہ یہودیوں کی مخالفت مقصود تھی۔ چنانچہ یہود حیض کی حالت میں عورتوں کے ساتھ کھانا' پینا' ہاتھ لگانا گھر میں میل جول کے ساتھ رہنے کو حرام سمجھتے تھے آپ ﷺ نے عملاً ان کی تردید کردی۔

حائض کی گود میں سہارا لے کر قرآن کی تلاوت جائز ہے

(۴/۴۹۲) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَّكِئُ فِي حِجْرِي وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ . (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١/٤٠١حديث رقم ٢٩٧۔ ومسلم في صحيحه ١/٢٤٦حديث رقم (١٥۔٣٠١)وأخرجه أبوداوٗد في السنن ١/١٧٨حديث رقم ٢٦٠۔وأخرج النسائي في السنن نحوه ١/١٤٧حديث رقم ٢٧٤۔وأخرجه ابن ماجة في السنن ١/٢٠٨حديث رقم ٦٣٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی اور رسول اللہ ﷺ میری گود میں سہارا لے کر قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کی گود میں سہارا لے کر قرآن کریم کی قراءت کرتے تھے اور اس وقت حضرت عائشہؓ حائض ہوتی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں عورت ظاہری طور پر پاک ہوتی ہے اس کی نجاست حکما اور باطنا ہے۔ کیونکہ اگر حائض ظاہراً پاک نہ ہوتی اور اس کے جسم کے اعضاء ناپاک ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سہارا لے کر قرآن کریم کی تلاوت نہ کرتے۔

عورت حیض کی حالت میں مسجد کے اندر سے چیز لے سکتی ہے

(۵/۴۹۳) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ اِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ . (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٢٤٢حديث رقم (١١۔٢٩٨)وأخرجه أبوداوٗد في السنن ١/١٧٩حديث رقم ٢٦١۔وأخرجه الترمذي في السنن ١/٢٤١حديث رقم ١٣٤۔وأخرجه النسائي في السنن ١/١٤٦حديث رقم ٢٧١۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ١/٢٠٧ حديث رقم ٦٣٢۔وأخرجه الدارمي في السنن ١/٢١٨حديث رقم ٧٧١۔وأخرجه أحمد في مسنده ٦/٤٥۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ مسجد سے یہ چھوٹی چٹائی اٹھا کر مجھے دے دو۔ میں نے عرض کیا میں تو حائض ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے ہاتھ میں تو حیض نہیں ہے۔
اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں من المسجد کے متعلق میں دو احتمال ہیں:

① من المسجد کا متعلق قال ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کے اندر تھے اور معتکف تھے اور چٹائی مسجد

سے باہر تھی آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ یہ باہر سے چٹائی پکڑا دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں تو حائض ہوں آپ نے فرمایا تیرے ہاتھ میں تو حیض نہیں ہے۔

② من المسجد کا متعلق ناولینی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد سے باہر تھے اور چٹائی مسجد کے اندر تھی تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مسجد سے چٹائی مجھے پکڑا دو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں تو حائض ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے ہاتھ میں تو حیض نہیں ہے معلوم ہوا کہ حائض مسجد کے اندر سے ہاتھ داخل کر کے چیز اٹھا سکتی ہے اور اسی طرح مسجد کے باہر سے اندر چیز پکڑا سکتی ہے۔

حیض والی عورت کا پورا جسم نجس نہیں ہوتا

(۶/۴۹۴) وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ مِرْطٍ بَعْضُهُ عَلَيَّ وَبَعْضُهُ عَلَيْهِ وَاَنَا حَائِضٌ. (متفق عليه)

هذا الحديث غير موجود في الصحيحين ولا في أحدهما ـ وقدأخرجه ابن ماجة في السنن ١/٢١٤ حديث رقم ٦٥٣ وأحمد في المسند ٦/٣٣٠ ولكن أخرج البخاري في صحيحه ١/٤٨٨ حديث ٣٧٩ مالفظه "كان رسول الله ا يصلي وأنا حذاء ه وربما أصابني ثوبه إذا سجده۔ وكذلك أخرجه مسلم في صحيحه ١/٣٦٧ حديث رقم (٢٧٣-٥١٣) وأخرج أبوداوٗد عن ميمونة أن النبي ا صلى وعليه مرط وعلى بعض أزواجه منه وهي حائض وهو يصلي وهو علية ١/٢٥٨ حديث رقم ٣٦٩ ـ وأخرج مسلم عن عائشة "كان النبي ا يصلي من الليل وأنا إنا جنبه وأنا حائض وعلى مرط وعليه بعضه إلى جنبه "١/٣٦٧ حديث (٢٧٤-٥١٤)۔

ترجمہ: حضرت میمونہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسی چادر میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے کہ جس کا کچھ حصہ تو آپ کے اوپر ہوتا تھا اور کچھ حصہ مجھ پر ہوتا تھا اور میں حائض ہوتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ حیض والی عورت کا پورا جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی شرم گاہ کے علاوہ تمام جسم پاک ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر حیض والی عورت کا پورا جسم ناپاک ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ایسی چادر میں نماز نہ پڑھتے کہ جس کا بعض حصہ تو نماز پڑھنے والے پر ہو اور بعض حصہ نجاست پر ہو حضرت سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ صاحب تخریج کا کہنا ہے کہ میں نے یہ حدیث بخاری اور مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں پائی۔ ہاں البتہ اس مضمون کی احادیث بخاری و مسلم اور ابوداؤد میں مذکور ہیں۔

الفصل الثانی:

حیض کی حالت میں وطی کرنا کفر ہے

(۷/۴۹۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوِامْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا اَوْكَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَبِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي وفي روايتهما) فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ وَ قَالَ الترمذي لَايُعْرَفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ اِلَّامِنْ حَكِيْمِ الْاَثْرَمِ عَنْ اَبِيْ تَمِيْمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ۔

أخرجه الترمذي في السنن ١/٢٤٢ حديث قم ١٣٥ ـ وأخرجه ابن ماجة في السنن ١/٢٠٩ حديث رقم ٦٣٩ والدارمي في

السنن ۱/۲۷۵حدیث رقم ۱۱۳۶۔وکذلک أخرجه أبوداوٗد فی السنن بمعناه مع تقدیم وتاخیر ۴/۲۲۵حدیث رقم ۳۹۰۴۔ وأحمد فی مسنده ۲/۴۰۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے حیض کی حالت میں عورت سے جماع کیا۔ یا وطی فی الدبر کی یا کسی کاہن کے پاس غیب کی باتیں دریافت کرنے کیلئے گیا تو اس شخص نے رسول اللہؐ پر نازل شدہ دین کا کفر کیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی امام ابن ماجہ اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ اور دارمی کی روایتوں میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ جس نے کاہن کے قول کی تصدیق کردی تو وہ کافر ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں سوائے اس سند کے کہ اس کو حکیم اثرم ابوتیمیہ سے نقل کرتے تھے اور وہ ابوہریرہؓ سے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں تین چیزوں کو کفریہ اعمال میں سے شمار کیا گیا ہے:

① اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں جماع کرتا ہے۔ تو یہ دو حال سے خالی نہیں۔ جائز اور حلال سمجھ کر کریگا یا ناجائز سمجھ کر کریگا اگر حلال جان کر کرے تو یہ کفر ہے کیونکہ اللہ کے حرام کردہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور اگر حلال اور جائز نہ سمجھے تو پھر یہ فسق ہے۔

② اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے لواطت کرے اس کی بھی دو صورتیں ہیں حلال جان کر کرے گا یا نہیں اگر حلال جان کر کرے تو پھر یہ کفر کو مستلزم ہے اس صورت میں فقد کفر اپنے ظاہر پر محمول ہوگا اور اگر حلال نہ جانے تو پھر فسق ہے اور فقد کفر یا تو کفران نعمت پر محمول ہے اور یا زجر و توبیخ پر محمول ہوگا۔ اس حدیث میں فی دبرھا کی قید سے معلوم ہوا کہ اغلام بازی اس سے بھی زیادہ برا اور قبیح عمل ہے۔

③ اگر کوئی شخص کاہن کے پاس جائے اور اس سے امور غیبیہ کے متعلق سوال کرے اور پھر اس کی تصدیق کرے تو کافر ہو جائے گا۔

کاہن اس آدمی کو کہتے ہیں جو امور مستقبلہ کی خبر دیتا ہے اور نجومی اس کو کہتے ہیں جو ستاروں کی مدد سے خبر دیتا ہے ان دونوں کا ایک ہی حکم ہے ان سے غیب کی خبر پوچھنا پھر اس پر یقین کرنا اور اس کی تصدیق کرنا کفر کو مستلزم ہے۔

حیض کی حالت میں استمتاع مافوق الازار جائز ہے

(۸/۴۹۶) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنَ امْرَأَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ مَافَوْقَ الْإِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِكَ اَفْضَلُ۔ (رواه رزین وقال محی السنة اسناده لیس بقوی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۱۴۶وقال لیس هو بالقوی۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ جب میری بیوی حائض ہو تو میرے لئے کیا کیا جائز ہے آپ ﷺ نے فرمایا مافوق الازار استمتاع جائز ہے اور اس سے بھی بچنا بہت ہی بہتر ہے۔ اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے اور امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب عورت حیض کی حالت میں ہو تو سوائے جماع کے سب کچھ جائز ہے۔ یعنی بوس و کنار کرنا' اختلاط کرنا' مس بالید کرنا' استمتاع مافوق الازار کرنا۔

مگر اس جواز اور رخصت کے باوجود اس سے اجتناب کرنا اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس سے نفسانی خواہشات کے جذبات جوش میں آجائیں اور نفس پر کنٹرول نہ رہے اور بذریعہ جماع انسان حرام کا مرتکب ہو جائے۔

بظاہر اس پر ایک اشکال ہے کہ رسول اللہ تو مذکورہ امور کا ارتکاب کرتے تھے۔ اگر ان کا ترک افضل ہے تو آپ نے ان کو کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے نفس پر مکمل کنٹرول حاصل تھا ان امور کو کرنے کی وجہ سے فعل حرام تک پہنچنے کا تصور بھی

ممکن نہیں ہے۔ بخلاف دیگر لوگوں کے کہ ان سے حفاظت فعل حرام کے ارتکاب سے یقینی نہیں ہے۔ بلکہ پوری توقع ہے کہ حرام کا ارتکاب ہوجائے گا۔ الا ماشاء اللہ۔

حالت حیض میں جماع کرنے پر صدقہ کرو

(۹/۴۹۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِاَهْلِهٖ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ. (رواه الترمذی وابوداود والنسائی والدارمی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۲۴۴حدیث رقم ۱۳۶۔وأخرجه أبوداوٗدفی السنن۱/۱۸۳حدیث رقم ۲۶۶۔وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۱۵۳حدیث رقم ۲۸۹۔وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۲۷۱حدیث رقم ۱۱۱۳۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن۱/۲۱۰حدیث رقم ۶۴۰ذکر "بدینار أو بنصف دینار"وأخرجه أحمد فی المسند۱/۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں جماع کرلے تو اس کو نصف دینار صدقہ کردینا چاہئے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ امام ابوداوٗدؒ امام نسائیؒ امام دارمیؒ اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں جماع کرلے تو وہ نصف دینار صدقہ کرے۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیتا ہے تو اس کا کفارہ صرف استغفار ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا اور امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر اس شخص نے اپنی بیوی سے جماع اس وقت کیا جب خون جاری تھا۔ تو اس صورت میں ایک دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔

اور اگر انقطاع دم کے بعد جماع کیا تو پھر نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابن ہمام حنفیؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں جماع کیا حلال جان کر تو یہ کفر کو مستلزم ہے اور اگر اس نے حرام جانتے ہوئے کیا تو یہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنے اس فعل پر نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔ حضرات محدثین کے نزدیک اصول حدیث کے مطابق یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف یا مرسل ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا اتصال رسول اللہ ﷺ تک مرفوعاً ثابت نہیں ہے۔

(۱۰/۴۹۸) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا كَانَ دَمًا اَحْمَرَ فَدِيْنَارٌ وَاِذَا كَانَ دَمًا اَصْفَرَ فَنِصْفُ دِيْنَارٍ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۲۴۵حدیث رقم ۱۳۷۔وأخرج الدارمی نحوه ۱/۲۷۱حدیث رقم ۱۱۱۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر حیض کی حالت میں خون کا رنگ سرخ ہو اور اس حالت میں اگر کوئی جماع کرے تو دینار صدقہ کرے اور اگر خون کا رنگ زرد ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حیض کی حالت میں جماع کرنے پر صدقہ کی وضاحت بیان کی گئی ہے کہ حالت حیض میں اگر کسی نے جماع کرلیا تو اس پر صدقہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بوقت صحبت دم حیض کا رنگ سرخ ہے تو اس صورت میں ایک دینار صدقہ کرنا لازم ہے

اور اگر دمِ حیض کا رنگ زرد ہو تو پھر نصف دینار صدقہ کرنا لازم ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک ابتداءِ حیض کی حالت میں جماع کرنے سے ایک دینار صدقہ لازم ہے اور انقطاعِ حیض کی حالت میں نصف دینار صدقہ دینا ہوگا۔ ان کا استدلال اسی حدیث سے ہے وہ اس طرح کہ جب حیض شروع ہوتا ہے تو اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور حالت انقطاع میں دمِ حیض کا رنگ زرد ہوتا ہے۔

الفصل الثالث:

حالتِ حیض میں ما فوق الازار استمتاع جائز ہے

(۴۹۹/۱۱) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَايَحِلُّ لِيْ مِنَ امْرَاَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَشُدُّ عَلَيْهَا اِزَارَهَا ثُمَّ شَأْنُكَ بِاَعْلَاهَا . (رواه مالك والدارمي مرسلا)

أخرجه مالك في الموطا ۱/۵۷ حديث ۹۳ من كتاب الطهارة ـ وأخرجه الدارمي في السنن ۱/۲۵۸ حديث ۱۰۳۲ ـ

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میرے لئے میری بیوی سے حیض کی حالت میں کیا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اس کے جسم پر اس کا تہبند مضبوط باندھ لو۔ پھر تہہ بند کے اوپر تمہارا کام ہے۔ اس حدیث کو امام مالکؒ اور امام دارمیؒ نے مرسل روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ جب میری بیوی حالت حیض میں ہو تو اس دوران میرے لئے کس حد تک استمتاع حلال اور جائز ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری بیوی اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ اپنا تہہ بند باندھ لے اور ما فوق الازار تمہارے لئے استمتاع جائز ہے۔

حیض کے اثرات

(۵۰۰/۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيْرِ فَلَمْ نَقْرُبْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ نَدْنُ مِنْهُ حَتّٰى نَطْهُرَ . (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۱۸۶ حديث رقم ۲۷۱ ـ في المخطوطة يقرب ـ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب میں حالت حیض میں ہوتی تو بستر سے اتر کر بوریا پر آجاتی تھی۔ جب تک طہارت حاصل نہیں ہو جاتی تھی نہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ ؓ کے قریب جاتے اور نہ ہی حضرت عائشہ ؓ آپ کے قریب جاتی تھیں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کا بظاہر دیگر احادیث کے ساتھ تعارض ہے وہ اس طرح کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حیض کی حالت میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ ؓ ایک دوسرے کے قریب نہیں ہوتے تھے اور دیگر کئی احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حیض کی حالت میں حضرت عائشہ ؓ اور نبی علیہ السلام اختلاط اور قرب اختیار کرتے تھے۔ بظاہر تعارض ہے اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے ایک توجیہ یہ ہے کہ یہاں قربت سے مراد قربت جماع ہے۔ نہ کہ مطلقاً اختلاط اور اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے: وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔ اس آیت میں قرب سے مراد جماع ہے مطلب یہ ہوگا کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان

سے جماع نہ کرو۔

اختلاف نسخہ: اس مقام پر حدیث کے الفاظ کے نقل کرنے میں اختلاف ہے مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں اس طرح ہے۔

فَلَمْ یَقْرُبْ: یا حرف مضارعت کی فتحہ کے ساتھ اور راء کے ضمہ کے ساتھ اور رسول مرفوع ہوگا فاعل ہونے کی وجہ سے لَمْ نَدْنُ اور حَتّٰی تَطْھُرَ: یہ دونوں تاء کے ساتھ ہوں گے اور ضمیر فاعل راجع ہوگی حضرت عائشہؓ کی طرف۔

مگر سید جمال الدین کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ صحیح اس طرح ہے۔ فَلَمْ نَقْرُبْ: نون اور راء دونوں کے فتحہ کے ساتھ اور رسول منصوب ہوگا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے لَمْ نَدْنُ اور حَتّٰی نَطْھُرَ دونوں نون کے ساتھ ہوں گے اور میرک شاہ نے لکھا ہے کہ اصل ابو داؤد میں یہ الفاظ اسی طرح ہیں۔

بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ کا بیان

المستحاضة: یہ مشتق ہے استحاضۃ سے اور یہ باب استفعال کا مصدر ہے اور اس کا مجرد آیا ہے باب ضرب یضرب سے۔ اور استحاضۃ میں سین اور تاء یا تو مبالغہ کے لئے ہیں۔ یعنی بہت زیادہ خون کا جاری ہونا اور خاصہ تحول مراد ہے یعنی چیز کا ایک حقیقت سے منتقل ہو کر دوسری حقیقت میں داخل ہونا اور یہ لفظ معروف کبھی استعمال نہیں ہوگا بلکہ مجہول استعمال ہوگا اور اصطلاح میں استحاضہ کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ خون جو حیض اور نفاس کے علاوہ عورت کی قبل سے آئے اور استحاضہ کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔

الفصل الاول:

استحاضہ نماز کے لئے مانع نہیں ہے

(۱/۵۰۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ تْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِیْ حُبَیْشٍ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّی امْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَیْسَ بِحَیْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَیْضَتُكِ فَدَعِی الصَّلَاةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِیْ عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّیْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۳۱/۱ حدیث رقم ۲۲۸۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۲۶۲/۱ حدیث رقم (۶۲۔۳۳۳) أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱۹۴/۱ حدیث رقم ۲۸۲ وأخرجه الترمذی فی السنن ۲۱۷/۱ حدیث رقم ۱۲۵ وأخرجه النسائی فی السنن ۱۸٤/۱ حدیث رقم ۳۵۹۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۰۳/۱ حدیث رقم ۶۲۱ وأخرجه الدارمی فی السنن ۲۱۹/۱ حدیث رقم ۸۸٤۔ وأخرجه أحمد فی مسنده ۱۹٤/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک ایسی خاتون ہوں کہ مجھے مسلسل دم استحاضہ جاری رہتا ہے میں کسی وقت پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز ترک کر دوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں۔ یہ تو ایک رگ کا خون ہے۔ دم حیض تو نہیں ہے لہٰذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو خون صاف کر کے اور غسل کر کے نماز پڑھو۔
(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اگر کوئی عورت مستحاضہ ہو جائے تو اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ معتادہ ہو۔ یعنی اس کے ایام حیض مقرر ہوں۔ مثلاً وہ ہر مہینہ میں پانچ یا سات یا آٹھ دن ہیں۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اپنے ایام عادت تک حیض شمار کرے اور نماز٬ روزہ ترک کر دے اور ایام عادت کے بعد خون صاف کر کے اور غسل کر کے نماز٬ روزہ ادا کرے۔

اور اگر مستحاضہ مبتدأہ ہو۔ یعنی جس کو پہلا حیض آیا اور آتے ہی استمرار دم ہو گیا اس کا حکم یہ ہے کہ دس دن تک ہر مہینہ میں حیض شمار کرے اور نماز٬ روزہ ترک کر دے اور اس کے بعد غسل کر کے نماز٬ روزہ ادا کرے۔

اور دوسرے ائمہ کے نزدیک حیض اور استحاضہ میں امتیاز بذریعہ الوان ہو گا۔ اگر دم اسود ہو تو اس کو حیض شمار کیا جائے گا اور اگر دم اسود کے علاوہ کوئی رنگ ہو تو اس کو استحاضہ قرار دیا جائے گا جیسے اس کے بعد آنے والی حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عروہ کی آنے والی حدیث درست نہیں ہے وہ اس طرح کہ یہ حدیث دو طرح سے ثابت ہے۔ ایک طریق کے مطابق مرسل ہے اور دوسرے طریق کے مطابق مضطرب ہے اور امتیاز بالالوان کا مسئلہ صرف حضرت عروہ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے لہٰذا یہ حدیث ارسال اور اضطراب کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہو سکتی اور امام صاحب کا استدلال صحیح حدیث سے ہے۔

اور اس حدیث کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ معتادہ تھیں۔

حضرت امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مستحاضہ ہر فرض کے لئے اپنی شرمگاہ کو دھولے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے وقت دھولے۔ اس کے بعد وہ وضو کر لے اس کے بعد وقت کے آخر تک جو چاہے عبادت کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ معذور ہے اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو دیگر معذورین کا ہے۔

الفصل الثانی:

دم استحاضہ رگ کا خون ہے

(۲/۵۰۲) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَبِیْ حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِیُّ ﷺ اِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَاِنَّهٗ دَمٌ اَسْوَدُ يُعْرَفُ فَاِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَاَمْسِكِیْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا كَانَ الْاٰخَرُ فَتَوَضَّئِیْ وَصَلِّیْ فَاِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ . (رواہ ابوداؤد والنسائی)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۱۹۷ حدیث رقم ۲۸۶۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۱۸۵ حدیث رقم ۳۶۲۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؒ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں استحاضہ کا خون آتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جب خون آئے اور اس کا رنگ سیاہ ہو تو اس وقت نماز پڑھنے سے رک جاؤ اور جب اس خون کا رنگ سیاہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو اس وقت وضو کر کے نماز پڑھو کیونکہ یہ حیض نہیں بلکہ رگ کا خون ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحاضہ تمیز بالالوان کرے اور یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو تمیز بالالوان کے قائل ہیں وہ اس طرح کہ اگر خون کا رنگ گاڑھا سیاہ ہے تو اس کو حیض شمار کیا جائے گا اور اس دوران نماز٬ روزہ ترک کر دے اور اگر اس کا رنگ گاڑھے سیاہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو یہ استحاضہ ہو گا۔ اس دوران نماز جاری رکھے مگر اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں تین وجوہ سے۔

① اس حدیث میں جو خون کے رنگ بتائے گئے ہیں وہ بطور قانون کلی کے نہیں بلکہ اکثری ہیں۔ کیونکہ دم حیض سرخ وغیرہ بھی ہوتا ہے۔

۲ یہ حدیث قابل استدلال نہیں ارسال اور اضطراب کی وجہ سے۔

۳ اگر اس حدیث کو بالفرض صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اُس صورت میں یہ اِس پر محمول ہوگی کہ اس سے مراد تمیز ہوگی باعتبار عادت کے کہ مستحاضہ کو جب حیض آئے گا تو حیض کی مدت اس کی عادت ہوگی۔

اور اس دوران خون کا رنگ سیاہ تھا اور استحاضہ کی حالت میں مدت حیض کے اندر اندر اگر خون کا رنگ اس طرح کا ہو تو اس کو دم حیض قرار دیا جائے گا اور جب اس کے ایام عادت گزر جائیں اور خون کا رنگ متغیر ہو جائے تو اب یہ دم حیض شمار نہیں ہوگا بلکہ دم استحاضہ ہوگا۔

مستحاضہ لنگوٹ باندھ لے

(۳/۵۰۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهْرَاقُ الدَّمَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا اُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّيَالِيْ وَالْاَيَّامِ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ يُّصِيْبَهَا الَّذِيْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ۔

(رواه مالك وابوداود والدارمى وروى النسائى معناه)

أخرجه مالك فى الموطا ٦٢/١ حديث رقم ١٠٥ من كتاب الطهارة ـ وأخرجه الشافعى فى مسنده ص ٣١١ ـ وأحمد فى مسنده ٢٩٣/٦ ـ وأخرج ابن ماجة نحوه فى السنن ٢٠٤/١ حديث رقم ٦٢٣ ـ وأخرجه الدارقطنى فى السنن ٢١٧/١ حديث رقم ٥٧ من كتاب الحيض۔ وأخرج أبوداوٗد فى السنن ١٨٧/١ حديث رقم ٢٧٤ ـ وأخرجه الدارمى فى السنن ٢٢١/١ حديث رقم ٧٨٠ ـ والنسائى فى السنن ١١٩/١ حديث رقم ٢٠٨۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کو استحاضہ کا خون آتا تھا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے اس کے متعلق آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو چاہئے کہ وہ غور وفکر کرے کہ استحاضہ سے پہلے اس کو حیض کتنے دن اور رات آتا تھا۔ جب یہ معلوم ہو جائے تو ہر مہینہ میں اتنے دن نماز ترک کر دے جب وہ دن گزر جائیں تو غسل کرلے اور لنگوٹی باندھ کر نماز پڑھ لیا کرے۔ اس حدیث کو امام مالکؒ، امام ابوداودؒ، امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے اور امام نسائیؒ نے بھی اس کے ہم معنی بروایت نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں مستحاضہ کو لنگوٹ باندھنے کا حکم دیا گیا ہے اور مستحاضہ لنگوٹ اس طرح باندھے کہ خون رک جائے اور حتی الوسع اس پر قابو پایا جا سکے۔ اگر لنگوٹ اور احتیاط کے باوجود خون آئے تو اس سے نماز، روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اس حالت میں پڑھی گئی نماز درست ہو جائے گی اور بعد میں اس کی قضاء بھی نہیں ہوگی۔ سلسل بول کے مریض کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

مستحاضہ ایام عادت کے بعد وضو لکل صلوٰۃ کرے

(۴/۵۰۴) وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ جَدُّ عَدِيٍّ اِسْمُهٗ دِيْنَارٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلَاةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُ فِيْهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَتَصُوْمُ وَتُصَلِّيْ۔ (رواه الترمذى وابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۲۰۸ حدیث رقم ۲۹۷۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۲۲۰ حدیث رقم ۱۲۶۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۲۰٤ حدیث رقم ٦۲۵۔وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/ ۲۲۳ حدیث رقم ۷۹۳۔

ترجمہ: حضرت عدی بن ثابت سے منقول ہے کہ ان کے والد اپنے والد یعنی یحیٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں جو کہ عدی کے دادا ہیں اور ان کا نام دینار ہے۔وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ایک مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ جن دنوں میں اس کو عادت کے موافق حیض آتا تھا تو وہ ان دنوں میں اپنے ایام عادت کے مطابق نماز ترک کر دے۔پھر اس کے بعد غسل کرے اور ہر نماز کیلئے جدید وضو کرے اور نماز روزہ جاری رکھے۔اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مستحاضہ وضو لکل صلٰوۃ پر عمل کرے۔مگر اس روایت سے استدلال درست نہیں۔کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے اور ضعیف روایت قابل استدلال نہیں ہوتی اور اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں کل کا مضاف محذوف ہوگا۔تقدیر عبارت ہوگی۔عند وقت کل صلٰوۃ اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے و فتوضا لوقت کل صلٰوۃ۔یعنی مستحاضہ ہر نماز کے وقت کیلئے وضو کرے اور اس وقت میں جو چاہے عبادت کرے۔

مستحاضہ کے لئے دو چیزوں کا حکم

(۵۰۵/۵)وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَاَتَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ اَسْتَفْتِيْهِ وَاُخْبِرُهُ فَوَجَدْتُهُ فِىْ بَيْتِ اُخْتِىْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَمَا تَاْمُرُنِىْ فِيْهَا قَدْ مَنَعَتْنِى الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ قَالَ اَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَاِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَتَلَجَّمِىْ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِىْ ثَوْبًا قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ اِنَّمَا اَثُجُّ ثَجًّا فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ سَاٰمُرُكِ بِاَمْرَيْنِ اَيُّهُمَا صَنَعْتِ اَجْزَاَعَنْكِ مِنَ الْاٰخَرِوَاِنْ قَوِيْتِ عَلَيْهِمَا فَاَنْتِ اَعْلَمُ قَالَ لَهَا اِنَّمَا هٰذِهٖ رَكْضَةٌ مِّنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِىْ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْسَبْعَةَ اَيَّامٍ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اغْتَسِلِىْ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتِ اَنَّكِ قَدْطَهُرْتِ وَاسْتَنْقَاْتِ فَصَلِّىْ ثَلَاثًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً اَوْاَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَاَيَّامَهَا وَصُوْمِىْ فَاِنَّ ذٰلِكَ يُجْزِئُكِ وَكَذٰلِكَ فَافْعَلِىْ كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيْضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيْقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ وَاِنْ قَوِيْتِ عَلٰى اَنْ تُؤَخِّرِيْنَ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِيْنَ الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِيْنَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِيْنَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِىْ وَتَغْتَسِلِيْنَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِىْ وَصُوْمِىْ اِنْ قَدَرْتِ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهٰذَا اَعْجَبُ الْاَمْرَيْنِ اِلَىَّ . (رواه احمد وابوداود والترمذى)

أخرجه أحمد فی مسنده ٦/ ٤۳۹۔وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۱۹۹ حدیث رقم ۲۸۷۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۲۲ حدیث رقم ۱۲۸ وقال حسن صحیح وأخرجه ابن ماجة بالمعنی فی حدیثین فی سننه الأول ۱/ ۲۰۲ حدیث رقم ٦۲۲ والثانی ۱/ ۲۰۵ حدیث رقم ٦۲۷۔

ترجمہ: حضرت حمنہ بنت جحشؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے بہت زیادہ استحاضہ کا خون آتا تھا اس لئے رسول اللہ

کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تاکہ آپ ﷺ کو اس کی خبر دوں اور اس کے بارے میں مسئلہ پوچھوں چنانچہ میں اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر میں رسول اللہ ﷺ سے ملی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے استحاضہ کا خون بہت زیادہ آتا ہے۔ جس نے مجھے نماز' روزہ سے بھی روک رکھا ہے۔ اس کے متعلق آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے کرسف یعنی روئی کو بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ خون کو لے جاتی ہے۔ حضرت حمنہؓ نے کہا وہ زیادہ ہے اس سے نہیں رکے گا آپ ﷺ نے فرمایا پھر روئی لگام کی طرح رکھ کر اوپر لنگوٹ باندھ لو۔ حضرت حمنہؓ نے کہا وہ زیادہ ہے اس سے نہیں رکے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر لنگوٹ کے نیچے ایک اور کپڑا رکھ لو۔ حضرت حمنہؓ نے کہا کہ وہ زیادہ ہے اس سے بھی نہیں رکے گا۔ کیونکہ خون بارش کی دھار کی طرح آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا پھر میں تمہیں دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں ان میں سے تم جس کو بھی اختیار کرلو گی۔ دوسرے کی ضرورت نہیں رہے گی اور اگر تمہیں دونوں پر عمل کی طاقت ہے تو پھر تم خود سمجھ دار ہو یہ زیادہ اجر اور ثواب کا ذریعہ ہے لہٰذا تم اپنی حالت کے مطابق جو چاہو کرو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمنہؓ سے فرمایا استحاضہ شیطان کی لاتوں میں سے ایک لات مارنا ہے لہٰذا تم ہر ماہ چھ یا سات دن تک ایام حیض قرار دے دو اور غیب کا علم اللہ کو ہے۔ اس کے بعد غسل کرلو اور جب تمہیں یقین ہو جائے کہ صاف ہوگئی ہو تو تیئس (۲۳) رات دن جب کہ ایام حیض سات ہوں یا چوبیس (۲۴) رات دن جب کہ ایام حیض چھ ہوں نماز پڑھتی رہا کرو اور رمضان کے روزے بھی رکھتی رہا کرو۔ چنانچہ عورتیں جس طرح اپنی اپنی مدت حیض میں ہوتی ہیں اور پھر وقت پر پاک ہوتی ہیں تم بھی ہر مہینہ اسی طرح کرتی رہا کرو اور تمہارے لئے یہ کافی ہوگا اور اگر تمہارے اندر اتنی طاقت ہو کہ ظہر کا وقت اخیر کر کے اس میں غسل کرلو اور عصر کو جلدی کر کے دونوں کو جمع کرلو اور پھر مغرب کا وقت اخیر کر کے اس میں غسل کرلو اور عشاء کو جلدی کر کے دونوں کو جمع کرلو اور فجر کے لئے علیحدہ غسل کرلو۔ تو اسی طرح کرلیا کرو اور روزے بھی رکھ لیا کرو۔ اگر تمہارے اندر اس کی ہمت اور قدرت ہو تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان دو چیزوں میں سے دوسرا امر مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ' امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دم استحاضہ کی نسبت شیطان کی طرف کی ہے کہ یہ شیطان کی لاتوں میں سے ایک لات مارنا ہے اگرچہ دم استحاضہ کا مرض کی وجہ سے آنا معتاد ہے اور شیطان کی طرف نسبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں شیطان کو عبادت کے اندر خلل اندازی کا موقع فراہم ہو جاتا ہے وہ اس سے استفادہ کرتے ہوئے طہارت اور نماز میں فساد کا بیج بو دیتا ہے اور اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر حمنہ بنت جحشؓ کو جن دو چیزوں کا حکم دیا ہے۔ وہ اس لئے تاکہ شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حکم اول: ان میں سے ایک حکم تو یہ ہے کہ تم ہر مہینہ میں چھ یا سات دن حیض کے شمار کرو اور ان دنوں میں نماز' روزہ کو ترک کردو۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حمنہ معتادہ تھیں اور وہ اپنے ایام حیض کی تعداد کو بھول گئی تھیں یہ یاد تھا کہ میرے حیض کے ایام چھ ہیں یا سات ہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے غور و فکر کے ساتھ ایام حیض مقرر کرلو۔ چھ یا سات دنوں میں سے ایک عدد متعین کردو اور اپنے ایام حیض کے اندر نماز' روزہ ترک کردو۔ باقی ۲۳ یا ۲۴ دن غسل لکل صلوٰۃ پر عمل کرو۔ فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ: اس جملہ کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے غلبہ ظن کے مطابق چھ یا سات دن ایام حیض کے شمار کرو۔ مگر اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ ہی ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ او ستۃ ایام میں او تشکیک کے لئے ہے۔ اس صورت میں فی علم اللہ راوی کا قول ہوگا نہ کہ رسول اللہ

ﷺ کا اور یہ واللہ اعلم کے معنی میں ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے ستۃ ایام یا سبعۃ ایام فرمایا اور یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

حکم ثانی: دوسرا حکم یہ دیا کہ دو نمازوں کو ایک غسل کے ساتھ جمع کرو۔ وہ اس طرح کہ ایک نماز کو مؤخر کر کے اخیر وقت میں غسل کرو اور نماز پڑھو اور دوسری نماز کو جلدی کر کے شروع میں پڑھ لو۔ مثلاً نماز ظہر کو آخر وقت میں ادا کیا جائے اور نماز عصر کو شروع میں ادا کیا جائے۔ اسی طرح نماز مغرب کو آخر وقت میں ادا کیا جائے اور نماز عشاء کو شروع وقت میں ادا کیا جائے اور اسی طرح فجر کے لئے مستقل غسل کر کے اس کو ادا کیا جائے۔ اس صورت میں جمع بین الصلوٰتین صوری ہوگا نہ کہ حقیقی یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک یہاں جمع بین الصلوٰتین بغسل واحد سے مراد جمع حقیقی ہے وہ اس طرح کہ ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ عصر کے وقت میں پڑھ لیا جائے اور نماز مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں نماز عشاء کے ساتھ پڑھ لیا جائے یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے اور ان کے نزدیک مسافر کو بھی اس طرح جمع بین الصلوٰتین کرنے کی رخصت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دوسرے حکم کے مطابق روزانہ تین غسل ہوں گے۔ ایک ظہر اور عصر کے لئے ہوگا۔ دوسرا مغرب اور عشاء کے لئے ہوگا۔ تیسرا فجر کے لئے ہوگا۔

حکم اولیٰ اگرچہ صراحۃً اس حدیث میں ذکر نہیں کیا گیا مگر اِنْ قَوِیْتِ عَلٰی اَنْ تُؤَخِّرِیْنَ ...... سے بطور اشارۃ النص کے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس عبارت سے مسئلہ پوچھنے والی خاتون کا غسل لکل صلوٰۃ سے عاجز ہونا معلوم ہوتا ہے یہی فرماتے ہیں حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔

الفصل الثالث:

(۶/۵۰۶) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِیْ حُبَیْشٍ اُسْتُحِیْضَتْ مُنْذُ کَذَا وَکَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَامِنَ الشَّیْطَانِ لِتَجْلِسْ فِیْ مِرْکَنٍ فَاِذَا رَاَتْ صَفَارَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلُ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّتَوَضَّأُ فِیْمَا بَیْنَ ذٰلِكَ (رواہ ابوداود وقال روی مجاهد عن ابن عباس) لَمَّا اشْتَدَّ عَلَیْهَا الْغُسْلُ اَمَرَهَا اَنْ تَجْمَعَ بَیْنَ الصَّلَاتَیْنِ.

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۱/۲۰۷ حدیث رقم ۲۹۶۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کو اتنی مدت سے استحاضہ آ رہا ہے اور اس دم حیض کے خیال سے نماز روزہ ترک کر دیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ نماز روزہ کو ترک کرنا تو شیطانی اثر ہے اس کو چاہئے کہ ایک ٹب میں پانی بھر کر اس میں بیٹھ جائے۔ جس وقت پانی پر زردی معلوم ہونے لگے تو ظہر اور عصر کیلئے ایک غسل کرے۔ مغرب اور عشاء کیلئے ایک غسل کرلے اور فجر کیلئے علیحدہ ایک غسل کرلے اور جب ضرورت ہو تو درمیان میں وضو کرلے۔ اس روایت کو امام ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ مرکن۔ بڑے ٹب کو کہتے ہیں اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ غسل کے لئے ایک بڑے ٹب میں بیٹھ جائے یا اس سے مراد یہ ہے کہ ظہر کا آخر وقت اور عصر کا اول وقت معلوم کرنے کے لئے ایک بڑے ٹب کے پاس بیٹھ جائے اور پانی کے اوپر سورج کی زردی نمودار ہو جائے یعنی ظہر کا آخر وقت اور عصر کا اول وقت ہو جائے تو غسل کر کے دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرلے۔ ظہر اور عصر کے درمیان وضو بھی کرے اسی طرح مغرب اور عشاء کے درمیان بھی وضو کرے۔

كِتَابُ الصَّلٰوةِ

نماز کا بیان

اس سے پہلے طہارت کا بیان تھا اب یہاں سے نماز کا بیان شروع ہوگیا۔ کیونکہ طہارت بمنزلہ شرط کے اور نماز بمنزلہ مشروط کے ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے اس لئے طہارت کے بعد نماز کو ذکر کیا ہے۔

معنی صلٰوۃ: صلٰوۃ کا لغوی معنی ہے دعا اور شریعت کی اصطلاح میں صلٰوۃ کی تعریف یہ ہے:۔ ھی ارکان معلومة وافعال مخصوصة فی اوقات مخصوصة بکیفیة مخصوصة۔

یعنی اوقات مخصوصہ میں مخصوص کیفیت کے ساتھ مخصوص افعال کو ادا کرنے کا نام نماز ہے۔

وجہ تسمیہ: صلٰوۃ کی وجہ تسمیہ میں علماء کے چند اقوال ہیں:

① صلٰوۃ کا لغوی معنی ہے دعا اور نماز کو بھی صلٰوۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں دعا کی جاتی ہے۔

② صلٰوۃ کا لغوی معنی ہے دعائے رحمت اور استغفار اور نماز کو بھی صلٰوۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں دعا اور استغفار ہوتی ہے اور یہ رحمت کا ذریعہ ہے۔

③ صلٰوۃ لغت میں تحریک الصلوین کو کہتے ہیں یعنی دونوں چوتڑوں کو حرکت دینا اور نماز کو بھی صلٰوۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں نمازی اپنی رانوں کو حرکت دیتا ہے۔

④ یہ ماخوذ ہے صلی الفرس کے مقولہ سے کیونکہ گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں جو گھوڑا آگے ہوتا ہے اس کو مجلی کہتے ہیں اور اس کے پیچھے اس کی رانوں سے متصل جو گھوڑا ہوتا ہے اس کو مصلی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا سر آگے والے گھوڑے کی رانوں کے ساتھ ہوتا ہے اور نمازی بھی جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو یہی کیفیت ہوتی ہے۔

⑤ صلٰوۃ مشتق اور ماخوذ ہے صلی یصلی باب علم یعلم سے اس کا معنی ہے کسی چیز کا آگ میں ڈالنا اور جلانا اور نماز کو بھی صلٰوۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ نمازی کے گناہ ختم کر کے اس کو سیدھا کر دیتی ہے۔

نماز کی فضیلت: قرآن وسنت میں نماز کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن میں تمام عبادات اور احکام میں سے جس قدر کثرت کے ساتھ نماز کا ذکر ہے اتنا کثرت کے ساتھ اور کسی عبادت کا ذکر نہیں ہے اور نماز کے ترک پر بہت زیادہ وعیدیں ذکر کی گئی ہیں نماز

ایمان اور کفر کے درمیان امتیاز کی حیثیت رکھتی ہے حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو جاتا لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی ایک امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ جس کی ادائیگی سے زمین و آسمان اور پہاڑ بھی ڈر گئے تھے اور اس امانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اور نماز سابقہ امتوں پر بھی فرض ہوئی مگر پانچ نمازیں امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

فجر کی نماز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے پڑھی جب ان کی دعا قبول ہوئی اور ظہر کی نماز سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پڑھی جب کہ ذبح اسماعیل کے بدلہ میں فدیہ کیا گیا اور عصر کی نماز سب سے پہلے حضرت عزیر علیہ السلام نے پڑھی جب انھیں سو سال کے بعد زندہ کر کے اٹھایا گیا اور مغرب کی نماز سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے پڑھی جب کہ ان کی توبہ قبول ہوئی اور عشاء کی نماز سب سے پہلے امت محمدیہ نے پڑھی۔ یہ نماز اس سے پہلے کسی امت نے نہیں پڑھی۔

الفصل الاول:

نماز گناہوں کے لئے کفارہ ہے

(۱/۵۰۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲۰۹/۱ حدیث رقم (۱۶-۲۳۳)۔ وأخرجه الترمذی فی السنن من غیر رمضان ۴۱۸/۱ حدیث رقم ۴۱۸۔ وأخرجه أحمد فی مسنده ۳۵۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہے۔ جب کہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اشیاء ثلاثہ کو گناہوں کے لئے مکفرات بتایا گیا ہے: ① صلوات خمسہ ② جمعہ ③ رمضان۔

مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ پانچ نمازوں کے درمیان جو گناہ کیے جائیں وہ ان نمازوں کی ادائیگی سے معاف ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد جو گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ دوسرے جمعہ کی ادائیگی سے معاف ہو جاتے ہیں اسی طرح ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے درمیان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ان الحسنات یذھبن السیئات۔

کہ اعمال صالحہ گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں۔

سوال: اگر پانچ نمازوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو پھر جمعہ اور نماز کے کفارہ بننے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: شیٔ کی دو قسمیں ہیں مفرد اور مرکب۔ مفرد کا خاصہ الگ ہوتا ہے اور مرکب کا الگ۔ پانچ نمازیں بمنزلہ مفرد کے ہیں گناہوں کی معافی میں ان کا خاصہ الگ ہوگا اور جمعہ بمنزلہ مرکب کے ہے اس کا خاصہ الگ ہوگا یا پانچ نمازوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور جمعہ اور رمضان سے درجات بلند ہوتے ہیں یا ان میں سے کسی کے اندر اگر کوئی تقصیر اور کوتاہی ہو جائے تو شیٔ ثانی گناہوں کے لئے کفارہ بن جائے گی۔ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ: بظاہر اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء ثلاثہ سے صغائر کی معافی کبائر سے اجتناب کے ساتھ مشروط ہے۔

کیا صغائر کی معافی کے لئے کبائر سے اجتناب ضروری ہے۔

اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ اس کی تین صورتیں ہیں:

① کسی آدمی کے صرف صغائر گناہ ہوں کبائر بالکل نہ ہوں تو اس صورت میں بالاتفاق اس کے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

② کسی آدمی کے صرف کبائر گناہ ہوں۔صغائر نہ ہوں تو اس صورت میں بالاتفاق گناہ توبہ سے معاف ہوں گے۔ الا ماشاء اللہ۔

③ کسی آدمی کے صغائر اور کبائر دونوں قسم کے گناہ ہوں اس میں اختلاف ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک صغائر کی معافی کے لئے اجتناب عن الکبائر شرط نہیں ہے کیونکہ احادیث میں مطلق معافی کا ذکر ہے بغیر کسی شرط کے اور معتزلہ کے نزدیک اس صورت میں صغائر کی معافی کے لئے اجتناب عن الکبائر شرط ہے اور ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے مگر ہمارے نزدیک **اذا اجتنبت الکبائر**۔کا جملہ محل استثناء میں واقع ہے۔یہ ماقبل کے لئے شرط نہیں ہے۔

پانچ نمازوں کی مثال

(۲/۵۰۸)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرَاَیْتُمْ لَوْاَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يُبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۱/۲ حديث رقم ۵۲۸ ـ وأخرجه مسلم في صحيحه ٤٦٢/۱ حديث رقم (۲۸۳ـ٦٦۷). وأخرجه الترمذي في السنن ۱۳۹/۵ حديث رقم ۲۸٦۸ ـ وأخرجه النسائي في السنن ۲۳۰/۱ حديث رقم ٤٦۲ ـ وأخرجه الدارمي في السنن ۲۸۳/۱ حديث رقم ۱۱۸۳ ـ وأخرج احمد في مسنده ۳۷۹/۲ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے سامنے سے نہر چل رہی ہو اور وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے۔کیا اس کے جسم پر ذرہ برابر کوئی میل کچیل باقی رہ سکتی ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ نہیں ۔یعنی میل کچیل بالکل باقی نہیں رہے گی۔تو آپ ﷺ نے فرمایا یہی مثال ہے پانچ نمازوں کی۔کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کی وجہ سے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں گناہوں کو جسم کی میل کچیل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور پانچ نمازوں کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے معنی یہ ہوگا کہ جس طرح ظاہری جسم کی میل کچیل کا ازالہ پانی کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح باطنی نجاست اور گناہوں کا ازالہ نمازوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

نماز سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں

(۳/۵۰۹)وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنَ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَاَخْبَرَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِيْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ اُمَّتِيْ ۔(متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۸/۲ حديث رقم ۵۲٦ وأخرجه مسلم في صحيحه ۲۱۱۵/٤ حديث رقم (۳۹ـ۲۷٦۳) ـ وأخرجه الترمذي في السنن ۲۷۲/۵ حديث رقم ۳۱۱۵ ـ وأخرجه أحمد في مسنده ۳۸۵/۱ـ۳۸٦ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے کسی غیر عورت کا بوسہ لے لیا۔ پھر احساس ندامت سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ کی خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ وحی کے منتظر رہے اسی دوران اس آدمی نے نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ کہ نماز قائم کرو دن کے دو کناروں میں اور رات کی گھڑیوں میں کیونکہ نمازیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

تشریح ۞ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس آدمی نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول یہ حکم میرے لئے خاص ہے یا پوری امت کے لئے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ حکم پوری امت کے لئے ہے۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے جو شخص بھی اس آیت پر عمل کرے اس کے لئے یہی حکم ہے۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں جس آدمی کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے اس کا نام ابوالیسیر تھا۔ یہ کھجوروں کے تاجر تھے ایک انصاری خاتون ان کے پاس کھجوریں لینے کے لئے آئی اور اس آدمی کو وہ عورت بہت پسند آئی اس نے کہا کہ میرے گھر میں اس سے اعلیٰ اور عمدہ قسم کی کھجوریں ہیں۔ جب وہ خاتون گھر کے اندر آئی تو اس کو بوس وکنار کیا اور گلے لگایا۔ اس خاتون نے کہا۔ اللہ سے ڈر۔ یہ کیا کر رہے ہو یہ آدمی اپنے اس فعل پر بہت نادم اور فکر مند ہوا۔ اس کی ملاقات اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ سے ہوگئی ان کے سامنے اپنی ناشائستہ حرکت کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا توبہ کرو۔ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا مگر اس کو شرمساری زیادہ تھی مطمئن نہ ہوا بالآخر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا تمام واقعہ سنایا اور اس پر مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ طَرَفَيِ النَّهَارِ: ایک قول کے مطابق طرف اول سے مراد فجر اور ظہر ہے اور طرف ثانی سے مراد عصر اور مغرب ہے اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ سے مراد عشاء کی نماز ہے۔

دوسرے قول کے مطابق طرف اول سے مراد فجر ہے اور طرف ثانی سے مراد ظہر اور عصر ہے اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے مراد مغرب اور عشاء ہیں۔

گناہ کے ارتکاب کے بعد فکر مند ہونا

(۴/۵۱۰) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْاَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلٰوةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَلَكَ ذَنْبَكَ اَوْحَدَّكَ . (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ١٣٣/١٢حديث رقم ٦٨٢٣۔ واخرجه مسلم في صحيحه ٢١١٧/٤حديث رقم (٤٥۔٢٧٦٥)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس کی وجہ سے حد واجب ہے۔ اس لئے آپ میرے اوپر حد جاری کریں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حد کے متعلق کچھ دریافت نہیں کیا اور نماز کا وقت ہو گیا۔ اس آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے۔ تو وہ آدمی کھڑا ہوا اور پھر عرض کیا۔ اے اللہ

کے رسول مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس پر حد واجب ہے۔اس لئے آپ ﷺ مجھ پر اللہ کا حکم جاری کریں آپ ﷺ نے فرمایا کیا آپ نے ابھی ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔اس نے عرض کیا جی ہاں پڑھی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری خطا یا فرمایا حد معاف کر دی ہے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں اَصَبْتُ حَدًّا کے جملہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو گیا تھا جس پر حد واجب تھی مثلاً زنا' چوری وغیرہ۔کیونکہ حد اس سزا کو کہتے ہیں کہ جو کسی جرم پر شریعت کی جانب سے مقرر کی گئی ہو۔

اشکال اور اس کا حل: اس آدمی نے جب خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو کہ مستوجب حد ہے۔تو اصولاً اس پر حد جاری کی جانی چاہیے تھی حالانکہ آپ نے نماز کے ذریعہ اس کی بخشش کا اعلان کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آدمی نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا وہ کبیرہ نہیں تھا اس نے خود کبیرہ ہونے کا خیال کر لیا تھا کیونکہ جس قدر کسی شخص میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اسی قدر وہ گناہ کو بڑا خیال کرتا ہے ثانیاً۔یہ کہ اس آدمی نے موجب تعزیز گناہ کو موجب حد سمجھ لیا تھا۔

سب سے افضل عمل کونسا ہے؟

(۵/۵۱۱)وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِھِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ. (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹/۲حدیث رقم ۵۲۷۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۹۰/۱حدیث رقم (۱۳۹۔۸۵) وأخرج الترمذی مثله فی السنن ۳۲۵/۱حدیث ۱۷۳۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲۹۲/۱حدیث رقم ۶۱۰وأخرج أحمد فی مسنده ۴۰۹/۱۔۴۰۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا۔میں نے کہا پھر کونسا عمل افضل ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل افضل ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے یہی باتیں بیان فرمائی تھیں۔اگر میں اس سے زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ اس سے زیادہ بتاتے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں تین چیزوں کو افضل الاعمال بتایا گیا ہے۔① وقت پر نماز پڑھنا مراد اس سے وقت مستحب ہے۔② والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا انکی خدمت کرنا اور ان کے ساتھ خوش اسلوبی کا معاملہ کرنا۔③ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

نماز کفر اور ایمان کے درمیان فرق ہے

(۶/۵۱۲)وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی الصحیح ۸۸/۱ حدیث رقم (۱۳۴۔۸۲)ولفظه "بین الرجل والشرك والکفر ترك الصلاة" وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۵۸/۵حدیث رقم ۴۶۷۸ولفظه کلفظ المشکاة۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱۴/۵حدیث رقم ۲۶۱۸۔ولیس فی أصل سنن النسائی إلا أن الشیخ عبد الفتاح أبو غدة وضعه فی الحاشیة و رقمه برقم ۲۳۲/۱۴۶۴ وهو زیادة من نسخة لدیه ۔ وأخرجه ابن ماجة بلفظه فی السنن ۳۴۲/۱حدیث رقم ۱۰۷۸ وأخرجه أحمد فی مسنده ۳۷۰/۳۔وقد رواه هؤلاء بالفاظ مختلفة (راجع المرقاة)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کو چھوڑنا بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان فرق ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں لفظ بین ظرف ہے اس کا متعلق محذوف ہے لفظ وصلۃ۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ترك الصلوٰة وصلة بين العبد المسلم وبين الكفر۔ معنی یہ ہوگا کہ مؤمن بندہ اور کفر کے درمیان نماز بمنزلہ ایک جدار کے ہے کہ انسان اس کی وجہ سے کفر تک نہیں پہنچ سکتا اور جب نماز کو چھوڑ دیا گیا تو گویا کہ درمیان کی رکاوٹ کو زائل کر دیا تو تارک صلوٰۃ مؤمن کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے الغرض حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث میں تارک صلوٰۃ مؤمن کے لئے شدید وعید ذکر کی گئی ہے۔

اور اس میں اشارہ ہے کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ تارک صلوٰۃ مؤمن کافر ہو جائے۔ کیونکہ جب اس نے اسلام اور کفر کے درمیان کی رکاوٹ اور جدار کو ختم کر دیا تو اب کفر تک رسائی میں کونسی دیر لگے گی۔ ترک صلوٰۃ کی وجہ سے دل زنگ آلود ہو جائے گا اس کی وجہ سے انسان کا میلان اعمال صالحہ کی طرف نہیں ہوگا بلکہ فسق و فجور کی طرف ہوگا۔

اور نماز ترک کرنے والے کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

اہل ظواہر کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تارک صلوٰۃ اگرچہ کافر تو نہیں ہوتا مگر وہ اس قابل ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تارک صلوٰۃ کو اس وقت تک قید میں ڈال دیا جائے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے اور نماز کا پابند نہ ہو جائے۔

الفصل الثانی:

نماز پڑھنا بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے

(۵۱۳/۷) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْئَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ.

(رواه احمد ابوداود وروى مالك والنسائى)

أخرجه أحمد فى مسنده ٥ /٣١٧۔وأخرجه أبوداؤد فى السنن ١/ ٢٩٥حديث رقم ٤٢٥۔وأخرج نحوه : مالك فى الموطا١/١٣٢الحديث ١٤من كتاب صلاة الليل۔والنسائى فى السنن ١/ ٢٣٠حديث رقم ٤٦١۔وابن ماجة فى السنن ١/ ٤٤٩حديث رقم ١٤٠١۔والدارمى فى السنن ١/ ٤٤٦حديث رقم ١٥٧٧۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے پانچ نمازوں کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ اچھی طرح وضو کر کے ان کو وقت پر پڑھا۔ رکوع اور خشوع کی پوری رعایت رکھی تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ کا ذمہ ہے کہ اس کے گناہ بخش دے گا اور جس نے ایسا نہ کیا اللہ تعالیٰ کی کوئی ذمہ داری نہیں چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے امام مالکؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اس کے مثل روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اہل السنّت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر لازم اور ضروری نہیں کہ اس کو سزا دے۔ بلکہ اس کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو

معاف کردے اور چاہے تو سزا دے۔
اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہے گا بلکہ سزا یافتہ ہونے کے بعد جہنم سے خارج ہو کر جنت میں داخل ہو گا مگر خوارج اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ مرتکب کبیرہ کو سزا دے۔

چار اعمال پر جنت کی بشارت

(۸/۵۱۴) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ وَاَطِيْعُوْا ذَا اَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ (رواہ احمد والترمذی)

أخرجه أحمد في المسند ٥/ ٢٥١۔ وأخرجه الترمذي في السنن ٢/ ٥١٦ حديث رقم ٦١٦ وقال حسن صحيح۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ اپنے مہینے رمضان المبارک کے روزے رکھو۔ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حکمران کی اطاعت کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں چار اعمال کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ان پر عمل کرو گے۔ تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

① پانچ نمازیں ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے رات اور دن میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور پانچ نمازوں کی فرضیت کی خصوصیت امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے اور اس حدیث میں ان اعمال کی اضافت امت کے افراد کی طرف کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعمال اپنی کیفیات کے ساتھ اس امت کے ساتھ خاص ہیں اس خصوصیت کی وجہ سے یہ امت دیگر امتوں سے ممتاز ہے۔

② رمضان المبارک کے روزہ رکھنا اگرچہ روزہ دیگر امتوں کے لئے بھی فرض تھا مگر امت محمدیہ کے لئے اس کی فرضیت خصوصی فضیلت کے ساتھ ہے۔

③ زکوٰۃ ادا کرنا یعنی شرعی ضابطہ اور قانون کے مطابق سنت کی پوری رعایت رکھتے ہوئے ادا کرنا۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی فرضیت رمضان کی فرضیت کے بعد نازل ہوئی اسی وجہ سے اس حدیث میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو رمضان کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ مگر جمہور ائمہ کی تحقیق یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم اجمالاً ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا یہی وجہ ہے کہ مکی سورتوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا ذکر ہے۔
نصاب کی تفصیل کا حکم مدنی دور میں نازل ہوا۔

④ صاحب امر کی اطاعت کرنا اب یہ کہ صاحب امر سے کون مراد ہے؟ ایک قول کے مطابق اس سے مراد وقت کا حکمران ہے مطلب یہ ہو گا کہ مسلمان اپنے حکمران کی اطاعت کریں لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے۔ کہ اس حکمران کا کوئی حکم قرآن وسنت کے خلاف نہ۔ دوسرے قول کے مطابق صاحب امر سے مراد علماء ہیں معنی ہو گا۔ کہ جب علماء حق قرآن وسنت کے مطابق کسی چیز کا حکم دیں تو ان کی اطاعت کرو جب ان چار اعمال کو شریعت کی منشا اور مزاج کے مطابق ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تیار کی ہوئی نعمتوں والی جنت میں داخلہ نصیب ہو گا۔

اولاد کو نماز کا حکم دو

(۹/۵۱۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ ۔ (رواہ

ابو داوٗد و کَذَا رَوَاہ فِیْ شَرح السنة وَعَنْهُ فِی الْمَصَابِیْحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنَ مَعْبَدٍ)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۳۳٤حدیث ٤٩٥۔وأخرج الترمذی إلی "......عشر سنین" فی السنن ۲/۲۵۹ حدیث رقم ٤٠٨وقال حسن صحیح۔

ترجمہ: حضرت عمروؓ بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" جب تمہاری اولاد سات سال کی ہو جائے تو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز چھوڑنے پر انہیں مارو نیز ان کے بستر الگ کر دو" اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ نے روایت ہے اسی طرح شرح السنہ میں عمرو بن شعیب سے اور مصابیح میں سبرہ بن معبد سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنی اولاد کو شروع سے نماز پڑھنے کی عادت ڈالو بعد میں ان کو نمازی بنانا مشکل ہو جائے گا اور یہ حکم لڑکوں اور لڑکیوں دونوں سے متعلق ہے اور اس مین اولاد کو نمازی بنانے کی تربیت دی گئی ہے کہ جب اولاد سات سال کی ہو جائے تو اس کی ذہن سازی کر کے نماز کی طرف راغب کیا جائے اور سات سال کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس عمر میں انسان میں قوت وصلاحیت کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسرے سات سال پورے ہوں گے تو اس کے بعد قوت وصلاحیت کے اعتبار سے ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے اور وہ بلوغت کا دور ہے جب اس عمر میں بچے کو نماز کی عادت ہو جائے گی تو اب اس کا دین کے قریب ہونا آسان ہوتا چلا جائے گا اور اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ دس سال کی عمر میں نماز میں کوتاہی ہو تو پھر ضروری تنبیہ کی جائے۔

اور دس سال کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ یہ پہلی دہائی ہے اس عمر میں بچے میں ایک نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور بلوغت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حکم میں معمولی سختی ہوگئی اور یہ تربیت بھی دی گئی کہ اس عمر میں بچوں اور بچیوں کے بستر الگ کر دیے جائیں یہ اصلاح معاشرہ کا عملی طور پر پہلا سبق ہے اور احکام شرعیہ کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد اور اس حدیث میں ان دونوں کا ذکر کر دیا گیا۔ پہلے حکم کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور دوسرے حکم کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

نماز سے منافق کی جان اور مال محفوظ ہو جاتے ہیں

(۱۰/۵۱۶)وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَهْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَکَهَا فَقَدْ کَفَرَ۔

(رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجه أحمد فی المسند ٥/٣٤٦۔وأخرجه الترمذی فی السنن ٥/١٥ حدیث رقم ٢٦٢١ وقال حسن صحیح غریب۔ وأخرجه النسائی فی السنن ١/٢٣١ حدیث رقم ٤٦٣۔وأخرجه ابن ماجة فی سننه ١/٣٤٢حدیث ١٠٧٩۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمارے اور منافقین کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے لہٰذا جس نے نماز کو چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔ اس حدیث کو امام احمد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز سے منافق آدمی کی جان اور مال دونوں کا تحفظ ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ مسلمین اور منافقین کے درمیان جان اور مال کے تحفظ کا ایک معاہدہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقین ظاہر طور پر شریعت کے تابع ہو کر مسلمانوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا ادا کرنا یہ اسلام کے قریب کرتا ہے اور نماز کو چھوڑنا کفر کے قریب کرتا ہے۔ کیونکہ منافقین عقیدے کے اعتبار سے پہلے کافر ہے اور نماز پڑھنے کی وجہ سے ان کے کفر پر پردہ ہے۔ اگر نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے تو

وہ پردہ اٹھ جائے گا۔ اس حدیث میں فَقَدْ کَفَرَ کا جملہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ منافق نے نماز چھوڑ کر اپنا کفر ظاہر کر دیا اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے منافقین کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے سے مجھے منع کر دیا گیا ہے۔

الفصل الثالث:

نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

(۱۱/۵۱۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ عَالَجْتُ امْرَاَةً فِیْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَاِنِّیْ اَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُوْنَ اَنْ اَمَسَّهَا فَاَنَا هٰذَا فَاقْضِ فِیْ مَاشِئْتَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللّٰهُ لَوْسَتَرْتَ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرُدَّ النَّبِیُّ ﷺ شَيْئًا فَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَاَتْبَعَهُ النَّبِیُّ ﷺ رَجُلًا فَدَعَاهُ وَتَلَا عَلَيْهِ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ يَانَبِیَّ اللّٰهِ هٰذَا لَهٗ خَاصَّةً؟ فَقَالَ بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً. (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ٤/٢١١٦ حدیث رقم (٤٢-٢٧٦٣)۔ واخرجه ابوداوٗد فی السنن ٤/٦١١ حدیث رقم ٤٤٦٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مدینہ کے کنارے میں میں نے ایک عورت کو اپنے گلے سے لگا کر سوائے جماع کے سب کچھ کر لیا ہے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں آپ جو چاہیں میرے بارے میں فیصلہ کریں حضرت عمرؓ نے اس آدمی سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری پردہ پوشی کی تھی اگر تم بھی اپنے عیب پر پردہ ڈال لیتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ آدمی اٹھ کر چلا گیا پھر آپ ﷺ نے اسے بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جو اسے بلا کر لے آیا آپ ﷺ نے اس کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ۔ کہ دن کے دونوں نہاروں اور رات کی کچھ گھڑیوں، میں نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور یہ نصیحت نصیحت ماننے والوں کے لئے ہے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ حکم صرف اسی آدمی کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ سب آدمیوں کے لیے یہی حکم ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس طرح کی حدیث اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے جس میں ابوالیسیر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ میں اول نہار سے مراد نماز فجر ہے آخر النہار سے مراد ظہر وعصر کی نمازیں ہیں اور زُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ۔ سے مغرب وعشاء کی نمازیں مراد ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک یہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں اور امکان ہے کہ یہ آیت کریمہ دوسرے واقعہ میں بھی نازل ہوئی ہو لیکن یہ درست نہیں کیونکہ واقعات کا تعدد نزول کے تعدد کو مستلزم نہیں آیت کا نزول پہلے واقعہ میں ہوا اور دوسرے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے بطور تائید آیت کی تلاوت کی۔

نماز سے گناہ معاف ہونے کی مثال

(۱۲/۵۱۸) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ

فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلاَةَ يُرِيْدُبِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتَ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتَ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ. (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ١٧٩/٥۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سردیوں کے موسم میں جب کہ درختوں سے پتے گرنے کا موسم تھا باہر تشریف لے گئے آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں۔ راوی کہتے ہیں آپ ﷺ نے ان دونوں کو حرکت دی تو پتے گرنے لگے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذرؓ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب مؤمن بندہ خالصۃً اللہ کی رضا کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے گر رہے ہیں۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کی وجہ سے صغیرہ گناہوں کے ساقط اور زائل ہو جانے کو ایک مثال سے واضح کیا ہے کہ آپ سردیوں کے زمانہ میں جس وقت معمولی حرکت سے یا ہوا کے جھونکے سے پتے گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخوں کو پکڑ کر حرکت دی بہت تیزی اور کثرت سے پتے گرنا شروع ہو گئے آپ ﷺ نے ابوذر ؓ کو اپنی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ جو آدمی خالصۃً اللہ کی رضا کے لئے نماز قائم کرے اس سے ریاکاری شہرت یا اس کے علاوہ کوئی دوسری غرض نہ ہو تو نماز پڑھنے کی وجہ سے اس کے گناہ اس طرح گر جاتے ہیں جس طرح تم نے یہ پتے گرتے ہوئے دیکھ لئے۔

خصوصی نماز

(۱۳/۵۱۹) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَايَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ١٩٤/٥۔

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے دو رکعت نماز پڑھی کہ ان دو رکعتوں میں غفلت نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کے پہلے گناہ معاف فرما دے گا۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خاص قسم کی دو رکعتوں سے گناہوں کے معاف ہو جانے کا ذکر کیا ہے۔ یہاں "سَجْدَتَيْن" سے مراد دو رکعتیں ہیں گویا جزو کا ذکر کر کے کل کو مراد لیا اور یہ کل ہے کہ اگر کسی آدمی نے مکمل توجہ کے ساتھ بغیر غفلت کے حضور قلبی سے دو رکعت نماز ادا کی یعنی ایسی دو رکعتیں کہ جن میں غیر اللہ کا خیال بالکل نہ آئے اس سے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بے نماز فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا

(۱۴/۵۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ ذَكَرَ الصَّلاَةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهٗ نُوْرًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ. (رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

أخرجه أحمد في مسنده ١٦٩/٢۔ والدارمي في السنن ٣٩٠/٢ حديث رقم ٢٧٢١۔ وأخرجه البيهقي في شعب الايمان

٤٦/٣ حدیث رقم ٢٨٢٣۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کی فضیلت کا ذکر کیا چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی نماز پابندی سے پڑھتا ہے تو یہ نماز اس کے لئے قیامت کے دن روشن دلیل اور نجات ہو گی اور جس نے نماز پابندی کے ساتھ ادا نہ کی تو اس کے لئے قیامت کے دن روشن دلیل اور نجات نہیں ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام دارمی نے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بے نمازی کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ کہ جو انسان اس دنیا میں نماز کی حفاظت کرے۔ یعنی نماز کے واجبات فرائض، سنن اور آداب کی رعایت رکھ کر پابندی سے نماز ادا کرتا ہے تو اس کے تین ثمرات بیان کئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ نماز اس کے لئے حشر میں روشنی اور مشعل کا ذریعہ ہوگی۔

دوم یہ کہ نماز اس کے ایمان کی واضح دلیل ہوگی۔

سوم یہ کہ نماز سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جس انسان نے نماز کی محافظت نہ کی ایسا انسان آخرت میں قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا یعنی جس طرح وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے اسی طرح یہ بھی عذاب میں گرفتار ہوگا۔

تو رسول اللہ ﷺ نے بے نمازی کو ان چار ملعون اشخاص کا ساتھی قرار دیا۔

① قارُون: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں تھا اور آپ علیہ السلام کا رشتہ دار تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے مال کا حق ادا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے مال کے سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

② فِرعَون: یہ مشہور ملعون شخصیت ہے جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل پر بہت ظلم کیا بالآخر اس کو اللہ تعالیٰ نے بحر قلزم میں غرق کیا۔

③ ھَامَان: یہ فرعون کا خاص وزیر اور مشیر تھا اور شیطان صفت تھا۔ فرعون نے اس کو بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے الہ کو دیکھ سکوں بالآخر یہ بھی فرعون کے ساتھ غرق ہوا۔ ④ اُبَیّ بن خَلَف: یہ مکہ کا مشہور کافر تھا اس نے مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو بہت اذیت دی اور پھر آپ ﷺ کے خلاف لڑنے کے لئے کفار کی فوج میں شامل ہو کر مدینہ آیا اور غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی غرض سے پیش قدمی کی۔ آپ ﷺ نے نیزہ مارا اور یہ بدبخت واصل جہنم ہوا اس حدیث مبارک سے اندازہ ہوتا ہے کہ بے نمازی کا انجام بہت برا ہوگا اور ان چار اشخاص کا ذکر کر کے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ کبھی انسان بادشاہت کے نشے میں نماز چھوڑتا ہے کبھی وزارت اور ملازمت کے نشے میں چھوڑتا ہے اور کبھی دولت کے نشے میں چھوڑتا ہے اور کبھی حق کے ساتھ عداوت کی وجہ سے چھوڑتا ہے تو گویا بادشاہت کی وجہ سے نماز چھوڑنے والے کو فرعون کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ وزارت کی وجہ سے نماز چھوڑنے والے کو ہامان کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور دولت کی وجہ سے نماز چھوڑنے والے کو قارون کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور عداوت کی وجہ سے نماز چھوڑنے والے کو ابی بن خلف کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے نمازی کو کافر سمجھتے ہیں

(١٥/٥٢١) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَايَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرُ الصَّلٰوةِ. (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/١٥ حدیث رقم ٢٦٢٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیقؒ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہؓ تمام اعمال میں سے صرف نماز ہی ایک ایسا عمل تھا جس کے ترک کرنے والے کو کافر سمجھتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں صراحتہً یہ ذکر کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نماز کے ترک کو کفر سمجھتے تھے۔ اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو پھر دیکھا جائے گا کہ نماز کس وجہ سے ترک کی۔

اگر نماز کا منکر ہے تو اس صورت میں کافر ہوگا اور اگر نماز کو حقارت کی وجہ سے چھوڑ دیا تو یہ بھی کفر کو مستلزم ہے اگر سستی کی وجہ سے نماز کے ترک کو مباح سمجھ کر چھوڑ دیا تو یہ بھی کفر ہے۔

اور اگر ویسے ہی سستی کی وجہ سے نماز کو چھوڑتا ہے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔

اقوال ائمہ رحمۃ اللہ علیہم:

① امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے اور نماز کا عادی ہو جائے یا وہیں مر جائے۔

② امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ قصداً نماز چھوڑنے والا مرتد ہے اسے قتل کر دیا جائے۔

③ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بے نمازی بطور زجر و توبیخ کے واجب القتل ہے۔

④ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو قرض نہ دو یہاں تک اللہ کا قرض ادا کرے۔

⑤ بعض علماء کے نزدیک بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔

بے نمازی سے اللہ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے

(۱۶/۵۴۲) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ اَنْ لَّا تُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ.

(رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجة فی السنن ۲/ ۱۳۳۹ حدیث رقم ۳۴-۴۔

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ اللہ کے ساتھ کسی شریک کو چیز نہ بنانا اگر چہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کیوں نہ دیا جائے اور جان بوجھ کر فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے نماز جان بوجھ کر چھوڑی تو اس سے ذمہ داری ختم ہو گئی اور شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر برائی کی چابی ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو تین چیزوں کی خصوصی وصیت فرمائی:

① اللہ کے ساتھ شرک کبھی نہیں کرنا اگر چہ اس کی وجہ سے تمہیں جسمانی تکلیف سے دوچار ہونا پڑے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور جلا دیا جائے۔

② نماز کو قصداً اور بالارادہ نہیں چھوڑنا کہ یہ اسلام کی بنیادی عبادت اور دین کا ستون ہے جس نے نماز کو عمداً ترک کر دیا وہ باغی ہو گیا اسلام کی طرف سے امن کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔

③ شراب کو کبھی نہیں پینا اور اس کو تمام برائیوں کے بمنزلہ چابی قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ انسان کے دل و دماغ کو ماؤف کر دیتی ہے عقل نہ ہونے کی وجہ سے بہت برائیاں سرزد ہونے لگتی ہیں۔

بَابُ الْمَوَاقِيتِ

نماز کے اوقات کا بیان

مواقیت۔ایک قول کے مطابق میقات کی جمع ہے دوسرے قول کے مطابق مواقیت۔ وقت کی جمع ہے خلاف قیاس۔ معنی دونوں کا ایک ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ مطلق وقت کو زمانہ کہتے ہیں اور جو وقت کسی خاص عمل اور فعل کے لئے مقدر ہو اس کو میقات کہتے ہیں۔

پانچ اوقات کی حکمت:

جب انسان رات کو سو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی کے لئے فجر کی نماز فرض کر دی۔ پھر انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے کسب معاش کرتا ہے اور دن کی روشنی میں اعمال کرتا ہے اور رزق حلال کماتا ہے اس نعمت کے شکریہ کے لئے نماز ظہر فرض کی گئی۔ پھر انسان عموماً قیلولہ کرتا ہے، اس کی وجہ سے عبادت اور ذکر میں کوتاہی ہوئی اس کے ازالہ کے لئے نماز عصر فرض کر دی گئی تاکہ اس کوتاہی کا تدارک ہو سکے۔ عصر کے وقت انسان کی مصروفیت اور مشغولیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے انسان غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان تقصیرات کے ازالہ کے لئے نماز مغرب فرض کی گئی۔ پھر جب انسان آفات سے بچ کر اپنے حسن انجام تک پہنچ گیا تو بطور شکر عشاء کی نماز فرض کر دی گئی۔

الفصل الاول:

پانچ نمازوں کے اوقات

(۱/۵۲۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۲۸ حديث رقم (۱۷۳-۶۱۲) وأخرجه أبو داوٗد مختصرا في السنن ۱/۲۸۰ حديث رقم ۳۹۶۔ وكذلك النسائي في السنن ۱/۲۶۰ حديث رقم ۵۲۲۔ وأيضاً أحمد في مسنده ۲/۲۱۳

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظہر کا وقت زوال شمس سے شروع ہوتا ہے اور اس کا آخری وقت اس وقت تک رہتا ہے کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے اور عصر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ سورج زرد نہ ہو جائے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے اور عشاء کی نماز کا وقت نصف میل تک رہتا ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک رہتا ہے جب سورج طلوع ہو جائے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں پانچ نمازوں کے اوقات کوانتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان اوقات کی تفصیل معلوم کرنے سے قبل چند اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے تا کہ اصل مقصد آسانی سے سمجھ آ جائے۔

اصطلاحاتِ ضروریہ:

① زوال: اس سے سورج کا ڈھلنا مراد ہے۔ جس کو ہمارے عرف عام اور اصطلاح میں دوپہر کہا جاتا ہے۔

② سایۂ اصلی: اس سے ہر چیز کا وہ سایہ مراد ہے جو زوال شمس کے وقت باقی رہتا ہے اور یہ سایہ بلاد کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اسکی کوئی ایک مقدار متعین نہیں۔ کسی شہر میں بڑا ہوتا ہے اور کسی میں چھوٹا اور کسی جگہ میں بالکل نہیں ہوتا۔ جیسے حرمین شریفین میں سایہ اصلی کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہموار زمین پر ایک سیدھی لکڑی کھڑی کر دی جائے جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس جگہ پر ایک نشان لگا دیا جائے پھر دیکھا جائے وہ سایہ نشان سے باہر کی طرف بڑھ رہا ہے یا پیچھے کی طرف آ رہا ہے۔ اگر دائرہ سے خارج کی طرف بڑھ رہا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی زوال کا وقت نہیں ہوا اور اگر پیچھے کی طرف بڑھ رہا ہے تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ زوال ہو گیا۔ اور اگر سایہ ایک جگہ قائم ہو جائے کسی طرف حرکت نہ کرے تو یہ استواء شمس کا وقت ہے اور اسی کو دوپہر کہتے ہیں۔

③ مثل اول: اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ اس کے برابر ہو جائے۔

④ **وَقْتُ الظُّهْرِ**: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جب اوقات نماز کی تعلیم دی تو سب سے پہلے نماز ظہر کے وقت کو بیان کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امامت جبرائیل والی حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت جبرائیل رسول اللہ ﷺ کو اوقات صلوٰۃ تعلیم دینے کے لئے آئے تو اس تعلیم کا آغاز نماز ظہر سے کیا گیا تھا کیونکہ فجر کی نماز آپؐ بیت المقدس میں ادا کر چکے تھے۔ نماز ظہر کا وقت اس وقت شروع ہو جاتا ہے جب سورج کا زوال ہو جائے یعنی سورج تھوڑا سا مغرب کی طرف مائل ہو جائے اور ظہر کے وقت کی انتہاء اور اختتام میں اختلاف ہے۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت نصف اول تک رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہر کا وقت مثلین تک رہتا ہے۔

دلیل: امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ترمذی میں حضرت ابوذرؓ کی ایک روایت سے ہے کہ ایک سفر کے دوران حضرت بلالؓ نے ظہر کی نماز کے لئے اذان دینے کی تیاری شروع کی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **ابرد بالظهر** کہ گرمیوں میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ کچھ دیر کے بعد حضرت بلالؓ پھر تیار ہوئے تو آپ ﷺ نے روک دیا۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا اس کے بعد اذان دی گئی اور ہم نے نماز پڑھی **حتی رالینا فیئ التلول** ۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا۔ اس حدیث میں ابراد بالظہر (ظہر کو ٹھنڈا کرنے) کا حکم اور فی التلول دونوں اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ظہر کا وقت مثلین تک رہتا ہے اور اس حدیث میں مالم یحضر العصر کا جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔ **وَقْتُ الْعَصْرِ**: عصر کے وقت کی ابتداء میں وہی اختلاف ہے جو ظہر کی انتہاء میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز عصر کا وقت مثلین سے شروع ہوتا ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک نماز عصر کا وقت مثل اول سے شروع ہوتا ہے اور عصر کے وقت کی انتہاء میں اختلاف ہے بعض ائمہ کے نزدیک نماز عصر کا وقت اصفرار شمس تک رہتا ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک نماز عصر کا وقت غروب شمس تک رہتا ہے ان کا استدلال بخاری کی روایت سے ہے اس میں مذکور ہے کہ جس آدمی نے غروب شمس سے قبل عصر کی ایک رکعت پڑھی لی وہ عصر کی نماز پوری کرے۔ مذکورہ حدیث میں اصفرار شمس کا ذکر کیا گیا ہے اب یہ کہ اصفرار سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اصفرار شمس سے مراد یہ ہے کہ سورج کی ٹکی میں اس قدر تغیر پیدا ہو جائے کہ اس کی طرف آسانی سے دیکھا جا سکتا ہو آنکھوں میں دیکھنے سے دشواری پیدا نہ ہو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اصفرار شمس سے مراد یہ ہے کہ سورج کی شعاعیں جو دیوار وغیرہ پر پڑتی ہیں ان میں تغیر پیدا ہو جائے۔ وَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ: مغرب کی نماز کا وقت بالاتفاق غروب شمس سے شروع ہوتا ہے اور مغرب کے وقت کی انتہاء میں اختلاف ہے امام شافعی اور امام مالکؒ کا ایک قول یہ ہے کہ نماز مغرب کا کل وقت تین رکعات کے برابر ہوتا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق پانچ رکعات کے مساوی ہوتا ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک مغرب کا وقت شفق احمر کے غروب تک رہتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مغرب کا وقت شفق ابیض کے غروب تک رہتا ہے منشاً اختلاف درحقیقت لفظ شفق کی مراد ہے کہ شفق سے کیا مراد ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد شفق احمر جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے مراد شفق ابیض ہے اور ترجیح امام ابوحنیفہؒ کے قول کو حاصل ہے کیونکہ اس کی تائید ابوداؤدؒ کی ایک روایت سے ہے، جس میں ہے حین یسود الافق کہ عشاء کا وقت شفق کے سواد سے شروع ہو جاتا ہے اور شفق کا سواد شفق ابیض کے غروب ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ وَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ: عشاء کے وقت کی ابتداء میں وہی اختلاف ہے جو مغرب کے وقت کی انتہاء میں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق ابیض کے غروب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک شفق احمر کے غروب ہونے کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور علماء کے نزدیک عشاء کی انتہاء میں اختلاف ہے۔

بعض علماء کے نزدیک ثلث لیل تک عشاء کا وقت رہتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک نصف لیل تک عشاء کا وقت رہتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز عشاء کے تین اوقات ہیں:

① وقت مستحب یہ ثلث لیل تک رہتا ہے۔ ② وقت جواز یہ نصف لیل تک رہتا ہے۔

③ وقت مکروہ یہ نصف لیل سے صبح صادق کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ: کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ اب یہ کہ اس جملہ سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح اور مراد میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جملہ تشبیہ اور کنایہ پر محمول ہے اس سے مراد شیطان کا غلبہ اور تسلط ہے دوسرے قول کے مطابق یہ جملہ اپنی حقیقت اور ظاہر پر محمول ہے کہ طلوع کے وقت شیطان سورج کو اپنے دو سینگوں کے درمیان لے لیتا ہے اور سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ تاکہ جو لوگ سورج کی عبادت کرتے ہیں ساتھ شیطان کی بھی عبادت ہو جائے۔

اوقاتِ صلوٰۃ کے بارے میں مسائل

(۲/۵۲۴) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِلَالاً فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ اَمَرَهُ فَاَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَ بِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُّبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِيْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَاَيْتُمْ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۲۸ حديث رقم (۱۷۶-۶۱۳) وأخرجه النسائي في السنن ۱/۲۵۸ حديث ۵۱۹ وأخرجه أحمد في المسند ۵/۳۴۹۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے وقت کے بارے میں سوال کیا کہ

نماز کے وقت کی ابتداء اور انتہاء کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دو دنوں میں تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو چنانچہ جب سورج کا زوال ہو گیا تو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں تکبیر کہنے کا حکم دیا انہوں نے نماز ظہر کی تکبیر کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ نے عصر کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج بلند سفید اور صاف تھا۔ پھر مغرب کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج غروب ہو گیا تھا پھر عشاء کی اقامت کا حکم دیا جب کہ شفق غائب ہو گئی تھی پھر فجر ظاہر ہوتے ہی آپ ﷺ نے اقامت کا حکم دیا پہلے دن آپ ﷺ نے تمام نمازیں اول وقت میں پڑھا کر دکھائیں پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو ظہر ٹھنڈا کر کے اذان دینے کا حکم دیا اور اچھی طرح ٹھنڈا کر کے ظہر کی نماز کو ادا کیا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سورج بلند تھا لیکن گزشتہ کل کے وقت سے دیر کر کے نماز پڑھائی اور عشاء کی نماز ثلث لیل گزر جانے تک پڑھائی اور فجر کی نماز اچھی طرح روشنی ہو جانے کے وقت پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا کہ نمازوں کے اوقات دریافت کرنے والا آدمی کہاں ہے تو اس آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں حاضر ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری نمازوں کے اوقات ان اوقات کے درمیان ہیں جو تم دیکھ چکے ہو۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ ایک آدمی اپنی قوم کا نمائندہ بن کر نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ہر نماز کی ابتداء اور انتہاء کا وقت بتا دیجئے رسول اللہ ﷺ نے زبانی کلامی بتانے کے بجائے عملی طور پر بتانے کا ارادہ کیا کہ تم دو دن ہمارے پاس رہو تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ نمازوں کے اوقات کیا ہیں؟

چنانچہ آپ ﷺ نے پہلے دن ہر نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کیا اور دوسرے دن ہر نماز کو اس کے آخری وقت میں ادا کیا اور فرمایا ان کے درمیان تمہاری نماز کا وقت ہے۔ اس حدیث میں ظہر کی نماز کا پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ جب زوال شمس ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اذان دی پھر آپ ﷺ نے اقامت کا حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی اس کے بعد عصر کا ذکر کیا گیا لیکن اس حدیث میں نہ تو عصر کی نماز کا وقت ذکر کیا گیا اور نہ عصر اور اس کے بعد کی اذانوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معروف تھا بوجہ شہرت ترک کر دیا گیا دوسرے دن آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کو خوب اچھی طرح ٹھنڈا کر کے پڑھا تا کہ گرمی کی شدت ختم ہو جائے اور عصر کی نماز آپ ﷺ نے پہلے دن کے مقابلے میں زیادہ تاخیر سے پڑھی۔ بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دن بھی عصر کی نماز کی ادائیگی میں تاخیر کی گئی لیکن اس سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ عصر کی نماز کی ادائیگی میں تاخیر ہو گئی بلکہ مراد یہ ہے کہ نماز ظہر سے تاخیر کی گئی تھی اور عشاء کی نماز کو دوسرے دن آخر وقت تک مؤخر نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ عشاء کی نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرتے تو اس سے لوگوں کو اذیت اور تکلیف ہوتی۔

الفصل الثانی:

امامتِ جبرائیل علیہ السلام

(۳/۵۲۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّنِیْ جِبْرِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهٗ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ حِیْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ

وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَهٗ وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَيْهِ وَصَلّٰى بِيَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِيَ الْعِشَاءَ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلّٰى بِيَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَيَّ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَابَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔ (رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۲۷٤/۱ حديث رم ۳۹۳۔ وأخرجه الترمذي في السنن ۲۷۸/۱ حديث رقم ۱٤۹ وقال حديث حسن صحيح وأخرجه ابن ماجة في السنن ۲۱۹/۱ حديث رقم ٦٦٧۔ وأخرجه أحمد في مسنده ۳۳۳/۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے امام بن کر بیت اللہ کے نزدیک مجھے دو مرتبہ نماز پڑھائی یعنی دو دن۔ پہلے دن جب سورج کا زوال ہوگیا اور سایہ تسمے کے مثل تھا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اور جس وقت ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تو مجھے عصر کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اس وقت مجھے مغرب کی نماز پڑھائی اور جس وقت شفق غائب ہوگئی تو مجھے عشاء کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے تو مجھے فجر کی نماز پڑھائی اور جب دوسرا دن ہوا تو انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سایہ ہر چیز کا دو مثل ہوگیا نماز مغرب اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے ۔پھر عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا اور فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ اچھی طرح روشنی ہوگئی۔ پھر حضرت جبرائیلؑ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ وقت آپ ﷺ سے پہلے نبیوں کی نماز کا ہے اور نماز ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل نے دو دن نماز فرض ہونے کے بعد عملاً بیت اللہ کے قریب امامت کروا کر اوقاتِ صلوٰۃ کی تعلیم دی۔

سوال: رسول اللہ ﷺ کے لئے نماز فرض تھی اور حضرت جبرائیل کے حق میں نفل تھی جب حضرت جبرائیل نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھائی تو اس سے اقتداء المفترض خلف المتنفل لازم آیا اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں۔

جواب: دو دن کے لئے حضرت جبرائیل پر نماز کو فرض کر دیا گیا تھا لہٰذا یہ اقتداء المفترض خلف المفترض ہے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ افضل کی اقتداء مفضول کے پیچھے جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ افضل اور حضرت جبرائیل مفضول تھے۔

سوال: هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِيَاءِ کے جملہ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ سابقہ انبیاء پر بھی پانچ نمازیں فرض تھیں حالانکہ ان پر پانچ نمازیں فرض نہ تھیں۔

جواب: یہ تشبیہ صرف تحدید اور تعیین میں ہے مقدار اور تعداد میں نہیں ہے مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح سابقہ انبیاء کی نماز کا وقت مقرر تھا ایسے ہی آپ ﷺ کی نماز کا وقت بھی مقرر ہے اور نفس نماز سابقہ انبیاء پر بھی فرض تھی۔

الفصل الثالث:

نماز کو اوّل وقت میں ادا کرنا مستحب ہے

(۵۲۶/۴) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ اَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهٗ عُرْوَةُ اَمَا اِنَّ جِبْرِيْلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى اَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَاعُرْوَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ

يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَاَمَّنِيْ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ يَحْسُبُ بِاَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوَاتٍ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/ ٣٠٥حديث رقم ٣٢٢١۔وأخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٤٢٨حديث رقم (١٦٦۔٦١٠) وأخرجه النسائي في السنن ١/ ٢٤٥حديث رقم ٤٩٤۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ١/ ٢٢٠حديث ٦٦٨۔

ترجمہ: حضرت ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک دن عصر کی نماز وقت مستحب سے تاخیر کر کے پڑھی حضرت عروہؓ نے جب یہ دیکھا تو کہا یہ سمجھ لیجئے حضرت جبرائیل نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر اول وقت میں نماز پڑھائی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا اے عروہ ذرا سوچ سمجھ کر کہو کیا کہتے ہو؟ عروہ نے کہا کہ میں نے حضرت ابو مسعودؓ کے صاحبزادے حضرت بشیر سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابو مسعودؓ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیلؑ میرے امام بنے اور میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی' پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پانچ نمازیں آپ ﷺ نے انگلیوں پر شمار کر کے بتائیں۔

تشریح ۞ حضرت عروہؒ کا مقصد یہ تھا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کو یاد دلا دیں کہ حضرت جبرائیلؑ کی امامت کے متعلق جو حدیث منقول ہے کہ انہوں نے پہلے دن رسول اللہ ﷺ کو ہر نماز اول وقت میں پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے اور آپ ﷺ نے تاخیر کر کے فضیلت کی سعادت کو کیوں ترک کر دیا؟ اگرچہ یہ تاخیر زیادہ نہیں تھی۔ حضرت عمر نے عروہ سے جو یہ کہا سوچ سمجھ کر کہو کیا کہہ رہے ہو؟ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ حدیث بیان کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔ اس میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے اور حدیث سند کے ساتھ بیان کرنی چاہئے آپ بھی حدیث کی سند بیان کریں۔ حضرت عروہ کی جلالت شان اور ان کے مقام کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان سے اس قسم کی بات نہ کہی جاتی۔ مگر روایت حدیث کی عظمت شان کا تقاضا یہ تھا کہ یہ بات کہی جائے اور اس طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جائے اور حضرت عروہ نے اس کو اپنی گستاخی پر محمول نہیں کیا بلکہ روایت حدیث کی عظمت شان کے پیش نظر حدیث کی پوری سند بیان کر دی۔ کہ میں نے اس حدیث کو بشیر سے سنا ہے انہوں نے حضرت ابو مسعود سے سنا ہے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور یہ بات ظاہر کر دی کہ جس بات کو میں نے بیان کیا ہے اس کی صداقت کا مجھے یقینی علم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے گورنروں کو نماز کی پابندی کا حکم

(۵/۵۲۷) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهٖ اَنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ مَنْ حَفِظَهَا وَ حَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ اَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ اِذَا كَانَ الْفَيْءُ ذِرَاعًا اِلٰى اَنْ يَكُوْنَ ظِلُّ اَحَدِكُمْ مِثْلَهٗ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَمَا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ اَوْثَلَاثَةً قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَانَامَتْ عَيْنُهٗ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُوْمُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/ ٦حديث رقم ٦ في كتاب وقوت الصلاة۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو یہ پیغام لکھ کر بھیجا تھا کہ تمہارے اہم کاموں میں سے عظیم الشان کام میرے نزدیک نماز کو ادا کرنا ہے نیز جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس پر نگرانی رکھی یعنی پابندی

سے ادا کرتا رہا۔تو گویا اس نے اپنے دین کے باقی امور کی حفاظت کی اور جس نے اس کو ضائع کردیا وہ نماز کے علاوہ دیگر امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا اور پھر یہ لکھا کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب کہ سایہ زوال کے بعد ایک گز سے لے کر ایک مثل تک ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب کہ سورج بلند اور سفید رہے اور سورج غروب ہونے میں اتنا وقت باقی رہے کہ کوئی آدمی سورج غروب ہونے سے پہلے دو یا تین میل سفر کر سکے اور مغرب کی نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھا کرو اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے لے کر ثلث لیل تک پڑھا کرو اور جو آدمی عشاء کی نماز سے پہلے سو جائے تو اللہ اس کی آنکھوں کو سونا نصیب نہ کرے یہ بددعا تین مرتبہ کی اور صبح کی نماز ایسے وقت پڑھو جب کہ ستارے چمک رہے ہوں۔اس حدیث کو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام عمال کو نماز ادا کرنے کی تاکید کی کیونکہ نماز تمام عبادات میں سے اہم ہے اور اس کو دین قرار دیا گیا ہے اور نماز بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے اسی لئے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی نماز کی حفاظت کرے گا وہ یقیناً دیگر امور دینیہ اور فرائض اسلام کی بھی حفاظت کرے گا اور جس نے نماز کی حفاظت نہ کی وہ دیگر دینی امور کی حفاظت بھی نہیں کرے گا کیونکہ جس کو مہتم بالشان چیز کی قدر نہیں تو باقیوں کی کیا قدر ہوگی۔

حضرت عمرؓ نے نماز کے اوقات کی تعلیم دیتے ہوئے جو یہ حکم دیا ہے کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب کہ زوال کے بعد سایہ ایک گز ہو جائے۔ یہ حکم ان بلاد کے لئے ہے کہ جہاں سایہ اصلی اتنا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ بلاد اور اماکن کے اختلاف سے سایہ اصلی مختلف ہوتا ہے۔

اور حضرت عمرؓ نے نماز عشاء سے قبل سو جانے والے کیلئے تین مرتبہ بددعا کی۔ یہ تاکید اور توبیخ پر محمول ہے۔ کہ جو آدمی عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جائے۔ اللہ کرے اس کو آرام اور سکون نصیب نہ ہو کیونکہ نیند سے مقصود آرام، سکون اور تھکاوٹ کا زوال کرنا ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی آدمی نماز عشاء سے پہلے سو جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نماز عشاء سے پہلے سونا مطلقاً حرام اور ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر سونے والے کو غالب گمان ہو کہ وہ نماز کے لئے بیدار ہو جائے گا یا اس نے کسی کو اٹھانے پر متعین کر دیا ہو۔ یا الارم وغیرہ کا انتظام کیا ہو تو پھر جائز ہے ورنہ درست نہیں ہے چاہے یہ سونا نماز عشاء کا وقت شروع ہونے سے قبل ہو یا بعد ہو۔

ریاضی پر مبنی حدیث

(۶/۵۲۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ اَقْدَامٍ۔ (رواه ابو داود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۲۸۳ حدیث رقم ۴۰۰۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۲۵۰ حدیث رقم ۵۰۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ظہر کا اندازہ گرمیوں میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور موسم سرما میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ فن ریاضی کی اصطلاح میں قدم ہر چیز کے ساتویں حصہ کو کہا جاتا ہے اور موسم سرما میں سایہ طویل ہوتا ہے اس لئے ظہر کا وقت کبھی سات قدم اور کبھی پانچ قدم پر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے گویا کہ سات قدم ایک مثل کا مترادف ہے اور پانچ قدم تقریباً دو تہائی کے قریب ہے۔ علی ھذا القیاس۔

بَابُ تَعْجِیْلِ الصَّلٰوۃِ

نماز جلدی پڑھنے کا بیان

اس باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نمازوں کو جلدی پڑھنا چاہیے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط کہ خیر کے کاموں میں آگے بڑھو اور نماز بھی امور خیر میں سے ہے لہٰذا اس میں بھی مسابقت کا حکم ہے۔ اگرچہ اس آیت کریمہ سے مطلقاً تعجیل کا حکم مترشح ہوتا ہے مگر جن مواقع میں شریعت مطہرہ کے اندر تاخیر کا حکم ہے وہاں تاخیر اولیٰ اور افضل ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً تمام نمازوں کو اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ موسم سرما میں ظہر کی نماز جلدی پڑھنا افضل ہے اور موسم گرما میں نماز ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنا افضل ہے اور فجر کی نماز مطلقاً یعنی ہر موسم میں اسفار میں پڑھنی مستحب ہے اور عشاء کی نماز میں ثلث لیل تک تاخیر مستحب ہے۔

الفصل الاوّل:

نماز کے مستحب اوقات کا بیان

(۱/۵۲۹) عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِىْ عَلٰى اَبِىْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهٗ اَبِىْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّى الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّى الْهَجِيْرَ الَّتِىْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّى الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِىْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَاقَالَ فِى الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِىْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ يَقْرَءُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ وَفِىْ رِوَايَةٍ وَلَا يُبَالِىْ بِتَاْخِيْرِ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح ۲/۲٦حديث رقم ٤٠٥۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/٤٤٧حديث رقم (٢٣٥۔٦٤٧)۔واللفظ للبخاري ۔وأخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۲۸۱حديث رقم ۳۹۸۔وأخرجه النسائي في السنن ۱/۲٤٦حديث رقم ٤٩٥۔وأخرج ابن ماجة في السنن اوله ۱/۲۲۱حديث رقم ٦٧٤۔وأخرجه الدارمي في السنن ۱/۳۳۸۔ حديث رقم ۱۳۰۰۔وأحمد في مسنده ٤/٤٢٠۔

ترجمہ: حضرت سیار بن سلامہؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد حضرت ابو برزہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے میرے والد نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے یعنی کس کس وقت پڑھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز جس کو تم پہلی نماز کہتے ہو سورج کے زوال کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے کہ اگر ہم میں سے کوئی نماز پڑھ کر مدینہ کے کنارے اپنے گھر جا کر واپس آ جاتا تھا تو سورج ابھی روشن ہوتا تھا۔ حضرت سیار فرماتے ہیں کہ حضرت ابو برزہؓ نے نماز مغرب کے بارے میں جو کچھ بتایا میں وہ بھول گیا اور عشاء کی نماز جس کو تم عتمہ کہتے ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر سے پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے

سونے کو اور عشاء کے بعد دنیاوی باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور جس وقت فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تھے تو ہر شخص اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور نماز میں ساٹھ (۶۰) آیات سے لے کر سو (۱۰۰) آیات تک تلاوت کر لیتے تھے۔
ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ثلث لیل تک تاخیر کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتے تھے۔ اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز ظہر کے بارے میں جو ذکر کیا گیا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ موسم سرما میں نماز ظہر کو جلدی پڑھ لیتے تھے کیونکہ قول رسول ﷺ اور فعل رسول ﷺ سے یہ ثابت ہو چکا کہ آپ ﷺ موسم گرما میں ظہر کو ابراد یعنی تاخیر کے ساتھ پڑھتے تھے۔

عتمہ: اس حدیث میں عشاء کی نماز کو عتمہ کہا گیا ہے عتمہ اصل میں اس اندھیرے کو کہتے ہیں جو شفق غائب ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اہل عرب عشاء کو عتمہ کہتے تھے۔ مگر بعد میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ عشاء کو عتمہ نہ کہا جائے اور اس حدیث میں نماز عشاء کو مؤخر کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس تاخیر سے مراد یہ ہے کہ ثلث لیل تک عشاء کی نماز کو مؤخر کرتے تھے۔

عشاء کے بعد گفتگو کا حکم: اس حدیث مبارکہ میں عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد گفتگو سے منع کیا گیا ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد گفتگو دو حال سے خالی نہیں دین کے متعلق ہوگی یا دنیا کے متعلق ہوگی۔ اگر دین سے متعلق ہو تو وہ جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین عشاء کی نماز کے بعد اس طرح کی گفتگو کرتے تھے اور دنیاوی گفتگو ہو تو یہ ناجائز ہے۔ تاکہ دین کے اعمال کا خاتمہ اللہ کی عبادت اور ذکر الٰہی پر ہو۔ شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک عشاء کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک سونے کی اجازت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ عشاء سے پہلے سوتے تھے بعض علماء کے نزدیک صرف رمضان المبارک میں عشاء سے پہلے سونا جائز ہے۔
علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر نوم (نیند) کا غلبہ ہو اور عشاء کی نماز ضائع ہونے کا امکان نہ ہو تو سونا جائز ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو سستی اور تھکاوٹ ہو تو اس کے لئے سونا جائز ہے اور عشاء کی نماز کے بعد دینی اور ضروری اور لوگوں کی اصلاح کے لئے کلام جائز ہے اور حضرت ملا علی قاریؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ علمی اور دینی گفتگو عشاء کے بعد جائز ہے۔

جماعت کی کثرت مقصود ہے

(۲/۵۳۰) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا اَكْثَرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۷ حديث رقم ۵۶۰۔ وأخرجه مسلم في الصحيح ۱/۴۴۶ حديث رقم (۲۳۳۔۶۴۶)۔ أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۲۸۱ حديث رقم ۳۹۷۔ وأخرجه النسائي في السنن ۱/۲۶۴ حديث رقم ۵۲۷ الاأنه لم يذكر صلاة الفجر۔ وأخرجه الدارمي في السنن ۱/۲۸۴ حديث رقم ۱۱۸۴۔ وأخرجه أحمد في المسند ۳/۳۶۹۔

ترجمہ: حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے رسول اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کے وقت یعنی سورج کے زوال کے بعد پڑھتے تھے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سورج روشن ہوتا تھا اور مغرب کی نماز غروب شمس کے بعد پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں جب لوگ کثرت سے آ جاتے تو جلدی پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو تاخیر سے

پڑھتے تھے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لیتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح اس حدیث میں نماز عشاء کے متعلق وضاحت و تفصیل کر دی گئی ہے۔ کہ اگر لوگ کثرت سے جلدی آ جاتے تو آپ ﷺ نماز جلدی پڑھ لیتے تھے اور اگر لوگ تاخیر کرتے تو پھر آپ ﷺ انتظار کرتے اور نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔ اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اسلام میں جماعت کی کثرت مطلوب ہے اور کثرت کے حصول کے لئے تاخیر سے نماز پڑھنا جائز ہے اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز میں تاخیر کی جائے گی تا کہ جماعت میں کثرت ہو۔ اول وقت میں پڑھنا تو بہر صورت افضل ہے البتہ عوارضات اور اعذار کی وجہ سے تاخیر افضل ہے۔ اس حدیث میں نماز فجر کو اندھیرے میں پڑھنے کا ذکر ہے حالانکہ اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ نماز فجر کو اسفار میں پڑھا جائے اور یہاں غلس میں پڑھنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ صحابہ کرامؓ رات کو قیام کرتے تھے اور صبح سویرے مسجد میں تشریف لے آتے تھے جماعت کی کثرت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ جلدی نماز پڑھا دیتے۔ لیکن آپ ﷺ کا غلس میں فجر کی نماز پڑھانا ہمیشہ کے لئے نہیں تھا صرف وقتی اور عارضی طور پر تھا اور وہ بھی کبھی کبھی ہوتا تھا۔

گرمی سے بچنے کے لئے کپڑے پر سجدہ جائز ہے

(۳/۵۳۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اِتِّقَاءَ الْحَرِّ۔

(متفق علیه ولفظه للبخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۲/۲ حدیث رقم ۵۴۲ ـ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۴۳۳/۱ حدیث رقم (۱۹۱ ـ ۶۲۰) وأخرجه الترمذی فی السنن ۴۷۹/۲ حدیث رقم ۵۸۴ وأخرجه النسائی فی السنن ۲۱۶/۲ حدیث رقم ۱۱۱۶ ـ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۳۲۹/۱ حدیث رقم ۱۰۳۳ ـ

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کر لیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم) اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آدمی اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آدمی اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے اور ان کا استدلال اسی حدیث سے ہے کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور گرمی کی شدت کی وجہ سے زمین گرم ہوتی اور سجدہ کرنا مشکل ہوتا تو ہم اپنے کپڑوں پر سجدہ کر لیا کرتے تھے اور شوافع کے نزدیک ایسے کپڑے پر جو نمازی کی حرکت سے حرکت کرتا ہو جائز نہیں ہے اور مذکورہ حدیث کی وہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے وہ کپڑے مراد نہیں جو انہوں نے پہنے ہوئے تھے اس سے مراد ملبوس کپڑوں کے علاوہ دوسرے کپڑے ہیں جو بچھائے جاتے ہیں۔ اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے "باب تعجیل الصلوٰۃ" میں نقل کیا ہے تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ زمین پر گرمی کی حرارت اول وقت سے ہی رہتی ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ موسم گرما میں نماز ظہر اول وقت ہی میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ استدلال اس حدیث سے درست نہیں کیونکہ بعض اوقات موسم گرما میں حرارت اور گرمی کی شدت اول وقت کے مقابلہ میں آخر وقت میں زیادہ ہوتی ہے۔

زمین پر سورج کے اثرات

(۴/۵۳۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِیْ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ

بَعْضِیْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَیْنِ نَفَسٌ فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسٌ فِی الصَّیْفِ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِیْرِ متفق علیه وفی روایة للبخاری فَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سَمُوْمِهَا وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهَرِیْرِهَا.

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۱۸حدیثان رقم ۵۳٦۔۵۳۷۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۳۱و۴۳۲۔ حدیث رقم (۱۸۵۔٦۱۸)و (۱۸٦۔٦۱۷)۔وأخرج أبوداوٗد أوله فی السنن ۱/۲۸۴حدیث رقم ۴۰۲۔وکذلك الترمذی فی السنن ۱/۲۹۵حدیث رقم ۱۵۷۔وکذلك النسائی فی السنن ۱/۲۴۸حدیث رقم ۵۰۰۔ وأیضا ابن ماجة فی السنن ۱/۲۲۲حدیث رقم ٦۷۸۔وأخرجه مالك فی الموطا ۱/۱٦ حدیث رقم ۲۸من کتاب وقوت الصلاة۔والدارمی فی السنن ۱/۲۹٦حدیث رقم ۱۲۰۸وأحمد فی المسند ۲/۲٦٦۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا جب گرمی کی شدت ہوتو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھواور بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابوسعیدؓ سے منقول ہے کہ ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ یعنی ابوسعید خدریؓ کی روایت میں صلوٰۃ کے بجائے ظہر کا لفظ ہے کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ میں سے ہے اور جہنم کی آگ نے اپنے رب تعالیٰ سے شکایت کی کہ اے میرے پروردگار میرے بعض نے بعض کو کھالیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سانس وہ موسم سرما میں لیتی ہے اور ایک سانس وہ موسم گرما میں لیتی ہے موسم گرما میں جس وقت تمہیں گرمی کی شدت معلوم ہوتی ہے۔ تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک سانس گرمی اور ایک سانس سردی میں لیتی ہے۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب تم گرمی کی شدت محسوس کرتے ہوتو اس کا سبب جہنم کا گرم سانس ہوتا ہے اور جس وقت تم سردی کی شدت محسوس کرتے ہوتو اس کا سبب جہنم کا ٹھنڈا سانس ہوتا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کی آگ اللہ تعالیٰ سے یہ شکایت کرتی ہے کہ میرے بعض شعلے بعض کو کھا جاتے ہیں۔ اس سے اشارہ ہے کہ جہنم کی آگ کے اجزاء کثیر تعداد میں ہیں اور ان کا آپس میں اختلاط ہے۔ ہر شعلہ یہ چاہتا ہے کہ وہ دوسرے شعلے کو فنا کر دے۔ اور اس کی جگہ خود لے لے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دی ایک سانس اندر لیتی ہے اور ایک سانس باہر کو لیتی ہے۔ جب سانس اندر کو لیتی ہے تو سردی ہو جاتی ہے اور جب سانس باہر کو لیتی ہے تو گرمی ہو جاتی ہے بہرحال اس حدیث میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب گرمی کی شدت ہوتو نماز کو تاخیر کر کے ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

(۵/۵۳۳)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّی الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَیَّةٌ فَیَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَی الْعَوَالِیْ فَیَاْتِیْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِیْ مِنَ الْمَدِیْنَةِ عَلٰی اَرْبَعَةِ اَمْیَالٍ اَوْنَحْوَهٗ. (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه۲/۲۸حدیث رقم ۵۵۰۔وأخرجه مسلم فی الصحیح ۱/۴۳۳حدیث رقم (۱۹۲۔٦۲۱) ولم یذکر "وبعض العوالی......"وأخرجه أبوداوٗد فی السنن۱/۲۸۵حدیث رقم ۴۰۴۔واتبعه بحدیث عن الزهری ۱/۲۸٦حدیث رقم ۴۰۵"والعوالی علی میلین أو ثلاثة قال: واحسبه قال: أو أربعة"۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۲۵۲حدیث رقم ۵۰۷۔وابن ماجة فی السنن ۱/۲۲۳حدیث رقم ٦۸۲۔وأخرج مالك نحوه فی الموطا ۱/۹حدیث رقم ۱۰و۱۱من کتاب وقوت الصلاة۔والدارمی فی السنن ۱/۲۹۷حدیث رقم ۱۲۰۸۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے جبکہ سورج بلند اور

روشن ہوتا تھا۔ اگر کوئی آدمی جانے والا عوالی جا کر واپس آ جایا کرتا تھا اور سورج ابھی بلند ہوتا تھا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا تقریباً چار میل کے فاصلے پر ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ "عوالی" یہ "عالیۃ" کی جمع ہے مدینہ شہر سے قبا کی طرف جو بلند بستیاں ہیں ان کو عوالی کہا جاتا ہے مسجد بنو قریظہ کا علاقہ بھی عوالی میں شامل ہے اور اس حدیث میں "بَعْضُ الْعَوَالِی" کا لفظ مدرج من الراوی ہے اس حدیث سے بظاہر یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ عصر کی نماز میں تعجیل کی گئی مگر اس قدر بھی تعجیل مراد نہیں۔ جو ہمارے زمانہ کے غیر مقلد یا شوافع حضرات کرتے ہیں اور اس حدیث میں اجمال ہے۔ اس چیز کی وضاحت ذکر نہیں کی گئی کہ عوالی کی طرف جانے والا شخص کمزور تھا یا کہ صحت مند' پیدل تھا یا سوار اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ عوالی کی کس جانب جاتا تھا۔ کیونکہ بعض عوالی دو میل کے فاصلہ پر تھی بعض تین میل کے فاصلے پر اور بعض چار میل کے فاصلے پر۔

منافق کی نماز

(۶/۵۳۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَايَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۳۴ حديث رقم (۱۹۵-۶۲۲)۔ وأخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۲۸۸ حديث رقم ۴۱۳۔ وأخرجه الترمذي في السنن ۱/۳۰۱ حديث رقم ۱۶۰۔ وأخرجه النسائي في السنن ۱/۲۵۴ حديث رقم ۵۱۱۔ وأخرجه أحمد في مسنده ۳/۱۴۹۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عصر کی نماز جو آخر وقت میں پڑھی جاتی ہے۔ وہ منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھونگے مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس نماز میں تھوڑا کرتا ہے اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں تلک اسم اشارہ ذہنیہ ہے۔ اس سے مراد عصر کی وہ نماز ہے جو بغیر کسی عذر کے تاخیر سے ادا کی گئی ہو۔ اور "المنافق" کے شروع میں الف لام عہد خارجی ہے مراد اس سے حقیقی منافق ہے۔ کہ وہ نماز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہیں پڑھتا بلکہ ریاکاری اور شہرت کے لئے نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز میں تعدیل ارکان اور وقت مستحب کی رعایت نہیں ہوتی۔ حضرت علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے عصر کی نماز کو "اصفرار شمس" تک موخر کیا تو اس نے اپنے آپ کو منافقین کے مشابہ ظاہر کیا۔ کیونکہ منافق نماز کے صحیح اور مکمل ہونے کا کوئی خیال نہیں کرتا وہ نماز اپنے مسلمان ہونے کی علامت کے طور پر پڑھتا ہے تاکہ دنیاوی اعتبار سے اس کی جان و مال کی حفاظت ہو جائے اگر وہ اتنی تاخیر سے نماز پڑھے گا تو اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ اس چیز کی پرواہ تو وہ کرے گا جو اجر و ثواب کا طالب ہو۔ وہ آخر وقت میں بغیر طمانینت اور سکون کے جلدی جلدی سجدے کرتا ہے۔ جیسے مرغ دانہ چگتا ہے۔

سوال: اس حدیث میں نماز عصر کا ذکر کیا گیا ہے اور "فَنَقَرَ اَرْبَعًا" سے چار سجدے مراد ہے۔ حالانکہ عصر کی نماز میں چار رکعات اور آٹھ سجدے ہوتے ہیں۔ تو آٹھ کی بجائے چار کا ذکر کیوں کیا ہے؟

جواب: یہاں چار سجدوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ جب اس منافق نے پہلے سجدہ سے اچھی طرح سر نہیں اٹھایا تو گویا ایک سجدہ کیا۔ تو اس اعتبار سے چار رکعات میں چار ٹھونگے ہو گئے۔

جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کا گھر اجڑ گیا

(۵۳۵/۷)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَّذِیْ تَفُوْتُهٗ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/ ۳۰حديث رقم ۵۲۲۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۴۳۵حديث رقم (۲۰۰۔۶۲۶) وأخرجه أبوداؤد في السنن ۱/ ۲۹۰حديث رقم ۴۱۴۔وأخرجه الترمذي في السنن ۱/ ۳۳۰حديث رقم ۱۷۵۔وأخرجه الدارمي في السنن ۱/ ۳۰۵حديث رقم ۱۲۳۰۔وأخرجه مالك في الموطا ۱/ ۱۱حديث رقم ۲۱من كتاب وقوت الصلاة۔ وأحمد في مسنده ۲/ ۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کا مال اور اس کی اہل و اولاد سب ہلاک ہوگئے۔

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس شخص کی سستی اور غفلت کی وجہ سے عصر کی نماز فوت ہو جائے تو یہ روحانی اور معنوی طور پر اتنا بڑا اور زبردست نقصان ہے کہ گویا اس کا گھر بار اہل و عیال مال متاع سب تباہ و برباد و ہلاک ہوگیا۔

اور اس حدیث میں نماز عصر کی تخصیص بطور مثال کے ہے فضیلت اور عظمت کی وجہ سے۔ کیونکہ یہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے اور صلوٰۃ وسطیٰ کی خاص فضیلت ہے۔ ورنہ یہ حکم تمام نمازوں کو شامل ہے اور اس ہلاکت کے تین درجے ہیں۔

① اگر پوری نماز فوت ہوگئی تو یہ مکمل ہلاکت ہے۔ ② اگر نماز مکروہ وقت میں ادا کی تو ناقص ہلاکت ہے۔

③ اگر جماعت کو ترک کر دیا تو یہ تیسرے درجے کی ہلاکت ہے۔

عصر کی نماز چھوڑنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

(۵۳۶/۸)وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/ ۳۱حديث رقم ۵۵۳۔وأخرجه النسائي في السنن ۱/ ۲۳۶حديث رقم ۴۷۴وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/ ۲۲۷رقم ۶۹۴۔وأخرجه أحمد في المسند ۵/ ۳۴۹، ۳۵۰۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے عصر کی نماز چھوڑ دی۔ گویا اس کے تمام اعمال ضائع ہوگئے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ جس انسان نے نماز عصر کو ترک کر دیا۔ اس کے تمام اعمال صالحہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ درست نہیں کیونکہ اعمال اس وقت برباد ہوتے ہیں۔ جب کوئی مسلمان اسلام سے روگردانی اختیار کر کے مرتد ہو جائے۔ اس حدیث کی صحیح مراد یہ ہے کہ جس انسان نے نماز عصر کو ترک کر دیا۔ تو ادائیگی صلوٰۃ پر جو اجر و ثواب ملتا تھا اور اعمال صالحہ میں جو اضافہ ہوتا تھا اس سے محرومی ہو جاتی ہے۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن کے اعمال صالحہ میں اس کو جو کمال حاصل ہونا تھا۔ نماز عصر کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس میں کمی اور نقصان واقع ہوگیا۔

احناف کے نزدیک مرتد ہو جانے سے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر کسی آدمی نے ارتداد سے قبل حج ادا کیا ہو مرتد ہونے کی وجہ سے وہ ضائع ہوگیا۔ اگر وہ آدمی دوبارہ مسلمان ہوگیا تو اس کو دوبارہ حج ادا کرنا پڑے گا۔

معتزلہ اور خوارج کے نزدیک گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں انہوں نے اسی حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔مگر ہمارے نزدیک یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے۔

نماز مغرب اوّل وقت میں مستحب ہے

(۹/۵۳۷)وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَيَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّهٗ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ . (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/ ٤٠حديث رقم ٥٥٩۔وأخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٤٤١حديث رقم (٢١٧۔٦٣٧) وأخرجه ابن ماجة في السنن ١/ ٢٢٤حديث رقم ٦٨٧۔وأخرجه أحمد في مسنده ٤/ ١٤٢۔

ترجمہ:حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم میں سے کوئی آدمی اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا تھا۔(بخاری ومسلم)

تشریح ✿ حضرت رافعؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز مغرب ادا کرتے ۔نماز فارغ ہو کر جب ہم باہر نکل آتے اگر کوئی شخص کسی طرف تیر پھینکتا تو روشنی کی وجہ سے اس کے تیر گرنے کی جگہ نظر آتی تھی۔اس حدیث کی وجہ سے تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مغرب کی نماز کو اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے وقت میں وسعت ہے جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے وقت میں تنگی ہے۔

عشاء کی نماز ثلث لیل تک پڑھی جائے

(۱۰/۵۳۸)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ.

(متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح من حديث طويل٢/ ٣٤٧حديث رقم ٨٦٤۔

ترجمہ:حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ عتمہ یعنی عشاء نماز شفق کے غائب ہونے کے بعد سے اول ثلث لیل تک پڑھتے تھے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ✿ اس حدیث مبارکہ میں نماز عشاء کا وقت مستحب بتایا گیا ہے کہ ثلث لیل تک نماز عشاء کو مؤخر کرنا مستحب ہے اور صبح صادق تک مؤخر کرنا وقت جواز ہے۔اس حدیث مبارکہ میں عتمہ سے مراد نماز عشاء ہے۔

اہل عرب عشاء کو عتمہ کہتے تھے رسول اکرم ﷺ نے عتمہ کہنے سے منع کیا ہے۔

بظاہر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع کیا ہے تو پھر حضرت عائشہؓ نے اس کو عتمہ کیوں کہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے ممکن ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کو اس وقت تک اس بات کا علم نہیں ہوا ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع کیا ہے۔

نماز فجر کو غلس میں پڑھنا

(۱۱/۵۳۹)وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ

مَایُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ . (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۳۴۹/۲حدیث رقم ۸۶۷۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۴۴۶/۱حدیث (۲۳۲۔۶۴۵)وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲۹۳/۱حدیث رقم ۴۲۳۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۲۸۷/۱ حدیث ۱۵۳۔والنسائی ۲۷۱/۱حدیث رقم ۵۴۶وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۲۰/۱حدیث رقم ۶۶۹۔ وأخرجه الدارمی فی السنن ۳۰۰/۱جدیث رقم ۱۲۱۶ولم یذکر"من الفلس" وأخرجه مالك فی الموطأ ۵/۱ حدیث رقم ٤من کتاب وقوت الصلاة ۔وأخرجه أحمد فی مسنده ۱۷۸/۶۔۱۷۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تو وہ عورتیں جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں چادروں میں لپٹی ہوئی واپس چلی جاتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد خواتین پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ بظاہر اس حدیث کا حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث سے تعارض ہے اس میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو آدمی اپنے ساتھ (پاس) والے کو پہچان لیتا تھا۔

رفع تعارض کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث کا تعلق قریب سے ہے کہ آدمی اپنے قریب والے کو پہچان لیتا تھا اور حضرت عائشہؓ کی حدیث کا تعلق دور سے ہے۔ کہ دور ہونے سے عورتوں کی معرفت شخصی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

(۱۲/۵۴۰)وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ اِلَی الصَّلٰوةِ فَصَلّٰی قُلْنَا لِاَنَسٍ کَمْ کَانَ بَیْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُوْرِهِمَا وَ دُخُوْلِهِمَا فِی الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَ مَایَقْرَءُ الرَّجُلُ خَمْسِیْنَ اٰیَةً . (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵٤/۲حدیث رقم ۵۷۶۔وأخرجه أحمد فی مسنده ۱۷۰/۳۔

ترجمہ: حضرت قتادہؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور زید بن ثابت نے سحری کھائی۔ سحری سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ ان دونوں سحری سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقت ہوتا ہے۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اتنے وقت کا وقفہ تھا کہ جس میں کوئی آدمی پچاس آیات تلاوت کر لے۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کو اندھیرے میں پڑھتے تھے اور صاحب مشکوٰۃ بھی اس حدیث کو اس باب میں ذکر کر کے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نماز فجر کو غلس میں پڑھا جائے۔ مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک اندازہ ہے اور آیات کی تلاوت کا انداز اور طریق کار مختلف ہو سکتا ہے۔ پھر نماز کے لئے جانا فجر کی دو سنتیں پڑھنا' قراءت کا مختصر اور طویل ہونا ان تمام احتمالات کے ہوتے ہوئے وقت کی مقدار کا اندازہ متعذر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں وقت کی جو مقدار بیان کی گئی ہے۔ اس کے مطابق عوام کے لئے عمل کرنا جائز نہیں ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو تعلق مع اللہ کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل تھا اور آپ ﷺ معصوم عن الخطا بھی تھے۔ دینی معاملات میں آپ ﷺ سے کسی خطا اور غلطی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بخلاف دیگر لوگوں کے کہ ان سے خطا ہو سکتی ہے۔

برے حکمران نماز میں سستی کرتے ہیں

(۱۳/۵۴۱)وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا کَانَتْ عَلَیْكَ اُمَرَاءُ یُمِیْتُوْنَ الصَّلَاۃَ اَوْ یُؤَخِّرُوْنَھَا عَنْ وَقْتِھَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ قَالَ صَلِّ الصَّلَاۃَ لِوَقْتِھَا فَاِنْ اَدْرَکْتَھَا مَعَھُمْ فَصَلِّ فَاِنَّھَا لَكَ نَافِلَۃٌ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۴۸حدیث رقم (۲۳۸۔۶۴۸)وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۲۹۹حدیث رقم ۴۳۱۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۳۲۲حدیث رقم ۱۷۶۔وأخرج النسائی نحوه فی السنن ۲/۱۱۳حدیث رقم ۸۵۹۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۳۹۸حدیث رقم ۱۲۵۶۔وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۳۰۴حدیث رقم ۱۲۲۸ وأخرجه أحمد فی المسند ۵/۱۶۹۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا اس وقت تم کیا کرو گے جب کہ تمہارے حکمران نماز کو ضائع کر دیں گے یا وقت سے تاخیر کردیں گے میں نے عرض کیا ایسے وقت کے لئے آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس صورت میں تم اپنی نماز پڑھ لو اور پھر ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔اس حدیث مبارکہ کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں ''یُمِیْتُوْن'' یہ مشتق ہے(اماتة) سے۔اس سے مراد یا تو نماز کو مؤخر کر کے خارج وقت میں پڑھنا ہے اور یا اس سے مراد وقت مستحب سے تاخیر کرنا ہے۔او کانوا یو خرون میں ''او'' کا لفظ تشکیک کے لئے ہے راوی کو شک گزرا کہ ان دونوں لفظوں میں سے ایک ارشاد فرمایا اور پھر جب ''او'' تشکیک کے لئے ہوگا تو باعتبار معنی اس میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے تمہارے حکمران سستی اور غفلت کی وجہ سے نماز کو وقت مستحب میں پڑھیں گے بلکہ تاخیر کر کے غیر مستحب وقت میں ادا کریں گے اور یہ بھی اشارہ کر دیا کہ مسلمانوں کے لئے وقت مستحب میں اس وقت نماز پڑھنا آسان نہیں ہوگا کیونکہ حکمران کی مخالفت مشکل ہوتی ہے۔

بعض علماء کے نزدیک اس احادیث میں امراء سے مراد بنو امیہ کے حکمران ہیں کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے نماز کے واجبات سنن، تعدیل ارکان اور اوقات وغیرہ میں سستی اور غفلت برتی۔جب رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشن گوئی فرمائی تو حضرت ابوذرؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر ایسا وقت میں دیکھ لوں تو میرے لیے کیا نصیحت اور حکم ہے؟ کیونکہ جماعت کی فضیلت سے محرومی بھی ایک نقصان ہے اور حکمران کو درست (سیدھا) کرنا بھی مشکل ہے۔تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں تمہارے لئے یہ نصیحت ہے کہ پہلے اپنی نماز پڑھ لیا کرو اور پھر ان کے ساتھ یعنی شمولیت اختیار کر لیا کرو۔یہ نماز تمہاری نفل ہو جائے گی۔اس سے تمہیں دوگنا اجر ملے گا۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی امام نماز میں تاخیر کرے۔تو مقتدیوں کے لئے رخصت ہے کہ وہ اول وقت میں اپنی نماز ادا کرلیں اور بعد میں امام کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیں۔ایک نماز فرض ہو جائے گی اور ایک نفل۔

مگر ہمارے نزدیک یہ حکم صرف ظہر اور عشاء کے لئے ہے کیونکہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنے مکروہ ہیں اور مغرب کی نماز کی تین رکعات اور نفل کی تین رکعات شروع (جائز) نہیں۔

سوال: اس حدیث مبارکہ میں کوئی تخصیص نہیں مطلقاً ذکر کیا گیا ہے کہ تم اپنی نماز پہلے پڑھ لو۔چاہے وہ کوئی بھی نماز ہو۔یہ حدیث مبارکہ اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے فجر، عصر اور مغرب کو بھی شامل ہے۔

جواب: اس حدیث مبارکہ کا اطلاق و عموم ایک ضرورت کی وجہ سے ہے وہ ضرورت یہ ہے کہ حکمرانوں کے ساتھ نماز نہ پڑھنے سے اور

ان کے خلاف فتنہ وفساد پھیلنے اور برپا ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے ظہر اور عشاء کی تخصیص نہیں کی کیونکہ فتنہ وفساد کے مقابلہ میں مکروہ کا ارتکاب آسان ہے۔

سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کا حکم

(۱۴/۵۴۲)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ .(متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵٦ حدیث رقم ۵۷۹۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/٤۲٤حدیث (۱٦۳-٦۰۸) وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۲۸۸ حدیث رقم ٤۱۲۔ وأخرجه الترمذی فی السنن بمعناه ۲/٤۰۲ حدیث رقم.٥٢٤۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۲۵۷حدیث رقم ۵۱۷۔وبمعناه ابن ماجة ۱/۳۵٦ حدیث رقم ۱۱۲۲وأخرجه مالك فی الموطأ ۱/٦ حدیث رقم ۵۔ وأخرجه أحمدفی مسنده ۲/۲۵٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے فجر کی نماز کو پالیا اور جس آدمی نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کو پالیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں بیان کیے گئے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نماز عصر بالکل آخری وقت میں پڑھے۔ ابھی اس نے ایک ہی رکعت پڑھی تھی کہ سورج غروب ہو جائے۔ اسی طرح ایک آدمی نے فجر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھی کہ ابھی ایک ہی رکعت پڑھی تھی کہ سورج طلوع ہو گیا تو اس صورت میں دونوں کی نماز ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی آدمی نے نماز عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے پڑھ لی تو اسکی عصر کی نماز ہو جائیگی اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے نماز فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے قبل پڑھ لی تو اسکی نماز درست ہوگی یا نہیں۔

اس کے متعلق دو مذہب ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں نماز درست نہ ہوگی ان کا استدلال اصول فقہ کے ایک قانون اور قاعدہ سے ہے وہ یہ کہ جب نماز کا وقت داخل ہوتا ہے تو ''اقیموا الصلوٰۃ'' کا امر متوجہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس وقت کے پہلے جزو (حصہ) میں نماز ادا نہ کی جائے تو یہ امر جزو ثانی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے علی ہذا القیاس یہ انتقال ہوتا رہے گا۔ جس وقت نماز کو ادا کیا جائے گا اس سے متصل پہلے والا ''جزو'' وجوب صلوٰۃ کا سبب ہوگا۔ اگر وقت کامل ہوا تو وجوب بھی کامل ہوگا اگر وقت ناقص ہوا تو وجوب بھی ناقص ہوگا۔

اور یہ بھی قانون ہے کہ اگر وجوب کامل ہوا تو ادائیگی بھی کامل واجب ہوگی اور اگر وجوب ناقص ہوا تو ادائیگی بھی ناقص واجب ہوگی اور فجر کا تمام وقت کامل ہے لہٰذا وجوب بھی کامل ہوگا۔ جب وجوب کامل ہے تو ادائیگی بھی کامل واجب ہوگی۔ اگر فجر کی کچھ نماز طلوع آفتاب کے بعد پڑھی گئی تو وہ وقت ناقص ہے اس سے لازم آئے گا کہ واجب کامل کو ادائے ناقص کے ساتھ ادا کیا جا رہا ہے اور یہ درست نہیں۔ اس لئے مذکورہ صورت میں فجر کی نماز نہیں ہوگی بخلاف عصر کے کہ اس کا وقت دو قسم پر ہے کامل و ناقص۔

عصر کا آخری وقت ناقص ہے لہٰذا وجوب بھی ناقص ہوگا اور ادائیگی بھی ناقص واجب ہوگی۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد دونوں اوقات مکروہ ہیں لیکن ان دونوں کی کراہت میں فرق ہے۔ فجر کی کراہت کامل ہے کیونکہ اس کے بعد نماز کا وقت نہیں ہے اور عصر کی کراہت ناقص ہے کیونکہ اس کے بعد نماز کا وقت ہے

کراہت کامل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک رکعت طلوع آفتاب کے بعد پڑھی تو نماز نہیں ہوگی اور کراہت ناقص کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ دوسرا مذہب جمہور ائمہ کا ہے ان کے نزدیک اگر کسی نے فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے قبل پڑھ لی تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ ان کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے اس میں مذکور ہے کہ جس نے فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے پڑھ لی تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

مگر ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم مطلق نہیں بلکہ اس آدمی کے لئے ہے جس پر پہلی مرتبہ نماز فرض ہوئی ہو۔ مثلاً بچہ بالغ ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا یا حائض کا حیض ختم ہو گیا یا نفاس ختم ہو گیا اگر ان سب میں سے کسی آدمی نے فجر کا اتنا وقت پالیا کہ جس میں ایک رکعت پڑھی جاسکتی ہے یا عصر کی ایک رکعت پڑھی جاسکتی ہے تو ان پر پوری نماز فرض ہو جاتی ہے۔

اگر ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ یہ حکم تو تمام نمازوں کے لئے ہے فجر اور عصر کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم تمام نمازوں کے لئے ہے۔ ان دو کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ ان کے وقت کا خروج اور دخول ظاہر ہے۔ اس وجہ سے ان کا ذکر بطور مثال کے ہے۔

وقت مکروہ کی دوسری قسم اوقات ثلثہ ہیں۔ یعنی طلوع آفتاب غروب آفتاب اور استواء آفتاب کا وقت۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان اوقات میں مطلقاً نماز ناجائز ہے چاہے فرض ہو یا نفل اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان تین اوقات میں فرض نماز جائز ہے اور نوافل ناجائز ہیں مگر یہ تخصیص درست نہیں کیونکہ احادیث میں مطلقاً ذکر کیا گیا ہے کہ ان تین اوقات میں نماز مکروہ ہے۔ فرض اور نفل کی تخصیص اور تفریق مذکور نہیں ہے۔

(۱۵/۵۴۳)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهٗ وَاِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهٗ. (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۷/۲ حدیث ۵۵۶۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۲۵۷/۱ حدیث رقم ۵۱۷ واحمد فی مسنده ۳۹۹/۲۔ وأخرجه مسلم عن عائشة فی صحیحه بالفاظ متقاربة ۴۲۴/۱ حدیث (۱۶۴۔۶۰۹)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی آدمی سورج غروب ہونے سے قبل عصر کی ایک رکعت پالے تو اس کو نماز پوری کر لینی چاہئے اور اگر طلوع شمس سے قبل فجر کی ایک رکعت پالے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری کر لے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں سَجْدَةً سے مراد پوری رکعت ہے۔ گویا تسمية الكل باسم الجزء کے قبیلہ سے ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو آدمی طلوع شمس سے قبل ایک رکعت پالے تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے بغیر اتمام نہیں ہو سکتا اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے۔

نسیان اور نوم کی وجہ سے نماز رہ جانے کا کفارہ

(۱۶/۵۴۴)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۷۰/۲ حدیث رقم ۵۹۷ ولم یفصل بین الروایتین وزاد الآیة ﴿واقم الصلاة لذکری﴾ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۴۷۷/۱ حدیث رقم (۳۱۵۔۶۸۴) والروایة الثانیة نفس المصدر حدیث (۳۱۴۔۶۸۴) وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۳۰۷/۱ حدیث رقم ۴۴۲۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۳۳۵/۱ حدیث رقم ۱۷۸۔ (الروایة الأولی

)وأخرج النسائي النسيان فقط من الرواية الأولى ۲۹۳/۱ حديث رقم ۶۱۳۔ وكذلك ابن ماجة ۲۲۷/۱ حديث رقم ۶۹۶۔وأخرجه الدارمي في السنن ۳۰۵/۱ حديث رقم ۱۲۲۹۔وأخرجه أحمد في مسنده ۱۰۰/۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا نماز کے وقت سو جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب یاد آئے تو پڑھ لے اور ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ اس نماز کو پڑھ لینے کے علاوہ اس کا کوئی اور کفارہ نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اگر کسی آدمی کی نماز رہ جائے نسیان کی وجہ سے یا نیند کی وجہ سے۔ تو اس کا کفارہ صرف یہی ہے کہ جب اس کو یاد آ جائے یا نیند سے بیدار ہو تو اسی وقت اس کو پڑھ لے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ بخلاف رمضان المبارک کے روزہ کے کہ اس کو اگر بغیر عذر کے ترک کر دیا تو کفارہ اور صدقہ وغیرہ ہوتا ہے۔

علامہ ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر نماز پڑھنے سے رہ گئی ہو تو وہ جب بھی یاد آ جائے اس کو پڑھنے میں تاخیر نہ کرے۔

نیند کی وجہ سے نماز کا رہ جانا کوتاہی نہیں

(۱۷/۵۴۵)وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ فِی النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِی الْيَقْظَةِ فَاِذَا نَسِیَ اَحَدُكُمْ صَلَاةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ وَاَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ .(رواه مسلم)

أخرجه مسلم عن أبي قتادة من حديث طويل في صحيحه ۴۷۲/۱ حديث رقم (۳۱۱۔۶۸۱)ولم يذكر فيه قوله تعالى : ﴿واقم الصلاة لذكرى﴾۔وأخرجه أبوداؤد بنحوه ۳۰۴/۱ حديث رقم ۴۳۷۔وأخرجه الترمذي في السنن ۳۳۴/۱ حديث رقم ۱۷۷۔وأخرجه النسائي في السنن ۲۹۴/۱ حديث رقم ۶۱۵۔ولفظ المشكاة له الا أنه لم يذكر الأية۔ الأية ۔وأخرجه ابن ماجة ۲۲۸/۱ حديث رقم ۶۹۸۔وأخرجه أحمد في المسند ۲۹۸/۵۔

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نیند کی وجہ سے نماز کا رہ جانا کوتاہی نہیں بلکہ کوتاہی تو بیداری میں ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی نماز بھول جائے یا سو جائے اور نماز رہ جائے۔ جب یاد آئے نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ۔ میری یاد کے وقت نماز پڑھ لیا کرو۔

تشریح ۞ اگر کوئی آدمی سو گیا اور اس کی نماز رہ گئی اس حالت میں نماز کے رہ جانے سے وہ آدمی قصوروار نہیں ہوگا کیونکہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں ان میں سے ایک سو جانے والا ہے۔ کیونکہ نیند کی حالت میں آدمی غیر مکلف ہوتا ہے۔ لہٰذا قصور اور کوتاہی کی نسبت بیداری کی حالت کی طرف منسوب ہوگی نہ کہ نوم کی طرف۔

اس حدیث میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کا یاد کرنا بمنزلہ یاد الٰہی کے ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نماز یاد کرنے کو اپنی یاد کے مترادف قرار دیا ہے کہ جب نماز یاد آئے تو اس کو پڑھ لیا کرو کیونکہ وہ میری یاد کا سبب ہے بعض علماء نے لذکری کا معنی یہ کیا ہے کہ میں تمہیں جب نماز یاد دلا دوں تو اس وقت نماز ادا کر لیا کرو۔

الفصل الثانی:

تین چیزوں میں دیر نہ کرو

(۱۸/۵۴۶)عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ يَا عَلِیُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ

وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱ / ۳۲۰ حدیث رقم ۱۷۱ وقال حدیث غریب حسن ۔ وأخرجه أحمد فی مسنده ۱ / ۱۰۵۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا۔ ایک نماز ادا کرنے میں جب وقت ہو جائے دوم جنازہ میں جب تیار ہو جائے۔ سوم بے خاوند عورت کے نکاح میں جب کہ اس کا کفو مل جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ایک انتہائی عمدہ اور قیمتی نصیحت فرمائی کہ اے علیؓ تین امور میں تاخیر نہ کرنا۔

① جب نماز کا وقت ہو جائے تو نماز کو اس کے وقت میں پڑھو۔ وقت سے بھی تاخیر نہ ہو اور وقت مستحب سے بھی مؤخر نہ کرنا۔ کیونکہ یہ اہم عبادت ہے اور دین کا ستون ہے اس میں ہرگز غفلت اور کوتاہی نہ ہو۔

② جب جنازہ تیار ہو جائے تو اس کی نماز، تکفین و تدفین میں تاخیر نہ ہو۔

حضرت علامہ اشرفؒ کا فرمان حضرت طیبی شافعیؒ نقل کرتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ اوقات مکروہہ میں بھی پڑھنی جائز ہے۔ طلوع شمس غروب شمس اور استواء شمس کے وقت ہاں البتہ اگر جنازہ ان اوقات سے پہلے آ جائے تو پھر ان اوقات میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ یہی حکم سجدہ تلاوت کا ہے باقی اوقات ثلاثہ کے علاوہ فجر کے بعد اور عصر کے بعد نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت دونوں جائز ہیں۔

③ جس عورت کی شادی نہ ہو اس کی شادی کے لئے اگر کفو کے مطابق رشتہ مل جائے تو فی الفور اس کا نکاح کر دیا جائے۔ اس حدیث میں۔ ایم۔ سے مراد وہ عورت ہے جس کا خاوند نہ ہو۔ چاہے وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ ہو مطلقہ ہو یا بیوہ ہو۔

اور کفو سے مراد یہ ہے کہ چھ چیزوں میں مساوات اور برابری ہو: ① حسب و نسب ② اسلام ③ آزادی ④ دیانت ⑤ مال و منال ⑥ حرفت و صنعت۔

لمحہ فکریہ: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے لڑکیوں کی شادی جلدی کر دی جائے مگر موجودہ دور میں لڑکیوں کی شادی میں حد سے زیادہ ہی تاخیر کی جاتی ہے اور یہ تاخیر نئی تہذیب رسم و رواج اور مغرب کی اتباع کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے علاوہ لڑکیوں کے فطری جذبات کا قلع قمع کرنے کے مترادف ہے اس کا نتیجہ بدکاری، بے حیائی، بے غیرتی، اخلاق و اقدار کی پستی، عفت و عصمت سے عاری ہونا ہے۔

جس طرح باکرہ لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کو تہذیب و تمدن اور ثقافت کا جزو لاینفک سمجھ لیا ہے اسی طرح یہی سلوک کیا جاتا ہے بیوہ اور مطلقہ خاتون کے ساتھ کہ اس کی شادی کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔

تمام اہل السنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق سنت رسول کی تحقیر کفر کو مستلزم ہے۔ لڑکیوں کی شادی کی سنت روز روشن کی طرح واضح ہے مگر انتہائی افسوس کہ آج مسلمان ہونے کا اور عاشق رسول ہونے کا دعویٰ تو زوردار الفاظ میں ہوتا ہے۔ مگر عمل بالکل نہیں ہوتا۔ لڑکیوں کے نکاح میں تاخیر کی جاتی ہے۔ کوئی تہذیب اور فیشن کا دلدادہ ہو کر اس سعادت عظمیٰ سے محروم ہوتا ہے کوئی اپنی رنگ رنگ کی مجبوریوں کی وجہ سے محروم ہوتا ہے کوئی اقارب اور اغیار کی طعن و تشنیع سے مرعوب ہو کر محروم ہوتا ہے۔

ایمان افروز حکایت:

ایک اللہ والے نے اپنی لخت جگر کا نکاح اپنے ایک مرید سے کر دیا جو بظاہر اس لڑکی کے مناسب تھا اور کسی کو اس کی اطلاع نہ کی اور اپنی زوجہ سے بھی معاملہ صیغہ راز میں رکھا۔ بعد میں جب ان کی بیوی کو علم ہوا تو بہت گرما گرمی ہوئی اور کہا کہ آپ نے غور و فکر نہیں کیا اس

سے تو ہماری ناک معاشرے میں کٹ جائے گی الغرض اس اللہ والے کو پریشان کرنے میں مکمل اپنے ناقص العقل ہونے کا ثبوت دیا وہ اللہ والے یہ جان کر کہ ان عورتوں کے منہ لگنا خواہ مخواہ اپنی عقل خراب کرنا ہے اس لئے خاموشی اختیار کی اور باہر آ کر مریدوں سے پوچھا کیوں بھائیو میرے چہرے پر ناک ہے یا کٹ گئی ہے انہوں نے تعجب سے دریافت کیا حضرت یہ کیا ماجرا ہے۔ پھر فرمایا کہ میری بیوی تو کہتی ہے کہ ناک کٹ گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی اچھے اور نیک کام کرنے میں کسی کی طعن وتشنیع کا خیال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حقیقت اور اصل میں جو چیز بری نہ ہو۔ لوگوں کے برا کہنے سے وہ بری نہیں ہو جاتی۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اس حدیث کا معنی اس طرح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے علیؓ تین امور میں تاخیر نہ کرو۔

① فرض نماز کی ادائیگی میں جب کہ اس کا وقت ہو جائے۔

② نماز جنازہ میں جب کہ تیار ہو جائے۔

③ بیوہ عورت کے نکاح میں جب کہ اسکی ذات کا خاوند مل جائے۔ جو آدمی بیوہ کے نکاح کرنے کو معیوب سمجھے اسکا ایمان سلامت نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر تمہارا غلام اور باندی نیک ہوں اور تمہاری خدمت میں کوتاہی نہ کریں تو ان کا بھی نکاح کردو۔

ابتداء وقت میں نماز پڑھنا اللہ کی رضا ہے

(۱۹/۵۴۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلَاۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُاللّٰہِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۱/۳۲۱ حديث رقم ۱۷۲ وقال حديث غريب۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز کو شروع وقت میں ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے اور آخر وقت میں ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی معافی کا سبب ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اول وقت سے مراد وقت مستحب ہے اور اس کی تقیید کی ضرورت اسلئے پڑی کہ احناف کے نزدیک بعض نمازوں میں تاخیر کی جاتی ہے جیسے نماز فجر کو اسفار میں پڑھنا اولیٰ ہے اور موسم گرما میں نماز ظہر کو تاخیر سے پڑھنا اولیٰ ہے یہ نمازیں مذکورہ حدیث کے مسئلہ سے خارج اور مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کو اول وقت میں پڑھنا اولیٰ نہیں ہے۔ بلکہ آخر وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔

اور اس حدیث میں آخر وقت سے مراد وقت مکروہ ہے مثلاً نماز عصر کو اصفرار شمس کے وقت پڑھنا یا نماز عشاء کو نصف لیل کے بعد ادا کرنا مطلب یہ ہوگا کہ آخر وقت میں نماز پڑھنے والا نماز کا تارک ہونے سے محفوظ ہو جائیگا اور اس کی اس پر کوئی پکڑ اور گرفت نہیں ہوگی۔

سب سے افضل عمل نماز ہے

(۲۰/۵۴۸) وَعَنْ اُمِّ فَرْوَۃَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداود وَقَالَ الترمذی) لَایُرْوٰی الْحَدِیْثُ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِیِّ وَھُوَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ۔

أخرجه أحمد في مسنده ۶/۳۷۴ وأخرجه الترمذي في السنن ۱/۳۱۹ حديث رقم ۱۷۰۔ وأخرجه أبوداود في السنن ۱/۲۹۶ حديث رقم ۴۲۶۔

ترجمہ: حضرت ام فروہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ثواب کے اعتبار سے کونسا عمل افضل ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا۔ اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف عبداللہ بن عمر عمری سے روایت کی جاتی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک مضبوط نہیں ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ نماز کو اس کے اول وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھا جائے اور یہ بھی یاد رہے کہ افضل الاعمال والی احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔ وہ اس طرح کہ سوال یہی تھا اور جواب میں مختلف اعمال کو ذکر کیا گیا یعنی جواب مختلف تھا۔ اس تعارض اور رفع تعارض کا ذکر کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں ہو چکا ہے۔

حدیث کی اسنادی حیثیت:

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی صرف عبداللہ بن عمر عمری ہیں اور وہ محدثین کے نزدیک مضبوط نہیں عبداللہ بن عمر عمری حضرت فاروق اعظمؓ کے خاندان سے ہیں اسی لئے ان کو عمری کہا جاتا ہے۔ الغرض امام ترمذی کی اس وضاحت سے غرض یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ جب کہ بعض دیگر علماء کرام نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اوّل وقت میں نماز افضل ہے

(۲۱/۵۴۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۳۲۸ حدیث رقم ۳۲۸ وقال لیس إسناده بمتصل وهو حسن غریب ۔وأخرجه أحمد فی مسنده ۶/۹۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز بھی آخر وقت میں دو مرتبہ بھی نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض کرلی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت عائشہؓ کی غرض یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازوں کو ان کے مستحب اور افضل وقت میں پڑھا کرتے تھے اوقات مکروہہ میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث پر بظاہر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ نماز آخر وقت میں نہیں پڑھی۔ حالانکہ دو مرتبہ تو آخر وقت میں پڑھی ہے۔ ایک مرتبہ امامت جبرائیل کے واقعہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں جب کہ ایک آدمی نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لئے آیا تھا۔

اسکا ایک جواب یہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہؓ نے اپنے علم کے مطابق ارشاد فرمائی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مرتین سے قبل۔ الا۔ استثنائیہ محذوف ہے معنی یہ ہوگا کہ آپؐ نے سوائے دو مرتبہ کے آخر وقت میں نماز نہیں پڑھی۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

مغرب کی نماز کے لئے ستاروں کا انتظار نہیں کرنا چاہیے

(۲۲/۵۵۰) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَالَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ۔ (رواہ ابوداود ورواہ الدارمی عن العباس)

أخرجه ابو داوٗد فی السنن ۱/۲۹۱ حدیث رقم ۴۱۸۔

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری امت کے لوگ نماز مغرب کو اتنی تاخیر سے نہ پڑھیں کہ ستارے جگ مگانے لگیں تو ہمیشہ خیر یا فرمایا فطرت اسلام پر رہیں گے۔اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا اور امام دارمیؒ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت میں صرف ستاروں کا نظر آجانا کراہت کا سبب نہیں البتہ جب ستارے جگمگانے لگیں اور گنجان ہوجائیں تو پھر نماز مغرب کا وقت مکروہ ہوگا۔اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ نماز مغرب کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔آپ نے صرف ایک مرتبہ نماز مغرب تاخیر سے پڑھی تھی اور وہ بھی بیان جواز کے لئے۔

اس حدیث سے شیعہ شنیعہ کی تردید ہوگئی وہ اذان اس وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ ستارے نظر نہ آجائیں۔ان کا یہ عمل حدیث رسول کے بھی مخالف ہے اور امت کے متفق علیہ عمل اور صراطِ مستقیم کے بھی مخالف ہے۔

نمازِ عشاء کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا

(۵۵۱/۲۳)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْلَااَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْنِصْفِهٖ ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجة)

أخرجه أحمد فی المسند ۲/ ۳۵۰ وذکر معه السواك ـ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۳۱۰ حدیث رقم ۱۶۷ وقال حدیث حسن صحیح ـ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۲۲۶ حدیث رقم ۶۹۱ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو ان کو یہ حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو ثلث لیل تک یا نصف لیل تک تاخیر کر کے پڑھیں۔اس حدیث کو امام احمدؒ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

نماز عشاء کو تاخیر کے ساتھ پڑھنے کا حکم

(۵۵۲/۲۴)وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْتِمُوْا بِهٰذَا الصَّلَاةِ فَاِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا اُمَّةٌ قَبْلَكُمْ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۲۹۲ حدیث رقم ۴۲۱ ـ وأخرجه أحمد فی المسند ۵/ ۲۳۷ـ

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم عشاء کی نماز کو دیر سے پڑھو۔کیونکہ تمہیں دوسری امتوں پر اس نماز کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے اس نماز کو نہیں پڑھا اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ایک تو نماز عشاء کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ثانیا اس کا وقت مستحب بیان کیا گیا ہے کہ اس کو تاخیر سے پڑھو۔عشاء کی نماز اس امت مرحومہ کی خصوصیت ہے اس سے قبل عشاء کی نماز کسی اور امت نے نہیں پڑھی۔امامت جبرائیل والی حدیث کے ظاہر سے اگر چہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز سابقہ امتوں نے بھی پڑھی ہے۔اس کی بحث بقدر ضرورت پہلے گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ عشاء کی نماز پہلے انبیاء ﷺ نے پڑھی ہے نہ کہ ان کی امتوں نے اور امامت جبرائیل والی حدیث میں انبیاء کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ھذا وقت الانبیاء جیسے تہجد کی نماز رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی اور آپ کی امت پر فرض نہ تھی۔

عشاء کی نماز تیسری تاریخ کا چاند غروب ہونے کے وقت پڑھی جائے

(۲۵/۵۵۳)وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلَاةِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ۔ (رواه ابوداود والدارمی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۲۹۱حديث رقم ٤١٩وأخرجه الدارمي في السنن ۱/۲۹۸۔حديث رقم ۱۲۱۱وأخرجه الترمذي في السنن ۱/۳۰٦حديث رقم ١٦٥۔وأخرجه النسائي في السنن ۱/۲٦٤حديث رقم ٥٢٩وأخرجه احمد في مسنده ٤/۲۷۰۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس نماز یعنی عشاء کی نماز کے وقت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔رسول اللہ ﷺ اس نماز کو تیسری تاریخ کا چاند غروب ہو جانے کے وقت پڑھتے تھے۔اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہؐ عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ تیسری رات کا چاند غروب ہو جاتا اور یہ غروب شمس کے بعد تقریباً تین یا پونے تین گھنٹے کا وقت بنتا ہے۔اس حدیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز کو ثلث لیل تک تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے اور اس حدیث میں عشاء کے ساتھ الآخرہ کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ بعض اوقات مغرب کو بھی عشاء کہا جاتا ہے اور دونوں کے درمیان امتیاز اولی اور آخرہ کی قید سے ہوگا۔کہ مغرب کو عشاء اولی کہتے ہیں اور عشاء کو عشاء آخرہ۔

نمازِ فجر کو اسفار میں پڑھنا افضل ہے

(۲۶/۵۵۴)وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (رواه الترمذی وابوداود والدارمی) وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔

أخرجه الترمذي في السنن ۱/۲۸۹حديث رقم ١٥٤وقال حسن صحيح ۔وأخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۲۹٤حديث ٤٢٤وذكر"أصبحوا" بدل "أسفروا" وأخرجه الدارمي في السنن ۱/۳۰۰حديث رقم ۱۲۱۷۔ أخرجه النسائي في السنن ۱/۲۷۲حديث رقم ٥٤٨ولم يذكر "فانه أعظم للأجر" الا أنه أورده في طريق أخرى وذكره ۔وأخرجه ابن ماجة في السنن بلفظ "أصبحوا" ۱/۲۲۱حديث رقم ٦٧٢۔وأخرجه أحمد في مسنده ٤/١٤٢۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فجر کو روشنی میں پڑھو کیونکہ اس میں اجر وثواب زیادہ ہے اس حدیث کو امام ترمذیؒ امام ابوداؤدؒ امام دارمی نے روایت کیا ہے اور نسائی کی روایت میں فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ الفاظ نہیں ہیں۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ فجر کی نماز کو اسفار میں پڑھنا افضل ہے یا کہ غلس میں۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فجر کی نماز کو اسفار روشنی میں پڑھنا افضل ہے اور امام صاحب کا استدلال اسی مذکورہ حدیث سے ہے امام طحاوی حنفی فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کو غلس میں شروع کیا جائے اور اسفار میں مکمل کیا جائے۔یعنی قراءت اتنی طویل کی جائے کہ نماز کے اختتام پر اجالا ہو جائے بعض علماء کے نزدیک حضرت امام طحاوی کی یہ توجیہ اولی اور افضل ہے کیونکہ اس سے تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے بعض احادیث میں اسفار میں پڑھنے کا ذکر ہے اور بعض میں غلس کا۔

اور شرح السنہ میں غلس اور اسفار والی روایات میں تعارض کو اس طرح رفع کیا گیا ہے کہ موسم سرما میں غلس کے اندر پڑھی جائے اور

موسم گرما کے اندر اسفار میں پڑھی جائے اور وہ حدیث یہ ہے:

قال معاذ بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الیمن فقال اذا کان فی الشتاء فغلس بالفجر واطل القراء ة قدر ما یطیق الناس ولا تملهم واذا کان فی الصیف فاسفر بالفجر فان اللیل قصیر والناس نیام فامهلهم حتی ادرکوا یعنی الصلٰوة۔

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا تو یہ بھی فرمایا کہ موسم سرما میں فجر کی نماز کو غلس میں پڑھنا اور قراءت طویل کرنا لوگوں کی طاقت کے مطابق اور موسم گرما میں فجر کی نماز کو اجالے میں پڑھنا کیونکہ گرمیوں میں رات چھوٹی ہوتی ہے اور لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اتنا موقع دیا جائے کہ لوگ نماز میں شریک ہوسکیں۔ اور اسفار کی مقدار یہ ہے کہ اگر نماز سنت کے مطابق ادا کی جائے اور اس نماز میں کسی وجہ سے فساد آ جائے تو نماز کا اعادہ سنت کے مطابق وقت کے اندر ہوسکے۔

الفصل الثالث:

عصر کی نماز میں تعجیل کرنا

(۲۷/۵۵۵) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ثُمَّ تُنْحَرُ الْجَزُوْرُ فَتُقَسَّمُ عَشْرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيْجًا قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ . (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۲۸/۵ حديث رقم ۲٤۸۵۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ٤۳۵/۱ حديث (۱۹۸۔۶۲۵) وأحمد في مسنده ۱٤۳/٤۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر اونٹوں کو ذبح کیا کرتے تھے اور پھر ان کو دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ اس کے بعد اس کو پکایا جاتا اور پھر ہم سورج غروب ہونے سے قبل کھا کر فارغ ہو جاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ بظاہر اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عصر کی نماز جلدی پڑھی جاتی تھی جب کہ ہر شئی کا سایہ اس کے فوراً بعد ایک مثل ہو جاتا اور یہی مذہب ہے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عصر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب کہ سایہ دو مثل ہو جائے اور مذکورہ حدیث کو موسم گرما پر محمول کیا جائے گا کیونکہ گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ ہدایہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر نماز عصر کو سورج کے تغیر سے پہلے پڑھا جائے تو باقی وقت میں غروب آفتاب تک آسانی سے یہ عمل ہوسکتا ہے اور اہل عرب اس کام کے بہت ماہر تھے اور ماہر سے ایسے عمل کے واقع ہو جانے میں کوئی بعد نہیں ہے اور امام صاحب کا ایک قول اس مسئلہ میں وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ اور حضرات صاحبین کا ہے۔

عشاء میں تاخیر کا واقعہ

(۲۸/۵۵۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهُ فَلَا نَدْرِيْ اَشَيْءٌ شَغَلَهُ فِيْ اَهْلِهِ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلَاةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْلَا اَنْ يَثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى . (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۴۲حديث رقم (۲۲۰ـ۶۳۹)وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۲۹۲حديث رقم ۴۲۰وأخرجه في السنن ۱/۲۶۷حديث رقم ۵۳۷ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم لوگ عشاء کی نماز کیلئے بہت دیر تک بیٹھے رہے اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے رہے رسول اللہ ﷺ ثلث لیل گزرنے کے بعد یا اس سے بھی تاخیر کے ساتھ تشریف لائے اور ہم کو یہ معلوم نہیں کہ آپ ﷺ گھر کے کسی کام میں مصروف تھے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور عذر تھا رسول اللہ ﷺ نے آتے ہی ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے اور نماز کا انتظار تم لوگ ہی کرتے ہو تمہارے علاوہ کسی اور دین والے نے نماز کا انتظار نہیں کیا۔ اور اگر مجھے اپنی امت پر ثقل گرانی کا خوف نہ ہوتا تو میں اس نماز کو اسی وقت ہمیشہ پڑھا کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے مؤذن کو حکم دیا تکبیر کہنے کا اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز کو ثلث لیل کے وقت پڑھنا افضل ہے یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک جو نمازی اول وقت میں جمع ہو جائیں وہ اول وقت میں پڑھ لیں اور جو تاخیر سے آئیں وہ تاخیر سے پڑھ لیں اور رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی اس کے مطابق ثابت ہے کہ اگر لوگ اول وقت میں جمع ہو جاتے تھے تو اول وقت میں نماز پڑھا دیتے تھے۔ ورنہ تاخیر سے پڑھاتے تھے جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو صحابہ کرام آپ کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ مسرور ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے علاوہ کسی نے اس نماز کا انتظار نہیں کیا۔ مراد یہود اور نصاریٰ تھے۔ کیونکہ یہ نماز ان کے علاوہ کسی اور امت پر فرض نہیں کی گئی۔ جس قدر انتظار ہوگا اس قدر ثواب ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نماز میں تخفیف کرتے تھے

(۲۹/۵۵۷)وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ نَحْوًا مِّن صَلَاتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلَاتِكُمْ شَيْئًا وَكَانَ يُخَفِّفُ الصَّلَاةَ . (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۴۵حديث رقم (۲۲۷ـ۶۴۳)ـوأخرجه أحمد في المسند ۵/۱۰۵ـ

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری نمازوں کے قریب قریب اوقات میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر عشاء کی نماز تمہاری نماز سے کچھ تاخیر کر کے پڑھا کرتے تھے اور نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ عشاء کی نماز میں تاخیر افضل اور مستحب ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں تخفیف کرتے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ قراءت مختصر کرتے تھے اور چھوٹی سورتوں کی تلاوت کرتے تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چھوٹی سورتوں کی قراءت بوقت امامت کرتے تھے تاکہ لوگوں کی رعایت ہو جائے کیونکہ جماعت کی نماز میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور یہ بھی للا کثر حکم الکل کے مطابق ہے ورنہ آپ ﷺ سے نماز مغرب کی دو رکعتوں میں سورۂ اعراف کی قراءت ثابت ہے۔ بہر حال امام اگر محمد رسول اللہ ﷺ ہوں اور مقتدی صحابہ کرامؓ ہوں تو قراءت کی طوالت مقتدیوں کو گراں کیسے محسوس ہوگی بلکہ ان کو انتہائی غلبہ شوق تھا۔

سوال: اس مقام پر بظاہر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ حضرت جابرؓ نے عشاء کی نماز کو عتمہ سے تعبیر کیا ہے حالانکہ رسول اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔

جواب: اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ آپ نے بوجہ شہرت مخاطبین کی آسانی کے لئے اس لفظ سے تعبیر کر دیا تا کہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے۔

نماز کا انتظار نماز کے حکم میں ہے

(۳۰/۵۵۸) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ صَلَّیْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ صَلَاۃَ الْعَتَمَۃِ فَلَمْ یَخْرُجْ حَتّٰی مَضٰی نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللَّیْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَکُمْ فَاَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَاَخَذُوْا مَضَاجِعَھُمْ وَاِنَّکُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِیْ صَلَاۃٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاۃَ وَلَوْلَا ضَعْفُ الضَّعِیْفِ وَسَقْمُ السَّقِیْمِ لَاَخَّرْتُ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ اِلٰی شَطْرِ اللَّیْلِ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ١/٢٩٣ حديث رقم ٤٢٢۔ أخرجه النسائی فی السنن ١/٢٦٨ حديث رقم ٥٣٨ وابن ماجة فی السنن ١/٢٢٦ حديث رقم ٦٩٣۔ وأخرجه أحمد فی مسنده ٣/٥۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اتفاق سے اس دن یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ ﷺ تقریباً نصف لیل کے قریب تک تشریف نہ لائے۔ آپ ﷺ نے آمد کے بعد فرمایا تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا۔ چنانچہ ہم لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستر سنبھال لئے اور جب تک تم نماز کے انتظار میں رہو گے۔ تمہارا یہ تمام وقت نماز میں شمار ہوگا اور اگر مجھے ضعیفوں کی کمزوری اور مریضوں کی بیماری کا خیال نہ ہوتا تو میں ہمیشہ کے لئے اس نماز کو نصف لیل تک تاخیر کر کے پڑھتا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: عشاء کی نماز اس امت کی خصوصیت ہے جیسے اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اس نماز کو دوسری کسی امت نے نہیں پڑھا اور نہ ہی کسی نے اس نماز کا انتظار کیا اس حدیث میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ تم لوگ اس نماز کا انتظار کر رہے ہو اور دوسرے لوگوں نے اپنے اپنے بستر سنبھال لئے ہیں اس سے مراد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں کہ وہ مغرب کی نماز پڑھ کر سو گئے ہیں اور خواب غفلت کا شکار ہو چکے ہیں اور تم عشاء کی نماز کا انتظار کر رہے ہو اور جب تک بندہ نماز کا انتظار کرتا ہے وہ حکماً نماز میں شمار ہوتا ہے بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دوسرے محلوں کے مسلمان نماز پڑھ کر سو گئے اور تم ابھی تک مسجد نبوی میں عشاء کی نماز کا انتظار کر رہے ہو اس وجہ سے تم دیگر مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ اجر و فضیلت کے مستحق ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عصر کی نماز تاخیر سے ہوتی تھی

(۳۱/۵۵۹) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَشَدَّ تَعْجِیْلًا لِلظُّھْرِ مِنْکُمْ وَاَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِیْلًا لِلْعَصْرِ مِنْہُ۔ (رواہ احمد والترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ١/٣٠٢ حديث رقم ١٦١۔ وأخرجه أحمد فی مسنده ٦/٢٨٩۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز تم سے زیادہ جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز پڑھنے میں رسول اللہ ﷺ سے جلدی کرتے ہو۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کو سنت کی طرف رغبت اور توجہ دلائی۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع سعادت اور فلاح کا

ذریعہ ہے اس کے علاوہ ناکامی اور خسران ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عصر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے اور یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔ اس میں یہی ذکر کیا گیا ہے کہ عہد نبوی میں عصر کی نماز کو تاخیر سے پڑھا جاتا تھا۔

موسم کی وجہ سے نماز میں تاخیر اور تعجیل ہو سکتی ہے

(۳۲/۵۶۰) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا کَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلَاۃِ وَاِذَا کَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ.

(رواہ النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ١/٢٤٨ حديث رقم ٤٩٩۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ موسم گرما میں نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے اور موسم سرما میں جلدی پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ظہر کی نماز میں تاخیر افضل ہے یا تعجیل حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موسم گرما میں تاخیر افضل ہے اور موسم سرما میں تعجیل افضل ہے اور یہ حدیث امام صاحب کی واضح دلیل ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب گرمی کی شدت ہوتی تھی تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے تھے اور اس سے احادیث کے درمیان تعارض بھی رفع ہو جاتا ہے بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ظہر کو جلدی پڑھا جائے اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ تاخیر سے پڑھا جائے رفع تعارض یہ ہے کہ تاخیر والی روایات شدت حرارت کے زمانہ پر محمول ہیں اور تعجیل والی روایات موسم سرما پر محمول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد حکمران نمازوں میں تاخیر کرینگے

(۳۳/۵۶۱) وَعَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّھَا سَتَکُوْنُ عَلَیْکُمْ بَعْدِیْ اُمَرَاءُ یَشْغَلُھُمْ اَشْیَاءُ عَنِ الصَّلَاۃِ لِوَقْتِھَا حَتّٰی یَذْھَبَ وَقْتُھَا فَصَلُّوا الصَّلَاۃَ لِوَقْتِھَا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُصَلِّیْ مَعَھُمْ قَالَ نَعَمْ. (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/٣٠١ حديث رقم ٤٣٣ وفيه زيادة "نعم إن شئت"۔ وأخرجه أحمد في مسنده ٦/٧۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ سے کہ میرے بعد عنقریب تم پر ایسے حکمران ہوں گے جنہیں دنیا کے امور وقت پر نماز پڑھنے سے روکیں گے یہاں تک کہ نماز کا وقت خارج ہو جائے گا۔ لہٰذا تم لوگ اپنی نمازیں وقت پر پڑھتے رہنا۔ ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول پھر ان کے ساتھ بھی نماز پڑھیں۔ فرمایا ہاں ان کے ساتھ بھی نماز پڑھو۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تاخیر سے نماز پڑھنے پر مواخذہ ہوگا

(۳۴/۵۶۲) وَعَنْ قَبِیْصَۃَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَکُوْنُ عَلَیْکُمْ اُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِیْ یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاۃَ فَھِیَ لَکُمْ وَھِیَ عَلَیْھِمْ فَصَلُّوْا مَعَھُمْ مَاصَلُّوا الْقِبْلَۃَ. (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/٣٠١ حديث رقم ٤٣٤۔

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن وقاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میرے بعد تمہارے ایسے حکمران ہوں گے جو نماز کو تاخیر سے پڑھیں گے اور وہ نماز تمہارے لئے فائدہ مند ہوگی اور ان کے لئے وبال ہوگی۔ لہٰذا جب تک وہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے رہیں تم بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں فَهِيَ لَكُمْ۔ اس جملہ کا مطلب اور مراد یہ ہے کہ اگر تم نے اپنی نماز وقت مستحب میں پڑھ لی پھر فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے ان حکمرانوں کے ساتھ بھی پڑھ لی تو اس دوسری نماز میں تمہارے لئے ایک فائدہ ہوگا۔

پہلی نماز سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ دوسری نماز نفل ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا اور فساد سے بچنے کا ثواب بھی مل جائے گا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ لوگوں نے فتنہ اور فساد کے ڈر سے ان کے ساتھ نماز ادا کر لی تو تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا۔ وَهِيَ عَلَيْهِمْ۔ سے مراد یہ ہے کہ وہ نماز ان حکمرانوں کے لئے وبال ہوگی۔ کہ نماز تاخیر سے پڑھنے پر ان کا مواخذہ اور گرفت ہوگی۔

لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو اور ان کی برائی سے بچو

(۵۶۳/۳۵) وَعَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَاتَرٰى وَيُصَلِّيْ لَنَا اِمَامُ فِتْنَةٍ فَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلَاةُ اَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَاِذَا اَحْسَنَ النَّاسُ فَاَحْسِنْ مَعَهُمْ وَاِذَا اَسَاءُوْا فَاجْتَنِبْ اِسَاءَتَهُمْ ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۱۸۸ حديث رقم ۶۹۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عدی بن خیارؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ وہ اپنے گھر کے اندر محصور تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ہم سب کے امام اور امیر ہیں اور آپ پر جو مصائب نازل ہیں آپ انکو دیکھ رہے ہیں اور ہمیں فتنہ اور فساد والا ایک امام نماز پڑھاتا ہے۔ جس کے پیچھے نماز پڑھنا ہم گناہ سمجھتے ہیں یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نماز لوگوں کے تمام اعمال میں سے افضل عمل ہے۔ لہٰذا جب لوگ نیکی اور خیر کا کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو اور اگر وہ برائی کریں تو تم ان کی برائیوں سے بچو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت عثمانؓ اسلام کے بہت بڑے مظلوم ہیں۔ ان کے خلاف عبداللہ بن سباء کی ناپاک کوشش اور تحریک پر اہل مصر کھڑے ہوگئے تھے اور ان لوگوں کا ایک جنگجو دستہ مدینہ منورہ میں داخل ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد مدینہ سے غائب تھے۔ بعض جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھے اور بعض فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

ان بلوائیوں نے حضرت عثمان ؓ کو تقریباً چالیس ایام تک گھر کے اندر محصور رکھا جس کی وجہ سے آپ مسجد نبوی میں نماز کے لئے بھی نہیں آسکتے تھے اس زمانہ میں بلوائیوں کا امام نماز پڑھایا کرتا تھا جس کا نام کنانہ بن بشر تھا حضرت عثمانؓ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ اس فسادی امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ہم لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج اور گناہ محسوس کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگرچہ یہ لوگ میری جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن نماز افضل الاعمال ہے۔ جب کوئی آدمی اچھا اور خیر کا کام کرے تو تم اس میں شریک ہو جایا کرو۔ اگرچہ وہ تمہارا بدترین دشمن اور مخالف ہو اور اگر کوئی برا عمل کرتا ہے تو اس میں تم اس کا ساتھ نہ دو اگرچہ وہ تمہارا دوست اور محبوب ہو۔

اس سے حضرت عثمانؓ کے انصاف حلم اور علم کا اندازہ ہوتا ہے کہ شدید تکلیف میں مبتلا ہونے کے باوجود انہوں عدل سے ہٹ کر ایک جملہ بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ بالآخر اسی مصیبت میں ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ میں شہید کر دیے گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

بَابُ فَضَائِلِ الصَّلٰوةِ

نماز کے فضائل کا بیان

الفصل الاول:

نمازِ فجر اور عصر کی فضیلت

(۱/۵۶۴) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَنْ يَّلِجَ النَّارَ اَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٤٤٠ حديث رقم (٢١٣-٦٣٤)۔ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٢٩٧ حديث رقم ٤٢٧۔ وأخرجه النسائي في السنن ١/٢٣٥ حديث رقم ٤٧١۔ ولم يذكر "يعني الفجر والعصر"۔ وأخرجه احمد في المسند ٤/١٣٦۔

ترجمہ: حضرت عمارہ بن رویبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ آدمی ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا جس نے طلوع شمس اور غروب شمس سے پہلی نماز پڑھی یعنی عصر اور فجر کی۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز عصر اور فجر کی فضیلت بیان کی گئی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی ان دو نمازوں کو پابندی کے ساتھ پڑھے گا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

بظاہر اس حدیث پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں پر مداومت سے جہنم میں داخل نہیں ہو گا۔ اگر ان دوسری نمازوں کو ترک کر دیا۔ یا دیگر گناہوں کا ارتکاب ہو گیا تو اس کی وجہ سے جہنم میں داخل نہیں ہوگا حالانکہ جمہور ائمہ کے نزدیک نماز سے صغائر تو معاف ہو جاتے ہیں کبائر معاف نہیں ہوتے۔

علامہ طیبیؒ نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ صبح کا وقت عموماً آرام اور نیند کا ہوتا ہے اور شام کا وقت کاروبار وغیرہ کی مصروفیت کا ہوتا ہے۔ جو انسان مانع کے باوجود ان دو نمازوں پر مداومت اور ان کی محافظت کرتا ہے تو وہ دیگر نمازوں کی لازماً پابندی کرتا ہوگا اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کہ نماز بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے الغرض جب ان دو نمازوں پر محافظت ہے تو دیگر نمازوں کی بطریق اولیٰ محافظت ہوگی۔

صلوٰۃ البردین

(۲/۵۶۵) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٢ حديث رقم ٥٧٤۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ١/٤٤٠ حديث رقم (٢١٥-٦٣٥)

وأخرجه الدارمي في السنن ۳۹۱/۱ حديث رقم ۱۴۲۵ وأخرجه احمد في مسنده ۸۰/۴۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جو شخص ٹھنڈے وقت کی دو نمازیں پڑھتا رہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں البردین سے مراد ٹھنڈے وقت کی دو نمازیں ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس سے فجر اور عشاء کی نماز مراد ہے دوسرے قول کے مطابق اس سے فجر اور عصر کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں دن کے دو اطراف میں واقع ہیں اور اس وقت گرمی کی شدت ختم ہو جاتی ہے اور ٹھنڈی ہوائیں بھی چلتی ہیں۔

کراماً کاتبین کی ڈیوٹی

(۳/۵۶۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْكُمْ فَیَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَیْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۳/۲ حديث رقم ۵۵۵۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ۴۳۹/۱ حديث رقم (۲۱۰۔۶۳۲) وأخرجه النسائي في السنن ۲۴۰/۱ حديث رقم ۴۸۵۔ وأخرجه مالك في الموطأ ۱۷۰/۱ حديث رقم ۸۲ من كتاب قصر الصلاة في السفر وأخرجه أحمد في مسنده ۲۵۷/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے پاس ملائکہ رات اور دن کے وقت آتے رہتے ہیں۔ فجر اور عصر کی نماز میں سب جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے رات تمہارے اندر گزاری ہے وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ جاننے کے باوجود بندوں کے احوال اور اعمال کے بارے میں سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے وہ عرض کرتے ہیں۔ ہم نے ان بندوں کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تو اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں کراماً کاتبین کی ڈیوٹی اور ڈیوٹی کے تبادلے کی صورت اور نماز فجر اور عصر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ملائکہ کی ایک جماعت انسانوں کے اعمال لکھنے کے لئے جب آتی ہے۔ تو پہلے والی جماعت ان اعمال کے دفتر کو اٹھا کر آسمانوں کی طرف لے جاتی ہے ان دونوں جماعتوں کا ڈیوٹی کے تبادلے کے وقت عصر اور فجر میں اجتماع ہو جاتا ہے۔

جب ملائکہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرتا ہے کہ بتاؤ میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کیونکہ وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یہ سوال اس لیے کرتا ہے تاکہ بندوں کی فضیلت ملائکہ کے سامنے ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ ملائکہ نے تخلیق آدم کے وقت کہا تھا کہ اس کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم آپ کی تسبیح، تحمید اور تقدیس کرتے ہیں۔ تاکہ ملائکہ جان لیں کہ سب فتنہ اور فساد کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ میری حمد، ثناء اور تہلیل وغیرہ کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر اور فجر کی فضیلت بیان کر دی۔ کہ ملائکہ کی دو جماعتیں اعمال محفوظ کرنے والے ملائکۃ اللیل اور ملائکۃ النہار ڈیوٹی کی تبدیلی کے وقت ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ عصر کی نماز کے وقت اور فجر کی نماز کے وقت اور سوال کیا جاتا ہے ملائکۃ اللیل سے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ جب گئے تو نماز پڑھ رہے تھے جب واپس آئے تو پھر بھی نماز پڑھ رہے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کے اعتبار سے رات دن کے مقابلے میں افضل ہے کیونکہ رات میں سکون ہوتا ہے۔ عبادت میں ریاکاری اور شہرت نہیں ہوتی اور حضوری قلب ہوتا ہے۔

فجر کی نماز پڑھنے والا اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے

(۴/۵۶۷)وَعَنْ جُنْدُبِ الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ فَاِنَّهٗ مَنْ يَطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبَّهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ (رواه مسلم) وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْقُشَيْرِيِّ بَدَلَ الْقَسْرِيِّ۔

أخرجه مسلم في الصحيح ۱/۴۵۴حديث رقم (۲۶۲۔۶۵۷)وأخرجه أحمد في المسند ۴/۳۱۲بمعناه۔ وأخرج الترمذي أوله عن أبي هريرة رضي الله عنه ۴/۴۰۴حديث رقم ۲۱۶۴۔

ترجمہ: حضرت جندب قسریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے۔لہٰذا ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس عہد کے متعلق کچھ مواخذہ کرے۔کیونکہ جس سے اللہ نے اپنے عہد کے بارے میں مواخذہ کیا اس کو پکڑ کر جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قسری کے بجائے قشیری کا لفظ ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور امان میں ہو جاتا ہے اس کی مراد میں دو احتمال ہیں۔

① یہ کہ جس آدمی نے فجر کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور حفاظت میں آ جاتا ہے مسلمانوں میں سے جس نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی یا اس کا مال غصب کیا یا اس کو اذیت دی یا اس کی غیبت کی۔تو گویا کہ اس مسلمان نے اس کے ساتھ یہ رذائل کر کے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑا۔یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے بدبخت کا مواخذہ کریگا۔

② ذمۃ اللہ یعنی عہد و امان سے مراد فجر کی نماز ہے۔کہ فجر کی نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں امن و امان کا وعدہ کیا ہے۔لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ فجر کی نماز کا بہت اہتمام کریں اس کو کسی صورت میں ترک نہ کریں ورنہ اللہ کے امان سے محرومی ہو جائے گی۔

صفِ اوّل کی فضیلت

(۵/۵۶۸)وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا . (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۹۶حديث رقم ۶۱۵۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۲۵حديث رقم (۱۲۹۔۴۳۷) وأخرجه النسائي في السنن ۱/۲۶۹حديث رقم ۵۴۰۔وأخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۳۱حديث رقم ۶من كتاب صلاة الجماعة ۔وأخرجه أحمد في المسند ۲/۲۳۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو اذان دینے کا اور صف اول میں نماز پڑھنے کا ثواب معلوم ہو جائے تو پھر اس کو حاصل کرنے کیلئے اگر قرعہ اندازی کرنا پڑے تو قرعہ اندازی کرینگے اور اگر لوگوں کو ظہر کی نماز کے لئے جلدی آنے کا ثواب معلوم ہو جائے تو اس نماز کیلئے دوڑ کر آئینگے اور اگر نماز عشاء اور فجر کی فضیلت معلوم ہو جائے تو ان دونوں نمازوں میں شرکت کیلئے گھٹنوں کے بل چل کر آئینگے۔(بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں چند چیزوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے ① اذان دینے کی فضیلت ② صف اول میں نماز پڑھنے کی فضیلت اگر لوگوں کو صحیح طرح یقین کے ساتھ ان کا ثواب معلوم ہو جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے اختلاف کرینگے اور اس کے ثواب کے حصول کے لئے اگر قرعہ اندازی کرنی پڑے تو قرعہ اندازی کر کے اس کے ثواب کو حاصل کرینگے جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے اذان دینے میں جھگڑا کیا تو ان کے درمیان اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی گئی۔ ③ ظہر کی نماز کے لئے جلدی نکلنا! اگر لوگوں کو اس کی فضیلت معلوم ہو جائے تو لوگ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرینگے ④ عشاء کی نماز پڑھنے کی فضیلت ⑤ فجر کی نماز کو پڑھنے کی فضیلت اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی کیا فضیلت ہے تو لوگ ضرور ان نمازوں کے لئے اس فضیلت کو حاصل کرنے کے شوق میں آئیں گے اگر چہ انہیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے۔

فجر اور عشاء کی نماز منافق پر بھاری ہوتی ہے

(۶/۵۶۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه من حديث له زياده ۱۴۱/۲ حديث رقم ۶۵۷۔ واخرجه مسلم في صحيحه بنفس زيادة البخاري ۴۵۱/۱ حديث رقم (۲۵۲۔۶۵۱) واخرجه ابن ماجة في السنن ۲۶۱/۱ حديث رقم ۷۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافقین پر عشاء اور فجر سے زیادہ بھاری اور کوئی نماز نہیں ہوتی اگر وہ ان دونوں کے ثواب کو جان لیں تو گھٹنوں کے بل چل کر ان دونوں نمازوں میں شرکت کے لئے آئیں گے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے لئے دو نمازوں کو بھاری قرار دیا ہے ایک فجر کی نماز اور دوسری عشاء کی نماز اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق ویسے بھی نماز ریاکاری کے لئے اور دنیا کے فائدے کے لئے پڑھتا ہے فجر اور عشاء کی نماز ایسے وقت میں ہوتی ہے کہ اس میں حاضری مشکل ہے فجر کے وقت انسان نیند میں ہوتا ہے اور اسی طرح عشاء کے وقت بھی سونے کا وقت ہے اور دونوں نمازیں اندھیرے میں ہوتی ہے تو منافق بچنے اور چھپنے کی کوشش کرتا ہے۔

فجر اور عشاء کی نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا پوری رات کے قیام کے برابر ہے

(۷/۵۷۰) وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۴۵۴/۱ حديث رقم (۲۶۰۔۶۵۶) وأخرجه أبوداؤد في السنن ۳۷۶/۱ حديث رقم ۵۵۵۔ وأخرجه الترمذي في السنن ۴۳۳/۱ حديث رقم ۲۲۱۔ ولفظه "من شهد......"۔ وأخرجه الدارمي في السنن ۳۰۳/۱ حديث رقم ۱۲۲۴ واحمد في مسنده ۵۸/۱۔

ترجمہ: حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس انسان نے عشاء کی نماز

جماعت کے ساتھ پڑھ لی وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے آدھی رات عبادت میں گزار لی اور جس آدمی نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی گویا اس نے پوری رات نماز پڑھ لی اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز عشاء اور نماز فجر کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس حدیث کے دو مطلب ہیں۔ ① جس آدمی نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے نصف رات تک نماز پڑھی اور جس آدمی نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے تمام رات نماز میں گزار دی اس معنی کے اعتبار سے فجر کی نماز کو عشاء کی نماز پر فضیلت حاصل ہوئی ② جس آدمی نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو گویا اس نے نصف رات عبادت اور نماز میں گزار دی اور جب اس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو گویا اس نے رات کا باقی حصہ نماز اور عبادت میں گزار لیا۔

شرعی اصطلاح کی حفاظت اور رعایت کرو

(۸/۵۷۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبَ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْعِشَاءَ فَاِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَاءُ فَاِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ۔ (رواہ مسلم)

الحديث هوفى المصابيح حديثان ـالأول : "لا يغلبنكم الاعراب على اسم صلاتكم المغرب ـقال : وتقول الاعراب هى العشاء "ـ أخرجه عن عبدالله بن مغفل : البخارى فى صحيحة ٤٣/٢ـحديث رقم ٥٦٣ـوأحمد فى المسند ٥٥/٥ـوالثانى : "لايغلبنكم الاعراب على اسم صلاتكم العشاء فانها فى كتاب الله تعالى العشاء فانها تعتم بحلاب الابل"ـ أخرجه عن ابن عمر : مسلم فى صحيحه ٤٤٥/١حديث رقم (٢٢٩ـ٦٤٤)ـوأخرجه النسائى فى السنن ٢٧٠/١ـحديث رقم ٥٤١ـوأخرجه ابن ماجةفى السنن ٢٣٠/١حديث رقم ٧٠٤ـوأحمد فى المسند ١٠/٢ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دیہاتی لوگ نماز مغرب کا نام لینے میں تم پر غالب نہ آ جائیں راوی کہتے ہیں کہ دیہاتی لوگ مغرب کو عشاء کہتے تھے پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز عشاء کا نام لینے میں دیہاتی لوگ تم پر غالب نہ آ جائیں اس نماز کا نام اللہ تعالیٰ کی کتاب میں عشاء ہے اور دیہاتی لوگ اونٹنیوں کا دودھ نکالنے کی وجہ سے اس نماز میں تاخیر کرتے تھے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ قرآن اور سنت میں جس نام اور جس اصطلاح کو متعارف کرایا گیا ہے اسی کو استعمال کرو لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان اور گفتگو کو شرعی اصطلاح کے مطابق استعمال کریں کفار اور فاجر لوگوں کی تقلید نہ کریں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے دیہاتی لوگ مغرب کو عشاء کہتے تھے اور عشاء کو عتمہ کہتے تھے اور شرعی اصطلاح میں اس کو مغرب اور عشاء کہتے تھے اور وہ لوگ عشاء کو عتمہ اس لیے کہتے تھے کہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کا دودھ اندھیرا پھیلنے کے بعد نکالتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم مغرب کی نماز کو صلوٰۃ المغرب اور عشاء کی نماز کو صلوٰۃ العشاء کہا کرو۔

صلوٰۃ وسطیٰ

(۹/۵۷۲) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَاَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخارى فى صحيحة ١٩٥/٨حديث رقم ٤٥٣٣وأخرجه مسلم فى صحيحه ٤٣٧/١حديث رقم (٢٠٥ـ٦٢٧)

وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۲۸۷حدیث رقم ۴۰۹۔وأخرج الترمذی فی السنن بنحوه ۱/۲۰۲حدیث رقم ۲۹۸۴۔ وأخرج النسائی شطره الأول فی السنن ۱/۲۳۶حدیث رقم۴۷۳۔وأخرجه ابن ماجة مع تقدیم وتاخیر فی السنن ۱/۲۲۴۔ حدیث رقم ۶۸۴۔والدارمی فی السنن ۱/۳۰۶حدیث رقم ۱۲۳۲۔وأخرجه أحمد فی المسند ۱/۱۴۴۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خندق کے دن فرمایا تھا کہ کفار نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز پڑھنے سے روکا ہے اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ غزوہ خندق ۵ ہجری میں ہوا تمام کفار نے اتفاق اور اتحاد کر کے مسلمانوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا بارہ سے پندرہ ہزار لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا مسلمانوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ کے مطابق دفاع کے لئے ایک خندق کھودی مسلمانوں کا لشکر تقریباً تین ہزار تھا بے سروسامان کے عالم میں تقریباً اٹھائیس دن یہ جنگ جاری رہی شدید سردی کا زمانہ تھا فقروفاقہ اور بھوک کی حالت تھی ایک دن شدید جھڑپ کی وجہ سے چار نمازیں قضاء ہوگئیں ان میں عصر کی نماز بھی تھی رسول اللہ ﷺ نے کفار کے لئے بددعا کردی کہ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے کہ انہوں نے ہماری عصر کی نماز بھی قضاء کروادی اس سے نماز عصر کی فضیلت ظاہر ہوگئی۔ غزوۂ احد کے اندر کفار کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کو بہت تکلیف پہنچی چہرہ زخمی ہوا دانت شہید ہوئے مگر آپ نے بددعا نہیں کی اور اس موقع پر آپ نے بددعا کردی وجہ فرق یہ ہے کہ غزوہ احد میں تکلیف اور اذیت کا تعلق آپ کی ذات سے تھا اور غزوہ احزاب میں اذیت اور تکلیف کا تعلق حقوق اللہ سے تھا اس لیے آپ نے یہاں کفار کے لئے بددعا کردی۔

مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد کونسی نماز ہے امام شافعیؒ کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد فجر کی نماز ہے امام مالکؒ کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد ظہر کی نماز ہے امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے اور اس طرح قرآن مجید میں صلوٰۃ وسطیٰ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ اس سے پہلے دو نمازیں نہاری ہیں اور اس کے بعد دو نمازیں لیلی ہیں اور یہ درمیان میں ہے اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت میں اور حضرت سمرہ بن جندب کی روایت میں صلوٰۃ وسطیٰ کی تفسیر صلوٰۃ عصر کی نماز سے کی گئی ہے۔

الفصل الثانی:

(۱۰/۵۷۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الْعَصْرِ. (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۳۴۰حدیث رقم ۱۸۲۔وقال حسن صحیح ۔وأخرجه أحمد فی المسند ۵/۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق صلوٰۃ عصر کو قرار دیا گیا ہے ایک تو یہ قول رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور ثانیاً یہ کہ یہ دو دن اور دو رات کی نمازوں کے درمیان ہے۔

فجر کی نماز فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے

(۱۱/۵۷۴)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا تَشْهَدُهٗ مَلَآئِكَةُ

اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ. (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٢٨٢حدیث رقم ٣١٣٥وقال حدیث حسن صحیح وأخرجه ابن ماجة فی السنن ١/٢٢٠حدیث رقم ٦٧٠۔وأخرجه أحمد فی مسنده ٢/٤٧٤۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے اس قول کے بارے میں فرمایا: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ (یعنی فجر کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہیں) کہ رات اور دن کے فرشتے فجر کے نماز کے وقت جمع ہو جاتے ہیں اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کراماً کاتبین فرشتے جب ان کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے تو رات والے فرشتے فجر کے وقت واپس چلے جاتے ہیں اور دن کے وقت ڈیوٹی دینے والے فجر کے وقت آجاتے ہیں تو ملائکہ کی یہ دونوں جماعتیں فجر کی نماز کے وقت جمع ہو جاتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۔ سے یہی مراد ہے کہ فجر کی نماز کے وقت فرشتے حاضر ہو جاتے ہیں یہاں قراءت سے مراد پوری نماز ہے کیونکہ یہاں جزء ذکر کر کے کل مراد لیا ہے۔

الفصل الثالث:

(١٢/٥٧٥)وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ قَالَا الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الظُّهْرِ (رواه مالك عَنْ زَيْدٍ والترمذی وَعَنْهُمَا تَعْلِيقًا).

أخرجه مالك عن زيد بن ثابت فی الموطأ ١/١٣٩الحدیث ٢٧فی كتاب صلاة الجماعة۔وأخرجه الترمذی عنهما تعليقًا ١/٣٤٢بعد حدیث رقم ١٨٢۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطی سے مراد ظہر کی نماز ہے اس روایت کو امام مالکؒ نے صرف حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے حضرت زید اور حضرت عائشہؓ دونوں سے بغیر سند کے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت زیدؓ اور حضرت عائشہؓ کے نزدیک صلوٰۃ وسطی سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ اس نماز کو دن کے وسط یعنی درمیان میں ادا کیا جاتا ہے یعنی دن کے پہلے حصے میں فجر کی نماز ہے اور آخری وقت میں عشاء کی نماز ہے اور درمیان میں ظہر کی نماز ہے۔

(١٣/٥٧٦)وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي صَلَاةً اَشَدَّ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْهَا فَنَزَلَتْ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقَالَ اِنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلَاتَيْنِ ۔ (رواه احمد وابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٢٨٨حدیث رقم ٤١١۔وأخرجه أحمد فی المسند ٥/١٨٣۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز سورج زائل ہوتے ہی پڑھ لیتے تھے اور آپ ﷺ کے صحابہ پر ان تمام نمازوں میں جن کو وہ پڑھتے تھے ظہر کی نماز سے زیادہ سخت کوئی نماز نہ تھی اس پر قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ کہ تم سب نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز کی حضرت زیدؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ظہر کی نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور ظہر کی نماز کے بعد بھی دو نمازیں

ہیں اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نمازوں کی حفاظت کا حکم نازل فرمایا کہ سب نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً صلوٰۃ وسطی کی اور ان کے نزدیک صلوٰۃ وسطی سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں ایک لیلی اور ایک نہاری اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں ایک لیلی اور ایک نہاری مگر یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے ورنہ جمہور محققین کے نزدیک صلوٰۃ وسطی سے مراد عصر کی نماز ہے اور یہی مرفوع حدیث سے ثابت ہے۔

(۱۴/۵۷۷) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَا يَقُوْلَانِ الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الصُّبْحِ (رواه فِي الْمُوَطَّا وَرواه الترمذى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنُ عُمَرَ تَعْلِيقًا)۔

أخرجه مالك في الموطأ بلاغا ۱/۱۳۹حديث رقم ۲۸من كتاب صلاة الجماعة وأخرجه الترمذي تعليقًا في سننه ۱/۳٤۲بعد الحديث ۱۸۲عن ابن عمر وعن ابن عباس۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس دونوں فرمایا کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطی سے مراد صبح کی نماز ہے اس حدیث کو امام مالکؒ نے موطا امام مالکؒ میں نقل کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر سے بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس کے نزدیک صلوٰۃ وسطی سے مراد فجر کی نماز ہے اور یہ ان کا اجتہاد ہے شاید کہ ان کو مرفوع حدیث نہیں پہنچی ہوئی ہوگی کہ خود رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ وسطی کا مصداق عصر کو کہا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک صلوٰۃ وسطی سے مراد فجر کی نماز ہے یہی امام مالکؒ کا ایک قول ہے اور علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ وسطی سے مراد عصر کی نماز ہے۔

فجر کی نماز پڑھنے والا ایمان کا پرچم اٹھانے والا ہے

(۱۵/۵۷۸) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلَى صَلَاةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجة في السنن ۲/۷۵۱حديث رقم ۲۲۳٤۔وفي الزوائد۔في إسناده عبس بن ميمون متفق على تضعيفه۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز کے لئے جاتا ہے گویا وہ ایمان کا پرچم لے کر چلتا ہے اور جو آدمی صبح بازار جاتا ہے گویا وہ شیطان کا پرچم لے کر چلتا ہے اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے ذکر کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں فجر کی نماز ادا کرنے کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے جو آدمی فجر کی نماز کے لئے گھر سے چلتا ہے گویا یہ ایمان کا پرچم اٹھا کر چلتا ہے اور جو آدمی فجر کی نماز پڑھے بغیر بازار کی طرف چلتا ہے وہ شیطان کا پرچم لے کر چلتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں فجر کی نماز ادا کرنے کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے جو آدمی نماز کے لئے گھر سے چلتا ہے گویا وہ ایمان کا پرچم اٹھا کر چلتا ہے اور جو آدمی فجر کی نماز پڑھے بغیر بازار کی طرف چلتا ہے وہ شیطان کا پرچم لے کر چلتا ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں درحقیقت ایک تفصیل بیان کی گئی ہے کہ دو لشکر ہیں ایک ہے رحمان کا لشکر دوسرا ہے

شیطان کا لشکر کہ جو آدمی فجر کی نماز کے لئے چلتا ہے گویا وہ نہاری پر چم اٹھا کر اپنی فوج اور لشکر کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اس طرح چلتا ہے جیسے مجاہدین اپنے دشمنوں کی طرف قتال کے لئے لڑتے ہیں اور جو آدمی بغیر نماز کے غفلت کے ساتھ بازار کی طرف نکلتا ہے وہ شیطان کا پرچم اٹھا کر شیطان کے لشکر میں شان وشوکت کا اضافہ کرتا ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ

اذان کا بیان

اذان شعائر اسلام میں سے ہے۔ اذان لغت میں اعلان کرنے کو اور خبر دینے کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اذان کی تعریف یہ ہے کہ چند مخصوص الفاظ کے ساتھ مخصوص اوقات میں نماز کے وقت کی خبر دینا۔

اِس سے وہ اذان خارج ہوگئی جو دیگر اشیاء کے لئے ہوتی ہے مثلاً

نمبر①: بچے کے کان میں اذان دینا۔ نمبر②: غمزدہ کے کان میں اذان دینا۔

نمبر③: مرگی کے مریض کے کان میں اذان دینا۔ نمبر④: شدید غصہ میں مبتلا کے کان میں اذان دینا۔

نمبر⑤: جس کی عادات خراب ہوں اس کے کان میں اذان دینا۔

غمزدہ کے کان میں اذان مجرب عمل: حضرت دیلمیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے غمزدہ حالت میں دیکھا اور فرمایا کہ اے علیؓ میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں۔ لہٰذا تم اپنے گھر والوں میں سے کسی سے کہو کہ وہ تمہارے کان میں اذان دیدے اس سے تمہارا غم ختم ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے حکم مطابق عمل کیا تو غم ختم ہو گیا اس حدیث کے ہر راوی نے کہا کہ ہم نے اس طریقہ کو آزمایا بالکل مجرب ثابت ہوا۔

اذان کی مشروعیت: نماز کی فرضیت کا حکم واقعہ معراج کے اندر ہو چکا تھا مگر کی دور میں فرائض اسلام پر کھل کر عمل کرنا مشکل تھا اس لئے نمازوں کے لئے اذان کا بھی کوئی اہتمام نہ تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے تو نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام شروع ہوا۔ اب روز' روز کے اضافہ سے لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ ایک دن اس کے لئے مشاورت ہوئی کہ لوگوں کو کس طرح نمازوں کے لئے جمع کیا جائے۔ صحابہ کرام کی مختلف آراء سامنے آئیں۔ بعض صحابہ کرام نے رائے دی کہ نماز کے وقت پرچم بلند کیا جائے۔ بعض نے آگ روشن کرنے کا مشورہ دیا۔ بعض نے جرس کا مشورہ دیا۔ بعض نے ناقوس کا مشورہ دیا۔ علی ہذا القیاس متعدد آراء سامنے آئیں۔ مگر ان سب کو رد کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ الصلوٰۃ جامعۃ کے الفاظ کے ساتھ اعلان کیا جائے۔ چنانچہ اسی پر اتفاق ہوا حضرت بلالؓ کو اعلان کرنے کے لئے مقرر کر دیا گیا اور اس پر عمل شروع ہو گیا۔

اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ بھی موجود تھے ان کو اس مسئلہ میں قلق، اضطراب اور ذہنی فکر مندی رہی۔ انہوں نے خواب میں ایک نیک سیرت انسان کو دیکھا جس نے ناقوس اٹھایا ہوا تھا میں نے اس کو کہا اے بندہ خدا کیا اس ناقوس کو فروخت کرتے ہو۔ اس نے کہا تم اس کو خرید کر کیا کرو گے۔ میں نے کہا ہم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نماز کیلئے جمع کرینگے اس نے کہا کیا میں تمہیں اس سے اچھی چیز نہ بتا دوں۔ میں نے عرض کیا ضرور بتا دیجئے۔ اس نے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر۔ کانوں میں انگلیاں ڈال کر کلمات اذان کہے۔ صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام صورت حال بتائی۔ آپؐ نے فرمایا: انھالرؤیا حق۔ پھر حضرت بلالؓ کو کلمات اذان کی تعلیم دی گئی۔ بیس (۲۰) دن قبل اس طرح کا خواب حضرت عمرؓ نے بھی دیکھا تھا۔

الفصل الاول:

اذان دینے کا طریقہ

(۱/۵۷۹)عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمَاعِيْلُ فَذَكَرْتُهٗ لِاَيُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۷۷حديث رقم ۶۰۳۔وأخرجه مسلم في الصحيح ۔۱/۲۸۶حديث رقم (۳۔۳۷۸) واللفظ للبخاري ۔وأخرج أبوداوٗد شطره الثاني في السنن ۱/۳۴۹حديث رقم ۵۰۸ وكذلك الترمذي في السنن ۱/۳۶۹ حديث رقم ۱۹۳۔والنسائي في السنن ۲/۳حديث رقم ۶۲۷۔وابن ماجة في سننه ۱/۲۴۱حديث رقم ۷۲۹۔وأخرجه الدارمي في السنن ۱/۲۹۰حديث رقم ۱۱۹۴۔وأحمد في المسند ۳/۱۰۳ كلهم أخرجوا شطره الثاني ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے اذان کے حکم سے پہلے نماز کا وقت بیان کرنے کے لیے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا یعنی لوگوں نے یہود اور نصاریٰ کو ذکر کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات جفت کے ساتھ کہیں اور اقامت کے کلمات ایتار کے ساتھ کہیں حضرت اسمٰعیلؒ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر حضرت ایوب کے سامنے کیا جو اس حدیث کے دوسرے راوی ہیں انہوں نے فرمایا قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ کہنے چاہئیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر گئے اور مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے لئے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے بعض صحابہ کرام نے آگ جلانے کا مشورہ دیا کہ کسی بلند جگہ پر آگ کا شعلہ بلند کیا جائے تا کہ اسے دیکھ کر لوگ مسجد میں آ جائیں مگر اس رائے کو رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں کیا ایک تو یہ وجہ ہے کہ آگ سے مقصد صحیح طرح پر پورا نہیں ہوگا اور دوسری یہ وجہ ہے کہ اس سے مجوسیوں کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی اور بعض صحابہ کرام نے ناقوس کا ذکر کیا کہ ناقوس کو بجایا جائے ناقوس دو لکڑیوں کے مجموعے کا نام ہے ایک لکڑی طویل ہوتی ہے اور دوسری چھوٹی ہوتی ہے اور چھوٹی لکڑی کو بڑی لکڑی پر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے مگر اس کو بھی قبول نہیں کیا گیا کیونکہ یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے اور اسی طرح بعض صحابہؓ نے قرن کا ذکر کیا مگر اس کو بھی قبول نہیں کیا گیا کیونکہ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہیں اور ان لوگوں کی مشابہت درست نہیں ہے اس دوران حضرت عبد اللہؓ بن زید نے ایک خواب دیکھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا اور صبح کے وقت حضرت عبد اللہ بن زیدؓ نے اپنا خواب رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا آپ نے فرمایا یہ سچا خواب ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا تم ان کلمات کی تعلیم حضرت بلالؓ کو دیدو کیونکہ وہ خوش آواز بھی ہے اور ان کی آواز بلند بھی ہے جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو حضرت عمرؓ نے جلدی سے آ کر اپنا خواب بتایا بعض روایات میں منقول ہیں کہ اس رات بیس دس یا گیارہ یا چودہ صحابہ کرامؓ نے اس طرح کا خواب دیکھا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات جفت ہیں یا طاق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اذان اور اقامت دونوں کے کلمات جفت ہیں اور جمہور ائمہ کے نزدیک کلمات اذان جفت ہیں اور اقامت کے کلمات طاق ہیں یہی مذہب ہے امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا۔

کلماتِ اذان

(۲/۵۸۰)وَعَنْ اَبِيْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقٰى عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ التَّاذِيْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ

اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في الصحيح ۲۸۷/۱ حديث رقم (۶-۳۷۹) وأوله "الله اكبر الله اكبر" مرتين۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن بهذا اللفظ ۳۴۳/۱ حديث رقم ۵۰۳۔ وأخرجه النسائي في السنن ۳/۵ حديث رقم ۶۳۲۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۲۳۴/۱ حديث رقم ۷۰۸۔

ترجمہ: حضرت ابومحذورہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان کی تعلیم دی بغیر کسی واسطے کے خود بخود چنانچہ آپ نے فرمایا اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہو چار مرتبہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دو مرتبہ کہو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہو دو مرتبہ اور پھر شہادتین میں ترجیع کا حکم دیا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ دو مرتبہ کہا حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ دو مرتبہ کہا آخر میں اَللّٰهُ اَکْبَرُ دو مرتبہ کہا اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کلمات اذان کتنے ہیں اور شہادتین میں ترجیع ہے یا نہیں' امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کلمات اذان پندرہ ہیں شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ اس کے بعد تمام کلمات دو دو مرتبہ کہے جائیں گے اور شہادتین میں ترجیع نہیں ہوگی ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی روایت سے ہے کہ عبداللہ بن زیدؓ صاحب واقعہ ہے اور ان کی اذان میں شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ ہے اور اس کے بعد تمام کلمات دو مرتبہ ہیں اور ترجیع کا کوئی ذکر نہیں' امام شافعیؒ کے نزدیک شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ ہیں پھر اس کے بعد تمام کلمات دو مرتبہ ہیں اور شہادتین میں ترجیع ہوگی ترجیع سے مراد ہے کہ شہادتین کو دو مرتبہ آہستہ کہنا اور دو مرتبہ بلند آواز سے کہنا ان کے نزدیک کلمات اذان انیس (۱۹) ہیں یہی مذہب امام مالکؒ کا ہے مگر ان کے نزدیک شروع میں اللہ اکبر دو مرتبہ ہیں ان کا استدلال حضرت ابومحذورہؓ کی روایت سے ہے اس میں ترجیع کا ذکر ہے ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں یہ ابومحذورہؓ کی خصوصیت ہے ورنہ مؤذنین کی اذان میں ترجیع نہیں نہ حضرت بلالؓ کی اذان میں ترجیع ہے نہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کی اذان میں ترجیع ہے اور نہ ہی حضرت سعد کی اذان میں ترجیع ہے یہ مسجد قباء کے مؤذن تھے اور حضرت ابومحذورہؓ کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ دوران سفر حضرت بلالؓ نے اذان دی بچوں نے نقل اتارنی شروع کر دی ان میں حضرت محذورہؓ بھی تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور یہ بہت خوش آواز تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے قریب بلوایا پیار کیا اور مسلمان ہونے کی دعا کی رسول اللہ ﷺ نے ان سے اذان سنی جب شہادتین پر پہنچے تو اپنے عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہوئے آہستہ آواز سے کہا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا بلند آواز سے کہنے کا اور یہی طریقہ ابومحذورہؓ نے اپنے اذان میں جاری رکھا۔

الفصل الثانی:

(۳/۵۸۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَرَّتَیْنِ وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَیْرَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ. (رواہ ابوداود والنسائی والدارمی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۳۵۰/۱ حديث رقم ۵۱۰۔ وأخرجه النسائي في السنن ۳/۲ حديث رقم ۶۲۸ وأخرجه الدارمي في السنن ۲۹۰/۱ حديث رقم ۱۱۹۳۔ وأخرجه أحمد في المسند ۸۵/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دودو مرتبہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے البتہ اقامت میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کا لفظ دومرتبہ کہا جاتا تھا اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کلمات اذان کو دودو مرتبہ کہا جاتا تھا یہ حکم باعتبار اکثر کے ہیں کیونکہ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہا جاتا تھا اور آخر میں لا الٰہ الا اللّٰہ ایک مرتبہ کہا جاتا تھا مناسب تھا کہ جس طرح اقامت میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے لفظ کا استثناء کیا گیا اسی طرح اذان کے شروع میں تکبیر کا بھی استثناء کیا جاتا۔

اذان اور اقامت کے کلمات

(۴/۵۸۲) وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً وَالْاِقَامَةَ سَبْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداود والنسائی والدارمی وابن ماجۃ)

أخرجه أحمد في المسند ٣/٤٠٩وذكر الاذان ـوأخرجه الترمذي في السنن ١/٣٦٧حديث رقم ١٩٢ـوقال حسن صحيح ـ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٣٤٢حديث رقم ٥٠٢ـوذكر الاذان ثمه الاقامة. وأخرجه النسائي في السنن ٤/٢ حديث رقم ٦٣٠ـوأخرجه ابن ماجة في السنن ١/٢٣٥حديث رقم ٧٠٩ـوأخرجه الدارمي في السنن ١/٢٩٢ حديث رقم ١١٩٧ـ

ترجمہ: حضرت ابومحذورہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اذان کے انیس کلمات اور اقامت کے سترہ کلمات سکھلائے اس حدیث کو امام احمدؒ 'امام ترمذیؒ 'امام ابوداؤدؒ 'امام نسائیؒ 'امام دارمیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اذان کے کلمات انیس (۱۹) ذکر کیے گئے ہیں کیونکہ اس میں شہادتین کے اندر ترجیع کا ذکر ہے اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور اقامت کے کلمات امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سترہ ہیں پندرہ وہی اذان والے اور دومرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ہے ان کا استدلال حضرت ابومحذورہؓ کی مذکورہ روایت سے ہے اس میں صراحۃً سترہ کا ذکر ہے اور اسی طرح عبداللہ بن زیدؓ کی روایت میں سترہ کلمات کا ذکر ہے ان کو خواب میں جس طرح اذان کی تعلیم دی گئی تھی اسی طرح اقامت کی بھی تعلیم دی گئی تھی امام شافعیؒ کے نزدیک اقامت کے کلمات گیارہ ہیں۔ وہ اس طرح کہ شروع میں اللہ اکبر دومرتبہ ہے اس کے بعد ہر کلمہ ایک ایک مرتبہ ہے اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کا کلمہ دومرتبہ ہوگا اور امام مالکؒ کے نزدیک کلمات اقامت دس ہیں ان کے نزدیک قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ایک مرتبہ ہوگا جن روایات سے کلمات اقامت دس یا گیارہ ثابت ہیں وہ تو یا منسوخ ہیں اور یا جواز پر محمول ہیں۔

فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا جائے

(۵/۵۸۳) وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ سُنَّةَ الْاَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَاْسِهٖ قَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ تَرْفَعُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تَخْفِضُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَكَ بِالشَّهَادَةِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ فَاِنْ كَانَ صَلَاةُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلَاةُ

خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/ ٣٤٠حدیث رقم ٥٠٠۔وأخرجه النسائی فی السنن ٢/٧حدیث رقم ٦٣٣۔

ترجمہ: حضرت ابومحذورہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے اذان کا طریقہ بتلائیں راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابومحذورہؓ کی پیشانی پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور پھر فرمایا کہو اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور ان کلمات کے ساتھ اپنی آواز بلند کرو اور پھر کہو اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ انہیں آہستہ کہہ کر پھر بلند آواز سے شہادت کے کلمات کہو۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ اگر فجر کی اذان ہو تو اس کے بعد اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ۔ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ کہو اس کے بعد کہو اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت ابومحذورہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے اذان کا طریقہ سکھلائیں رسول اللہ ﷺ نے اذان کا طریقہ سکھلانے سے پہلے برکت کے لئے اپنا ہاتھ مبارک ان کے سر کے اگلے حصے پر پھیرا تا کہ اس کے برکت سے دماغ مضبوط ہو اور دین کی باتوں کو صحیح طرح سے یاد رکھ سکے اور راوی نے پورا واقعہ نقل کیا ہے تا کہ سننے والے جان لیں کہ ان کو واقعہ اچھی طرح یاد ہے اور دوسروں کو اس طرح بتائیں اور اس حدیث میں شہادتین کے اندر ترجیع کا ذکر ہے جواز پر محمول ہے یا تعلیم پر محمول ہے یا منسوخ ہے یا ابو محذورہؓ کی خصوصیت ہے۔

تثویب کا حکم

(٦/٥٨٤) وَعَنْ بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تُثَوِّبَنَّ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الصَّلٰوۃِ اِلَّا فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ(رَواہُ الترمذی وابن ماجۃ وَقَالَ الترمذی اَبُوْ اِسْرَائِیْلَ الرَّاوِیْ لَیْسَ ھُوَبِذَالِکَ الْقَوِیُّ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ)۔

أخرجه الترمذی فی السنن ١/٣٧٨حدیث رقم ١٩٨۔وقال أبو إسرائیل إسماعیل بن اسحاق هو بذاك القوی عند أهل الحدیث۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ١/٢٣٧حدیث رقم ٧١٥ولفظه "أمرنی رسول اللّٰه أن أثوب فی الفجر ونهانی أن أثوب فی العشاء"

ترجمہ: حضرت بلالؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ فجر کی نماز کے علاوہ اور نماز میں تثویب نہ کرو اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی اسرائیل محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

تشریح: تثویب لغت میں کہتے ہیں اعلان کے بعد اعلان کرنے کو اور اصطلاح میں تثویب کی تعریف یہ ہے کہ اذان کے بعد دوبارہ نماز کا اعلان کرنا اور تثویب کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے ① فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ کہنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہی رائج تھا ② نماز کے لئے اقامت کہنا یہ بھی بالاتفاق جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے اذان کے بعد اقامت کا رواج ہے گویا ایک اعلان ہوا اذان کا اور دوسرا اعلان ہوا اقامت کا ③ اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے

لئے اعلان کرنا اس کے بارے میں اختلاف ہے حضرات متقدمین کے نزدیک یہ ناجائز اور بدعت ہے حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک آدمی نے تثویب کی تو حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ اس بدعتی شخص کو مسجد سے باہر نکال دو اور اسی طرح حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو مسجد سے باہر نکل گئے اور دوسروں کو بھی نکل جانے کا حکم دیا اور متاخرین حضرات کے نزدیک تثویب جائز ہے جیسے حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں جو لوگ دینی یا عوامی کاموں میں مصروف ہیں ان کیلئے تثویب بہتر ہے کیونکہ ان لوگوں کو مصروفیت کی وجہ سے نماز میں غفلت ہو سکتی ہے اور امام ابو یوسفؒ نے اس کا تجربہ اپنے قضاء کے دور میں کیا۔

اذان میں غلطی سے بچو

(۵۸۵/۷) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ (رواه الترمذى وَقَالَ لَانَعْرِفُهُ اِلَّامِنْ حَدِيْثِ عَبْدِالْمُنْعِمِ وَهُوَ اِسْنَادٌ مَجْهُوْلٌ)۔

أخرجه الترمذي في السنن ١/٣٧٣ حديث رقم ١٩٥ وقال في إسناده مجهول ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور جب اقامت کہو تو جلدی جلدی کہا کرو اذان اور تکبیر کے درمیان اتنا وقفہ کیا کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے اور پینے والا اپنے پینے سے اور قضاء حاجت کو جانے والا اپنے حاجت سے فارغ ہو جائے تو نماز کے لئے اس وقت تک کھڑے نہ ہو جاؤ جب کہ مجھے آتا ہوا نہ دیکھو اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم اس حدیث کو سوائے عبدالمنعم کے کسی اور سے نہیں پہچانتے اور اس کی سند مجہول ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر اطمینان اور سکون کے ساتھ کہو مراد اس سے یہ ہے کہ اذان کے کلمات کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے خفیف سکتہ کے ساتھ ادا کرو علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ کلمات اذان میں اس قدر ڈھیل کرو کہ تمام حروف علیحدہ علیحدہ اور واضح ہوں مگر حد سے تجاوز کر کے کلمات اذان کو کھینچنا یہ درست نہیں یہی وجہ ہے کہ مؤذن کو بہت تاکید کی گئی ہے کہ وہ کلمات اذان کی ادائیگی میں احتیاط کریں اور قاعدہ کی پوری رعایت کریں اس لئے کہ اذان میں بعض غلطی ایسی ہے کہ جن کو عمداً کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے جیسے اللہ اکبر کے شروع میں ہمزہ کو مد کے ساتھ ادا کرنا یہ اس صورت میں استفہام ہو جائے گا اور اس سے معنی میں بہت بڑی خرابی پیدا ہوگی اور اسی طرح اللہ اکبر کے اندر باء کو مد کے ساتھ پڑھنا اس سے بھی معنی بدل جائے گا اسی طرح اشہد کے ہمزہ کو کھینچ کر مد کے ساتھ پڑھنا اس سے بھی معنی میں بہت بڑی خرابی پیدا ہوگی علی ہذا القیاس۔

مقتدی کا امام کو دیکھ کر نماز کیلئے کھڑے ہونا: حدیث کے آخری جملہ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب امام نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں آئے تو پھر مقتدی کھڑا ہو جائے اس سے پہلے کھڑے ہو کر امام کا انتظار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ نماز امام نے پڑھانی ہے اس سے پہلے کھڑا ہونے کا کوئی فائدہ نہیں جب امام آ جائے تو دیکھتے ہی کھڑا ہو جائے اگر صفوں کے پیچھے کی طرف سے آیا ہے تو جن سے گزرے گا وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں اور اگر محراب کی طرف سے آیا ہے تو سب دیکھتے ہی کھڑے ہو جائیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں نماز پڑھانے کے لئے آؤں تو میری آمد سے پہلے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرو اور جب میں آ جاؤں تو مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو جاؤ۔

جو اذان کہے وہی اقامت کہے

(۸/۵۸۶) وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اُذِّنَ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ يُّقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ.

(رواه الترمذی وابوداود وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۳۸۳حدیث رقم ۱۹۹ وضعفه۔ وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۳۵۲حدیث ۵۱٤۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۳۷حدیث رقم ۷۱۷۔وأخرجه أحمد فی المسند ٤/۱٦۹۔

ترجمہ: حضرت زید بن حارث صدائیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فجر کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دیا چنانچہ میں نے اذان کہی پھر حضرت بلالؓ نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدائی کے بھائی نے اذان کہی ہے جو اذان کہے وہی اقامت کہے اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابوداودؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اَخَا صُدَاءٍ سے مراد زیاد بن حارث صدائیؓ ہے اہل عرب کے نزدیک آدمی جس قبیلے سے ہوتا اس کو اس قبیلے کا بھائی کہا جاتا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مؤذن کے علاوہ دوسرا آدمی اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں اور مذہب ہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقامت مؤذن کا حق ہے ہاں البتہ اگر مؤذن کی اجازت ہو تو پھر دوسرے آدمی کے لئے اقامت کہنا جائز ہے ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے اور بعض مرتبہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اذان کہتے تھے اور حضرت بلالؓ اقامت کہتے تھے اور بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا تھا دونوں طرح کی روایات کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر مؤذن کی اجازت ہو تو دوسرا اقامت کہہ سکتا ہے ورنہ نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک اقامت مؤذن کے لئے ضروری ہے اور دوسرے آدمی کے لئے اقامت کہنی مکروہ ہے ان کا استدلال بھی مذکورہ حدیث سے ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اس سے مطلقاً قراءت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے خلاف روایات موجود ہیں۔

الفصل الثالث:

شروع میں الصلوٰۃ جامعۃ کے ساتھ اعلان ہوتا تھا

(۹/۵۸۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ لِلصَّلَاةِ وَلَيْسَ يُنَادِىْ بِهَا اَحَدٌ فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِىْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمُ اتَّخِذُوْا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُّنَادِىْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ.

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۷۷حدیث رقم ٦۰٤۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۲۸۵حدیث (۱۔۳۷۷)وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/۳٦۲حدیث رقم ۱۹۰۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۲حدیث رقم ۱۔وأخرجه أحمد فی مسنده ۲/۱٤۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان جب مدینہ منورہ میں آئے۔ تو نماز کے لئے وقت مقرر کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ کیونکہ نماز کے لئے کوئی آدمی بلانے والا نہیں تھا۔ ایک مرتبہ جب اس مسئلہ کے متعلق گفتگو ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ نصاریٰ کی طرح ناقوس بنا لیا جائے اور بعض نے کہا کہ یہود کی طرح سینگ بنا لیا جائے

یہ تمام تجاویز سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کیوں نہ مقرر کر دیا جائے کسی آدمی کو جو نماز کے لئے اعلان کرے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے بلال تم نماز کے لئے اعلان کر دیا کرو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ✿ جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں آ گئے تو ضرورت محسوس ہوئی اس بات کی کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے کس طرح جمع کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور صحابہ کرام سے آراء لیں۔ بعض حضرات نے ناقوس کا مشورہ دیا۔ بعض نے قرن کا مشورہ دیا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کو رد کر دیا کیونکہ ناقوس نصاری کا ہے اور قرن یہود کا ہے حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ نماز کے وقت الصلوۃ جامعۃ کے الفاظ کے ساتھ اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ یہی رائے صواب تھی۔ اسی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان الفاظ کے ساتھ نماز کے لئے اعلان کر دیا کرو۔ کچھ عرصہ اسی کے مطابق عمل جاری رہا۔ اسی دوران حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان کی تعلیم دی گئی۔ انہوں نے یہ واقعہ آپ ﷺ کی خدمت میں ذکر کیا اور آپ ﷺ نے اس کے حق ہونے کی تصدیق کی۔ اس کے بعد پھر اذان شروع ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب

(۵۸۸/۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا اَمَرَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلَاةِ طَا فَ بِهٖ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَاللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْبِهٖ اِلَى الصَّلَاةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُاِلٰى اٰخِرِهٖ وَكَذَا الْاِقَامَةُ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَارَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّرِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (رواه ابوداود والدارمی وابن ماجة الا انه لم يذكر الاقامة وقال الترمذی هذا حديث صحيح) لٰكِنَّهٗ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوْسِ.

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳۳۷/۱ حديث رقم ۴۹۹۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۳۲/۱ حديث رقم ۷۰۶ وأخرجه الدارمی فی السنن ۲۸۶/۱ حديث رقم ۱۱۸۷۔ وأحمد فی مسنده ۴۳/۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس بنانے کا حکم دیا۔ تاکہ نماز باجماعت کے لئے لوگوں کو حاضر ہونے کے لئے اس کو بجایا جائے۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی اپنے ہاتھ میں ناقوس لے کر جا رہا ہے۔ میں نے اس آدمی سے کہا۔ بندہ خدا کیا تم اس ناقوس کو فروخت کرو گے۔ اس آدمی نے کہا تم اس کو کیا کرو گے۔ میں نے کہا ہم اس کو بجا کر لوگوں کو نماز باجماعت کے لئے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں۔ میں نے کہا ہاں ضرور بتاؤ۔ اس نے کہا کہو۔ اللہ اکبر الخ پوری اذان بتائی اور اسی طرح پوری اقامت بھی بتائی۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا وہ آپ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان شاء اللہ خواب سچا ہے اب تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر

جو کچھ آپ نے خواب میں دیکھا وہ ان کو سکھا دو کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے چنانچہ میں حضرت بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کو بتاتا گیا اور وہ اذان کہتے رہے۔ حدیث کے راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے جب اذان کی آواز سنی تو جلدی سے چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلے اور یہ کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے میں نے بھی ایسا خواب دیکھا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الحمد للہ۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ امام دارمی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے مگر امام ابن ماجہؒ نے اقامت کا ذکر نہیں کیا اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مگر امام ترمذی نے ناقوس کے قصہ کی تصریح نہیں کی۔

تشریح ❁ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن زید کے خواب کا تفصیلی تذکرہ ہے کلمات اذان پندرہ ہیں اور کلمات اقامت سترہ ہیں اور اس حدیث سے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ اذان کے اندر شروع میں تکبیر چار مرتبہ ہے باقی کلمات دو دو مرتبہ اور آخر میں لا الٰہ الا اللہ ایک مرتبہ ہے۔ اسی طرح اقامت کے کلمات ہیں صرف قد قامت الصلوٰۃ کا کلمہ دو مرتبہ زیادہ ہوگا۔

اشکالات وجوابات: اس مقام پر تین اشکالات ہیں ان کا جواب معلوم کرنا ضروری ہے۔

① اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناقوس تیار کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ دیگر کئی روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب ناقوس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کو رد کر دیا تھا بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ناقوس بجانے کا حکم دیا تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب صحابہ کرام سے مشورہ ہوا اور کوئی مناسب رائے سامنے نہیں آئی تو آپ ﷺ نے ناقوس بجانے کا ارادہ کر لیا تھا مگر تائید الٰہی سے اس کی نوبت نہیں آئی۔

② رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زید کے خواب کی تصدیق کی کہ یہ سچا خواب ہے اور ساتھ ہی آپ نے ان شاء اللہ کا جملہ کہہ دیا۔ تصدیق یقین پر دلالت کرتی ہے اور یہ جملہ شک پر دلالت کرتا ہے یقین اور شک میں تضاد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام پر ان شاء اللہ کا جملہ شک کے لئے نہیں بلکہ نیت اور برکت کے لئے ہے۔

③ حضرت عمرؓ نے بھی جب یہ خواب دیکھا تھا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیوں نہیں بیان کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداءً حضرت عمرؓ کی اس طرف کوئی توجہ نہ رہی اور وہ خواب بیان کرنا بھول گئے۔ جب عبداللہ بن زید کا خواب سامنے آیا تو ابتداء حضرت عمرؓ نے سکوت فرمایا کہ یہ فضیلت لے گئے ہیں تاکہ ان کی فضیلت ثابت ہو جائے۔ پھر حضرت بلالؓ کی اذان سن کر جلدی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کر دیا۔

سوئے ہوئے لوگوں کو نماز کے لئے جگانا

(۱۱/۵۸۹) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَکَانَ لَایَمُرُّ بِرَجُلٍ اِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلَاةِ اَوْ حَرَّکَهُ بِرِجْلِهٖ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/ ٤٩ حدیث رقم ١٢٦٤۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز کے لئے نکلا۔ آپ ﷺ جس کے پاس سے گزرتے تھے۔ یا تو اس کو آواز دیتے تھے اور اس کا پاؤں پکڑ کر ہلا دیتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی آدمی سویا ہوا ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو اس کو بیدار کر دیا جائے اور

بیدار کرنے کے دوطریقے ہیں ایک آواز کے ساتھ جگانا۔ دوم حرکت کے ساتھ جگانا۔ اس حدیث میں رسول اللہؐ سے یہی عمل ثابت ہے۔

اَلصَّلاَۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ صبح کی اذان میں کہا جائے

(۱۲/۵۹۰) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ عُمَرَ يُؤْذِنُهُ لِصَلاَةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهُ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فَاَمَرَهُ عُمَرُ اَنْ يَجْعَلَهَا فِىْ نِدَاءِ الصُّبْحِ . (رواہ موطا)

أخرجه مالك فى الموطأ ۱/ ۷۲ حديث رقم ۸ من كتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کو یہ خبر پہنچی کہ مؤذن حضرت عمرؓ کے پاس آ کر صبح کی نماز کے لئے اطلاع دیتا تھا چنانچہ ایک دن مؤذن نے حضرت عمرؓ کو سویا ہوا پایا۔ تو الصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ جملہ صبح کی اذان میں کہا جائے۔ اس حدیث کو امام مالکؒ نے موطا میں روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس روایت پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے فجر کی اذان میں الصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا جملہ حضرت عمرؓ نے شامل کرایا ہے۔ حالانکہ یہ جملہ فجر کی اذان میں شروع سے شامل تھا جیسے اس سے پہلے حضرت ابومحذورہ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت ابومحذورہؓ کو فجر کی اذان میں اس جملہ کی تعلیم دی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ روایت کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس کو فجر کی اذان میں شامل کیا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مؤذن کے اس عمل پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ یہ جملہ تو فجر کی اذان میں کہنا مسنون ہے اس کو بیدار کرنے کے لئے استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔

بوقتِ اذان کانوں میں اُنگلیاں داخل کرنا مسنون ہے

(۱۳/۵۹۱) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِلاَلاً اَنْ يَجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ اِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ . (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجة فى السنن ۱/ ۲۳۶ حديث رقم ۷۱۰۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن عمار بن سعدؓ رسول اللہؐ کے مؤذن فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد سعد نے اور انہوں نے اپنے والد عمار سے اور انہوں نے سعد کے دادا سے جن کا نام بھی سعد تھا سنا کہ رسول اللہؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اذان کے وقت اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں داخل کر لیا کریں۔ کیونکہ اس سے آواز زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔

تشریح ۞ حضرت سعدؓ رسول اللہؐ کے صحابی ہیں اور آپ کی طرف سے مسجد قباء کے مؤذن مقرر کئے گئے تھے اور بدستور مسلسل رسول اللہ ﷺ کی وفات تک اس مسجد کے مؤذن رہے رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد حضرت بلالؓ ملک شام چلے گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت سعدؓ کو مسجد قباء سے معزول کر کے آپ کا تبادلہ مسجد نبوی میں کر دیا اور مسجد نبوی کے مؤذن مقرر کئے گئے اپنی زندگی کے آخر تک اس منصب پر فائز رہے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اذان دیتے وقت اپنی انگلیاں کانوں میں ڈالی جائیں کیونکہ اس سے آواز بلند ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ بہرہ آدمی کلام اونچی کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میری آواز دوسروں کو بھی شاید نہیں پہنچ رہی۔

سند کی وضاحت: حضرت سعد صحابی ہیں ان کے بیٹے حضرت عمار تابعی ہیں اور حضرت سعدؓ کے پوتے کا نام بھی سعد ہے اور عبدالرحمٰن مشہور ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے والد حضرت سعدؓ سے نقل کی ہے اور انہوں نے اپنے والد حضرت

عمارؓ سے نقل کی ہے۔انہوں نے اپنے والد حضرت سعدؓ سے سنا ہے۔اس عبارت میں ابیہ اور جدہ کی دونوں ضمیریں ابی کی طرف راجع ہیں۔

بَابُ فَضْلِ الْاَذَانِ وَاِجَابَةِ الْمُؤَذِّنِ

اذان اور اذان کا جواب دینے کی فضیلت کا بیان

اس باب کے آغاز میں بطور تمہید کے چند مسائل کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ مسئلہ ❶: اذان شعائر اسلام میں سے ہے اور کلمات اذان کی جامعیت اور ترتیب پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انتہائی فصیح و بلیغ کلمات ہیں۔امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس علاقہ میں مسلمان لوگ اذان کو بالکلیہ ترک کردیں تو وقت کے حکمران پر لازم ہے کہ ان کے خلاف اعلان جہاد کرے۔ مسئلہ ❷: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اذان دینا افضل ہے یا اقامت۔صحیح قول یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو اپنے بارے میں پورا اعتماد ہو کہ وہ امامت کے حقوق ادا کرے گا تو اس صورت میں امامت افضل ہے۔ مسئلہ ❸: صحیح قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اذان نہیں کہی اور امامت ہمیشہ آپ نے کروائی ہے ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اذان کہی ہے مگر اس سے مراد بذات خود اذان دینا نہیں بلکہ اس سے مراد حکم اذان ہے یعنی آپ نے اذان دینے کا حکم دیا جیسے کہا جاتا ہے فلاں بادشاہ نے مسجد بنائی اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اس کی تعمیر کا حکم دیا۔بنانے والے تو معمار ہوتے ہیں۔ مسئلہ ❹: کہ اذان کا جواب دینا ضروری ہے پھر جواب کی دو قسمیں ہیں فعلی اور قولی فعلی سے مراد یہ ہے کہ اذان سن کر مسجد کی طرف نماز پڑھنے کے لئے چل پڑے قولی سے مراد یہ ہے کہ زبان سے اذان کا جواب دینا۔ مسئلہ ❺: ایک شہر کے اندر مختلف محلوں میں جو اذان ہوتی ہے صرف اس اذان کا جواب دیا جائے جو اپنے محلہ کی مسجد کی اذان ہے اور جو شخص مسجد کے اندر موجود ہو اس کے لئے جواب ضروری نہیں وہ اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ:

قیامت کے دن مؤذن کی گردن طویل ہوگی

(۱/۵۹۲) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۲۹۰حدیث رقم (۱۴-۳۸۷)-واخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۲۴۰حدیث رقم ۷۲۵-واخرجه احمد فی مسنده ۴/ ۹۵-

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ بلند گردن والے مؤذن ہونگے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مؤذن کے مقام اور مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے اور اس کے لیے تعبیر یہ اختیار کی گئی ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کی گردن سب سے بلند ہوگی اس جملہ کے چار معانی ہیں۔

① بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کی بڑی شان وشوکت ہوگی اذان کی برکت سے اس کو خصوصی عزت حاصل ہوگی۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ اعناق یہ جمع کا صیغہ نہیں بلکہ باب افعال کا مصدر ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن مؤذن تیزی سے جنت کی طرف جائیں گے۔

③ بلند گردن سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ زیادہ اعمال اور زیادہ ثواب والے ہونگے۔
④ اس سے مراد یہ ہے کہ مؤذن لوگ قیامت کے دن سردار ہونگے گویا گردن کی بلندی کنایہ ہے سرداری سے۔

شیطان اذان کی آواز سے بھاگتا ہے

(۲/۵۹۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَایَسْمَعَ التَّاْذِیْنَ فَاِذَا قُضِیَ النِّدَاءُ اَقْبَلَ حَتّٰی اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰی اِذَا قُضِیَ التَّثْوِیْبُ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطُرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ یَقُوْلُ اُذْکُرْ کَذَا اُذْکُرْ کَذَا لِمَا لَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ لَا یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٨٤حديث رقم ٦٠٨ـ وأخرجه مسلم في صحيحه ١/٢٩١حديث رقم (١٩ـ٣٨٩) أخرجه أبو داوٗد في السنن ١/٣٥٥حديث رقم ٥١٦ ـوالنسائي في السنن ٢/٢١حديث رقم ١٢٠٤ ـوأخرجه مالك في الموطأ ١/٦٩حديث رقم ٦من كتاب الصلاة ـوأخرجه أحمد في المسند ٢/٣١٣ـ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے تا کہ اذان نہ سن سکے جب اذان ختم ہو جاتی ہے پھر واپس آ جاتا ہے اور جس وقت اقامت ہوتی ہے پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے جب اقامت ختم ہو جاتی ہے پھر واپس آ جاتا ہے تا کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان وسوسے پیدا کرے چنانچہ نمازی سے کہتا ہے فلاں چیز یاد کر فلاں معاملہ یاد کر جو چیزیں نمازی کو یاد نہیں ہوتی وہ یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ انسان کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز مارتے ہوئے وہاں سے بھاگ جاتا ہے اس کے معنی اور مراد میں چار احتمال ہیں۔

① یہ کلام حقیقت پر محمول ہے کہ شیطان حقیقۃً گوز مارتا ہے کیونکہ شیطان بھی جسم رکھتا ہے اور کھاتا پیتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ اذان کی آواز شیطان پر بھاری ہو جاتی ہے پھر وہ زیادہ ثقل کی وجہ سے گوز مارتا ہے جیسے گدھا بوجھ کے وزن سے گوز مارتا ہے۔
② اس سے مراد شدید نفرت کا اظہار ہے کہ شیطان اذان سن کر شدید نفرت کرتے ہوئے بھاگ جاتا ہے۔
③ اس سے مراد یہ ہے کہ جب مؤذن اذان شروع کرتا ہے تو شیطان اپنے آپ کو اذان سے دور رکھتا ہے اور غافل بننے کی کوشش کرتا ہے۔
④ یہ کلام تشبیہ پر محمول ہے کہ شیطان کی غفلت کو ایسی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی وجہ سے کان بھر جاتے ہیں اس آواز کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دیتا اور اس کی قباحت کو واضح کرنے کے لئے ضراط کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور جب اقامت مکمل ہو جاتی ہے تو شیطان واپس آ جاتا ہے پھر انسان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا ہے اور بھولی ہوئی باتیں نماز میں یاد کراتا ہے تا کہ انسان کی توجہ نماز کی طرف نہ رہے۔

سوال: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے نماز تلاوت اور دیگر عبادات سے نہیں بھاگتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اذان کو شعائر اللہ میں بنایا ہے اور یہ اسلام کی شان وشوکت اور غلبہ کی علامت ہے اور کلمات اذان میں ایسی ہیبت

اور عظمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھ دی گئی ہے جس کی وجہ سے شیطان خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے ہر چیز اس کے لیے شہادت دیتی ہے

(۳/۵۹۴)وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَسْمَعُ مَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا اِنْسٌ وَلَا شَیْءٌ اِلَّا شَھِدَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۸۷/۲حدیث رقم ۶۰۹۔وأخرجه النسائی فی السنن ۱۲/۲حدیث رقم ٦٤٤۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۳۹/۱حدیث رقم ۷۲۳۔وأخرجه مالك فی الموطأ ۶۹/۱حدیث رقم ٤من کتاب الصلاة وأحمد فی المسند ۳۵/۳۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤذن کی آواز کی انتہا کو جو بھی سنتا ہے چاہے انسان ہو یا جن اور یا جو بھی چیز ہو وہ سب قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی دیں گے۔اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں مؤذن کیلئے بہت بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کے تمام جن اور انسان اور ان کے علاوہ ہر چیز قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دیں گے اور اس حدیث سے دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

① کہ اذان دینے کے لیے رغبت اور شوق ہونا چاہیے کہ اسکی برکت سے اذان کو سننے والی ہر چیز قیامت کے دن شہادت دیگی۔

② اذان بلند آواز سے دینی چاہیے جتنی دور تک آواز جائے گی اتنی شہادت دینے والی چیزیں زیادہ ہونگی یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنے کا حکم دیا ہے تاکہ آواز بلند ہو۔

اذان کا جواب کس طرح دینا چاہیے

(۴/۵۹۵)وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ فَاِنَّھَا مَنْزِلَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ وَاَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ حَلَّتْ عَلَیْہِ الشَّفَاعَۃُ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲۸۸/۱ حدیث رقم (۱۱۔۳۸٤)وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳۵۹/۱حدیث رقم ۵۲۳۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۵٤۷/۵حدیث رقم ۳٦۱٤۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲۵/۲حدیث رقم ٦۷۸۔وأحمد فی مسنده ۱٦۸/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم مؤذن کی آواز سنو تو اس کے جواب میں اس کے الفاظ کو دہراؤ اور اذان کے بعد مجھ پر درود بھیجو تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو وسیلہ جنت کا ایک اعلیٰ درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے وہ بندہ خاص میں ہوں گا لہذا جو آدمی میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگی اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب مؤذن اذان کہے تو اس کی اذان کا جواب دو۔اس کی اذان کا جواب دینے

سے مراد یہ ہے جو کلمات مؤذن کہے وہی کلمات اس کے ساتھ دہراتے جاؤ البتہ چند کلمات کا جواب ان کلمات کے مثل نہیں ہوتا جیسے الصلوٰۃ خیر من النوم کے جواب میں کہا جائے گا صدقت و بررت و بالحق نطقت اور حی علی الصلوٰہ اور حی علی الفلاح کا جواب لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے ساتھ ہوگا امام شافعیؒ اور امام مالک کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کا جواب انہی کلمات کے ساتھ ہوگا۔

وسیلہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کرنے کا ذکر ہے وسیلہ لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کسی مطلوبہ چیز کو حاصل کیا جائے اور اس مقام پر وسیلہ سے مراد جنت کے اندر ایک خاص اور اعلیٰ مقام کا نام ہے یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی خاص بندے کو نصیب ہوگا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے وہ بندہ میں ہوں گا اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارجو کا لفظ عاجزی اور انکساری کے طور پر فرمایا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی اس کا مستحق ہی نہیں ہے کیونکہ آپ سب مخلوق میں سے افضل ہیں۔

(۵۹۶/۵) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَحَدُكُمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی الصحیح ۱/۲۸۹ حدیث رقم (۱۲۔۳۸۵)۔ وأخرجه أبو داوٗد فی السنن حدیث رقم ۵۲۸۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مؤذن اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے تو تم میں سے ہر آدمی اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے پھر جب مؤذن اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے پھر جب مؤذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو تم میں سے ہر آدمی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے پھر جب مؤذن حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کہے تو تم میں سے ہر آدمی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے پھر جب مؤذن حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو تم میں سے ہر آدمی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے پھر جب مؤذن اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے تو تم میں سے ہر آدمی اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے پھر جب مؤذن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو تم سے ہر آدمی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے جس آدمی نے صدق دل سے اس طرح جواب دیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اذان کا جواب تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مگر کلمات کو ذکر کرنے میں اختصار کیا گیا ہے وہ اسطرح کہ شروع میں اللہ اکبر دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد ہر کلمہ کو ایک ایک مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور اس حدیث میں وضاحت کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ کا جواب لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے ساتھ ذکر کیا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ میں نیکی کے کام کی طرف دعوت دی گئی ہے برائی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کا کام کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت حاصل ہو جائے گی۔

مسئلہ: اذان کا جواب ہر سننے والے کو دینا چاہئے چاہے وضو کے ساتھ ہو یا نہ ہو چاہے جنبی ہو یا غیر جنبی بشرطیکہ جواب دینے کے لئے کوئی مانع موجود نہ ہو مثلاً بیت الخلاء میں ہو یا نماز پڑھ رہا ہو علیٰ ہذا القیاس۔

سوال: اس حدیث میں مِنْ قَلْبِه کا تعلق لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه کے ساتھ ہے یا تمام کلمات کے ساتھ ہے؟

جواب: ایک قول کے مطابق مِنْ قَلْبِه کا تعلق لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه کے ساتھ ہے کہ جو آدمی ان کلمات کو صدق دل سے کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا دوسرے قول کے مطابق مِنْ قَلْبِه کا تعلق تمام کلمات کے ساتھ مطلب یہ ہوگا کہ جو آدمی کلمات اذان کا جواب صدق دل سے دے گا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

قول نووی رحمہ اللہ: علامہ نووی فرماتے ہیں مؤذن جب اذان دے تو سننے والے کو جواب دینا مستحب ہے ہاں البتہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کا جواب لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے ساتھ ہوگا بعض علاقوں میں لوگ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں ماشاء الله کان ولم یشأ لم یکن کہتے ہیں یہ درست نہیں کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے۔

اذان کے بعد کی دُعا

(۶/۵۹۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹۴/۲ حدیث رقم ۶۱۴۔وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳۶۲/۱ حدیث رقم ۵۲۹۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۴۱۳/۱ حدیث رقم ۲۱۱۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲۶/۱ حدیث رقم ۶۸۰۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۳۹/۱ حدیث رقم ۷۲۲۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی تو قیامت کے دن اس کی شفاعت مجھ پر لازم ہے۔اے اللہ۔جو ربّ ہے اس کامل دعوت یعنی اذان کا اور قائم ہونے والی نماز کا اور دیدے محمد ﷺ کو وسیلہ اور درجہ اور انہیں پہنچا مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اذان کے بعد کی دعا ذکر کی گئی ہے کہ اذان کے بعد جس نے یہ پڑھ لی اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت واجب ہے۔

دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ۔

اس دعا میں چند امور کی وضاحت ضروری ہے:

① اس دعا میں اذان کو دعوت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی نماز کی طرف بلایا جاتا ہے۔
② اس دعا میں نماز کی صفت ذکر کی گئی ہے قائمۃ کیونکہ نماز قیامت کے دن تک قائم ودائم اور برقرار رہے گی۔
③ وسیلہ سے مراد مقام تقرب ہے۔
④ فضیلہ سے مراد خصوصی درجہ ہے۔بعض لوگ اس کے بعد والدرجة الرفیعة پڑھتے ہیں مگر یہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔
⑤ مقام محمود سے مراد وہ خاص جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ سجدہ کرینگے اور بہت طویل سجدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی خاص ثناء ہے جو اسی وقت القاء ہوگی۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ سر اٹھائیں سفارش کریں قبول ہوگی۔سوال کریں اجابت ہوگی اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ انکار کردینگے پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی انکار

کر دیں گے۔ علی ہذا القیاس آخر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے اور وہ سفارش کریں گے۔

(۶) اس دعا میں وَعَدْتَہٗ سے مراد قرآنی آیات میں ذکر کردہ وعدہ ہے عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا۔ کہ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو شافع محشر بنا کر مقام محمود پر فائز کریگا اور یہ وعدہ آپ کیلئے ایک خاص اعزاز ہے جو کسی اور کو میسر نہیں اور بعض روایتوں میں اس کے بعد۔ انك لاتخلف المیعاد بھی ہے۔ یعنی اس وعدہ کا خلف نہیں ہوگا یہ وعدہ اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا۔

اذان شعائر اسلام میں سے ہے

(۵۹۸/۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُغِیْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَکَانَ یَسْمَعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَکَ وَاِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلٌ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلَی الْفِطْرَۃِ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَیْہِ فَاِذَا ھُوَ رَاعِیْ مِعْزًی۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲۸۸/۱حدیث رقم (۹۔۳۸۲)۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۱٤۰/٤حدیث رقم ۱٦۱۸۔وأخرج أوله إلی عند لفظ والاغار۔أبو داؤد فی السنن ۹۸/۳حدیث رقم ۲٦۳٤۔والدارمی فی السنن ۲۸۷/۲۔حدیث رقم ۲٤٤٥۔وأخرج البخاری أوله ضمن حدیث طویل فی صحیحه ۸۹/۲حدیث رقم ٦۱۰۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جگہ لشکر لے کر جاتے تو طلوع فجر کے وقت ان پر حملہ کرتے تھے اور فجر ہونے پر اذان فجر کا انتظار کرتے تھے۔ اگر اذان کی آواز آ جاتی تو آپ حملہ نہیں کرتے تھے اور اگر آواز نہیں سنائی دیتی تھی تو حملہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ لشکر لے کر گئے تو فجر کے وقت آپ ﷺ نے کسی کو اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے سنا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہنم کی آگ سے نکل گئے۔ صحابہ کرام نے چاروں طرف پھر کر دیکھا کہ اذان دینے والا کون ہے تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اذان ہونے کو اسلام کی علامت قرار دیا ہے اور اذان نہ ہونے کو کفر کی علامت قرار دیا ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر مسلمانوں کے کسی علاقہ میں اذان ترک کر دی گئی ہو تو ان کے ساتھ قتال اور جہاد کرنے کا حکم حکومت وقت کو صادر کرنا چاہئے۔

صبح کے وقت حملہ کرنا: رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ دشمن پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کرتے تھے۔ تو رات کے وقت بھی حملہ نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ خواب اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اس وقت کا حملہ بزدلوں کی علامت ہے اور دن کے وقت بھی حملہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ دن کے وقت بہادر لوگ اور جوان اور صحت مند لوگ گھروں میں نہیں ہوتے بلکہ کام کاج اور محنت مزدوری میں مصروف ہوتے ہیں لہٰذا اس وقت بھی حملہ کرنا کوئی بہادری کی علامت نہیں ہے اس لئے آپ صبح کے وقت حملہ کرتے تھے کیونکہ اس وقت سب لوگ موجود ہوتے ہیں اور نیند سے بیدار بھی ہو جاتے ہیں اور حملہ کرنے میں احتیاط کی جاتی تھی کہ کہیں مسلمان نہ مارے جائیں اسی وجہ سے صبح کے وقت انتظار کرتے تھے۔ اگر اذان ہو جاتی تھی تو پھر حملہ نہیں کرتے تھے۔ اگر اذان نہ سنتے تو پھر حملہ کر دیتے تھے۔

اذان کے بعد مختلف دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں

(۵۹۹/۸) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ

دِیْنًا غُفِرَلَهٗ ذَنْبُهٗ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۲۹۰حدیث رقم (۱۳-۳۸٦)وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۳٦۰حدیث رقم ۵۲۵۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/٤۱۱حدیث رقم ۲۱۰۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲/ ۲٦حدیث رقم ٦۷۹۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۲۳۸حدیث رقم ۷۲۱۔وأخرجه أحمد فی المسند ۱/ ۱۸۱۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی مؤذن کی اذان سن کر یہ کہے: اشہد...... کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور میں اللہ کے رب ہونے محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اذان کے بعد مختلف دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں اب یہ کہ یہ دعا اذان ختم ہونے کے بعد پڑھی جائے یا جس وقت مؤذن اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اس وقت پڑھی جائے تو اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں لیکن زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ یہ دعا اذان مکمل ہونے کے بعد پڑھی جائے تاکہ دوسرے کلمات کا جواب دینے میں خلل نہ آئے۔

اذان اور اقامت کے درمیان نفل کا حکم

(٦۰۰/ ۹)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ۱۱۰حدیث رقم ٦۲۷۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۵۷۳حدیث (۳۰٤-۸۳۸) وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/ ۵۹حدیث رقم ۱۲۸۳۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۳۵۱حدیث رقم ۱۸۵۔وأخرجه فی السنن ۲/ ۲۸حدیث رقم ٦۸۱۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/ ۳٦۸ حدیث رقم ۱۱٦۲۔وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/ ۳۹۷حدیث رقم ۱٤٤۰وأحمد فی مسنده ٤/ ۸٦ولم یذکر ثلاث مرات۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے پھر تیسری دفعہ فرمایا کہ یہ نماز ہر اس آدمی کے لیے ہے جو نماز پڑھنا چاہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں اذانین یہ تثنیہ ہے اذان کا اور یہ تثنیہ تغلیبی ہے مراد اس سے اذان اور اقامت ہے مطلب یہ ہوگا کہ اذان اور اقامت کے درمیان نفل نماز پڑھنا جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی رغبت دلانے کے لیے بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ جملہ تکرار کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت فضیلت اور شان والا وقت ہے اور اس وقت جو کوئی نماز پڑھ کر جو دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے مگر یہ نماز واجب نہیں بلکہ نفل ہے اور آپ نے لِمَنْ شَاءَ کہہ کر اس کی وضاحت بیان کر دی۔

مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے یا نہیں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ دو رکعتیں جائز تو ہیں لیکن مکروہ لغیرہ ہیں کیونکہ اس سے مغرب کی نماز کے درمیان تاخیر لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مغرب کی اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے ان کا استدلال مذکورہ روایت کے عموم سے ہے کہ یہ روایت اپنے عموم کی وجہ سے مغرب کو بھی شامل ہے مگر امام صاحبؒ کا مذہب اولیٰ ہے کیونکہ دار قطنی میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے اور اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے سوائے

مغرب کے تو اس حدیث سے مغرب کا استثناء کیا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ:

امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہوتا ہے

(۶۰۱/۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ. (رواه احمد وابوداود والترمذی والشافعی وفی اخری لہ بلفظ المصابیح)

أخرجه أحمد فی مسنده ۲/ ۴٦١ ـ وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ١/ ٣٥٦ حدیث رقم ٥١٧ ـ وأخرجه الترمذی فی السنن ١/ ٤٠٢ حدیث رقم ٢٠٧ ـ وأخرجه الشافعی فی مسنده ص ٥٦ بهذا اللفظ ـ وأخرجه بلفظ المصابیح "الأئمة ضمناء ......" ص ٣٣ ـ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام ضامن ہوتا ہے اور مؤذن امانت دار ہوتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ''اے اللہ اماموں کو ہدایت دے اور مؤذنوں کو معاف کر دے'' اس حدیث کو امام احمدؒ ' امام ابوداوٗدؒ ' امام ترمذی اور امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے اور امام شافعیؒ کی ایک دوسری روایت مصابیح کے لفظ کے مطابق روایت کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے علماء نے چند مسائل نکالے ہیں:

① امام قراءت میں مقتدی کی قراءت کا ضامن ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے قراءت ناجائز ہے۔
② امام تمام ارکان، آداب اور اوقات میں مقتدی کے لیے ضامن ہوتا ہے۔
③ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کر سکتا کیونکہ فرض پڑھنے والے کی حالت مضبوط ہوتی ہے اور نفل پڑھنے والے کی حالت ضعیف ہوتی ہے اور ضعیف قوی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔
④ ایک فرض پڑھنے والا دوسرے کسی فرض پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کر سکتا اس لیے کہ ضامن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کی نماز ایک ہو۔
⑤ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔
⑥ مؤذن کیلئے ضروری ہے کہ اوقات کو جانتا ہو کیونکہ لوگ نماز پڑھنے میں' روزہ رکھنے میں اور افطار کرنے میں مؤذن پر اعتماد کریں گے۔

اذان دینے کی فضیلت

(۶۰۲/۱۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِیْنَ مُحْتَسِبًا کُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ۔ (رو الترمذی وابوداود وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ١/ ٤٠٠ حدیث رقم ٢٠٦ وقال حدیث غریب وتکلم فی سنده ـ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ١/ ٢٤٠ حدیث رقم ٧٢٧ ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' کہ جو آدمی سات سال ثواب کی نیت سے اذان دے تو اس کے لیے جہنم سے نجات لکھ دی جاتی ہے'' اس حدیث کو امام ترمذی ' امام ابوداوٗدؒ

اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو انسان سات سال تک صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور ثواب کی نیت سے اذان دیتا ہے تو اس کو جہنم سے نجات کا اور جنت میں داخل ہونے کا پروانہ عطا کیا جاتا ہے اور اس حدیث میں سات سال کی قید کیوں لگائی گئی اس کی حقیقت کو اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں۔

اکیلا آدمی بھی نماز کے لیے اذان دے

(۱۲/۶۰۳) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِیْ غَنَمٍ فِیْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّیْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ انْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلَاةَ يَخَافُ مِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ ۔ (رواہ ابو داود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۹حدیث رقم ۱۲۰۳ وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۲۰حدیث رقم ۶۶۶ وأخرجه أحمد فی مسنده ۴/۱۵۷۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تمہارا رب خوش ہوتا ہے پہاڑ کی چوٹی پر بکرے چرانے والے سے جو نماز کے لیے اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کو دیکھو وہ اذان کہتا ہے اور پابندی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور مجھ سے ڈرتا ہے میں نے اپنے بندے کے گناہ معاف کر دیے اور میں اس کو جنت میں داخل کرونگا'' اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جب کوئی آدمی اکیلے نماز پڑھے تو وہ اذان بھی کہے اور اقامت بھی کہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس آدمی سے بہت خوش اور راضی ہوتا ہے کہ جو لوگوں سے کنارہ کش ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر زندگی گزارے جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہہ کر پابندی کے ساتھ نماز ادا کرے حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اکیلے آدمی کو اذان دینے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی اذان سے ملائکہ اور جنات نماز کے وقت خبردار ہو جاتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو مخلوق اس کی اذان کو سنے گی وہ قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دے گی۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جماعت کی مشابہت ہو جائے گی اور اس حدیث میں يَخَافُ مِنِّیْ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ عبادت کرتا ہے اور اس کا مقصد اس عبادت سے ریاکاری اور شہرت نہیں ہے وہ صرف مجھ سے ڈرتا ہے اسی لیے اذان دیتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے۔

تین آدمیوں کی فضیلت

(۱۳/۶۰۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ عَلٰی كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ اَدّٰی حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِیْ بِالصَّلٰوةِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ۔

(رواہ الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۴/۳۱۲حدیث رقم ۱۹۸۶ وقال حسن غریب ۔وأخرجه احمد فی مسنده ۲/۲۶۔۲۵ مع تقديم وتاخير ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن تین افراد کستوری کی ٹیلوں پر ہونگے ایک وہ غلام کہ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کر کے اپنے آقا کے حقوق کو ادا کرے دوسرا وہ

آدمی جو لوگوں کی امامت کروائے اور لوگ اس سے خوش ہوں۔ تیسرا وہ آدمی جو رات اور دن میں پانچ نمازوں کے لیے اذان کہتا ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں تین آدمیوں کی فضیلت اور درجہ بیان کیا گیا ہے کہ تین قسم کے لوگ قیامت کے دن کستوری اور مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے یعنی ان کو انتہائی اعلیٰ اور عمدہ مقام دیا جائے گا۔

① وہ غلام اور باندی جس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق پوری طرح ادا کیے اور پھر اپنے آقا کے حقوق اچھی طرح ادا کیے۔

② وہ آدمی جو لوگوں کا امام ہو اور لوگ اس سے خوش ہوں یعنی وہ سنت کے مطابق لوگوں کو نماز پڑھائے اور ان کی تربیت کرے یہی مراد ہے راضون سے اگر اس کے علاوہ کوئی دنیاوی ناراضگی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

③ وہ آدمی جو پانچ نمازوں کے لیے ہمیشہ اور لگاتار ثواب کی نیت سے اذان دیتا ہے۔

مؤذن کی فضیلت

(۶۰۵/۱۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤَذِّنُ یُغْفَرُلَهٗ مَدٰی صَوْتِهٖ وَیَشْهَدُ لَهٗ كُلُّ رَطْبٍ وَّیَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلٰوةِ یُكْتَبُ لَهٗ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ صَلٰوةً وَّیُكَفَّرُ عَنْهُ مَابَیْنَهُمَا (رواہ احمد وابوداود وابن ماجه و روی النسائی) اِلٰی قَوْلِهٖ كُلُّ رَطْبٍ وَّیَابِسٍ وَقَالَ وَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰی۔

أخرجه أحمد فی مسنده ۴۱۱/۲۔ وأخرجه أبوداود فی السنن ۳۵۳/۱ حدیث رقم ۵۱۵۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۴۰/۱ حدیث رقم ۷۲۴۔ وأخرجه النسائی إلی قوله "کل رطب یابس" فی السنن ۱۲/۲ حدیث ۲۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اذان دینے والے کی مغفرت اس کی آواز کی انتہاء کے مطابق کی جاتی ہے ہر تر اور خشک چیز اور نماز کے لئے آنے والے لوگ گواہ ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے پچیس نمازوں کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور دو نمازوں کے درمیان جو گناہ ہوتے ہیں وہ معاف کیے جاتے ہیں اس حدیث کو امام احمدؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اور امام نسائیؒ نے اس حدیث کو كُلَّ رَطْبٍ وَّیَابِسٍ تک نقل کیا ہے اور یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں کہ اسے نماز پڑھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اذان دینے والے کی فضیلت اور مقام بتایا گیا ہے کہ مؤذن جب اذان دیتا ہے اور جس قدر بلند آواز سے اذان دے گا اسی کے مطابق اس کی بخشش ہوگی یعنی اگر وہ پورے زور اور طاقت کے ساتھ بلند آواز سے اذان دیتا ہے تو اس کی مغفرت بھی پوری ہوتی ہے اور اس حدیث میں رَطْب۔ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نامی یعنی بڑھنے والی چیز سے ہو جیسے جانور نباتات اور درخت وغیرہ اور یَابِس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جامد ہو یعنی بڑھنے والی نہ ہو جیسے پتھر اور مٹی وغیرہ۔ وَشَاهِدُ الصَّلٰوةِ اس جملہ کا عطف اَلْمُؤَذِّنُ پر ہے مطلب یہ ہوگا کہ مؤذن کی اور نماز کے لئے حاضر ہونے والے کی بخشش کردی جاتی ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس جملہ کا عطف كُلُّ رَطْبٍ پر ہے اور یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہوگا لَهٗ اور عَنْهُ میں ضمیر یا تو شاہد کی طرف راجع ہوگی یا مؤذن کی طرف مطلب یہ ہوگا کہ مؤذن کو اس طرح ثواب ملے گا جس طرح نمازیوں کو ثواب ملتا ہے کیونکہ یہ لوگوں کو نماز کے لیے بلاتا ہے اور جو کسی کو خیر کی طرف دعوت دے دعوت دینے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ جتنا عمل کرنے والے کو ثواب ملتا ہے۔

تنخواہ کے بغیر اذان دی جائے

(۶۰۶/۱۵) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُهُمْ

وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَايَاْخُذُ عَلٰى اَذَانِهٖ اَجْرًا۔

(رواہ احمد وابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۳۶۳حدیث رقم ۵۳۱۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۲۳حدیث رقم ۶۷۲۔وأحمد فی مسنده ۴/۲۱۷۔وأخرج مسلم بمعنی القسم الأول فی الصحیح ۱/۳۴۱حدیث (۱۸۶۔۴۶۸)۔وأخرجه ابن ماجة فی موضعین ۔القسم الثانی فی ۱/۲۳۶حدیث رقم ۷۱۴والثانی فی ۱/۳۱۶حدیثین رقم ۹۸۷۔۹۸۸۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی عاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے میری قوم کا امام مقرر کردیں آپ نے فرمایا کہ تم ان کے امام ہو مگر یہ یاد رکھو کہ نماز پڑھانے میں تم نے کمزور اور ضعیف لوگوں کی اقتداء یعنی رعایت کرنی ہے اور ایسا مؤذن مقرر کر جو اذان کہنے کی تنخواہ نہ لے اس حدیث کو امام احمدؒ امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اخلاص کی تربیت اور تعلیم دی گئی ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے دو خصوصی ہدایتیں فرمائی ہیں:

① جب حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ مجھے میری قوم کا امام مقرر کردیں آپ ﷺ نے فرمایا میں نے آپ کو امام مقرر کردیا اب تم نے امامت میں ضعیف اور کمزور لوگوں کی رعایت کا خیال رکھنا ہے یعنی اتنی طویل قراءت نہ کرنا کہ لوگ اس سے تنگ آجائیں پریشان ہوں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔

② اور مؤذن ایسا مقرر کرنا جو اذان پر اجرت نہ لے بعض علماء کے نزدیک اگر امام ومؤذن کو اجرت مقرر کیے بغیر ان کی ضرورت کے مطابق کچھ دیا جائے تو یہ جائز ہے اور لوگوں کو خود بخود ہی امام اور مؤذن کا خیال کرنا چاہئے۔ فتاوی قاضی خان میں مذکور ہے کہ امام اور مؤذن کے لئے مسائل امامت اور اذان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ بغیر علم کے ثواب نہیں ملے گا اور اجرت بھی بطریق اولی جائز نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اذان اور امامت وغیرہ کی اجرت جائز ہے یا نہیں۔ حضرات متقدمین کے نزدیک ناجائز ہے اور متاخرین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ چیزیں شعائر اسلام میں سے ہیں سب لوگوں پر ان کی حفاظت لازم ہے اور اس کی یہی صورت ہے کہ سب لوگ مل کر امام اور مؤذن کو مقرر کردیں اور ان کی ضروریات پوری کریں گے۔

مغرب کی اذان کے وقت کی دُعا

(۶۰۷/۱۶)وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَقُوْلَ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْلِیْ۔ (رواہ ابوداود والبیهقی فی الدعوات الکبیر)

أخرجه أبوداود فی السنن ۱/۳۶۴حدیث رقم ۵۳۰۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۵/۵۳۶حدیث رقم ۳۵۸۹۔وقال حدیث غریب۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی تھی کہ میں مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کروں۔ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْلِیْ۔ اے اللہ یہ وقت ہے تیری رات کے آنے کا اور تیرے دن کے جانے کا اور مؤذن کی آوازوں کا لہٰذا تو میری مغفرت فرما۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام بیہقیؒ نے دعوات الکبیر میں روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اذان کا وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجابت دعا کا وقت ہے لہٰذا اس وقت اپنے گناہوں کی معافی صراط مستقیم پر چلنے اور ضروریات اور اعمال صالحہ کی دعا کی جائے۔

اب یہ کہ حدیث میں مذکورہ دعا کس وقت پڑھی جائے تو اس کی دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ کلمات اذان کا جواب دینے کے دوران ہی یہ دعا پڑھ لی جائے۔دوم یہ کہ اذان کے بعد یہ دعا پڑھ لی جائے تا کہ اذان کے جواب میں خلل نہ آئے۔

اقامت کا جواب

(۶۰۸/۱۷)وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَوْ بَعْضِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ بِلَالًا اَخَذَ فِی الْاِقَامَةِ فَلَمَّا اَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا وَ قَالَ فِیْ سَائِرِ الْاِقَامَةِ كَنَحْوِ حَدِیْثِ عُمَرَ فِی الْاَذَانِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/ ۳۶۰حدیث رقم ۵۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ یا رسول اللہ ﷺ کے کوئی اور صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے اقامت کہنی شروع کی۔جب انہوں نے قَدْقَامَتِ الصَّلٰوة۔کہا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا۔اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا۔کہ اللہ نماز کو قائم ودائم رکھے اور باقی کلمات کا جواب اسی طرح دیا جس طرح حضرت عمرؓ کی حدیث اذان میں ذکر کر دیا گیا ہے۔اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں کلمات اقامت کے جواب کی طرف اجمالا اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اقامت کا جواب کلمات اقامت ہی کے ساتھ دیا جائے جیسے حضرت عمرؓ کی حدیث میں گزر گیا ہے ماسوائے۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوة کے جملہ کے کہ اس کا جواب ہے۔ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا۔

اذان اور اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے

(۶۰۹/۱۸)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ۔ (رواہ ابوداودوالترمذی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/ ۳۵۸حدیث رقم ۵۲۱۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۴۱۵حدیث رقم ۲۱۲۔وقال حسن صحیح۔وأخرجه أحمد فی المسند ۳/ ۱۱۹۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت استجابت دعا کا وقت ہے یہ انتہائی سعادت اور برکت والا وقت ہے اس میں دعا رد نہیں کی جاتی۔اس حدیث میں امر اجابت کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اس وقت میں گناہوں کی معافی اور اپنی ضروریات اور مصائب سے نجات کے لئے دعا مانگیں۔

ایک حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم کس چیز کے لیے دعا مانگیں تو آپ نے جواب دیا کہ دنیا اور آخرت کی عافیت مانگو اب یہ کہ یہ دعا کس وقت مانگی چاہیے تو اس کی دوصورتیں ہیں: ① ایک صورت یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کسی وقت بھی مانگ لی جائے اور حدیث کے الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ ② دوسری صورت یہ ہے کہ صحیح اور افضل یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد دعا مانگ لی جائے۔

قبولیتِ دُعا کے تین اوقات

(۱۹/۶۱۰) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ اَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَأْسِ حِيْنَ يَلْحَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَفِي رواية وَتَحْتَ الْمَطَرِ (رواه ابوداود والدارمی) اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۳/۴۵ حدیث رقم ۲۵۴۰ والروایة الثانیة ۳/۴۶۔ولفظها 'و'وقت المطر"۔ وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۲۹۳ حدیث رقم ۱۲۰۰۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں یا یہ کہ فرمایا کم رد کی جاتی ہیں ایک وہ دعا جو اذان ہونے کے بعد مانگی جائے دوسری وہ دعا جو کفار کے ساتھ جنگ کے وقت مانگی جائے جس وقت شدت کی جنگ جاری ہو اور ایک دوسرے کو کاٹ رہا ہو اور ایک دوسری روایت میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دعا جو بارش میں کھڑے ہو کر مانگی جائے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے مگر امام دارمیؒ کے روایت میں تَحْتَ الْمَطَرِ کا ذکر نہیں ہے۔

مؤذن کا ثواب کس طرح حاصل کیا جائے

(۲۰/۶۱۱) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَاِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۳۶۰ حدیث رقم ۵۲۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول۔ اذان دینے والے ہم سے فضیلت میں بڑھ جاتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی مؤذن کے الفاظ کی طرح جواب دو۔ جب جواب سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ سے مانگو عطا کیا جائے گا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اذان کا ثواب حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ مؤذن لوگ ہم سے سبقت کر گئے ہیں کوئی ایسا عمل بتائیں کہ ہم ثواب میں ان سے پیچھے نہ رہیں اس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں اعمال کے اندر مسابقت اور مقابلہ ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن جیسا ثواب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مؤذن کے اذان کا جواب دیا جائے اور جب جواب سے فارغ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے جو مانگے وہ عطا کیا جائے گا اور اذان کے جواب کا طریقہ پہلے گزر چکا ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی اذان کے وقت مسجد کے اندر موجود ہو تو اس کو بھی اذان کا جواب دینا چاہئے اگر چہ اس کو اجابت فعلی حاصل ہے تا کہ اجابت قولی بھی حاصل ہو جائے۔

الفصل الثالث:

اذان کے وقت شیطان دور بھاگ جاتا ہے

(۲۱/۶۱۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ذَهَبَ حَتّٰى

يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِيْ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَثَلَاثِيْنَ مِيْلًا ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٢٩٠ حديث رقم (١٥-٣٨٨)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب شیطان نماز کی اذان سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ مقام روحاء تک پہنچ جاتا ہے راوی کہتے ہیں روحاء مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر ہے اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان دور بھاگ جاتا ہے اور یہاں صلوٰۃ کی قید اتفاقی بھی ہو سکتی ہے اور احترازی بھی اور مقام روحاء تک بھاگنا بطور تمثیل کے ہے روحاء اصل میں ایک کنویں کا نام ہے اور اسی نسبت سے اس مقام کا نام ہے جب رسول اللہ صحابہ کرام کے ساتھ بدر کی طرف جا رہے تھے تو اس مقام پر آپ نے رات گزاری تھی اور یہ جگہ مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے اور اس حدیث میں قَالَ الرَّاوِی سے مراد نافع بن طلحہؒ ہیں جن کی کنیت ابوسفیان ہے۔

(۲۲/۶۱۳) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ اِنِّيْ لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ اِذْ اَذَّنَ مُؤَذِّنُهٗ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهٗ حَتّٰى اِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَلَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذٰلِكَ ۔ (رواہ احمد)

أخرجه النسائي في السنن ٢/ ٢٥ حديث رقم ٦٧٧ - وأحمد في مسنده ٤/ ٩١-٩٢۔

ترجمہ: حضرت علقمہ بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کی خدمت میں موجود تھا جب ان کے موذن نے اذان دی جس طرح موذن کہتا تھا حضرت معاویہؓ اسی طرح کہتے رہے جب موذن نے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کہا تو حضرت معاویہؓ نے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہا جب موذن نے حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہا تو حضرت معاویہؓ نے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کہا اور اس کے بعد موذن جو کہتا رہا حضرت معاویہؓ بھی وہی کہتے رہے پھر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے راوی علقمہ بن ابی وقاصؒ ہیں جو جلیل القدر تابعین میں سے ہیں اس حدیث میں بھی اذان کے جواب کا طریقہ بتایا گیا ہے جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے البتہ صرف ایک جملہ کا اضافہ ہے کہ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کا اضافہ ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اضافہ نادر ہے۔

(۲۳/۶۱۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ بِلَالٌ يُنَادِيْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔ (رواہ النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ٢/ ٢٤ حديث رقم ٦٧٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ حضرت بلالؓ کھڑے ہوئے اور اذان کہنے لگے جب وہ خاموش ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے اس طرح دل کے یقین کے ساتھ جواب دیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اس حدیث کو امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں اذان کے جواب کو بیان کیا گیا ہے کہ جس نے یقین اور اعتقاد کے ساتھ اور دل کے اخلاص کے ساتھ اذان کا جواب دیا وہ آدمی جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۴/۶۱۵) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ یَتَشَهَّدُ قَالَ وَاَنَا وَاَنَا. (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۳۶۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مؤذن کو شہادتین کہتے ہوئے سنتے تو فرماتے اور میں بھی اور میں بھی اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مؤذن شہادتین کا تلفظ کرتا تو رسول اللہ ﷺ اس کے جواب میں دو مرتبہ فرماتے ''وَاَنَا وَاَنَا'' کہ جس طرح تم اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی شہادت کی گواہی دے رہے ہو اسی طرح میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح امت رسالت کی شہادت دینے کے لیے مکلف ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی مکلّف تھے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آپ شہادت کس طرح دینگے اشهد ان محمدا رسول الله یا اشهد انی محمد رسول الله پہلے الفاظ تمام امت کے لیے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ محققین علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ امت کے افراد کی طرح اپنی رسالت کی گواہی دیتے تھے۔

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ شہادتین کے جواب میں وَاَنَا وَاَنَا فرماتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ شہادتین کے جواب میں رسالت کی شہادت کے اندر اشهد ان محمدا رسول الله۔ کہتے تھے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب: کبھی آپ اشهد ان محمدا رسول الله کہتے تھے جیسے حضرت معاویہ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے اور کبھی وَاَنَا وَاَنَا فرماتے تھے جیسے حضرت عائشہؓ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

(۲۵/۶۱۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَذَّنَ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِیْنِهٖ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً وَلِكُلِّ اِقَامَةٍ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَةً. (رواہ ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۴۱ حدیث رقم ۷۲۸۔ وأخرجه الدارقطنی فی السنن ۱/۲۴۰ حدیث رقم ۲۳ من باب ذکر الاقامة واختلاف الروایات فیها من کتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو آدمی بارہ سال تک اذان دے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس کی اذان کے بدلے میں ہر روز ساٹھ نیکیاں اور ہر اقامت کے بدلے میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو آدمی بارہ سال تک اذان دے اس کے لیے جنت کا داخلہ واجب ہو جاتا ہے اور روزانہ اذان کے بدلہ میں اس کے نامہ اعمال کے اندر ساٹھ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور ہر اقامت کے بدلہ میں تیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان بلند آواز سے زور کے ساتھ غائبین کو حاضر کرنے کے لیے کہی جاتی ہے اور اقامت حاضرین کے لئے ہوتی ہے جس قدر مشقت اذان میں ہوتی ہے اس قدر مشقت اقامت میں نہیں ہوتی۔

(۲۶/۶۱۷) وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُؤْمَرُ بِالدُّعَاءِ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ (رواہ البیهقی فی الدّعوَاتِ الكَبِیْرِ)

فی المشکاة سماه باب تاخیر الاذان والمصابیح سماه فصل۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تشریح ۞ اس دعا سے مراد وہی دعا ہے جو حضرت ام سلمہ کی روایت میں گزر چکی ہے اور بعض علماء کے نزدیک کوئی بھی دعا ہو سکتی ہے۔

بَابٌ

یہ باب بلا ترجمہ ہے اور جب باب کا لفظ ترجمۃ الباب کے بغیر مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے دو غرضیں ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ طالب العلم خود غور وخوص کر کے ترجمۃ الباب قائم کرے۔دوم یہ کہ باب مستقل نہیں ہے بلکہ سابقہ باب کا تتمہ ہے اور اسی سے متعلق مزید مسائل ہیں۔

الفصل الاول:

وقت سے پہلے اذان دینے کا بیان

۶۱۸/ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ وَكَانَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلٌ اَعْمٰى لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهٗ اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹۹/۲ حديث رقم ۶۱۷۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۷۶۸/۲ حديث رقم (۳۶۔۱۰۹۲)۔وأخرجه النسائي في السنن ۱۰/۲ حديث رقم ۶۳۷۔وأخرجه مالك في الموطأ ۷۴/۱ حديث رقم ۱۵ من كتاب الصلاة وأخرجه أحمد في المسند ۶۲/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت بلالؓ رات کے وقت اذان دیتے تھے۔تو تم کھاؤ اور پیو۔یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم اذان دیدیں اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا آدمی تھے۔جب تک ان سے کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ تم نے صبح کر دی ہے۔صبح کر دی ہے وہ اذان نہ کہتے تھے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قبل الفجر اذان جائز ہے یا نہیں۔امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قبل الوقت اذان جائز ہے اور اس کا اعادہ نہیں ہوگا۔دلیل: ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلالؓ رات کو اذان دیتے ہیں تو کھا پی سکتے ہو اور عبداللہ بن ام مکتومؓ صبح کے وقت اذان دیتے ہیں اس وقت کھانا پینا بند کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ قبل الوقت اذان جائز ہے۔

جواب: اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں اس لیے کہ اگر رات والی اذان صحیح اور معتبر ہوتی تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم دوبارہ اذان نہ دیتے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ رات والی اذان پر اکتفاء کیا گیا ہو۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قبل الوقت اذان صحیح نہیں ہے۔اگر قبل الوقت اذان دی گئی تو اس کا اعادہ ہوگا۔دلیل: امام صاحب کا استدلال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت سے ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نے انہیں یہ سزا دی کہ اعلان کر کے سب لوگوں کو بتاؤ کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔اگر قبل الوقت اذان صحیح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ یہ سزا نہ دیتے اور آپ ﷺ نے قبل الوقت اذان دینے پر حضرت بلالؓ کو اعادہ کا حکم دیا تھا۔

سوال: حضرت بلالؓ کی اذان رات کو اور حضرت عبداللہ کی اذان صبح کیوں ہوتی تھی؟

جواب: بعض حضرات کے نزدیک حضرت بلالؓ کی اذان تہجد کے لیے ہوتی تھی۔لیکن احناف کے نزدیک نوافل کے لئے اذان نہیں

ہوتی۔لہٰذا اس کی بہتر توجیہ یہ ہے کہ صرف رمضان میں ایسا ہوتا تھا کہ حضرت بلالؓ کی اذان لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے تھی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اذان فجر کے وقت ہوتی تھی اور اس حدیث میں اس کا قرینہ موجود ہے وہ یہ کہ حضرت عبداللہ اذان دین تو کھانا' پینا بند کردیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔

(۲/۶۱۹)وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ وَلٰكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيْرَ فِي الْاُفُقِ . (رواہ مسلم ولفظه للترمذی)

أخرجه بمعناه مسلم فی صحیحه ۲/۷۷۰حدیث رقم (۴۳-۱۰۹۴)وکذلك أبوداوٗد فی السنن ۲/۷۵۹حدیث رقم ۲۳۴۶-وأخرجه الترمذی فی السنن ۳/۸۶حدیث رقم ۷۰۶والفظ له۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلال کی اذان تمہیں تمہاری سحری کھانے سے نہ روکے اور نہ فجر کاذب البتہ افق پر پھیلی ہوئی فجر نمودار ہو جائے تو کھانا پینا بند کردو اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے اور الفاظ امام ترمذیؒ کے ہے۔

سفر میں اذان کہنے کا مسئلہ

(۳/۶۲۰)وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِّي فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۱۱۰حدیث رقم ۶۲۸-ومسلم فی صحیحه ۱/۴۶۵حدیث رقم (۲۹۲-۶۷۴) وأخرجه الترمذی فی السنن بلفظه ۱/۳۹۹حدیث رقم ۲۰۵-وأبو داوٗد فی السنن ۱/۳۹۵حدیث رقم ۵۸۹ والنسائی فی السنن ۲/۹ حدیث رقم ۶۳۶-وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۳۱۳حدیث رقم -وأخرجه أحمد فی المسند ۵/۵۳ کلهم بالفاظ متقاربة۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تم سفر پر جاؤ تو اذان اور اقامت کہا کرو اور تم میں سے بڑا امامت کروائے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دوران سفر نماز کے لیے اذان کہی جائے جیسے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اور میرے چچا کے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت کی کہ جب تم سفر پر جاؤ تو نماز کے لیے اذان بھی دیا کرو اور اقامت بھی کہا کرو اور بڑا امامت کروائے۔ بڑے کو امامت کا حکم اس لئے دیا کہ شاید وہ دونوں علم اور تقوٰی میں برابر ہونگے اس لیے آپ نے عمر کو وجہ فضیلت بنا کر بڑے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

(۴/۶۲۱)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ وَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه۲/۱۱۱حدیث رقم ۶۳۱-وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۳۱۸حدیث رقم ۱۲۵۳- وأخرجه أحمد فی المسند ۵/۵۳مع تقدیم وتاخیر۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ تم مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہو ئے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی نماز پڑھا کرو جب نماز کا وقت ہو جائے تم میں سے کوئی اذان دیدیا کرے اور جو بڑا ہو وہ نماز

پڑھا دیا کرے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو اسی وجہ سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اصول اپناؤ یعنی جس طرح میں کروں اسی طرح میرے نقش قدم پر چل کر اعمال کرو اور اس حدیث میں بڑے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ بڑا چھوٹے پر مطلقاً افضل ہے یہ اس وقت ہے جب کہ دونوں علم اور تقویٰ میں برابر ہوں۔

اگر فجر کی نماز قضاء ہو جائے تو کس طرح پڑھی جائے

(۵/۶۲۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَارَ لَيْلَةً حَتّٰى اِذَا اَدْرَكَهُ الْكَرٰى عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اِكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ فَصَلّٰى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهٗ وَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابُهٗ فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اِسْتَنَدَ بِلَالٌ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ مُوَجِّهَ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا بِلَالٌ وَلَا اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَّلَهُمْ اِسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَیْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ اَخَذَ بِنَفْسِی الَّذِیْ اَخَذَ بِنَفْسِكَ قَالَ اقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ بِلَالًا وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ نَسِیَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۴۷۱/۱ حدیث رقم (۳۰۹-۶۸۰) وأخرج النسائی آخره فی السنن ۲۹۵/۱ حدیث رقم ۶۱۸ ـ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۲۷/۱ حدیث رقم ۶۹۷ ـ وقد مرنحوه عن أبی قتادة حدیث رقم (۶۰۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب غزوہ خیبر سے واپس لوٹے رات بھر سفر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ پر غنودگی طاری ہونے لگی تو آپ آرام کرنے کے لیے آخری رات ایک جگہ میں اترے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ تم ہماری چوکیداری کرتے رہنا یہ فرما کر اور صحابہ کرام سو گئے حضرت بلالؓ سے جس قدر نفل نماز ہو سکی پڑھی جب صبح صادق قریب ہوئی تو حضرت بلالؓ اپنے کجاوہ کے ساتھ تکیہ لگا کر جدھر سے مشرق طلوع ہوتی ہے اس طرف رخ کر کے بیٹھ گئے اور حضرت بلالؓ کجاوہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے کہ وہ بھی سو گئے رسول اللہ ﷺ حضرت بلالؓ اور صحابہؓ میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ جب ان پر دھوپ آ گئی تو اس کی گرمی کی وجہ سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور آپ نے گھبرا کر فرمایا بلالؓ یہ کیا ہوا حضرت بلال نے عرض کیا کہ مجھے بھی اسی چیز نے پکڑ لیا جس نے آپ کو پکڑ لیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہاں سے روانہ ہو جاؤ چنانچہ لوگ اپنی سواریاں لے کر تھوڑی دور تک چلے گئے پھر حضور ﷺ نے وضو کیا اور حضرت بلالؓ کو اقامت کہنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے نماز کے لیے اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو صبح کی نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا جو آدمی نماز پڑھنا بھول جائے تو جب نماز یاد آتی ہے تو فوراً اسے پڑھ لے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ کہ میری یاد کے وقت نماز پڑھ لو۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ سن ۷ ہجری میں مجاہدین اسلام کا لشکر سولہ سو (۱۶۰۰) افراد پر مشتمل رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں خیبر روانہ ہوا اور

وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا گیا خیبر مدینہ سے تقریباً سو (۱۰۰) میل کے فاصلہ پر ہے یہودیوں کا قبیلہ بنونضیر مدینہ سے جلا وطنی کے بعد خیبر آباد ہو گئے پھر خیبر یہودیوں کی سازشوں کا مرکز بن گیا اسلام کی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ محاصرہ کیا یہ محاصرہ تقریباً دس دن تک جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی اور خیبر کے تمام قلعوں پر قبضہ ہوا اور اسی غزوہ میں حضرت علیؓ کو فتح خیبر کے لقب سے نوازا گیا کیونکہ مجاہدین اسلام کا پرچم ان کے پاس تھا اور یہی لشکر کے سپہ سالار تھے اور حضرت علیؓ نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خیبر کے قلعے کے دروازے کو اکیلے اکھاڑ پھینکا خیبر کے فتح کے بعد یہ معاہدہ طے ہوا:

① جب مسلمان چاہیں گے یہودیوں کو خیبر میں رہنے دینگے اور جب نکالنا چاہیں گے تو نکال سکیں گے ② پیداوار کا ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا اسی غزوہ سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ نماز قضاء ہو گئی تھی اور بیدار ہونے کے بعد آگے جا کر نماز پڑھی اور اس واقعہ کو واقعہ لیلۃ التعریس کہتے ہیں۔

سوال: جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ بیدار ہوئے تو آگے جا کر نماز پڑھی یہاں نماز پڑھنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: احناف کے نزدیک یہ طلوع آفتاب کا وقت تھا اور یہ وقت مکروہ ہے اور اس وقت میں ادا بھی درست نہیں اور قضاء بھی درست نہیں اس لیے آپ نے حکم دیا کہ اس وادی سے نکل کر آگے چل کر نماز پڑھی جائے اور شوافع کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اس وادی سے نکل جانے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ یہ وادی شیاطین کا مسکن تھی تا کہ آگے جا کر نماز ادا کر سکے۔

سوال: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فجر کے طلوع ہونے کا علم نہ ہو سکا اور نماز قضاء ہو گئی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھ سوتی ہے اور دل نہیں سوتا بلکہ دل بیدار ہوتا ہے جب دل بیدار رہتا ہے تو آپ کو فجر کے طلوع ہونے کا علم کیوں نہ ہو سکا؟

جواب: انسان کے جسم میں ہر عضو الگ الگ کام کرتا ہے صبح کا معلوم کرنا یہ دل کا خاصہ نہیں ہے بلکہ یہ آنکھوں کا کام ہے اگر کوئی آدمی آنکھیں بالکل بند کرے تو بیدار رہنے کی حالت میں وہ صبح صادق کا ادراک نہیں کر سکتا حالانکہ دل بیدار ہے اور آنکھیں بند ہیں یہاں بھی رسول اللہ ﷺ کا معاملہ اسی طرح تھا اس لیے آپ نے فجر کو نہیں دیکھا کیونکہ آنکھیں بند تھیں باوجود اس کے کہ دل بیدار تھا اور دھوپ کی وجہ سے جب جسم پر اثر ہوا تو بیدار ہو گئے اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کا قضاء ہونا بذریعہ وحی تھا اور اس میں حکمت یہی تھی تا کہ آپ کے اس فعل سے امت کے لیے آسانی پیدا ہو جائے۔

مسئلہ: رسول اللہ نے حضرت بلالؓ کو صرف تکبیر کہنے کا حکم دیا اس سے بظاہر یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ قضاء نماز کے لیے اذان دینا ضروری نہیں ہے اور یہی امام شافعیؒ کا ایک قول ہے اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول اور دیگر علماء کا مذہب یہ ہے کہ قضاء نماز کے لیے اذان کہی جائے اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت نماز کے لیے اذان کہی گئی تھی صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ التعریس میں نماز فجر کو قضاء کیا تھا اذان اور اقامت دونوں کے ساتھ۔

(۶۲۳/۷) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ قَدْ خَرَجْتُ. (متفق عليه)

أخرجه البخاري في الصحيح ۱۱۹/۲ حديث رقم ۶۳۷ ولم يذكر قد خرجت. وأخرجه مسلم في صحيحه ۴۲۲/۱ ط حديث رقم (۱۵۶-۶۰۴). وأخرجه أبوداؤد في السنن ۳۶۸/۱ حديث رقم ۵۳۹. وأخرجه الترمذي تعليقًا في السنن ۳۹۵/۲ بعد حديث رقم ۵۱۷. وأخرجه النسائي في السنن ۸۱/۲ حديث رقم ۷۹۰. وأخرجه الدارمي في السنن ۳۲۲/۱ حديث رقم ۱۲۶۱. وأخرجه أحمد في المسند ۲۹۶/۵۔

حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے حجرہ سے نکلتا ہوا نہ دیکھو نماز کے لیے کھڑے نہ ہو جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث کا مسئلہ اور بقدر ضرورت تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

نماز کے لیے دوڑ کر نہ آؤ

(۷/۶۲۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَاْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَیْكُمُ السَّكِیْنَةُ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا (متفق علیه وفی روایة لمسلم) فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ یَعْمِدُ اِلَی الصَّلَاةِ فَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۳۹۰ حدیث رقم ۹۰۸۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۲۰ حدیث رقم (۱۵۱۔۶۰۲)۔ وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۳۸۴ حدیث رقم ۵۷۲۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۲/۱۴۸۔ حدیث رقم ۳۲۷۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۱۱۴ حدیث رقم ۸۶۱۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۵۵ حدیث رقم ۷۷۵۔ وأخرجه الامام مالك فی الموطأ ۱/۶۸ حدیث رقم ۴ من کتاب الصلاة وأخرجه أحمد فی المسند ۲/۲۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو تم لوگ جماعت میں شامل ہونے کے لئے دوڑ کر نہ آؤ بلکہ وقار اور سکون کے ساتھ اپنی چال کے مطابق آؤ جس قدر نماز امام کے ساتھ مل جائے تو پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اس کو بعد میں پورا کرو۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہے "اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے ارادہ کر لیتا ہے تو وہ نماز ہی میں شمار ہوتا ہے"

تشریح ۞ اس حدیث میں ہدایت کی گئی ہے کہ آرام و سکون کے ساتھ مسجد میں جماعت کی نماز کے لئے آؤ دوڑ کر آنے کی ضرورت نہیں ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جاتی ہے تو لوگ نماز میں شامل ہونے کے لیے تیزی سے آتے ہیں خصوصاً جب کہ امام رکوع میں چلا گیا ہو تو اس وقت تیزی کے ساتھ بھاگ کر آتے ہیں اس سے منع کیا گیا ہے حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اگر کسی آدمی کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو کیا وہ دوڑ کر نماز کے لئے آ سکتا ہے یا نہیں بعض علماء کے نزدیک ایسا آدمی دوڑ کر آ سکتا ہے جیسے حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بقیع میں تھے اور آپ نے اقامت کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے نماز کے لیے آئے اور بعض علماء کے نزدیک اس صورت میں بھی آرام اور سکون کے ساتھ چل کر آنا چاہئے مگر یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی مجبوری اور عذر کی وجہ سے جلدی نماز کے لئے نہ آ سکیں بلکہ دیر ہو جائے تو وہ دوڑ کر تیزی سے آ سکتے ہیں اور اگر کوئی آدمی عمداً تاخیر کرے تو وہ اس میں شامل نہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جلدی نماز کے لئے نہ آ سکے بلکہ تاخیر ہو جائے تو وہ آرام اور سکون کے ساتھ نماز کے لئے چل کر آئے دوڑتا ہوا نہ آئے نماز جمعہ کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِیْ

[اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے]

الفصل الثالث:

جس جگہ شیطان کے اثرات ہوں وہاں سے بھاگنا چاہئے

(۸/۶۲۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً بِطَرِيْقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا اَنْ يُّوْقِظَهُمْ لِلصَّلَاةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوْا حَتّٰى اسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَرْكَبُوْا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍبِهٖ شَيْطَانٌ فَرَكِبُوْا حَتّٰى خَرَجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ ثُمَّ اَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَنْزِلُوْا وَاَنْ يَتَوَضَّؤُا وَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يُنَادِيَ لِلصَّلَاةِ اَوْ يُقِيْمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ رَاٰى مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا وَلَوْشَاءَ لَرَدَّهَا اِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غَيْرِ هٰذَا فَاِذَا رَقَدَ اَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْ نَسِيَهَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا يُصَلِّيْهَا فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ فَقَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ اَتٰى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُهْدِئُهٗ كَمَا يُهْدِءُ الصَّبِيَّ حَتّٰى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِلَالًا فَاَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مِثْلَ الَّذِيْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبَابَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ . (رواه مالك مرسلا)

أخرجه مالك مرسلا في الموطأ ١/ ١٤ حديث رقم ٢٦ من كتاب وقوت الصلاة۔

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے راستوں میں ایک رات کو رات کے آخری حصہ میں آرام کیلئے ٹھہرے اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ ان کو نماز کے لیے بیدار کرے اور جب سب لوگ سو گئے تو حضرت بلالؓ کو بھی نیند آ گئی تمام لوگ اس وقت بیدار ہوئے جب کہ سورج طلوع ہو چکا تھا اور سب لوگ گھبرا گئے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سوار ہو کر اس وادی سے باہر نکل جائیں اور فرمایا یہ کیسی وادی ہے کہ جس پر شیطان مسلط ہے چنانچہ سب لوگ سوار ہو کر اس وادی سے نکل آئے آگے ایک جگہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ یہاں اتر جاؤ اور وضو کرو اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ نماز کے لئے اذان اور اقامت کہیں پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کو گھبرایا ہوا دیکھا تو فرمایا ''اے لوگوں اللہ تعالیٰ نے نیند کی حالت میں ہماری روحیں قبض کر لیں تھیں اگر وہ چاہتا تو ہماری روحوں کو دوسرے وقت واپس کر دیتا لہٰذا اگر تم میں سے کوئی نماز کے وقت غفلت سے سو جائے یا نماز پڑھنی بھول جائے اور گھبرائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس نماز کو پڑھ لے جس طرح وہ اس کو اس کے وقت پر پڑھتا تھا پھر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بلالؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان ان کے پاس آیا اور انہیں ٹیک لگانے پر مجبور کر دیا اور جس طرح بچوں کو تھپکی دی جاتی ہے شیطان انہیں تھپکی لگا تا رہا یہاں تک کہ بلال سو گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور حضرت بلالؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس طرح بیان کیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے بیان کیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کا بیان سن کر فرمایا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اس روایت کو امام مالکؒ نے مرسل ذکر کیا ہے۔

تشریح ۞ اس طرح کا واقعہ اس سے پہلے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں گزر گیا ہے بعض حضرات کے نزدیک یہ دونوں واقعے ایک ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں واقعے الگ الگ ہے ابو ہریرہؓ کی روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ مدینہ اور خیبر کے راستہ میں پیش آیا تھا اور حضرت زید کی روایت میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کے راستہ پر پیش آیا تھا۔ اَوْ يُقِيْمَ: او کا لفظ متعدد معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس مقام پر اس لفظ کے اندر دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ او واؤ کے معنی میں ہے یعنی

واؤ جمعیت کے لئے آتی ہے اسی طرح اَوْ کا کلمہ بھی جمعیت کے لئے ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو اذان اور اقامت کہنے کا حکم دیا دوسرا احتمال یہ ہے کہ اَوْ کا کلمہ تشکیک کے لئے ہے اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو اذان یا اقامت کا حکم دیا پہلا احتمال زیادہ صحیح اور بہتر ہے کیونکہ اس کی ابوداؤد کی ایک حدیث سے تائید ہوتی ہے اور اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو اذان اور اقامت کہنے کا حکم دیا۔ فَلْيُصَلِّهَا كَمَا...... اس جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ قضاء نماز کو اس طرح پڑھا جائے جس طرح اس نماز کو اس کے وقت میں پڑھا جاتا تھا بظاہر اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر جہری نماز قضاء ہوگئی تو اس کی قضاء بھی جہراً قراءت کے ساتھ ہوگی اور اگر سری نماز قضاء ہوگی تو اس کی قضاء بھی سراً ہوگی لیکن بعض علماء احناف کے نزدیک قضاء نماز کو ہر حال میں خاموشی کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔

سوال: اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قضاء نماز پڑھنے کے بعد صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کرلی تھیں کہ ہمارا سوجانا درحقیقت تقدیر الٰہی کی طرف سے تھا اللہ تعالیٰ نے غفلت کے ساتھ ہمارے سونے کی وجہ سے نیند کو ہمارے اوپر مسلط کردیا اور ہم نماز کے لئے بیدار نہ ہوسکے مگر نماز سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سامنے اس صورت خاص کی حقیقت بیان کرتے ہوئے نیند کی نسبت شیطان کی طرف کردی کہ شیطان نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ بلال ؓ ٹیک لگا کر غفلت کے ساتھ سوگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی نماز کے لئے نہ اٹھ سکا تو پہلے اس غفلت اور نیند کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی گئی اور بعد میں اس کی نسبت شیطان کی طرف کردی گئی بظاہر تعارض ہے۔

جواب: اس مسئلہ کا تعلق درحقیقت خلق افعال کے مسئلے سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اندر نسیان اور غفلت پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور اللہ نے شیطان کو اس پر قدرت بھی دی کہ وہ حضرت بلال ؓ کو تھپکی لگا کر غفلت کے ساتھ نیند میں مبتلا کردے تو گویا اللہ کی طرف نسبت ہے باعتبار حقیقت اور خالق ہونے کے اور شیطان کی طرف نسبت ہے باعتبار سبب اور کاسب ہونے کے اور اس حدیث سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا معجزہ بھی ہے وہ اس طرح کہ آپ نے نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابوبکر کے سامنے حضرت بلال ؓ کے سوجانے کی تمام کیفیت کو باوجود نہ دیکھنے کے بیان کردیا تھا اور حضرت ابوبکر ؓ نے اسی اعجاز اور جلالت شان کی تصدیق کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

مؤذن کے ذمہ دو امانتیں ہیں

(۹/۶۲۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَصْلَتَانِ فِيْ اَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِيْنَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صِيَامُهُمْ وَصَلَاتُهُمْ. (ابن ماجه)

أخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۲۳۶ حديث رقم ۷۱۲ وفي الزوائد إسناده ضعيف۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ مسلمانوں کی دو چیزیں مؤذنوں کی گردن میں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک ان کے روزے اور دوسری ان کی نمازیں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ ؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مؤذن کی گردن میں مسلمانوں کی دو ذمہ داریاں لٹکی ہوئی ہیں ایک ذمہ داری روزہ ہے کہ لوگ اذان سن کر سحری کے وقت کھانا پینا بند کریں گے اور اذان سن کر افطار کریں گے۔
دوسری ذمہ داری اور خصلت نماز ہے۔ جب اذان ہوگی تو اس کے مطابق لوگ نماز پڑھیں گے۔ اگر مؤذن نے غفلت اور کو

تاہی سے اس میں تقدیم وتاخیر کی تو تمام لوگوں کی اہم ترین عبادتوں کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔ اس لئے مؤذن پر احتیاط لازم ہے

بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ

مساجد اور نماز کی جگہوں کا بیان

اس باب میں ایک تو مساجد کا بیان ہے اور دوسرے ان مقامات اور جگہوں کا بیان ہے۔ کہ جہاں نماز پڑھنی جائز ہے اور جہاں نماز پڑھنی مکروہ ہے۔

مسجد کی فضیلت اور جلالت شان میں کثرت سے احادیث منقول ہیں اس مقام پر چند احادیث ذکر کی گئی ہیں صاحب مشکوٰۃ نے جن احادیث کوذکر کیا ہے وہ تو ان شاء اللہ اپنے مقام پر آ جائیں گی اور اس کے علاوہ چند احادیث درج ذیل ہیں:

حَدِیْث ①: حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے بیٹے مسجد تمہارا گھر ہونی چاہئے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسجد متقی لوگوں کا گھر ہے اور جس کا گھر مسجد ہو۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ رحمت برکت اور پل صراط سے آسانی کے ساتھ گزرنے کی ضمانت ہے۔ حَدِیْث ②: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی مسجد میں اپنا ٹھکانہ پکڑتا ہے نماز کے لئے یا کسی اور عبادت کے لئے تو اللہ تعالیٰ اس کو رحمت اور شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے جس طرح کہ گھر سے غائب آدمی مدت مدید کے بعد جب واپس آتا ہے تو گھر والے اس کے ساتھ شفقت اور محبت کا سلوک کرتے ہیں۔ حَدِیْث ③: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس چیز کی ہدایت کی جاتی تھی کہ مسجد شیطان سے حفاظت کے لئے مضبوط قلعہ ہے۔ حَدِیْث ④: حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ مساجد زمین پر اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور جو آدمی مسجد میں جاتا ہے وہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے اور جس کی زیارت کی جائے وہ اپنے زائر کا اکرام کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ مسجد میں آنے والے بندوں کا اعزاز اور اکرام کرتا ہے ان کو اپنی رحمتوں برکتوں اور سعادتوں سے مالا مال کر کے واپس کرتا ہے۔

الفصل الاوّل:

خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا حکم

(۱/۹۲۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ الْبَیْتَ دَعَا فِیْ نَوَاحِیْهِ كُلِّهَا وَلَمْ یُصَلِّ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَیْنِ فِیْ قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هٰذِهِ الْقِبْلَةُ۔ (رواه البخاری و رواه مسلم عن اسامة بن زید)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱/ ۱۰۵ حدیث رقم ۳۹۸۔

تَرْجَمَہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس کے چاروں کونوں میں دعا کی اور نماز نہیں پڑھی پھر اس سے باہر آ گئے اور خانہ کعبہ سے نکل کر بیت اللہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہی قبلہ ہے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے اور امام مسلمؒ نے اس روایت کو ابن عباس سے اور انہوں نے اسامہ بن زیدؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں تو نماز کی دو قسمیں ہیں فرض اور نفل نفل نماز خانہ کعبہ کے اندر بالاتفاق جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھی ہے جمہور ائمہ کے نزدیک فرض نماز خانہ کعبہ کے اندر پڑھنی جائز ہے امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک فرض نماز خانہ کعبہ کے اندر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ خانہ کعبہ کی طرف استقبال ضروری ہے اور جو

آدمی خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھے گا تو خانہ کعبہ کی طرف استقبال نہیں ہوگا بلکہ بعض کعبہ کا استدبار ہوگا حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ کل کعبہ کا استقبال یہ ضروری نہیں ہے اور اس حدیث میں هٰذِهِ الْقِبْلَةُ اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ قبلہ اسی سمت ہے دوسری سمتوں سے اس کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھنا درست نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبلہ ہے اور ہمیشہ کے لئے یہی قبلہ رہے گا اب یہ قبلہ کسی وقت کسی صورت میں منسوخ نہیں ہوسکتا۔

کعبہ کے ستون

(۲/۶۲۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالُ بْنُ رِبَاحٍ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا فَسَاَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ مَاذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلَاثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَاءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيح ۱/۵۷۸حديث رقم ۵۰۵۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۲/۹۶۶حديث (۱۳۲۹-۳۸۸) وبين الروايتين اختلاف فقد ذكر البخاري "عمودًا من يساره وعمودين عن يمينه"بينما ذكر مسلم "عمودين عن يساره وعمودًا عن يمينه" وأخرجه أبوداود في السنن ۲/۵۲۴حديث رقم ۲۳-۲۔ وأخرجه النسائي في السنن۲/۶۳۔حديث رقم ۷۴۹وزاده "وجعل بينه وبين الجدار نحوًا من ثلاثة أذرع"وأخرجه مالك في الموطأ ۱/۳۹۱حديث رقم ۱۹۳من كتاب الحج ۔وأحمد في مسنده ۲/۱۱۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ بن زیدؓ، عثمان بن طلحہ حجبی اور بلال بن رباح خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اندر سے دروازہ بند کرلیا رسول اللہ ﷺ کچھ دیر اندر رہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بلال سے پوچھا جب کہ وہ باہر آگئے کہ رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر کیا کیا حضرت بلالؓ نے فرمایا آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی کہ ایک ستون آپ کے بائیں طرف سے تھا اور دو ستون دائیں طرف تھے اور تین ستون پیچھے کی طرف تھے اس وقت خانہ کعبہ کے اندر چھ ستون تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور چند صحابہ کرام ؓ بھی اندر داخل ہوئے ان میں سے ایک اسامہ بن زید اور حضرت بلالؓ اور حضرت عثمانؓ تھے یہاں عثمانؓ سے مراد عثمان بن طلحہ حجبی ہیں ان کے پاس خانہ کعبہ کی چابیاں تھیں عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو خانہ کعبہ کے دروازے کھولنے کا کہا تھا مگر انہوں نے انکار کردیا بعد میں یہ چابیاں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں آئیں پھر اللہ کے حکم سے چابیاں ان کو دیدیں اور بعد میں یہ مسلمان ہوگئے تھے۔

مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے

(۳/۶۲۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۶۳حديث رقم ۱۱۹۰۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۲/۱۰۱۲حديث رقم

(۵۰۵۔۱۳۹۴)وبین الروایتین اختلاف وأخرجه الترمذی فی السنن۲/۱۴۷حدیث رقم ۳۲۵۔وأخرجه النسائی مطولاً فی السنن ۲/۳۵حدیث رقم ۶۹۴۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۴۵۰حدیث رقم ۱۴۰۴۔وأخرجه مالك فی الموطأ ۱/۱۹۶حدیث رقم ۹ من کتاب القبلة۔وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۳۸۸حدیث رقم ۱۴۱۸ وفی الباب عن ابن عمر۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں مسجد نبوی اور مسجد حرام کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنا ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام کا اس سے استثناء کیا گیا ہے کیونکہ مسجد حرام کے اندر ایک نماز پڑھنے سے لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد حرام میں وہ کونسی جگہ ہے کہ جہاں نماز پڑھنے سے لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اس میں علماء کے تین اقوال ہیں:

① مسجد حرام میں کوئی خاص جگہ متعین نہیں بلکہ یہ برکت اور فضیلت تمام مسجد حرام کو حاصل ہے مسجد حرام کے کسی حصے میں نماز پڑھی جائے۔

② اس سے مراد وہ جگہ ہے کہ جہاں جماعت ہوتی ہے اسی کو اختیار کیا ہے حنفی علماء اور بعض شوافع نے اور احناف کے نزدیک ثواب کی زیادتی فرائض کے ساتھ خاص ہے نوافل کا یہ حکم نہیں ہے۔

③ اس سے مراد خانہ کعبہ کی جگہ ہے۔

فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا: بظاہر اس جملہ سے معلوم ہوتا کہ مسجد نبوی کی بیان کردہ تخصیص اسی مسجد کے ساتھ خاص ہوگی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ فضیلت اور ثواب اصل مسجد نبوی کے ساتھ خاص ہے یا اضافہ شدہ جگہ میں بھی یہ ثواب ملے گا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ اس مسجد کے ساتھ خاص ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی اور جمہور علماء کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ فضیلت اضافہ شدہ جگہ کو بھی شامل ہوگی حضرت امام مالکؒ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ فضیلت اور ثواب اصل مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ اگر یہ فضیلت اور ثواب رسول اللہ ﷺ کے دور والی مسجد کے ساتھ ہوتا تو خلفاء راشدین مسجد نبوی میں اضافہ نہیں کرتے۔

تین مساجد کے علاوہ سفر کرنا منع ہے

(۴/۶۳۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۳/۷۰حدیث رقم ۱۱۹۷۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۹۷۵حدیث رقم (۴۱۵۔۷۸۲) وأخرجه الترمذی فی السنن ۲/۱۴۸ حدیث رقم ۳۲۱۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۳۷۔حدیث رقم ۷۰۰۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۴۵۲حدیث رقم ۱۴۰۹ وأحمد فی المسند ۳/۷۔وأخرجه عن أبی هریرة رضی الله عنه أبوداوٗد فی السنن ۲/۵۲۹حدیث رقم ۲۰۳۲۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین مساجد کے علاوہ تم اپنے کجاوہ نہ باندھو مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین مساجد کی فضیلت کو بیان کیا مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا تین مساجد کے علاوہ ثواب کی نیت سے سفر نہ کرو۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ: اس جملہ کی تشریح میں علماء کے دو قول ہیں۔

① بعض ائمہ کے نزدیک ثواب کی نیت سے تین مسجدوں کے علاوہ سفر کرنا جائز نہیں ان کا استدلال اسی آیت سے ہے اس میں

الاحرف استثناء ہے اور یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور مستثنیٰ منہ محذوف ہوگا الیٰ شی کا لفظ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اس لیے مساجد ثلاثہ کے سفر کے علاوہ بہت سے سفر ایسے ہیں کہ جو باعث اجر وثواب ہیں جیسے جہاد کے لئے سفر کرنا، علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا' والدین کی زیارت کے لئے سفر کرنا علی ہذا القیاس اس طرح کے متعدد سفر ہیں۔

۲ جمہور ائمہ کے نزدیک اس جملہ کی تشریح اس طرح ہے کہ الاحرف استثناء ہے اور مستثنیٰ منہ مقدر ہے اور وہ ہے الیٰ مسجد کا لفظ اور اس کی تائید مسلم احمد کی ایک روایت سے ہوتی ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ تین مسجدوں کے علاوہ اور مسجد کی طرف ثواب کی نیت سے سفر نہ کیا جائے اگر روضہ رسول کی طرف بھی سفر کرنے کا ارادہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ مسجد نبوی کی طرف سفر کی نیت کی جائے۔

شاہ ولی اللہؒ کا قول: حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں لوگ بعض مقامات کو اپنے وہم اور خیال کے مطابق باعظمت اور بابرکت خیال کرتے تھے اور سفر کر کے وہاں جاتے تھے اور ان مواضع کی زیارت کو سعادت اور برکت ہونے کا ذریعہ سمجھتے تھے ان کی اصلاح کے لئے اور تردید کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی جگہ کی فضیلت کی وجہ سے سفر نہ کرو اسی طرح اگر کوئی آدمی مزارات اور اولیاء اللہ کی عبادت گاہوں کی طرف حصول برکت کے لئے سفر کر کے جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

رِيَاضُ الْجَنَّةِ

(۶۳۱/۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا بَيْنَ بَيْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۷۰/۳ حدیث رقم ۱۱۹۶۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱۰۱۱/۲ حدیث رقم (۵۰۲۔۱۳۹۱) وأخرجه الترمذی فی السنن ۶۷۵/۵ حدیث رقم ۳۹۱۵۔وأخرجه أحمد فی المسند ۲۳۶/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور یہ کہہ کر آپ نے اس جگہ میں عبادت کرنے کی ترغیب دی ہے کہ جو آدمی اس جگہ عبادت میں مصروف رہے گا قیامت کے دن میرے حوض سے وہ انسان سیراب ہوگا اس حدیث کی تشریح میں علماء کے اقوال ہیں۔

۱ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ وہ ٹکڑا ہے جو جنت سے اس زمین پر منتقل کیا گیا ہے اور یہ ٹکڑا زمین کے دوسرے حصوں کی طرح قیامت کے دن ختم نہیں ہوگا بلکہ اسی طرح جنت میں واپس چلا جائے گا۔

۲ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ کو روضہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کرنے والے جن اور انسان اور وہاں کے حاضر باش فرشتے اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں ایک جماعت جاتی ہے اور دوسری جماعت آتی ہے مسلسل یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اسی عبادت کی مناسبت کی وجہ سے رِيَاضُ الْجَنَّةِ کہا گیا ہے جیسے ایک حدیث میں ذکر کے حلقوں کو رِيَاضُ الْجَنَّةِ کہا گیا ہے۔

سوال: اس حدیث میں بیت اور منبر سے کیا مراد ہے۔

جواب: بیت سے مراد حضرت عائشہؓ کا گھر ہے جو مسجد نبوی کے ساتھ متصل ہے اسی جگہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اسی جگہ آپ کی قبر

مبارک ہے اور منبر سے مراد وہ منبر ہے جو ایک انصاریہ خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے ایک غلام سے تیار کروایا تھا جھاؤ کے درخت سے تیار کیا تھا اور اس کی تین سیڑیاں تھیں اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے جب آپ پہلی مرتبہ جلوہ افروز ہوئے تو کھجور کا یہ تنا رو پڑا تھا۔

مسجد قباء کی فضیلت

(٦/٦٣٢) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦٩/٣حديث رقم ١١٩٣ولم يذكر "فيصلي فيه ركعتين" وأخرجه في ١١٩٤ذكر الصلاة إلا أنه لم يذكر "كل سبت" وأخرجه مسلم في الصحيح ١٠١٦/٢حديث رقم (٥١٦-١٣٩٩)ولم يذكر "كل سبت"۔ وفي الحديث (٥٢١-١٣٩٩)ولم يذكر الصلاة ۔ والله أعلم۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن ٥٣٣/٢حديث رقم ٢٠٤٠۔ وأخرجه النسائي في السنن مختصرًا ٣٧/٢حديث رقم ٦٩٨۔ وكذلك مالك في الموطا ١٦٧/١حديث رقم ٧١ من كتاب قصر الصلاة في السفر۔ وأحمد في المسند ٤/٢۔ (٢) الترمذي ١٤٥٢حديث رقم ٣٢٤۔ وابن ماجة والنسائي نحوه۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ کو پیدل یا سواری پر مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں مسجد قباء کی فضیلت اور عظمت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہر ہفتہ کے روز مسجد قباء جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کی یا اس کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھتے تھے اور اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ ہفتہ کے دن علماء صلحاء اور مشائخ سے ملاقات کرنا مستحب ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں دو مرتبہ حاضری دینے سے میں اس چیز کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں مسجد قباء کے اندر نماز پڑھوں اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا کتنا ثواب ہے تو وہ دور دراز علاقوں سے مشقت برداشت کر کے اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آئیں۔

فائدہ: قباء ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے ہجرت کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس جگہ میں تشریف لائے اور یہاں آپ نے تیرہ چودہ دن قیام کیا اور اس جگہ میں آپ نے ایک مسجد بنائی تھی ہجرت کے بعد اسلام میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے فضیلت اور عظمت کے اعتبار سے یہ چوتھے نمبر پر مسجد ہے اور ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔

مساجد اللہ عزوجل کو پسند ہیں اور بازار ناپسند

(٧/٦٣٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ أَسْوَاقُهَا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤٦٤/١حديث رقم (٢٨٨-٦٧١)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہروں میں پسندیدہ مقامات مساجد ہیں اور ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں مساجد کو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب اور پسندیدہ قرار دیا ہے کیونکہ مساجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی

ہے مساجد میں نماز پڑھی جاتی ہے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے اور یہ سب چیزیں اللہ کو پسند ہیں اس وجہ سے مساجد اللہ کو پسند ہیں اور بازاروں کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے کیونکہ بازار میں جھگڑے' جھوٹ خیانت' گالی گلوچ' دھوکہ' فراڈ' شور وغل اور بے حیائی' گانا بجانا ہوتے ہیں اور یہ سب امور اللہ کو پسند نہیں ہیں اور جس جگہ میں یہ چیزیں ہونگی وہ جگہ بھی اللہ کو پسند نہیں ہے۔

سوال: اس حدیث میں بازار کی قباحت بیان کی گئی ہے حالانکہ بازار سے زیادہ برائی کے اڈے شراب خانے' جوا خانے' سینما گھر وغیرہ ہیں ان کو بازار سے زیادہ مبغوض کیوں نہیں کہا گیا ہے۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ بازار کو قائم رکھنا اور آباد کرنا یہ حکم شریعت کا ہے اور مذکورہ چیزوں کا حکم شریعت کی طرف سے نہیں ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ شریعت نے جن چیزوں کی اجازت دی ہے ان میں سے ناپسندیدہ بازار ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ مذکورہ چیزیں بھی عموماً بازار ہی میں ہوتی ہیں۔

مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت

(۸/۶۳۴) وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱/۵۴۴حديث رقم ۴۵۰۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۷۸حديث رقم (۲۴۔۵۳۳) وأخرجه الترمذي في السنن ۲/۱۳۴حديث رقم ۳۱۸۔ وأخرجه النسائي في السنن ۱/۳۱۔حديث رقم ۶۸۸۔وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۲۴۳حديث رقم ۷۳۶۔والدارمي في السنن ۳۷۶حديث رقم ۱۳۹۲وأحمد في مسنده ۱/۷۰۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بناتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مکان بنا دیتا ہے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے مسجد تعمیر کرتا ہے۔اس میں ریا کاری' شہرت اور ناموری نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس آدمی کے لئے جنت میں محل تیار کر دیتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسجد اگر اللہ کے لئے تعمیر کی ہے تو اس پر شہرت کے لئے اپنے نام کا کتبہ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ اس طرح کے بورڈ نصب کرنا عدم اخلاص کی دلیل ہے۔مَسْجِدًا: اس کے آخر میں تنوین تقلیل کے لئے ہے اور تنکیر باعتبار عمومیت کے ہے۔مطلب یہ ہوگا کہ مذکورہ اجر اور ثواب کے لئے ضروری نہیں کہ بہت بڑی اور عالیشان مسجد بنائی جائے بلکہ اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ جتنی مسجد بھی بنائی جائے گی اس کا یہی عوض ہے۔گویا مبالغہ ہے باعتبار ضیق اور صغر کے کہ اگر کوئی آدمی اخلاص نیت کے ساتھ شہرت سے بچتے ہوئے رضاء الٰہی کے حصول کے جذبہ سے چھوٹی سی مسجد بھی بنائے گا۔تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جنت میں عالیشان محل بنایا جائے گا۔بندہ مسجد اپنی شان کے مطابق بنائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اپنی شان کے مطابق دے گا۔

مسجد میں جانے کی فضیلت

(۹/۶۳۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْرَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْرَاحَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۱۴۸حديث رقم ۶۶۲۔ومسلم في صحيحه ۱/۴۶۳حديث رقم (۲۸۵۔۶۶۹)وأخرجه أحمد في المسند ۲/۵۰۸۔۵۰۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی دن کے شروع حصہ

میں یا دن کے آخری حصہ میں مسجد جاتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس کی مہمان نوازی کا سامان تیار کرتا ہے چاہے وہ صبح کو جائے یا شام کو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں مسجد میں جانے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی صبح وشام مسجد جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں خصوصی مہمان نوازی تیار کرتا ہے۔کیونکہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور جو آدمی مسجد میں جاتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور زیارت کے لئے جاتا ہے اور جو کسی کی زیارت کے لئے جاتا ہے۔وہ اس کا اکرام کرتا ہے۔

جو مسجد سے دُور ہو اس کو زیادہ ثواب ملتا ہے

(۱۰/۶۳۶)وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوۃِ اَبْعَدُھُمْ فَاَبْعَدُھُمْ مَمْشًی وَالَّذِیْ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی یُصَلِّیَھَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۳۷/۲حديث رقم ۶۵۱۔وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۴۶۰حديث رقم (۲۷۷۔۶۶۲)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز کا سب سے زیادہ ثواب اس آدمی کو ملتا ہے جو دور سے چل کر مسجد میں آئے اور جو آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے تاکہ امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا ثواب اس سے زیادہ ہوتا ہے جو اکیلا نماز پڑھ کر سو جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں دو چیزوں کی فضیلت اور درجہ بیان کیا ہے۔

① جو آدمی مسجد سے دور رہتا ہو اور پیدل چل کر نماز کے لیے آئے اس کو بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔اس شخص کے مقابلہ میں جو مسجد کے قریب ہوتا ہے۔کیونکہ جس قدر قدم زیادہ ہوں گے اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔

② جو آدمی نماز کا انتظار کرتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔اس کو بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اس شخص کے مقابلہ میں جو جماعت کا انتظار کیے بغیر اکیلا نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔اسی طرح جو آدمی بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظار کرتا ہے اس کو بھی زیادہ ثواب ملتا ہے اس شخص کے مقابلے میں جو چھوٹی جماعت کے ساتھ پڑھ کر سو جاتا ہے۔اسی طرح جو آدمی انتظار کرے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو امامت کا مستحق ہے اس کو زیادہ ثواب ملتا ہے اس آدمی کے مقابلہ میں جو غیر مستحق امام کے پیچھے جلدی سے سستی کے ساتھ نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔

جتنا گھر مسجد سے دُور ہوگا اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا

(۱۱/۶۳۷)وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَاَرَادَ بَنُوْ سَلِمَۃَ اَنْ یَّنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ لَھُمْ بَلَغَنِیْ اَنَّکُمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ قَالُوْا نَعَمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ اَرَدْنَا ذٰلِکَ فَقَالَ یَابَنِیْ سَلِمَۃَ دِیَارَکُمْ تُکْتَبْ اٰثَارُکُمْ دِیَارَکُمْ تُکْتَبْ اٰثَارُکُمْ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۶۲حديث رقم (۲۸۰۔۶۶۵)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب کچھ مکان خالی ہوئے تو قبیلہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آجائیں۔رسول اللہ ﷺ کو جب ان کے ارادہ کی خبر ملی۔تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم لوگ مسجد کے قریب آنا چاہتے ہو۔انہوں نے عرض کیا۔جی ہاں اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہمارا یہی ارادہ

ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے بنوسلمہ تم اپنے مکانوں میں رہو۔تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔تم اپنے مکانوں میں رہو تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ مسجد سے دور رہتے ہیں ان کو زیادہ ثواب ملتا ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو مسجد کے قریب رہتے ہیں۔کیونکہ جس قدر قدم زیادہ ہوں گے اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا جب مسجد نبوی کے قریب کچھ مکان خالی ہو گئے۔تو قبیلہ بنوسلمہ نے ارادہ کیا کہ ان مکانات میں ہم لوگ آ جائیں۔جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر موصول ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو منع کر دیا کہ تمہیں اپنے مکانوں میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ اس میں تمہارے لئے سعادت، اجر اور ثواب زیادہ ہے اور بنوسلمہ انصار مدینہ کا ایک قبیلہ ہے جو مسجد نبوی سے دور رہتے تھے اور نماز کے لئے مسجد میں آتے تھے۔اس لئے انہوں نے اپنی سہولت کے لئے مسجد کے قریب آنے کا ارادہ کیا۔

قیامت کے دن سات آدمی اللہ کے سایہ میں ہوں گے

(۶۳۸/۱۲)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَفِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحيحه۲/۱۴۳حديث رقم ۶۶۰وأخرجه مسلم فی صحيحه ۲/۷۱۵حديث رقم (۹۱۔۱۰۳۱)ورد فی مسلم "لاتعلم يمينه ما تنفق شماله" وقدأشار ابن حجر فی فتح الباری 'وذكر أن الصواب "لاتعلم شماله ما تنفق يمينه" وأخرجه الترمذی فی السنن ۴/۵۱۶حديث رقم ۲۳۹۱ ۔وأخرجه النسائی فی السنن ۸/۲۲۲حديث رقم ۵۳۸۰وأخرجه مالك فی الموطأ ۲/۹۵۳حديث رقم ۱۴من كتاب الشعر۔وأخرجه أحمد فی المسند۲/۴۳۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایہ میں رکھے گا اور اس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا انصاف کرنے والا حاکم، وہ جوان جو اپنی جوانی میں عبادت کرے وہ آدمی جس کا دل مسجد سے معلق رہتا ہے جب مسجد سے نکلتا ہے یہاں تک کہ پھر دوبارہ مسجد میں لوٹ کر آ جائے۔وہ آدمی جو آپس میں اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں' محبت پر دونوں جمع ہوتے ہیں اور محبت پر جدا ہوتے ہیں وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور وہ آدمی جس کو کسی حسین وجمیل خاتون نے برائی کی دعوت دی اور اس نے جواب میں کہہ دیا ہو کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ آدمی جو پوشیدہ طور پر صدقہ کرے۔اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات آدمی قیامت کے دن اللہ کے سایہ میں ہوں گے اور اس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔یہاں۔ظل' کنایہ ہے'عزت' عظمت اور رحمت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی رحمت' عزت میں ہوں گے اور بعض کے نزدیک ظل سے مراد راحت اور نعمت ہے۔

① عادل بادشاہ کیونکہ جب بادشاہ عادل ہوگا تو اس کے عدل کا اثر اس کی اپنی ذات کے علاوہ اپنی تمام رعایا پر پڑتا ہے تو عادل بادشاہ کی عدالت یہ مخلوق کے لئے عام رحمت ہے۔

② وہ نو جوان جو اپنی جوانی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور تقویٰ اختیار کیا ہو جوانی کے زمانے میں عبادت اس لئے کمال ہے کہ اس وقت تمام قوتیں انسان کی مضبوط ہوتی ہیں اور اس وقت جو آدمی اپنی نفسانی خواہشات پر کنٹرول کر لیتا ہے یہ بڑی کمال کی بات ہے۔

③ وہ آدمی کہ جس کا دل مسجد کی طرف متوجہ رہے یعنی ایک مرتبہ نماز پڑھ کر مسجد سے نکل جائے اور پھر اس کا دل مسجد کی طرف اٹکا رہے۔

④ ایسے دو آدمی جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کریں اگر ان کی ملاقات ہو تو اللہ کے لئے اگر جدائی ہو تو اللہ کے لئے۔

⑤ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کر کے خوف خدا سے رو پڑے۔

⑥ وہ آدمی کہ جس کو ایک خوبصورت خاتون اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والی وہ گناہ کی دعوت دے صرف خوف خدا کی وجہ سے وہ آدمی اس کی دعوت کو ٹھکرا دے۔

⑦ وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پوشیدہ طور پر اپنا مال خرچ کرے اور اتنا پوشیدہ ہو کہ اس آدمی کی کوشش یہ ہو کہ اگر دائیں ہاتھ سے خرچ کروں تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔

نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھنے کی فضیلت

(۱۳/۶۳۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَضْعُفُ عَلٰى صَلَاتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَفِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَايُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَادَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهٗ وَزَادَ فِيْ دُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَالَمْ يُؤْذِ فِيْهِ مَالَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۱۳۱ حدیث رقم ٦٤٧۔ وأخرجه مسلم فی الصحیح ۱/۴۵۹ حدیث (۲۷۲۔۶۴۹) وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۳۷۸ حدیث رقم ۵۵۹۔ وأخرج الترمذی أوله فی السنن ۱/۴۲۱ حدیث رقم ۲۱٦۔ وأخرج ابن ماجة بعضه فی السنن ۱/۲۵٤ حدیث رقم ۷۷٤۔ وأحمد فی مسنده ۲/۲۵۲ کلهم بالفاظ متقاربة و متفاوتة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماعت کے ساتھ آدمی کی نماز اس نماز سے جو گھر میں یا جو بازار میں پڑھی جائے پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی اچھی طرح وضو کرتا ہے اور صرف نماز ہی کے لئے آتا ہے تو وہ جو قدم اٹھاتا ہے اس کے ہر قدم کے عوض اس کے ثواب میں ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے اور جب تک وہ نماز پڑھ کر اپنے مصلیٰ پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے مسلسل اس کے لیے یہ دعا کرتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ کہ اے اللہ اس کی بخشش کر دے اور اے اللہ اس پر رحم کر اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں رہتا ہے تو اس کا وہ وقت نماز میں ہی شمار ہوتا ہے اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کوئی آدمی مسجد میں گیا اور نماز ہی کی وجہ سے وہاں رک گیا تو فرشتوں کی دعا میں یہ الفاظ زیادہ ہوتے ہیں ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ'' اے اللہ اس کی بخشش فرما اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما اور یہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور باوضو رہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح اس حدیث سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایک نماز کی پچیس درجہ زیادہ ثواب کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے اور مسجد میں پڑھی جائے اور اسی طرح اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ فرشتے نمازی کے حق میں رحمت اور معافی کی دعا اسی وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اپنے قول اور فعل کے ساتھ تکلیف نہ دے اور ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ملائکہ کی یہ دعا اس کے حق میں تب ہوگی جب تک وہ باوضو رہے اسی سے معلوم ہوا اگر وہ کسی مسلمان کو قول یا فعل سے تکلیف پہنچائے گا تو اس کے حق میں فرشتوں کی دعائے مغفرت نہیں ہوگی اور اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کی یہ دعا اسی وقت نصیب ہوگی جب تک نمازی اپنی جگہ بیٹھا رہے اگر جگہ تبدیل کر لی تو پھر یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی اگرچہ جگہ تبدیل کرنے کی صورت میں اخلاص نیت بھی ہو اور ذکر و فکر بھی ہو۔

مسجد میں داخل ہونے اور خارج ہونے کی دُعا

(۶۴۰/۱۴) وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤٩٤/١ حديث رقم (٦٨-٧١٣)۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن ٣١٧/١ حديث ٤٦٥ بالشك عن أبي حميد أو عن أبي أسيد...... وأخرجه النسائي عنهما في السنن ٥٣/٢ حديث رقم ٧٢٩۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن عن أبي حميد ٢٥٤/١ حديث رقم ٧٧٢۔ والدارمي أخرجه عن أبي حميد أو عن أبي أسيد في السنن ٣٧٧/١ حديث رقم ١٣٩٤۔ وأخرجه أحمد عنهما معافي المسند ٤٩٧/٣۔

ترجمہ: حضرت ابو اسیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ الخ اے اللہ اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے اور مسجد سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح اس حدیث میں مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے باہر نکلنے کی دعا ذکر کی گئی ہے مسجد میں داخل ہونے کی یہ دعا ہے۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ اے اللہ اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔ یہاں فضل سے مراد رزق ہے اور نماز سے فارغ ہو کر اکثر انسان حصول رزق کے لئے محنت کرتا ہے۔ اس لئے اس کا سوال کیا جا رہا ہے۔

تحیۃ المسجد

(۶۴۱/۱۵) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٣٧/١ حديث رقم ٤٤٤۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ٤٩٥/١ حديث رقم (٦٩-٧١٤) وأخرجه أبوداؤد في السنن ٣١٨/١ حديث رقم ٤٦٧۔ وذكر "سجدتين" بدل "ركعتين" وأخرجه الترمذي في السنن ١٢٩/٢ حديث رقم ٣١٦۔ وأخرجه النسائي في السنن ٥٣/٢ حديث رقم ٧٣٠۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ٣٢٤/١ حديث رقم ١٠٢٣۔ وأخرجه الدارمي في السنن ٣٧٦/١ حديث رقم ١٣٩٣۔ وأخرجه مالك في الموطأ

۱۶۲/۱حدیث رقم ۵۷من کتاب قصر الصلاۃ فی السفر۔واخرجہ أحمد فی المسند۲۹۵/۵۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز میں داخل ہوتو اس کو چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز سے مراد تحیۃ المسجد ہے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تحیۃ المسجد کی شرعی حیثیت کیا ہے۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تحیۃ المسجد مستحب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تحیۃ المسجد واجب ہے۔ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے کہ اس میں فَلْیَرْکَعْ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں صیغہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک تحیۃ المسجد بیٹھنے سے باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس حدیث میں قبل الجلوس کی قید مذکور ہے اور امام صاحب کے نزدیک جلوس سے باطل نہیں ہوتی۔یہ قید احترازی نہیں ہے۔

سفر سے واپسی پر مسجد میں آنے کا حکم

(۱۶/۶۴۲)وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَقْدِمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۹۳/٦حدیث رقم ۳۰۸۸۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ٤۹٦/۱حدیث رقم (۷٤۔۷۱٦)واللفظ ۔واخرجه أبوداؤد فی السنن ۲۲۰/۳حدیث رقم ۲۷۸۱۔واخرجه النسائی مطولًا ذکر فیه قصة المخلفین فی السنن ۵۳/۲ حدیث رقم ۷۳۲۔ واخرجه الدارمی فی السنن ٤۲۸/۱ حدیث رقم ۱۵۲۰۔واخرجه احمد فی المسند ۳۸٦/٦ فی قصة طویلة ۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت آتے اور سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے۔وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر کچھ دیر بیٹھے رہتے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت شہر میں داخل ہوتے تھے اور سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔کچھ دیر وہاں بیٹھے رہتے۔پھر گھر تشریف لاتے تھے۔وجہ اس کی یہ تھی کہ صحابہ کرام جو ایام سفر میں آپ کی زیارت سے محروم رہے وہ آپ سے ملاقات کرلیں اور آپ کی زیارت کرلیں اور یہ وجہ بھی ہے کہ گھر والے خود کو بھی اور گھر کو بھی باسلیقہ بنالیں۔اس سے ثابت ہوا کہ سفر سے واپسی پر مسجد میں جانا مستحب ہے۔

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان منع ہے

(۱۷/۶۴۳)وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۳۹۷/۱حدیث رقم (۷۹۔۵٦۸)۔واخرجه ابوداؤد فی السنن ۲۱/۱حدیث رقم ٤۷۳۔واخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۵۲/۱حدیث رقم ۷٦۷۔واخرجه أحمد فی المسند ۳٤۹/۲۔وذکر ابوداؤد واحمد "اداها" بدل "ردها"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی کسی کو مسجد میں اپنی گم

شدہ چیز کا اعلان کرتے سنے۔ تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے اللہ کرے تجھے تیری گم شدہ چیز نہ ملے۔ اس لئے کہ مسجدوں کو اس لئے نہیں بنایا گیا۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا منع ہے اور اسی طرح ہر وہ کام جو مسجد کی بناء کے منافی ہو وہ مسجد میں جائز نہیں ہے کیونکہ مسجد کی تعمیر نماز' عبادت' ذکر' تعلیم وغیرہ امور کے لئے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان سن لے تو وہ کہے کہ اللہ تجھے تیری گم شدہ چیز واپس نہ کرے بعض علماء کے نزدیک یہ جملہ اپنی حقیقت اور ظاہر پر محمول ہے کہ واقعتا اس کے لئے بددعا کی جائے تاکہ آئندہ کے لئے اس کو عبرت حاصل ہو اور دوسرے قول کے مطابق یہ جملہ زجر اور توبیخ پر محمول ہے یعنی صرف زبان سے بطور تنبیہ کے یہ الفاظ کہہ دیئے جائیں۔ مگر دل سے نہ کہا جائے۔ آج کل تو دیہات کی مسجد میں اور اسی طرح شہر کی بعض مساجد میں ایسے نامناسب اعلانات ہوتے ہیں۔ مثلاً فلاں کا گدھا گم ہو گیا' فلاں کی دکان پر آلو آ گئے' فلاں قصائی نے گوشت بنایا ہے۔ گیارہویں کے ختم کے اعلانات علی ہذا القیاس۔ الامان والحفیظ۔

بدبودار اشیاء کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت

(۱۸/۶۴۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣٣٩/٢ حديث رقم ٨٥٤۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ٣٩٤/١ حديث رقم (٧٢۔٥٦٤) واللفظ لمسلم۔ وأخرجه النسائي في السنن ٤٣/٢ حديث رقم ٧٠٧ وذكر فيه الثوم والبصل والكراث ۔ وأخرجه أحمد في المسند ٣٧٤/٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی اس بدبودار درخت میں سے کچھ کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ جس بدبو سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ بدبودار چیز کھانے کے فوراً بعد مسجد میں نہیں جانا چاہئے جیسے پیاز' لہسن' مولی وغیرہ کیونکہ مسجد میں ملائکہ بھی ہوتے ہیں اور بدبو سے ملائکہ کو اذیت ہوتی ہے اسی طرح مجالس میں بدبودار چیزیں استعمال کر کے نہیں جانا چاہئے کیونکہ اس سے لوگوں کو بھی اذیت ہوگی اور ملائکہ کو بھی اور اس حدیث میں مَسْجِدَنَا کی تخصیص صرف مسجد نبوی کی عظمت شان کی وجہ سے ہے ورنہ اس کے علاوہ دیگر مساجد کا بھی یہی حکم ہے۔

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے

(۱۹/۶۴۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَّ كَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥١١/١ حديث رقم ٤١٥۔ وأخرجه مسلم في صحيحه (٥٥۔٥٥٢) وأخرجه أبوداود في السنن ٣٢٢/١ حديث رقم ٤٧٥۔ أخرجه الترمذي في السنن ٤٦١/٢ حديث رقم ٥٧٢۔ وأخرجه النسائي في السنن ٥٠/٢ حديث رقم ٧٢٣۔ وأخرجه الدارمي في السنن ٣٧٧/١ حديث رقم ١٣٩٥۔ وأخرجه أحمد في المسند ٢٣٢/٣۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو زمین میں دفن کیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ مسجد ایک تقدس اور احترام والی جگہ ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز مسجد کے احترام کے منافی ہے مسجد سے اس کو پاک رکھا جائے مثلاً مسجد میں گندگی نہ پھیلائی جائے اور تھوکا نہ جائے اور اگر کسی سے اتفاقاً اس طرح کی غلطی ہو جائے تو مسجد سے اس کو صاف کیا جائے۔

مسجد کو گندگی سے پاک کرنا ثواب ہے

(۲۰/۶۴۶) وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِیْ حَسَنُهَا وَ سَیِّئُهَا فَوَجَدْتُّ فِیْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰی یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ وَوَجَدْتُّ فِیْ مَسَاوِیْ اَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَکُوْنُ فِی الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳۹۰/۱ حديث رقم (۵۷-۵۵۳) وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱۲۱٤/۲ حديث رقم ۳٦۸۳ وأخرجه أحمدفي المسند ۱۷۸/۵۔

ترجمہ: حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کیے گئے میں نے اس کے اچھے اعمال میں راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا پایا اور برے اعمال میں مسجد کے اندر تھوکنا دیکھا جس کو دبایا نہ گیا ہو اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

نماز کی حالت میں بلغم آ جائے تو کیا کرے؟

(۲۱/۶۴۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ اِلَی الصَّلَاةِ فَلَا یَبْصُقْ اَمَامَهٗ فَاِنَّمَا یُنَاجِی اللّٰهَ مَادَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ وَ لَا عَنْ یَمِیْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ یَمِیْنِهٖ مَلَکًا وَلْیَبْصُقْ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْتَحْتَ قَدَمِهٖ فَیَدْفِنُهَا وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ سَعِیْدٍ تَحْتَ قَدَمِهِ الْیُسْرٰی۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵۱۲/۱ حديث رقم ٤۱٦۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ۳۸۹/۱ حديث (۵۳-۵۵۰) وأخرجه ابن ماجة في السنن ۳۲٦/۱) حديث رقم ۱۰۲۲۔ واللفظ للبخاري۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے سامنے نہ تھوکے اس لیے کہ جب تک وہ نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے اور دائیں طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے وہاں البتہ بائیں طرف اور قدموں کے نیچے تھوک دے اور پھر اس کو زمین میں دبا دے اور ابو سعید کی روایت میں یہ الفاظ ہیں اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوک دے (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز پڑھنے والے آدمی کو اس انسان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جو اپنے مالک کے ساتھ سرگوشی میں مصروف ہو جس طرح اس موقعہ پر وہ آدمی اپنے مالک کے احترام کا پورا لحاظ رکھتا ہے اسی طرح نمازی کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جو اس کا مالک حقیقی ہے کھڑا ہو تو عزت و احترام کا پورا لحاظ کیا جائے اگر نماز کے دوران تھوک آ جائے تو سامنے کی طرف نہ تھوکا جائے اور سامنے تھوکنے کی ممانعت ایک تو اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہے اور اس سے سرگوشی کر رہا ہے اور یا دوسری وجہ یہ ہے کہ سامنے کی طرف قبلہ ہوتا ہے اور قبلہ کی طرف تھوکنا بے ادبی ہے اور اسی طرح بائیں طرف تھوکنے سے منع کیا ہے اس کی

وجہ یہ ہے کہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے اب یہ کہ فرشتہ سے کون مراد ہے ایک قول کے مطابق اس فرشتہ سے مراد کراما کاتبین کے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ ہے جو خاص طور پر نماز کے وقت آ کر نمازی کے دائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے نمازی کی راہ نمائی کرتا ہے اور اس کے لئے دعا کرتا ہے اور فرشتہ مہمان ہے اور مہمان کا احترام ضروری ہے اور اس کی طرف تھوکنا احترام کے منافی ہے اور دوسرے قول کے مطابق فرشتہ سے مراد کراماً کاتبین ہے اس کا احترام بھی ضروری ہے کیونکہ انسان کے نیک اعمال لکھتا ہے اور اس فرشتہ کا مقام بائیں طرف والے فرشتہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

قبر پر سجدہ حرام ہے

(۲۲/۶۴۸) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۴۰/۸ حدیث رقم ٤٤٤٤ ـ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۳۷٦/۱ حدیث رقم (۱۹ـ۵۲۹) وأخرجه أحمد فی المسند ۱۲۱/٦ ـ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیماری میں جس سے اٹھ نہ سکے فرمایا "عیسائیوں اور یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا" (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ بیمار تھے اور آپ کو اندازہ ہو گیا کہ شاید میری یہ بیماری مرض الوفات ہو اس دنیا سے رحلت اور انتقال کا وقت قریب ہو اور رفیق اعلیٰ کے پاس جانے کا وقت ہو گیا تو آپ نے آخری ایام میں اپنی امت کو شرک سے دور رکھنے کے لئے یہ فرمایا کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں پر سجدہ کرنا شروع کر دیا اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے دو طریقے ہیں۔

① قبر کی عبادت کی نیت سے قبر پر سجدہ کیا جائے یعنی قبر پر سجدہ صاحب قبر کی عظمت اور فضیلت کی وجہ سے کیا جائے جیسے موجودہ دور میں اولیاء اللہ کے مزارات اور قبروں پر یہی کچھ ہو رہا ہے۔

② دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عبادت اللہ کے لئے ہو لیکن سجدہ گاہ کسی نبی کو بنایا جائے یہ دونوں طریقے ناجائز ہیں پہلا طریقہ تو صراحۃً کفر اور شرک ہے اور دوسرے طریقے میں شرک خفیف پایا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی یا ولی اور پیر کی قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بالاتفاق حرام ہے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ کسی قبر کی طرف تبرک اور تعظیم کے لئے نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ احادیث میں اس سے منع کیا گیا اور علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں اگر قبرستان میں قبرستان کے متصل کوئی مسجد ہو اور نماز پڑھتے وقت قبریں نظر نہ آتی ہوں تو اس جگہ نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر سجدہ کرنے سے منع کیا ہے

(۲۳/۶۴۹) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه من حدیث طویل ۳۷۷/۱ حدیث رقم (۲۳ـ۵۳۲)۔

ترجمہ: حضرت جندبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خبردار تم

سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنادیا تھا لہٰذا خبردار تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں اس سے تمہیں منع کرتا ہوں اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

گھر کو قبرستان نہ بناؤ

(۶۵۰/۲۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵۲۸/۱ حديث رقم ۴۳۲۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ۵۳۸/۱ حديث (۲۰۸۔۷۷۷) وأخرجه أبوداؤد في السنن ۶۳۲/۱ حديث رقم ۱۰۴۳۔ وأخرجه الترمذي في السنن ۳۱۳/۲ حديث رقم ۴۵۱ ولفظه "صلوا......" وكذلك النسائي في السنن ۱۹۷/۳ حديث رقم ۱۵۹۸۔ وأحمد في المسند ۱۶/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کچھ نماز اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ قبرستان میں عبادت نہیں کی جاتی اپنے گھروں میں عبادت کیا کرو اور اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر میں قبریں نہ بناؤ اور اپنے کسی مردے کو گھر میں دفن نہ کرو یا اس سے مراد یہ ہے کہ قبرستان کو گھروں کی طرح نہ سمجھو کہ جس طرح کوئی انسان کسی حاجت اور ضرورت کے وقت گھر آتا ہے تاکہ اس حاجت کو پورا کیا جاسکے اسی طرح کسی حاجت کے وقت مرادیں مانگنے کیلئے اولیاء اللہ کی قبروں پر نہ جاؤ اور صاحب قبر سے اپنی حاجتیں نہ مانگو وہ تو خود محتاج ہے تمہاری دعا اور پکار نہیں سن سکتے اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت کو پورا نہیں کرسکتے اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی اسی طرح اپنے گھروں کو نماز سے محروم نہ رکھو یہی وجہ ہے کہ رسول اللہؐ نے نفل نماز گھر میں پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔

الفصل الثاني:

مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے

(۶۵۱/۲۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ . (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ۱۷۳/۲ حديث رقم ۳۴۴ وقال حديث حسن صحيح وأخرجه ابن ماجة في السنن ۳۲۳/۱ حديث رقم ۱۰۱۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کا تعلق صرف مدینہ منورہ سے ہے دوسرے ممالک کا حکم اس طرح نہیں ہے کیونکہ مدینہ منورہ سے شمال کی طرف "شام ہے" جنوب کی طرف مکہ ہے مشرق کی طرف خراسان ہے اور مغرب کی طرف مغربی ممالک ہیں مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ مدینہ میں رہتے ہیں یا مدینہ کی سمت میں ان کا قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

گرجہ کی مسجد بنانا

(۲۶/۶۵۲)وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّ بِاَرْضِنَا بِيْعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُوْرِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهٗ لَنَا فِيْ اِدَاوَةٍ وَاَمَرَنَا فَقَالَ اخْرُجُوْا فَاِذَا اَتَيْتُمْ اَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوْا بِيْعَتَكُمْ وَانْضَحُوْا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا قُلْنَا اِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ وَالْحَرَّ شَدِيْدٌ وَالْمَاءُ يُنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوْهُ مِنَ الْمَاءِ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا طِيْبًا ۔ (رواه النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ۲/۳۸حديث رقم ۷۰۱۔

ترجمہ: حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ سے بیعت کی اور حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر یہ بھی ہم نے بتایا کہ ہمارے علاقے میں ہمارا ایک گرجہ ہے اس کے بعد ہم نے آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا آپ نے پانی منگوایا اور وضو کیا کلی کی اور اس کلی کا پانی ہماری چھاگل میں ڈلوایا اور فرمایا کہ جاؤ جب تم اپنے علاقے میں پہنچو تو اس گرجہ کو توڑ کر اس کی جگہ یہ پانی چھڑک دینا اور پھر وہاں مسجد بنا دینا ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر تو بہت دور ہے اور گرمی بہت زیادہ ہے لہٰذا پانی خشک ہو جائے گا آپ نے فرمایا اس میں اور پانی ملا دینا اس سے اس کی پاکیزگی اور برکت میں اضافہ ہوگا اس حدیث کو امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ نصاریٰ نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت فرمائی اور یہ سب ایک ہی بستی کے تھے۔انہوں نے اسلام کی باتیں سنیں تو ان کے دل نے اسلام کی حقانیت پر گواہی دی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے۔انہوں نے اسلام کے متعلق سیکھا۔نماز روزہ قائم کرنے کا عہد کیا اور اس کے بعد آپؐ کے وضوء سے بچا ہوا پانی مانگا۔آپؐ نے وضو کیا اور وضو کے بعد کلی کی اور وہ پانی اُن کی چھاگل میں انڈیلا۔انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جس علاقے سے آئے ہیں وہاں ہمارا گرجا ہے ہم الحمد اللہ اب مسلمان ہوگئے ہیں تو اس گرجا کا کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس گرجا کو توڑ دو اس جگہ پر میرے وضو والا پانی چھڑک دو اور وہاں مسجد تعمیر کر دو۔انہوں نے کہا کہ یہ پانی ہماری چھاگل میں بہت کم ہے اور ہمارا سفر بڑا لمبا ہے۔دھوپ کی تپش سے یہ تو اندر ہی اندر سوکھ جائے گا۔آپؐ نے فرمایا کہ تم اس برتن میں اور پانی ڈالتے رہنا۔اس میں پانی ڈالنے سے اس کی برکت میں اضافہ ہی ہوگا کمی واقع نہیں ہوگی۔جان لینا چاہیے یہ پانی آپؐ نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ ان کے مانگنے پر عطا فرمایا چونکہ وضو سے بچے ہوئے پانی میں ایک طرح کی خاص برکت ہوتی ہے اور ان لوگوں نے بھی اپنے ہاں ایسی بات سن رکھی ہوگی جب انہوں نے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا تو آپؐ نے ان کے سامنے وضو کر کے جو پانی بچا وہ عطا فرما دیا بلکہ اس بچے ہوئے پانی سے ایک کلی کر کے اس پانی میں ڈال دی تاکہ یہ لوگ اس کو پتے نہ بلکہ اپنے ہاں جا کر اس گرجا کو گرانے کے بعد اس جگہ پر چھڑکیں تاکہ ان کی دلی خواہش کی تکمیل ہو جائے۔اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی گرجا کی جگہ مسجد بنالی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں! اس بات کا اہتمام مقامی لوگوں کو ہی کرنا چاہیے۔

ایک شہر میں ایک سے زائد مساجد کی تعمیر

(۲۷/۶۵۳)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ وَاَنْ يُّنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ ۔ (رواه ابوداود والترمذی وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۳۱٤ حديث رقم ٤٥٥ ـ وأخرجه الترمذی فی السنن ۲/٤٨٩ حديث ٥٩٤ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۵۰ حديث رقم ٧٥٨ـ

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مساجد تعمیر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور کہا کہ ان مساجد کو پاک وصاف رکھا جائے اور خوشبوؤں سے ان کو مہکایا جائے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں شہر کے محلوں میں بھی (نسبتاً کشادہ) جگہوں پر مساجد کی تعمیر کا حکم ارشاد فرمایا گیا ہے کیونکہ مسجد ہر محلہ کی ضرورت ہے لیکن مقصد فقط اور فقط اللہ عزوجل کی عبادت ہونا چاہیے نہ کہ کوئی اور مقصد۔ پھر یہ کہ ہر محلہ میں مسجد تعمیر کرنا اس علاقے والوں کی اپنی ضرورت پر منحصر ہے۔ وہ اپنے حالات کے مطابق جس طرح کی مسجد تعمیر کر سکتے ہوں، تعمیر کریں۔ اس سے بھی بہتر طرزِ عمل تو یہ ہے کہ حکومت یا کمیونٹی خود ہی کوئی جگہ مساجد کے لئے مختص کر دے یہ جو ہر شخص چندہ مانگ مانگ کر مساجد کی تعمیر کی خواہش کا اظہار کر رہا ہوتا ہے یہ کوئی پسندیدہ عمل نہیں بلکہ اس سے مسجد کا تقدس مجروح ہوتا ہے لیکن کیا کیجئے کہ اس وقت یہ ایک ایسا کاروبار بن گیا ہے جس کو روکنا کسی ایک انسان کے بس میں نہیں یہ حکومت اسلامی کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان گھروں کا تقدس بحال کریں اور ان ناعاقبت اندیش لوگوں کو ایسے کام سے روکیں جس کی وجہ سے دیندار طبقے پر حرف آتا ہو۔ اللہ کرے کہ جو بھی نیا علاقہ یا ہاؤسنگ سکیم بنے اس میں گھر خریدنے والے پہلے اس بات کی تحقیق کر لیا کریں کہ اس میں مسجد کے لئے کوئی مناسب جگہ مہیا کی گئی ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے یہ چندہ مانگنے کا رواج بھی ختم ہو جائے گا اور کسی ایک شخص پر بوجھ نہیں پڑے گا بلکہ مقامی لوگوں پر اس کی مساوی تقسیم ہو جائے گی۔

مساجد کی زیب وزینت میں یہود ونصاریٰ کی پیروی کرنے والوں کو انتباہ

(۲۸/۶۵۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى ـ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۳۱۰ حديث رقم ٤٤٨ ـ وأخرج البخاری تعليقاً "لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصاری" ۱/۵۳۹ باب بناء المساجد۔

ترجمہ: اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے مساجد کو بلند کرنے اور آراستہ کرنے کا حکم نہیں ہوا" اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "جس طرح یہود ونصاریٰ اپنے عبادت خانوں کی زینت کرتے ہیں اسی طرح تم بھی فقط (ظاہراً) مساجد کی زینت کرنے تک ہی محدود ہو جاؤ گے"۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ نبی کریم ﷺ نے بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ مجھے مساجد کی تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ان کی ظاہری زیب وزینت پہ فضول پیسے صرف کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور آپ ﷺ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ایسا وقت آئے گا کہ تم بھی یہود ونصاریٰ کی طرح اپنی مساجد کو فقط ان کی ظاہری زیبائش تک محدود کر دو گے اور اب بعینہٖ یہی معاملہ مسلمانوں کو درپیش ہے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اس کے خلاف کرنا فخر سمجھا جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے سے محض ظاہری نمود ونمائش کی خاطر سبقت لینے کے لئے مساجد پر خرچ کرتے ہیں اور ان کی ظاہری زیب وزینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ لیکن وہی لوگ جنہوں نے اس مسجد میں پیسہ خرچ کیا ہوتا ہے وہ اگرچہ اس مسجد کے ہمسائے میں ہی رہائش پذیر ہوتے ہیں لیکن جب فرض نماز کا وقت ہوتا ہے تو ایسے غائب ہوتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ یقین جانئے کہ بجائے اس کے کہ کنالوں پہ محیط مساجد تعمیر کی جائیں اور اس میں فقط پانچ نمازی ہوں۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ مساجد چاہے مناسب وسیع ہی ہو لیکن اس میں اس

علاقے کے تمام حضرات اہتمام سے نماز ادا فرمائیں تاکہ جس مقصد کی خاطر مساجد تعمیر کی جاتی ہیں وہ پورا ہو۔

(۶۵۵/۲۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِى الْمَسَاجِدِ۔

(رواه ابوداود والنسائى والدارمى وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ۱/ ۳۱۱ حديث رقم ۴۴۹ ـ وأخرجه النسائى فى السنن ۲/ ۳۲ حديث رقم ۶۸۹ وأخرجه الدارمى فى السنن ۱/ ۳۸۳ حديث رقم ۱۴۰۸ ـ وأخرجه ابن ماجة فى السنن ۱/ ۲۴۴ حديث ۷۳۹۔

ترجمہ: اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''علامات قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کی بابت فخر کیا کریں گے۔ (ابوداوٗد' نسائی' دارمی' ابن ماجہ)

تشریح ۞ مطلب بالکل واضح ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر والی حدیث مبارکہ میں آپ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب لوگ بڑی بڑی مساجد تعمیر کریں گے' انہیں آراستہ کریں گے لیکن اس میں ان کی ضرورت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں ہوگی بلکہ محض ریا و نمود کی خاطر ہوگا۔ اللہ عزوجل ہم سب کو محض نمود و نمائش کی خاطر مساجد کی تعمیر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

(۶۵۶/۳۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُرِضَتْ عَلَىَّ اُجُوْرُ اُمَّتِىْ حَتّٰى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَىَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِىْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَوْاٰيَةٍ اُوْتِيْهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا۔

(رواه الترمذى وابوداود)

أخرجه الترمذى فى السنن ۵/ ۱۶۳ حديث رقم ۲۹۱۶ وقال غريب لانعرفه إلا من هذا الوجه۔ وأخرجه أبوداوٗد فى السنن ۱/ ۳۱۶ حديث رقم ۴۶۱۔

ترجمہ: اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے سامنے میری امت کے ثواب پیش کئے گئے یہاں تک کہ اس کوڑے اور خاک کا اجر بھی جسے کسی آدمی نے مسجد سے جھاڑ دے کر باہر نکالا ہو اسی طرح میرے سامنے میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے ان گناہوں میں مجھ کو اس سے برا کوئی گناہ نظر نہیں آیا کہ کسی شخص نے قرآن کریم کی کوئی سورت یا آیت یاد کی ہو پھر اس کو اس نے بھلا دیا ہو۔ (ترمذی' ابوداوٗد)

تشریح ۞ زیر نظر حدیث کا مفہوم اس طرح ہے کہ مسجد سے صفائی کر کے کوڑا کرکٹ باہر نکالنا بھی ایک اجر و ثواب کا باعث ہے اور اس کام کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ وہی کرے گا۔ جس کے دل میں مسجد کا ادب واحترام موجود ہوگا۔ اس لئے آپ نے بھی اس کو ثواب کا کام قرار دیا ہے۔ نیز قرآن کریم کو حفظ کرنے کے بعد بھلا دینا خواہ مکمل ہو یا اس کا کوئی حصہ یا کوئی آیت تو یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے اس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے اس کو بھلا دینے کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ قرآن کریم مکمل یا اس کا کوئی حصہ حفظ کرنے کے بعد بھلا دیا جائے اور ایک مطلب یہ ہے کہ اسکے احکام کو پس پشت ڈال دیا جائے اور یہ دونوں کام اس وقت قرآن کریم کے ساتھ کیے جا رہے ہیں۔

مُنہ اندھیرے مسجدوں میں جانے والوں کو نورانی روشنی عطا کیا جانا

(۶۵۷/۳۱) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِى الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواه الترمذى وابوداود ورواه ابن ماجة) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَاَنَسٍ۔

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ۱/ ۳۷۹ حديث رقم ۵۶۱ ـ وأخرجه الترمذى فى السنن ۱/ ۴۳۵ حديث رقم ۲۲۳ وقال:

حدیث غریب من هذا الوجه مرفوع۔هو صحیح مسند و موقوف إلى أصحاب النبی ا ولم یسند إلى النبی ا۔

ترجمہ: اور سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو لوگ مُنہ اندھیرے مساجد کی طرف جاتے ہیں انہیں یہ خوشخبری پہنچادو کہ قیامت کے دن ان کے اس عمل کے باعث ان کو کامل اور مکمل روشنی نصیب ہوگی''۔(ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

تشریح ۞ رسول اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کی تصدیق مزید قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے :
﴿نُورُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [التحریم : ۸]
(ان کا نور ان کے دائیں اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا اور وہ اس طرح دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کا اتمام فرمادیجئے)۔

مساجد کو آباد کرنے والے ہی اللہ پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہیں

(۳۲/۶۵۸) وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَاَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ .

(رواه الترمذی و ابن ماجة و الدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۱٤ حدیث رقم ۲٦۱۷ وقال : غریب حسن۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲٦۳ حدیث رقم ۸۰۲ ولفظه "یعتاد" وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۳۰۲ حدیث رقم ۱۲۲۳۔وأخرجه احمد بلفظ "یعتاد" ۳/٦۸۔

ترجمہ: اور سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کو تم مسجد کی خبر گیری کرتے پاؤ تو اس کے ایمان کی گواہی دو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ (ترمذی' ابن ماجہ' دارمی)

تشریح ۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کی خبر گیری' دیکھ بھال کرنے والوں کو ایمان دار بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر مسجدوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔اُن کا یہ عمل ان کے ایمان کی گواہی دیتا ہے۔آپ کے دور میں ایسے لوگ پائے گئے جو مُنہ اندھیرے مسجد میں تشریف لاتے اور انتہائی سکوت کے ساتھ مسجد کی صفائی میں لگ جاتے اور اپنے آپ کو اس قدر خفیہ رکھتے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلتا کہ یہ کون شخص ہے یہاں تک کہ یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہوتا کہ یہ مرد ہے یا عورت۔اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو کرنے والے کیلئے ایمان کی نشانی بیان فرمایا۔

خصی ہونے کی ممانعت کا بیان

(۳۳/۶۵۹) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لَنَا فِى الْاِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰى وَلَا اخْتَصٰى اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِى الصِّيَامُ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِى السِّيَاحَةِ فَقَالَ اِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِى الْجِهَادُ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِى التَّرَهُّبِ فَقَالَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِى الْجُلُوْسُ فِى الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوةِ .

(رواه فی شرح السنة)

رواه فی شرح السنة ۲/۳۷۰ حدیث ٤۸٤۔

ترجمہ: اور سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو خصی ہونے کی اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ایسا شخص ہم میں سے نہیں۔ یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو جائے۔ میری امت کے لئے تو روزہ رکھنا (ہی) خصی ہونے کے مترادف ہے۔ یہ سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا پھر مجھے سیر و سیاحت کی اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ (مؤمن کی) سیر و سیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا تو پھر مجھے راہب بننے کی اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا مساجد میں ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا یہی میری امت کا راہب بننا ہے۔ (شرح السنۃ)

تشریح ❁ خواہشات نفسانی کا غلبہ ایک فطری امر ہے اسلام نے اس کو لگام دینے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اس کو تلف کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کے ضائع کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ درحقیقت اللہ عزوجل نے انسان کو دو متضاد قوتوں کا مجموعہ بنایا ہے اور اس کی فطرت میں خیر و شر ودیعت کئے اس میں سے ایک کا خاتمہ کر دیا جائے تو وہ انسان نظر آنے کے باوجود انسان نہیں رہے گا بلکہ انسان اس وقت تک انسان ہے جب ان دونوں قوتوں کے ہوتے ہوئے اپنے اختیار کے ساتھ ان سے کام لے۔ نسل انسانی کا تعلق قوت شر سے ہے اور اس قوت سے اس طرح کام لینا کہ نسل بھی جاری رہے اور اس طریقہ کو استعمال کیا جائے جس کے استعمال کی اسلام نے اجازت دی ہے اور اس طریقہ سے بچا جائے جس طریقہ سے اسلام نے بچنے کی ہدایت دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اس قوت شر کو اپنے جسم و جان سے بالکل نابود کر دے گا تو وہ گویا انسان اس لئے نہ رہا کہ اس نے نسل انسانی کی بقا کو ختم کر دیا۔ سیدنا عثمان بن مظعون نے اس قوت کو ختم کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے نہ صرف اجازت نہ دی بلکہ منع فرمایا اور ساتھ ہی اس کا علاج بھی بتا دیا کہ اس قوت کو مناسب انداز پر رکھنے کے لئے روزوں کا سلسلہ شروع کر لو۔ اس کے بعد انہوں نے اس علاج کو مشکل سمجھتے ہوئے سیر و سیاحت کی سختیاں برداشت کرنے کی اجازت طلب کی اور عین ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسا علاج بھی وہ سمجھتے ہوں کہ مطلوب فاصلہ سے شاید معاملہ کا حل نکل آئے۔ تو آپؐ نے فرمایا اس مقصد کے لئے اسلام نے جہاد فرض قرار دیا ہے کہ سیر و سیاحت بھی ہو جاتی ہے اور وقت بھی ضائع نہیں ہوتا۔ ویسے بھی بغیر کسی مقصد سے سیر و سیاحت کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ گویا اس کی اجازت بھی آپؐ نے مرحمت نہ فرمائی۔ تو سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپؐ اجازت دے دیں تا کہ میں راہب بن جاؤں اور راہب ہونا کیا ہے؟ یہی کہ گوشہ نشین ہو جاؤں اور دنیا سے علیحدگی کرنے کا اعلان کر دوں کیونکہ راہب لوگ دنیا کی تمام لذتوں اور مشغولیات کو بظاہر چھوڑ دیتے ہیں اور انتہا یہ ہے کہ راہب ہونے کے لئے ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نکاح جیسی چیز سے جو فطرت کے عین مطابق ہے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے ان کی اس خواہش کو بھی رد کر دیا اور فرمایا کہ ہم مسلمانوں کے لئے راہب ہونا یہ نہیں بلکہ اسلام میں راہب ہونا یہ ہے کہ دنیا کے تمام کاموں کو سرانجام دیتے ہوئے نماز کی اتنی پابندی کی جائے کہ ایک نماز ادا کرے اور دوسری نماز کی تیاری میں مصروف ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کام کاج چھوڑ کر بس ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے بلکہ نماز کے معاً بعد اپنے دنیاوی کام کاج میں مصروف تو ہو جائے لیکن دھیان اسی میں لگا رہے کہ اگلی نماز کا وقت تو نہیں ہو گیا' کہیں اللہ نہ کرے نماز سے لیٹ نہ ہو جاؤں۔

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ان باتوں کا خیال کیا ان کو ان ساری باتوں کے متعلق تفصیل چاہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تا کہ وہ ان لوگوں کو جو ان اختراعی طریقوں کو اپنا کر اپنا چرچا کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کو اس طرح تعلیم دینا مقصود تھا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے ان لوگوں کے لئے ہدایات فراہم کر دیں جو بات بھی آپؐ کے پیش نظر تھی انہوں نے اس طرح کے سوال و جواب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ان باتوں کی نفی آپؐ کی زبان اقدس سے کرا دی جو آپؐ کا پوری امت پر احسان ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اتنی احادیث اور اتنی وضاحت کے باوجود آج بھی لوگ نبی کریم ﷺ کی باتوں کے برعکس ہی عمل کرتے ہیں اور انہی میں فخر ڈھونڈتے ہیں۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اللہ عزوجل کو خواب میں دیکھنا

(۶۶۰/۳۴)وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ قَالَ فِیْمَا یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُّ بَرْدَھَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَتَلَا وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (رواہ الدارمی) مُرْسَلًا وَلِلترمذی نحوہ عنہ وعن ابن عباس ومعاذ بن جبل و زاد فیہ) قَالَ یَامُحَمَّدُ ھَلْ تَدْرِیْ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ نَعَمْ فِی الْکَفَّارَاتِ وَالْکَفَّارَاتُ الْمُکْثُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلٰوتِ وَالْمَشْیُ عَلَی الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ وَاِبْلَاغُ الْوُضُوْءِ فِی الْمَکَارِہِ وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ عَاشَ بِخَیْرٍ وَمَاتَ بِخَیْرٍ وَکَانَ مِنْ خَطِیْئَتِہٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِذَا صَلَّیْتَ فَقُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ فَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِکَ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَالدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلَاۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ وَلَفْظُ ھٰذَا الْحَدِیْثِ کَمَا فِی الْمَصَابِیْحِ لَمْ اَجِدْہُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِلَّا فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ۔

أخرجہ الدارمی فی السنن ۲/ ۱۷۰حدیث رقم ۲۱۴۹عن عبدالرحمن بن عائش أخرجہ الترمذی تعلیقًا من قول البخاری ۵/ ۳۴۴بعد حدیث ۳۲۳۵۔

ترجمہ: اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے اپنے رب کو خواب میں بہت اچھی صورت میں دیکھا تو میرے رب نے مجھ سے پوچھا کہ مقربین فرشتے کس طرح آپس میں بحث کر رہے تھے؟ میں نے عرض کیا اے میرے اللہ! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرا یہ جواب سن کر اللہ تعالیٰ نے میرے شانوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ میں محسوس ہوئی اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں میں جان چکا ہوں گویا وہی بات ہوئی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پیش آئی جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ''اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمان کی سیر کرائی تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں شامل ہو جائے''۔ دارمی (مرسلا) اور ترمذی نے بعض اختلاف کے ساتھ اس روایت کو عبدالرحمٰن بن عائش' ابن عباس اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے اس میں مزید یہ الفاظ ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو معلوم ہے کہ مقربین فرشتے کس حال میں بحث کر رہے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں میں نے جواباً عرض کیا ہاں؟ میں جانتا ہوں کہ وہ کفارات کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور وہ کفارات یہ ہیں کہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد مسجد میں دوسرے وقت کی نماز کے انتظار میں آدمی بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے خواہ اس کو پیدل چل کر آنا پڑے۔ نیز یہ کہ سردی ہو یا گرمی اچھی طرح وضو کرے اگر کوئی شخص ایسا کرے تو وہ بھلائی پر زندہ رہے گا اور بھلائی پر مرے گا اور اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا گویا اس کی ماں نے اُس کو آج ہی جنا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ نماز سے فارغ ہوں تو یہ دعا پڑھا کریں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ فَاِذَا اَرَدْتَّ

بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ (اے اللہ میں تجھ سے نیکیاں کرنے اور برائیوں سے بچنے اور مسکینوں کی دوستی کا سوال کرتا ہوں اور جب تو بندوں میں گمراہی ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر فتنہ و آزمائش کے اٹھا لیجئے) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ درجات یہ ہیں کہ ہر ایک کو سلام پیش کیا جائے (السلام علیکم کہا جائے) مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور رات کو اس وقت تک جب لوگ سوئے ہوئے ہوں نماز پڑھی جائے۔ صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ جیسا کہ مصابیح میں عبدالرحمٰن سے منقول ہے سوائے شرح السنہ کے کسی کتاب میں نہیں دیکھی"۔

تشریح ۞ خواب و خیال ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر کسی طرح کی کوئی بحث لاحاصل ہے اور نہ ہی اس کو موضوع بحث بنانا مفید ہے کیونکہ یہ اختیاری چیز نہیں اور جو کچھ اس میں دیکھا جاتا ہے اس کی حقیقت اور اصلیت محض تعبیرات ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ آپؐ کا خواب جو اس جگہ بیان ہوا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آپؐ نے اللہ رب العزت کو دیکھا نہ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ کیسا تھا؟ اور نہ اس طرح کی کوئی صورت تعبیر میں لائی جا سکتی ہے اس لئے کہ اللہ رب العزت جسم سے پاک ہے اور اس کے باوجود اس کو بیان کرتے وقت اس کے ہاتھ اور چہرہ اور پاؤں وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ سب چیزیں جسمانی ہیں تاہم ان کو محض اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ انسان کو کسی چیز کا اظہار کرنے کے لئے کسی پیرایہ بیان کی حاجت ہوتی ہے۔ پھر دو ہی طریقے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ ہی کا انکار کر دیا جائے جو یقیناً کفر ہے اور ایسا کرنا ممکن نہیں تو وہ ان چیزوں کو بیان کرنے کی حد تک تسلیم کرے گویا اس طرح کا خیال پیش کرنے کے لئے ایک دوسرا خیال تصور میں لے آئے اور یہی صورت حال اس جگہ اس طرح بیان کی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص بضد ہے کہ میرا یہ بیان صحیح نہیں تو اس کو چاہئے کہ وہ کوئی ایسا پیرایہ بیان بنائے جو اس سے بہتر ہو اور اس پر جسمانی ہونے کا اعتراض وارد نہ ہو۔ ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں۔ اس لئے ان تعبیرات کو قبول کر لینا چاہئے اور یہ کہ ان پر کسی قسم کی بحث متفرع نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً زیر نظر حدیث میں "اللہ تعالیٰ کو ایک خوبصورت صورت میں دیکھنے کا ذکر ہے" اور اس صورت کو زیر بحث لانا کہ وہ کیسی تھی سوائے ایک فضول بحث کے کچھ بھی نہیں کیونکہ جب دیکھنے کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے "صورت" کے علاوہ کوئی اور لفظ ایسا نہیں جس پر اعتراض وارد نہ ہو سکے۔ مثلاً ایک شخص بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "اس مسئلہ کی صورت یہ ہے" تو آپ اس صورت کے لفظ پر کیا بحث کریں گے کیا یہ تصویر مراد ہے؟

ایسے ہی اللہ عزوجل کا فرشتوں کی بابت پوچھنا کہ وہ کیا کر رہے تھے؟ کس بحث میں مبتلا تھے؟ یا آپس میں تنازعہ کس بات پر تھا؟ تو ظاہر ہے کہ یہ ایک پیرایہ بیان ہے ورنہ فرشتے کہاں جسمانی مخلوق ہے اور کہاں ان کی آپس کی باتیں انسان کی سمجھ میں آنے کی ہیں اور وہ کیا کیا بولی بولتے ہیں اور کیا ان کی بولی ہر ایک آدمی کی طرح بولی جاتی ہے۔ یہ تمام بحث فضول ہے۔ اس میں اس طرح کے سوال اٹھانا اور فرضی جواب پیش کرنا حقیقت سے دور ہوتے جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ آپؐ کے کندھوں کے درمیان رکھنا اور آپؐ کے لئے اس کی ٹھنڈک محسوس ہونا ایک اظہار تخیل ہے جس پر جسم و جان کی بحث اور اس کو حقیقی معنوں پر محمول کرنا سراسر زیادتی ہے۔ یہ سب کے سب استعارات و اشارات ہیں اور جب تک ان خیالات کو استعارات کا جامہ نہ پہنایا جائے ان کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور انسان اپنی روزمرہ زندگی میں اس طرح کا پیرایہ بیان اختیار کرنے پر مجبور محض ہے کیونکہ جب وہ بیان کرتا ہے کہ چڑیا نے یہ سوال کیا اور کبوتر نے اس کا یہ جواب دیا تو اس طرح بیان کرنے پر مجبور ہے ورنہ سب جانتے ہیں کہ چڑیا کا یہ سوال اور کبوتر کا اس طرح جواب ایک خیالی چیز ہے جس کو بیان کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور الفاظ ممکن نہیں لہٰذا ایسا بیان کرنے والے پر جھوٹ کا الزام عائد کرنا اور اس پر بحث اٹھانا محض بیکار ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے خیال میں بہت سی ایسی چیزیں محسوس کرتا ہے کہ جب وہ خیال کو اور اس احساس کو بیان کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس طرح کا جامہ پہنانے پر وہ مجبور ہے جیسا کہ آپؐ نے اللہ کے ہاتھ سے ٹھنڈک محسوس کرنے کو بیان فرماتے ہوئے ان الفاظ کا

جامہ پہنایا ہے۔ جس سے قارئین بات کو سمجھ جائیں۔

مختصر یہ کہ اللہ رب العزت کوئی مرئی چیز نہیں کہ وہ کسی طرح کا کوئی جسم رکھتا ہو لیکن اس کے باوجود اس کی ذات سے انکار سراسر کفر ہے پھر اس کی ذات کو ماننا اور تسلیم کرنا ایک فطری امر ہے اور جب تک اس کو مرئی الفاظ میں پیش نہ کیا جائے اس وقت تک اس کے متعلق لب کشائی نہیں کی جاسکتی اور یہ بھی کہ جب وہ ہے اور لاریب ہے تو اس کے ہونے کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کی ضرورت ہے اور ان الفاظ کے سوا کوئی دوسرے الفاظ ایسے نہیں جن میں اس کو بیان کیا جائے اور وہ سمجھ میں بھی آجائے۔

(۶۶۱/۳۵) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ رَجُلٌ خَرَجَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ حَتّٰى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ اَوْ يَرُدَّهُ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ وَرَجُلٌ رَاحَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۳/۱٦ حديث رقم ۲٤۹٤۔

ترجمہ: اور سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تین اشخاص ایسے ہیں جن کا ذمہ اللہ عزوجل نے لیا ہے کہ ان کو آخرت کے مصائب سے دور رکھے گا: ① ایک وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا تو وہ اللہ کریم کی ذمہ داری میں ہے کہ یا تو اس کو شہادت عطا فرما کر جنت پہنچائے یا غازی بنا کر اس کو گھر میں بھیج دے اور اسے مال و متاع دے کر دنیوی فائدہ سے مالا مال کر دے۔ ② دوسرا شخص وہ ہے جو محض اللہ کی رضا کے لئے مسجد جائے اللہ اس کا ضامن ہے کہ اس کو اس کی عبادت کا اجر و ثواب مرحمت فرمائے۔ ③ تیسرا وہ جو گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں پر سلام پیش کرے تو وہ بھی گویا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے“۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں گزشتہ کئی احادیث کی طرح ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے انعامات سے نوازے اور آخرت میں بھی۔ ان میں سے پہلا شخص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلتا ہے۔ جہاد کی کئی اقسام ہیں اور ہر قسم کے جہاد کو جہاد ہی کہا جائے گا۔ جبکہ وہ دین کی خاطر ہو تو گویا اللہ کی راہ میں جہاد میں نکلنے والا اللہ کے ذمہ میں ہے اس کی وضاحت حدیث کے مضمون کے اندر کر دی گئی ہے۔ اگر ترجمہ کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کی گئی تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سمجھ نہ آئے دوسرا شخص وہ ہے جو نماز کے لئے نکلتا ہے اور مسجد میں بروقت پہنچ کر باجماعت نماز ادا کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس کی یہ کوشش اگر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے تو بلاشبہ وہ اللہ کے ذمہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی اپنے انعامات سے مالا مال کرتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو کامیاب کرنے کی ضمانت دی گئی ہے اور تیسرے شخص کا ذکر یہ ہے کہ جو گھر میں سلام کرتا ہوا داخل ہوتا ہے اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر کیسے ہے۔ اس کو سمجھ لینا چاہئے سلام کے معنی سلامتی کے ہیں جب کوئی شخص کسی کو سلام کہتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے سلامتی میں رکھے اس لئے کہ سلامتی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کسی انسان کے پاس نہیں نہ سلام کہنے والے کے پاس اور نہ جس کو سلام کہا جائے اس لئے جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور اپنے گھر والوں پر سلام کہتا ہے تو گویا وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ سلامتی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ تم سب کو سلامت رکھے اور تم کو خیر و برکت سے نوازے تم پر اپنی عنایتوں اور رحمتوں کے دروازے کھول دے تو گویا یہ وہ دعا ہوئی جو خالصۃً اللہ سے کی گئی اور اللہ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے کیونکہ یہ اس کا اعلان عام ہے جو وعدہ الٰہی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اللہ اپنے وعدے کا پکا ہے نہ خلاف کرتا ہے اور نہ ہونے دیتا ہے۔

وضو گھر سے ہی کر کے جانا افضل ہے

(۶۶۲/۳۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ عَلٰى اِثْرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِيْ عِلِّيِّيْنَ۔ (رواہ احمد وابوداود)

اخرجه احمد فی المسند ٥/٢٦٨۔واخرجه ابوداوٗد فی السنن ١/٣٧٧حدیث رقم ٥٥٨۔

ترجمہ: اور سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص وضو کر کے گھر سے نکلا اور فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد گیا تو وہ اتنے ثواب کا مستحق ہوا جتنے ثواب کا مستحق احرام باندھ کر حج کرنے والا ہے اور جس شخص نے چاشت کی نماز ادا کی اُس نے عمرہ کا ثواب پایا اور ایک نماز باجماعت ادا کرنا دوسری نماز باجماعت ادا کرنے تک ان دونوں نمازوں کے درمیان جو گناہ اس سے سرزد ہوئے یا لغو باتیں ادا ہوئیں وہ سب اس کو معاف کر دی گئیں اور اس کا یہ عمل ''علیین'' میں لکھا گیا جو ایک محفوظ مقام ہے۔ (ابوداود)

تشریح ۞ زیر نظر حدیث میں وضو کو احرام سے اور نماز کو حج سے مشابہت دی گئی ہے اور ان دونوں میں تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ حاجی جب حج کے ارادہ سے نکلتا ہے اور احرام باندھ کر حج کرتا ہے اسی طرح ایک آدمی جب نماز کو نکلتا ہے تو وضو کر کے نماز پڑھتا ہے اور جونہی حاجی احرام باندھتا ہے اس کے حج کا ثواب شروع ہو جاتا ہے اور اسی طرح جونہی ایک نمازی وضو کرتا ہے تو اس کی نماز کا اجر شروع ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک حاجی ارکانِ حج ادا کر کے جب تک واپس نہیں لوٹتا اس کا اجر جاری رہتا ہے اسی طرح ایک نمازی نماز ادا کر کے جب تک گھر نہیں پہنچ جاتا اس کی نماز کا اجر جاری رہتا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو جس طرح حج فرض ہے اسی طرح نماز فرض ہے اور جس طرح عمرہ سنت ہے اسی طرح نماز فرض سے پہلے یا بعد سنت ہے جس طرح عمرہ کا اجر ملتا ہے اس نفل نماز کا اجر بھی ملتا ہے یہ وہ تشبیہ تھی جس کی بناء پر وضو اور نماز کو احرام اور حج اور نفلی نماز کو عمرہ سے تشبیہ دی گئی حدیث کے آخر میں یہ بات فرمائی گئی کہ نیکیوں کا اجر جس مقام پر محفوظ ہوتا ہے اس مقام کا نام ''علیین'' ہے اور آپ کے اس بیان کے بعد پھر بھی یہ خیال کرنا کہ مکان ''علیین'' نیک روحوں کا مقام ہے اس بات کو آپ خود سمجھ لیں کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی اور جو بات دوسرے لوگ کہتے ہیں اس میں فرق کتنا ہے اور صحیح کیا ہے۔

تسبیحات' جنت کے میوے

(۶۶۳/۳۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ قِيْلَ وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٤٩٧حدیث رقم ٣٥٠٩۔وقال: حسن غریب۔

ترجمہ: اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم جنت کے باغوں میں جاؤ تو وہاں سوکھا میوہ کھاؤ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ دنیا میں جنت کے باغات کہاں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ

مساجد ہیں۔ پھر آپؐ سے دریافت کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میوہ کھانا کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ((سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ)) اللہ پاک ہے اور تمام اچھی تعریفیں اسی کے لئے ہیں اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے مسجدوں میں ان تسبیحات کا ادا کرنا سو کھا میوہ کھانا (ہی تو) ہے"۔ (ترمذی)

تشریح ۞ مساجد کو جنت کے باغوں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ مساجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے عبادت گزار بندوں کے لئے جنت کا اعلانِ عام کر رکھا ہے اس لحاظ سے مسجدوں کو جنت کے باغ کہا گیا نماز اور اذکار نماز اور نماز سے فراغت کے بعد اذکار کو جنت کے میووں سے تشبیہ دی گئی اس لئے کہ جنت کے میوے کھانے میں اور حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اور ان کلمات کو ادا کرنے میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آتی اس طرح آپؐ نے مسلمانوں کو ترغیب دے کر جنت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے

(۶۶۴/۳۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَتَی الْمَسْجِدَ لِشَیْءٍ فَھُوَ حَظُّہٗ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۳۲۰ حدیث رقم ۴۷۲۔

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص مسجد میں آئے گا وہ جس کام کے لئے آئے گا اسے اس میں سے حصہ عطا کیا جائے گا"۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ آدمی جس غرض سے مسجد میں آتا ہے وہ اس غرض کو پالیتا ہے جو شخص اللہ کی رضا کے لئے مسجد میں آیا اس نے اللہ کی رضا حاصل کر لی اور جو شخص لوگوں کو دکھلانے کے لئے آیا اور لوگوں نے اسے نمازی سمجھا اور اس طرح اس نے اپنے آپ کو نمازی کہلایا اس طرح جو اس کا مقصد تھا وہ حل ہو گیا۔

مسجد کے اندر جاتے اور باہر آتے وقت کی تسبیحات

(۶۶۵/۳۹) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِھَا فَاطِمَةَ الْكُبْرٰی قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ رواہ الترمذی واحمد وابن ماجة وفی روایتھما قَالَتْ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا اِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ بَدَلَ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ الترمذی لَيْسَ اِسْنَادُہٗ بِمُتَّصِلٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرٰی۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۱۲۷ حدیث رقم ۳۱۴ وقال حدیث حسن ولیس إسناده بمتصل۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۶/ ۲۸۲۔ وابن ماجة فی السنن ۱/ ۲۵۳ حدیث رقم ۷۷۱۔ وذکر بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ۔

ترجمہ: سیدہ فاطمہ بنت حسین اپنی دادی فاطمہ کبریٰؓ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تو محمدؐ پر درود و سلام بھیجتے اس کے بعد یہ دعا پڑھتے: رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ اے میرے رب میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے باہر آتے تو محمدؐ پر درود و سلام بھیج کر اس طرح دعا پڑھتے رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ اے میرے رب میرے گناہ بخش

دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے" یہ روایت ترمذی' احمدؒ ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور احمدؒ ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ سیدہ فاطمہ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب باہر نکلتے تو صلی علی محمد وسلم کی بجائے یہ الفاظ فرماتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ میں اللہ کے نام سے داخل ہوتا ہوں اور نکلتا ہوں اور سلامتی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں کیونکہ حضرت حسین کی دختر فاطمہ نے سیدہ فاطمہ زہراء بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ ان سے ملاقات ہوئی۔

تشریح ۞ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درود وسلام کے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ان کو چھوڑ کر نئے نئے الفاظ تجویز کرنا اور ان کا نام درود وسلام رکھنا شرک فی الرسالت کا مرتکب ہونا ہے۔ رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کیا جاتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اللہ کا ارشاد کہا جا سکتا ہے لیکن کسی اور کے پیغام کو اللہ کے رسول کا پیغام بنانا اور اس کو درود وسلام کا نام دینا اللہ کے رسول کے ساتھ رسالت میں کسی دوسرے کو شریک کرنا ہے جس کا کسی کو حق نہیں۔

فاطمہ صغریٰ جو اس کی راوی ہیں حضرت حسین کی صاحبزادی ہیں انہوں نے اپنی دادی سیدہ فاطمہ الزہرا بنت رسول اللہؐ کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ سیدہ فاطمہ کے آخری وقت تک امام حسینؓ کی عمر آٹھ سال کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں فاطمہ کے درمیان کوئی راوی متروک ہے۔

مساجد میں ممنوع کئے گئے کام

(۶۶۲/۴۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ تَنَاشُدِ الْاَشْعَارِ فِى الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيْهِ وَاَنْ يَّتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِى الْمَسْجِدِ.

(رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبوداؤد فى السنن ۱/۶۵۱ حديث رقم ۱۰۷۹۔ وأخرجه الترمذى فى السنن ۲/۱۳۹ حديث رقم ۳۲۲ وقال حديث حسن۔ وأخرجه النسائى مختصرًا فى السنن ۲/۴۷ حديث رقم ۷۱۴۔ وأخرجه ابن ماجة فى السنن مختصرًا ولم يذكر التحلق يوم الجمعة ۱/۲۴۷ حديث رقم ۷۴۹۔

ترجمہ: اور عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں میں اشعار پڑھنے' خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے لوگوں کو حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابوداؤد' ترمذی)

تشریح ۞ اس جگہ حدیث کے الفاظ ((تَنَاشُدِ الْاَشْعَارِ)) یعنی شعر گانے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں شاعروں کی پیروی کرنے والوں کو "غاوٗون" بتایا گیا ہے جس کے معنی کمی بیشی کرنے کے ہیں۔ گویا شاعر لوگ اپنے کلام میں جو کچھ بیان کرتے ہیں اس میں مبالغہ یا ہجو کا پہلو مخفی ہوتا ہے۔ اس لئے شاعروں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا تاہم وہ اشعار جن میں اس طرح کی مبالغہ آرائی نہ کی گئی ہو ان کو لوگوں کی تفہیم کے لئے پڑھ کر سنانا بری بات نہیں اور نہ اس سے روکا گیا ہے جس چیز سے روکا گیا ہے وہ وہی ہے جس کو ہم نے مبالغہ آرائی سے بیان کیا ہے۔ یقیناً مسجد میں اس طرح کی کوئی مبالغہ آرائی ہوئی ہوگی جس کی وجہ سے آپؐ نے یہ ممانعت فرمائی۔

مسجد میں خرید و فروخت ممنوع ہے اسی طرح دنیا کے دوسرے معاملات سے بھی روکا گیا ہے جن کا تعلق دین اسلام سے نہ ہو محض رواجات سے ہو جمعہ کے روز نماز پڑھنے سے پہلے مسجد میں حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے کہ حلقہ باندھ

کر بیٹھنا باتوں میں مصروف ہونا ہے اور جمعہ کی نماز سے پہلے باتوں کی مشغولیت سے منع فرمایا گیا ہے۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ جولوگ جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں داخل ہوں وہ جنت کے پھل چنیں یعنی ورد و وظائف میں مشغول ہوں باتیں نہ کریں اگر چہ وہ باتیں دین کی ہوں کیونکہ باتوں میں تکرار ہونا ضروری ہے جس سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ وقت خاموش اور چپ رہنے کا ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس وقت خطبہ شروع ہو جائے اور خطیب کے آنے سے پہلے لوگ اس طرح کے حلقوں میں مصروف ہوں۔

مساجد میں بیع اور گمشدگی کے اعلانات کی ممانعت

(۶۶۷/۴۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَاَیْتُمْ مَنْ یَّبِیْعُ اَوْ یَبْتَاعُ فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَاَیْتُمْ مَنْ یَّنْشُدُ فِیْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَیْكَ. (رواه الترمذی والدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳/ ۶۱۰ حدیث رقم ۱۳۲۱ وقال حسن غریب وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/ ۳۷۹ حدیث رقم ۱۴۰۱۔

ترجمہ: اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو اللہ کرے تیری اس سوداگری میں نفع نہ ہو اور جب تم کسی شخص کو بلند آواز سے گم شدہ چیز ڈھونڈتے ہوئے دیکھو تو کہو اللہ کرے تیری یہ چیز نہ ملے۔ (ترمذی، داری)

تشریح ۞ اس مضمون کی احادیث پیچھے بھی گزر چکی ہیں خیال رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تجارت کرنے اور اعلانات کرنے سے روکا ہے لیکن اس کے باوجود جو شخص باز نہ آئے اس کو اس طرح کی بددعا دینے کا حکم ہے اس لئے کہ وہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ جس بات سے روکا گیا ہے اس سے مجھے رکنا چاہیے۔

مساجد میں حدود قائم کرنے کی ممانعت کا بیان

(۶۶۸/۴۲) وَعَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یُّسْتَقَادَ فِی الْمَسْجِدِ وَاَنْ یُّنْشَدَ فِیْهِ الْاَشْعَارُ وَاَنْ تُقَامَ فِیْهِ الْحُدُوْدُ.

(رواه ابو داود فِیْ سُنَنِهٖ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْاُصُول فِیْهِ عَنْ حَکِیْمٍ وَفِی الْمَصَابِیْحِ عَنْ جَابِرٍ)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۴/ ۶۲۹ حدیث رقم ۴۴۹۰۔ وأخرجه أحمد مختصراً فی مسنده ۳/ ۴۳۴۔

ترجمہ: اور سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے اشعار پڑھنے اور حدود کے قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد) اور اس روایت کو صاحب جامع الاصول نے اپنی کتاب جامع الاصول میں حکیم سے یعنی بغیر لفظ ابن حزام کے روایت کیا ہے۔ نیز یہ روایت مصابیح میں جابر سے نقل کی گئی ہے۔

تشریح ۞ جیسا کہ پیچھے بہت سی احادیث میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے تقدس کے خلاف جتنے کام ہیں وہ سب ممنوع قرار دیے ہیں۔ زیر نظر حدیث میں قصاص لینا اشعار پڑھنا اور زنا اور شراب کی حدود قائم کرنا جیسے تمام کاموں سے روکا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ کام فی الواقع مسجد کے تقدس کے خلاف ہیں۔ لیکن اس رواج کا ستیاناس کہ آج کل خصوصاً دیہات میں مساجد کے اس تقدس کو مجروح کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی گمشدگیوں کے اعلان تجارت کے اعلان اور اس طرح دوسری تمام ضرورتوں کے اعلانات کھلے طور پر کیے جا رہے ہیں اور ان چیزوں کی ممانعت کی کوئی پرواہ نہیں کی جا رہی باوجود اس کے کہ یہ وہ باتیں ہیں جن میں کسی مکتب فکر کا بھی اختلاف موجود نہیں صرف سپیکر کی سہولت موجود ہونے کے باعث لوگ اندھے بہرے ہو کر ان کاموں کے مرتکب ہو

رہے ہیں۔ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

کچا لہسن اور پیاز کھا کر مساجد آنے کی ممانعت

(۶۶۹/۴۳) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِي الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ اَكَلَهُمَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ لَابُدَّا آكِلِيْهِمَا فَاَمِيْتُوْهُمَا طَبْخًا۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ٤/٢٧٢ حديث رقم ٣٨٢٧۔ وأخرجه أحمد فی المسند ٤/١٩۔

ترجمہ: اور سیدنا معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درختوں یعنی پیاز اور لہسن (کے استعمال) سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے جو شخص ان کو کھائے وہ ہماری مساجد میں نہ آئے۔ نیز فرمایا کہ اگر ان کا کھانا ضروری سمجھو تو ان کو پکا کر ان کی بدبو کو دور کر دو پھر کھالو۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا مضمون پیچھے کئی بار گزر چکا ہے۔ اس بات کو اس لئے بار بار دہرایا جا رہا ہے تا کہ لوگ مسجدوں کے تقدس کو پامال نہ کریں کیونکہ مسجدوں میں سب لوگوں کو آنے کا حق ہے اور جہاں لوگوں کا اجتماع ہو وہاں ایسا کام کرنا جس سے ساتھیوں کو تکلیف ہو وہ جائز نہیں، کچی پیاز، کچا لہسن، مولی اور اس طرح کی بعض اور چیزیں اگر کچی استعمال کی جائیں تو کھانے والے سے ایک طرح کی بو یا مہک آتی ہے جس سے اس کی کراہت کے باعث دوسروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے ان کو کچا استعمال کرنا درست نہیں قرار دیا گیا ہاں کوئی طریقہ ایسا ہو جس سے ان چیزوں کی بو ختم ہو جائے تو پھر ان کے کھانے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ زیر نظر حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ان چیزوں کے پکانے سے ان کی بو ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا پکا کر کھانے کی ممانعت نہیں اگر اس کی بو ختم کرنے کی کوئی اور صورت بھی ہو تو یہ ممانعت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

قبر اور نہانے کی جگہ پر نماز پڑھنے کی ممانعت کا بیان

(۶۷۰/۴۴) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبُرَةَ وَالْحَمَّامَ۔

(رواه ابوداود والترمذی والدارمی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ١/٣٣٠ حديث رقم ٤٩٢۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ٢/١٣١ حديث رقم ٣١٧ وقال فيه اضطراب ۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ١/٢٤٦ حديث رقم ٧٤٥۔ وأخرجه الدارمی فی السنن ١/٣٧٥ حديث رقم ١٣٩٠۔

ترجمہ: اور سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مقبرہ اور حمام کے علاوہ ساری زمین مسجد ہے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہر جگہ نماز پڑھی جا سکتی ہے"۔

تشریح: بعض مقامات ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنے سے آپ نے منع فرمایا ہے ان میں سے بعض ایسے ہیں جن میں گندگی کا اثر ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جہاں مختلف طرح کے خطرات ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جہاں شرک کی آمیزش کا خطرہ ہوتا ہے۔ زیر نظر حدیث میں دو مقامات کا ذکر کیا گیا ہے ایک قبریں اور دوسرا حمام قبروں میں نماز پڑھنے سے شرک کا ارتکاب ہوتا دکھائی دیتا ہے اور حمام میں نہانے دھونے کی غرض سے لوگ ننگ دھڑنگ بھی آتے جاتے رہتے ہیں اور غلط طرح کی گفتگو کا بھی احتمال ہوتا ہے۔

سات ایسے مقامات کا بیان جہاں نماز کی ممانعت ہے

(۶۷۱/۴۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُصَلّٰى فِيْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ

وَالْمَقْبُرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَفِى الْحَمَّامِ وَفِى مَعَاطِنِ الْاِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ ۔ (رواه الترمذی و ابن ماجة)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/ ۱۷۷ حديث رقم ۳۴۶ وقال إسناده ليس بذاك القوى۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/ ۲۴۶ حديث رقم ۷۴۶۔

ترجمہ: اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سات مقامات پر نماز پڑھنا ممنوع ہے: (۱) وہ جگہ جہاں ناپاک چیزیں ڈالی جاتی ہوں (۲) جہاں جانور ذبح کیے جاتے ہوں (۳) مقبرہ (۴) راستہ کے درمیان (۵) حمام کے اندر (۶) اونٹوں کے باندھنے کی جگہ (باڑہ) (۷) بیت اللہ کی چھت۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح ۞ جیسا کہ پیچھے ہم نے ذکر کیا ہے کہ بعض مقامات پر آپؐ نے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ ممانعت ضرورت کے مطابق آپؐ نے بیان فرمائی ہے۔ جہاں ضرورت سمجھی ہے ایک مقام کا ذکر کیا ہے۔ جہاں ضرورت سمجھی ہے دو مقامات کا ذکر کیا ہے اور جہاں ضرورت سمجھی تین یا چار جگہوں سے نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اس جگہ سات جگہوں سے منع فرمایا ہے کہ یہاں نماز ادا نہ کی جائے اور ان میں بعض جگہیں ایسی ہیں جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے اور بعض ایسی ہیں جن کا ذکر پیچھے نہیں کیا گیا۔

① وہ جگہ جہاں ناپاک چیزیں ڈالی جاتی ہیں اس کو ہمارے اس ماحول میں ''روڑی'' کا نام دیا جاتا ہے جہاں روزانہ لوگ کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس جگہ کے ناپاک ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ناپاک جگہ میں ایسا پاک عمل کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

② جہاں جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہاں بھی دراصل گند موجود ہوتا ہے کیونکہ وہاں اوجھڑیاں صاف ہوتی ہیں۔ خون بہایا جاتا ہے انتڑیاں پھینکی جاتی ہیں اور ان چیزوں کو کھانے کے لئے درندے اور چیلیں بھی پائی جاتی ہیں جس کے باعث اس کے گندا ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

③ مقبرہ میں نماز پڑھنا منع فرمایا گیا ہے اس لئے کہ نماز سجدہ، قیام اور رکوع جیسی عبادت ہے اور آدمی جب سجدہ کرے گا اور دیکھنے والا دیکھے گا تو اس کو شک گزرے گا شاید اس قبر کو سجدہ کیا جا رہا ہے اور بات سمجھانے سے بھی یہ شک موجود رہتا ہے۔

④ راستہ کے درمیان۔ اس لئے کہ راستہ پر ہر ایک چیز کا چلنا مقصود ہوتا ہے اور لوگوں کی آمد و رفت بھی راستہ پر ہوتی ہے اور نمازی کے لئے یہ باتیں باعث کلفت ہیں اور نمازی بھی ان لوگوں کے لئے باعث کلفت ہو سکتے ہیں۔

⑤ حمام کے اندر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے حمام میں مالش کی جاتی ہے۔ لوگ غسل کرنے کو آتے ہیں۔ حجامت بنوانے کے لئے آتے ہیں اور لوگوں کا ننگا دھڑنگا آنا جانا بھی کثرت سے پایا جاتا ہے لہٰذا اس سے منع کیا گیا ہے۔

⑥ اونٹوں کے باندھنے کی جگہ گندی بھی ہوتی ہے اور باڑہ کے اندر اونٹ رکھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو چھیڑنے سے بھی وہ باز نہیں آتے اس لئے وہاں بھی نمازی کے لئے ایک سے زیادہ خطرات موجود ہیں۔

⑦ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے اس لئے روکا گیا ہے کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے قبلہ کی جہت مقرر نہیں کی جا سکتی اور قبلہ کا تعین نماز کے لئے ضروری امر ہے۔

اونٹوں کے باڑے میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے لیکن بھیڑ، بکری کے پڑھی جا سکتی ہے

(۴۶/۶۷۲) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلُّوْا فِىْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوْا فِىْ اَعْطَانِ الْاِبِلِ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/ ۱۸۰ حديث رقم ۳۴۸۔ وأخرجه ابن ماجة مع زيادة في السنن ۱/ ۲۵۲ حديث رقم

۷۶۸۔ وکذلک أحمد فی المسند ۲/ ۴۵۱۔ والدارمی فی السنن ۱/ ۳۷۵حدیث رقم ۱۳۹۱۔

ترجمہ: اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بکریوں کے باندھنے کی جگہ نماز پڑھ لو لیکن اونٹوں کے رہنے کی جگہ مت نماز پڑھو۔ (ترمذی)

تشریح ۞ بھیڑ اور بکری کے باڑہ کو حفاظت کے بغیر چھوڑا نہیں جاسکتا کیونکہ وہاں بھیڑیے اور اس طرح کے دوسرے درندوں کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا ہے پھر بھیڑ اور بکری ایسا جانور نہیں جو انسان کو کسی طرح سے گزند پہنچائے اس لئے اس جگہ نماز پڑھنے والا آرام اور سکون کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔

اونٹوں کے باڑے میں نہ تو کسی درندے کا کوئی خطرہ ہے کہ کوئی درندہ اتنے بڑے جانور پر حملہ کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اونٹ اگر بندھے ہوئے بھی ہوں تو ان کی حرکتوں کی زد میں کسی وقت بھی انسان آسکتا ہے اور اونٹوں کا گند بھی ایسا ہے کہ اس کو صاف کرنا اتنا آسان نہیں ان باتوں کے پیش نظر اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے اور بھیڑوں اور بکریوں کے باڑہ سے نہیں۔

قبور پر غیر شرعی اعمال سرانجام دینے والے مرد وزن پر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت

(۴۷/۶۷۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ. (رواہ ابوداود والترمذی والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳/ ۵۵۸حدیث رقم ۳۲۳۶۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۱۳۶حدیث رقم ۳۲۰ وقال حدیث حسن ۔وأخرجه النسائی فی السنن ۴/ ۹۴حدیث رقم ۲۰۴۳۔ وأخرج ابن ماجة أوله ۱/ ۵۰۲۔ حدیث رقم ۱۵۷۵۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۱/ ۲۲۹۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنا لینے والوں پر اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد ترمذی نسائی)

تشریح ۞ زیر نظر حدیث میں تین باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ پہلی بات عورتوں کا قبروں کی زیارت کے لئے جانا ہے اور اس میں اختلاف پایا گیا ہے۔ بعض اس کی ممانعت کے قائل ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ شروع اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔ اس سلسلہ میں بہت لمبی بحثیں کی جاچکی ہیں اور کی جارہی ہیں اور کی جاتی رہیں گی اس لئے کہ جہاں ممانعت کی روایات موجود ہیں وہاں اجازت کی بھی کوئی نہ کوئی روایت آجاتی ہے۔ دراصل ایسی باتوں پر جن کی ممانعت بھی ہو اور اجازت بھی اُن میں سوچ وبچار کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ ہر انسان کی سوچ اپنی اپنی ہے اس وجہ سے بیانات مختلف دیئے جاتے ہیں ہم اس جگہ علمائے کرام کا احترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے چند سطور میں تجزیہ پیش کرتے ہیں اور اپیل کرتے ہیں کہ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

جب سے انسان نے اس دھرتی پر قدم رکھا اور اس کو دو صنف میں پیدا فرمایا گیا اُس وقت سے لے کر آج تک عورتیں مردوں کی نسبت اوہام کا شکار زیادہ ہوتی ہیں اور یہ اُن کی تخلیق کے باعث ہے۔ اس لئے اسلام نے ان کو بعض کاموں میں مردوں کی نسبت کم اہمیت دی ہے۔ ان کاموں میں سے ایک کام قبروں کی زیارت بھی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت سے اس لئے منع فرمایا کہ لوگ قبروں پر وہ کام کرتے ہیں جو کام شرک کے کہلاتے ہیں مثلاً منتیں مانتے ہیں' ان مقامات پر ذبیحہ کرتے ہیں' قبروں والوں

کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کو پکارتے ہیں اور قبروں پر سجدے کرتے ہیں لیکن یہ سارے کام ساری قبروں پر نہیں ہوتے بلکہ مخصوص قبروں پر ہوتے ہیں۔ اس لئے مخصوص قبروں کی زیارت سے روکا گیا اور اسی طرح دوسرے تمام کاموں سے بھی اسلام آنے کے بعد لوگوں نے ان مسائل کو سمجھا ان حرکات سے باز آئے اور مردوں کو دفنانے کے لئے قبروں پر آنا جانا ضروری ٹھہرا۔ آپ نے ان مخصوص قبروں کی زیارت سے جو روکا تھا اس پر لوگوں نے عام قبروں کی زیارت سے بھی اپنے آپ کو باز رکھا پھر آپ نے عام قبروں کی زیارت کا حکم دیا اس لئے کہ یہ لوگوں کی عبرت کا باعث ہے تو لوگوں نے اس اجازت کو تمام قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت سمجھ لیا حالانکہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے عورتوں کی حالت چونکہ یکساں نہیں ہوتی اور وہم کی زیادہ شکار ہو جاتی ہیں۔ اس لئے بعض اوقات عام قبروں کی زیارت سے بھی عورتوں کو روکا گیا ہے لیکن عورتوں کے تقاضے پر اور ان کے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ سے چند ایک قیود کو باقی رکھ کر عورتوں کو قبروں کی زیارت کی اجازت دے دی اور اس اجازت دینے اور نہ دینے میں ابہام پیدا ہو گیا۔

مختصر یہ کہ ایسے حالات میں کہ عورتیں شرعی ناپاکی کی حالت میں نہ ہوں اور وہم میں مبتلا بھی نہ ہوں محض عبرت حاصل کرنے کے لئے عام قبروں یعنی قبرستانوں میں جائیں تا کہ اپنی آخری آرام گاہ کو دیکھ سکیں تو اس کی اجازت ہے لیکن مخصوص قبروں پر جانے اور ان کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ وہاں جا کر عورتیں شریعت اسلامی کا پاس نہیں رکھ سکیں گی اس لئے مخصوص قبروں کی زیارت سے ان کو منع کیا گیا ہے اور اس طرح کی ممانعت مردوں کے لئے بھی بدستور موجود ہے لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ احناف کے نزدیک عورتوں کا قبرستان نہ جانا اصل قرار دیا گیا ہے بناء بریں زیادہ بہتر اور مناسب بھی یہی ہے۔

دوسری وہ باتیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ہے اور قبروں پر چراغ جلانا ہے اور ان دونوں چیزوں سے مردوں عورتوں چھوٹوں بڑوں سب کو منع کیا گیا ہے اور اس میں کسی طرح کی کوئی اجازت نہیں دی گئی جن کاموں کی اجازت نہیں دی گئی اُن میں آج بدقسمتی سے ہم بہت آگے نکل گئے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے آپ نے ان کاموں سے روکا نہیں بلکہ ان کے کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر جتنا افسوس کیا جائے اتنا ہی کم ہے اللہ مسلمانوں کو سمجھنے کی توفیق دے اور اس طرح وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی باتوں کی اہانت کے مرتکب نہ ہوں کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

اللہ عزوجل اور جبرئیل علیہ السلام کے درمیان ستّر ہزار پردے حائل ہیں

(۶۷۴/۴۸) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ اِنَّ حِبْرًا مِّنَ الْیَهُوْدِ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَسَکَتَ عَنْهُ وَقَالَ اَسْکُتُ حَتّٰی یَجِیْءَ جِبْرِیْلُ فَسَکَتَ وَجَاءَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَسَاَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰکِنْ اَسْاَلُ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ثُمَّ قَالَ جِبْرِیْلُ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَکَیْفَ کَانَ یَاجِبْرِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَخَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا۔ (رواه ابن حبان فی صحیحه عن ابن عمر)

اخرجه أبوداؤد فی السنن ۵۵۸/۳ حدیث رقم ۳۲۳۶۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۱۳۶/۲ حدیث رقم ۳۲۰ وقال حدیث حسن۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۹۴/۴ حدیث رقم ۲۰۴۳۔ وأخرج ابن ماجة أوله ۵۰۲/۱۔ حدیث رقم ۱۵۷۵۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۲۲۹/۱۔

ترجمہ: اور سیدنا ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی عالم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ بہتر جگہ کون سی ہے؟ آپ اس کے جواب میں خاموش رہے اور فرمایا جب تک جبریل نہیں آئیں گے میں خاموش رہوں گا۔ مختصر یہ کہ آپ

خاموش رہے جب جبرئیلؑ آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ اس معاملہ میں میں آپؐ سے زیادہ نہیں جانتا البتہ میں اپنے ربّ ذوالجلال والاکرام سے اس کے متعلق ضرور پوچھوں گا۔ پھر جبرئیلؑ نے آ کر عرض کیا کہ اے محمدؐ! آج میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا قریب نہیں ہوا آپؐ نے پوچھا اے جبرئیلؑ یہ فاصلہ کس قدر رہ گیا تھا؟ جبرئیلؑ نے عرض کیا میرے اور اللہ کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے باقی رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سوال کے بارے میں بتایا ہے کہ بدترین مقامات بازار ہیں اور بہترین مقامات مساجد ہیں (یہ روایت ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی ہے)

تشریح ۞ زیر نظر حدیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جس شخص سے کوئی بات دریافت کی جائے اور وہ اس کے علم میں نہ ہو تو وہ خاموش رہے یا اتنی بات کہہ دے کہ اس وقت مجھے اس کا جواب مستحضر نہیں جب معلوم ہوا تو بتا دوں گا اور ایسا کہنے میں اس کو کسی طرح کی سبکی محسوس نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایسی بات کہنا اس کے علم و فضل کی پہچان ہے۔ اس لئے جو لوگ اپنے پاس سے جواب دے کر دوسرے کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں اُن کو یہ بات پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اُن کی یہ حرکت اُن کے علم کی نشانی نہیں۔

رہا جبرئیلؑ اور اللہ کے درمیان نور کے پردوں کا حائل ہونا تو اس سے مراد گنتی نہیں اور نہ گنتی سمجھنا چاہئے بلکہ اس بات کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ اللہ اور اس کے مقبول فرشتوں کے درمیان بھی ایسے پردے حائل ہیں کہ اللہ کی اصل ذات کو دیکھنا اُن کے لئے بھی ممکن نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ پردے مخلوق کی نسبت سے ہیں خالق کی نسبت سے نہیں گویا آپؐ یوں کہہ سکتے ہیں کہ مخلوق اور خالق کے درمیان جو پردے بھی حائل ہیں وہ محض مخلوق کے لئے ہیں۔ خالق کے لئے نہیں یہ بات اس لئے واضح کی گئی ہے کہ طرفین میں جو پردہ حائل ہوتا ہے دونوں طرفوں میں یکساں ہوتا ہے لیکن اس مقام پر ایسا سمجھنا جہالت ہے کیونکہ اللہ اور مخلوق کے لحاظ سے مخلوق کے لئے ایسے پردے ہیں کہ وہ خالق کو کسی جسم اور صورت میں نہیں دیکھ سکتے لیکن اللہ سب کو دیکھتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا اس جگہ طرفین کے مابین پردہ حائل ہونے کا ذکر نہیں۔ تیسری بات کہ اللہ کسی شکل یا صورت میں دکھائی نہیں دے سکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جسم و صورت سے پاک ہے خواہ وہ اصلی اور حقیقی ہو یا وہمی اور اختراعی اس لئے اگر کہیں اللہ کے دیکھنے کا ذکر کیا گیا ہو تو اس کا مطلب محض تخیل اور خواب کی صورت میں ہے جو الفاظ کے لحاظ سے حقیقت کے قریب نہیں ہوتا۔

الفصل الثالث:

مساجد میں کسی دنیاوی غرض سے آنے والے کی مثال

(۶۷۵/۴۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِیْ هٰذَا لَمْ یَأْتِ اِلَّا لِخَیْرٍ یَتَعَلَّمُهٗ اَوْ یُعَلِّمُهٗ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَیْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ یَنْظُرُ اِلٰی مَتَاعِ غَیْرِهٖ. (رواہ ابن ماجۃ والبیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه ابن ماجة فی مقدمة سننه ۸۲/۱ حدیث رقم ۲۲۷۔ وأخرجه البیهقی فی شعب الایمان ۲۶۳/۲ حدیث رقم ۱۶۹۸۔

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے "جو شخص میری اس مسجد میں محض اس غرض سے آئے کہ نیک کام سیکھے اور سکھلائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے جو شخص اس غرض سے نہ آئے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے اسباب کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح ۞ زیر نظر حدیث میں آپؐ نے مسجدی میری مسجد کے الفاظ بیان فرمائے ہیں میری مسجد سے مراد آپؐ کی مسجد یعنی

مسجد نبوی ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ عظمت اور فضیلت کے اعتبار سے ایک مسجد کے علاوہ باقی تمام مسجدوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ لیکن حکم کے لحاظ سے اس جگہ پر تمام مساجد مراد ہیں کیونکہ تمام مساجد میں سیکھنے اور سکھلانے کا کام ہوتا ہے اور اس سیکھنے اور سکھلانے سے مراد دین کی باتیں ہیں بلکہ دین کی باتوں کا سیکھنا اور سکھلانا مسجدوں میں ضروری قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کے بنانے کی غرض ہی اللہ کی عبادت ہے اور سیکھنا سکھلانا عبادت سے باہر نہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں پیچھے گزر چکا ہے۔

مساجد کو مرکزِ رسومات بنانے والے زمانے کے آنے کی اطلاع

(۶۷۶/۵۰) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِىْ مَسَاجِدِهِمْ فِىْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

أخرجه ابن ماجة فى مقدمة سننه ۸۲/۱ حديث رقم ۲۲۷۔ وأخرجه البيهقى فى شعب الايمان ۲۶۳/۲ حديث رقم ۱۶۹۸۔

ترجمہ: اور حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لوگوں پر عن قریب ایسا وقت آئے گا کہ وہ اپنی دنیاداری کی باتیں اپنی مسجدوں میں کیا کریں گے لہٰذا تم اُن کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں"۔ (بیہقی)

تشریح ۞ اس حدیث میں جس بات کی پیش گوئی کی گئی ہے آج وہ من وعن پوری ہوتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے جس کی معمولی آنکھ کھلی ہے وہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ آج مسجدیں دنیا کی رسومات کا مرکز بن گئی ہیں اللہ کی عبادت کا محض چرچا رہ گیا ہے آئے دن نئی سے نئی بدعات معرضِ وجود میں لائی جارہی ہیں اور جن باتوں کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہیں اُن کو دین اسلام کی اصل بنا کر پیش کیا جارہا ہے اور جو باتیں دین کے متعلق ہیں ان کا نشان روز بروز مٹتا چلا جارہا ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ وقت بوقت جب بھی کسی سے پوچھو تو وہ یہ کہے گا کہ مسجد کو جارہا ہوں۔ کیوں؟ پیشاب کرنے کے لئے، غسل کرنے کے لئے، اعلان کرنے کے لئے، اعلان کرانے کے لئے، گیارہویں شریف کے ختم کے لئے، فلاں دربار کی حاضری کے لئے الامان والحفیظ کیا اللہ کی مسجدیں اس لئے تعمیر کی گئی ہیں کہ انسان ایسے جملے بولتے وقت ذرا بھی شرم نہ دکھائے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ کیوں؟ اس لئے کہ رواجات نے ہمیں اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے اور جو چیز عام رواج میں آجائے وہ کتنی ہی بری کیوں نہ ہو اس میں جھجک باقی نہیں رہتی ایک بار نبی اعظم ﷺ کا ارشاد پھر پڑھ لیں کہ آپ نے فرمایا "لوگوں پر عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ وہ اپنی مخصوص دنیا کی باتیں مسجدوں میں کریں گے تم ان کے پاس بالکل نہ بیٹھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

مساجد میں شور و شغب کرنے کی ممانعت کا بیان

(۶۷۷/۵۱) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِى الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِىْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِىْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ اَنْتُمَا اَوْ مِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِىْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. (رواه البخارى)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۵۶۰/۱ حديث رقم ۴۷۰ ولفظه "أهل البلد" بدل "أهل المدينة"۔

ترجمہ: اور سیدنا سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں ایک روز مسجد میں پڑا سو رہا تھا کسی شخص نے مجھ پر کنکر پھینکی میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سیدنا عمر بن خطاب ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم اٹھو اور ان دونوں اشخاص کو میرے پاس لے

آ ؤ جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں اُن کو لے کر سیدنا عمر فاروق کے پاس آیا انہوں نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ یا فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو تو وہ کہنے لگے کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ عمر فاروق نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا لیکن چونکہ تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو اور مسجد کے آداب سے واقف نہیں ہو یا یہ کہ مسافر ہو اس لئے معافی کے مستحق ہو پھر فرمایا بڑے افسوس کی بات ہے تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں زور زور سے باتیں کر رہے ہو"۔

تشریح ۞ اس حدیث کے متن میں راوی نے کوئی بات اشارے' کنائے میں نہیں کی اور نہ ہی کوئی مبہم رہنے دی ہے جس میں کسی طرح کا شک گزرے کہ معلوم نہیں کہ عمر فاروقؓ کیا کہہ رہے ہیں ماحاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ مساجد میں زور زور سے باتیں کرنا' جھگڑنا اور تو تو میں میں پر اُتر آنا مساجد کے تقدس کے خلاف ہے اس لئے آپؐ نے اور آپ کے ساتھی خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروقؓ نے اس سے منع فرمایا ہے اور آج جو حالت ہے آپ لوگوں کے سامنے ہے سمجھ لیں کہ مسجد کے تقدس کو ہم نے کس حد تک پامال کر کے رکھ دیا ہے۔

مسجد کے باہر خلیفہ دوم کا ایک چبوترہ تعمیر کروانا

(۵۲/۶۷۸) وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَنٰى عُمَرُ رَحْبَةً فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُطَيْحَاءُ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَلْغَطَ اَوْ يُنْشِدَ شِعْرًا اَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهٗ فَلْيَخْرُجْ اِلٰى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ۔ (رواه فى الموطا)

أخرجه مالك بلاغا فى الموطأ ۱/۱۷۵ حديث رقم ۹۳ من كتاب قصر الصلاة فى السفر۔

ترجمہ: اور امام مالک کہتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق ؓ نے مسجد کے ایک کونہ میں ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام انہوں نے "بطیحاء" رکھا تھا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ جو شخص اِدھر اُدھر کی باتیں کرنا چاہے یا اشعار پڑھنا چاہے یا بلند آواز سے باتیں کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ (مسجد سے نکل کر) اس چبوترہ پر آ جائے"۔ (مؤطا)

تشریح ۞ مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد کے اندر ہے اور مسجد سے باہر کا مطلب کمرۂ مسجد سے باہر ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے حدود مسجد کے ایک کونہ میں یہ چبوترا اس لئے بنوایا تا کہ لوگ اگر دنیا کی باتوں میں مصروف ہونا چاہیں تو وہ اس چبوترہ پر آ جائیں تا کہ مسجد کا تقدس مجروح نہ ہو اور وہ بھی اپنا وقت گزار لیں۔

مساجد میں ممنوع کام دیکھا جائے تو نمازیوں کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟

(۵۳/۶۷۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَى النَّبِيُّ ﷺ نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ وَاِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ اَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ اَوْيَفْعَلُ هٰكَذَا۔ (رواه البخارى)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۱/۵۰۷ حديث رقم ۴۰۵۔

ترجمہ: اور سیدنا انس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں قبلہ کی طرف رینٹ پڑا ہوا دیکھا تو آپؐ کو بہت ناگوار گزرا یہاں تک کہ اس ناگواری کا اثر آپؐ کے چہرہ پر ظاہر ہو گیا لیکن اس کے باوجود آپؐ کھڑے ہوئے اور اسے خود اپنے دست مبارک سے کھرچ کر دور پھینک دیا پھر فرمایا "تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار

سے سرگوشی کرتا ہے اور اس وقت اس کا رب اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اس لئے تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ قبلہ رو ہو کر مت تھوکے بلکہ اپنی بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے پھر آپ ؐ نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونہ لیا اور اسی میں تھوکا پھر کپڑے کو آپس میں مَلا پھر فرمایا ''اس طرح کیا کرو''۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث سے آپ ؐ کے حسن اخلاق کی مکمل تصویر اُبھر کر سامنے آجاتی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ اخلاقِ حسنہ کا پہاڑ تھے جیسا کہ اوپر حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ؐ نے مسجد کے اندر اگرچہ اس وقت مسجد کچی تھی ایک طرف رینٹ دیکھا اور آپ ؐ کی طبیعت میں کراہت آئی۔ اس کراہت کے اثرات آپ ؐ کے چہرہ مبارک پر اثر پذیر ہو گئے لیکن آپ ؐ نے اپنی زبانِ اقدس سے کوئی بات نہ کی تھوڑی دیر رکنے کے بعد آپ ؐ اُٹھے اُس رینٹ کو اپنے ہاتھ سے صاف کیا اور باہر پھینکا اس کے بعد نہایت آرام و سکون کے ساتھ بغیر کسی کو مخاطب کئے فرمایا ''کہ لوگو جب تم قبلہ رو ہو کر نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو تو اس وقت تمہاری حالت ایسی ہوتی ہے گویا تم اپنے رب سے باتیں کر رہے ہوتے ہو اور ربِ ذوالجلال والاکرام تمہارے اور تمہارے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں چاہئے کہ تم قبلہ رومت تھوکو اگر ضرور تھوکنا پڑے تو اپنے بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکا کرو۔ یہ بات آپ ؐ نے اس لئے فرمائی کہ اس وقت تک مسجد نبوی بالکل کچی تھی اور اس میں صفیں وغیرہ بھی نہیں پڑی تھیں اس کے بعد آپ ؐ نے اپنے کپڑے کا ایک پلو لیا اور اس پلو میں اس طرح کا عمل کیا کہ گویا آپ ؐ نے اس میں تھوکا ہے پھر اس کپڑے کے پلو کو اس مقام سے پکڑ کر آپس میں مل دیا اور اس کے بعد آپ ؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کو تھوک آجائے تو وہ اس تھوک کو اس طرح بھی کر سکتا ہے جس طرح میں نے تم کو کر کے دکھایا ہے گویا تھوک اس طرح کا ناپاک نہیں ہوتا کہ وہ جس کپڑے پر لگے ناپاک کر دے ہاں تھوک باعث کراہت ہوتا ہے اس لئے اس کو آنکھوں کے سامنے نہیں پھینکنا چاہئے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے والہانہ محبت ☆

روایت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو پتہ چلا کہ دُور دراز کوئی شخص حدیث بیان کرتا ہے جس کی بابت بہت کم لوگوں کو علم ہے تو وہ سفر کر کے وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص قبلہ کی طرف مُنہ کر کے تھوک رہا ہے۔ جب معلوم کیا تو پتہ چلا کہ یہ وہی شخص ہے تو فوراً واپس پلٹے۔ ساتھیوں نے پوچھا کہ حضرت اتنی دُور سے جس چیز کی بابت پتہ کرنے آئے ہیں وہ تو پتہ کرتے چلئے...... فرمایا میں ایسے شخص سے حدیث سننا گوارا نہیں کرتا جو سرِعام حدیث کی مخالفت کرے۔ سبحان اللہ!

امام نے قبلہ کی جانب تھوکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایسے امام مقرر کرنے کی ممانعت فرمادی

(۵۴/۶۸۰) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ رَجُلاً اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداؤد في السنن ۱/۳۲۴ حديث رقم ۴۸۱۔

ترجمہ: اور سیدنا سائب بن خلاد سے روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک جماعت کو نماز پڑھا رہا تھا اُس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف دیکھ رہے تھے جب

وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ نے اس کے مقتدیوں سے فرمایا ''آئندہ سے یہ شخص تمہیں نماز نہ پڑھائے'' اس کے بعد اُس شخص نے جب نماز پڑھانی چاہی تو اُن لوگوں نے اسے نماز پڑھانے سے روک دیا اور اس سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بیان کر دیا۔ وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ہی اُن لوگوں کو تمہیں امام بنانے کا کہا تھا اور میں نے ہی ان کو تمہیں امام بنانے سے روک دیا راوی کا بیان ہے کہ میرا خیال ہے آپ نے اُس شخص سے امامت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس روایت میں بیان کرنے والے سے کچھ الفاظ آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ حقیقت حال اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی قوم کو ان ہی میں سے ایک شخص کو امام بنانے کا حکم دیا وہ نماز پڑھاتا رہا جب کبھی حضور اکرم ﷺ سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس کو قبلہ رو تھوکتے دیکھا لیکن کسی وجہ سے اس کو اس بات کی طرف توجہ نہ دلا سکے۔ پھر جب کبھی اُن لوگوں میں سے جن کو اس شخص کے امام بنانے کا حکم دیا تھا آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے اس شخص کی امامت سے اُن کو منع کر دیا پھر جب کبھی وہ شخص اُن کو نماز پڑھانے لگا تو انہوں نے اس کو امامت سے روکا اور امامت سے روکنے کا سبب بھی بتا دیا کہ آپ نے ہم کو منع فرمایا ہے۔ پھر وہ شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے آپ کو اپنی امامت سے روکے جانے کی خبر دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں نے ان کو آپ کی امامت کے لئے کہا تھا اور میں نے ہی اُن کو منع کر دیا اور میرے منع کرنے کا باعث یہ ہوا کہ (تم نے) قبلہ رُو تھوک کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچائی اور وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول کی تکلیف کا باعث ہو اس کو امام نہیں بنانا چاہئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے نبی کریم ﷺ کا خواب ارشاد فرمانا

(۶۸۱/۵۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ احْتَبَسَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى كِدْنَا نَتَرَاءٰى عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيْعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ تَجَوَّزَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهٖ فَقَالَ لَنَا عَلٰى مَصَافِّكُمْ كَمَا اَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ اِلَيْنَا ثُمَّ قَالَ اَمَا اِنِّيْ سَاُحَدِّثُكُمْ مَاحَبَسَنِيْ عَنْكُمُ الْغَدَاةَ اِنِّيْ قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّاْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِيْ فَنَعَسْتُ فِيْ صَلَاتِيْ حَتّٰى اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ لَا اَدْرِيْ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَاَيْتُهٗ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ فِي الْكَفَّارَاتِ قَالَ مَاهُنَّ قُلْتُ مَشْيُ الْاَقْدَامِ اِلَى الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ حِيْنَ الْكَرِيْهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِيْمَ قُلْتُ فِي الدَّرَجَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِيْنُ الْكَلَامِ وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ قَالَ سَلْ قُلْتُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَاِذَا اَرَدْتَ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَمَفْتُوْنٍ وَاَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِيْ اِلٰى حُبِّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا۔ (رواه احمد والترمذی وقال هذاحديث حسن صحيح وسألت محمدابن اسمعيل عن هذا الحديث فقال هذاحديث صحيح)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٣٤٣ حديث رقم ٣٢٣٥ ـ وقال : حديث حسن صحيح ۔

ترجمہ: اور سیدنا معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں تشریف لانے سے تاخیر فرمائی اور تاخیر اتنی ہوگئی قریب تھا کہ سورج نکل آئے اتنے میں آپ ﷺ عجلت سے تشریف لائے نماز کے لئے تکبیر کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی نماز میں بہت تخفیف کی اس طرح کہ بہت چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد ہم سے مخاطب ہوئے اور بلند آواز سے فرمایا کہ "جس طرح تم لوگ بیٹھے ہو اسی طرح اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا پھر آپ نے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں نماز میں دیر سے آیا تو میں تمہیں دیر سے آنے کی وجہ بتانا چاہتا ہوں میں نے آج رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھ کر وضو کیا اور جتنی نماز پڑھنا چاہتا تھا پڑھی نماز میں مجھے اونگھ آئی اور نیند مجھ پر غالب آ گئی تو اُس وقت میں نے اچانک اپنے پروردگار کو اچھی صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا اے محمدؐ! میں نے عرض کیا میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے تھے؟ میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تین بار یہ بات پوچھی اور میں اسی طرح جواب دیتا رہا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ میرے سامنے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں تمام باتیں جان گیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمدؐ! میں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب بتاؤ مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ گناہوں کو مٹا دینے والی چیزوں کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کون سی چیزیں ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ جماعتوں کے واسطے مسجد میں جانا اور نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے رہنا اور سختی کے وقت یعنی سردی اور بیماری میں پانی استعمال کرنا' باوجود تکلیف کے اچھی طرح وضو کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کس کس چیز میں بحث کر رہے تھے؟ میں نے عرض کیا درجات کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ لوگوں کو کھانا کھلانا' نرم لہجے میں بات کرنا اور رات میں اس وقت نماز پڑھنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا اب اپنے لئے جو دعا چاہو کرو میں نے دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے نیکیاں کرنے اور برائیاں چھوڑنے' مسکینوں سے دوستی کرنے' اپنی بخشش چاہنے کے ساتھ تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو کسی قوم میں گمراہی ڈالنا چاہے تو مجھے بغیر گمراہی کے اپنی طرف اٹھا لے اور میں تجھ سے تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور ایسے عمل کی محبت کا جو تیری محبت سے نزدیک کر دے سوال کرتا ہوں پھر آپؐ نے فرمایا میرا یہ خواب حقیقت پر مبنی ہے۔ تم اسے خود یاد کرو اور دوسروں کو یاد کراؤ (احمد' ترمذی) اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث اس سے پہلے اسی باب کی حدیث نمبر ۴۴ میں گزر چکی ہے اور ہم نے اس کی وضاحت اس مقام پر کر دی ہے۔ اسلئے اب مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ہم اس جگہ ایک بار پھر اتنی بات عرض کر دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں کسی شکل وصورت میں جس کا تعین ممکن ہو نہیں دیکھا بلکہ اسی طرح دیکھا جس طرح خیالی چیزوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اُن کا جسم حقیقی نہیں بلکہ خیالی ہوتا ہے جس کی کوئی تعبیر اور مثال ممکن نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مثال بیان کی جا سکتی ہے۔

مسجد میں داخلے کے وقت دعائیہ الفاظ

(۶۸۲/۵۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ اَعُوْذُ

بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ قَالَ فَإِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّيْ سَائِرَ الْيَوْمِ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ١/٣١٨ حديث رقم ٤٦٦۔

ترجمہ: اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)) یعنی میں عظمت والے اللہ جو بزرگ ذات والا ہے اور ہمیشہ سلطنت والا اس کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ؐ نے فرمایا جو کوئی شخص مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ بندہ پورے دن کے لئے میرے شر سے محفوظ ہو گیا۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے وقت بعض دعائیں پڑھتے تھے اُن میں سے کچھ دعائیں پیچھے ذکر کی جا چکی ہیں اور ایک دعا اس جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان دعاؤں میں سے کوئی دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ جس دعا کو آسان سمجھیں اُسے ضرور یاد کریں اور مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھیں۔ اسی طرح مسجد سے نکلنے کی دعائیں بھی پیچھے لکھی جا چکی ہیں۔ اُن میں سے کوئی دعا ضرور یاد کرو اور مسجد سے نکلتے وقت پڑھا کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر مبارک کو شرک سے محفوظ رکھنے کی دعا کرنا

(۶۸۳/۵۷) وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ ۔ (رواه مالك مرسلا)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١٧٢ حديث رقم ٨٥ من كتاب قصر الصلاة في السفر۔

ترجمہ: اور سیدنا عطاء بن یسار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ اے میرے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی عبادت کرنے لگیں پھر آپ ؐ نے فرمایا جن لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا اُن پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب ہوا۔ (مالک مرسلا)

تشریح ۞ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اتنی صاف، واضح اور کھلی ہے کہ اس میں کسی طرح کا کوئی ابہام نہیں پایا جاتا آپ ؐ کے ارشاد میں اس بات کا اعتراف ہے کہ گزشتہ قوموں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا اور ان کی عبادت کرنے لگے اور آپ ؐ نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی کے ساتھ یہ دعا کی کہ اے اللہ لوگ میری قبر کو ایسا نہ بنا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو اس طرح قبولیت بخشی کہ آج تک آپ کی قبر مبارک پر پہرے لگے ہوئے ہیں اور کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہاں سجدہ کر سکے یا کسی طرح کی کوئی عبادت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔ لوگ دوسری امتوں کی طرح آپ ؐ کی قبر کے ساتھ وہی کچھ کرنا چاہتے ہیں جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے ساتھ ہوا لیکن آپ ؐ کی دعا کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اس شرک سے محفوظ ہے۔ اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد۔

باغات (صاف وشفاف مساجد) میں نماز پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا

(۶۸۴/۵۸) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَحِبُّ الصَّلَاةَ فِي الْحِيْطَانِ قَالَ بَعْضُ رُوَاتِهِ

يَعْنِي الْبَسَاتِيْنَ رواه الترمذی وَقَالَ هٰذَاحَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّامِنْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ بْنِ اَبِىْ جَعْفَرٍ قَدْ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَغَيْرُهُ۔

أخرجه الترمذي في السنن ۲/۱۵۵ حديث رقم ۳۳٤ وقال حديث غريب لانعرفه إلا من حديث الحسن بن أبي جعفر۔

ترجمہ: اور سیدنا معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ "حیطان" میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے اور اس حدیث کے بعد راویوں نے کہا ہے کہ حیطان سے مراد "بساتین" یعنی باغات ہیں۔ امام ترمذی نے اس روایت کونقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اس لئے کہ یہ روایت بجز حسن بن ابی جعفر کی سند کے اور کسی سند سے منقول نہیں اور انہیں یحییٰ بن سعید وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح ۞ حیطان سے مراد بساتین باغات ہیں چونکہ باغات میں پھول خوشبودار ہوتے ہیں اور فطرتِ انسانی اس بھینی بھینی خوشبو کو پسند کرتی ہے اگر کسی کو ایسی جگہ میسر آئے تو وہاں نوافل نماز ادا کرنا چاہئے۔ اس سے وقتی خوشی بھی حاصل ہوتی ہے اور ابدی خوشی بھی جو نوافل کے ادا کرنے میں پائی جاتی ہے رہی فرض نماز تو وہ باجماعت مسجدوں میں ادا کرنا ضروری ہے اور مسجدوں کو بھی باغات کہا گیا ہے۔

مختلف مساجد میں مراتب کے لحاظ سے اجر وثواب کا بیان

(۶۸۵/۵۹) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِىْ بَيْتِهٖ بِصَلَاةٍ وَصَلَاتُهٗ فِىْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ صَلَاةً وَصَلَاتُهٗ فِى الْمَسْجِدِ الَّذِىْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِمِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهٗ فِى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهٗ فِىْ مَسْجِدِىْ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهٗ فِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلَاةٍ. (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۴۵۳ حديث ۱۴۱۳۔

ترجمہ: اور انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک ہی نماز کے برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا اس کی نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے اور اس مسجد میں نماز ادا کرنا جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو اس کی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر اور مسجد اقصیٰ میں اور میری مسجد میں اس کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں یعنی بیت اللہ میں اس کی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح ۞ یہ حدیث اختصار کے ساتھ اس باب کی حدیث نمبر۳ اور نمبر۴ میں گزر چکی ہے اور ہم نے اس کی وضاحت اس مقام پر کردی ہے۔ اس جگہ حدیث ذرا تفصیل سے ذکر کی گئی ہے اور یہ تفصیل حدیث کے متن میں کردی گئی ہے جس کا اختصار اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں نماز ادا کرتا ہے تو اسے ایک نماز کا ہی اجر ملتا ہے۔ لیکن اگر وہ نماز باجماعت اپنے محلہ کی مسجد میں ادا کرے تو اسے پچیس سے ستائیس نمازوں کا اجر دیا جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ اہتمام کرتے ہوئے جامع مسجد میں نماز ادا کرتا ہے تو پانچ سو نمازوں کے برابر اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ اہتمام کرسکتا ہے اور وہ مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ تک سفر کرکے وہاں نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتا ہے تو پچاس ہزار نمازوں کا اجر حاصل کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ مزید ہمت کرتا ہے اور بیت اللہ میں پہنچ کر جو نماز ادا کرتا ہے اس کا اجر ایک لاکھ نمازوں کے برابر پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا کسی جگہ اختتام نہیں نیتوں کے پھل اس کے سوا ہیں اللہ تعالیٰ جس کو حاصل کرنے کی توفیق دے۔

بیت اللہ کی افضلیت کا بیان

(۶۸۶/۶۰)وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِی الْاَرْضِ اَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْاَ قْصٰی قُلْتُ کَمْ بَیْنَھُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَکَ مَسْجِدٌ فَحَیْثُ مَا اَدْرَکَتْکَ الصَّلٰوۃُ فَصَلِّ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۶/۴۰۷حدیث رقم ۳۳۶۶۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۷۰حدیث رقم (۲۔۵۲۰) واللفظ له۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۳۲حدیث رقم ۶۹۰۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۴۸حدیث رقم ۷۵۳۔وأخرجه أحمد فی المسند۵/۱۵۶۔

ترجمہ: سیدنا ابوذرغفاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ زمین کے اوپر سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی؟ آپؐ نے فرمایا مسجد حرام یعنی بیت اللہ میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ تو آپؐ نے فرمایا مسجد اقصٰی یعنی بیت المقدس پھر میں نے پوچھا کہ ان دونوں مسجدوں کے درمیان کتنا عرصہ گزرا؟ آپؐ نے فرمایا چالیس سال پھر آپؐ نے فرمایا" اب تو ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کر لو"۔(سوائے ممنوع مقامات کے)۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث کا مضمون واضح ہے کہ سب سے پہلے دنیا میں جو عبادت گاہ تعمیر کی گئی وہ بیت اللہ ہے یہ قرآن کریم کی آیت کا اختصار ہے۔ جو آپؐ نے بیان فرمایا مسجد الحرام کی پہلی تعمیر آدمؑ نے کی اس کے منہدم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں بنیادوں پر سیدنا ابراہیمؑ نے اور سیدنا اسماعیلؑ نے مل کر بیت اللہ کو تعمیر کیا جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔اس کے بعد مسجد اقصٰی تعمیر ہوئی اور مسجد اقصٰی اور بیت اللہ کی دوسری تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ گزرا وہ اس حدیث میں چالیس سال بتایا گیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیدنا سلیمانؑ نے جو مسجد اقصٰی کی تعمیر کی وہ اس کی تعمیر اوّل نہیں ہے بلکہ جس طرح بیت اللہ کی تعمیر دوم سیدنا ابراہیم نے کی اس طرح مسجد اقصٰی کی تعمیر دوم سیدنا سلیمانؑ نے کی ۔ رہی مسجد اقصٰی کی تعمیر اوّل تو وہ یقیناً بیت اللہ کی تعمیر دوم کے چالیس سال بعد ہوئی اس کو کس نے تعمیر کیا اس کا ذکر اس جگہ موجود نہیں لیکن بیت المقدس کی تعمیر دوم کا ذکر کتاب وسنت میں موجود ہے اور اس تعمیر کے معمار سیدنا سلیمان ہیں۔ مذکورہ حدیث میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کی توجیہ اسی طرح ممکن ہے۔علاوہ ازیں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس کی تفصیلات بہت لمبی ذکر کی گئی ہیں لیکن کوئی توجیہ اپنے مقام پر صحیح طریقہ سے فٹ نہیں بیٹھتی لیکن یہ توجیہہ جو ہم نے اس مقام پر بیان کی ہے وہ اگرچہ مختصر ہے لیکن مضمون کے لحاظ سے اپنے مقام پر فٹ بیٹھتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ السَّتْرِ

ستر ڈھانپنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے انسان کی زیب وزینت کے لئے لباس پیدا کیا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عبادت کے وقت ستر کا پورا اہتمام کرو۔ مشرکین مکہ برہنہ حالت میں بیت اللہ کا طواف کرتے تھے ان کی مذمت کی گئی اور نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ستر ہے۔صاحب مشکوٰۃ نے اس باب میں ان احادیث کا ذکر کیا ہے جو ستر کے متعلق ہیں اور اس کے

علاوہ لباس سے متعلق احادیث بھی ہیں۔

الفصل الاول:

ایک چادر میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

(۱/۶۸۷)وَعَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهٖ فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَیْهِ عَلٰی عَاتِقَیْهِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٦٩/١ حديث رقم ٣٥٦۔وأخرجه مسلم في صحيحه ٣٦٨/١ حديث رقم (٢٧٨۔٥١٧) وأخرجه الترمذي في السنن ١٦٦/٢ حديث رقم ٣٣٩۔وأخرجه مالك في الموطأ ١٤٠/١ حديث رقم ٢٩ من كتاب صلاة الجماعة وأخرجه أحمد في المسند ٢٦/٤۔

ترجمہ: حضرت عمر بن سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ام سلمہ کے گھر میں۔آپ اس کپڑے کو اپنے جسم سے اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ اس کے دونوں کنارے آپ ﷺ کے کندھوں پر تھے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ کے گھر میں نماز پڑھی اور اس وقت آپ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے اس حدیث میں مشتملا کا لفظ مشتق ہے اشتمال سے اور یہ باب افتعال کا صیغہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ چادر کا جو کنارہ دائیں کندھے پر ہے اس کو بائیں ہاتھ کے نیچے سے کھینچ کر نکالا جائے اور پھر وہ کنارہ جو دائیں ہاتھ کے نیچے سے بائیں ہاتھ پر ڈالا گیا ہے دونوں کو لا کر سینہ پر گرہ لگائی جائے اور گرہ لگانے کی ضرورت تب محسوس ہوتی ہے جب کپڑے کے کنارے چھوٹے ہوں اور ان کے کھل جانے کا خوف ہو اور اگر کنارے طویل ہوں تو ان کو گرہ لگانے کی ضرورت نہیں اور اسی کو بعض حدیثوں میں متوشحا سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض حدیثوں میں فلیخالف کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

نماز میں کندھوں کو ڈھانپنا چاہیے

(۲/۶۸۸)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَیْسَ عَلٰی عَاتِقَیْهِ مِنْهُ شَیْءٌ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٧١/١ حديث رقم ٣٥٩۔وأخرجه مسلم في صحيحه ٣٦٨/١ حديث رقم (٢٧٧۔٥١٦) واللفظ له إلا قوله "لا يصلين" فقد ذكره "لايصلي"۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن ٤١٤/١ حديث رقم ٦٢٦ وذكر "منكبيه" بدل "عاتقيه" وأخرجه النسائي بهذا اللفظ ٧١/٢ حديث رقم ٧٦٩۔وأخرجه الدارمي في السنن ٣٦٧/١ حديث رقم ١٣٧١ وأخرجه أحمد في مسند ٢٤٣/٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی آدمی ایک کپڑے میں (اس حالت میں) نماز نہ پڑھے کہ اس کپڑے کا کوئی حصہ اس کے کندھوں پر نہ ہو۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے اگر نماز کے دوران کندھوں پر کپڑا نہ ہو تو اس صورت میں نماز درست نہیں اور اشتمال کی حالت میں نماز جائز ہے کیونکہ اس صورت میں کپڑے کا کچھ حصہ کندھوں پر ہوتا ہے اور علماء نے اس کی حکمت اور وجہ یہ بیان

کی ہے کہ اگر کپڑا کندھوں پر نہ ڈالا گیا اور وہی کپڑا تہہ بند بھی ہے تو اس صورت میں کپڑے کے گر جانے کا امکان ہے اور ستر کھل جانے کا خطرہ ہے اور اللہ کے دربار میں بے ادبی ہے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس نہی اور کراہت کا شرعی درجہ اور حیثیت کیا ہے امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر کپڑا میسر ہو پھر بھی کندھوں پر نہ ڈالا جائے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اس حالت میں نماز جائز نہیں اور جمہور ائمہ کے نزدیک اگر ستر پر مکمل کپڑا ہے صرف کندھوں پر کپڑا نہ ہو اس صورت میں نماز ہو جائے گی اور یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(۳/۶۸۹) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱/ ۴۷۱ حديث رقم ۳۶۰۔ وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۴۱۴ حديث رقم ۶۲۷ وزاد "علی عاتقيه" وأخرجه أحمد فی المسند ۲/ ۲۵۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھے اسے چاہئے کہ کپڑے کے دونوں کناروں کو ایک دوسرے کے مخالف رکھے۔ (بخاری)

نقش ونگار والی چادر میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

(۴/۶۹۰) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰى اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ اِلٰى اَبِيْ جَهْمٍ وَّاْتُوْنِيْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِيْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِيْ اٰنِفًا عَنْ صَلَاتِيْ (متفق عليه وفی رواية للبخاری) قَالَ كُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰى عَلَمِهَا وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَاَخَافُ اَنْ يَّفْتِنَنِيْ۔

أخرجه البخاری فی الصحيح مع زيادة الرواية الثانية۔ ۱/ ۴۸۲ حديث رقم ۳۷۳۔ وأخرجه مسلم فی الصحيح ۱/ ۳۹۱۔ حديث رقم (۶۲۔ ۵۵۶) واللفظ للبخاری ۔ وأخرجه أبوداوٗد فی السنن مختصرًا ۱/ ۵۶۲ حديث رقم ۹۱۴۔ وكذلك النسائی فی السنن ۲/ ۷۲ حديث رقم ۷۷۱۔ وابن ماجة فی السنن ۲/ ۱۱۷۶ حديث رقم ۳۵۵۰ والامام مالك فی الموطأ ۱/ ۹۷ حديث رقم ۶۷ من كتاب الصلاة ۔ وأحمد فی مسنده ۶/ ۱۷۷۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس پر نقش ونگار تھا چنانچہ آپ نے اس کے نقش ونگار کی طرف دیکھا جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ابوجہم سے انجانیہ کی چادر لے آؤ کیونکہ اس چادر نے ابھی مجھے نماز سے غفلت میں ڈال دیا۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نماز کے دوران اس چادر کے نقش ونگار کی طرف دیکھنے لگا اور مجھے یہ خوف ہوا کہیں یہ میری نماز نہ خراب کر دے۔

تشریح ۞ حضرت ابوجہمؓ نے بطور ہدیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چادر پیش کی جس کو اس حدیث میں خمیصہ کہا گیا ہے خمیصہ اس چادر کو کہتے ہیں جو ریشم یا اون سے بنی ہوئی ہو اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور دھاری دار ہوتی ہے اور یمنی خوبصورت چادروں کو خمیصہ کہا جاتا ہے اور اعلام کے لفظ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ خمیصہ کے لئے تاکید ہے دوم یہ کہ خمیصہ کے لئے بیان ہے یعنی نقش ونگار والی چادر جب رسول اللہ ﷺ نے زیب تن کر کے نماز پڑھی تو اس کے نقش ونگار کی وجہ سے نماز سے آپ کی توجہ ہٹ گئی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے وہ چادر حضرت ابوجہم کے پاس واپس بھیج دی اور آپ کو یہ بھی خیال تھا کہ ایک مخلص صحابی کی دل شکنی نہ ہو اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بدلے میں ان سے انجانیہ لے آؤ۔ انجانیہ ایک شہر کا نام ہے اس کی بنی ہوئی چادریں بالکل سادہ ہوتی

تھی شہر کی طرف نسبت کر کے چادر کو انجانیہ کہہ دیا رسول اللہ ﷺ نے خمیصہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ نقش و نگار والی ہے۔ جب اس کا نقش و نگار میرے سامنے آیا تو اس نے میری توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا اور تعلق مع اللہ میں فرق آ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کا نقش و نگار پاکیزہ اور لطیف قلوب کو متاثر کر دیتا ہے۔ صاف شفاف قلوب پر معمولی چیز کا بہت اثر پڑتا ہے۔ سیاہ دل والوں کو اس کی کیا خبر اور آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ دنیا کے نقش و نگار سے احتیاط کیا کرو۔ کیونکہ یہ خطرناک چیز ہے۔ جب دل صاف آئینہ کی طرح روشن ہوتا ہے تو اس پر معمولی میل کا اور گرد کا اثر ہوتا ہے۔ جس طرح سفید کپڑے پر سیاہ داغ نمایاں ہوتا ہے۔ اہل اللہ کے قلوب اسی طرح صاف اور روشن ہوتے ہیں۔

تصویر سے نماز میں خلل

(۶۹۱/۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ اَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لَا يَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ فِيْ صَلَاتِيْ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/ ٤٨٤ حدیث رقم ۳۷٤ وأخرجه أحمد فی المسند ۳/ ۱۵۱۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے گھر کے ایک حصہ پر پردہ ڈال دیا تھا رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس پردہ کو ہٹا دو کیونکہ اس کے نقش و نگار نماز پڑھتے وقت میری توجہ کو ہٹا دیتے ہیں اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز نماز پڑھنے والے کی نماز میں خلل ڈالے اور توجہ کے منافی ہو تو اس کو سامنے سے ہٹا دیا جائے۔ جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ایک پردہ لٹک رہا تھا اس پر تصاویر تھیں تصاویر کے یہاں دو معنی ہیں ایک معنی ہے نقش و نگار مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عائشہ نے اپنے گھر میں جو پردہ لٹکایا ہوا تھا اس پردے پر نقش و نگار تھے اور اس نقش و نگار کی وجہ سے نماز کے اندر رسول اللہ ﷺ کی توجہ میں خلل پیدا ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو ہٹانے کا حکم دیا دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہو اس کو نبی ﷺ نے سامنے سے ہٹانے کا حکم دیا اور اس صورت میں یہ حدیث اس پر محمول ہوگی کہ اس وقت تک شاید تصویر کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام معاملات میں سادگی کو پسند کرتے تھے کھانے میں پینے میں لباس میں یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس چیز کو استعمال کرتے اس کو آخر تک استعمال کرتے تھے۔ اگر اور چیز آپ کے پاس آ جاتی تو اس کو صدقہ کر دیا کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بعد ریشمی جبہ اتار دیا

(۶۹۲/۶) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهٗ ثُمَّ صَلّٰى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهٗ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/ ٤٨٤ حدیث رقم ۳۷۵۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۳/ ۱٦٤٦ حدیث رقم (۲۳-۲۰۷۵) وأخرجه النسائی فی السنن ۲/ ۷۲ حدیث رقم ۷۷۰ وأحمد فی المسند ٤/ ۱٤۹۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک ریشمی جبہ کسی آدمی نے بطور ہدیہ بھیجا آپ ﷺ نے اسے پہن کر نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے فوراً بعد اس کو اتار دیا۔ جیسے کوئی آدمی کسی چیز کو ناپسند

کرے۔ بغیر اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا یہ پرہیز گار لوگوں کے لئے مناسب نہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ریشمی جبہ پہن کر نماز پڑھی جب آپ نے اس کی بناوٹ اور نقش ونگار کی طرف توجہ اور دھیان کیا اور خیال کیا کہ یہ تو نماز میں خلل پیدا کرنے والی چیز ہے آپ نے اس کو جلدی سے اُتار دیا کیونکہ آپ کو سادگی پسند تھی اور اس طرح کا جبہ سادگی والی زندگی کے لئے مناسب نہیں تھا۔

سوال: اگر یہ جبہ نبی ﷺ کو پسند نہیں تھا تو آپ ﷺ نے اس جبہ کو کیوں لیا اور آپ کے پاس یہ جبہ کہاں سے آیا ہے؟

جواب: یہ جبہ آپ کو کسی حکمران نے بطور ہدیہ بھیجا تھا اور آپ نے اس کو قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ اگر کسی کا دیا ہوا ہدیہ قبول نہ کیا جائے تو اس سے ہدیہ دینے والے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور اس سے اس انسان کو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے رسول اللہ ﷺ نہ کسی کی حوصلہ شکنی کرتے تھے نہ ہی کسی کو اذیت دیتے تھے۔ اس لیے آپ نے اس کو قبول کر لیا تھا۔

سوال: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ریشمی جبہ تھا حالانکہ ریشم سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ ریشم اور سونا میری اُمت کے مردوں کے لئے حرام ہے۔ پھر آپ نے ریشمی جبہ کیسے پہن لیا۔

جواب: یہ جبہ مکمل طور پر ریشم کا بنا ہوا نہیں تھا۔ بلکہ اس جبہ پر ریشمی کپڑے کا کام کیا ہوا تھا بطور نقش ونگار کے اور کسی کپڑے پر خوبصورتی کے لیے ریشم کا نقش ونگار جائز ہے۔

الفصل الثانی:

شکاری کے لئے ایک کپڑے میں نماز جائز ہے

(۷/۶۹۳) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَجُلٌ اَصِيْدُ اَفَاُصَلِّيْ فِي الْقَمِيْصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ. (رواه ابوداوٗد وروى النسائى نحوه)

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ۱/۴۱۶حديث رقم ۶۳۲۔والنسائى بنحوه ۲/۷۰حديث رقم ۷۶۵۔وأخرجه أحمد فى المسند ۴/۴۹۔

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک شکاری آدمی ہوں کیا میں ایک ہی قمیص میں نماز پڑھ لیا کروں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں پڑھ لیا کرو لیکن اسے باندھ لیا کرو اگرچہ کانٹے ہی سے اس کو اٹکا لیا جائے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے اسی طرح کی حدیث امام نسائیؒ نے نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ شکاری آدمی کم کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ شکار کے دوران بہت کم کپڑے استعمال کرتا ہے۔ اس کو شکار کے لیے بھاگنا ہوتا ہے اور زیادہ کپڑے بھاگنے کے لیے رکاوٹ ہوتے ہیں۔ جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں بعض اوقات شکار میں مصروف ہوتا ہوں اور اس دوران میرے جسم پر صرف ایک قمیص ہوتی ہے اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے کیا میں اس میں نماز پڑھ سکتا ہوں اجازت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک کرتہ میں نماز پڑھ لیا کرو مگر اس کو سامنے سے کھلا نہ رکھو کیونکہ کھلا رکھنے سے بے پردگی کا قوی احتمال ہے۔ اگر تمہیں بند کرنے کے لیے کوئی اور چیز میسر نہ ہو تو کانٹے کے ساتھ بند کر لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں جو کرتہ استعمال ہوتا تھا وہ سامنے سے مکمل طور پر کھلا ہوتا تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں کوٹ ہوتا ہے۔

ازار لٹکانے والے کے لئے وعید

(۸/۶۹۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یُصَلِّیْ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَكَ اَمَرْتَهٗ اَنْ یَتَوَضَّأَ قَالَ اِنَّهٗ کَانَ یُصَلِّیْ وَهُوَ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ اِزَارَهٗ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱ /۴۱۹ حدیث رقم ۶۳۸ وذکر "اذهب فتوضا" مرتین۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا جاؤ جا کر وضو کرو وہ آدمی گیا اور اس نے جا کر وضو کیا ایک دوسرے آدمی نے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ اس آدمی کو آپ نے وضو کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ آدمی اپنا ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور جو آدمی ازار لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں کرتا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک آدمی نماز ادا کر رہا تھا اور اس کا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا تھا آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ جاؤ جا کر وضو کر کے آؤ۔ وہ آدمی گیا اور وضو کر کے آیا اس وقت ایک اور آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا اس نے آپ سے سوال کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے اس آدمی کو وضو کرنے کا حکم کیوں دیا ہے بظاہر یہاں وضو کو توڑنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آدمی نے اپنا تہبند نیچے لٹکایا ہوا تھا اس لیے میں نے اس کو وضو کا حکم دیا۔ درحقیقت آپ نے ازار لٹکانے والے کو وضو کا حکم دے کر اس سے ازار کو اوپر کروایا اور وہ وضو کا حکم دے کر سمجھایا کہ ازار لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی گویا یہ وضو کا حکم بطور زجر اور توبیخ کے تھا اگرچہ اصول کے اعتبار سے ازار لٹکانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

بالغہ عورت کی نماز بغیر چادر کے نہیں ہوتی

(۹/۶۹۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ۔ (رواه ابو داود والترمذی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱ /۴۲۱ حدیث رقم ۶۴۱۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ۲ /۲۱۵ حدیث رقم ۳۷۷ وقال حدیث حسن۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱ /۲۱۵ حدیث رقم ۶۵۵۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۶ /۱۵۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بالغہ عورت کی نماز بغیر چادر کے قبول نہیں ہوتی اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بالغہ عورت کی نماز چادر کے بغیر یعنی سر ڈھانپنے کے بغیر قبول نہیں ہوتی کیونکہ بالغہ عورت کا سر اور بال ستر میں داخل ہیں اور سر کا پردہ نماز ادا کرنے کے لئے فرائض میں سے ہے اور مراد اس مقام پر آزاد عورت ہے نہ کہ باندی کیونکہ باندی کا وہی ستر ہے جو مرد کا ہے بخلاف آزاد عورت کے اس کا مکمل جسم ستر ہے۔

سوال: اس حدیث میں حائض کے لفظ کو مذکر کیوں ذکر کیا گیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا حیض والی عورت کی نماز حالانکہ حیض کی حالت میں تو نماز منع ہے۔

جواب: حیض مؤنث کی صفت ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ صفت جو مؤنث کے ساتھ خاص ہو اس کو مذکر کے صیغہ کے ساتھ ذکر کرنا

جائز ہے باقی یہاں حائض سے مراد حیض والی عورت نہیں ہے بلکہ حائض سے مراد بالغہ عورت ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ بالغہ عورت کی نماز چادر کے بغیر صحیح نہیں۔

بڑے کرتہ میں عورت نماز ادا کرسکتی ہے

(۶۹۶/۱۰)وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتُصَلِّی الْمَرْاَةُ فِیْ دِرْعٍ وَخِمَارٍ لَیْسَ عَلَیْهَا اِزَارٌ قَالَ اِذَا کَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا یُغَطِّیْ ظُهُوْرَ قَدَمَیْهَا۔ (رواہ ابوداود ذکر جماعة وَقَفُوْهُ علی امّ سلمة)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۴۲۰ حدیث رقم ۶۴۰ ۔وأخرج أوله مالك فی الموطأ ۱/ ۱۴۲ حدیث رقم ۳۸ من کتاب صلاۃ الجماعة ۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کیا عورت کرتہ اور چادر میں نماز ادا کرسکتی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں نماز پڑھ سکتی ہے بشرطیکہ کرتہ بڑا ہو کہ جو پاؤں کی پشت کو چھپا دے اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابوداوٗدؒ نے فرمایا کہ ایک جماعت نے اس روایت کو حضرت ام سلمہؓ پر موقوف بتایا ہے۔ یعنی کہ حضور ﷺ کا فرمان نہیں بلکہ حضرت ام سلمہ ؓ کا اپنا قول ہے۔

تشریح ۞ حضرت ام سلمہؓ نے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی عورت کے پاس تہبند نہ ہو تو کیا وہ کرتہ اور دوپٹہ میں نماز ادا کرسکتی ہے اگر وہ اس طرح نماز ادا کرے تو کیا اس کی نماز قبول ہو جائے گی تو آپ نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا ہاں کرتہ میں نماز ہو جائے گی اگر کرتہ اتنا بڑا ہے جو پاؤں کی پشت کو ڈھانپ دے پاؤں کے نیچے والے حصے کو تلوا کہتے ہیں اور اوپر والے حصہ کو پشت کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بالغہ عورت کے پاؤں کی پشت ستر میں شامل ہے اور اس کا کھلا رہنا نماز کی قبولیت کیلئے مانع ہے۔

سدل نماز میں منع ہے

(۶۹۷/۱۱)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنِ السَّدْلِ فِی الصَّلَاةِ وَاَنْ یُّغَطِّیَ الرَّجُلُ فَاهُ۔

(رواہ ابوداوٗد والترمذی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۴۲۳ حدیث رقم ۶۴۳ ۔وأخرج شطره الأول : الترمذی فی السنن ۲/ ۲۱۷ حدیث رقم ۳۷۸ ۔ وأحمد فی المسند ۲/ ۳۴۱ ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل کرنے سے اور منہ ڈھانپنے سے منع کیا ہے اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو چیزوں سے نماز میں منع کیا ہے ایک سدل سے دوسرا منہ ڈھانپنے سے کہ یہ دونوں عمل مکروہ ہیں اور سدل کی تعریف تین طرح سے کی گئی ہے (۱) کہ آدمی اپنے سر پر ایک کپڑا لے اور اس کے دونوں کناروں کو لٹکا کر کھلا چھوڑ دے (۲) آدمی اپنے کندھے پر ایک کپڑا لے اور اس کے دونوں کناروں کو لٹکا کر کھلا چھوڑ دے یہ تکبر اور غرور کی علامت ہے تکبر اور غرور نماز کے منافی ہے ہر وہ کام منع کیا گیا ہے جو غرور والا ہو یا تکبر اور غرور کے مشابہ ہو غرور اور تکبر کی علامات زمانے اور حالات کے پیش نظر بدلتی رہتی ہے (۳) آدمی اپنے جسم پر ایک کپڑا لے اور اس کپڑے میں اس طرح لپٹ جائے اس کا تمام جسم اور دونوں ہاتھ کپڑے کے اندر بند ہو جائیں اور اسی حالت میں وہ رکوع اور سجدہ کریں بعض نے کہا ہے اس تعریف میں یہ بھی شامل ہے کہ منہ

بھی اس کے اندر چھپ جائے تو اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے نماز کے ارکان کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی اور ستر کے کھلنے کا بھی قوی امکان ہوتا ہے۔

جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے

(۱۲/۶۹۸) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِي نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/ ٤٢٧ حديث رقم ٦٥١۔

ترجمہ: حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنے جوتے اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے اس حدیث کو امام ابوداودؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اہل کتاب کی مخالفت کرو کیونکہ وہ جوتے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے تم جوتے اور موزے پہن کر نماز پڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی جوتے پہن کر نماز پڑھتا ہے تو یہ مباح ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ جوتے پاک ہوں ان کے ساتھ ظاہری نجاست اور گندگی نہ ہو اس سے مراد ایسے مقامات ہیں کہ جہاں جوتا اتارنے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہو مثلاً کوئی صحرائی جگہ ہو اور پتھریلی زمین ہو تو ایسے مقام پر جوتے اتارنے کی ضرورت نہیں اسی حالت میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے اگر کوئی آدمی تقویٰ اور پرہیز گاری کے خلاف سمجھتے ہوئے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنے کو گناہ سمجھے تو یہ درست نہیں ایسے ہی لوگوں کی تردید کے لیے یہ حکم دیا گیا کہ اہل کتاب کی مخالفت کرو اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اہل کتاب یعنی یہود نصاریٰ کی مخالفت ضروری ہے کیونکہ یہودیوں نے بعض ایسے کام گھڑ لیے تھے جن کی شریعت میں کوئی بنیاد نہ تھی ان کو نیکی اور تقویٰ سمجھنے لگے حالانکہ ان پر لازم تھا ان کے انبیاء نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کو کرتے اور جن سے منع کیا ہے ان سے باز آ جاتے تو رسول اللہ ﷺ نے یہود کی اختراع کردہ باتوں سے منع کیا اور ان کی ممانعت کا حکم دیا اور ان کی اختراعی باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ جوتوں کے اندر نماز کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

اگر نماز کے اندر معلوم ہو جائے کہ جوتا ناپاک ہے تو اس کو اتار دو

(۱۳/۶۹۹) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهٖ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاتَهٗ قَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اِلْقَائِكُمْ نِعَالَكُمْ قَالُوْا رَاَيْنَاكَ اَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَاَلْقَيْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ جِبْرِيْلَ اَتَانِيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ فِيْهِمَا قَذَرًا اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰى فِيْ نَعْلَيْهِ قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيْهِمَا۔

(رواہ ابوداود والدارمی)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/ ٤٢٦ حديث رقم ٦٥٠۔ وأخرجه الدارمي في السنن ۱/ ۳۷۰ حديث رقم ۱۳۷۸۔ وأخرجه أحمد في المسند ۳/ ۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ نے اچانک اپنے جوتے اتار کر بائیں طرف رکھ دیے جب لوگوں نے آپ کی طرف دیکھا تو انہوں نے بھی

اپنے جوتے اتار دیئے اور ایک طرف کو ڈال دیئے رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو جوتے اتارنے پر کس چیز نے برانگیختہ کیا انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتار دیئے ہیں تو ہم نے بھی اپنے اپنے جوتے اتار ڈالے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس نماز میں جب جبرائیلؑ آئے تھے اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرے جوتے نجاست سے آلودہ ہیں تم میں سے جو کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے تو اپنے جوتوں کو دیکھ لیا کرے اگر اپنے جوتوں میں کوئی نجاست لگی دیکھے تو صاف کرلے اور صاف کرنے کے بعد ان کو پہن کر نماز پڑھ لے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی کو جوتوں کے اندر نماز پڑھنے کی ضرورت ہو اور جوتے پاک ہوں تو نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اگر جوتے نجاست سے آلودہ ہیں پھر ان میں نماز جائز نہیں۔ جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے اور سب نے جوتے پہنے ہوئے تھے اچانک رسول اللہ ﷺ نے اپنے جوتے اتار کر نماز کے اندر ہی بائیں طرف رکھ دیئے یہ دیکھتے ہی صحابہ کرام نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ میں نے تو اپنے جوتے اس لیے اتارے کہ حضرت جبرائیل نے مجھے آکر بتایا کہ آپ کے جوتے نجاست سے آلودہ ہیں لیکن آپ لوگوں کو جوتے اتارنے پر کس چیز نے مجبور کیا صحابہ نے عرض کیا جب ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جوتے اتار دیئے تو ہم نے بھی اتار دیئے اس سے ثابت ہوا کہ جب جوتے پاک اور صاف ہوں تو جوتوں سمیت نماز جائز اور صحیح ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ ہمارے زمانے میں جب کے مساجد میں عمدہ قسم کے قالین دریاں اور کارپٹ بچھے ہوئے ہوتے ہیں یہاں جوتے کے ساتھ نماز پڑھنے کا کوئی معنی نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس طرح کی چیزیں مسجد میں نہیں ہوتی تھیں اس زمانے میں مسجد کا فرش کچا اور کنکریوں والا ہوتا تھا اور آج بھی اگر ایسی مساجد ہوں اور جوتے بھی پاک ہوں تو جوتوں سمیت نماز جائز ہے۔

مسجد کے اندر جوتے کہاں رکھے جائیں؟

(٧٠٠/١٤) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلَا یَضَعُ نَعْلَیْهِ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلَا عَنْ یَسَارِهٖ فَتَکُوْنَ عَنْ یَمِیْنِ غَیْرِهٖ اِلَّا اَنْ لَا یَکُوْنَ عَلٰی یَسَارِهٖ اَحَدٌ وَلْیَضَعْهُمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَوْلِیُصَلِّ فِیْهِمَا. (رواه ابوداود وروى ابن ماجة:معناه)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ١/٤٢٨ حدیث رقم ٦٥٤ ـ والروایة الثانیة حدیث رقم ٦٥٥ ـ وأخرج ابن ماجة نحوه فی السنن ١/٤٦٠ حدیث رقم ١٤٣٢ ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنے جوتے اپنی دائیں طرف نہ رکھے کیونکہ بائیں طرف رکھنے سے دوسرے آدمی کا دایاں ہوگا ہاں البتہ اگر بائیں طرف کوئی نہ ہو تو پھر بائیں طرف جوتا رکھ لے ورنہ اس کو چاہئے کہ اپنے پاؤں کے درمیان جوتے رکھ لے اور ایک روایت میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نمازی آدمی مسجد کے اندر اپنا جوتا لے جاسکتا ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ کوئی ضرورت ہو مثلاً کوئی جوتا چرا کر لے جائے ورنہ جوتا مسجد کے اندر لے جانا ادب کے خلاف شمار ہوگا بعض مساجد میں ہمارے موجودہ

دور میں جوتا رکھنے کا انتظام ہوتا ہے بہتر یہی ہے کہ جوتا وہاں رکھا جائے اگر اس طرح کا انتظام موجود نہ ہو پھر جوتا اپنے ساتھ اندر لے جائے اور اندر کوئی مناسب جگہ تلاش کرے اپنی دائیں طرف جوتا نہ رکھے کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے فضیلت کی وجہ سے اور بائیں طرف دو حال سے خالی نہیں کوئی اور آدمی کھڑا ہوگا یہ نہیں اگر کوئی اور آدمی کھڑا ہو تو پھر بائیں طرف بھی جوتا نہ رکھے کیونکہ وہ دوسرے آدمی کا دایاں ہوگا اور اگر بائیں طرف کوئی نہ ہو تو اس طرف اپنا جوتا رکھے اور یا اپنے پاؤں کے درمیان آگے رکھ لے اور یا جوتے پہن کر نماز پڑھ لے لیکن پہن کو نماز پڑھنا اس طرح ہوگا جب کہ مسجد کے اندر قالین اور دریاں صفیں وغیرہ بچھی ہوئی نہ ہو۔

الفصل الثالث:

چٹائی پر نماز پڑھنا

(۱۵/۷۰۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَرَاَیْتُهٗ یُصَلِّیْ عَلٰی حَصِیْرٍ یَسْجُدُ عَلَیْهِ قَالَ وَرَاَیْتُهٗ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۶۹حدیث رقم (۲۸۴-۵۱۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا آپ ایک چٹائی پر نماز پڑھ رہے تھے اور اسی پر سجدہ کر رہے تھے حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جسم پر ایک کپڑا لپیٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ایک یہ کہ حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھجور کے پتوں کی چٹائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا دوم یہ کہ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے میں نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب نماز کا وقت معلوم ہو جائے تو نماز کی ادائیگی کے لیے بہت زیادہ تکلفات اور اہتمام کی ضرورت نہیں جس قدر سہولت اور آسانی ہو نماز ادا کر لی جائے البتہ نماز کی شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے مثلاً مکان کا پاک ہونا لباس کا پاک ہونا وغیرہ جیسے نبی علیہ السلام گھر میں ہوتے اور تمام سہولت میسر ہونے کے باوجود عام چٹائی پر نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور اسی طرح صحابہ کرام جب نماز کا وقت ہو جاتا تو تپتے ہوئے صحراؤں اور گرم کنکریوں پر نماز پڑھ لیتے تھے۔

نماز کے اندر جوتے اُتارنے اور پہننے کا مسئلہ

(۱۶/۷۰۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّیْ حَافِیًا وَّ مُنْتَعِلًا۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه ابوداؤد في السنن ۱/۴۲۷حدیث رقم ۶۵۳۔وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۳۳۰حدیث رقم ۱۰۳۸۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی جوتے پہن کر اور کبھی ننگے پاؤں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس حدیث کو امام ابوداودؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جوتے پہن کر بھی نماز پڑھی ہے اور جوتے اتار کر بھی نماز پڑھی ہے اس کا دارومدار حالات اور جگہ کے مطابق ہے کہ اگر جگہ ایسی ہے جہاں قالین دریاں کارپٹ اور صفیں وغیرہ بچھی ہوئی ہیں تو ایسے مقام پر جوتے اتار کر نماز پڑھنی چاہئے اور اگر کوئی میدان ہے یا مسجد ہے مگر اس کا فرش کچا ہے نیچے کنکریاں ہیں یا کوئی خاردار جگہ ہے وہاں

جوتے پہن کر نماز پڑھی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کو کپڑوں کی وسعت میسر نہ تھی

(۱۷/۷۰۳)وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى بِنَا جَابِرٌ فِيْ اِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ اِزَارٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ اِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ اَحْمَقُ مِّثْلُكَ وَاَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱/ ٤٦٧ حدیث رقم ۳٥۲۔وأخرجه أحمد فی المسند ۳/ ۳۳٥۔

ترجمہ: حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت جابرؓ نے نماز پڑھائی ایک چادر میں جس کو انہوں نے اپنی گدی پر باندھ رکھا تھا اور حالانکہ ان کے کپڑے کھونٹی پر لٹکے ہوئے تھے ان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے صرف ایک چادر میں نماز پڑھی انہوں نے جواب دیا میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ تم جیسا بیوقوف مجھے دیکھ لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم میں سے ایسا کون تھا کہ جس کے پاس دو کپڑے ہوں اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی سادگی کی یہ حالت تھی کہ عام لوگوں کو دو کپڑے بھی میسر نہ تھے حضرت جابرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی ایک چادر میں اور اس کو انہوں نے اپنی گدی پر باندھ رکھا تھا حالانکہ اس وقت حضرت جابرؓ کے کچھ کپڑے ایک کھونٹی پر لٹک رہے تھے اس سے معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا درست ہے' سائل نے اسے خلاف سنت سمجھتے ہوئے سوال کر دیا تو حضرت جابرؓ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ تجھ جیسا بیوقوف دیکھ لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم میں سے ایسا کون تھا جس کے پاس دو کپڑے ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا درست نہیں۔

ضرورت کے وقت ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے

(۱۸/۷۰۴)وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا يُعَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِنَّمَا كَانَ ذَاكَ اِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَاَمَّا اِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَالصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبَيْنِ اَزْكٰى۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد فی المسند ٥/ ١٤١۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ لینا سنت ہے کیونکہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کیا کرتے تھے اور ہمیں کوئی برا نہیں کہتا تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اس وقت تھا جب کپڑوں کی قلت تھی اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے کپڑوں کے بارے میں ہمیں وسعت دے دی ہے تو اب دو کپڑوں میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ کسی چیز کی قلت اور کثرت کے وقت اعتدال کو اختیار کیا جائے جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب لوگوں کو کپڑوں کے بارے میں وسعت نہیں تھی تو لوگ اس وقت ایک کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور اس کو برا کوئی نہیں سمجھتا تھا کیونکہ مکلف ہونا یا نہ ہونا طاقت کے بقدر رہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک کپڑے کی وسعت ہے تو اس میں

نماز پڑھی جائے دو کپڑوں کی وسعت ہے تو دو میں نماز پڑھی جائے تین کپڑوں کی وسعت ہے تو تین کپڑوں میں نماز پڑھی جائے کثرت کی حالت کو دیکھ کر قلت کی حالت پر اعتراض درست نہیں۔

بَابُ السُّتْرَةِ

سترہ کا بیان

سترہ کا لفظ سین کے ضمہ اور تاء کے سکون کے ساتھ ہے اس کا لغوی معنی ہے رکاوٹ اور پردہ اور اصطلاح میں سترہ کی تعریف یہ ہے کہ سترہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نماز پڑھنے والے کے سامنے کھڑی کیا جائے تاکہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا گنہگار نہ ہو سترہ میں دیوار' لکڑی' سریا وغیرہ کو استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی ہر ایسی چیز جو گزرنے والے کو دور سے نظر آئے سترہ کا طول کم از کم ایک ذراع ہو اور زیادہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں اور سترہ کی موٹائی کم از کم ایک انگلی کے برابر ہو اور اگر جماعت کی نماز ہے تو امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے ہر ایک کے لیے الگ الگ سترہ کی کوئی ضرورت نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی جماعت کی نماز کے دوران مقتدیوں کی صفوں کے درمیان سے گزرتا ہے تو اس کے لیے یہ وعید نہیں ہے جب کہ امام کیلئے سترہ موجود ہو اور یہ یاد رہے کہ بغیر ضرورت کے اس طرح کرنا نامناسب ہے مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں امام کا سترہ اپنے لیے ہے امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے سترہ نہیں ہے بلکہ خود امام ہی مقتدیوں کیلئے سترہ ہے۔

سوال: کیا خط اور لکیر کے شکل میں سترہ معتبر ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث میں مذکور ہے کہ اگر سترہ کے لئے کوئی چیز میسر نہ ہو تو پھر ایک محرابی شکل کے خط کو سترہ بنا لیا جائے مگر فقہائے احناف کے نزدیک خط کا سترہ معتبر نہیں اس باب میں کل اٹھارہ احادیث مذکور ہیں جن میں سترہ کے مسائل اور نمازی کے سامنے سے گزرنے کے لیے وعید اور نماز توڑنے والی اشیاء کا ذکر ہیں۔

الفصل الاول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سترہ

(۷۰۵/۱)عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَغْدُوْ اِلَى الْمُصَلّٰى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّىْ اِلَيْهَا۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٦٣/٢ حديث رقم ٩٧٣۔ وأخرجه بن ماجة في السنن ٤١٣/١ حديث رقم ١٣٠٤ مع بعض التقديم والتاخير۔ وأخرجه الدارمي مختصرًا في السنن ٣٨٣/١ حديث رقم ١٤١٠ واحمد في المسند ١٤٥/٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے اور آپ کے آگے آگے ایک نیزہ بھی لے جایا جاتا جو عیدگاہ میں آپ کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا اور آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیتے تھے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ اپنے پاس ایک نیزہ رکھتے تھے اور اس سے مختلف کام لیے جاتے تھے مثلاً ضرورت کے وقت سترہ بنا دینا اس کے ساتھ ڈھیلے اکھاڑنا اور بول وغیرہ کے لیے جگہ نرم کرنا اور اس حدیث میں جس نیزے کا ذکر کیا گیا

البخاری ١/٥٨٤حدیث رقم ٥١٠۔ومسلم ١/٣٦٣حدیث (٢٦١۔٥٠٧)۔وأبوداؤد ١/٤٤٩حدیث رقم ٧٠١۔والترمذی ٢/١٥٨حدیث رقم ٣٣٦۔والنسائی ٢/٦٦حدیث ٧٥٦وابن ماجة ١/٣٠٤حدیث ٩٤٥۔والدارمی ١/٣٨٧حدیث ١٤١٧ومالك ١/١٥٤حدیث رقم ٣٤من كتاب قصر الصلاة فی السفر ۔وأحمد ٤/١٦٩۔

ترجمہ: ابوجہیمؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی سزا کیا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو بہتر سمجھے گا اس حدیث کے راوی ابونضر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال مجھے معلوم نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کی اہمیت کا اس سے اندازہ ہوجاتا ہے اگر کسی آدمی کو یہ بات معلوم ہوجائے عین الیقین کے درجہ میں کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے کی کتنی بڑی سزا اور گناہ ہے اور پھر اس کو ایک طویل مدت تک انتظار کرنا پڑے تو وہ انتظار کرے گا اور طویل مدت سے مراد اس حدیث میں چالیس سال ذکر کیے گئے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں اس روایت کے اندر اربعین کی تمیز کو صراحۃً ذکر کیا گیا ہے جس کو امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ یہاں چالیس سے مراد چالیس دن یا چالیس مہینے نہیں بلکہ چالیس سال ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک دوسری روایت میں سو سال ٹھہرنے کا ذکر ہے علماء نے اس وعید شدید سے مجبوری کی وجہ سے حرمین شریفین کا استثناء کیا ہے۔

نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنا

(٦/٧١٠)وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ اِلٰی شَیْءٍ یَّسْتُرُهٗ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ یَّجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْهِ فَلْیَدْ فَعْهُ فَاِنْ اَبٰی فَلْیُقَا تِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَشَیْطَانٌ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ۔

أخرجه البخاری ١/٥٨١حدیث ٥٠٩۔ومسلم ١/٣٦٢حدیث (٢٥٩۔٥٠٥)وأبو داؤد ١/٤٤٩حدیث رقم ٧٠٠۔والنسائی ٢/٦٦حدیث ٧٥٧۔وابن ماجة بمعناه ١/٣٠٧حدیث ٩٥٤والدارمی ١/٣٨٤حدیث ١٤١١۔ومالك ١٥٤ حدیث ٣٣ من كتاب قصر الصلاة فی السفر وأحمد ٣/٣٦۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں کوئی کسی شئی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان حائل ہو اور کوئی آدمی اس کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کیا ہے تو اس کو روک دینا چاہیئے اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال کرے کیونکہ وہ شیطان ہے حدیث کے یہ الفاظ بخاری کے ہے اور مسلم نے اس روایت کو بالمعنیٰ نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی نمازی اور سترہ کے درمیان سے گزرنا چاہے تو اس کو سختی کے ساتھ روکا جائے اس حدیث میں فَلْیُقَا تِلْهُ کے معنی دفاع اور لڑنے کے ہیں کیونکہ گزرنے والا شخص شیطان کی طرح سرکشی کر رہا ہے۔ حضرت قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے گزرنے والے کو سختی کے ساتھ روکا اور وہ مر گیا تو اس ضرورت میں بالاتفاق روکنے والے کا قصاص نہیں ہوگا البتہ دیت میں اختلاف ہے ایک قول کے مطابق دیت واجب ہوگی دوسرے قول کے مطابق واجب نہیں ہوگی۔

نمازی کے سامنے سے عورت، گدھا اور کتا گزرنے کا حکم

(٧/٧١١)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْمَرْاَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ وَیَقِیْ ذٰلِكَ

مِثْلُ مُؤَخِّرَةِ الرَّحْلِ ۔ (رواہ مسلم)

مسلم ١/٣٦٥حدیث (٢٦٦۔٥١١)وأخرج ابن ماجة أوله ١/٣٠٥حدیث ٩٥٠۔وأحمد ٢/٤٢٥۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا عورت' گدھا اور کتا نماز کو ختم کر دیتے ہیں اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کے مثل چیز کو سترہ بنا دینے سے نماز کو بچالیتا ہے اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ گدھے کے نمازی کے سامنے سے گزر جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں۔

① امام احمد اور اہل ظواہر کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ نے کلب اسود کے بارے میں یہ حکم لگایا ہے دوسری دونوں چیزوں کے بارے میں توقف کیا ہے۔

دلیل: امام احمدؒ کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان تین چیزوں کے گزرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جواب: یہ حکم منسوخ ہے اور اس کے لئے ناسخ حضرت ابو سعیدؓ کی ایک روایت ہے جس کو امام ابو داؤدؒ نے نقل کیا ہے اور اس میں لا یقطع الصلٰوۃ شیء یہاں شیء نکرہ تحت النفی ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے معنیٰ یہ ہو گا نماز کو کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس حدیث میں قطع صلوٰۃ سے مراد نماز کا فساد نہیں بلکہ خشوع کا ختم ہونا مراد ہے۔

② دوسرا مذہب جمہور ائمہ کا ہے انکے نزدیک عورت' کتا اور گدھا اگر نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

دلیل: ان کا استدلال عبد اللہ بن عباس ﷺ کی روایت سے ہے جس کو امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ میدان منیٰ میں صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے تو ابن عباسؓ اور ان کا بھائی جس گدھی پر سوار ہو کر گئے تھے وہ نماز کے دوران سامنے سے گزری تھی تو آپ نے نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے سامنے ہوتی اور کلب اسود کو ان دونوں پر قیاس کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ اگر تینوں نمازی کے سامنے سے گزر جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

سوال: اس مقام پر ان تین چیزوں کو خاص کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: ان تین اشیاء کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں شیطانی اثر ہوتا ہے کلب اسود کے بارے میں حدیث میں مذکور ہے کہ یہ شیطان ہے اور عورتوں کو حدیث میں شیطان کا جال قرار دیا ہے اور گدھے کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی آواز میں شیطانی اثر ہے اس سے پناہ مانگو۔

نمازی کے سامنے عورت کے آجانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

(١٢/٧٧٨) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ ۔ (متفق علیه)

البخاري في صحيحه ١/٤٩٢حديث رقم ٣٨٣۔ومسلم ١/٣٦٦حديث رقم (٢٦٧۔٥١٢)وأبو داوٗد بالفاظ متقاربة ١/٤٥٦حديث ٧١١۔وابن ماجة ١/٣٠٧حديث ٩٥٦۔وأحمد ٦/١٩٩۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان اس طرح لیٹی ہوتی تھی جیسے جنازہ نمازیوں کے آگے رکھا ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور حضرت عائشہؓ نے اپنے کو تشبیہ دی ہے جنازہ کے ساتھ اور اس تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو میں بالکل اس وقت آپ کے

سامنے لیٹی رہتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت نمازی کے سامنے آجائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

گدھے کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

(۹/۷۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى اَتَانٍ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ اَحَدٌ۔ (متفق علیه)

البخاري في صحيحه ۱/ ۵۷۱حديث ۴۹۳۔ومسلم ۱/ ۳۶۱حديث (۲۵۴۔۵۰۴)وأبوداؤد ۱/ ۴۵۸حديث ۷۱۵۔ ومالك ۱/ ۱۵۵حديث ۳۸من كتاب قصر الصلاة في السفر۔وأحمد ۱/ ۲۶۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میں بلوغت کے قریب تھا ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور آپ کے آگے کوئی دیوار نہیں تھی میں بعض صف کے سامنے سے گزرا اور پھر گدھی سے اترا اور میں نے گدھی کو چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا اور مجھ پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس واقعہ کو اس مقام پر بیان کرنے کا مقصد اور غرض وغایت یہ ہے کہ اگر گدھا نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

الفصل الثانی:

سترہ قائم کرنے کا حکم

(۱۰/۷۱۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهٗ مَامَرَّ اَمَامَهٗ. (رواه ابوداود وابن ماجة)

أبوداؤد ۱/ ۴۴۳حديث ۶۸۹۔وابن ماجة في السنن ۱/ ۳۰۳حديث ۹۴۳۔وأحمد ۲/ ۲۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنا چاہے تو اپنے منہ کے سامنے کسی چیز کو کر دے اور اگر کچھ نہ ملے تو اپنا عصا کھڑا کر دیا کرے اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو خط کھینچا کرے پھر اس کے سامنے سے کوئی گزر جائے تو نقصان نہیں ہوگا اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نمازی کو حکم دیا ہے کہ وہ نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے کسی چیز کو بطور سترہ رکھ دے اور اس میں بہت آسانی دی گئی ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی چیز سترہ بنانے کے لئے نہ ہو تو اپنی لاٹھی کو سترہ بنا دے' مگر لاٹھی کو سامنے کھڑا کرنا معتبر ہوگا اور نیچے ڈالنے کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک لاٹھی کو سامنے رکھنا معتبر نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک معتبر ہوگا اور اگر کسی کو لاٹھی بھی میسر نہ ہو تو پھر وہ کچھ خط کھینچ دیا کرے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا خط کھینچنا سترہ کے لیے کافی ہے یا نہیں امام احمدؒ کے نزدیک سترہ کے لئے خط کھینچنا صحیح ہے یہی امام شافعیؒ کا قول ہے اور اسی کو متاخرین احناف نے اختیار کیا ہے امام مالکؒ اور جمہور علماء کے نزدیک سترہ کے لیے خط کھینچنا معتبر نہیں اسی کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ سترہ کے لیے خط

کھینچنے کا مطلقاً انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حدیث سے ثابت ہے اگرچہ حدیث میں ضعف اور اضطراب ہے پھر خط کھینچنے میں اختلاف ہے ایک قول کے مطابق محرابی شکل میں خط کھینچا جائے گا دوسرے قول کے مطابق طولاً خط کو کھینچا جائے گا تیسرے قول کے مطابق عرضاً خط کھینچا جائے گا ان میں سے پہلا طریقہ افضل ہے۔

سترہ قریب کھڑا کیا جائے

(١١/٧١٥)وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی سُتْرَةٍ فَلْیَدْنُ مِنْهَا لَایَقْطَعِ الشَّیْطَانُ صَلَاتَهُ۔ (رواہ ابوداود)

أبوداوٗد ١/٤٤٦ حديث ٦٩٥ـ والنسائی ٢/٦٢ حديث ٧٤٨ـ

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی حثمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اس کو چاہئے کہ وہ سترہ کے قریب رہے تا کہ شیطان اس کی نماز کو نہ توڑے اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ سترہ کو اپنے قریب کھڑا کیا جائے تا کہ شیطان اس کی نماز میں کوئی فتنہ وفساد نہ مچا سکے کیونکہ اگر سترہ نمازی سے دور ہوگا تو اس کے سامنے سے گزرنے کا قوی احتمال ہے اور شیطان دل میں وسوسے ڈالے گا اس سے نماز کی طرف توجہ نہیں رہے گی۔

سترہ پیشانی کے بالکل سامنے نہ ہو

(١٢/٧١٦)وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَارَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّیْ اِلٰی عُوْدٍ وَلَاعَمُوْدٍ وَلَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهٗ عَلٰی حَاجِبِهِ الْاَیْمَنِ اَوِالْاَیْسَرِ وَلَا یَصْمُدُ لَهٗ صَمْدًا۔ (رواہ ابوداوٗد)

أخرجه أبوداوٗد ١/٤٤٥ حديث ٦٩٣ـ وأحمد فی المسند ٦/٤ـ

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ لکڑی ستون اور درخت کی طرف نماز پڑھتے ہوں بلکہ یہ چیزیں آپ کے دائیں یا بائیں آبرو کے سامنے ہوتیں اور آپ ﷺ ان کی سیدھ کا ارادہ نہ کرتے تھے اس حدیث کو امام ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ سترہ بالکل نمازی کی پیشانی کے سامنے نہ ہو بلکہ دائیں آبرو یا بائیں آبرو کے سامنے ہو تا کہ بت پرستوں کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ میں رکوع اور سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا ہے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مردہ کی عبادت کی جارہی ہے۔

کتے اور گدھے کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

(١٣/٧١٧)وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ فِیْ بَادِیَةٍ لَنَا وَمَعَهٗ عَبَّاسٌ فَصَلّٰی فِیْ صَحْرَاءَ لَیْسَ بَیْنَ یَدَیْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَکَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَیْنَ یَدَیْهِ فَمَابَالٰی بِذٰلِكَ۔ (رواہ ابوداود والنسائی نحوہ)

أبوداوٗد ١/٤٥٩ حديث رقم ٧١٨ـ والنسائی بمعناه ٢/٦٥ حديث رقم ٧٥٣ وأحمد ١/٢١١ـ

ترجمہ: حضرت فضل بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم اپنے جنگل میں تھے اور حضرت عباسؓ بھی آپ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے جنگل میں نماز پڑھی اس وقت آپ کے سامنے سترہ موجود نہ تھا ہماری گدھی اور کتیا آپ کے سامنے کھیل رہی تھی آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا۔

تشریح ۞ اس حدیث سے ایک تو یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ اگر نمازی کے سامنے سے کوئی آدمی صحراء میں نماز پڑھے تو سامنے سترہ رکھنا واجب اور ضروری نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

سوال: اس حدیث میں بَادِیَۃٍ لَنَا کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ اہل عرب کا رواج تھا کہ وہ موسم کے تغیر کے اعتبار سے مختلف صحراؤں میں خیمہ زن ہوتے تھے مال مویشی رکھتے تھے جہاں اچھی چراگاہ ہوتی موسم گرما میں وہاں چلے جاتے اس حدیث میں بھی اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

کسی چیز کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

(۷۱۸/۱۴) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَقْطَعُ الصَّلَاۃَ شَیْءٌ وَادْرَءُوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا ھُوَ شَیْطَانٌ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ٤٦٠ حدیث ۷۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی چیز نماز کو فاسد نہیں کرسکتی اور تم روکو جس قدر طاقت رکھتے ہو کیونکہ سامنے سے گزرنے والا شیطان ہے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں شئی نکرہ تحت النفی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے اور اس عموم میں عورت کتا اور گدھا بھی شامل ہے کہ اگر یہ نمازی کے سامنے سے گزر جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

الفصل الثالث:

اگر عورت نمازی کے سامنے لیٹی ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی

(۷۱۹/۱۵) وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَنَامُ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَرِجْلَایَ فِیْ قِبْلَتِہٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِیْ فَقَبَضْتُ رِجْلَیَّ وَاِذَا قَامَ بَسَطْتُّھُمَا قَالَتْ وَالْبُیُوْتُ یَوْمَئِذٍ لَیْسَ فِیْھَا مَصَابِیْحُ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۱/ ۵۸۸ حدیث ۵۱۳ حدیث ۔ومسلم ۱/ ۳۶۷ حدیث (۲۷۲۔۵۱۲) وأبو داوٗد ۱/ ٤٥۷ حدیث ۷۱۲ ۔وأخرجه النسائی فی السنن ۱/ ۱۰۲ حدیث ۱٦۸ وأخرجه مالك ۱/ ۱۱۷ حدیث ۲ من کتاب صلاۃ اللیل ۔ وأحمد ٦/ ۱٤۸ ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوئی ہوتی تھی اور میرے دونوں پاؤں آپ ﷺ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تھے تو مجھے دبا دیتے تھے اور میں اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتی تھی اور جب آپ کھڑے ہوتے تھے تو پھر میں پاؤں کو پھیلا دیتی تھی۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ ان

دنوں میں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر عورت نمازی کے سامنے لیٹی ہوئی ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مس امرأۃ ناقض وضو نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ عمل قلیل مفسد صلوٰۃ نہیں چوتھا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کے پاؤں آپ ﷺ کے سجدہ والی جگہ میں عذر کی وجہ سے چلے جاتے تھے حضرت عائشہؓ نے خود عذر پیش کر دیا کہ اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے مجھے معلوم نہ ہوتا تھا اور میرے پاؤں آپ ﷺ کے سجدہ والی جگہ چلے جاتے تھے۔

نمازی کے سامنے سے گزرنا جرم ہے

(۱۶/۷۲۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْيَعْلَمُ اَحَدُكُمْ مَالَهٗ فِیْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَیْ اَخِيْهِ مُعْتَرِضًا فِی الصَّلَاةِ كَانَ لَاَنْ يُّقِيْمَ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَّهٗ مِنَ الْخَطْوَةِ الَّتِیْ خَطَا۔ (رواہ ابن ماجۃ)

ابن ماجۃ فی السنن ۱/۳۰۴ حدیث رقم ۹۴۶۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے سے جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو عرضاً گزرنا کتنا بڑا گناہ ہے تو اس کے لیے سو سال تک کھڑے رہنا ایک قدم بڑھانے سے بہتر ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

زمین میں دھنس جانا نمازی کے آگے گزرنے سے آسان ہے

(۱۷/۷۲۱) وَعَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يَّخْسِفَ بِهٖ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَهْوَنُ عَلَيْهِ۔ (رواہ مالک)

أخرجه مالك فی الموطأ ۱/۱۵۵۔ حدیث رقم ۳۵ من کتاب قصر الصلاۃ فی السفر۔

ترجمہ: حضرت کعب احبارؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو اس کو اپنا زمین میں دھنسایا جانا نمازی کے آگے سے گزرنے زیادہ بہتر معلوم ہو اور ایک دوسری روایت میں بجائے۔ بہتر۔ کے زیادہ آسان کا لفظ ہے۔ اس حدیث کو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے۔

نمازی کے سامنے سے کتنے فاصلے سے گزرنا درست ہے؟

(۱۸/۷۲۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ اِلٰی غَيْرِ السُّتْرَةِ فَاِنَّهٗ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْخِنْزِيْرُ وَالْيَهُوْدِیُّ وَالْمَجُوْسِیُّ وَالْمَرْاَةُ وَتُجْزِئُ عَنْهُ اِذَا مَرُّوْا بَيْنَ يَدَيْهِ عَلٰی قَذْفَةٍ بِحَجَرٍ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداود ۱/۴۵۳ حدیث ۷۰۴۔ فی المخطوطة عن

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سے جو آدمی بغیر سترہ کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز اس کے سامنے سے گدھے خنزیر یہودی مجوسی اور عورت کے گزر جانے سے فاسد ہو

جائے گی ہاں البتہ اگر یہ پتھر پھینکنے کے فاصلہ سے گزریں تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو مذکورہ اشیاء نمازی کے سامنے سے تین ہاتھ کے فاصلے پر گزر جائیں تو نماز کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور گزرنے والے کے لیے بھی کوئی حرج نہیں۔ اب یہ کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کی حد کیا ہے۔ ایک قول کے مطابق تین ذراع ہے دوسرے قول کے مطابق پانچ ذراع ہے۔

تیسرے قول کے مطابق چالیس ذراع ہیں۔ چوتھے قول کے مطابق سجدہ گاہ کی حد سے گزرنا منع ہے۔ پانچویں قول کے مطابق دو یا تین صفوں کا فاصلہ ہے۔

سوال: کیا مذکورہ اشیاء کے گزرنے سے نمازی کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

جواب: اس حدیث میں قطع صلوٰۃ سے مراد فساد صلوٰۃ نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد قطع خشوع ہے کہ ان چیزوں کے گزرنے سے خشوع ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سب شیطان کے مراکز ہیں اور یا یہ کہا جائے گا کہ یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور اس کے لیے ناسخ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے۔ وفیہ لا یقطع الصلوٰۃ شیء۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

نماز پڑھنے کا بیان

اس باب میں صاحب مشکوٰۃ نے نماز کا از ابتداء تا انتہاء پورا طریقہ بیان کیا ہے۔ نماز کی ترتیب، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، تکبیر تحریمہ، قعدہ، تعدیل ارکان وغیرہ ان مسائل کی وضاحت کے لئے اس باب میں بائیس احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

الفصل الاول:

طریقہ صلوٰۃ

(۱/۷۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِیْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَوْ فِی الَّتِیْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلَاةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِیْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری ۲/۲۳۷ حدیث رقم ۷۵۷۔ ومسلم ۱/۲۹۸ حدیث (۴۵۔۳۹۷) وأبو داؤد ۱/۵۳۴ حدیث ۸۵۶۔ والترمذی بمعناه ۲/۱۰۳ رقم ۳۰۳ والنسائی ۱/۱۹۳ حدیث رقم ۱۰۵۳۔ وابن ماجة ۱/۳۳۶ حدیث ۱۰۶۰ وأحمد ۲/۴۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک حصہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا پہلے اس نے نماز پڑھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ

نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ پھر نماز پڑھو۔ اس لیے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ چلا گیا جس طرح پہلے نماز پڑھی تھی اسی طرح پھر نماز پڑھی اور آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر سلام عرض کیا آپ ﷺ نے سلام کا جواب دے کر پھر فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ اس آدمی نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ مجھے سکھلا دیجئے ۔آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرلو۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر تکبیر کہو اور پھر قرآن جو تمہیں آسان معلوم ہو اس کو پڑھو۔ پھر آرام کے ساتھ رکوع کرو۔ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر آرام سے سجدہ کرو۔ پھر سر اٹھاؤ اور آرام سے بیٹھ جاؤ۔ پھر آرام سے دوسرا سجدہ کرو۔ پھر سر اٹھاؤ اور آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اپنی تمام نماز اسی طرح مکمل کرو۔

(بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں عنوان ہے حدیث اعرابی مسیئ الصلوٰۃ اور اس میں حضرت خلاد بن رافع کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

مَسْئَلَه [۱]: عالم کے لئے مناسب ہے کہ جب وہ کسی جاہل اور غلط کام کرنے والے کو سمجھائے تو نہایت ہی خوش اخلاقی اور نرمی سے سمجھائے کہ اس سے وہ خود بخود اس نے بات کو سمجھنے پر اور عمل کرنے پر مجبور ہو جائے گا کیونکہ بد اخلاقی، ترش روئی، ضد اور ہٹ دھرمی سے خاطر خواہ مقصد اور نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ **مَسْئَلَه** [۲]: بوقت ملاقات سلام کرنا چاہئے اگرچہ ملاقات تکرار کے ساتھ ہو اور درمیان میں وقت قلیل ہو۔ جیسے حدیث مذکور میں ہے کہ صحابی نے ہر مرتبہ سلام کیا اور آپ ﷺ نے جواب دیا۔ **مَسْئَلَه** [۳]: اگر نماز کے واجبات میں کوئی خلل اور نقصان ہو تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ **مَسْئَلَه** [۴]: اس حدیث میں جلسہ استراحت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے بعد کا جلسہ۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جلسہ استراحت مسنون ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون ہے۔

تعدیل ارکان کا حکم : اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تعدیل ارکان فرض ہے یا واجب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے۔ منشأ اختلاف یہ ہے کہ خبر واحد سے فرضیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خبر واحد سے فرضیت ثابت ہو جاتی ہے۔ دلیل نمبر۱: حدیث اعرابی مسیئ الصلوٰۃ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خلاد بن رافعؓ کو ارکان نماز کی تعلیم دی اور فرمایا اگر تو نے تعدیل ارکان کی رعایت کرلی تو تیری نماز تام ہوگی اور اگر تو نے تعدیل ارکان کی رعایت نہ کی تو تیری نماز ناقص ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان واجب ہے کیونکہ تعدیل ارکان کے ترک پر نقصان صلوٰۃ کا حکم لگایا گیا ہے۔ اگر تعدیل ارکان فرض ہوتی تو بطلان صلوٰۃ کا حکم لگایا جاتا ۔دلیل نمبر۲: قرآن کریم میں مطلقاً رکوع اور سجدہ کا حکم ہے۔ اگر ہم خبر واحد کی وجہ سے تعدیل ارکان کو فرض قرار دیں تو اس سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ ناجائز ہے۔ لہٰذا مطلقاً رکوع اور سجدہ فرض ہوگا کتاب اللہ کے حکم سے اور تعدیل ارکان واجب ہوگا۔ حدیث کے حکم سے۔ دلیل ائمہ ثلاثہ: ائمہ ثلاثہ کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے اور اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ جس نے تعدیل ارکان کا لحاظ نہ کیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان فرض ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں نفی برائے کمال ہے نہ کہ برائے جنس مطلب یہ ہوگا کہ تعدیل ارکان کو چھوڑنے سے نماز کامل نہیں ہوگی اور اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ تعدیل ارکان واجب ہے اور واجب کے ترک سے نقصان لازم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ

(۲/۷۴۴)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَ ةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهٗ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِىَ قَائِمًا وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِىَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةُ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى اَنْ يَّفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيْمِ ۔ (رواہ مسلم)

مسلم ۱/۳۵۷ (۲۴۰-۴۹۸)وأبو داوٗد فی السنن ۱/۴۹۴ حدیث رقم ۷۸۳ وأحمد ۶/۱۹۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر تحریمہ سے اور قراءت کو **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** سے شروع کرتے تھے اور جب آپ رکوع کرتے تو اپنا سر مبارک نہ تو بلند کرتے تھے اور نہ پست لیکن اس کے درمیان رکھتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو بغیر سیدھا کھڑے ہوئے سجدہ میں نہ جاتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا بیٹھے ہوئے سجدہ میں نہ جاتے تھے ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے اور آپ شیطان کی بیٹھک سے منع کرتے تھے اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدہ میں بچھانے سے منع کرتے تھے جس طرح درندہ اپنے بازوؤں کو بچھا لیتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو سلام پر ختم کرتے تھے۔اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔اور قراءت کو **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** سے شروع کرتے تھے۔

تشریح ۞ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر تحریمہ سے شروع کرتے تھے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ کو آہستہ پڑھا جائے یا بلند آواز سے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا درست ہے۔اور ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت الحمد للہ سے شروع کرتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قعدہ میں افتراش افضل ہے یا تورک۔افتراش سے مراد یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا لیا جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیا جائے اور تورک سے مراد یہ ہے کہ دونوں پاؤں بچھا کر ایک طرف سے باہر نکال لیے جائیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش افضل ہے۔جیسے اس حدیث میں افتراش ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک پہلے قعدہ میں افتراش افضل ہے اور دوسرے قعدہ میں تورک افضل ہے۔امام مالکؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک افضل ہے۔امام احمدؒ کے نزدیک ہر وہ قعدہ جو دو رکعت کے بعد ہو اس میں افتراش افضل ہے اور ہر وہ قعدہ جو تیسری یا چوتھی رکعت کے بعد ہو اس میں تورک افضل ہے۔

دلیل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ:امام صاحبؒ کا استدلال ایک تو مذکورہ حدیث سے ہے کہ اس میں افتراش کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن میں افتراش کا ذکر ہے اور احادیث میں مطلقاً افتراش کا ذکر ہے۔قعدہ اولیٰ یا ثانیہ کی کوئی وضاحت نہیں اور افتراش کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور احادیث میں مذکور ہے جن اعمال میں مشقت زیادہ ہو ان میں ثواب زیادہ ہے اور جن احادیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تورک کرتے تھے تو یہ اس زمانہ پر محمول ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ضعف پیدا ہو گیا تھا اور عمر زیادہ ہو گئی تھی۔

شیطان کی بیٹھک: اس حدیث میں شیطان کی بیٹھک سے مراد یہ ہے کہ سرین زمین پر رکھ کر دونوں پنڈلیاں کھڑی کر لی جائیں اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر بیٹھا جائے جیسے کتا بیٹھتا ہے اس طرح نماز کے اندر قعدہ میں بیٹھنا بالاتفاق مکروہ ہے دوسرے قول کے مطابق عقبہ شیطان سے مراد یہ ہے کہ دونوں سرین دونوں ایڑیوں پر رکھے جائیں۔ حضور ﷺ نے مرد کو اس طرح سجدہ کی حالت میں ہاتھ بچھانے سے منع کیا ہے جس طرح کتا اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اس حدیث میں الرجل کی قید قید احترازی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو اس طرح کرنا منع ہے اور عورت کو اس طرح کرنا جائز ہے کیونکہ اس کے لئے اس میں پردہ زیادہ ہے۔

سلام: اس حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو سلام پر ختم کر دیتے تھے اور نماز کے آخر میں سلام پھیرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے۔

طریقہ نماز سے متعلق چند امور

(۳/۷۲۵) وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ نِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَا اَحْفَظُکُمْ بِصَلَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ رَاَیْتُہٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حِذَاءَ مَنْکِبَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ اَمْکَنَ یَدَیْہِ مِنْ رُکْبَتَیْہِ ثُمَّ ھَصَرَ ظَہْرَہٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ اسْتَوٰی حَتّٰی یَعُوْدَ کُلُّ فَقَارٍ مَکَانَہٗ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ یَدَیْہِ غَیْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِھِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَیْہِ الْقِبْلَۃَ فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ جَلَسَ عَلٰی رِجْلِہِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَۃِ الْاٰخِرَۃِ قَدَّمَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْاُخْرٰی وَقَعَدَ عَلٰی مَقْعَدَتِہٖ۔ (رواہ البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۳۰۵ حدیث ۸۲۸۔ وأبوداوٗد مع زیادة وسیاق مغایر ۱/۴۶۷ حدیث ۷۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید الساعدیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ ﷺ تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنے دونوں گھٹنوں کو مضبوط پکڑتے تھے اور پیٹھ جھکا لیتے تھے اور جب اپنا سر اٹھاتے تھے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ تمام جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آ جاتے تھے اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیتے تھے اور انہیں پھیلاتے نہیں تھے اور نہ سمیٹتے تھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رکھتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے اور جب آخری رکعت پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دوسرے پاؤں کو کھڑا کر کے سرین پر بیٹھ جاتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کہتے وقت کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھائے جائیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں کے نرموں تک اٹھایا جائے کیونکہ دیگر احادیث میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں کے اوپر اٹھانے کو اختیار کیا اور نہ ہی کندھوں تک اٹھانے کو اختیار کیا بلکہ درمیانے طریقہ کو اختیار کیا۔ امام شافعیؒ نے ان احادیث کے درمیان تطبیق اس طرح کی ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر تک ہوں اور انگوٹھے کانوں کے نرموں کے برابر ہوں اور انگلیوں کے سرے کان کے اوپر کے حصہ کے برابر ہوں۔ اس سے تمام احادیث میں تطبیق پیدا ہو جائیگی اور روایتوں میں کوئی اضطراب نہیں رہے گا اور بعض علماء نے ان کے درمیان تطبیق اسطرح کی ہے کہ یہ اختلاف زمانہ پر محمول ہے کہ کسی وقت تو

کندھوں تک اٹھاتے تھے اور کسی وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں کے نرموں تک اٹھاتے تھے اور کسی وقت کانوں کے اوپر تک اٹھاتے تھے۔

طریقہ رکوع و سجود: رسول اللہ ﷺ کے رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ دونوں ہاتھوں کے ساتھ دونوں گھٹنوں کو اچھی طرح مضبوط پکڑ لیتے تھے اور انگلیوں کو کھلا رکھتے تھے اور پھر گردن کو جھکا کر پیٹھ کو برابر کرتے تھے۔ رکوع کے اندر انگلیوں کو کشادہ رکھنا چاہئے اور سجدہ میں انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہئے اور باقی تمام نماز میں اپنی حالت پر رکھا جائے اور پھر گردن کو جھکا کر پیٹھ کے برابر کرتے تھے۔

اور سجدہ کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھتے۔ ہتھیلیاں زمین پر رکھتے انگلیوں کو ملا کر رکھتے۔ بازو پہلوؤں سے اتنے کشادہ رکھے جائیں کہ اگر درمیان سے بکری کا بچہ گزرے تو گزر سکے۔ قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے جمہور علماء کے نزدیک پہلے گھٹنے زمین پر رکھے جائیں اور امام مالکؒ کے نزدیک ہاتھ پہلے رکھے جائیں۔

رفع یدین کا مسئلہ

(۴/۷۲۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی الصحیح ۲۱۸/۲ حدیث ۷۳۵۔ ومسلم ۲۹۲/۱ حدیث (۲۲۔۳۹۰) وأبوداؤد ۴۶۳/۱ رقم ۷۲۲۔ والترمذی رقم ۲۵۵۔ والنسائی ۱۲۲/۲ حدیث ۸۷۸۔ وابن ماجة فی ۲۷۹/۱ حدیث ۸۵۸۔ والدارمی ۳۱۶/۱ حدیث رقم ۲۵۰ وأخرجه مالك فی الموطا ۷۵/۱ حدیث ۱۶ من کتاب الصلاۃ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے یا رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر بھی اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے اور رسول اللہؐ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی آدمی اکیلے نماز پڑھے تو وہ تسمیع و تحمید دونوں کہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر جماعت کی نماز ہو تو پھر تسمیع اور تحمید کا کیا مسئلہ ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت کی صورت میں امام صرف تسمیع کہے گا اور مقتدی صرف تحمید کہے گا اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے۔ امام طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور امام صاحب کا بھی ایک قول اسی طرح ہے اور مقتدی کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ صرف تحمید کہے گا اور رسول اللہ ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے یعنی جس طرح تکبیر تحریمہ کے بعد آپ رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ جب سجدے میں جاتے یا سجدے سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ یہی حضرت امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ کہ ان کے نزدیک تین جگہوں میں رفع یدین کیا جائے گا۔ تکبیر تحریمہ کے وقت رکوع کو جاتے وقت رکوع سے اٹھتے وقت۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین کرتے تھے

(۵/۷۲۷) وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري ٢/٢٢٢حديث رقم ٧٣٩۔

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نماز شروع کرتے تھے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب تسمیع اور تحمید کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ تک مرفوع نقل کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(۶/۷۲۸) وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا اُذُنَيْهِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ اُذُنَيْهِ۔ (متفق عليه)

البخاري في صحيحه ٢/٢١٩حديث ٧٣٧۔ ومسلم ١/٢٩٣حديث (٢٥۔٣٩١)۔ والنسائي ٢/١٢٢حديث ٨٨٠۔ وابن ماجة في السنن ١/٢٧٩حديث ٨٥٩ والدارمي ١/٣١٧رقم ١٢٥١۔ وأحمد ٣/٤٣٦۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ ان کو کانوں کے برابر لے جاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تسمیع اور تحمید کہہ کر اسی طرح کرتے تھے اور ایک دوسری روایت میں ہے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے اوپر تک لے جاتے تھے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے گا اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کیا جائے گا یا نہیں اور دو مذہب ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔

اور دوسرا مذہب ہے امام شافعیؒ وغیرہ کا ان کے نزدیک رفع یدین کیا جائے گا۔

دلائل حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر بہت دلائل ہیں جن میں سے چند دلائل درج ذیل ہیں۔

دلیل اول: ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ یہ ایک مرتبہ اپنے چند احباب کے ساتھ تھے انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھ کر دکھاؤں انہوں نے کہا ضرور دکھائیں پھر انہوں نے نماز پڑھ کر دکھائی اس نماز میں سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین نہیں کیا۔

دلیل ثانی: معجم طبرانی میں روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ سات جگہوں کے علاوہ رفع یدین نہیں ہوگا۔ (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت (۲) قنوت وتر کے وقت (۳) عید الفطر اور عید الضحیٰ کی تکبیر زوائد کے اندر (۴) حجر اسود کے استلام کے وقت (۵) صفا پہاڑی اور مروہ پہاڑی پر (۶) میدان عرفات میں (۷) رمی جمرات کے وقت۔

دلیل ثالث: ابوداؤد میں حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا اس کے بعد پوری نماز میں رفع یدین نہیں کیا۔

دلیل رابع: طحاوی میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ مغیرہ بن مقسم نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کے سامنے ذکر کیا کہ وائل بن حجر نے نبی ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے حضرت ابراہیم نخعی نے جواب دیا کہ اگر وائل بن حجر نے ایک مرتبہ رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

دلیل خامس: طحاوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن مرۃ دمشق گئے تو وہاں علقمہ بن وائل بن حجر کے حوالہ سے حدیث

بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے عمرو بن مرۃ نے جب یہ بات حضرت ابراہیم نخعی کے سامنے بیان کی تو انہوں نے غضب ناک ہو کر جواب دیا کہ اگر وائل بن حجر نے نبی ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو عبداللہ ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ نے کیوں نہیں دیکھا۔

دلیل سادس: چھٹی دلیل عقلی ہے اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے رفع یدین ہے اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ تکبیر سجود کیلئے رفع یدین نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین ہے یا نہیں۔ بعض ائمہ کے نزدیک جس طرح تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین ہے اسی طرح یہاں بھی رفع یدین ہوگا اور بعض کے نزدیک جس طرح تکبیر سجود کے وقت رفع یدین نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی رفع یدین نہیں ہوگا اب ہم نے غور وفکر کیا تکبیر عندالرکوع کا حکم تکبیر تحریمہ والا ہے یا تکبیر سجود والا۔ غور وفکر سے یہی ثابت ہوا کہ اسکا حکم تکبیر سجود والا ہے وہ اس طرح کہ تکبیر تحریمہ صلب صلوٰۃ میں شامل ہے یعنی اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور تکبیر سجود صلب صلوٰۃ میں شامل نہیں ہے اس کے بغیر نماز ہو جاتی ہے اور تکبیر رکوع بھی اس اعتبار سے تکبیر سجود کے مشابہ ہے اسکے بغیر نماز ہو جاتی ہے لہٰذا اس کا حکم بھی تکبیر سجود والا ہوگا جس طرح وہاں رفع یدین نہیں اسی طرح یہاں بھی رفع یدین نہیں ہوگا۔

دلائل امام شافعی رحمہ اللہ: حضرت امام شافعیؒ کے کچھ دلائل ہیں ان کو معلوم کرنا اور ان کے جوابات معلوم کرنا ضروری ہیں۔

دلیل نمبر ۱: ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب نبی علیہ السلام نے نماز شروع کی تو رفع یدین کیا۔ اسی طرح رکوع کو جاتے ہوئے بھی رفع یدین کیا۔

جواب ❶: اس روایت سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے وہ اس طرح کہ یہ روایت چھ طرح سے منقول ہے۔

[۱] اس حدیث میں بعض طرق میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔ [۲] اس حدیث کے بعض طرق میں رفع یدین عندالرکوع کا بھی ذکر ہے۔ [۳] بعض طرق میں رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔ [۴] بعض طرق میں قعدہ اولیٰ سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔ [۵] بعض طرق میں تکبیر سجود کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔ [۶] بعض طرق میں دو سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کا ذکر ہے' اگر اس روایت سے استدلال درست ہے تو تمام روایت پر عمل کیا جائے جو آپ کا جواب ہوگا وہی ہمارا جواب ہوگا۔

جواب ❷: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اپنا عمل اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف ہے۔ وہ اس طرح کہ طحاوی میں مذکور ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے ماسوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین نہیں کیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب راوی کا اپنا عمل اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف ہو تو یہ اس کے ضعیف یا منسوخ ہونے کی علامت ہے۔

دلیل ثانی: حضرت علیؓ کی روایت ہے جس کا امام ترمذیؒ نے حوالہ دیا ہے اور اس میں رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کا ذکر ہے۔

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہے وہ اس طرح کہ امام طحاویؒ نے عاصم بن کلب سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن زیاد رفع یدین کا ذکر کرتا ہے اور یہ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

دلیل ثالث: حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی روایت ہے جس کا امام ترمذیؒ نے حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے دس صحابہ کرام کی جماعت میں کہا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھاؤں۔ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور تکبیر رکوع کے وقت رفع یدین کیا تھا۔ صحابہ کرام

نے فرمایا۔ صدقت۔ کہ آپ نے سچ کہا ہے۔

جواب ❶: ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں چار مرتبہ رفع یدین کا ذکر ہے (۱) تکبیر تحریمہ (۲) بوقت تکبیر رکوع (۳) بوقت تکبیر سجود (۴) بوقت قیام اگر اس روایت سے استدلال کرنا ہے تو پوری روایت پر عمل کرو۔

جواب ❷: ابوحمید ساعدیؓ کی روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

جواب ❸: ابوحمید ساعدیؓ کی روایت منقطع ہے وہ اس طرح کہ محمد بن عمرؒ کا سماع ان سے ثابت نہیں ہے لازماً ان کے درمیان راوی متروک ہے اور وہ مجہول ہے۔

جواب ❹: یہ روایت شاذ ہے۔ وہ اس طرح کہ ابوعاصم راوی نے قالوا صدقت جمیعًا کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ باقی ثقہ راویوں نے یہ الفاظ نقل نہیں کیے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب ثقہ راوی اثقہ کی مخالفت کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔

دلیل رابع: وائل بن حجرؓ کی روایت ہے طحاوی میں اس کے اندر تکبیر رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔

جواب: حضرت ابراہیم نخعیؒ کے قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ وائل بن حجرؓ ۹ھ میں مسلمان ہوئے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شروع میں مسلمان ہوئے۔ اس اعتبار سے حضرت عبداللہ جتنے رسول اللہ ﷺ کے افعال کے واقف ہو سکتے ہیں اتنے وائل بن حجر نہیں ہو سکتے۔

دلیل خامس: ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا امام ترمذیؒ نے حوالہ دیا اس میں بھی تکبیر رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔

جواب: یہ حدیث قابل استدلال نہیں اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی ہے اسماعیل بن عیاشؒ اور یہ قاعدہ ہے کہ اسماعیل بن عیاشؒ جو حدیث شامی راویوں سے نقل کرے وہ معتبر ہے اور جو روایت اہل حجاز یا اہل عراق سے نقل کرے وہ معتبر نہیں اس لئے کہ شامی دور میں ان کا حافظہ بھی قوی تھا اور کتب بھی موجود کمزور ہو گیا تھا اور کتب بھی ضائع ہو گئیں تھیں اور مذکورہ روایت سالم بن کسان مدنی حجازی سے منقول ہے اس لئے یہ معتبر نہیں۔

جلسہ استراحت

(۷/۲۹) وَعَنْهُ اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ ﷺ یُصَلِّیْ فَاِذَا کَانَ فِیْ وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِہٖ لَمْ یَنْھَضْ حَتّٰی یَسْتَوِیَ قَاعِدًا۔

(رواہ البخاری)

البخاری فی صحیحه ۳۰۲/۲ حدیث ۸۲۳۔ وأبو داؤد ۵۲۷/۱ حدیث ۸۴۴ وأخرجه الترمذی ۷۹/۲ حدیث ۲۸۷۔ وأخرجه النسائی ۲۳٤/۲ حدیث ۱۱۵۲۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ جب آپ اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے جب تک سیدھے بیٹھ نہ جاتے (اس وقت تک) کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جلسہ استراحت کا بیان ہے جلسہ استراحت سے مراد یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بالکل سیدھا اور برابر بیٹھ جانا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جلسہ استراحت کا کیا حکم ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون نہیں ہے اور جن احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے جلسہ استراحت ثابت ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ جلسہ استراحت مسنون ہے بلکہ وہ ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے تھا اور امام شافعیؒ کے نزدیک

جلسہ استراحت سنت ہے اور جلسہ استراحت کے بعد دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے کر اٹھنا چاہئے اور امام شافعیؒ کا استدلال ان روایات سے ہے کہ جن میں جلسہ استراحت کا ذکر ہے لیکن ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ روایات ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے بیان جواز پر محمول ہیں باقی کثیر تعداد میں روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جلسہ استراحت کے بغیر سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کہ یہ تمام حضرات پہلی اور تیسری رکعت کے بعد جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے بلکہ سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

نماز میں ہاتھ کس طرح باندھنے چاہئیں؟

(۸/۷۳۰) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ اَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم ۱/ ۳۰۱ حدیث (۵٤ـ٤٠١)۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہی پھر ہاتھ کپڑے کے اندر کر لئے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا پھر جب رکوع میں جانے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو کپڑے سے نکال کر اٹھایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے اور جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہا تو ہاتھوں کو اٹھایا پھر جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنا مسنون ہے یا چھوڑنا مسنون ہے اور اگر ہاتھوں کا باندھنا مسنون ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے کہ ہاتھوں کو کہاں باندھا جائے۔ امام مالکؒ کا ایک قول یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا افضل ہے اور باندھنا جائز ہے اور دوسرے قول کے مطابق ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک ہاتھوں کو باندھنا مسنون ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں باندھے جائیں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا افضل ہے ناف کے اوپر اور سینہ کے قریب جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سینہ کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اختلاف صرف اولیت اور غیر اولیت کے اعتبار سے ہے اور جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کو نیچے رکھا جائے اس کے اوپر دایاں ہاتھ اور خنصر انگلی کے ساتھ اور ابہام کے ساتھ حلقہ بنایا جائے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ تکبیر کہنے کے وقت ہاتھوں کو کپڑے کے اندر سے نکالنا چاہئے اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد اپنے دونوں ہاتھ مبارک چادر کے اندر کر لیتے تھے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ اپنے چادر کے اندر نہیں کیے تھے بلکہ اپنی آستینوں کے اندر چھپا لیے تھے اور ایسا آپ ﷺ نے سردی کی شدت سے کیا تھا۔

(۹/۷۳۱) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری ۲/ ۲۲٤ حدیث رقم ۷٤۰۔ ومالك فی الموطأ ۱/ ۱۵۹ حدیث ٤۷ من کتاب قصر الصلاة فی السفر۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ جب انسان نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے جب دنیا کے کسی بادشاہ کے سامنے کوئی کھڑا ہو جائے تو آداب کی رعایت لازم ہے تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا ہونے کیلئے بطریق اولیٰ آداب کی رعایت لازم اور ضروری ہے اور ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ کر ادب سے قیام کیا جائے۔

نماز کے اندر تکبیرات کا مسئلہ

(۷۳۲/۱۰)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِىْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِى الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری ۲/۲۷۲ حدیث ۷۱۹ـ ومسلم ۱/۲۹۳ـ (۲۸ـ۳۹۲) والنسائی ۲/۲۳۳ ـ ۱۱۵۰ ـ وأحمد فی المسند ۲/۴۵۴ـ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ جب نماز کیلئے کھڑا ہونے کا ارادہ کرتے تو قیام کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے پھر رکوع میں جانے کے وقت تکبیر کہتے پھر جب رکوع سے اٹھتے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے پھر قیام کی حالت میں رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے پھر سجدہ کے لیے جھکتے تو تکبیر کہتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے پھر نماز پوری کرنے تک تمام نماز میں اسی طرح کرتے اور جب دو رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں تکبیر تحریمہ، تکبیر رکوع، تکبیر سجود اور دیگر تکبیرات کا ذکر ہے اور اس حدیث میں تکبیر رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں معلوم ہوا کہ اس وقت رفع یدین کرنا سنت نہیں ہے۔

افضل نماز کونسی ہے؟

(۷۳۳/۱۱)وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم ۱/۵۲۰ حدیث (۱۶۴ـ۷۵۶) ـ والترمذی ۲/۲۲۹ حدیث ۳۸۷ـ وابن ماجة ۱/۴۵۶ حدیث ۱۴۲۱ ـ وأحمد ۳/۳۰۲ـ

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر نماز وہ ہے کہ جس میں قیام طویل ہو' اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نماز کے اندر طویل قیام کرنا افضل ہے یا سجود کی کثرت افضل ہے بالفاظ دیگر طویل قیام کے ساتھ رکعات پڑھنا بہتر ہے یا زیادہ سجدوں کے ساتھ زیادہ رکعتیں پڑھنا بہتر ہے بعض ائمہ کے نزدیک طویل قیام افضل ہے اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ کا اور ان کا استدلال حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایت سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کو افضل قرار دیا ہے کہ جس کے اندر قیام طویل ہو اور بعض ائمہ کے نزدیک کثرت سجود افضل ہے۔

الفصل الثانی:

نماز کا طریقہ

(۷۳۴/۱۲) عَنْ اَبِیْ حُمَيْدِ نِ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِىْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ

اللّٰہِ ﷺ قَالُوْا فَاعْرِضْ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلَاۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ یُکَبِّرُ ثُمَّ یَقْرَأُ ثُمَّ یُکَبِّرُ وَیَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ یَرْکَعُ وَیَضَعُ رَاحَتَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ ثُمَّ یَعْتَدِلُ فَلَا یُصَبِّیْ رَأْسَہٗ وَلَایُقْنِعُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَہٗ فَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ مُعْتَدِلاً ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ یَھْوِیْ اِلَی الْاَرْضِ سَاجِدًا فَیُجَافِیْ یَدَیْہِ عَنْ جَنْبَیْہِ وَیَفْتَحُ اَصَابِعَ رِجْلَیْہِ ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَہٗ وَیَثْنِیْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْھَا ثُمَّ یَعْتَدِلُ حَتّٰی یَرْجِعَ کُلُّ عَظْمٍ فِیْ مَوْضِعِہٖ مُعْتَدِلاً ثُمَّ یَسْجُدُ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَیَرْفَعُ وَیَثْنِیْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْھَا ثُمَّ یَعْتَدِلُ حَتّٰی یَرْجِعَ کُلُّ عَظْمٍ اِلٰی مَوْضِعِہٖ ثُمَّ یَنْھَضُ ثُمَّ یَصْنَعُ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ کَمَا کَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاۃِ ثُمَّ یَصْنَعُ ذٰلِکَ فِیْ بَقِیَّۃِ صَلَاتِہٖ حَتّٰی اِذَا کَانَتِ السَّجْدَۃُ الَّتِیْ فِیْھَا التَّسْلِیْمُ اَخْرَجَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَقَعَدَ مُتَوَرِّکًا عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ ھٰکَذَا کَانَ یُصَلِّیْ (رواہ ابوداود وَالدَّارِمِیُّ وروی الترمذی وابن ماجۃ معناہ وقال الترمذی ھذاحدیث حسن صحیح وفی روایۃ لابی داود من حدیث ابی حمید) ثُمَّ رَکَعَ فَوَضَعَ یَدَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ کَاَنَّہٗ قَابِضٌ عَلَیْھِمَا وَوَتَّرَ یَدَیْہِ فَنَحَّاھُمَا عَنْ جَنْبَیْہِ وَقَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْکَنَ اَنْفَہٗ وَجَبْھَتَہُ الْاَرْضَ وَنَحّٰی یَدَیْہِ عَنْ جَنْبَیْہِ وَوَضَعَ کَفَّیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ وَفَرَّجَ بَیْنَ فَخِذَیْہِ غَیْرَ حَامِلٍ بَطْنَہٗ عَلٰی شَیْءٍ مِنْ فَخِذَیْہِ حَتّٰی فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْیُمْنٰی عَلٰی قِبْلَتِہٖ وَوَضَعَ کَفَّہُ الْیُمْنٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُمْنٰی وَکَفَّہُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُسْرٰی وَاَشَارَ بِاِصْبَعِہٖ یَعْنِی السَّبَّابَۃَ وَفِیْ اُخْرٰی لَہٗ وَاِذَا قَعَدَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ قَعَدَ عَلٰی بَطْنِ قَدَمِہِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی وَاِذَا کَانَ فِی الرَّابِعَۃِ اَفْضٰی بِوَرِکِہِ الْیُسْرٰی اِلَی الْاَرْضِ وَاَخْرَجَ قَدَمَیْہِ مِنْ نَاحِیَۃٍ وَاحِدَۃٍ۔

أخرجہ أبوداوٗد فی السنن ۲/۴۶۷حدیث ۷۳۰۔والدارمی ۱/۳۶۱حدیث ۱۳۵۶والترمذی ۲/۱۰۵حدیث رقم ۳۰۴بمعناہ ۔وابن ماجۃ ۱/۳۳۷حدیث ۱۰۶۱وأحمد ۵/۴۲۴والراویۃ الأولی أخرجھا أبوداوٗد ۱/۴۷۱حدیث ۷۳۴۔والثانیۃ أبو داوٗد ۱/۴۶۹حدیث ۴۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دس صحابہؓ کی جماعت سے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں صحابہ کرام کی اس جماعت نے کہا اچھا پیش کیجئے'' انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کندھوں کے برابر لے جاتے اور تکبیر کہتے پھر قراءت کرتے اس کے بعد تکبیر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور رکوع میں جا کر دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور کمر سیدھی کر لیتے اور سر کو نہ نیچا کرتے اور نہ بلند کرتے پھر ہاتھ اٹھاتے وقت سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے پھر تکبیر کہتے ہوئے زمین کی طرف جاتے اور سجدہ کرتے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو موڑ کر رکھتے تھے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں موڑ کر اس پر سیدھے بیٹھ جاتے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پر برابر آ جاتا پھر

تکبیر کہہ کر سجدہ میں چلے جاتے اور پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے اٹھتے اور بایاں پاؤں موڑ کر اس پر اطمینان سے بیٹھ جاتے یہاں تک کہ جسم کا ہر عضو اپنی جگہ پر آ جاتا تھا پھر دوسری رکعت میں بھی اس طرح کرتے تھے اور جب دو رکعت پڑھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے جیسے نماز کو شروع کرتے وقت تکبیر کہتے تھے پھر باقی نماز اسی طرح پڑھتے تھے اور پھر جب وہ سجدہ کر چکے ہوتے جس کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے تو اپنا بایاں پاؤں باہر نکالتے اور بائیں سرین پر بیٹھ جاتے اور پھر سلام پھیر لیتے تھے وہ سب صحابہ بولے کہ بیشک تم نے سچ فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام دارمیؒ نے روایت کیا امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے اس روایت کو بالمعنیٰ نقل کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں (جو ابوحمیدؓ سے مروی ہے) یہ الفاظ ہیں پھر رکوع میں جا کر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح رکھے جیسے انہیں مضبوطی سے پکڑے ہوں اور اپنے ہاتھوں کو کمان کی تانت کی طرح کھینچ کر رکھا اور کہنیوں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دور رکھا راوی کہتے ہیں کہ پھر سجدہ میں گئے تو اپنے ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھا اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھا اور دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اور دونوں رانوں کو کشادہ رکھا اور اپنے پیٹ کو دونوں سے الگ رکھا یہاں تک کہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور پھر اس طرح بیٹھے کہ بایاں پاؤں بچھالیا اور دائیں پاؤں کی پشت کو قبلہ کی طرف متوجہ کیا اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا اور اپنی سبابہ انگلی سے اشارہ کیا اور ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے تلوے پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر دیا کرتے تھے اور جب چوتھی رکعت پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں سرین کو زمین سے ملاتے اور دونوں پاؤں کو ایک طرف نکال لیتے تھے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں نماز کا طریقہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نماز اس طرح پڑھتے تھے۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہو گئے۔

① حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی مصلحت اور ضرورت کی وجہ سے بغیر تکبر کے بطور اظہار حقیقت کے اپنے علم کی زیادتی کا مدعی ہو تو یہ جائز ہے۔

② اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ بوقت تکبیر تحریمہ پہلے رفع یدین ہوگا اور بعد میں اللہ اکبر کہا جائے گا یہی حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں اور بعد میں تکبیر کہی جائے۔

③ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ سجدہ کی تکمیل تب ہوگی جب کہ پیشانی اور ناک دونوں کو سجدہ میں زمین پر رکھ دیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اقتصار علی احدھما جائز ہے یا نہیں۔ یعنی ناک اور پیشانی میں سے ایک پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں۔ تو اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر اکتفاء علی احدھما کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے ہو تو بلا کراہت سجدہ جائز ہے اور اگر بغیر کسی عذر اور مجبوری کے ایسا کیا یعنی ناک اور پیشانی میں سے ایک پر سجدہ کیا اگر پیشانی کو زمین پر رکھا ہے ناک نہیں رکھی تو اس صورت میں بالاتفاق سجدہ جائز ہوگا مگر مع الکراہت اور اگر صرف ناک رکھی ہے پیشانی نہیں رکھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مع الکراہت سجدہ ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک سجدہ جائز نہیں ہوگا اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

④ قعدہ کے اندر کلمہ شہادت کو پڑھا جائے۔ تو سبابہ کے ساتھ اشارہ کیا جائے زمانہ جاہلیت میں اس انگلی کا نام سبابہ تھا۔ اس کا معنی ہے گالی گلوچ اور اس کو بھی سبابہ اسی وجہ سے کہتے تھے کہ بوقت لڑائی اور جھگڑا اس کے ساتھ اشارہ کرتے تھے۔ مگر اب اسلام میں اس انگلی کا نام شہادت اور مسبحہ ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ شہادت کا اشارہ کیا جاتا اور تسبیح کی جاتی ہے۔

تکبیر تحریمہ کے رفع یدین کا مسئلہ

(۷۳۵/۱۳)وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ اَبْصَرَ النَّبِیَّ ﷺ حِیْنَ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى اِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ (رواه ابو داود وفی رواية له) يَرْفَعُ لَهٗ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ......

اخرجه أبوداؤد ١/ ٤٦٥ حديث ٧٢٤ ـ وأخرج الرواية الثانية ١/ ٤٧٣ حديث ٧٣٧ ـ والنسائى ٢/ ١٢٣ حديث رقم ٨٨٢ ـ

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں تک لے گئے اور پھر تکبیر کہی۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے اور ابوداؤدؒ کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ انگوٹھوں کو کانوں کے نرموں تک اٹھاتے تھے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پہلے ہوگا اور اللہ اکبر بعد میں کہا جائے گا دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں کے نرموں تک اٹھائے جائیں گے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

(۷۳۶/۱۴)وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَؤُمُّنَا فَيَاْخُذُ شِمَالَهٗ بِيَمِيْنِهٖ۔
(رواه الترمذی وابن ماجة)

اخرجه الترمذى ٢/ ٣٢ حديث ٢٥٢ ـ وقال حديث حسن وأخرجه ابن ماجة ١/ ٢٦٦ حديث ٨٠٩ وأحمد ٥/ ٢٢٦ ـ

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ہلبؓ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تعدیل ارکان کی رعایت کی تعلیم

(۷۳۷/۱۵)وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فِى الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَعِدْ صَلَاتَكَ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِیْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اُصَلِّیْ قَالَ اِذَا تَوَجَّهْتَ اِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَمَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَقْرَاَ فَاِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ وَمَكِّنْ رُكُوْعَكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَاْسَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ اِلٰى مَفَاصِلِهَا فَاِذَا سَجَدْتَّ فَمَكِّنِ السُّجُوْدَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ (ورواه ابو داود مع تغيير يسير وروى الترمذى والنسائى مَعْنَاهُ وَفِی رواية للترمذى) قَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَتَوَضَّاْ كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَاَقِمْ فَاِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْاٰنٌ فَاقْرَاْ وَاِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ۔

اخرجه أبوداؤد فى السنن ١/ ٥٣٧ ـ ٥٣٨ حديثين رقم ٨٥٩ ـ ٨٦٠ مع بعض التغاير ـ وللترمذى معناه فى السنن ٢/ ١٠٥

حدیث ۳۰۲۔وقال حدیث حسن۔ والنسائی فی السنن ۲/ ۱۹۳ حدیث رقم ۱۰۵۳۔وأخرجه الدارمی مطولاً فی السنن ۱/ ۳۵۰ حدیث رقم ۱۳۲۹۔وأخرجه أحمد فی المسند ۴/ ۳۴۰ والروایة : "إذا قمت للصلاة فتوضا....."أخرجها : أبوداؤد فی السنن ۱/ ۵۳۸ حدیث رقم ۸۶۱۔والترمذی ضمن حدیث رقم ۳۰۲۔

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں آیا اور نماز پڑھی اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سلام عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا تم اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی اس آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتا دیجئے کہ میں کیسے نماز پڑھوں آپ نے فرمایا جب تم قبلہ کی طرف متوجہ ہو تو تکبیر کہو پھر اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرآن سے سکھایا ہے اس کو پڑھو پھر جب تم رکوع میں جاؤ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھو اور اس طرح رکوع میں اطمینان کے ساتھ قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو اور جب تم رکوع سے سر اٹھاؤ اپنی پشت کو سیدھا رکھو اور بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ تمہاری تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ آ جائیں اور جب سجدہ کرو اچھی طرح سجدہ کرو اور جب تم سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر رکوع و سجدہ کرو یہاں تک کہ ہر رکوع کی صحیح ادائیگی پر ان کو اطمینان ہو جائے یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور امام ابوداؤدؒ نے اسے کچھ تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسی طرح امام ترمذیؒ اور امام شافعیؒ نے بھی اس کو بالمعنی نقل کیا ہے اور ترمذی کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اس طرح وضو کرو جیسے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر کلمہ شہادت پڑھو پھر اچھی طرح نماز ادا کرو قرآن کریم میں سے جو کچھ تم کو یاد ہو اس کو پڑھو اگر قرآن میں سے کچھ بھی یاد نہ ہو تو الحمد للہ اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہو پھر رکوع کرو۔

تشریح ۞ اس حدیث کی تشریح پہلے گزر چکی ہے اس حدیث سے ایک مسئلہ تو یہ ثابت ہوا کہ تعدیل ارکان کی رعایت ضروری ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی آدمی کو نو مسلم ہونے کی وجہ سے سورۃ الفاتحہ وغیرہ یاد نہ ہو نماز اس پر فرض ہو جائے گی مگر سورۃ الفاتحہ وغیرہ سیکھنے تک قیام میں الحمد للہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وغیرہ پڑھے اور جب سورۃ الفاتحہ وغیرہ سیکھ لے تو اس کو پڑھنا ضروری نہیں۔

فرض نماز کے بعد دُعا مانگنی چاہیے

(۷۳۸/۱۶)وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلصَّلَاةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهُّدٌ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشُّعٌ وَّتَضَرُّعٌ وَّتَمَسْكُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ يَدَيْكَ يَقُوْلُ تَرْفَعُهُمَا اِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِهِمَا وَجْهَكَ وَتَقُوْلُ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا وَفِىْ رِوَايَةٍ فَهُوَ خِدَاجٌ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۲۲۵ حدیث ۳۸۵۔وأحمد فی المسند ۱/ ۲۱۱۔

ترجمہ: حضرت فضل بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نفل دو دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں تشہد ہے اور نماز میں خشوع و خضوع اور مسکنت کا اظہار ہے پھر اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھانا کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں منہ کی طرف ہوں اور زبان سے کہے اے میرے رب اور جو آدمی اس طرح نہ کہے تو اس کی نماز ایسی ویسی ہے اور ایک دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے اس کی نماز ناقص ہے اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔

تکبیر تحریمہ کے رفع یدین کا مسئلہ

(۷۳۵/۱۳)وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ اَبْصَرَ النَّبِیَّ ﷺ حِیْنَ قَامَ اِلَی الصَّلَاۃِ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی کَانَتَا بِحِیَالِ مَنْکِبَیْهِ وَحَاذٰی اِبْهَامَیْهِ اُذُنَیْهِ ثُمَّ کَبَّرَ (رواہ ابو داود وفی روایة له) یَرْفَعُ لَهٗ اِبْهَامَیْهِ اِلٰی شَحْمَةِ اُذُنَیْهِ......

أخرجه أبو داوٗد ۱/ ۴۶۵ حدیث ۷۲۴۔ وأخرج الروایة الثانیة ۱/ ۴۷۳ حدیث ۷۳۷۔ والنسائی ۲/ ۱۲۳ حدیث رقم ۸۸۲۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں تک لے گئے اور پھر تکبیر کہی۔ اس حدیث کو امام ابوداودؒ نے روایت کیا ہے اور ابوداودؒ کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ انگوٹھوں کو کانوں کے نرموں تک اٹھاتے تھے۔

تشریح ❁ اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پہلے ہوگا اور اللہ اکبر بعد میں کہا جائے گا دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں کے نرموں تک اٹھائے جائیں گے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

(۷۳۶/۱۴)وَعَنْ قَبِیْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَؤُمُّنَا فَیَاْخُذُ شِمَالَهٗ بِیَمِیْنِهٖ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجة).

أخرجه الترمذی ۲/ ۳۲ حدیث ۲۵۲۔ وقال حدیث حسن وأخرجه ابن ماجة ۱/ ۶۶ حدیث ۸۰۹ وأحمد ۵/ ۲۲۶۔

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ہلبؓ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تعدیل ارکان کی رعایت کی تعلیم

(۷۳۷/۱۵)وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَعِدْ صَلَاتَكَ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ اُصَلِّیْ قَالَ اِذَا تَوَجَّهْتَ اِلَی الْقِبْلَةِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَمَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَقْرَاَ فَاِذَا رَکَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَیْكَ عَلٰی رُکْبَتَیْكَ وَمَکِّنْ رُکُوْعَكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَاْسَكَ حَتّٰی تَرْجِعَ الْعِظَامُ اِلٰی مَفَاصِلِهَا فَاِذَا سَجَدْتَ فَمَکِّنِ السُّجُوْدَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلٰی فَخِذِكَ الْیُسْرٰی ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ (ورواہ ابو داود مع تغییر یسیر وروی الترمذی والنسائی مَعْنَاهُ وَفِیْ روایة للترمذی) قَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلَاۃِ فَتَوَضَّاْ کَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَاَقِمْ فَاِنْ کَانَ مَعَكَ قُرْاٰنٌ فَاقْرَاْ وَاِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَکَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْکَعْ۔

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/ ۵۳۷۔ ۵۳۸ حدیثین رقم ۸۵۹۔ ۸۶۰ مع بعض التغایر۔ وللترمذی معناہ فی السنن ۲/ ۱۰۵

حدیث ۳۰۲ ـ وقال حدیث حسن ـ والنسائی فی السنن ۲/۱۹۳ حدیث رقم ۱۰۵۳ ـ وأخرجه الدارمی مطولًا فی السنن ۱/۳۵۰ حدیث رقم ۱۳۲۹ ـ وأخرجه أحمد فی المسند ۴/۳۴۰ والروایة : "إذا قمت للصلاة فتوضا......" أخرجها : أبو داؤد فی السنن ۱/۵۳۸ حدیث رقم ۸۶۱ ـ والترمذی ضمن حدیث رقم ۳۰۲ ـ

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں آیا اور نماز پڑھی اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سلام عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا تم اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی اس آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتا دیجئے کہ میں کیسے نماز پڑھوں آپ نے فرمایا جب تم قبلہ کی طرف متوجہ ہو تو تکبیر کہو پھر اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرآن سے سکھایا ہے اس کو پڑھو پھر جب تم رکوع میں جاؤ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھو اور اس طرح رکوع میں اطمینان کے ساتھ قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو اور جب تم رکوع سے سر اٹھاؤ اپنی پشت کو سیدھا رکھو اور بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ تمہاری تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ آ جائیں اور جب سجدہ کرو اچھی طرح سجدہ کرو اور جب تم سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر رکوع و سجدہ کرو یہاں تک کہ ہر رکوع کی صحیح ادائیگی پر ان کو اطمینان ہو جائے یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور امام ابوداؤدؒ نے اسے کچھ تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسی طرح امام ترمذیؒ اور امام شافعیؒ نے بھی اس کو بالمعنی نقل کیا ہے اور ترمذی کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اس طرح وضو کرو جیسے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر کلمہ شہادت پڑھو پھر اچھی طرح نماز ادا کرو قرآن کریم میں سے جو کچھ تم کو یاد ہو اس کو پڑھو اگر قرآن میں سے کچھ بھی یاد نہ ہو تو الحمد للہ اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہو پھر رکوع کرو۔

تشریح ۞ اس حدیث کی تشریح پہلے گزر چکی ہے اس حدیث سے ایک مسئلہ تو یہ ثابت ہوا کہ تعدیل ارکان کی رعایت ضروری ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی آدمی کو نومسلم ہونے کی وجہ سے سورۃ الفاتحہ وغیرہ یاد نہ ہو نماز اس پر فرض ہو جائے گی مگر سورۃ الفاتحہ وغیرہ سیکھنے تک قیام میں الحمد للہ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وغیرہ پڑھے اور جب سورۃ الفاتحہ وغیرہ سیکھ لے تو اس کو پڑھنا ضروری نہیں۔

فرض نماز کے بعد دُعا مانگنی چاہیے

(۱۶/۷۳۸) وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلصَّلَاةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهُّدٌ فِیْ كُلِّ رَكْعَتَیْنِ وَتَخَشُّعٌ وَّتَضَرُّعٌ وَّتَمَسْكُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ یَدَیْكَ یَقُوْلُ قَدْ تَرْفَعُهُمَا اِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِهِمَا وَجْهَكَ وَتَقُوْلُ یَارَبِّ یَارَبِّ وَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا وَفِیْ رِوَایَةٍ فَهُوَ خِدَاجٌ ـ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۲۲۵ حدیث ۳۸۵ ـ وأحمد فی المسند ۱/۲۱۱ ـ

ترجمہ: حضرت فضل بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نفل دو دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں تشہد ہے اور نماز میں خشوع و خضوع اور مسکنت کا اظہار ہے پھر اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھانا کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں منہ کی طرف ہوں اور زبان سے کہے اے میرے رب اور جو آدمی اس طرح نہ کرے تو اس کی نماز ایسی ویسی ہے اور ایک دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے اس کی نماز ناقص ہے اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں تین مسائل بیان کئے گئے ہیں (۱) نفل نماز دو رکعت ہے ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ نفل مطلقاً دوٗ دو رکعت ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رات ہو یا دن ہو چار چار رکعت نماز کو ایک سلام کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ظہر اور عشاء کی نماز میں چار چار نفل پڑھتے تھے دوسری بات یہ کہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور جتنی مشقت ہوگی اتنا ہی ثواب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک رات کے وقت دوٗ دوٗ نفل ادا کرنا اور دن کے وقت چار چار نفل ادا کرنا افضل ہے (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے اندر خضوع اور عاجزی اختیار کرے کیونکہ یہ نماز تضرع ہے خشوع سے مراد یہ ہے کہ باطنی طور پر آدمی عاجزی کا احساس کرے اور تضرع سے مراد یہ ہے کہ بندہ ظاہری طور پر اپنے عمل کو عاجزی کے ساتھ ادا کرے۔ (۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دین اور دنیا کی بھلائی کے لئے دعا مانگے' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ:

تکبیراتِ انتقال بلند آواز سے کہی جائیں

(۷۳۹/۱۷) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ صَلّٰى لَنَا اَبُوْ سَعِيْدِ نِالْخُدْرِيّ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۰۳/۲ حدیث رقم ۸۲۵۔

ترجمہ: حضرت سعید بن حارث بن معلّٰی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ہمیں نماز پڑھائی انہوں نے جب سجدہ سے سر اٹھایا اور جب سجدہ میں گئے اور جس وقت دو رکعت پڑھ کر اٹھے تو بلند آواز سے تکبیر کہی اور فرمایا میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بلند آواز سے تکبیرات کہتے ہوئے دیکھا ہے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز کے اندر ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کی تکبیرات کو بلند آواز سے کہا جائے اس حدیث میں اگرچہ صرف تین تکبیرات کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ صرف اختصار کے لئے تین تکبیرات پر اکتفاء کیا گیا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کسی نے ان مواقع پر تکبیر آواز سے نہ کہی ہو اس لیے ان کی وضاحت کر دی گئی اور اس حدیث میں ابوسعید خدریؓ کے نماز پڑھانے کا جو واقعہ ہے وہ اس طرح ہے کہ اصل امام حضرت ابوہریرہؓ تھے اور ان کی عدم موجودگی میں ابوسعید خدریؓ نے نماز پڑھائی۔

چار رکعت نماز میں بائیس تکبیرات ہیں

(۷۴۰/۱۸) وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ اَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ سُنَّةُ اَبِی الْقَاسِمِ ﷺ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۷۲/۲ حدیث رقم ۷۸۸۔

ترجمہ: حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بوڑھے آدمی کے پیچھے مکہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں بائیس تکبیرات کہیں چنانچہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا کہ معلوم ہوتا ہے یہ آدمی احمق ہے جو اتنی زیادہ تکبیرات کہتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تیری ماں تجھے گم کرے یہ تو ابوالقاسمؐ کی سنت

ہے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک شیخ کے پیچھے نماز پڑھی شیخ سے مراد حضرت ابو ہریرہ ہیں کہ ابو ہریرہ نے چار رکعت نماز میں بائیس تکبیرات کہیں تو عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے تذکرہ کیا کہ یہ شخص تو احمق معلوم ہوتا ہے جو اتنی زیادہ تکبیرات کہتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حماقت کا کام نہیں یہ تو رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے کہ آپ چار رکعت نماز میں اتنی تکبیرات کہتے تھے۔

(۱۹/۷۴۱)وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مُرْسَلًا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ فِي الصَّلَاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ تَزَلْ تِلْكَ صَلَاتُهُ ﷺ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔ (رواہ مالك)

أخرجه مالك فى الموطأ ۷٦/۱ حديث رقم ۱۷ من كتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت علی ابن حسین سے مرسل طریقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں تکبیر کہتے تھے جب نیچے جھکتے اور جب اوپر اٹھتے ہمیشہ نبی علیہ السلام کی نماز اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی اس حدیث کو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے۔

رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے

(۲۰/۷۴۲)وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيْرِ الْاِفْتِتَاحِ رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى۔

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ٤۷۷/۱ حديث رقم ۷٤۷ وقال: "ليس هو بصحيح على هذا اللفظ"۔ وأخرجه الترمذى فى السنن ٤۰/۲ حديث رقم ۲۵۷۔ وقال حديث عبدالله بن مسعود حسن ۔وأخرجه النسائى الترمذى فى السنن ۱۹۵/۱ حديث رقم ۱۰۵۸ وأخرجه أحمد بمعناه فى المسند ٤٤۲/۱۔

ترجمہ: حضرت علقمہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہم سے فرمایا کہ میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں پھر انہوں نے نماز پڑھی تکبیر تحریمہ کے سوا پوری نماز میں رفع یدین نہیں کیا اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھائی اور انہوں نے پوری نماز میں صرف تکبیر تحریمہ پر رفع یدین کیا۔

سوال: امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کر کے ابن مسعودؓ کی روایت کی تردید کی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

جواب: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دو روایتیں ہیں (۱) ان النبی لم یرفع الافی اول مرة (۲) الا اصلی بکم صلوة رسول اللہ...... حضرت عبداللہ بن مبارک نے پہلی روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ثابت نہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا استدلال دوسری روایت سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے

(۲۱/۷۴۳) وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ نِ السَّاعِدِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجة في السنن ١/٢٦٤ حديث رقم ٨٠٣۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے قبلہ کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے تھے اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں صراحتہً یہ مسئلہ واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ نماز شروع کرنے کی ترتیب بھی معلوم ہوگئی کہ آپ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاتے اس کے بعد ہاتھ اٹھاتے اور اس کے بعد تکبیر کہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط نماز پڑھنے پر تنبیہ فرمائی

(۲۲/۷۴۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الظُّھْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ فَاَسَاءَ الصَّلَاۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَافُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٢/٤٤٩۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مرتبہ ظہر کی نماز پڑھائی اور آخری صف میں ایک آدمی تھا جس نے غلط نماز پڑھی جب اس آدمی نے سلام پھیرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا آواز دے کر اے فلاں کیا تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں کیا تجھے معلوم نہیں کہ نماز کس طرح ادا کی جاتی ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ چیز مجھ پر پوشیدہ ہے اللہ کی قسم جس طرح میں اپنے سامنے کی چیزیں دیکھتا ہوں اسی طرح میں اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے ایک تو یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی آدمی غلط نماز پڑھے تو اس کی اصلاح کی جائے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط نماز پڑھنے والے آدمی کی اصلاح کی اور دوسری بات یہ ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح آگے دیکھتے تھے اس طرح پیچھے دیکھتے تھے آگے دیکھنا تو ظاہر ہے اور پیچھے دیکھنا دو وجہ سے ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی غلطی سے آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کا دیکھنا بطور معجزہ کے تھا بعض اہل بدعت نے اس حدیث سے استدلال کر کے آپ کے لیے عالم الغیب ہونا ثابت کیا ہے یہ درست نہیں آپ کو ہر وہ بات معلوم ہو جاتی تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دی جاتی تھی اور علم الغیب یہ خاصہ خداوندی ہے۔

بَابُ مَا یُقْرَأُ بَعْدَ التَّکْبِیْرِ

تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھے جانے والے اذکار کا بیان

الفصل الاول:

تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھے جانے والے اذکار

(۱/۷۴۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِیْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَابَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۲۷ حدیث رقم ۷٤٤۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/٤۱۹ حدیث رقم (۱٤۷۔۵۹۸) واللفظ للبخاری۔ وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/٤۹۳ حدیث رقم ۷۸۱۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۱/۵۰ حدیث رقم ۶۰۔ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲٦٤ حدیث رقم ۸۰۵ وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۳۱۳ حدیث رقم ۱۲٤٤۔ وأخرجه أحمد فی المسند ۲/۲۳۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے بعد خاموشی اختیار کرتے تھے چنانچہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے بعد خاموش رہتے ہیں اس وقت آپ کیا پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھتا ہوں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِیْ الخ اے اللہ میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری پیدا کر دے جتنی کہ تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری پیدا کی ہے اے اللہ مجھے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید کپڑے کو صاف کیا جاتا ہے میل سے اے اللہ تو میرے گناہ دھو ڈال ساتھ پانی' برف اور اولوں کے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد قراءت شروع کرنے سے پہلے ایک سکتہ فرماتے تھے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیا کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان خاموشی اختیار کرتے ہیں اس میں آپ کیا پڑھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس وقت یہ دعا پڑھتا ہوں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِیْ الخ۔

نماز کے اندر پڑھی جانے والی دعائیں

(۲/۷۴۶) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَفِیْ رِوَايَةٍ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّیْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِیْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ اَنَابِكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَاِذَا رَكَعَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ

وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ قَالَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُوَ اِذَا سَجَدَ قَالَ اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ سَجَدَوَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَصَوَّرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ تَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ثُمَّ یَکُوْنُ مِنْ اٰخِرِ مَایَقُوْلُہٗ بَیْنَ التَّشَھُّدِ وَالتَّسْلِیْمِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (رواہ مسلم وفی روایۃ للشافعی) وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ وَالْمَھْدِیُّ مَنْ ھَدَیْتَ اَنَابِکَ وَاِلَیْکَ لَامَنْجَا مِنْکَ وَلَا مَلْجَاَ اِلَّا اِلَیْکَ تَبَارَکْتَ .

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٣٤ حديث رقم (٢٠١-٧٧١) أخرجه أبوداؤد في السنن ١/٤٨١ حديث رقم ٧٦٠ وذكر "وأنا أول المسلمين" وأخرجه الترمذي في السنن ٥/٤٥٢ حديث رقم ٣٤٢١-ورواية كان إذا افتتح الصلاة. أخرجها مسلم في صحيحه ١/٥٣٦ حديث (٢٠٢-٧٧١) والنسائي إلى قوله "أستغفرك وأتوب إليك" في السنن ٢/١٢٩ حديث رقم ٨٩٧- ورواية الشافعي أخرجها في الأم.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب نماز شروع کرتے تو پہلے تکبیر تحریمہ کہتے اور پھر یہ دعا پڑھتے وَجَّھْتُ وَجْھِیَ الخ میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ میں حق کی طرف متوجہ ہونے والا ہوں یکسو ہو کر اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے میں اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں تو میرے گناہ معاف کر دے کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہ بخشنے والا نہیں اور بہترین اخلاق کی طرف میری رہنمائی کر کیونکہ تیرے سوا اور کوئی اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کر دے کیونکہ تیرے سوا مجھ سے کوئی برے اخلاق سے نہیں بچا سکتا تیری خدمت میں حاضر ہوں تیرا حکم ماننے کے لیے تیار ہوں تمام بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری طرف منسوب نہیں کی جا سکتی میں تیرے ہی سبب سے ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں تو برکت والا ہے اور بلند ہے میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور تیرے ہی سامنے توبہ کرتا ہوں اور جب آپ رکوع میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ الخ اے اللہ میں نے تیرے ہی لیے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لیے اسلام لایا میرے کان اور میری آنکھ اور میرا گودا اور میری ہڈی اور میرے پٹھے تیرے ہی لیے خشوع کرتے ہیں اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ الخ اے اللہ اے ہمارے رب تیرے ہی لیے تعریف ہے آسمانوں اور زمینوں کے برابر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کے برابر اور جو کچھ اس کے بعد پیدا کرے گا اس کے برابر اور جب سجدہ میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُ اے اللہ میں نے تیرے لیے سجدہ کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے لیے اسلام قبول کیا اور میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کو صورت دی اور اس کے کان کھولے اور اس نے آنکھ کھولی اللہ بہت برکت والا اور بہترین پیدا کرنے والا ہے پھر آخر تشہد اور سلام کے درمیان یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ ...... اے اللہ میرے اگلے پچھلے تمام گناہ

معاف کر دے اور ان گناہوں کو بخش دے اور ان گناہوں کو معاف کر دے جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور تو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے آگے کر دے اور جس کو چاہے پیدا کر دے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی دعا میں فِیْ یَدَیْكَ کے بعد یہ الفاظ ہیں اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تو نے ہدایت کی اور میں تیری قوت کے ذریعہ سے ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرنے والا ہوں نہیں ہے نجات اور بے پرواہی تیری ذات سے مگر تیری ہی طرف اور تو ہی برکت دینے والا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز کے دوران ارکان میں نبی علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے اگر آپ کی اتباع میں اس طرح کی دعائیں مانگے تو یہ اجر اور ثواب کا باعث ہے۔

سوال: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ۔ شر تیری طرف منسوب نہیں حالانکہ مسئلہ یہ ہے خیر اور شر دونوں اللہ ہی طرف سے ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی ذات سے شر کی نفی کاسب ہونے کے اعتبار سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ شر کاسب نہیں کرتا خالق ہونے کے اعتبار سے خیر اور شر دونوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور یا یہ کہ ادب کی رعایت کے لئے شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی اور یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شر کا حکم نہیں دیتا بلکہ خیر کا حکم دیتا ہے۔

قیمتی وظیفہ

(۳/۷۴۷) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ فَقَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاتَهُ قَالَ اَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِهَا فَاِنَّهُ لَمْ يَقُلْ بَاْسًا فَقَالَ رَجُلٌ جِئْتُ وَقَدْ حَفَزَنِى النَّفَسُ فَقُلْتُهُمَا فَقَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ اِثْنَیْ عَشَرَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَرْفَعُهَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤١٩/١ حديث رقم (١٤٩-٦٠٠) وأخرجه أبوداؤد في السنن ٤٨٥/١ حديث رقم ٧٦٣ وأخرجه النسائي في السنن ١٣٢/٢ حديث رقم ٩٠١ ـ وأخرجه أحمد في المسند ١٠٦/٣ ـ

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک آدمی آیا اور نماز کی صف میں شامل ہو گیا اس کا سانس پھولا ہوا تھا اس نے کہا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے سب لوگ خاموش رہے رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ پوچھا کہ تم میں سے کس نے یہ الفاظ کہے پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا رسول اللہ ﷺ نے تیسری مرتبہ پوچھا کہ تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے سن لو جس نے یہ الفاظ کہے تھے اس نے کوئی بری بات نہیں کہی ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ جب میں نے میرا سانس پھولا ہوا تھا میں نے یہ کلمات کہے آپ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ ان کلمات کون پہلے لے جائے اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ایک قیمتی وظیفہ بیان کیا گیا ہے جس کو فرشتے اللہ کے دربار میں لے جانے میں سبقت کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کلمات کس نے کہے ابتداء وہ آدمی نہ بولا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا اس نے سمجھا شاید مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی ہے جب آپ نے تسلی والے دی پھر اس نے جواب دیا [illegible]

الفصل الثانی:

تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھی جائے

(۴/۷۴۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ (رواه الترمذی وابوداود ورواه ابن ماجة عن ابی سعید وقال الترمذی هذاحدیث لانعرفه الامن حارثة وَقَدْ تُكُلِّمَ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ۔

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۴۹۱حدیث رقم ۷۷۶وأخرجه الترمذی فی السنن۱۱/۲حدیث رقم ۲۴۳وقال حدیث عائشة لانعرفه إلا من هذا الوجه وحارثة قد تكلم فيه من قبل حفظه ۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۶۵حدیث ۸۰۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ اے اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تیرا نام برکت والا ہے۔ تیری شان برتر اور بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو سوائے حارثہ راوی کے کسی اور سے نہیں جانتے اور اس کے متعلق قوت حافظہ کے ضعف کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کونسی دعا کا پڑھنا افضل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ثناء کا پڑھنا افضل ہے اور ان کا استدلال حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث سے ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک آیت توجیہ کو پڑھنا افضل ہے اور حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث حسن مشہور ہے۔ علامہ طیبیؒ نے اس حدیث کے قوی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے متعدد طرق ہیں۔ حارثہ کے طریق کے ضعف کی وجہ سے دیگر طرق کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔

نماز میں پڑھی جانے والی ایک دُعا

(۵/۷۴۹) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّهٗ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ صَلَاةً قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ثَلَاثًا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ (رواه ابو داود وابن ماجة) اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَذَكَرَ فِيْ اٰخِرِهٖ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ الْكِبْرُ وَنَفْثُهُ الشِّعْرُ وَهَمْزُهُ الْمُوْتَةُ ۔

أخرجه أبوداوٗد ۱/۴۸۶حدیث رقم ۷۶۴۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۶۵حدیث رقم ۸۰۷وذکر"اللهم انی أعوذبك من الشيطان الرحيم"وأخرجه أحمدفی المسند ۴/۸۰۔

ترجمہ: حضرت جبیرؓ بن مطعمؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۔ تین مرتبہ پڑھا۔ پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ۔ میں شیطان کے تکبر اس کے شعروں اور اس کے وساوس سے پناہ مانگتا

ہوں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔ البتہ امام ابن ماجہ نے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا کا جملہ ذکر نہیں کیا اور آخر میں مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ذکر کیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ شیطان کے نفخ سے تکبر، اس کے نفث سے شعر اور اس کے ہمز سے جنون مراد ہے۔

تشریح ❁ رسول اللہ ﷺ سے تکبیر تحریمہ کے بعد اس حدیث میں جو دعا ذکر کی گئی ہے وہ بھی پڑھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد مختلف اذکار اور دعائیں جائز ہیں۔

نفخ شیطان: نفخ شیطان سے مراد خود پسندی اور تکبر ہے۔ کیونکہ شیطان جب کسی آدمی کو پھنساتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس کو عجب یعنی خود پسندی میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر انسان دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھنے لگتا ہے۔ پھر اس سے ترقی کر کے دوسروں کی حقارت کا تصور ڈالتا ہے پھر انسان بالآخر نفخ شیطان سے تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نفث شیطان: نفث اس پھونک کو کہتے ہیں جو دم کرتے وقت کسی چیز پر ماری جائے جس میں کچھ معمولی سی لعاب کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ یہاں نفث سے مراد جادو ہے جو شیطان انسان پر کرتا ہے یا شیطان انسان سے کراتا ہے جیسے سورۃ الفلق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ۔ یہاں نفثت سے مراد جادو کرنے والی عورتیں ہیں اشتراک مادہ کے اعتبار سے یہی معنی مناسب ہے دوسرے قول کے مطابق نفث سے مراد برے اشعار ہیں۔ جن کو شیطان انسان کے تخیل اور تصور میں ڈالتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ انسان کی زبان پر صادر کراتا ہے۔

ہمز شیطان: ہمز شیطان سے مراد غیبت۔ لعن طعن ہے اور بعض کے علماء کے نزدیک ہمز سے مراد شیطانی وسوسہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ کہ میں شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

اس حدیث میں بیان کردہ الفاظ کی یہ تشریح جو علماء کرام اور شارحین حدیث نے بیان کی ہے یہ اس وقت ہے جب کہ حضرت عمرؓ کی بیان کردہ تفسیر ثابت نہ ہو۔ اگر حضرت عمرؓ کی تشریح تحقیق سے ثابت ہو جائے تو پھر کسی اور تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

نماز میں سکتہ کا بیان

(۷۵۰/۶) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّهٗ حَفِظَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَصَدَّقَهٗ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ.

(رواه ابوداود وروى الترمذي وابن ماجة والدارمي نحوه)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۴۹۲/۱ حديث رقم ۷۷۹۔ وأخرج الترمذي نحوه في السنن ۳۰/۲ حديث رقم ۲۵۱ و كذلك ابن ماجة في السنن ۲۷۵/۱ حديث رقم ۸۴۴۔ وأيضاً الدارمي في السنن ۳۱۳/۱ حديث رقم ۱۲۴۳۔ وأخرجه أحمد في المسند ۷/۵۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتے یاد کیے ہیں۔ ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور ایک سکتہ اس وقت کرتے تھے جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھ کر فارغ ہوتے تھے حضرت ابی بن کعب نے حضرت سمرہ بن جندبؓ کی تصدیق کی اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے امام ترمذیؒ امام ابن ماجہؒ اور امام دارمیؒ نے اس جیسی روایت نقل کی ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دو سکتے کرتے تھے اور بعض احادیث میں ایک تیسرے سکتہ کا ذکر بھی ہے تو اس اعتبار سے تین سکتوں کا ذکر احادیث سے ثابت ہے۔

① پہلا سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت شروع کرنے سے پہلے ہوتا تھا اس سکتہ میں آپ ﷺ بالاتفاق ثناء تعوذ اور تسمیہ پڑھتے تھے۔
② دوسرا سکتہ سورۃ الفاتحہ ختم ہونے کے بعد کرتے تھے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سکتہ اس لیے ہوتا تھا تا کہ مقتدی سورۃ الفاتحہ پڑھ سکے احناف اور مالکیہ کے نزدیک سورۃ الفاتحہ ختم کرنے کے بعد سکتہ مکروہ ہے مگر بعض علماء کے نزدیک یہ سکتہ حضور ﷺ سے ثابت ہے اور اس سکتہ میں ''آمین'' پڑھی جاتی تھی۔
③ تیسرا سکتہ قراءت کے اختتام پر رکوع سے پہلے ہے اور یہ سکتہ اس لیے ہوتا تھا تا کہ سانس درست ہو جائے ایک قول کے مطابق یہ سکتہ افضل ہے اور بعض علماء کے نزدیک یہ سکتہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان کے نزدیک وصل افضل ہے۔

ثناء صرف پہلی رکعت میں پڑھی جائے گی

(۷/۷۵۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا انْمَضَ مِنَ الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَلَمْ یَسْکُتْ هٰکَذَا فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ وَذَکَرَهُ الْحُمَیْدِیُّ فِیْ اَفْرَادِهٖ وَکَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَحْدَهٗ۔

أخرجه مسلم فی الصحیح ۱/۴۱۹حدیث رقم (۱۴۸-۵۹۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تھے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے شروع کر دیا کرتے تھے اور خاموش نہیں رہتے تھے۔ (مسلم) اس روایت کو حمیدی نے اپنی کتاب ''افراد'' میں ذکر کیا ہے اور صاحب جامع الاحوال نے بھی اس روایت کو مسلم سے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو فوراً قراءت شروع کر دیتے تھے اور خاموشی اختیار نہیں کرتے تھے درحقیقت ابو ہریرہؓ نے یہ وضاحت کر کے ایک وہم کو دور کر دیا وہ وہم یہ ہو سکتا تھا کہ جب نمازی تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو سبحانک اللّٰھم الخ پڑھے کیونکہ دوسرا شفعہ مستقل نماز ہے اور ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیسری رکعت سے پہلے سکتہ کیا ہو۔ اس وہم کو ختم کرنے کے لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے وضاحت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ جب تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو طویل سکتہ نہیں کیا احناف کے نزدیک ہر رکعت کے آغاز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

الفصل الثالث:

تکبیر تحریمہ کے بعد کی دُعا

(۸/۷۵۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ کَبَّرَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَعْمَالِ وَاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَایَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَقِنِیْ سَیِّئَ الْاَعْمَالِ وَسَیِّئَ الْاَخْلَاقِ لَایَقِیْ سَیِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ۔

أخرجه النسائی فی السنن ۲/۱۲۹حدیث رقم ۸۹۶۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو سب سے پہلے تکبیر تحریمہ کہتے۔ پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھتے اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ الخ بیشک میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت

اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں اے اللہ نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی طرف میری رہنمائی کر کیونکہ اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی طرف صرف تو ہی رہنمائی کر سکتا ہے اور بداخلاقی سے صرف تو ہی بچا سکتا ہے اس حدیث کو امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جو دعا ذکر کی گئی ہے اس کو رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت شروع کرنے سے پہلے پڑھتے تھے اور اس دعا کے اندر ایک جملہ ہے اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اس جملہ میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے اور اس کو بطور خبر کے کہا جائے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کیونکہ ہر نبی اپنی امت کا سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے اس لیے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ یہ کہہ دیں اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کہنا درست نہیں ہے بلکہ کذب ہے بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی آدمی نماز میں اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کہے تو نماز فاسد ہو جائیگی مگر صحیح بات یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کو قرآن کی تلاوت کی حیثیت سے کہے اپنی حالت کی خبر دینا مقصود نہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی دوسرا احتمال یہ ہے کہ جملہ محمول ہوگا تجدید ایمان و اسلام پر اور اس صورت میں یہ انشاء کے قبیل سے ہوگا اور اس سے مقصود اپنی اطاعت کا اظہار ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسے کوئی آدمی بادشاہ کے بارے میں کہے کہ جو بھی حکم ہوگا سب سے پہلے اطاعت کرنے والا میں ہوں گا۔

نفل نماز کی ایک دُعا

(۹/۷۵۳) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ مِثْلَ حَدِيْثِ جَابِرٍ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ (رواه النسائى)

أخرجه النسائي في السنن ۲/۱۳۱ حديث رقم ۸۹۸۔

ترجمہ: حضرت محمد بن مسلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نفل نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ الخ اللہ بہت بڑا ہے میں نے نماز میں اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں یکسو ہو کر دین کی طرف مائل ہونے والا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں اس کے بعد راوی نے حضرت جابرؓ کی حدیث کی مثل حدیث بیان کی لیکن محمد بن مسلمہؓ نے وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کی جگہ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کے لفظ ذکر کیے ہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ...... اے اللہ تو ہی بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور تیرے ہی لیے تعریف ہے اس کے بعد قراءت کرتے اس حدیث کو امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

بَابُ الْقِرَآءَةِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں قراءت کا بیان

اس باب کے اندر قراءت فی الصلوٰۃ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے تمام ائمہؒ کے نزدیک بالاتفاق نماز میں قرآن مجید کی قراءت فرض ہے ہاں البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کتنی رکعتوں میں قراءت فرض ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے اور یہی ایک قول امام احمدؒ کا ہے حضرت حسن بصریؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک صرف ایک رکعت میں نماز فرض

ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ہر رکعت میں قراءت میں فرض ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک تین رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔

الفصل الاول:

نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

(۱/۷۵۴) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ (متفق عليه و فی رواية لمسلم) لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا.

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲۳۶/۲حديث رقم ۷۵۶ـوأخرجه مسلم فی صحيحه ۲۹۵/۱حديث رقم (۳۴ـ۳۹۴)وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۵۱۴/۱حديث رقم ۸۲۲وزاد"وصاعدًا"ـوأخرجه الترمذی فی السنن ۲۵/۲ـحديث رقم ۲۴۷ـوأخرجه النسائی فی السنن۱۳۷/۲حديث رقم ۹۱۰ـوأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۷۳/۱حديث رقم ۸۳۷ـ وأخرجه أحمد فی المسند ۳۱۴/۵ـورواية عن لم يقرأبأم القرآن فصاعدا۔ أخرجها مسلم فی صحيحه ۲۹۶/۱حديث رقم (۲۷ـ۳۹۴)والدارمی من غير لفظ "فصاعدا"فی السنن ۳۱۲/۱حديث رقم ۱۲۴۲ـ

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں کہ اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کچھ اور نہ پڑھے۔

تشریح ۞ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز کا رکن ہے یا نہیں اور دو مذہب ہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ نماز کا رکن نہیں ہے بلکہ رکن صلوٰۃ مطلقاً قراءت قرآن ہے۔ دلیل: امام صاحب کا استدلال قرآن کی آیت سے ہے: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس آیت میں ماعموم کے لیے ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ "قرآن مجید سے جو بھی آسان ہو تو وہ نماز کے اندر پڑھو" اس عموم کا فائدہ یہ ہے کہ مطلقاً قراءت قرآن فرض ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورہ فاتحہ رکن صلوٰۃ ہے۔ دلیل: ان کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے اور اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ رکن صلوٰۃ ہے کیونکہ رکن کے نہ ہونے سے نماز نہیں ہوتی۔

جواب ۱: لَاصَلٰوۃَ کے شروع میں لانفی کے لئے ہے اور نفی کی دو قسمیں ہیں نفی برائے کمال اور نفی برائے جنس مذکورہ حدیث میں نفی برائے کمال ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی اور اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ فاتحہ واجب ہے اور واجب کے ترک سے نقصان ہوتا ہے۔

جواب ۲: اگر اس نفی کو جنس کے لیے مان لیا جائے تب بھی فاتحہ کی رکنیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ مسلم کی روایت میں فَصَاعِدًا کے الفاظ بھی ذکر کیے گئے ہیں معنیٰ یہ ہوگا کہ جس نے نماز میں فاتحہ یا اس سے زیادہ کی قراءت نہیں کی تو اس کی نماز نہیں ہوگی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً قراءت فرض ہے اور فرض کے ترک سے نماز نہیں ہوتی۔

جواب ۳: یہ حدیث خبر واحد ہے اگر اس کی وجہ سے ہم فاتحہ کو رکن صلوٰۃ مان لیں تو خبر واحد کی وجہ سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ہوتی ہے

(۲/۷۵۵)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيْلَ لِاَبِیْ هُرَيْرَةَ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَآءَ الْاِمَامِ قَالَ اِقْرَأْبِهَا فِيْ نَفْسِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَاسَأَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَاسَأَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَاسَأَلَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۹۶/۱حديث رقم (۳۸۔۳۹۵)۔وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۵۱۲/۱حديث رقم ۸۲۱۔وأخرجه الترمذي في السنن ۱۸۳/۵حديث رقم ۲۹۵۳۔وأخرجه النسائي في السنن ۱۳۵/۲حديث رقم ۹۰۹۔وأخرجه ابن ماجة مختصرًا في السنن۲۷۳/۱حديث رقم ۸۳۸۔وأخرجه مالك في الموطأ ۸۴/۱حديث رقم ۳۹من كتاب الصلاة ۔وأخرجه أحمد في المسند۲۸۵/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز پڑھے اور اس میں فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ناقص ہے آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا حضرت ابو ہریرہؓ سے سن کر کسی نے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو اس وقت بھی پڑھیں حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اپنے دل میں پڑھو اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی ہے اور بندہ جو مانگے وہ اسے دیا جائے گا جب بندہ کہتا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف بیان کی ہے جب بندہ کہتا ہے: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثناء بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تعظیم کا اظہار کیا ہے جب بندہ کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے عطا کیا جائے گا جب بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ الخ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہی ہوگا جو وہ مانگے گا اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز اپنے اور بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی ہے یہاں نماز سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں پہلی تین آیتیں خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور آخری تین آیتیں صرف بندہ کی دعا پر مشتمل ہیں اور درمیان میں ایک آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یہ اللہ اور اللہ کے بندے کے درمیان مشترک ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ اللہ تعالیٰ کیا ہے اور وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بندے کے لیے ہے۔

بسم اللہ کی جزئیت کا مسئلہ: اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ سورۂ نمل کی بسم اللہ سورۂ نمل کا جزو ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سورۂ نمل کے علاوہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے یا نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ ہر سورت کا جزو نہیں بلکہ قرآن کا جزو ہے اور اس کو سورتوں کے درمیان فاصلہ کے لیے نازل کیا گیا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے۔

دلیل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: امام ابوحنیفہؒ کی ایک دلیل مذکورہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور

اپنے بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا ہے اور پھر اس تقسیم کو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع کیا ہے اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز و اور حصہ ہوتا تو تقسیم کو اس سے شروع کیا جاتا۔

قراءت خلف الامام کا مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قراءت خلف الامام جائز ہے یا نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قراءت خلف الامام حرام اور ناجائز ہے امام شافعیؒ کا قول جدید امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک ایک روایت یہ ہے کہ قراءت خلف الامام فرض ہے امام شافعیؒ کا قول قدیم امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک ایک روایت یہ ہے کہ سری نمازوں میں مقتدی کے لیے قراءت خلف الامام فرض ہے اور جہری نمازوں میں مکروہ تحریمی ہے ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین مطلقاً وجوب کے قائل ہیں۔

دلیل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: قرآن کریم کی آیت ہے: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ اور خاموشی کے ساتھ سنو تا کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم نماز کے بارے میں ہے کیونکہ نماز کے اندر قرآن پڑھنا فرض ہے نہ کہ نماز کے باہر اسی وجہ سے توجہ اور خاموشی کے ساتھ سننے کا حکم دیا گیا ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے طحاوی میں حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قراءت خلف الامام کیا کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو منع کیا گیا اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور نماز کی دو قسمیں ہیں جہری اور سری اس آیت میں استماع کا حکم جہری نمازوں کے لئے ہے اور انصات کا حکم سری نمازوں کے لیے ہے۔

دلیل امام شافعی رحمہ اللہ: امام شافعیؒ کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے کہ جس آدمی نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے اس آدمی نے سن کر سوال کیا کہ ہم بعض اوقات امام کے پیچھے ہوتے ہیں اس صورت میں ہمارے لیے کیا حکم ہے تو ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ دل میں پڑھ لیا کرو اس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔

جواب: اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں یہ امام اور منفرد کے حق میں ہے ورنہ اس حدیث کا دیگر روایات کثیرہ سے تعارض لازم آئے گا اور اس حدیث کے دوسرے حصے۔ اِقْرَاْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ اس سے بھی استدلال درست نہیں کیونکہ قراءت اور نفس میں سے ہر ایک کے دو دو معنی ہیں ایک حقیقی دوسرا مجازی۔ قراءت کا حقیقی معنی تلفظ باللسان یعنی زبان سے لفظ ادا کرنا۔ دوسرا معنی تفکر قلبی یعنی دل میں غور وفکر کرنا۔ نفس کا حقیقی معنی دل اور مجازی معنی ہے انفراد یہاں عقلی طور پر چار صورتیں بنتی ہیں۔ نمبر۱۔ دونوں کا حقیقی معنی مراد لیا جائے یہ درست نہیں کیونکہ اس کا معنی ہوگا زبان کے ساتھ اپنے دل میں تلفظ کا اور اس کا کوئی مطلب نہیں نمبر۲ قراءت کا حقیقی معنی اور نفس کا مجازی معنی مراد لیا جائے یہ درست ہے کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ حالت انفراد میں زبان کے ساتھ تلفظ کرنا نمبر۳ قراءت کا مجازی معنی اور نفس کا حقیقی معنی مراد لیا جائے یہ بھی درست ہے کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ دل میں غور وفکر کرے جب امام کے پیچھے ہو تو قراءت میں غور وفکر کرے نمبر۴ دونوں کا مجازی معنی مراد لیا جائے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ

(۳/۷۵۶) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۲۶ حديث رقم ۷۴۳۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/۲۹۹ حديث رقم (۵۰-۳۹۹) واللفظ للبخاري۔ وأخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۴۹۴ حديث رقم ۷۸۲۔ وأخرجه الترمذي في السنن ۲/۱۵ حديث رقم ۲۴۶ والنسائي في السنن ۲/۱۳۵ حديث رقم ۹۰۷۔ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۱/۲۶۷ حديث رقم ۸۱۳۔ وأخرجه

الدارمی فی السنن ۱/۳۱۱حدیث رقم ۱۲۴۰۔وأخرجہ أحمد فی المسند ۳/۱۰۱۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کو الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں پڑھنا مسنون ہے یا نہیں۔اگر مسنون ہے تو اس کی قراءت جہراً ہوگی یا سراً اور تین مذہب ہیں۔

① حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ کو پڑھنا مسنون ہے اور سراً پڑھی جائے گی۔

دلیل: امام صاحب کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ یہ جب نماز پڑھتے تھے تو قراءت الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔اگر بسم اللہ کو جہراً پڑھنا سنت ہوتا تو پھر قراءت بسم اللہ سے شروع کرتے۔

② دوسرا مذہب امام مالکؒ کا ہے ان کے نزدیک بسم اللہ کو پڑھنا مسنون نہیں ہے سراً نہ جہراً۔

دلیل: امام مالک کا استدلال حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے نماز میں مجھ سے بسم اللہ سنی انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے یہ تو نے بدعت کا کام کیا ہے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ایسا نہیں کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کی قراءت مسنون نہیں۔

جواب: اس روایت سے جہراً کی نفی ہوتی ہے مطلقاً بسم اللہ کی نفی نہیں وہ اس طرح کہ حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے سنا اور سننا جہر کی حالت میں ہوسکتا ہے اسی طرح حضرت مغفل فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی میں نے ان سے بسم اللہ نہیں سنی اس سے بھی جہر کی نفی ہوتی ہے۔

③ امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ کو پڑھنا مسنون ہے جہری نمازوں میں جہر کے ساتھ اور سری نمازوں میں سر کے ساتھ۔

دلیل: ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ہے اور اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب: یہ روایت بیان جواز اور تعلیم پر محمول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی جواز اور تعلیم کے لئے بسم اللہ کو جہراً پڑھتے تھے۔

آمین کہنے کا مسئلہ

(۴/۷۵۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلَآئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (متفق علیه وفی روایة) قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَآئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ وَفِیْ اُخْرٰی لِلْبُخَارِیِّ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِیُٔ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّ الْمَلَآئِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلَا ئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۶۲حدیث رقم ۷۸۰۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۰۷حدیث رقم (۷۲۔۴۱۰)۔وأخرجه ابوداؤد فی السنن ۱/۵۷۶حدیث رقم ۹۳۶۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۲/۳۰حدیث رقم ۲۵۰۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۱۴۴حدیث رقم ۹۲۸۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۷۷حدیث رقم ۸۵۱۔وأخرجه مالك فی الموطا ۱/۸۷۔حدیث رقم ۴۵من كتاب الصلاة ۔ أما روایة"إذا قال الامام : غیر المغضوب

علیهم ولا الضالین"فقد أخرجها : البخاری فی صحیحه ۲/۲٦٦حدیث رقم ۷۸۱ومسلم بنحوها۱/۳۰۷حدیث رقم (۷٦۔٤١٠)۔وأبو داؤد فی السنن ۱/۵۷۵حدیث رقم ۹۳۵۔والنسائی فی السنن ۲/۱٤٤حدیث رقم ۹۲۹۔والدارمی فی السنن ۱/۳۱٤حدیث رقم ۱۲٤٦۔وأخرجه مالك فی الموطأ ۱/۸۷۔حدیث رقم ٤۵من کتاب الصلاة ۔وروایة "إذا امن القاری ء......"فقد أخرجها : البخاری فی صحیحه ۱۸/۲۰۰حدیث رقم ٦٤۰۲۔والنسائی فی السنن ۲/۱٤۳حدیث رقم ۹۲۵۔وابن ماجة فی السنن ۱/۲۷۷۔ حدیث رقم ۸۵۲والدارمی فی السنن ۱/۳۱٤حدیث رقم ۱۲٤۵وأحمد فی المسند ۲/٤٤۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو جاتی ہے تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم) ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم کے الفاظ بھی اسی کے مثل ہیں اور بخاری کی ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے آمین کی فضیلت معلوم ہوئی اور آمین دعائیہ جملہ ہے اس کا معنی ہے استجب لنا۔ اے اللہ ہماری دعا قبول کر۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ اس وقت ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ اور جس خوش نصیب انسان کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ مل گئی اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی دونوں نماز میں آمین کہیں۔ باقی یہ مسئلہ کہ آمین جہراً کہی جائے گی یا سراً اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

نماز باجماعت کا طریقہ

(۵/۷۵۸) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلَّيْتُمْ فَاَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ يُجِبْكُمُ اللّٰهُ فَاِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَتِلْكَ بِتِلْكَ قَالَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللّٰهُ لَكُمْ (رواه مسلم وفی روایة لَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَقَتَادَةَ وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا.

أخرجه مسلم مطولاً فی الصحیح ۱/۳۰۳حدیث رقم (٦۲۔٤۰٤)۔وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۵۹٤ حدیث رقم ۹۷۲۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۱۹٦حدیث رقم ۱۰٦٤وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۳٤۳ حدیث رقم ۱۳۱۲۔وأخرجه أحمد فی المسند ٤/٤۰۱۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔ اور پھر ایک آدمی تم میں سے تمہیں امامت کرائے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ اور جب امام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین۔ پڑھے تو تم آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ پھر جب امام تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سر اٹھاتا ہے۔ اس لئے

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا امام کا پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے اور جب امام۔ سمع الله لمن حمده۔ کہے تو تم اللّٰهم ربنا ولك الحمد۔ کہو اللہ تعالیٰ تمہاری تعریف سنتا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور مسلم کی دوسری روایت جو حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

تشریح: اس حدیث میں چند مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

① نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بہت فضیلت ہے اور اس کے متعلق دو چیزوں کی ہدایت کی گئی۔ ایک یہ کہ امام کی اطاعت کی جائے۔ دوم یہ کہ صفوں کو اچھی طرح اہتمام کے ساتھ سیدھا کیا جائے۔

② جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ یہ ایک دعا ہے اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ دعا کو قبول کرتا ہے۔ اور ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

③ امام رکوع میں پہلے جائے گا اور رکوع سے سر بھی پہلے اٹھائے گا۔ کیونکہ اس سے امام اور مقتدی کا رکوع برابر ہو جائے گا۔ یہی مراد ہے۔ فتلك بتلك سے کہ امام کا پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے اور امام رکوع سے اپنا سر مقتدی سے پہلے اس لئے اٹھاتا ہے تاکہ امام اور مقتدی کے رکوع کی مقدار برابر ہو جائے۔ جب امام رکوع میں پہلے گیا تو اس وقت امام اور مقتدی کے رکوع کی مقدار برابر نہیں رہے گی۔ مگر جب امام رکوع سے سر پہلے اٹھائے گا اور مقتدی بعد میں تو اس سے ان دونوں کی مقدار برابر ہو جائے گی۔

④ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تسمیع اور تحمید کس کا وظیفہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منفرد دونوں کو کہے گا۔ اور امام صرف تسمیع کہے گا اور مقتدی صرف تحمید کہے گا۔ مذکورہ حدیث امام صاحب کے مذہب کی مؤید ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک امام مقتدی اور منفرد سب تسمیع اور تحمید دونوں کو کہیں گے۔ یہی مذہب ہے حضرات صاحبین کا۔

⑤ جب امام قراءت کرے تو اس کے پیچھے مقتدی کو قراءت کرنے کی اجازت نہیں ہے مذکورہ حدیث میں یہی ذکر کیا گیا ہے۔ اذا قرأ فانصتوا۔ کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

نماز میں قراءت کا مسئلہ

(۲/۷۵۹) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الرَّكْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَیُسْمِعُنَا الْاٰیَةَ اَحْیَانًا وَیُطَوِّلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰی مَا لَا یُطِیْلُ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِیَةِ وَهٰكَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِی الصُّبْحِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ۲۶۰ حدیث رقم ۷۷۶۔ وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۳۳۳ حدیث رقم (۱۵۴۔۴۵۱) واللفظ للبخاری ۔ وأخرجه النسائی فی السنن ۲/ ۱۶۶ حدیث رقم ۹۷۸۔ وأخرجه أحمد فی المسند ٤/ ۳۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ دو سورتیں پڑھتے تھے۔ اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اور کبھی کبھی ہمیں بھی کوئی آیت سنا دیا کرتے تھے اور پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی بنسبت زیادہ لمبا کرتے تھے۔ اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ پہلی دو رکعت کو طویل کیا جائے یا نہیں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سب نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی بنسبت زیادہ طویل کیا جائے۔ یہی فرماتے ہیں حضرات طرفین۔ ان کے نزدیک فجر، ظہر اور عصر تینوں نمازوں میں پہلی رکعت کو طویل کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ مغرب اور عشاء کو ان پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح ان تینوں میں پہلی رکعت طویل ہوگی اسی طرح مغرب اور عشاء میں بھی پہلی رکعت طویل ہوگی۔ بعض حضرات نے پہلی رکعت کو طویل کرنے کی وجہ یہ

بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت کو اس لئے طویل کرتے تھے تاکہ لوگ آسانی کے ساتھ پہلی رکعت کو پالیں۔ اور بعض علماء کے نزدیک پہلی رکعت کی طوالت اس وجہ سے ہے کہ اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء، تعوذ وغیرہ ہیں اور حضرات شیخین کے نزدیک پہلی رکعت کو طویل کرنا صرف فجر کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ وقت غفلت، نیند اور سستی کا ہے تاکہ لوگ قراءت کا کچھ نہ کچھ حصہ پالیں۔

سوال: اس حدیث میں ظہر کی نماز کی قراءت بیان کی گئی ہے کہ ظہر کی نماز میں فلاں فلاں سورت پڑھی اور فلاں فلاں آیت پڑھی۔ حالانکہ ظہر کی نماز میں قراءت آہستہ ہوتی ہے تو پھر یہ کس طرح معلوم ہوتا تھا۔

جواب: رسول اللہ ﷺ بعض اوقات ظہر کی نماز میں بھی کوئی آیت باآواز بلند پڑھ لیا کرتے تھے اور اس سے آپ کی غرض وغایت یہ ہوتی تھی تاکہ لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم ہوجائے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد بھی سورت کی قراءت ہوسکتی ہے۔ اور یا لوگوں کو یہ بات معلوم ہوجائے کہ آپ فلاں سورت کی قراءت کررہے ہیں مگر یہ کبھی کبھی ہوتا تھا نہ کہ دائما۔

نماز میں قیام کی مقدار

(۷۶۰/۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ کُنَّا نَحْزُرُ قِیَامَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِی الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِیَامَہٗ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ مِنَ الظُّھْرِ قَدْرَ قِرَاءَۃِ الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ قَدْرَ ثَلَاثِیْنَ اٰیَۃً وَحَزَرْنَا قِیَامَہٗ فِی الْاُخْرَیَیْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِکَ وَحَزَرْنَا فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلٰی قَدْرِ قِیَامِہٖ فِی الْاُخْرَیَیْنِ مِنَ الظُّھْرِ وَفِی الْاُخْرَیَیْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَی النِّصْفِ مِنْ ذٰلِکَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳۳۴/۱ حديث رقم (۱۵۶-۴۵۲)۔ وأخرجه أبوداوٗد جامع بين الروايتين في سننه ۵۰۵/۱ حديث رقم ۸۰۴ والنسائي في السنن ۲۳۷/۱ حديث رقم ۴۷۵۔ وأخرجه أحمد في المسند ۲/۳۔ وأخرج الرواية الثانية مسلم في صحيحه ۳۳۴/۱ حديث رقم (۱۵۶-۴۵۲) والنسائي ۲۳۷/۱ حديث ۴۷۶۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے قیام کا نماز ظہر اور عصر میں اندازہ کرتے تھے۔ تو ہم نے اندازہ لگایا کہ آپ ﷺ کا قیام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃِ کی قراءت کے بقدر قیام کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے۔ اور ظہر کی آخری دو رکعتوں میں ہم نے اس سے نصف کا اندازہ لگایا اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں اس سے نصف کے بقدر قیام کیا اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے چند امور معلوم ہوئے۔

① رسول اللہ ﷺ کی نماز ظہر میں پہلی دو رکعتوں کے اندر قیام کی مقدار اتنی ہوتی تھی کہ جتنے وقت الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃِ کی قراءت کے بقدر قیام کرتے تھے۔ اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر قراءت کرتے تھے۔ اور اس سورت کی کل انتیس آیات ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں سورۂ الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃِ کے بقدر قراءت کرتے تھے۔

② اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ظہر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت طویل ہوتی تھی اخیر رکعتوں میں نصف کے بقدر ہوتی تھی اور ظہر کی آخری دو رکعتیں عصر کی پہلی دو رکعتوں کے برابر ہوتی تھیں۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ اور تلاوت بھی کرتے تھے تب ہی ظہر کی آخری دو رکعتیں عصر کی پہلی دو رکعتوں کے برابر ہوسکتی ہیں ورنہ لازماً اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت نہیں ملاتے تھے

حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

۴ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی سری نمازوں میں کوئی نہ کوئی آیت بلند آواز سے پڑھ دیتے تھے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی سورت کی میں نے تلاوت کی ہے گویا یہ بیان جواز اور تعلیم پر محمول ہے۔

نمازِ ظہر کی قراءت

(۸/۷۶۱)وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذَالِكَ وَفِي الصُّبْحِ اَطْوَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۳۷ حديث رقم (۱۷۰-۴۵۹)۔ وأخرجه أبوداؤد مطولاً في السنن ۱/۵۰۶ حديث رقم ۸۰۶۔ وأخرجه النسائي في السنن ۲/۱۶۶ حديث رقم ۹۸۰۔ وأخرج الرواية الثانية مسلم في صحيحه ۱/۳۳۸ حديث رقم (۱۷۱-۴۶۰) وأحمد في مسنده ۵/۸۶۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں سورۂ واللیل اذا یغشٰی پڑھا کرتے تھے اور دوسری ایک روایت میں مذکور ہے سورہ سبح اسم ربك الاعلٰی پڑھا کرتے تھے۔ اور عصر کی نماز میں بھی اسی قدر پڑھتے تھے۔ اور فجر کی نماز میں اس سے طویل قراءت کرتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں سورۂ واللیل اذا یغشٰی پڑھتے تھے مگر یہ تفصیل نہیں بتائی گئی کہ آپ ﷺ ظہر کی کون سی رکعت میں یہ سورت پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں یا دوسری رکعت میں۔ جیسے دیگر احادیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ فلاں نماز میں فلاں سورت پڑھتے تھے یہ وضاحت مذکور نہیں کہ وہ سورت کون سی رکعت میں پڑھتے تھے۔ اس کے بارے میں تین ہی احتمال ہیں۔

۱ ایک احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک ہی سورت کو دونوں رکعتوں میں پڑھتے تھے اس صورت میں تکرار لازم آئے گا کہ دونوں رکعتوں میں ایک سورت کو پڑھا گیا ہے تکرار والی سورت اگرچہ جائز تو ہے مگر غیر اولیٰ ہے۔

۲ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایک سورت کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں پڑھتے تھے اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھتے تھے۔ اس صورت میں تجزی لازم آتی ہے کہ ایک سورت کا کچھ حصہ ایک رکعت میں پڑھا گیا اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھا گیا ہے یہ بھی جائز تو ہے مگر غیر اولیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کی تجزی ثابت نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کے نزدیک ایک سورت کو ایک رکعت میں پڑھنا افضل ہے تجزی اور تقسیم کے مقابلے میں اگرچہ وہ سورت طویل ہو۔ ہاں البتہ صلوٰۃ التراویح اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کو ختم کرنا سنت ہے۔

۳ تیسرا احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مذکورہ سورت کے علاوہ کوئی دوسری سورت بھی پڑھتے تھے۔ چاہے اس کو پہلی رکعت میں پڑھتے ہوں یا دوسری رکعت میں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء کرام کے نزدیک طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصار مفصل کی تعیین پہلی رکعت کے اعتبار سے ہے۔

نمازِ مغرب میں قراءت

(۹/۷۶۲)وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۴۷ حديث رقم ۷۶۵۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۳۸ حديث رقم (۱۷۴-۴۶۳)

واللفظ له ۔أبو داوٗد فی السنن ۱/ ۵۰۸حدیث رقم ۸۱۰۔والنسائی فی السنن ۲/ ۱۶۹حدیث رقم ۹۸۷۔والدارمی فی السنن ۱/ ۳۳۶۔حدیث رقم ۱۲۹۵۔وأخرجه مالك فی الموطأ ۱/ ۷۸حدیث رقم ۲۳من کتاب الصلاۃ ۔وأحمد فی مسندہ ٤/ ۸٤۔وابن ماجة فی السنن ۱/ ۲۷۲حدیث رقم ۸۳۲۔

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔(بخاری، مسلم)

تشریح: نماز مغرب کی قراءت کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ایک حدیث میں مذکور ہے کہ سورۂ طور پڑھتے تھے۔دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ سورۂ والمرسلات عرفا پڑھتے تھے۔تیسری حدیث میں مذکور ہے کہ سورۂ انفال پڑھتے تھے۔پانچویں حدیث میں مذکور ہے کہ سورۂ دخان پڑھتے تھے علی ہذا القیاس اس مضمون کی دیگر احادیث بھی ہیں بظاہر تعارض بھی ہے اور اتنی طویل سورتوں کا نماز مغرب میں پڑھنا مشکل بھی ہے۔اس کا حل یہ ہے کہ کوئی تعارض نہیں کیونکہ یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام نمازوں میں کسی خاص سورت کو پڑھنا متعین نہیں ہے بلکہ جو بھی پڑھنا آسان ہو وہ پڑھا جائے گا۔باقی رہ گیا یہ مسئلہ کہ ان سورتوں کو پڑھنا مشکل ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ اس میں دو احتمال ہیں یا تو یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس سورت کا کچھ حصہ پڑھتے تھے وہ حصہ اس سورت کا ہوتا تھا اس لئے پوری سورت کا نام ذکر کر دیا گیا ہے گویا یہ تسمیۃ الجزء باسم الکل کے قبیل سے ہے۔

مفصلات کی تعیین کی دلیل: مفصلات کی سورتوں کی تین قسمیں ہیں: ① طوال مفصل، از سورۂ حجرات تا سورۂ بروج۔ ② اوساط مفصل، از سورۂ بروج تا سورۂ لم یکن۔ ③ قصار مفصل از سورۂ بینہ تا آخر۔

فجر اور ظہر میں طوال مفصل کی قراءت کی جائے۔اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل کی قراءت کی جائے۔مغرب میں قصار مفصل کی قراءت کی جائے۔اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا مکتوب گرامی ہے۔جو اس وقت کوفہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف لکھا گیا تھا۔اور اس میں یہی مذکورہ بالا تفصیل تھی۔رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نمازوں میں قراءت کے لئے یہ تعیین نہ تھی۔اس وقت اختلاف احوال، اختلاف اوقات وغیرہ کی رعایت کی وجہ سے قراءت کی مقدار مختلف ہوتی تھی۔حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ تعیین کی گئی۔ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس قول اور فعل رسول کی کوئی دلیل ہو۔ثانیا یہ کہ حضرت عمرؓ خود معیار حجت اور دلیل ہیں۔لہٰذا ان کا حکم دلیل کی حیثیت رکھتا ہے احکام ثابت کرنے کے لئے اس پر دلیل یہ حدیث ہے: علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔

(۷۶۳/۱۰) وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/ ۵۱۵حدیث رقم ٦۱۰٦۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۳۳۹حدیث رقم (۱۷۸۔٤٦۵)أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/ ۵۰۰حدیث رقم ۷۹۰۔وأخرجه النسائی فی السنن ۱/ ۱۷۲حدیث رقم ۹۹۸۔وابن ماجة مختصرًا ۱/ ۳۱۵حدیث رقم ۹۸٦۔والدارمی فی السنن ۱/ ۳۳۷حدیث رقم ۱۲۹٦۔

سیدہ ام فضل بنت حارث ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ مرسلات تلاوت فرماتے ہوئے سنا۔(بخاری و مسلم)

آپ ﷺ کا نمازوں میں قراءت کا تعین کرنا

جیسا کہ گزشتہ حدیث میں ہم نے بیان کر دیا ہے کہ کسی خاص نماز میں کسی ایک خاص سورت کو متعین کر دینا صحیح نہیں سوائے اس کے کہ جن کو آپ ﷺ نے متعین کر دیا ہو۔دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء جو لکھتے ہیں کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل عصر و شام میں اوساط مفصل اور

مغرب میں قصار مفصل سے پڑھنا چاہئے اور ان کے تعین قراءت کی اصل دلیل یہ ہے کہ سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے ایک خط لکھا تھا اس میں یہ مذکورہ تفصیل لکھی تھی اس کے مطابق نمازوں میں قرأت کا اس طرح تعین فرمایا۔

اقتداء المفترض خلف المتنفل کا حکم

(۷۶۴/۱۱)وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِيْ فَيَؤُمُّ قَوْمَهٗ فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهٗ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهٗ نَا فَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَاُخْبِرَنَّهٗ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِا لنَّهَارِ وَاِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۵۱/۲ حدیث رقم ۷۶۹۔ومسلم فی صحیحه ۳۳۹/۱ حدیث رقم (۱۷۷۔۴۶۴) وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۲۷۳/۱ حدیث رقم ۸۳۵۔ وأحمد فی المسند ۲۹۱/۴۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر آتے اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے ایک دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اور پھر آ کر اپنی قوم کو نماز پڑھائی اور سورۂ بقرہ کو شروع کیا ایک آدمی سلام پھیر کر جماعت سے نکل آیا اور اکیلے نماز پڑھ کر چلا گیا لوگوں نے جب یہ دیکھا تو اسے کہا اے فلاں کیا تم منافق ہو گئے۔ اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں منافق نہیں ہوا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں جا کر صورت حال بتاؤں گا۔ چنانچہ وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "اے اللہ کے رسول ہم اونٹ والے لوگ ہیں دن کو کام کرتے ہیں اور حضرت معاذؓ آپ کے پاس نماز پڑھ کر آئے اور ہمیں نماز پڑھائی اور سورۂ بقرہ شروع کر دی یہ سن کر رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ تم سورۂ والشمس وضحٰها ،والیل اذا یغشٰی اور سبح اسم ربك الاعلٰی ان جیسی سورتیں پڑھایا کرو۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: حضرت معاذؓ رسول کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور یہ اپنی قوم کے امام بھی تھے اور پھر قوم کے پاس جا کر نماز پڑھایا کرتے تھے ایک مرتبہ واپس جا کر اپنے قوم کو عشاء کی نماز پڑھائی اور سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کر دی ایک آدمی نے درمیان سے نماز چھوڑ دی اور اکیلے نماز پڑھی لوگوں نے اس کو منافق ہونے کا طعنہ دیا اس آدمی نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو صورت حال بتائی رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو تنبیہ کی کہ کیا تم لمبی قراءت کر کے لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو اور یہ آدمی جو نماز سے نکل گیا تھا وہ آدمی نماز باجماعت سے تنگ نہیں ہوا تھا بلکہ دن بھر کی مشقت کی وجہ سے تھکاوٹ تھی اور طویل قراءت سننا اس کے لئے انتہائی مشکل تھا اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام پر لازم ہے کہ وہ مقتدیوں کی رعایت رکھے۔ کیونکہ مقتدیوں میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں ضعیف، طاقتور اور حاجتمند دن بھر کی مشقت کی وجہ سے تھکے ہوئے لہٰذا امام کو چاہئے کہ وہ ایسی قراءت کرے کہ جس سے سب کی رعایت ہو جائے۔

مسئلہ: اقتداء المفترض خلف المتنفل:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے یا نہیں اور دو مذہب ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل ترمذی میں حدیث ہے "الامام ضامن" کہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہوتا ہے اور متنفل اپنی حالت کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے اور مفترض قوی ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ کمزور قوی کا ضامن نہیں ہوسکتا۔

(۲) اور امام شافعیؒ کے نزدیک اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے۔

دلیل: ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اور اس کے بعد قوم کو جب نماز پڑھاتے تھے تو ان کی اپنی نماز نفل ہوتی تھی۔

جواب: اس حدیث کی چند توجیہات کی گئی ہیں۔

① حضرت معاذؓ کا واقعہ اس زمانہ پر محمول ہے جب کہ فرض نماز کو دو مرتبہ پڑھنا جائز ہوتا تھا بعد میں اس کو منسوخ کیا گیا۔

② حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھتے تھے۔ برکت حاصل کرنے کے لئے الزام اور تہمت سے بچنے کے لئے اور اپنی قوم کو فرض کی نیت سے پڑھاتے تھے۔

③ یہ حضرت معاذؓ کا اپنا عمل اپنی رائے اور اپنا اجتہاد تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی تقریر اس پر ثابت نہیں بلکہ جب رسول اللہ ﷺ کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت معاذؓ کو تنبیہ کی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔

رسول اللہ ﷺ خوش آواز تھے

(۱۲/۷۶۵) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَاسَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ۔ (متفق علیه)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۳۷ حدیث رقم (۱۶۸۔۴۶۴) واخرجه أحمد فی المسند ۵/۹۱۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۃ والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا ہے اور میں نے آپ ﷺ کی آواز سے کسی کی اچھی آواز نہیں سنی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ ظاہری اور باطنی تمام کمالات کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل اور اکمل انسان تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن صورت اور حسن سیرت عطا کی ہے اسی طرح اعلیٰ درجہ کا حسن صوت عطا کیا تھا۔ حضرت براء بن عازب نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور اس میں مبالغہ آرائی نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو بھیجا تو اس کو خوب صورت اور خوب صوت والا بنا کر بھیجا اور رسول اللہ ﷺ کی آواز کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی آواز وہاں تک پہنچتی جہاں تک کسی اور کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔

مختلف سورتوں کی قراءت

(۱۳/۷۶۶) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدُ تَخْفِيْفًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۳۶ حدیث رقم (۱٦٤۔٤٥٦) وأخرجه أبوداود فی السنن ۱/۵۱۱ حدیث رقم ۸۱۷ ولفظه مخالف لمسلم۔ وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۳۳۸ حدیث رقم ۱۲۹۹۔ وأخرجه أحمد فی مسنده

۴/۳۰۷۔واللفظ لمسلم۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۶۸حدیث ۸۱۷۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں ''سورۃ ق والقرآن المجید'' اور اس جیسی کوئی اور سورت پڑھتے تھے اور فجر کے بعد آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی'' (امام مسلم)

تشریح: اس حدیث کے چند معنی ہیں۔

① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی نماز کے علاوہ باقی چار نمازیں ہلکی ہوتی تھی کیونکہ فجر کی نماز میں قراءت طویل ہوتی تھی اور باقی نمازوں میں قراءت مختصر ہوتی تھی۔

② اس حدیث میں بعد کا تعلق زمانہ کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہجرت کے شروع میں مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی نماز طویل ہوتی تھی کیونکہ اس وقت لوگ قلیل تھے بعد میں جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کی نماز بھی مختصر ہوگئی۔

③ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ دوسری اماموں کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی طویل نماز مختصر معلوم ہوتی تھی۔

④ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طویل نماز بھی ہلکی معلوم ہوتی تھی کیونکہ آپ کی قراءت کی لذت بہت ہوتی تھی جس کی وجہ سے طوالت کا احساس بالکل نہیں ہوتا تھا یہ مطلب اولیٰ ہے۔

(۱۴/۷۶۷) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ يَقْرَأُ فِی الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ . (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۳۶حدیث رقم (۱۶۳۔۴۵۵)وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۴۲۶حدیث رقم ۶۴۹وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۱۷۶حدیث رقم ۱۰۰۷۔وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۶۹حدیث رقم ۸۲۰۔وأخرجه أحمد فی المسند۳/۴۱۱۔وأخرجه البخاری فی صحیحه تعلیقًا ۲/۲۵۵۔باب الجمع بین السورتین فی الرکعة کتاب الأذان۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریثؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فجر کی نماز میں و اللیل اذا یغشٰی کی تلاوت کی'' (مسلم)

(۱۵/۷۶۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلّٰى لَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَآءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِیَّ ﷺ سُعْلَةٌ فَرَكَعَ . (رواہ مسلم)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۷۷حدیث رقم ۸۹۱۔وأخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۵۹۹حدیث رقم (۶۵۔۸۸۰)وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۶۴۸حدیث رقم ۱۰۷۴۔وأخرجه النسائی فی السنن ۲/۱۵۹حدیث رقم ۹۵۵وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۲۶۹حدیث رقم ۸۲۳۔وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۴۳۵حدیث رقم ۱۵۴۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مکہ مکرمہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورۃ المؤمنین کی قراءت شروع کی جب آپ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون یا حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کے ذکر پر پہنچے تو آپ کو کھانسی شروع ہوگئی پھر آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے۔ (مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور آپ ﷺ نے ''قد افلح المؤمنون'' کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہنچے: ''ثم ارسلنا موسٰی واخاہ ھارون'' اور یا اس آیت پر پہنچے: وجعلنا ابن مریم' تو رسول اللہ ﷺ کا دل مبارک ان انبیاء کے ذکر سے مضطرب ہوا اور رونے لگے اور حلق کے خشک ہو جانے کی وجہ سے کھانسی شروع ہوگئی۔ کھانسی کی وجہ سے پوری سورت کی قراءت نہیں کر سکے مذکورہ روایت پر قراءت ختم کر کے رکوع کر لیا۔

جمعہ کے دن فجر کی قراءت

(۷۶۹/۱۶)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَقْرَأُ فِی الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمّٓ تَنْزِيْلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِی الثَّانِيَةِ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵۹۷/۲ حديث رقم (۶۱ـ۸۷۷) وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۶۷۰/۱ حديث رقم ۱۱۲۴ـ وأخرجه الترمذي في السنن ۳۹۷/۲ حديث رقم ۵۱۹ـ وأخرجه ابن ماجة في السنن ۳۵۵/۱ حديث رقم ۱۱۱۸ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں هل اتٰی علی الانسان پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر پڑھتے تھے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کیا جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ان سورتوں کی قراءت متعین ہے یا نہیں۔ اور دو مذہب ہیں۔ (۱) شوافعؒ کے نزدیک یہ دو سورتیں جمعہ کے دن فجر کی نماز میں متعین ہیں اور ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے۔ (۲) اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ دو سورتیں جمعہ کے دن فجر کی نماز میں قراءت کے لئے متعین نہیں ہیں کیونکہ اس سے عقیدہ میں فساد اور خرابی لازم آئے گی اور اس پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ہمیشہ ان دو سورتوں کو نہیں پڑھا کبھی کبھی دیگر سورتوں کو بھی پڑھتے ہاں البتہ کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی برکت حاصل کرنے کے لئے اور اتباع سنت کے لئے ان دو سورتوں کی قراءت کرے تو یہ جائز ہے اس طرح کرنا کوئی حرج نہیں مگر ایسا کبھی کبھی کیا جائے اس پر دوام کرنا درست نہیں

نماز جمعہ کی قراءت

(۷۷۰/۱۷)وَعَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِی السَّجْدَةِ الْاُوْلٰى وَفِی الْاٰخِرَةِ اِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ. فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في الصحيح ۵۹۸/۲ حديث رقم (۶۲ـ۸۷۸) وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۶۷۰/۱ حديث رقم ۱۱۲۲ وأخرجه الترمذي في السنن ۴۱۳/۲ حديث ۵۳۳ـ وأخرجه النسائي في السنن ۱۱۲/۳ حديث ۱۴۲۴ وأخرجه الدارمي في السنن ۴۲۳/۱ حديث رقم ۱۵۶۸ـ وأخرجه مالك في الموطأـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی رافعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا حضرت ابوہریرہؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون کی تلاوت کی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (مسلم)

نمازِ عیدین کی قراءت

(۷۷۱/۱۸)وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِی الْعِيْدَيْنِ وَفِی الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِیْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِی

الصَّلَاتَیْنِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۶۰۷حدیث رقم (۱۴۔۸۹۱)۔وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۶۸۳حدیث رقم ۱۱۵۴وأخرجه الترمذی فی السنن ۲/۴۱۵حدیث رقم ۵۳۴وأخرجه النسائی فی السنن ۳/۱۸۳حدیث رقم ۱۵۶۷۔وابن ماجة بنحوه ۱/۴۰۸حدیث رقم ۱۲۸۲وأخرجه مالك فی الموطأ ۱/۱۸۰حدیث رقم ۸من کتاب العیدین۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ عیدالفطر اور جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربك الاعلی اور هل اتٰك حدیث الغاشیه پڑھا کرتے تھے اور حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ دونوں ایک ساتھ جمع ہو جاتے تو آپ نماز عید اور نماز جمعہ دونوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

نمازِ عید کی قراءت

(۱۹/۷۷۲)وَعَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ اَبَا وَاقِدِ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۰۲حدیث رقم (۹۸۔۷۲۶)۔وأخرجه النسائی فی السنن۲/۱۵۵حدیث رقم ۹۴۵ وأخرجه ابن ماجة فی السنن ۱/۳۶۳حدیث رقم ۱۱۴۸۔

ترجمہ: حضرت عبیداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابوواقد لیثیؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نماز میں کیا پڑھتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں نمازوں میں سورۂ قٓ والقرآن المجید اور سورۂ اقتربت الساعۃ پڑھا کرتے تھے۔(مسلم)

تشریح: حضرت عمرؓ نے حضرت ابوواقد لیثی سے سوال اس لئے نہیں کیا تھا کہ حضرت عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے بارے میں علم نہیں تھا کیونکہ حضرت عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو کمال قرب کا تعلق تھا وہ ابوواقد لیثیؓ کو نہیں تھا حضرت عمرؓ کے سوال کا مقصد یہ تھا تاکہ حاضرین کو رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے بارے میں بخوبی علم ہو جائے۔

فجر کی سنتوں کی قراءت

(۲۰/۷۷۳)وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۰۲حدیث رقم (۱۰۰۔۷۲۷)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں میں قل یا ایها الکافرون اور قل هوالله احد پڑھتے تھے۔(مسلم)

(۲۱/۷۷۴)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِيْ فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه الترمذی فی السنن۲/۱۴حدیث رقم ۲۴۵وقال لیس إسناده بذاك ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۂ بقرہ کی یہ آیت: قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور سورۂ آل عمران کی یہ آیت: قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

پڑھتے تھے۔(مسلم)

تشریح:اس حدیث میں فجر کی سنتوں کی قراءت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ پہلی قراءت میں سورۂ بقرہ کی آیت تلاوت کرتے تھے اور دوسری رکعت میں آل عمران کی اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کے لئے کوئی خاص قراءت متعین نہیں کبھی آپ مذکورہ آیتوں کو پڑھتے تھے اور کبھی سورۂ کافرون کو اور کبھی سورۂ اخلاص کو پڑھتے تھے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ سورت کے درمیان سے نماز میں قراءت کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

الفصل الثانی:

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ

(۲۲/۷۷۵)عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْتَتِحُ صَلاَ تَهٗ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ (رواه الترمذی وقال هذاحديث لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِذَاكَ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۲۷حديث رقم ۲٤۸وقال حديث حسن۔وأخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۵۷٤ حديث رقم ۹۳۲و ذكر "رفع" بدل "مد" وأخرجه الدارمی فی السنن ۱/۳۱۵حديث رقم ۲٤۷وأخرجه النسائی فی السنن بنحوه ۲/۱۲۲ حديث رقم ۸۷۹۔وأخرجه أحمد فی المسند٤/۳۱٦۔

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے تھے"۔ (ترمذی)

تشریح:اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز کو بسم اللہ سے شروع کرتے تھے مراد اس سے یہ ہے کہ نماز کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ آواز سے پڑھتے تھے آہستہ کی قید اس لئے لگائی ہے ورنہ دیگر کئی روایات کا اس سے تعارض لازم آئیگا اور اگر اس کو جہر پر محمول کیا جائے تو پھر اس سے مراد تعلیم اور بیان جواز ہوگا۔امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے مگر میرک شاہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا درست نہیں ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

آمین بالجہر کا حکم

(۲۳/۷۷٦)وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ مَدَّبِهَاصَوْتَهٗ ۔ (رواه الترمذی وابو داود والدارمی وابن ماجة).

أخرجه أبوداوٗد فی السنن من قصة طويلة ۱/۵۷۷حديث رقم ۹۳۸۔

ترجمہ:حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا اور پھر بلند آواز سے آمین کہا۔(ابوداود۔ترمذی،دارمی،ابن ماجہ)

تشریح:اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ نماز میں امام مقتدی اور منفرد سب کے لئے آمین کہنا مسنون ہے اور اس مسئلہ میں بھی اتفاق ہے کہ نماز میں آمین بلند آواز سے اور آہستہ آواز سے جائز ہے البتہ اولویت اور افضلیت میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آمین آہستہ آواز سے کہنا افضل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک آمین بلند آواز سے کہنا افضل ہے اور اختلاف کا دارومدار حضرت وائل بن حجر کی مذکورہ روایت ہے دونوں کا استدلال اسی روایت سے ہے وہ اس طرح کہ اس روایت کو اسامہ بن کہیلؒ سے نقل کرنے والے دو آدمی ہیں سفیان اور شعبہ سفیان کی روایت میں بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے اور شعبہ کی روایت میں آہستہ آواز سے آمین کہنے کا ذکر

ہے امام ابوحنیفہؒ نے شعبہ والی روایت کو ترجیح دی ہے چھ وجہ سے

① سفیان کبھی کبھی تدلیس کرتے ہیں اور شعبہ کے نزدیک تدلیس زنا سے بھی بدتر ہے۔

② سفیان کا اپنا عمل اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب راوی کا اپنا عمل اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف ہو تو اس کے ضعیف یا منسوخ ہونے کی علامت ہے۔

③ شعبہ کی روایت قرآن کریم کے موافق ہے وہ اس طرح کہ آمین ایک دعا ہے اور دعا کے بارے میں اصل قانون یہ ہے کہ دعا آہستہ کی جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط۔

④ شعبہ کی روایت کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔

⑤ اگر سفیان والی روایت کو اختیار کیا جائے تو شعبہ والی روایت کا ترک لازم آتا ہے اور اگر شعبہ والی روایت کو اختیار کیا جائے تو سفیان کی روایت کا ترک لازم نہیں آتا بلکہ وہ تعلیم پر محمول ہے۔

⑥ جب دو حدیثوں میں تعارض لازم آئے تو وہاں صحابہ کے عمل کو دیکھا جائیگا اور صحابہ کی کثیر تعداد کا عمل شعبہ کی روایت کے مطابق ہے۔

آمین باعثِ برکت ہے

(۷۷۷/۲۴) وَعَنْ اَبِیْ زُهَيْرِ النُّمَيْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِي الْمَسْاَلَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ بِاَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ قَالَ بِآمِيْنَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه النسائي في السنن ۲/ ۱۷۰ حديث رقم ۹۹۱۔

ترجمہ: حضرت ابوزہیر نمیریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے اور ایک آدمی کے پاس آئے جو دعا کرنے میں خوب آہ وزاری کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واجب کیا اگر ختم کیا۔ ایک آدمی نے سوال کیا کہ کس چیز کے ساتھ ختم کرے فرمایا آمین کے ساتھ۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کے دو معنی ہیں:

① ختم سے مراد ختم کرنا اور مکمل کرنا ہو مطلب یہ ہوگا کہ اگر اس آدمی نے اپنی دعا کو لفظ آمین پر ختم کیا تو اس کے لئے جنت اور مغفرت واجب ہوگئی یا جس مقصد کے لئے دعا کر رہا ہے وہ واجب ہوگیا۔ یہاں وجوب سے مراد وجوب فضلی اور احسان ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز بندوں کی طرف سے واجب نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور احسان سے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

② ختم سے مراد مہر ہے۔ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ آمین رب العالمین کی مہر ہے۔ اس کی وجہ سے آفات اور بلائیں ختم ہو جاتی ہیں جیسے مہر سے خط محفوظ ہو جاتا ہے لہٰذا جب کوئی دعا مانگے تو اس دعا کی مہر آمین ہے۔

نمازِ مغرب کی قراءت

(۷۷۸/۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِيْ رَكْعَتَيْنِ۔ (رواه النسائي)

أخرجه أحمد في المسند ۱۴۹/۴۔ ۱۵۰ وأخرجه أبوداؤد في السنن ۱۵۲/۲ حديث رقم ۱۴۶۲۔ وأخرجه النسائي في السنن مختصرًا ۱۵۸/۲ حديث رقم ۹۵۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف تقسیم کر کے دونوں

رکعتوں میں پڑھی ہے۔ (مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں مختصر قراءت بھی کی ہے اور بیان جواز کے لئے طویل قراءت بھی کی ہے جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی نماز میں دونوں رکعتوں میں پوری سورۂ اعراف پڑھی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت میں تنگی نہیں ہے بلکہ وسعت ہے خصوصاً جب کہ مغرب کا وقت شفق ابیض کے غروب تک تسلیم کیا جائے۔

معوذتین کی فضیلت

(۷۷۹/۲۶) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَاقَتَهُ فِى السَّفَرِ فَقَالَ لِىْ يَاعُقْبَةُ اَلَا اُعَلِّمُكَ خَيْرَسُوْرَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِىْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِىْ سُرِرْتُ بِهِمَاجِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ صَلّٰى بِهِمَاصَلَاةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ اِلْتَفَتَ اِلَىَّ فَقَالَ يَاعُقْبَةُ كَيْفَ رَأَيْتَ۔ (رواہ احمد وابوداود والنسائی)

البغوی فی شرح السنة ۸۱/۳ وابن حبان ۱۵۸/۳ حدیث ۱۸۳۸۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر چل رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا اے عقبہ۔ کیا میں تمہیں بہترین دو سورتیں جو ہم پر پڑھی گئی ہیں نہ بتلا دوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے قل اعوذ برب الفلق۔ اور قل اعوذ برب الناس کی تعلیم دی۔ حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان دونوں سورتوں سے زیادہ خوش نہیں دیکھا۔ پھر جب آپ ﷺ صبح کی نماز کے لئے اترے تو ان دو سورتوں کے ساتھ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے عقبہ تم نے کیسا دیکھا ان دو سورتوں کو۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی)

تشریح: اس حدیث میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دو سورتوں کو بہترین قرار دیا ہے کیونکہ شیطان مردود اور نفس کی ضلالت سے پناہ مانگنے کے لئے بہترین سورتیں ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دو سورتیں حضرت عقبہؓ کو سکھائیں تو وہ اس سے کچھ زیادہ خوش نہ ہوئے جس قدر خوش ہونے کی توقع تھی۔ پھر آپ ﷺ نے جب لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی تو اس نماز میں ان ہی دو سورتوں کو پڑھا اس سے مزید فضیلت کا اظہار کر دیا۔ وہ اس طرح کہ فجر کی نماز میں طویل قراءت مستحب ہے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان دو سورتوں کی فضیلت کو واضح کرنے کے لئے فجر کی نماز میں پڑھا پھر حضرت عقبہ سے فرمایا اب ان کی فضیلت دیکھ لی۔

شب جمعہ میں نمازِ مغرب کی قراءت

(۷۸۰/۲۷) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَقْرَأُ فِىْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (رواہ فی شرح السنة ورواہ ابن ماجة عن ابن ماجة) عن ابن عمر اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ۔

البغوی فی شرح السنة ۸۱/۳ وابن حبان ۱۵۸/۳ حدیث ۱۸۳۸۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شب جمعہ میں نماز مغرب میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے تھے۔ (اس حدیث کو شرح السنہ میں نقل کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ

سے نقل کی ہے مگر اس میں لیلۃ الجمعہ کے الفاظ نہیں ذکر کیے گئے)۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شب جمعہ میں نماز مغرب کے اندر سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص کی قراءت کرتے تھے اور نماز مغرب کی مراد میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد فرض نماز ہو کہ فرض نماز میں ان دو سورتوں کو پڑھتے تھے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ نماز مغرب سے مراد مغرب کی سنتیں ہوں۔ معنی یہ ہوگا کہ شب جمعہ میں مغرب کی سنتوں میں ان دو سورتوں کو تلاوت کرتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سورۃ کافرون کے اندر کفار سے بیزاری اور براءت کا اعلان ہے اور سورۃ اخلاص کے اندر خالص توحید کا ذکر ہے اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ مغرب اور فجر کی سنتوں میں اکثر ان دونوں سورتوں کو پڑھتے تھے۔ تاکہ لیل و نہار کے آغاز پر آپ ﷺ اس اعلان توحید اور اعلان براءت کو دہرائیں۔

اور ابن حبان کی روایت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شب جمعہ کے اندر عشاء کی نماز میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون پڑھتے تھے۔

(۷۸۱/۲۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا اُحْصِیْ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقْرَأُ فِی الرَّكْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِی الرَّكْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بِقُلْ یَا اَیُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجۃ) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَذْكُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔

أخرجه الترمذي في السنن ۲/۲۹٦ حديث رقم ٤۳۱ وقال حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث عبدالله بن معدان عن عاصم۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے قبل دونوں سنتوں میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے لیکن اس روایت میں بعد المغرب کے الفاظ نہیں ہیں) یعنی ان سورتوں کو ان سنتوں میں اکثر پڑھا کرتے تھے۔

مفصلات کی قراءت

(۷۸۲/۲۹) وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَاصَلَّیْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَیْمَانُ صَلَّیْتُ خَلْفَهٗ فَكَانَ یُطِیْلُ الرَّكْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَیُخَفِّفُ الْاُخْرَیَیْنِ وَیُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَیَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَ یَقْرَأُ فِی الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفَصَّلِ وَیَقْرَأُ فِی الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ (رواہ النسائی وروی ابن ماجۃ) اِلٰی وَیُخَفِّفُ الْعَصْرَ۔

أخرجه ابن ماجة في السنن عن أبي هريرة ۱/۳٦۳ حديث رقم ۱۱٤۸ وعن ابن عمر ۱۱٤۹ ولم "يذكر ابعد المغرب"۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسارؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی آدمی کے پیچھے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز نہیں پڑھی مگر فلاں آدمی کے پیچھے۔ حضرت سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اس آدمی کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ وہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کو طویل کرتے تھے اور دوسری دو رکعتوں کو ہلکا کرتے تھے۔ اور عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ مغرب کی نماز میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ (نسائی۔ ابن ماجہ) ان کی روایت میں صرف وَیُخَفِّفُ الْعَصْرَ تک کے الفاظ ہیں۔

تشریح: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے فلاں آدمی کے پیچھے نماز پڑھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ تھی۔ فلاں

شخص سے مراد ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ کی ذات ہے۔ دوسرے قول کے مطابق فلاں سے مراد وہ آدمی ہے جس کو مروان نے مدینہ میں حاکم مقرر کیا تھا۔ اس حدیث کے اندر نماز ظہر اور عصر کی قراءت کا اجمالی ذکر ہے۔ وہ اس طرح کہ ظہر کے بارے میں اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ پہلی دو رکعتوں کو طویل کرتے تھے اور عصر میں تخفیف کرتے تھے یہ نہیں بتایا گیا کہ طوال مفصل کی قراءت کرتے تھے یا اوساط مفصل کی۔ قرآن کی سورتوں کے چند اصطلاحی نام ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ اعراف، سورۂ نساء، سورۂ انفال وتوبہ کو سبع طوال کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد جو سورتیں سو آیات پر یا اس سے زیادہ پر مشتمل ہوں ان کو مئین کہتے ہیں اور اس کے بعد کی سورتوں کو مثانی کہتے ہیں۔ اور سورۂ حجرات سے آخر تک کی سورتوں کو مفصلات کہتے ہیں۔ پھر مفصلات کی تین قسمیں ہیں۔ طوال مفصل۔ اوساط مفصل۔ قصار مفصل۔ تعریف گزر چکی ہے

قراءت خلف الامام کا حکم

(۸۳/۳۰)وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَأُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهٗ لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْبِهَا (رواہ ابوداود والترمذی وللنسائی معناہ وفی روایۃلابی داود) قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِي الْقُرْاٰنَ فَلَا تَقْرَأُوْا بِشَيْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۵۱۵حدیث رقم ۸۲۳۔وأخرجه الترمذی فی السنن ۲/۱۱۶حدیث رقم ۳۱۱۔ وقال حدیث حسن ۔وأخرجه أحمد فی المسند ۵/۳۲۲وأخرج النسائی نحوه ۲/۱۴۱حدیث رقم ۹۲۰وأخرج أبوداؤد روایة "مالی أنازع......"۱/۵۱۵حدیث ۸۲۴۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب قراءت شروع کی تو آپ ﷺ کے لئے پڑھنا مشکل ہو گیا۔ پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ شاید تم لوگ امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے ہو۔ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ اے اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا سوائے سورۂ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو۔ اس لئے کہ جو آدمی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداود۔ ترمذی) امام نسائی نے یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے اور ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب ہی تو میں کہتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا کہ جو قراءت مجھ پر مشکل ہو رہی ہے۔ جب میں قراءت جہر کے ساتھ کروں تو تم لوگ سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ نماز میں بلند آواز کے ساتھ قراءت کر رہے تھے۔ اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے پیچھے بجائے خاموشی اختیار کرنے کے خود پڑھنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر قراءت کرنی مشکل ہو گئی۔ جب یہ روحانی بوجھ پڑا تو آپ ﷺ نے سوال کیا کہ شاید تم لوگ میرے پیچھے قراءت کرتے ہو اور بعض مرتبہ ناقص چیز کامل پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ جیسے حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے قراءت کے دوران اچانک رک گئے اور پھر اس بندش کا سبب یہ بیان کیا کہ لوگ میرے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور صحیح طریقہ سے وضو نہیں کرتے تو یہاں لوگوں کے صحیح طریقہ سے وضو نہ کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی قراءت پر اثر پڑا۔

سوال: بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا ضروری ہے حالانکہ سورۂ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا حرام اور ناجائز ہے۔

جواب: یہ حکم ابتداء پر محمول ہے ابتداء سورۂ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھی جاتی تھی بعد میں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا جب نماز میں قرآن کی قراءت ہو رہی ہو تو خاموش ہو کر توجہ کے ساتھ سنو تو منسوخ کر دیا گیا۔ اس مسئلہ کی

وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

جہری نماز میں قراءت کی ممانعت

(۷۸۴/۳۱)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَمَعِیَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ اٰنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ۔ (رواہ مالك واحمد وابوداود والترمذی والنسائی وروی ابن ماجة نحوه)

أحمد فی المسند ۲/ ۲۴۰وأخرجه مالك ۱/ ۸۶ حدیث رقم ۴۴من کتاب الصلاة وأبوداؤد ۱/ ۵۱۶ حدیث ۸۲۶ والترمذی ۱/ ۱۱۸حدیث ۳۱۲ ـوالنسائی ۲/ ۱۴۰حدیث ۱۴۱ ـوابن ماجة بمعناه ۱/ ۲۷۶ حدیث ۸۴۸ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جہری قراءت والی نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قراءت کی ہے۔ایک آدمی نے عرض کیا ہاں۔اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا میں کہتا تھا کہ کیا ہو گیا مجھ سے قرآن پڑھنے میں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں جب لوگوں نے یہ سنا تو جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے قراءت کرتے تھے ان میں قراءت کرنے سے باز آ گئے۔(مالک۔احمد۔ابوداؤد۔ترمذی۔نسائی)امام ابن ماجہ نے بھی اس کی مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ جہری نماز پڑھا رہے تھے اور آپ ﷺ پر قراءت مشکل ہو گئی۔آپ ﷺ نے نماز کے بعد سوال کیا۔کیا ابھی تم میں سے کسی آدمی نے میرے پیچھے قراءت کی ہے۔ایک آدمی نے کہا کہ میں نے قراءت کی ہے۔اس کے بعد لوگ جہری نمازوں میں قراءت سے باز آ گئے۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت کرنا درست نہیں ہے۔اور یہ حدیث امام صاحب کی ایک مضبوط دلیل ہے۔اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے مطلقاً قراءت درست نہیں ہے وہ اس طرح کہ اگر امام کے پیچھے قراءت جائز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ قراءت کرنے کا سوال کیوں کرتے۔اور صرف ایک آدمی نے کہا کہ میں نے قراءت کی ہے اگر قراءت خلف الامام جائز ہوتی تو سب صحابہ کرام آپ ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے۔اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ حدیث سابقہ حدیث کے لئے جس میں فاتحہ کی قراءت کا حکم تھا ناسخ ہو گی۔کیونکہ یہ واقعہ بعد کا ہے اور وہ پہلے کا ہے بعد والا پہلے کے لئے ناسخ ہوتا ہے۔

نمازی اللہ سے مناجات کرتا ہے

(۷۸۵/۳۲)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْبَيَاضِیِّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُصَلِّیْ يُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلْيَنْظُرْ مَا يُنَاجِيْهِ وَلَا يَجْهَرُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد ۴/ ۳۴۴ ومالك ۱/ ۸۰حدیث رقم ۲۹من کتاب الصلاة ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت بیاضیؓ سے روایت ہے یہ دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے لہٰذا اس کو چاہئے کہ اپنی مناجات میں غور کرے۔اور قرآن پڑھنے میں تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کرے۔(احمدؒ)

تشریح: اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ نمازی آدمی نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے لہٰذا اس کو چاہئے کہ اچھی طرح غور و خوض کرے کہ وہ کس ذات سے سرگوشی کر رہا ہے تاکہ مکمل توجہ اور حضور قلبی نصیب ہو جائے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ

قرآن پڑھنے میں آواز ایک دوسرے کی آواز سے بلند نہ ہو کیونکہ اس سے خلجان اور تشویش ہوگی چاہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا جہری نمازوں میں درست نہیں ہے۔

امام کی متابعت لازم ہے

(۷۸۶/۳۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔ (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجۃ)

اخرجه ابوداؤد ۱/۴۰۴ حدیث رقم ۶۰۴۔ والنسائی ۲/۱۴۲ حدیث رقم ۹۲۲ وابن ماجۃ ۱/۳۷۶ حدیث ۸۴۶۔ واحمد ۲/۴۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے۔ لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

(ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جب امام تکبیر کہے تو مقتدی بھی تکبیر کہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مقتدی امام کے پیچھے تکبیر کے بعد تکبیر کہے مقتدی کی تکبیر نہ تو امام کی تکبیر سے پہلے درست ہے اور نہ ہی ساتھ درست ہے۔ یہ حکم تکبیر اولیٰ میں تو واجب ہے اور دیگر تکبیرات میں یہ حکم مسنون ہے۔ اور اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب امام قراءت کرے تو مقتدی خاموش رہے اور یہی قرآن کا حکم ہے۔ اذا قری القرآن الخ۔ اگر نماز جہری ہو تو استماع کا حکم ہے اور اگر نماز سری ہو تو انصات کا حکم ہے۔

ائمہ کے مذاہب کا خلاصہ: فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ پہلے گزر چکا ہے اور اس میں ائمہ کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی کے لئے فاتحہ کی قراءت ضروری ہے چاہے جہری نماز ہو یا سری نماز ہو۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مقتدی جہری نماز میں قراءت نہیں کرے گا۔ اور سری نماز میں قراءت کرے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کے لئے قراءت مطلقاً ممنوع ہے چاہے سری نماز ہو یا جہری نماز ہو یہی مذہب ہے حضرات صاحبین کا۔

امام صاحب کی ایک مضبوط دلیل: ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے: من كان له امام فقراءة الامام قراءة له۔ جو آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

جو آدمی قراءت پر قادر نہ ہو اس کا حکم

(۷۸۷/۳۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اٰخُذَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَيْئًا فَعَلِّمْنِیْ مَا يُجْزِئُنِیْ قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا لِلّٰهِ فَمَاذَا لِیْ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدَيْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَاَ يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ (رواہ ابوداود وانتهت روایة النسائی) عِنْدَ قَوْلِهٖ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

اخرجه ابوداؤد ۱/۵۲۱ حدیث ۸۳۲۔ واخرج اوله النسائی فی السنن ۲/۱۴۳ حدیث ۹۲۴۔ واحمد ۴/۳۵۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا

دیں جو میرے لئے کافی ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ پڑھ لیا کرو: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ پھر اس آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے میرے لئے کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ پڑھ لیا کرو: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ اے اللہ مجھ پر رحم کر۔ مجھ کو عافیت سے رکھ۔ مجھ کو ہدایت دے اور مجھ کو رزق دے۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا اس طرح اور ان کو بلند کیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آدمی نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر لئے۔ (ابوداؤد) نسائی کی روایت الا باللہ تک مکمل ہو جاتی ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے کہا۔ اے اللہ کے رسول۔ میں نماز میں قرآن پڑھنے پر بالکل قادر نہیں ہوں مجھے کوئی ایسی چیز بتادیں جس کو میں نماز میں پڑھوں آپ ﷺ نے فرمایا یہ پڑھو۔ سبحان اللّٰہ...... ۔ اور یہ شخص بہت ہی ہوشیار اور سمجھدار تھا اس نے یہ دعا سن کر عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ یہ تو اللہ کے لئے ہے یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تمجید، اور تحمید ہے میرے لئے کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بتائی۔ اللّٰھم ارحمنی...... ۔ اس میں اس کو رحمت، عافیت، ہدایت اور رزق کی دعا سکھا دی۔ پھر اس آدمی نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے دونوں مٹھیاں بند کر دیں اور یہ کنایہ تھا اچھی طرح نعمت کے حاصل ہونے سے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آدمی نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر لئے۔

سوال: یہ آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والا اعرابی تھا۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کو اتنا قرآن بھی یاد نہ ہو سکے کہ جس سے نماز جائز ہو۔ ثانیاً یہ کہ جو دعا اور کلمات آپ نے بتائے ہیں ان ہی کلمات کے بقدر قرآن یاد کر لیتا۔ جس سے اس کی نماز جائز ہو جاتی۔

جواب: یہ شخص ابھی ابھی مسلمان ہوا تھا گویا یہ نو مسلم تھا اور نماز کا وقت ہو گیا اور چونکہ وہ فی الفور اس پر قادر نہیں تھا کہ قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد کر سکے سہولت کے پیش نظر ان کلمات کی تعلیم دی گئی۔ اور یہ حدیث ابتداء اسلام پر محمول ہے کہ ابتداءً آسانی اور سہولت کا بہت لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اور اسی کے پیش نظر مذکورہ کلمات سکھا دیئے گئے۔

سبحان ربی الاعلیٰ کا ثبوت

(۳۵/۷۸۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ (رواہ احمد و ابوداود)

اخرجه أحمد في المسند ۱/ ۲۳۲۔ ابوداوٗد في السنن ۱/ ۵۴۹ حدیث ۸۸۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں سبح اسم ربك الاعلی۔ پڑھا کرتے تھے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے۔ (احمد۔ ابوداؤد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے اندر کس قدر احکام الٰہیہ کی اطاعت تھی کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے تھے سبح اسم ربك الاعلی تو آپ ﷺ نے اس آیت پر خود عمل کیا اور سبحان ربی الاعلی کہا اور امت کو بھی حکم دیا کہ اس تسبیح کو سجدہ میں پڑھا کرو۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی۔ سبح باسم ربك العظيم تو آپ ﷺ نے سبحان ربی العظيم کہا اور امت کو حکم دیا کہ اس کو اپنے رکوع میں پڑھا کرو۔

آیاتِ قرآنیہ کا جواب

(۳۶/۷۸۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ فَانْتَهٰى اِلٰى اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ فَلْيَقُلْ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَمَنْ قَرَأَ لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَانْتَهٰى اِلٰى

اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی فَلْیَقُلْ بَلٰی وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ فَلْیَقُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (رواہ ابو داود و الترمذی) اِلٰی قَوْلِهٖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ۔

أخرجه أبوداؤد ۱/ ۵۵۰حدیث ۸۸۷۔والترمذی ۵/ ۴۱۳حدیث ۳۳۴۷۔وأحمد ۱/ ۲۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو آدمی سورۂ والتین والزیتون پڑھے اور الیس الله باحکم الحاکمین۔ پر پہنچے تو یہ الفاظ پڑھے۔بلی وانا علی ذلك من الشاهدین۔ہاں کیوں نہیں اور میں اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں۔اور جو آدمی لا اقسم بیوم القیامة پڑھے اور جب اس آیت پر پہنچے۔الیس ذالك بقدر علی ان یحیی الموتٰی۔کیا اللہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے تو یہ کہے۔بلی۔ہاں کیوں نہیں اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے اور جب سورۂ والمرسلات پڑھے اور اس آیت پر پہنچے۔فبای حدیث بعده یؤمنون۔تو کہے امنا بالله کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔(ابوداؤد۔ترمذی) ترمذی نے اس حدیث کو والتین کی آیت وانا علی ذالك من الشاهدین تک نقل کیا ہے۔

تشریح: قرآن کریم میں کچھ آیات ایسی ہیں کہ جن کا جواب مسنون ہے جن میں چند کا اس حدیث میں ذکر کر دیا گیا ہے اور کچھ اس کے علاوہ بھی ہیں۔اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ان آیات کا جواب نماز میں بھی دیا جائے گا یا کہ نماز سے باہر دیا جائے گا۔حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ان آیات کا جواب مطلقاً دیا جائے گا چاہے ان کو نماز میں پڑھا جائے یا نماز کے علاوہ پڑھا جائے اور نماز سے مراد بھی عام ہے چاہے فرض ہو یا نفل ہو۔حضرت امام مالکؒ کے نزدیک فرض نماز میں ان آیات کا جواب نہیں دیا جائے گا اور اس کے علاوہ ان کا جواب دیا جائے گا چاہے نماز سے باہر ہو یا نفل نماز ہو۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم خارج از صلوٰۃ کے ساتھ خاص ہے نماز کے اندر ان آیات کا جواب نہیں دیا جائے گا چاہے نماز فرض ہو یا نفل۔

سوال: مذکورہ آیات کا جواب دینے میں بظاہر حدیث کے الفاظ کا اطلاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم نمازی کے لئے ہے کیونکہ اس باب میں قراءت فی الصلوٰۃ ہی کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

جواب: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حکم نفل نماز کے بارے میں ہو جیسے ترمذی میں حضرت حذیفہؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ اللیل کے اندر جب رحمت کی آیت تلاوت کرتے تو وہاں ٹھہر کر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے اور جب عذاب کی آیت پر پہنچ جاتے تو وہاں ٹھہر کر عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔

جنات کا جواب

(۷۹۰/۳۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَرَأَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰی اٰخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَی الْجِنِّ لَیْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا اَتَیْتُ عَلٰی قَوْلِهٖ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ قَالُوْا لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی ۵/ ۳۷۲حدیث ۳۲۹۱۔وقال حدیث غریب لا نعرفه إلا من حدیث الولید بن مسلم عن زهیر بن محمد۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے۔اور ان کے سامنے اول سے آخر تک سورۂ رحمٰن پڑھی۔صحابہ کرام خاموش رہے۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورت میں نے

جنات کے سامنے اس رات میں پڑھی تھی جس رات کو وہ مسلمان ہوئے تھے۔ اور وہ جواب دینے میں تم سے بہتر تھے۔ جب بھی میں اس آیت پر پہنچا۔ فبای الاء ربکما تکذبان۔ تو وہ جواب میں کہتے۔ لا بشی من نعمك ربنا نکذب فلك الحمد۔ اے رب ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اور تمام تعریفات تیرے ہی لئے ہیں۔ (ترمذی) فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

الفصل الثالث:

دو رکعتوں میں ایک سورت پڑھنا

(۷۹۱/۳۸) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْجُهَنِي قَالَ اِنَّ رَجُلاً مِنْ جُهَيْنَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَفِي الصُّبْحِ اِذَا زُلْزِلَتْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلاَ اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمَدًا۔ (ابو داود)

أخرجه أبوداؤد ۱/ ۵۱۰ حديث ۸۱۶۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن عبداللہ جہنیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہنی کے ایک آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی دونوں رکعتوں میں سورۃ اذا زلزلت الارض پڑھتے سنا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قصداً ایسا کیا تھا یا بھول گئے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز میں دونوں رکعتوں میں سورۃ زلزال پڑھی یعنی مکمل سورت ایک رکعت میں ہی پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح مکمل سورت پڑھی۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے ایسا بالارادہ کیا تھا یا نسیان ہو گیا تھا لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا قصداً اور ارادہ کے ساتھ کیا تھا۔ بیان جواز کے لئے کیونکہ اولی اور افضل یہی ہے کہ ایک سورت کا تکرار نہ ہو۔

(۷۹۲/۳۹) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ اِنَّ اَبَا بَكْرِ الصِّدِّيْقَ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك ۱/ ۸۲ حديث رقم ۳۳ من كتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے فجر کی نماز میں دونوں رکعتوں میں سورۃ بقرہ کی تلاوت کی۔ (امام مالکؒ)

تشریح: حضرت ابوبکرؓ نے فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں سورۃ بقرہ کی تلاوت کی مراد اس سے یہ ہے کہ کچھ سورت کی تلاوت پہلی رکعت میں کی اور کچھ کی قراءت دوسری رکعت میں کی۔ ایسا بھی جائز ہے اگرچہ محمد رسول اللہ ﷺ ایک رکعت میں مکمل سورت پڑھتے تھے اس سے یہ قطعاً مراد نہیں ہے کہ مکمل سورت بقرہ ایک رکعت میں پڑھی اور پھر مکمل سورت دوسری رکعت میں پڑھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں سورۃ یوسف پڑھتے تھے

(۷۹۳/۴۰) وَعَنِ الْفُرَافِصَةِ بْنِ عُمَيْرِ الْحَنَفِيِّ قَالَ مَا اَخَذْتُ سُوْرَةَ يُوْسُفَ اِلاَّ مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَاكَانَ يُرَدِّدُهَا۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطا ۱/ ۸۲ حديث ۳۵ من كتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت فرافصہ بن عمیر حنفیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۃ یوسف حضرت عثمانؓ سے سن سن کر یاد کی ہے

کیونکہ وہ اس سورت کو نماز فجر میں کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ (امام مالکؒ)

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ فجر کی نماز میں کثرت سے سورۂ یوسف کی قراءت کرتے تھے اور حضرت فرافصہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سن سن کر اس کو یاد کیا ہے۔

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ کسی سورت کو نماز میں قراءت کے لئے متعین کرنا درست نہیں یہ عمل مکروہ ہے۔ بظاہر حضرت عثمانؓ کا عمل اس کے منافی ہے انہوں نے فجر کے لئے اس سورت کو کیوں متعین اور مقرر کیا۔

جواب: کسی ایک سورت کا تمام نمازوں کے لئے متعین کرنا مکروہ ہے مگر صرف فجر کی نماز میں سورۂ یوسف کا کثرت سے پڑھنا اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ تمام نمازوں کے ساتھ خاص کرنے کا معاملہ نہیں تھا اور سورۂ یوسف کا پڑھنا اکثر تھا کبھی کبھی حضرت عثمانؓ فجر کی نماز میں سورۂ یوسف کے علاوہ دوسری سورتوں کو بھی پڑھتے تھے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ کو شہادت عطا کی۔

(۴۱/۷۹۴) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيهِمَا بِسُورَةِ يُوسُفَ وَسُورَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيئَةً قِيلَ لَهُ إِذًا لَقَدْ كَانَ يَقُومُ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ أَجَلْ۔ (رواه مالك)

اخرجه مالك في الموطأ ۱/۸۲حديث رقم ۳۴ من كتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی انہوں نے دونوں رکعتوں میں سورۂ یوسف اور سورۂ حج کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کسی نے حضرت عامرؓ سے پوچھا پھر تو حضرت عمرؓ فجر کے طلوع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے ہوں گے تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ (امام مالکؒ)

تشریح: حضرت عمرؓ کا اول وقت میں فجر کی نماز پڑھنا کبھی کبھی تھا اس عمل پر ہمیشگی نہ تھی اور یہ بیان جواز پر محمول ہے نہ کہ اولیت پر۔

(۴۲/۷۹۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُورَةٌ صَغِيرَةٌ وَلَا كَبِيرَةٌ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ۔ (رواه مالك)

ابو داؤد ۱/۵۱۰ حدیث ۸۱۴۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ مفصل کی کوئی بھی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے نہ سنی ہو۔ (امام مالکؒ)

(۴۳/۷۹۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ۔ (رواه النسائي مرسلا)

اخرجه النسائي ۲/۱۶۹ حديث رقم ۹۸۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ حم دخان کو پڑھا۔ (اس روایت کو امام نسائیؒ نے مرسل طریقے سے نقل کیا ہے)

بَابُ الرُّكُوعِ

رکوع کا بیان

نماز کے ارکان میں سے ایک رکن رکوع ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ واركعوا مع الراكعين۔ کہ رکوع کرو

والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ رکوع کا لغوی مفہوم جھکنا، اور شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں رکوع کی تعریف یہ ہے کہ جھک کر دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر مضبوطی کے ساتھ انگلیوں کو کشادہ کر کے پکڑنا اور پیٹھ کو سیدھا اور ہموار رکھنا۔

الفصل الاوّل:

رکوع اور سجدہ صحیح کرنے کا حکم

(۱/۷۹۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِىْ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۲۵ حديث ۷٤۲۔ ومسلم ۱/۳۱۹ حديث (۱۱۰۔٤۲۵)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رکوع اور سجدہ ٹھیک طریقہ سے کیا کرو۔ اللہ کی قسم میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھ لیا کرتا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رکوع اور سجدہ ٹھیک ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رکوع کے صحیح ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑا جائے اور دونوں بازوؤں کو کھینچ کر رکھا جائے۔ اور کمر کو بالکل سیدھا اور ہموار رکھا جائے سر کو درمیان میں رکھا جائے۔ بہت پست اور بلند نہ ہو۔ پھر اعتدال کے ساتھ سجدہ کیا جائے اس طرح کہ ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر رکھا جائے۔ دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر زمین پر رکھا جائے اور انگلیوں کو ملا کر رکھا جائے اور دونوں بازوؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھا جائے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اس حدیث میں پیچھے دیکھنے کا جو مسئلہ ہے اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے رکوع اور سجدہ کی مقدار

(۲/۷۹۸) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِىِّ ﷺ وَسُجُوْدُهٗ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَاِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري ۲/۲۷٦ حديث رقم ۷۹۲۔ ومسلم ۱/۳٤۳ حديث (۱۹۳۔٤۷۱) وأخرجه النسائي ۲/۱۹۷ حديث ۱۰٦۵۔ وأبوداؤد ۱/۵۳۲ حديث ۸۵٤۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا رکوع اور سجدہ اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے سر اٹھانا یہ چاروں چیزیں قیام اور قعود کے علاوہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کا رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ یہ چاروں چیزیں تقریباً برابر ہوتی تھیں۔ البتہ ان کے مقابلے میں قیام اور قعود یہ دونوں طویل ہوتے تھے کیونکہ قیام میں قراءت ہوتی تھی اور قعود میں تشہد وغیرہ ہوتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کا قومہ اور سجدہ

(۳/۷۹۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم ۱/۳٤٤ حديث (۱۹٦۔٤۷۳) وأحمد ۳/۲۰۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے رکوع سے کھڑے ہوتے

یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگتے شاید کہ آپ کو وہم ہو گیا اور پھر آپ ﷺ سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے شاید کہ آپ ﷺ کو وہم ہو گیا ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں حضرت انسؓ نے رسول اللہ ﷺ کے قومہ اور جلسہ کی مقدار کو بیان کیا کہ آپ ﷺ رکوع سے اٹھ کر اتنا طویل وقفہ کرتے تھے کہ ہمیں گمان ہونے لگتا کہ شاید کہ آپ ﷺ نے اس رکعت کو ختم کر دیا ہے اور نئے سرے سے نماز شروع کر دی ہے۔ اور دو سجدوں کے درمیان طویل جلسہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہونے لگتا کہ شاید آپ ﷺ نے اس سجدہ کو ختم کر دیا ہے جس سے سر اٹھایا ہے اتنی طوالت نفل نماز میں ممکن ہو سکتی ہے۔ اور اگر فرض نماز میں ہو تو پھر بیان جواز پر محمول ہوگی۔

سجدہ اور رکوع کی دُعا

(۴/۸۰۰) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري ۲۹۹/۲ حديث ۸۱۷۔ وأخرجه مسلم ۳۵۰/۱ حديث (۲۱۷۔۴۵۴)۔ وأبوداؤد ۵٤٦/۱ حديث ۸۷۷۔ وأخرجه النسائي ۲۱۹/۲ حديث ۱۱۲۲۔ وابن ماجة ۲۸۷/۱ حديث ۸۸۹ وأحمد ۱۹۰/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اکثر اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلي۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ اے ہمارے پروردگار میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں۔ اے اللہ تو میرے گناہ معاف کر۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ اکثر اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلي اور یہ دعا رسول اللہ ﷺ قرآن کریم پر عمل کرتے ہوئے پڑھتے تھے۔ قرآن کی آیت ہے۔ فسبح بحمد ربك واستغفره۔ اس آیت میں تین چیزوں کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید اور اپنے لئے استغفار اور اس دعا میں ان تینوں چیزوں کا ذکر ہے۔ رکوع اور سجدہ میں اس دعا کو کثرت کے ساتھ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ دعا میں عاجزی ضروری ہے۔ رکوع اور سجدہ سے بڑھ کر عاجزی والا کوئی مقام نماز میں نہیں ہے۔

(۵/۸۰۱) وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحُ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم ۳۵۳/۱ حديث (۲۲۳۔۴۸۷) وأخرجه ابوداؤد ۵٤۳/۱ حديث ۸۷۲ وأخرجه النسائي ۱۹۰/۲ حديث ۱۰٤۸۔ وأحمد ۱۹۳/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ دعا کرتے تھے۔ سبوح قدوس رب الملائكة والروح۔ بہت پاک اور نہایت پاک ہے فرشتوں اور جبرئیل کا رب۔ (مسلم)

رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنا منع ہے

(۶/۸۰۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم ۳٤۸/۱ حديث (۲۰۷۔٤۷۹) وأبوداؤد ۵٤۵/۱ حديث ۸۷٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگو! خبردار مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھوں۔ لہٰذا تم رکوع میں اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو اور سجدہ میں دعا کی پوری پوری کوشش کیا کرو مناسب ہے کہ یہ دعا تمہارے لئے قبول کی جائے۔ (مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے رکوع اور سجدہ میں قرآن کریم پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اذکار میں سے سب سے بہترین ذکر قرآن کریم ہے۔ اور نماز کی حالتوں میں سے سب سے اعلیٰ حالت وہ قیام ہے اور اس کے مقابلے میں رکوع اور سجدہ ادنیٰ ہیں اس لئے قیام میں قرآن کے پڑھنے کو مقرر کیا گیا ہے اور رکوع، سجدہ میں تسبیحات کو مقرر کیا گیا ہے اور قرآن سے منع کیا گیا ہے۔

سوال: رکوع اور سجدہ میں قرآن کی تلاوت کی جو نہی ہے اس سے مراد نہی تنزیہی ہے یا تحریمی۔

جواب: اس میں اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد نہی تنزیہی ہے اور بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد نہی تحریمی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے کیونکہ نماز میں تمام مواقع کے اذکار الگ الگ متعین ہیں قیام افضل حالت ہے اس میں قراءت قرآن کو مقرر کیا گیا ہے اور دیگر مواقع میں اذکار کو مقرر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی منشا اور حکم کے خلاف مکروہ تحریمی ہے۔

سوال: رکوع میں۔ سبحان ربی العظیم۔ اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ۔ کو کیوں مقرر کیا گیا ہے۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رکوع میں تعظیم کا حکم دیا ہے اور سجدہ میں دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر دعا کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ بذریعہ الفاظ اور کلام اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد کا سوال کیا جائے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور عظمت وثنا بیان کی جائے۔ اس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور پھر بندہ کی غرض کو پورا کر دیتا ہے اور سجدہ دونوں قسم کی دعاؤں کو شامل ہے۔

نماز میں تحمید کی فضیلت

(۷/۸۰۳)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ (متفق علیه)

البخاری ۲۸۳/۲حدیث ۷۹۶۔ومسلم ۷۰۶/۱حدیث رقم (۷۱۔۴۰۹)وأخرجه أبو داوٗد فی السنن ۵۲۹/۱حدیث ۸۴۸۔والترمذی ۵۵/۲حدیث رقم وأخرجه النسائی ۱۹۶/۲حدیث ۱۰۶۳۔وأخرجه مالك ۸۸/۱حدیث رقم ۴۷ من کتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم۔ اللهم ربنا لك الحمد۔ کہو۔ کیونکہ جس کا یہ قول ملائکہ کے قول کے مطابق ہو جائے تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جن گناہوں کی معافی کا ذکر ہے ضابطہ کے اعتبار سے ان سے مراد صغائر ہیں کیونکہ کبائر کی معافی کے لئے توبہ شرط ہے ہاں البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف کر دے تو اس کی مرضی۔

قومہ کی دُعا

(۸/۸۰۴)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْاَ الْاَرْضِ وَمِلْاَمَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم ٣٤٦/١ حديث (٢٠٢-٤٧٦) وأخرجه أبوداؤد في السنن ٥٢٨/١ حديث رقم ٨٤٦ـ وأخرجه ابن ماجة ٢٨٤/١ـ حديث ٨٧٨ـ وأحمد ٣٥٣/٤ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تھے تو یہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اس آدمی کی تعریف کو جس نے اس کی حمد وثنا کی۔ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار۔ تیرے لئے ہی تمام تعریف ہے تمام آسمان بھر کر، زمین بھر کر اور اس شئی کے بقدر بھر کر جس کو تو آسمانوں اور زمین کے بعد پیدا کرنا چاہے۔ (مسلم)

تشریح: مذکورہ دعا صرف نفل نماز میں جائز ہے نہ کہ فرائض میں کیونکہ فرض نماز کو تخفیف کے ساتھ پڑھانے کا حکم ہے۔

(٩/٨٠٥) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا رَفَعَ ظَھْرَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم ٣٤٧/١ حديث (٢٠٥-٤٧٧) وأخرجه أبوداؤد ٥٢٩/١ حديث رقم ٨٤٧ـ والنسائي في السنن ١٩٨/٢ حديث رقم ١٠٦٨ـ والدارمي ٣٤٤/١ حديث ١٣١٣ـ وأحمد ٨٧/٣ـ

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ کہتے تھے۔ اے اللہ۔ اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے تمام آسمان بھر کر۔ زمین بھر کر۔ اور اس چیز کے بھرنے کے بقدر جس کو تو آسمانوں اور زمین کے بعد پیدا کرنا چاہے۔ اے ہر قسم کی تعریف اور بزرگی کے مستحق۔ تیری ذات اس تعریف سے بالاتر ہے جو انسان کرتا ہے۔ ہم سب تیرے ہی بندے ہیں اے اللہ تو نے جس کو جو چیز عطا کر دی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس کو تو نے دینے سے روک لیا اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور مال دار کو اس کی مال داری تیرے عذاب سے کوئی نفع نہیں دیتی۔ (مسلم)

(١٠/٨٠٦) وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ کُنَّا نُصَلِّیْ وَرَاءَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرَّکْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَکَلِّمُ اٰنِفًا قَالَ اَنَا قَالَ رَاَیْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِیْنَ مَلَکًا یَبْتَدِرُوْنَھَا اَیُّھُمْ یَکْتُبُھَا اَوَّلُ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٨٤/٢ حديث ٧٩٩ـ وأخرجه أبوداؤد ٤٨٨/١ حديث ٧٧٠ وأخرجه النسائي ١٩٦/٢ حديث ١٠٦٢ـ وأخرجه مالك في الموطا ٢١١/١ حديث ٢٥ عن كتاب القرآن وأحمد ٣٤٠/٤ـ

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ ایک آدمی نے آپ کے پیچھے یہ کلمات کہے: ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مبارکا فيه۔ اے ہمارے رب اور تیرے ہی لئے بہت تعریف ہے۔ ایسی تعریف جو ریا سے پاک ہے اور بابرکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ابھی ان کلمات کو کون پڑھ رہا تھا۔ اس آدمی نے کہا میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا جو آپس میں جلدی کر رہے تھے کہ ان کلمات کے ثواب کو کون پہلے لکھے۔ (بخاری)

الفصل الثانی:

تعدیل ارکان کا حکم

(١١/٨٠٧) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰی یُقِیْمَ

ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔

(رواہ ابوداود والترمذی والنسائی وابن ماجة والدارمی وقال الترمذی هذاحدیث حسن صحیح)

أخرجه ابوداؤد ۱/۵۳۳حدیث ۸۵۵۔وأخرجه الترمذی ۲/۵۱حدیث ۲۶۵وقال حدیث حسن صحیح أخرجه النسائی ۲/۱۸۳حدیث رقم ۱۰۲۷۔وأخرجه ابن ماجة ۱/۲۸۲حدیث ۸۷۰۔والدارمی ۱/۳۵۰حدیث ۱۳۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابومسعودانصاریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کسی آدمی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے۔(ابوداؤد۔ترمذی۔نسائی۔ابن ماجہ۔دارمی)امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: شرح منیۃ المصلی میں مذکور ہے کہ تعدیل ارکان مذکورہ حدیث کی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک فرض ہے۔اوراس کی کم ازکم مقدار ایک تسبیح کے مطابق ہے۔حضرت امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔امام ابویوسفؒ کے نزدیک دوسجدوں کے درمیان جلسہ اورطمانیت فرض ہے اور حضرات طرفین کے نزدیک سنت ہے۔علامہ ابن ہمامؒ کے نزدیک قومہ اور جلسہ واجب ہے۔باقی رہا مسئلہ تعدیل ارکان کا' تو اس کی بحث بقدرضرورت پہلے گزرچکی ہے۔

تسبیحاتِ رکوع وسجود

(۱۲/۸۰۸)وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ. (رواہ ابوداود وابن ماجة والدارمی)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۵۴۲حدیث رقم ۸۶۹۔وأخرجه ابن ماجة ۱/۲۸۷حدیث ۸۸۷۔وأخرجه الدارمی ۱/۳۴۱حدیث ۱۳۰۵۔وأحمد ۴/۱۵۵۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فسبح باسم ربك العظيم۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کو اپنے رکوع میں شامل کرلو۔اور جب یہ آیت نازل ہوئی: سبح اسم ربك الاعلى۔فرمایا اس کو اپنے سجدوں میں شامل کرلو۔(ابوداؤد۔ابن ماجہ۔دارمی)

(۱۳/۸۰۹)وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ وَاِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ (رواہ الترمذی وابوداود وابن ماجة وقال الترمذی) لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ عَوْنًا لَمْ يَلْقَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ۔

أخرجه أبوداؤد السنن۱/۵۵۰حدیث ۸۸۶۔وقال مرسل فعون لم یدرك ابن مسعود ۔أخرجه ۱/۲۸۷حدیث ۸۹۰۔والترمذی ۲/۴۶حدیث ۲۶۱وقال إسناده لیس بمتصل۔

ترجمہ: حضرت عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو وہ اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم۔تین مرتبہ کہے۔تو اس کا رکوع مکمل ہوجائے گا۔اور یہ ادنی درجہ ہے اور جب تم میں سے کوئی آدمی سجدہ کرے تو اس کو اپنے سجدہ میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہنا چاہئے۔اس سے اس کا سجدہ

پورا ہو جائے گا۔اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔(ترمذی۔ابوداؤد۔ابن ماجہ)امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عون بن عبداللہ کی ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رکوع اور سجدہ کی تسبیح کی مقدار اور تعداد کا بیان کیا گیا ہے اور اس کی چند صورتیں ہیں۔

① اصل سنت ایک مرتبہ تسبیح کہنا ہے۔ ② کمال سنت کا ادنیٰ درجہ تین مرتبہ تسبیح کہنا ہے
③ کمال سنت کا متوسط درجہ پانچ مرتبہ تسبیح کہنا ہے۔ ④ کمال سنت کا اعلیٰ درجہ سات مرتبہ تسبیح کہنا ہے۔
⑤ اور انتہاء کمال کی کوئی حد نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے لئے بہتر یہ ہے کہ پانچ مرتبہ تسبیح پڑھے تاکہ مقتدی کی تین تسبیحات ہو جائیں الغرض مقتدیوں کی رعایت ضروری ہے۔اس حدیث کو امام ترمذی نے اگرچہ منقطع قرار دیا ہے مگر فضائل اعمال کے اندر منقطع حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔وہ فضائل میں قابل حجت ہے۔

نماز میں طلبِ رحمت اور عذاب سے پناہ کی دعا

(۱۴/۸۱۰) وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَمَا اَتٰى عَلٰى اٰيَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ وَسَاَلَ وَمَا اَتٰى عَلٰى اٰيَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ۔ (رواه الترمذی وابوداود والدارمی وروى النسائی وابن ماجة الى قوله الاعلى وقال الترمذی هذا حديث حسن صحيح)

الترمذی ۴۸/۲ حدیث ۲۶۲۔وقال حسن صحیح ۔وأبو داوٗد ۵۴۳/۱ حدیث رقم ۸۷۱ والنسائی إلی قوله "سبحان ربی الأعلی" ۱۹۰/۲ حدیث رقم ۱۰۴۶ وكذلك ابن ماجة ۲۸۷/۱ حدیث ۸۸۸۔والدارمی ۳۴۱/۱ حدیث ۱۳۰۶۔أحمد ۳۸۲/۵۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ ﷺ اپنے رکوع میں۔سبحان ربی العظیم۔اور سجدہ میں۔سبحان ربی الاعلی پڑھتے تھے اور جب بھی آپ ﷺ کسی آیت رحمت پر پہنچتے تھے تو وہاں رک جاتے اور دعا کرتے۔اور جب کسی آیت عذاب پر پہنچتے تو وہاں رک کر عذاب سے پناہ مانگتے۔(ترمذی۔ابوداؤد۔دارمی)امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اس روایت کو سبحان ربی الاعلی تک نقل کیا ہے۔اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو رحمت کی آیت پر رک کر طلب رحمت کی دعا کرتے اور جب عذاب کی آیت تلاوت کرتے تو وہاں رک کر عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔احناف اور مالکیہ کے نزدیک یہ حدیث نفل پر محمول ہے کیونکہ فرض نماز میں اس طرح کا عمل درست نہیں ہے اور اس پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ امام مسلمؒ نے اس روایت کو صلوٰۃ اللیل کے باب میں نقل کیا ہے اگر آپ ﷺ نے فرض نماز میں اس طرح کیا ہے تو پھر یہ بیان جواز پر محمول ہوگی۔علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ جب امام مسلمؒ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے تو پھر صاحب مشکوٰۃ کو مناسب تھا کہ اس کو فصل اول میں ذکر کرتے۔

الفصل الثالث:

رکوع کی ایک دُعا

(۱۵/۸۱۱)وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَيَقُوْلُ

فِیْ رُکُوْعِہٖ سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَۃِ۔ (رواہ النسائی)

النسائی ۲/۱۹۱ حدیث ۱۰۴۹ وأبوداؤد ۱/۵۴۴ حدیث ۸۷۳۔

ترجمہ: حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ رکوع میں گئے تو سورۂ بقرہ کی قراءت کے برابر ٹھہرے اور یہ پڑھتے تھے سبحان ذی...... پاک ہے قہر، بادشاہی اور بڑائی والا اللہ۔ (نسائی)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ دعا فرض نماز میں نہیں پڑھی بلکہ صلوٰۃ اللیل یا صلوٰۃ الکسوف میں پڑھی ہے۔

(۱۶/۸۱۲) وَعَنِ ابْنِ جُبَیْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ مَا صَلَّیْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَشْبَہُ صَلاَۃً بِصَلاَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنْ ھٰذَا الْفَتٰی یَعْنِیْ عُمَرَ ابْنَ عَبْدِالْعَزِیْزِ قَالَ قَالَ فَحَزَرْنَا رُکُوْعَہٗ عَشْرَ تَسْبِیْحَاتٍ وَسُجُوْدَہٗ عَشْرَ تَسْبِیْحَاتٍ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أبوداؤد فی السنن ۱/۵۵۱ حدیث ۸۸۸۔ وأخرجہ النسائی ۲/۲۲۴ حدیث ۱۱۳۵۔

ترجمہ: حضرت ابن جبیرؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ کسی کی اقتداء میں ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا ہم نے ان کے رکوع کا دس تسبیحات کے بقدر اور سجدہ کا دس تسبیحات کے بقدر اندازہ لگایا۔ (ابوداود۔ نسائی)

(۱۷/۸۱۳) وَعَنْ شَقِیْقٍ قَالَ اِنَّ حُذَیْفَۃَ رَاٰی رَجُلاً لاَ یُتِمُّ رُکُوْعَہٗ وَلاَ سُجُوْدَہٗ فَلَمَّا قَضٰی صَلاَتَہٗ دَعَاہُ فَقَالَ لَہٗ حُذَیْفَۃُ مَا صَلَّیْتَ قَالَ وَاَحْسِبُہٗ قَالَ وَلَوْمُتَّ مُتَّ عَلٰی غَیْرِ الْفِطْرَۃِ الَّتِیْ فَطَرَ اللّٰہُ مُحَمَّدًا ﷺ۔ (البخاری)

أخرجہ البخاری ۲/۲۷۴ حدیث ۷۹۱۔

ترجمہ: حضرت شقیقؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنے رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس کو بلایا اور فرمایا کہ تم نے پوری طرح نماز نہیں پڑھی۔ حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے اس آدمی سے یہ بھی کہا کہ اگر تم مر جاؤ تو تم غیر فطرت پر مرو گے۔ یعنی فطرت اسلام کے علاوہ جس پر کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا ہے۔ (بخاری)

نماز میں چوری

(۱۸/۸۱۴) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَۃً الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلاَتِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَسْرِقُ مِنْ صَلاَتِہٖ قَالَ لاَ یُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلاَ سُجُوْدَھَا۔ (رواہ احمد)

أحمد فی المسند ۵/۳۱۰ والدارمی ۱/۳۵۰ حدیث رقم ۱۳۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چوری کرنے کے لحاظ سے سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرے۔ صحابہ کرام نے سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے؟ فرمایا رکوع اور سجدہ کو پورا نہ کرنا۔ (بخاری)

تشریح: چور کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے مال کی چوری کرنے والا۔ دوسرا ہے نماز میں چوری کرنے والا ان دونوں میں سے نماز

کا چور زیادہ برا اور نقصان وخسارے والا ہے۔ وہ اس طرح کہ مال کا چور دنیا میں فائدہ حاصل کرتا ہے اور اگر مالک سے معاف کرالے یا شرعی حد جاری ہو جائے تو اخروی عذاب سے بچ جاتا ہے۔ بخلاف نماز کے چور کے نہ اس کو چوری کا دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ اس کے لئے آخرت کے عذاب سے اس کے لئے نجات ہے۔

نماز کا چور برا ہے

(۱۵/۸/۱۹) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُرَّةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا تَرَوْنَ فِى الشَّارِبِ وَالزَّانِىْ وَالسَّارِقِ وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ تَنْزِلَ فِيْهِمُ الْحُدُوْدُ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هُنَّ فَوَاحِشُ وَفِيْهِنَّ عُقُوْبَةٌ وَاَسْوَءُ السَّرِقَةِ الَّذِىْ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالُوْا وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهٖ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا ۔ (رواه مَالِكٌ واحمد وروى دارمى نحوه)

مالك في الموطأ ١/١٦٧ حديث ٧٢ من كتاب قصر الصلاة في السفر۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن مرۃؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے شراب پینے والے، زنا کرنے والے اور چوری کرنے والے کے بارے میں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سوال حدود کے نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔ اور ان میں سزا بھی ہے اور اس سے بری چوری وہ ہے جو انسان اپنی نماز میں کرتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ نماز میں چوری کیسے ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کی چوری سے مراد یہ ہے کہ جو آدمی نماز میں رکوع اور سجدہ صحیح مکمل ادا نہ کرے۔ (مالک۔ احمد۔ دارمی)

تشریح: اس حدیث میں نماز کی چوری کو بری چوری کہا گیا ہے۔ چوری اور زنا وغیرہ سے بھی برا کہا گیا ہے۔ کیونکہ نماز کی چوری میں نہ تو کوئی دنیا کا فائدہ ہے اور نہ ہی آخرت کے عذاب سے چھٹکارہ ہے۔ اور اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سوال حدود کے احکام نازل ہونے سے قبل کا ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے اس وقت تک صحابہ کرام کو ان افعال کی برائی اور قباحت اچھی طرح معلوم نہ ہوئی تھی بعد میں جب حدود کے احکام نازل ہو گئے تو پھر صحابہ کرام کو ان گناہوں کی قباحت راسخ ہوئی۔

بَابُ السُّجُوْدِ وَفَضْلِهٖ

سجدہ اور اس کی فضیلت کا بیان

سجدہ نماز کے ارکان میں ایک اہم رکن ہے۔ سجدہ کے لغوی معنی ہیں زمین پر جھکنا اور عاجزی کا اظہار کرنا اور اصطلاح میں سجدہ کی تعریف ہے۔ وضع الوجه على الارض على طريق مخصوص۔ کہ خاص طریقہ سے اپنے چہرہ کو زمین پر رکھنا اور نماز کی چار حالتیں ہیں، قیام، قعود، رکوع اور سجدہ۔ ان میں سے پہلی دو عادت اور عبادت کے درمیان مشترک ہیں۔ اور دوسری دو عبادت کے ساتھ خاص ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیر اللہ کے سامنے رکوع اور سجدہ بالکل جائز نہیں ہے۔

الفصل الاول:

سجدہ کے اعضاء سات ہیں

(۱/۸۱۶)عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفُتَ الثِّيَابَ وَلَا الشَّعْرَ۔ (متفق علیہ)

البخاری فی الصحیح ۲/۲۹۷حدیث ۸۱۲۔ومسلم ۱/۳۵٤حدیث (۲۳۰۔٤۹۰)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کے کنارے اور مجھے منع کیا گیا کہ کپڑوں اور بالوں کے سمیٹنے سے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں دو چیزوں کو بیان کیا گیا ہے اور ان کے اہتمام کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔ (۱) ایک مسئلہ یہ ہے کہ سجدہ کے اعضاء سات ہیں۔ ایک عضو ان میں سے پیشانی ہے اس میں ناک بھی شامل ہے۔ رخسار اور ٹھوڑی پر سجدہ جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر رکھنا افضل ہے۔ اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ان میں سے ایک پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں۔ تو جمہور ائمہ کے نزدیک سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے اکتفاء علی احدہا جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبین کے نزدیک صرف پیشانی پر سجدہ جائز تو ہے البتہ بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں البتہ اگر کوئی عذر اور مجبوری ہو تو پھر جائز ہے۔ امام صاحب کے اکتفاء علی الانف کے بارے میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اکتفاء علی الانف سجدہ میں جائز نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

سجدہ میں قدمین کا حکم

① سجدہ میں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا لازم اور ضروری ہے۔ اگر پورے سجدے میں پاؤں زمین پر نہیں رکھے تو سجدہ نہیں ہوگا اور نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر ایک پاؤں زمین پر جما رکھا اور دوسرا اٹھا رکھا تو نماز ہو جائے گی لیکن مع الکراہت اور اسی طرح سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ضروری ہے۔ اگرچہ ایک ہی انگلی کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔

② دوسری چیز جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹا جائے یہ سمیٹنا مکروہ ہے تاکہ کپڑے اور بال بھی سجدہ میں شریک ہو جائیں۔ یہ فکر ہرگز دامن گیر نہ ہو کہ کپڑے اور بال گرد آلود ہو جائیں گے اور یہ عمل نماز کے اندر نماز کے منافی ہے۔ لہٰذا جس طرح نماز شروع کرنے سے قبل تھے اسی طرح چھوڑ دیا جائے۔

سجدہ میں اعتدال کا حکم

(۲/۸۱۷)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِعْتَدِلُوْا فِى السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ۔ (متفق علیہ)

اخرجہ مسلم ۱/۳۵٦حدیث (۲۳٤۔٤۹۳)واحمد فی المسند ٤/۲۸۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سجدہ میں اعتدال اختیار کرو اور تم میں سے

کوئی آدمی سجدہ میں اپنے دونوں بازؤں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں سجدہ کے اندر اعتدال کا حکم دیا گیا ہے وہ اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر زمین پر کانوں کے برابر رکھا جائے۔ پیٹ کو رانوں سے جدا رکھا جائے۔ مرفقین کو زمین سے اٹھا کر رکھا جائے۔ دونوں بازؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھا جائے اور پھر اطمینان کے ساتھ تسبیحات پڑھی جائیں یہی مراد ہے اعتدال فی السجدہ سے۔ اور کتے کی طرح ہاتھوں کو پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔ کتا جب زمین پر سینے پر بیٹھتا ہے تو سامنے والی ٹانگوں کو زمین پر پھیلا کر عجیب طریقہ سے بیٹھتا ہے اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے غفلت اور سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

سجدہ میں مرفقین کو زمین سے اُٹھا کر رکھنا

(۳/۸۱۸) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ کَفَّیْکَ وَارْفَعْ مِرْفَقَیْکَ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم ۱/۳۵٦حدیث (۲۳٤ـ۴۹۳) وأحمد فی المسند ٤/۲۸۳۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھو اور مرفقین کو زمین سے اٹھا کر رکھو۔ (مسلم)

تشریح: سجدہ میں جاتے وقت جس جگہ آدمی اپنا سر رکھتا ہے کانوں کے برابر دونوں ہاتھوں کو رکھا جائے اور کہنیوں کو سجدہ کے اندر زمین سے بلند اور اٹھا کر رکھا جائے اور بازؤں کو زمین پر نہ پھیلائے یہ جگہ مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ سجدہ میں اپنے تمام اعضاء کو سمیٹ کر اور زمین کے ساتھ ملا کر رکھیں۔ کیونکہ عورتوں کے لئے پردہ کا حکم ہے اور اس میں پردہ زیادہ ہے یہ حکم سجدہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام نماز میں یہی حکم ہے کہ ارکان اس طرح کیے جائیں کہ جس میں پردہ کی پوری رعایت ہو سکے۔ مثلاً تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ سینہ تک اٹھانا اور اعضاء سجدہ میں اپنے آپ کو سمیٹنا، ٹخنوں کو ڈھانپنا، بالوں کو چھپانا۔ اور قعدہ میں تورک کی حالت میں بیٹھنا۔ کیونکہ ان کے حق میں یہی ماموربہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے امر کی رعایت ضروری ہے۔

سجدہ میں بازؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھنا

(۸۱۹/۴) وَعَنْ مَیْمُوْنَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا سَجَدَ جَافٰی بَیْنَ یَدَیْہِ حَتّٰی لَوْاَنَّ بَھْمَۃً اَرَادَتْ اَنْ تَمُرَّ تَحْتَ یَدَیْہِ مَرَّتْ ھٰذَا لَفْظُ اَبِیْ دَاوٗدَ کَمَا صَرَّحَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ بِاِسْنَادِہٖ وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاہُ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَھْمَۃٌ اَنْ تَمُرَّ بَیْنَ یَدَیْہِ لَمَرَّتْ۔

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۵۷حدیث رقم (۲۳۷ـ۴۹٦)۔اخرجه ابوداؤد ۱/۵۵٤حدیث ۸۹۸۔واخرجه النسائی ۲/۲۱۳حدیث ۱۱۰۹۔وابن ماجة ۱/۲۸۵حدیث ۸۸۰۔واخرجه الدارمی ۱/۳۵۱حدیث رقم ۱۳۳۱۔واحمد ٦/۳۳۱۔

ترجمہ: حضرت میمونہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فرق رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔ (ابوداؤد) علامہ بغوی نے اپنی سند کے ساتھ اس کی تصریح کر دی ہے۔ اور امام مسلمؒ نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ حضرت میمونہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح سجدہ کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

تشریح: اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں اور دونوں پہلوؤں کے درمیان اتنا فاصلہ

ہونا چاہئے کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ درمیان سے گزرنا چاہے تو گزر سکے۔ حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔

رواه ابوداؤد ...... یہاں سے صاحب مشکوٰۃ صاحب مصابیح پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ فصل اول میں بخاری اور مسلم کی روایات نقل کریں گے حالانکہ اس حدیث کے الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور ابوداؤد کی حدیث کو فصل اول میں ذکر کیا گیا ہے یہ اپنے التزام کے خلاف ہے۔ اگرچہ امام مسلم نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر انہوں نے الفاظ مذکورہ کے ساتھ نقل نہیں کی بلکہ روایت بالمعنی نقل کی ہے۔

سجدہ میں بغلوں کو کشادہ رکھا جائے

(۵/۸۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَاسَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري ١/٤٩٦ حديث ٣٩٠ وأخرجه مسلم ١/٣٥٦ حديث (٢٣٥-٤٩٥) والنسائي في السنن ٢/٢١٢ حديث رقم ١١٠٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نمایاں نظر آ رہی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت عبداللہ نے آپ کو دیکھا تھا اس وقت آپ کے بدن مبارک پر قمیص کی بجائے کوئی چادر تھی۔ جس کے اطراف سے بغل نظر آیا تھا۔ اور اس سے رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے بغل سفید تھے حالانکہ بغل عموماً سیاہ ہوتے ہیں۔ اور باقی جسم سفید ہوتا ہے جب آپ ﷺ کے بغل سفید تھے تو باقی جسم کی خوبصورتی کا کیا حال ہوگا۔

سند کا نکتہ: اس حدیث میں ایک فنی نکتہ ہے اس کو معلوم کرنا بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ حدیث کی مذکورہ سند سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بیٹا ہے مالک کا اور مالک بیٹا ہے بحینہ کا اور بحینہ عبداللہ کی والدہ ہیں تو یہاں عبداللہ والد اور والدہ دونوں کی طرف منسوب ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے یہاں مالک پر تنوین پڑھی جائے اور لفظ ابن کے شروع میں ہمزہ لکھا جائے۔

سجدہ کی ایک دُعا

(۶/۸۲۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في الصحيح ١/٣٥٠ حديث (٢١٦-٤٨٣) وأبو داؤد ١/٥٤٦ حديث رقم ٨٧٨۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم اغفرلی الخ۔ اے اللہ میرے تمام چھوٹے بڑے، پہلے اور بعد والے ظاہر اور پوشیدہ سب گناہ معاف کر دے۔ (مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے سجدہ میں یہ دعا پڑھی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ اور مقصود اس دعا سے سجدہ میں انتہا درجہ کی انکساری اور عاجزی کا اظہار ہے اور تمام الفاظ گناہوں کے احاطہ پر دلالت کرتے ہیں کہ اے اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دے۔ امکان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا تسبیح کی جگہ پڑھی ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ تسبیح کے بعد یا تسبیح سے قبل

پڑھی ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ نفل نماز میں پڑھی ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ فرض میں پڑھی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ بزبان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

(۸۲۲/۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَیْلَةً مِّنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ یَدِیْ عَلٰی بَطْنِ قَدَمَیْهِ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم ۳۵۲/۱ حدیث (۲۲۲۔۴۸۶) وأبوداؤد ۵٤۷/۱ حدیث ۸۷۹ وأخرجه الترمذی ٤۸۹/۵ حدیث ۳٤۹۳۔ وأخرجه النسائی ۲۲۲/۲ حدیث ۱۱۳۰ وابن ماجة ۱۲٦۲/۲ حدیث ۳۸٤۱۔ ومالك ۲۱٤/۱ حدیث رقم ۳۱ من کتاب القرآن وأحمد ۵۸/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت بستر پر نہ پایا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی تھی کہ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کو جا لگا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پاؤں پر کھڑے تھے اور یہ دُعا کر رہے تھے: اللهم انی اعوذ...... اے اللہ میں تیری رضا کیلئے تیرے غیظ وغضب سے پناہ چاہتا ہوں۔ معافی کے ذریعہ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں۔ اور تجھ سے پناہ کا طلب گار ہوں۔ میں تیری تعریف کا شمار اور احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو ایسا ہی ہے جس طرح تو نے اپنی تعریف خود کی ہے۔

تشریح: امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات کو جب اچانک میری آنکھ کھلی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں متفکر ہوئی اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنا شروع کیا تو میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک پر لگ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز تھے اور سجدہ میں یہ دعا پڑھ رہے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً ...... : مجھ میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں کہ میں تیری ایسی تعریف کر سکوں جو تیری شان کے لائق ہو اور تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف خود کی ہے اور اس سے مراد یہ تعریف ہے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَهُ الْكِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا اور رب تمام جہانوں کا اور آسمان و زمین میں اس کے لئے بڑائی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

سجدہ میں اللہ کا قرب ہوتا ہے

(۸۲۳/۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقْرَبُ مَا یَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم ۳۵۰/۱ حدیث (۲۱۵۔٤۸۲)۔ وأخرجه أبوداؤد ۵٤۵/۱ حدیث ۸۷۵۔ والنسائی ۲۲٦/۲ حدیث ۱۱۳۷۔ وأحمد ٤۲۱/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ سب سے زیادہ قریب اللہ تعالیٰ

سے سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے اس لئے سجدہ میں تم بہت زیادہ دعا کیا کرو۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ سب سے زیادہ قرب انسان کو اللہ تعالیٰ کا سجدہ میں ہوتا ہے جب انسان تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو گویا تمام دنیا سے لاتعلقی کا اعلان کر دیتا ہے اور مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے اور جب بندہ سجدہ میں جاتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں غوطہ زن ہو جاتا ہے اور یہ قرب کا انتہائی مقام ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی متوجہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس وقت اکثر دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شیطان کا پچھتاوا

(۹/۸۲۴)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَرَأَ ابْنُ اٰدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اِعْتَزَلَ الشَّیْطَانُ یَبْکِیْ یَقُوْلُ یَاوَیْلَتٰی اُمِرَ ابْنُ اٰدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَیْتُ فَلِیَ النَّارُ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۸۷حدیث رقم (۱۳۳۔۸۱)۔وابن ماجه فی السنن ۱/۳۳٤حدیث ۱۰۵۲ وأخرجه أحمد ۲/٤٤۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ابن آدم سجدہ تلاوت کی آیت پڑھتا ہے پھر وہ سجدہ ادا کرتا ہے تو اس وقت شیطان روتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کر لیا تو اس کے لئے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا تو میرے لئے جہنم کی آگ ہے۔ (مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جب شیطان کو حکم دیا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا تو اس نے انکار کر دیا اور تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مردود بنا دیا جب قرآن کریم میں سجدہ تلاوت کی آیت کو مومن تلاوت کرتا ہے پھر وہ سجدہ تلاوت ادا کرتا ہے تو شیطان کو بہت ندامت ہوتی ہے اور وہ روتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا اور جنت کا مستحق ہو گیا اور جب مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کیا اور میں جہنم کا مستحق ہو گیا۔

کثرتِ سجود رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا ذریعہ ہے

(۱۰/۸۲۵)وَعَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَیْتُهٗ بِوَضُوْءِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِیْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ قُلْتُ هُوَذَاکَ قَالَ فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَةِ السُّجُوْدِ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۵۳حدیث (۲۲٦۔٤۸۹)۔والنسائی ۲/۲۲۷حدیث ۱۱۳۸۔

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن کعبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور آپ ﷺ کو وضو کا پانی اور دوسری ضرورت کی چیزیں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے مجھ سے کہا مجھ سے کچھ مانگ لو تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو جائے رسول اللہ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ اور مانگو میں نے عرض کیا میری درخواست تو صرف یہی ہے۔ آپ نے فرمایا اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے تم کثرتِ سجود کے ذریعے اپنی ذات سے میری مدد کرو۔ (مسلم)

تشریح: حضرت ربیعہ بن کعبؓ کافی عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتے رہے اور آپ سے احکام شرعیہ کی تعلیم اور تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے حق میں دعا کر

لوں۔حضرت ربیعہ نے فرمایا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔جس مرتبہ کو تم پہنچنا چاہتے ہو یہ تو بہت عظیم مرتبہ ہے۔اس تک پہنچنا کافی مشکل ہے۔اس کے علاوہ کچھ اور مانگو۔حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ میرا صرف یہی مقصد ہے۔میں اس کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہتا شاید کہ رسول اللہ ﷺ اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ یہ اپنے قول میں کس قدر سچے ہیں اور ان کا جذبہ کتنا صادق ہے جب آپ نے سچے عاشق کا جواب سن لیا تو اب آپ نے فرمایا یہ مقام اور مرتبہ اور سعادت حاصل کرنے کے لئے آپ کو میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔وہ یہ کہ بہت زیادہ نماز پڑھا کرو۔یہاں اگرچہ سجدہ کا ذکر کیا گیا ہے مگر مراد اس سے پوری نماز ہے اور کثرت کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نفل نماز ہے کیونکہ فرض نماز کی مقدار مقرر ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ اعمال کی ضرورت ہوتی ہے اگر اپنے اعمال ہوں گے تب بزرگوں کی دعا کا فائدہ ہوگا جیسے شاعر کا ایک شعر ہے۔

فتح قفل ارچہ کلید است اے عزیز ☆ جنبش از دست تو می خواہند نیز

''اے میرے عزیز! تالہ اگرچہ چابی سے کھلتا ہے لیکن تمہارے ہاتھوں کی حرکت بھی ضروری ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی تمام فکر آخرت کی طرف ہوتی ہے۔''

کار کن کار بگذار از گفتار ☆ کاندریں راہ کار دارد کار

سجدہ کی فضیلت

(۱۱/۸۲۶) وَعَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهٗ يُدْخِلُنِی اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَاَلْتُهٗ فَسَكَتَ ثُمَّ سَاَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَاَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ لِیْ مِثْلَ مَا قَالَ لِیْ ثَوْبَانُ . (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۵۳حدیث (۲۲۵۔۴۸۸) والترمذی مختصراً ۲/۲۳۰حدیث ۳۸۸والنسائی ۲/۲۲۸ حدیث ۱۱۳۹۔وأحمد ۵/۲۷۶۔

ترجمہ: حضرت معدان بن طلحہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے ملاقات کی اور میں نے ان سے عرض کی کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتادیں کہ جب میں اس کو عمل کروں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کردے۔وہ میرا سوال سن کر کچھ دیر خاموش رہے میں نے دوبارہ سوال کیا وہ پھر بھی خاموش رہے جب میں نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم اللہ کے لئے کثرت سے سجدے کیا کرو۔اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارا ایک درجہ بلند کردے گا اور اس کی وجہ سے ایک گناہ معاف کردے گا۔حضرت معدانؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت ابودرداءؓ سے ملاقات کی ان سے بھی میں نے یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو حضرت ثوبانؓ نے دیا تھا۔

تشریح: جب حضرت معدان نے حضرت ثوبانؓ سے سوال کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتاؤ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کردے تو حضرت ثوبانؓ نے فی الفور جواب نہیں دیا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ تھے ہر سوال کا جواب اچھی طرح سوچ کر دینے کے عادی تھے جب حضرت معدان کا جذبہ اور شوق بڑھ گیا تو پھر آپ نے جواب دیا کہ کثرت سے سجدے کیا کرو۔

الفصل الثانی:

سجدہ میں گھٹنے پہلے رکھنے کا حکم

(۱۲/۸۲۷)وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُکْبَتَیْہِ قَبْلَ یَدَیْہِ وَاِذَا نَھَضَ رَفَعَ یَدَیْہِ قَبْلَ رُکْبَتَیْہِ ۔ (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۵۲۴حدیث ۸۳۸۔والترمذی فی السنن ۲/۵٦حدیث ۲٦۸وقال حدیث حسن غریب والنسائی ۲/۲۰٦حدیث ۱۰۸۹۔وأخرجه ابن ماجة ۱/۲۸٦حدیث ۸۸۲والدارمی ۱/۳٤۷حدیث ۱۳۲۰۔

ترجمہ:حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دونوں گھٹنوں کو۔(ابوداؤد۔نسائی۔ابن ماجہ)

تشریح:اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدے کو جاتے وقت پہلے زمین پر اپنے گھٹنوں کو رکھتے تھے اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو رکھتے تھے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اس کے برعکس کرتے تھے یعنی پہلے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر گھٹنے اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ ہر وہ عضو جو زمین کے قریب ہوگا درجہ بدرجہ پہلے اس کو زمین پر رکھا جائے گا۔مثلاً پہلے گھٹنے رکھے جائیں گے اس کے بعد دونوں ہاتھ رکھے جائیں گے۔اس کے بعد ناک رکھا جائے گا اس کے بعد پیشانی رکھی جائے گی اور سجدہ سے اٹھتے وقت اس کے برعکس ہوگا یعنی پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ اور پھر گھٹنے اٹھائے جائیں گے۔

مسئلہ:اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے زمین پر ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے امام مالکؒ کے نزدیک پہلے زمین پر ہاتھ رکھے جائیں گے پھر گھٹنے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ کو جاتے وقت پہلے زمین پر گھٹنے رکھے جائیں گے بعد میں ہاتھ ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے۔اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے زمین پر گھٹنے رکھے جائیں۔

(۱۳/۸۲۸)وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَبْرُکْ کَمَا یَبْرُکُ الْبَعِیْرُ وَلْیَضَعْ یَدَیْہِ قَبْلَ رُکْبَتَیْہِ (رواہ ابوداود والنسائی والدارمی) قَالَ اَبُوْسُلَیْمَانَ الْخَطَّابِیُّ حَدِیْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَثْبَتُ مِنْ ھٰذَا وَقِیْلَ ھٰذَا مَنْسُوْخٌ۔

أخرجه أبوداؤد ۱/۵۲۵حدیث ۸٤۰۔والنسائی ۱/۲۰۷حدیث ۱۰۹۱والدارمی ۱/۳٤۷حدیث ۱۳۲۱ وأحمد ۲/۳۸۱۔

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے۔(ابوداؤد۔نسائی۔دارمی)ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ وائل بن حجر کی حدیث اس سے زیادہ صحیح ہے۔اور اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔

تشریح:اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے زمین پر ہاتھ رکھے جائیں گے بعد میں گھٹنے۔اس حدیث سے حضرت امام مالکؒ نے استدلال کیا ہے۔

جواب:حضرت امام مالکؒ کا استدلال اس روایت سے صحیح ہے چند وجوہ سے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مذکورہ روایت منسوخ ہے اور اس کے لئے ناسخ حضرت مصعب بن سعدؓ کی روایت ہے کہ ہم سجدہ کو جاتے وقت

پہلے ہاتھ رکھتے تھے پھر ہمیں اس سے منع کیا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ ہم پہلے اپنے گھٹنوں کو رکھیں۔

② حضرت وائل بن حجر کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کو محدثین نے معلول قرار دیا ہے۔ معلول ہونے کی وجہ ایک یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس کو معلول قرار دیا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت کے معارض ہے۔

③ حضرت ابو ہریرہؓ کی روای معدود کیلئے ہے اور معدود کیلئے بالاتفاق ایسا عمل جائز ہے اور سنت عمل وہ ہوتا ہے جو دیکھنے میں اچھا لگے۔

④ صاحب مشکوٰۃ نے خود اس روایت کو منسوخ یا ضعیف قرار دیا ہے۔

جلسہ کی دُعا

(۱۴/۸۲۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِي۔ (رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبو داؤد ۱/۵۳۰حدیث ۸۵۰والترمذی ۲/۷۶حدیث ۲۸۴وابن ماجة ۱/۲۹۰حدیث ۸۹۸۔وأخرجه أحمد ۱/۳۷۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِي۔ اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت دے مجھے عافیت دے اور مجھے رزق عطا کر۔ (ابوداود۔ ترمذی)

(۱۵/۸۳۰) وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِيْ۔ (رواہ النسائی والدارمی)

أخرجه النسائی ۲/۲۳۱حدیث ۱۱۴۵۔والدارمی ۱/۳۴۸حدیث ۱۳۲۴۔وأبو داؤد ۱/۵۴۴حدیث ۸۷۴۔وابن ماجة ۱/۲۸۹۔حدیث ۸۹۷۔وأخرجه أحمد ۵/۳۹۸۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے رب اغفرلی۔ اے میرے رب میرے گناہ معاف کر دے۔ (نسائی۔ دارمی)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں جلسہ کی دعا ذکر کی گئی ہے پہلی حدیث میں طویل ہے اور دوسری حدیث میں مختصر ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ مختصر دعا والے جملہ کو تین مرتبہ کہا جائے اور یہ دعا فرض اور نفل دونوں میں جائز ہے۔ احناف کے نزدیک اس موقعہ پر طویل دعا فرض نماز میں مکروہ ہے اور نوافل میں مطلقاً جائز ہے۔

الفصل الثالث:

تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے

(۱۶/۸۳۱) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَاَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيْرُ۔ (رواہ ابوداود والنسائی والدارمی)

أبو داؤد ۱/۵۳۸حدیث رقم ۸۶۲والنسائی ۲/۲۱۴حدیث رقم ۱۱۲وابن ماجة ۱/۴۵۹۔حدیث رقم ۱۴۲۹ والدارمی ۱/۳۴۸حدیث رقم ۱۳۲۳وأحمد ۳/۴۲۸۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوے کی طرح ٹھونگ مارنے سے اور

درندوں کی طرح ہاتھ پھیلانے سے منع کیا ہے اوراس سے بھی منع کیا ہے کہ کوئی آدمی مسجد میں جگہ متعین کرے جیسے اونٹ جگہ مقرر کرتا ہے۔(ابوداؤد۔نسائی۔دارمی)

تشریح:اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین چیزوں سے منع کیا ہے۔

① سجدہ اس طرح جلدی کرنا جس طرح کوا زمین سے دانہ اٹھانے کے لئے جلدی جلدی زمین پر چونچ مارتا ہے۔

② درندے کی طرح پاؤں زمین پر بچھا کر بیٹھنا جس طرح درندہ اپنے پاؤں بچھالیتا ہے۔

③ مسجد میں نماز کیلئے کوئی جگہ خاص کرلیں کہ کوئی دوسرا نمازی وہاں نہ بیٹھ سکے جیسے مساجد میں نامورلوگ ایسا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کو تشبیہ دی ہے اونٹ کے ساتھ کہ جہاں اونٹ بیٹھتا ہے تو وہ اس جگہ کو اپنے لئے خاص کر لیتا ہے کسی دوسرے اونٹ کو اس جگہ نہیں بیٹھنے دیتا مسجد میں اس طرح جگہ متعین کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

علامہ جلوانیؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح نمازی کے لئے یہ بھی ممنوع اور مکروہ ہے کہ وہ نماز کے لئے کوئی خاص لباس متعین کرے اور خیال کرے کہ اس کے علاوہ دوسرے کپڑے میں نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس طرح اس کے لئے مشکل اور دشواری ہوجائے گی۔

اقعاء منع ہے

(۸۳۲/۱۷)وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاعَلِيُّ اِنِّیْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ وَاَكْرَهُ لَكَ مَا اَكْرَهُ لِنَفْسِیْ لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ ۔(رواه الترمذی)

الترمذی ۲/۷۲حدیث رقم ۲۸۲۔

ترجمہ:حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علیؓ جو چیز میں اپنے لئے محبوب رکھتا ہوں وہ تمہارے لئے بھی محبوب رکھتا ہوں۔اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں وہ تمہارے لئے بھی ناپسند کرتا ہوں دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو۔(ترمذی)

تشریح:رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں آپ کی رحمت عامہ تمام مخلوق کے لئے ہے مگر اپنی امت کے لئے تو بے انتہا شفیق تھے۔اسی وجہ سے جو چیز آپ اپنے لئے پسند کرتے تھے وہی چیز آپ امت کے لیے بھی پسند کرتے تھے اور جو چیز اپنے لئے پسند نہیں ہوتی تھی وہ چیز دوسروں کے لئے بھی ناپسند ہوتی تھی۔اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اسی جذبہ کا اظہار حضرت علیؓ سے کردیا۔اور آپ ﷺ نے بین السجدتین جلسہ میں اقعاء سے منع کیا ہے۔اقعاء سے مراد یہ ہے کہ دونوں سرین زمین پر رکھ کر رانیں اور پنڈلیاں کھڑی کی جائیں اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوں جس طرح کہ کتا زمین پر بیٹھتا ہے۔دوسرے قول کے مطابق اقعاء کی تعریف یہ ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان پاؤں کے پنجوں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھا جائے۔اقعاء کی حالت بین السجدتین جلسہ میں مکروہ ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

رکوع اور سجدہ میں پشت کو سیدھا رکھنا

(۸۳۳/۱۸)وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يُقِيْمُ فِيْهَا صُلْبَهٗ بَيْنَ خُشُوْعِهَا وَسُجُوْدِهَا ۔(رواه احمد)

أحمد فی المسند ٤/٢٢۔

ترجمہ:حضرت طلق بن علی حنفیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس انسان کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنی نماز کے رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتا۔(احمد)

تشریح: وہ نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتی ہے جس کے تمام ارکان پوری طرح ادا کیے جائیں اگر نماز کا کوئی رکن صحیح طرح اصول اور قاعدہ کے مطابق ادا نہیں ہوتا تو وہ نماز قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی۔ رکوع اور سجدہ نماز کے دو ضروری ارکان ہیں اگر ان میں کوئی کمی یا کوتاہی رہ جائے تو پوری نماز ناقص ہے۔ اس حدیث میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسی نماز کو اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر سے نہیں دیکھتا اور ایسے نمازی پر نماز کے دوران اللہ کی رحمت کا نزول نہیں ہوتا جو نماز میں غفلت کرتا ہے لہذا رکوع اور سجدہ صحیح طرح اعتدال کے ساتھ ادا کرنا چاہیے رکوع اور سجدہ کی حالت میں بھی پیٹھ کو سیدھا رکھا جائے۔

ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں

(۱۹/۸۳۴) وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهٗ بِالْاَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِىْ وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَهٗ ثُمَّ اِذَا رَفَعَ فَيَرْفَعُهُمَا فَاِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ۔ (رواہ مالک)

مالك في الموطأ ١/١٦٣ حديث رقم ٦٠ من كتاب قصر الصلاة في السفر۔ أبو داوٗد ١/٥٥٣ حديث ٨٩٢۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جو آدمی اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر اسی جگہ رکھے جہاں پیشانی رکھی جاتی ہے پھر جب سجدہ سے اٹھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھا لے کیونکہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے اسی طرح دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں۔ (مالک)

تشریح: جب انسان سجدہ کرتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء سجدہ کرتے ہیں جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب نماز ی سجدہ کرتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں اور جب انسان سجدہ کرے تو ہاتھوں کو پیشانی کے ساتھ برابر رکھنا چاہئے اگر کان پر کوئی چیز ہو اور وہ گر جائے تو ہاتھوں کی پشت پر گرے یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کندے کے برابر رکھا جائے مذکورہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی واضح دلیل ہے۔

بَابُ التَّشَهُّدِ

تشہد کا بیان

دو رکعتوں کے بعد اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعت کے بعد جو قعدہ کیا جاتا ہے اس قاعدہ میں جو ذکر کیا جاتا ہے اس کو تشہد کہتے ہیں تشہد کا معنی ہے گواہی دینا اور اس کو بھی تشہد اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں شہادتین کو پڑھا جاتا ہے۔ اشهد ان لا الله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ اگرچہ قعدہ میں تشہد کے علاوہ درود بھی پڑھا جاتا ہے اور دعا بھی پڑھی جاتی ہے۔

الفصل الاول:

قعدہ کا طریقہ

(۱/۸۳۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَعَدَ فِى التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَخَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِىْ رواية كَانَ اِذَا جَلَسَ فِى الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِىْ تَلِى الْاِبْهَامَ يَدْعُوْبِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهٖ بَاسِطُهَا عَلَيْهَا۔ (رواہ مسلم)

مسلم ۱/۴۰۸ حدیث (۱۱۵۔۵۸۰)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا ہاتھ مثل ترپین عدد کے بند کر کے سبابہ انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے تھے اور ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور دائیں ہاتھ کی انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے اٹھاتے اور اس کے ساتھ اشارہ کرتے اور بایاں ہاتھ اپنے گھٹنے پر کھول کر رکھتے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے میں ترپین کے عدد کو ذکر کیا گیا ہے مخلوق کے درمیان مختلف زمانوں میں مختلف طریقہ کے ساتھ عدد معلوم کرنے کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں کے توڑنے، جوڑنے، ملانے اور ہٹانے سے عدد معلوم کرنا۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ترپین کے عدد کا نشان بنادیا اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام انگلیوں کو بند کیا جائے صرف شہادت کی انگلی کھلی رہے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھ دیا جائے۔ یہ ترپین کا عدد ہے اور اسی طریقہ کو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے نوے کے عدد کو اختیار کیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ خنصر بنصر انگلی کو بند کیا جائے اور انگوٹھے اور وسطیٰ انگلی کا حلقہ بنایا جائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے یہی قول ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تمام انگلیوں کو بند کر کے رکھا جائے اور شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا جائے اور بعض احناف نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ تمام انگلیوں کو پھیلا کر کھلا رکھا جائے اور شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا جائے۔

اشارہ کا حکم: شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے کا طریقہ رسول اللہ ﷺ سے متعدد طریقوں کے ساتھ ثابت ہے۔ مثلاً یہاں اوپر چار طریقے بیان کیے گئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ایک وقت میں ایک طریقہ کے مطابق اشارہ کیا اور دوسرے وقت میں دوسرے طریقے کے مطابق اشارہ کیا علیٰ ہذا القیاس اور اس سے اضطراب کا وہم بھی ختم ہو گیا کہ اشارہ کرنے کے یہ مختلف طریقے ہیں جس کو جو طریقہ آسان ہو اس کے مطابق اشارہ کرے۔

سوال: حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اشارہ کی سنت کا انکار کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اشارہ کی احادیث میں اضطراب پایا جاتا ہے اور اسی طرح خلاصہ کیدانی میں اشارہ کو بدعت کہا ہے اور اسی طرح متاخرین فقہاء نے اشارہ بالسبابہ کو غیر مسنون قرار دیا ہے اور ظاہر الروایت اور دیگر کتب میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اگر حسن ظن نہ ہوتا تو خلاصہ کیدانی والے کو اس بات کی وجہ سے کافر کہہ دیا جاتا۔

جواب: ظاہر الروایت کتابوں میں اشارہ بالسبابہ کا ذکر نہ کرنا اس چیز کو لازم نہیں ہے کہ اشارہ سنت نہیں ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ کسی شئی کا عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہوتا اور خلاصہ کیدانی کوئی معتبر کتاب نہیں اور اس کتاب کے مصنف کا نام اور حالات بھی معلوم نہیں اور حضرت مجدد الف ثانی نے اشارہ کی روایت میں جو اضطراب کا ذکر کیا ہے یہ اصطلاحی اضطراب نہیں ہے کیونکہ اضطراب کی تعریف تو یہ ہے کہ ایک حدیث ہو اور اس کے الفاظ میں اختلاف پایا جائے اور تطبیق نہ ہو سکے اور یہاں متعدد صحابہ کرام کی روایات کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے قدر مشترک کو رد نہیں کیا جا سکتا اور اس اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اشارہ کی صورت کا اختلاف ہے جو مختلف واقعات اور مختلف زمانوں پر محمول ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ اشارہ بالسبابہ سنت ہے کہ جب نمازی کلمہ شہادت پر پہنچے تو لا الٰہ پر انگلی کو اٹھا دے تا کہ قولاً اور فعلاً دونوں طریقے سے نفی ثابت ہو جائے اور الا اللہ کے لفظ پر انگلی کو نیچے رکھے۔

قعدہ میں اشارہ کیا جائے

(۲/۸۳۶)وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ۔ (رواه مسلم)

مسلم ۱/۴۰۸حديث (۱۱۴۔۵۸۰)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے انگوٹھے کو وسطی انگلی پر رکھتے اور آپ ﷺ اپنے بائیں ہاتھ سے بایاں پکڑتے رکھتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تشہد میں اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خنصر اور بنصر انگلی کو بند کیا جائے وسطی اور ابہام کے ساتھ حلقہ بنایا جائے اور سبابہ انگلی کے ساتھ اشارہ کیا جائے اس حدیث سے اسی طریقہ کی طرف اشارہ ہے اور امام صاحب کے نزدیک یہ حلقہ اس وقت بنایا جائے جس وقت اشارہ کیا جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تشہد میں بیٹھتے وقت ہی حلقہ بنایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے تشہد میں اصلاح کی

(۳/۸۳۷)وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ فَاِنَّهُ اِذَا قَالَ ذٰلِكَ اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهُ اِلَيْهِ فَيَدْعُوْهُ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري ۲/۳۱۱حديث رقم ۸۳۱ ومسلم۱/۳۰۱حديث رقم (۵۵۔۴۰۲)وأبو داوٗد ۱/۵۹۱حديث رقم ۹۶۸والنسائي ۲/۲۴۰حديث ۱۱۶۸۔وابن ماجة ۱/۲۹۰حديث رقم ۸۹۹۔والدارمي ۱/۳۵۵حديث ۱۳۴۰۔وأحمد ۱/۳۷۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو یہ پڑھا کرتے تھے۔ السلام علی اللہ الخ۔ اللہ پر سلام ہے اس کے بندوں پر سلام بھیجنے سے پہلے جبرائیل پر سلام ہے میکائیل پر سلام ہے اور فلاں پر سلام ہے جب ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اللہ پر سلام نہ کہو کیونکہ اللہ خود سلام ہے جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو یہ کہے کہ التحيات لله...... سب زبانی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی برکتیں ہم پر بھی اور اللہ کے سب نیک بندوں پر سلام ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی ان کلمات کو کہتا ہے تو اس کی برکت زمین و آسمان میں ہر نیک بندے کو پہنچتی ہے میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور بندے ہیں اس کے بعد آدمی کو جو دعا پسند ہو وہ اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تشہد کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں تین قسم کی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے زبانی عبادت، بدنی عبادت اور مالی

عبادت تو یہ تینوں قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے بعد نبی ﷺ پر سلامتی کی دعا کا ذکر ہے اور اس میں بھی تین چیزوں کا ذکر ہے، سلامتی، رحمت اور برکت اس کے بعد تمام نیک لوگوں پر سلامتی کا ذکر ہے اس کے بعد شہادتین کا ذکر ہے۔

سوال: اس حدیث میں السلام علیك ایها النبی یہ خطاب کا صیغہ ہے اور خطاب موجود اور حاضر کو کیا جاتا ہے نبی ﷺ موجود اور حاضر نہیں ہیں پھر آپ کے لئے یہ خطاب کا صیغہ کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ اہل بدعت نے رسول اللہ ﷺ کے حاضر اور ناظر ہونے پر اس کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔

جواب: یہاں خطاب کا صیغہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو معراج کی رات میں رسول اللہ ﷺ کو کیا گیا تھا وہ اس طرح کہ اللہ نے فرمایا جب حبیب حبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ کوئی تحفہ لے کر جاتا ہے آپ میرے لئے کیا تحفہ لے کر آئے ہیں رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا التحیات للہ...... کہ میری تمام زبانی عبادات، بدنی عبادات اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً ہدیہ کے طور پر آپ کو خطاب کر کے تین چیزیں عطا فرمائیں سلامتی، رحمت اور برکت یہ چونکہ اللہ کی طرف سے بہت بڑا اعزاز اور اکرام تھا آپ ﷺ نے اپنی امت کو شامل کرنے کے لئے السلام علینا ...... کا صیغہ استعمال کیا۔ حضرت جبرائیل نے نبی ﷺ کی شان کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا: اشهد ان لا اله الا الله...... کہا تو یہ خطاب کا صیغہ اس مکالمہ کے اعتبار سے ہے نہ یہ کہ خطاب ہماری طرف سے ہے۔ عمدۃ القاری میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کلام ان صحابہ کو سکھایا تھا جو آپ کے سامنے تھے پھر یہ سلسلہ نقل در نقل غائبین تک پہنچا تو یہ خطاب نقل حکایت کے طور پر ہے نہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ حاضر و ناضر ہیں اور آپ کے بارے میں حاضر و ناضر ہونے کا عقیدہ رکھنا یہ کفریہ عقیدہ ہے۔

کونسا تشہد افضل ہے

(۴/۸۳۸) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَرواه مسلم وَلَمْ اَجِدْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ الْفٍ وَلَامٍ وَلٰكِنْ۔ (رواه صاحب الجامع عن الترمذی)

مسلم ۱/۳۰۲ حدیث رقم ۶۰-۴۰۳۔ وابو داؤد ۱/۵۹۶ حدیث رقم ۹۷۴۔ والترمذی ۲/۸۳ حدیث رقم ۲۹۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں جس طرح قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے اس طرح تشہد بھی سکھایا کرتے تھے چنانچہ کہا کرتے تھے تمام برکت والی تعریفیں اور تمام بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اے نبی ﷺ آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ہم پر بھی اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام ہو اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (مسلم) میں نے اس روایت کو صحیحین میں نہیں پایا اور نہ جمع بین صحیحین میں سلام علیک اور سلام علیک بغیر الف لام کے پایا ہے لیکن اس کو صاحب جامع الاصول نے امام ترمذیؒ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: تشہد کی متعدد قسمیں ہیں۔ جن میں سے زیادہ مشہور تین تشہدات ہیں: ① تشہد ابن مسعود۔ ② تشہد عبداللہ بن عباسؓ ③ تشہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ سب تشہدات جائز ہیں اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کون سا تشہد افضل

اور اولیٰ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ والا تشہد افضل ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک حضرت عمر فاروق والا تشہد افضل ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن مسعود والا تشہد افضل ہے اور وہ یہ ہے: التحیات للہ والصلوات والطیبات اور ابن مسعود کے تشہد کو چند وجہ سے ترجیح حاصل ہے:

① امام ترمذیؒ نے عبداللہ ابن مسعود والی روایت کو سند کے اعتبار سے اصح مافی الباب قرار دیا ہے اور جمہور صحابہ وتابعین کا عمل اسی کے موافق ہے۔
② عبداللہ ابن مسعود کے الفاظ کو تمام ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے۔
③ لوگوں کی تعلیم کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منبر پر بھی یہی تشہد سنایا تھا۔
④ عبداللہ ابن مسعود والے تشہد میں واؤ دو مرتبہ ہے اور یہ مقام مقام تعریف ہے اور عطف تغایر کو چاہتا ہے اور اس مقام پر تغایر تعریف کی کثرت پر دلالت کرے گا بخلاف دیگر تشہدات کے کہ ان میں ایسا نہیں ہے۔
⑤ رسول اللہ ﷺ نے یہ تشہد عبداللہ ابن مسعود ؓ کا ہاتھ پکڑ کر اہتمام کے ساتھ سکھایا اور پھر حکم دیا اسی طرح آگے لوگوں کو تعلیم دو۔
⑥ معراج والی رات جو مکالمہ ہوا تھا اس کے الفاظ یہی ہیں جو عبداللہ ابن مسعود کے تشہد کے ہیں۔

ولم اجد...... : یہاں سے صاحب مشکوٰۃ نے صاحب مصابیح پر اعتراض کر دیا وہ یہ کہ صاحب مصابیح نے عبداللہ ابن عباسؓ کے تشہد میں سلام علیک اور سلام علینا کو غیر معرف باللام ذکر کیا ہے حالانکہ بخاری اور مسلم میں یہ روایت اس طرح نہیں ہے لہٰذا صاحب مصابیح کا اس حدیث کو فصل اول میں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔

الفصل الثانی:

اشارہ کے وقت اُنگلی کو حرکت دینا

(۵/۸۳۹) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ إِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا۔ (رواه ابوداود والدارمی)

أحمد في المسند ٤/٣١٨۔ والدارمی ١/٣٦٢ حديث رقم ١٣٥٧۔ وأخرجه أبوداؤد ١/٥٨٧ حديث رقم ٩٥٧۔ والنسائی ٣/٣٧ حديث ١٢٦٨۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ سے اٹھ کر اس طرح بیٹھے کہ اپنا بایاں پاؤں بچھالیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ لیا اور دائیں ران پر دائیں کہنی الگ رکھی اور دونوں انگلیاں بند کر کے حلقہ بنایا پھر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا کہ آپ انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس کے ساتھ اشارہ کر رہے تھے۔ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: یہ حدیث ایک مسلسل حدیث کا ٹکڑا ہے اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور اس حدیث کا ایک جزء موقع کی مناسبت سے یہاں ذکر کیا گیا ہے اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشارہ انگلی کے ساتھ کیا جائے اور اشارہ کے بعد اس کو متحرک رکھنا چاہئے۔ امام مالکؒ کے نزدیک انگلی کو متحرک رکھنا چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انگلی کو متحرک نہیں رکھنا چاہئے۔ بعد والی روایت میں صراحۃً حرکت دینے سے منع کیا گیا ہے۔ بظاہر اس حدیث کا بعد والی حدیث کے ساتھ تعارض ہے کہ اس حدیث میں انگلی کو متحرک رکھنے کا ذکر ہے اور بعد والی حدیث میں حرکت نہ دینے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں

حرکت سے مراد انگلی کو اشارہ کے لئے اٹھانا ہے اور ظاہر ہے کہ اٹھانے کو بھی حرکت لازم ہے اور بعد والی حدیث میں حرکت سے مراد یہ ہے کہ انگلی کو اٹھانے کے بعد متحرک نہیں رکھنا چاہئے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

اشارہ کے وقت اُنگلی کو حرکت دینے کی نفی

(۶/۸۳۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُشِيْرُ بِاِصْبَعِهٖ اِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا (رواہ ابوداود والنسائی وزادابوداود) وَلَا يُجَاوِزُ بَصَرُهٗ اِشَارَتَهٗ۔

أخرجه أبوداؤد ۱/ ۶۰۴ حديث رقم ۹۹۰ والنسائی ۳/ ۳۹ حديث ۱۲۷۵۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے تھے جب دعا کرتے تھے اور انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔ (ابوداؤد۔ نسائی) ابوداؤد نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں کہ آپ ﷺ کی نظر اشارہ سے تجاوز نہ کرتی تھی۔

ابوداؤد کی روایت میں جو اضافہ ذکر کیا گیا ہے۔ لایجاوز بصرہ اشارتہ۔ اس کے تین معانی ہیں۔

① رسول اللہ ﷺ کی نظر اشارہ بالسبابہ سے آگے تجاوز نہیں کرتی تھی۔ آپ ﷺ کی نگاہ سامنے ہی رہتی تھی۔

② آپ ﷺ کی نظر اشارہ بالسبابہ پر جمی رہتی تھی تاکہ مسئلہ توحید کی طرف دل و دماغ سے مکمل توجہ رہے۔

③ آپ ﷺ کی نظر اس وقت آسمان کی طرف نہیں جاتی تھی کیونکہ اگر آپ ﷺ کی نظر آسمان کی طرف جاتی تو اس سے یہ وہم ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے تو اس سے اللہ کے لئے جہت ثابت ہوتی حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی جہت نہیں ہے کیونکہ جہت جسم کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے

اشارہ ایک اُنگلی سے ہوگا

(۷/۸۴۰) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ يَدْعُوْ بِاِصْبَعَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحِّدْ اَحِّدْ۔

(رواہ الترمذی والنسائی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

أخرجه الترمذی ۵/ ۵۲۰ حديث ۳۵۵۷۔ والنسائی ۳/ ۳۸ حديث ۱۲۷۱ وأحمد ۲/ ۵۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی تشہد میں دو انگلیوں سے اشارہ کرتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ایک ہی انگلی سے اشارہ کرو۔ ایک ہی انگلی سے اشارہ کرو۔ (ترمذی۔ نسائی) امام بیہقی نے اس کو دعوات کبیر میں روایت کیا ہے۔

تشریح: ابوداؤد اور نسائی کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث میں۔ رجل۔ سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں انہوں نے قعدہ کے اندر تشہد میں بوقت شہادت اشارہ کرتے وقت ایک انگلی کے بجائے دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ شاید انہوں نے خیال کیا ہو کہ اس سے توحید میں اضافہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے جب دیکھا تو اصلاح فرمائی کہ دو انگلیوں سے اشارہ نہ کرو بلکہ صرف ایک انگلی سے اشارہ کرو۔

قعدہ میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ

(۸/۸۴۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّجْلِسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰى يَدِهٖ رواہ احمد وابوداود وفي رواية لهٗ نَهٰى اَنْ يَّعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰى يَدَيْهِ اِذَا نَهَضَ فِي الصَّلٰوةِ۔

أخرجه أبوداوٗد ۲/ ۶۰۴ حدیث ۹۹۲۔ وأحمد ۲/ ۱۴۷۔ والروایة الثانیة أخرجها أبو داوٗد ۱/ ۶۰۵ عقب الحدیث۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے کہ نماز میں کوئی شخص اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔ (احمد۔ ابوداؤد) ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی نماز میں اٹھتے ہوئے ہاتھوں پر سہارا لے۔

تشریح: اس حدیث سے ایک تو یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ قعدہ میں بیٹھتے وقت اپنے ہاتھ زمین پر نہیں ٹیکنے چاہئیں بلکہ دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھ کر بیٹھا جائے۔ دوسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جب آدمی سجدہ وغیرہ سے اٹھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ زمین پر ٹیک نہ لگائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیام کے وقت زمین پر ہاتھوں سے سہارا نہ لیا جائے۔ ہاں البتہ اگر کوئی عذر ہو تو پھر جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً اٹھتے وقت ہاتھوں سے زمین پر سہارا لگانا درست ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیام کے وقت زمین پر سہارا لیتے تھے۔ امام صاحب جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ ضعف اور کبرسنی پر محمول ہے اور عذر کی وجہ سے سہارا لینے کا جواز ہے۔

قعدہ کی مقدار

(۹/۸۴۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ كَاَنَّهٗ عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى يَقُوْمَ۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی)

أخرجه أحمد ۱/ ۳۸۶۔ وأبو داوٗد ۱/ ۶۰۶ حدیث ۹۹۵۔ والترمذی ۲/ ۲۰۲ حدیث ۳۶۶ والنسائی ۲/ ۲۴۳ حدیث ۱۱۷۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پہلی دو رکعتوں میں اس قدر بیٹھتے تھے گویا کہ آپ ﷺ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

تشریح: اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ چھوٹے قعدہ میں زیادہ دیر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جلدی کھڑے ہو جاتے تھے۔ جس طرح کہ آپ ﷺ گرم پتھر پر بیٹھے ہوں۔ کیونکہ ایسی حالت میں آدمی جلدی کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ پہلے قعدہ میں جلدی اٹھ جاتے تھے کیونکہ اس میں درود اور دعائیں وغیرہ نہیں پڑھتے تھے۔

الفصل الثالث:

تشہد کی تعلیم کا اہتمام

(۱۰/۸۴۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔ (رواه النسائی)

النسائی ۲/ ۲۴۳ حدیث ۱۱۷۵۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں جس طرح قرآن کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح تشہد بھی سکھاتے تھے۔ بسم اللہ وباللہ الخ۔ اللہ کے نام اور اللہ کی توفیق کے ساتھ شروع کرتا ہوں اور تمام تعریفیں اور تمام مالی

وبدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اے نبی ﷺ آپ پر سلام اللہ کی برکت اور رحمتیں ہوں اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے جنت کی درخواست کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ (نسائی)

شہادت کی اُنگلی سے شیطان کو تکلیف ہوتی ہے

(۱۱/۸۴۴) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ۔ (رواه احمد)

أحمد في المسند ٢/١١٩

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے تھے اور اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے اور اپنی نظر انگلی پر رکھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہادت کی انگلی شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ شہادت کی انگلی شیطان پر بھاری ہے اس کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ابلیس کی چاہت ہوتی ہے کہ ہر آدمی ضلالت اور گمراہی میں پڑ جائے اور شرک میں مبتلا ہو جائے۔ جب آدمی نماز میں زبان سے شہادت کا اقرار کرتا ہے اور شہادت کے اشارہ کے ساتھ شرک کی نفی کرتا ہے تو شیطان کو اس سے اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ اتنی تکلیف اس کو نیزہ اور راکٹ وغیرہ سے نہیں ہو سکتی۔

تشہد آہستہ پڑھی جائے

(۱۲/۸۴۵) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنَ السُّنَّةِ اِخْفَاءُ التَّشَهُّدِ۔ (رواه ابوداود والترمذي وقال هذاحديث حسن غريب)

أبوداؤد ١/٦٠٢۔حديث ٩٨٦ والترمذي ٢/٨٤ حديث ٢٩١۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تشہد آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے (ابوداؤد۔ ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں تمام محدثین اور فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ تشہد کو آہستہ پڑھا جائے گا کیونکہ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ تشہد کو آہستہ پڑھنا مسنون ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب صحابی کسی عمل کے بارے میں کہے کہ یہ سنت ہے تو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے۔ لازماً اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَفَضْلِهَا

رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے اور اس کی فضیلت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ:

قعدہ میں درود پڑھنے کا طریقہ

(۱/۸۴۶) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ لَقِيَنِيْ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ اَلَا اُهْدِيْ لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ

النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ بَلٰى فَاهْدِهَا لِي فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْعَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (متفق علیه) اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فِي الْمَوْضِعَيْنِ.

اخرجه البخاری فی صحیحه ٤٠٨/٦ حدیث رقم ٣٣٧٠ ومسلم فی صحیحه ٣٠٥/١ حدیث رقم (٦٦-٤٠٦)۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہؓ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ وہ ہدیہ ضرور بتائیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اے اللہ کے رسول آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر ہم درود کس طرح بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کیسے بھیجیں۔ آپ یہ بتائیں کہ ہم صلوٰۃ کیسے بھیجیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہو اللهم صل علی محمد الخ۔ اے اللہ محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما۔ جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی ہے بے شک تو بزرگ اور برتر ہے۔ اے اللہ محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر برکت نازل کر جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت نازل کی۔ بے شک تو بزرگ اور برتر ہے۔

تشریح: صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں حکم ہے کہ ہم آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجیں۔ آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آپ پر ہم صلوٰۃ کیسے بھیجیں رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا سلام پڑھنے کا کیا طریقہ ہے صحابہ نے عرض کیا تشہد میں ہم پڑھتے ہیں۔ السلام علیك ایها النبی الخ۔ پھر آپ ﷺ نے صلوٰۃ پڑھنے کا طریقہ بتایا کہ اس طرح پڑھو اللهم صل علی محمد......

آل کی تحقیق: اب یہ کہ اس صلوٰۃ میں لفظ آل سے کیا مراد ہے اس کے اندر علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) آل محمد۔ سے مراد صرف آپ کے اہل وعیال ہیں۔ (۲) آل محمد ﷺ سے مراد آپ کے تابعدار ہیں۔ (۳) آل محمد ﷺ سے مراد ہر مؤمن ہے۔ (۴) ہر متقی مؤمن آل میں شامل ہے۔ (۵) آل سے وہ آل بیت ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یعنی بنو ہاشم۔ (۶) امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں آل سے مراد اہل بیت یعنی ازواج مطہرات اور اولاد ہیں اور حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ کی وجہ سے اہل بیت میں شامل ہیں۔

سوال: اس درود میں علی ابراہیم فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کی تین وجوہات ہیں۔ (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام جد الانبیاء ہیں۔ (۲) حضرت ابراہیم رسول اللہ ﷺ کے خصوصاً جد امجد ہیں۔ (۳) شریعت محمدی میں ملت ابراہیمی کی بہت اہمیت ہے اس وجہ سے تخصیص کی گئی ہے۔

سوال: اس درود میں کما صلیت...... کے اندر محمد ﷺ مشبہ ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں۔ اور کاف حرف تشبیہ ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ تشبیہ کے اندر مشبہ ادنیٰ ہوتا ہے اور مشبہ بہ اعلیٰ ہوتا ہے حالانکہ یہ مسلم شدہ حقیقت ہے کہ محمد ﷺ سب سے اعلیٰ ہیں۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔

جواب: (۱) تشبیہ کا مذکورہ قاعدہ اکثر یہ ہے قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ (۲) مشبہ بہ کا اعلیٰ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ واضح اور ظاہر ہونا ضروری ہے۔ (۳) تشبیہ نفس صلوٰۃ میں ہے نہ کہ کیفیت اور کمیت میں۔

درود کے مختلف الفاظ

(۲/۸۴۷) وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/٤٠٧ حديث رقم ٣٣٦٩ ومسلم في صحيحه ١/٣٠٦ حديث رقم(٦٩۔٤٠٧)۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا۔اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجیں۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہو۔اللھم صل الخ۔اے اللہ۔محمد ﷺ پر۔آپ کی ازواج مطہرات پر اور آپ کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی۔اور محمد ﷺ پر اور آپ کی ازواج مطہرات پر اور آپ کے اولاد پر برکت نازل کر جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی۔بے شک تو بزرگ اور برتر ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کے الفاظ مختلف ہیں ذات رسالت کی زبان مبارک سے نکلا ہوا کوئی بھی درود ہو اس کو پڑھنا جائز ہے۔سب سے زیادہ فضیلت درود ابراہیمی کی ہے۔اپنی طرف سے اختراع شدہ درود۔درود نہیں کہلائے گا۔جیسے اہل بدعت نے اپنا نمائشی صلوٰۃ وسلام اختراع کر لیا۔اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ درود پڑھنے والا سمجھتے ہیں۔حالانکہ حقیقت میں وہ درود سے محروم ہیں۔

درود پڑھنے کی فضیلت

(۳/۸۴۸) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔

(رواہ مسلم)

أخرجه في صحيحه ١/٣٠٦ حديث رقم (٧٠۔٤٠٨)۔وأبوداؤد في السنن ٢/١٨٤ حديث رقم ١٥١٤۔والترمذي ١/٣٥٥ حديث رقم ٤٨٥۔والنسائي ٣/٥٠ حديث رقم ١٢٩٦۔والدارمي ٢/٤٠٨ حديث رقم ٢٧٧٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔(مسلم)

تشریح: جو آدمی رسول اللہ ﷺ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں۔من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔اس آیت کریمہ میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے۔اس اصول کے مطابق ایک مرتبہ درود پڑھنے سے دس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

الفصل الثانی:

ایک مرتبہ درود پڑھنے کے تین فائدے

(۴/۸۴۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ (رواہ النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ٣/٥٠ حديث رقم ١٢٩٧۔وأحمد في المسند ٣/١٠٢۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس گناہ بخش دے گا اور اس کے دس درجات بلند ہوں گے۔ (نسائی)۔

زیادہ درود پڑھنے والا قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگا

(۵/۸۵۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلَاةً۔

(رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۱/۳۵۴ حدیث رقم ٤٨٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر درود زیادہ پڑھتے ہیں۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ مجھ پر زیادہ درود پڑھتے ہیں وہ قیامت کے دن میرے زیادہ قریب ہوں گے کیونکہ کثرت سے درود پڑھنا زیادہ محبت اور زیادہ یاد کی دلیل ہے۔ حضرت ابن حبانؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والے لوگ وہ حضرات محدثین کی جماعت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہی مقدس جماعت قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگی۔

فرشتے درود پہنچاتے ہیں

(۶/۸۵۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِی الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِی السَّلَامَ۔

(رواه النسائی والدارمی)

اخرجه النسائی فی السنن ۳/۴۳ حدیث رقم ۱۲۸۲۔ والدارمی فی السنن ۲/۴۰۹ حدیث رقم ۲۷۷٤۔ واحمد فی المسند ۱/۴۵۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ (نسائی، دارمی)

تشریح: جب کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے تو ملائکہ اس درود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں پیش کرتے ہیں۔ اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات برزخیہ حاصل ہے تب ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صلوٰۃ کو پیش کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم درود سے خوش ہوتے ہیں اور یہ صلوٰۃ وسلام کے پڑھنے والے کے لئے سعادت ہے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب صلوٰۃ وسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں پیش کر دیا جاتا ہے تو وہ درجہ قبولیت کو پہنچ جاتا ہے تب ہی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔

سلام کا جواب

(۷/۸۵۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (رواه ابوداود والبیهقی فی الدعوات الکبیر)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۲/۵۳٤ حدیث رقم ۲۰٤۱۔ واحمد فی المسند ۲/۵۲۷۔ فی المخطوطة "سحاب"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو

اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کولوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔(ابوداؤد) امام بیہقیؒ نے اس کو دعوات کبیر میں بیان کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی روح کو لوٹا دیتا ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں۔اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عالم برزخ میں زندہ ہیں کیونکہ عالم کی کل تین قسمیں ہیں۔(۱) عالم دنیا۔اس میں جسم ظاہر ہوتا ہے اور روح پس پردہ ہوتی ہے اور احکام جسم پر لگتے ہیں۔(۲) عالم برزخ۔اس میں روح ظاہر ہوتی ہے اور جسم پس پردہ ہوتا ہے اور احکام روح پر جاری ہوتے ہیں۔اور عالم برزخ کی وسعت دنیا کے مقابلے میں ایسی طرح ہے جس طرح ماں کے پیٹ کے مقابلے میں عالم دنیا کی وسعت ہے۔(۳) عالم آخرت جسم اور روح دونوں ظاہر ہوں گے اور دونوں کی حیثیت مساوی ہے اور دونوں سے احکام کا تعلق ہوگا اور دونوں مسئول ہوں گے۔

گھروں کو قبرستان نہ بناؤ

(۸۵۳/۸) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُ كُنْتُمْ۔ (رواه النسائی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۵۳۴/۲ حديث رقم ۲۰۴۲۔وأحمد في المسند ۳۶۷/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ بناؤ۔اور میری قبر کو عید کی طرح نہ بناؤ۔تم مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تو تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔(نسائی)

تشریح: اس حدیث کے تین جملے اور تین جزء ہیں۔یا یہ کہ اس حدیث میں تین مسائل کا بیان ہے۔

لا تجعلوا بیوتکم ...... : کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔اس کے تین مطلب ہیں۔

① اپنے گھروں کو قبروں کی طرح خیال نہ کرو جس طرح مردے اپنی قبر میں پڑے رہتے ہیں اسی طرح تم بھی اپنے گھروں میں پڑے رہو کہ ان میں عبادت اور ذکر الٰہی نہ کرو جس طرح مسجدوں میں عبادت کی جاتی ہے وہاں نور کی تجلی، رحمت اور برکت کی بارش ہوتی ہے اسی طرح اپنے گھروں میں بھی عبادت کیا کرو تاکہ گھروں میں نور کی تجلی، اللہ کی رحمت اور برکت نصیب ہو۔اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ فرض نماز مسجد میں پڑھی جائے اور نفل نماز گھر میں پڑھی جائے۔اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بھی اسی طرح ہے۔

② اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔اگر اس پر یہ سوال ذہن میں گردش کرے کہ رسول اللہ ﷺ کو حجرہ عائشہؓ میں کیوں دفن کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے اور خصوصیت کی حیثیت قانون کی نہیں ہوتی۔

③ قبروں کو رہائش اور سکونت کی جگہ نہ بناؤ جیسے آج کل اولیاء اللہ اور مشائخ عظام کے مزارات اور قبروں پر خدام اور مجاوروں نے رہائش اختیار کی ہوتی ہے۔قبروں پر جاؤ عبرت کے لئے اور واپس آجاؤ۔

لا تجعلوا قبری عیدًا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔یعنی میری قبر کو عیدگاہ کی طرح نہ سمجھو کہ وہاں جمع ہو جاؤ زیب وزینت کے ساتھ۔لہو ولعب کے ساتھ ڈھول ڈھمکے کے ساتھ۔خوشی مناؤ۔سرور حاصل کرو۔پکنک مناؤ۔اس طرح کا معاملہ تو یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبر کے ساتھ کیا تھا۔

وصلوا علی...... مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔

درود نہ پڑھنے پر وعید

(۹/۸۵۴)وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَلَهُ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهُ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔ خاک آلود ہو اس آدمی کی ناک کہ اس پر رمضان المبارک آیا اور اس کی بخشش سے پہلے گزر گیا۔ خاک آلود ہو اس آدمی کی ناک کہ اس کے والدین یا ان میں سے کسی ایک نے اس کے سامنے بڑھاپا پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کے لئے سخت وعید ذکر کی گئی ہے۔

① جن لوگوں کی مجلس میں اور ان کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک لیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجیں کہ ایسے لوگوں کے لئے ذلت خواری اور ہلاکت ہو بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مجلس میں جس وقت بھی آپ ﷺ کا اسم گرامی لیا جائے تو درود پڑھنا لازمی اور واجب ہے حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہے کہ ہر مرتبہ مجلس میں آپ ﷺ پر درود بھیجنا لازم اور واجب نہیں ہے صرف ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے۔ ایک سے زائد مرتبہ درود پڑھنا مستحب ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی توجیہ کی جائے گی وہ یہ کہ اس مطلق وعید کا تعلق دنیا سے ہے اس میں آخرت کی وعید کا ذکر نہیں ہے کیونکہ ناک کا خاک آلود ہونا دنیاوی سزا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بار بار درود پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

② وہ لوگ جنھوں نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اس کے حقوق ادا نہ کر سکے۔ نہ صحیح طریقہ سے روزہ رکھا اور نہ ہی دیگر عبادات صحیح طریقہ سے ادا کیں۔ اس لئے کہ روزہ اور دیگر عبادات کا ذوق شوق سے ادا کرنا مغفرت اور بخشش کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے محرومی پر ہلاکت اور ذلت کا کہا گیا ہے۔ لہٰذا جب رمضان المبارک آجائے تو اس کی رحمتوں اور برکتوں اور سعادتوں کو حاصل کرنا چاہئے۔ اس سے محرومی یقیناً باعث ذلت ہے۔

③ وہ لوگ جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائیں دونوں کو یا دونوں میں کسی ایک کو اور انکی خدمت کر کے اور انکی اطاعت کر کے انکو راضی کر کے خوش اور راضی نہ کر سکیں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے۔ اس سے محرومی بھی ذلت کا باعث ہے۔

درود کی فضیلت

(۱۰/۸۵۵)وَعَنْ اَبِىْ طَلْحَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِىْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ جَاءَنِىْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اَمَا يُرْضِيْكَ يَامُحَمَّدُ اَنْ لَّا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّيْتُ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔ (رواہ النسائی والدارمی)

أخرجه النسائي في السنن ۲/ ۵۰ حديث رقم ۱۲۹۵ والدارمي في السنن ۲/ ۴۰۸ حديث رقم ۲۷۷۳ وأحمد في المسند ۴/ ۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور اس وقت آپ ﷺ کے چہرہ پر بشاشت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تھے وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد ﷺ کیا آپ اس بات سے راضی نہیں ہیں کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر

دس رحمتیں نازل کروں گا۔اور جوکوئی آپ کی امت میں سے آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ (نسائی۔دارمی)

تشریح: رسول اللہ ﷺ امت کے حق میں بہت ہی مہربان اور شفیق تھے۔جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ بشارت سنائی کہ آپ کی امت میں سے جوکوئی آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ صلوٰۃ کے بدلے میں دس رحمتیں بھیجے گا اور سلام کے بدلے میں دس سلامتیوں سے نوازے گا۔تو اس کی وجہ سے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر بشاشت کا نور رونما ہوگیا۔

درود سے دین ودنیا کی بھلائی ہے

(۸۵۶/۱۱)وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا تُكْفٰى هَمُّكَ وَيُكَفَّرُلَكَ ذَنْبُكَ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٥٤٩ حديث رقم ٢٤٥٧۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔اے اللہ کے رسول میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں۔میں کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لئے خاص کروں۔آپ ﷺ نے فرمایا جس قدر کہ تمہارا دل چاہے میں نے عرض کیا۔کیا چوتھائی وقت مقرر کردوں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔جتنا تمہارا دل چاہے۔اگر زیادہ وقت مقرر کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔میں نے عرض کیا کیا آدھا وقت مقرر کردوں۔فرمایا جتنا تمہارا دل چاہے۔اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔میں نے عرض کیا پھر دوتہائی وقت مقرر کردوں۔آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تمہارا دل چاہے اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔پھر میں نے عرض کیا کیا میں تمام وقت ہی آپ ﷺ پر درود کے لئے مقرر کردیتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے لئے کفایت کرے گا۔اس سے تمہارے دین ودنیا کے مقاصد پورے ہوں گے۔اور تمہارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ (ترمذی)

تشریح: حضرت ابی بن کعبؓ نے کچھ وقت اپنے لئے دعا کرنے کے لئے مخصوص کررکھا تھا۔رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنے دعا والے وقت میں سے کتنا وقت آپ ﷺ پر درود پڑھنے کے لئے خاص کردوں۔آپ ﷺ نے کوئی وقت متعین نہیں کیا بلکہ ابی بن کعب کو اختیار دیا کہ جتنا تم اپنے ذوق اور شوق سے مقرر کرلو۔جس قدر زیادہ کرو گے بہتر ہے۔تمہیں درود کے فضائل اور برکات معلوم ہی ہیں۔حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا پھر چوتھائی وقت خاص کردوں۔آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تمہارا دل چاہے جتنا زیادہ کرو گے اتنا ہی اچھا ہوگا۔پھر انہوں نے عرض کیا آدھا وقت خاص کردوں۔آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تمہارا دل چاہے۔جتنا زیادہ کرو گے اتنا ہی اچھا ہوگا۔پھر انہوں نے عرض کیا دوتہائی وقت خاص کردوں فرمایا جتنا تمہارا دل چاہے جس قدر زیادہ کرو گے اتنا ہی اچھا ہوگا۔میں نے عرض کی کہ میں اپنا تمام وقت دعا والا وہ آپ پر درود بھیجنے میں صرف کروں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو آپ کے دین اور دنیا کے مقاصد پورے ہوں گے اور تمہارے گناہ معاف ہوں گے۔

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کا قول: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب میرے شیخ عبدالوہابؒ نے مجھے مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے روانہ کیا اور فرمایا کہ اس راستے میں فرائض کی ادائیگی کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا کیونکہ فرائض کی ادائیگی کے بعد اس کے مثل کوئی اور عبادت نہیں ہے۔میں نے عرض کیا کہ اس کے لئے کوئی عدد مقرر کردیں تاکہ میں اتنی تعداد میں پڑھا کروں۔حضرت شیخ نے فرمایا کوئی خاص عدد شرط نہیں ہے بلکہ اتنی کثرت سے پڑھو کہ رطب اللسان ہوجاؤ۔اس رنگ میں رنگین ہوجاؤ اور اس کی حلاوت میں مستغرق ہوجاؤ۔اور صاحب حصن فرماتے ہیں کہ درود شریف کے بہت فوائد ہیں دنیا اور آخرت دونوں میں

اس کے فوائد حاصل ہوں گے۔خصوصاً تنگی، پریشانی، کوئی خاص مقصد، حاجت براری اور مشکل وغیرہ سے نجات کے لئے۔

درود کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

(۱۲/۸۵۷) وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّیْ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَیَّ ثُمَّ ادْعُهٗ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ اَيُّهَا الْمُصَلِّیْ اُدْعُ تُجَبْ۔ (رواه الترمذی وروی ابو داود والنسائی نحوه)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٤٨٢ ٣٤٧٦۔وأخرجه النسائی فی السنن ٤٤/٣ حديث رقم ١٢٨٤۔وأحمد فی المسند ١٨/٦۔

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اچانک ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی پھر یہ دعا مانگی: اللّٰهم اغفرلی وارحمنی۔ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے جلدی کی ہے اے نماز پڑھنے والے جب تم نماز پڑھو تو نماز کے بعد دعا کے لئے بیٹھو اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو جس تعریف کے وہ لائق ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھو پھر جو چاہو اللہ سے دعا مانگو۔ دعا قبول ہوگی۔ راوی کہتے ہیں کہ کے بعد ایک اور آدمی نے نماز پڑھی اور اس (نماز کے بعد) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور نبی ﷺ پر درود بھیجا تو نبی ﷺ نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے دعا کر قبول ہوگی۔ (ترمذی) امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے اسی جیسی روایت نقل کی ہے۔

فرائض کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

(۱۳/۸۵۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّیْ وَالنَّبِیُّ ﷺ حَاضِرٌ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢/٤٨٨ حديث رقم ٥٩٣۔وأحمد فی المسند ٢/٣٨٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ موجود تھے۔ چنانچہ جب نماز کے بعد میں بیٹھا اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا اس کے بعد میں اپنے لئے دعا مانگنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ سے مانگو عطا کیا جائے گا۔ (ترمذی)

الفصل الثالث:

رسول اللہ ﷺ اُمّی ہیں

(۱۴/۸۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ١/٦٠١ حديث رقم ٩٨٢۔ فی المخطوطة "تحصل"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی کو یہ پسند ہو کہ اسے بھرپور زیادہ سے زیادہ ثواب ملے تو اسے چاہیے ہم اہل بیت پر اس طرح درود بھیجے۔ اللھم صل علی محمد الخ۔ ''اے اللہ تو اپنی رحمت نازل فرما محمد ﷺ پر اور آپ کی ازواج مطہرات پر جو سب مؤمنوں کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد پر اور اہل بیت پر نازل فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو بزرگ اور برتر ہے'' (ابوداؤد)

تشریح: ہر نبی کا ایک نام تھا سوائے حضرت یعقوب کے ان کے دو نام تھے ایک یعقوب دوسرا اسرائیل اور رسول اللہ ﷺ کے صفاتی نام ننانوے ہیں ان میں سے ایک نام آپ کا امی ہے۔ اور یہ نام سابقہ کتابوں میں تورات اور انجیل کے اندر موجود تھا۔ امی اس آدمی کو کہتے ہیں جو نہ لکھنا جانتا ہو اور نہ لکھے ہوئے کو پڑھنا جانتا ہو نہ کبھی مکتب میں گیا ہو اور نہ کسی سے تعلیم حاصل کی ہو اور اس کے آخر میں یاء نسبت کی ہے ان کا معنی ہے دوسرا اس سے ایسا شخص جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کی طرح ہے جس کو ابھی تک کسی نے تعلیم نہ دی ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں آخری نبی ہونے کی حیثیت سے تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے آپ کو استاذ مدرسہ اور معلم کا محتاج نہیں بنایا اسی وجہ سے آپ کو امّی کہا جاتا ہے۔

نگارِ من که به مکتب نه رفت وخط نه نوشت ☆ بغمزه مسئله آسوز صد مدرش شد
یتیمے که ناکرده قرآں درست ☆ کتب خانۂ چند ملت بشست
بتعلیم و ادب اورا چه نسبت ☆ که خودز آغاز او آمد مؤدب

''میرا محبوب ابھی نہیں گیا تھا اور خط بھی نہیں سیکھا تھا کہ ایک اشارہ سے مسئلہ سیکھا اور سب کے استاذ بن گئے اور وہ یتیم کہ اس نے ابھی قرآن بھی مکمل نہیں کیا اور کئی مذہب کے کتب خانے مٹا کر دھو ڈالے''

درود نہ پڑھنے والا بخیل ہے

(۸۶۰/۱۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْبَخِيْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَیَّ۔

(رواه الترمذی ورواه احمدعن الحسین بن علی رضی اللّٰہ عنهما وقال الترمذی هذاحدیث حسن صحیح غریب۔أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۵۱۵حدیث رقم ۳۵۴۶۔وأحمد فی المسند ۱/۲۰۱۔)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بخیل وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا'' (ترمذی) اور امام احمدؒ نے اس روایت کو حضرت حسین بن علیؓ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث میں درود نہ پڑھنے والے کو بخیل کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بخیل کی دو قسمیں ہیں ایک بخیل تو وہ ہے جو مال کے حقوق ادا کرنے میں بخل کرے اس کو سب لوگ جانتے ہیں اور دوسرا بخیل جس کو عام لوگ نہیں جانتے۔ اس کا تعریف رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں کرا دیا ہے کہ اصل بخیل وہ ہے کہ جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے اور اس کو اصل بخیل اس لئے کہا گیا ہے کہ درود پڑھنے کی وجہ سے نہ مال خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی زیادہ مشقت ہوتی ہے دینی اور دنیاوی فائدہ بہت زیادہ ہے لہذا جب رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک آئے تو آپ ﷺ پر درود پڑھا جائے۔

رسول اللہ ﷺ درود سننے کے لئے تشریف نہیں لاتے

(۸۶۱/۱۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ

نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ۔ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

اخرجه البیهقی فی شعب الایمان ۲/ ۲۰۹ حدیث رقم ۱۵۵۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو آدمی مجھ پر دور سے درود پڑھتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے (بیہقی)

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو آدمی میری قبر پر حاضر ہو کر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو آدمی دور سے درود پڑھتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ درود وسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لاتے بعض اہل بدعت عشق کا دعویٰ کرتے ہیں اور محبوب کے پاس جانے کے بجائے اپنے ہاں بلانے پر اصرار کرتے ہیں۔

(۸۶۲/۱۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاحِدَةً صلی اللہ علیہ وسلم وَمَلَائِكَتُهٗ سَبْعِیْنَ صَلَاةً۔ (رواہ احمد)

اخرجه أحمد فی المسند ۲/ ۱۸۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ (احمد)

تشریح: بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا اپنا قول ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ فضائل کے ابواب میں موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ کوئی صحابی اعمال کا ثواب اپنی طرف سے نہیں کر سکتا جب تک اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو اور اس حدیث سے بطور اشارہ اور کنایہ کے یہ نقطہ بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ثواب جمعہ کے دن کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ جمعہ کے دن اعمال کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔

ایک خاص درود

(۸۶۳/۱۸) وَعَنْ رُوَيْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔ (رواہ احمد)

اخرجه أحمد فی المسند ٤/ ١٠٨۔

ترجمہ: حضرت رویفعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر یہ کہے: اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ...... ''اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام پر جگہ دے جو تیرے نزدیک مقرب ہو قیامت کے دن تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوتی ہے''۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث میں مقام مقرب سے مراد مقام محمود ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی کیا گیا ہے۔ یہ مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن عطا کیا جائے گا اور اس مقام پر رسول اللہ سجدہ کریں گے اور اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ درود بہت خاص ہے کہ جو آدمی اس کو پڑھے گا اس کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔ اگرچہ آپ کی شفاعت تمام مسلمانوں کے حق میں ثابت ہے آپؐ اپنے ہر امتی کے لئے شفاعت کریں گے مگر مذکورہ درود پڑھنے والے کو ایک خاص درجہ اور مقام حاصل ہوگا اور اسی مقام کو شفاعت کے وجوب سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس آدمی کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل سجدہ

(۸۶۴/۱۹)وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰی دَخَلَ نَخْلاً فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰی خَشِیْتُ اَنْ یَکُوْنَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَدْتَوَفَّاہُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَہٗ فَقَالَ مَالَكَ فَذَکَرْتُ لَہٗ ذٰلِكَ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لِیْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْكَ صَلَاۃً صَلَّیْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْكَ سَلَّمْتُ عَلَیْہِ ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد فی المسند ۱/ ۱۹۱۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہو گئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت طویل سجدہ کیا میں ڈر گیا کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات تو نہیں دی چنانچہ میں آپ کو دیکھنے کے لئے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ کیا ہوا تو میں نے صورت حال آپ کے سامنے ذکر کر دی راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرائیل نے مجھ سے کہا کہ آپ کو یہ بشارت نہ سنادوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو آدمی آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ (احمد) امام احمدؒ نے اپنی دیگر روایات کے آخر میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سجدہ شکر کے بارے میں اس سے زیادہ صحیح حدیث میری نظر میں نہیں ہے اور یہ حدیث متعدد سندوں سے ثابت ہے۔

درود کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی

(۸۶۵/۲۰)وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَایَصْعَدُ مِنْہُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّكَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۳۵۶ حدیث رقم ۴۸۶۔ والنسائی فی السنن ۳/ ۵۶ حدیث رقم ۱۳۰۹۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ دعا اس وقت تک آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھو۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے گا تو دعا اس کے ساتھ چمٹ کر اللہ تعالیٰ کی دربار میں قبولیت کی شرف حاصل کرے گی جیسے ایک شعر ہے۔

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد ☆ دست در پائے کبوتر زد ناگاہ رسید

کہتے ہیں کہ چیونٹی کو شوق ہو گیا بیت اللہ کی زیارت کرنے کا اور اس کے لئے بغیر واسطہ کے اتنا طویل سفر مشکل تھا اچانک ایک کبوتر آ گیا چیونٹی اس کے پاؤں سے لپٹ کر فوراً بیت اللہ پہنچ گئی۔

شیخ ابوسلیمان دارانی کا قول:

شیخ ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی حاجت کے لئے دعا کرے تو اس کے اول و آخر میں درود پڑھے کیونکہ درود ہر حال میں قبول ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کے خلاف ہے کہ وہ ابتداء اور انتہاء کو قبول کرے اور درمیان کو قبول نہ کرے اس کی برکت سے درمیان والا حصہ بھی قبول ہو جائے گا۔

فائدہ: یہ حدیث اگر چہ بظاہر موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ فضائل میں اس طرح کی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے لازماً انہوں نے رسول اللہؐ سے سنا ہوگا علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کا قول ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہو۔

بَابُ الدُّعَاءِ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد میں دُعا پڑھنے کا بیان

آخری قاعدہ میں تشہد اور درود کے بعد دعاء کا پڑھنا مسنون ہے کہ نمازی اپنی پسند اور تمنا کے مطابق دعاء مانگے مگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ دعا کلام الناس کے مشابہ نہ ہو اس سے مراد ہر وہ دعا ہے کہ اگر اس کا مطالبہ لوگوں سے کیا جائے تو وہ پورا کر سکے جیسے کوئی یہ دعا مانگے اے اللہ مجھے روٹی دے دے۔ اے اللہ مجھے کپڑے دے دیں۔ علیٰ ھذا القیاس حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی اور پھر تشہد اور درود کے بعد اپنی پسند کے مطابق دعاء کرنے کی تعلیم دی قرآن اور سنت سے ثابت شدہ دعاؤں کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

الفصل الاوّل:

تشہد کے بعد کی دعا

(۱/۸۶۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْعُوْ فِي الصَّلَاةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مَا اَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في الصحيحه ٢/٣١٧۔حديث رقم ٨٣٢۔ومسلم في صحيحه ١/٤١٢حديث رقم (١٢٩۔٥٨٩) وأبو داؤد في السنن ١/٥٤٨حديث رقم ٨٨٠ والنسائي في السنن ٣/٥٨حديث رقم ١٣١٠۔وأحمد في المسند ٦/٨٨۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا مانگتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ ...... اے اللہ میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ میں تجھ سے گناہوں سے اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن کر کسی کہنے والے نے کہا کہ آپ قرض سے کس قدر پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا جب آدمی قرض دار ہو جاتا ہے تو باتیں بناتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تشہد کے بعد ایک جامع دعا کا ذکر ہے اور اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے کیونکہ ان چھ چیزوں کی وجہ سے ہلاکت، خسارہ اور نقصان ہوتا ہے اور انسان خیر کی چیزوں سے آرام اور سکون سے محروم ہو جاتا ہے جن چھ چیزوں سے اس حدیث میں پناہ مانگی گئی ہے ان کی وضاحت بقدر ضرورت درج ذیل ہے۔

➊ عذابِ قبر: جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو سب سے پہلی منزل اس کی قبر ہے اور قبر میں اس سے تین سوالات ہوں گے ایک اللہ کے متعلق دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تیسرا دین کے متعلق جس نے دنیا میں اطاعت کی زندگی گزاری ہوگی وہ جواب دے گا اور جس نے دنیا میں نافرمانی کی زندگی گزاری ہوگی وہ جواب نہیں دے سکے گا اور اس کو سخت قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اسی عذاب

سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔

❷ فتنہ مسیح دجال: دجال کے فتنہ سے پناہ مانگی۔ دجال قیامت کے قریب آئے گا اور خدا ہونے کا دعویٰ کرے گا اور لوگوں کو اپنے مکروفریب سے گمراہ کرے گا دجال اس کو کہتے ہیں کہ یہ مشتق ہے دجل سے اور دجل کا معنی ہے خلط ملط کرنا اور یہ بھی حق اور باطل کو خلط ملط کردے گا اور اس کو مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ایک آنکھ نہیں ہوگی آنکھ چہرے کی طرح چٹیل میدان ہے یا اس کے مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چالیس دن میں پوری زمین کا چکر لگائے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے اور حضرت عیسیٰؑ کا لقب بھی مسیح ہے اور عیسیٰ کو مسیح کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مسیح عربی زبان کا لفظ اس کا معنی ہے ہاتھ پھیرنا اور حضرت عیسیٰ بھی جب بیماروں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ ٹھیک ہوجایا کرتے تھے۔

❸ فتنہ زندگی: زندگی کے فتنہ سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے زندگی کے فتنہ سے مراد یہ ہے کہ انسان صراط مستقیم اور ہدایت سے ہٹ کر ضلالت کا راستہ اختیار کرلے تکالیف ومصائب میں گرفتار ہوجائے۔

❹ فتنہ موت: رسول اللہ ﷺ نے موت کے فتنہ سے بھی پناہ مانگی ہے موت کے فتنہ سے مراد یہ ہے کہ نزع کی حالت میں شیطان انسان کے دل میں مختلف وسوسے ڈالتا ہے کبھی تو انسان کو ایمان کی دولت سے محروم کردیتا ہے اور دائمی عذاب میں مبتلا کردیتا ہے قبر میں منکر نکیر کے سوال کا جواب صحیح نہ دینا یہ بھی موت کا فتنہ ہے۔

❺ گناہ: رسول اللہ ﷺ نے گناہ سے پناہ مانگی چاہے وہ کسی قسم کا گناہ ہو حقوق اللہ سے تعلق رکھے یا حقوق العباد سے تعلق رکھے یا دونوں کے درمیان مشترک ہو۔

❻ قرض: قرض سے بھی رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی اور انتہائی شدت کے ساتھ پناہ مانگی اس پر صحابی کو بہت تعجب اور حیرانگی ہوئی کہ قرض لینے سے پناہ کی کیا وجہ ہے پھر صحابی کے سوال کے جواب میں قرض کی خرابیاں بتائیں ایک یہ کہ قرض لیتے وقت اکثر جھوٹی باتیں بنا کر قرض حاصل کیا جاتا ہے دوم یہ کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو پھر وعدہ کرتا ہے اور جب وہ اس وعدہ کو پورا نہیں کرتا اور پھر وہ وعدہ خلافی کرتا ہے اس طرح آدمی منافق بن جاتا ہے۔

تشہد کے بعد کی ایک دعا

(۲/۸۶۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۲٤۱ حديث رقم ۱۳۷۷۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ۱/٤۱۲ حديث رقم (۱۳۰۔۵۸۸). وأخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۱۰٦ حديث رقم ۹۸۳۔ وابن ماجة في السنن ۱/۲۹٤ حديث رقم ۹۰۹۔ والدارمي في السنن ۱/۳۵۷ حديث رقم ۱۳٤٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی آخری تشہد سے فارغ ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔ نمبر۱ جہنم کے عذاب سے۔ نمبر۲ عذاب قبر سے۔ نمبر۳ زندگی اور موت کے فتنہ سے۔ نمبر۴ مسیح دجال کے شر سے۔ (مسلم)

(۳/۸٦۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ

مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ١/ ٤١٢ حديث رقم(١٣٤ ـ ٥٩٠)۔ وأبو داوٗد في السنن ١/ ٦٠١ حديث رقم ٩٨٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم صحابہ اور اہل بیت کو یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ ﷺ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ یہ دعا اس طرح پڑھو۔ اللھم انی اعوذبك...... اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

(۴/۸۶۹) وَعَنْ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ دُعَاءً اَدْعُوْبِهٖ فِيْ صَلَاتِيْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُالذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔

أخرجه البخارى فى صحيحه ٢/ ٣١٧۔ حديث رقم ٨٣٤۔ ومسلم فى صحيحه ٤/ ٢٠٧٨ حديث رقم (٤٨ ـ ٢٧٠٥)۔ والترمذى فى السنن ٢/ ٥٠٧ حديث رقم ٣٥٣١ والنسائى فى السنن ٣/ ٥٣ حديث رقم ١٣٠٢۔ وأحمد فى المسند ١/ ٤۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ مجھے کوئی ایسی دعا بتا دیجئے کہ جس کو میں اپنی نماز میں پڑھ لیا کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ اللھم انی ظلمت... اے اللہ بے شک میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے علاوہ کوئی دوسرا گناہوں کو نہیں بخش سکتا لہٰذا تو مجھے بخش دے خاص طریقہ سے بخشنا۔ اور مجھ پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس حدیث میں۔ کثیرا۔ کا لفظ دو طریقوں سے منقول ہے۔ ثاء کے ساتھ اور باء کے ساتھ صحیح مسلم کی روایتوں میں کبیرا کو بھی ذکر کیا گیا ہے لہٰذا یہ دونوں لفظ صحیح ہیں اور دونوں طریقوں سے پڑھنا صحیح ہے۔

نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کا بیان

(۵/۸۷۰) وَعَنْ عَامِرِبْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ١/ ٤٠٩ حديث رقم (١١٦ ـ ٥٩٢)۔ والنسائى فى السنن ٣/ ٦١ حديث رقم ١٣١٧۔ وابن ماجه ١/ ٢٩٦۔ حديث رقم ٩١٥۔ والدارمى ١/ ٣٥٧ حديث رقم ١٣٤٥۔ وأحمد فى المسند ١/ ٣٩٠۔

ترجمہ: حضرت عامر بن سعدؒ اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں اور بائیں سلام پھیرتے تھے کہ میں آپ ﷺ کے رخساروں کی سفیدی کو دیکھ لیتا تھا۔ (مسلم)

تشریح: مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے آخر میں اچھی طرح سلام پھیرتے وقت اپنا چہرہ مبارک دائیں اور بائیں پھیرتے تھے اور اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے رخسار مبارک نظر آ جاتے تھے۔

؎ کاش کے اندر نماز جاشود پہلوئے تو ○ تابہ تقریب سلام افتد نظر بر روئے تو

امام نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرے

(۶/۸۷۱) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاصَلّٰى صَلَاةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ۔ (رواه البخارى)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٣٣٣۔حديث رقم ٨٤٥۔والنسائي في السنن٣/٨٣حديث رقم ١٣٦٣۔وابن ماجه ١/١٧حديث رقم ٤٤۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

(۸۷۲/۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٤٩٢حديث رقم (٦١۔٧٠٨)۔والنسائي ٣/٨١حديث رقم ١٣٥٩۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نماز سے فارغ ہو کر دائیں طرف مڑ کر بیٹھ جاتے تھے۔

اپنی نماز سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرو

(۸۷۳/۸) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا يَجْعَلْ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهٖ يُرٰى اَنْ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَثِيْرًا كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَّسَارِهٖ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٣٣٧۔حديث رقم ٨٥٢۔ومسلم في صحيحه ١/٤٩٢حديث رقم (٥٩۔٧٠٧) وأبوداؤد في السنن ١/٦٣١حديث رقم ١٠٤٢۔والنسائي في السنن ٣/٨١حديث رقم ١٣٦٠۔وابن ماجه ١/٣٠٠ حديث رقم ٩٣٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنی نماز میں سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے۔ یہ کہ اس چیز کو لازم سمجھے کہ دائیں طرف ہی سے پھرے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ اکثر بائیں طرف سے بھی پھرا کرتے تھے۔

تشریح: اس مقام پر بظاہر روایات میں تعارض ہے وہ اس طرح کہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ آپ مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ دوسری روایت میں مذکور ہے دائیں طرف مڑ کر بیٹھتے تھے۔ تیسری روایت میں مذکور ہے کہ بائیں طرف مڑ کر بیٹھتے تھے۔

جواب: ہم اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے ان میں تطبیق کریں گے۔ اور تطبیق کی دو صورتیں ہیں۔

① اگر نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کو فی الفور جانا ہوتا تو جس طرف کام ہوتا آپ اسی طرح اٹھ کر چلے جاتے۔ اگر دائیں جانب کام ہوتا تو دائیں طرف تشریف لے جاتے۔ اور اگر بائیں طرف کام ہوتا تو بائیں طرف تشریف لے جاتے۔ اور اگر آپ ﷺ کو کہیں جانا نہ ہوتا تو پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔

② تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا معمول تین طرح کا ہوتا تھا۔ ایک یہ آپ ﷺ سلام پھیرنے کے فوراً بعد گھر تشریف لے جاتے۔ اس صورت میں آپ عموماً بائیں طرف مڑ کر تشریف لے جاتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کا حجرہ قبلہ سے بائیں طرف تھا۔ دوم یہ کہ کبھی آپ ﷺ ذکر اور دعا کی غرض سے مصلّی پر بیٹھے رہتے تھے۔ اس صورت میں آپ دائیں طرف مڑ کر بیٹھ جاتے تھے۔ سوم یہ کہ کبھی سلام کے بعد خطبہ وغیرہ دینا مقصود ہوتا تھا تو اس صورت میں آپ ﷺ مکمل طور پر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہ تینوں ہی طریقے اس طرح درست ہیں۔

غیر لازم کو لازم کرنے کا حکم: اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرو اس سے مراد یہ ہے کہ غیر لازم چیز کو لازم نہ کرو کیونکہ جو آدمی غیر لازم چیز کو لازم کرے گا وہ شیطان کا تابعدار ہوگا۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے مستحب کو مستقل اختیار کر لیا اور اس کو لازم کا درجہ دے دیا تو یہ بھی شیطان کی اتباع ہے اور ضلالت کاش کہ اہل بدعت اس چیز کو سمجھ جائیں

کہ انہوں نے شریعت مطہرہ کے خلاف امور کو بدعات و خرافات کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ کس قدر شیطان کی غلامی ہے اور صراط مستقیم سے دوری ہے۔ اور گمراہی والا راستہ ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کو لازم پکڑو اور اس کے مطابق زندگی اختیار کرو۔

نماز کے بعد کی دعا

(۹/۸۷۴) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَحْبَبْنَا اَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهٖ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ اَوْتَجْمَعُ عِبَادَكَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۴۹۲/۱ حديث رقم (۶۲-۷۰۹)۔ وأبو داوٗد في السنن ۲۹۸/۵ حديث رقم ۵۰۴۵۔ والترمذي ۴۳۹/۵ حديث رقم ۳۳۹۸۔ وابن ماجه ۱۲۷۶/۲ ۔ حديث رقم ۳۸۷۷۔ وأحمد في المسند ۴۰۰/۱

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو اس کو پسند کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں طرف کھڑے ہوں تاکہ سلام کے وقت سب سے پہلے آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوں۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے بعد یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے۔ رب قني عذابك يوم تبعث او تجمع عبادك۔ اے اللہ مجھے اپنے عذاب سے بچا اس دن کہ جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا۔ (مسلم)

تشریح: یہ دعا یا تو تواضع اور انکساری پر محمول ہے کہ آپ ﷺ بطور تواضع اور عاجزی کے یہ دعا کرتے تھے۔ یا یہ تعلیم پر مقصود ہے کہ امت کو تعلیم دینے کے لئے آپ ﷺ نے یہ دعا کی۔ اور اس دعا میں تبعث۔ اور تجمع۔ دونوں فعلوں کے درمیان او۔ کا کلمہ شک کے لئے ہے کہ راوی کو شک ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے ایک لفظ کہا۔ معنی کے اعتبار سے دونوں درست ہیں۔

(۱۰/۸۷۵) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ النِّسَآءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُنَّ اِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَاِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ الرِّجَالُ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۴۹/۲۔ حديث رقم ۸۶۶۔ وأحمد في المسند ۳۱۶/۶۔ في المخطوطة "التصنيف"۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتیں فرض نماز کا سلام پھیر کر فی الفور اٹھ جاتی تھیں۔ اور اپنے گھروں کو چلی جاتی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ اور مردوں میں سے جو لوگ نماز میں شامل ہوتے تھے جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا بیٹھے رہتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو سب مرد بھی کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ (بخاری) اور جابر بن سمرہ کی حدیث ہم باب الضحک میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتی تھیں۔ جب نماز سے فراغت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام بیٹھے رہتے تھے تاکہ عورتیں آسانی سے پہلے چلی جائیں۔ تاکہ مردوں اور عورتوں کا راستہ میں اختلاط نہ ہو۔ اور اس زمانے میں عورتوں کی حاضری مسجد میں چند اعذار کی وجہ سے ہے۔ اور وہ بھی مشروط ہے ساتھ چند شرائط کے

① نوجوان عورتیں نہ آئیں۔ معمر خواتین آسکتی ہیں وہ بھی صرف فجر۔ مغرب اور عشاء میں۔ ② خوشبو استعمال نہ کریں۔
③ باپردہ ہو کر آئیں۔ ④ آخر میں آئیں اور سب سے پہلے جائیں۔ عورتوں کی حاضری کی مجبوری یہ تھی تاکہ مسائل اور دین سیکھ سکیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کے علاوہ یہ چیزیں کسی اور سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اور پھر وہ سلامتی کا دور تھا۔

الفصل الثانی:

نماز کے بعد کی ایک دُعا

(۱۱/۸۷۶) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا

اُحِبُّكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (رواہ احمد وابوداود والنسائی) اِلَّا اَنَّ اَبَادَاوٗدَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ مُعَاذٌ وَاَنَا اُحِبُّكَ.

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۲/۱۸۰حديث رقم ۱۵۲۲۔والنسائي في السنن۳/۵۴حديث رقم ۱۳۰۴۔ومالك في الموطأ ۲/۹۵۳حديث رقم ۱۶من كتاب الشعر۔وأحمد ۵/۲۴۷۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا۔اے معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو ترک نہ کرنا۔رب اعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك۔اے میرے پروردگار تو اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت میں میری مدد کر۔(ابوداود۔احمد۔نسائی) امام ابوداود نے حضرت معاذؓ کے یہ الفاظ وانا احبك نقل نہیں کیے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث مسلسلات میں سے ہے۔اور اس پر قرینہ اخذ بیدی والافعل انا احبک والافعل ہے۔اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب کوئی کسی سے محبت کرے تو اس کو بتادے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔جیسے حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو بتایا اور حضرت معاذؓ نے حضور ﷺ کو بتایا۔اور اس حدیث میں حسن عبادت سے مراد یہ ہے کہ عبادت میں ریا کاری نہ ہو اور اخلاص ہو۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

(۱۲/۸۷۷)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرُ۔

(رواه ابوداوٗد والترمذي والنسائي ولم يذكر الترمذي حتّٰى يُرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ رواه ابن ماجة عن عمار بن ياسر) أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۶۰۶حديث رقم ۹۹۶۔والترمذي ۲/۸۹حديث رقم ۲۹۵وأخرجه النسائي في السنن ۳/۶۳ حديث رقم ۱۳۲۳۔والدارمي في السنن ۱/۳۵۷حديث رقم ۱۳۴۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ جب اپنی دائیں جانب سلام پھیرتے اور کہتے تھے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔تو آپؐ کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی۔اور اپنی بائیں جانب بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی۔(ابوداود۔ترمذی۔نسائی)

(۱۳/۸۷۸)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ اِنْصِرَافِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ صَلَاتِهٖ اِلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ اِلٰى حُجْرَتِهٖ۔(رواه في شرح السنة)

أخرجه البغوي في شرح السنة ۳/۲۱۰حديث رقم ۷۰۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر نماز کے بعد بائیں جانب اپنے حجرہ کی طرف مڑ جاتے تھے۔(شرح السنہ)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کا حجرہ مبارک مسجد سے بائیں جانب کو تھا۔اور دروازہ بھی اندر ہی کی جانب کھلتا تھا۔تو آپ ﷺ اکثر نماز سے فارغ ہونے کے بعد بائیں طرف سے اپنے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔

فرض کے بعد سنتوں کے لئے جگہ تبدیل کرنا

(۱۴/۸۷۹) عَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُصَلِّي الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ (رواہ ابوداود) وَقَالَ عَطَاءُ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيْرَةَ۔

اخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۴۰۹ حدیث رقم ۶۱۶۔وابن ماجه ۱/۴۵۹ حدیث رقم ۱۴۲۸۔

ترجمہ: حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے وہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جہاں نماز پڑھ چکا ہے بلکہ وہاں سے جگہ تبدیل کرے۔(ابوداؤد۔)اور کہا ہے کہ عطاء خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ثابت نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث میں امام کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ فرض نماز کے بعد سنتوں کے لئے جگہ تبدیل کرے اور یہ یاد رہے کہ یہ حکم صرف امام کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ مقتدی کے لئے بھی یہی حکم ہے۔اور اس کی دو وجہ ہیں۔ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی عبادت کے لئے دو جگہیں الگ الگ ہو جائیں گی اور قیامت کے دن یہ مقامات اس کی عبادت پر شہادت دیں گے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے صفوں کی ترتیب ٹوٹ جائے گی۔بعد میں آنے والا آدمی سمجھ جائے گا کہ جماعت ہو چکی ہے۔حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جگہ تبدیل کرنے کا حکم ان نمازوں میں ہے جن کے بعد سنتیں ہوں۔اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے لئے یہ حکم نہیں ہے اور بعض دیگر علماء کے نزدیک سب نمازوں کے بعد جگہ تبدیل کرنے کا حکم ہے۔البتہ یہ حکم استحبابی ہے فرض اور واجب نہیں ہے۔

(۱۵/۸۸۰) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ وَنَهَاهُمْ اَنْ يَنْصَرِفُوْا قَبْلَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ۔ (رواہ ابوداود)

اخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۴۱۲ حدیث رقم ۶۲۴۔وأحمد فی المسند ۳/۲۴۰۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی ترغیب دیتے تھے اور ان کو اس بات سے منع کرتے تھے کہ وہ نماز کے بعد آپ ﷺ کے اٹھنے سے قبل اٹھیں (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں ایک مسئلہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو نماز کی ترغیب دیتے تھے اس سے مراد یا تو مطلقاً نماز کی ترغیب ہے اور یا اس سے مراد جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب ہے۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد جب تک میں نہ اٹھ جاؤں اس وقت تک نہیں اٹھنا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں عورتیں بھی نماز کے اندر شرکت کرتی تھیں۔تاکہ وہ نماز سے فراغت کے بعد نکل جائیں اور راستہ میں اختلاط نہ ہو۔اس صورت میں نہی سے مراد نہی تنزیہی ہوگی۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے اٹھنے سے مراد مسبوق ہے۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مسبوق اپنی بقیہ رکعتیں پڑھنے کے لئے اس وقت تک کھڑا نہ ہو جب تک کہ امام سلام نہ پھیرے۔اس صورت میں نہی سے مراد نہی تحریمی ہوگی۔

الفصل الثالث:

تشہد کے بعد رسول اللہ ﷺ کی دُعا

(۱۶/۸۸۱) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْاَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْاَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا

وَاَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ ۔ (رواه النسائی وروی احمد نحوه)

أخرجه النسائی فی السنن ٤/ ٥٤ حديث رقم ١٣٠٤۔ وأحمد فی المسند ٤/ ١٢٣۔

ترجمہ: حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم انی اسالك الخ۔ اے اللہ میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی اور راہ راست کے قصد کا سوال کرتا ہوں۔ اور میں تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں۔ اور تجھ سے قلب سلیم اور سچی زبان مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ بھلائی چاہتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور معافی مانگتا ہوں ان گناہوں سے جن کو تو جانتا ہے۔ (احمد۔ نسائی)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے امت کی بھلائی کے لئے یہ دعا مانگی۔ کہ امت کے لوگ اس طرح دعا مانگا کریں۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کو یہ تمام بھلائیاں حاصل تھیں اور ایک دعا میں چند دعائیں ہیں۔

① راہ راست کے قصد سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ تو نے جو راہ راست عطا کیا ہے اس پر ہمیشہ چلا۔ اس راستہ سے میں ہٹ نہ جاؤں۔ اور راہ ہدایت کو میرے لئے لازم کر دے۔ ② نعمت کے شکر کی دعا۔ کیونکہ جس قدر نعمت کا شکر ہوگا اسی قدر نعمت میں اضافہ ہو گا۔ اور نعمت کا شکر ادا کرنا ایک عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نعمت کے شکر کا حکم دیا ہے اور ناشکری سے منع کیا ہے۔ ③ حسن عبادت کا سوال۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کو پورے شرائط آداب اور ارکان کی رعایت کے ساتھ ادا کرنا۔ ④ قلب سلیم کی دعا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دل جو برے عقائد، ضعیف خیالات، غلط نظریات اور خواہشات نفسانیہ کے تصورات سے پاک ہو۔ ⑤ سچی زبان کی دعا۔ کیونکہ سچ میں نجات ہے اور کذب میں ہلاکت اور لعنت ہے۔ ⑥ خیر کا سوال اور شر سے پناہ۔ ⑦ گناہوں کی معافی۔

ترکیب اور ترکیبی معنی: من خير ما تعلم ۔ میں ما۔ موصولہ۔ یا موصوفہ ہے اور عائد محذوف ہے۔ اور من۔ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ من۔ زائد ہے دوم یہ کہ من بیانیہ ہے۔ اور مبین محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اسالك شيئاً هو خير ما تعلم۔ معنی یہ ہوگا کہ میں تجھ سے اس اچھی چیز کا سوال کرتا ہوں جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ اچھی ہے۔ یعنی میں ایسی چیز کا سوال نہیں کرتا جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ اچھی ہے کیونکہ اس میں غلطی کا امکان ہے کہ بندہ ایک چیز کو اچھا سمجھے اور وہ حقیقت میں اچھی چیز نہ ہو۔ واعوذبك من شرماتعلم ۔ اس کی بھی یہی تشریح ہے

سلام پھیرنے کی کیفیت

(۱۸/۸۸۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيْمَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَمِيْلُ اِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ شَيْئًا ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢/ ٩٠ حديث رقم ٢٩٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سلام پھیرتے تھے سامنے کی طرف پھر تھوڑا رخ دائیں طرف کو پھیرتے۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں صرف ایک سلام پھیرتے تھے اور وہ بھی سامنے کی طرف۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نماز کے آخر میں ایک سلام ہے یا دو سلام ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دو سلام ہیں۔ ان کا استدلال ان تمام احادیث سے ہے جن میں دو سلاموں کا ذکر ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ دو سلام پھیرتے تھے۔ ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایک سلام ہے ان کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

آپ ﷺ ایک سلام پھیرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ ایک سلام پھیرتے تھے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کبھی آپ ﷺ کا رخ سامنے کی طرف ہوتا تھا کہ لفظ سلام کہہ دیتے تھے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک سلام بلند آواز سے ہوتا تھا اور دوسرا آہستہ آواز سے۔ بلند آواز والے سلام کو حضرت عائشہؓ نے ذکر کر دیا۔

سلام کا جواب

(۱۹/۸۸۳) وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ نَرُدَّ عَلَی الْاِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَاَنْ یُّسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۶۰۹حدیث رقم ۱۰۰۱۔وأخرجه ابن ماجه ۱/۲۹۷حدیث رقم ۹۲۲۔ فی المخطوطة "الرد"۔ فی المخطوطة "بالتسلیمة"۔

ترجمہ: حضرت سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں۔ ہم آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں۔ (ابوداود)

تشریح: اس حدیث میں تین مسائل بیان کیے گئے ہیں:

① ایک یہ کہ جب مقتدی سلام پھیرتا ہے تو وہ یہ نیت کرے کہ میں اپنے امام کے سلام کا جواب دے رہا ہوں وہ اس طرح کہ جو مقتدی امام کے دائیں طرف کھڑے ہوں تو وہ پہلے سلام میں دائیں طرف والے نمازیوں اور کراماً کاتبین فرشتوں کی نیت کریں اور جب بائیں جانب سلام پھیریں تو امام کے سلام کی نیت کریں۔ اور جو مقتدی امام کے بائیں جناب کھڑے ہوں تو وہ دائیں جانب والے سلام میں امام کی نیت کریں۔

② دوم یہ کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں۔ اخلاق حسنہ کا برتاؤ کریں۔ بغض عداوت کینہ اور حسد نہ کریں۔

③ سوم یہ کہ ہم نماز میں ایک دوسرے کے سلام کی نیت کریں۔ جدھر کو نمازی پھرے اس طرف کے لوگوں کی نیت کریں۔

بَابُ الذِّکْرِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ

نماز کے بعد کے ذکر کا بیان

اس باب میں نماز کے بعد کے اوراد و وظائف اور اذکار کا بیان ہے۔ اس باب میں ذکر کا لفظ سب کو شامل ہے۔

مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جن نمازوں میں فرض نماز کے بعد سنتیں ہیں۔ آیا فرض اور سنت کے درمیان کتنی دیر کا فاصلہ ہوسکتا ہے اور اوراد و اذکار وغیرہ کے لئے درمختار میں مذکور ہے کہ فرض نماز اور سنتوں کے درمیان فاصلہ کرنا مکروہ ہے۔ صرف اللّٰھم انت السلام...... کے بقدر فاصلہ کرنے کی اور بیٹھنے کی اجازت ہے۔ اور علامہ حلوائیؒ کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان ذکر کے لئے فاصلہ میں کوئی حرج نہیں ہے بظاہر ان دونوں کے اقوال میں تعارض ہے۔ اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے۔ اس صورت میں صاحب درمختار کے قول کے مطلب یہ ہے کہ فرض اور سنت کے درمیان اذکار اور وظائف کیلئے تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کوئی گناہ نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے۔ یعنی فاصلہ نہ کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح علامہ حلوائیؒ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ اوراد و اذکار اور وظائف کی وجہ سے فرض اور سنت کے درمیان کا فاصلہ اور تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ مناسب یہی ہے کہ تاخیر نہ کی جائے۔ لہٰذا دونوں بزرگوں کے قول میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

مَسْئَلہ: نماز کے بعد کے اذکار مستحبہ یہ ہیں:

❶ استغفر اللہ پڑھا جائے تین مرتبہ۔ ❷ آیۃ الکرسی ❸ سورۂ اخلاص۔سورۂ فلق۔سورۂ ناس۔ ❹ سبحان اللہ۔۳۳ مرتبہ۔الحمدللہ ۳۳ مرتبہ۔اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ۔ ❺ لا الٰہ الا اللہ ایک مرتبہ اور یا۔اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ اور ایک مرتبہ تہلیل۔سو مرتبہ ہو جائیگا۔

❻ آخر میں دعا کی جائے: سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين۔

مَسْئَلہ: جب جماعت کی نماز ہو جائے تو صفیں توڑ کر اور جگہ تبدیل کر کے نماز پڑھی جائے تا کہ آنے والا یہ نہ سمجھے کہ ابھی جماعت کی نماز ہو رہی ہے اور امام بھی اپنی جگہ تبدیل کر کے نماز پڑھے۔تا کہ مختلف جگہیں اس کی عبادت پر شاہد بن جائیں۔

مَسْئَلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کس طرف رخ کر کے ذکر وغیرہ کرے دائیں جانب یا بائیں جانب۔صحیح مذہب کے مطابق اسے اختیار ہے کہ جس طرح رخ کر کے نماز کے بعد ورد اور وظیفہ کرے اور بعض علماء کے نزدیک بائیں طرف رخ کر کے بیٹھے۔کیونکہ رسول اللہ بھی ایسا کرتے تھے۔مگر صحیح یہ ہے کہ حضورؐ سے تین طریقے ثابت ہیں اور تینوں جائز ہیں۔

سوال: اگر کوئی آدمی نماز کے بعد والے وظائف کو سنتوں کے بعد پڑھے کیا اس کو وہ فضیلت حاصل ہو جائے گی جو نماز کے بعد پڑھنے کی صورت میں ہے۔

جواب: اگر کوئی آدمی نماز کے بعد والے وظائف کو سنتوں کے بعد پڑھ لے تو اس کو وہ فضیلت حاصل ہو جائے گی جو نماز کے بعد پڑھنے کی صورت میں ہے یہ حدیث اس کے منافی نہیں ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک سنتوں کے بعد پڑھنا ہی زیادہ مناسب ہے۔اسی طرح مغرب کے بعد جن وظائف کے پڑھنے کا ذکر ہے اگر ان کو سنتوں کے بعد بھی پڑھا جائے تو وہی فضیلت ہے۔

الفصل الاول:

نماز کے آخر میں تکبیر کہنا

(۱/۸۸۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالتَّكْبِيْرِ . (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٣٢٥-حديث رقم ٨٤٢-ومسلم في صحيحه ١/٤١٠حديث رقم (١٢٠-٥٨٣) وأبوداؤد في السنن ١/٦٠٩حديث رقم ١٠٠٢-والنسائي ٣/٦٧حديث رقم ١٣٣٥-

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کو تکبیر سے معلوم کر لیتا تھا۔(بخاری،مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے آخر میں تکبیر ہوتی تھی۔اس کی مراد میں اختلاف ہے۔ایک قول کے مطابق یہاں تکبیر سے مراد مطلقاً ذکر ہے جیسے اس کی تائید بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں نماز کے اختتام پر ذکر مقرر تھا۔اور مذکورہ روایت میں اسی ذکر کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اس کی وجہ سے حضور ﷺ کی نماز کے اختتام کو جان لیتا تھا۔دوسرے قول کے مطابق تکبیر سے مراد وہ تسبیحات ہیں جو نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔دس دس مرتبہ۔یا تینتیس مرتبہ۔تیسرے قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نماز کے اختتام پر ایک مرتبہ یا تین مرتبہ تکبیر کہی جاتی تھی۔وہی مراد ہے۔ابن عباسؓ کے مذکور قول میں۔چوتھے قول کے مطابق یہ حدیث عام زمانہ سے متعلق نہیں ہے۔بلکہ ایام منیٰ کے ساتھ خاص ہے کہ وہاں تکبیرات تشریق کہی جاتی ہیں۔ان سے معلوم ہو جاتا تھا کہ نماز مکمل ہو گئی ہے۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ لفظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سے نماز کے اختتام کو نہ جانتے تھے۔ اور تکبیر سے جان لیتے تھے کہ نماز ختم ہو چکی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔؟

جواب: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عمر چھوٹی تھی امکان ہے کہ وہ دائما جماعت میں شامل نہ ہوتے ہوں۔ اس لئے ان کو تکبیر سے معلوم ہوتا تھا کہ نماز مکمل ہو چکی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ نماز میں تو شریک ہوتے ہوں گے لیکن آخری صف میں کھڑے ہوتے ہوں گے ممکن ہے کہ وہاں تک سلام کی آواز نہ پہنچتی ہو۔ مگر جب مقتدی تکبیر کہتے ہوں گے تو آپ کو نماز کے اختتام کا پتہ چل جاتا تھا۔

سوال: اس حدیث سے ذکر بالجہر ثابت ہو رہا ہے حالانکہ بخاری اور مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر بالجہر سے منع کیا ہے۔ کہ تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں پکار رہے۔

جواب: اس حدیث میں ذکر بالجہر تعلیم پر محمول ہے۔ یہی حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے لہٰذا کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کا نماز کے بعد اجتماع ذکر بالجہر پر بھی استدلال درست نہیں ہے۔

فرض نماز کے بعد بیٹھنے کی مقدار

(۲/۸۸۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ اِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱/٤١٤ حدیث رقم (۱۳٦۔۵۹۲)۔ وابو داوٗد فی السنن ۲/۱۷٦ حدیث رقم ۱۵۱۲ والترمذی فی السنن ۱/۹۵ حدیث رقم ۲۹۸۔ والنسائی ۳/٦۹ حدیث رقم ۱۳۳۸۔ وابن ماجه ۱/۲۹۸ حدیث رقم ۹۲٤ والدارمی ۱/۳۵۸ حدیث رقم ۱۳٤۷۔ فی المخطوطة "السلام"۔ فی المخطوطة "یعرفه" فی المخطوطة "فاحینا"۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تھے تو اس کے بعد صرف اس دعا کے بقدر بیٹھتے تھے۔ اللھم انت السلام الخ۔ اے اللہ تو سالم ہے تمام عیوب سے اور سلامتی تیری طرف سے ہے تو برکت والا ہے۔ اے بزرگی اور بخشش والے۔ (مسلم)

تشریح: حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد اس دعا کے بقدر ہی بیٹھتے تھے یہ ان نمازوں کے بارے میں ہے جن کے بعد سنتیں ہوتی ہیں۔ اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہوتیں جیسے نماز فجر۔ اس کے بعد حضور ﷺ طویل ذکر کرتے تھے۔ یا اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد حضور ﷺ نماز کی ہیئت اور حالت پر صرف اس دعا کی بقدر بیٹھتے تھے اس کے بعد حالت تبدیل کر لیتے تھے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اکثر اس قدر بیٹھتے تھے اس دعا میں بعض لوگ۔ والیك یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

(۳/۸۸٦) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱/٤١٤ حدیث رقم (۱۳۵۔۵۹۱)۔ والدارمی ۱/۳۵۸ حدیث رقم ۱۳٤۸۔ واحمد فی المسند ۵/۲۷۵۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہو جاتے تو تین مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ اور پھر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔

فرض نماز کے بعد کی دُعا

(٤/٨٨٧)وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣٢٥/٢ حديث رقم ٨٤٤۔ومسلم في صحيحه ٣٤٧/١ حديث رقم(٢٠٥۔٤٧٧)۔وأبو داوٗد في السنن ١٧٢/٢ حديث رقم ١٥٠٥۔والترمذي ٩٦/٢ حديث رقم ٢٩٩۔والنسائي في السنن ٧٠/٣ حديث رقم ١٣٤١۔وابن ماجه ٢٨٤/١ حديث رقم ١٣٤٩ والدارمي ٣٥٩/١ حديث رقم ١٣٤٩۔وأحمد في المسند ١٧/٣۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔لا الٰہ الا اللہ ......۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اے اللہ جو چیز تو نے عطا کی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو نے روکا ہے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور مال دار کو اس کا مال تیرے عذاب سے بچانے والا نہیں ہے۔(بخاری، مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کبھی تو فرض نماز کے بعد فی الفور چلے جاتے تھے کچھ پڑھے بغیر۔اور کبھی کچھ پڑھتے تھے۔اور کبھی مختصر ذکر کرتے تھے اور کبھی طویل ذکر کرتے تھے۔یہ صورتیں جائز ہیں۔بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے استغفار کی جائے اس کے بعد اللھم انت السلام...... ۔یہ دعا پڑھی جائے اس کے بعد مذکورہ حدیث میں بیان کردہ دعا۔لا الہ الا اللہ...... ۔یہ پڑھی جائے۔اور ان کے علاوہ بھی بہت سے اذکار احادیث میں منقول ہیں۔سب جائز ہیں جس قدر ہمت ہو پڑھنے چاہئے۔اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر ان وظائف اور دعاؤں کو سنتوں کے بعد پڑھا جائے تو یہ فرض کے بعد والی حدیث کے منافی نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔

(٥/٨٨٨)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤١٦/١ حديث رقم (١٣٩۔٥٩٤)۔وأبوداوٗد ١٧٣/٢ حديث رقم ١٥٠٦ والنسائي ٧/٣ حديث رقم ١٣٤٠۔وأحمد في المسند ٥/٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھتے تھے۔لا الٰہ الا اللہ......۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔بادشاہت اسی کے لئے ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے۔اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اور گناہوں سے باز رہنے اور نیکی کرنے کی قوت صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے۔اللہ ہی کی طرف سے نعمت ہے۔اور اللہ ہی کے لئے بزرگی ہے۔اور ہر قسم کی اچھی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہم خالص اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔اگرچہ کافر اس کو برا سمجھیں۔(مسلم)

تشریح: اس مسئلہ میں تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ ان جیسی دعاؤں کو آہستہ پڑھنا افضل ہے اور جن احادیث میں جہراً پڑھنے کا ذکر ہے وہ تعلیم پر محمول ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو سکھانے کے لئے بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ورنہ اصول یہ ہے کہ آہستہ پڑھا جائے چاہے امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو۔

نماز کے بعد جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی

(۶/۸۸۹)وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ١١/١٧٤۔حديث رقم ٦٣٦٤۔ومسلم٤/٢٠٨٠حديث رقم (٥٢۔٢٧٠٦)۔والترمذي في السنن ٥/٥٣٥حديث رقم ٣٥٦٧۔والنسائي ٨/٢٧١حديث رقم ٥٤٩٦۔وابن ماجه ٢/١٢٦٣حديث رقم ٣٨٤٤۔وأحمد في المسند ١/١٨٦۔ في المخطوطة "في"۔

ترجمہ: حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کلمات کے ساتھ پناہ مانگتے تھے۔اللھم انی اعوذ......اے اللہ میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔اور بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔گھٹیا عمر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔(بخاری)

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پانچ چیزوں سے نماز کے بعد پناہ مانگتے تھے۔

① جبن۔یعنی بزدلی سے اس کے مقابلے میں شجاعت ہے۔ ② بخل۔اس سے مراد یہ ہے کہ مالی حقوق ادا نہ کیے جائیں۔
③ ارذل العمر۔اس سے بھی پناہ مانگی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی عمر اتنی زیادہ ہو جائے کہ عقل میں خلل واقع ہو جائے جسمانی اعضاء میں کمزوری پیدا ہو جائے اور تمام قوتیں مفلوج ہو جائیں۔
④ دنیا کا فتنہ۔اس سے مراد مصائب،مشکلات،آفات،بلیات،حوادثات،اور امراض وغیرہ ہیں۔
⑤ عذاب قبر۔سے بھی پناہ مانگی گئی ہے

نماز کے بعد تسبیح

(۷/۸۹۰)وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُوْنَ وَلَانُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَاصَنَعْتُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتَحْمِدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُوْصَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ متفق عليه وَلَيْسَ قَوْلُ اَبِيْ صَالِحٍ اِلَى الْاٰخِرِ اِلَّا عِنْدَ مسلم وَفِي البخاري تُسَبِّحُوْنَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتَحْمِدُوْنَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُوْنَ عَشْرًا بَدَلَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ لِلْبُخَارِيِّ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٣٢٥۔حديث رقم ٨٤٣ ومسلم ١/٤١٦حديث رقم (١٤٢۔٥٩٥)۔والنسائي ٣/٧٨رقم ١٣٥٣۔وابن ماجه ١/٢٩٩حديث رقم ٩٢٧۔والدارمي ١/٣٦٠حديث رقم ١٣٥٣۔وأحمد في المسند٥/١٩٦۔ في المخطوطة "أما"۔ في المخطوطة "الشاكر"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ فقراء مہاجرین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ دولت مند لوگ بلند درجات اور دائمی نعمت کو حاصل کرنے میں ہم سے سبقت کر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ کس طرح؟ انہوں نے عرض کیا وہ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ اسی طرح روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں اور وہ مال دار ہونے کی وجہ سے صدقات وخیرات کرتے ہیں اور ہم صدقہ خیرات نہیں کر سکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ وہ ان اعمال کے مستحق ہو جاتے ہیں یعنی ثواب کے اور ہم محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم لوگوں کو ایسی بات نہ بتا دوں کہ اس پر عمل کر کے تم ان لوگوں کے درجات کو پہنچ جاؤ گے جو تم سے پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ اور ان لوگوں کے درجات سے بڑھ جاؤ گے جو تمہارے بعد پیدا ہوں گے۔ اور کوئی آدمی تم سے اچھا نہیں ہوگا سوائے اس آدمی کے جو تمہارے جیسا عمل کریں۔ فقراء مہاجرین نے عرض کیا بہتر ہے اے اللہ کے رسول ﷺ فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ ہر نماز کے بعد۔ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ۔ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ۔ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ۔ پڑھا کرو اس حدیث کے ایک راوی حضرت ابوصالح فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد پھر فقراء مہاجرین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ ہمارے دولت مند بھائیوں نے ہمارے عمل کا حال سنا تو ہمارے عمل جیسا عمل کرنا شروع کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے اپنا فضل عطا کرے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اور اس روایت کے آخری الفاظ ابوصالح کا قول ہے صرف امام مسلم نے نقل کیا ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ۳۳ مرتبہ پڑھنے کے بجائے یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد ان تسبیحات کو دس دس مرتبہ پڑھا کرو۔

اس حدیث میں تین تسبیحات کو جو ۳۳ مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے اس میں تین احتمالات ہیں۔

① ان تین تسبیحات میں سے ہر تسبیح کو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا جائے تو تینوں کی تعداد مجموعی اعتبار سے ۳۳ ہوگئی۔

② ان تین تسبیحات میں سے ہر ایک کو ۳۳ مرتبہ پڑھا جائے یہی افضل ہے اور اسی پر مشائخ کا عمل ہے۔

③ ان تینوں تسبیحات کو ملا کر ۳۳ مرتبہ پڑھا جائے۔ اور یہ احتمال مآل کے اعتبار سے احتمال ثانی کو ہی مستلزم ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ ......:

مال و دولت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ کی مرضی وہ جس کو چاہے اپنے فضل سے نوازے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اس معاملہ میں صبر سے کام لے اور اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر راضی ہو جائے اس نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شکر گزار مال دار صابر غریب سے افضل ہے ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ صاحب ثروت دولت کے معاملہ میں مختلف قسم کے گناہوں کے خطرات سے مامون نہیں ہوتا۔ جبکہ فقیر اس سے امن میں ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں ارشاد فرماتے ہیں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ کے نزدیک فقیر کی فضیلت زیادہ ہے۔ اور ابن عطاء کے نزدیک دولت مند جو مالی حقوق پورے ادا کرے وہ صابر فقیر سے افضل ہے۔

(۸/۸۹۱) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَاَرْبَعٌ وَثَلَاثُوْنَ تَكْبِيْرَةً ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۴۱۸ حديث رقم (۱۴۵ ـ ۵۹۶)۔ والنسائي ۳/ ۷۵ حديث رقم ۱۳۴۹۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کے چند کلمات ہیں جن کا کہنے والا یا فرمایا کہ کرنے والا محروم نہیں ہوتا اور وہ کلمات یہ ہیں۔ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ۔ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ۔ اللہ

اکبر ۳۴ مرتبہ۔ (مسلم)

(۹/۸۹۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ وَحَمِدَاللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ وَكَبَّرَاللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ غُفِرَتْ خَطَایَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۱۸ حدیث رقم (۱۴۶-۵۹۷)۔ والترمذی ۵/۴۷۸ حدیث رقم ۳۴۶۶۔ والنسائی ۳/۷۹ حدیث رقم ۱۳۵۴۔ ومالك فی الموطأ ۱/۲۱۱ حدیث رقم ۲۲ من كتاب القرآن ۔ وأحمد فی المسند ۲/۳۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی ہر نماز کے بعد۔ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ۔ الحمدللہ ۳۳ مرتبہ۔ اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ جن کی مجموعی تعداد ۹۹ ہے اور سو کے عدد کو پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ پڑھا جائے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (مسلم)

تشریح: مذکورہ حدیث میں بعض طرق کے اندر۔ وله الحمد کے بعد یحی ویمیت۔ اور بعض میں بیده الخیر کے الفاظ بھی مذکور ہیں۔ اور ان کلمات کی تعداد مختلف احادیث میں مختلف مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی مختلف تھا۔ حافظ زین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ اعداد بہتر ہیں جو عدد سب سے بڑا ہو گا اتنا ہی اللہ کو محبوب ہو گا۔

سوال: اب تسبیحات کو کس طرح پڑھا جائے۔ یعنی عدد کو شمار کرنے کے لئے کون سی چیز استعمال کی جائے۔

جواب: رسول اللہ ﷺ ان کو انگلیوں پر پڑھتے تھے اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی انگلیوں پر پڑھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ قیامت کے دن انگلیوں سے سوال کیا جائے گا اور ان کو بولنے کے لئے قوت گویائی عطا کی جائے گی۔ اور بعض صحابہ کرام ان کو کھجور کی گٹھلیوں پر پڑھتے تھے مگر ہاتھوں کی انگلیوں پر پڑھنا افضل ہے۔

الفصل الثانی:

قبولیت دعا کا وقت

(۱۰/۸۹۳) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۴۹۲ حدیث رقم ۳۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سحری کے وقت اور فرض نمازوں کے بعد۔ (ترمذی)

ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم

(۱۱/۸۹۴) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلَاةٍ۔

(رواہ احمد وابوداود والنسائی والبیہقی فی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱۸۱/۲ حدیث رقم ۱۵۲۳۔ والترمذی ۱۵۷/۵ حدیث رقم ۲۹۰۳۔ والنسائی فی السنن ۶۸/۳ حدیث رقم ۱۳۳۶۔ وأحمد فی المسند ۱۵۵/۴۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھوں۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی) امام بیہقیؒ نے اس کو دعوات کبیر میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث میں معوذات کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے

سوال: معوذات سے مراد سورۂ فلق اور سورۂ ناس ہیں اور ان دونوں کے لئے تثنیہ کا صیغہ ذکر کرنا چاہئے تھا اور معوذات جمع کا صیغہ ہے۔

جواب: معوذات۔ جمع کا صیغہ باعتبار اقل عدد کے ذکر کیا گیا ہے کہ جمع کی کم از کم مقدار دو ہے یا معوذات جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے بطور تغلیب کے۔ مراد اس سے چار سورتیں ہیں۔ سورۃ فلق۔ سورۃ ناس۔ سورۃ اخلاص۔ سورۃ الکافرون۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

طلوع اور غروب کے وقت ذکر کی فضیلت

(۱۲/۸۹۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِنْ وَلَدِ اِسْمَاعِیْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِلٰی اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۷۳/۴ حدیث رقم ۳۶۶۷۔ في المخطوطة "لقربه"۔ في المخطوطة "في غيره"۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک ایسی جماعت کا میرے ساتھ بیٹھنا جو نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے میرے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ایسے لوگوں میں میرا بیٹھنا جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں پہلے چار غلاموں کو مقید کر کے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام ان کو آزاد کرنے کی زیادہ فضیلت ہے کیونکہ یہ افضل العرب ہیں۔ اور دوسرے چار غلام مطلق ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس سے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام ہیں گویا کہ یہ صنعت اکتفائی ہے۔ دوسرے قول کے مطابق مطلقاً چار غلام ہیں چاہے کوئی بھی ہوں۔

(۱۳/۸۹۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلَّی الْفَجْرَ فِیْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ یَذْکُرُ اللّٰهَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ کَانَتْ لَهٗ کَاَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۴۸۰/۲ حدیث رقم ۵۸۶۔ في المخطوطة "تكريره"۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اور سورج طلوع ہونے تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ تو اس کو حج اور عمرہ کے برابر ثواب ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پورے حج وعمرہ کا۔ پورے حج وعمرہ کا۔ پورے حج وعمرہ کا۔ (ترمذی)

تشریح: جو نمازی نماز پڑھنے کے بعد اسی جگہ پر مسجد میں اور اسی جگہ میں بیٹھے اور مسلسل اللہ تعالیٰ کا ذکر میں مشغول رہے اور اس

کے بعد اشراق کی دو رکعتیں پڑھے اس کو مکمل ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور چند دیگر افراد بھی اس ثواب میں شامل ہوں گے۔
① جو آدمی طواف کیلئے ذکر کی حالت میں اٹھ کر جائے۔ ② علم طلب کرنے کے لئے ذکر کے ساتھ کوئی اس جگہ سے اٹھے۔
③ مسجد سے اٹھ کر وعظ کہنے کے لئے جائے۔ ④ یا کوئی اٹھ کر گھر چلا جائے اور مسلسل ذکر میں مشغول رہے۔

الفصل الثالث:

دو نمازوں کے درمیان وقفہ کا حکم

(۱۴/۸۹۷)وَعَنِ الْاَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَّنَا يُكْنٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ اَوْمِثْلَ هٰذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ صَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِيْ اَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهٗ ثُمَّ قَالَ اِجْلِسْ فَاِنَّهٗ لَنْ يُهْلِكَ اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلَاتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ بَصَرَهٗ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه ابوداوٗد في السنن ١/ ٦١١ حديث رقم ١٠٠٧۔ في الأصل "لن" والتصحيح من السنن۔ في المخطوطة "جاز"۔

ترجمہ: حضرت ازرق بن قیس فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمیں ہمارے امام جن کی کنیت ابورمثہ تھی نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ نماز یا اس کے مثل نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی حضرت ابورمثہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی دائیں طرف پہلی صف میں کھڑے تھے۔ایک آدمی آ کر نماز کی تکبیر اولیٰ میں شریک ہوا۔رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی اور دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا ہم نے آپ ﷺ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی۔ پھر آپ ﷺ پھر کر بیٹھ گئے جس طرح ابورمثہ یعنی میں پھر کر بیٹھ گیا۔وہ آدمی جو تکبیر اولیٰ میں شریک تھا کھڑا ہو گیا اور دو رکعت نماز پڑھنے لگا۔حضرت عمرؓ اسے دیکھ کر فوراً اٹھے اور اس آدمی کے دونوں کندھوں کو پکڑ کر حرکت دی اور فرمایا بیٹھ جاؤ۔کیونکہ اہل کتاب اسی لئے ہلاکت کی وادی میں جا گرے کہ وہ اپنی نمازوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔اور حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگاہ مبارک اوپر اٹھائی۔اور ارشاد فرمایا اے خطاب کے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تمہیں راہ حق پر پہنچا دیا۔(ابوداؤد)

تشریح: حضرت ابورمثہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو نماز پڑھی ہے وہ ظہر یا عصر کی نماز تھی۔او مثل هذه..... یہاں لفظ۔او۔راوی کے شک کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔یعنی اس حدیث کے راوی کو شک ہو گیا کہ حضرت ابورمثہؓ نے هذه الصلوٰة فرمایا۔یا مثل هذه...... ۔فرمایا۔اور بعد میں ایک آدمی آ کر جماعت کی نماز میں شریک ہوا۔اس کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ وہ آدمی تکبیر اولیٰ کے ساتھ شریک ہوا۔یہ قید اس لئے لگائی ہے تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ شاید وہ آدمی مسبوق ہو۔اور اپنی باقی نماز مکمل کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔بلکہ وہ آدمی شروع سے جماعت کے ساتھ شریک ہوا۔اور وہ سلام کے فوراً بعد سنت مؤکدہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔اور اس حدیث میں دو نمازوں کے درمیان فرق کرنے کا حکم ہے اور فرق کرنے کی چند صورتیں ہیں: (۱) ایک صورت یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے ساتھ فرق کیا جائے۔(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جگہ تبدیل کر کے فرق کیا جائے۔جیسے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ ایک نماز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دوسری نماز کے لئے تھوڑا آگے ہو جاؤ یا پیچھے ہٹ جاؤ۔یا دائیں طرف کو ہو جاؤ یا بائیں طرف کو ہو جاؤ۔(۳) گفتگو اور کلام کرنے کے ساتھ دو نمازوں میں فرق کیا جائے۔(۴) مسجد سے نکلنے کے ساتھ فرق کیا

جائے۔اس کی تائید مسلم میں حضرت سائب بن یزیدؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔

نماز کے بعد کی تسبیح

(۱۵/۸۹۸)وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نُسَبِّحَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنَحْمِدُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ فَاُتِيَ رَجُلٌ فِي الْمَنَامِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقِيْلَ لَهُ اَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تُسَبِّحُوْا فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْاَنْصَارِيُّ فِيْ مَنَامِهِ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوْا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَافْعَلُوْا۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

أخرجه النسائي في السنن ٧٦/٣حديث رقم ١٣٥٠۔والدارمي ٣٦٠/١حديث رقم ١٣٥٤۔وأحمد في المسند ١٨٤/٥۔ في المخطوطة "كذا"۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر نماز کے بعد۔سبحان اللہ ۳۳ بار۔الحمد للہ ۳۳ بار۔اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھیں۔ایک انصاری صحابی نے ایک فرشتہ کو خواب میں دیکھا۔فرشتہ نے اس انصاری سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے بعد اتنی اور اتنی تسبیح پڑھو۔اس انصاری نے کہا ہاں۔فرشتہ نے کہا ان تینوں کی تعداد پچیس پچیس مقرر کرو۔اور اس کے ساتھ لا الہ الا اللہ بھی پچیس مرتبہ مقرر کرلو۔تا کہ سو کا عدد پورا ہو جائے۔صبح کے وقت اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بتایا۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر عمل کرو۔(احمد۔نسائی۔دارمی)

تشریح: اس حدیث کے آخر میں جو ذکر کیا گیا ہے فافعلوا اس کی مراد میں دو احتمال ہیں۔ایک یہ کہ جس طرح تمہیں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق عمل کرو۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ جس طرح فرشتہ نے بتایا ہے اس پر عمل کرو۔اگر یہ سوال ذہن میں آئے کہ خواب میں جو نظر آئے وہ قابل حجت نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ فی الواقع خواب قابل حجت اور قابل استدلال نہیں ہوتا مگر اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کی تصدیق حاصل ہے اس وجہ سے قابل حجت ہے۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت

(۱۶/۸۹۹)وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَعْوَادِ هٰذَا الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَهَا حِيْنَ يَاْخُذُ مَضْجَعَهُ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰى دَارِهِ وَدَارِ جَارِهِ وَاَهْلِ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهُ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال اسنادہ ضعیف)

رواه البيهقي في شعب الايمان ٤٥٨/٢حديث رقم ٢٣٩٥۔ في المخطوطة "حقيقة"۔ في المخطوطة "الحسان"۔ في المخطوطة "هي"۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو لکڑی کے اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اس کو جنت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔اور جو آدمی سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں اور اس کے ہمسایہ کے گھر میں اور اس کے گرد و پیش چند اور گھروں میں امن دیتا ہے۔(بیہقی) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی روایت کمزور ہے۔

تشریح: یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر فضائل اعمال کے اندر ضعیف حدیث سے بھی گزارہ ہو جاتا ہے بعض دیگر روایات میں آیۃ الکرسی کے ساتھ سورۂ اخلاص کا بھی ذکر ہے۔

سوال: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس آدمی اور دخول جنت کے درمیان مانع موت ہے حالانکہ موت تو مانع نہیں ہے بلکہ حقیقت میں حیات مانع ہے کیونکہ زندہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔

جواب: اصل میں اس سے مقصد یہ ہے کہ آدمی اور جنت کے درمیان ایک حجاب ہے ایک جانب جنت ہے دوسری جانب حیات ہے۔ درمیان میں موت کا پردہ حائل ہے۔ جب یہ پردہ ہٹ جائے گا تو یہ آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے موت کو مؤمن کے حق میں تحفہ کہا گیا ہے اور یہ ایک پل ہے جو محبوب کو محبوب تک پہنچاتا ہے۔

فجر اور مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت

(۹۰۰/۱۷)وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ يَنْصَرِفَ وَيَثْنِيَ رِجْلَيْهِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَمَرَّاتٍ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكَانَتْ لَهٗ حِرْزًامِنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ وَحِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِلذَّنْبِ اَنْ يُدْرِكَهٗ اِلَّاالشِّرْكُ وَكَانَ مِنَ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلاً اِلَّارَجُلاً يَفْضُلُهٗ يَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ (رواہ احمدو روى الترمذی) نحوہ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ اِلٰى قَوْلِهٖ اِلَّا الشِّرْكُ وَلَمْ يَذْكُرْصَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَقَالَ هٰذاحديث حسن صحيح غريب۔

اخرجه أحمد فى المسند ٤/٢٢٧۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جو آدمی فجر اور مغرب کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے قبل اور اپنے پاؤں موڑنے سے پہلے ان کلمات کو پڑھے۔لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد بيده الخير وهو علي كل شيءٍ قدير۔تو اس کے لئے ہر مرتبہ کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔اور اس کے دس گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔اور یہ کلمات اس آدمی کے لئے ہر شر سے اور شیطان مردود سے امن کا ذریعہ ہوتے ہیں۔اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ اسے ہلاکت میں نہیں ڈالتا ہے اور وہ آدمی عمل کے اعتبار سے سب لوگوں میں سے بہتر ہو گا۔سوائے اس آدمی کے جو اس سے زیادہ افضل عمل کرے (احمد) اس روایت کو امام ترمذیؒ نے بھی حضرت ابوذرؓ سے صرف۔الا الشرك۔تک نقل کیا ہے۔اور ان کی روایت میں صلوٰة المغرب اور بيده الخير کے الفاظ بھی منقول نہیں ہیں۔اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

فجر کے بعد ذکر کی فضیلت

(۹۰۱/۱۸)وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوْا غَنَائِمَ كَثِيْرَةً وَاَسْرَعُوا الرَّجْعَةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَّا لَمْ يَخْرُجْ مَا رَاَيْنَا بَعْثًا اَسْرَعَ رَجْعَةً وَلَا اَفْضَلَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى قَوْمٍ اَفْضَلَ غَنِيْمَةً وَاَفْضَلَ رَجْعَةً قَوْمًا شَهِدُوْا صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاُولٰئِكَ اَسْرَعُ رَجْعَةً وَاَفْضَلُ غَنِيْمَةً۔

(رواه الترمذى وَقَالَ هٰذاحديث غريب وَحَمَّادُ ابْنُ اَبِىْ حُمَيْدٍ الرَّاوِى هو ضعيف فى الحديث)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٢٢ حديث رقم ٣٤٧٣۔في المخطوطة هذه العبارة موقعها بعد كلمة "صفة رجل"۔ في المخطوطة "قوره"۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر نجد کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ وہ لشکر بہت زیادہ مال غنیمت لے کر جلدی واپس لوٹ آیا۔ ہم میں سے ایک آدمی نے جو لشکر کے ساتھ نہیں گیا تھا کہا کہ ہم نے تو ایسا کوئی لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر کی طرح اتنا جلدی واپس آیا ہو۔ اور اپنے ساتھ اتنا زیادہ مال غنیمت بھی لایا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی جماعت کے بارے میں نہ بتاؤں جو مال غنیمت میں بھی اور جلدی واپس آنے میں بھی اس لشکر سے بڑھ کر ہے۔ وہ جماعت وہ ہے جو فجر کی نماز میں حاضر ہوئی ہو اور بھی طلوع آفتاب تک اپنی جگہ بیٹھ کر ذکر میں مشغول رہی ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جلدی واپس آنے اور مال غنیمت لانے میں ان سے افضل ہیں۔ (ترمذی) اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی حماد بن ابوحمید ضعیف ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھ کر ذکر کرنے والوں کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے پہلا لشکر وہ مال لے کر آیا ہے جو فانی ہے اور اس جماعت ثانیہ نے تھوڑی دیر میں بہت ثواب حاصل کر لیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ "تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے اور جماعت ثانیہ نے ثواب بھی زیادہ حاصل کیا اور وقت بھی تھوڑا صرف ہوا۔

بَابُ مَالَا يَجُوْزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلٰوةِ وَمَايُبَاحُ مِنْهُ

نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان

اس باب میں ایسے امور اور اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن کو نماز میں کرنا جائز ہے اور جن کو نماز میں کرنا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے یا مستحب ہے اور یا مباح ہے۔

الفصل الاول:

چھینک کے جواب سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

(۱/۹۰۲) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ بَيْنَا اَنَا اُصَلِّي مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذَاعَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَاشَانُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِيْ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَبِاَبِيْ هُوَ وَاُمِّيْ مَارَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَابَعْدَهٗ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَاشَتَمَنِيْ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْكَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْجَاءَ نَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهٗ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ

يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ رواه مسلم قَوْلُهٗ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُّ فِيْ صَحِيْحِ مسلم و كتاب الحميدى و صحح فِيْ جامع الْاُصُوْلِ بِلَفْظَةِ كَذَا فَوْقَ لكنى۔

أخرجه مسلم في صحيحه ۳۸۱/۱ حديث رقم (۳۳۔۵۳۷)۔ وأبوداؤد في السنن ۵۷۰/۱ حديث رقم ۹۳۰ والنسائي ۱۴/۳ حديث رقم ۹۳۰۔ وأحمد في المسند ۵۴۷/۵۔ في المخطوطة زيادة عبارة "فلاتكن في قوله تعالى"۔ في المخطوطة "صلى"۔ في المخطوطة "وقيل"۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکمؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اچانک ایک آدمی کو چھینک آ گئی۔ میں نے یرحمک اللہ کہا۔ لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا۔ میں نے کہا کہ تمہاری ماں تمہیں گم کر دے۔ تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو۔ لوگوں نے اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے شروع کیے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں خاموش رہا جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' میں نے ایسا اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ ہی بعد میں دیکھا۔ اللہ کی قسم نہ تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ ہی مجھے برا کہا' فرمایا کہ نماز میں انسان کا کلام مناسب نہیں ہے۔ نماز تو تسبیح تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے یا آپ ﷺ نے اس کے مثل کچھ اور فرمایا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ میں ایک نو مسلم ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے بہت لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے پاس ہرگز نہ جایا کرو۔ میں نے عرض کیا ہم میں سے بہت لوگ بدفالی لیتے ہیں۔ فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔ انہیں اپنے کام سے رکنا نہیں چاہئے۔ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ وہ غیب کی کچھ باتیں بتاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہٰذا جس آدمی کا خط کھینچنا اس نبی کے خط کے موافق ہو جائے وہ اس بات کو حاصل کر لیتا ہے۔ (مسلم)

صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ۔ لکنی سکت۔ کو صحیح مسلم اور حمیدی کی کتاب میں اسی طرح دیکھا ہے۔ صاحب جامع الاصول نے لکنی کے اوپر لفظ کذا لکھ کر اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تشریح: بظاہر اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نماز میں چھینک مار دی اور اس کے جواب میں کسی نے یرحمک اللہ کہہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ صیغہ خطاب کی وجہ سے یہ کلام الناس میں سے ہے اور جواب ہے اور کلام الناس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت معاویہ بن حکمؓ نے چھینک کا جواب دے دیا تھا۔ حضرت علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں یرحمک اللہ کہنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں کاف حرف خطاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر یرحمہ اللہ کہہ دیا تو نماز فاسد نہیں ہو گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلام الناس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کلام الناس سے مراد وہ کلام ہے جس میں خطاب ہو یا خود مخاطب بننے کا ارادہ کیا گیا ہو۔ یا جواب ہو۔ اگر چہ قرآن ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی آدمی کسی سے سوال کرے جو کہ نماز میں ہو۔ کہ تمہارے پاس کیا ہے اور کس قسم کا مال ہے اور وہ نماز میں جواب دے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ الخيل و البغال والحمير۔ تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ یا سامنے ایک کتاب تھی اور یحیٰی نام کا آدمی وہاں کھڑا تھا اس کو اس آیت قرآنی کے ساتھ خطاب کیا۔ يٰيحيٰى خذ الكتاب۔ تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ پہلی صورت میں سوال کا جواب ہے۔ اور دوسری صورت میں غیر کو خطاب ہے تو کلام الناس کے مشابہ ہو گیا۔ اسی کو اگر بطور قراءت پڑھا جائے گا تو نماز صحیح ہو جائے گی۔

سوال: اگر چھینک کا جواب دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ کو نماز کے اعادہ کا حکم کیوں نہیں دیا۔

جواب: چونکہ وہ نو مسلم تھے۔ اس لئے وہ نماز کے مسائل سے ناواقف تھے۔ اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہے۔ اس

ناواقفیت کی وجہ سے آپ نے ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

کاہن: اس حدیث میں کاہن کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے کاہن کی تعریف کو معلوم کرنا ضروری ہے۔ کاہن وہ ہے جو جنات، شیطان اور ارواح خبیثہ کے ساتھ خصوصی تعلق رکھے۔ شیاطین سے جھوٹ سچ کی خبریں معلوم کر کے علم غیب کا دعویٰ کرے اور لوگوں کو غیب کی باتیں بتائے۔ ایسے لوگوں کے پاس جانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے قرآن کا کفر کیا۔

علم رمل: اس حدیث میں رمل کا ذکر کیا گیا ہے۔ رمل اس علم کو کہتے ہیں جس میں خط کھینچ کر اس کے ذریعہ سے حساب لگا کر پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جب حضرت معاویہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا ایک نبی کو رمل کا علم آتا تھا۔ جس کا خط اس کے خطوط کے موافق ہو گیا تو درست ورنہ صحیح نہیں ہے۔

سوال: رسول اللہ ﷺ کے جواب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس عمل کی اجازت دی ہے۔ حالانکہ فی الواقع رمل کی اجازت شریعت میں نہیں ہے۔

جواب: رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً علم رمل کی تردید نہیں کی کیونکہ اگر صراحۃً تردید کی جاتی تو اس کی زد میں وہ نبی بھی آ سکتے تھے۔ اور اس نبی کو یہ علم بطور معجزہ کے من جانب اللہ حاصل تھا۔ آپ ﷺ نے حکیمانہ انداز سے ایسا ضابطہ بیان کر دیا جس سے اس عمل کی ممانعت بھی معلوم ہو گئی اور اس نبی کے حق میں بے ادبی بھی نہ ہوئی۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تعلیق بالمحال کے طور پر اس سے روکا ہے کہ جس آدمی کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہوا تو وہی صحیح ہوگا۔ اور یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہے کیونکہ وہ اس نبی کا معجزہ تھا۔

محدثین کی احتیاط: محدثین کے نزدیک قانون ہے کہ جب کسی کلمہ کے بارے میں شک ہو جائے اور محدثین اس کی صحت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہوں تو وہ اس کلمہ کے اوپر بطور علامت کے لفظ ۔کذا۔ لکھ دیتے تھے۔ اس حدیث میں ۔لکنی۔ کا لفظ مسلم اور حمیدی کی کتاب میں تھا۔ مگر مصابیح میں یہ لفظ نہیں تھا تو صاحب جامع الاصول نے ۔لکنی۔ کے اوپر ۔کذا۔ لکھ دیا۔ یعنی اس لفظ کی صحت کی طرف اشارہ کر دیا۔ سبحان اللہ کس قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے حدیث کو جمع کرنے میں اور نقل کرنے میں۔

نماز میں سلام کا جواب دینے کا حکم

(۲/۹۰۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلَاةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۸۸/۷۔حدیث رقم ۳۸۷۵۔ومسلم فی صحیحه ۳۸۲/۱حدیث رقم (۳۴۔۵۳۸) وابوداؤد فی السنن ۵۶۷/۱حدیث رقم ۹۲۳۔وأخرجه ابن ماجه ۳۲۵/۱حدیث رقم ۱۰۱۸۔واحمد فی المسند ۳۷۶/۱۔ فی المخطوطة "بالرد"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہوتے اور ہم آپ کو سلام کرتے تو آپ ﷺ ہمیں سلام کا جواب دیتے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ ﷺ کو نماز میں سلام کرتے تھے۔ اور

آپ ﷺ جواب دے دیتے تھے۔ آج آپ ﷺ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز خود ایک کام ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی تھا۔ اور نام اصحمہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت عیسائی تھا۔ جب اس کو تورات اور انجیل کے علم کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی حقانیت معلوم ہوگئی تو اس نے ایمان قبول کر لیا۔ ۹ھ میں اس کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ جب مسلمانوں کو مکہ میں بہت اذیت اور تکلیف دی گئی تو اکثر صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ چنانچہ ان مہاجرین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے ہیں تو یہ لوگ بھی حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اسی واقعہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مدینہ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے حسب معمول سلام کیا اور آپ ﷺ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کلام فی الصلوٰۃ کا جواز منسوخ ہوگیا ہے اور اس کے لئے ناسخ۔ قوموا للہ قانتین والی آیت ہے حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے نماز میں کلام کرتے تھے اس آیت کے نزول کے بعد ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ ہاں البتہ اگر کوئی نماز میں سر یا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دے دے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی البتہ مکروہ ضرور ہے

نماز میں زمین کو ہموار کرنا

(۳/۹۰۴) وَعَنْ مُعَيْقِيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ اِنْ كُنْتَ فَاعِلاً فَوَاحِدَةً ۔ (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۷۹۔ حدیث رقم ۱۲۰۷۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۳۸۸ حدیث رقم (۴۹۔۵۴۶)۔

ترجمہ: حضرت معیقیبؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا۔ کہ میں سجدہ کی جگہ سے مٹی برابر کرتا ہوں اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ضروری ہو تو ایک مرتبہ ایسا کر لیا کرو۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: شرح منیہ میں مذکور ہے کہ نماز کی حالت میں سجدہ والی جگہ سے کنکر ہٹانا یا جگہ برابر کرنا مکروہ ہے۔ ہاں البتہ اگر اس کے بغیر سجدہ کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو پھر ایک یا دو مرتبہ ایسا کیا جا سکتا ہے اس سے زیادہ درست نہیں۔

نماز میں خصر منع ہے

(۴/۹۰۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلٰوةِ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۸۸۔ حدیث رقم ۱۲۲۰۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۳۸۷ حدیث رقم (۴۶۔۵۴۵) وأبو داوٗد فی السنن ۱/۵۸۲ حدیث رقم ۹۴۷۔ والترمذی ۲/۲۲۳ حدیث رقم ۳۸۳۔ والنسائی ۲/۱۲۷ حدیث رقم ۸۹۰۔ والدارمی ۱/۳۹۲ حدیث رقم ۱۴۲۸۔ وأحمد فی المسند ۲/۳۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں خصر سے منع کیا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کی حالت میں خصر سے منع کیا ہے۔ خصر اور اختصار کی تعریف یہ ہے کہ کمر یا کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔ اس کی ممانعت کی کئی وجوہات ہیں۔

① کمر یا کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا سماجی حیثیت سے برا ہے۔ لوگوں کے ہاں عموماً یہ بدنصیبوں کی علامت ہے اور ایسا کرنے والے کو حقارت اور ذلت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ جیسے ہمارے معاشرے میں ہیجڑوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔
② رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کر دیا ہے اب سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔
③ یہ میدانِ محشر میں اہل جہنم کی حالت اور ہیئت ہے کہ وہ اس حالت میں کھڑے ہوں گے ایک حدیث میں مذکور ہے کہ کوکھ پر ہاتھ رکھنا اہل جہنم کی حالت استراحت ہے۔ جیسے جب کوئی آدمی تھک جاتا ہے تو کوکھ پر ہاتھ رکھ کر لمبا سانس لیتا ہے
④ یہودی لوگ دنیا میں اس طرح کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوتے تھے۔ نمازیوں کو ان کی مشابہت سے روکا گیا ہے
⑤ یہ تکبر کی حالت ہے اور نماز میں خشوع اور انکساری مطلوب ہوتی ہے۔ اور تکبر عاجزی کے منافی ہے اسلئے اس سے منع کیا گیا ہے۔

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا منع ہے

(۵/۹۰۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطٰنُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۳۴۔حديث رقم ۷۵۱۔وأبوداوٗد في السنن ۱/۵۶۰حديث رقم ۹۰۹۔والترمذي ۲/۴۸۴حديث رقم ۵۹۰۔والنسائي ۳/۸حديث رقم ۱۱۹۶۔وأحمد في المسند ۶/۱۰۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: جب کوئی آدمی نماز پڑھے تو اس کو چاہئے کہ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ نماز پڑھے اور ادھر ادھر متوجہ نہ ہو۔ اگر کوئی آدمی نماز میں دائیں بائیں متوجہ ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ نماز کو پوری توجہ کے ساتھ آداب کی رعایت کے ساتھ نہیں پڑھ رہا۔ اور ایسی نماز کو شیطان اچک لیتا ہے یعنی اس کی نماز کامل درجہ کی نہیں ہوتی۔ ادھر ادھر متوجہ ہونے کی تین صورتیں ہیں۔
① نظر اور توجہ ادھر ادھر مبذول ہو جائے۔ اگرچہ یہ کمال ادب کے منافی ہے مگر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
② دوسری صورت یہ ہے کہ چہرے کا رخ ادھر ادھر متوجہ کر لیا جائے۔ اس صورت میں نماز تو ہو جائے گی مگر مکروہ ہے۔
③ تیسری صورت یہ ہے کہ سینہ قبلہ سے پھر جائے اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز میں بوقتِ دُعا نظر آسمان کی طرف نہ اٹھائی جائے

(۶/۹۰۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ اَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلٰوةِ اِلَى السَّمَاءِ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ۔ (رواه مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۳۳۔حديث رقم ۷۵۰۔ومسلم في صحيحه ۱/۳۲۱حديث رقم(۱۱۸۔۴۲۹)۔والنسائي ۳/۷حديث رقم ۱۱۹۳۔وابن ماجه ۱/۳۳۲حديث رقم ۱۰۴۵۔والدارمي ۱/۳۳۹حديث رقم۱۳۰۱۔وأحمد في المسند۳/۱۰۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں۔ ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ (مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ نماز میں دعا کرتے وقت اپنی نظر کو آسمان کی طرف نہ اٹھائیں۔ اور آپ ﷺ نے بطور زجر فرمایا اگر لوگوں نے نماز میں آسمان کی طرف بوقت دعا دیکھا تو ممکن ہے کہ ان کی آنکھوں کو اچک لیا جائے۔ نماز میں ویسے بھی

آسمان کی طرف نگاہ کا اٹھانا منع ہے مگر بالخصوص دعا کے وقت کیونکہ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ اللہ اوپر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے جہت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اللہ کے لئے جسم ماننا پڑے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے کیونکہ جسمیت ترکیب کو مستلزم ہے اور ترکیب احتیاج کو ستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

نماز میں بچے کو کندھے پر اُٹھانا

(۷/۹۰۸) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَتْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَةُ بِنْتُ اَبِی الْعَاصِ عَلٰی عَاتِقِهٖ فَاِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَهَا (متفق عليه)

أخرجه مسلم في صحيحه ٣٨٦/١ حديث رقم (٤٢-٥٤٣)۔ والنسائي ١٠/٣ حديث رقم ١٢٠٥۔ وأحمد في المسند ٢٩٦/٥۔ في المخطوطة "الذوات"۔ في المخطوطة بصيغة المذكر۔ في المخطوطة زيادة "كون"۔ في المخطوطة "انفصاله"۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور امامہ بنت ابوالعاص آپ کے کندھے پر بیٹھی تھیں۔ جب آپ رکوع کرتے تو امامہ کو نیچے بیٹھا دیتے۔ اور جب سجدے سے اٹھتے تو پھر کندھے پر بیٹھا لیتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: امامہ۔ رسول اللہ ﷺ کی نواسی تھی۔ ابوالعاص کی بیٹی تھی۔ اور ابوالعاص کے نکاح میں آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب تھی۔

سوال: رسول اللہ ﷺ حضرت امامہ کو نماز میں اپنے کندھے پر بیٹھا لیتے تھے اور سجدہ و رکوع کو جاتے ہوئے نیچے رکھ دیتے تھے۔ یہ تو عمل کثیر ہے۔ اور عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

جواب: رسول اللہ ﷺ کا امامہ کو قصداً نماز میں اٹھانا اور بٹھانا نہ تھا بلکہ امامہ آپ کے ساتھ تب زیادہ مانوس تھی۔ اس انس کی وجہ سے آپ کے ساتھ چمٹی رہتی تھی خود ہی آپ کے کندھے پر بیٹھ جاتی تھی اور سجدہ میں جاتے ہوئے خود ہی گر پڑتی تھی۔ اور اس اٹھانے اور بٹھانے کی نسبت آپ کی طرف مجازاً ہے اس اعتبار سے یہ فعل کثیر آپ ﷺ کا نہ تھا بلکہ امامہ کا تھا۔ اور کسی کے عمل کثیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور بعض علماء کے نزدیک اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ہوسکتا ہے یہ واقعہ اس زمانے کا ہو جب کہ فعل کثیر نماز میں ممنوع نہیں تھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہو۔

نماز میں جمائی کا حکم

(۸/۹۰۹) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَلْیَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَدْخُلُ (رواه مسلم في رواية للبخاری) عن ابی هريرة رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَلْیَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا یَقُلْ هَا فَاِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّیْطٰنِ یَضْحَكُ مِنْهُ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ٢٢٩٣/٤ حديث رقم (٥٧-٢٩٩٥)۔ وأبوداؤد ٢٨٧/٥ حديث رقم ٥٠٢٧۔ والترمذي ٢٠٦/٢ حديث رقم ٣٧٠۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو حتی الامکان روکے۔ کیونکہ شیطان منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (مسلم) اور بخاری کی روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آجائے تو جس قدر

ممکن ہو وہ منہ بند کرے اور ہانہ کہے جیسا کہ جمائی کے وقت بے اختیار یہ لفظ منہ سے نکل جاتا ہے اس لئے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور وہ اس سے ہنستا ہے۔

تشریح: جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ جب انسان زیادہ کھاتا ہے اور طبیعت پر ثقل طاری ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے سستی اور کاہلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب نماز میں جمائی آتی ہے تو شیطان اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے جمائی کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ اور شریعت مطہرہ نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ وہ حتی المقدور اپنا منہ بند کرے۔ تاکہ شیطان کے وسوسوں کا راستہ بند ہو جائے اور جمائی کے وقت شکل متغیر ہو جاتی ہے جس کو دیکھ کر شیطان خوش ہوتا ہے کہ دیکھو اس مکروہ کی وجہ سے میں راندہ درگاہ ہوا۔ اور جمائی کو ختم کرنے کی صورت یہ بھی ہے کہ یہ خیال کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک جن کے ساتھ واقعہ

(۹/۹۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ عِفْرِیْتًامِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِیَقْطَعَ عَلَیَّ صَلَاتِیْ فَاَمْکَنَنِی اللّٰهُ مِنْهُ فَاَخَذْتُ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَرْبِطَهٗ عَلٰی سَارِیَةٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ حَتّٰی تَنْظُرُوْا اِلَیْهِ کُلُّکُمْ فَذَکَرْتُ دَعْوَةَ اَخِیْ سُلَیْمَانَ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ فَرَدَدْتُّهٗ خَاسِئًا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۵۵٤۔حدیث رقم ٤٦۱ ۔ومسلم فی صحیحه ۱/۳۸٤حدیث رقم (۳۹۔۵٤۱)واحمد فی المسند ۲/۲۹۸۔ فی المخطوطة "الصورة"۔ "بالمذلة"هکذا فی المخطوطة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج رات جنوں میں سے ایک دیو چھوٹ کر میرے پاس آیا تاکہ میری نماز میں خلل ڈالے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر حاوی کر دیا چنانچہ میں نے اس کو پکڑ لیا اور ارادہ کیا کہ مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اس کو دیکھو لو پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی۔ رب هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔ اے میرے پروردگار مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اس کو ذلیل بنا کر چھوڑ دیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جن جنات کو جزیروں میں بند کر دیا تھا ان میں سے ایک سرکش جن چھوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گیا۔ تاکہ وساوس ڈال کر آپ ﷺ کی نماز میں خلل ڈالے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس پر قدرت دیدی اور اس کو پکڑ لیا میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد نبوی کے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ تم سب صبح کے وقت اچھی طرح اس کو دیکھ لو۔ مگر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی۔ کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے جنات پر مسخر کرنے کا ایسا تصرف عطا کر جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ آپ ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ اگرچہ آپ ﷺ کو تصرف کی قدرت زیادہ حاصل تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں جن کو مس کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

لقمہ دینے کی ایک صورت

(۱۰/۹۱۱) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَابَهٗ شَیْءٌ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْیُسَبِّحْ فَاِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ وَفِیْ روایة قَالَ التَّسْبِیْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۷۷۔حدیث رقم ۱۲۰٤۔ومسلم فی صحیحه ۲/۳۱٦حدیث رقم (۱۰۲۔٤۲۱) وأبوداؤد ۱/۵۷۸حدیث رقم ۹٤۰۔والنسائی ۲/۷۷حدیث رقم ۷۸٤۔والدارمی ۱/۳٦۵حدیث رقم ۱۳٦٤۔ولموطا

١/١٦٣ حديث رقم ٦١ من كتاب قصر الصلاة وأحمد في المسند ٥/٣٣٢۔

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی سعدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی کو نماز میں کوئی بات پیش آجائے تو اس کو چاہئے وہ سبحان اللہ کہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے خاص ہے۔اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے ساتھ خاص ہے اور تالی بجانا عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔(بخاری، مسلم)

تشریح: اگر نماز میں کوئی واقعہ یا حادثہ یا کوئی ضرورت پیش آجائے مثلاً نماز میں امام بھول جائے اس کو لقمہ دینے کی ضرورت پیش آجائے یا کوئی آدمی گھر میں نماز پڑھ رہا ہے اور باہر سے اس کو کسی نے آواز دی یا گھر میں آنے کی اجازت مانگی اور اس کو اس بات کا علم نہیں صاحب البیت نماز پڑھ رہا ہے اور گھر میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کو چاہئے کہ بلند آواز سے سبحان اللہ کہہ کر اس کو اشارہ کردے کہ وہ نماز میں مصروف ہے۔عورت کے لئے مذکورہ صورت میں یہ حکم ہے کہ وہ تالی بجائے تا کہ آنے والے کو معلوم ہو جائے کہ گھر میں صرف عورت ہے اور وہ بھی نماز میں مشغول ہے۔اور عورت کے لئے تالی بجانے کا طریقہ یہ ہے وہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے۔دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی سے تالی نہ بجائے۔اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

الفصل الثانی:

نماز میں سلام کا جواب منع ہے

(۱۱/۹۱۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ قَبْلَ اَنْ نَاْتِيَ اَرْضَ الْحَبَشَةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبَشَةِ اَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهٖ مَا يَشَاءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَّا تَتَكَلَّمُوْا فِي الصَّلٰوةِ فَرَدَّ عَلَيَّ قَالَ اِنَّمَا الصَّلٰوةُ لِقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ فَاِذَا كُنْتَ فِيْهَا فَلْيَكُنْ ذٰلِكَ شَانُكَ۔ (رواہ ابو داؤد)

اخرجه أبو داؤد في السنن ١/٥٦٧ حديث رقم ٩٢٤۔ وأحمد في المسند ١/٣٧٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حبشہ سے واپسی سے پہلے ہم رسول اللہ ﷺ کو جب آپ نماز میں ہوتے تھے سلام کرتے تھے۔اور آپ ﷺ ہمارے سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔پھر جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔اس وقت میں نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔مگر آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا۔اللہ تعالیٰ اپنے جس حکم کو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اب یہ حکم ظاہر کیا ہے کہ نماز میں بات چیت نہ کیا کرو۔پھر آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا اور اس کے بعد فرمایا نماز صرف قرآن پڑھنے کے لئے اور اللہ کے ذکر کے لئے ہے لہٰذا جب تم نماز میں ہو تو تمہارا بھی یہی حال ہونا چاہئے۔(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے ایک یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز کی حالت میں سلام کا جواب نہیں دینا چاہیے۔دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔تیسری یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز کے بعد سلام کا جواب دینا مستحب ہے۔چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی آدمی استنجاء کرنے میں مصروف ہو یا قرآن پڑھ رہا ہو تو وہ بھی فراغت کے بعد سلام کا جواب دے۔

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا

(۱۲/۹۱۳)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ كَانَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ۔ (رواه الترمذى وفى رواية النسائى نحوه وعوض بلال صهيب)

أخرجه الترمذى فى السنن ۲/ ۲۰٤ حديث رقم ۳٦۸۔ والنسائى ۳/ ٥ حديث رقم ۱۱۸۷۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے سوال کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں ہوتے تھے اور اس وقت کوئی آپ کو سلام کرتا تھا تو آپ سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا ہاتھ سے اشارہ کر کے دیا کرتے تھے۔ (ترمذی) اور اسی طرح کی ایک روایت امام نسائیؒ نے بجائے حضرت بلالؓ کے حضرت صہیبؓ سے نقل کی ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینا مکروہ ہے مگر نماز ہو جاتی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ اشارہ سے سلام کا جواب دیتے تھے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جواب باللسان جس طرح منسوخ ہو گیا اسی طرح جواب بالاشارہ بھی منسوخ ہو گیا۔ فتاویٰ ظہیریہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی آدمی نماز کی حالت میں سلام کا جواب سر یا ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے دیتا ہے تو نماز ہو جائے گی۔ شرح منیہ اور شامی وغیرہ میں مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ نماز میں سلام کا جواب سر یا ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور مذکورہ حدیث اس زمانہ پر محمول ہے جب کہ کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا۔ جب کلام فی الصلوٰۃ کا جواز منسوخ ہو گیا ہے تو اس کی تبعیت میں اشارہ فی الصلوٰۃ بھی منسوخ ہو گیا۔

نماز میں چھینکنے کا مسئلہ

(۱۳/۹۱۴)وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ فَقَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا مُبَارَكًا عَلَيْهِ مُبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ مَلَكًا اَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا۔

(رواه الترمذى و ابو داود و النسائى)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۲/ ۲۸٤۔ حديث رقم ۷۹۹۔ ومسلم ۱/ ٤۱۹ حديث رقم (۱٤۹۔ ٦۰۰) وابو داؤد فى السنن ۱/ ٤۸۸ حديث رقم ۷۷۰۔ والترمذى ۲/ ۲٥٤۔ حديث رقم ٤۰٤ والنسائى ۲/ ۱٤٥ حديث رقم ۹۳۱۔ ومالك فى الموطا ۱/ ۲۰۹ حديث رقم ۲٥ من كتاب القرآن وأحمد فى المسند ٤/ ۳٤۰۔ فى المخطوطة "عن"۔

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے درمیان مجھے چھینک آ گئی میں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا۔ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بہت زیادہ تعریف بہت پاکیزہ اور برکت والی کہ جسے پسند کرے ہمارا رب اور خوش ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں یہ کلام کرنے والا کون ہے؟ کوئی نہیں بولا پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر بھی کوئی نہ بولا جب تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا تو رفاعہ نے کہا۔ اے اللہ کے رسول میں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تیس سے زائد ملائکہ ان کلمات کو لے جانے میں جلدی کر رہے تھے۔ کہ ان میں سے کون

ان کو پہلے لے جائے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ نماز میں چھینک مارنے والا الحمد للہ کہہ سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ الحمد للہ دل میں کہے تا کہ خلاف اولیٰ کا ارتکاب نماز میں نہ ہو۔

جمائی شیطان کی تاثیر سے ہے

(۱۴/۹۱۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّثَاءُ بُ فِی الصَّلٰوةِ مِنَ الشَّیْطٰنِ فَاِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فَلْیَکْظِمْ مَااسْتَطَاعَ ۔ (رواه الترمذی وَفِی اُخْرٰی لَهٗ وَلِابْنِ مَاجَةَ فَلْیَضَعْ یَدَهٗ عَلٰی فِیْهِ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۲۰۶حدیث رقم ۳۷۰۔وابن ماجه ۱/ ۳۱۰حدیث رقم ۹۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نماز میں جمائی لینا شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اس کو حتی الامکان روکے۔ (ترمذی) اور ترمذی کی ایک دوسری روایت اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز میں جسے جمائی آئے تو اس کو چاہیے کہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے۔

نماز میں تشبیک منع ہے

(۱۵/۹۱۶) وَعَنْ کَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُکُمْ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا یُشَبِّکَنَّ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ فَاِنَّهٗ فِی الصَّلٰوةِ ۔ (رواه احمد والترمذی وابوداود والنسائی والدارمی)

أخرجه ابوداؤد فی السنن۱/ ۳۸۰حدیث رقم ۵۶۲۔والترمذی ۲/ ۲۸۸حدیث رقم ۳۸۶والدارمی فی السنن ۱/ ۳۸۱۔حدیث رقم ۱۴۰۴۔واحمد فی المسند۔۴/ ۲۴۳۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے۔ اور انگلیوں میں تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اس حدیث میں پہلا مسئلہ تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی نماز کا ارادہ کرے تو پہلے اچھی طرح وضو کرے۔ اچھی طرح وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام فرائض شرائط اور آداب کی رعایت رکھ کر وضو کرے۔ کیونکہ روحانی طور پر ہر اچھے وضو کی تاثیر عبادت پر بھی پڑتی ہے کہ جس قدر وضو اچھا ہوگا اسی قدر نماز بھی اچھی ہوگی۔

(۲) دوسرا مسئلہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آدمی وضو کرنے کے بعد مسجد کی طرف نماز کے لئے چلے تو راستہ میں اپنی انگلیوں میں تشبیک نہ کرے۔ یعنی ہاتھ کی انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تشبیک غفلت، سستی اور لغو عمل ہے اور یہ آدمی جس وقت مسجد کی طرف چلا ہے اس وقت سے نماز میں شمار ہے عند اللہ۔ اور تشبیک والا عمل نماز کے منافی ہے۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں تشبیک منع ہے حالانکہ امام بخاری نے مسجد میں تشبیک کے متعلق ایک باب قائم کیا ہے اور ترجمة الباب کے تحت دو حدیثیں ذکر کی ہیں ان دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں تشبیک جائز ہے بظاہر تعارض ہے۔

جواب: مذکورہ حدیث میں تشبیک کی ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے کہ تشبیک محض کھیل اور تفریح طبع کی خاطر ہو اور اگر بطور تمثیل کرے تو جائز ہے اور بخاری کی روایت اس پر محمول ہے یا دوسری توجیہ یہ ہے کہ بخاری کی حدیثوں کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب کہ

تشبیک کی ممانعت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونے سے ثواب کم ہو جاتا ہے

(۱۶/۹۱۷)وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَزَالُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلاً عَلَی الْعَبْدِ وَھُوَ فِیْ صَلَاتِہٖ مَالَمْ یَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ اِنْصَرَفَ عَنْہُ۔ (رواہ احمد وابوداود والنسائی والدارمی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۵۶۰حدیث رقم ۹۰۹۔والنسائی فی ۳/۸حدیث رقم ۱۱۹۵۔والدارمی ۱/۳۹۰۔حدیث رقم ۱۴۲۳۔وأحمد فی المسند ۵/۱۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا۔ اور جب انسان ادھرادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ (احمد۔ ابوداوٗد۔ دارمی۔ نسائی)

تشریح: اس حدیث میں نماز کے دوران ادھرادھر متوجہ ہونے کی ممانعت کو بیان کیا گیا ہے کہ نماز کے دوران پوری توجہ سے نماز پڑھی جائے ادھرادھر متوجہ نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اعراض کرتا ہے۔ باقی اس مسئلہ کی وضاحت بقدرِ ضرورت گزر چکی ہے۔ امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جب انسان نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ کرتا ہے اور جب بندہ نماز میں ادھرادھر متوجہ ہوتا ہے اور اپنی توجہ اور نظر کو پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے انسان تو کس کی طرف دیکھ رہا ہے کیا تجھے مجھ سے بہتر کوئی نظر آ گیا ہے۔ جب دوسری مرتبہ انسان کی توجہ پھرتی ہے پھر اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے۔ جب تیسری مرتبہ بندہ اپنا رخ اس سے ادھر ادھر پھیرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض کر لیتا ہے۔

نماز میں نگاہ سجدہ والی جگہ پر ہو

(۱۷/۹۱۸)وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ یَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَکَ حَیْثُ تَسْجُدُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ سُنَنِ الْکَبِیْرِ مِنْ طَرِیْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ یَرْفَعُہُ الْجَزْرِیُّ۔ (شعب الایمان)

أخرجه البیهقی فی السنن الکبری ۲/۲۸۴۔ فی المخطوطة زیادة کلمة "أصحاب"

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے انسؓ نماز میں تم اپنی نظر وہاں رکھو جہاں سجدہ کرتے ہو۔ (اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے سنن کبیر میں حضرت انسؓ سے بطریق حسن نقل کیا ہے۔ جس کو جزری نے مرفوع کہا ہے)

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نگاہ نماز میں کہاں ہونی چاہئے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک پوری نماز میں نظر سجدہ والی جگہ پر ہونی چاہئے۔ اور ان کا استدلال اسی مذکورہ حدیث سے ہے کیونکہ اس میں مطلق بغیر کسی تفریق کے نگاہ سجدہ والی جگہ میں رکھنے کا حکم ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیام میں نظر سجدہ والی جگہ پر ہو۔ رکوع میں پاؤں کی پشت پر ہو قعدہ میں گھٹنوں پر ہو۔ سجدہ میں ناک کے کنارہ پر ہو۔ سلام کے وقت کندھے پر ہو۔ اس حدیث سے بطور اشارۃ النص کے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ نماز کی حالت میں آنکھوں کو بند کرنا مکروہ ہے۔ متقدمین کے نزدیک اگر بیت اللہ میں نماز پڑھے تو نظر خانہ کعبہ پر ہو۔ مگر متاخرین نے اس کی تردید کی ہے۔

فائدہ: اس مقام پر مشکوٰۃ شریف میں لفظ۔ رواہ۔ کے بعد بیاض ہے بعد میں کسی نے اس جگہ البیہقی سے آخر تک عبارت کا اضافہ کیا ہے۔

نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونے پر وعید

(۹۱۹/۱۸) وَعَنْهُ قَالَ لِی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا بُنَیَّ اِیَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلٰوةِ فَاِنَّ الْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلٰوةِ هَلَكَةٌ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِی التَّطَوُّعِ لَا فِی الْفَرِيْضَةِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۴۸۴ حدیث رقم ۵۸۹۔ فی المخطوطة "خاطب" فی المخطوطة "تفویته"۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا۔ اے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو۔ کیونکہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا ہلاکت کا سبب ہے۔ اگر دیکھنا ہو تو نفل میں گنجائش ہے فرض میں نہیں۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا ہلاکت کا سبب ہے۔ شیطان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ انسان نماز پوری توجہ اور انہماک سے نہ پڑھے۔ اور جب انسان نماز میں ادھر ادھر توجہ کرتا ہے تو شیطان خوش ہوتا ہے کیونکہ اس سے نماز میں نقصان پیدا ہوتا ہے اور نماز کا کمال ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز یقیناً آخرت میں ہلاکت اور خسارے کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث میں فرض اور نفل کی جو تفریق کی گئی ہے کہ اگر ضروری ہی ہے ادھر ادھر متوجہ ہونا تو نفل میں ایسا کر لیا کرو۔ نہ کہ فرض میں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ نفل میں ادھر ادھر متوجہ ہونا جائز ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کراہت تو ہر حال میں ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ وہ کراہت فرض میں زیادہ ہے اور نفل میں اس کے بنسبت کم ہے۔ نفل کا نقصان اتنا مضر اور نقصان دہ نہیں ہے جتنا کہ فرض کا نقصان اور خسارہ مضر ہے۔

نماز میں آنکھ کے کنارے سے دیکھنا جائز ہے

(۹۲۰/۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَلْحَظُ فِی الصَّلٰوةِ يَمِيْنًا وَ شِمَالًا وَيَلْوِیْ عُنُقَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۴۸۴ حدیث رقم ۵۸۷۔ والنسائی ۳/ ۹ حدیث رقم ۱۲۰۱ وأحمد فی المسند ۱/ ۲۷۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آنکھ کے کنارے سے دائیں بائیں دیکھتے تھے۔ مگر پیچھے پیٹھ کی طرف اپنی گردن نہیں موڑتے تھے۔ (ترمذی۔ نسائی)

تشریح: اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے۔ آنکھ کے کنارہ سے ادھر ادھر دیکھنا جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائیں اور بائیں دیکھتے تھے۔ اس کی دو وجہ تھیں۔ ایک تعلیم اور بیان جواز۔ دوم لوگوں کے احوال معلوم کرنے کے لئے تاکہ جو کمی اور کوتاہی ہو اس کی اصلاح کی جائے۔

نماز میں شیطان کے اثرات

(۹۲۱/۲۰) وَعَنْ عَدِیِّ ابْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَفَعَهٗ قَالَ الْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاءُبُ فِی الصَّلٰوةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَیْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ۸۱ حدیث رقم ۲۷۴۸۔ وابن ماجه ۱/ ۳۱۱ حدیث رقم ۹۶۹۔

ترجمہ: حضرت عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ اپنے والد یعنی عدی کے دادا سے اور وہ اس کو مرفوع نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نماز میں چھینکنا، اونگھنا، جمائی کا آنا، حیض کا آنا، قے ہو جانا، نکسیر کا آجانا شیطان کی طرف سے

ہے۔(ترمذی)

تشریح:اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ چھ چیزیں نماز کے اندر شیطان کے اثر سے ہیں۔یعنی ان کے آنے سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے:❶ جمائی۔❷ اونگھ۔❸ چھینک۔یہ تین چیزیں نماز میں مکروہ ہیں۔❹ حیض۔❺ قے۔❻ نکسیر۔یہ تینوں چیزیں نماز میں مفسد صلوٰۃ ہیں یعنی ان سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سوال:اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چھینکنا منع ہے اور شیطانی اثر ہے۔جب کہ ایک دوسری حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ چھینک کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔بظاہر ان میں تعارض ہے۔

جواب:ان دونوں کے درمیان ایک وجہ تطبیق تو یہ ہے کہ مذکورہ حدیث سے بکثرت چھینکنا مراد ہے۔اور دوسری حدیث سے مراد اعتدال کے ساتھ چھینکنا ہے۔اور اعتدال کا اطلاق تین سے کم پر ہوتا ہے۔دوسری وجہ تطبیق یہ ہے کہ نماز کے اندر چھینک مکروہ ہے۔اور نماز سے باہر اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے۔

رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

(۲۱/۹۲۲)وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رواية قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ۔

(رواه احمد وروى النسائي الرواية الاولى وابوداود الثانية)

اخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۵۵۷حدیث رقم ۹۰۴۔والنسائی ۳/۱۳حدیث رقم ۱۲۱۴ وأحمد فی المسند ٤/۲٥۔ فی المخطوطة "یقلقله"۔

ترجمہ:حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے والد صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے اندر ہنڈیا جیسی آواز آ رہی تھی۔جب وہ جوش مارے یعنی آپ ﷺ رو رہے تھے۔ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔اس وقت آپ کے سینہ کے اندر چکی کی آواز کی طرح رونے کی آواز آ رہی تھی۔(احمد) امام نسائی نے پہلی روایت کو نقل کیا ہے اور ابوداؤد نے دوسری کو۔

تشریح:اس حدیث سے بظاہر مطلقاً یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ذکر کی ہے وہ یہ کہ رونا دو حال سے خالی نہیں۔جہنم اور اخروی عذاب کی وجہ سے ہوگا۔یعنی جہنم اور عذاب جہنم کا تصور آیا اور رو گیا۔یا جسمانی درد اور تکلیف کی وجہ سے ہوگا۔اگر جہنم اور عذاب جہنم کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔اور اگر جسمانی تکلیف اور درد کی وجہ سے ہو تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی۔اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ رونا باآواز بلند ہو اور آہ کے ساتھ ہو۔اگر آہستہ ہو تو پھر نماز فاسد نہیں ہوگی۔

نماز میں کنکر ہٹانے کا مسئلہ

(۲۲/۹۲۳)وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصَا فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ۔(رواه احمد والترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۵۸۱حدیث رقم ۹٤٥۔والترمذی ۲/۲۱۹حدیث رقم ۳۷۹۔والنسائی ۳/٦حدیث رقم ۱۱۹۱۔وابن ماجه فی السنن ۱/۳۲۸حدیث رقم ۱۰۲۷ وأحمد فی المسند ٥/۱٥۰۔ فی المخطوطة "الغفلة"۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو وہ اپنے سامنے سے کنکریاں نہ ہٹائے۔ کیونکہ رحمت سامنے ہوتی ہے۔
(احمد۔ترمذی۔ابوداؤد۔نسائی۔ابن ماجہ)

تشریح: جس وقت نمازی تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو گویا وہ سب دنیا سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس وقت کسی کھیل اور لغو کام میں مشغول ہو مثلاً کنکریوں کو ہٹانا کپڑوں اور بالوں وغیرہ سے کھیلنا۔

سجدہ کی جگہ پھونکنا منع ہے

(۲۳/۹۲۴)وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ رَاٰی النَّبِیُّ ﷺ غُلَامًا لَنَا یُقَالُ لَهٗ اَفْلَحُ اِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ یَا اَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/ ۲۲۰ حديث رقم ۳۸۱۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ایک غلام کو دیکھا جس کا نام افلح تھا۔ جب وہ سجدہ کرتا تو سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک مارتا تاکہ پیشانی خاک آلودہ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا افلح اپنے چہرے پر مٹی لگنے دو۔ (ترمذی)

(۲۴/۹۲۵)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْاِخْتِصَارُ فِی الصَّلٰوةِ رَاحَةُ اَهْلِ النَّارِ۔

رواه في شرح السنة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا اہل جہنم کی حالت استراحت ہے۔ (شرح السنہ) (اس کی وضاحت بقدر ضرورت گزر چکی ہے)

نماز میں موذی چیز کو مارنے کا حکم

(۲۵/۹۲۶)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَیْنِ فِی الصَّلٰوةِ الْحَیَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔ (رواہ احمد وابوداود والترمذی والنسائی معناہ)

۱۰۰۴ : أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/ ۵۶۶ حديث رقم ۹۲۱۔ والترمذي ۲/ ۲۳۳ حديث رقم ۳۹۰۔ والنسائي ۳/ ۱۰ حديث رقم ۱۲۰۲۔ وابن ماجه ۱/ ۳۹۴ حديث رقم ۱۲۴۵۔ وأحمد في المسند ۲/ ۲۳۳۔ في المخطوطة "الاعانه"۔ في المخطوطة "دارهم"۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں دو سیاہ چیزوں کو یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔ (احمد۔ابوداؤد۔ترمذی۔اور نسائی نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے)

تشریح: اس حدیث میں سانپ اور بچھو کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے۔ سانپ کے ساتھ اسود کی قید اتفاقی ہے محض تغلیب کے لئے احترازی نہیں، سب سانپوں کو نماز میں مارنا جائز ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس میں تقیید اور تحدید ہے یا نہیں۔ احناف کے نزدیک اس میں تقیید اور تحدید ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر کوئی ایک دو قدم چل کر سانپ وغیرہ کو مارتا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور ایک دو ضربوں کے ساتھ مارے۔ اور اگر اس کو مسلسل تین قدم چل کر تین ضربوں کے ساتھ مارنے تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ فساد کی وجہ

سے گناہ نہیں ہوتا۔اور ضرورت کے تحت نماز کو توڑا جاسکتا ہے اور توڑنے کا گناہ نہیں ہوگا۔اور علامہ سرخسیؒ نے کہا ہے کہ اس کے لئے کوئی تقیید اور تحدید نہیں ہے۔سانپ اور بچھو وغیرہ کو مارنے کے لئے نہ تو چلنے کی کوئی حد ہے اور نہ ہی ضربوں کی کوئی حد ہے۔اور اس حدیث میں بھی حد اور ضرب کی کوئی قید نہیں ہے۔جیسے نماز میں اگر حدث لاحق ہو جائے تو نماز کو توڑے بغیر پانی تک جاسکتا ہے۔وہاں بھی چلنے کی کوئی حد نہیں بتائی گئی۔حاصل کلام یہ ہے کہ احناف اس مسئلہ میں سہولت پر فتویٰ نہیں دیتے۔البتہ نماز توڑنے کی رخصت ہے جیسے مظلوم کی فریادرسی کے لئے پانی میں غرق ہونے والے کے لئے،چھت سے گر جانے والے کے لئے،آگ میں جلنے والے کے لئے،کنویں میں گرنے والے کے لئے۔علیٰ ہذا القیاس ان سب صورتوں میں نماز توڑنا جائز ہے۔

نماز میں دروازہ کھولنا

(۲۶/۹۲۷)وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَاقَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ جِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِيْ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ اَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ۔

(رواه احمد وابوداود والترمذی والنسائی نحوه)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۵٦٦/۱حديث رقم ۹۲۲۔والترمذی ۴۹۷/۲حديث رقم ٦۰۱۔والنسائی فی السنن ۱۱/۳حديث رقم ۱۲۰٦۔وأحمد فی المسند ۲۳۴/٦۔فی المخطوطة "ذقائق"۔

ترجمہ:حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں نفل نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند ہوتا۔میں آتی اور دروازہ کھلواتی۔اور آپ ﷺ چل کر میرے لئے دروازہ کھول دیتے تھے۔پھر مصلیٰ پر واپس آجاتے اور حضرت عائشہؓ نے ذکر کیا ہے کہ دروازہ قبلہ کی طرف تھا۔(احمد۔ابوداؤد۔ترمذی۔نسائی)

تشریح:رسول اللہ ﷺ کبھی نفل میں مشغول ہوتے اور حضرت عائشہؓ باہر سے تشریف لاتیں اور دروازہ کو دستک دیتیں تو رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیتے تھے۔اور واپس نماز والی جگہ پر آجاتے۔

سوال:رسول اللہ ﷺ چل کر حضرت عائشہؓ کے لئے دروازہ کھول دیتے تھے۔پھر واپس آجاتے یہ تو عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جواب:رسول اللہ ﷺ کا حجرہ زیادہ وسیع نہیں تھا۔بہت تنگ تھا۔اس کی تنگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب وہاں حضرت عمرؓ کی قبر بنائی گئی تو جگہ تنگ تھی دیوار سے کچھ جگہ شامل کی گئی۔اور آپ ﷺ کا چلنا ایک دو قدم سے زیادہ نہیں تھا۔اور وہ بھی غیر متواتر چلنا تھا۔اور آپ ﷺ کا رخ قبلہ سے پھرتا نہیں تھا۔اور نوافل میں اس قدر گنجائش ہے۔

نماز میں حدث لاحق ہونے کا مسئلہ

(۲۷/۹۲۸)وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ۔(رَوَاهُ ابوداود وروی الترمذی مع زيادة ونُقْصَان)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱۴۱/۱حديث رقم ۲۰۵۔والترمذی ۴٦۹/۳حديث رقم ۱۱٦٦۔والدارمی ۲۷٦/۱حديث رقم ۱۱۴۱۔

ترجمہ:حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کی حالت میں جب تم میں سے کسی کی بغیر آواز کے ریح خارج ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ جا کر وضو کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے۔(ابوداؤد)اس روایت کو

امام ترمذیؒ نے بھی کچھ کمی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے نماز میں عمداً اور قصداً بالارادہ ہوا خارج کر لی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی وضو کرے شروع سے نماز کو پڑھنا واجب ہے۔ اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کی ہوا خارج ہوگئی تو کیا اس کے لئے سابقہ نماز ہر بناء جائز ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شروع سے نماز کو پڑھنا افضل ہے اور اگر بناء کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نماز کو شروع سے پڑھنا ضروری ہے یعنی بناء جائز نہیں ہے۔ ان کا استدلال اسی مذکورہ روایت سے ہے اس میں اعادہ صلوٰۃ کا حکم ہے۔ احناف کہتے ہیں اس میں صیغہ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔

نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو نکلنے کا طریقہ

(۹۲۹/۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِهٖ فَلْیَأْخُذْ بِاَنْفِهٖ ثُمَّ لِیَنْصَرِفْ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٦٦٦ حدیث رقم ١١١٤۔ وابن ماجه ١/٣١٦ حدیث رقم ١٢٢٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا وضو نماز میں ٹوٹ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی ناک پکڑ کر نماز سے نکل جائے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اگر کسی آدمی کا وضو ریح کے خارج ہونے سے ٹوٹ جائے اور وہ صفوں میں ہو۔ اگر نکلتا ہے ندامت ہوتی ہے کہ لوگ کہیں گے اس کی ہوا خارج ہوگئی۔ اب بھاگ رہا ہے۔ اور اگر نہیں نکلتا تو بغیر وضو کے نماز پڑھنا لازم آتا ہے اور یہ اقرب الی الکفر ہے۔ اب اس آدمی کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہے۔ (۱) اپنی ناک کو پکڑ کر نکل جائے تا کہ لوگ سمجھیں کہ اس کے ناک سے خون آ گیا ہے۔ سبحان اللہ۔ دیکھئے اللہ کس قدر ستار العیوب ہے۔ اس حیلہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خون کا خارج ہونا ناقض وضو ہے اور یہ حیلہ امام شافعیؒ کے لئے مسکت ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس آدمی کو صفوں سے نکلنا دشوار اور مشکل ہو تو نماز توڑ کر ویسے ہی لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست جاری رکھے۔

سلام کے بغیر نماز سے نکلنے کا حکم

(۹۳۰/۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُکُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِیْ اٰخِرِ صَلَاتِهٖ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث اسنادہ) لَیْسَ بِالْقَوِیِّ وَقَدِ اضْطَرَبُوْا فِیْ اِسْنَادِهٖ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ١/٢٦١ حدیث رقم ٤٠٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کسی کا وضو اس وقت ٹوٹے جب کہ وہ اپنی نماز کے آخری قعدہ میں ہو اور سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ (ترمذی) اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اور انہوں نے اس کی سند میں اضطراب کیا ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر نماز کے آخر میں لفظ سلام رہ جائے تو کیا اس کی نماز پوری ہو جائے گی یا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر آخری قعدہ میں تشہد کے بعد قبل السلام وضو ٹوٹ گیا تو نماز پوری نہیں ہوگی وہ جائے وضو کرے اور بناء کرے۔ اور اگر اس نے قصداً وضو توڑ لیا تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا فرض نہیں

بلکہ خروج بصنع المصلی فرض ہے۔ کہ آخری قعدہ میں نمازی تشہد کے بعد کوئی ایسا عمل کرے جو نماز کے منافی ہو۔ اور وہ مذکورہ صورت میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے تمام ارکان اور فرائض مکمل ہونے کی وجہ سے نماز ہو جائے گی اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ صورت میں نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ ان کے نزدیک لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا فرض ہے اور وہ نہیں پایا گیا۔ بہر حال نماز کا اعادہ دونوں کے نزدیک ضروری ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعادہ صلوٰۃ واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اعادہ صلوٰۃ فرض ہے اور صاحبین کے نزدیک مذکورہ صورت میں دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی چاہے وضو قصداً توڑا گیا ہو یا خود بخود ٹوٹ گیا ہو۔

حدیث کی سند: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں اضطراب ہے مضطرب وہ حدیث ہے کہ جس کی مختلف اسناد۔ اور مختلف الفاظ ہوں۔ اور اگر سند میں اختلاف ہو تو اس کو اضطراب فی الاسناد کہتے ہیں۔ اور اگر اختلاف متن میں ہو تو اس کو اضطراب فی المتن کہتے ہیں۔ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کے ضعیف اور اضطراب کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے جن کو امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جس حدیث کی سندیں متعدد ہوں تو وہ حسن کے درجہ میں ہوتی ہیں۔

الفصل الثالث:

(۹۳۱/۳۰) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ اِلَی الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ وَ اَوْمَأَ اِلَیْهِمْ اَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَاْسُهٗ یَقْطُرُ فَصَلّٰی بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ اِنِّیْ كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِیْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ رواه احمد وروی مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مُرْسَلًا۔

أخرجه ابن ماجه ۳۸۵/۱ حدیث رقم ۱۲۲۰۔ وأحمد فی المسند ۴۴۸/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے۔ جب اقامت کہنے کا ارادہ کیا گیا تو آپ ﷺ پیچھے مڑے اور صحابہ کو یہ اشارہ کر کے کہ تم لوگ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ پھر مسجد سے باہر نکلے۔ آپ ﷺ نے غسل کیا اور اس حال میں واپس تشریف لائے کہ آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ مجھے غسل کی ضرورت تھی۔ مگر میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (احمد) امام مالکؒ نے اس حدیث کو حضرت عطاء بن یسار سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

سجدہ کی جگہ کو گرمی سے بچانا

(۹۳۲/۳۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّی الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاٰخُذُ قَبْضَةً مِّنَ الْحَصٰی لِتَبْرُدَ فِیْ كَفِّیْ اَضَعُهَا لِجَبْهَتِیْ اَسْجُدُ عَلَیْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ۔ (رواه ابوداود وروی النسائی نحوه)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲۸۲/۱ حدیث رقم ۳۹۹۔ والنسائی ۲۰٤/۲ حدیث رقم ۱۰۸۱۔ فی المخطوطة "لأخذ"۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور ایک مٹھی میں کنکریاں لے لیتا تھا تاکہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہو جائیں۔ گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے میں ان کو سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کے نیچے رکھ لیتا تھا۔ (ابوداؤد، نسائی)

رسول اللہ ﷺ کا جن کے ساتھ ایک واقعہ

(۹۳۳/۳۲) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّیْ فَسَمِعْنَاهُ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ

اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ثَلَاثًا وَبَسَطَ يَدَهٗ كَاَنَّهٗ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُوْلُ فِي الصَّلٰوةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُوْلُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَاَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهٗ فِيْ وَجْهِيْ فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرَدْتُّ اَنْ اٰخُذَهٗ وَاللّٰهِ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِيْنَا سُلَيْمَانَ لَاَصْبَحَ مُوْثَقًا يَلْعَبُ بِهٖ وِلْدَانُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۸۵ حديث رقم (۴۰-۵۴۲) والنسائي ۳/۱۳ حديث رقم ۱۲۱۵۔

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے سنا آپ ﷺ سے کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی لعنت۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک آگے بڑھائے گویا کہ آپ ﷺ کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو ہم نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول۔ ہم نے تو آج آپ کو نماز میں ایسی بات کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے قبل کبھی آپ ﷺ کو اس طرح کہتے ہوئے نہیں سنا۔ اور آج ہم نے آپ کو ہاتھ پھیلاتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس ملعون آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا تا کہ اس کو میرے منہ میں ڈالے چنانچہ اس وقت میں نے تین مرتبہ یہ کہا۔ کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر میں نے کہا میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی پوری لعنت۔ وہ نہیں ہٹا تو میں نے تین مرتبہ کہے۔ جب وہ پھر بھی نہ ہٹا تو میں نے اس کو پکڑنا چاہا۔ لیکن اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح تک مسجد کے ستون کے ساتھ بندھا رہتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔ (مسلم)

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا

(۳۳/۹۳۴) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۶۸ حديث رقم ۷۶ من كتاب قصر الصلاة۔ في المخطوطة "فالحكمى"۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا گزر ایک آدمی پر ہوا اور وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے اس کو سلام کیا اور اس نے حضرت عبداللہؓ کے سلام کا جواب زبان سے دیا۔ حضرت عبداللہؓ اس کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کیا جائے تو اس کو بولنا نہیں چاہیے مناسب ہے کہ وہ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دے دے۔ (مالک) اس مسئلہ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

بَابُ السَّهْوِ

سجدہ سہو کا بیان

اگر دوران نماز کوئی غلطی ہو جائے تو اس کے تدارک کے لئے سجدہ سہو کیا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ نماز کے اندر بہت امور ہیں۔ سنن، مستحبات، فرائض، واجبات۔ اگر سنن اور مستحبات میں سے کوئی چیز رہ جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ ہی خرابی پیدا ہوتی اور نہ ہی اس کے تدارک کے لئے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ صرف سنت اور مستحب کے ثواب سے محرومی ہوگی۔ اور اگر کوئی فرض رہ جا

تو نماز نہیں ہوتی چاہے فرض کا ترک عملاً ہو یا سہواً یا نسیاناً ہو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے سجدہ سہو سے اس کا تدارک نہیں ہوسکتا۔ نماز واجب الاعادہ ہے۔ اور اگر نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک کر دیا عملاً تو اس صورت میں بھی تدارک نہیں ہوسکتا۔ نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ اور واجب غلطی سے رہ جائے یا فرض میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو اس صورت میں اس کا تدارک سجدہ سہو سے ہو جائے گا۔ کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد سلام پھیرے اور دو سجدے کرے۔ پھر قعدہ کرے تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔

الفصل الاول:

تعداد رکعت میں نسیان سے سجدہ سہو کا حکم

(۱/۹۳۵)عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ جَاءَهُ الشَّیْطَانُ فَلَبَسَ عَلَیْهِ حَتّٰی لَایَدْرِیْ كَمْ صَلّٰی فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُكُمْ فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰۴/۳ حدیث رقم ۱۲۳۲۔ومسلم فی صحیحه ۳۹۸/۱ حدیث رقم (۸۲۔۳۸۹)وأبوداؤد ۶۲۳/۱ ۱۰۳۰۔والترمذی فی السنن ۲۴۳/۲ حدیث ۳۹۶۔والنسائی ۳۰/۳ حدیث رقم ۱۲۵۲۔وأخرجه مالك فی الموطأ ۱۰۰/۱ حدیث رقم ۱ من کتاب السهو۔وأحمد فی المسند ۲۴۱/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس آ جاتا ہے اور اس کو اشتباہ میں ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ لہٰذا اگر تم میں سے کسی کو یہ صورت پیش آ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ آخر میں بیٹھ کر دو سجدے کر لے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ سہو سے متعلق نہیں ہے بلکہ شک سے متعلق ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان اصطلاحی طور پر فرق ہے۔ وہ اس طرح کہ سہو میں جانبین میں سے ایک جانب کا تقرر اور تعین ہوتا ہے بخلاف شک کے کہ اس میں امرین کے درمیان تردد ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے یا وہ صحیح ہے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی شک میں مبتلا نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ شیطان کی چال اور اثر سے ہوتا ہے۔ اور شیطان کی کیا مجال کہ رسول اللہ ﷺ پر کوئی اپنا اثر ڈال سکے۔ ہاں البتہ آپ ﷺ کو کبھی کبھی غلبہ استغراق اور عالم آخرت کی طرف بہت زیادہ توجہ اور فکر کی وجہ سے سہو ہو جاتا تھا۔ مگر آپ کے لئے سہو اور شک دونوں کے اندر سجدہ سہو کا حکم برابر تھا۔

سجدۂ سہو قبل السلام ہوگا

(۲/۹۳۶)وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلَاتِهٖ فَلَمْ یَدْرِ كَمْ صَلّٰی ثَلَاثًا اَوْ اَرْبَعًا فَلْیَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْیَبْنِ عَلٰی مَا اسْتَیْقَنَ ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ فَاِنْ كَانَ صَلّٰی خَمْسًا شَفَعْنَ لَهٗ صَلَاتَهٗ وَاِنْ كَانَ صَلّٰی اِتْمَامًا لِاَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِیْمًا لِلشَّیْطَانِ۔(رواه مسلم ورواه مالك عن عطاء مرسلا وفی روایته شَفَعَهَا بِهَاتَیْنِ السَّجْدَتَیْنِ)۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ۴۰۰/۱ حدیث رقم ۸۸/۵۷۱۔ومالك فی الموطأ ۹۵/۱ حدیث رقم ۶۲ من کتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے وہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز کے درمیان شک میں مبتلا ہو جائے اور اس کو یہ یاد نہ ہو کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں

تین یا چار تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا شک اور تردد دور کرے اور جس پر اس کو یقین ہو اس پر بناء کرے اور پھر سلام پھیرنے سے قبل دو سجدے کرے۔ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعات ان دو سجدوں کی وجہ سے جفت ہو جائیں گی۔ اور اگر اس نے چار رکعتیں پوری پڑھی ہوں گی تو پھر یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ (مسلم) امام مالکؒ نے اس روایت کو حضرت عطاء سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور امام مالکؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ نمازی ان دونوں سجدوں کی وجہ سے پانچ رکعات کو جفت کر دے گا۔

تشریح: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے۔ نماز کے درمیان اس کو شک ہو جاتا ہے کہ نماز کی رکعات کی تعداد میں کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ تو وہ عدد اقل پر بناء کرے اور ایسی غلبہ ظن کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ مثلاً اس کو شک ہو جائے تین اور چار میں۔ کہ معلوم نہیں تین رکعات پڑھی ہیں یا چار رکعات پڑھی ہیں تو تین پر بناء کرے اور نماز کو مکمل کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔

سجدہ سہو کا فائدہ: سجدہ سہو کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں اس نے تین رکعتوں پر بناء کی۔ اور ایک رکعت اس نے اور پڑھ لی۔ اور اگر وہ فی الحقیقت چار رکعتیں پڑھ چکا تھا اس طرح اس کی پانچ رکعات ہو جائیں گی اور ان دو سجدوں کی وجہ سے اس کی نماز جفت ہو جائے گی کیونکہ یہ دو سجدے ایک رکعت کے حکم میں ہوں گے۔ اور اگر اس نے حقیقت اور واقع میں تین ہی رکعتیں پڑھی تھیں اور اس نے ایک رکعت اور پڑھ لی تو یہ اس کی چار رکعتیں ہو جائیں گی اور سہو کے دو سجدے شیطان کی ذلت اور خواری کا سبب ہوں گے۔ کیونکہ شیطان کا مقصد پورا نہ ہوا ان دو سجدوں نے مزید اس کو ذلیل کر دیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شک کی صورت میں نماز کا اعادہ کیا جائے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر کسی کو نماز کے درمیان میں رکعتوں کی تعداد کے متعلق شک ہو جائے تو وہ آدمی نماز شروع سے پڑھے۔

اختلاف ائمہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر رکعات میں شک ہو جائے تو کیا کیا جائے۔ امام شعبیؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک مطلقاً اعادہ ضروری ہے۔ حسن بصریؒ وغیرہ کے نزدیک سجدہ سہو ہوگا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ و امام احمدؒ کے نزدیک بناء علی الاقل واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر نمازی کو کبھی کبھی شک ہوتا ہے تو اعادہ واجب ہے اگر شک اکثر ہوتا رہتا ہے تو پھر تحری کرے اور غلبہ ظن کے مطابق عمل کرے۔ اور اگر غلبہ ظن قائم نہ ہو سکے تو پھر بناء علی الاقل کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔

منشائے اختلاف: منشأ اختلاف یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں چار قسم کی احادیث ہیں: (۱) بعض روایتوں میں اعادہ کا ذکر ہے۔ (۲) بعض روایتوں میں تحری کا ذکر ہے۔ (۳) بعض روایتوں میں بناء علی الاقل کا ذکر ہے۔ (۴) بعض روایتوں میں سجدہ سہو کا ذکر ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے بناء علی الاقل اور سجدہ سہو والی روایات پر عمل کیا ہے باقی اعادہ اور تحری والی روایات کو بالکلیہ ترک کر دیا ہے اور امام صاحب کے مذہب کے مطابق سب روایات معمول بہ ہیں۔

پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہونے کا مسئلہ

(۳/۹۳۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهٗ اَزِيْدَ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵۰۳/۱ حديث رقم ۴۰۱۔ ومسلم في صحيحه ۴۰۰/۱ حديث رقم (۹۲-۵۷۲) وأخرجه

أبوداوٗد ۱/۶۲حدیث رقم ۱۰۲۲۔والنسائی ۳/۳۱حدیث رقم ۱۲۵۴۔وابن ماجه ۱/۳۸۰حدیث رقم ۱۲۰۳وأحمد فی المسند ۱/۳۷۹۔ فی المخطوطة "أي"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھ دی۔ پھر جب آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں زیادتی ہوگئی ہے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا ہوگیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے بعد از سلام دو سجدے کر لئے۔ اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں انسان ہی تو ہوں۔ جس طرح تم بھولتے ہو اس طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔ جب میں کچھ بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ اور جب تم میں سے کسی کو شک ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کرے۔ اور اس رائے کی بنیاد پر نماز پوری کرے۔ اور پھر سلام پھیر کر دو سجدے کر لے۔

تشریح: اس حدیث کے تحت یہاں دو مسئلوں کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی آدمی چوتھی رکعت کے بعد قعدہ کر کے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص چوتھی رکعت کے بعد قعدہ کرنے کے بغیر کھڑا ہو گیا تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز کی فرضیت باطل ہو جائے گی کیونکہ فرض کا ترک ہو گیا ہے وہ نماز نفل ہو جائے گی ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت بنالے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدہ سہو کے ساتھ نماز ہو جائے گی یعنی فرضیت باطل نہیں ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے یہاں چوتھی رکعت کے بعد قعدہ ذکر کرنے کا کوئی ذکر نہیں احناف کہتے ہیں کہ زیادہ سمجھ کے قریب یہی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ قعدہ کرنے کے بعد کھڑے ہوگئے اور قعدہ میں سلام کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تھے۔

مسئلہ نمبر۲: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سجدہ سہو قبل السلام ہے یا بعد السلام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ سہو مطلقاً بعد السلام ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ سہو مطلقاً قبل السلام ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک نقصان کی صورت میں قبل السلام ہے اور زیادتی کی صورت میں بعد السلام ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک جہاں رسول اللہ ﷺ سے قبل السلام ثابت ہے وہاں قبل السلام ہوگا جیسے رسول اللہ ﷺ سے قعدہ اولیٰ کا ترک ہوا تو سجدہ سہو قبل السلام کیا اور جہاں رسول اللہ ﷺ سے بعد السلام ثابت ہے وہاں بعد السلام ہوگا جیسے ذوالیدین کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا کہ سجدہ سہو بعد السلام کیا اور جہاں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہ ہو وہاں سجدہ سہو قبل السلام ہوگا امام صاحب کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں بعد السلام سجدہ سہو کرنے کا ذکر ہے اور ائمہ ثلاثہ کا استدلال ان روایتوں سے ہے جن میں قبل السلام سجدہ سہو کا ذکر ہے۔ امام صاحب کے نزدیک قبل السلام والی تمام روایات یا تو بیان جواز پر محمول ہیں اور یا سلام سے مراد آخری سلام ہے۔

کلام فی الصلوٰۃ کا مسئلہ

(۴/۹۳۸) وَعَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ قَدْ سَمَّاهَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَاَ عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتْ سِرْعَانُ الْقَوْمِ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا اَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ اَنْ يُّكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهٗ ذُوالْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

اَنَسِیْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاۃُ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ اَکَمَا یَقُوْلُ ذُوالْیَدَیْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی مَا تَرَکَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ وَکَبَّرَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ وَکَبَّرَ فَرُبَمَا سَاَلُوْہُ ثُمَّ سَلَّمَ فَیَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ متفق علیه ولفظه للبخاری وفی اخریٰ لَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَدَلَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ کُلُّ ذٰلِكَ لَمْ یَکُنْ فَقَالَ قَدْ کَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۵۶۵ حدیث رقم ۴۸۲۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۴۰۳ حدیث رقم (۹۷۔۵۷۳) والنسائی فی السنن ۳/۲۰ حدیث رقم ۱۲۲۴۔

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرینؒ سے ثابت ہے وہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے تو اس نماز کا نام بتا دیا تھا مگر میں بھول گیا حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور پھر سلام پھیر دیا پھر اس لکڑی کے سہارے سے جو کہ مسجد میں عرضاً کھڑی تھی کھڑے ہو گئے گویا آپ غصہ کی حالت میں تھے۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال دیں اور اپنا بایاں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کے پشت پر رکھ دیا۔ جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے جانے لگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے۔ اس وقت صحابہؓ کے درمیان حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے مگر ہیبت کی وجہ سے ان کو رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی صحابہؓ میں ایک اور آدمی تھا جن کے ہاتھ لمبے تھے اسی وجہ سے ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں کوئی کمی ہو گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدین کہہ رہے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں یہی بات ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے دو رکعت نماز اور پڑھائی اور سلام کہہ کر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا لوگ محمد بن سیرین سے پوچھنے لگے پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیر دیا ہوگا انہوں نے کہا مجھے عمران بن حصینؓ سے یہ خبر ملی ہے وہ کہتے تھے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیر دیا۔ (بخاری، مسلم) الفاظ بخاری کے ہیں۔ بخاریؒ اور مسلمؒ کی ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالیدین کے جواب میں لم انس اور لم تقصر فرمایا کل ذالك لم یکن کی جگہ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ان میں سے کچھ تو ضرور ہوا ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کلام فی الصلوۃ کا کیا حکم ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کلام فی الصلوۃ سے مطلقاً نماز فاسد ہو جاتی ہے چاہے کلام عمداً ہو یا سہواً یا جہالت سے ہو امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کلام فی الصلوۃ سہواً یا جہالت سے ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر کلام فی الصلوۃ نماز کی اصلاح کے لئے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ امام احمدؒ کے نزدیک اگر کلام فی الصلوۃ نماز کے مکمل ہونے کے گمان پر ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی حاصل کلام یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کلام فی الصلوۃ فی الجملہ نماز کو فاسد نہیں کرتا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

دلیل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ: امام صاحب کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واقعہ سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حبشہ سے واپس آیا مدینہ منورہ میں تو رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ پہلے جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور ہم آپ کو سلام کرتے تو آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے تھے اب آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کلام فی الصلوۃ

کو منسوخ کیا گیا ہے حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے نماز میں کلام کیا کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی۔قوموا لله قانتین۔تو ہمیں نماز کے اندر کلام کرنے سے منع کر دیا گیا اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

دلیل ائمہ ثلاثہؒ: ائمہ ثلاثہ کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے کہ رسول اللہؐ نے چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھائی تو ذوالیدین صحابی نے سوال کیا اے اللہ کے رسولؐ! نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کچھ بھی نہیں ہوا دوسرے صحابہ نے ذوالیدین کی تصدیق کی تو رسول اللہؐ نے ایک رکعت اور پڑھائی یہ تمام کلام نماز میں ہوا اس سے معلوم ہوا کہ کلام فی الصلوٰۃ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

جواب: یہ واقعہ ان روایات کی وجہ سے منسوخ ہو چکا ہے جن میں کلام فی الصلوٰۃ سے منع کیا گیا۔

سوال: رسول اللہ ﷺ کو خبریں اور افعال میں سہو ہو جانا ناممکن ہے۔مگر اس مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ذوالیدین کے جواب میں کہا نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے بظاہر یہ خلاف واقعہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سہو ہو سکتا ہے۔

جواب: رسول اللہ ﷺ سے سہو ہونا ان خبروں میں ناممکن ہے جو فرائض اسلام میں احکام شریعہ اور وحی الٰہی سے متعلق ہو نہ کہ ہر خبر میں۔

سوال: اس نماز کے دوران رسول اللہ ﷺ سے افعال بھی سرزد ہوئے آپ ﷺ نے کلام بھی کیا صحابہ نے بھی کلام کیا مگر اس کے باوجود اسی نماز کو پورا کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نماز میں کلام اور افعال کا جواز منسوخ نہیں ہوا تھا۔

(۵/۹۳۹)وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهٗ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹۲/۳حديث رقم ۱۲۲٤۔و مسلم في صحيحه ۳۹۹/۱حديث رقم(۸۵۔۵۷)۔وأبو داؤد في السنن۱/۶۲۵حديث رقم ۱۰۳٤۔والترمذي في السنن ۲۳۵/۲حديث رقم ۳۹۱۔والنسائي ۱۹/۳حديث رقم ۱۲۲۲۔والدارمي ٤۲۱/۱حديث رقم ۱٤۹۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بحینہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ظہر کی نماز پڑھائی اور پہلی دو رکعتیں پڑھ کر پہلا قعدہ کیے بغیر کھڑے ہوگئے۔دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے تو لوگ سلام پھیرنے کے منتظر تھے کہ آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کیے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔(بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں سجدہ سہو قبل السلام کا ذکر ہے اور امام شافعیؒ نے اس سے استدلال کیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ روایت بیان جواز پر محمول ہے اور جواز کے ہم بھی قائل ہیں اور دیا یہ روایت فعلی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب قول اور فعل میں تعارض آجائے تو ترجیح قول کو ہوتی ہے اور عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بعد السلام سجدہ سہو کیا کرتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

الفصل الثانی:

سجدہ سہو کے بعد تشہد کا حکم

(۶/۹۴۰)عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ۔

(رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذي ۲/ ۲٤۰ حديث رقم ۳۹۵۔ في المخطوطة "روايته"۔ "في المخطوطة يوتر" في المخطوطة "ولد"۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ایک دن لوگوں کو نماز پڑھائی اور آپ کو سہو ہو گیا پھر آپ نے دو سجدے کیے اس کے بعد تشہد پڑھی اور سلام پھیر دیا۔ (ترمذی) اور کہا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ درود، دعا جو قعدہ میں پڑھے جاتے ہیں آیا اس قعدہ میں بھی اس کو پڑھنا چاہئے جو سجدہ سہو سے پہلے یا سجدہ سہو کے بعد ہے۔ امام کرخیؒ کے نزدیک درود اور دعا سجدہ سہو سے پہلے نہیں پڑھے جائیں گے اور سجدہ سہو کے بعد ان کو پڑھ لیا جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام طحاویؒ اور دیگر علماء کے نزدیک درود اور دعا کو سجدہ سہو سے قبل اور اس کے بعد دونوں صورتوں میں پڑھا جائے۔

پہلا قعدہ چھوٹنے کا حکم

(۷/۹۴۱) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَّسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَإِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔ (رواه ابوداود و ابن ماجة)

أخرجه أبو داؤد ۱/ ۶۲۹ ۱۰۳۶۔ وابن ماجه في السنن ۱/ ۳۸۱ حديث رقم ۳۹۵۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امام دو رکعت پڑھ کر کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو تو اب وہ نہ بیٹھے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ (ابوداود۔ ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی تین یا چار رکعت والی نماز پڑھ رہا تھا اور دو رکعتوں کے بعد قعدہ کیے بغیر وہ کھڑا ہو گیا تو اسکے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر قعود کے قریب ہے تو بیٹھ جائے اور قعدہ کر لے اور اگر وہ قیام کے قریب ہے تو پھر کھڑا ہو جائے نماز کو مکمل کرے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے اگر وہ کھڑا ہونے کے بعد پھر قعدہ کرنے کیلئے لوٹ آیا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ یہ قعدہ واجب ہے اور قیام فرض ہے جو لازم آئیگا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف لوٹنا اور یہ ناجائز ہے۔

الفصل الثالث:

(۸/۹۴۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِي يَدَيْهِ طُوْلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ لَهٗ صَنِيْعَهٗ فَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ حَتّٰى انْتَهٰى إِلَى النَّاسِ فَقَالَ أَصَدَقَ هٰذَا قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۴۰۴ حديث رقم (۱۰۱۔ ۵۷۴) وابن ماجه ۱/ ۳۸۴ حديث رقم ۱۲۱۵۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور گھر میں تشریف لے گئے ایک آدمی کھڑا ہوا جس کو خرباق کہا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ بھی کچھ لمبے تھے اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول پھر انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا رسول اللہ ﷺ غصہ کی حالت میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر نکل گئے اور لوگوں کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہے ہیں صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت اور پڑھا دی پھر سلام پھیرا اور آخر میں سجدہ سہو کیا پھر سلام پھیر کر نماز کو مکمل کر دیا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا واقعہ تقریباً وہی ہے جو اس سے پہلے حدیث نمبر ۴ میں گزر چکا ہے اور نفس مسئلہ بھی وہی ہے اور مسئلہ نفس کی تشریح بقدرِ ضرورت گزر چکی ہے۔

سوال: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین رکعتیں پڑھائی اور حدیث نمبر ۴ میں گزرا ہے کہ دو رکعتیں پڑھائی بظاہر تعارض ہے۔

جواب: یہ دونوں الگ الگ واقعات ہے اور دونوں واقعات میں رسول اللہ ﷺ سے کلام کرنے والے ذوالیدین ہیں۔

سوال: اس حدیث میں کلام کرنے والے کا نام خرباق ذکر کیا گیا ہے اور حدیث نمبر ۴ میں ذوالیدین ذکر کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے یہ دونوں الگ الگ ہیں۔

جواب: اس کو ذوالیدین بھی کہتے ہیں ذوالشمالین بھی کہتے ہیں اور اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کا نام عبید بن عمرو ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا لقب خرباق تھا اور زمانہ اسلام میں تمام لوگوں کے نزدیک ان کا لقب ذوالشمالین تھا اور نبی ﷺ ان کو ذوالیدین کہتے تھے۔

اگر نماز میں شک ہوجائے تو کیا کرے

(۹/۹۴۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلَاةً يَشُكُّ فِي النُّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتّٰى يَشُكَّ فِي الزِّيَادَةِ ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ١/١٩٥ـ في المخطوطة "شروطه"۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے کمی کا شک ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ اور نماز پڑھ لے تاکہ زیادتی کا شک ہوجائے۔ (احمد)

تشریح: اگر کسی آدمی کو نماز میں شک ہوجائے اور تحری سے غلبہ ظن بھی نہ ہو اور شک بھی نقصان والی صورت میں ہو مثلاً چار رکعت والی نماز ہو اس میں شک ہوجائے کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اس صورت میں بناء علی الاقل کرے ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ بجائے نقصان کے زیادتی میں شک ہوجائے کہ چار رکعتیں پڑھی ہیں یا پانچ رکعتیں۔

بَابُ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ

قرآن کریم کے سجدوں کا بیان

الفصل الاوّل:

سورۂ نجم کا سجدہ

(۱/۹۴۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٨/٦١٤ حديث رقم ٤٨٦٢ـ والترمذي ٢/٤٦٤ حديث رقم ٥٧٥ـ في المخطوطة " نقل "۔ في المخطوطة "رواه"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ

مسلمانوں مشرکوں اور جنوں اور سب انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔(بخاری)

تشریح ❁ اس حدیث میں سورۂ نجم کے اندر سجدہ تلاوت ادا کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت کی جب اس آیت کریمہ پر پہنچے :فاسجدوا لله واعبدوا۔ کہ اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اسی کے لئے عبادت کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے اطاعت الٰہی کی غرض سے سجدہ ادا کیا جوں ہی آپ سجدہ ریز ہوئے تمام سجدے میں چلے گئے اب اس مقام پر یہ معاملہ محل نظر ہے کہ آپ کا سجدہ تو ٹھیک ہے لیکن مشرکین وغیرہ کیسے سجدہ ریز ہوگئے۔اس کی علماء نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں ہم ان کو طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کرتے صرف اتنی بات ذکر کرنا مناسب ہے کہ سورۂ نجم کی اس آیت میں افرأیتم اللات والعزٰی...... یقیناً یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی مگر اس میں جو شیطان کی طرف سے اضافے کا ذکر کیا جاتا ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام پر ہوگی۔

سورۃ الانشقاق اور علق میں سجدہ

(۲/۹۴۵)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۰۶حدیث رقم (۱۰۷۔۵۷۸)۔الترمذی ۲/۴۶۲حدیث رقم ۵۷۳۔والنسائی ۲/۱۶۱حدیث رقم ۹۶۳۔وابن ماجه ۱/۳۳۶حدیث رقم ۱۰۵۸۔

ترجمہ :حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ تلاوت کیا۔(مسلم)

تشریح ❁ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مفصلات کی سورتوں میں سجدہ تلاوت ہے یا نہیں امام مالکؒ کے نزدیک مفصلات کی سورتوں میں سجدہ تلاوت نہیں ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک مفصلات کی سورتوں میں سجدہ تلاوت ہے بظاہر امام مالکؒ کا مذہب مذکورہ حدیث کے خلاف ہے۔

سجدہ تلاوت کے لئے صحابہ کا شوق

(۳/۹۴۶)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقْرَاُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ فَیَسْجُدُ وَنَسْجُدُمَعَهٗ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰی مَا یَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا یَسْجُدُ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۵۷حدیث رقم ۱۰۷۶۔ومسلم فی صحیحه ۱/۴۰۵حدیث رقم (۱۰۴۔۵۷۵) واخرجه الدارمی ۱/۴۰۹حدیث رقم ۱۴۷۲۔

ترجمہ :حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ کی کوئی آیت پڑھتے اور ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے جب آپ سجدہ تلاوت ادا کرتے تو ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ ادا کرتے اور ہم لوگوں کا اس قدر اژدہام ہوتا کہ ہم میں سے بعض کو اپنی پیشانی زمین پر رکھنے کے لئے سجدہ کرنے کے لئے جگہ بھی نہ ملتی تھی۔(بخاری، مسلم)

تشریح ❁ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو سجدہ تلاوت ادا کرنے کا کس قدر شوق تھا کہ جب صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے تو آپ کو اس قدر رشک آتا اور سجدہ ادا کرنے کا شوق ہوجاتا کہ وہ بھی فی الفور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ ریز ہوجاتے۔اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام سجدہ تلاوت کو واجب سمجھتے تھے اگر وہ سجدہ تلاوت کو ضروری نہ سمجھتے تو وہ اژدہام کے ساتھ اس قدر اپنے شوق اور اطاعت کا اظہار نہ کرتے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ جب کوئی

آدمی تلاوت کرے اور اس کے پاس جولوگ موجود ہوں ان پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا۔

سورۂ نجم کے سجدہ کا حکم

(۴/۹۴۷) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٥٤حديث رقم ١٠٧٢۔ومسلم ١/٤٠٦حديث رقم(١٠٦۔٥٧٧)۔وأبو داوٗد ٢/١٢١حديث رقم ١٤٠٤۔والترمذي في السنن ٢/٤٦٩حديث رقم ٥٧٦۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت کی اور آپ نے اس میں سجدہ تلاوت نہیں کیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: امام مالکؒ نے اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے کہ مفصلات کی سورتوں میں سجدہ تلاوت نہیں ہے اور سورۂ نجم مفصلات میں سے ہے جب زید بن ثابت نے اس کی تلاوت کی تو رسول اللہ ﷺ نے سجدہ تلاوت ادا نہیں کیا اور نہ ہی زید بن ثابت کو حکم دیا لیکن جمہور ائمہ نے اس حدیث کے اندر تاویل کی ہے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ میں سورۂ نجم کی تلاوت پر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ تلاوت ادا نہیں کیا بیانِ جواز کے لئے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سورۂ نجم میں سجدہ تلاوت ثابت ہے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت میں گزر چکا ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ میں یا تو آپ نے سجدہ اس لئے نہیں کیا کہ آپ کا وضو نہیں تھا یا اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ وقت مکروہ تھا یا لوگوں کو اس بات کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ سجدہ تلاوت فی الفور واجب نہیں ہوتا بلکہ اس کی ادائیگی میں تاخیر ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ آپ نے اس وقت سجدہ نہ کیا ہو اور بعد میں کسی وقت وہ سجدہ کر لیا ہو۔

سورۂ ص کا سجدہ

(۵/۹۴۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ ص لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْجُدُ فِيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَأَسْجُدُ فِيْ صٓ فَقَرَأَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ حَتّٰى أَتٰى فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ ﷺ مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٥٢حديث رقم ١٠٦٩۔والترمذي في السنن ٢/٤٦٩حديث رقم ٥٧٧۔والدارمي في السنن ١/٤٠٧حديث رقم ١٤٦٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سورۂ ص کا سجدہ ضروری سجدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۂ ص میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوال کیا کہ کیا میں سورۂ ص میں سجدہ کروں اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ ومن ذریته داوٗد و سلیمن سے فبهدهم اقتده۔ کہ نبی (ﷺ) بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو پہلے انبیاء کی اتباع کا حکم تھا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں بظاہر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول رسول اللہ ﷺ کے فعل کے موافق ہے وہ اس طرح کہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورۂ ص کا سجدہ ضروری سجدوں میں سے نہیں ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ص میں سجدہ کیا ہے بعض علماء نے کہا ہے لیس من عزائم السجود کی نفی فرض پر محمول ہے مطلب یہ ہوگا کہ سورۂ ص کا سجدہ فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے اور بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ سورۂ ص کا سجدہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کے شکر میں ادا کیا ہے۔

الفصل الثّانی:

قرآن کریم میں پندرہ سجدے ہیں

(۶/۹۴۹)عَنْ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ اَقْرَأَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِی الْقُرْاٰنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِی الْمُفَصَّلِ وَفِیْ سُوْرَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَیْنِ ۔ (رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن۲/۱۲۰حدیث رقم ۱۴۰۱۔وابن ماجه ۳۳۵/۱حدیث رقم ۱۰۵۷۔ فی المخطوطة "ابی عبدالحق "۔وفی فتح القدیر عبدالحق [۴۶۵/۱]۔

ترجمہ: حضرت عمروابن عاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ہیں اوران میں سے تین سجدے مفصلات کی سورتوں میں سے ہیں اور دو سجدے سورۂ حج میں سے ہیں۔ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

تشریح ۞ حضرت عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ قرآن میں مجھے رسول اللہ ﷺ نے پندرہ سجدے بتائے ہیں اس حدیث میں بعض نسخوں کے اندر اقرأہ اور بعض نسخوں میں اقرأنی کے الفاظ ہیں مطلب دونوں کا ایک ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے قرآن میں پندرہ سجدوں کا حکم دیا وہ اس طرح کہ سورۂ اعراف میں سورۂ رعد میں سورۂ نحل میں سورۂ بنی اسرائیل میں سورۂ مریم میں سورۂ حج میں دو سورۂ فرقان میں سورۂ نمل میں سورۂ الٓم تنزیل میں سورۂ ص میں سورۂ حم سجدہ میں سورۂ نجم میں سورۂ انشقاق میں سورۂ علق میں ۔اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں سجدہ تلاوت کی تعداد کیا ہے اور کتنے سجدے واجب اور ضروری ہیں امام احمدؒ کے نزدیک کل پندرہ سجدے ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت کی تعداد چودہ ہیں وہ اس طرح کہ ان کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ نہیں ہے اور سورۂ حج میں دو سجدے ہیں امام مالکؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت کی تعداد گیارہ ہیں کیونکہ ان کے نزدیک سورۂ ص سورۂ نجم سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ نہیں ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن میں کل سجدہ تلاوت کی تعداد چودہ ہے ان کے نزدیک سورۂ حج میں صرف ایک سجدہ ہے اور علماءِ احناف نے یہ بھی کہا ہے کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں لہٰذا یہ روایت استدلال کے قابل نہیں ہے اصل یہ ہے کہ آیت سجدہ جب بھی تلاوت کی جائے تو سجدہ تلاوت نماز میں بھی واجب ہے اور یہ مسئلہ بھی یاد رہے جو سجدہ تلاوت نماز میں بھی واجب ہے اس کو نماز میں ادا کرنا واجب ہے۔سجدہ تلاوت میں وہی تسبیحات پڑھی جائیں جو عام سجدوں میں پڑھی جاتی ہیں۔اب سجدہ تلاوت کی ایک خاص تسبیح بھی ذکر کی گئی ہے اور وہ یہ ہے :سجد وجهی للذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره بحوله وقوته فتبارك الله احسن الخالقین۔اور اگر کسی نے سجدہ تلاوت کی آیت پڑھ کر رکوع کر لیا تو رکوع کے ضمن میں سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

دو سجدوں کی وجہ سے سورۂ حج کی فضیلت

(۷/۹۵۰)وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِاَنَّ فِیْهَا سَجْدَتَیْنِ. قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ یَسْجُدْهُمَا فَلَا یَقْرَأْ هُمَا۔ رواہ ابوداود والترمذی وقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِیِّ وَفِی الْمَصَابِیْحِ فَلَا یَقْرَأْهَا كَمَا فِیْ شَرْحِ السنةِ (رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبوداوٗد ۱۲۰/۲حدیث رقم ۱۴۰۲۔والترمذی ۴۷۰/۲ حدیث رقم ۵۷۸۔فی المخطوطة "بها"۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ سورۂ حج کو اس لئے

فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں آپ نے فرمایا ہاں جو انسان ان دونوں سجدوں کو نہ کرے وہ ان دونوں سجدوں کی آیتوں کو تلاوت نہ کرے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مضبوط نہیں ہے اور مصابیح میں فلا یقرأھما کے بجائے فلا یقراھا کے الفاظ ہیں جیسے شرح السنہ میں ذکر کیا گیا ہے مطلب یہ ہوگا کہ وہ آدمی اس سورت کو نہ پڑھے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں زجر اور توبیخ ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو انسان سورۂ حج کی دونوں آیتوں کو نہ پڑھے اور سجدہ تلاوت نہ کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ سورۂ حج کی سجدہ تلاوت والی دونوں آیتوں کو نہ پڑھے گویا یہ زجر پر محمول ہوگا نہ کہ حکم پر۔ یہ مطلب ہوگا: فلا یقرأھما کے نسخہ کے مطابق اور دوسرے نسخہ کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ جو انسان سورۂ حج کی تلاوت کرنے کے باوجود سجدہ تلاوت نہیں کرتا اس کو چاہئے کہ وہ اس سورت کی تلاوت نہ کرے اس اعتبار سے بھی یہ زجر اور توبیخ پر محمول ہوگی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر اور حکم پر محمول ہے مطلب یہ ہوگا کہ جس آدمی نے سورۂ حج میں سجدہ نہ کرنا ہو وہ ان آیتوں کو نہ پڑھے تا کہ اس پر سجدہ تلاوت واجب نہ ہو کیونکہ اگر ان آیتوں کو پڑھ لیا تو پھر سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا اور اگر اس میں سجدہ تلاوت ادا نہ کیا وہ انسان واجب کو ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور رسول اللہ ﷺ نے گناہ سے بچانے کے لئے یہ حکم دیا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورۂ حج میں ایک سجدہ ہے نہ کہ دو پہلا سجدہ واجب ہے اور دوسرا واجب نہیں ہے۔

سجدۂ تلاوت نماز میں ادا کرنا

(۸/۹۵۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سَجَدَ فِی صَلٰوۃِ الظُّهْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَکَعَ فَرَأَوْا اَنَّهٗ قَرَأَ تَنْزِیْلَ ا لسَّجْدَۃِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۵۰۷ حديث رقم ۸۰۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے اور رکوع کیا لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شاید آپ نے سورۂ الٓمٓ تنزیل پڑھی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ تلاوت ادا کیا اس وضاحت کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی تا کہ یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ جب بھی آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے چاہے نماز سے باہر تلاوت کی جائے یا نماز میں تلاوت کی جائے اور قراءت عام ہے چاہے جہراً ہو یا سراً جہراً تلاوت کی صورت میں سجدہ تلاوت واجب ہونا ظاہر ہے اسی طرح سراً قراءت سے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے باقی حدیث میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ لوگوں نے جو خیال کیا آپ نے ظہر کی نماز میں سورۂ الٓمٓ تنزیل سجدہ کی تلاوت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ اکثر سری نمازوں میں جس سورت کی تلاوت کرتے اس کی کوئی آیت یا آیت کا کوئی حصہ جہراً تلاوت کر دیتے تھے اس عادت کے مطابق آپ نے اس نماز میں بھی کسی آیت کو یا آیت کے کسی حصہ کو باآواز بلند تلاوت کیا ہوگا جس سے لوگوں کو اس بات کا علم ہوگیا کہ آپ نے اس نماز میں سورۂ الٓمٓ تنزیل سجدہ تلاوت کی ہے اور اس حدیث سے یہ بھی مسئلہ معلوم ہوگیا کہ اگر سجدہ تلاوت کی ادائیگی کے لئے محض رکوع پر اکتفا کرنا صحیح ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس نماز کے اندر رکوع میں سجدہ تلاوت کو ادا کرنے کی نیت کر لیتے اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا۔

رسول اللہ ﷺ سجدہ تلاوت کی آیت پڑھنے پر سجدہ تلاوت کرتے تھے

(۹/۹۵۲) وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقْرَأُ عَلَیْنَا الْقُرْاٰنَ فَاِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَۃِ کَبَّرَ وَسَجَدْنَا مَعَهٗ۔

(رواہ ابو داؤد)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٢/١٢٥ حديث رقم ١٤١٣۔ والدارمي ١/٤٣٩ حديث رقم ١٥٥٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور جب سجدے کی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں صراحۃً یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ سجدہ تلاوت اس آدمی پر واجب ہو جاتا ہے جو سجدہ تلاوت کی آیت کو پڑھے اور اس انسان پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے جو سجدہ کی آیت کو سنے تو ثابت ہو گیا کہ قاری اور سامع دونوں کے لئے سجدہ تلاوت مساوی ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ سجدہ تلاوت کے اندر سجدے کو جاتے ہوئے تکبیر کہنی چاہئے سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر مسنون نہیں ہے یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت ادا کرنے والا شخص پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اس کے بعد دوسری تکبیر کہہ کر سجدے کے لئے جائے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک روایت منقول ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے سجدہ تلاوت کے لئے کھڑا ہونا پھر رکوع میں جانا مستحب ہے مگر امام صاحب کے نزدیک مذکورہ حدیث کی وجہ سے ایک تکبیر ہے سجدہ کو جاتے ہوئے۔

سجدۂ تلاوت سواری پر ادا کرنے کا حکم

(۱۰/۹۵۳) وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْاَرْضِ حَتّٰى اَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلٰى يَدِهٖ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٢/١٢٥ حديث رقم ١٤١١۔ في المخطوطة "مفرد"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال سجدہ تلاوت والی آیت پڑھی اور تمام لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ تلاوت ادا کیا سجدہ کرنے والوں میں سے بعض سواریوں پر تھے اور وہ اپنے ہاتھوں پر ہی سجدہ کر رہے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے سال اسی سورت کی تلاوت کی کہ جس میں سجدہ کی آیت تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ نے سجدہ تلاوت ادا کیا اور آپ کے ساتھ جو لوگ موجود تھے ان سب نے بھی سجدہ کیا اس وقت کچھ لوگ اپنی سواریوں پر تھے اور کچھ زمین پر تھے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سفر سے متعلق ہے اور آپ ﷺ نے باوجود سفر کے سجدہ تلاوت ادا کیا اور دوسرے لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ تلاوت ادا کیا اور جو لوگ سواریوں پر تھے انہوں نے اپنے ہاتھوں کو آگے کیا اور ہاتھوں پر سجدہ کیا اور جو زمین پر تھے انہوں نے زمین پر ادا کر لیا بعض علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ سجدۂ تلاوت صرف گردن جھکانے سے بھی ہو جاتا ہے اور یہی امام صاحب کا مسلک ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ مستقل سجدہ کیا جائے گا ہاں البتہ اگر عذر ہو تو پھر اس طرح کیا جا سکتا ہے جیسے سواری پر سوار ہونا بھی ایک عذر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مفصلات کی سورتوں میں سجدہ نہیں کیا

(۱۱/۹۵۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَسْجُدْ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔

(رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داؤد ٢/١٢١ حديث رقم ١٤٠٣۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد مفصلات کی سورتوں میں سے کسی سورت میں سجدہ ادا نہیں کیا۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں صراحتہً یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد مفصلات کی کسی سورت میں سجدہ تلاوت ادا نہیں کیا بعد الہجرت کی قید سے خود بخود یہ ثابت ہو گیا کہ مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ مفصلات کی سورتوں میں سجدہ تلاوت ادا کرتے تھے۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے آپ کو ہجرت الی المدینہ کے بعد مفصلات کی سورتوں میں سجدہ کرتے ہوئے نہ دیکھا ہو اس سے نفس سجدہ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اس سے پہلے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ تلاوت ادا کیا ہے اور سورۂ نجم فضیلت والی سورت ہے اور یہ امتیاز اور خصوصی فضیلت سجدہ تلاوت کی وجہ سے حاصل ہے اور دیگر صحابہ کرام سے بھی یہ ثابت ہے کہ وہ مفصلات کی سورتوں میں سجدہ تلاوت ادا کرتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے ان رؤیت کی نفی ہو گی کہ انہوں نے ہجرت کے بعد سجدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا سجدے کی نفی نہیں ہو گی۔

سجدۂ تلاوت کی تسبیح

(۱۲/۹۵۵) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ۔

(رواه ابوداود والترمذی والنسائی وقال الترمذی هذا حديث حسن صحيح)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۱۲٦ حديث رقم ۱٤۱٤۔ والترمذی ۲/٤٧٤ حديث رقم ۵۸۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو قرآن کریم کے سجدوں میں یہ تسبیح پڑھتے تھے: سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ۔ کہ میرے چہرہ نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی قوت اور قدرت سے کان اور آنکھیں بنائیں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت سجدہ تلاوت میں یہ تسبیح پڑھتے یہاں رات کی قید قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی مطلب یہ ہو گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس تسبیح کو رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز میں سنا ہو گا اس لئے اس کو اس طرح بیان کر دیا حالانکہ سجدہ تلاوت جس طرح رات کی نماز میں ادا کیا جاتا ہے اسی طرح دن کی نماز میں بھی ادا کیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں مذکور ہے کہ ظہر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے سجدہ تلاوت ادا کیا اور سجدہ تلاوت کی تسبیحات میں سے ایک تسبیح وہ ہے کہ جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور بعض دیگر احادیث میں یہ تسبیح ذکر کی گئی ہے۔ رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی۔ اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے مجھے بخش دے احناف کے نزدیک سجدہ تلاوت میں سبحان ربی الاعلی والی تسبیح کفایت کر جاتی ہے اور اس کو پڑھنا آسان ہے۔

سجدہ تلاوت کے وقت درخت کی دعا

(۱۳/۹۵٦) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُنِيْ اللَّيْلَةَ وَاَنَا

نَائِمٌ كَاَنِّيْ اُصَلِّيْ خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُّ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُوْدِيْ فَسَمِعْتُهَا تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُهٗ وَهُوَ يَقُوْلُ مِثْلَ مَا اَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ (رواه الترمذی وابن ماجة) اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ وَقَالَ الترمذی هٰذا حديث غريب۔ (ترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٤٥٥ حديث رقم ٣٤٢٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے آج رات اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا ہوں اور میں نے سجدہ تلاوت والی آیت پڑھی ہے اور جب میں نے سجدہ تلاوت ادا کیا تو اس درخت نے بھی میرے ساتھ سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھتا ہے اے اللہ میرے لئے اپنے پاس میرے اس سجدہ کا ثواب رکھ اور اس کی وجہ سے میرے گناہ معاف فرما اور اس سجدہ کو میرے لئے ذخیرہ بنا اپنے پاس اور اس سجدہ کو میرے طرف سے ایسا قبول کر جیسے تو نے اپنے بندے داؤد کے سجدے کو قبول کیا حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کو پڑھنے کے غرض سے اسی مجلس میں یا بعد میں سجدہ کی آیت کو تلاوت کیا اور سجدہ ادا کیا اور میں نے رسول اللہؐ سے وہی کلمات سنے جو اس آدمی نے درخت سے نقل کیے تھے۔ (ترمذی۔ابن ماجہ) مگر اس روایت میں وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ یہ الفاظ ذکر نہیں کئے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے رات کے وقت خواب کی حالت میں سجدہ تلاوت والی آیت پڑھی اور پھر سجدہ ادا کیا احتمال ہے کہ اس آدمی نے سورۂ ص کی آیت پڑھی ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی یہی احتمال ہے شاید آپ نے بھی سورۂ ص کی آیت پڑھی ہوگی اور دوسرے قول کے مطابق احتمال یہ ہے سورۃ السجدہ کی تلاوت کی گئی اور اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ حکمت اور صداقت جہاں سے ملے وہ اسلام کی وراثت ہے اس کی فی الفور تصدیق کرنی چاہئے اور اس کو بغیر کسی ندامت کے اور مخالفت کے قبول کر لینا چاہئے جیسے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حکمت اور صداقت کی بات کو فی الفور قبول کر لیا تو جب آپ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ درخت نے یہ دعا کی رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی کیونکہ جو بات اس نے کہی ہے وہ صداقت ہے پھر اس کی مخالفت اور اس کے بارے میں بحث فضول ہے۔

الفصل الثالث:

رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کا سجدہ کیا

(۱۴/۹۵۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَاَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهٗ غَيْرَ اَنَّ شَيْخًا مِنْ قُرَيْشٍ اَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى جَبْهَتِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا (متفق عليه) وزاد البخاری فی رواية وهو امية بن خلف۔

أخرجه البخاری فی صحيحه ٢/٦٤٣ حديث رقم ١٠٧٠۔ وأخرجه مسلم ١/٤٠٥ حديث رقم (٥-١٠٧٦) وأبوداؤد فی السنن ٢/١٢٢ حديث رقم ١٤٠٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن سورۂ نجم کی تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو لوگ موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا مگر ایک بوڑھے قریشی نے اپنی ہتھیلی میں کنکریاں یا مٹی لے کر اپنی پیشانی پر لگائی اور کہا کہ میرے لئے یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کے بعد دیکھا کہ وہ شخص کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔ (مسلم) بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں کہ وہ بوڑھا شخص امیہ بن خلف تھا۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح بقدر ضرورت پہلے گزر چکی ہے کہ سورۂ نجم میں سجدہ کا کیا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ سجدہ کرنے والے لوگ کون تھے۔ اور ان لوگوں کی اس سے کیا مراد تھی۔ لیکن اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ ایک بوڑھے قریشی کا ذکر کیا گیا ہے جس کا نام امیہ بن خلف ہے تو اس نے اپنے تکبر کو ظاہر کرتے ہوئے اپنی ہتھیلی میں چند کنکریاں یا کچھ مٹی لے کر اپنی پیشانی سے لگائی اور کہا کہ میرے لئے یہی کافی ہے یہ رسول اللہ ﷺ کے مخالفین میں سے تھا اور آل مکہ میں سے سردار اور معزز سمجھا جاتا تھا اور اس کو اپنی ذہانت اور سرداری پر فخر تھا یہ ذو معنی کلام میں ماہر تھا۔

سورۂ ص کا سجدہ

(۱۵/۹۵۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ فِيْ صٓ وَقَالَ سَجَدَهَا دَاوٗدُ تَوْبَةً وَنَسْجُدُهَا شُكْرًا۔ (رواه النسائى)

أخرجه النسائى فى السنن ۲/ ۱۵۹ حديث رقم ۹۵۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے سورۂ ص کا سجدہ توبہ کی قبولیت کے لئے کیا تھا اور ہم یہ سجدہ ان کی توبہ کی قبولیت پر شکر گزاری کے لئے کرتے ہیں۔ (نسائی)

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا تھا جب ان کی توبہ قبول ہوئی اور ہم یہ سجدہ توبہ کی قبولیت کی وجہ سے بطور شکر گزاری کے کرتے ہیں۔ سورۂ ص میں سجدہ کا حکم اور وضاحت پہلے گزر چکی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بات کا آغاز بھی سورۂ ص کے سجدہ سے ہوا اور اختتام بھی سورۂ ص کے سجدہ سے ہوا یہ اس کی خصوصی فضیلت اور شان ہے۔

بَابُ اَوْقَاتِ النَّهْيِ

یہ باب اوقاتِ مکروہہ کے بیان میں ہے

الفصل الاول:

سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے

(۱/۹۵۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَتَحَرّٰى اَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَبْرُزَ فَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَغِيْبَ وَلَا تَحَيَّنُوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ

قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦/٣٣٥حدیث رقم ٣٢٧٢۔٣٢٧٣۔ومسلم فی صحیحة ١/٥٦٧حدیث رقم (٢٨٩۔٨٢٨)۔والنسائی ١/٢٧٨حدیث رقم ٥٧٠۔ومالك فی الموطأ ١/٢١٩حدیث رقم ٤٥من كتاب القرآن ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج اچھی طرح ظاہر ہو جائے اور ایک نیزے کے بقدر سورج اچھی طرح بلند ہو جائے اور جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ اچھی طرح غروب ہو جائے سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرو اس لئے کہ سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔(بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز نہ پڑھو کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے یہ درحقیقت کنایہ ہے سورج پرستوں کی دو جماعتوں سے جو اس وقت دنیاوی اعتبار سے سپر طاقت ہیں اور ان لوگوں کو سینگوں والا اشارہ کیا جاتا ہے۔ جو اپنی طاقت کی وجہ سے اپنے آپ کو منوانے کا دعویٰ کرے اور اسلام کا یہ خاص انداز ہے کہ اسلام طاقت ور کی طاقت کو اندھا دھند تسلیم نہیں کرتا کہ جو کچھ طاقت والے کے دل میں آئے اور اسلام اس کو تسلیم کر لے اس دور میں لوگ ان کی شان وشوکت کی وجہ سے سورج کی پرستش کی طرف مائل تھے اسلام نے ان کو چھیڑا تو نہیں لیکن ان کی اس ضلالت کی پرواہ کیے بغیر مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ تم ان اوقات میں جس وقت یہ سورج کی پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ دو تا کہ ان کو تاویل کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو اگر تم نے اس معاملہ میں ذرہ برابر لچک پیدا کی تو یہ لوگ تمہارے دین کو خراب اور فاسد کرنے کی ضرور کوشش کریں گے۔ اور اگر تم لوگ اپنے دین مذہب پر قائم دائم رہے اور چڑھتے سورج کی پوجا نہ کی تو غلبہ اور فتح تمہارے لئے مقدر ہے اس لئے اسلام نے حکم دیا کہ ان اوقات مکروہہ میں کوئی نماز چاہے فرض ہو یا واجب ہو یا نفل ہو ادا ہو یا قضا ہو اور نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔

جن اوقات میں نماز ادا کرنا منع ہے

(٢/٩٦٠)وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَانَا اَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضَيَّفَ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ١/٥٦٩حدیث رقم (٢٩٣۔٨٣١)۔والترمذی ٣/٣٤٨حدیث رقم ١٠٣٠۔والنسائی ١/٢٧٧ حدیث رقم ٥٦٥۔وابن ماجه ١/٤٨٦حدیث رقم ١٥١٩۔والدارمی ١/٣٩٤حدیث رقم ١٤٣٢۔وأحمد فی المسند ٤/١٥٢۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین اوقات میں نماز پڑھنے سے اور مردوں کو دفن کرنے سے منع کیا ہے۔ طلوع شمس کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو جائے دوپہر کو سایہ قائم ہونے کے وقت یہاں تک کہ غروب ہو جائے اور غروب شمس کے وقت یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔(مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے: ❶ سورج طلوع ہونے کے وقت۔ ❷ زوال شمس کے وقت۔ ❸ غروب شمس کے وقت۔ اس حدیث میں مردوں کو دفن کرنے سے منع کیا گیا ہے مراد اس سے نماز جنازہ ہے مطلب یہ ہوگا

کہ ان تین اوقات میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ قبر میں دفن کرنے کے لئے کوئی وقت مکروہ نہیں ہے ہر وقت میت کو قبر میں اتارا جا سکتا ہے۔

نمازِ فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے

(۳/۹۶۱)وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَاصَلَاۃَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۶۹/۲حدیث رقم ۵۸۱۔ومسلم فی صحیحه ۵۶۶/۱حدیث رقم (۲۸۶۔۸۲۶) ۔ وأبوداؤد ۵۶/۲حدیث رقم ۱۲۷۶۔والترمذی ۳۴۳/۱حدیث رقم ۱۸۳۔والنسائی ۲۷۶/۱حدیث رقم ۵۶۲وابن ماجه ۳۹۶/۱حدیث رقم ۱۲۵۰والدارمی ۳۹۴/۱حدیث رقم ۱۴۳۳۔وأحمد فی المسند ۱۸/۱۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز فجر کے بعد اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے گویا کہ یہ وقت بھی مکروہ ہیں۔ یہاں نماز سے مراد نفل نماز ہے کہ ان دو وقتوں میں نفل نماز جائز نہیں جب تک سورج اچھی طرح طلوع نہ ہو جائے یا غروب نہ ہو جائے ہاں البتہ ان دو وقتوں میں نماز جنازہ اور قضاء نماز پڑھنی جائز ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کراہت کی دو قسمیں ہیں کراہت لعینہ اور کراہت لغیرہ۔ جن اوقات میں کراہت لعینہ ہے ان میں کوئی نماز جائز نہیں ہے اور جن میں کراہت لغیرہ ہے ان میں نماز جنازہ اور قضاء اور سجدہ تلاوت جائز ہے اور نماز فجر کے اور نماز عصر کے بعد کراہت لغیرہ ہے۔

اوقاتِ نماز

(۴/۹۶۲)وَعَنْ عَمْرِوْ بْنِ عَبَسَۃَ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَۃَ فَقَدِمْتُ الْمَدِیْنَۃَ فَدَخَلْتُ عَلَیْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الصَّلَاۃِ فَقَالَ صَلِّ صَلَاۃَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاۃِ حِیْنَ تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ وَ حِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَهَا الْکُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلَاۃَ مَشْهُوْدَۃٌ مَحْضُوْرَۃٌ حَتّٰی یَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاۃِ فَاِنَّ حِیْنَئِذٍ تُسَجَّرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَیْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلَاۃَ مَشْهُوْدَۃٌ مَحْضُوْرَۃٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاۃِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَهَا الْکُفَّارُ قَالَ قُلْتُ یَانَبِیَّ اللّٰہِ فَالْوُضُوْءَ حَدِّثْنِیْ عَنْهُ قَالَ مَامِنْکُمْ رَجُلٌ یُقَرِّبُ وَضُوْءَهٗ فَیُمَضْمِضُ وَیَسْتَنْشِقُ فَیَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا وَجْهِهٖ وَفِیْهِ وَخَیَاشِیْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ کَمَا اَمَرَهُ اللّٰہُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْیَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَغْسِلُ یَدَیْهِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا یَدَیْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَمْسَحُ رَاْسَهٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا رَاْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَغْسِلُ قَدَمَیْهِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا رِجْلَیْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰی فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ وَمَجَّدَهٗ بِالَّذِیْ هُوَ لَهٗ اَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰہِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِیْئَتِهٖ کَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۵۶۹/۱حدیث رقم(۲۹۴۔۸۳۲)۔والنسائی ۲۷۹/۱حدیث رقم ۵۷۲۔وأحمد فی المسند ۲۶۳/۴۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن عبسہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے مدینہ تشریف لانے کے بعد میں مدینہ میں آیا اور آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے نماز کے اوقات کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صبح کی نماز ادا کرو اور پھر نماز سے رک جاؤ۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر بلند ہو جائے اس لئے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کافر سورج کی پرستش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھو کیونکہ اس نماز کے وقت فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سورج کا سایہ زمین پر ایک نیزہ کے بقدر ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ دوپہر ہو جائے۔ پھر نماز سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت جہنم کی آگ کو بھڑکایا جاتا ہے پھر جب سورج کا زوال ہو جائے تو پھر نماز پڑھو کیونکہ یہ فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے۔ یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کافر لوگ اس کی طرف سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ حضرت عمرو ابن عبسہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ وضو کی فضیلت کے بارے میں کچھ بتا دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی وضو کا پانی لے اور بسم اللہ پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھوئے پھر مضمضہ اور استنشاق کرے تو ناک اور ناک کے نتھنوں کے اندر کے گناہ گر جاتے ہیں پھر اس کے چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کے گناہ اس کی انگلیوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں پھر جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں۔ اور پھر جب وہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں پاؤں کے گناہ اس کی انگلیوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور پھر وضو سے فارغ ہو کر جب وہ کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہے جس کے وہ لائق ہے اور پھر وہ اپنے دل کو اللہ کے لئے فارغ کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ایک تو نماز کے اوقات کو بیان کیا ہے جن اوقات میں نماز پڑھنا جائز ہے ان کو جن میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے ان کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح وضو کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ جو آدمی اچھی طرح آداب کی رعایت کرتے ہوئے وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور یہاں گناہوں سے مراد صغائر ہیں نہ کہ کبائر کیونکہ کبائر کے لئے توبہ شرط ہے اور اس حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے کہ سایہ نیزہ پر چڑھ جائے اور زمین پر نہ پڑے اس کا تعلق حرمین شریفین یعنی مکہ اور مدینہ کے لئے خاص ہے کیونکہ وہاں جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو کسی چیز کا سایہ نہیں رہتا جب سورج کا زوال ہو جاتا ہے اس وقت معمولی سا سایہ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔

عصر کے بعد دو رکعت کا مسئلہ

(۵/۹۶۳) وَعَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْاَزْهَرِ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالُوْا اِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا اَرْسَلُوْنِىْ فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِىْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَاَيْتُهُ يُصَلِّيْهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِىْ لَهٗ تَقُوْلُ اُمُّ سَلَمَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ وَاَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا قَالَ يَا ابْنَةَ اَبِىْ اُمَيَّةَ سَاَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَاِنَّهٗ اَتَانِىْ نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِىْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري ۳/ ۱۰۵ حديث رقم ۱۲۳۳۔ ومسلم في صحيحه ۱/ ۵۷۱ حديث رقم (۲۹۷۔ ۸۳۴) وأبو داؤد في السنن ۲/ ۵۴ حديث رقم ۱۲۷۳۔ وابن ماجه ۱/ ۳۶۶ حديث رقم ۱۱۵۹۔ والدارمي ۱/ ۳۹۵ حديث رقم ۱۴۳۶۔ وأحمد في المسند ۶/ ۳۰۳۔

ترجمہ: حضرت کریب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمن نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ ہماری طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام پیش کرنا اور ان سے عصر کے بعد دو رکعت کے بارے میں پوچھنا حضرت کریب فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان تینوں حضرات کا پیغام میں نے ان تک پہنچایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم حضرت ام سلمہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے یہ مسئلہ پوچھو میں یہ جواب سن کر ان تینوں حضرات کے پاس واپس آ گیا اور انہوں نے مجھے پھر حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت ام سلمہؓ نے میرا سوال سن کر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ ان دو رکعتوں کو پڑھنے سے منع کرتے تھے پھر میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوئے دیکھا جب آپ مکان کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے تو میں نے خادمہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور اس سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کہو کہ ام سلمہ کہتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ ان دو رکعتوں کو پڑھنے سے منع کرتے تھے اور اب میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خادمہ سے کہا کہ ام سلمہ سے جا کر کہو کہ ابوامیہ کی بیٹی تم نے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ اسلامی احکام سیکھنے کے غرض سے میرے پاس آئے تھے انہیں اسلامی فرائض کی تعلیم دینے کی مصروفیت کی وجہ سے ظہر کے بعد دو سنتیں رہ گئی تھی ان کو عصر کے بعد میں نے پڑھا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت مسور اور حضرت عبدالرحمن نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کریب کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھ کر آئیں کہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے یا نہیں؟ اور آپ نے ان دو رکعتوں کو پڑھنے سے منع کیا ہے یا نہیں۔ حضرت کریب ان تینوں حضرات کے حکم کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہو گئے تو آپ نے آنے کی غرض بتائی اور ان تینوں حضرات کا سلام آپ کی خدمت میں عرض کیا اور اس کے بعد ان سے مسئلہ پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نفل پڑھنے سے منع کیا ہے یا نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم حضرت ام سلمہ کے پاس جاؤ اور ان سے جا کر مسئلہ کے متعلق پوچھو تو حضرت کریب حضرت ام سلمہ کے پاس جانے کے بجائے سیدھے واپس ان تینوں بزرگوں کے پاس آ گئے جنہوں نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تھا اور آ کر بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا ہے کہ حضرت ام سلمہ سے یہ مسئلہ پوچھ لیا جائے پھر ان تینوں بزرگوں نے حضرت کریب کو ام سلمہ کے پاس بھیج دیا جب کریب حضرت ام سلمہ کے پاس حاضر ہوئے تو ان کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور مسئلہ پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد نفل پڑھتے تھے یا نہیں۔ یعنی پڑھنے سے منع کیا یا نہیں۔ حضرت ام سلمہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو نفل پڑھنے سے منع کیا ہے مگر اس کے باوجود میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عصر کے بعد نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں داخل ہوئے تو میں نے خادمہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ آپ نے عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنے سے منع کیا ہے مگر اس کے باوجود میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خادمہ سے فرمایا جاؤ ابوامیہ کی بیٹی سے جا کر یہ کہہ دو کہ میں نے عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنے سے منع کیا ہے لیکن آج میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میں ظہر کی نماز کے بعد سنت ادا کرنے والا تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد میرے پاس آ گیا اور انہوں نے مجھ سے فرائض اسلام کے متعلق مسائل پوچھنے شروع کر دیئے اور مجھے بہت دیر تک

مصروف رکھا کہ ظہر کی بعد والی سنتیں میں نہ پڑھ سکا جب میں عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو مجھے ان دو رکعتوں کا خیال آیا پھر میں نے ان دو رکعتوں کو عصر کی نماز کے بعد پڑھ لیا جب حضرت کریب نے یہ تفصیل آ کر ان تینوں بزرگوں کو سنا دی تو انہیں اطمینان ہو گیا۔

اشکال اور اس کا حل: اس حدیث میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ فرائض اسلام کی تعلیم اور احکام شرعیہ کی تبلیغ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ہدایت اور صراط مستقیم پر لگانا نفل نماز سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں چھوڑ کر قبیلہ عبد القیس کے لوگوں کو احکام شرعیہ کی تعلیم اور تبلیغ کی دوسری بات یہ ہے کہ نفل کی قضا بھی کی جاتی ہے جس کو مقرر وقت پر پڑھنے کا معمول بنا لیا گیا ہو اور یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ نفل کی قضا ضروری ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نفل کی قضاء نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے ممکن ہے رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کو نیت باندھ کر شروع کر دیا ہو اور پھر اس خیال سے ان لوگوں کو دیر ہو جائے گی آپ نے نیت باطل کر دی ہو اور نفل نماز شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتی ہے اور اس کی قضا ضروری ہے۔ اس لئے آپ نے نماز عصر کے بعد یاد آنے پر ان دو رکعتوں کی قضاء کی لیکن پھر اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے رہے اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ عمل ممانعت سے قبل کا ہے یا ان کے حق میں ممانعت کو رفع کر دیا گیا تھا یا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ روایت ضعیف ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عصر کے بعد نفل پڑھنے سے منع کیا تھا وہ ممانعت بدستور قائم ہے مگر آپ کا عصر کی نماز کے بعد دو رکعت کو پڑھنا یہ آپ کی خصوصیت میں سے ہے اس کی قانونی حیثیت نہیں۔

الفصل الثانی:

صبح کی سنتوں کا مسئلہ

(۶/۹۶۴) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلاً يُصَلِّي بَعْدَ صَلاَةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلاَةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ لَمْ اَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رواه ابو داود وروى الترمذى نَحْوَهٗ وَقَالَ اِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ ابْنَ اِبْرَاهِيْمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِىْ شرح السنة ونسخ المصابيح عن قيس بن فهد نحوه۔

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ۲/ ۵۱ حديث رقم ۱۲۶۷۔

ترجمہ: حضرت محمد بن ابراہیم حضرت قیس بن عمرو سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا صبح کی نماز دو رکعت ہے پھر فرمایا دو رکعت ہی پڑھو اس آدمی نے عرض کیا کہ فجر کی فرض نماز سے پہلے میں نے دو رکعت سنت نہیں پڑھی تھی وہ رکعتیں میں نے اس وقت پڑھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی یہ بات سن کر خاموش ہو گئے۔ (ابوداؤد) امام ترمذیؒ نے بھی اس کو اس طرح بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کا سماع قیس ابن عمرو سے ثابت نہیں ہے نیز شرح السنۃ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قیس بن فہد سے اسی طرح منقول ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ایک انسان کو دیکھا کہ اس نے آپ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی اور فرض نماز ادا کرنے کے بعد اٹھ کر مزید نماز پڑھنے لگا رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھتے رہے جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا صبح کی نماز صرف دو رکعت ہے۔ پھر تاکید کے ساتھ فرمایا صرف دو ہی رکعت پڑھا کرو اس آدمی نے جواب میں عرض کیا

اے اللہ کے رسول ﷺ میری فجر کی دو سنتیں رہ گئی تھی میں نے فرض کی ادائیگی کے بعد ان دو رکعتوں کو ادا کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئے آپ کی خاموشی سے معلوم ہو گیا جو عمل اس نے کیا تھا صحیح ہے اور اس کو محدثین کی اصطلاح میں تقریر رسول کہتے ہیں اور تقریر رسول سے شرعی حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اب کسی شخص کو اس طرح کی صورت حال پیش آ جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے کہ اگر کسی آدمی نے فجر کی سنتیں ادا نہ کی ہوں اور جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ جماعت کی نماز میں شامل ہو جائے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فجر کی سنتیں ادا کر لے اور یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا منسوخ ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ سنتوں میں قضا نہیں کیونکہ قضا فرض یا واجب کے ساتھ خاص ہے اور جس حدیث سے سنتوں کی قضا ثابت ہے جیسے لیلۃ التعریس کے واقعہ میں وہ ان سنتوں کے بارے میں ہے کہ جن کے ساتھ فرض نماز بھی قضا ہو گئی ہو اس کے علاوہ سنتیں اپنے قانون اور ضابطہ کے مطابق ہوں گی اور فجر کی سنتوں کے علاوہ دوسری سنتوں کا بھی یہی مسئلہ ہے البتہ جو سنتیں مع الفرض کے فوت ہو جائیں ان کی قضا کے بارے میں اختلاف ہے بعض ائمہ کے نزدیک اصل اصول اور قانون کے مطابق ان کی قضا نہیں ہوگی اور بعض ائمہ کے نزدیک فرض کے تابع ہو کر قضا ہوگی۔

بیت اللہ کا طواف ہر وقت ہو سکتا ہے

(۹۶۵/۷) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْنَهَارٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداؤد ۲/۴۴۹ حدیث رقم ۱۸۹۴۔ والترمذی ۳/۲۲۰ حدیث رقم ۸۶۸۔ والنسائی ۵/۲۲۳ حدیث رقم ۲۹۲۴۔ وابن ماجه ۱/۳۹۸ حدیث رقم ۱۲۵۴۔ والدارمی ۲/۹۶ حدیث رقم ۱۹۲۶۔

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے بنو عبد مناف کسی کو کعبہ کا طواف کرنے سے نہ روکو رات اور دن میں جب چاہے انہیں نماز پڑھنے سے نہ روکو۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بیت اللہ کا طواف رات اور دن میں کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے بنو عبد مناف کو خصوصی ہدایت فرمائی کہ لوگوں کو کسی وقت بھی بیت اللہ سے نہ روکو بیت اللہ کا طواف ہر وقت جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ یہاں اس مسئلہ کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ طواف کو مکمل کرنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھے جاتے ہیں۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر طواف ہر وقت جائز ہے پھر دو رکعت نماز واجب طواف بھی ہر وقت جائز ہے۔ اگرچہ وہ وقت مکروہ ہی کیوں نہ ہو اسی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ بیت اللہ میں ہر نماز پڑھی جا سکتی ہے چاہے وہ طواف کی دو رکعتیں ہوں یا اس کے علاوہ نوافل ہوں اور امام احمدؒ کے نزدیک صرف طواف کی دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں کیونکہ حدیث سے ثابت ہے باقی نوافل ہر وقت جائز نہیں ہوں گے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیت اللہ میں کوئی نماز جائز نہیں کیونکہ اوقات کی حرمت اور کراہت کے بارے میں مکہ کا وہی حکم ہے جو دوسرے بلاد کا ہے۔ یہ روایت عام ہے اور اس عموم میں مکہ بھی شامل ہوگا اور مذکورہ حدیث کے اندر یہ تاویل کی جائے گی کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر ہر وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن اوقات مکروہہ میں وہاں بھی نماز نہیں پڑھی جا سکتی' اس سے تمام احادیث کے درمیان تطبیق ہو جائے گی۔

زوال کے احکام جمعہ کے دن نافذ نہیں ہوتے

(۹۶۶/۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا يَوْمَ

الْجُمُعَةِ ۔ (رواہ الشافعی)

أخرجه الشافعي في مسنده ص ٦٣۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے یہاں تک کہ سورج زائل ہو جائے ہاں البتہ جمعہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جمعہ کے روز زوال کے احکام نافذ ہوتے ہیں یا نہیں اور دو مذہب ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ کے روز زوال کے احکام نافذ نہیں ہوتے لہٰذا یہ تاکید کرنے کی ضرورت نہیں کہ زوال ہوا ہے یا نہیں اس تحقیق کے بغیر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ان کا استدلال اسی روایت سے ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زوال شمس کے وقت نوافل سے منع کیا گیا ہے وہ احادیث مطلق اور عام ہیں اور مذکورہ حدیث کے مقابلہ میں زیادہ مشہور ہیں۔ جبکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ظاہر ہے کہ ضعیف حدیث مشہور کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں حرمت اور اباحت کا تعارض ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب حرمت اور اباحت کے درمیان تعارض ہو جائے تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

جمعہ کے دن زوال کا انتظار نہیں

(۹/۹۶۷) وَعَنْ اَبِی الْخَلِیْلِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ کَرِهَ الصَّلَاةَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسْجَرُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ رواہ ابوداود وقَالَ اَبُو الْخَلِیْلِ لَمْ یَلْقَ اَبَا قَتَادَةَ۔

أخرجه أبو داود ۶۵۳/۱ حدیث رقم ۱۰۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابوالخلیل حضرت ابوقتادہؓ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نصف النہار کے وقت نماز کو مکروہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ سورج کا زوال ہو جائے سوائے جمعہ کے دن اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جہنم کو جمعہ کے دن کے علاوہ روزانہ گرم کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد) اور کہا ہے کہ یہ حدیث متصل نہیں کیونکہ ابوالخلیل کا سماع ابوقتادہ سے نہیں۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز زوال شمس کا انتظار ضروری نہیں ہے یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن بھی دوپہر کے وقت نوافل جائز نہیں ہیں جن احادیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ زوال شمس کے احکام جمعہ کے روز نافذ نہیں ہوتے ضعیف ہیں اور مذکورہ حدیث بھی ضعف سے خالی نہیں جیسے صاحب کتاب نے خود تصریح کر دی کہ ابوالخلیل کا سماع ابوقتادہ سے ثابت نہیں۔

الفصل الثالث:

مکروہ اوقات کی وضاحت

(۱۰/۹۶۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ الصُّنَابِحِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّیْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فِیْ تِلْكَ السَّاعَاتِ۔ (رواہ مالك واحمد والنسائی)

أخرجه النسائي في السنن ۲۷۵/۱ حدیث رقم ۵۵۹۔ وابن ماجه ۳۹۷/۱ حدیث رقم ۱۲۵۳۔ ومالك في الموطأ ۲۱۹/۱ حدیث رقم ٤٤ من كتاب القرآن ۔ وأحمد في المسند ۳٤۸/٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے الگ ہو جاتا ہے پھر جب دوپہر ہوتی ہے تو شیطان سورج کے قریب آجاتا ہے جب زوال شمس ہو جاتا ہے تو وہ اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کے قریب آجاتا ہے اور جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ (مالک احمد نسائی)

تشریح: اس حدیث میں مکروہ اوقات کی وضاحت کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکروہ اوقات کی وضاحت ایسے انداز سے کی ہے جو سامعین کے عقل اور سمجھ کے مطابق ہے کہ جس وقت سورج طلوع ہونے لگتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اس وقت سے ان لوگوں کی عبادت کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو سورج کی پرستش کرتے ہیں اور یہ کل تین اوقات ہیں: ❶ طلوع شمس کا وقت۔ ❷ استوائے شمس کا وقت۔ ❸ غروب شمس کا وقت۔ یہ تین اوقات سورج کی عبادت کرنے والوں کے اوقات ہیں اس لئے ان اوقات میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

عصر کے بعد کوئی نماز نہیں

(۱۱/۹۶۹)وَعَنْ اَبِیْ بَصْرَةَ الْغِفَارِیِّ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْمُخَمَّصِ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ صَلَاةٌ عُرِضَتْ عَلٰی مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوْهَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتّٰی يَطْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۵٦٨/۱ حدیث رقم (۲۹۲-۸۳۰)۔ والنسائی ۲٥۹/۱ حدیث رقم ۵۲۱ وأحمد فی المسند ۳۹۷/٦۔

ترجمہ: حضرت ابوبصرہ غفاری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام مخمص میں عصر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد ارشاد فرمایا یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کی گئی تھی۔ مگر ان لوگوں نے اس نماز کو ضائع کر دیا لہٰذا جو آدمی اس نماز کی حفاظت کرے گا اور اس کو ہمیشہ پڑھتا رہے گا اس کو دوگنا ثواب ملے گا اور فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں ہے یہاں تک کہ شاہد طلوع ہو جائے شاہد سے مراد ستارا ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں ہے جب تک شاہد طلوع نہ ہو جائے اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کی حفاظت کرنے والوں کے لئے بشارت ذکر کی ہے کہ جن لوگوں نے نماز عصر کی حفاظت کی ان کو ڈبل اجر ملے گا اس لئے کہ یہ وہ نماز ہے جو پہلی قوموں پر بھی فرض کی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی حفاظت نہ کی یعنی نہ تو انہوں نے اس نماز کو ہمیشہ پڑھا اور نہ ہی اس کے حقوق ادا کئے اور جب ہمارے اوپر فرض کی گئی تو ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اس نماز کی حفاظت کریں اور اس کی ادائیگی پر مداومت کریں اور اس حدیث میں عصر کی نماز کے بعد نوافل سے روکا گیا ہے یہاں تک کہ شاہد طلوع ہو جائے شاہد سے مراد وہ ستارا ہے جو سورج غروب ہونے کے فوراً بعد ہی نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔

نمازِ عصر کے بعد دو رکعتوں کی ممانعت

(۱۲/۹۷۰)وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰی عَنْهُمَا يَعْنِی الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦۳/۲ حدیث رقم ۵۸۷۔

ترجمہ: حضرت معاویہ سے روایت ہے انہوں نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ نماز پڑھتے ہو اور ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے لیکن ہم نے آپ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا بلکہ آپ نے ان دو رکعتوں کو عصر کی نماز کے بعد منع فرمایا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے یہاں یہ اشکال ہے کہ بعض روایات میں صراحۃً ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ بظاہر تعارض ہے اس تعارض کے رفع کے لئے یہ تاویل کی گئی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ ان دو رکعتوں کو مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اور گھر کے معمولات عام لوگوں سے پوشیدہ ہوتے تھے اور گھر کے معمولات کو گھر والے ہی جانتے تھے اور عصر کے بعد کی دو رکعتیں بھی گھر کے معمولات میں سے ہیں۔ اور آپ کی خصوصیات ہیں اس لئے عام لوگوں کے لئے یہ دو رکعتیں ناجائز ہیں لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

فجر کی نماز کے بعد اور عصر کے بعد نماز جائز نہیں

(۱۳/۹۷۱) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰی دَرَجَةِ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَاصَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ۔ (رواہ احمد ورزین)

اخرجه احمد فی المسند ۵/۱۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے انہوں نے کعبہ کی سیڑھی پر چڑھ کر فرمایا کہ جس نے مجھے پہچانا تو اس نے مجھے پہچان لیا اور جو شخص مجھے نہیں پہچانتا تو میں اس کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں جندب ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں اور نہ عصر کے بعد کوئی نماز ہے جب تک کہ سورج غروب نہ ہو جائے مگر مکہ میں اور اس استثناء کو تین مرتبہ ذکر کیا ہے۔ (احمد۔ رزین)

تشریح ۞ خانہ کعبہ کا دروازہ زمین کی سطح سے بہت بلند ہے اس لئے اس میں داخل ہونے کے لئے سیڑھی بنائی گئی ہے اس کے ذریعہ سے لوگ اندر جاتے ہیں۔ جہاں سے دروازہ کھلتا ہے اس زینہ پر کھڑے ہو کر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اعلان کیا ان کا اصل نام جندب ہے کنیت ابوذر تھی اور نسبت غفاری تھی اور آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ نماز عصر کے بعد نوافل جائز نہیں سورج غروب ہونے تک اور اسی طرح فجر کی نماز کے بعد نوافل جائز نہیں سورج طلوع ہونے تک اور مکہ کا استثنیٰ کیا اس مسئلہ کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ وَ فَضْلِهَا

جماعت اور اِس کی فضیلت کا بیان

الفصل الاول:

جماعت کی نماز کا ثواب

(۱/۹۷۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ دَرَجَةً۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۱۳۱ حديث رقم ٦٤٥ ـ ومسلم في صحيحه ۱/٤٥٠ حديث رقم (۲٤۹ ـ ٦٥٠) والنسائي ۲/۱۰۳ حديث رقم ۸۳۷ ـ ومالك في الموطأ ۱/۱۲۹ حديث رقم ۱ من كتاب صلاة الجماعة ـ وأحمد في المسند ۲/٦٥ ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ ہوتی ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جماعت کی نماز کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے کہ جو آدمی اکیلے نماز پڑھے ایک نماز کا ثواب ہے اور جو آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو ستائیس نمازوں کا ثواب ہے اس مقام میں بظاہر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ستائیس نمازوں کا ثواب ہے اور دوسری ایک روایت میں مذکور ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے پچیس نمازوں کا ثواب ہے بظاہر تعارض ہے اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ ثواب کی کمی اور زیادتی کا دارومدار نیت پر ہے دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ جامع مسجد میں ستائیس نمازوں کا ثواب اور محلہ کی مسجد میں پچیس نمازوں کا ثواب۔

جماعت ترک کرنے پر وعید

(۲/۹۷۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبُ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْيَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ يَجِدُ عِرْقًا سَمِيْنًا اَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ (رواه البخاري ولمسلم نحوه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/٤٥۱ حديث رقم (۲٥۱ ـ ٦٥۱) وابوداؤد ۱/۳۷۱ حديث رقم ٥٤۸ ـ والترمذي ۱/٤۲۲ حديث رقم ۲۱۷ ـ والنسائي ۲/۱۰۷ حديث رقم ۸٤۸ ـ وابن ماجه ۱/۲٥۹ حديث رقم ۷۹۱ ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ کسی خادم کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو عشاء کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دوں جب اذان ہو جائے تو کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت کی نماز کے لئے نہیں آتے اور ایک دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ مسجد میں گوشت کی اچھی ہڈی یا گائے اور بکری کے دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز میں وہ لوگ ضرور حاضر ہوں گے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جماعت کی نماز کو ترک کرنے پر سخت وعید بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ جماعت کی نماز کو ترک کرنا شروع کر دیں یہاں مطلقاً جماعت کی نماز کو ترک کرنا مراد ہے اگر چہ مذکورہ حدیث میں لشهد العشاء کے قرینہ سے عشاء کی نماز کی جماعت کو ترک کرنا ہے رسول اللہ ﷺ نے رحمۃ للعالمین ہونے کے باوجود اس قدر شدید وعید سنائی کہ میرا جی یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے خادم کو یہ حکم دوں کہ وہ لکڑیاں جمع کرے جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو پھر میں نماز کے وقت کسی اور کو امام مقرر کر دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں جا کر دیکھوں کہ جو لوگ بغیر عذر کے جماعت کی نماز کے لئے حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو آگ لگا دوں اس سے اندازہ لگائیے کہ اگر جماعت کی نماز ترک کرنے کا اس قدر وبال ہے تو پھر نماز نہ پڑھنے کا کیا حال ہوگا پھر اس حدیث میں انسان کی فکری کمزوری حرص اور لالچ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر ان لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ مسجد میں دنیا کی کوئی حقیری چیز مل جائے گی تو وہ نماز میں شریک

ہونے کے لئے بھاگتے ہوئے آئیں مگر آخرت کی طرف ان کا کوئی میلان اور رجحان نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر امام کو کوئی حاجت اور عذر ہو تو اپنی جگہ کسی دوسرے کو امام مقرر کر دے اور خود اپنی حاجت اور ضرورت پوری کرنے کے لئے چلا جائے تو یہ جائز ہے۔

نابینا آدمی کے لئے جماعت کی نماز میں حاضری ضروری ہے

(۳/۹۷۴) وَعَنْهُ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ اَعْمٰى فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهٗ لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِيْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَسَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّرَخِّصَ لَهٗ فَيُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهٗ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ. (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۱/ ۳۷۴حديث رقم (۲۵۵ـ۶۵۳)۔ وأبوداؤد ۱/ ۳۷۴حديث رقم ۵۵۲ـ والنسائی ۲/ ۱۰۹ حديث رقم ۸۵۰ـ وابن ماجه ۱/ ۳۶۰حديث رقم ۷۹۲ـ وأحمد فی المسند۳/ ۴۲۳ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میرا ایسا کوئی قائد نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ انہیں گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی جب واپس لوٹنے لگا تو آپ نے اسے پھر بلایا اسے کہا تم اذان کی آواز سنتے ہو انہوں نے عرض کی جی ہاں پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے مسجد میں آنا ضروری ہے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے رسول اللہ ﷺ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی آپ نے پوچھا کہ کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو اس نے کہا جی ہاں تو آپ نے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا تمہارے لئے مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ اس مقام پر بظاہر ایک تعارض ہے وہ یہ کہ بخاری اور مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عباس بن مالکؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی بینائی کا عذر پیش کیا اور گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور عبداللہ بن ام مکتومؓ کو اجازت نہ دی اس کی کیا وجہ ہے۔ اس تعارض کو رفع کرنے کی ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ جلیل القدر مہاجرین میں سے تھے اور ان کی جلالت شان کے مطابق ہی تھا کہ وہ اولیٰ امر کو ترک نہ کریں اس لئے ان کو رسول اللہ ﷺ نے جماعت ترک کرنے کی اجازت نہیں دی دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ جماعت چھوڑنے کی اجازت کا حکم پہلے کا ہے اور اجازت کو منسوخ کرنے کا حکم بعد کا ہے اور یہ اس وقت حکم نازل ہوا جب حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے اجازت مانگی تھی پہلے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی تھی پھر دوبارہ بلا کر فرمایا اگر تمہیں اذان کی آواز آتی ہے تو پھر جماعت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

بارش اور سخت سردی میں گھر میں نماز پڑھ لینا جائز ہے

(۴/۹۷۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲/ ۱۵۶حديث رقم ۶۶۶ـ ومسلم ۱/ ۴۸۴حديث رقم (۲۲ـ۶۹۷)۔ وأبوداؤد فی

السنن ۱/ ۶۴۲حدیث رقم ۱۰۶۳۔والنسائی ۲/ ۱۵حدیث رقم ۶۵۴۔وابن ماجه ۱/ ۳۰۲حدیث رقم ۹۳۶۔ والدارمی ۱/ ۳۲۸حدیث رقم ۱۲۷۵۔و مالك فی الموطأ ۱/ ۷۳حدیث رقم ۱۰ من کتاب الصلاة۔ وأحمد فی المسند ۲/ ۷۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات جب کہ شدید سردی اور ہوا تھی نماز کے لئے اذان دی اور فرمایا کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سخت سردی والی اور اور بارش والی رات میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنی اذان میں یہ اعلان کر دے۔ الا صلوا في الرحال۔ سن لو اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرو۔ (بخاری۔مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رات کے وقت سخت بارش اور سردی ہو اور لوگوں کو مسجد میں آنا مشکل ہو تو اس صورت میں امام یہ اعلان کر دے۔ الاصلوا في الرحال۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کی نماز کو ترک کرنے کیلئے کئی عذر ہوتے ہیں ان میں سے ایک عذر یہ ہے کہ جو مذکورہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ جب شدید بارش ہو کیچڑ ہو ایسی صورت حال میں آپ جماعت کی نماز کے لئے کیا حکم دیتے ہیں۔ کیا جماعت کو ترک کیا جاسکتا ہے یا نہیں تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز کو چھوڑنا مجھے پسند نہیں۔

جب جماعت کے وقت کھانا آجائے تو پہلے کھانا کھا لیا جائے

(۵/۹۷۶)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُ وْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ۱۵۹حدیث رقم ۶۷۳۔ومسلم ۱/ ۳۹۴حدیث رقم (۶۶۔۵۵۹)۔والترمذی فی السنن ۲/ ۱۸۴حدیث رقم ۳۵۳۔والنسائی فی السنن ۲/ ۱۱۱حدیث رقم ۸۵۳۔وأخرجه ابن ماجه ۱/ ۳۰۱حدیث رقم ۹۳۵۔والدارمی ۱/ ۳۳۰حدیث رقم ۱۲۸۰۔وأحمد فی المسند ۶/ ۴۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا آجائے اور دوسری طرف نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو وہ کھانا شروع کر دے اور کھانا کھانے میں جلدی بھی نہ کرے بلکہ اطمینان سے کھائے حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے جب کھانا رکھ دیا جاتا تھا اور نماز شروع ہو جاتی تو کھانے سے فارغ ہو کر پھر نماز کے لئے جاتے تھے۔ امام کی قراءت سنتے رہتے تھے۔ (بخاری،مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی آدمی کو بھوک لگی ہوئی ہو اور کھانے کا طالب ہو اور عین جماعت کے وقت کھانا آجائے تو وہ آدمی پہلے اچھی طرح سیر ہو کر کھانا کھالے۔ کھانے سے فراغت کے بعد پھر نماز پڑھ لے کیونکہ وہ کھانا چھوڑ کر نماز میں شریک ہوگا تو اس کی توجہ کھانے کی طرف رہے گی اس لئے پہلے کھانے کا حکم ہے کہ وہ پہلے سکون کے ساتھ کھانا کھالے کھانے سے فراغت کے بعد اگر جماعت کی نماز کا کچھ حصہ باقی ہے تو اس میں شریک ہو جائے اگر جماعت ختم ہو چکی ہو تو پھر علیحدہ اپنی نماز پڑھے۔

اگر کسی کو بول و براز کی حاجت ہو تو نماز سے پہلے اس کو پورا کیا جائے

(۶/۹۷۷)وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۳۹۳حدیث رقم (۶۷۔۵۶۰)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کھانا حاضر ہونے کی صورت میں نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس وقت نماز ادا کرنا صحیح ہوتا ہے جب بول و براز کی ضرورت اس توجہ کو ختم کر دے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے اگر کسی انسان کو کھانے کی حاجت ہو یا بول و براز کی حاجت ہو تو پہلے اپنی حاجت کو پورا کرے کیونکہ کھانے کی حاجت اور بول و براز کا تقاضا ہر انسان کا طبعی فعل ہے اور فطری تقاضا ہے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اگر اس تقاضا اور حاجت کے وقت اپنے اوپر جبر کر کے نماز ادا کر لی جائے تو قلبی سکون اور توجہ ہرگز میسر نہیں ہوگی اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ پہلے یہ فطری عمل پورا کیا جائے اور اس کے بعد توجہ اور سکون کے ساتھ نماز ادا کی جائے اور اس پر قیاس کیا گیا ہے نیند کو کہ اگر کسی کو نماز کے وقت نیند کا غلبہ ہو تو وہ پہلے سو جائے ایسا نہ ہو کہ وہ نیند کی وجہ سے نماز میں کچھ برا کہنا شروع کر دے اور اس حدیث میں اخبثان سے مراد بول و براز ہیں۔

جب فرض نماز شروع ہو جائے تو دوسری کوئی نماز جائز نہیں

(۷/۹۷۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٤٩٣/١ حديث رقم (٦٣۔ ٧١٠)۔ وأبوداؤد ٢/ ٥٠ حديث رقم ١٢٦٦۔ والترمذى ٢٨٢/١ حديث رقم ٤٢١۔ والنسائى ١١٦/٢ حديث رقم ٨٦٥۔ وابن ماجه ٣٦٤/١ حديث رقم ١١٥١۔ والدارمى ٤٠٠/١ حديث رقم ١٤٤٨۔ وأحمد فى المسند ٣٣١/٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی دوسری نماز جائز نہیں۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب فرض نماز شروع ہو جائے اور اس کی تکبیر کہی جائے تو پھر اسی نماز میں شرکت کی جائے دوسری کوئی نماز جائز نہیں ہے اور اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ جب مؤذن فجر کی نماز کے لئے تکبیر شروع کر دے تو اس وقت فجر کی سنتیں نہیں پڑھنی چاہئے چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جب فجر کی جماعت شروع ہو جائے تو جماعت میں شرکت کی جائے سنتوں کو چھوڑ دیا جائے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر انسان کو یہ توقع ہو کہ فجر کی سنتیں پڑھنے کی وجہ سے جماعت کا کچھ حصہ مل جائے گا تو پھر سنتیں پڑھ لی جائیں کیونکہ یہ مؤکد ترین سنتیں ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سفر اور حضر میں کبھی نہیں چھوڑا اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ جماعت کی نماز ختم ہو جائے گی تو پھر سنتوں کو چھوڑ دے اور جماعت کی نماز میں شریک ہو جائے۔

عورتوں کے مسجد میں جانے کا حکم

(۸/۹۷۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اسْتَاْذَنَتِ امْرَاَةُ اَحَدِكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا۔ (متفق عليه)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٤٩٣/١ حديث رقم (٦٣۔ ٧١٠)۔ وأبوداؤد ٢/ ٥٠ حديث رقم ١٢٦٦۔ والترمذى ٢٨٢/١ حديث رقم ٤٢١۔ والنسائى ١١٦/٢ حديث رقم ٨٦٥۔ وابن ماجه ٣٦٤/١ حديث رقم ١١٥١۔ والدارمى ٤٠٠/١ حديث رقم ١٤٤٨۔ وأحمد فى المسند ٣٣١/٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے نہ روکے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر خواتین کی تمنا ہو مسجد میں جانے کی تو ان کو روکا نہ جائے بلکہ مسجد میں جانے کی اجازت دی جائے اور بطور اشارہ کے یہ مسئلہ بھی اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ عورتوں کو مردوں کی اجازت کے بغیر مسجد میں جانا درست نہیں ہے اور مردوں کو یہ ہدایت اور ترغیب دی گئی ہے کہ عورتیں جب مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو ان کو اجازت دے دینی چاہئے اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک عورتوں کے لئے بہتر اور افضل یہی ہے کہ گھر میں نماز ادا کرے مسجد میں جانے کی ضرورت نہیں بعض علماء کے نزدیک مسجد میں جانے کی مطلق اجازت ہے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر عورتوں کو مسجد میں جانے سے کسی فتنہ اور فساد کا خطرہ نہ ہو تو پھر مسجد میں جانا درست ہے اگر کسی فتنہ اور فساد کا خطرہ ہو تو پھر مسجد میں جانا درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کی حاضری کو مرد کی اجازت پر موقوف کیا گیا ہے مردوں کو چاہئے کہ وہ غور وفکر کرلیں کہ کسی فتنہ اور فساد کا ڈر ہے یا نہیں اگر فتنہ اور فساد کا خطرہ ہو تو اجازت نہ دیں اور اگر کوئی خطرہ نہ ہو تو اجازت دے دیں۔

عورت جب گھر سے باہر نکلے تو خوشبو استعمال نہ کرے

(۹/۹۸۰) وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۹۳حدیث رقم (۶۳۔۷۱۰)۔وأبوداوٗد ۲/۵۰حدیث رقم ۱۲۶۶۔والترمذی ۱/۲۸۲ حدیث رقم ۴۲۱۔والنسائی ۲/۱۱۶حدیث رقم ۸۶۵۔وابن ماجه۱/۳۶۴حدیث رقم ۱۱۵۱۔ والدارمی ۱/۴۰۰ حدیث رقم ۱۴۴۸۔وأحمد فی المسند ۲/۳۳۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی حضرت زینب سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے کہا جب تم میں سے کوئی خاتون مسجد میں جائے تو وہ خوشبو استعمال نہ کرے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں عورتوں کو خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کی گئی ہے کہ عورتیں جب بھی گھر سے باہر نکلنا چاہیں مسجد میں آنے کے لئے یا کسی اور کام کے لئے تو وہ خوشبو استعمال نہ کریں یہی وجہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی خوشبو میں سے عورتوں کی خوشبو رنگ دار بغیر خوشبو کے ہوتی ہے اور مردوں کی خوشبو خوشبودار بغیر رنگ کے ہوتی ہے۔

عورت خوشبو لگا کر عشاء کی نماز کے لئے نہ آئے

(۱۰/۹۸۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّمَا امْرَأَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَآءَ الْاٰخِرَةَ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۲۸حدیث رقم (۱۴۳۔۴۴۳)۔وأبوداوٗد فی السنن ۴/۴۰۱حدیث رقم ۴۱۷۵۔والنسائی ۱/۱۵۴حدیث رقم ۵۱۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگائے تو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی عورتوں کو خوشبو استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ جو عورت تیز خوشبو استعمال کرے وہ مردوں

کے ساتھ عشاء کی نماز میں حاضر نہ ہو کیونکہ اس طرح کی خوشبو لگا کر عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا منع ہے رسول اللہ ﷺ نے اس سے شدت اور سختی کے ساتھ منع کیا ہے ایسی عورتوں کو عشاء کی نماز کی حاضری سے روکا گیا ہے تاکہ کوئی فتنہ اور فساد پیدا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کے لئے کوئی الگ انتظام نہ تھا۔ پہلے مردوں کی صفیں ہوتی تھیں اور پھر عورتوں کی صفیں ہوتی تھیں لیکن موجودہ دور میں عورتوں کے لئے مساجد میں الگ انتظام موجود ہوتا ہے مگر انتظام الگ ہونے کے باوجود تیز خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا خواتین کے لئے مطلقاً ناجائز ہے۔

الفصل الثانی:

عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو

(۱۱/۹۸۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ کُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُیُوْتُھُنَّ خَیْرٌ لَّھُنَّ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۳۸۲ حديث رقم ۵۶۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع نہ کرو لیکن ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی سابقہ احادیث کی طرح یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر عورتیں مسجد میں جانا چاہتی ہیں تو ان کو رخصت حاصل ہے اور عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکا جائے اور خواتین اسلام کو بطور ترغیب کے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے لئے ان کے گھر ہر صورت میں بہتر ہیں یعنی مسجد کے بجائے اگر گھر میں نماز پڑھی جائے تو زیادہ افضل ہے اگرچہ عورتوں کی مسجد میں حاضری کو مردوں کی اجازت پر معلق کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ ترغیب بھی دے دی گئی ہے کہ گھر کے اندر نماز پڑھنا بہتر ہے اور اس سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا ہے کہ اگر مرد کی طرف سے مسجد میں جانے کی اجازت مل جائے تو شرعی حدود کی پابندی اور رعایت ضروری ہے۔

عورت کی نماز بند کمرے میں افضل ہے

(۱۲/۹۸۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ صَلَاۃُ الْمَرْأَۃِ فِیْ بَیْتِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِھَا فِیْ حُجْرَتِھَا وَصَلَاتُھَا فِیْ مَخْدَعِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِھَا فِیْ بَیْتِھَا۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد ۱/۳۸۳ حديث رقم ۵۷۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورت کا گھر کے اندر نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور بند کوٹھری میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ عورت کے لئے کس جگہ نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے تو اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر عورت گھر میں نماز پڑھے تو دالان میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اگر بند کوٹھری میں نماز پڑھے تو یہ گھر میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے خصوصاً ان عورتوں کے لئے جو بالکل نوجوان ہوں فتنے اور فساد کے دور میں اس کی رعایت بہت ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت عورت ہے عورت کا معنی ہے پوشیدہ۔ یہ جس قدر بھی پوشیدہ رہے گی اسی قدر افضل ہے کیونکہ فتنہ اور فساد سے امن رہے گا۔

خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۳/۹۸۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ حِبِّیْ اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ امْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰى تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ۔ (رواه ابوداود وروى احمد والنسائى نحوه)

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ٤/٤٠١حديث رقم ٤١٧٤۔والنسائى ٨/١٥٣حديث رقم ٥١٢٧۔وابن ماجه ٢/١٣٢٦ حديث رقم ٤٠٠٢۔وأحمد فى المسند ٢/٢٤٦۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی جو مسجد میں جانے کے لئے خوشبو لگائے اس خوشبو کو غسل کر کے دور کرے جس طرح جنابت سے غسل کیا جاتا ہے۔(ابوداؤد) امام احمدؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اسی طرح کی نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں خوشبو لگانے والی عورت کے لئے زجر اور توبیخ کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ جو عورت مسجد میں جانے کے لئے خوشبو لگائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اگر وہ مسجد میں جانا چاہتی ہے تو پہلے اچھی طرح غسل کر کے اس خوشبو کو اپنے جسم سے دور کر دے اور اس غسل کرنے کو باعتبار مبالغہ کے غسل جنابت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جنابت کے لئے غسل کیا جاتا ہے اسی طرح غسل کرے۔

خوشبو لگا کر مجلس میں جانے والی عورتوں کے لئے وعید

(۱۴/۹۸۵) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَاِنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِیَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِیْ زَانِيَةٌ۔ (رواه الترمذى ولابى داود والنسائى نحوه)

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ٤/٤٠٠حديث رقم ٤١٧٣۔والترمذى فى السنن ٥/٩٨حديث رقم ٢٧٨٦۔وأحمد فى المسند ٤/٤١٣۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر آنکھ گناہ کرنے والی ہے جو عورت خوشبو لگا کر مجلس سے گزرے اور اس کی چاہت ہو کہ لوگ اس کی طرف دیکھے وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔ (ترمذی) امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں تیز خوشبو لگا کر مجلس میں جانے والی عورتوں کے لئے سخت وعید ذکر کی گئی ہے یہی حکم ہے ایسے زیور کا جس کی جھنکار ہو رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو بدکاری کے مترادف قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ انسان کے اعضاء بھی زنا کرتے ہیں یعنی آنکھ ہاتھ کان اور پاؤں یہ سب زنا کرتے ہیں لہٰذا اس عمل کی مرتکب خواتین کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے۔

منافقین کے لئے جماعت مشکل ہوتی ہے

(۱۵/۹۸۶) وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الصُّبْحِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلَاتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ۔ (رواه ابوداود والنسائى)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/ ۳۷۵ حدیث رقم ۵۵٤۔ والنسائي ۲/ ۱۰۵ حدیث رقم ۸٤۳۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی جب آپ ﷺ سلام پھیر کر فارغ ہوئے تو پوچھا کیا فلاں شخص حاضر ہے صحابہؓ نے عرض کیا نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دوسرے آدمی کا نام لے کر پوچھا کیا فلاں ہے صحابہؓ نے عرض کیا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا تمام نمازوں میں سے فجر اور عشاء کی نماز منافقین پر بہت مشکل ہوتی ہیں۔ اگر تم لوگ جان لیتے ان دو نمازوں کا کتنا ثواب ہے تو تم دوڑ کر اور گھٹنوں کے بل آتے اور پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے اگر تم پہلی صف کی فضیلت جان لو تو اس میں شامل ہونے کے لئے جلدی پہنچنے کی کوشش کرو اور آدمی کا اکیلے نماز پڑھنے سے دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا زیادہ اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ہے۔ جس قدر جماعت کے افراد کی تعداد زیادہ ہوگی تو اتنا ہی یہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منافقین کے لئے جماعت کی نماز بہت مشکل ہوتی ہے خصوصاً فجر اور عشاء کی نماز۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ منافق کا ہر عمل ریاکاری اور شہرت کے لئے ہوتا ہے۔ فجر اور عشاء کی نماز میں یہ مقصد صحیح طرح حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ اندھیرے میں ہوتی ہیں اور دوسری نمازیں دن کی روشنی میں ہوتی ہیں۔ اس لئے ان میں ریاکاری اور شہرت اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ پھر اس حدیث میں فجر اور عشاء کی نماز میں خصوصی فضیلت اور عظمت بیان کی گئی ہے تاکہ صحیح مسلمان ان نمازوں کی فضیلت اور عظمت حاصل کرنے سے محروم نہ رہیں اور پھر اس حدیث کے آخر میں جماعت کی عظمت بیان کی گئی ہے کہ جس قدر جماعت کی نماز میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگی اسی قدر وہ جماعت عنداللہ محبوب ہوگی۔

تین آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں

(۱۶/۹۸۷) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ ثَلَاثَةٍ فِیْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔

(رواه احمد وابو داود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/ ۳۷۱ حدیث رقم ۵٤۷۔ والنسائي ۲/ ۱۰٦ حدیث رقم ۸٤۷۔ وأحمد في المسند ٦/ ٤٤٦۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام نہ کریں تو ان پر شیطان غالب رہتا ہے لہٰذا تم جماعت کی نماز کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ ریوڑ سے تنہا رہ جانے والی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب کسی بستی یا جنگل میں تین مسلمان ہوں تو ان پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا لازم ہے مذہب اسلام کے اندر جتنا زور جماعت پر دیا گیا ہے اتنا کسی اور چیز پر نہیں دیا گیا اور جماعت کی کم از کم مقدار تین افراد پر مشتمل ہے جب تین آدمی موجود ہوں تو ان کو اجتماعیت کی صورت میں رہنا چاہئے اور اجتماعیت کا سب سے پہلا موقع وہ جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا موقع ہے جس کا تعلق ایک محلہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر اس اجتماعیت کو اس سے ترقی دے کر ہفتہ وار اجتماع یعنی جمعہ کی شکل میں پڑھایا گیا پھر اس کو اور ترقی دے کر سالانہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی صورت میں پڑھایا گیا ہے۔ پھر اس کو اور ترقی دے کر حج کی صورت میں پڑھایا اس حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس مقام میں تین مسلمان موجود ہوں تو ان کو جماعت کا اہتمام کرنا چاہئے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہئے اگر وہ جماعت کا اہتمام نہیں کریں گے تو ان پر شیطان مسلط ہو جائے گا۔ اور اس پر مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا مگر جب کوئی بکری ریوڑ سے الگ ہو جائے تو بھیڑیا اس

الفور اس کو حملہ کر کے اپنی غذا بنالیتا ہے موجودہ زمانے میں عالم کفر کے سامنے مسلمانوں کی حالت ایسی ہی ہے۔

عذرِ شرعی کے بغیر جماعت کو چھوڑنا جائز ہے

(۱۷/۹۸۸)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیَ فَلَمْ یَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْمَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِیْ صَلّٰی۔ (رواہ ابوداوٗد والدارقطنی)

أخرجه أبوداوٗد ۱/۳۷۳حدیث رقم ۵۵۱۔وابن ماجه ۱/۲٦۰حدیث رقم ۷۹۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی اذان کہنے والے کی اذان سنے اور مؤذن کی تابعداری سے اسے کوئی عذر نہ روکے لوگوں نے پوچھا عذر سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا عذر سے مراد ڈر یا بیماری ہے۔تو جو نماز اس نے بغیر جماعت کے پڑھی ہے وہ قبول نہ ہوگی۔ (ابوداوٗد، دارقطنی)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی بغیر عذر شرعی کے جماعت کی نماز کو چھوڑ کر اکیلے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ حدیث اپنے شاگردوں کو پڑھا رہے تھے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے دریافت کیا کہ عذر سے کیا مراد ہے کہ جو جماعت کو چھوڑنے کے لئے مانع بن سکتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ عذر سے مراد دشمن یا کسی جانور بارش سردی اور طوفان وغیرہ کا ڈر ہے اور یا بیماری ہے۔کسی عذر کے علاوہ جب آدمی مؤذن کی اذان سنے اور وہ جماعت کی نماز میں شریک نہ ہو بلکہ اکیلے نماز پڑھ لے تو وہ نماز کامل درجہ کی ادا نہیں ہوتی یہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتفاق کی تربیت گاہ ہے۔موجودہ دور میں مسلمان اس سے کثیر تعداد میں محروم ہیں۔

جب جماعت کھڑی ہو جائے اور کسی کو بول و براز کی حاجت ہو تو پہلے اس سے فارغ ہو جائے

(۱۸/۹۸۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَبْدَاْ بِالْخَلَاءِ۔ (رواہ الترمذی وروی مالك وابوداود والنسائی نحوہ)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/٦۸حدیث رقم ۸۸۔والترمذی ۱/۲٦۲حدیث رقم ۱٤۲۔والنسائی ۲/۱۱۰ حدیث رقم ۸۵۲۔وابن ماجه ۱/۲۰۲حدیث رقم ٦۱٦۔ومالك فی الموطأ ۱/۱۵۹حدیث رقم ٤۹من کتاب قصر الصلاة ۔والدارمی ۱/۳۹۲حدیث رقم ۱٤۲۷۔ وأحمد فی المسند ٤/۳۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو بول و براز کی ضرورت ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے وہ بول و براز سے فارغ ہو جائے۔(ترمذی) امام مالکؒ امام ابوداوٗدؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے کسی آدمی کو بول و براز کی ضرورت ہو تو وہ قضائے حاجت سے پہلے فارغ ہو جائے بعد میں نماز پڑھے کیونکہ اگر کوئی انسان اس حالت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز کی طرف توجہ نہیں رہے گی اس سے معلوم ہوا کہ قضاء حاجت کی ضرورت جماعت کو ترک کرنے کے عذر میں سے ایک عذر ہے اس کی وجہ سے جماعت کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے

(۹۹۰/۱۹) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثَلَاثٌ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَفْعَلَھُنَّ لَا یَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْمًا فَیَخُصَّ نَفْسَهٗ بِالدُّعَاءِ دُوْنَھُمْ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَھُمْ وَلَا یَنْظُرُ فِیْ قَعْرِ بَیْتٍ قَبْلَ اَنْ یَسْتَاْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدْ خَانَھُمْ وَلَا یُصَلِّ وَھُوَ حَقِنٌ حَتّٰی یَتَخَفَّفَ۔ (رواہ ابوداود وللترمذی نحوہ)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۱/ ۷۰حدیث رقم ۹۱۔والترمذی ۲/ ۱۸۹حدیث رقم ۳۵۷۔وابن ماجه فی السنن ۱/ ۲۹۸ حدیث رقم ۹۲۳۔وأحمد فی المسند ۵/ ۲۸۰۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین امور ایسے ہیں جن کا کرنا کسی آدمی کیلئے حلال نہیں ہے ایک یہ کہ کوئی آدمی کسی جماعت کا امام بنے اور دعا میں جماعت کو شریک کئے بغیر اپنے آپ کو مخصوص کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے جماعت کے ساتھ خیانت کی۔ دوم یہ کہ کوئی آدمی کسی کے گھر میں اجازت حاصل کرنے سے پہلے نظر نہ ڈالے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے گھر والوں کے ساتھ خیانت کی۔ سوم یہ کہ کوئی آدمی ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب، پاخانے کو روکے ہوئے ہو۔ یہاں تک کہ ضرورت سے فارغ ہو جائے۔ (ابوداؤد) امام ترمذیؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں تین چیزوں سے انتہائی سختی سے منع کیا گیا ہے کہ جو آدمی ان کاموں میں سے کوئی کام کرے گا تو وہ خیانت کا مرتکب ہوگا: ① جب کوئی آدمی کسی قوم کا امام ہو تو اپنے لئے دعا کرے اور مقتدیوں کے لئے نہ کرے یا اپنے لئے دعا کرے اور ان کے لئے بددعا کرے۔ ② جب کوئی آدمی کسی کے دروازے پر جائے تو اجازت حاصل کرنے سے پہلے گھر کے اندر جھانک کر دیکھے تو یہ بھی خیانت پر مستلزم ہے کیونکہ اجازت لینا تو اسی وجہ سے ہے تا کہ گھر کے اندر اجازت سے پہلے نہ دیکھے۔ ③ جب کسی آدمی کو شدید بول و براز کی حاجت ہو تو وہ اس حالت میں نماز نہ پڑھے جب تک کہ اس سے فراغت نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت حال سے نماز کے اندر توجہ سے خلل پیدا ہوگا۔

نماز میں تاخیر کرنے کی ممانعت

(۹۹۱/۲۰) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلٰوةَ لِطَعَامٍ وَلَا لِغَیْرِهٖ۔ (رواہ فی شرح السنة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ١٣٥حدیث رقم ٣٧٥٨۔والبغوی فی شرح السنة ٣/ ٣٥٥حدیث رقم ٨٠٠۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ کرو۔ (شرح السنہ)

تشریح ۞ اس حدیث میں حکم ہے کہ کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ کی جائے بظاہر اس حدیث کا ایک دوسری حدیث سے تعارض ہے وہ اس طرح کہ اس حدیث میں کھانے کی حاجت کی وجہ سے یا کسی دوسری ضرورت سے نماز کو مؤخر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس سے پہلے کی روایت میں کہا گیا ہے اگر کوئی عذر پیش آجائے اور کھانے کی حاجت ہو تو وہ پہلے کھانا کھالے اور بعد میں نماز پڑھ لے تو ایک حدیث میں کھانے کی وجہ سے تاخیر کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں تاخیر کی رخصت ہے۔ بظاہر تعارض ہے اس تعارض کو رفع کرنے کی تعبیر اور توجیہ یہ ہے کہ نماز کا وقت دو حال سے خالی نہیں نماز کے وقت میں وسعت اور کشادگی ہوگی یا تنگی ہوگی اگر وقت میں وسعت اور کشادگی ہو تو پھر عذر کی وجہ سے نماز کی ادائیگی میں تاخیر ہو سکتی ہے اور اگر وقت میں تنگی ہو کہ اگر کھانے وغیرہ میں مصروف ہو جائے تو نماز کا وقت خارج ہو جائے گا ایسی صورت میں کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز میں تاخیر کرنا درست ہے لہٰذا کوئی تعارض اور اشکال

نہیں ہے۔

الفصل الثالث:

منافق جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرتا ہے

(۲۱/۹۹۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً وَرَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَلَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهٖ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٤٥٣حديث رقم (٢٥٦-٦٥٤)-وأبوداوٗد في السنن ١/٣٧٣حديث رقم ٥٥٠-والنسائي ٢/١٠٨حديث رقم ٨٤٩-وابن ماجه ١/٢٥٥حديث رقم ٧٧٧-وأحمد في المسند ١/٤١٤-

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کئی مرتبہ دیکھا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے صرف وہی آدمی بیٹھے رہتا ہے جو منافق ہو اور اس کا نفاق واضح ہو یا وہ بیمار جو نماز میں حاضر ہونے سے معذور ہے یہاں تک کہ اگر کوئی دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے چل کر آ سکتا تو وہ بھی نماز میں شرکت کے لئے آتا تھا پھر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہدایت کے طریقے بتائے اور ہدایت کے ان طریقوں میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا بھی ہے جس میں اذان باقاعدہ دی جاتی ہو اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جس انسان کو یہ بات خوش کرے کہ کل کے دن اللہ تعالیٰ سے کامل مسلمان ہونے کی حیثیت سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ان پانچ نمازوں کی اس جگہ حفاظت کرے جہاں نمازوں کے لئے اذان دی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے لئے ہدایت کے طریقے مقرر کر دیئے ہیں اور پانچ نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اگر تم اپنی نمازوں کو اپنے گھروں کے اندر پڑھو گے جس طرح کہ یہ نماز سے پیچھے رہنے والا یعنی منافق نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے بن گئے اور اگر اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو یقیناً تم گمراہ ہو جاؤ گے جو آدمی اچھی طرح پاک اور صاف ہو کر کسی مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے جس کو وہ رکھتا ہے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور درجہ بلند کر دیتا ہے اور گناہ کو اس سے دور کر دیتا ہے ہم نے دیکھا ہے کہ واضح منافق کے علاوہ کوئی آدمی جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ بیمار آدمی کو اس حالت میں نماز میں لایا جاتا تھا کہ وہ کمزوری کی وجہ سے دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے آتا اور اس کو صف میں لا کر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ منافق جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں سست ہوتا ہے اور مؤمن جماعت

کے ساتھ نماز ادا کرنے میں چست ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس لئے بھیجا ہے تا کہ مسلمانوں کو ہدایت کے طریقوں کی تعلیم دیں اور آپ نے جو کام بھی سکھایا وہ یقیناً ہدایت کا کام تھا اور جس کام سے روکا وہ یقیناً ہدایت کا کام نہیں تھا اور رسول اللہ ﷺ نے جو ہدایت کے کام سکھائے ان میں سے ایک انتہائی ضروری جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے اور جماعت کی نماز کو اس چیز کی علامت اور نشانی مقرر کر دیا گیا ہے کہ جس انسان کا ایمان کامل اور قوی ہوگا وہ ہر حال میں نماز باجماعت کی پابندی کرے گا اگرچہ وہ شدید بیماری میں مبتلا ہو اور شخصوں کے سہارے کے ساتھ مسجد تک جا سکتا ہو تو جانے کی پوری کوشش کرے گا اور جس آدمی کا ایمان ناقص اور ضعیف ہو جیسے منافق اس کا واضح طور پر امتیاز ہو جائے گا کیونکہ روزانہ پانچ مرتبہ اس کو مسجد میں آنا پڑے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ کون شوق سے آتا ہے اور کون سستی کرتا ہے اور موجودہ زمانے میں کثیر تعداد میں لوگ نماز باجماعت سے سستی کرتے ہیں بلکہ نماز میں ہی سستی کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے مؤمن اور کافر کے درمیان امتیاز اور فرق کے لئے نماز کو معیار مقرر کیا ہے کہ جو نماز قائم کرتا ہے وہ مؤمن ہے اور جو نماز قائم نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں۔

جماعت کی نماز ترک کرنے پر وعید

(۲۲/۹۹۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَوْلَا مَا فِی الْبُیُوْتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالذُّرِّیَّةِ اَقَمْتُ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ وَاَمَرْتُ فِتْیَانِیْ یُحَرِّقُوْنَ مَا فِی الْبُیُوْتِ بِالنَّارِ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٢/٢٦٧۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے کسی کو حکم دیتا اور پھر اپنے خادموں کو حکم دیتا کہ جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو آگ سے جلا دیا جائے۔ (احمد)

تشریح ۞ اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے شدید وعید ذکر کی گئی ہے جو جان بوجھ کر جماعت کی نماز کا اہتمام نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز کا وقت ہو میں کسی کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کر دوں اور پھر اپنے خادموں کو حکم دوں کہ ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دیں کہ جو نماز باجماعت کے لئے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے اور اس حدیث میں گھروں کو نہ جلانے کی علت اور وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ گھروں میں عورتیں اور بچے ہوتے ہیں اور ان کے لئے مسجد میں آنا ضروری نہیں ہے اس لئے میں اپنے حکم کو نافذ نہیں کرتا لیکن اس وعید سے ان لوگوں کو ضرور تنبیہ حاصل ہو جانی چاہئے جو نماز باجماعت سے غفلت کا شکار ہیں۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا درست نہیں

(۲۳/۹۹۴) وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كُنْتُمْ فِی الْمَسْجِدِ فَنُوْدِیَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا یَخْرُجْ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یُصَلِّیَ۔ (رواہ احمد)

أحمد في المسند ٢/٥٣٧۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم لوگ مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لئے اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی آدمی بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلے۔ (احمد)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مسجد میں نماز کے لئے اذان ہو جائے اور بوقت اذان جو آدمی مسجد

میں موجود ہو وہ بغیر شرعی عذر کے مسجد سے نہیں نکل سکتا ہے مثلاً وہ عذر شرعی یا تو یہ ہو سکتا ہے کسی آدمی نے دوسری جگہ جا کر امامت کروانی ہے یا ابھی جماعت کی نماز شروع ہونے میں وقت باقی ہے تو کوئی آدمی واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ایسے آدمی کو اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے۔

اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنے والا نافرمان ہے

(۲۴/۹۹۵) وَعَنْ اَبِی الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا اُذِّنَ فِیْهِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۵۳ حدیث رقم (۲۵۸-۶۵۵)۔ وأبوداوٗد ۱/۳۶۶ حدیث رقم ۵۳۶۔ والترمذی ۱/۳۹۷ حدیث رقم ۲۰۴۔ والنسائی ۲/۲۹ حدیث رقم ۶۸۳۔ وابن ماجه ۱/۲۴۲ حدیث رقم ۷۳۳۔ والدارمی ۱/۲۹۵ حدیث رقم ۱۲۰۵۔ وأحمد فی المسند ۲/۴۱۰۔

ترجمہ: حضرت ابو شعثاءؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اذان ہو جانے کے بعد ایک آدمی مسجد سے نکلا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس آدمی نے ابو القاسم کی نافرمانی کی ہے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں واضح طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے نکلنے والا آدمی نافرمان ہے جب حضرت ابو ہریرہؓ نے اذان ہو جانے کے بعد ایک آدمی کو مسجد سے نکل کر جاتے ہوئے دیکھا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی یہاں بظاہر ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ یہ نافرمان ہے خود اس آدمی کو کیوں نہیں کہا اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ آدمی کسی عذر شرعی کی وجہ سے نکلا ہے اور واپس آ جائے گا لیکن جب وہ واپس نہ آیا تو آپ نے دوسری لوگوں کو یہ ارشاد فرمایا اگر وہ آدمی اس وقت موجود ہوتا تو ضرور کہہ دیتے۔

اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے نکلنے والا منافق ہے

(۲۵/۹۹۶) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ یَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَّهُوَ لَا یُرِیْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۱/۲۴۲ حدیث رقم ۷۳۴۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اور پھر وہ بغیر کسی عذر کے مسجد سے نکل جائے اور واپس آنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مسجد میں جماعت کے لئے اذان ہو اور کوئی آدمی اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو پھر وہ بغیر کسی عذر شرعی کے مسجد سے نکل جائے یہ جائز نہیں ایسے شخص کو اس حدیث میں منافق کہا گیا ہے کیونکہ جب وہ بغیر کسی عذر شرعی کے مسجد سے نکل جائے گا تو اس نے نماز سے فرار اختیار کیا ہے ایسی حرکت کا ارتکاب منافق ہی کر سکتا ہے مومن سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اذان کا جواب نہ دینے والے کا حکم

(۲۶/۹۹۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ یُجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهٗ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔

(رواہ الدارقطنی)

أخرجه ابن ماجه في السنن ١/ ٢٥٩ حديث رقم ٧٩٣۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا تو اس کی نماز کامل نہیں ہوگی مگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (دارقطنی)

تشریح: اس حدیث میں اذان کا جواب نہ دینے والے کو زجر و توبیخ کی گئی ہے اذان کا جواب دینے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ مؤذن جو کلمات کہے سننے والا بھی زبان سے وہی الفاظ کہے یا اپنے دل میں آہستہ آواز سے کہتا رہے گویا زبانی جواب کا اطلاق ظاہری اور باطنی زبان دونوں پر ہوتا ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عمل سے اذان کا جواب دیا جائے کہ جب آدمی اذان کی آواز سنے اسی وقت سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی تیاری شروع کر دے اگر کسی آدمی نے عملی طور پر اذان کا جواب دے دیا تو یہ اذان کا جواب ہو جائے گا اور اگر کسی آدمی نے زبان سے جواب دے دیا مگر عملی طور پر جواب نہ دیا وہ آدمی منافق ہے کیونکہ یہ نفاق کی علامت ہے۔

نابینا آدمی کے لئے جماعت میں شرکت ضروری ہے

(۲۷/۹۹۸) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ كَثِيْرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُ لِيْ مِنْ رُخْصَةٍ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَيَّ هَلًا وَلَمْ يُرَخِّصْ۔ (رواہ ابو داود والنسائی)

أخرجه أبوداود في السنن ١/ ٣٧٥ حديث رقم ٥٥٣۔ والنسائي ٢/ ١٠٨ حديث رقم ٨٥١۔ وابن ماجه ١/ ٢٦٠ حديث رقم ٧٩٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں موذی جانور کثرت سے ہوتے ہیں اور درندے بہت ہیں اور میں نابینا آدمی ہوں کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں جماعت کی نماز میں شرکت نہ کروں اور گھر میں نماز پڑھ لیا کروں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی آواز سنتے ہو میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا جماعت میں آیا کرو اور انہیں جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ نابینا صحابی تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت اور رخصت طلب کی کہ میں گھر میں اکیلے نماز پڑھ لیا کروں اور یہ عذر پیش کیا کہ مدینہ میں حشرات اور موذی جانور اور درندے بہت زیادہ ہیں یہ مجھے تکلیف نہ پہنچا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر پوچھا کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے تمہیں حی علی الفلاح۔ حی علی الصلوٰۃ کی آواز آتی ہے انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آتی ہے پھر آپ نے ان کو جماعت چھوڑنے کی رخصت اور اجازت نہیں دی۔

نمازی ہونا رسول اللہ ﷺ کی امت کی علامت ہے

(۲۸/۹۹۹) وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ اَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/ ١٣٧۔ حديث رقم ٦٥٠۔ وأحمد في المسند ٦/ ٤٤٣۔

ترجمہ: حضرت ام الدرداءؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے خاوند حضرت ابودرداءؓ غصہ کی حالت میں میرے پاس تشریف لائے میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو غصہ دلایا ہے انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں رسول اللہ ﷺ کی امت کے بارے میں پہلے ایک چیز کو جانتا تھا کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں مگر اب اسے بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث میں حضرت ابودرداءؓ نے رسول اللہ ﷺ کی امت کی ایک علامت اور نشانی بتلائی وہ یہ کہ یہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں اور فرمایا کہ اب اس میں بھی دن بدن کمی ہوتی چلی جارہی ہے۔ حضرت ابودرداءؓ اس کمی کو دیکھ کر بہت غمزدہ اور پریشان تھے اس فکر کی وجہ سے غضبناک ہوئے یہ تو حضرت ابودرداءؓ نے اپنے دور کی بات بتائی اگر آج ہمارا دور دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی۔

نمازِ فجر کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت

(۱۰۰۰/۲۹) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ سُلَیْمَانَ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَیْمَانَ بْنَ اَبِیْ حَثْمَةَ فِیْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَ اِنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَی السُّوْقِ وَمَسْکَنُ سُلَیْمَانَ بَیْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوْقِ فَمَرَّ عَلَی الشِّفَاءِ اُمِّ سُلَیْمَانَ فَقَالَ لَهَا لَمْ اَرَ سُلَیْمَانَ فِی الصُّبْحِ فَقَالَتْ اِنَّهٗ بَاتَ یُصَلِّیْ فَغَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِیْ جَمَاعَةٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَیْلَةً۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۳۱ حديث رقم ۷ من كتاب صلاة الجماعة۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک روز حضرت عمرؓ نے نماز فجر میں میرے والد حضرت سلیمان بن ابی حثمہ کو نہ پایا حضرت عمرؓ جب صبح کے وقت بازار جانے لگے تو حضرت سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا اس لئے وہ سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آج میں نے فجر کی نماز میں سلیمان کو نہیں دیکھا۔ سلیمان کی والدہ نے عرض کیا کہ سلیمان نے آج پوری رات نماز پڑھی اور صبح ہوتے ہی ان کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ ہو گیا لہٰذا اس وجہ سے فجر کی نماز میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں فجر کی نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا تمام رات کی عبادت کے مقابلے میں بہتر سمجھتا ہوں۔ (مالک)

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز فجر کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت سلیمانؓ کو فجر کی نماز میں غیر حاضر پایا کہ صبح کے وقت بازار جاتے ہوئے ان کی والدہ حضرت شفاءؓ سے پوچھا کہ حضرت سلیمانؓ نماز میں موجود نہ تھے ان کی والدہ نے کہا کہ انہوں نے آج پوری رات عبادت میں گزاری اور صبح کے وقت ان پر نیند غالب ہو گئی ان کی بات سن کر حضرت عمرؓ نے وہی جواب دیا جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس آدمی نے فجر اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے تمام رات عبادت میں گزاری اور اس کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔

دو آدمی جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں

(۱۰۰۱/۳۰) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/۳۱۲ حديث رقم ۹۷۲۔ وأحمد في المسند ۵/۶۹۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کی جماعت ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے اور دو آدمی موجود ہوں تو وہ دونوں مل کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں بعد میں جو لوگ آئیں گے وہ ساتھ ملتے جائیں گے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب مقتدی ایک ہو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے اگر بعد میں کوئی اور آدمی آ جائے اور امام کو احساس ہو جائے تو وہ دوران نماز آگے بڑھ جائے اور آگے جگہ کی گنجائش نہ ہو تو پھر یہ مقتدی پیچھے ہو جائے۔

عورتوں کومسجد میں جانے کی اجازت ہے

(۳۱/۱۰۰۲) وَعَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَمْنَعُوا النِّسَآءَ حُظُوْظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِذَا سْتَأْذَنَّكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ وَفِيْ رِوَايَةِ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَبَّهٗ سَبًّا مَا سَمِعْتُ سَبَّهٗ مِثْلَهٗ قَطُّ وَقَالَ اُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۲۸حديث رقم (۱٤۔٤٤۲)وأخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۳۸۲حديث رقم ٥٦٦۔وابن ماجه ۱/۸حديث رقم ۱٦۔وأحمد في المسند ۲/۱٤۰۔

ترجمہ: حضرت بلال بن عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب عورتیں تم سے مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں روک کر مساجد کے ثواب کے حصہ سے محروم نہ کرو حضرت بلال نے کہا اللہ کی قسم ہم تو ضرور عورتوں کو منع کریں گے حضرت عبداللہ نے بلال سے کہا میں تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتا ہوں تم کہتے ہو ہم انہیں ضرور منع کریں گے اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت سالم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے تو پھر حضرت عبداللہ بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اس قدر سب وشتم کیا ہے کہ میں نے کبھی حضرت عبداللہ کو اس قدر سب وشتم کرتے ہوئے نہیں سنا اور اس کے بعد فرمایا کہ میں تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتا ہوں اور تم کہتے ہو ہم ضرور منع کریں گے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر عورتیں مسجد میں جانے کے لئے باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے اجازت مانگیں تو اجازت دے دینی چاہئے۔ اس حدیث میں بلال سے مراد حضرت عبداللہ کا بیٹا اور حضرت عمر بن خطاب کا پوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بیٹے بلال کو کہا کہ اگر عورتیں باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو مردوں کو چاہئے کہ اجازت دے دیں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب عورت مسجد میں جانے کے لئے خاوند سے اجازت مانگے گی تو ظاہر ہے وہ خاوند کے حکم کو چاہتی ہے تب ہی تو وہ اجازت طلب کر رہی ہے لہٰذا خاوند کو بھی چاہئے کہ وہ بیوی کے حقوق جانے اور جب وہ اپنے خاوند سے اجازت طلب کرے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے تو مرد کو بھی اپنے رسول اللہ ﷺ کا حق ادا کرتے ہوئے اجازت دے دینی چاہئے۔ جب حضرت بلال نے اپنے والد محترم کی یہ بات سنی جس میں صحیح طرح سے تفصیل اور وضاحت نہ تھی تو انہوں نے اپنے والد سے کہہ دیا کہ ہم تو اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکیں گے حضرت عبداللہ نے جب یہ بات اپنے بیٹے سے سنی جو کہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف تھی وہ اس کو ایمانی غیرت کی وجہ سے برداشت نہ کر سکے تو چہرہ انور کا رنگ غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا حضرت بلال نے بڑے تحمل سے اپنے باپ کی ڈانٹ سنی حضرت بلال کا خاموش رہنا یہ والد کی اطاعت تھی احناف کے نزدیک جب فتنہ اور فساد کا خوف ہو گھر کے اندر عورتوں کو نماز پڑھنا اولی اور افضل ہے۔

باپ کو بیٹے کی بات سے ناراضگی

(۳۲/۱۰۰۳) وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ اَهْلَهٗ اَنْ يَّاْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَاِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُ

هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُاللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٢/٣٦۔

ترجمہ: حضرت مجاہد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے منع نہ کرے یہ سن کر حضرت عبداللہ کے بیٹے بلال نے عرض کیا کہ ہم تو ان کو ضرور منع کریں گے حضرت عبداللہ بن عمر نے ان سے کہا کہ میں آپ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم ضرور منع کریں گے۔ اس حدیث کے راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بیٹے سے موت تک گفتگو نہیں کی۔ (احمد)

تشریح ۞ اس حدیث کا واقعہ وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے ان دونوں حدیثوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ پہلے حدیث کے راوی حضرت بلال بن عبداللہ تھے اور دوسری حدیث کے راوی حضرت مجاہد ہیں اور دوسرا فرق یہ ہے کہ اس دوسری حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ کو بلال کی بات سے بہت غم اور دکھ ہوا اس کی وجہ سے آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی بخلاف پہلی حدیث کے کہ اس میں یہ ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ حضرت عبداللہ نے بلال سے موت تک گفتگو نہیں کی۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صفوں کے برابر کرنے کا بیان

الفصل الاوّل:

صف سیدھی نہ رکھنے پر وعید

(۱/۱۰۰۴) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْلَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٢٠٦ حديث رقم ٧١٧۔ ومسلم في صحيحه ١/٣٢٤ حديث رقم (١٢٨۔٤٣٦)۔ وأبو داوٗد في السنن ١/٤٣٢ حديث رقم ٦٦٣۔ والترمذي ١/٤٣٨ حديث رقم ٢٢٧۔ والنسائي ٢/٨٩ حديث رقم ٨١٠۔ وابن ماجه ١/٣١٨ حديث رقم ٩٩٤۔ وأحمد في المسند ٤/٢٧٧۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صف اس طرح سیدھی کرتے تھے گویا کہ ان صفوں سے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ سے صفوں کی سیدھا کرنے کی اہمیت کو سمجھ گئے ایک روز نبی ﷺ تشریف لائے اور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور تکبیر شروع ہونے کو تھی کہ ایک آدمی کا سینہ سب سے آگے نکلا ہوا تھا رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا اور فرمایا اے اللہ کے بندو اپنی صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف پیدا کردے گا۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں صفوں کو سیدھا نہ کرنے پر وعید ذکر کی گئی ہے کہ صفیں سیدھی رکھو ورنہ تم اختلاف کا شکار ہو جاؤ گے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صفوں کو اس قدر اہتمام کے ساتھ سیدھا کیا جاتا تھا گویا ان صفوں سے تیر کو سیدھا کیا جاتا تھا اور یہاں تیر کا ذکر کرنا اہل عرب کے محاورے کے مطابق ہے کیونکہ اہل عرب کے نزدیک جس چیز کو زیادہ سیدھا سمجھا جاتا تھا وہ تیر تھا اور جب کسی چیز کو

سیدھا ہونے کو بیان کرتے تھے تو اس کو تیر کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے کہ یہ چیز ایسی سیدھی ہے جیسے تیر سیدھا ہوتا ہے اور اس میں مزید مبالغہ پیدا کرنے کے لئے تشبیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ صفیں اتنی سیدھی ہوتی تھیں گویا ان کو تیر سے سیدھا کیا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم نے نماز کی صفوں کو سیدھا کرنے کا اہتمام نہ کیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا کر دے گا کیونکہ انسان کے ظاہر عمل سے انسان کی باطنی کیفیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور جس مقام پر ظاہر اطاعت نہ ہو تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ باطنی اطاعت بھی مفقود ہے۔

پہلی صف مکمل ہونے کے بعد دوسری صف بنائی جائے

(۲/۱۰۰۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَرَآءِ ظَهْرِيْ (رواه البخاری وفی المتفق علیه) قَالَ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَرَآءِ ظَهْرِيْ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰۸/۲ حدیث رقم ۷۱۹۔ومسلم فی صحیحه ۳۲۴/۱ حدیث رقم (۱۲۵۔۴۳۴) والنسائی ۹۲/۲ حدیث رقم ۸۱۴۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ ہماری طرف متوجہ کر کے فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی رکھو اور آپس میں مل کر کھڑے ہو جاؤ اور یقیناً میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ (بخاری) بخاری اور مسلم دونوں کی روایت میں اس طرح آپ نے فرمایا صفوں کو مکمل کر لیا کرو میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ایک صف کو مکمل ہونے کے بعد دوسری صف بنانے کا حکم دیا گیا ہے صفوں کو پورا کر لینے سے مراد یہ ہے کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو تو دوسری صف شروع نہ کی جائے کیونکہ اگر پہلی صف مکمل نہ ہو اور اس میں جگہ خالی ہو مزید نمازیوں کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہو اس کے باوجود اگر دوسری صف بنالی جائے تو یہ غلط ہے۔

صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کی تکمیل ہے

(۳/۱۰۰۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ متفق علیه اِلَّا اَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰۹/۲ حدیث رقم ۷۲۳۔ومسلم ۳۲۴/۱ حدیث رقم (۱۲۴۔۴۳۳)۔وأبوداؤد فی السنن ۴۳۴/۱ حدیث رقم ۶۶۸۔وابن ماجه ۳۱۷/۱ حدیث رقم ۹۹۳۔والدارمی ۳۲۳/۱ حدیث رقم ۱۲۶۳۔وأحمد فی المسند ۱۷۷/۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنی صفوں کو سیدھا رکھا کرو کیونکہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے۔ (بخاری، مسلم) اور مسلم کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں من تمام الصلوۃ کہ نماز کی تکمیل اس طرح ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کی تکمیل ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے اقیموا الصلوۃ اور یہ حکم تکرار کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز میں تعدیل ارکان اور سنن و آداب کی رعایت رکھو اور اس حدیث میں من اقامت الصلوۃ کے لفظ سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا بھی اقیموا الصلوۃ کے حکم میں شامل

ہے۔

صفوں کو سیدھا رکھنا ورنہ اختلاف پیدا ہو جائے گا

(۱۰۰۷/۴)وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَمْسَحُ مَنَاکِبَنَا فِی الصَّلَاۃِ وَیَقُوْلُ اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَاَنْتُمُ الْیَوْمَ اَشَدُّ اِخْتِلَافًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۲۳حدیث رقم (۱۲۲۔۴۳۲)۔وأبوداؤدفی السنن۱/۴۳۶حدیث رقم ۶۷۴۔ والنسائی ۲/۸۷حدیث رقم ۸۰۷۔وابن ماجه ۱/۳۱۲حدیث رقم ۹۷۶۔والدارمی ۱/۳۲۴حدیث رقم ۱۲۲۶۔ وأحمد فی المسند ۴/۱۲۲۔

ترجمہ: حضرت ابومسعودؓ انصاری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور اس وقت آپ نے ہمارے کندھوں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا تھا کہ سیدھے اور برابر رہو اور مختلف یعنی آگے پیچھے نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔اور تم میں سے جو لوگ عاقل اور بالغ ہوں وہ میرے قریب کھڑے ہوں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔حضرت ابومسعود انصاریؓ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ آج تم لوگوں میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دو باتیں بیان کی ہیں:① ایک بات یہ بیان فرمائی کہ جب تم جماعت کی نماز کے لئے صف میں کھڑے ہو جاؤ تو اس بات کا اچھی طرح خیال کرو کہ تم سب برابر اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔آگے پیچھے نہ رہو کیونکہ اگر تمہارا ظاہر سیدھا ہوگا تو اس کا اثر تمہارے باطن پر بھی پڑے گا اور باطن پر اثر پڑنے سے مراد یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا سمجھنے کے لئے اس کو ایسے سمجھتے ہیں کہ انسان کے جسم کے ظاہری اعضاء کی ٹھنڈک باطنی اعضاء پر اثر کرتی ہے۔اور اسی طرح باطنی اعضاء کی ٹھنڈک ظاہری اعضاء پر اثر کرتی ہے۔بالکل یہی حال ہے صف کے سیدھا اور ٹیڑھا ہونے کا کہ اگر صف سیدھی ہوگی تو دل بھی سیدھے رہیں گے اور اگر صف ٹیڑھی ہوگی تو دل بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔② دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو صاحب بصیرت اور عقل مند ہوں تا کہ وہ میری نماز کی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور محفوظ کر لیں اور دوسری لوگوں کی تعلیم و تربیت احسن طریقے سے کر سکیں پھر ان کے بعد دوسرے لوگوں کی صفیں ہوں اور اس حدیث کے آخر میں حضرت ابومسعود انصاریؓ نے فرمایا کہ آج تمہاری صفیں سیدھی نہ ہونے کی وجہ سے تمہارے اندر اضطراب اور انتشار پیدا ہو گیا ہے اور دن بدن فتنوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔

مساجد میں بازاروں کی طرح شور وغل نہ کرو

(۱۰۰۸/۵)وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثَلَاثًا وَاِیَّاکُمْ وَھَیْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۲۳حدیث رقم (۱۲۳۔۴۳۲)۔وأبوداؤد فی السنن ۱/۴۳۶حدیث رقم ۶۷۵۔والترمذی فی السنن ۱/۴۴۰حدیث رقم ۲۲۸۔والدارمی ۱/۳۲۴حدیث رقم ۱۲۶۷۔وأحمد فی المسند ۱/۴۵۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ عقل مند

اور صاحب بصیرت ہوں اور بالغ ہوں وہ نماز میں میرے قریب کھڑے ہوں اور پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یہ بات رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی اور پھر فرمایا مساجد میں بازاروں کی طرح شور وغل کرنے سے بچو۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں دو باتیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں: ① عقل منداور صاحب بصیرت نمازی صف میں میرے قریب کھڑے ہوں تاکہ وہ میری نماز کو یاد کر کے دوسرے لوگوں کو اچھی طرح تعلیم وتربیت کرسکیں۔ ② مساجد میں اس طرح شور وغل نہ کرو۔ جس طرح بازاروں میں ہوتا ہے کاش کہ آج مسلمان رسول اللہ ﷺ کی بیان کی ہوئی اس نصیحت پر غور کر لیتے آج تو بدقسمتی سے بازاروں کے شور وغل سے بڑھ کر مساجد میں شور ہوتا ہے۔ مساجد میں جو لاؤڈ سپیکر ہوتے ہیں معمولی فیس دے کر جب چاہے اور جو چاہیں اعلان کروائیں کبھی سبزی آٹے کا اعلان، کبھی گوشت کا اعلان، کبھی گدھے کے غائب ہونے کا اعلان، شرک اور بدعت کی تعلیم، شرکیہ نعرے اور عشقیہ اشعار ان سب لایعنی اور فضول کاموں کے لئے بعض نادان لوگوں نے مساجد کو مرکز بنالیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلی صف میں کھڑے ہونے سے بچتے تھے

(۱۰۰۹/۶) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ اَصْحَابِہٖ تَاَخُّرًا فَقَالَ لَھُمْ تَقَدَّمُوْا وَائْتَمُّوْا بِیْ وَلْیَأْتَمَّ بِکُمْ مَنْ بَعْدَکُمْ لَایَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ حَتّٰی یُؤَخِّرَھُمُ اللّٰہُ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۲۵ حدیث رقم (۱۳۰۔۴۳۸) وأبو داوٗد فی السنن ۱/۴۳۸ حدیث رقم ۶۸۰۔ والنسائی ۲/۸۳ حدیث رقم ۷۹۵۔ وابن ماجه ۱/۳۱۳ حدیث رقم ۹۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ صحابہ کرام پہلی صف میں کھڑا ہونے سے تاخیر کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو تاکہ تمہارے پیچھے کھڑے ہونے والے لوگ تمہاری اقتدا کریں اور پھر فرمایا کہ لوگ ہمیشہ پیچھے ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی انہیں مؤخر کردے گا۔ (مسلم)

تشریح ۞ صحابہؓ جماعت کی نماز میں پہلی صف میں کھڑے ہونے سے بچتے تھے تو نبی کریم ﷺ نے اس بات کی وضاحت کی کہ میں آگے بڑھنے کی تعلیم اس لئے دیتا ہوں تاکہ عقل منداور فہم وفراست والے لوگ میری نماز کی پوری رکعات کو دیکھیں اور یاد کریں اور پھر دوسرے لوگوں کی اسی طرح تعلیم وتربیت کریں جب صحابہ کرام پر آگے بڑھنے کا مقصد واضح ہوگیا تو پھر صحابہ کرامؓ بڑے شوق سے آگے بڑھنے کی کوشش واہتمام کرتے۔

ملائکہ کی صفوں کی طرح صف بندی کرو

(۱۰۱۰/۷) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَرَاٰنَا حَلَقًا فَقَالَ مَالِیْ اَرَاکُمْ عِزِیْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَیْنَا فَقَالَ اَلَا تَصُفُّوْنَ کَمَا تَصُفُّ الْمَلٰٓئِکَۃُ عِنْدَ رَبِّھَا فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ تَصُفُّ الْمَلٰٓئِکَۃُ عِنْدَ رَبِّھَا قَالَ یُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰی وَیَتَرَاصُّوْنَ فِی الصَّفِّ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۲۲ حدیث رقم (۱۱۹۔۴۳۰)۔ وأخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۴۳۱ حدیث رقم ۶۶۱۔ والنسائی ۲/۹۲ حدیث رقم ۸۱۶ وابن ماجه ۱/۳۲۷ حدیث رقم ۹۹۲۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھا دیکھ کر ارشاد فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو الگ الگ جماعتوں میں بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں پھر اسی طرح ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے کہ جس طرح فرشتے

اللہ کے نزدیک صف کی حالت میں ہوتے ہیں ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ملائکہ اللہ کے ہاں کس طرح صف بندی کرتے ہیں۔آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں اچھی طرح مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔(مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کے اندر صفوں کو درست کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اپنی نماز میں صفوں کو اس طرح ٹھیک اور درست رکھو کہ جس طرح ملائکہ اپنے رب کے حضور صف بندی کرتے ہیں ملائکہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق ہیں کہ جن کی طبیعت میں اطاعت کا جذبہ ہے۔معصیت کا عنصر موجود نہیں ہوتا اسی طرح مسلمانوں کی بحیثیت مسلمان ہونے کے یہی چاہت ہوتی ہے کہ نیکی اور خیر کا کام کیا جائے اور معصیت سے انکار کیا جائے اس سے انسان کی فرشتوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔اس طرح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ ملائکہ کی صف بندی کا ذکر کر کے اس چیز کو واضح کیا کہ اطاعت اور خیر کے کاموں میں تمہاری مناسبت ملائکہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔

مردوں اور عورتوں کی بہترین صف کون سی ہے؟

(۱۰۱۱/۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا اٰخِرُهَا وَخَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ اٰخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۲٦حدیث رقم (۱۳۲۔۴۴۰)۔وأبوداوٗد فی السنن ۱/۴۳۸حدیث رقم ٦۷۸۔والترمذی ۱/۴۳۵حدیث رقم ۲۲۴۔والنسائی ۲/۹۳حدیث رقم ۸۲۰۔وابن ماجه ۱/۳۱۹حدیث رقم ۱۰۰۰۔والدارمی ۱/۳۲۵حدیث رقم ۱۲٦۸۔وأحمد فی المسند ۳/۱٦۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردوں کی بہترین صف پہلی اور بدترین صف آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بدترین صف پہلی ہے۔(مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں مردوں اور عورتوں کی بہترین اور بدترین صف کو متعین کیا گیا ہے مراد اس سے اجر وثواب کی کمی اور زیادتی ہے کہ کونسی صف میں اجر وثواب زیادہ ہوگا اور کونسی صف میں اجر وثواب کم ہوگا اور مردوں کی سب سے بہترین صف اجر اور ثواب کے اعتبار سے پہلی صف ہے اور سب سے بدترین صف اجر وثواب کے اعتبار سے آخری صف ہے اور عورتوں میں اجر وثواب کے لحاظ سے بہترین صف آخری ہے اور سب سے بدترین صف اجر کے اعتبار سے پہلی صف ہے تا کہ مردوں اور عورتوں میں اس عبادت کی ادائیگی کے وقت بہت دوری ہو۔

الفصل الثانی:

اگر صف میں خلا ہو تو شیطان داخل ہوگا

(۱۰۱۲/۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنِّیْ لَاَرَی الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَاَنَّهَا الْحَذَفُ ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۴۳۴حدیث رقم ٦٦۷۔والنسائی ۲/۹۲حدیث رقم ۸۱۵۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی صفوں کو متصل رکھو اور آپس میں

قریب قریب رہو اور اپنی گردنیں برابر رکھو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں شیطان کو بکری کے سیاہ بچے کی طرح تمہاری صفوں کی کشادگی میں داخل ہوتے دیکھتا ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث کے اندر بھی رسول اللہؐ نے صفوں کو سیدھا کرنے کی ہدایت فرمائی اور اس کا روحانی طور پر نقصان بتلایا کہ اگر تمہاری صفیں صحیح طریقہ سے متصل نہ ہونگی بلکہ درمیان میں خلل اور کشادگی ہوگی تو شیطان اس خلل اور کشادگی میں داخل ہو جائیگا۔

پہلی صف مکمل ہو کمی آخری صف میں ہو

(۱۰۱۳/۱۰) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَكُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۴۳۵ حدیث رقم ۶۷۱۔ والنسائی ۲/ ۹۳ حدیث رقم ۸۱۸۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پہلی صف کو پورا کرو پھر اس کے بعد والی کو پورا کرو اور صف میں جو کمی رہے تو وہ کمی سب سے آخری صف میں ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں پہلی صفوں کو اچھی طرح اور اہتمام کے ساتھ مکمل کرنے کا حکم ہے اور یہ کہ کمی صرف آخری صف میں ہو یہاں صفوں سے مراد جماعت کی نماز کی صفیں ہیں کہ سب سے پہلی مردوں کی صفیں ہوں پھر مخنث کی اور بچوں کی اور پھر ان کے بعد عورتوں کی صفیں ہوں ہر ایک صف کو اپنی حیثیت اور درجے کے اعتبار سے مکمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ایک نوع کی صف کا الحاق دوسری نوع کی صف کے ساتھ نہ ہو۔

صفوں کے قیام کے وقت سب سے افضل قدم

(۱۰۱۴/۱۱) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ یَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰى وَمَامِنْ خُطْوَةٍ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ خُطْوَةٍ یَمْشِیْهَا یَصِلُ بِهَا صَفًّا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۴۳۲ حدیث رقم ۶۶۴۔ وأخرجه النسائی ۲/ ۸۹ حدیث رقم ۸۱۱۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ پہلی صفوں کے قریب ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور فرشتے ان کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدم سے افضل کوئی قدم نہیں جو چل کر صف میں ملے اور خالی جگہ کو پر کردے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں اس قدم اور پاؤں کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو صفوں کے قیام کے وقت صف میں خالی جگہ کو دیکھ کر پر کرنے کو اٹھایا جائے اسی وجہ سے پہلی صف کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے تاکہ جتنے لوگ پہلی صف میں کھڑے ہو سکتے ہوں وہ کھڑے ہوں اور اچھی طرح پہلی صف کو مکمل کریں۔

صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے

(۱۰۱۵/۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلٰى مَیَامِنِ الصُّفُوْفِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۴۳۷ حدیث رقم ۶۷۶۔ وابن ماجه ۱/ ۳۲۱ حدیث رقم ۱۰۰۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صفوں کی دائیں طرف کھڑے ہونے والے پر اللہ اپنی رحمت بھیجتے ہیں اور فرشتے ان کے حق میں استغفار کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں صف کے اندر دائیں طرف کھڑے ہونے والے کے لئے خصوصی فضیلت بیان کی گئی ہے شریعت کے ہر حکم میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے اسی حکمت کے تحت دائیں طرف کھڑے ہونے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے لیکن اکثر مشاہدہ میں یہ ہے کہ دائیں طرف کھڑے ہونے سے لوگ کتراتے ہیں حالانکہ اس کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو اہتمام سے درست کرتے تھے

(۱۳/۱۰۱۶) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا اِذَا اُقِيْمَتْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۴۳۲ حديث رقم ۶۶۵۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو درست کرتے تھے جب صفیں برابر اور سیدھی ہو جاتیں پھر تکبیر تحریمہ کہتے۔ (ابوداود)

تشریح ۞ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کے وقت صفوں کو نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ ٹھیک کرتے تھے اور یہ ٹھیک کرنا زیادہ تر زبان سے ہوتا تھا بار بار زبان کے ساتھ مخاطب کرتے تھے اور بوقت ضرورت عمل اور فعل کے ساتھ بھی درست کرتے تھے یا اپنی جگہ سے چل کر اس آدمی کے پاس چل کر تشریف لاتے جو صف میں ٹھیک کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ اس کو ٹھیک طرح سے کھڑا کرتے تھے جب صفوں کو سیدھا کرنے میں اطمینان اور تسلی ہو جاتی پھر تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں رُخ کر کے صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم دیتے تھے

(۱۴/۱۰۱۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَعَنْ يَّسَارِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۴۳۵ حديث رقم ۶۷۰۔

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو پہلے اپنی دائیں طرف متوجہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو پھر بائیں طرف متوجہ ہو کر اسی طرح ارشاد فرماتے تھے کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو سیدھا اور درست کرنے میں انتہائی احتیاط اور اہتمام کرتے تھے کہ جب صفیں کھڑی ہو جاتی تو آپ سامنے کھڑے ہو کر پہلے دائیں طرف توجہ کر کے دائیں طرف والوں کو خطاب فرماتے کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو برابر کر لو پھر بائیں طرف توجہ کر کے یہی ارشاد فرماتے اور جب تک اس بات کا اطمینان نہ کر لیتے کہ صفیں درست ہو گئی ہیں اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے اور یہ ابتدائی زمانہ تھا اس وقت لوگوں کو اچھی طرح صفوں کو سیدھا کرنے کا تجربہ اور مشق نہ تھی اور لمبی لمبی صفیں ہوتی تھیں جس قدر صف لمبی ہو گی اتنا ہی اس کو سیدھا کرنا مشکل ہو گا اور ہمارے موجودہ دور کی طرح صفوں اور چٹائیوں کی شکل میں سہولیات بھی میسر نہ تھیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ صفوں کو درست کرتے تھے۔

نماز میں کندھوں کو نرم رکھو

(۱۰۱۸/۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلٰوةِ۔

(رواه ابو داود)

أخرجه ابو داوٗد فی السنن ۱/۴۳۵ حديث رقم ۶۷۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں کہ جن کے کندھے نماز میں نرم ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز کے اندر نمازیوں کے کندھوں کا نرم ہونا نمازی کی بہترین علامت ہے اب یہ کہ نماز کے اندر کندھوں کو نرم ہونے سے رسول اللہ ﷺ کی مراد کیا ہے اس کی مراد میں علماء نے بہت کچھ کہا ہے لیکن سب سے بہتر اور عمدہ توجیہ یہ ہے کہ کندھوں کو نرم کرنے سے مراد یہ ہے کہ دوسرے نمازی کے کندھے کے ساتھ متصل ہو جائیں۔ دونوں کے کندھے آپس میں اس کو خوش دلی سے برداشت کریں اس سے ان کے دلوں میں کوئی حرج اور بوجھ محسوس نہ ہو آپس میں مل جانے کو اچھا سمجھیں اگرچہ موسم شدید گرمی کا ہو اور بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ کندھوں کے نرم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی صف کے اندر صحیح طرح سے نہ کھڑا ہو اور کوئی دوسرا آدمی اس کے کندھوں کو پکڑ کر درست کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لے بلکہ جس طرح دوسرا انسان اسکو سیدھا کھڑا کرنا چاہتا ہے اس کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرلے اور جس طرح وہ کھڑا کرنا چاہتا ہے اسی طرح وہ کھڑا ہو جائے۔

الفصل الثالث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں

(۱۰۱۹/۱۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه النسائي في السنن ۲/۹۱ حديث رقم ۸۱۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم برابر اور سیدھے کھڑے ہوا کرو تین مرتبہ یہ حکم دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس طرح میں اپنے سامنے سے تمہیں دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے تاکید کے ساتھ صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے کا حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ میں جس طرح تمہیں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ اور رؤیت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے رؤیت بصری یعنی آنکھ سے دیکھنا جس کو بصارت کہا جاتا ہے دوسری ہے رؤیت قلبی یعنی دل سے دیکھنا جس کو بصیرت کہا جاتا ہے عام لوگوں کے نزدیک ان دونوں میں سے رؤیت بصری کو اہمیت حاصل ہے لیکن صاحب بصیرت اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک رؤیت قلبی کو زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ رؤیت بصری اتنی دور تک کام نہیں کرتی جتنی رؤیت قلبی کام کرتی ہے اور جو لوگ بصری کو اہمیت دیتے ہیں ان کی سوچ عارضی اور سطحی ہوتی ہے کیونکہ ان کو بصیرت نہیں ہوتی یا بہت قلیل ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص پیچھے دیکھتا ہے یا تو اس کی پیچھے بھی آنکھیں ہیں

یا وہ غیب کا علم جانتا ہے اسی وجہ سے بعض جاہل لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب کا علم جانتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ میں تم کو جس طرح اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ حالانکہ وہ نادان لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت آپ کے آگے کچھ نہیں تھا جو کچھ ہے وہ سب ان کے پیچھے تھا اس سے معلوم ہوا کہ آگے اور پیچھے دیکھنے سے مراد صرف پیچھے دیکھنا ہے اور ان الفاظ سے اس طرف اشارہ ہے یہاں آگے سے مراد وہ لوگ ہیں جو آگے کی صف میں ہوں اور پیچھے سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسری صف میں ہوں کیونکہ آپ امام تھے اور اس حالت میں آپ کے آگے کوئی نہیں ہوتا تھا زیادہ سے زیادہ اگر نماز جنازہ ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے سامنے جنازہ ہے اور اس کو دیکھ رہے ہیں اور اس صورت میں بھی زندہ لوگ آپ کے پیچھے ہیں اگر صف کو گول تصور کیا جائے جیسے بیت اللہ میں ہوتا ہے تو اس صورت میں خانہ کعبہ درمیان میں حائل ہوتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث میں رویت سے مراد یا تو رویت قلبی ہے یعنی بصیرت یا اس سے مراد رویت بصری ہے۔ اس صورت میں آنکھ کے کنارے سے دیکھنا مراد ہوگا۔

صفِ اوّل کی فضیلت

(۱۰۲۰/۱۷) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِیْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِیْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِیْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِیْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَحَاذُوْا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِيْنُوْا فِیْ اَيْدِیْ اِخْوَانِكُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْخَذَفِ يَعْنِیْ اَوْلَادَ الضَّاْنِ الصِّغَارِ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٥/٢٦٢۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر اپنی رحمت نازل کرتے ہیں اور ملائکہ ان کے لئے استغفار کی دعا کرتے ہیں یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ دوسری صف والوں پر بھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر رحمت نازل کرتے ہیں اور ملائکہ پہلی صف والوں کے لئے استغفار کی دعا کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ دوسری صف والوں پر بھی فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر رحمت کرتے ہیں اور ملائکہ استغفار کی دعا کرتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ دوسری صف والوں پر بھی فرمائیے۔ آپ نے فرمایا دوسری صف والوں پر بھی اللہ رحمت نازل کرتے ہیں اور ملائکہ استغفار کی دعا کرتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی صفوں کو سیدھا رکھو اور اپنے کندھوں کو ہموار رکھو شیطان بھیڑ کا بچہ بن کر تمہارے درمیان گھس جاتا ہے۔ (احمد)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دوسری صف کے مقابلے میں پہلی صف کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ صحابہ کرام نے وعلی الثانی فرمایا کہ آپ دوسری صف کی فضیلت بھی بیان کر دیجئے مگر رسول اللہ ﷺ نے صف اول کی فضیلت کو مزید واضح کرنے کے لئے تین مرتبہ تاکید کے ساتھ یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ صف اول والوں پر اللہ اپنی رحمت نازل کرتے ہیں اور اس کے ملائکہ ان کے لئے استغفار کی دعا کرتے ہیں اور چوتھی مرتبہ آپ نے دوسری صف والوں کے حق میں فرمایا کہ ان پر بھی اللہ اپنی رحمت نازل کرتے ہیں اور

ملائکہ استغفار کی دعا کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ صف اول کے مقابلہ میں صف ثانی کا درجہ اور مقام کم ہے۔اس سے جماعت کی نماز میں شرکت کے لئے ترغیب مقصود ہے۔

صفوں کے متعلق ہدایات

(۱۰۲۱/۱۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِيْنُوا بِاَيْدِىْ اِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَّصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللّٰهُ (رو ہ ابو داو د وروی النسائی مِنْهُ قَوْلَهُ مَنْ وَّصَلَ صَفًّا اِلٰى اٰخره)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۴۳۳ حديث رقم ۶۶۶۔والنسائي ۲/۹۳ حديث رقم ۸۱۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صفیں سیدھی رکھو اپنے کندھوں کے درمیان ہمواری رکھو صفوں کے خلا کو پر کرو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو۔صفوں میں شیطان کے لئے خلا نہ چھوڑو اور آپ نے یہ بھی فرمایا جس انسان نے صف کو ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملا دے گا اور جو شخص صف کو توڑے گا اللہ تعالیٰ اسے توڑ دے گا۔(ابوداود) امام نسائیؒ نے اس روایت کو من وصل صفا سے آخر تک نقل کیا ہے اور اس سے پہلے کی عبارت انہوں نے ذکر نہیں کی۔اس حدیث کے اندر صفوں کو سیدھا رکھنے کے متعلق پانچ ہدایات ذکر کی گئی ہیں کہ جب جماعت کی نماز کے لئے صف تیار ہو جائے تو ان ہدایات پر عمل کیا جائے: ① صفیں سیدھی اور برابر رکھو۔ ② اپنے کندھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ہموار رکھو۔ ③ صفوں کے درمیان خلا نہ چھوڑو۔صفوں کے درمیان کی کشادگی کو اچھی طرح پر کرلو یعنی پاؤں کے ساتھ اور کندھوں کے ساتھ کندھا متصل ہو۔ ④ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو یعنی اگر کوئی آدمی تمہارے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تمہیں نماز کے اندر سیدھا اور درست کرنا چاہے تو فوراً اسی طرح سیدھے ہو جاؤ۔ ⑤ صفوں کے درمیان خلا نہ چھوڑو کیونکہ اس خلا کے درمیان سے شیطان داخل ہو جاتا ہے۔یہ پانچ ہدایات ارشاد فرمانے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس انسان نے صف کو ملایا یعنی صف کے درمیان خالی جگہ دیکھ کر اس کو پر کر دیا تو اس انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جوڑ دے گا اور جس شخص نے صف کو توڑا یعنی صف کے درمیان خلا اور کشادگی کو پر نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس انسان کو اپنی رحمت سے توڑ دے گا۔

امام کو درمیان میں رکھو

(۱۰۲۲/۱۹) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۴۳۹ حديث رقم ۶۸۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا امام کو درمیان میں رکھو اور خلا کو پر کرو۔(ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں: ① امام کو درمیان میں رکھو اس سے مراد یہ ہے کہ جس مقام پر امام کھڑا ہے اس مقام سے صف کو بنانا شروع کرو اس طرح کہ ایک آدمی امام کے بالکل پیچھے کھڑا ہو پھر دائیں اور بائیں برابر صف بناتے جاؤ پھر اسی طرح دوسری صف کو مکمل کرتے جاؤ جو نقصان اور کمی ہے وہ صرف آخری صف میں ہو۔ ② صفوں کے خلا کو پر کرو اس خلا سے مراد صف کے دائیں اور بائیں کا خلا ہے نہ کہ صف کے درمیان کا۔

صف میں تاخیر کرنے والے کے لئے وعید

(۱۰۲۳/۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/ ٤٣٨ حديث رقم ٦٧٩۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کچھ لوگ ہمیشہ پہلی صف سے پیچھے بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں پیچھے ڈال دے گا۔ (ابوداؤد)

تشریح ❁ اس حدیث میں صف سے پیچھے بیٹھنے والے کے لئے شدید وعید ذکر کی گئی ہے۔ اس حدیث کے دو معنی ہیں: ① کہ جو لوگ جماعت کی نماز کے لئے صفوں میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے اور مسلسل پیچھے کی صفوں میں شریک ہونے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گا۔ ② دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جہنم میں پیچھے رہنے والا بنا دے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے مناسب تو یہ تھا کہ وہ پہلی صف میں شریک ہونے کی کوشش کرتے لیکن انہوں نے اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے پچھلی صفوں میں شمولیت کو اختیار کر کے صف اول کے اجر اور ثواب کو ضائع کر دیا اور اس کے نتیجہ میں وہ بالآخر میں جہنم میں پیچھے کر دیے جائیں گے۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

(۱۰۲۴/۲۱) وَعَنْ وَابِصَةَ ابْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلَاةَ۔ (رواهُ احمد والترمذی وابو داود وقال الترمذی هذا حديث حسن)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/ ٤٣٩ حديث رقم ٦٨٢۔ والترمذي ۱/ ٤٤٦ حديث رقم ٢٣٠ وأحمد في المسند ٤/ ٢٢٨۔

ترجمہ: حضرت وابصہ بن معبد سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھ رہا ہے تو آپ ﷺ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے بظاہر حدیث کا مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شخص صف اوّل میں گنجائش کے باوجود صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اسے زجراً دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا لیکن اگر پہلی صف مکمل ہو چکی ہو اور مزید گنجائش باقی نہ رہے اور اس کے بعد اگر کوئی آدمی آئے تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ آخری صف میں سے ایک کنارے سے ایک آدمی کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹنے کا اشارہ کرے اور اس کو اپنے ساتھ ملا کر اسی کنارے میں کھڑا ہو جائے اور اس آدمی کو پیچھے کرنے کی وجہ سے اگلی صف میں جو خلا پیدا ہوا تھا اس کو صف والے پر کریں اور جو لوگ اس خلا کو پر کریں گے وہ مزید اجر اور ثواب کے مستحق ہوں گے اور اگر اگلی صف کا خلا موجود ہو اور اس کے بعد میں کوئی آدمی آئے تو وہ اس خلا کو پر کر دے لیکن جس کو پیچھے کیا جا رہا ہو اس کو یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مسئلہ سے واقف ہو۔

بَابُ الْمَوْقِفِ

امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان

الفصل الاول:

ایک مقتدی ہوتو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو

(۱/۱۰۲۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِیْ بَیْتِ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّیْ فَقُمْتُ عَنْ یَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِیَدِیْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِهٖ فَعَدَلَنِیْ كَذَالِكَ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِهٖ اِلَی الشِّقِّ الْاَیْمَنِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۹۰/۲ حدیث رقم ۶۹۷۔ومسلم فی صحیحه ۵۳۱/۱ حدیث رقم (۱۹۲۔۷۶۳) وأبوداؤد فی السنن ۴۰۷/۱ حدیث رقم ۶۱۰۔والترمذی ۴۵۱/۱ حدیث رقم ۲۳۲۔والنسائی ۱۰۴/۲ حدیث رقم ۸۴۲۔وابن ماجه ۳۱۲/۱ حدیث رقم ۹۷۳۔والدارمی ۳۱۹/۱ حدیث رقم ۱۲۴۴۔وأحمد فی المسند ۲۴۹/۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اپنی خالہ حضرت میمونہ کے گھر میں رات گزاری جب رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے بائیں جانب جا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اپنے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف کر لیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایک مقتدی ہو اور وہ غلطی سے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام اس کو دائیں جانب کھڑا کرے اور اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہو گئے: ① نفل نماز کی جماعت صحیح ہے بشرطیکہ تعداد دو سے زیادہ نہ ہو۔ ② اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو۔ ③ اگر کوئی امام مقتدی کو اپنے بائیں جانب سے پھیر کر دائیں جانب کرے تو اس عمل سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ④ مقتدی اپنے امام سے آگے نہیں ہو سکتا اگر مقتدی امام سے آگے بڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں جانب کھڑا کیا تھا۔ ⑤ ایسے امام کے پیچھے اقتداء جائز ہے جس نے شروع سے امامت کی نیت نہ کی ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب کھڑے ہوئے اس وقت آپ ﷺ اکیلے تھے اور آپ نے امامت کی نیت نہیں کی تھی۔ ابن عباس ؓ بعد میں آ کر شامل ہوئے۔

دو مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہوں

(۲/۱۰۲۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیُصَلِّیَ فَجِئْتُ حَتّٰی قُمْتُ عَنْ یَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَاَدَارَنِیْ حَتّٰی اَقَامَنِیْ عَنْ یَمِیْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ یَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِیَدَیْنَا جَمِیْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰی اَقَامَنَا خَلْفَهٗ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۵۲۵/۱ حدیث رقم (۱۸۱۔۷۶۳)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے میں آ کر آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اپنے پیچھے سے ہاتھ کر کے میرا دایاں ہاتھ پکڑا اور پیچھے سے لا کر اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت جابر بن صخرؓ آئے اور آپ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑ کر ہمیں اپنی جگہ سے ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مقتدی دو ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں اگر ایک ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہو کیونکہ پہلے حضرت جابرؓ اکیلے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے دائیں طرف کھڑا کیا پھر ان کے بعد جب حضرت جبار بن صخرؓ آئے تو حضور نے دونوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر پیچھے کھڑا کیا اس سے معلوم ہوا کہ دوران نماز ضرورت کی وجہ سے اپنے دونوں ہاتھ استعمال کرنے پڑیں تو کے جا سکتے ہیں۔

جماعت کی نماز میں مرد اور عورت میں کھڑے ہونے کی ترتیب

(۳/۱۰۲۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِىْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٢٥ حديث رقم (١٨١-٦٦٣)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اور یتیم نے اپنے گھر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور ام سلیم ہمارے پیچھے تھی۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ جماعت کی نماز میں مرد اور عورت کے کھڑے ہونے کی ترتیب کیا ہے۔ وہ ترتیب یہ ہے کہ پہلے مردوں کی صف ہو اور اس کے بعد عورتوں کی صف ہو کیونکہ یہاں حضرت انسؓ اور یتیم ایک صف میں کھڑے ہوئے اور ام سلیمؓ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی ام سلیمؓ حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ کا نام ہے اور یتیم ان کے بھائی کا نام ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اگر مرد عورتیں محرم ہوں تو ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک محرم ہونے کے باوجود ایک صف میں نہیں کھڑے ہو سکتے۔ اگر امام اور ایک مقتدی ہو تو مقتدی امام کے دائیں طرف کھڑا ہو اور عورت ان کے پیچھے اکیلی کھڑی ہو اگر صرف اکیلی عورت ہو تو وہ پیچھے کھڑی ہو۔

عورت محرم ہونے کے باوجود صف کے پیچھے کھڑی ہو

(۴/۱۰۲۸) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهٖ وَبِاُمِّهٖ اَوْ خَالَتِهٖ قَالَ فَاَقَامَنِىْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَاَقَامَ الْمَرْاَةَ خَلْفَنَا ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه النسائي في السنن ٢/٨٦ حديث رقم ٨٠٣۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی حضرت انسؓ اور ان کی والدہ یا ان کی خالہ کو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور اس خاتون کو پیچھے کھڑا کیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا ہے کہ عورت محرم ہونے کے باوجود پیچھے کھڑی ہو جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی۔ حضرت انسؓ اور ان کی والدہ ام سلیم کو یا ان کی خالہ کو۔ نبی ﷺ نے حضرت انسؓ کو دائیں طرف کھڑا کیا اور حضرت انسؓ کی والدہ یا خالہ کو محرم ہونے کے باوجود پیچھے کھڑا کیا۔

اگر امام رکوع میں چلا جائے تو آنے والا مقتدی کیا کرے

(۵/۱۰۲۹) وَعَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ اَنَّهُ انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٢٦٧ حديث رقم ٧٨٣۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے ایک مرتبہ وہ نماز میں شامل ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور اس وقت آپ رکوع میں چلے گئے تھے اور ابوبکرہؓ صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے۔ پھر آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہو گئے پھر اس واقعہ کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے تذکرہ کیا تو آپ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حرص کو اور زیادہ کرے آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر امام رکوع میں چلا جائے اور وہ مقتدی جو ابھی تک صف میں شامل نہ ہو وہ کیا کرے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے' آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے تھے اس کے بعد حضرت ابوبکرہؓ آئے جب انہوں نے دیکھا آپ رکوع میں ہیں وہیں جس جگہ میں تھے وہیں رکوع میں چلے گئے۔ جب نماز مکمل ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کو ابوبکرؓ کا یہ حال سنایا گیا تو آپ نے ابوبکرہؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اللہ تیری حرص کو زیادہ کرے آئندہ ایسا نہ کرنا یعنی پہلے رکوع میں جا کر پھر صف میں شامل نہیں ہونا بلکہ پہلے صف میں شامل ہو کر پھر رکوع کرنا ہے اب اس مقام پر بظاہر ذہن میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ کا وہ کون سا عمل ہے جس سے آپ نے منع کیا تو اس کا جواب بالکل ظاہر ہے کہ نماز کی رکعت حاصل کرنے کے لئے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کرنا۔

ولا تعد: اس لفظ کو پڑھنے کے تین طریقے ہیں: ① تاء کے فتح اور عین کی ضمہ کے ساتھ اس صورت میں ہفت اقسام میں اجوف واوی ہے اور معنی یہ ہوگا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ② تاء کے فتحہ کے ساتھ اور عین کے سکون کے ساتھ اور دال کے ضمہ کے ساتھ اور اس صورت میں یہ ہفت اقسام میں سے ناقص ہوگا معنی یہ ہوگا کہ جلد بازی نہ کرنا بلکہ اطمینان اور سکون کے ساتھ صف میں شامل ہونا۔ ③ تاء کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ اس صورت میں یہ باب افعال کا صیغہ ہوگا اجوف سے' معنی یہ ہوگا کہ جو نماز پڑھ چکے ہو وہ دہرا ؤ۔

الفصل الثانی:

امام اس آدمی کو بنایا جائے جو افضل ہو

(۶/۱۰۳۰) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً اَنْ يَتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ٤٥٢ حدیث رقم ۲۳۳۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم تین آدمی نماز پڑھنے والے ہوں تو ہم میں سے ایک آدمی جو بہتر ہو وہ ہمارا امام بن جائے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب متعدد آدمی ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں اور ان میں سے ایک آدمی کو امام بنا لیا جائے اور امام اس آدمی کو بنایا جائے جو نیکی اور تقویٰ اور صفائی اور طہارت میں علم کے اعتبار سے افضل ہو۔

امام بلند جگہ پر اکیلا کھڑا نہ ہو

(۷/۱۰۳۱) وَعَنْ عَمَّارٍ اَنَّهُ اَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلٰى دُكَّانٍ يُصَلِّيْ وَالنَّاسُ اَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ اَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِيْ مَقَامٍ اَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ اَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِيْنَ اَخَذْتَ عَلٰى يَدَيَّ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/ ۳۹۹ حدیث رقم ۵۹۸۔

ترجمہ: حضرت عمارؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن کوفہ کے شہر مدائن میں لوگوں کو نماز پڑھائی چنانچہ وہ نماز پڑھانے کے لئے ایک چبوترے پر کھڑے ہوئے اور لوگ ان سے نیچے کھڑے ہوئے تھے یہ دیکھ کر حضرت حذیفہؓ صف سے نکل کر آگے بڑھے اور عمار کو دو کندھوں سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچا۔ حضرت عمارؓ جب نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے کہا کیا آپ

نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نہیں سنی کہ جب کوئی آدمی کسی قوم کو امامت کروائے تو وہ ایسی جگہ پر کھڑا نہ ہو جو مقتدیوں کے کھڑا ہونے کی جگہ سے بلند ہو یا اسی کے مثل الفاظ فرمائے حضرت عمار نے جواب میں کہا اسی وجہ سے تو جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا میں نے آپ کا اتباع کیا اور نیچے چلا آیا۔ (ابوداؤد)

تشریح اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ امام بلند جگہ پر کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز نہ پڑھائے کیونکہ امام کے لئے مکان کا ایک ہونا ضروری ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے بلند جگہ پر کھڑا ہو یا ضروری ہو تو پھر امام کے ساتھ چند مقتدی بھی کھڑے ہو جائیں گے باقی لوگ نیچے صف بنالیں تو پھر جائز ہے جیسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے حضرت عمارؓ نماز پڑھاتے وقت ایک بلند چبوترے پر کھڑے ہوئے تو حضرت حذیفہؓ نے ان کو کھینچ کر نیچے اتار دیا جب نماز سے فراغت ہوئی تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ آپ بلند جگہ پر کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھ رہے تھے؟ کیا آپ نے نبی ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ امام بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو تو حضرت عمار نے فرمایا جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر نیچے اتارا مجھے یہ بات یاد آ گئی تھی یہی وجہ ہے کہ میں فوراً آپ کی اتباع میں نیچے اُتر آیا۔

تعلیم کے لئے امام بلند جگہ پر کھڑا ہو سکتا ہے

(۱۰۳۲/۸) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ اَنَّهٗ سُئِلَ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ هُوَمِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهٗ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهٗ فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ اِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمتفق عليه نحوه وَقَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۳۹۷ حديث رقم ۹۱۷۔ ومسلم في صحيحه ۱/۳۸۶ حديث رقم (۴۴۔۵۴۴) والنسائي ۲/۵۷ حديث رقم ۷۳۹۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ان سے ایک دن کسی آدمی نے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا منبر کون سی لکڑی سے بنا ہوا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ جنگلی جھاؤ کا تھا جس سے فلاں شخص نے جو فلاں عورت کا غلام ہے آپ کے لئے بنایا تھا جب وہ تیار ہو گیا اور مسجد میں رکھا گیا۔ جس وقت اس پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے تکبیر تحریمہ کہی اور سب لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر قراءت کی اور رکوع کیا اور دوسرے لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے رکوع کیا پھر آپ نے اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھایا اور پچھلے پاؤں ہٹا کر نیچے اترے اور زمین پر سجدہ کیا یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم کے ہیں بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت اس طرح ہے اس حدیث کے راوی نے اس حدیث کے آخر میں یہ بھی کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا یہ میں نے اس لئے کیا ہے تاکہ تم لوگ میری پیروی کرو اور میری نماز اچھی طرح سیکھو۔

تشریح اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تعلیم کی خاطر نماز پڑھنے کے لئے بلند جگہ پر کھڑا ہونا جائز ہے تاکہ لوگ نماز میں کھڑا ہونے کی حالت اور کیفیت کو دیکھ لیں اور رکوع کی کیفیت کو دیکھ لیں اور قومہ کی حالت کو دیکھ لیں گویا اس طرح عملاً تعلیم اور تربیت دینا مقصود ہوتا ہے جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے لئے منبر بن کر آیا اور آپ نے اس کے اوپر کھڑے ہو کر نماز شکر ادا کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ نبی ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی نئی چیز استعمال کرنا چاہتے لباس ہو یا جوتا ہو یا کوئی اور چیز ہو تو آپ

شکرانے کی نماز پڑھتے تھے۔اسی طرح جب آپ کے لئے منبر لایا گیا یہ ایک نئی چیز تھی بطور شکر کے آپ نے نماز پڑھی اور ساتھ صحابہ کو تعلیم اور تربیت بھی دے دی اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے جگہ کی تنگی کے لئے ایسا کیا ہو باقی یہ سوال اگر ذہن میں آئے کہ یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد صلوۃ ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نفل نماز تھی اور نفل نماز عذر کی وجہ سے اس قدر عمل جائز ہے۔

اتفاقیہ جماعت

(۹/۱۰۳۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجْرَةِ۔ (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداؤد في السنن ١/٦٧١ حديث رقم ١١١٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرہ کے اندر نماز پڑھی اور لوگوں نے حجرہ کے باہر رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی۔ (ابوداود)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں مسجد نبوی کے اندر اعتکاف کرتے تھے اور مسجد کے اندر اپنے لئے علیحدہ معتکف بنا لیتے تھے۔ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اس معتکف کے باہر نماز پڑھ رہے تھے جب لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ کی اقتداء شروع کر دی اور یہ اتفاقی جماعت تھی اور دوسرے دن رسول اللہ ﷺ اپنے معتکف میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے معتکف سے باہر کھڑے ہو کر آپ کی اقتداء کی لوگوں نے مختلف طریقوں سے کوشش کی کہ آپ حجرہ سے باہر تشریف لا کر نماز پڑھائیں مگر بے شمار کوشش کے باوجود آپ باہر تشریف نہیں لائے اور نماز اسی طرح جاری رہی جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کا شوق دیکھا تو فرمایا یہ نفل نماز ہے اور نفل نماز گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے لہٰذا تم اپنے گھروں میں یہ نماز پڑھا کرو۔

الفصل الثالث:

صف بندی کا طریقہ

(۱۰/۱۰۳۴) وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلَاتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ قَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰى لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا قَالَ اُمَّتِيْ۔ (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداؤد في السنن ١/٤٣٧ حديث رقم ٦٧٧۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں پھر انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز کے لئے کھڑا کر کے سب سے پہلے مردوں کی صف بنائی اور ان کے بعد بچوں کی صف بنائی اور پھر انہیں نماز پڑھائی حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی پوری کیفیت بیان کی اور کہا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز اس طرح ہونی چاہئے۔عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ ابو مالک نے امتی کا لفظ بھی فرمایا تھا یعنی میری امت کی نماز اس طرح ہونی چاہئے۔ (ابوداود)

تشریح ۞ اس حدیث میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی صف بندی کا طریقہ ذکر کیا ہے کہ جب جماعت کی نماز ہو مرد عورت اور بچے سب شریک ہوں تو پہلے مردوں کی صف بنائی جائے پھر بچوں کی صف بنائی جائے اور پھر عورتوں کی صف بندی کی

جائے۔اس حدیث میں مردوں اور بچوں کی صف بندی کا ذکر اور عورتوں کی صف بندی کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے۔

کسی چیز کا مفہوم بیان کرنے میں غلطی ہوسکتی ہے

(۱۱/۱۰۳۵)وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا فِي الْمَسْجِدِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِي رَجُلٌ مِنْ خَلْفِي جَبْذَةً فَنَحَّانِي وَقَامَ مَقَامِي فَوَاللّٰهِ مَاعَقَلْتُ صَلَاتِي فَلَمَّا انْصَرَفَ اِذَا هُوَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَقَالَ يَافَتٰى لَايَسُوْئُكَ اللّٰهُ اِنَّ هٰذَا عَهْدٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا اَنْ نَلِيَهُ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلَكَ اَهْلُ الْعُقَدِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا عَلَيْهِمْ اٰسٰى وَلٰكِنْ اٰسٰى عَلٰى مَنْ اَضَلُّوا قُلْتُ يَا اَبَا يَعْقُوْبَ مَا تَعْنِيْ بِاَهْلِ الْعُقَدِ قَالَ الْاُمَرَاءُ۔ (رواه النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ۲/۸۸حديث رقم ۸۰۸۔وأحمد في المسند ۵/۱۴۰۔

ترجمہ: حضرت قیس بن عبادؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد نبوی میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک آدمی نے پیچھے سے مجھ کو کھینچا اور مجھ کو ایک جانب کر کے خود میری جگہ کھڑا ہوگیا اللہ کی قسم اس غصہ کی وجہ سے میری توجہ نماز کی طرف نہ رہی جب وہ شخص نماز پڑھ چکا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابی بن کعبؓ تھے۔انہوں نے فرمایا اے جوان میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اللہ اس کی وجہ سے تمہیں غمزدہ نہ کرے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ وصیت کی ہے کہ ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہوا کریں پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے فرمایا رب کعبہ کی قسم سردار لوگ ہلاک ہوگئے تین مرتبہ یہ فرمایا مجھے سرداروں کا کوئی غم نہیں غم تو ان لوگوں کا ہے جنہیں سردار گمراہ کرتے ہیں قیس ابن عبادؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعبؓ سے عرض کیا اے ابو یعقوب اہل عقد سے آپ کی کیا مراد ہے تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد حکمران ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ان ھذا عہد سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی طرف اشارہ تھا کہ نماز میں میرے قریب عقلمند اور سمجھدار لوگ کھڑے ہوں حضرت ابی بن کعبؓ کا مقصد یہ تھا کہ اے نوجوان میں نے آپ کو سب سے اس لئے پیچھے ہٹایا ہے کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو پہلی صف میں کھڑا ہونے کے مستحق ہیں پھر اس کے بعد ابی بن کعبؓ نے حکام اور سرداروں کی مذمت بیان کی۔اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بعض اوقات اکابرین سے بھی مفہوم بیان کرنے میں غلطی ہوسکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا جو اس مقام پر بتایا گیا ہے کہ اگر اہل عقد لوگ شروع سے پہلی صف میں شامل نہ ہوسکیں وہ آنے کے بعد صف سے کسی دوسرے کو پیچھے ہٹا کر خود اس جگہ پہنچ جائیں حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب تو یہ تھا کہ ایسے لوگوں کو شروع سے صف اول میں شریک ہونا چاہئے۔

بَابُ الْاِمَامَةِ

امامت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ:

امامت کا مستحق کون ہے

(۱/۱۰۳۶)عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ

كَانُوْا فِي الْقِرَاءَ ةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلٰى تَكْرِمَتِهِ اِلَّا بِاِذْنِهِ (رواه مسلم وفي رواية لَهُ وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي اَهْلِهِ)۔

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۶۵ حديث رقم (۲۹۰-۶۷۳)۔وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/ ۳۹۰ حديث رقم ۵۸۲۔ والنسائي ۲/۷۶ حديث رقم ۷۸۰۔وابن ماجه ۱/ ۳۱۳ حديث رقم ۹۸۰۔

ترجمہ: حضرت ابومسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو امامت وہ آدمی کروائے جو قرآن کریم سب سے اچھا پڑھتا ہو اگر قرآن پڑھنے میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سنت کا علم سب سے زیادہ رکھتا ہو اگر سنت کو جاننے میں سب برابر ہوں پھر وہ آدمی امامت کروائے جو سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو پھر وہ آدمی نماز پڑھائے جس کی عمر زیادہ ہو اور کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کی امارت کی جگہ امامت نہ کرے اور کسی کے گھر میں اس کی خاص مسند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی مستقل امام مقرر نہ ہو تو امامت کون کروائے اور امامت کا مستحق کون ہے۔ اس حدیث میں امامت کے مستحق کے لئے چند صفات ذکر کی گئی ہیں۔

① پہلی صفت یہ ہے کہ امامت کا مستحق وہ انسان ہے جو قرآن کریم کی قراءت اچھی کرتا ہو اور قرآن کریم کی تلاوت اور قراءت کے قوانین سے واقف ہو تجوید اور ترتیل کو اچھی طرح جانتا ہو۔

② اگر قرآن کریم کی قراءت میں سب برابر ہوں تو پھر دوسری صفت یہ ہے کہ امامت کا مستحق وہ آدمی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے زیادہ واقف ہو اور مسائل نماز کو خصوصاً سنت کے مطابق زیادہ جاننے والا ہو نماز کی صحت اور فساد کے مسائل سے سنت کے مطابق اچھی طرح واقف ہو۔

③ اگر سنت کا علم جاننے میں سب مساوی اور برابر ہوں تو پھر امامت کا مستحق وہ آدمی ہے جو سب سے پہلے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آیا ہو لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی اب اس کی جگہ علماء نے ہجرت عن الذنوب کو رکھا ہے۔

④ اگر ہجرت میں بھی سب مساوی اور برابر ہوں تو پھر امامت کا مستحق وہ آدمی ہے جو عمر کے اعتبار سے دانا ہو کیونکہ دیگر اوصاف کے ساتھ عمر میں بڑا ہونے کی صفت کی وجہ سے وہ صاحب عزت اور صاحب تکریم شمار ہوتا ہے۔

⑤ امامت کا مستحق وہ آدمی ہے جو کسی جگہ میں مقرر شدہ امام کی اجازت کے بغیر نماز نہ پڑھائے۔

⑥ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کے گھر میں گھر والے کی اجازت کے بغیر اس کی مسند پر نہ بیٹھے۔

⑦ امام کا مستحق وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے اگرچہ وہ صاحب بیت کے مقابلے میں زیادہ فضیلت والا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ان اوصاف کی رعایت رکھتے ہوئے مساجد کے امام کا تقرر کیا جائے تو لوگوں کو اچھی طرح اصلاح اور تربیت ہوگی مگر ہمارے موجودہ دور میں ان صفات کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی اگر اس طرز کو اپنایا جائے کہ جو آدمی قرآن کریم کی تلاوت صحیح طرح کرتا ہو اور قرآن کریم کا مفہوم بھی جانتا ہو اور سنت کا علم بھی رکھتا ہو اور سنت کے مطابق عمل بھی کرتا ہو اور ہجرت کی جگہ وہ صغائر اور کبائر سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو یعنی اس صفت کا لحاظ کر لیا جائے اور اسی طرح وہ امامت کو محض نسل در نسل اپنی وراثت نہ جانتا ہو اگر ان اصولوں کے مطابق لوگ مسجد کا امام مقرر کرنے میں اہتمام کر لیں تو شاید کہ اس ملک کی قسمت

بدل جائے اور جس امام میں یہ صفات نہ ہوں اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے مگر ہمارے دور میں اس کے برعکس امام کی حالت کچھ اس طرح ہوتی ہے:

(الف) ہر ایک کے سامنے بغیر کسی شرم اور حیا کے دست سوال بلکہ دامن پھیلائے۔

(ب) امامت کو اپنا پیشہ سمجھ کر کرے اور لوگ بھی اس کو امام مقرر کر لیتے ہیں یہ خیال کر کے کہ اس کا باپ امام تھا۔

(ج) امام صاحب لوگوں کو فرائض اسلام اور احکام شرعیہ بتانے کے بجائے اپنے مطالبات اور ضروریات کی طرف توجہ دلائے۔

(د) پہلے تو حق کو صحیح طریقے سے جانتا نہیں اگر علم ہو بھی تو پھر مسئلہ کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی زحمت نہیں کی جاتی اس ڈر سے کہ محلے کا بڑا آدمی ناراض ہو جائے گا یا مسجد کی کمیٹی کے ارکان ناراض ہو جائیں گے یعنی مخلوق کو راضی کرنے کی کوشش ہو گی اور خالق کو راضی کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں ہو گی۔

امامت کا مستحق علم والا ہے

(۲/۱۰۳۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانُوْا ثَلَاثَۃً فَلْیَؤُمَّھُمْ اَحَدُھُمْ وَاَحَقُّھُمْ بِالْاِمَامَۃِ اَقْرَأُھُمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ١/٤٦٤ حديث رقم (٢٨٩-٦٧٢)۔ والنسائی فی السنن ١/٧٧ حديث رقم ٧٨٢۔ والدارمی ١/٣١٨ حديث رقم ١٢٥٤۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تین آدمی جمع ہو جائیں تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور امامت کا مستحق ان میں سے زیادہ علم والا ہے۔ (مسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں تین آدمیوں کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ جماعت کا کم از کم درجہ اور مقدار ہے کہ جب تین افراد جمع ہو جائیں تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور دو مقتدی بن جائیں امام آگے کھڑا ہو جائے اور مقتدی پیچھے کھڑے ہو جائیں اس صورت میں آگے بڑھنے والے کو امام کہا جاتا ہے اور امامت کا مستحق اس حدیث میں اس آدمی کو قرار دیا گیا ہے جو اچھی قراءت کرنے والا ہو اس سے مراد صحابہ کرام کے زمانے کا قاری ہے کیونکہ صحابہ کرام کے زمانے میں جو قرآن کریم کا قاری ہوتا تھا وہ قرآن کریم کا عالم بھی ہوتا تھا مگر ہمارے زمانے میں قاری کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے ہمارے دور میں قاری کے مقابلے میں عالم امامت کا زیادہ مستحق ہے

وذکر حدیث مالك ......: کہ مالک بن حویرث کی حدیث باب فضل اذان میں ذکر کر دی گئی ہے اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مالک بن حویرث کی حدیث کو صاحب مصابیح نے یہاں ذکر کیا ہے مگر ہم نے اس کو باب فضل اذان میں ذکر کر دیا ہے۔

الفصل الثانی:

امام اور مؤذن عمدہ ہوں

(۳/۱۰۳۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِیُؤَذِّنْ لَکُمْ خِیَارُکُمْ وَلْیَؤُمَّکُمْ قُرَّاؤُکُمْ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٣٩٦ حديث رقم ٥٩٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ بہترین

ہیں وہ اذان دیں اور جولوگ تم میں زیادہ علم والے ہیں وہ تمہاری امامت کروائیں۔(ابوداؤد)

تشریح اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ امام اور مؤذن بہترین اور افضل ہوں یہاں بہترین ہونے سے مراد اپنے اپنے شعبے کا سنت کے مطابق علم ہے امام کے بہترین ہونے کے اعتبار سے بحث بقدر ضرورت گزر چکی ہے اور مؤذن کے بہترین ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اذان اور اذان کے متعلقات کا علم رکھنے والا ہو مثلاً نماز کے اوقات کو اچھی طرح جانتا ہو سحری اور افطار کے وقت کے مسائل کو جانتا ہو کیونکہ اس کی اذان کے مطابق لوگ روزہ رکھیں گے اور افطار کریں گے لہٰذا مؤذن دیانت دار امانت دار متقی نماز اور روزہ کا پابند ہو۔

مالک بن حویرث نے امامت کروانے سے کیوں انکار کیا

(۴/۱۰۳۹)وَعَنْ اَبِیْ عَطِیَّةَ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ کَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ یَأْتِیْنَا اِلٰی مُصَلَّانَا یَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ یَوْمًا قَالَ اَبُوْعَطِیَّةَ فَقُلْنَا لَهٗ تَقَدَّمْ فَصَلِّهْ قَالَ لَنَا قَدِّمُوْا رَجُلاً مِنْكُمْ یُصَلِّیْ بِكُمْ وَسَاُحَدِّثُكُمْ لِمَ لَا اُصَلِّیْ بِكُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا یَؤُمُّهُمْ وَلْیَؤُمُّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ (رواه ابوداود والترمذی والنسائی) اِلَّا اَنَّهٗ اِقْتَصَرَ عَلٰی لَفْظِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۳۹۹ حدیث رقم ۵۹۶۔والترمذی ۲/۱۸۷ حدیث رقم ۳۵۶۔والنسائی فی السنن ۲/۸۰ حدیث رقم ۷۸۷۔وأحمد فی المسند ۵/۵۳۔

ترجمہ: حضرت ابوعطیہ عقیلیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرث ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے تھے ایک روز جب وہ ہمارے درمیان مسجد میں موجود تھے تو نماز کا وقت ہوگیا ابوعطیہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت مالک سے کہا آگے بڑھیں اور ہمیں نماز پڑھائیں مالک نے فرمایا تم اپنے میں سے کسی آدمی کو آگے کرو۔ تاکہ وہ تمہیں نماز پڑھائے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھاتا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو آدمی کسی قوم سے ملاقات کے لئے جائے تو وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ ان میں سے ہی کسی شخص کو ان کی امامت کرنی چاہیے۔(ترمذی، نسائی، ابوداؤد) امام نسائی نے اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن انہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ کے الفاظ پر اکتفاء کیا ہے یعنی حضرت مالک کے مسجد میں آنے کا واقعہ اور امامت سے انکار اس کو ذکر نہیں کیا۔

تشریح حضرت ابوعطیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرث ہمارے پاس آیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے تھے ایک مرتبہ ان کی موجودگی میں نماز کا وقت ہوگیا ان سے نماز پڑھانے کے لئے کہا گیا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور انہوں نے اس انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی قوم کے پاس ان سے ملاقات کے لئے جائے تو ان کی امامت نہ کرائے بلکہ ان میں سے ہی کوئی آدمی نماز پڑھائے اور یہ بات بھی یاد رہے کہ اجازت کے ساتھ نماز پڑھانا جائز ہے۔ حضرت مالک بن حویرث نے باوجود اجازت کے شاید ایسا اس لئے کہا تھا تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔

نابینا آدمی امام بن سکتا ہے

(۵/۱۰۴۰)وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ اُمِّ مَکْتُوْمٍ یَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ اَعْمٰی۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۳۹۸ حدیث رقم ۵۹۵۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حالانکہ وہ نابینا تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نابینا شخص امام بن سکتا ہے اور اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے یہی احناف کا مذہب ہے کہ اگر نابینا آدمی قوم کا سردار ہو تو اس کی امامت جائز ہے بعض علماء نے نابینا کی امامت کو مکروہ کہا ہے مگر مطلقاً کراہت کا قول صحیح نہیں نابینا کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب کہ وہ مسائل سے واقف ہوتے ہوئے طہارت کی رعایت نہ رکھے۔

تین آدمیوں کی نماز قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی

(۶/۱۰۴۱)وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ اٰذَانَهُمْ اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَاِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ۔

(رواه الترمذی وَقَالَ هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۱۹۱ حديث رقم ۳۵۸۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے بلند نہیں ہوتی ایک وہ غلام جو اپنے مالک سے بھاگ گیا ہو یہاں تک کہ وہ واپس آجائے دوم وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو سوم وہ امام کہ اس کی قوم اس کو پسند نہ کرتی ہو۔ (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ تین لوگوں کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔

❶ ایسا غلام جو اپنے مالک کی خدمت سے بھاگ گیا ہو اور ایسا غلام امامت بھی نہیں کروا سکتا۔ بھاگنے میں جو حکم غلام کا ہے وہی حکم باندی کا ہے۔ ❷ وہ عورت جو بداخلاق ہو اور اپنے خاوند کی اطاعت نہ کرتی ہو اس کی بداخلاقی اور نافرمانی پر اس کا خاوند ناراضگی کی حالت میں رات گزارے۔ ❸ وہ امام جس کی امامت کو لوگ پسند نہ کریں مراد اس سے یہ ہے کہ وہ ایسی چیز کا مرتکب ہو جو شریعت میں ناجائز ہو مثلاً بدعتی ہو اور جو امام اہل حق میں سے ہو اور اس کے صحیح مسئلہ بتانے سے لوگ ناراض ہوں یہ ناراضگی قطعاً اس حدیث سے مراد نہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں امام سے مراد نماز کا امام نہیں بلکہ حاکم و خلیفہ مراد ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا حکمران جس کی بداعمالیوں کی وجہ سے لوگ اس سے ناراض ہوں۔

تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۷/۱۰۴۲)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلَاتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَى الصَّلَاةَ دِبَارًا وَالدِّبَارُ اَنْ يَّاْتِيَهَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَهٗ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَهٗ۔ (رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۳۹۷ حديث رقم ۵۹۳۔ وابن ماجه ۱/۳۱۱ حديث رقم ۹۷۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ایک وہ آدمی جو کسی قوم کا امام ہو اور قوم اس سے ناراض ہو دوسرا وہ آدمی جو نماز کا وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھے تیسرا وہ آدمی جو آزاد کو غلام سمجھے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

اس حدیث میں تین افراد کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اس میں کوئی شک وتردد نہیں ہو سکتا کیونکہ

یہ بات مخبر صادق کی زبان سے نکلی: ❶ وہ آدمی جو کسی قوم کا امام ہو اور قوم اس سے ناراض ہو ناراضگی سے مراد یہ ہے کہ قوم غیر شرعی کاموں اور غیر شرعی صفات کی وجہ سے ناراض ہو۔ چاہے وہ مسجد کا امام ہو یا صاحب امامت کبری یعنی حکمران ہو۔ ❷ اس آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی جو نماز کو تاخیر سے پڑھنے کی عادت بنالے کہ جب نماز کا وقت نکل جانے کے قریب ہو اس وقت نماز پڑھے۔ ❸ وہ آدمی جو کسی آزاد کو غلام سمجھے اس کی دو صورتیں ہیں: ❶ ایک صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کا غلام تھا اس نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا۔ لیکن آزاد کرنے کے باوجود وہ اس سے اس طرح کام لے اور خدمت کروائے جیسے غلام سے خدمت لی جاتی ہے اور ایسا وہی آدمی کر سکتا ہے جو زور آور اور طاقت ور ہو۔ ❷ دوسری صورت یہ ہے کہ جو کسی آزاد کو جبر اور زور سے اپنا غلام بنالے اور اس کے ساتھ غلاموں والا سلوک کرے۔

صحیح امام نہ ملنا قیامت کی علامت ہے

(۱۰۴۳/۸) وَعَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَتَدَافَعَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُوْنَ اِمَامًا يُصَلِّيْ بِهِمْ۔ (رواہ احمد وابوداود وابن ماجۃ)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/ ۳۹۰ حديث رقم ۵۸۱۔ وأحمد في المسند ۶/ ۳۸۱۔

ترجمہ: حضرت سلامہ بنت حر سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ مسجد والے لوگ امامت کو ایک دوسرے کے حوالے کریں گے ایک یعنی امام بننے سے گریز کریں گے اور کوئی نماز پڑھانے والا ان کو نہیں ملے گا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح ❀ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ صحیح مستحق امام کا نہ ملنا قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے اور اس سے اشارہ ہے اس طرف کہ جب قیامت کا قرب ہوگا تو جہالت اور فسق دنیا میں پھیل جائے گا۔ اس قدر جہالت ہوگی کہ کوئی آدمی امامت کا مستحق نہیں ملے گا اور لوگ اپنی نااہلی اور جہالت کی وجہ سے امام بننے سے گریز کریں گے اور جب نماز کا وقت ہوگا تو ایک دوسرے کو امام بننے کا کہیں گے مگر ہر آدمی امام بننے سے انکار کرے گا ہاں البتہ اگر کوئی آدمی اپنے مقابلے میں دوسرے آدمی کو زیادہ مستحق سمجھے تو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں ہوگا اور بعض علماء نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ منصب امامت ایک پیشہ بن جائے گا اور لوگ تمام پیشوں کے مقابلے میں اس کو حقیر سمجھیں گے اور اس پیشہ کو کوئی آدمی اختیار کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا اور امامت اور امام کی قلت اور ناپید ہو جائے گی اور بہت مشکل سے امام میسر ہوگا۔ اور اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ عقل اور علم سے خالی ہوں گے وہ لوگوں کو رسومات اور بدعات میں مبتلا کر دیں گے اور لوگ رسومات اور بدعات کو اسلام سمجھیں گے حالانکہ وہ کام اسلام کے نہیں ہوں گے اور ایسے لوگوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور دوسرے لوگوں کو بھی اسلام سے دور کریں گے۔

فاسق امام بن سکتا ہے

(۱۰۴۴/۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۳/ ۴۰ حديث رقم ۲۵۳۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اوپر جہاد واجب ہے ہر امیر کے ساتھ چاہے نیک ہو یا فاجر ہو اگرچہ وہ کبیرہ گناہ کرتا ہو اور تم پر نماز واجب ہے ہر مسلمان کے پیچھے چاہے نماز پڑھانے والا نیک

ہو یا فاجر اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے چاہے نیک ہو یا فاجر اگرچہ کبائر کا مرتکب ہو۔ (ابوداود)

تشریح: فاسق آدمی مسجد کا امام ہو سکتا ہے اور حکمران بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ دیگر امیر اس کے تابع ہوں اور وہ فاسق امام لوگوں کو جہاد کرنے کا حکم دے تو مسلمانوں پر لازم ہے وہ اس کے حکم پر جہاد کریں اسی طرح اگر نماز کا امام فاسق فاجر ہو اس کے پیچھے بھی نماز پڑھنی لازم ہے کیونکہ فسق و فجور کا تعلق اس کی اپنی ذات سے ہے دوسرے کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا ہاں البتہ کفر اور شرک اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کا یہ حکم نہیں یعنی مشرک اور کافر کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ عقائد کے اعتبار سے امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح عقیدہ پر قائم ہو اور تیسری بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے دوسرے مسلمانوں پر اس کا جنازہ لازم ہے چاہے نیک ہو یا فاجر ہو کیونکہ نماز جنازہ میں حقیقت کے اعتبار سے ایک دعا ہے اور اس کا فسق و فجور دعا کے لئے مضر نہیں ہے۔

الفصل الثالث:

نابالغ امام کی امامت

(۱۰/۱۰۴۵) عَنْ عَمْرِو ابْنِ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرِّ النَّاسِ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ؟ مَا لِلنَّاسِ؟ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُوْنَ يَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ اَوْحٰى اِلَيْهِ اَوْحٰى اِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَاَنَّمَا يُغْرٰى فِیْ صَدْرِیْ وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُوْلُوْنَ اتْرُكُوْهُ وَقَوْمَهٗ فَاِنَّهٗ اِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِیٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ اَبِیْ قَوْمِیْ بِاِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِیِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِیْ حِيْنِ كَذَا وَصَلَاةَ كَذَا فِیْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّیْ لِمَا كُنْتُ اَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِیْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَاَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ وَكَانَتْ عَلَیَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّیْ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنَ الْحَیِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِیْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَیْءٍ فَرَحِیْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ۔ (رواہ البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۲/۸ حدیث رقم ۴۳۰۲۔ واحمد فی المسند ۳۰/۵۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک پانی کے کنارے رہتے تھے وہاں سے گروہ اور قافلے گزرتے تھے۔ ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کے لئے ایک آدمی نیا دین لے کر آیا ہے۔ وہ کیسا ہے وہ لوگ ہمیں بتاتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبی بنا کر بھیجا ہے اور قافلہ کے لوگ قرآن کریم کی آیات سنا کر کہا کرتے تھے کہ یہ ان کے پاس وحی آتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات قافلے والے لوگ بیان کرتے اور جو آیات پڑھ کر سنایا کرتے تھے میں ان کو اچھی طرح یاد کر لیا کرتا تھا۔ اور وہ میرے سینے میں محفوظ ہو جاتی تھیں اور عرب کے لوگ اسلام لانے کے سلسلے میں مکہ فتح ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اکثر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور یہ بھی کہا کرتے تھے اس رسول کو اور رسول کی قوم کو چھوڑ دو اگر وہ اپنے لوگوں پر غالب آ گیا اور مکہ کو فتح کر لیا تو پھر یہ سچا نبی ہے کیونکہ وہ اپنی کمزوری کے باوجود غالب آ جائے گا اور فتح مکہ اس کا معجزہ ہوگا چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کیا اور مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے میرے والد اپنی قوم سے سبقت کر کے سب سے پہلے اسلام لے آئے

جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے اللہ کی قسم میں سچے نبی کے پاس سے آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے فلاں وقت میں ایسی ایسی اور اتنی نماز پڑھو یعنی نماز اور رکعات نماز کی تعلیم دی جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور تم میں سے جس کو زیادہ قرآن یاد ہو وہ تمہاری امامت کروائے جب نماز کے وقت جماعت کی تیاری ہوئی تو لوگوں نے آپس میں دیکھا تو اس وقت مجھ سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ میں نے مختلف قافلے والوں سے قرآن سیکھا تھا چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے کر دیا اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے جسم پر صرف ایک چادر تھی جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے جسم سے ہٹ جاتی اور جسم کا کچھ حصہ برہنہ ہو جاتا تو قوم میں سے ایک عورت نے کہا کہ ہمارے سامنے تم لوگ اپنے امام کی شرمگاہ کیوں نہیں ڈھانپتے اس وقت میری قوم نے کپڑا خریدا اور میرے لئے ایک قمیص بنوائی مجھے اس قمیص کے اتنی خوشی ہوئی کہ اس سے پہلے اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کی اقتداء میں نماز پڑھنی جائز ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت اور بچہ کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے عورت کی اقتداء میں اس لئے جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اخروھن من حیث اخرھن اللّٰہ۔ یہاں حیث مکانیہ ہے اور یہاں مکان سے مراد مکان صلوٰۃ ہے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مکان صلوٰۃ میں مؤخر کیا ہے یعنی اس کو مردوں کے لئے امام بننے کا حق نہیں دیا اور بعض علماء کے نزدیک اس حدیث میں حیث تعلیلیہ ہے مطلب یہ ہوگا کہ عورتوں کو مؤخر کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر کیا ہے مثلاً قانون شہادت احکام وراثت اور سلطنت کے امور میں اور نابالغ بچہ کی امامت اس لئے جائز نہیں ہے کہ نابالغ بچہ نماز کا مکلف نہیں اگر وہ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نفل ہوگی اور اقتداء المفترض خلف المتنفل ناجائز ہے۔

صاحب ھدایہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ تراویح کی نماز اور سنن مطلقہ میں اختلاف ہے مشائخ بلخ کے نزدیک تراویح کی نماز میں بچے کی امامت جائز ہے۔ مشائخ بلخ نے اسے مظنون نماز پر قیاس کیا ہے صلوٰۃ مظنونہ سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی نے یہ خیال کیا کہ اس کے ذمہ نماز واجب ہے اور اس نے اسی گمان کی وجہ سے نماز ادا کرنی شروع کر دی پھر درمیان میں نماز کے منافی کوئی عمل پیش آ گیا جس کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی پھر اس کو معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ نماز واجب نہ تھی اب اس کی قضا واجب ہے یا نہ۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضا واجب نہیں ہے اور امام زفر کے نزدیک قضا واجب ہے اگر متنفل آدمی صلوٰۃ مظنونہ ادا کرنے والے کے پیچھے پڑھے تو اقتداء جائز ہے اور ہمارے مشائخ نے نفل مطلق کی صورت میں صاحبین کے درمیان اختلاف بیان کیا ہے کہ امام یوسف کے نزدیک نفل مطلق میں بالغ آدمی بچہ کی اقتداء نہیں کر سکتا اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بالغ آدمی بچہ کی اقتداء کسی صورت میں نہیں کر سکتا اور یہی مشائخ ماوراء کا مذہب ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ بچہ کی نماز کیفیت اور درجہ کے اعتبار سے ادنیٰ ہے کیونکہ اگر بچہ نماز فاسد کر کے شروع کر دے تو اس پر قضا واجب نہیں اور اگر بالغ عاقل نے نماز شروع کر کے فاسد کر دی تو اس پر قضا واجب ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ قوی کی بناء ضعیف پر جائز نہیں۔

مشائخ بلخ کے قیاس کا جواب: مشائخ بلخ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ بچہ کے پیچھے اقتداء کو صلوٰۃ مظنونہ پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ صلوٰۃ مظنونہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام زفر کے نزدیک فاسد کرنے کی صورت میں قضا واجب ہے اور بچہ کی نماز کی قضا بالاتفاق واجب نہیں لہٰذا بچہ کی نماز میں اور بالغ کی نماز میں اتحاد نہیں اور بخلاف صلوٰۃ مظنونہ کے کہ ظن ایک عارضی چیز ہے عارضی ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی اعتبار نہیں اگر متنفل نے صلوٰۃ مظنونہ والے کے پیچھے نماز پڑھی تو دونوں میں اتحاد ہو سکتا ہے۔

آزاد شدہ غلام کی امامت کا مسئلہ

(۱۱/۱۰۴۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْمَدِيْنَةَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ

وَفِيهِمْ عُمَرُ وَاَبُوْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالْاَسَدِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/١٨٤ حديث رقم ٦٩٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں پہلے آنے والے مہاجرین آئے تو ابوحذیفہؓ کے غلام سالم ان کو نماز پڑھاتے تھے اور مقتدیوں میں حضرت عمر اور ابوسلمہ بن اسد وغیرہ موجود ہوتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ کسی کے آزاد کردہ غلام کی امامت میں نماز جائز ہے جیسے حضرت سالم ابوحذیفہؓ کے آزاد شدہ غلام تھے اور ان کا شمار بڑے قاریوں میں ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ قرآن کریم چار آدمیوں سے سیکھو اور ان چار آدمیوں میں ایک حضرت سالم بھی تھے۔ وہ حضرت عمرؓ اور ابوسلمہ کی موجودگی میں نماز پڑھاتے تھے اور ان جیسے جلیل القدر صحابہ ان کے مقتدی ہوتے۔

وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۲/۱۰۴۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ لَا تَرْفَعُ لَهُمْ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَّاَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجه في السنن ١/٣١١ حديث رقم ٩٧١۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن کی نماز ان کے سر سے ایک بالشت بھی بلند نہیں ہوتی: (۱) وہ آدمی جو قوم کا امام ہو اور قوم اسے پسند نہ کرے۔ (۲) وہ عورت جو رات اس طرح گزارے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو یعنی اس کی نافرمانی کی وجہ سے۔ (۳) ایسے دو بھائی جو آپس میں ناراض ہوں اور تعلقات ختم کیے ہوئے ہوں۔ (ابن ماجہ)

بَابُ مَا عَلَى الْاِمَامِ

وہ چیزیں جو امام پر لازم وضروری ہیں

الفصل الاول:

(۱/۱۰۴۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلَاةٍ وَلَا اَتَمَّ صَلَاةٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مُخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٢٠١ حديث رقم ٧٠٨۔ ومسلم في صحيحه ١/٣٤٢ حديث رقم (١٩٠۔٤٦٩) وأبوداؤد في السنن ١/٤٩٩ حديث رقم ٧٨٩۔ والترمذي ١/٣٤٢ حديث رقم ٣٧٦۔ والنسائي ٢/٩٥ حديث رقم ٨٢٥۔ وابن ماجه ١/٣١٦ حديث رقم ٩٩٠۔ وأحمد في المسند ٥/٣٠٥۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز میں نے کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی اور آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اگر آپ کسی بچہ کے رونے کی آواز سن لیتے تو نماز کو مختصر کر دیتے تھے تاکہ اس کی ماں فکرمند ہو کر فتنہ میں نہ پڑ جائے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ نماز کو نمازیوں کے لئے مشکل نہ بنائے نماز پوری

توجہ کے ساتھ نہایت معقول انداز کے مطابق ادا کرنی چاہئے نماز کو اتنا طویل نہیں کرنا چاہئے کہ لوگوں کو بوجھ اور مشکل محسوس ہونے لگے رسول اللہ ﷺ کی نماز بہت ہلکی تھی مگر ہلکا کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز میں مقدار مسنون کے اندر کمی کی جائے یہاں ہلکا کرنے سے مراد مقدار مسنون کی مکمل رعایت کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ احناف کے نزدیک اس چیز کی رعایت کے ساتھ ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک نماز میں مختصر دعاؤں کو منتخب کیا گیا ہے اور طویل دعاؤں کے لئے نفل نماز میں رخصت دی گئی ہے۔

نماز میں طویل قیام کی نیت کے بعد قیام کو مختصر کرنا

(۲/۱۰۴۹) وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنِّی لَاَدْخُلُ فِی الصَّلٰوۃِ وَاَنَا اُرِیْدُ اِطَالَتَھَا فَاَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ فَاَتَجَوَّزُ فِیْ صَلَاتِیْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّہٖ مِنْ بُکَائِہٖ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۰۲ حدیث رقم ۷۰۹۔ وابن ماجه فی السنن ۱/۳۱۶ حدیث رقم ۹۸۹۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو نماز کو طویل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو یہ جان کر کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کہیں پریشان نہ ہو جائے نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی امام نماز شروع کرے اور شروع کرتے وقت طویل قیام کا ارادہ ہو اگر دوران نماز کوئی ایسا عذر پیش آ جائے جو نماز کے اختصار کا تقاضہ کرے تو نماز مختصر کر دینی چاہئے جیسے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں بعض اوقات نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے طویل قیام کرنے کا مگر نماز کے دوران جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں تاکہ اس کی ماں پریشانی اور فکر کی وجہ سے غمزدہ نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ امام کو چاہئے کہ وہ مقتدیوں کی سہولت کا خیال رکھے البتہ حد اعتدال سے اعراض درست نہیں ہے۔

امام پر لازم ہے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھے

(۳/۱۰۵۰) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْھِمُ السَّقِیْمُ وَالضَّعِیْفُ وَالْکَبِیْرُ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَاشَاءَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۱۹۹ حدیث رقم ۷۰۳۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۳۴۱ حدیث رقم (۱۸۳۔۴۶۷) وأبوداؤد فی السنن ۱/۵۰۲ حدیث رقم ۷۹۴۔ والترمذی فی السنن ۱/۴۶۱ حدیث رقم ۲۳۶۔ والنسائی ۲/۹۴ حدیث رقم ۸۲۳۔ وابن ماجه ۱/۳۱۶ حدیث رقم ۹۸۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی لوگوں کو نماز پڑھائے اس کو چاہئے کہ نماز کو مختصر کرے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب کوئی آدمی تنہا نماز پڑھے تو اس کو اختیار ہے جس قدر چاہے نماز کو طویل کرے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کی رعایت رکھے کیونکہ مقتدیوں میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بچے بوڑھے جوان بیمار اور کمزور ان سب کی رعایت رکھتے ہوئے مکمل اعتدال کے ساتھ سنت کی مکمل رعایت کرتے ہوئے نماز کو مختصر پڑھائیں۔ ہاں اگر مقتدی تمام ایسے ہوں جو اپنے شوق کے ساتھ طویل نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہوں پھر نماز میں اعتدال کے ساتھ طوالت جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کے اندر ہر نماز کی حیثیت کے برابر قراءت کی مقدار مسنون مقرر ہے۔

طویل نماز پڑھانے والے امام کی شکایت

(۴/۱۰۱۵)وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَا صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَاالْحَاجَةِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۰۰حدیث رقم ۷۰۴۔ومسلم فی صحیحه ۱/۳۴۰حدیث رقم (۱۸۲۔۴۶۶) وأبوداؤد فی السنن ۱/۵۰۲حدیث رقم ۷۹۵۔وابن ماجه ۱/۳۱۵حدیث رقم ۹۸۴۔والدارمی ۱/۳۲۲ حدیث رقم ۱۲۵۹۔وأحمد فی المسند ۴/۱۱۸۔

ترجمہ: حضرت قیس بن ابوحازم کہتے ہیں کہ مجھے ابومسعودؓ نے خبر دی کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا اے اللہ کے رسول میں صبح کی نماز سے اس وجہ سے رہ جاتا ہوں کہ فلاں آدمی ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے۔حضرت ابومسعودؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو نصیحت کے دوران اتنے غصہ سے بھرے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔آپ نے فرمایا ان میں سے کچھ لوگ لوگوں کو نفرت دلانے والے ہیں خبردار تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہئے کہ وہ ان کو مختصر نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔(بخاری، مسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں ایک صحابی نے حاضر ہو کر شکایت کی کہ ہمارا امام صبح کی نماز بہت طویل پڑھاتا ہے میرے ذہن میں اس کا حل یہی ہے کہ میں نماز میں تاخیر سے جایا کروں تا کہ جو حصہ نماز سے مل جائے وہ پڑھ لوں اور باقی نماز پوری کرلوں کیونکہ میں اتنی لمبی نماز نہیں پڑھ سکتا۔آپ نے اس صحابی کی شکایت سنی تو بہت زیادہ غصہ کی وجہ سے رنگ متغیر ہو گیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ میں تمہاری شکایت سن رہا ہوں۔کہ لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھنے کی وجہ سے مشکل میں مبتلا ہیں۔ایسی نماز نہ پڑھاؤ کہ لوگ تمہارے پیچھے نماز چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں لوگوں کو سختی اور مشکل میں مبتلا نہ کرو اور لوگوں کے ساتھ شدت اور نفرت والا معاملہ نہ کرو سب کی رعایت رکھتے ہوئے اعتدال کے ساتھ نماز پڑھاؤ۔

غلط نماز پڑھانے والے کیلئے تنبیہ

(۵/۱۰۵۲)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّوْنَ لَكُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَكُمْ وَاِنْ اَخْطَاُوْا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۱۸۷حدیث رقم ۶۹۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں امام نماز پڑھائیں گے اگر وہ نماز اچھی طرح پڑھائیں گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہو گا اور ان کو بھی اور اگر انہوں نے خطا کی تو تمہیں ثواب ملے گا اور انہیں گناہ ہو گا۔(بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کو غلط نماز پڑھاتا ہے تو اس کی غلطی کا وبال نماز پڑھانے والے پر ہو گا۔یہ احادیث کثرت کے ساتھ ائمہ کے لئے بطور ہدایت بیان کی جا رہی ہیں۔کہ اپنی نماز میں اعتدال کے ساتھ اختصار کریں ۔نبی ﷺ کبھی کبھی سری نمازوں کے کسی حصے کا اظہار کر دیتے تھے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز کو کس قدر مختصر

کیا ہے اگر ائمہ صحیح نماز پڑھائیں گے تو اس کا فائدہ امام اور مقتدی دونوں کو ہوگا اور اگر غلطی کی تو غلطی کا وبال امام پر ہوگا۔

الفصل الثالث:

امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھے

(۶/۱۰۵۳) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ اٰخِرُ مَا عَهِدَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلَاةَ رواه مسلم وفی روایة لَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اُمَّ قَوْمَكَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ شَیْئًا قَالَ اُدْنُهْ فَاَجْلَسَنِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهٗ فِیْ صَدْرِیْ بَیْنَ ثَدْیَیَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَ فِیْ ظَهْرِیْ بَیْنَ كَتِفَیَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَكَ وَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الْكَبِیْرَ وَاِنَّ فِیْهِمُ الْمَرِیْضَ وَاِنَّ فِیْهِمُ الضَّعِیْفَ وَاِنَّ فِیْهِمْ ذَاالْحَاجَةِ فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ وَحْدَهٗ فَلْیُصَلِّ كَیْفَ شَاءَ.

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳٤۱ حدیث رقم (۱۸٦-٤٦۸)

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آخری وصیت یہ فرمائی تھی کہ جب تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ تو انہیں مختصر نماز پڑھاؤ۔ (مسلم) مسلم کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو تو حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا میرے قریب آؤ جب میں قریب گیا تو آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور میرے سینے پر میری دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنا ہاتھ مبارک رکھا پھر فرمایا کہ پشت پھیرو چنانچہ آپ نے میری پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ جب اپنی قوم کی امامت کرو اور جب بھی کوئی شخص کسی قوم کا امام بنے تو اسے چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان نمازیوں میں بوڑھے بھی ہیں اور بیمار بھی اور کمزور لوگ بھی اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں اور جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے جیسے چاہے نماز پڑھے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے انتہائی تاکید اور اہتمام کے ساتھ امام کو وصیت فرمائی کہ نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کی رعایت کیا کرو کیونکہ مقتدیوں میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں مثلاً جوان صحت مند طاقتور بوڑھے کمزور بیمار اور ضرورت مند لہٰذا اعتدال کے ساتھ سنت طریقہ سے نماز میں کمی نہ آئے اختصار کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھائی جائے اسی طرح قراءت میں اعتدال ہو کہ قراءت بہت بلند بھی نہ ہو اور بہت آہستہ بھی نہ ہو اسی طرح رکوع سجدہ جلسہ اور قومہ وغیرہ میں بھی اعتدال کے ساتھ اختصار ہو اس طرح کی کیفیت کے ساتھ نماز پڑھانے کو اختصار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں بعض ناتجربہ کار ائمہ یا تو نماز کو اتنا طویل کرتے ہیں کہ اپنی نفل نماز کو بھی اتنی طویل نہیں کرتے حالانکہ فرض نماز کے مقابلے میں نفل کو لمبا کرنا مستحسن ہے اور بعض اوقات تراویح وغیرہ کی نماز میں اس قدر عجلت اور اختصار سے کام لیا جاتا ہے جو سنت کے خلاف ہے۔

سورۃ الصّٰفّٰت کی قراءت

(۷/۱۰۵٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاْمُرُنَا بِالتَّخْفِیْفِ وَیَؤُمُّنَا بِالصَّافَّاتِ. (رواه النسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۲/۹۵ حدیث رقم ۸۲٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مختصر نماز پڑھانے کا حکم دیا اور جب آپ ہمیں نماز پڑھاتے تو سورۃ الصافات کی قراءت کرتے۔ (نسائی)

تشریح ❀ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الصافات کی قراءت کرتے تھے بظاہر اس حدیث کا ان احادیث کے ساتھ تعارض ہے جن میں مختصر نماز پڑھانے کا ذکر کیا گیا ہے اور سورۃ الصافات کی قراءت کرنا اختصار کے منافی ہے۔ اس تعارض کا رفع بصورت تطبیق اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمبی سورتوں میں سے اسی سورت کے درمیان سے ایک آدھے رکوع کے بقدر تلاوت کرلیا کرتے تھے۔ اسی طرح سورۃ الصافات کی قراءت سے یہ لازم نہیں آتا کہ پوری سورت کی قراءت کرتے تھے۔ بلکہ اس کے کچھ حصے کی قراءت کرتے تھے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

بَابُ مَاعَلَى الْمَامُوْمِ مِنَ الْمُتَابَعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوْقِ

مقتدی کے لئے امام کی متابعت کے لزوم اور مسبوق کے حکم کا بیان

الفصل الاول:

امام کی متابعت

(۱/۱۰۵۵) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ اَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْاَرْضِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۸۱/۲ حديث رقم ۶۹۰۔ ومسلم في صحيحه ۳۴۵/۱ حديث رقم (۱۹۷۔۴۷۴) وأبو داؤد في السنن ۴۱۲/۱ حديث رقم ۶۲۲۔ والترمذي ۷۰/۲ حديث رقم ۲۸۱۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سمع الله لمن حمده کہتے تو جب تک آپ سجدہ کے لئے اپنی پیشانی کو زمین پر نہیں رکھتے تھے ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ کو نہیں جھکاتا تھا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ❀ اس حدیث میں امام کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے متابعت سے مراد یہ ہے کہ جب امام کسی رکن کی طرف منتقل ہو جائے تو اس کے بعد مقتدی اس رکن کی طرف منتقل ہوں امام کے بالکل ساتھ منتقل ہونا یا امام سے کچھ پہلے منتقل ہونا یہ صحیح نہیں ہے۔ نماز کی ابتداء سے آخر تک اسی طرح ہونا چاہئے لیکن لوگ اکثر اس چیز کی رعایت نہیں رکھتے۔ کئی مرتبہ امام رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ میں ہوتا ہے اور مقتدی سجدہ کی طرف نیچا ہوا ہوتا ہے حالانکہ امام کی متابعت اس کے ساتھ ساتھ واجب ہے۔ جب لوگ اس کی رعایت نہیں رکھتے ایسے محسوس ہوتا ہے جس طرح رفتار کا مقابلہ ہے۔ اور مقتدی کی رفتار امام کی رفتار کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ حالانکہ احناف کے نزدیک اگر مقتدی امام سے کسی رکن میں سبقت لے جائے تو اسے چاہئے کہ دوبارہ پہلے رکن کی طرف منتقل ہو جائے اور امام سے سبقت کر کے گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ آج کل نہ تو اس بات کا خیال کیا جاتا ہے اور نہ پابندی کی جاتی ہے۔

مقتدیوں کو خاص ہدایت

(۲/۱۰۵۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ اَقْبَلَ

عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ اِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّیْ اَرَاكُمْ مِنْ اَمَامِیْ وَمِنْ خَلْفِیْ - (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۱/ ۳۲۰حديث رقم (۱۱۲ـ۴۲۶)ـ والدارمی فی السنن ۱/ ۳۴۵حديث رقم ۱۳۱۷ـ وأحمد فی المسند ۳/ ۱۲۶ـ

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ نماز پڑھا چکے تو اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف متوجہ کیا اور فرمایا لوگو! میں تمہارا امام ہوں لہٰذا تم رکوع کرنے سجدہ کرنے کھڑے ہونے اور پھیر جانے میں مجھ سے سبقت نہ کرو میں تمہیں اپنے آگے اور پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو ایک خاص ہدایت فرمائی ہے۔ نماز میں امام کی متابعت بہت ضروری چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر امام کو امامت آپ کی طرح کرنی چاہئے اور مقتدیوں کو امام کی متابعت صحابہؓ کی طرح کرنی چاہئے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی رعایت کا اصل ذمہ دار امام ہے لوگوں کو قبلہ بتائے اور صحیح راستہ کی ہدایت دے اور اس حدیث میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں آگے اور پیچھے سے دیکھتا ہوں یہ یا تو معجزہ کے ذریعے ہے یا بذریعہ وحی کے ہے یا بذریعہ کشف کے ہے۔

مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم

(۳/۱۰۵۷)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ متفق عليه اِلَّا اَنَّ البخاری لَمْ يَذْكُرْ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ۔

أخرجه مسلم فی صحيحه ۱/ ۳۱۰حديث رقم (۸۷ـ۴۱۵)ـ والنسائی ۲/ ۹۶حديث رقم ۸۳۰ـ وابن ماجه ۱/ ۳۰۸ حديث رقم ۹۶۰ـ وأحمد فی المسند ۲/ ۴۴۰ـ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے امام پر سبقت نہ کیا کرو جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب امام رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع میں جاؤ۔ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ (بخاری، مسلم) امام بخاری نے اپنی روایت میں واذا قال ولا الضالین کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں امام کی متابعت کا حکم قدرے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو علیٰ ہذا القیاس اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے جب امام ولا الضالین کہے اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی کو آمین کہنی چاہئے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آمین بالجہر افضل ہے یا آمین بالسر۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آہستہ آواز سے آمین کہنا افضل ہے کیونکہ یہ دعا ہے اور دعا میں اصل سرّ ہے اور کثرت سے احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک آمین بلند آواز سے کہنا افضل ہے۔ انکا استدلال ان روایات سے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آمین جہراً کہی جائے ہم کہتے ہیں کہ وہ تمام روایات یا تو تعلیم پر محمول ہیں اور یا جواز پر۔

اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

(۱۰۵۸/۴)وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَکِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَیْمَنُ فَصَلّٰی صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّیْنَا وَرَاءَهٗ قُعُوْدًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا صَلّٰی قَائِمًا فَصَلُّوْا قِیَامًا وَاِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا وَ اِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰی جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ قَالَ الْحُمَیْدِیْ قَوْلُهٗ اِذَا صَلّٰی جُلُوْسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا هُوَ فِیْ مَرَضِهِ الْقَدِیْمِ ثُمَّ صَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ قِیَامٌ لَمْ یَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ وَاِنَّمَا یُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیْ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ اِلٰی اَجْمَعُوْنَ وَزَادَ فِیْ رِوَایَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَیْهِ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۷۳/۲ حديث رقم ۶۸۹۔ومسلم ۳۰۸/۱ حديث رقم (۷۷۔۴۱۱)۔وأبو داوٗد في السنن ۴۰۱/۱ حديث رقم ۶۰۱۔والترمذي ۱۹۴/۲۔حديث رقم ۳۶۱ والنسائي ۹۸/۲ حديث رقم ۸۳۲ وابن ماجه ۳۹۲/۱ حديث رقم ۱۲۳۷ ومالك في الموطأ ۱۳۵/۱ حديث رقم ۱۶ من كتاب صلاة الجماعة ۔وأحمد في المسند ۱۱۰/۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں گھوڑے پر سوار تھے اچانک آپ گھوڑے سے نیچے گر گئے۔اس سے دائیں کروٹ پر چوٹ لگ گئی اور آپ کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مشکل ہو گیا آپ نے ہمیں پانچ نمازوں میں سے ایک نماز بیٹھ کر پڑھائی۔اور ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب امام رکوع سے اٹھے تو تم بھی رکوع سے اٹھو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔حمیدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو یہ حکم اس بیماری میں دیا گیا تھا جو سابقہ تھی بعد میں جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور بیٹھ کر نماز پڑھائی لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور آپ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور رسول اللہ ﷺ کے افعال میں سے آخری امر اور فعل کو اختیار کیا جاتا ہے۔(بخاری)امام مسلم نے اجمعون کے الفاظ تک اتفاق کیا ہے اور ایک روایت میں ان الفاظ کو زیادہ کیا ہے کہ اختلاف نہ کرو جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

نماز کے دوران امامت کے تغیر کا حکم

(۱۰۵۹/۵)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ یُؤْذِنُهٗ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ اَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰی اَبُوْ بَکْرٍ تِلْکَ الْاَیَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِیْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ یُهَادٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِی الْاَرْضِ حَتّٰی دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْبَکْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ یَتَاَخَّرُ فَاَوْمَاَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا یَتَاَخَّرَ فَجَاءَ حَتّٰی جَلَسَ عَنْ یَسَارِ اَبِیْ بَکْرٍ فَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ یُصَلِّیْ قَائِمًا وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ قَاعِدًا یَقْتَدِیْ اَبُوْبَکْرٍ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ یَقْتَدُوْنَ بِصَلَاةِ اَبِیْ بَکْرٍ متفق علیه وفی روایة لَهُمَا یُسْمِعُ اَبُوْبَکْرٍ النَّاسَ التَّکْبِیْرَ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/١٦٧حديث رقم ٦٨٤۔ومسلم في صحيحه ١/٣١٣حديث رقم (٩٥۔٤١٨) والنسائي ٢/٩٩حديث رقم ٨٣٣۔وابن ماجه ١/٣٨٩حديث رقم ١٢٣٢۔والدارمي ١/٣٥٣حديث رقم ١٣٣٦۔ وأحمد في المسند ٦/١٥٩۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بہت بیمار تھے ایک روز حضرت بلالؓ آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے آئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ان دنوں میں ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر جب آپ نے اپنی طبیعت کو کچھ ہلکا محسوس کیا تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر اس طرح چلے کہ آپ نے اپنے ہاتھ صحابہ کے کندھوں پر رکھے تھے اور آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے جب آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی آہٹ محسوس کی اور پیچھے ہلنا شروع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو اشارہ کیا کہ پیچھے مت ہٹو۔ آپ آگے بڑھ کر ابوبکر کی بائیں طرف بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے جب کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء کر رہے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ❀ جب رسول اللہ ﷺ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے کچھ ایام تک آپ کی طبیعت بہت خراب رہی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے سے بھی قاصر ہو گئے جب حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو لے کر مسجد میں آئیں آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہیں وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور ان ایام میں حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں اور رسول اللہ ﷺ بیماری کی کمزوری کی وجہ سے اپنے حجرہ مبارک میں نماز پڑھتے رہے۔ ایک دن جب طبیعت کچھ بہتر ہوئی مگر اب بھی چل کر جانے کی ہمت نہ تھی۔ آپ ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں کے درمیان سہارا لے کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوئے اور جماعت کھڑی ہو گئی اور آپ ﷺ قدم مبارک زمین پر گھسیٹ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی آمد کا احساس کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے قریب پہنچ گئے اور حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور آپ تشریف لا کر حضرت ابوبکرؓ کے بائیں طرف بیٹھ گئے کیونکہ آپ کے لئے کمزوری کی وجہ سے کھڑا ہونا مشکل تھا اب رسول اللہ ﷺ امام ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے مقتدی گویا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے ابوبکر کو اور ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے لوگوں کو اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر امام بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں جیسے رسول اللہ ﷺ مرض الوفات میں بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اس مقام پر بظاہر اس حدیث کا ایک دوسری حدیث سے تعارض ہے جس میں مذکور ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ رفع تعارض ان دونوں کے درمیان واضح ہو گیا وہ حکم اس حدیث سے منسوخ ہے کیونکہ وہ واقعہ پہلے کا ہے اور یہ بعد کا ہے ثانی اول کے لئے ناسخ ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اشارہ:

اس حدیث سے حضرت ابوبکر کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے حکم کے مطابق تقریباً سترہ نمازیں پڑھائیں اشارہ کر دیا کہ جو شخص امامت صغریٰ کا اہل اور مستحق ہے وہی امامت کبریٰ کا بھی مستحق ہے جلیل القدر صحابہ کرام نے آپ کے اس اشارہ کو سمجھ لیا آپ کی رحلت کے بعد کفن دفن سے پہلے خلافت کا فیصلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں کر دیا اور اس سے یہ سنت جاری ہو گئی امام وقت کے پیچھے ہٹنے کے ساتھ ہی آنے والوں کا فیصلہ کر لیا جائے تاکہ نظام مملکت جاری رہ سکے۔ اس حقیقت کے باوجود حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا

انکار یہ حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

امام سے سبقت کرنے والے کے لئے وعید

(۶/۱۰۶۰)وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا یَخْشَی الَّذِیْ یَرْفَعُ رَأْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ یُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهٗ رَأْسَ حِمَارٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۸۲/۲حدیث رقم ۶۹۱۔ومسلم فی صحیحه ۳۲۰/۱حدیث رقم (۱۱۴۔۴۲۷) وأبو داوٗد فی السنن ۴۱۳/۱ حدیث رقم ۶۲۳۔والترمذی ۴۷۵/۲حدیث رقم ۵۸۲۔والنسائی ۹۶/۲ حدیث رقم ۸۲۸۔ وابن ماجه ۳۰۸/۱حدیث رقم ۹۶۱۔والدارمی ۳۴۵/۱حدیث رقم ۱۳۱۶۔وأحمد فی المسند ۵۰۴/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع اور سجدہ سے سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو تبدیل کر کے گدھے کے سر جیسا بنادے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ❁ اس حدیث میں اس انسان کے لئے سخت وعید ذکر کی گئی ہے جو رکوع یا سجدہ میں جاتے ہوئے یا اٹھتے ہوئے امام سے سبقت کرے۔قریب ہے کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کے سر جیسا بنادے۔ بعض علماء نے اس جملے کو تشبیہ اور کنایہ پر محمول کیا ہے جس شخص کے اندر امام سے مسابقت کی عادت ہو اس حرکت سے بعض نہ آئے گویا اس کے سر میں انسان کا دماغ نہیں بلکہ گدھے کا دماغ ہے کیونکہ گدھا بغیر غور وفکر کے اپنی حرکت میں معروف ہے اور یہ تمام جانوروں میں سے حماقت میں مشہور ہے اور اسی طرح بہت کم بات سمجھ میں آئے۔اسی طرح اسے سیدھا اور درست چلانے کے لئے ڈنڈے کی ضرورت ہوتی ہے۔اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں مشہور ہے۔اسی طرح نمازی ایک افضل عبادت میں مشغول ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کی افضل عبادت میں مصروف ہو کر بھی ایسی حرکت سے باز نہیں آتا جس سے اس کو بار بار روکا گیا ہے۔ بعض محدثین نے اس مقام پر عبرت ناک واقعات ذکر کئے ہیں کہ اس طرح کے گناہ کے بدلے اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کی شکلیں تبدیل کر دیں۔

الفصل الثانی:

جو آدمی نماز کے لئے آئے اور آتے ہی جماعت میں شریک ہو جائے

(۷/۱۰۶۱)وَعَنْ عَلِیٍّ وَمُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلٰوةَ وَالْاِمَامُ علی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب

أخرجه الترمذی فی السنن ۴۸۵/۲ حدیث رقم ۵۹۱۔

ترجمہ: حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لئے آئے تو امام جس حالت میں ہو اور جو کچھ کر رہا ہو یہی کچھ یہ مقتدی کرے۔ (ترمذی) اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے اور امام جس رکن میں ہو اسی رکن میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے مثلاً جب وہ آدمی مسجد میں پہنچا تو امام رکوع میں چلا گیا اب یہ آنے والا شخص اسی رکوع میں شریک ہو جائے اور جس نے امام کے ساتھ رکوع میں شرکت کر لی تو اس کی وہ رکعت ہو جائے گی۔اور اگر امام کو سجدہ

میں پایا تو مقتدی آتے ہی سجدہ میں چلا جائے اور نماز کا جو حصہ رہ چکا ہے اب اس کو امام کی نماز مکمل کرنے کے بعد پورا کرے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاتحہ کے بغیر مقتدی کی نماز ہو جائے گی کیونکہ اس حدیث سے بطور اشارۃ النص کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب مقتدی رکوع میں شامل ہو جائے گا وہ رکعت ہو جائے گی بظاہر اس نے فاتحہ نہیں پڑھی ثابت ہوا کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قراءت ضروری نہیں

سجدہ میں شرکت سے رکعت نہیں ہوتی

(۸/۱۰۶۲) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَاجِئْتُمْ اِلَی الصَّلَاۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْہُ شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلَاۃَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/۵۵۳ حدیث رقم ۸۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم لوگ سجدے کی حالت میں ہوں تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کو کسی حساب میں شمار نہ کرو جس شخص نے امام کے ساتھ رکوع کو پالیا تو اس نے پوری رکعت کو پالیا۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جو شخص جماعت کی نماز میں شرکت کے لئے آیا اور وہ امام کے ساتھ سجدہ میں شریک ہوا تو اس کی یہ رکعت نہیں ہوگی۔ اس سجدے کا ثواب ہو جائے گا۔ لیکن رکعت نہیں ہوگی۔ کیونکہ جس رکعت کا رکوع رہ جائے وہ رکعت نہیں ہوتی اور اگر رکوع میں شامل ہو گیا تو یہ رکعت ہو جائے گی۔ ہاں البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ بعض کے نزدیک اگر فاتحہ پڑھنے کے بعد رکوع میں شامل ہو جائے تو رکعت ہو جائے گی اور اگر فاتحہ نہیں پڑھی تو رکعت نہیں ہوگی اور بعض کے نزدیک فاتحہ کے بغیر رکعت ہو جائے گی۔ منشاء اختلاف یہ ہے کہ بعض ائمہ کے نزدیک امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور بعض کے نزدیک امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کوئی فاتحہ پڑھنے کے بغیر رکوع میں شامل ہو گیا تو رکعت ہو جائے گی کیونکہ فاتحہ فرض نہیں رکوع فرض ہے اور وہ اس نے پالیا۔

مسلسل چالیس روز تک تکبیر اولیٰ میں شامل ہونے کا ثواب

(۹/۱۰۶۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَۃٍ یُدْرِکُ التَّکْبِیْرَۃَ الْاُوْلٰی کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی چالیس روز تک اللہ کی رضا کے لئے جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ وہ تکبیر اولیٰ کو پالے اس کے لئے دو قسم کی نجات لکھ دی جاتی ہے ایک جہنم کی آگ سے دوم نفاق سے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلسل اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے چالیس دن تک پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی اس طرح کوشش کرے کہ تکبیر اولیٰ سے نماز میں شامل ہو تو اس انسان کو دو چیزوں سے نجات مل جاتی ہے: ① جہنم کی آگ سے۔ ② منافقت سے اور یہ عمل کسی کو نمازی بنانے کے لئے بہترین نسخہ ہے کیونکہ جب چالیس دن تک مسلسل تکبیر اولیٰ کے ساتھ جماعت میں شرکت کرے گا تو اس کی برکت سے جب وہ منافق نہیں رہے گا تو نمازی ہو جائے گا۔

جماعت میں شرکت کے ارادہ سے نکلنے والے کو اجر مل جاتا ہے

(۱۰۶۴/۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا۔

(رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳۸۱/۱ حدیث رقم ٥٦٤۔والنسائی ۱۱۱/۲ حدیث رقم ۸٥٥۔وأحمد فی المسند ۳۸۰/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی انسان نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اور پھر مسجد میں گیا وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جماعت میں حاضر ہونے والے کے ثواب کی طرح ثواب دے گا۔اس سے دوسروں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔(ابوداود،نسائی)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جماعت کے ارادہ سے چلا وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ کر فارغ ہوگئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اتنا ہی ثواب دیتے ہیں جتنا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو دیتے ہیں اور کسی کے اجر میں نقصان اور کمی نہیں کی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نیت کو جاننے والے ہیں اور نیت کے مطابق اجر عطا کرتے ہیں۔

جماعت پالینے کا اجر

(۱۰٦٥/۱۱) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ یَتَصَدَّقُ عَلٰی هٰذَا فَیُصَلِّیْ مَعَهٗ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰی مَعَهٗ۔(رواہ الترمذی وابوداود)

أخرجه الترمذی فی السنن ۷/۲ حدیث رقم ۲٤۱۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آیا جب کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تھے۔آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اللہ کی راہ میں اس کو صدقہ دے دے۔اور اس کے ساتھ نماز پڑھے چنانچہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔(ترمذی،ابوداود)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک شخص مسجد میں اس وقت پہنچا جب کہ جماعت ہو چکی تھی تو آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس پر صدقہ کرے آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کے ساتھ مل کر نماز ادا کرے تاکہ جس مقصد کے لئے وہ آیا ہے وہ پورا ہو جائے اور اس کا دل مطمئن ہو جائے جب یہ دونوں مل کر نماز پڑھیں گے تو آنے والے کی جماعت ہو جائے گی اور دوسرے آدمی کے لئے نفل ہو جائیں گے۔

الفصل الثالث:

رسول اللہ ﷺ کے مرض الوفات میں ابوبکرؓ نے امامت کرائی

(۱۰٦٦/۱۲) وَعَنْ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ اَلَا تُحَدِّثِیْنِیْ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰی ثَقُلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُمْ یَنْتَظِرُوْنَكَ فَقَالَ ضَعُوْا لِیْ مَاءً فِی الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِیَنُوْءَ

فَاُغْمِیَ عَلَیْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ یَنْتَظِرُوْنَكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِیْ مَاءً فِی الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِیَنُوْءَ فَاُغْمِیَ عَلَیْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ یَنْتَظِرُوْنَكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْالِیْ مَاءً فِی الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِیَنُوْءَ فَاُغْمِیَ عَلَیْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ یَنْتَظِرُوْنَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالنَّاسُ عُکُوْفٌ فِی الْمَسْجِدِ یَنْتَظِرُوْنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَاَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ بِاَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّیَ بِالنَّاسِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ وَکَانَ رَجُلًا رَقِیْقًا یَاعُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اَنْتَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰی اَبُوْبَکْرٍ تِلْكَ الْاَیَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِیْ نَفْسِهٖ خِفَّةً وَخَرَجَ بَیْنَ رَجُلَیْنِ اَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَاَبُوْبَکْرٍ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَکْرٍ ذَهَبَ لِیَتَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْ لَّا یَتَاَخَّرَ قَالَ اَجْلِسَانِیْ اِلٰی جَنْبِهٖ فَاَجْلَسَاهُ اِلٰی جَنْبِ اَبِیْ بَکْرٍ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَقَالَ عُبَیْدُ اللّٰهِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَیْكَ مَاحَدَّثَتْنِیْ عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَیْهِ حَدِیْثَهَا فَمَا اَنْکَرَ مِنْهُ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّهٗ قَالَ اَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِیْ کَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَعَلِیٌّ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۷۲/۲ حدیث رقم ٦٨٧۔ومسلم فی صحیحه ۳۱۱/۱ حدیث رقم ۹۰۔۴۱۸۔ والنسائی فی السنن ۱۰۱/۲ حدیث رقم ۸۳٤۔

ترجمہ: حضرت عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اوران سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں مجھے کچھ بتائیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ کو میں ضرور بتاؤں گی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو نماز کے وقت آپ نے پوچھا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں۔ہم نے عرض کیا ابھی نہیں پڑھی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے برتن میں پانی رکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ایک برتن میں پانی رکھ دیا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور ارادہ کیا کہ کھڑے ہوں مگر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو پھر فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں ہم نے عرض کیا ابھی نہیں پڑھی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برتن میں پانی رکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے عرض کیا کہ پانی رکھ دیا گیا ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور کھڑا ہونے کا ارادہ کیا مگر بے ہوش ہو گئے۔جب ہوش آیا تو پھر دریافت کیا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں۔ہم نے عرض کیا ابھی نہیں پڑھی لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا برتن میں پانی رکھو جب ہم نے پانی رکھ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور غسل کیا پھر جب اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ہم نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ کے انتظار میں ہیں اور لوگ مسجد میں عشاء کی نماز کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ قاصد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اے عمر تم ان لوگوں کو نماز پڑھاؤ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اس عظیم الشان کام کے لئے سب سے زیادہ اہل آپ ہیں ۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان دنوں میں لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں ۔ اس کے بعد ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں کچھ تخفیف محسوس کی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر نماز ظہر کے لئے مسجد میں تشریف لائے ان سہارا دینے والوں میں ایک حضرت عباسؓ تھے ۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے آپ کی تشریف آوری کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ فرمایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ ہٹنے کا اشارہ کیا اور سہارا دینے والوں کو فرمایا مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دو ۔ انہوں نے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے بائیں پہلو میں بٹھا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھانے لگے ۔ حضرت عبید اللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کیا میں آپ کے سنگ وہ حدیث بیان نہ کروں جو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں سنی ہے ۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہاں بیان کرو میں نے پھر ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کی ۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا البتہ یہ کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تم سے اس شخص کا نام بتایا جو حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ کو سہارا دینے والے تھے ۔ میں نے کہا نہیں تو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت علیؓ تھے ۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ❁ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے دنوں میں سترہ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن دو آدمیوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے کر مسجد میں لے گئے ان میں سے ایک کا نام بتایا یعنی حضرت عباسؓ کا مگر دوسرے آدمی کا نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر نہیں کیا جب راوی نے یہ حدیث حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سنائی تو انہوں نے دوسرے آدمی کا نام بتایا کہ وہ حضرت علیؓ تھے یہ دونوں حضرات آپ کو سہارا دے کر مسجد میں لے گئے اور سہارا دینے کے دوران اِدھر اُدھر بدلتے رہے ۔ حضرت عباسؓ وہ تو سہارا دینے والے پکے تھے ۔ دوسری طرف سے سہارا دینے والے بدلتے رہے کبھی حضرت علیؓ سہارا دیتے کبھی اسامہ بن زید سہارا دیتے کبھی فضل بن عباسؓ سہارا دیتے اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوسرے آدمی کا نام ذکر نہیں کیا اور ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ دوسری طرف سے اہل بیت میں سے ایک آدمی نے سہارا دیا تھا اور بعض روایتوں میں ان تینوں ناموں کی وضاحت کی گئی ہے ۔

سورۂ فاتحہ کے ترک سے خیر کثیر سے محروم ہیں

(۱۳/۱۰۶۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَهٗ خَيْرٌ كَثِيْرٌ ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۱ حديث رقم ۱۸ من كتاب وقوت الصلاة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس انسان نے رکوع کو پالیا اس نے پوری رکعت پالی اور جس آدمی نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی یعنی سورۂ فاتحہ کی قراءت فوت ہوگئی تو وہ خیر کثیر سے محروم ہوگیا ۔ (مالک)

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جو آدمی نماز کے لئے آیا اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوگیا تو اس کی یہ رکعت صحیح ہو جائے گی ہاں البتہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کے فوت ہو جانے سے بہت زیادہ اجر و ثواب سے محروم ہوگا ۔ اس حدیث سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے ۔

امام سے سبقت کرنے والے کے لئے وعید

(۱۴/۱۰۶۸) وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ الَّذِیْ یَرْفَعُ رَأْسَهٗ وَیَخْفِضُهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ فَاِنَّمَا نَاصِیَتُهٗ بِیَدِ الشَّیْطَانِ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۹۲حديث رقم ۵۷من كتاب وقوت الصلاة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو انسان اپنے سر کو امام سے پہلے اٹھائے یا جھکائے تو سمجھ لو کہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ (مالک)

تشریح ۞ اس حدیث میں امام سے سبقت کرنے والے کے لئے ایک وعید ذکر کی گئی ہے کہ جو آدمی رکوع اور سجدہ میں امام سے پہلے چلا جائے یا امام سے پہلے اٹھ جائے تو گویا اس کی پیشانی شیطان کے قبضے میں ہے۔ کیا ایسا انسان نماز جیسی عظیم الشان عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کی بات نہیں مانتا اور شیطان کی بات مانتا ہے۔

بَابُ مَنْ صَلَّى الصَّلٰوةَ مَرَّتَيْنِ

دو مرتبہ نماز پڑھنے والے کا بیان

الفصل الاول:

ایک نماز کو دو مرتبہ پڑھنا

(۱/۱۰۶۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ یَأْتِیْ قَوْمَهٗ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ. (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۱۹۲حديث رقم ۷۰۰۔ومسلم ۱/۳۳۹حديث رقم (۱۸۸۔۴۶۵) وأبوداؤد في السنن ۱/۵۰۰حديث رقم ۷۹۰۔والنسائي ۲/۱۷۲حديث رقم ۹۹۷۔وابن ماجه ۱/۲۷۳ حديث رقم ۸۳۶۔والدارمي ۱/۳۳۷ حديث رقم ۱۲۹۶۔وأحمد في المسند ۳/۳۰۸۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم کے ساتھ آ کر نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ ایک نماز کو دو مرتبہ پڑھتے تھے۔ حضرت معاذؓ اپنی قوم کے لوگوں کے امام تھے اور ان کا معمول یہ تھا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے اس کے بعد اپنی مسجد میں تشریف لے جاتے اور اپنے مقتدیوں کو نماز پڑھاتے۔ احناف کے نزدیک حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل کی نیت سے نماز پڑھتے اور اپنے مقتدیوں کو جا کر فرض نماز پڑھاتے تھے۔ دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض نماز پڑھتے تھے اور اپنے مقتدیوں کو جا کر بھی فرض نماز پڑھاتے اور بعض ائمہ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے کیونکہ حضرت معاذؓ کی فرض نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ادا ہو جاتی تھی اور بعد میں اپنی مسجد میں جا کر جو نماز پڑھاتے تھے وہ ان کے حق میں نفل تھی۔ قوم کے لوگوں کے لئے فرض نماز ہوتی تھی اس سے ثابت ہوا کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے لیکن احناف کے نزدیک اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے۔

(۲/۱۰۷۰) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ مُعَاذٌ یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْعِشَاءَ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی قَوْمِهٖ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ

الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ ۔ (رواه البيهقي والبخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۹۲/۲ حدیث رقم ۷۰۱۔ ومسلم فی صحیحه ۳۴۰/۱ حدیث رقم (۱۸۰۔۴۶۵)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے اس کے بعد اپنی قوم کی طرف جاتے اور ان کو بھی عشاء کی نماز پڑھاتے اور وہ نماز حضرت معاذؓ کے لئے نفل ہوتی۔

(بیہقی، بخاری)

تشریح ۞ حضرت جابرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ اپنی فرض نماز عشاء کے وقت مسجد نبوی کے اندر رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پڑھ کر آتے تھے پھر اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے تھے وہ نماز حضرت معاذؓ کی نفل ہوتی تھی اور ان کی قوم کی فرض ہوتی تھی۔ حضرت امام شافعیؒ اس حدیث کو ایسے ہی اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہیں مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں نفل کی نیت سے نماز پڑھتے تھے اور اپنی مسجد میں واپس آ کر اپنی قوم کے لوگوں کو فرض کی نیت سے پڑھاتے تھے۔

الفصل الثانی:

فرض نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

(۱۰۷۱/۳) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حَجَّتَهٗ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ وَانْحَرَفَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِيْ اٰخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهٗ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيْءَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا اَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا اِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَاِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ ۔

(رواه الترمذی وابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳۸۶/۱ حدیث رقم ۵۷۵۔ والترمذی ۴۲۴/۱ حدیث رقم ۲۱۹۔ والنسائی ۱۱۲/۲ حدیث رقم ۸۵۸۔ والدارمی ۳۶۶/۱ حدیث رقم ۱۳۶۷۔ وأحمد فی المسند ۱۶۰/۴۔

ترجمہ: حضرت یزید بن اسود سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھا چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد خیف میں فجر کی نماز پڑھی جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو دیکھا دو آدمی لوگوں کے آخر میں بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ وہ دونوں آپ کی خدمت میں لائے گئے اور ان کے کندھوں کا گوشت کانپ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم اپنے ٹھہرنے کی جگہ نماز پڑھ آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا اگر تم اپنے مقام پر نماز پڑھ چکے ہو اور اس کے بعد مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہو تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو کہ یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ایک آدمی نے جماعت کی نماز سے پہلے اپنی فرض نماز ادا کر لی ہو پھر اس کے بعد جماعت کھڑی ہو تو یہ شخص دوبارہ جماعت کے ساتھ شریک ہو پہلی نماز فرض ہوگی اور دوسری نماز نفل ہوگی اور اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اس سے پہلے جو نماز اس نے ادا کی ہے وہ نفل ہوگی یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے فرض نماز ادا کرنا دوسری چیز ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا پہلی جو نماز ادا کی ہے وہ فرض ہوگی اور جماعت کے ساتھ جو نماز ادا کی ہے وہ نفل ہوگی۔

الفصل الثالث:

جو آدمی نماز پہلے پڑھ چکا ہو وہ دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے

(۴/۱۰۷۲)عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ فِيْ مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاُذِّنَ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى وَ رَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِيْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ اَهْلِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَاُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ۔ (رواه مالك والنسائي)

أخرجه النسائي في السنن ۱۱۲/۲ حديث رقم ۸۵۷۔ومالك في الموطأ ۱۳۲/۱ حديث رقم ۸ من باب صلاة الجماعة۔

ترجمہ: حضرت بسر بن محجن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔نماز کے لئے اذان دی گئی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے آپ جب نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو دیکھا کہ محجن اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روکا ہے کیا تم مسلمان نہیں ہو۔انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں مسلمان ہوں لیکن میں اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا جب تم مسجد میں آؤ باوجود اس کے کہ تم نماز پڑھ چکے ہو جب مسجد میں جماعت کھڑی ہو جائے تو لوگوں کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لو۔(مالک،نسائی)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے فرض نماز ادا کر لی ہو اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو یہ جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لے۔یہ دوسری نماز اس کے حق میں نفل ہو جائے گی کیونکہ فرض نماز ایک دفعہ پڑھی جاتی ہے چاہے جماعت سے پہلے ہو گھر میں ہو یا گھر سے باہر ہو ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے پچیس یا ستائیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے فرض کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا اور اس کے بعد اگر وہ نماز پڑھے گا وہ اس کے حق میں نفل ہوگی اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھے گا تو پہلی نماز فرض ہوگی اور دوسری نفل۔

اگر گھر میں نماز پڑھ لی تو مسجد میں دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے

(۵/۱۰۷۳)وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّيْ اَحَدُنَا فِيْ مَنْزِلِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَاُصَلِّيْ مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فَذٰلِكَ لَهٗ سَهْمُ جَمْعٍ۔ (رواه مالك وابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۳۸۸/۱ حديث رقم ۵۷۸۔ومالك في الموطأ ۱۳۳/۱ حديث رقم ۱۱من كتاب صلاة الجماعة۔

ترجمہ: قبیلہ اسد بن خزیمہ کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ اس نے حضرت ابو ایوب انصاری سے سوال کیا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور وہ دیکھتا ہے وہاں جماعت سے نماز پڑھی جا رہی ہے کیا وہ آدمی ان کے

ساتھ نماز پڑھ لے۔ اس کے متعلق میں اپنے دل میں تردد محسوس کرتا ہوں تو حضرت ابوایوب انصاری نے فرمایا ہم نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ دوبارہ نماز پڑھنا اس کے لئے جماعت کا حصہ ہے۔ (مالک، ابوداؤد)

تشریح ❁ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جس آدمی نے گھر میں ایک مرتبہ نماز پڑھ لی پھر وہ مسجد میں آیا تو جماعت کھڑی تھی تو وہ جماعت کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے تاکہ اس کو جماعت کا اجر وثواب بھی حاصل ہو جائے اور اس طرح کا عمل کرنے سے دل میں کسی قسم کا تردد اور وہم نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس سے دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں گی فرض نماز کی ادائیگی بھی ہو جائے گی جماعت کا اجر وثواب بھی مل جائے گا۔ مگر یہ اتفاقی صورت ہے اس کو عادت بنالینا درست نہیں۔

دوسری مرتبہ پڑھی ہوئی نماز نفل ہو جائے گی

(۶/۱۰۷۴) وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ اَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَاٰنِيْ جَالِسًا فَقَالَ اَلَمْ تُسْلِمْ يَايَزِيْدُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِيْ صَلَاتِهِمْ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ مَنْزِلِيْ اَحْسَبُ اَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ اِذَا جِئْتَ الصَّلَاةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ يُصَلُّوْنَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةٌ وَهٰذِهٖ مَكْتُوْبَةٌ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۳۸۸ حديث رقم ۵۷۷۔

ترجمہ: حضرت یزید بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور ان لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہوا جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور مجھے ایک طرف بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے یزید کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یقیناً میں مسلمان ہوں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تمہیں کس چیز نے منع کیا۔ میں نے عرض کیا میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا تھا اور میرا یہ خیال تھا کہ آپ بھی نماز سے فارغ ہو چکے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے آؤ اور لوگوں کو پاؤ کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں تو تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اگرچہ تم اس سے پہلے نماز پڑھ چکے ہو یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی اور وہ فرض ہو جائے گی۔ (ابوداؤد)

تشریح ❁ اس حدیث میں بھی اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے اکیلے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی ہے اور اس کے بعد وہ مسجد میں آتا ہے اور مسجد میں جماعت کی نماز ہو رہی ہے تو یہ آدمی بھی ان لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے۔ پہلی نماز فرض ہو جائے گی دوسری نفل ہو جائے گی۔ جماعت کا اجر وثواب بھی مل جائے گا جیسے اس حدیث میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت یزید فرماتے ہیں میں گھر میں فرض نماز پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرا خیال تھا کہ آپ نماز سے فارغ ہو چکے ہوں گے لیکن جب میں آیا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور میں ان کے ساتھ شامل نہ ہوا الگ بیٹھ گیا آپ نے نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی میں نے عذر بتایا آپ نے فرمایا دوبارہ ہمارے ساتھ پڑھ لیتے یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جاتی اور جماعت کا ثواب بھی مل جاتا۔

دوبارہ پڑھی جانے والی نماز کا حکم

(۷/۱۰۷۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ اُصَلِّیْ فِیْ بَیْتِیْ ثُمَّ اُدْرِكُ الصَّلَاةَ فِی الْمَسْجِدِ مَعَ الْاِمَامِ اَفَاُصَلِّیْ مَعَهٗ قَالَ لَهٗ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ اَیَّتُهُمَا اَجْعَلُ صَلَاتِیْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَ ذٰلِكَ اِلَیْكَ اِنَّمَا ذٰلِكَ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ یَجْعَلُ اَیَّتَهُمَا شَاءَ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۳۳ حديث رقم ۹ من كتاب صلاة الجماعة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر میں مسجد میں امام کے ساتھ نماز کو پالیتا ہوں کیا میں بھی اس امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہاں اس کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ پھر اس آدمی نے پوچھا میں اپنی کون سی نماز کو فرض قرار دوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا یہ تیری ذمہ داری نہیں ہے اس کا اختیار اللہ کو ہے اس کی مرضی وہ جسے چاہے تمہارے لئے فرض قرار دے۔ (مالک)

تشریح ۞ اس حدیث سے بھی سابقہ حدیث کی طرح یہ مسئلہ ثابت ہوا جب ایک آدمی نے پہلے فرض نماز ادا کر لی ہو اور اس کے بعد جماعت کی نماز میں شریک ہو جائے تو پہلی نماز پڑھنے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی اور دوبارہ پڑھنے سے جماعت کی فضیلت اور ثواب مل جائے گا۔ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس آدمی نے سوال کیا کہ ان دونوں میں سے فرض نماز کون سی ہوگی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا اس سے تمہاری کیا غرض ہے۔ یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس کی مرضی جس کو چاہے فرض قرار دے۔ بعض علماء نے پہلی نماز کو نفل قرار دیا ہے اور دوسری نماز کو فرض اور بعض نے اس کے برعکس یعنی پہلی کو فرض قرار دیا ہے اور دوسری نماز کو نفل۔ یہی احناف کا مذہب ہے کیونکہ فرض کی ادائیگی ایک مرتبہ ہوتی ہے جب اس نے ایک مرتبہ فرض کی نیت سے فرض کو ادا کر لیا تو ادائیگی ہو گئی تو دوسری نماز لازماً نفل ہوگی اس سے جماعت کا اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ جس آدمی نے فرض نماز گھر میں پڑھ لی اور پھر مسجد کی طرف گیا اس نے اس طرح کیوں کیا۔ اس کو چاہئے تھا کہ نفل نماز گھر میں پڑھتا اور فرض کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جاتا۔ وہاں جتنی نماز جماعت کے ساتھ مل جاتی اس کو پڑھتا باقی بعد میں اٹھ کر مکمل کر لیتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس طرح کی صورت حال کو ہمیشہ کے لئے اپنی عادت بنا لینا تو مؤمن کی شان نہیں ہے۔ ہاں اگر اتفاقاً ایسی صورت پیش آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس بات کا قوی احتمال ہے کہ ان احادیث میں اسی اتفاقی صورت کا ذکر ہے۔

ایک نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ پڑھنا منع ہے

(۸/۱۰۷۶) وَعَنْ سُلَیْمَانَ مَوْلٰی مَیْمُوْنَةَ قَالَ اَتَیْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَی الْبَلَاطِ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ فَقُلْتُ اَلَا تُصَلِّیْ مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّیْتُ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تُصَلُّوْا صَلَاةً فِیْ یَوْمٍ مَرَّتَیْنِ۔ (رواه احمد وابوداود والنسائي)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۳۸۹ حديث رقم ۵۷۹۔ والنسائي ۲/۱۱٤ حديث رقم ۸۶۰۔ وأحمد في المسند ۲/۱۹۔

ترجمہ: حضرت میمونہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس مقام بلاط میں آئے لوگ اس وقت نماز ادا کر رہے تھے۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ارشاد فرمایا میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم ایک دن میں ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھو۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح ۞ ایک دن میں ایک ہی نماز کو دو مرتبہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پانچ نمازوں کا وقت وسیع اور کشادہ ہے ممکن ہے کہ ایک

آدمی ایک جگہ نماز پڑھ کر دوسری جگہ جائے وہاں ابھی نماز ہو رہی ہو۔صرف نمازِ مغرب کا وقت دوسری نمازوں کے مقابلے میں قلیل ہے لیکن اس میں بھی اتنی زیادہ کمی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ایک آدمی مغرب کی نماز پڑھ کر دوسری جگہ جائے تو وہاں نماز ہو رہی ہو۔اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی اس کے بعد وہ مقام بلاط میں آئے اور وہاں نماز ہو رہی تھی عبداللہ ابن عمرؓ نے چونکہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لی تھی اس لئے ان کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوئے جب سائل نے سوال کیا کہ آپ نے نماز باجماعت میں شرکت نہیں کریں گے انہوں نے جواب دیا کہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکا ہوں اور ایک نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ جماعت کے ساتھ پڑھنا منع ہے۔اس حدیث میں حضرت سلیمان کا یہ مقولہ کہ ہم مقام بلاط میں عبداللہ ابن عمر ﷺ کے پاس آئے تھے تو نماز ہو رہی تھی اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نماز پڑھ کر مقام بلاط کی طرف آئے اور عبداللہ ابن عمر ﷺ وہاں پہلے سے موجود تھے۔اگر عبداللہ ابن عمر ﷺ ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے تو مقام بلاط میں پہلے سے شریک نہ ہوتے۔بلاط یہ مسجد نبوی کے قریب پتھروں کا ایک فرش ہے حضرت عمرؓ نے اس کو بنوایا تھا۔تاکہ لوگ مسجد میں دنیاوی باتیں نہ کریں نماز سے فارغ ہو کر اس جگہ میں بیٹھ کر گفتگو کیا کریں الغرض اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی آدمی نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی پھر وہ کسی دوسری جگہ جائے اور وہاں باجماعت نماز ادا کی جا رہی ہو تو اگر اس آدمی نے پہلے اکیلے نماز پڑھی ہے تو دوبارہ جماعت کے ساتھ شرکت کی گنجائش ہے تاکہ جماعت کا ثواب مل جائے اور اگر پہلے جماعت کے ساتھ ادا کی ہے تو پھر دوبارہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

نمازِ مغرب اور فجر کو ادا کر لینے والا اگر جماعت کو پائے تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟

(۹/۱۰۷۷)وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ اَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ اَدْرَكَهُمَا مَعَ الْاِمَامِ فَلَا يَعُدْ لَهُمَا۔ (رواہ مالک)

اخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۳۳۔حديث رقم ۱۲ من كتاب صلاة الجماعة۔

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ فرمایا کرتے تھے جس انسان نے مغرب یا فجر کی نماز ادا کر لی ہو پھر دونوں نمازوں کو امام کے ساتھ پائے تو وہ ان کو دوبارہ نہ پڑھے۔(مالک)

تشریح ۞ حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ کی اس بات سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی آدمی نے مغرب کی نماز یا فجر کی نماز ادا کر لی ہو اس کے بعد وہ کسی ایسے مقام میں گیا کہ جہاں ان دونوں نمازوں کی جماعت ہو رہی تھی وہ آدمی امام کے ساتھ جماعت کی نماز میں شریک نہیں ہو سکتا یہی مذہب حضرت امام مالکؒ کا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس طرح ان دو نمازوں میں شرکت نہیں ہو سکتی اسی طرح اگر کسی نے عصر کی نماز پہلے پڑھ لی وہ آدمی بھی دوبارہ جماعت کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنا منع ہے اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں اور تین رکعت نوافل مشروع نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں دوبارہ جماعت کے ساتھ شرکت ہو سکتی ہے اور مغرب کی نماز میں ایک رکعت اور ملا لیں۔

بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا

سنتوں اور اُس کے فضائل کا بیان

الفصل الاوّل:

سنتوں کی تعداد کا بیان

(۱۰۷۸/۱)وَعَنْ اُمِّ حَبِیْبَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی فِیْ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ ثِنْتَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً بُنِیَ لَہٗ بَیْتٌ فِی الْجَنَّۃِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّھْرِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَھَا وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَالْعِشَاءِ وَرَکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ (رواہ الترمذی وفی روایۃ لمسلم) اَنَّھَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یُصَلِّیْ لِلّٰہِ کُلَّ یَوْمٍ ثِنْتَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً تَطَوُّعًا غَیْرَ فَرِیْضَۃٍ اِلَّا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ اَوْ اِلَّا بُنِیَ لَہٗ بَیْتٌ فِی الْجَنَّۃِ۔

أخرجہ مسلم فی صحیحہ ۵۰۳/۱ حدیث رقم حدیث رقم (۱۰۳۔۷۲۸)۔ وأبوداوٗد فی السنن ۴۲/۲ حدیث رقم ۱۲۵۰۔ والترمذی ۲۷۴/۲ حدیث رقم ۴۱۴۔والنسائی ۲۶۰/۳ حدیث رقم ۱۷۹۴۔وابن ماجہ ۳۶۱/۱ حدیث رقم ۱۱۴۰۔ والدارمی ۳۹۷/۱ حدیث رقم ۱۴۳۸۔وأحمد فی المسند ۳۲۶/۶۔

ترجمہ: حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی دن اور رات میں بارہ رکعتیں نماز پڑھے اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔ چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے۔ (ترمذی) مسلم کی ایک روایت اس طرح ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ مسلمان ہو ہر روز اللہ تعالیٰ کے لئے فرض نماز کے علاوہ بارہ رکعت پڑھتا ہو تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بناتا ہے یا یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔

تشریح ✿ سنت کی دو قسمیں ہیں مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ اس حدیث میں مؤکدہ سنتوں کی تعداد کو بیان کیا گیا ہے کہ مؤکدہ سنتوں کی کل بارہ رکعت ہیں اور ان بارہ میں سے فجر کی دو سنتیں مؤکدہ ترین سنتیں ہیں بعض علماء احناف کے نزدیک واجب ہیں اور حسن بصری کے نزدیک مغرب کی سنتیں بھی مؤکدہ ترین سنتیں ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مؤکدہ سنتوں کی تعداد بارہ ہے وہ اس طرح کہ دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں ظہر کی نماز سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کی نماز کے بعد دو رکعتیں مغرب کی نماز کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کی نماز کے بعد۔

ظہر کی سنن قبلیہ اور بعدیہ کا ذکر

(۱۰۷۹/۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الظُّھْرِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَھَا وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِیْ بَیْتِہٖ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَالْعِشَاءِ فِیْ بَیْتِہٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِیْ حَفْصَۃُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ حِیْنَ یَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ (متفق علیہ)

أخرجہ البخاری فی صحیحہ ۴۲۵/۲ حدیث رقم ۹۳۷ومسلم فی حدیث ۵۰۴/۱ حدیث رقم (۱۰۴۔۷۲۹) والدارمی فی السنن ۳۹۶/۱ حدیث رقم ۱۴۳۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں گھر میں اور عشاء کے بعد دو رکعتیں گھر میں پڑھی ہیں۔ اور انہوں نے فرمایا کہ حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہلکی سی دو رکعت نماز طلوع فجر کے وقت بھی پڑھتے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس حدیث میں نماز ظہر سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر کیا ہے اور سابقہ حدیث میں چار رکعتوں کا ذکر ہے۔ بظاہران دونوں روایتوں میں تعارض ہے اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ یہاں رکعتین رکعتین مراد ہیں یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے صرف دو رکعتیں پڑھی ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے دو دو رکعتیں پڑھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی آپ نے شفع کو زیادہ سمجھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے پڑھی تو چار رکعت ہیں مگر ان کو دو دو رکعت کر کے پڑھا اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے کتنی سنتیں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چار رکعتیں چاہے ان کو اکٹھا پڑھا جائے یا علیحدہ علیحدہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ظہر سے پہلے اگر چار سنتیں پڑھی جائیں تو پھر بھی ٹھیک اگر دو رکعتیں پڑھی جائیں تو پھر بھی ٹھیک۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے امام شافعیؒ کی دلیل قرار دیا ہے۔

نماز جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعت پڑھ لے

(۳/۱۰۸۰) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲ حدیث رقم ۹۳۷۔ومسلم ۲/ ۶۰۰ حدیث رقم (۷۱۔۸۸۲) والنسائی فی السنن ۱۱۳/۳ حدیث رقم ۱۴۲۷۔ومالك فی الموطا ۱/ ۱۶۶ حدیث رقم ۶۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ واپس تشریف لے آتے اور اپنے گھر میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد گھر واپس تشریف لا کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ نماز کے بعد نوافل گھر میں پڑھتے تھے اس طرح جمعہ حالانکہ آپ کو جمعہ کے روز مسجد میں زیادہ دیر بیٹھنا پڑتا تھا کیونکہ دور دراز علاقوں سے لوگ آئے ہوتے تھے۔ ان کے مسائل اور گفتگو سنتے تھے اس لئے جمعہ کے فوراً بعد نماز نہیں پڑھتے تھے جب گھر واپس تشریف لے جاتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے اور اس میں اختلاف ہے کہ جمعہ کے بعد کتنی رکعت ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد دو رکعت سنتیں ہیں اور انہوں نے اسی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک چھ رکعت ہیں ان کا استدلال بھی صحابہ کے آثار سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی نفل نماز کی تعداد

(۴/۱۰۸۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيْهِنَّ الْوِتْرُ وَكَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا وَكَانَ اِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَاِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ (رواه مسلم ورواه ابوداود) ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ۔ (متفق علیه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۵۰۴ حديث رقم (۱۰۵۔۷۳۰)۔وأبو داؤد في السنن ۲/ ۴۳ حديث رقم ۱۲۵۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی چار رکعت پڑھتے تھے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے وہاں لوگوں کو جماعت کی نماز پڑھاتے پھر گھر تشریف لاتے دو رکعت نماز پڑھتے۔ اسی طرح مغرب کی نماز مسجد میں لوگوں کو پڑھاتے پھر میرے گھر تشریف لاکر دو رکعت نماز پڑھتے اور عشاء کی نماز لوگوں کے ساتھ مسجد میں پڑھتے پھر میرے گھر تشریف لاکر دو رکعت نماز پڑھتے پھر صلوۃ اللیل یعنی تہجد کی نماز نو رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر کی نماز شامل ہوتی تھی اور رات میں دیر تک کھڑے ہوکر اور دیر تک بیٹھ کر دونوں حالتوں میں نماز پڑھا کرتے تھے جب آپ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تو کھڑے کھڑے رکوع اور سجدہ میں چلے جایا کرتے تھے اور جب بیٹھ کر نماز پڑھتے اسی حالت میں رکوع اور سجدہ میں چلے جایا کرتے تھے اور جب فجر طلوع ہوجاتی تو فجر کی دو سنتیں پڑھتے تھے ۔(مسلم) امام ابوداؤد نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں کہ فجر کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو فجر کی نماز پڑھاتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نفل نماز گھر میں پڑھتے تھے اور اس سے یہ مسئلہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ نفل نماز کو گھر میں پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اور فرض نماز کو مسجد میں باجماعت پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے رسول اللہ ﷺ کی صلوۃ اللیل کے بارے میں احادیث سے مختلف تعداد ثابت ہے وہ سب صورتیں جواز کی ہیں۔ ایک حدیث میں سات رکعتوں کا ذکر ہے یعنی چار رکعات تہجد کی اور تین وتر اور ایک حدیث میں نو رکعتوں کا ذکر ہے چھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی اور ایک حدیث میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے آٹھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی اور ایک حدیث میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے دس رکعت تہجد کی اور تین وتر کی اور ایک حدیث میں پندرہ کا ذکر ہے بارہ رکعات تہجد کی اور تین وتر کی اور ایک حدیث میں سترہ کا ذکر ہے بارہ رکعات تہجد کی تین وتر کی اور دو نفل اور ایک حدیث میں انیس رکعات کا ذکر ہے بارہ رکعات تہجد کی تین وتر کی دو نفل اور دو صبح کی سنتیں۔

فجر کی سنتوں کی تاکید

(۱۰۸۲/۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (متفق علیه)

أخرجه مسلم فى صحيحه ١/١ ٥٠ حديث رقم (٩٥-٧٢٤)۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نوافل پڑھنے میں کسی اور نفل کی اتنی حفاظت نہیں کرتے تھے جتنی کہ فجر کی دو سنتوں کو پڑھنے کی حفاظت کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فجر کی دو سنتیں مؤکدہ ترین سنتیں ہیں ان دو سنتوں کی نبی ﷺ بہت حفاظت کرتے تھے ان دو سنتوں کو رسول اللہ ﷺ نے حالت سفر میں اور اقامت میں دونوں میں ترک نہیں کیا یہاں تک کہ لیلۃ التعریس کے واقعہ میں فرض نماز کے ساتھ سنتوں کو بھی پڑھتے تھے۔

فجر کی سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں

(۱۰۸۳/۶) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (رواه مسلم)

أخرجه الترمذى فى السنن ٢/٢٧٥ حديث رقم ٤١٦۔ وأحمد فى المسند ٦/٥٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی دو سنتیں دنیا اور دنیا کے سازوسامان سے بہتر ہیں۔(مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دوسنتوں کی فضیلت بتائی ہے کہ فجر کی دوسنتیں دنیا و مافیھا سے بہتر ہیں۔مراد اس سے یہ ہے کہ تمام دنیا کا مال اور سازوسامان ایک آدمی کی ملکیت میں دیدیا جائے اور پھر وہ تمام مال اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کیلئے خرچ کردے تو اس سے اتنا اجر وثواب نہیں ملے گا جتنا کہ فجر کی دوسنتوں کو پڑھنے سے ملتا ہے۔

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتوں کا حکم

(۷/۱۰۸۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ اَنْ يَّتَّخِذَ هَا النَّاسُ سُنَّةً (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۱۱۰ حدیث رقم ۶۲۷۔ومسلم فی صحیحة ۱/۵۷۳ حدیث رقم (۳۰۴۔۸۳۸) وأبوداؤد فی السنن ۲/۵۹ حدیث رقم ۱۲۸۱۔ والترمذی ۱/۳۵۱ حدیث رقم ۱۸۵۔وابن ماجه ۱/۳۶۸ حدیث رقم ۱۱۶۲۔وأحمد فی المسند ۵/۵۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھو اور آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ ارشاد فرمائے اور تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا جو چاہے پڑھ لے اور یہ وضاحت آپ نے اس لئے کی تا کہ لوگ اس نماز کو سنت نہ بنالیں۔(بخاری، مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھ لیا کرو اور یہ حکم آپ نے بطور تاکید کے دو مرتبہ کہا اور تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ یہ نماز اختیاری ہے جو پڑھنا چاہے پڑھ لے جو نہیں پڑھنا چاہتا وہ نہ پڑھے اور یہ وضاحت آپ نے اس لئے فرمائی تا کہ لوگ اس نماز کو سنت مؤکدہ نہ سمجھیں بعض ائمہؒ کے نزدیک اب دو رکعتوں کو پڑھنا مسنون ہے ایک تو اسی حدیث کی وجہ سے اور اس طرح کی ایک اور حدیث ہے: بین کل اذا نین صلوٰۃ یعنی ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔اس حدیث کا عموم بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں مسنون ہیں اور احناف کے نزدیک یہ دو رکعتیں مسنون نہیں ہاں البتہ اگر کوئی پڑھ لیتا ہے تو جواز ہے۔

جمعہ کے بعد چار رکعتیں

(۸/۱۰۸۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا (رواہ مسلم) وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۶۰۰ حدیث رقم (۱۷۔۸۸۱)۔وأبوداؤد فی السنن ۱/۱۷۳ حدیث رقم۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۹۹ حدیث رقم ۵۲۳۔وأحمد فی المسند ۲/۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو آدمی جمعہ کی فرض نماز کے بعد نماز پڑھے اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت سنت بھی پڑھے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت نماز پڑھی جائے گی اور یہ حکم تاکیدی ہے حدیث کا

سیاق وسباق اس پر دلالت کرتا ہے اور اس تاکید کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ چار رکعتیں سنتیں مؤکدہ ہیں ان چار رکعتوں کو ضرور ادا کیا جائے چاہے مسجد میں ادا کرے یا گھر میں۔

الفصل الثانی:

ظہر سے قبل اور بعد میں چار رکعتوں کا حکم

(۹/۱۰۸۶)عَنْ اُمِّ حَبِیْبَۃَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلٰی اَرْبَعِ رَکْعَاتٍ قَبْلَ الظُّھْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَھَا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ ۔ (رواہ احمد والترمذی وابو داود والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲/ ۵۲ حدیث رقم ۱۲۶۹ـوالترمذی ۲/ ۲۹۲ حدیث رقم ۴۲۷ـوالنسائی ۳/ ۲۶۵ حدیث رقم ۱۸۱۵ـوأحمد فی المسند ۶/ ۳۲۶ـ

ترجمہ: حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی نماز ظہر سے پہلے چار رکعت اور نماز ظہر کے بعد چار رکعت کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔(احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز ظہر سے پہلے اور نماز ظہر کے بعد چار چار رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح ظہر سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح نماز ظہر کے بعد بھی ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں ادا کی جائیں اور اس سے پہلے یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد پڑھی جائیں تو بعض روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نماز ظہر سے پہلے اور بعد دو دو رکعتیں پڑھی جائیں اور بعض روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ پڑھی جائیں گی ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو نماز ظہر سے پہلے اور بعد دو دو رکعتیں پڑھے اور اگر چاہے چار چار رکعتیں پڑھے اور اگر چاہے نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔

ظہر سے پہلے چار رکعتوں کی فضیلت

(۱۰/۱۰۸۷)وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّھْرِ لَیْسَ فِیْھِنَّ تَسْلِیْمٌ تُفْتَحُ لَھُنَّ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ (رواہ ابو داود وابن ماجۃ)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲/ ۵۳ حدیث رقم ۱۲۷۰ـ

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ظہر کی نماز سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھیں اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔(ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح ۞ اس حدیث میں ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو آدمی نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے اور ان پر مداومت کرے تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور یہ کنایہ ہے نزول رحمت سے کہ ایسے آدمی پر اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

صلوٰۃ زوال کی فضیلت

(۱۱/۱۰۸۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَاُحِبُّ اَنْ يَّصْعَدَ لِيْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۳۴۲ حديث رقم ۴۷۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ ظہر سے پہلے زوال کے بعد چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور فرمایا کہ یہ ایسی گھڑی ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لہٰذا میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میں میرا اچھا عمل آسمان کی طرف چڑھ جائے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز ظہر سے پہلے اور زوال کے بعد چار رکعت نماز پڑھنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوال کے بعد کا وقت قبولیت کا وقت ہے لہٰذا اس وقت جو کوئی بھی نیک عمل کیا جائے اس کے قبول ہونے کی قوی امید ہے اور نماز کے عمل سے زیادہ نیک اور کوئی عمل نہیں ہو سکتا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت میں نیک اعمال اللہ کی طرف چڑھتے ہیں اور میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میں میرا نیک عمل آسمانوں کی طرف چڑھ جائے۔

نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت کا بیان

(۱۲/۱۰۸۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا ۔

(رواه احمد والترمذی وابو داود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۲/۵۳ حديث رقم ۱۲۷۱۔ والترمذی ۲/۲۹۵ حديث قم ۴۳۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحمت نازل فرمائے جو نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز کی فضیلت اور شان کو بیان کیا گیا ہے اور یہ چار رکعتیں غیر مؤکدہ سنتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ان چار رکعتوں کو ادا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور برکت کا مستحق ہوگا۔

(۱۳/۱۰۹۰) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۴۹۳ حديث رقم ۵۹۸۔ والنسائی ۲/۱۱۹ حديث رقم ۸۷۴۔ وابن ماجه ۱/۳۶۷ حديث رقم ۱۱۶۱۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور ان چار رکعت کے درمیان۔ مقرب فرشتوں اور ان کی اتباع کرنے والے مسلمانوں اور مومنوں پر سلام بھیجنے کے ساتھ فصل کرتے تھے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ اس حدیث میں عصر سے پہلے کی چار رکعتوں کی ایک دوسرے انداز سے فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو آدمی عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے اور ان چار رکعتوں میں مقرب فرشتوں پر اور مومنین پر سلام بھیجے سلام بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھی جائے جیسے چار رکعتوں کے پڑھنے کا مشہور طریقہ ہے۔

نمازِ عصر سے پہلے دو رکعتوں کا بیان

(۱۴/۱۰۹۱) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّى قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ - (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن حدیث رقم ۱۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نمازِ عصر سے پہلے جس طرح چار رکعتیں ہیں جن کا اکثر احادیث میں ذکر کیا گیا ہے بعض روایتوں میں نمازِ عصر سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر ہے چار ہوں یا دو یہ سنت غیر مؤکدہ ہیں پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ اگر وقت کے اندر وسعت اور گنجائش ہے تو چار رکعت پڑھے اور اگر وقت کے اندر تنگی ہے تو دو رکعت پڑھ لے یا اسی طرح اگر طبیعت میں رغبت اور شوق ہے تو چار رکعت پڑھ لے اور اگر طبیعت میں ثقل اور بوجھ ہے تو دو رکعت پڑھ لے۔

نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعتوں کا بیان

(۱۵/۱۰۹۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى بَعْدَالْمَغْرِبِ سِتَّ رَكْعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهٗ بِعِبَادَةِ ثِنْتَیْ عَشَرَةَ سَنَةً (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَانَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ خَثْعَمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَضَعَّفَهٗ جِدًّا)۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۲۹۹/۲ حدیث رقم ۴۳۵۔وابن ماجه ۴۳۷/۱ حدیث رقم ۱۳۷۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اور ان کے درمیان فحش گفتگو نہ کرے تو ان کا ثواب بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوگا۔ (ترمذی) اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم اس حدیث کو سوائے عمر بن ابی خثعم کے کسی اور سند سے نہیں جانتے اور میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور انہوں نے اس حدیث کو بہت ضعیف قرار دیا ہے

تشریح ۞ اس حدیث میں نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ چھ رکعت دو مؤکدہ سنتوں کے علاوہ ہیں۔ شاہ اسحٰق دہلوی فرماتے ہیں کہ ہمارے مطابق اس حدیث میں جو چھ رکعتیں بیان کی گئی ہیں وہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ ہیں۔ حضرت میرک شاہ کا قول ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ چھ رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان چھ رکعتوں کے پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں اور عوام الناس اس نماز کو صلوٰۃ اوابین کہتے ہیں مگر حقیقت میں اوابین کا اطلاق چاشت کی نماز پر ہوتا ہے۔

نمازِ مغرب کے بعد بیس رکعتوں کی فضیلت

(۱۶/۱۰۹۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِی الْجَنَّةِ - (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲۹۹/۲ حدیث رقم ۴۳۵۔وابن ماجه ۴۳۷/۱ حدیث رقم ۱۳۷۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی مغرب کی نماز کے بعد بیس رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتے ہیں۔ (ترمذی)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی نمازِ مغرب کے بعد بیس رکعت نماز پڑھتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں عمدہ اور قیمتی گھر بنایا جاتا ہے گویا اس نماز سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اللہ کی رحمت حاصل ہوتی ہے اور نمازِ مغرب کے بعد کی اس نماز کی رکعات مختلف ہیں بعض احادیث میں دو رکعتوں کا ذکر ہے اور بعض میں چار کا ذکر ہے بعض میں چھ کا ذکر ہے اور زیادہ سے زیادہ بیس کا ذکر ہے لہٰذا پڑھنے والوں کو اختیار ہے جتنی رکعتیں چاہیں پڑھیں۔

نمازِ عشاء کے بعد کی سنتوں کا بیان

(۱۷/۱۰۹۴) وَعَنْهَا قَالَتْ مَاصَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ صَلَّى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ اَوْسِتَّ رَكَعَاتٍ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲/۷۱ حديث رقم ۱۳۰۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی مسجد میں عشاء کی نماز پڑھ کر میرے پاس تشریف لاتے تو چار رکعت یا چھ رکعت نماز ضرور پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں عشاء کے بعد کی سنتوں اور نماز کا بیان کیا گیا ہے اس نماز کی رکعتوں کی تعداد مختلف ہے بعض روایتوں میں دو رکعتوں کا ذکر ہے بعض میں چار کا ذکر ہے اور بعض میں چھ کا ذکر ہے۔ تعارض کوئی نہیں رسول اللہ ﷺ کبھی دو رکعتیں پڑھتے تھے کبھی چار اور کبھی چھ لہٰذا نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ دو رکعتیں پڑھے یا چار پڑھے یا چھ پڑھے۔

فجر اور مغرب کی سنتوں کا بیان

(۱۸/۱۰۹۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَاِدْبَارَ السُّجُوْدِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۵/۳٦٦ حديث رقم ۳۲۷۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ادبار نجوم سے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں جو نماز فجر سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔ اور ادبار سجود سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ (ترمذی)

تشریح ۞ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ طور میں ادبار نجوم کا لفظ فرمایا ہے اور سورۂ ق میں ادبار سجود کا لفظ فرمایا ہے ادبار نجوم سے مراد نماز فجر سے قبل کی دو رکعتیں ہیں اور ادبار سجود سے مراد مغرب کی دو سنتیں ہیں جو نمازِ مغرب کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

الفصل الثالث:

ظہر سے قبل چار رکعت کا بیان

(۱۹/۱۰۹٦) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِيْ صَلَاةِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللّٰهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَاَ يَتَفَيَّاُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ۔ (رواہ الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه الترمذي في السنن ۵/۲۷۹ حديث رقم ۳۱۲۸۔ والبيهقي في شعب الايمان۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ ظہر سے پہلے زوال کے بعد چار رکعت نماز تہجد کی چار رکعتوں کے برابر ہوتی ہیں اور یہ وہ وقت ہے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے میں مصروف ہوتی ہیں۔اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی یتفیأ ظلالہ عن الیمین والشمائل سجد اللہ وھم داخرون۔ ہر چیز کا سایہ دائیں اور بائیں اللہ کے لئے سجدہ کرنے میں مصروف ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ حقیر ہے ہو۔(ترمذیؒ،بیہقیؒ نے شعوب ایمان میں نقل کیا ہے)

تشریح ۞ اس حدیث میں ظہر کی نماز سے پہلے بوقت زوال چار رکعت نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کی ترغیب کے لئے قرآن کی آیت تلاوت کی اس آیت کریمہ میں سجدہ سے مراد اطاعت ہے کہ ہر چیز اللہ کے تابع ہوتی ہے۔ چاہے باعتبار طبیعت کے ہو یا باعتبار اختیار کے اسی طرح ہر چیز کے سائے کا دائیں اور بائیں پھرنا یہ باعتبار طبیعت کے ہے اور اس وقت میں چار رکعت نماز کا پڑھنا اختیاری ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر چیز کا سایہ جب دائیں اور بائیں پھرتا ہے تو اس پھرنے کو سجدہ قرار دیا گیا ہے تو انسان کو یہ چاہئے کہ وہ اس وقت میں چار رکعت نماز پڑھے تا کہ دوسری اشیاء کے ساتھ اس کی موافقت ہو جائے۔

عصر کی نماز کے بعد دو رکعت کا بیان

(۱۰۹۷/۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِیْ قَطُّ (متفق علیه وفی روایة للبخاری) قَالَتْ وَالَّذِیْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰهَ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦٤/٢ حدیث رقم ٥٩١۔ومسلم فی صحیحه ٥٧٢/١ حدیث رقم (٢٩٩۔٨٣٥) وأبوداؤد فی السنن ٥٨/٢ حدیث رقم ١٢٧٩۔والترمذی ٣٤٧/١ حدیث رقم ١٨٤۔والنسائی فی السنن ٢٨٠/١ حدیث رقم ٥٧٤۔وأحمد فی المسند ١٦٩/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی میرے گھر عصر کے بعد کی دو رکعت نماز نہیں چھوڑی۔(بخاری) اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کی روح قبض کی آپ نے عصر کے بعد کی دو رکعتیں کبھی بھی نہیں چھوڑیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اس سے پہلے یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد نفل نماز پڑھنے سے منع کیا ہے مگر خود رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

مغرب سے پہلے دو رکعتوں کا بیان

(۱۰۹۸/۲۱) وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْاَيْدِیَ عَلٰی صَلَاةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّیْ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهٗ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا يُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٥٧٣/١ حدیث رقم (٣٠٢۔٨٣٦)۔

ترجمہ: مختار بن فلفل سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت انسؓ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے

بارے میں پوچھا انہوں نے ارشادفرمایا اس معاملہ میں امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کا رویہ اتنا شدید تھا کہ وہ عصر کے بعد نفل نماز کی نیت باندھنے پر ہاتھوں پر مارتے تھے یعنی سختی کے ساتھ منع کرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج غروب ہونے کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے یہ بات سن کر مختار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس نماز کو پڑھتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم یہ نماز پڑھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھتے تھے آپ نے نہ ہمیں کبھی حکم دیا اور نہ کبھی منع کیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں غروب شمس کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں کو پڑھنے کا ہمیں حکم بھی نہیں دیا اور منع بھی نہیں کیا بلکہ سکوت فرمایا۔

(۲۲/۱۰۹۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَرُوا السَّوَارِیَ فَرَكَعُوْا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسَبُ اَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُّصَلِّيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۷۳ حديث رقم (۳۰۲-۸۳۷)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں تھے جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا اس وقت صحابہ اکرام مسجد کے ستونوں کی طرف سبقت کرتے اور دو رکعت نماز پڑھنے لگتے یہاں تک کہ اگر کوئی مسافر آدمی مسجد میں آجاتا تو لوگوں کو الگ الگ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر وہ خیال کرتا کہ مغرب کی نماز ہو چکی ہے یعنی اس کثرت سے لوگ ان دونوں رکعتوں کو پڑھتے تھے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں بھی نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے صحابہ کرام کی بہت زیادہ تعداد ان دو رکعتوں کو پڑھتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اجنبی آدمی اس وقت مسجد میں داخل ہو جاتا تھا تو اس کو خیال ہوتا کہ شاید مغرب کی نماز ہو چکی ہے لوگ مغرب کی نماز کے بعد اپنی سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دو رکعتیں ضروری ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ دو رکعتیں درست نہیں ہیں اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال کر کے دو رکعتوں کو ثابت کرنا یہ نادر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نمازِ مغرب کو جلدی پڑھنے کا ہے۔ اور ان دو رکعتوں کی وجہ سے تاخیر ہو جائے گی۔

(۲۳/۱۱۰۰) وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اَتَيْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِیَّ فَقُلْتُ اَلَا اُعَجِّبُكَ مِنْ اَبِیْ تَمِيْمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهٗ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۵۹ حديث رقم ۱۱۸٤۔ وأحمد في المسند ٤/۱۵۵۔

ترجمہ: حضرت مرثد بن عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ جہنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ میں آپ کو ابوتمیم کا ایک عجیب کام بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ ابوتمیم مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عقبہؓ نے فرمایا یہ نماز تو ہم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پڑھا کرتے تھے میں نے ان سے عرض کیا کہ پھر یہ نماز پڑھنے سے آپ کو کس چیز نے روک دیا۔ انہوں نے فرمایا دنیا کی مصروفیت نے۔ (بخاری)

نفل نماز گھر میں پڑھی جائے

(۲۴/۱۱۰۱)وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَتٰی مَسْجِدَ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ فَصَلّٰی فِيْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَاٰهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذَا صَلَاةُ الْبُيُوْتِ (رواه ابوداود وفی رواية الترمذی والنسائی) قَامَ نَاسٌ يُصَلُّوْنَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِی الْبُيُوْتِ۔

اخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/۶۹ حديث رقم ۱۳۰۰۔والترمذی ۲/۵۰۰ حديث رقم ۶۰۴۔وأحمد فی المسند ۵/۴۲۷۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ قبیلہ بنوعبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لائے اور وہاں مغرب کی نماز پڑھی۔ جب لوگ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ فرض نماز پڑھنے کے بعد نفل پڑھ رہے ہیں۔رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ نماز گھر میں پڑھی جائے۔(ابوداؤد) ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح سے ہے کہ جب لوگ نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم پر لازم ہے کہ یہ نماز اپنے گھروں میں پڑھو۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھنی چاہئے اس عمومیت میں سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ سب شامل ہیں۔فرض اور واجب کے علاوہ ہر نماز نفل ہے اور وہ گھر میں پڑھنی چاہئے۔ہاں البتہ جو لوگ گھر سے دور ہوں کاروبار کی وجہ سے یا سفر کی وجہ سے وہ نفل مسجد میں پڑھیں تو ان کے لئے رخصت ہے گھر میں نفل نماز پڑھنے کے دو فائدے ہیں۔

① گھر میں نفل نماز پڑھنے سے گھر کی آبادی ہوتی ہے ویرانی ختم ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت ہوتی ہے حدیث مبارکہ ہے کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ' جس طرح قبرستان میں ویرانی ہوتی ہے اس طرح گھروں میں نہیں ہونی چاہئے۔

② گھر میں نماز پڑھنے سے بچے اور خواتین دیکھیں گی تو ان کو نماز کی تربیت ہو جائے گی۔

مغرب کی سنتوں میں قراءت کا مسئلہ

(۲۵/۱۱۰۲)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِی الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰی يَتَفَرَّقَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ۔ (رواه ابوداود)

اخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/۷۰ حديث رقم ۱۳۰۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ مغرب کے بعد مغرب کی سنتوں میں اتنی طویل قراءت کرتے تھے کہ لوگ اپنی اپنی نماز سے فارغ ہو کر چلے جاتے تھے۔(ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی سنتیں کبھی کبھی مسجد میں پڑھتے تھے اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ سنتیں گھر میں پڑھتے ہوں اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ صغر سنی کی وجہ سے گھر میں آتے جاتے ہوں۔اور انہوں نے گھر میں آپ کو طویل قراءت کے ساتھ سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہو اور آپ کا گھر مسجد کے متصل تھا، اس لئے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد سے نماز پڑھ کر چلے گئے تھے اور تیسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں ہوں اور اس دوران آپ نے مسجد میں سنتیں پڑھیں اور طویل قراءت کی اور اسی کو عبداللہ ابن عباسؓ نے نقل کیا۔

نمازِ مغرب کے بعد دو یا چار رکعت کی فضیلت

(۲۶/۱۱۰۳)وَعَنْ مَكْحُوْلٍ يَبْلُغُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَلّٰی بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ يَتَكَلَّمَ

رَكْعَتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ رُفِعَتْ صَلَاتُهُ فِيْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلاً.

لم أجده عند البيهقي في شعب الايمان بل عزاه في كنز العمال إلى ابن أبي شيبة ـ

ترجمہ: حضرت مکحول سے روایت ہے اور وہ اس حدیث کو مرفوعاً بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی مغرب کی نماز پڑھ کر عام گفتگو سے پہلے دو رکعت اور دوسری روایت کے مطابق چار رکعت نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز علیین میں پہنچا دی جاتی ہے۔(رزین)

تشریح ۞ اس حدیث میں نمازِ مغرب کے بعد نوافل کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ان کی تعداد پہلے گزر چکی ہے ایک روایت کے مطابق دو رکعتیں دوسری روایت کے مطابق چار رکعتیں تیسری کے مطابق چھ رکعتیں ہیں اور چوتھی کے مطابق بیس رکعتیں ہیں اور ان کی خصوصی فضیلت اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ یہ علیین میں خصوصی اعزاز کے ساتھ پہنچا دی جاتی ہیں جو کہ نیک لوگوں کی ارواح اور اعمال کا مستقر ہے۔

(۲۷/۱۱۰۴) وَعَنْ حُذَيْفَةَ نَحْوَهُ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ۔ (وروى البيهقي الزيادة عنه نحوها في شعب الايمان)

ذكره المنذري في الترغيب ـ

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے اسی طرح کی روایت مروی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ تم لوگ مغرب کی نماز کے بعد دو سنتیں جلدی پڑھ لیا کرو کیونکہ وہ فرض کے ساتھ مقام علیین پر پہنچائی جاتی ہیں۔(رزین) اور امام بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت کے زائد الفاظ کو شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دو چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ایک یہ کہ مغرب کی سنتوں کو فرض کے فوراً بعد پڑھ لیا جائے۔ کیونکہ فرض اور ان دو سنتوں کو اکٹھے علیین میں پہنچایا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ ان دو سنتوں کا اتنا مقام ہے کہ ان دو سنتوں کو رفع اعمال میں فرضوں کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔

فرض اور نفل کے درمیان فرق کرنا چاہیے

(۲۸/۱۱۰۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ اِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ اَرْسَلَهُ اِلَى السَّائِبِ يَسْئَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَاٰهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُوْرَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ اَرْسَلَ اِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ اِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتّٰى تَتَكَلَّمَ اَوْ تَخْرُجَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَنَا بِذٰلِكَ اَنْ لَا نُوْصِلَ بِصَلَاةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ اَوْ نَخْرُجَ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٦٠١/٢ حديث رقم ٧٣-٨٨٣-وأبوداوٗد في السنن ٦٧٢/١ حديث رقم ١١٢٩-وأحمد في المسند ٩٥/٤-

ترجمہ: حضرت عمرو ابن عطاء سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت نافع بن جبیر نے ان کو حضرت سائب کے پاس بھیجا تا کہ وہ ان سے ان چیزوں کے متعلق پوچھیں جو حضرت معاویہ نے انہیں نماز میں کرتے ہوئے دیکھا اور ان کے کرنے سے روکا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرو حضرت سائب کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت معاویہ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ کی نماز ادا کی جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ میں کھڑا ہو گیا اور نماز پڑھنے لگا جب حضرت معاویہ اپنے گھر چلے گئے تو میرے پاس ایک آدمی کو یہ

پیغام دے کر بھیجا کہ جو کچھ تم نے کیا ہے آئندہ ایسا نہ کرنا جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس نماز کو دوسری نماز سے مت ملاؤ یہاں تک کہ درمیان میں کوئی گفتگو نہ کر لو یا جگہ نہ تبدیل کر لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائیں یہاں تک کہ ہم ان دونوں کے درمیان گفتگو کے ساتھ یا جگہ تبدیل کرنے کے ساتھ فرق کر لیں۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ کوئی آدمی مسجد میں کسی ایک جگہ کو اپنی نماز کے لئے مخصوص نہ کرے کیونکہ مسجد میں تمام لوگ مل کر نماز ادا کرتے ہیں اور مسجد تمام مسلمانوں کے لئے مشترک ہوتی ہے مسجد میں آنے کے بعد جہاں جگہ مل جائے اسی جگہ بیٹھ جائے۔ دوسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا اگر کوئی آدمی مسجد میں فرض پڑھنے کے بعد نفل پڑھنا چاہے تو اس پر لازم ہے وہ اپنے فرض اور نفل کے درمیان فرق کرے اور فرق کرنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہو مثلاً دونوں کے درمیان گفتگو کرے یا جگہ تبدیل کرے اگر اسی جگہ کھڑے ہو کر نفل پڑھے گا تو دیکھنے والا سمجھے گا کہ شاید اس کی نماز مکمل نہیں ہوئی تھی اب وہ کھڑے ہو کر اپنی نماز کو مکمل کرنا چاہتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ فرض اور نفل کے درمیان ادائیگی کے اعتبار سے قولاً یا عملاً فرق کرنا ضروری ہے۔

(۲۹/۱۱۰۶) وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّيْ اَرْبَعًا وَاِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى بَيْتِهٖ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِى الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهٗ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهٗ (رواه ابوداود وفى رواية الترمذى) قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلّٰى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ اَرْبَعًا۔

أخرجه أبوداود في السنن ۱/۶۷۲ حديث رقم ۱۱۲۹۔ وأخرجه الترمذي ۲/۳۹۹ حديث رقم ۵۲۲۔

ترجمہ: حضرت عطاء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب مکہ میں جمعہ کی نماز پڑھ چکتے تو آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھتے اس کے بعد پھر آگے بڑھتے اور چار رکعت پڑھتے اور آپ جب مدینہ میں ہوتے تو جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے گھر واپس آ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔ جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ (ابوداؤد) ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھ کر اس کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جمعہ ادا کرنے کے بعد جگہ تبدیل کر کے نفل پڑھنے چاہئیں جیسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر آگے بڑھ کر دو رکعت پڑھتے تھے دو رکعتوں سے فارغ ہو کر تھوڑا سا اور آگے بڑھ کر چار رکعتیں پڑھتے تھے اور یہ عمل آپ کا مکہ مکرمہ میں تھا اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے تو اب معمول یہ تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس گھر آ کر دو نوافل پڑھتے تھے۔ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔ احناف نے اس حدیث سے استدلال کر کے یہ کہا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد چھ سنتیں ہیں یہی مذہب ہے حضرات صاحبین کا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعتیں ہیں ان کا استدلال عبداللہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت سے ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ

رات کی نماز کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ:

عشاء اور فجر کے درمیان کتنی رکعتیں ہیں

(۱/۱۱۰۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَمَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ فَيَخْرُجُ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/ حديث رقم ۹۹٤ـ ومسلم ۱/ ۵۰۸ حديث رقم (۱۲۲ـ۷۳٦)ـ وأبوداوٗد في السنن ۲/ ٤۸ حديث رقم ۱٤٤۷ـ والنسائي ۳/ ۲٤۲ حديث رقم ۱۷۲٦ـ وابن ماجه ۱/ ۳۷۸ حديث رقم ۱۱۹۸ـ والدارمي ۱/ ٤۰۰ حديث رقم ۱٤٤۷ ومالك في الموطأ ۱/ ۱۲۰ حديث رقم ۸ من كتاب صلاة الليل ـ وأحمد في المسند ٦/ ۱۲۱ـ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر فجر کی نماز تک اکثر گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور وتر کی ایک رکعت کے ساتھ تمام نماز کو طاق کر لیتے تھے۔ اور اس نماز میں اتنا طویل سجدہ کرتے تھے کہ جتنی دیر میں کوئی آدمی اپنا سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیتیں تلاوت کرے پھر جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور فجر طلوع ہو جاتی تو آپ کھڑے ہو جاتے اور مختصر دو رکعتیں پڑھتے تھے اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ مؤذن اقامت کہنے کے لئے اجازت طلب کرتا پھر آپ مسجد میں تشریف لاتے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نماز عشاء اور فجر کے درمیان کتنی نماز ہے رسول اللہ ﷺ کا اکثر یہ معمول تھا کہ فجر اور عشاء کے درمیان گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ اور اس نماز میں آپ قیام رکوع اور سجدہ طویل کرتے تھے اور دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے اور آخر میں ایک رکعت کے ساتھ تمام نماز کو طاق کر لیتے تھے احناف کے نزدیک آٹھ رکعتیں تہجد کی ہوتی تھیں اور تین وتر اور شوافع کے نزدیک دس رکعتیں پڑھتے تھے دو دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتے تھے لیکن احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ہیں اور وہ بھی ایک سلام کے ساتھ حضرت علی اور حضرت عائشہؓ کی روایات میں اس کی تفسیر موجود ہے۔

فجر کی سنتوں کے بعد گفتگو کرنا

(۲/۱۱۰۸) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ وَإِلَّا اضْطَجَعَ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۵۱۱ حديث رقم (۱۳۳ـ۷٤۳)ـ وأبوداوٗد في السنن ۲/ ٤۸ حديث رقم ۱۲٦۳ـ

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے، اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے بات چیت کر لیتے اور اگر میں سوئی ہوئی ہوتی تو آپ ﷺ بھی لیٹ جاتے تھے، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ بعض علماء کے نزدیک فجر کی سنتیں ادا کرنے کے بعد کلام کرنا جائز نہیں اور جمہور علماء کے نزدیک فجر کی سنتیں ادا کرنے کے بعد گفتگو جائز ہے اس سے نماز کا اجر و ثواب ضائع نہیں ہوتا ان کا استدلال حضرت عائشہ کی مذکورہ حدیث سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتیں پڑھ لیتے اگر میں جاگ رہی ہوتی، میرے ساتھ گفتگو کرنے میں مشغول ہو جاتے، اگر میں سوئی ہوئی ہوتی تو

آپ بھی لیٹ جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتیں ادا کرنے کے بعد گفتگو کرنے سے فجر کی سنتوں کا ثواب ضائع نہیں ہوتا ورنہ آپ ﷺ اس موقع پر گفتگو نہ کرتے۔

فجر کی سنتوں کے بعد استراحت کا بیان

(۳/۱۱۰۹) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۴۳/۳ حدیث رقم ۱۱۶۰۔والنسائی ۲۵۲/۳ حدیث رقم ۱۷۶۲۔وابن ماجه ۳۷۸/۱ حدیث رقم ۱۱۹۹۔وأحمد فی المسند ۱۷۳/۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعت سنت ادا کرنے کے بعد اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جایا کرتے تھے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو سنتیں ادا کرنے کے بعد تھوڑی دیر کیلئے استراحت اور آرام حاصل کرنے کے لئے داهنی کروٹ پر لیٹ جایا کرتے تھے۔ کیونکہ صلاۃ اللیل کی وجہ سے آپ کو تھکاوٹ ہو جاتی تھی۔ اور آج بھی جو لوگ صلاۃ اللیل کے عادی ہوں ان کو چاہئے کہ وہ تھوڑی دیر کیلئے استراحت کر لیں۔

صلوٰۃ اللیل کی رکعات

(۴/۱۱۱۰)وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ.

(رواہ مسلم)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰/۳ حدیث رقم ۱۱۴۰۔ومسلم ۵۱۰/۱ حدیث رقم(۱۲۷۔۷۳۸)۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے ان میں وتر اور فجر کی سنتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں صلوٰۃ اللیل کی تیرہ رکعتیں ذکر کی گئی ہیں، بظاہر اس مقام پر روایات میں تعارض ہے وہ اس طرح کہ ایک روایت میں تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے، دوسری روایت میں سات رکعات کا ذکر ہے۔ تیسری روایت میں نو رکعات کا ذکر ہے، چوتھی روایت میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے، بظاہر تعارض ہے۔ رفع تعارض کی توجیہ یہ ہے کہ جس روایت میں سات رکعات کا ذکر ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ چار رکعات تہجد کی تھیں اور تین وتر۔ اور جس روایت میں نو ۹ کا ذکر ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ چھ رکعت تہجد کی تھی اور تین وتر۔ اور جس روایت میں گیارہ کا ذکر ہے۔ اس میں آٹھ رکعات تہجد کی تھیں اور تین وتر اور اگر اس کے ساتھ دو سنتوں کو ملا لیا جائے، تو تیرہ رکعات ہو جاتی ہیں لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

(۵/۱۱۱۱) وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (رواہ البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰/۳ حدیث رقم ۱۱۳۹۔

ترجمہ: حضرت مسروقؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں پوچھا کہ آپ ﷺ کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی آپ سات رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی گیارہ رکعت پڑھتے تھے فجر کی سنتوں کے علاوہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرتے تھے

(۶/۱۱۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ اِفْتَتَحَ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۳۲ حديث رقم (۱۹۷۔۷۶۷)۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز کیلئے کھڑے ہوتے، تو اپنی نماز کو دو مختصر رکعتوں سے شروع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کا آغاز دو مختصر رکعتوں سے کرتے تھے اب یہ کہ یہ دو رکعتیں کونسی نماز تھی۔ ایک قول کے مطابق یہ عام نوافل تھے، دوسرے قول کے مطابق یہ تہجد ہی کی دو رکعتیں تھیں، مگر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختصر طور پر پڑھتے تھے۔ تیسرے قول کے مطابق یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی تھیں، مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اس موقع پر صلوٰۃ اللیل کی روایات میں تحیۃ الوضو کی نماز کا کوئی ذکر نہیں۔

(۷/۱۱۱۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِّنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلَاةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۳۲ حديث رقم (۱۹۸۔۷۶۸)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کیلئے رات کے وقت اٹھے اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز کی ابتداء ہلکی دو رکعتوں سے کرے، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس سے پہلی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا ذکر تھا، کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز پڑھتے تھے تو شروع میں دو مختصر رکعتیں پڑھتے تھے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا ذکر ہے کہ آپ نے تہجد کی نماز پڑھنے والوں کو تہجد سے پہلے دو مختصر رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا، تاکہ آپ کی ادا کے ساتھ مشابہت ہو جائے کیونکہ محبوب کی ہر حرکت بھی محبوب ہوتی ہے، اگرچہ دوسرے لوگوں کی نظر میں وہ زائد شئے ہوتی ہے۔

تہجد کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت

(۸/۱۱۱۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَعَ اَهْلِهٖ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ اَوْ بَعْضُهٗ قَعَدَ فَنَظَرَ اِلَى السَّمَاءِ فَقَرَاَ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الْقِرْبَةِ فَاَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ وُضُوْءً حَسَنًا بَيْنَ الْوُضُوْئَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ اَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰى فَقُمْتُ وَتَوَضَّاْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِاُذُنِيْ فَاَدَارَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَتَتَامَّتْ صَلَاتُهٗ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاٰذَنَهٗ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ وَكَانَ فِيْ دُعَائِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّاَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّزَادَ بَعْضُهُمْ وَفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا

وَّذَكَرَ وَعَصَبِيْ وَلَحْمِيْ وَدَمِيْ وَشَعْرِيْ وَبَشَرِيْ (متفق عليه وفي رواية) لَهُمَا وَاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَّفِيْ اُخْرٰى لِمُسْلِمٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۱/۱۱٦ حديث رقم ٦٣١٦۔ومسلم في صحيحه ۱/٥٢٦ حديث رقم (۱۸۱۔۷٦۳) ۔والترمذي في السنن ٥/٤٥٥ حديث رقم ۳٤۱۹۔والنسائي ۲/۲۱۸ حديث رقم ۱۱۲۱۔ وأحمد في المسند ۱/۲۸٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رات گذاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُس دن انہی کے پاس تھے، رات کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ سے باتیں کرتے رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر رات کا تیسرا حصہ یا اس سے کچھ کم باقی رہ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی: ﴿ان في خلق السموٰت﴾۔ یہاں سے شروع کر کے سورت کے اختتام تک تلاوت کی، پھر اٹھ کر پانی کی مشک کے پاس گئے، اور اس کا منہ کھول کر برتن میں پانی ڈالا، پھر اچھی طرح وضو کیا اور مناسب مقدار میں پانی استعمال کیا، چنانچہ حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ درمیانہ وضو کیا یعنی اتنا کم پانی بھی استعمال نہیں کیا کہ اعضاء اچھی طرح تر نہ ہوں اور نہ ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے آپ کے بعد میں بھی اٹھا جس طرح آپ کر رہے تھے ایسا ہی میں نے بھی کیا اور وضو کر کے آپ کی بائیں طرف جا کر کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کان پکڑ کر اپنی بائیں طرف سے گھما کر اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا، اور آپ نماز پڑھتے رہے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا رہا۔ جب آپؐ نے تیرہ رکعت نماز پڑھ لی تو لیٹ کر سو گئے، یہاں تک کہ آپ خراٹے لینے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت خراٹے لیتے تھے، اتنے میں حضرت بلالؓ آئے اور نماز کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وضو کیے بغیر سنت کی دو رکعتیں ادا کیں اور یہ دعا کرنے لگے: "اللّٰهم اجعل في قلبي نورًا" (اے اللہ میرے دل میں نور پیدا کر دے اور میری آنکھوں میں اور میرے کانوں میں اور میری دائیں طرف اور میری بائیں طرف اور میرے اوپر اور میرے نیچے میرے آگے اور میرے پیچھے نور ہی نور بنا دے)۔ اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میری زبان کو نور بنا دے اور بعض روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ میرے پٹھوں میں میرے گوشت میں میرے خون میں میرے بالوں میرے چمڑے میں نور پیدا کر دے۔ اور بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میرے نفس میں نور پیدا کر دے، اور میرے لیے نور میں بڑائی دے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "اے اللہ مجھے نور عطا کر دے"۔

تشریح ❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کیلئے اٹھتے، تو آسمان کی طرف دیکھ کر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۰ سے شروع کر کے آخر تک پڑھتے تھے، اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے اور عقل مند لوگوں کیلئے دعوتِ فکر ہے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب کوئی آدمی نیند سے بیدار ہو وہ بیدار ہوتے ہی بغیر وضو کے قرآنی آیات کی تلاوت کر سکتا ہے باقی اس حدیث میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کیلئے آئے، آپ نے سو جانے کے باوجود بغیر وضو کے فجر کی سنتیں پڑھی یہ آپ کی خصوصیت ہے تمام اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اونگھ آ جاتی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سو جاتیں اور قلب مبارک جاگتا رہتا یعنی آپ کی نیند غفلت اور غنودگی کی صورت نہیں ہوتی تھی، اس لئے آپ نے وضو نہیں کیا اور آپ کی خصوصیت امت کیلئے قانون کی حیثیت نہیں رکھتی اور تیسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد گفتگو کرنے سے منع کیا گیا ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد جلدی سو یا کریں اس سے مراد فضول گفتگو ہے دینی اور دنیاوی ضرورت کیلئے بات کی جا سکتی ہے۔ چوتھا مسئلہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی سنتوں کے علاوہ تیرہ رکعت نماز ادا کی، دس رکعت نماز تہجد اور تین وتر۔

وتر تین رکعت ہے

(۹/۱۱۱۵)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَيْقَظَ وَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَآءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٥٣٠ حديث رقم (١٩١-٧٦٣)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات رسول اللہ ﷺ کے پاس سوئے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ رات کو بیدار ہوئے، مسواک کی اور وضو کیا پھر یہ آیت پڑھی ﴿ان فی خلق السّمٰوٰت والارض﴾ یہاں تک کہ سورت کو ختم کیا پھر کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام رکوع، اور سجدہ طویل کیا دو رکعت سے فارغ ہو کر آپ لیٹ گئے اور خراٹے لینے لگے پھر تین مرتبہ اس طرح کیا۔ اس طرح آپؐ نے تین مرتبہ میں چھ رکعتیں پڑھیں اور تین مرتبہ میں سے ہر بار مسواک بھی کرتے اور وضو بھی کرتے اور یہ آیات بھی پڑھتے، پھر آخر میں آپ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں اور اس سے پہلے دو دو رکعتوں کا ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے یہ تین رکعتیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سلام کے ساتھ پڑھی ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں ایک سلام کیساتھ۔ اور دوسرے ائمہ بھی تین رکعتیں مانتے ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ تین رکعتوں کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تہجد کی نماز کی کیفیت

(۱۰/۱۱۱۶) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ اَنَّهٗ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اللَّيْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَواه مسلم قَوْلُهٗ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِىْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَاَفْرَادِهٖ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُوَطَّا مَالِكٍ وَسُنَنِ اَبُوْدَاوٗد وجامع الاصول۔

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٥٣١ حديث رقم (١٩٥-٧٦٥)۔ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ٢/ ٩٩ حديث رقم ١٣٦٦۔ وابن ماجه ١/ ٤٣٣ حديث رقم ١٣٦٢۔ ومالك في الموطأ ١/ ١٢٢ حديث رقم ١٢ من كتاب صلاة الليل ۔ وأحمد في المسند ٥/ ١٩٣۔

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھتا رہوں گا، چنانچہ میں نے دیکھا آپ ﷺ نے پہلے دو رکعتیں مختصر پڑھیں پھر دو رکعتیں بہت طویل پڑھیں، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان دو رکعتوں سے کچھ مختصر تھیں اور اس کے بعد پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان دو رکعتوں سے کچھ مختصر تھیں پھر اس کے بعد آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو طویل کے مقابلہ میں مختصر تھیں اس طرح آپ نے تیرہ رکعتیں پڑھیں صحیح مسلم میں یہ روایت اسی طرح ہے اور حضرت زیدؓ کا یہ قول کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو طویل رکعتوں سے مختصر تھیں صحیح مسلم

میں حمیدی کی کتاب میں جس میں صرف مسلم کی روایات نقل کی گئی ہیں اور موطا امام مالک، سنن ابی داؤد، اور جامع الاصول میں سب میں چار مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، صرف یہاں پانچ مرتبہ کا ذکر ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کو بیان کیا گیا ہے اور اس حدیث میں وتر کے بارے میں وضاحت نہیں ہے کہ وتر کی تین رکعتیں پڑھیں تھی یا ایک۔ لیکن اگر دو مختصر رکعتوں کو اس نماز میں شامل نہ کیا جائے تو وتر کی تین رکعتیں ثابت ہو جائیں گی، لیکن یہ وضاحت پھر بھی موجود نہیں کہ وہ تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں یا دو سلاموں کے ساتھ۔

فوائد: حمیدی کی کتاب میں تین قسم کی احادیث جمع کی گئی ہیں:

① متفق علیہ: یعنی جن کو امام بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہو۔
② افراد بخاری: یعنی وہ روایات جن کو صرف امام بخاریؒ نے نقل کیا ہو۔
③ افراد مسلم: یعنی وہ روایات جن کو صرف امام مسلم نے نقل کیا ہو۔

لہٰذا اس روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہوگا کہ ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ان الفاظ کو صحیح مسلم میں چار مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور موطا امام مالک سنن ابوداؤد اور جامع الاصول میں بھی چار مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ وضاحت اس لئے کی ہے تاکہ صاحب مصابیح کی تردید ہو جائے کیونکہ انہوں نے اس عبارت کو تین مرتبہ ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے رکعات کی تعداد تیرہ کی بجائے گیارہ ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ آخر عمر میں نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے

(۱۱/۱۱۱۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلَاتِهٖ جَالِسًا۔ (متفق علیه)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۵۰٦ حدیث رقم (۱۱۷۔۷۳۲)۔ وأحمد فی المسند ٦/ ۱۱٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک جب بھاری ہو گیا تو آپ ﷺ اکثر نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی عمر کے آخر میں جب بدن کچھ بھاری ہو گیا تھا اور کچھ ضعف بھی تھا تو اکثر نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل قانون یہ ہے کہ نفل نماز بھی کھڑے ہو کر پڑھی جائے ہاں البتہ تھکاوٹ وغیرہ کے عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنے کی رخصت ہے۔

نماز تہجد میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت

(۱۲/۱۱۱۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِيْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰى تَالِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ اٰخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانُ وَعَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ۲۰۰ حدیث رقم ۷۷۰۔ ومسلم ۱/ ٥٦٥ حدیث رقم (۲۷۹۔۸۱۲) والنسائی ۲/ ۱۷٤ حدیث رقم ۱۰۰٤ وأحمد فی المسند ۱/ ٤٣٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ سورتیں معلوم ہیں جو آپس میں مشابہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ جنہیں جمع کرتے تھے وہ بیس سورتیں ہیں جو مفصلات کے شروع میں ہیں، ابن مسعودؓ نے شمار کر کے بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ

ان سورتوں کو اس طرح جمع کیا کرتے تھے کہ ایک رکعت میں دو دو سورتیں ملا کر پڑھا کرتے تھے اور ان بیس سورتوں میں آخر کی دو سورتیں سورۃ حٰمٓ الدُّخَانُ اور عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز میں کونسی سورتیں پڑھتے تھے۔ تو ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مفصلات کی بیس سورتیں پڑھتے تھے جو آپس میں مشابہ ہیں عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی ترتیب کے مطابق ان کو ایک جگہ جمع کیا تھا اور ابوداؤد کی روایت میں اس کی تفصیل اور وضاحت موجود ہے مثلاً سورۃ الرحمٰن اور سورۃ النجم کو ایک رکعت میں اور سورۃ اقتربت الساعۃ اور سورۃ الحاقۃ کو ایک رکعت میں۔ اور سورۃ الطور اور الذاریٰت کو ایک رکعت میں اور سورۃ الواقعہ اور سورۃ نون کو ایک رکعت میں۔ اور سأل سائلٌ اور النزعٰت کو ایک رکعت میں۔ ویل للمطففین اور عبس کو ایک رکعت میں۔ مدثر اور مزمل کو ایک رکعت میں سورۃ الدھر اور سورۃ القیامہ کو ایک رکعت میں۔ عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ اور مرسلات کو ایک رکعت میں سورۃ دخان اور سورۃ تکویر کو ایک رکعت میں۔

سوال: ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری رکعت میں سورۃ حٰم دخان اور عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ پڑھتے تھے اور ابوداؤد کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ آخری رکعت میں سورۃ دخان اور اذا الشمس کورت پڑھتے تھے، بظاہر تعارض ہے۔

جواب: مذکورہ حدیث میں ہم مثل کے الفاظ کی تشریح اور معنی یہ ہے کہ ان بیس سورتوں میں سورۃ حم دخان اور اس کے ہم مثل یعنی اذا الشمس کورت اور اسی طرح عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ اور اس کے ہم مثل یعنی سورۃ مرسلات پڑھتے تھے، مطلب یہ ہوگا' رسول اللہ ﷺ ایک رکعت میں سورۃ حم دخان اور اذا الشمس کورت پڑھتے تھے اور یہ دونوں برابر کی سورتیں ہیں اور اسی طرح ایک رکعت میں عم یتساء لون اور سورۃ مرسلات پڑھتے تھے جو برابر کی سورتیں ہیں۔

الفصل الثانی:

نمازِ تہجد کی کیفیت

(۱۳/۱۱۱۹) عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّهٗ رَاٰی النَّبِیَّ ﷺ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ فَکَانَ یَقُوْلُ اللّٰهُ اَکْبَرُ ثَلَاثًا ذُوالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَکَعَ فَکَانَ رُکُوْعُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِیَامِهٖ فَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ رُکُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ فَکَانَ قِیَامُهٗ نَحْوًا مِّنْ رُکُوْعِهٖ یَقُوْلُ لِرَبِّیَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَکَانَ سُجُوْدُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِیَامِهٖ فَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَکَانَ یَقْعُدُ فِیْمَا بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ نَحْوًا مِّنْ سُجُوْدِهٖ وَکَانَ یَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ فَصَلّٰی اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ قَرَأَ فِیْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِالْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۵٤٤ حدیث رقم ۸۷٤۔ والنسائی ۲/ ۲۳۱ حدیث رقم ۱۱٤۵۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا چنانچہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، اور اس کے ساتھ پڑھا ذو الملکوتِ والجبروتِ والکبریاء والعظمة پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے ثناء پڑھی اور سورۃ بقرہ کی تلاوت کی اور اس کے بعد رکوع کیا اور آپ کا رکوع تقریباً قیام کے برابر تھا اور رکوع

میں آپ ﷺ نے سبحان ربی العظیم پڑھا، پھر رکوع سے سر اٹھایا اور تقریباً آپ کا قومہ رکوع کے برابر تھا اور آپ نے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد لربی الحمد کے الفاظ دہرائے پھر سجدہ کیا اور آپ کا سجدہ تقریباً قومہ کے برابر تھا اور سجدہ میں آپ ﷺ نے سبحان ربی الاعلی کہا، پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ کیا تقریباً سجدہ کے برابر اور اس میں کہتے رہے رب اغفر لی رب اغفر لی، اس طرح آپ ﷺ نے چار رکعتیں پوری کیں اور ان چار رکعتوں میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام کی قراءت کی۔ شعبہ کو مائدہ یا انعام میں شک ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، حدیث پر اچھی طرح غور کر لیا جائے، اور اسی طرح آپ کی قراءت بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان چار رکعتوں میں چار طویل سورتیں تلاوت کیں آخری سورت کے بارے میں حدیث کے راوی حضرت شعبہ کو شک ہو گیا کہ آخری سورت' سورۂ مائدہ تھی یا سورۂ انعام۔

تہجد کی نماز میں طویل قیام کی فضیلت

(۱۴/۱۱۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ اٰيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِاَلْفِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ. (رواه ابوداود)

أخرج أبو داوٗد في السنن ۲/۱۱۸ جديث رقم ۱۳۹۸۔ والدارمي ۲/۵۵۷ حديث رقم ۳۴۵۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی دس آیتوں کی قراءت کے برابر قیام کرے، تو وہ غافلین میں سے شمار نہیں کیا جاتا، اور جو آدمی سو آیتوں کی قراءت کرے اور اتنی مقدار میں قیام کرے تو اس کو فرماں برداروں میں لکھا جاتا ہے، اور جو آدمی ہزار آیتوں کی قراءت کرے تو اس کا نام بہت زیادہ ثواب حاصل کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں نماز تہجد کے اندر طویل قیام کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، کہ جس قدر قیام طویل ہوگا اتنا ہی اجر و ثواب زیادہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب قیام طویل ہوگا تو اتنی ہی قراءت زیادہ ہوگی اس اعتبار سے اس حدیث میں قیام کی تین حالتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک قیام وہ ہے جو دس آیات کے بقدر ہو اور ایسا آدمی غافلین میں سے نہیں ہوتا، دوسرا قیام وہ ہے جو سو آیات کے بقدر ہو ایسے آدمی کو اطاعت کرنے والا لکھا جاتا ہے، تیسرا قیام وہ ہے جو ہزار آیتوں کے بقدر ہو، ایسے انسان کو بہت زیادہ ثواب حاصل کرنے والا لکھا جاتا ہے۔

تہجد کی نماز میں قراءت کا طریقہ

(۱۵/۱۱۲۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ ﷺ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۲/۸۱ حديث رقم ۱۳۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت کبھی بلند آواز سے ہوتی تھی اور کبھی پست آواز سے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں تہجد کی نماز کے اندر رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی کیفیت کو باعتبار جہر اور سر کے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وقت کے تقاضے کے مطابق قراءت کرتے تھے۔ اگر لوگ سوئے ہوئے ہوں اور قراءت کی وجہ سے ان کی نیند خراب

ہوجاتی یا کسی کوتکلیف واذیت ہورہی ہوتی تو پھر قراءت آہستہ کرتے تھے کیونکہ اس صورتِ حال میں جہر کے ساتھ قراءت کرنے سے ثواب ضائع ہوجاتا ہےاوراگرقراءت کی وجہ سے کسی کی نیند خراب نہ ہوتی ہواور کسی کواذیت نہ ہورہی ہوتی ہو، پھر بلند آواز سے قراءت کی جائے جیسے رسول اللہ ﷺ بھی ایسے وقت میں جہر کے ساتھ قراءت کرتے تھے۔

(۱۶/۱۱۲۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَ هُوَ فِي الْبَيْتِ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/ ۸۱ حدیث رقم ۱۳۲۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اتنی آواز سے قراءت کرتے کہ اگر آپؐ حجرہ کے اندر پڑھ رہے ہوں، تو باہر صحن میں موجود آدمی سن لیتا تھا۔اس حدیث کوامام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے پست آواز کے ساتھ قراءت کرنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ رات کے سناٹے میں خاموشی اور سکون میں پست آواز سے بھی اتنے فاصلے پر قراءت سنی جاسکتی ہے۔اور بلند آواز کو دور تک سنائی دی جاسکتی ہے اوراس طریقہ کے مطابق آپ کی قراءت انتہائی عمدہ کیفیت والی تھی کہ جولوگ سوئے ہوئے ہوں ان کی نیند میں خلل نہ آئے اور جولوگ جاگ رہے ہوں وہ آپ کی قراءت کی تلاوت سے لطف اندوز ہوں۔

حضرت ابوبکراورعمر رضی اللہ عنہما کوقراءت کی کیفیت میں ہدایت

(۱۷/۱۱۲۳) وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِيْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ وَيَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا اَبَا بَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ (رواہ ابو داود وروی الترمذی نحوہ)

أخرجه وأبوداوٗد فی السنن ۲/ ۸۱ حدیث رقم ۱۳۲۹۔والترمذی ۲/ ۳۰۹ حدیث رقم ٤٤٧۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت باہر نکلے، آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے گزرے، وہ نماز پڑھ رہے تھے، اور پست آواز سے قرآن کی تلاوت کررہے تھے پھر آپ ﷺ حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے وہ بھی نماز پڑھ رہے تھے، اور بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کررہے تھے۔حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں جب صبح کے وقت یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے۔تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکرؓ! آج رات میں تمہارے پاس سے گزرا، توتم اپنی نماز میں پست آواز کے ساتھ قراءت کررہے تھے، ابوبکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں جس سے مناجات کررہا تھا اسی کو سنا رہا تھا، پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: عمرؓ! آج رات میں تمہارے پاس سے گزرا، توتم اپنی نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں بلند آواز سے قراءت کرکے سوئے ہوئے لوگوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، آپؐ نے دونوں کی بات سن کرفرمایا اے ابوبکر! آپ اپنی آواز کو کچھ بلند کریں اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ اپنی آواز کو کچھ پست کریں۔اس حدیث کوامام ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور امام ترمذیؒ نے بھی اس کے مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قراءت کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، کہ حضرت ابو بکر تہجد کی نماز میں قراءت بالکل پست آواز سے کر رہے تھے اور حضرت عمرؓ انتہائی بلند آواز سے کر رہے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تو ہر ایک نے اپنی اپنی قراءت کی کیفیت پر دلیل بیان کی، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں اللہ کو سنا رہا ہوں، اور وہ سن رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرتا ہوں' شیطان کو دور بھگاتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی گفتگو سن کر دونوں کو راہ اعتدال پر چلنے کی ہدایت دی۔ حضرت ابو بکرؓ سے کہا تم اپنی آواز کو کچھ بلند کرو اگرچہ اللہ کو سنانا مقصود ہے مگر اپنے آپ کو سنا کر قراءت کی حلاوت سے لطف اندوز ہونا چاہئے اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ اپنی آواز کو پست کریں کیونکہ سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنا' یہ اصل مقصود اور غرض نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ پوری رات نماز میں ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے

(۱۱۲۴/۱۸) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰی اَصْبَحَ بِاٰيَةٍ وَّالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (رواه النسائی وابن ماجة)

أخرجه النسائی فی السنن ۲/۱۷۷ حديث رقم ۱۰۱۰۔ وابن ماجه فی السنن ۱/۴۳۹ حديث. رقم ۱۳۵۰۔ وأحمد فی المسند ۵/۱۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز میں صبح تک کھڑے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے ﴿ان تعذبهم.....﴾ اگر تو انہیں عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔ اس حدیث کو امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز میں پوری رات ایک آیت کو پڑھتے رہے ﴿ان تعذبهم﴾ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنی امت کے حق میں اس آیت کو پیش کریں گے، گویا رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے اپنی امت کا تصور اور خیال کر کے اپنی امت کیلئے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگی۔

فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ جانے کا حکم

(۱۱۲۵/۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰی يَمِيْنِهٖ۔ (رواه الترمذی وابو داود)

أخرجه أبوداود فی السنن ۲/۴۷ حديث رقم ۱۲۶۱۔ والترمذی ۲/۲۸۱ حديث رقم ۴۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی فجر کی دو سنتیں پڑھ لے تو اس کو چاہئے کہ اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں فجر کی دو سنتیں ادا کرنے کے بعد لیٹ جانے کا حکم ہے، مگر یہ یاد رہے کہ یہ حکم مطلق نہیں بلکہ اس آدمی کیلئے ہے جو رات کو تہجد کی نماز پڑھے اور اس کے بعد فجر کی سنتیں پڑھے اور ابھی جماعت کی نماز میں کچھ دیر ہو تو وہ استراحت کیلئے تھوڑی دیر دائیں کروٹ لیٹ جائے۔ اور علمائے احناف کے نزدیک یہ لیٹنا گھر میں مناسب ہے، مسجد میں نہیں۔ اور اگر لیٹنے کے بعد اسے نیند آ گئی تو پھر نماز کیلئے جدید وضو کرنا پڑے گا۔

الفصل الثالث:

کسی عمل پر مداومت محبوب ہے

(۲۰/۱۱۲۶) عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَآئِشَةَ اَیُّ الْعَمَلِ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتِ الدَّآئِمُ قُلْتُ فَاَیَّ حِیْنٍ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ قَالَتْ کَانَ یَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۶/۳ حدیث رقم ۱۱۳۲۔ومسلم فی صحیحه ۵۱۱/۱ حدیث رقم (۱۳۱۔۷۴۱) وأبوداؤد ۷۷/۲ حدیث رقم ۱۳۱۷۔والنسائی ۲۰۸/۳ حدیث رقم ۱۶۱۶۔

ترجمہ: حضرت مسروقؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب عمل کونسا تھا تو انہوں نے فرمایا جس عمل کو ہمیشہ کیا جائے، میں نے پھر دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا رات کے وقت تہجد کی نماز۔ میں نے پھر دریافت کیا، کہ رسول اللہ ﷺ کس وقت کھڑے ہوتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے، جب مرغ کی آواز سنتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ❁ حضرت مسروقؒ نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے سوال کیا، رسول اللہ ﷺ کو کونسا عمل زیادہ محبوب تھا، آپ نے فرمایا جس کام پر مداومت کی جائے مداومت عمل سے مراد یہ ہے کہ ایسا نیک اور بامقصد کام جس کا کرنے والا اس کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ کرے اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت مسروقؒ نے دوسرا سوال یہ کیا، کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کیلئے کس وقت اٹھ جاتے تھے، تو آپ نے فرمایا جب مرغ اذان دیتا تھا اور اس وقت تقریباً رات کا آخری ثلث باقی ہوتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرغ کی اذان سے فائدہ حاصل کرنا قدیم طریقہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا رات کے وقت اٹھنے کا عمل

(۲۱/۱۱۲۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا کُنَّا نَشَآءُ اَنْ نَّرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِی اللَّیْلِ مُصَلِّیًا اِلَّا رَاَیْنَاهُ وَلَا نَشَآءُ اَنْ نَّرَاهُ نَآئِمًا اِلَّا رَاَیْنَاهُ۔ (رواه النسائی)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۲/۳۔ حدیث رقم ۱۱۴۱۔والترمذی ۱۴۰/۳ حدیث رقم ۷۶۹۔وأحمد فی المسند ۱۰۴/۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں اگر ہم چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں تو ہم آپ کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے اور اگر یہ چاہتے کہ ہم آپ کو سوئے ہوئے دیکھیں تو آپ کو سوتے دیکھ لیتے۔ اس حدیث کو امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعمال میں بہت اعتدال تھا آپ حد سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ حضرت انسؓ جو آپ کے خاص خادم ہیں جو دس سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے تھے، تو ایسا بھی نہیں پوری رات تہجد میں گزار دیتے تھے اور ایسا بھی نہیں کہ پوری رات نیند میں گزار دیتے بلکہ کچھ وقت تہجد میں گزر جاتا تھا اور کچھ نیند میں۔ عموماً آپ کا عمل ایسا ہی تھا البتہ کبھی کبھار پوری رات بھی عبادت میں گزر جایا کرتی تھی۔

رات کی نماز کیلئے کئی بار جاگنا اور نماز پڑھنا پھر سو جانا

(۲۲/۱۱۲۸) وَعَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ قُلْتُ وَاَنَا

فِی سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاللّٰهِ لَاَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِلصَّلَاةِ حَتّٰی اَرٰی فِعْلَهٗ فَلَمَّا صَلّٰی صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَهِیَ الْعَتَمَةُ اِضْطَجَعَ هَوِیًّا مِنَ اللَّیْلِ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ فَنَظَرَ فِی الْاُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا حَتّٰی بَلَغَ اِلٰی اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ثُمَّ اَهْوٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ اَفْرَغَ فِیْ قَدَحٍ مِنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهٗ مَاءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی قُلْتُ قَدْ صَلّٰی قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰی قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَ مَا صَلّٰی ثُمَّ اسْتَیْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (رواہ النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ۲۱۲/۳ حديث رقم ۱۶۲۶۔

ترجمہ: حضرت حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اللہ کی قسم میں نماز کے وقت آپ کو دیکھتا رہوں گا تا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے افعال کو دیکھوں، جب آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی جسے ہم عتمہ کہتے ہیں، تو اس کے بعد آپ ﷺ لیٹ گئے، پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ آیت پڑھی: ﴿ربنا ما خلقت هذا باطلا﴾ یہاں تک کہ ﴿انك لا تخلف الميعاد﴾ تک پڑھا، پھر آپ ﷺ اپنے بستر کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں سے مسواک اتاری، پھر آپ ﷺ نے ایک چھاگل سے ایک برتن میں پانی ڈالا پھر مسواک کرنے کے بعد کھڑے ہوگئے اور آپ نے نماز پڑھی، میں نے کہا کہ جتنی دیر آپ ﷺ سوئے تھے اتنی ہی دیر آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر آپ لیٹ گئے، میں نے دل میں خیال کیا کہ جتنی دیر آپؐ نے نماز پڑھی اتنی ہی دیر سوئے، پھر آپ بیدار ہوئے جو کچھ پہلے کیا تھا وہی اب کیا۔ جو کچھ پہلے پڑھا تھا وہی اب پڑھا، اور آپ نے فجر کی نماز سے پہلے تین مرتبہ اس طرح کیا۔ اس حدیث کو امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت کئی مرتبہ بیدار ہوئے اور کئی مرتبہ نماز پڑھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آپ کمزوری تھکاوٹ اور طبیعت پر بوجھ کی وجہ سے ایسا ہی کرلیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی تہجد کے بارے میں حضرت ام سلمہؓ کا بیان

(۲۳/۱۱۳۹) وَعَنْ یَعْلَی بْنِ مُمَلَّكٍ اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِیِّ ﷺ وَصَلَاتِهٖ فَقَالَتْ وَمَا لَكُمْ وَصَلَاتَهٗ كَانَ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰی ثُمَّ یُصَلِّیْ قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ یَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰی ثُمَّ یُصَلِّیْ قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ یَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰی حَتّٰی یُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهٗ فَاِذَا هِیَ تَنْعَتُ قِرَاءَتَهٗ مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱۵٤/۲ حديث قم ۱٤۶۶۔والترمذی ۱۶۷/۵ حديث رقم ۲۹۲۳۔ والنسائي ۲۱٤/۳ حديث رقم ۱۶۲۹۔وأحمدفي المسند ۳۰۰/۶۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن مملک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ام سلمہؓ سے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں آپ کی قراءت اور نماز کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت اور نماز بیان کرنے سے تمہیں کیا حاصل ہوگا لیکن اگر آپ معلوم کرنا ہی چاہتے ہو تو سن لو رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے پھر جتنی دیر آپ نماز پڑھتے تھے اتنی دیر سو جاتے تھے پھر اٹھتے، پس اتنی دیر نماز پڑھتے تھے جتنی دیر سو جاتے تھے پھر اتنی دیر سو جاتے جتنی دیر تک نماز پڑھتے یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا تھا

یہاں تک کہ آپ کی رات کی نماز مکمل ہو جاتی اور نیند پوری کر لیتے۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے قراءت کی کیفیت بیان کی یہاں تک کہ انہوں نے اچھی طرح ایک ایک حرف کی ادائیگی وضاحت کے ساتھ بتائی اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ، امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے اندر حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا وہی طریقہ بیان کیا جو اس سے پہلی روایت میں بیان کیا تھا۔

باب مَا يَقُوْلُ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ

آپ ﷺ رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اُس کا حال

الفصل الاوّل:

نماز تہجد کی دعا

(۱/۱۱۳۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُ كَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۳ حديث رقم ۱۱۲۰۔ ومسلم في صحيحه ۱/۵۳۲ حديث رقم ۹ (۱۹۹/۷۶۹)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات میں تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے اللهم لك الحمد' اے میرے رب تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمانوں اور زمینوں کو قائم رکھنے والا ہے اور اس چیز کو جو ان دونوں کے درمیان ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو ہی زمینوں اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو روشن کرنے والا ہے، اور تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور تو ہی زمینوں کا اور آسمانوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے تیری ملاقات حق ہے تیرا کلام حق ہے جنت حق ہے جہنم حق ہے تمام نبی حق ہیں محمد ﷺ حق ہیں قیامت حق ہے، اے اللہ میں تیرا تابعدار ہوں میں نے تیرے تمام احکام قبول کیے۔ میں تجھ پر ایمان لایا تجھ پر بھروسہ کیا تیری طرف میں نے رجوع کیا۔ تیری ہی مدد سے میں دشمنوں سے جھگڑتا ہوں اور تیرے پاس اپنی فریاد لایا ہوں تو میرے ان گناہوں کو بخش دے جو مجھ سے سرزد ہوئے اور ان کو بھی جو بعد میں مجھ سے سرزد ہونگے میرے ایسے گناہوں کو بھی معاف فرما جو میں نے پوشیدہ طور پر کیے اور جو ظاہری طور پر کیے اور جو میری خطائیں ہیں جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، معاف کر دے تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے تو معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں جس دعا کا ذکر کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ تہجد کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے اب یہ کہ یہ دعا کس وقت پڑھتے تھے تو ایک قول کے مطابق یہ دعا اُس وقت پڑھتے تھے جب آپ تہجد کیلئے کھڑے ہوتے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق اس: عا لو

تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھتے تھے۔ تیسرے قول کے مطابق رکوع کے بعد پڑھتے تھے۔ چوتھے قول کے مطابق رکوع میں پڑھتے تھے۔

تہجد کے وقت کی دُعا

(۲/۱۱۳۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اِفْتَتَحَ صَلَاتَهٗ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۳۴ حدیث رقم (۲۰۱ ـ ۷۷۱)۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت تہجد کی نماز کیلئے کھڑے ہوتے اور تہجد کی نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اللھم رب جبرائیل ''اے اللہ جو پروردگار جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کا ہے، اے زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے پوشیدہ وظاہر کو جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں فیصلہ کرے گا۔ اے اللہ حق کے معاملے میں جو اختلاف کیا گیا ہے اُس میں میری رہنمائی فرما کیونکہ جسے تو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ جب رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے تھے، تو اس وقت مختلف آیات پڑھتے تھے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور مختلف دعائیں پڑھتے تھے بعض دعائیں نماز شروع کرتے وقت اور بعض دعائیں تکبیر تحریمہ کے بعد، بعض دعائیں رکوع میں بعض دعائیں قومہ میں، بعض دعائیں سجدہ میں اور بعض دعائیں جلسہ میں۔ مذکورہ دعا رسول اللہ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی۔

بیدار ہونے کے بعد کی دعا

(۳/۱۱۳۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ اَوْقَالَ ثُمَّ دَعَا اُسْتُجِيْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّاَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهٗ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۲۹ حدیث رقم ۱۱۵٤۔ وأبوداوٗد فی السنن ۵/۳۰۵ حدیث رقم ۵۰۶۰۔ والترمذی ۵/٤۷۷ حدیث رقم ۳٤۱٤۔ وابن ماجه ۲/۱۲۷٦ حدیث رقم ۳۸۷۸۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی رات میں بیدار ہو، تو یہ دعا پڑھے لا الہ الا اللہ ...... ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہی ہے اور اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ پاک ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا اور گناہوں سے بچنے اور عبادت کی قوت اللہ کے پاس ہے''۔ پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھتے: اے اللہ میرے گناہ بخش دے یا یہ فرمایا کہ پھر یہ دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جائے گی پھر اگر وہ وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی نیند سے بیدار ہو، تو وہ یہ دعا پڑھے اس کی برکت سے گناہ معاف ہونگے دعا قبول ہوگی اور نماز قبول ہوگی وہ دعا یہ ہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علی كل شیء قدیر وسبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

الفصل الثانی:

بیدار ہونے کے وقت کی دُعا

(۴/۱۱۳۳) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَآاِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِىْ وَاَسْاَلُكَ رَحْمَتَكَ اللّٰهُمَّ زِدْنِىْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِىْ بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنِىْ وَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ٥/٣٠٦ حديث رقم ٥٠٦١۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے لا الہ الا انت سبحانك ''اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے اے اللہ میں تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرے علم میں زیادتی کر اور ہدایت کے بعد میرے دل کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے میرے لیے رحمت عطا کر' بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے''۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تھے تو مذکورہ دعا پڑھتے تھے بعض احادیث میں بیداری کے وقت کی دیگر دعائیں منقول ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اس موقعہ پر مختلف دعائیں مانگتے تھے جس دعا کا الہام ہوجاتا وہی دعا مانگتے تھے، لہٰذا سنت رسول پر عمل کرتے ہوئے اگر ان میں سے کسی ایک دعا کو یاد کرلیا جائے تو انشاء اللہ کفایت کر جائے گی اور دعا کا معنی بھی معلوم ہونا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو کہ کیا مانگ رہا ہے تاکہ دعا مانگنے میں اور دعا پڑھنے میں فرق ہو۔

رات کو سوتے وقت اور جاگتے وقت کا عمل

(۵/۱۱۳۴) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرٍ طَاهِرًا فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّآ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ۔ (رواہ احمد وابو داود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ٥/٢٩٦ حديث رقم ٥٠٤٢ وابن ماجه ٢/١٢٧٧ حديث رقم ٣٨٨١۔ وأحمد فی المسند ٥/٢٤٤۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھی مسلمان رات کے وقت باوضو ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے اور پھر رات کے وقت بیدار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا مانگ لے، تو اللہ تعالیٰ اُسے خیر دے دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رات کے وقت سونے کا عمل پھر بیدار ہونے کا عمل بتایا گیا ہے رات کو سوتے وقت انسان باوضو ہو کر اپنا چہرہ قبلے کی طرف کر کے دائیں کروٹ پر سو جائے اور منقول شدہ دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھ لے اور قرآن مجید کی کچھ آیات کی تلاوت کرلے، پھر جب نیند سے بیدار ہو تو اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا مانگے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

نمازِ تہجد سے پہلے کی دُعا

(۶/۱۱۳۵) وَعَنْ شَرِيْقِ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَآئِشَةَ فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْتَتِحُ اِذَاهَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَاَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ مَاسَاَلَنِيْ عَنْهُ اَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللّٰهَ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَشْرًا وَهَلَّلَ اللّٰهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ٥/٣٢٢ حديث رقم ٥٠٨٥ والنسائي ٨/٢٨٤ حديث رقم ٥٥٣٥۔

ترجمہ: حضرت شریق ہوزنی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ رات کو نیند سے بیدار ہونے کے بعد اپنی عبادت کو کس چیز سے شروع کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپؓ نے آج مجھ سے اس چیز کے بارے میں پوچھا ہے جس کے بارے میں آپؓ سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا، تو سن لو کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت نیند سے بیدار ہوتے، پہلے اللہ اکبر دس مرتبہ الحمدللہ دس مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ دس مرتبہ سبحان الملک القدوس دس مرتبہ پڑھتے تھے اور دس مرتبہ استغفار کرتے تھے اور لا الٰہ الا اللہ دس مرتبہ پڑھتے تھے، پھر یہ دعا پڑھتے تھے اللّٰھم انی اعوذبک...... دس مرتبہ اے اللہ میں تجھ سے دنیا کی تنگی اور آخرت کی تنگی سے پناہ چاہتا ہوں، پھر نماز شروع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں سات تسبیحات کا ذکر ہے جن کو دس دس مرتبہ پڑھنا ہے محدثین کی اصطلاح میں ان کو معشرات سبع کہتے ہیں، اور صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ان کو مسبعات عشر کہتے ہیں: ❶ اللہ اکبر ❷ الحمد للہ ❸ سبحان اللہ وبحمدہ ❹ سبحان الملک القدوس ❺ استغفر اللہ ❻ لا الہ الا اللہ ❼ اللھم انی اعوذبک من ضیق الدنیا وضیق یوم القیامۃ۔

الفصل الثالث:

تہجد کے وقت کی ایک دُعا

(۷/۱۱۳۶) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی و زاد ابوداود) بَعْدَقَوْلِهٖ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثًا وَفِيْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ ثُمَّ يَقْرَأُ۔

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٤٩٠ حديث رقم ٧٧٥۔ والترمذي ٢/٩ حديث رقم ٢٤٢۔ وابن ماجه ١/٢٦٤ حديث رقم ٨٠٤۔ والدارمي ١/٣١٠ حديث رقم ١٢٣٩۔ وأحمد في المسند ٣/٥٠۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کی نماز میں کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھتے تھے سبحانك اللھم "اے اللہ تو پاک ہے، ہم تیری تعریف کرتے ہیں تیرا نام برکت والا ہے، تیری ذات بلند ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے"۔ پھر اللہ اکبر کبیرا کہتے، پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھتے اعوذ باللہ السمیع العلیم میں اللہ سننے

والے اور جاننے والے کی شیطان مردود سے اور اس کے وسوسے سے اور اس کے تکبر سے اور اس کے برے شعر سکھانے سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے اپنی روایت میں و لا اله غیرك کے بعد یہ الفاظ نقل کئے لا اله الا الله تین مرتبہ پڑھتے تھے، اور اس کے بعد قراءت شروع کر دیتے تھے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ جب تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے تھے تو سب سے پہلے اللہ اکبر پڑھتے تھے پھر اس کے بعد: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك، پھر اس کے بعد یہ کہتے تھے اللہ اکبر کبیرا، پھر اس کے بعد پڑھتے اعوذ بالله السميع العليم من الشيطن الرجيم من همزه و نفخه و نفثه اس کے بعد قراءت شروع کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز

(۸/۱۱۳۷) وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبِ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَكُنْتُ اَسْمَعُهٗ اِذَاقَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الْهَوِيَّ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ الْهَوِيَّ.

(رواه النسائي وللترمذي نحوه وَقَالَ هذاحديث حسن صحيح)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٤٤٨ حديث رقم ٣٥١٦۔ والنسائي ٣/٢٠٨ حديث رقم ١٦١٨۔ وأحمد في المسند ٤/٥٨۔

ترجمہ: حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے حجرہ کے قریب رات بسر کیا کرتا تھا تو میں سنتا تھا کہ جب رات کی نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپ کافی دیر تک سبحان رب العالمين کہتے تھے اور پھر کافی دیر تک سبحان الله وبحمده کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ
رات کے قیام پر رغبت دلانے کا بیان

الفصل الاول:

رات کی عبادت سے روکنے کیلئے شیطان کی چال

(۱/۱۱۳۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَاْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ عَلٰى كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ اِنْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّاَ اِنْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰى اِنْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/٢٤ حديث رقم ١١٤٢۔ ومسلم في صحيحه ١/٥٣٨ حديث رقم (٢٠٧۔٧٧٦)۔ وأبو داؤد في السنن ٢/٧٢ حديث رقم ١٣٠٦۔ وابن ماجه ١/٤٢٢ حديث رقم ١٣٢٩۔ ومالك في الموطأ ١/١٧٦ حديث رقم ٩٥ من كتاب قصر الصلاة۔ وأحمد في المسند ٢/٤٣۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی رات کو سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے۔ ابھی بہت رات باقی ہے سو جاؤ، جب کوئی آدمی بیدار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وضو کرتا ہے دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔ ایسا آدمی خوشی کی حالت میں پاک نفس ہو کر صبح کرتا ہے ورنہ خبیث نفس اور سستی کی حالت میں صبح کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر گرہ لگاتا ہے یہ کل تین گرہیں ہوتی ہیں اب یہ کہ گرہ سے کیا مراد ہے، تو ایک قول کے مطابق گرہ سے مراد سستی ہے کہ شیطان رات کے وقت عبادت کرنے والوں کو اپنے مکر سے سست بنا دیتا ہے، دوسرے قول کے مطابق یہ جملہ حقیقت پر محمول ہے کہ فی الواقع شیطان سونے والے کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے، پہلا معنی مجاز پر محمول ہے۔ اور دوسرا حقیقت پر اور اس مقام میں معنی مجازی زیادہ بہتر ہے کہ جب انسان ارادہ کرتا ہے کہ میں نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی ہے تو اس سے شیطان کی تینوں گرہیں کھل جاتی ہیں وہ اس طرح کہ جب انسان بیدار ہوتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے وضو سے دوسری گرہ کھل جاتی ہے، جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔

عبادت سے شکر کی ادائیگی

(۲/۱۱۳۹) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۸/۵۸٤ حدیث رقم ٤٨٣٦۔ والنسائی فی السنن۳/۱۹ حدیث رقم ١٦٤٤۔ وابن ماجه ١/٤٥٦۔

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ رات کو طویل قیام کیا، آپ کے قدمین پر ورم آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ اس قدر طویل قیام کیوں کرتے ہیں آپ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے رات کی عبادت میں اس قدر طویل قیام کیا کہ آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں آپ کے اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں پھر آپ عبادت میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے سائل کے سوال کا جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قدر اپنے احسان اور فضل سے نوازا ہے کہ میرے سب گناہ معاف کر دیئے گئے، مجھے ایسے مقام اور درجہ پر فائز کر دیا گیا ہے کہ اس سے بلند کوئی اور مقام نہیں تو میرا بھی حق ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس قدر محنت اور مشقت سے کروں، تاکہ میں اللہ کا شکر گزار بندہ بنوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا اصل مقصد اللہ کی شکر گزاری ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر انسان پر ہر وقت لازم ہے کیونکہ ہر نعمت پر شکر واجب ہے اور انسان پر ہر وقت نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔

فجر کی نماز کے لئے نہ اٹھنے والے کا حال

(۳/۱۱۴۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهُ مَازَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ ذٰلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ اُذُنِهٖ اَوْقَالَ فِيْ اُذُنَيْهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۸/۳ حديث رقم ۱۱۴۴۔ ومسلم ۵۳۷/۱ حديث رقم (۷۷۴/۲۰۵)۔ والنسائي في السنن ۲۰۴/۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا کچھ تذکرہ کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ آدمی صبح تک سویا رہتا ہے اور فجر کی نماز کیلئے نہیں اٹھتا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر فی الواقع وہ انسان ایسا ہی ہے تو پھر اس کے کان میں، یا یہ فرمایا کہ اس کے کانوں میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک آدمی کے متعلق تذکرہ کیا گیا کہ وہ سویا رہتا ہے اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کیلئے نہیں اٹھتا تو رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا اگر وہ انسان ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے تو پھر اس کے کانوں میں شیطان پیشاب کرتا ہے پیشاب کرنے سے مراد یہ ہے کہ شیطان اس کو سستی میں اور غفلت میں مبتلا کر دیتا ہے پھر ایسے انسان کو شیطان بھی رذیل سمجھتا ہے۔ اور دوسرے انسانوں کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے انسان سے ناراض ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن کیلئے پیغام

(۴/۱۱۴۱) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُّوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيْدُ اَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّيْنَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/۳ حديث رقم ۱۱۲۶۔ والترمذي في السنن ۴۲۲/۴ حديث رقم ۲۱۹۶۔ ومالك في الموطأ ۹۱۳/۲ حديث رقم ۸ من كتاب اللباس۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ گھبراہٹ کی حالت میں بیدار ہوئے اور کہہ رہے تھے سبحان اللہ آج رات کس قدر خزانے نازل کئے گئے اور کس قدر فتنے اتارے گئے، کوئی ہے جو ان حجروں والیوں کو اٹھا دے، مراد اس سے ازواج مطہرات تھیں اور مطلب آپ کا یہ تھا کہ ازواج مطہرات اٹھیں اور نماز پڑھیں اکثر عورتیں ایسی ہیں کہ دنیا میں کپڑے پہننے والی ہیں اور آخرت میں ننگی ہونگی۔ (بخاری)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات گھبراہٹ کی حالت میں بیدار ہو کر فرمایا آج رات بہت زیادہ فتنے اس زمین پر اتارے گئے اور آج کی رات میں بہت زیادہ خزانے زمین پر اتارے گئے اور دنیا میں انسان کے پاس عموماً مال و دولت کا جتنا اضافہ ہوتا ہے اتنے ہی فتنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جس قدر انسان مال سے محبت کرتا ہے اس کی محبت دل میں بیٹھ جاتی ہے آپ نے ازواج مطہرات کو خبردار کر دیا وہ اپنے دلوں کو مال کی طرف متوجہ نہ کریں کیونکہ جس قدر مال کا اضافہ ہوگا انسان کا دل غفلت کا شکار ہو جائے گا ازواج مطہرات نے جب کہ اسلام کی اشاعت ہوئی اور وہ دور دراز کے علاقوں تک پھیل گیا مال و دولت زیادہ ہو گیا بیت المال بھر گئے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے خرچے کا مطالبہ کیا اور اشارۃً نبی ﷺ نے اسی کی تربیت اور اصلاح فرمائی۔

رات کے وقت اللہ عز و جل کی رحمت کا نزول

(۵/۱۱۴۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِيْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَّسْاَلُنِيْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِيْ فَاَغْفِرَلَهٗ (متفق عليه وفي رواية لمسلم) ثُمَّ يَبْسُطُ يَدَيْهِ يَقُوْلُ مَنْ يُّقْرِضُ غَيْرَ عَدُوْمٍ وَلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰى

يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٢٦ حديث رقم (١٦٨۔ ٧٥٨)۔ والترمذي في السنن ٢/٣٠٧ حديث رقم ٤٤٦۔ وابن ماجه ١/٤٣٥ حديث رقم ١٣٦٦۔ والدارمي ١/٤١٣ حديث رقم ١٤٧٩۔ وأحمد في المسند ٢/٢٦٤۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر رات کے آخری ثلث میں ہمارا رب آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کو قبولیت بخشوں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اُسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے میں اس کی مغفرت کردوں۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ فقیر ہے نہ ظلم کرنے والا ہے اور صبح ظاہر ہونے تک یہی اعلان ہوتا رہتا ہے

تشریح ❁ اس حدیث کے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے مالک ہونے کا اور سخاوت کا سمندر بھرا ہوا ہے اور یہ حدیث بہت سے اشارات کنایات اور استعارات پر مبنی ہے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر نزول کا ذکر ہے بظاہر یہ اللہ کی شان کے مناسب نہیں کیونکہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف نزول اور انتقال جسم کے خواص میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے تو اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہاں نزولِ رب سے مراد رب کی رحمت کا نزول ہے۔ کہ رات کے آخری تیسرے حصے میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا آسمان دنیا پر نزول ہوتا ہے اور یہ کہہ کر انسان کو متنبہ اور ہوشیار کیا گیا ہے جو ذات خزانوں کی مالک ہے اور دینے والی ہے وہ بالکل قریب ہے۔ اور اس کے خزانے بھی قریب ہیں اب کون ہے جو اُس ذات سے مانگے ہاتھ اٹھانا اور دامن کو پھیلانا انسان کا کام ہوگا اللہ اس کے دامن کو اور ہاتھوں کو بھردیگا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیا ہوا مال اپنے راستے میں خرچ کرنے کا بھی حکم دیا کہ جو آدمی اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کی رضا جوئی کیلئے اپنا مال خرچ کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ وہ ایسی ذات کو قرض دے رہا ہے جو فقیر نہیں، اور ظالم نہیں وہ ذات تمہارے اخلاصِ نیت اور جذبے کے مطابق اس طرح لوٹائے گا کہ کسی کو دس گنا اضافہ کر کے دے گا اور کسی کو سات سو تک اضافہ کر کے دے گا اور کسی کو اس سے بھی زیادہ اضافہ کر کے دے گا جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا جائے گا اسی قدر اس کا اجر وثواب بھی بڑھتا جائے گا۔

رات میں قبولیتِ دُعا کی گھڑی

(٦/١١٤٣) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِّنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ وَاِيَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٢١ حديث رقم (١٦٦۔ ٧٥٧)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات میں ایک گھڑی ہوتی ہے جو مسلمان اُسے حاصل کرتا ہے اور اُس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی جس خیر کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے عطا کرتا ہے اور قبولیت کی یہ گھڑی ہر رات میں ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح ❁ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ رات میں ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے کہ جب مسلمان آدمی اُس گھڑی کو پالیتا ہے اور اُس گھڑی میں اپنی دینی اور دنیاوی ضرورتوں میں سے جس ضرورت کا اللہ سے سوال کرتا ہے تو اللہ اُس کو محروم نہیں کرتے، بلکہ عطا کرتے ہیں، ایک خوبصورت انداز میں انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ خواب غفلت کو چھوڑے اور اُٹھے اپنی دنیا اور آخرت کو سنوارنے کے لئے نت کرے اور اس میں دین اور دنیا دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے کہ جو انسان دین کو بھول کر دنیا کے پیچھے پڑ جائے اُس کا نتیجہ حسرت

اور ندامت ہے اور جو انسان صرف دین کے پیچھے پڑ جائے اور دنیا سے کنارہ کش ہونے کی کوشش کرے یہ رہبانیت ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے اسلام نے انسان کو راہ اعتدال پر چلنے کا حکم دیا تربیت دی اور اُسی کیلئے متنبہ کیا اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اس حدیث میں کہا گیا ہے انسان کو چاہئے کہ وہ رات کے وقت اُٹھے اور اُس گھڑی کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور پھر اللہ سے دعا کرے اپنے دین اور دنیا دونوں کو سنوارے یہی وجہ ہے کہ عرصہ سے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے رات کے وقت اُٹھتے ہیں اُسی گھڑی کی تلاش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر مانگتے ہیں۔

داؤد علیہ السلام کا صوم وقیام اللہ کو پسند تھا

(۱۱۴۴/۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحَبُّ الصَّلَاةِ اِلَى اللّٰهِ صَلَاةُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّيَامِ اِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوٗدَ كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُوْمُ ثُلُثَهٗ وَيَنَامُ سُدُسَهٗ وَيَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱٦/۳ حديث رقم ۱۱۳۱۔ والنسائي ۲۱٤/۳ حديث رقم ۱٦۳۰۔ وابن ماجه ٥٤٦/۱ حديث رقم ۱۷۱۲۔ وأحمد في المسند ۱٦۰/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کو تمام نمازوں میں سے حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز زیادہ محبوب ہے اور اسی طرح تمام روزوں میں سے داؤد علیہ السلام کا روزہ زیادہ محبوب ہے وہ نصف رات سوتے تھے اور رات کا تیسرا حصہ قیام کرتے تھے اور پھر رات کے چھٹے حصے میں سوتے تھے اور وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز بہت زیادہ پسند تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اس طرح تھی کہ وہ نصف رات تک سو جاتے تھے پھر وہ اٹھ کر وضو کرتے۔ اس کے بعد رات کا تیسرا حصہ اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے انتہائی دل جمعی کے ساتھ اور توجہ کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس کے بعد پھر رات کا چھٹا حصہ سو جاتے تا کہ دن کے وقت طبیعت پر سستی اور بوجھ نہ ہو اور داؤد علیہ السلام کے روزے یہ تھے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اس سے عبادت پر دوام بھی رہتا ہے اور طبیعت میں کمزوری اور سستی بھی پیدا نہیں ہوتی۔

رات کی ضرورت کا عمل

(۱۱۴۵/۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ تَعْنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنَامُ اَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحْيِيْ اٰخِرَهٗ ثُمَّ اِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ قَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ يَنَامُ فَاِنْ كَانَ عِنْدَ النِّدَاءِ الْاَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ فَاَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ جُنُبًا تَوَضَّاَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۲/۳۔ حديث رقم ۱۱٤٦۔ ومسلم في صحيحه ٥۱۰/۱ حديث رقم (۱۲۹۔ ۷۳۹)۔ وأخرجه النسائي في ۲۱۸/۳ حديث رقم ۱٦٤۰۔ وابن ماجه ٤۳٤/۱ حديث رقم ۱۳٦٥۔ وأحمد في المسند ۱۰۲/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے شروع حصہ میں سو جاتے تھے اور رات کے آخری حصہ کو زندہ رکھتے تھے، پھر اگر آپ کو اپنی زوجہ سے کوئی ضرورت ہوتی تو اُس ضرورت کو پورا کرتے، پھر سو جاتے تھے، پھر اگر پہلی اذان کے وقت غسل کی حاجت ہوتی تو غسل کرتے اور اگر غسل کی حاجت نہ ہوتی تو نماز کیلئے وضو کرتے پھر فجر کی دو سنت ادا

کرتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت کا ذکر کیا گیا لیکن اُن احادیث میں انسانی ضرورت اور حاجت کا کوئی ذکر نہیں تھا اس حدیث میں انسانی ضرورت اور حاجت کا ذکر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ انسان اور بشر تھے اور تمام بشری تقاضے اور انسانی لوازمات اور خواص بحیثیت بشر اور انسان ہونے کے ثابت اور لازم تھے اور یہ بھی یاد رہے کہ آپ کی بشریت اور انسانیت کا انکار کفر ہے کیونکہ آپ کی بشریت قرآنی آیات سے ثابت ہے اور آپ کی بشریت کا انکار قرآنی آیات کے انکار کو مستلزم ہے اور قرآنی آیات کا انکار کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا معمول یہ تھا کہ جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو جاتے تو نصف لیل تک سو جاتے اور انسانی ضرورت کو پورا کرتے اس کے بعد اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاتے اور بعض اوقات تہجد کی نماز کے بعد اگر انسانی ضرورت کی حاجت ہوتی تو اُس کو پورا کرتے پھر اُس کے بعد سو جاتے پھر جب اذان ہو جاتی اٹھتے اگر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل کر لیتے ورنہ وضو کر کے صبح کی سنتیں ادا کرتے اور پھر فجر کی نماز کیلئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

الفصل الثانی:

نمازِ تہجد کی فضیلت

(۹/۱۱۴۶) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَّکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ وَمُکَفِّرَةٌ لِّلسَّیِّاٰتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۵۱۶ حدیث رقم ۳۵۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کے قیام کو ضروری سمجھو کیونکہ یہ طریقہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا ہے اور قیام اللیل سے تمہیں اپنے رب کا قرب نصیب ہوگا اور گناہ ختم ہوں گے اور یہ تمہیں گناہوں سے باز رکھے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح اس حدیث کے اندر ایک تہجد کی نماز کی تاکید کی گئی ہے کہ تہجد کی نماز کو ضرور اختیار کرو، اور اس کو اپنے اوپر لازم پکڑ و اور اس کے ساتھ ساتھ چار طرح سے تہجد کی نماز کی فضیلت بیان کی گئی ہے:

① تم سے پہلے صالحین قیام اللیل پر عمل کرتے رہے لہٰذا تم بھی صالحین کے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے صلوٰۃ اللیل کو لازم پکڑو اور اُس پر عمل کرو۔

② صلوٰۃ اللیل سے تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا۔ ③ صلوٰۃ اللیل سے تمہارے گناہ معاف ہوں گے۔

④ صلوٰۃ اللیل تمہیں گناہوں سے روکے گی۔

تہجد پڑھنے والوں کے لئے خوش خبری

(۱۰/۱۱۴۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ یَضْحَکُ اللّٰهُ اِلَیْهِمُ الرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوةِ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ۔

رواه فی شرح السنة۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن

کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھ کر ہنستا ہے، وہ آدمی جو رات کے وقت تہجد کی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے، وہ لوگ جو نماز پڑھنے کیلئے اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں، وہ لوگ جو دشمنوں سے قتال کرنے کیلئے صفوں کو درست کرتے ہیں۔ (شرح السنہ)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کو دیکھ کر اللہ ہنستا ہے۔ اور یہاں ضحک کنایہ ہے خوشی سے، مطلب یہ ہوگا تین قسم کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

① وہ آدمی جو تہجد کی نماز کیلئے اُٹھتا ہے کہ باقی لوگ سو رہے ہیں اور یہ اپنی نیند اور آرام چھوڑ کر خوف اور اُمید سے نماز پڑھنے لگ گیا۔

② وہ لوگ جو نماز باجماعت کیلئے صفوں کو درست کرتے ہیں۔

③ وہ مجاہدین جو میدان جنگ میں دشمنوں کے مقابلے میں صف بندی کرتے ہیں۔

(۱۱/۱۱۴۸) وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَنْبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِىْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَّذْكُرُ اللّٰهَ فِىْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ ۔ (رواہ الترمذی وقال هذاحديث حسن صحيح غريب اسناد)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٣٢ حديث رقم ٣٥٧٩۔ وابن ماجه ١/٤٣٤ حديث رقم ١٣٦٤۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عنبسہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے، لہٰذا اگر تم بھی اُس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں ہو سکتے ہو تو ضرور ہو جاؤ۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ بہت فضیلت والا ہے اس حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قریب ہو جاتا ہے، اور وہ انسان خوش نصیب ہے جو اس حصے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں مشغول ہو جائے ایسے انسان سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے، پھر جو وہ مانگتا ہے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔

عبادت میں خاوند اور بیوی ایک دوسرے کی مدد کریں

(۱۲/۱۱۴۹) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَاَيْقَظَ اِمْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِىْ وَجْهِهَا الْمَآءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِىْ وَجْهِهِ الْمَآءَ ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه ابوداوُد في السنن ٢/١٤٦ حديث رقم ١٤٥٠۔ والنسائي ٣/٢٠٥ حديث رقم ١٦١٠۔ وابن ماجه ١/٤٢٤ حديث رقم ١٣٣٦۔ وأحمد في المسند ٢/٢٥٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُس آدمی پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات کو اُٹھ کر نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو جگائے تا کہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر اُس کی بیوی نہ جاگے تو اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور اللہ تعالیٰ اُس عورت پر بھی اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات کو اُٹھ کر خود بھی نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو بھی جگائے تا کہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر خاوند نہ جاگے تو وہ اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عبادت کے سلسلہ میں خاوند اور بیوی ایک دوسرے کی مدد کریں دوسرے

لوگوں کے بارے میں اصول تو یہ ہے کہ عام لوگوں کو تہجد کیلئے نہ اٹھایا جائے، مگر خاوند اور بیوی کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کہ ان میں سے جو تہجد کا پابند ہے وہ خود بھی اُٹھے اور ساتھ دوسرے کو بھی اُٹھائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مرد اور عورت کیلئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا مانگی ہے۔ اور اگر خاوند بیوی میں سے کوئی بھی اُٹھنے میں سستی کرے، تو دوسرا اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔

دُعا قبول ہونے کا وقت

(۱۳/۱۱۵۰) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلٰوٰتِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٤٩٢ حديث رقم ٣٤٩٩۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، اے اللہ کے رسول کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری یعنی تیسرے حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں دعا کی قبولیت کیلئے دو وقت بیان کئے گئے ہیں:

① رات کے آخری تیسرے حصہ میں، تو اُس وقت انسان اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھے اور ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اُس وقت اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

② فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

جنت کے بالا خانے

(۱۴/۱۱۵۱) وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ غُرَفًا یُرٰی ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ اَلَانَ الْکَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ (رواهُ البیهقی فی شعب الایمان وروی الترمذی) عن علی نحوه وفی روایتہٖ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ۔ (رواه البیهقی)

أخرجه إحمد في المسند ٥/٣٤٢۔ والبيهقي في شعب الايمان ٣/٤٠٤ حديث رقم ٣٨٩٢۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ جن کے باہر کی چیزیں اندر سے اور اندر کی چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں اور یہ بالا خانے اللہ نے ان لوگوں کیلئے تیار کیے ہیں جو دوسرے لوگوں سے نرمی کے ساتھ گفتگو کریں اور غریبوں کو کھانا کھلائیں اور زیادہ سے زیادہ نفلی روزے رکھیں اور رات کے وقت اُٹھ کر ایسے اوقات میں تہجد کی نماز پڑھیں جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اس روایت کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے بھی اس طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے مگر اُن کی روایت میں لمن اطاب الکلام کا لفظ ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں جنت کے بالا خانے اور اُن کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ جنت کے بالا خانے ایسے صاف اور شفاف ہوں گے کہ باہر سے اُن کا اندر نظر آئے گا، اور اندر سے باہر نظر آئے گا، اور یہ بالا خانے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیلئے تیار کیے ہیں جن میں چار صفات پائی جائیں:

① لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں اور نرم انداز کے ساتھ عمدہ گفتگو کریں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی عادت نہ ہو۔

④ ضرورت مندوں اور فقیروں کو کھانا کھلائیں۔ ③ نفلی روزے بہت زیادہ رکھے۔ ④ تہجد کی نماز پڑھیں۔

الفصل الثالث:

تہجد کی نماز شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کی ممانعت

(۱۵/۱۱۵۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاعَبْدَاللّٰهِ لَاتَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۳۷۔ حديث رقم ۱۱۵۲۔ والنسائي ۳/۲۵۳ حديث رقم ۱۷۶۳۔ وابن ماجه ۱/۴۲۲ حديث رقم ۱۳۳۱۔ وأحمد في المسند ۲/۱۷۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: اے عبد اللہ! فلاں آدمی کی طرح نہ ہو جائیں کہ وہ رات کا قیام کرتا تھا پھر اس نے رات کا قیام چھوڑ دیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ تم نے تہجد کی نماز شروع کر دی ہے اب اس کو چھوڑنا نہیں، اور فلاں کہہ کر کسی شخص کی طرف اشارہ کیا کہ فلاں نے تہجد کی نماز شروع کی مگر بعد میں اس کو چھوڑ دیا اس سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کس قدر مکارم اخلاق والے تھے کہ جب حضرت عبداللہ کو سمجھا رہے تھے تو اس آدمی کا نام نہیں لیا تاکہ اس کی تحقیر اور ذلت نہ ہو اور جب کوئی آدمی تہجد کی نماز شروع کر لیتا ہے تو اس کو نیکی اور ثواب کے اعتبار سے زیادتی حاصل ہو جاتی ہے اور تہجد کو چھوڑنا یہ نقصان ہے اور رسول اللہ ﷺ نے زیادتی کے بعد نقصان سے پناہ مانگی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت

(۱۶/۱۱۵۳) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ کَانَ لِدَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّیْلِ سَاعَةٌ یُوْقِظُ فِیْهَا اَهْلَهٗ یَقُوْلُ یَا اٰلَ دَاوٗدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ هٰذِهٖ سَاعَةٌ یَسْتَجِیْبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِیْهَا الدُّعَآءَ اِلَّا لِسَاحِرٍ اَوْ عَشَّارٍ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ۴/۲۲۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی عاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے رات میں ایک وقت مقرر تھا جس میں وہ اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے اور فرماتے اے آلِ داؤد اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایسی گھڑی ہے، جس میں اللہ عزوجل دعا کو قبول کرتا ہے، سوائے جادوگر اور ٹیکس وصول کرنے والے کے (کہ ان کی دعا کو قبول نہیں کرتا) اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے رات میں ایک گھڑی مقرر تھی عبادت کرنے کیلئے اس میں وہ خود بھی اٹھتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے تھے اور فرماتے تھے اٹھو اللہ کی عبادت کرو اور اللہ سے دعا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس گھڑی میں دعا کو قبول کرتا ہے ہاں البتہ اس گھڑی میں دو آدمیوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

① جادوگر، یہ مخلوق خدا کو تکلیف دیتا ہے لوگوں کے ساتھ فریب کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی وجہ سے بہت نقصان اور تکلیف پہنچتی ہے۔

② وہ ڈاکو اور راہ زن جو لوگوں کے راستے میں اور گزرگاہ پر بیٹھ جائیں، لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے مال وصول کریں اور اس میں وہ

لوگ بھی شامل ہیں جو لوگوں سے زکوٰۃ صدقات جمع کریں مگر بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے خود ہڑپ کر جائیں۔

فرض نماز کے بعد صلوٰۃ اللیل کا درجہ ہے

(۱۷/۱۱۵۴)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ۔ (رواہ احمد)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٨٢١ حديث رقم (٢٠٢-١١٦٣)۔ وأبو داود في السنن ٢/٨١١ حديث رقم ٢٤٢٩۔ وأحمد في المسند ٢/٥٣٥۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز وہ ہے جو رات میں پڑھی جائے۔اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کے اندر فرض نمازوں کے بعد زیادہ فضیلت والی نماز تہجد کی نماز کو قرار دیا گیا ہے بعض علماء کے نزدیک حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے کہ فرض نماز کے بعد باقی نمازیں سنت ہیں اور تمام سنت نمازوں میں سے افضل نماز تہجد کی ہے اور بعض علما کے نزدیک سنت نماز اس سے افضل ہے یہی وجہ ہیکہ سنت نماز کو فرضوں سے پہلے یا بعد میں رکھا گیا ہے اور مؤکدہ سنتوں کے علاوہ دیگر تمام نوافل میں سے سب سے افضل تہجد کی نماز ہے۔

تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے

(۱۸/۱۱۵۵) وَعَنْهُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا یُصَلِّیْ بِاللَّیْلِ فَاِذَا اَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ اِنَّهٗ سَیَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

أخرجه أحمد في المسند ٢/٤٤٧ والبيهقي في شعب الايمان ٣/١٧٤ حديث ٣٢٦١۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد کی نماز پڑھتا ہے مگر صبح کو اٹھ کر چوری کرتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا عنقریب اس کی نماز اس کو اس برائی سے روک دے گی جو تو کہتا ہے۔اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تہجد کی نماز کی خاصیت اور تاثیر بیان کی کہ تہجد کی نماز انسان کو برے عمل سے روک دیتی ہے برے عمل سے روکنے کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کسی جسم میں منتقل ہو کر اس آدمی کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ روکنا باعتبار تاثیر اور خاصیت کے ہے کہ جب نماز صحیح معنی میں نماز ہو جائے گی تو وہ انسان کو برے عمل سے روک دے گی جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نماز بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے تو اس آیت میں نماز کی حکمت اور فلسفہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز برے کاموں سے روکتی ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آدمی کو نماز چوری سے روک دے گی۔

سب گھر والے تہجد پڑھیں

(۱۹/۱۱۵۶)وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَیْقَظَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّیَا اَوْصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ جَمِیْعًا کُتِبَ فِی الذَّاکِرِیْنَ وَالذَّاکِرَاتِ۔ (رواہ ابو داود وابن ماجۃ)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٢/٧٣ حديث رقم ١٣٠٩۔ وابن ماجه في السنن ١/٤٢٣ حديث رقم ١٣٣٥۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی آدمی رات کے وقت اپنی بیوی کو جگائے اور وہ دونوں نماز پڑھیں یا یہ فرمایا دونوں میں سے ہر ایک دو رکعتیں اکھٹی پڑھیں تو ان کو ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اہل سے مراد صرف بیوی بھی ہوسکتی ہے جیسے کہ تثنیہ کا صیغہ اسی پر دلالت کرتا ہے کہ میاں بیوی دونوں اٹھ کر نماز پڑھیں اور یہاں اکٹھا نماز پڑھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے جماعت کی نماز مراد نہیں، مراد یہ ہے کہ پڑھیں نماز علیحدہ علیحدہ مگر اسی وقت میں دونوں نماز پڑھ لیں، تو اس صورت میں ان کو ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جو اللہ کا ذکر کرنے میں مشغول رہتے ہیں یعنی مرد کو ذکر کرنے والے مردوں میں لکھا جائے گا اور عورت کو ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے اس حدیث میں اہل سے مراد گھر کے تمام افراد ہوں کہ سب نماز پڑھیں، تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اہل وعیال سب مل کر تہجد کی نماز پڑھیں۔

بلند مرتبہ لوگ

(۲۰/۱۱۵۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشْرَافُ اُمَّتِىْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّيْلِ۔

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

أخرجه البيهقى فى شعب الايمان ۲/۵۵٦ حديث رقم ۲۷۰۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے بلند مرتبہ لوگ قرآن کریم کے اٹھانے والے اور رات کے وقت اٹھنے والے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے روایت کیا شعب الایمان میں۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے بلند مرتبہ لوگ دو قسم کے ہیں:

① حاملین قرآن: اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو قرآن کریم کو یاد کریں اور قرآن کریم کو سمجھیں اور قرآن کریم کے مطابق عمل کریں، قرآن نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے ان کو کریں، اور جن سے منع کیا ہے ان سے رُک جائیں۔

② اصحاب اللیل: وہ لوگ جو شب بیداری کرتے ہیں، اور رات کے وقت اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور تہجد کی نماز میں طویل قیام کرتے ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صلوٰۃ اللیل

(۲۱/۱۱۵۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُصَلِّىْ مِنَ اللَّيْلِ مَاشَآءَ اللّٰهُ حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ لِلصَّلَاةِ يَقُوْلُ لَهُمُ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَتْلُوْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْاَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك فى الموطأ ۱/۱۱۹ حديث رقم ٥ من كتاب صلاة الليل۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عمر بن الخطاب رات کے وقت جتنا اللہ چاہتا نماز پڑھتے تھے، اور جب رات کا آخر ہوتا تو اپنی بیوی کو بھی نماز کے لئے بیدار کرتے اور کہتے اٹھو اور نماز پڑھو اس کے بعد قرآن کریم کی آیت پڑھتے کہ اپنی اہل کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس کی مشقتوں پر صبر کرو، ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے آپ کو بھی رزق ہم دیتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگار لوگوں کیلئے ہے۔ اس حدیث کو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں صلوٰۃ اللیل کے متعلق حضرت عمرؓ کا معمول بیان کیا گیا ہے کہ آپؓ رات کے وقت اٹھتے جس قدر اللہ کو منظور ہوتا اتنی نماز پڑھتے، اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتے کہ اٹھ کر تم بھی نماز پڑھ لو اور پھر تائید میں یہ آیت پڑھتے ﴿وأمر اهلك﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ خود بھی نماز پڑھیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی نماز پر لگائیں اور اس کی مشقتوں پر صبر کریں اگر کوئی رزق اور معاش کی تلاش میں نماز ضائع کردے تو یہ درست نہیں، اللہ یہ نہیں پوچھے گا کہ رزق کتنا کمایا تھا رزق دینے والا تو اللہ ہے لہٰذا عبادت کرو، نیک اعمال اور اہل وعیال کو نماز پر لگاؤ اور تقویٰ اختیار کرو آخرت کا اچھا انجام کامیابی اور سعادت پرہیزگار لوگوں کیلئے مقدر ہے۔

بَابُ الْقَصْدِ فِی الْعَمَلِ

اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان

اس باب میں ایسی احادیث ذکر کی جائیں گی جن میں یہ مذکور ہوگا کہ جس طرح دنیاوی امور میں حد سے آگے بڑھنا غیر نفع بخش ہے اسی طرح دینی امور میں بھی حدِ اعتدال سے آگے بڑھنا غیر مفید اور تھکا دینے والا ہے بلکہ دینی کاموں میں بھی میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ افراط وتفریط سے محفوظ رہے اور اعمال پر مداومت ہو جو کہ اصل مطلوب ہے اور اس لئے بھی اعتدال ضروری ہے کہ دین متین کا مزاج ہی میانہ روی ہے۔

الفصل الاول:

حضور ﷺ کے اعمال میں بھی اعتدال تھا

(۱/۱۱۵۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يَصُوْمَ مِنْهُ وَيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَّكَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ. (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۲/۳۔ حديث رقم (۱۱۴۱)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مہینہ کے اکثر ایام میں نفلی روزہ نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ حضور ﷺ اس مہینہ میں نفلی روزے نہیں رکھیں گے اور آپ ﷺ اسی مہینہ یا کسی دوسرے مہینہ میں نفلی روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپ ﷺ اس مہینہ کا کوئی دن بھی بغیر روزے کے نہیں رہیں گے۔ اور اگر آپ ﷺ کو رات میں (نفل) نماز پڑھتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ لیتے اور اگر تم حضور ﷺ کو رات کو سوتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو بھی دیکھ لیتے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: حدیث مبارکہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نفلی اعمال میں بھی میانہ روی اختیار کرتے تھے مثلاً نہ ہی آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے جس سے افراط لازم آتا اور نہ ہی ہمیشہ روزہ کے بغیر رہتے تھے جس سے تفریط لازم آئے بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کا معمول زندگی یہ تھا کہ آپ ہر مہینہ کے کچھ ایام روزہ رکھتے تھے مثلاً ایام بیض وغیرہ اور کچھ ایام افطار کرتے تھے اور روزہ نہیں رکھتے تھے۔

نفل نمازوں میں بھی اعتدال فرماتے تھے مثلاً رات کا کچھ حصہ نوافل پڑھتے اور کچھ حصہ آرام فرماتے تھے غرض حضور ﷺ نے ہر کام میں میانہ روی اختیار فرمائی، حد اعتدال سے کمی اور زیادتی نہیں کی اور یہ سب کچھ حضور ﷺ نے اپنی اُمت کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے امت کی تعلیم کیلئے کیا تاکہ امت کے عابدین کیلئے راستہ متعین ہو جائے اور عبادت میں اُن کیلئے آسانی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل

(۲/۱۱۶۰)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۹۴/۱۱۔ حديث رقم ۶۴۶۲۔ ومسلم في صحيحه ۵۴۱/۱ حديث رقم (۲۱۸۔ ۷۸۳)۔ والترمذي في السنن ۱۳۱/۵ حديث رقم ۲۸۵۶۔ والنسائي ۲۲۲/۳ حديث رقم ۱۶۵۵۔ ومالك في الموطأ ۱۷۴/۱ حديث رقم ۹۰ من كتاب قصر الصلاة ۔ وأحمد في المسند ۴۰/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (بندوں کے نیک اعمال میں) اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو کہ ہمیشہ کیا جائے اگر چہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ عمل چاہے تھوڑا ہی ہو لیکن اس کو ہمیشہ کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس عمل سے محبوب ہے کہ جو زیادہ ہو اور کچھ عرصہ کیا جائے۔

حضرت پیر مظہرؒ جانِ جاناں کا فرمان ہے کہ صوفیاء کرام اسی حدیث مبارکہ کی وجہ سے روزمرہ کے وظائف کے ترک کرنے کو فرائض کے ترک کرنے کے برابر بُرا سمجھتے ہیں۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ فرائض اور وظائف کے ترک میں فرق ہے کیونکہ فرائض کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے اور وظائف کو چھوڑنا ترکِ اولیٰ ہے اور اولیٰ چیز کا چھوڑنا یہ فرائض کے چھوڑنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جب بغیر ضرورت کے فرائض کو چھوڑ دیا، تو گویا کہ اس بندہ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت سے اعراض کیا اور جو اللہ کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کرتا ہے وہ مستحق عذاب بن جاتا ہے اور جو ہمیشہ عبادت پر قائم رہتا ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ اللہ کا محبوب ہو کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض نہیں کیا۔

وان قل: اس کا مطلب یہ ہے کہ آداب اور شرائط کے لحاظ رکھنے کے بغیر جو عمل کیا جاتا ہو، اگر چہ وہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو یا کچھ عرصہ کرنے کے بعد اس کو چھوڑ دیا گیا ہو اس سے وہ عمل اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے جو کہ تھوڑا ہو لیکن آداب اور شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو ہمیشہ کیا جائے۔

عبادت ہمیشہ اپنی طاقت کے مطابق کرنی چاہیے

(۳/۱۱۶۱) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَايَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۱۳/۴۔ حديث رقم ۱۹۷۰۔ ومسلم في صحيحه ۵۴۰/۱۔ حديث رقم (۲۱۵۔ ۷۸۲) والنسائي ۲۱۸/۳ حديث رقم ۱۶۴۲۔ وابن ماجه ۱۴۱۶/۲ حديث رقم ۴۲۳۸۔ و مالك في الموطأ ۱۱۸/۱ حديث رقم ۴ من كتاب صلاة الليل ۔ وأحمد في المسند ۶۱/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اعمال میں سے اتنی ہی مقدار عمل کرنا اختیار کرو جتنی مقدار (ہمیشہ) کرنے کی طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں اکتاتا، یہاں تک کہ تم خود اُکتا جاؤ گے (یعنی تنگ ہو کر عبادت چھوڑ دو گے)۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح ۞ حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر زیادہ عبادات کو لازم نہ کرو جن کو ہمیشہ کرنے کی تمہارے اندر طاقت نہ

ہو بلکہ اتنی ہی عبادت کو اپنے اوپر لازم کرو جن کو تم ہمیشہ کر سکو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے میں تنگی نہیں فرماتے بلکہ ہر عمل پر اس کے برابر ثواب عطا کرتے رہیں گے تم خود تنگ ہو کر عبادت کو چھوڑ دو گے، تو ظاہر ہے پھر ثواب بھی بند ہو جائے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو عبادت میں حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے بلکہ اپنی طاقت کے مطابق میانہ روی سے عبادت کو اخلاص اور شوق سے جاری و ساری رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بھی ہمیشہ ملتا رہے

جب تک دل جمعی ہو تب تک عبادت کرنی چاہئے

(۱۱۶۲/۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ وَاِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ. (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۶/۳۔ حديث رقم ۱۱۵۰۔ ومسلم في صحيحه ۵۴۱/۱ حديث رقم ۷۸٤/۲۱۹۔ وأبوداوٗد في السنن ۷۵/۲ حديث رقم ۱۳۱۲۔ والنسائي ۲۱۸/۳ حديث رقم ۱۶٤۳۔ وابن ماجه ٤۳۶/۱ حديث رقم ۱۳۷۱۔ وأحمد في المسند ۱۰۱/۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چاہئے کہ تم میں سے کوئی اسی وقت تک نماز پڑھے جب تک نشاط و چستی رہے اور جب طبیعت بوجھل ہو جائے تو بیٹھ جائے (یعنی نفل نماز چھوڑ دے)۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح ۞ حاصل یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں انقباض اور سستی نہ ہو تو اس وقت تک نماز پڑھے اور عبادت میں مشغول رہے اور اپنی آخرت کو اجالا کرنے کیلئے خوب محنت کرے لیکن جب سست ہو جائے اور طبیعت پر ملال آ جائے تو عبادت کو ترک کر دے اور اگر یہ خیال کرتے ہوئے کہ آئندہ عبادت میں خوش دلی پیدا ہو جائے فی الوقت عبادت کو چھوڑ کر کسی اور مباح کام میں مشغول ہو جائے تو وہ بھی عبادت ہی شمار ہو گا مثلاً سو جائے اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم کی نیند بھی عبادت ہے کیونکہ وہ آرام بھی اس غرض سے کرتا ہے تاکہ جسم میں نشاط پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین پھیلانے اور درس و تدریس کے اندر وہ معین و مددگار ثابت ہو۔

نفس کو مجاهده کی عادت ڈالنی چاہیئے: یہ بات یاد رہے کہ نفس کو زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگانا چاہئے تاکہ عبادت کی مشقت اُٹھانے کی طبیعت خوگر اور عادی ہو جائے سست مزاج لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہئے جو کہ تھوڑی سی عبادت اور تھوڑے سے عمل سے بھی تھک جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عبادت کو ادھورا چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اگر زیادہ عبادت کرنے کی عادت پڑ جائے تو پھر جتنی بھی عبادت لمبی ہو طبیعت ملال و تھکاوٹ محسوس نہیں کرتی چنانچہ اکثر یہ تجربے میں آیا ہے کہ جن لوگوں کو دو رکعت نماز اور ایک پارہ تلاوت بھی گراں معلوم ہوتی تھی انہوں نے جب اپنے نفس کو عبادت میں لگایا اور ریاضت میں خوب محنت کی اور اپنی طبیعت کو ابدی سعادتوں کے حصول کی خاطر مشقت و محنت کا عادی بنا لیا تو ان کو سو رکعات نماز نفل اور پورے قرآن کی تلاوت بھی بہت آسان معلوم ہوتی ہے۔

بزرگوں کے حالات و واقعات اس چیز کے واضح شواہد ہیں کہ پوری رات عبادت کرتے تھے اکتاتے نہیں تھے اور ایک دن میں پورا قرآن تلاوت کر لیتے تھے اور یہ اشتیاق ہمیشہ قائم رہتا تھا۔

سخت نیند کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہیے

(۱۱۶۳/۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ۔ (متفق عليه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵٤۲/۱ حديث رقم ۷۸۶/۲۲۲۔ وأبوداوٗد في السنن ۷٤/۲ حديث رقم ۷٤/۲ حديث رقم

۱۳۱۰۔ والترمذی ۸۶/۲ حدیث رقم ۳۵۵۔ وابن ماجه ٤٣٦/١ حدیث رقم ۱۳۷۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی دوران نماز اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ سو جائے یہاں تک کہ نیند چلی جائے، اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی ایک اُونگھتا ہوا نماز پڑھتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ وہ استغفار کر رہا ہے یا کہ اپنے نفس کو گالی دے رہا ہے (یعنی اپنے لئے بددعا کر رہا ہے)۔

تشریح ۞ نیند کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے جب دل و دماغ حاضر نہ ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ ایسے وقت میں نہ تو دل و دماغ انسان کے قابو میں رہتا ہے اور نہ ہی زبان، ایسی حالت میں انسان کچھ اور کہنا چاہتا ہے مگر بسا اوقات زبان سے کوئی اور لفظ نکل جاتا ہے وہ انسان اپنی آخرت کو بنانے کی کوشش کر رہا ہے مگر غلط الفاظ کی ادائیگی کی وجہ سے یہ بڑا دور جا رہا ہے۔ مثلاً ایک آدمی اُونگھ کی حالت میں نماز پڑھتا ہے اور دل دماغ پر سستی اور غفلت کا پردہ ہے اب وہ اس حالت میں یہ پڑھنا چاہتا ہے قل یا ایها الکافرون لا اعبد ما تعبدون۔ ''اے کافرو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو''۔

مگر نیند کا غلبہ اور غفلت اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا کرا رہی ہے قل یآ ایها الکافرون اعبد ما تعبدون کہہ دیں ''اے کافرو میں ان کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو''۔

اندازہ کیا' آپ نے کہ غلبہ نیند اور غفلت کی وجہ سے ایک لاَ کے نہ ہونے نے کیا گل کھلائے کہ کافروں کے معبودوں سے بے زاری کا اعلان کرنا چاہتا ہے لیکن اُن سے اتحاد اور ان کے معبودوں کی عبادت کا اقرار کر بیٹھا۔ اس لئے جب انسان پر نیند کا غلبہ ہو تو ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ اصل نماز تو وہ ہے جس میں خشوع اور خضوع ہو یعنی عاجزی اور مکمل اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ایسی حالت میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

جب میں ہوا سربسجود تو زمین سے آنے لگی صدا ☆ تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

دین میں خوامخواہ اپنے عمل سے سختی نہ کی جائے

(۱۱۶۴/۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَّلَنْ يُّشَآدَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلاَّ غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٥٨٧٠/٢۔ حدیث رقم ١١١٧۔ والترمذی فی السنن ٢٠٨/٢ حدیث رقم ٣٧٢۔ وابن ماجه ٣٧٦/١ حدیث رقم ١٢٢٣ وأحمد فی المسند ٤٢٦/٤۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا' بے شک دین آسان ہے اور ہرگز نہیں سختی کرتا دین میں کوئی شخص مگر دین اس پر غالب آ جاتا ہے (یعنی زائد کام جو شروع کیا ہے اس کو ادا نہیں کر سکتا) لہٰذا دینی امور میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی بساط کے مطابق عمل کرو اور خوش رہو (اللہ تعالیٰ کے اکرام اور انعامات کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرو صبح اور شام اور رات کے آخری حصہ میں۔ (بخاریؒ)

تشریح ۞ دین آسان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دین انسانی مزاج اور فطرت کے عین مطابق ہے اور انسان اس پر بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مزاج کو لا سکتا ہے اور اپنے جوارح و خواطر کو اس کا ہمنوا بنا سکتا ہے، ہاں اگر خود ہی اپنے اوپر بے جا پابندیاں لگائے اور اعمال میں اضافہ کرے تو یہ اس کی اپنی بے وقوفی ہے کہ ایک غیر لازم چیز کو اپنے اوپر لازم کر رہا ہے جس طرح کہ یہودیوں نے اپنے اوپر رہبانیت کو لازم کیا اور اس کو ادا نہ کر سکے۔

دین اس پر غالب آجاتا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اوپر غیر لازم چیزوں کو فرض ولازم کر لیتا ہے اور مشکل طریقوں سے عبادت کرنا شروع کر دیتا ہے تو ہمیشہ حالات وصحت ایک جیسی نہیں ہوتے بعد میں وہ اس کو پورے طریقے سے کما حقہ ادا نہیں کر سکتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین اس پر غالب آجاتا ہے یعنی وہ نہیں کر سکتا اور مغلوب ہو جاتا ہے۔

قاربوا: یعنی آسان اعمال اختیار کر کے دینی معاملات اور امور کے قریب ہو جاؤ اور بے جا پابندیاں لگا کر اور غیر لازم امور شاقہ کو شروع کر کے اپنے آپ کو دین سے دور نہ کرو کیونکہ جب یہ اعمال وہ نہیں کرے گا تو دین سے دوری ہی ہوگی۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ قاربوا سددوا کی تاکید ہے یعنی میانہ روی اختیار کرو لہٰذا جو معنی سددوا کے ہیں وہی معنی قاربوا کے ہیں، بعض حضرات نے ان میں فرق بیان کیا ہے کہ قاربوا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔

خُلاصۃُ الکلام: حدیث مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو بہت زیادہ عبادت میں نہ لگاؤ کہ ہر وقت ہی عبادت میں لگے رہو بلکہ اوقات مقررہ میں پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، وہی تمہاری نجات کیلئے کافی ہے اور شیٔ من الدلجۃ سے مراد تہجد کی نماز ہے کیونکہ وہ اقرب الی الاجابت ہے۔ کہ جب ساری دنیا سو رہی ہو اس وقت یہ آدمی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو تو اس کے مقدر کے کیا کہنے۔

جو وظائف اور اذکار رات کو رہ جائیں دن میں کر لے

(۱۱۶۵/۷) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَیْءٍ مِنْهُ فَقَرَاَهٗ فِیْمَا بَیْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَأَهٗ مِنَ اللَّیْلِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲/۵۸۶۔ حديث رقم ۱۱۱۶۔ والترمذی فی السنن ۲/۲۰۷ حديث رقم ۳۷۱۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا رات کا پورا وظیفہ پڑھے بغیر یا اس کے کچھ حصہ کو پڑھے بغیر سو گیا اور پھر وہ اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیتا ہے تو اس کے لئے (ثواب میں) یہی لکھا جائے گا کہ گویا کہ اس نے اس کو رات میں ہی پڑھا ہے۔ (مسلمؒ)

یعنی اگر کسی شخص نے رات کے لئے کوئی وظیفہ یا ورد مقرر کیا ہوا تھا اور وہ روزانہ رات کو اسے پڑھ کر سوتا تھا اور کسی دن وہ کسی مجبوری کی وجہ سے اسکو نہ پڑھ سکا تو ثواب کے اعتبار سے ایسے ہی ہے جیسا کہ اس نے اسکو رات میں پڑھا ہو، اور اگر کسی نے دن کیلئے کوئی وظیفہ مقرر کر رکھا ہو، اور مصروفیت کی وجہ سے اگر کبھی دن کو نہ کر سکے بلکہ رات کو کر لے، تو بھی اس کے لئے دن کو کرنے کا ثواب لکھا جائے گا۔

رات کو ذکر کرنے کی وجہ: حدیث میں رات کے وظیفہ کے رہ جانے کا ذکر اسلئے فرمایا کہ رات کو نیند کے غلبہ کی وجہ سے عموماً وظائف پورے ادا نہیں ہو سکتے اور دن کو چونکہ ایسی غفلت نہیں ہوتی اور اور ادبھی ادا ہو جاتے ہیں اسلئے رات کا خاص طور پر ذکر کیا۔

نماز ہر حالت میں پڑھی جائے

(۱۱۶۶/۸) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰی جَنْبٍ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲/۵۸۷۔ حديث رقم ۱۱۱۷۔ والترمذی فی السنن ۲/۲۰۸ حديث رقم ۳۷۲۔ وابن ماجه ۱/۳۷۶ حديث رقم ۱۲۲۳ وأحمد فی المسند ۴/۴۲۶۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کھڑے ہو کر پڑھو، پس اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتے ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتے، تو کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھو۔

(بخاریؒ)

تشریح ۞ اگر کوئی شخص سخت بیماری کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو وہ بیٹھ کر اپنی نماز کو ادا کر لے اور اگر مرض اور معذوری اتنی زیادہ ہو کہ بیٹھ کر بھی نماز ادا نہیں کر سکتا تو لیٹ کر نماز ادا کر لے اور رکوع وسجدہ کے لیے اشارہ کرے اور قبلہ رُخ ہو کر لیٹے، لیکن اگر کوئی انسان خود بھی قبلہ کی طرف منہ نہ کر سکے اور ساتھ کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو تو جس طرف بھی منہ ہو اسی طرف لیٹنے کی حالت میں نماز ادا کر لے۔

عند الاحناف لیٹ کر نماز پڑھنے کا طریقہ: احناف کے نزدیک لیٹ کر نماز پڑھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہو کر ٹانگوں کو قبلہ کی طرف لمبا کر کے چت لیٹ جائے اور گردن اور سر کے نیچے کوئی تکیہ وغیرہ رکھ لے تاکہ سر اونچا ہو جائے اور پھر سر کے اشارہ سے نماز پڑھے۔

دلیل: دارقطنیؒ کی روایت سے چت لیٹ کر نماز پڑھنے کا اثبات معلوم ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں انسان صحیح قبلہ سمت ہوتا ہے۔

جواب حدیث مذکور: اس حدیث میں کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے کا ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم راوی حدیث یعنی حضرت عمران بن حصینؓ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ ان کو بواسیر کی بیماری تھی وہ چت نہیں لیٹ سکتے تھے۔

فائدہ: یہ اجازت فرض نمازوں کے بارے میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ بحالت عذر نفل نمازوں کو اس طرح پڑھنا بطریق اولی جائز ہوگا۔

بغیر عذر نفل نماز بیٹھ کر نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ ثواب کی کمی ہے

(۹/۱۱۶۷) وَعَنْهُ اَنَّهُ سَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ اِنْ صَلّٰی قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰی قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰی نَائِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۸٦۔حدیث رقم ۱۱۱٦۔ والترمذی فی السنن ۲/۲۰۷حدیث رقم ۳۷۱۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے آقا مدنی ﷺ سے اس شخص کی نماز کے متعلق پوچھا جو کہ نفل نماز (بلا عذر) بیٹھ کر پڑھتا ہے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ کھڑے ہو کر پڑھ لے تو یہ زیادہ افضل ہے اور جو شخص (بلا عذر) بیٹھ کر نفل نماز پڑھے گا تو اس کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے نصف اجر کے برابر اجر وثواب ہوگا اور جو شخص لیٹ کر نفل نماز پڑھے، اس کیلئے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے اجر کے نصف کے برابر اجر ہوگا۔ (بخاریؒ)

تشریح ۞ ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے کہ بغیر عذر کے اگر کوئی شخص بیٹھ کر نفل نماز پڑھتا ہے تو اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابلے میں آدھا ثواب ملے گا، ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھتا ہے تو پھر ثواب نصف نہیں ہوگا، بلکہ اس کو پورا ثواب ملے گا، اور یہ حکم بھی نفل نمازوں کا ہے کہ اگر کھڑے ہو کر پڑھے گا تو پورا ثواب اور اگر بیٹھ کر پڑھے گا تو آدھا ثواب ہوگا۔ فرض نماز کا یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ فرض نماز بلا عذر شرعی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہی نہیں۔

بلا عذر لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قیام یا قعود کی حالت میں رکوع اور سجدہ کے ساتھ نفل نماز ادا کر سکتا ہے تو آیا وہ لیٹ کر بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں، تو اس میں علماء امت کے دو قول ہیں:

قول اول: جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بلا عذر لیٹ کر بھی نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے اور بلا عذر لیٹ کر نماز پڑھنے والے کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے مقابلے میں نصف ثواب ملے گا۔ امام حسن بصریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

دلیل: حدیث مذکورہ ہے کہ اس میں لیٹ کر بلا عذر نفل پڑھنے کا جواز منقول ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور دیگر بعض ائمہ کے نزدیک بلا عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔
دلیل: حدیث مذکورہ کا جواب دیتے ہیں کہ یہ نفل نمازوں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ فرض نماز کے بارے میں ہے کہ اگر بحالت عذر سخت مشقت اور تکلیف کو برداشت کر کے ایک آدمی بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتا ہے تو وہ اگر لیٹ کر نماز ادا کرتا ہے تو اس کو ایسی بیماری کی حالت میں مشقت برداشت کر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے مقابلے میں نصف ثواب ملے گا کیونکہ یہ عزیمت کو چھوڑ کر رخصت پر عمل کر رہا ہے جو کہ درجہ میں کم ہے۔

الفصل الثانی:

باوضو ہو کر لیٹنے اور سونے کی فضیلت

(۱۱۶۸/۱۰) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ اَوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ طَاهِرًا وَّذَكَرَ اللّٰهَ حَتّٰی یُدْرِكَهُ النُّعَاسُ لَمْ یَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِّنَ اللَّیْلِ یَسْاَلُ اللّٰهَ فِیْهَا خَیْرًا مِّنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ ذَكَرَ النَّوَوِیُّ فِیْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَایَةِ ابْنِ السُّنِّیْ۔

أخرجه ابن السني في اليوم والليلة ص ٢٣٤ حديث رقم (٧٢٢)۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آقا مدنی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص بحالت پاکی اپنے بستر پر لیٹنے کیلئے آئے اور نیند آنے تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، تو وہ رات کی کسی گھڑی میں کروٹ نہیں بدلے گا مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی خیر مانگ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو یہ ضرور عطا فرما دیتے ہیں۔ (اس کو امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں ابن السنی کی روایت سے نقل کیا ہے)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو باوضو ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے سونا چاہیے تاکہ اس انسان پر بحالت نیند بھی رب کریم کی رحمتیں برستی رہیں اور اس طرح اگر سونے کی حالت میں ہی اگر موت آجائے تو ذکر اللہ کی حالت میں سونے کی وجہ سے خاتمہ بالخیر ہو جائے گا۔
نیز اس ارشاد پاک سے معلوم ہوا کہ اگر آنکھ کھل جائے تو اس وقت بھی اپنے مولیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائیاں مانگنی چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ کے دو محبوب بندے

(۱۱۶۹/۱۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَجُلَیْنِ رَجُلٌ ثَارَ عَنْ وِطَائِهٖ وَلِحَافِهٖ مِنْ بَیْنِ حِبِّهٖ وَاَهْلِهٖ اِلٰی صَلَاتِهٖ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَآئِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ ثَارَ عَنْ فِرَاشِهٖ وَوِطَائِهٖ مِنْ بَیْنِ حِبِّهٖ وَاَهْلِهٖ اِلٰی صَلٰوتِهٖ رَغْبَةً فِیْمَا عِنْدِیْ وَشَفَقًا مِّمَّا عِنْدِیْ وَرَجُلٌ غَزَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَانْهَزَمَ مَعَ اَصْحَابِهٖ فَعَلِمَ مَا عَلَیْهِ فِی الْاِنْهِزَامِ وَمَالَهٗ فِی الرُّجُوْعِ فَرَجَعَ حَتّٰی هُرِیْقَ دَمُهٗ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَآئِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ رَجَعَ رَغْبَةً فِیْمَا عِنْدِیْ وَشَفَقًا مِّمَّا عِنْدِیْ حَتّٰی هُرِیْقَ دَمُهٗ (رواه فی شرح السنة)

أخرجه أحمد في المسند ٤١٦۔ والبغوي في شرح السنة ٤/٤٢ حديث رقم ٩٣٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا رب کریم دو آدمیوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے، ایک تو اُس آدمی سے جو رات اپنے نرم بستر اور لحاف اور اپنی محبوب بیوی کے پاس سے اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کیلئے آتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو میرے بندے کی طرف اپنے نرم بستر اور لحاف اور اپنی محبوب بیوی کے پاس سے اپنی نماز پڑھنے کیلئے اُٹھ گیا ہے اس چیز کے شوق میں جو میرے پاس ہے (یعنی جنت اور اس کی نعمتیں) اور اس چیز کے ڈر سے جو میرے پاس ہے (یعنی دوزخ اور اس کی مصیبتیں)۔ اور دوسرے اس شخص سے جس نے اپنے رب کی راہ میں جہاد کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت میدانِ جنگ سے بھاگ گیا، مگر جب اس کو میدان کارزار سے بھاگنے کی سزا اور پھر میدان جنگ واپس آنے کا ثواب یاد آیا تو وہ واپس میدان جنگ میں لوٹ کر آ گیا (اور لڑتا رہا) یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا (یعنی شہید ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی طرف دیکھو کہ وہ میدانِ جنگ میں واپس آ گیا ان چیزوں کے شوق میں جو میرے پاس ہیں (یعنی جنت اور اس کی نعمتیں) اور ان چیزوں کے ڈر سے جو میرے پاس ہیں (یعنی دوزخ اور اس کی تکالیف) یہاں تک کہ لڑتا رہا حتیٰ کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔ (شرح السنہ)

تشریح ۞ سرکارِ دو عالم ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی انسان رات کے پُرسکون ماحول میں نرم بستر اور بیوی کو چھوڑ کر میری رضا کی خاطر اور جزاء اور انعام کے شوق میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اندر مشغول ہو جاتا ہے، تو ایسا شخص حقیقۃً کامیاب ہے اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب ہے اس لئے کہ رات کے پُرسکون ماحول میں نرم بستر اور بیوی ہی انسان کو زیادہ پسند ہوتی ہے لیکن وہ انسان یہ سوچ کر کہ دنیا کی تمام پسندیدہ چیزیں دنیا میں قلت اور دماغ کیلئے راحت و آرام کا ذریعہ بن سکتی ہیں لیکن نہ تو یہ قبر کے تاریک گھڑے میں کام آئیں گی اور نہ ہی میدانِ حشر میں سہارا ہوں گی اور نہ ہی عندالمیزان سرخروئی کا سبب ہوں گی بلکہ اس وقت میں صرف اللہ کریم کی عبادت اور اس کی پکار کام آئے گی اور وہ سعادت دارین کا ذریعہ ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے انسان کو بہت ہی پسند فرماتے ہیں اور اس کو سعادت دارین ضرور عطا کریں گے۔

الفصل الثالث:

بعض عبادات میں حضور ﷺ امت سے ممتاز تھے

(۱۲/۱۱۷۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى رَأْسِهٖ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ قُلْتَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلٰوةِ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٨٧/٢۔ حديث رقم ١١١٧۔ ومسلم في صحيحه ٥٠٧/١ حديث رقم (١٢٠۔ ٧٣٥)۔ والنسائي ٢٢٣/٣ حديث رقم ١٦٥٩۔ وأحمد في المسند ٤٤٣/٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کی نماز نفل جو بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھی گئی ہو کھڑے ہو کر پڑھی ہوئی نماز کے نصف کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ خود بیٹھ کر نفل نماز پڑھ رہے تھے، تو میں نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھ دیا، پس آپ ﷺ نے (نماز سے فراغت کے بعد) فرمایا کیا ہوا تجھے اے ابن عمرو ؓ! تو میں نے جواباً عرض کیا کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز آدھی ہوتی ہے اور حال یہ ہے کہ آپ ﷺ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ (مسلم)

تشریح ۞ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو آنحضرت ﷺ سے والہانہ محبت تھی اور آپ ﷺ کے ساتھ گہرا تعلق تھا اس بنا پر عرب کے مشہور طریقے کو سامنے رکھتے ہوئے بوقت تعجب اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے سر مبارک پر رکھا کیونکہ یہ قدیم عرب سے عادت چلی آرہی تھی کہ جس سے عقیدت ہوتی اس سے کوئی تعجب میں ڈالنے والی بات دیکھتے تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تھے اور اس کو بدتمیزی یا سوئے ادبی بالکل نہیں خیال کیا جاتا تھا، ابن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے تکلفی اور گہرے تعلق کی وجہ سے ہی حضور ﷺ نے بھی بطور تعجب کے ان کو پوچھا کہ اے ابن عمروؓ کیا بات ہے؟

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو تعجب اس بات پر ہوا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا ثواب کے اعتبار سے آدھا ہے، تو خود کیوں بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔

اور حضور ﷺ کے جواب کا منشاء یہ تھا کہ مجھے دوسروں پر قیاس نہ کرو، اور دوسروں کو مجھ پر بھی مت قیاس کرو، کیونکہ یہ میری خصوصیت ہے کہ اگر میں بیٹھ کر بھی نماز پڑھوں تو مجھے پوری طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب اللہ کریم عطا فرما دیتے ہیں، جب کہ امت کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔

نماز راحت و آرام کا سبب ہے

(۱۳/۱۱۷۱) وَعَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ لَيْتَنِیْ صَلَّيْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَكَاَنَّهُمْ عَابُوْا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلٰوةَ يَا بِلَالُ اَرِحْنَا بِهَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٥/٢٦٢ حديث رقم ٤٩٨٥۔

ترجمہ: حضرت سالم بن ابی الجعدؒ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنوخزاعہ کے آدمی نے ایک دن کہا کاش! میں نماز پڑھتا اور راحت پاتا، پس جب لوگوں نے اسکے اس قول کو برا سمجھا تو وہ کہنے لگا میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے (حضرت بلالؓ کیلئے) اے بلال! نماز کیلئے اقامت یعنی تکبیر کہو تاکہ ہم نماز ادا کرنے کے ساتھ راحت حاصل کریں۔ (ابوداؤدؒ)

تشریح ۞ نماز کے اندر اللہ کریم نے ایک ایسی خاصیت رکھی ہے کہ جب کوئی اس کو پڑھتا ہے تو اس کے ذریعے سے اسکے دل و دماغ اور اعضاء کو حقیقی سکون اور راحت نصیب ہوتی ہے اور اس کو اک عجیب قسم کا سرور ملتا ہے اور اس کے دل و دماغ اس سرور سے معطر ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ نماز اخلاص اور خشوع اور خضوع کے ساتھ پڑھی گئی ہو، ورنہ فریضہ تو ادا ہو جائے گا لیکن یہ تاثیر میسر نہیں ہوگی یہ اسی صورت میں ہے کہ جب مکمل حضور قلب ہو غیر کی طرف بالکل توجہ نہ ہو۔

اس آدمی نے جو یہ کہا کہ میں نماز سے راحت پالوں، اس کا مطلب یہ تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے رب کے سامنے نماز پڑھوں اور قراءت قرآن اور مناجاب ربی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و اذکار کے ذریعے راحت اور سکون حاصل کروں۔

اور لوگوں کے برا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ لفظ ذو معنی تھا کیونکہ اس کے دو معنی ہیں (۱) میں نماز کے ذریعے آرام پاؤں (۲) میں نماز سے آرام پاؤں یعنی جلدی پڑھ کر آرام سے بیٹھ جاؤں تو اب وہ پہلا معنی مراد لے رہے تھے اور لوگوں نے دوسرا مراد لے لیا اس لیے اس آدمی نے اپنی تائید اور براءت کیلئے حضور ﷺ کے فرمان کا حوالہ دیا کہ میری مراد یہ ہے نہ کہ جو تم لوگوں نے سمجھی۔

باقی حضور ﷺ کی راحت اور آپ ﷺ کا سکون صرف نماز پڑھنے میں ہی تھا باقی دنیا کے تمام معاملات کو آپ ﷺ رنج اور تکلیف کا ذریعہ سمجھتے تھے نماز میں راحت اور سکون اس لیے ہوتا تھا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز ہوتا ہے اور ایک کامل و اکمل بندہ کیلئے اپنے ربّ کے ساتھ مناجات میں ہی رہنا سب سے بڑی راحت اور سکون کا سبب ہوتا ہے، جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کہ میرا سکون اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز پڑھنے میں ہے۔

بَابُ الْوِتْرِ

نماز وتر کا بیان

وتر کا لغوی معنی ہے طاق، اور فقہاء کی اصطلاح میں صلوٰۃ وتر اس نماز کو کہتے ہیں، جس کا وقت عشاء کے بعد ہوتا ہے اور عام طور پر فوراً عشاء کی نماز کے بعد اس کو ادا کیا جاتا ہے، اس باب میں اسی نماز کے بارے میں بیان ہوگا۔

صلٰوۃ وتر کا حکم: صلوٰۃ وتر واجب ہے یا سنت، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صلوٰۃ وتر واجب ہے۔

امام شافعیؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک وتر سنت ہے۔

رکعات وتر: تعداد وتر میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں، اور جمہور ائمہ کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے لیکن ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کے لیے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور ائمہ کے نزدیک بھی وتر کی تین رکعتیں ہیں صرف فرق یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ایک سلام کے ساتھ ہے اور جمہور کے نزدیک دو سلاموں کے ساتھ ہیں۔

طریقہ وتر: احناف کے نزدیک مغرب کی نماز کی طرح وتر کی تین رکعات پڑھی جائیں گی، فرق صرف یہ ہوگا کہ فرض کی صرف دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملائی جاتی ہے جبکہ وتر کی تینوں رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت ملائی جاتی ہے اور تیسری رکعت میں سورت ملانے کے بعد ہاتھ کانوں تک اٹھا کر پھر باندھے اور آہستہ آواز کے ساتھ دعائے قنوت پڑھے، اور دعائے قنوت یہ ہے:

اللهم انا نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك ونتوكل عليك ونثنى عليك الخير ونشكرك ولا نكفرك ونخلعُ ونترك من يفجرك. اللهم اياك نعبد ولك نصلى ونسجد واليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشى عذابك ان عذابك بالكفار ملحق.

اے اللہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے ہی اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور تجھ پر ہی ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی تعریف کرتے ہیں، اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں، اور تیری ناشکری نہیں کرتے۔ اور ہم الگ ہوتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔ اے اللہ بے شک ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے لیے ہی نماز پڑھتے ہیں اور تیرے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں، اور تیری طرف ہی دوڑتے ہیں، اور عبادت میں مستعدی اور جلدی کرتے ہیں، اور ہم تیری رحمت کے ہی امیدوار ہیں، اور تیرے عذاب سے ہی ڈرتے ہیں، بے شک تیرا عذاب کافروں کو ملنے والا ہے۔

اگر اس کے بعد یہ دعا پڑھ لے تو نور علی نور ہے:

اللهم اهدنى فيمن هديت وعافنى فيمن عافيت وتولنى فيمن توليت وبارك لى فيمآ اعطيت وقنى شر ما قضيت فانك تقضى ولا يقضٰى عليك فانه لا يذلّ من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت.

اے اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت عطا فرما ان لوگوں کے ساتھ جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی اور مجھے مصائب سے ان لوگوں کے ساتھ بچا جن کو تو نے بچایا اور مجھ سے محبت کر ان لوگوں میں جن سے تو نے محبت کی، اور تو برکت ڈال اس میں جو تو نے مجھے عطا کیا، اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہیں اور بے شک تو فیصلہ و حکم کرنے والا ہے تیرے خلاف فیصلہ اور تجھ پر حکم نہیں کیا جا سکتا، بے شک نہیں

ذلیل ہوتا وہ شخص جس سے تو محبت کرے اور نہیں عزت پا سکتا وہ شخص جس سے تو دشمنی کرے، برکت والی ہے تیری ذات، اے ہمارے رب تو بزرگ و برتر ہے۔

فائدہ: اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہ ہو تو وہ یہ دعا پڑھ لے۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنةً وفی الأخرة حسنةً وقنا عذاب النار ''اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما، اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔

اگر کوئی شخص یہ بھی نہ جانتا ہو تو وہ تین بار اللهم اغفر لی یا یا ربّ پڑھ لے۔

الفصل الاوّل:

(۱/۱۱۷۲)عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُکُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَکْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۴۷۷۔ حدیث رقم ۹۹۰۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۵۱۶ حدیث رقم (۱۴۵۔۷۴۹)۔ وأبو داؤد فی السنن ۲/۸۰ حدیث رقم ۱۳۳۶ والترمذی ۲/۳۰۰ حدیث رقم ۴۳۷۔ والنسائی ۳/۲۳۳ حدیث رقم ۱۶۹۴۔ والدارمی ۱/۴۰۴ حدیث رقم ۱۴۵۸۔ ومالك فی الموطأ ۱/۱۲۳ حدیث رقم ۱۳ من كتاب صلاة الليل۔ واحمد فی المسند ۲/۵۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے، پس جب خوف ہو تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا تو ایک رکعت پڑھ لے یہ پہلی پڑھی ہوئی رکعتوں کو طاق کر دے گی۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ کے دو اجزاء ہیں اس کے جز اول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رات کے نوافل کو دو دو رکعتیں کر کے پڑھنا چاہیے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعیؒ اور حضرات صاحبینؒ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ رات میں دو دو رکعت کر کے نوافل ادا کیے جائیں یعنی ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے۔

جز ثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ رات میں نوافل کے اندر مشغول ہونے والے کو جب یہ خطرہ ہو کہ صبح صادق طلوع ہونے والی ہے تو وہ اب ایک رکعت پڑھ لے جو کہ رات کو پڑھی ہوئی تمام نوافل کی رکعات کو طاق کر دے گی۔

امام شافعیؒ نے اسی حدیث مبارکہ کو وتر کی ایک رکعت کے ثبوت کیلئے دلیل بنایا ہے۔

صلی رکعة واحدة: کے بارے میں ترجمان احناف فی الحدیث حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ علیحدہ سلام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے بلکہ اس ارشاد پاک کا مطلب یہ ہے کہ نوافل کی رکعات کی طرح وتر کی پہلی دو رکعتیں پڑھ کر پھر تیسری رکعت اسی سلام کے ساتھ پڑھ لے اس سے پہلی تمام رکعات طاق ہو جائیں گی۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت الگ سلام کے ساتھ پڑھے، لہٰذا ایک رکعت الگ سلام کے ساتھ پڑھنے پر اس حدیث مبارکہ کو دلیل بنانا بالکل درست نہیں۔

رکعاتِ وتر اور صحابہ کرام ؓ: حضرات صحابہ میں کبار صحابہ کرامؓ وتر کی تین رکعات کے قائل تھے مثلاً حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ۔ حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ وتر کی تین رکعات کے قائل تھے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے سعید بن میسبؒ کو ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگے کہ وتر تین رکعات پڑھا کرو، آئندہ اگر ایک رکعت پڑھی تو میں تم کو سزا دونگا۔ اور حضرات صحابہؓ کے دور میں وتر کی تین رکعات ہی مشہور تھیں ایک رکعت کو تو اکثر لوگ جانتے بھی نہیں تھے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ نے جب امیر المومنین

حضرت معاویہؓ کو وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو بڑی حیرت کا اظہار کیا اور ابن عباسؓ کو اپنی اس حیرت سے آگاہ فرمایا، تو انہوں نے یہ کہہ کر جواب دیا کہ امیر معاویہؓ فقیہ ہیں، میں ان پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

رکعات وتر اور فقہاء: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں، یہی اکثر صحابہ اور سلف کا معمول ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے موطا میں تین رکعت وتر کی تصریح فرمائی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے بھی مولیٰ ابن عباس والا واقعہ نقل فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی تین رکعات وتر کے قائل ہے۔ حضرات احناف تو پہلے ہی اس بات کے قائل ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں۔

دلیل احناف: حضرات صحابہ کرام کا عمل کہ بہت سے صحابہ کرام وتر کی تین رکعات کے قائل تھے۔

احادیث مبارکہ: بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

حدیث ① بخاری میں روایت ہے حضرت عائشہؓ سے کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں بوقت تہجد گیارہ رکعات پڑھتے تھے، آٹھ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ حدیث ② ترمذی میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں سورۃ التکاثر، سورۃ القدر اور سورۃ الزلزال پڑھتے تھے، اور دوسری رکعت میں سورۃ العصر، سورۃ النصر اور سورۃ الکوثر پڑھتے تھے، اور تیسری رکعت میں سورۃ الکافرون، سورۃ لھب اور سورۃ اخلاص پڑھتے تھے یعنی وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھتے تھے۔ حدیث ③ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے۔

حدیث ④ حضرت عبدالعزیز بن جریج کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ آنحضرت وتر کی نماز میں کیا پڑھتے تھے؟ تو ام المؤمنینؓ نے جواباً فرمایا کہ آپ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھتے تھے۔

صلوٰۃ وتر آخر لیل میں پڑھی جاسکتی ہے

(۲/۱۱۷۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵۱۸/۱ حديث رقم (۱۵۳۔ ۷۵۲)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اشاد فرمایا کہ وتر کی ایک رکعت ہے رات کے آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے۔ (مسلم)

تشریح ۞ الوتر رکعۃ: کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی ایک رکعت ہے جو کہ پہلی دو رکعت کے ساتھ ملی ہوئی ہے یعنی ایک سلام کے ساتھ ہی وتر کی اس رکعت کو بھی پڑھا جائے، اس طرح وتر کی تین رکعات ہو جائیں گی۔

وجہ تاویل یہ ہے کہ تاکہ وہ احادیث جن سے وتر کی تین رکعات کا اثبات ہوتا ہے ان میں اور اس حدیث میں تطبیق ہو جائے۔

وقت وتر: صلوٰۃ وتر پڑھنے کا افضل ترین وقت یہ ہے کہ وتر کو صلوٰۃ تہجد کے بعد پڑھے لیکن عام طور پر رات کو سونے سے قبل ہی پڑھی جاتی ہے کیونکہ نماز تہجد کیلئے اٹھنا یقینی نہیں ہوتا اس لیے پہلے ہی پڑھ لے تاکہ ضائع نہ ہو، ہاں جس کو یقین ہو کہ وہ تہجد کیلئے اٹھ جائے گا تو اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ وہ وتر کو تہجد کی نماز کے بعد پڑھے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا۔

شیخ عبدالحق دہلویؒ کے نزدیک یہ حدیث وتر کی ایک رکعت پر دلیل ہے، تین رکعات پر جو احادیث دلیل ہیں وہ آگے آرہی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ اللیل کے مختلف طریقے تھے

(۳/۱۱۷۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَايَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/ ۲۰۔ حديث رقم ۱۱۴۔ ومسلم في صحيحه ۱/ ۵۰۸ حديث رقم (۱۲۳۔ ۷۳۷)۔ وأبوداوٗد في السنن ۲/ ۸۵ حديث رقم ۱۳۳۸۔ والترمذي ۲/ ۳۲۱ حديث رقم ۴۵۹۔ والدارمي ۱/ ۴۴۸ حديث رقم ۱۵۸۱۔ وأحمد في المسند ۶/ ۱۶۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم رات میں (تہجد کیلئے) تیرہ رکعات پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعتیں بطور وتر کے پڑھتے تھے۔ اور ان میں تشہد کیلئے صرف آخری رکعت میں ہی بیٹھتے تھے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح ✿ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ تہجد کئی طریقوں سے منقول ہے، ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی آٹھ رکعات دو دو رکعات کر کے پڑھتے تھے اور آخری پانچ رکعات ایک سلام اور تشہد واحد کے ساتھ پڑھتے اور اس میں وتر کی بھی نیت کر لیتے تھے اور درمیان میں تشہد کیلئے بھی نہیں بیٹھتے تھے اور نہ ہی سلام پھیرتے تھے اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح معلوم ہوتا ہے کہ پانچ رکعات اس طرح ایک سلام کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

اب یہ کہ آیا ایک سلام سے پانچ رکعات پڑھنا عند الفقہاء کیسا ہے تو اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں:

مذہب اوّل: بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

مذہب ثانی: بعض فقہاء کے نزدیک اس طرح پانچ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ وہ حضرات اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں دو طرح پر:

① ولا یجلس فی شیء الا فی اٰخرہ: کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ رکعات میں سے صرف آخری رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے درمیان میں سلام نہیں پھیرتے تھے چنانچہ ان حضرات کی تائید ان بعض روایات سے بھی ہوتی ہے، جن میں ولم یسلم الا فی اٰخرہٖ مذکور ہے۔

② دوسری تاویل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوائے آخری رکعت کے جلوس کو طویل نہیں فرماتے تھے بلکہ جلدی کھڑے ہو جاتے تھے اور بغیر سلام کے کھڑے ہو جاتے تھے۔

چار رکعت سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کا مسئلہ: چار رکعات سے زیادہ نماز ایک سلام کے ساتھ پڑھنا بالاتفاق حضرات فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ احناف کے نزدیک بھی ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعات تک پڑھنا بلا کراہت جائز ہے لیکن آٹھ رکعات سے زیادہ نماز ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا

(۴/۱۱۷۵) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ بَلٰى قَالَتْ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ الْقُرْاٰنُ قُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ كُنَّا نُعِدُّ لَهٗ سِوَاكَهٗ وَطَهُوْرَهٗ فَيَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَاشَاءَ اَنْ

يَبْعَثَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي تِسْعَ رَكْعَاتٍ لَايَجْلِسُ فِيْهَا اِلاَّ فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمِدُهُ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمِدُهُ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ مَايُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا اَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَخَذَ اللَّحْمُ اَوْتَرَبِسَبْعٍ وَّصَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيْعِهِ فِي الْاُوْلٰى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَابُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى صَلَاةً اَحَبَّ اَنْ يُّدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ اِذَاغَلَبَهٗ نَوْمٌ اَوْوَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشَرَةَرَكْعَةً وَّلَا اَعْلَمُ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ وَّلَا صَلّٰى لَيْلَةً اِلَى الصُّبْحِ وَلَاصَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَرَمَضَانَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ١/٥١٢ حديث رقم (١٣٩ ـ ٧٤٦)۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ ام المؤمنین مجھے حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں بتلائیں۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا، کیا آپؓ نے قرآن مجید نہیں پڑھا؟ تو میں نے عرض کیا کیوں نہیں (میں نے پڑھا ہے) تو فرمایا کہ حضور ﷺ کا خلق قرآن مجید تھا (یعنی آنحضرت ﷺ کی اخلاقی زندگی قرآن مجید کا عملی نمونہ تھی اور آپ ﷺ کی عادت میں ہی سما چکا تھا قرآن مجید پر عمل کرنا) پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے حضور ﷺ کے وتر کے بارے میں خبر دیں (کہ وتر کی کتنی رکعات پڑھتے تھے اور کس طرح اور کس وقت پڑھتے تھے)۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں حضور ﷺ کیلئے پہلے ہی مسواک اور وضو کا پانی تیار کر دیتی تھی جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو رات میں اٹھانا چاہتے تو اس وقت اٹھا دیتے چنانچہ بیداری کے بعد حضور ﷺ مسواک کرتے اور پھر وضو کرتے اور نو/۹ رکعات پڑھتے تھے اور آٹھویں رکعت کے سوا کسی رکعت کے بعد قعدہ نہیں کرتے تھے جب آٹھویں رکعت پڑھ لیتے تو اب تشہد کیلئے بیٹھتے اور خدا کا ذکر کرتے اور حمد باری تعالیٰ بجالاتے اور دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھتے) پھر سلام پھیرے بغیر نوی رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے پھر نویں رکعت پڑھ کر تشہد کیلئے بیٹھتے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد بیان کرتے اور اس سے دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے ہمیں سناتے ہوئے (یعنی با آواز بلند سلام پھیرتے) پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے تو یہ کل گیارہ رکعتیں ہو جاتی تھیں، اے میرے بیٹے۔ پھر جب حضور ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے (اور بڑھاپے کی وجہ سے) جسم پر گوشت زیادہ ہو گیا (یعنی جسم مبارک بھاری ہو گیا) تو وتر سمیت سات رکعتیں پڑھتے تھے اور کرتے تھے (وتر کے بعد والی) دو رکعتوں میں جس طرح پہلے کرتے تھے یعنی ان کو بیٹھ کر پڑھتے تھے، پس یہ نو رکعتیں ہو گئیں، اے بیٹے حضور ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ جب کوئی نماز شروع فرماتے تو اس کو ہمیشہ جاری رکھنا پسند فرماتے تھے۔ اور آپ ﷺ پر جب نیند غالب آ جاتی یا کوئی تکلیف پیش آ جاتی جو کہ قیام اللیل سے مانع ہو جاتی تو آپ ﷺ دن میں بارہ رکعتیں پڑھتے تھے (زوال سے قبل) اور مجھے معلوم نہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن پڑھا ہو یا مسلسل صبح تک نماز پڑھی ہو اور مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کے علاوہ کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۔ (مسلمؒ)

تشریح ۞ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ جب بھی کوئی نفلی کام شروع فرماتے تو اس کو ہمیشہ کرتے تھے ہاں اگر کوئی عذر پیش آ جاتا یا کوئی بیماری وغیرہ آ لیتی تو پھر با امر مجبوری چھوڑ دیتے تھے یا کبھی کبھی بیانِ جواز کیلئے بھی ترک فرما دیتے تھے۔

سوال: ام المؤمنین کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے رمضان المبارک کے علاوہ کسی اور مہینہ کے نفلی روزے پورے مہینہ نہیں رکھے اور اُن کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے شعبان کا پورا مہینہ روزے رکھے۔ بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اُن کی ایک تیسری روایت خود تعارض ختم کر دیتی ہے۔ کہ شعبان کے روزوں سے مراد پورا مہینہ نہیں بلکہ اکثر ایام مراد ہیں کہ شعبان کے اکثر ایام حضور ﷺ نفلی روزہ رکھتے تھے۔

وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم

وتر کے بعد دو رکعات پڑھنے کا اثبات بہت سی روایات سے ثابت ہے لیکن ابھی آنے والی حدیث میں وارد ہے کہ وتر کی نماز کو رات کی آخری نماز بناؤ، تو اس حدیث اور باقی آحادیث میں تعارض ہے، رفع تعارض میں علماء امت کے چند مذہب ہیں:

نمبر ①: امام مالکؒ نے تو اُن احادیث کا انکار فرما دیا ہے جو کہ وتر کے بعد دو رکعات پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایسی روایات بالکل درست نہیں ہیں۔

نمبر ۲: امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نہ میں پڑھتا ہوں اور نہ پڑھنے والے کو روکتا ہوں، الغرض ان کے نزدیک بھی عدم صحت راجح ہے۔

نمبر ۳: عند الجمہور وتر کے بعد دو رکعات کثرت روایات سے ثابت ہیں، لہٰذا ان کو پڑھا جائے گا اور روایات میں تعارض کو رفع کرنے کیلئے تطبیق کی جائے گی اور ان احادیث میں تطبیق کیلئے دو دو تطبیقیں کی گئی ہیں:

تطبیق نمبر ①: اجعلوا اخر صلوتکم باللیل وترا: کا مطلب یہ ہے کہ ان دو رکعات کے علاوہ باقی اور نفل نمازیں وتروں کے بعد نہ پڑھو، یعنی یہ دو رکعات اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں۔

تطبیق نمبر ②: اجعلوا اخر صلوتکم باللیل وترا: یہ روایت استحباب پر محمول ہے، نہ کہ وجوب پر۔ تو اس لیے کبھی وتروں کے بعد دو رکعات نفل پڑھ لینے چاہئیں اور کبھی ترک کر دینا چاہئیں تاکہ دونوں طرح کی روایات پر عمل ہو جائے۔

اس کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ حضور ﷺ شب کے اول حصہ میں وتروں کے بعد یہ دو رکعت پڑھتے تھے یا کہ آخر شب میں صلوٰۃ تہجد کے بعد جب وتر پڑھتے تھے تو پھر پڑھتے تھے تو اس مسئلہ میں بھی روایات متعارض ہیں، حضرت ابو امامہ باہلیؓ والی روایت مطلق ہے اس میں اول شب یا آخر شب کا ذکر نہیں صرف اتنا مذکور ہے کہ حضور ﷺ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر نماز نفل پڑھتے تھے۔

اور حضرت ثوبانؓ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جب اول شب میں وتر پڑھتے تو اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

بخاریؒ اور مسلمؒ اور مؤطا کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ آخر اللیل میں صلوٰۃ تہجد کے بعد جب وتر پڑھتے تھے تب اس کے بعد بیٹھ کر یہ دو رکعات نفل پڑھتے تھے زیادہ راجح یہی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں پڑھ لے تاکہ دونوں طرح کی روایات پر عمل ہو جائے۔ بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ یہ دو رکعات نماز نفل وتر کے ملحقات میں سے ہیں یعنی وتر کی سنتیں ہیں جس طرح کہ باقی نمازوں کی سنتیں ہیں، یعنی جس طرح باقی فرض نمازوں سے قبل یا بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح یہ وتر کی سنتیں ہیں، جو کہ اس کے بعد پڑھی جائیں گی۔

وتر کا مستحب وقت

(۵/۱۱۷۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۴۸۸۔ حديث رقم ۹۹۸۔ ومسلم في صحيحه ۱/۵۱۷ حديث رقم (۱۵۱۔ ۷۵۱)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی رات کی نمازوں میں سے آخری نماز وتر کی نماز کو بنالو۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں وتر کی نماز کو رات کی آخری نماز قرار دینے کے متعلق امر استحباب پر محمول ہے نہ وجوب پر

مطلب یہ ہے کہ وتر کو رات کے آخری حصہ میں پڑھنا زیادہ مستحب ہے۔

(۶/۱۱۷۷)وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۱۷ حديث رقم (۱۴۹۔ ۷۵۰)۔ والترمذی فی السنن۲/۳۳۱ حديث رقم ۴۶۷۔ وأحمد في المسند.۲/۳۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح کے آثار ظاہر ہونے پر وتر پڑھنے میں جلدی کرو۔ (مسلمؒ)

احناف کے نزدیک وتر واجب ہیں لہٰذا صبح ہونے سے قبل وتر ضرور پڑھے، اگر نہیں پڑھ سکتا تو ان کی قضا واجب ہے اگر قضا نہیں کرے گا تو ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، ہاں جن ائمہ کے نزدیک وتر سنت ہے واجب نہیں اُن کے ہاں دن کو قضا لازم نہیں ہے۔

جس کو صلوٰۃ اللیل کا شوق ہو وہ وتر اس کے بعد پڑھے

(۷/۱۱۷۸)وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلَاةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَّذٰلِكَ اَفْضَلُ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۲۰ حديث رقم (۱۶۲۔ ۷۵۵)۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۱۷ حديث رقم ۴۵۵۔ وابن ماجه ۱/۳۷۵ حديث رقم ۱۱۸۷۔ ومالك في الموطأ ۱/۱۲۴ حديث رقم ۱۸ كتاب صلاة الليل ۔ وأحمد في المسند ۳/۳۸۹۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آقائے کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو خوف ہو کہ وہ آخر لیل میں بیدار نہیں ہو سکے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ شروع رات میں ہی وتر پڑھ لے اور جس شخص کو آخر لیل میں اٹھنے کی امید ہو تو وہ رات کے آخر میں ہی وتر پڑھے کیونکہ رات کے آخری نماز وتر ہوتی ہے (یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں، اور یہی افضل ہے یعنی رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا۔ (مسلمؒ)

تشریح ۞ آخری شب میں وتر پڑھنا اس لئے بھی زیادہ ثواب رکھتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت برستی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتوں کے انوار و برکات کی وجہ سے اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا باقی آخری رات کی فضیلت اور برکات کے بارے میں گذشتہ احادیث کے اندر وضاحت ہوگئی ہے۔ تو اس میں وتر پڑھنے سے وتر افضل وقت میں بھی ادا ہوگا اور ثواب بھی زیادہ ہوگا کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے ذریعے صدا دی جاتی ہے کہ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں، اور کوئی ہے رزق طلب کرنے والا کہ میں اس کو رزق دوں اس وقت میں جو تہجد اور وتر پڑھ کر مانگے تو پھر اس کے کیا کہنے۔

صلوٰۃ وتر رات کے ہر حصہ میں پڑھی جاسکتی ہے

(۸/۱۱۷۹)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَاَوْسَطِهٖ وَاٰخِرِهٖ وَانْتَهٰى وِتْرُهٗ اِلَى السَّحَرِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۴۸۶۔ حديث رقم ۹۹۶۔ ومسلم في صحيحه ۱/۵۱۲ حديث رقم (۱۳۷۔ ۷۴۵)۔ والترمذی في السنن ۲/۳۱۸ حديث رقم ۴۵۶۔ والنسائي ۳/۲۳۰ حديث رقم ۱۶۸۱۔ وابن ماجه ۱/۳۷۵ حديث رقم ۱۱۸۶۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں صلوٰۃ الوتر پڑھی، یعنی ابتدائی رات میں بھی اور اس کے درمیانی حصہ میں بھی اور رات کے آخری حصہ میں بھی، لیکن آخری عمر میں وتر کیلئے رات کا آخری

حصہ یعنی وقت سحر مقرر کرلیا تھا۔ (بخاریؒ)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الوتر رات کے کسی بھی حصہ میں پڑھی جاسکتی ہے صرف آخری حصہ میں پڑھنا زیادہ افضل اوراولیٰ ہے۔

صلوٰۃ الضحیٰ کی اہمیت

(۱۱۸۰/۹)وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِيْلِیْ بِثَلاَثٍ صِيَامُ ثَلاَثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۵۶۔ حديث رقم ۱۱۷۸۔ ومسلم ۱/۴۹۹ حديث رقم (۸۰۔ ۷۲۱)۔ وأبوداود في السنن ۲/۱۳۸۔ حديث رقم ۱۴۳۲۔ والترمذي ۳/۱۳۳ حديث رقم ۷۶۰۔ والنسائي ۳/۲۲۹ حديث رقم ۱۶۷۷۔ والدارمي ۱/۴۰۲ حديث رقم ۱۴۵۴۔ وأحمد في المسند ۲/۴۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محسن دوست نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ ① ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھنے کی۔ ② دو رکعت چاشت کی نماز پڑھنے کی اور تیسری یہ کہ میں وتر پڑھ لوں سونے سے پہلے پہلے۔ (بخاریؒ)

تشریح ۞ ہر مہینہ کے تین روزے رکھنے کی تعیین میں علماء امت کے اقوال مختلف ہیں:

قول اوّل: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہر مہینہ کے تین روزوں سے مراد ایام بیض کے روزے ہیں یعنی ہر مہینہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کے روزے۔ کیونکہ حضور ﷺ خود بھی اکثر ان ایام کے روزے رکھتے تھے۔

قول ثانی: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہر عشرے میں ایک روزہ رکھا جائے مثلاً ایک روزہ پہلے عشرے میں اور ایک دوسرے عشرے میں اور ایک تیسرے عشرے میں رکھے تاکہ تینوں عشروں میں ایک ایک روزہ ہوجائے جس طرح شوال کے روزوں میں مستحب ہے کہ دو پہلے عشرے میں رکھے اور دو دوسرے عشرے میں رکھے اور دو تیسرے عشرے میں رکھے۔

قول ثالث: بعض علماء کے نزدیک ہر عشرے کے اول میں ایک ایک روزہ رکھ لے۔

قول رابع: ایک قول یہ ہے کہ ان میں اختیار ہے مہینہ کے اندر جب چاہے رکھ لے پہلے قول کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے۔

صلوٰۃ الضحیٰ: اس سے مراد چاشت یا اشراق کی نماز ہے یہ نمازیں سورج کے بلند ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہیں ان کی ادنیٰ تعداد دو رکعات ہے، اور چاشت کی زیادہ سے زیادہ رکعات بارہ ہیں اور اشراق کی چھ ہیں ان میں اشراق کی نماز سورج کے نکلنے کے بعد جلدی پڑھی جاتی ہے اور چاشت تقریباً گھنٹے دو ٹھہر کر پڑھنی چاہیے۔

ان اوتر: حضرت ابوہریرہؓ صفہ کے عظیم طالب علم تھے اور آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ کو یاد کرنے میں دن رات مشغول رہتے تھے اور خاص کررات کو دیر تک تکرار اور دہرائی کرتے، تاکہ مضبوطی سے یاد ہوجائیں، اس لئے رات کافی دیر تک جاگتے رہتے تھے اور دینی مشغولیت کی وجہ سے اُن کیلئے بوقت سحر اٹھنا محال تھا اور مشکل تھا اس لئے حضور ﷺ نے انہیں وصیت فرمائی کہ آپ سونے سے قبل ہی وتر پڑھ لیں تاکہ آپ کے وتر قضا نہ ہوجائیں۔ اس دینی مشغولیت کی وجہ سے انہیں چاشت کی بھی دو رکعات پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ علم دین کی اشاعت اور اس کے درس و تدریس میں مشغول ہونا اور علم دین کی ترویج میں مشغول ہونا نفلی عبادت سے افضل ہے۔

الفصل الثانی:

آنحضرت ﷺ نے ہر عمل اپنی اُمت کی آسانی کیلئے آسان کر کے کیا

(۱۰/۱۱۸۱) عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَرَأَيْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ اَمْ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يُوْتِرُ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ اَمْ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ اَمْ يَخْفِتُ قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَ بِهٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ قُلْتُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً۔ (رواہ ابوداود وروی ابن ماجۃ اَلْفَصْلَ الْاَخِیْرَ)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۱۵۳ حدیث رقم ۲۲۶۔ وابن ماجه ۱/ ۴۳۰ حدیث رقم ۱۳۵۴۔

ترجمہ: حضرت غضیف بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ شروع رات میں غسل جنابت فرمالیتے تھے یا کہ آخر رات میں (یعنی جماع سے فراغت کے بعد فوراً غسل کرتے تھے یا کہ اس وقت سو جاتے اور بوقت سحر اٹھ کر غسل کرتے تھے) تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کبھی شروع رات میں ہی غسل کر لیتے تھے اور کبھی رات کے آخر میں غسل کرتے تھے، میں نے اللہ اکبر کہا کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے ہر معاملہ دینی میں آسانی پیدا فرمائی اور میں نے پھر پوچھا کہ حضور ﷺ وتر اول لیل میں پڑھتے یا کہ آخر لیل میں پڑھتے تھے تو فرمایا کبھی اول لیل میں یعنی سونے سے قبل ہی وتر پڑھ لیتے اور کبھی آخر لیل میں وتر پڑھتے تھے میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے دینی معاملات میں آسانی عطا فرمائی۔ اور میں نے پھر پوچھا کہ آپ ﷺ قراءت بلند آواز سے فرماتے تھے یا کہ پست آواز میں تو فرمایا کبھی بلند آواز میں پڑھتے تھے اور کبھی پست آواز میں پڑھتے تھے تو میں نے کہا اللہ اکبر! تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے دین کے ہر امر میں آسانی عطا فرمائی۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے ابن ماجہ نے اس کا صرف آخری حصہ نقل کیا ہے۔

رکعاتِ صلوٰۃ تہجد کی تعداد

(۱۱/۱۱۸۲) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَّثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَّثَلَاثٍ وَّثَمَانٍ وَّثَلَاثٍ وَعَشْرٍ وَّثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَّلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/ ۹۷ حدیث رقم ۱۳۶۲۔ وأحمد فی المسند ۶/ ۱۴۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے تو فرمایا کبھی چار اور تین (یعنی سات) اور کبھی چھ اور تین (یعنی نو/۹) اور کبھی آٹھ اور تین (یعنی گیارہ) اور کبھی دس اور تین (یعنی ۱۳) رکعتوں کے ساتھ وتر ادا کرتے تھے اور آپ نے وتروں سمیت سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ صلوٰۃ تہجد نہیں پڑھی۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وتر کی تین رکعات ہیں کیونکہ چار اور تین کا مطلب یہ ہے کہ چار رکعات صلوٰۃ تہجد اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور چھ اور تین کا مطلب یہ ہے کہ چھ رکعات صلوٰۃ تہجد ہوتی تھی اور تین وتر جن کا مجموعہ نو

ہے اور آٹھ اور تین سے مراد بھی یہ ہے کہ آٹھ رکعات صلوٰۃ تہجد اور تین رکعات صلوٰۃ وتر ہوتی تھی اور مجموعی تعداد ان کی گیارہ ہو جاتی تھی اور دس اور تین سے مراد یہ ہے کہ دس رکعتیں نماز تہجد ہوتی تھی اور تین وتر جن کا مجموعہ تیرہ ہے۔

اور اس حدیث مبارکہ کے آخر میں جو کہا گیا ہے کہ وتروں سمیت صلوٰۃ تہجد سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ نہیں پڑھی یہ باعتبار اغلب کے ہے ورنہ اس سے کم بھی ثابت ہے کہ بسا اوقات دو رکعات تہجد اور تین وتر پڑھتے اور بسا اوقات پندرہ اور سترہ رکعتیں بھی پڑھی ہیں، یہ نفی صرف اکثر اور اغلب کے اعتبار سے ہے۔

صلوٰۃِ وتر کا پڑھنا واجب ہے

(۱۲/۱۱۸۳)وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَۃٍ فَلْیَفْعَلْ۔

(رواہ ابو داود والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجه أبوداود فی السنن ۲/۱۳۲ حدیث رقم ۱٤۲۲۔ والنسائی ۳/۲۳۸ حدیث رقم ۱۷۱۲۔ وابن ماجه ۱/۳۷٦ حدیث رقم ۱۱۹۰۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب فرماتے ہیں کہ سرکار طیبہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وتر کی نماز پڑھنا ہر مسلمان پر حق (یعنی واجب ہے) ہے پس جس کا دل چاہے پانچ رکعات پڑھنا تو وہ پانچ رکعات پڑھ لے اور جو شخص تین پڑھنا پسند کرتا ہے وہ تین پڑھ لے اور جو ایک ہی رکعت پڑھنا پسندیدہ سمجھتا ہے وہ ایک ہی پڑھ لے۔ (ابن ماجہ)

تشریح ۞ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حق کا معنی ہے لازم اور واجب ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ وتر پڑھنا واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک حق کا معنی ہے ثابت کہ وتر ثابت ہیں اس لئے ان کے نزدیک ثبوت وتر کا درجہ سنت کے برابر ہے اس لئے وتر ان کے ہاں سنت ہے اور اس حدیث میں پانچ رکعات کا بھی ذکر ہے اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اور دلیل بناتے ہوئے حضرت سفیان ثوری اور دیگر بعض ائمہ وتر کی پانچ رکعات پڑھتے تھے اور اس میں ایک بھی ذکر ہے اس بنا پر امام شافعیؒ ایک ہی رکعت وتر پڑھنے کے قائل تھے اور اس میں تین کا بھی ذکر ہے اور احناف تین رکعات وتر پڑھتے اس لئے کہ یہ افراط اور تفریط کے درمیان ہے اور دیگر بہت سی احادیث احناف کے مؤقف اور مذہب کی مؤید ہیں اس لئے صحیح یہی ہے کہ وتر تین رکعات ہیں۔

صلوٰۃِ وتر کی فضیلت

(۱۳/۱۱۸۴)وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا یٰۤاَھْلَ الْقُرْاٰنِ۔

(رواہ الترمذی وابوداود والنسائی)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱/۲۱٤ حدیث رقم ٦٤۱۰۔ ومسلم ٤/۲۰٦۲ حدیث رقم۵/۲٦۸۸۔ وأبو داود فی السنن ۲/۱۲۷ حدیث رقم۱٤۱٦۔ والترمذی ۲/۳۱٦ حدیث رقم ٤۵۳۔ والنسائی ۳/۲۲۸ حدیث رقم ۱٦۷۵۔ وابن ماجه ۱/۳۷۰ حدیث رقم ۱۱٦۹۔ والدارمی ۱/٤٤۸ حدیث رقم ۱۵۸۰۔ وأحمد فی المسند ۱/۱۰۰۔

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ وتر ہے (یعنی اکیلا اور طاق ہے) اور وتر کو پسند کرتا ہے لہٰذا تم وتر پڑھو اے اہل قرآن۔ (ابوداود، نسائی)

تشریح ۞ اللہ تعالیٰ وتر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کمالیہ اور اپنی ذات میں یکتا ہے اس کی کوئی مثل نہیں

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لیس کمثلہ شیٔ﴾ اوراسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں بھی کسی کا محتاج نہیں اکیلے سب کام کرتا ہے، جیسے ارشاد ہے ﴿اللہ الصمد﴾ اللہ تعالیٰ وتر کو دوست رکھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صلوٰۃ وتر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور جو شخص وتر کی نماز پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہت پسند فرماتے ہیں اور اس کو اعلیٰ ثواب اور بدلہ سے نوازیں گے۔

ویسے بھی وتر طاق ہوتا ہے اور طاق عدد عند اللہ محبوب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی اپنی صفات اور ذات اور افعال میں تنہا ہیں تو طاق عدد اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب ہوگا اس لئے علماء کے نزدیک ہر عمل میں طاق کا خیال رکھنا مستحب ہے مثلاً تسبیحات وغیرہ میں۔

صلوٰۃ وتر اعلیٰ سے اعلیٰ متاعِ دنیا سے بھی بہتر ہے

(۱۴/۱۱۸۵) وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَآءِ اِلٰى اَنْ يَّطْلَعَ الْفَجْرُ۔

(رواہ الترمذی وابو داود)

أخرجه أبوداوٗد ۲/۱۲۸ حدیث رقم ۱۴۱۸۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۱۴ حدیث رقم ۴۵۲۔ وابن ماجه ۱/۳۶۹ حدیث رقم ۱۱۶۸۔ والدارمی ۱/۴۴۶ حدیث رقم ۱۵۷۶۔

ترجمہ: حضرت خارجہ بن حذافہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی نماز کے ساتھ تمہاری امداد فرمائی ہے (یعنی صلوٰۃ خمسہ کے علاوہ ایسی نماز کا تمہارے لیے اضافہ کیا ہے) جو کہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے اور مقرر کی گئی ہے یہ نماز تمہارے لیے عشاء کی نماز کے بعد سے فجر کے طلوع ہونے تک۔ (ترمذیؒ، ابوداوٗدؒ)

تشریح: ❁ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے اور اس کو عشاء کے بعد پڑھا جائے گا پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے، اور حضور ﷺ نے ترغیب دلانے کیلئے اونٹوں کا ذکر فرمایا کیونکہ عرب کے ہاں سرخ اونٹوں کی بڑی قیمت تھی اور ان کو بہت ہی محبوب تھے فرمایا کہ صلوٰۃ وتر ان سے بھی بہتر ہے اور گویا کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مال و متاع سے بھی وتر بہتر اور اعلیٰ ہے۔

قضاء وتر کا حکم

(۱۵/۱۱۸۶) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهٖ فَلْيُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ۔

(رواہ الترمذی مرسلا)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۱۳۷ حدیث رقم ۱۴۳۱۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۳۰ حدیث رقم ۴۶۶۔

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے تو چاہئے کہ وہ ان کو جب صبح ہو جائے تو پڑھ لے۔ (ترمذی، مرسل روایت)

تشریح: ❁ اگر کوئی آدمی صاحب ترتیب ہے تو اس کیلئے یہ ہے کہ اگر فجر کی نماز سے قبل وقت ہو تو وتر پڑھ لے اگر وقت نہ ہو فجر فوت ہونے کا خدشہ ہو تو بعد میں پڑھے ہاں اگر صاحب ترتیب نہیں ہے تو وہ جب مرضی وتر بطور قضاء کے پڑھ لے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وتر واجب ہے تب ہی اس کی قضاء کا حکم دیا جا رہا ہے اس سے احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

صلوٰۃ وتر میں خاص سورتیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں

(۱۶/۱۱۸۷)وَعَنْ عَبْدِالْعَزِیْزِ بْنِ جُرَیْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِاَیِّ شَیْءٍ کَانَ یُوْتِرُرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ کَانَ یَقْرَأُ فِی الْاُوْلٰی بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی وَفِی الثَّانِیَةِ بِقُلْ یَا اَیُّهَاالْکَافِرُوْنَ وَفِی الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ(رواہ الترمذی وابوداود ورواہ النسائی) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰی وَرواہ احمد عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ والدارمی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ یَذْکُرَا وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ۔

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱۳۲/۲ حدیث رقم ۱۴۲۳۔ والترمذی ۳۲٦/۲ حدیث رقم ٤٦۳۔ وابن ماجه ۳۷۱/۱ حدیث رقم ۱۱۷۳۔

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ صلوٰۃ وتر میں کون کون سی سورتیں تلاوت فرماتے تھے؟ توام المؤمنین نے ارشادفرمایا آپ ﷺ پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی پڑھا کرتے تھے، اوردوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اورتیسری رکعت میں قل ھو اللّٰہ احد ومعوذتین پڑھا کرتے تھے۔اس کوامام ترمذی اورامام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔اوراس کوامام نسائی نے عبدالرحمٰن بن ابزی سے روایت کیا ہے۔امام احمدؒ نے حضرت ابی بن کعب سے اورامام دارمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے،اوران دونوں نے معوذتین کاذکرنہیں کیا۔

تشریح ❁ ترجمان احناف ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ احناف اس مقام پرامام دارمی والی روایت کوہی اختیارفرماتے ہیں کہ وتر کی تیسری رکعت میں صرف ایک ہی سورت یعنی سورۃ اخلاص ہی کی آپ نے تلاوت کی ہے چنانچہ احناف اسی روایت پرعمل کرتے ہوئے صرف تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھتے ہیں اورام المومنینؓ سے ایک اورروایت منقول ہے اس میں بھی صرف قل ھواللہ کاہی ذکر ہے۔

اور باقی مذکورہ روایت جس میں تین سورتوں کاذکر ہے یہ دووجہ سے متروک ہے:

① حضور ﷺ سے یہ بات عموماً ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ بعدمیں آنے والی رکعت کوپہلی رکعت سے مختصر پڑھتے تو اگراس میں تینوں سورتیں پڑھی جائیں تو یہ آخری رکعت پہلی رکعتوں سے لمبی ہو جائے گی جوکہ حضور ﷺ کی عادت کے خلاف ہے۔

② یہ حدیث ضعیف ہے۔نیزیہ روایت صراحۃً اس بات پردلالت کرتی ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں،اس لیے عندالاحناف وتر کی تین رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

دُعاوتر

(۱۷/۱۱۸۸)وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِیْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَایُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّهٗ لَایَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔

(رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱۳۷/۲ حدیث رقم ۱۴۳۰۔ والنسائی ۲۵۰/۳ حدیث رقم ۱۷۵۱۔

ترجمہ: حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے تاکہ میں اُن کوقنوتِ وتر میں پڑھوں۔ ''اے اللہ مجھے ہدایت دے اُن لوگوں کے ساتھ جن کوتونے ہدایت دی (یعنی انبیاء کرام) اور مجھے عافیت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کوتونے

عافیت دی اور مجھ سے محبت کر ان لوگوں کے ساتھ جو تیرے محبوب ہیں، اور مجھے برکت عطا کر اس مال میں جو کہ تو نے مجھے عطا کیا ہے، اور مجھے ان برائیوں سے بچا جن کا تو نے فیصلہ کیا ہے، پس بے شک تو جو چاہتا ہے حکم اور فیصلہ کرتا ہے اور تجھ پر حکم اور فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بے شک ذلیل نہیں ہو سکتا وہ شخص جس سے تو محبت رکھتا ہو بابرکت ہے تو اے ہمارے ربّ اور تیری ذات بلند و بالا ہے"۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، ابوداؤد)

تشریح ❀ حدیث مبارکہ کے طرزِ بیان سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ کو حضور ﷺ نے یہ دعا سکھائی تا کہ وتر کی نماز میں پورا سال پڑھیں کیونکہ اقولھن کے الفاظ ہیں اس سے احناف کی تائید ہوتی ہے کیونکہ احناف کے نزدیک تمام دنوں میں روزانہ وتر کی نماز میں دعا قنوت پڑھنا لازم اور واجب ہے، اور یہ روایت شوافع کے خلاف ہے کیونکہ شوافع کے ہاں صرف رمضان کے نصف اخیر میں قنوت وتر پڑھی جائے گی۔

اللھم اھدنی: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت جو تو نے مجھے عطا کی ہے اس پر مجھے ثابت قدمی نصیب فرما اور ہدایت کے اسباب اور ذرائع مجھے بہت زیادہ عطا فرما، تا کہ میں ان پر چل کر تیرا مقرب بندہ بن جاؤں۔

انه لا یذل من والیت: مطلب یہ ہے کہ جس کو تو نے اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا کی ہو اور وہ اُن کو بجالا کر تیرا محبوب بن جائے تو وہ دنیا اور آخرت میں کبھی بھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور دنیا و آخرت کے اندر اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مکرم رہے گا اگر دنیاوی اعتبار سے اس کے پاس مال و متاع نہ ہو اور دنیا کی مصیبتیں اس کو زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، عنداللہ مکرم ہونے میں کوئی فرق نہیں، بلکہ ان پر صبر کرنے سے اور زیادہ قرب نصیب ہوگا جیسا کہ بہت سے انبیاء و مرسلین کو مختلف مصائب سے دوچار ہونا پڑا مثلاً حضرت ذکریا علیہ السلام کو آرے سے چیرا گیا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ذبح کیا گیا، حضور ﷺ کو مکہ سے نکالا گیا اور موسیٰ علیہ السلام کو تکالیف دی گئیں، الغرض بہت سارے انبیاء پر مصائب آئے یہ اس لیے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نہیں تھے بلکہ اس لیے کہ ان کو آزمایا اور ان کا امتحان لیا تا کہ ان کے درجات اور بلند ہوں۔

الغرض دنیا والوں کے ذلیل کرنے سے کوئی بندہ عنداللہ ذلیل نہیں ہوتا۔ بعض روایتوں میں **ولا یذل من والیت** کے بعد **ولا یعز من عادیت** کے الفاظ بھی ہیں کہ اے اللہ جن سے تو ناخوش ہو، اور تیری عداوت ان کی دامن گیر ہو تو وہ کہیں بھی عزت نہیں پا سکتے اس لئے کہ عزت اور ذلت کے خزانے تیرے ہی پاس ہیں۔ اور بعض روایات میں **وتعالیت** کے بعد **ونستغفرك ونتوب الیك** کے بھی الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم تجھ سے معافی طلب کرتے ہیں، کیونکہ تو معافی دینے والا ہے اور تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں کیونکہ تیرے علاوہ کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہے۔

فائدہ: شوافع کے ہاں وتر میں پڑھی جانے والی دعا یہی ہے اس کو وہ رمضان کے نصف اخیر میں وتر کے اندر بھی پڑھتے ہیں اور صبح کی نماز میں بھی پڑھتے ہیں اور احناف کے ہاں دعائے قنوت **اللھم ان نستعینك**...... ہے، جو کہ پہلے مذکور ہو چکی ہے، بعض حضرات حنفیہ کے نزدیک اگر وتر میں ان دونوں دعاؤں کو پڑھ لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

دُعائے قنوت میں مختلف فیہ امور

علامہ ابن ہمامؒ رقمطراز ہیں کہ وتر میں جو قنوت پڑھی جاتی ہے اس کے اندر تین وجوہ سے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے:

① پہلا اختلاف محل میں ہے، عندالاحناف قنوت کی دعا رکوع سے قبل پڑھی جائے گی اور شوافع کے ہاں رکوع کے بعد پڑھی جائے گی۔

② احناف کے نزدیک دعائے قنوت وتر میں تمام ایام میں پڑھی جائے گی۔ اور شوافع کے ہاں صرف رمضان مبارک کے نصف اخیر میں پڑھی جائے گی۔

③ وتر کے علاوہ اور کسی نماز میں احناف کے نزدیک دعائے قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔ اور شوافع کے ہاں صبح کی نماز میں بھی دعائے

قنوت پڑھی جائے گی۔ ان کی تفصیل آگے "باب القنوت" میں آرہی ہے۔

صلوٰۃِ وتر کے بعد کی تسبیح

(۱۸/۱۱۸۹) وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رواه ابوداود والنسائى وزاد ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيْلُ وَفِيْ رواية لِلنَّسَائِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلَاثًا وَّيَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَةِ۔

أخرجه النسائي في السنن ۳/۲۴۵ حديث رقم ۱۷۳۳۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر کی نماز میں سلام پھیرتے تھے تو یہ پڑھا کرتے تھے: سبحٰن الملك القدوس، اس کو روایت کیا ہے ابوداؤد اور نسائی نے، اور نسائی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ تین مرتبہ یہ الفاظ کہتے، اور تیسری مرتبہ بلند آواز سے کہتے اور نسائی کی دوسری روایت میں عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ نقل کرتے ہیں اپنے باپ سے، فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سلام پھیرتے، تو تین مرتبہ سبحٰن الملك القدوس کہتے اور تیسری مرتبہ میں آواز کو بلند کرتے تھے۔

دارقطنیؒ نے جو روایت کی ہے اس میں رب الملئكة والروح کے الفاظ بھی منقول ہیں ان سب روایات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے سلام کے بعد یہ تسبیح پڑھتے تھے "سبحٰن الملك القدوس رب الملئكة والروح"۔

صلوٰۃ وتر میں حضور ﷺ یہ دعا بھی پڑھتے تھے

(۱۹/۱۱۹۰) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَائِكَ مِنْ سَخَطِكَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ (رواه ابو داود والترمذى والنسائى وابن ماجة)

أخرجه أبوداود في السنن ۲/۱۳۴ حديث رقم ۱۴۲۷۔ وابن ماجه ۱/۳۷۳ حديث رقم ۱۱۷۹۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اپنی وتر کی نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے "اے اللہ میں تیری رضا کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں تیرے غصے سے اور میں تیری معافی کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں تیرے عذاب سے، اور میں تیرے ساتھ پناہ چاہتا ہوں تجھ سے (یعنی تیری صفات غضبیہ کے ظہور سے)، میں تیری تعریف کا شمار نہیں کر سکتا تو ایسے ہی ہے جیسے کہ تو نے اپنی تعریف خود کی"۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح ۞ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس دعا کو وتر کی تیسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں پڑھتے تھے اور امام مالکؒ اور ان کے مقلدین اس روایت کی وجہ سے صلوٰۃ وتر میں یہی دعا پڑھتے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک آپ ﷺ صلوٰۃ وتر کا سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو امام نسائی نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ وتر کے بعد جب اپنے بستر کی طرف تشریف لاتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور ﷺ یہ دعا التحیات میں یعنی سلام پھیرنے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ یہ دعا وتر کے سجود میں پڑھا کرتے تھے۔

ترجمان احناف علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وتر میں پڑھنے کیلئے کسی خاص دعا کو مقرر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جب ایک ہی دعا کو پڑھتے رہیں گے تو وہ زبان پر جاری ہو جائے گی، اور انسان اس کو پڑھتا رہے گا چاہے دل متوجہ ہو یا نہ ہو اس سے

دعا کا اصل مقصد جو ہے وہ فوت ہو جائے گا یعنی وہ دعا، دعا ہی نہیں رہے گی۔ کیونکہ دعا تو وہ ہوتی ہے جس میں حضور قلب ہو اور دل کی گہرائیوں سے وہ دعا نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کو سامنے رکھ کر حضور قلبی کے ساتھ جب زبان سے دعا کے الفاظ کو جاری کیا جائے تو وہ اثر رکھنے والے ہونگے ورنہ نہیں۔ لیکن دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اللھم انا نستعینك الخ کے علاوہ باقی دعاؤں کے بارے میں ہے باقی اس دعا پر صحابہ کا اتفاق ہے۔ لہٰذا اسی کو وتر میں پڑھنے کیلئے منتخب کرنا مستحب ہے، ہاں اس کے علاوہ اگر کوئی باقی دعا پڑھنا چاہتا ہے تو ان کا تعین نہیں جو مرضی ہے پڑھے۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں اس کے علاوہ اللھم اھدنی فیمن ھدیت.....کو بھی متعین کرنا جائز ہے۔

الفصل الثالث:

فروعی مسائل میں کسی کو ہدفِ تنقید بنانا صحابہ رضی اللہ عنہم کا شیوہ نہیں

(۲۰/۱۱۹۱)عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيْلَ لَهٗ هَلْ لَّكَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ وَّفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ اَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَآءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهٗ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّهٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۷/۱۰۳۔ حديث رقم ۳۷۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں جو کہ وتر کی صرف ایک رکعت پڑھتے ہیں تو فرمایا وہ درست ہیں اس لئے کہ وہ فقیہ ہیں۔ ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر کی نماز پڑھی اور ان کے پاس حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، پس (وہ بعد میں جب) وہ جب ابن عباسؓ کے پاس تشریف لائے تو ان کو خبر دی کہ حضرت امیر معاویہؓ وتر کی ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اُن کو چھوڑیں (یعنی ایسی بات ان کے بارے میں نہ کریں)۔ کیونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی ہے۔ (بخاریؒ)

تشریح ☆ روایت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی ہے اس لیے دیکھنے والے دیکھ کر حیران ہوئے کیونکہ باقی صحابہ تین رکعات پڑھتے تھے۔ اور اس سے حیرت کی وجہ سے ہی انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا۔

اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس وقت صرف انہوں نے وتر ہی پڑھے ہوں تو دیکھنے والوں نے یہ سمجھا ہو کہ آپؓ نے عشاء کے فرائض یا تہجد نہیں پڑھی صرف وتر پڑھ رہے ہیں۔

باقی اس روایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے کسی کی عزت نفس کو مجروح نہیں کرنا چاہیئے اور کسی بزرگ کی اس وجہ سے گستاخی بھی نہیں کرنی چاہیئے اور فروعی مسائل کو اصول بھی نہیں بنانا چاہیئے، دیکھیں ابن عباسؓ نے کتنی عزت اور تعظیم سے فرمایا کہ ان کے بارے میں برا گمان نہ رکھیں کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں اس سے صحابہؓ کا آپس میں پیار اور تعلق بھی خوب واضح ہوتا ہے۔

وتر نہ پڑھنے والے کے بارے میں وعید نبوی ﷺ

(۲۱/۱۱۹۲)وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابو داود)

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وتر حق ہیں یعنی لازم ہیں جو آدمی وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی ایسا شخص ہمارا تابعدار نہیں)۔ (ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۲/ ۱۲۹ حديث رقم ۱٤۱۹۔

تشریح: وتر کی نماز کی اہمیت اور اس کی افادیت کا اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے تین دفعہ وتر نہ پڑھنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یعنی ہمارا تابعدار نہیں ہے اور تین دفعہ فرمایا کہ وتر حق ہیں یعنی واجب اور ضروری ہیں اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے جیسا کہ فرقہ ناجیہ میں سے احناف کا مسلک ہے۔

فرض کی طرح وتر کی بھی قضا واجب ہے

(۲۲/۱۱۹۳) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَّامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ وَاِذَا اسْتَيْقَظَ۔ (رواه الترمذی وابو داود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۲/ ۱۳۷ حديث رقم ۱٤۳۱۔ والترمذي ۲/ ۳۳۰ حديث ٤٦٥ وابن ماجه ۱/ ۳۷۵ حديث ۱۱۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر پڑھنے کے بغیر سو جائے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو اس کو چاہیے کہ جب اس کو یاد آئے یا بیدار ہو جائے تو اس کو پڑھ لے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث مبارکہ سے روزِ روشن کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں کیونکہ قضا صرف واجب اور فرض کی ہوتی ہے سنت اور مستحب کی قضا نہیں ہوتی ہے اور وتر واجب ہیں اس لیے حضور ﷺ نے ان کی قضا کا حکم دیا اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے جو کہ اسی باب میں گذری ہے کہ حضور ﷺ خود بھی جب وتر کی نماز کو رات کے حصہ میں نہیں پڑھ سکتے تھے تو دن کو قضا کر لیتے تھے اور فرمایا کہ وتر کی نماز پڑھے بغیر جو سو جائے پھر وہ یاد آئے تو صبح کو پڑھ لے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسائل کے جواب میں محتاط انداز

(۲۳/۱۱۹٤)وَعَنْ مَّالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ اَوَاجِبٌ هُوَ؟ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَدْ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُاللّٰهِ يَقُوْلُ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ۔ (رواه في الموطا)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/ ۱۲٤ حديث رقم ۱۷ من كتاب صلاة الليل۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ پوچھا کہ کیا وتر کی نماز واجب ہے؟ تو حضرتؓ نے فرمایا کہ وتر کی نماز آنحضرت ﷺ نے بھی پڑھی ہے اور دیگر مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے (یعنی صحابہ کرام نے) اور وہ شخص بار بار یہ سوال دہراتا رہا اور ابن عمر ؓ بھی جواب ارشاد فرماتے رہے کہ حضور ﷺ نے بھی وتر کی

نماز پڑھی ہے اور دیگر مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے۔ (مؤطا امام مالک)

تشریح ☼ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بلیغ انداز میں مسئلہ کو بتادیا کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی اور صحابہ نے بھی مواظبت اختیار کرتے ہوئے اس کو پڑھا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واجب ہے لیکن عرب کے ہاں بلاغت کا ایک اصول ہے کہ بعض دفعہ اصل مسئلہ کی بجائے اس کی دلیل کو ہی کسی مصلحت کے تحت ذکر کردیا جاتا ہے مدلول خودبخود اس سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

پھر ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ جب سائل اس مسئلہ کے جواب شافی کا منتظر تھا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو صراحۃً جواب کیوں نہیں دیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے احتیاط کی بناء پر یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اس کو پڑھا ہے یعنی یہ واجب ہے کیونکہ خود انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کوئی حکم صراحۃً نہیں سنا ہوگا۔

ایک رکعت میں ایک سورت سے زائد بھی پڑھی جاسکتی ہیں

(۲۴/۱۱۹۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوَرٍ اٰخِرُهُنَّ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ. (رواه الترمذى)

أخرجه الترمذى فى السنن ۲/۳۲۳ حديث رقم ٤٦٠۔

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے، اور ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفصل کی نو/۹ سورتیں اس انداز میں قراءت فرماتے تھے کہ ہر رکعت میں تین تین سورتیں تلاوت فرماتے تھے اور آخر میں پڑھی جانے والی سورت قل ھواللہ احد ہوتی تھی (ترمذیؒ)

تشریح ☼ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح منقول ہے کہ پہلی رکعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الھکم التکاثر اور سورۃ القدر اور سورۃ زلزال تلاوت فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۃ العصر، سورۃ النصر اور سورہ کوثر تلاوت فرماتے تھے اور تیسری رکعت میں سورۃ کافرون، سورۃ لہب اور سورہ اخلاص پڑھتے تھے، لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ کبھی کبھار ہوتا تھا ہمیشہ کے لیے ایسی تعیین نہیں ہوتی تھی کیونکہ دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر قرآن یاد ہونے کے باوجود کسی خاص سورت کو کسی نماز کیلئے مختص کرنا مکروہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

(۲۵/۱۱۹۶) وَعَنْ نَّافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغِيْمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَاَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَاٰى اَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ۔

(رواه مالك)

أخرجه مالك فى الموطأ ۱/۱۲۵ حديث رقم ۱۹ من كتاب صلاة الليل۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مکہ میں تھا اور آسمان بادلوں میں چھپا ہوا تھا یعنی مطلع ابر آلود تھا، پس ابن عمر رضی اللہ عنہ کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ایک رکعت وتر پڑھ لی۔ پھر مطلع صاف ہوگیا اور آپؓ نے دیکھا کہ کافی رات باقی ہے، پس آپؓ نے ایک رکعت اور پڑھ کے اس کو دوگانہ کردیا پھر دو دو رکعت کر کے نوافل پڑھتے رہے یہاں تک کہ جب صبح ہونے کا اندیشہ ہوا تو وتر کی ایک رکعت پڑھ لی۔ (امام مالکؒ)

تشریح ☼ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے وتر پڑھ لیے ہوں اور پھر نفل تہجد پڑھنے کا ارادہ ہو تو وہ وتروں کو توڑ لے توڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک رکعت ساتھ اور ملا لے تاکہ وہ بھی نفل بن جائے لیکن جمہور کے نزدیک نقضِ وتر کے بغیر ہی

بعد میں تہجد پڑھے۔

جو حضرات نقضِ وتر کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اجعلوا اخر صلوتکم باللیل وترًا۔ اب اگر نقض وتر کے بغیر صلوٰۃ تہجد پڑھے گا تو وتر رات کی آخری نماز نہ ہوگی، جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امر وجوب کیلئے نہیں ہے، بلکہ استحباب کیلئے ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کا وتروں کے بعد دو رکعات کا پڑھنا ثابت ہے۔

(۲۶/۱۱۹۷) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَ تِهٖ قَدْرَ مَا يَكُوْنُ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ وَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۰۵ حديث رقم (۱۱۲۔ ۷۳۱)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے اور بیٹھ کر ہی قراءت بھی کرتے (قراءت کی طوالت کی وجہ سے) اور جب آپ ﷺ کی قراءت سے تیس یا چالیس آیات رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور انہیں کھڑے ہو کر پڑھتے، پھر رکوع کرتے اور پھر سجدہ کرتے اور پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے۔ (مسلمؒ)

تشریح ۞ عذر کی وجہ سے اس طرح کچھ نماز بیٹھ کر پڑھنا اور پھر کھڑے ہو کر پڑھنا بالاتفاق درست ہے لیکن اگر ابتداءً کوئی کھڑا ہو کر شروع کرتا ہے تو وہ انتہائی عذر کے بغیر بیٹھ نہیں سکتا۔

باقی اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں وتر کا ذکر نہیں، ہاں صرف شفع یعنی دوگانہ کا ذکر ہے اس مناسبت سے اس کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا مسنون ہے

(۲۷/۱۱۹۸) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ (رواه الترمذي وزاد ابن ماجة) خَفِيْفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

أخرجه الترمذي في السنن ۲/۳۳۵ حديث رقم ۴۷۱۔ وابن ماجه ۱/۳۷۷ حديث رقم ۱۱۹۶۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ وتر کے بعد بھی دو رکعات پڑھتے تھے۔ (یہ ترمذی کی روایت ہے) اور ابن ماجہ نے خفیفتین وھو جالسٌ کے الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے کہ دو رکعات ہلکی پڑھتے تھے اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

تشریح ۞ وتر کے بعد دو رکعات پڑھنے کا مسئلہ فصلِ اول میں گزر چکا ہے۔ یہاں صرف اتنی بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل نماز بغیر عذر کے بھی بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے۔

وتروں کے بعد کی دو رکعات کا ایک اور طریقہ

(۲۸/۱۱۹۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/۳۷۷ حديث رقم ۱۱۹۶۔

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ وتر کی ایک رکعت پڑھتے تھے اور پھر دو رکعتیں نوافل پڑھتے اور

ان میں بیٹھے بیٹھے قراءت کرتے جب رکوع کرنے کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہو کر پھر رکوع کرتے۔ (ابن ماجہ)

تشریح ❁ اس حدیث اور ماقبل والی حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کبھی وتر کے بعد کی دو رکعتوں کو مکمل بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور کبھی مکمل کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور کبھی کچھ حصہ کھڑے ہو کر پڑھتے اور کچھ بیٹھ کر جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں منقول ہے کہ قراءت بیٹھ کر کرتے اور رکوع کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

وتروں کے بعد کی دو رکعات مکافاتِ وتر بھی ہو سکتی ہیں

(۲۹/۱۲۰۰) وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ هٰذَا السَّهَرَ جُهْدٌ وَّثِقْلٌ فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَإِنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَإِلَّا كَانَتَا لَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه أحمد في المسند ٥/ ٢٦٠۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کو تہجد کیلئے بیدار ہونا انتہائی مشقت اور بوجھ والا کام ہے اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص (نیند سے پہلے) وتر پڑھے تو اس کو چاہئے کہ وہ دو رکعتیں نفل پڑھ لے کیونکہ اگر وہ صلوٰۃ تہجد کیلئے بیدار ہو گیا تو فبہا، اور اگر بیدار نہ ہو سکا تو یہ دو رکعتیں اس کیلئے کافی ہونگی (یعنی تہجد کا کچھ ثواب مل جائے گا)۔ (ترمذیؒ)

تشریح ❁ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ وتروں کے بعد دو رکعات کو ترک نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ کچھ نہ کچھ صلوٰۃ تہجد کے قائم مقام ہو جائیں گی، یعنی بالکل ثواب سے محروم نہیں ہوگا، جس طرح کہ مسواک کی عدم موجودگی میں انگلی سے دانتوں کو ملنا اس کے قائم مقام ہے۔

وتروں کے بعد دو رکعات میں حضور ﷺ کی قراءت

(۳۰/۱۲۰۱) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ وَقُلْ يٰأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ (رواہ احمد)

أخرجه البخاري في صحيحه ١١/ ١٩٣۔ حديث رقم ٦٣٩٣۔ ومسلم في صحيحه ١/ ٤٦٦ حديث رقم (٢٩٤۔ ٦٧٥) وأبوداؤد في السنن ٢/ ١٤٢ حديث رقم ١٤٤٢۔ والنسائي في السنن ٢/ ٢٠١ حديث رقم ١٠٧٤۔ وابن ماجه ١/ ٣٩٤ حديث رقم ١٢٤٤۔ والدارمي ١/ ٤٥٣ حديث رقم ١٥٩٥۔ وأحمد في المسند ٢/ ٢٥٥۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ وتر کی نماز کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے تھے اور ان میں سورۂ زلزال اور سورۂ کافرون تلاوت کرتے تھے۔ (امام احمدؒ)

تشریح ❁ اس روایت میں سورۃ زلزال اور کافرون کا ذکر ہے اور دیگر کئی روایات میں اور سورتوں کا ذکر ہے سب کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف سورتیں پڑھی جاتی تھیں، کوئی ایک متعین نہیں تھی۔

بَابُ الْقُنُوْتِ

قنوت کا بیان

تشریح ❁ قنوت کی دو تعریفیں ہیں ① لغوی، ② اصلاحی۔ لغت کے اعتبار سے قنوت کے چند معنی ہیں۔ ① طول القیام۔

(۲) طول القیام فی الصلوۃ (۳) دعا (۴) عاجزی اور انکساری۔ اور اصطلاحی معنیٰ ہے دعائے مخصوصہ، جو کہ وتر میں پڑھی جاتی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قنوت وتر سے مراد اللھم اھدنی فیمن ھدیت ہے۔ اور اسی کو وتر میں پڑھنا مسنون اور اولیٰ ہے۔

احناف کے نزدیک قنوت وتر اللھم انا نستعینك...... ہے، اور اس کو وتر میں پڑھنا اولیٰ اور مستحب ہے، اور صحیح سند کے ساتھ یہ قنوت طبرانی وغیرہ سے منقول ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ ترجمانِ احناف نے امام ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ قبیلہ مضر کے ظلم وستم کی وجہ سے ان کے خلاف قنوت نازلہ پڑھتے تھے اور بددعا فرماتے تھے اور حضرت جبریل امین نے آ کر عرض کیا کہ یا محمد ان اللہ لم یبعثك سبابًا ولا لعانًا انما بعثك رحمۃً کہ اے رحمت دو جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بُرا بھلا کہنے والا اور لعنت کرنے والا نہیں بنا کر مبعوث کیا، بلکہ رحمت بنا کر اس دنیا میں مبعوث کیا ہے، یہ بددعا اب چھوڑیئے اور لیس لك من الامر شیء کی آیت کا بھی حوالہ پیش کیا اور اس کے بعد آپ ﷺ کو قنوت وتر یعنی اللھم انا نستعینك سکھائی، جس کو آپ ﷺ نے وتر میں پڑھنے کا معمول بنالیا۔

علامہ جلال الدین السیوطیؒ الاتقان میں رقم طراز ہیں کہ قنوت وتر یعنی اللھم انا نستعینك یہ قرآن مجید کی دو سورتیں ہیں (۱) الحفد (۲) سورۃ الخلع۔ بعد میں بطور قراءت کے ان کو منسوخ کر دیا، اس کو دعا بنا دیا لہٰذا اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ بالکل ثابت نہیں وہ غلط کہتا ہے۔ لہٰذا وتر میں اسی کو پڑھنا بہتر ہوگا لیکن اگر یہ دعائے وتر یاد نہ ہو تو پھر جو بھی یاد ہو اس کو پڑھ لے۔

اور اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے درمنثور میں اس کو کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

الفصل الاوّل:

رحمتِ دو عالم ﷺ کی شفقت علی المؤمنین

(۱/۱۲۰۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّدْعُوَ عَلٰی اَحَدٍ اَوْ یَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِیْدَ ابْنَ الْوَلِیْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَّعَیَّاشَ بْنَ اَبِیْ رَبِیْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰی مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِیْنَ كَسِنِیْ یُوْسُفَ یَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَكَانَ یَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلَاتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا لِاَحْیَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الْاٰیَةَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۸۹/۲۔ حدیث رقم ۱۹۰۲۔ ومسلم ۴۶۸/۱ حدیث رقم (۳۰۱۔ ۶۷۷)۔ وابوداؤد فی السنن ۱۴۳/۲ حدیث رقم ۱۴۴۴ وأحمد فی المسند ۱۶۷/۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب بھی کسی کے لئے دعا کرنے کا یا بددعا کرنے کا ارادہ کرتے، تو رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھتے اور بسا اوقات سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہنے کے بعد یہ پڑھتے اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعۃ اللھم اشدد وطأتك علی مضر واجعلھا سنین کسنی یوسف۔ اے اللہ ولید بن ولید، مسلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ قوم مضر پر اپنا سخت عذاب نازل فرما اور ان پر عذاب کو قحط کی شکل میں نازل فرما ایسا قحط جو قوم یوسف علیہ السلام کے قحط کی طرح شدید ہو۔ یہ دعا آپ بلند آواز میں فرماتے تھے اور آپ ﷺ اپنی بعض نمازوں میں بددعا فرماتے تھے، اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت فرما۔ عرب کے (ان) قبائل کا ارادہ کرتے ہوئے (جو کہ کافر تھے) یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: لیس لك من الامر شیء۔ اس معاملہ میں آپ کی دخل اندازی نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ یاران مصطفیٰ میں سے جو ظالم کفار کے شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے رحمتِ دو عالم ﷺ ان کیلئے دعا فرماتے تھے اور اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان کو رہائی نصیب فرمائے اور اسی طرح وہ کفار جو مسلمانوں کے انتہائی مخالف اور ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تاک میں رہتے تھے ان کیلئے بددعا کرتے تھے۔

اسلام کے عظیم کمانڈر دربار رسالت سے اسد اللہ کا لقب پانے والے حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی حضرت ولید بن ولید قریشی مخزومی معرکہ بدر میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ان کے برادر محترم حضرت خالد بن ولید اور ہشام چار ہزار درہم فدیہ ادا کر کے ان کو مکہ واپس لے گئے حضور ﷺ کی رفاقت اور صحابہ کرام کی معیت میں چند دن گزارنے نے ان کے دل کے اندر اسلام کی حقانیت کو بھر دیا اور اخلاقِ محمدی اور ایثار صحابہ نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ مکہ واپس آتے ہی اسلام قبول کر لیا کفار نے خوب ظلم وستم کیا اور ان کو جو تکالیف ان سے ہو سکتیں تھیں وہ دیں اور بھائی کہنے لگے اگر تو نے مسلمان ہونا ہی تھا تو مکہ آنے کی بجائے فدیہ کی رقم ادا کرنے سے پہلے ہی مدینہ میں مسلمان ہو جاتے تا کہ ہمارے پیسے بھی ضائع نہ ہوتے تو فرمایا کرتے کہ میں نے اس لئے وہاں پر اسلام کا اقرار نہیں کیا کہ لوگ کہیں گے کہ فدیہ کی رقم کے ڈر سے اور قید کی صعوبتوں کی وجہ سے مسلمان ہوا ہے جب حضور ﷺ کو علم ہوا کہ میرا عاشق ظلم کے لئے تختہ مشق بنا ہوا ہے تو پھر بارگاہ ایزدی میں ان کی رہائی کیلئے دعا فرمائی تو وہ کافروں کے چنگل سے نکل کر مدینہ میں دربار رسالت ﷺ میں پہنچ گئے۔

مسلمہ بن ہشام: ابوجہل کے بھائی تھے اسلام کے ابتدائی دور میں ہی اسلام لے آئے تھے لیکن کفار نے ان کو قید میں رکھا ہوا تھا اور ان کے اوپر ظلم کے پہاڑ ڈھا رہے تھے تو حضور ﷺ ان کے لئے بھی دعا فرماتے تھے کہ اے مولا میرے ہیرے کو آزادی نصیب فرما" اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی کفار کے چنگل سے آزادی نصیب فرمائی، تو اپنے محبوب کے دربار میں مدینہ پہنچ گئے۔

عباس بن ربیعہ: یہ ابوجہل کے اخیافی بھائی تھے اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمان ہیں ہادی عالم ﷺ جب مدینہ ہجرت فرما کر گئے تو یہ بھی مدینہ میں ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور ابوجہل جیسے دشمن اسلام کو یہ کیسے گوارہ ہوتا کہ فرزند اسلام سکون سے زندگی بسر کرے اور یہ خود مدینہ گیا اور ان سے کہا کہ آپ کی والدہ سخت بیمار ہے اور اس نے قسم اٹھائی ہے کہ جب تک میرا بیٹا نہیں آئے گا تو میں سائے میں نہیں بیٹھوں گی اس سے یہ دھوکہ کھا کر والدہ کی محبت کی وجہ سے مکہ آ گئے اور جب وہاں آئے تو ظالم نے ان پر مظالم کے بادل برسائے جب حضور ﷺ نے اپنے پیارے کی تکالیف کی خبر سنی تو دربار خداوندی میں دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی رہائی نصیب فرما دی، اور مدینہ تشریف لائے اور حق و باطل کے عظیم معرکہ غزوہ تبوک میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

یہ تین وہ خوش قسمت انسان تھے جن کیلئے رحمتِ دو عالم ﷺ بھی بے چین و بے قرار ہو کر مشغول بدعا تھے۔

نکتہ: حدیث مبارکہ کے اول حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم مؤمنوں کیلئے دعا کرتے تھے اور قنوت میں پڑھتے تھے اللھم...... اور دوسرے حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کیلئے قنوت نازلہ میں بددعا کرتے تھے اور حضور ﷺ کی اس بددعا کا ایسا اثر ہوا کہ سات سال تک مکہ والے سخت قحط میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ قحط کی وجہ سے مردار کی ہڈیاں بھی کھایا کرتے تھے۔

لیس لك من الامر شیء: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی شانِ رحمت کے لائق اور مناسب نہیں کہ آپ کسی کا نام لے کر بددعا فرمائیں کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔

قنوتِ نازلہ کا حکم: علامہ طیبیؒ رقمطراز ہیں کہ کسی اجتماعی پریشانی اور حادثہ اور دشمن کے حملہ کے خوف کے وقت اور کسی وبا اور قحط سالی کے وقت فرض نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنی چاہئے اس وقت کے ائمہ مسلمین کو چاہئے کہ فرض نمازوں میں اس کا اہتمام کریں چنانچہ حضرات احنافؒ کے نزدیک بھی کسی حادثہ یا دشمن کے حملہ کے خطرہ کے وقت فرض نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنا مستحب ہے۔

قنوتِ نازلہ بعد الرکوع پڑھی جائے

(۲/۱۲۰۳) وَعَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلَاةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْبَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اِنَّهُ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُّقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَّدْعُوْا عَلَيْهِمْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/ ٤٩٠ حديث رقم ١٠٠٢۔ ومسلم في صحيحه ١/ ٤٦٨ حديث رقم (٢٩٩۔ ٦٧٧)۔ والنسائي في السنن ٢/ ٢٠٠ حديث رقم ١٠٧٠۔

ترجمہ: حضرت عاصم احولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نماز میں پڑھی جانے والی قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی یا کہ بعد میں تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے پڑھی جاتی ہے اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوتِ (نازلہ) پڑھی تھی اس لئے کہ آپ ﷺ نے کچھ صحابہ کو جو کہ قراء کہلاتے تھے جو کہ ستر آدمی تھے (تبلیغ) کیلئے بھیجا تھا تو ان کو شہید کر دیا گیا تھا پس حضور ﷺ نے ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھ کر ان کے خلاف یعنی صحابہ کے قاتلوں کے خلاف بددعا فرمائی تھی۔ (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنا منسوخ ہے اسی لئے عندالاحناف قنوت قبل الرکوع ہے اس لئے وتر کے اندر قنوت ہمیشہ قبل الرکوع پڑھی جائے۔

واقعہ شہادت: حضور ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں مسجد نبوی تعمیر فرمائی اور اس کے ساتھ ہی ایک مدرسہ قائم فرمایا جو کہ صفہ کے نام سے موسوم ہوا اور اس میں پڑھنے والے خوش نصیب اصحابِ صفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اصحابِ صفہ حضور ﷺ سے علم دین حاصل کرتے تھے اور قرآن پڑھتے پڑھاتے اور تلاوت فرماتے تھے اور مسلمانوں کو جب بھی کوئی حادثہ یا جنگ کا موقع پیش آتا تو یہ بھی سب سے پہلے اس میں شریک ہوتے اور مختلف اوقات میں ان کی تعداد کم زیادہ ہوتی رہتی تھی ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو کہ راتوں کو تلاوت میں مشغول رہتے اور دن کو لکڑیاں فروخت کر کے اصحابِ صفہ کیلئے کھانے کا بندوبست کرتے تھے ان میں ستر نوجوان یہ بھی تھے۔ قراء اس لئے کہتے تھے کہ یہ قرآن بہت زیادہ پڑھتے تھے اور جتنا قرآن نازل ہو چکا تھا اس کے حافظ تھے ان کو حضور ﷺ نے اہل نجد کی رہنمائی کیلئے اور ان کو دین کی دعوت دینے کیلئے بھیجا تھا، تاکہ وہ لوگ قرآن سن کر کفر وشرک کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ جائیں اور ابدی بدبختی سے بچ جائیں، چنانچہ جب یہ حضرات بیر معونہ پر پہنچے جو کہ مکہ اور عسفان کے درمیان ہے تو عامر بن طفیل اور قبیلہ رعل، ذکوان اور قارہ نے ان خوش نصیبوں پر حملہ کیا اور ان کو بے دردی سے شہید کر دیا صرف حضرت کعب بن زید انصاریؓ زندہ بچے یہ بھی زخمی ہو کر گر پڑے تھے کفار مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے کہ انہوں نے سمجھا کہ ان کی بھی روح جسم سے الگ ہو گئی ہو گی لیکن یہ زندہ تھے اور ہمت فرما کر چھپ چھپا کر مدینہ پہنچ آئے اور حضور ﷺ کو ساتھیوں کی شہادت کی اطلاع دی، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کبھی بھی کسی پر اتنے پریشان نہیں ہوئے تھے جتنے ان پر پریشان ہوئے تھے، اور پھر حضور ﷺ مسلسل ایک مہینہ تک ان کفار کے خلاف بددعا فرماتے رہے۔

اور حضرت کعب بن زید انصاریؓ غزوہ خندق میں شہید ہوئے اور یہ بیر معونہ والا واقعہ ۴ھ کا ہے۔

بیر معونہ والے قراء جو کہ شہید ہوئے ان میں عامر فہیر بھی تھے جن کی لاش نہیں ملی تھی جس کو فرشتوں نے دفن کر دیا تھا۔

الفصل الثانی:

حضور ﷺ کی قبائل کے خلاف بددعا

(۳/۱۲۰۴)عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ يَدْعُوْ عَلٰى اَحْيَاءٍ مِّنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ عَلٰى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهٗ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/ ٤٩٠ حديث رقم ١٠٠٣۔ ومسلم في صحيحه ١/ ٤٦٨ حديث رقم (٢٩٩۔ ٦٧٧)۔ والنسائي في السنن ٢/ ٢٠٠ حديث رقم ١٠٧٠۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسلسل ایک مہینہ تک ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور صبح کی نماز میں آخری رکعت میں (رکوع سے) سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد قنوت پڑھی جس میں آپ بنی سلیم کے چند قبیلے یعنی رعل، ذکوان اور عصیہ کے لئے بددعا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے والے لوگ یعنی مقتدی آمین کہتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ یہ حدیث مبارکہ اس بات پر دال ہے کہ وتر کے علاوہ فرض نمازوں میں روزانہ اور ہمیشہ قنوت نہیں پڑھی جائے گی بلکہ جب مسلمانوں کو کسی حادثہ نے آلیا ہو یا کوئی وبا مثلاً قحط یا کسی کو دشمن کے حملہ کا خوف ہو تو پھر پڑھی جائے گی ورنہ دیگر امن وامان کے حالات میں بالکل نہیں پڑھی جائے گی۔

حضور ﷺ نے قنوتِ نازلہ کتنا عرصہ پڑھی

(۴/۱۲۰۵)وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهٗ۔ (رواہ ابو داود والنسائی)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ حضور ﷺ نے قنوتِ نازلہ ایک مہینہ پڑھی پھر ترک کردی۔

(ابوداؤد، نسائی)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٤٦٩ حديث رقم (٣٠٤۔ ٦٧٧)۔ وأبوداؤد في السنن ٢/ ١٤٣ حديث رقم ١٤٤٥۔ والنسائي ٢/ ٢٠٣ حديث رقم ١٠٧٩۔

اکثر اہل علم اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وتر کے علاوہ فجر سمیت کسی نماز کے اندر بھی قنوت پڑھنا مشروع نہیں ہے، بلکہ صرف کسی حادثہ یا پریشانی کے وقت پڑھی جائے گی اور بہت سی اور بھی احادیث مبارکہ میں جو کہ اسی مذہب کی تائید کرتی ہیں، امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک فجر میں عام حالات کے اندر بھی قنوت پڑھنا مسنون ہے اور اس کے علاوہ باقی نمازوں میں کسی مشکل وحادثہ کے وقت میں قنوت پڑھی جائے گی۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی وتر کے علاوہ قنوت نہیں پڑھتے تھے

(۵/۱۲۰۶) وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ نِ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ يَآاَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ هٰهُنَا بِالْكُوْفَةِ نَحْوًامِّنْ خَمْسِ سِنِيْنَ اَكَانُوْا يَقْنُتُوْنَ قَالَ اَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/ ٢٥٢ حديث رقم ٤٠٢ والنسائي ٢/ ٢٠٤ حديث رقم ١٠٨٠۔ وابن ماجه ١/ ٣٩٣ حديث رقم ١٢٤١۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشجعیؒ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد گرامی سے دریافت کیا کہ اے اباجی آپ نے حضور ﷺ اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ اور اسی شہر کوفہ میں پانچ سال تک حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات نماز فرض میں قنوت پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹے یہ قنوت بدعت ہے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو مالک اشجعیؒ کے زمانہ میں کچھ لوگ فجر اور دیگر فرض نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے والد محترم سے سوال کیا اور پھر انہوں نے بتایا کہ یہ بدعت ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے صرف ایک مہینہ پڑھی ہے، اور پھر ترک کر دیا تھا، اور حضرات خلفائے راشدین نے اس کو پڑھا ہی نہیں۔ یہ حدیث امام مالک اور امام شافعیؒ کے خلاف امام صاحب کی دلیل ہے لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جو کہ فجر میں قنوت کی نفی کرتی ہیں وہ ضعیف ہیں لیکن ملا علی قاریؒ نے تفصیلی جواب دیا ہے اور خلفائے راشدین سے بھی ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں صلوٰۃ فجر کے اندر قنوت کی نفی ہوتی ہے۔

الفصل الثالث:

وتر میں قنوت پڑھنے کا مسئلہ

(۱۲۰۷/۶) عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَّلَايَقْنُتُ بِهِمْ اِلاَّ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ فَاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ تَخَلَّفَ فَصَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبَقَ اُبَيٌّ (رواه ابوداود) وَسُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۲/ ۱۳٦ حديث رقم ۱۴۲۹۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کو رمضان میں تراویح کیلئے جمع کیا اور حضرت ابی بن کعبؓ کو امام بنایا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے ان کو بیس دن تک نماز تراویح پڑھائی اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ قنوت (وتر میں) نہیں پڑھی، مگر رمضان کے نصف اخیر میں اور جب دس روزے باقی رہ گئے تو حضرت ابی بن کعبؓ مسجد سے رُک گئے اور اپنے گھر میں نماز تراویح پڑھی لوگ کہنے لگے کہ ابی بن کعبؓ بھاگ گئے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ اور حضرت انس بن مالکؓ سے قنوت وتر کے بارے میں پوچھا گیا (کہ کیا پڑھی جائے؟) تو فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے اور دوسری روایت میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی دعائے قنوت رکوع سے قبل اور کبھی بعد میں پڑھی ہے۔ (یہ ابن ماجہ کی روایت ہے)

تشریح ۞ حضور کی زبانِ اطہر سے واقرأکم ابی کا لقب پانے والے عظیم قاری حضرت ابی ابن کعبؓ بہت زیادہ خصوصیات کے حامل تھے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپؓ نے حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور سید القراء کے لقب سے موسوم تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب تراویح کا مسئلہ پیش آیا، تو آپؓ نے حضرت ابیؓ کو ہی امام مقرر کیا تا کہ لوگ عظیم قاری کے پیچھے تراویح پڑھیں۔

ان دونوں حدیثوں سے شوافع کے اس مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ وتر میں قنوت صرف رمضان کے نصف اخیر میں پڑھی جائے۔

جواب ①: علماء احناف کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ وتر بھی پورے سال مشروع ہیں، لہٰذا قنوت وتر بھی پورا سال پڑھی جائے گی۔

جواب ②: ایسی بہت سی احادیث منقول ہیں جن سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ بلا تخصیص قنوت وتر پورے سال پڑھی جائے گی۔

جواب ۴: اس حدیث میں نصفِ اخیر رمضان کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان کے نصف اخیر میں خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے باغیوں کے خلاف بددعا کرتے تھے، کیونکہ خلیفہ دومؓ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ جب نصف رمضان گزر جائے تو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں پر لعنت کرنا سنت ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ: حدیث کا دوسرا حصہ جو حضرت انسؓ سے منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قنوت وتر رکوع کے بعد پڑھی جائے گی جس سے شوافع کی تائید ہوتی ہے۔

جواب: اس سے مراد قنوتِ نازلہ ہے جو کہ حضور ﷺ نے ایک مہینہ قبیلہ رعل اور ذکوان کے خلاف پڑھی تھی، باقی مستقل طریقہ سے قنوت وتر رکوع سے قبل ہی پڑھی جاتی رہی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں عاصم احول کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جو کہ اسی باب میں نمبر ۲ پر نقل کی گئی ہے۔

جواب نمبر ۲: اس حدیث کے آخری جملہ سے خود روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں منقول ہے کہ کبھی رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے اور کبھی بعد میں رکوع سے پہلے قنوت وتر مراد ہے اور رکوع کے بعد پڑھی جانے والی سے مراد قنوتِ نازلہ ہے جو کہ ایک مہینہ پڑھی تھی۔

ابق اُبیؓ: حضرت ابی بن کعبؓ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تراویح کی امامت کیلئے تشریف نہ لائے تو لوگوں نے ان کے اس فعل کو ناپسند کرتے ہوئے بھاگنے والے غلام سے تشبیہ دی، باقی حضرت تو کسی عذرِ معقول کی وجہ سے نہیں آئے ہونگے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلوت میں عبادت کی لذت حاصل کرنے کیلئے وہ فرض ادا کرنے کے بعد گھر میں ہی نوافل وتراویح ادا کرتے تھے۔

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان میں قیام کا بیان

شہر رمضان میں قیام سے مراد تراویح کی نماز کی ادائیگی ہے اور قرآن مجید سننے کیلئے بیداری مراد ہے اس باب میں زیادہ تر وہ احادیث منقول ہونگی جو کہ تراویح کے اثبات اور اس کی فضیلت اور حکم پر دلالت کرنے والی ہونگی۔ لہٰذا اس باب میں تراویح کے متعلق چند مسائل کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

مَسْئَلَۃ ❶ صلوٰۃ تراویح ہر مرد اور عورت پر سنت مؤکدہ ہے اگر نہیں پڑھیں گے تو ترکِ سنت کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔ مَسْئَلَۃ ❷ جس رات رمضان المبارک کا چاند نظر آئے، تراویح اسی رات سے شروع کرے، کیونکہ رمضان کا مہینہ چاند نظر آتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو تراویح چھوڑ دے کیونکہ اب شوال شروع ہو چکا ہے۔ مَسْئَلَۃ ❸ تراویح روزے کے تابع نہیں بلکہ مستقل سنت ہے اگر کوئی کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس پر بھی تراویح لازم ہے اگر تراویح بھی چھوڑ دیگا۔ تو سنت کے ترک کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ مَسْئَلَۃ ❹ اگر عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھ سکا تو تراویح بھی اکیلے ہی پڑھے، ہاں اگر مسجد میں آ گیا تو پھر جماعت کے تابع ہو کر جماعت کے ساتھ ہی پڑھے گا۔ مَسْئَلَۃ ❺ تراویح عشاء کے تابع ہے اگر عشاء کی نماز کسی وجہ سے معلوم ہوا کہ فاسد ہو گئی ہے تو تراویح کا بھی اعادہ کرنا چاہئے۔ مَسْئَلَۃ ❻ اگر کوئی عشاء کی نماز ہو جانے کے بعد مسجد میں آیا اور تراویح کی جماعت ہو رہی تھی تو وہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے اور پھر تراویح کی جماعت میں شریک ہو اور جو تراویح رہ جائیں ان کو وتر کے بعد پڑھ لے۔ مَسْئَلَۃ ❼ ایک مرتبہ تراویح کی نماز میں قرآن مجید کو مکمل کرنا لازم ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے اگر سستی اور کاہلی کی وجہ سے چھوڑ دے تو درست نہیں ہاں اگر جماعت کے کم ہونے کا خطرہ ہو تو پھر آخری دس سورتوں سے یا جہاں سے چاہے پڑھ لے۔ مَسْئَلَۃ

۸ پورے رمضان المبارک میں ایک قرآن ختم کرنا چاہئے اس سے زائد اگر اشتیاق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔ مَسْئَلَة ۹ ایک رات میں بھی تراویح کے اندر قرآن مجید کو مکمل کرنا جائز ہے اگر لوگ شوق رکھتے ہوں اور مکمل کھڑے ہو کر سنیں اگر اشتیاق نہ ہو لوگوں میں سے کوئی بیٹھ جائیں، کوئی لیٹ جائیں، کوئی کبھی کھڑے ہوں، جس طرح کہ مروجہ شبینہ میں ہوتا ہے ایسا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ مَسْئَلَة ۱۰ قرآن سنانے والے حافظ کو ایک مرتبہ کسی بھی سورت کے شروع میں بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا ضروری ہے کیونکہ بسم اللہ قرآن مجید کی علی سبیل التعیین ایک آیت ہے، اگر بسم اللہ ایک مرتبہ بھی بلند آواز سے نہ پڑھی تو ایک آیت نامکمل ہوگی اور قرآن بھی تراویح میں مکمل نہ ہوگا۔ مَسْئَلَة ۱۱ قرآن مکمل بھی ہو جائے تو پھر بھی پورے رمضان میں تراویح پڑھنا لازم ہے، قرآن مجید مکمل ہونے کے بعد اگر دوسری دفعہ قرآن مکمل کرنے کا ارادہ نہ ہو، تو تراویح سورتوں سے پڑھائے۔ مَسْئَلَة ۱۲ اہل بدعت کا طریقہ ہے کہ تکمیل قرآن فی التراویح کیلئے سورۂ اخلاص تین دفعہ پڑھتے ہیں، یہ غلط اور خلاف اصل ہے۔ مَسْئَلَة ۱۳ تراویح پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو کہ دیگر نمازوں کا طریقہ ہے۔ مَسْئَلَة ۱۴ رمضان میں تراویح کے بعد وتر جماعت سے پڑھے جائیں گے۔ رمضان کے علاوہ وتروں کو جماعت سے پڑھنا درست نہیں ہے۔ مَسْئَلَة ۱۵ تراویح کی نیت یوں کرنی چاہئے: نویت ان اصلی رکعتی صلٰوۃ التراویح سنۃ النبی ﷺ واصحابہ یاد رکھنا چاہئے کہ نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔

الفصل الاول:

آنحضرت ﷺ نے بھی تراویح کی نماز پڑھائی ہے

(۱/۱۲۰۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيْرٍ فَصَلّٰى فِيْهَا لَيَالِيَ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهٗ لَيْلَةً وَظَنُّوْا اَنَّهٗ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَازَالَ بِكُمُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَاقُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۱۴/۲ حديث رقم ۶۷۳۱۔ ومسلم ۵۳۹/۱ حديث رقم (۲۱۳۔ ۷۸۱)۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن ۱۴۵/۲ حديث رقم ۱۴۴۷۔ والترمذي في السنن ۳۱۲/۲ حديث رقم ۴۵۰۔ والنسائي ۱۹۷/۳ حديث رقم ۱۵۹۹ ومالك في الموطأ ۱۳۰/۱ حديث رقم ٤ من كتاب صلاة الجماعة۔ وأحمد في المسند ۱۸۲/۵۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے (رمضان المبارک میں) مسجد میں چٹائی یعنی بوریئے کا ایک خیمہ بنایا اور کئی راتیں اس میں نماز نفل ادا کرتے رہے (کیونکہ آپ ﷺ معتکف تھے اور صرف فرض اور تراویح پڑھانے کیلئے باہر تشریف لے جاتے اور تراویح اور فرض پڑھ کر حجرہ میں واپس آجاتے)۔ یہاں تک کہ ایک دن لوگ تراویح کیلئے جمع ہوئے تو حضور ﷺ حجرہ سے باہر تشریف نہ لائے (یعنی فرض پڑھا کر خیمہ میں تشریف لے گئے تھے) پھر لوگوں نے حضور ﷺ کی آہٹ و آواز محسوس نہ کی تو وہ سمجھے کہ آپ ﷺ سو گئے ہیں، تو لوگوں نے کھنکارنا شروع کر دیا تاکہ آپ تراویح کے لئے باہر تشریف لائیں، تو فرمایا مسلسل میں دیکھا رہا تمہارا فعل (یعنی تمہارا تراویح پڑھنے کا شوق) یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ یہ تم پر فرض ہی نہ ہو جائے اگر یہ تم پر فرض ہو جاتی تو تم اس کو باقاعدگی سے ادا نہ کر سکتے لہٰذا تم اپنے گھروں میں نماز نفل پڑھا کرو، کیونکہ فرض نمازوں کے علاوہ آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ❁ حدیث مبارکہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے کپڑا تان کر مسجد نبوی میں اعتکاف کیلئے ایک خیمہ

وحجرہ بنایا ہوا تھا تاکہ خلوت میں عبادت کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں، اور خالق کائنات سے تنہائی میں رابطہ ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کیلئے بقدرِ ضرورت مسجد میں پردے وغیرہ لگا کر الگ جگہ بنانا درست ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہوا گر نمازیوں کو تکلیف ہو تو پھر درست نہیں اگر مسجد بہت کشادہ ہے وہاں زیادہ جگہ گھیرنے سے لوگ تنگ نہیں ہوتے تو زیادہ جگہ کا گھیرنا بھی حرام نہیں ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موسم حج میں کوئی ایسا کام کرنا جس سے مسجدِ حرام میں لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو حرام ہے۔

حتی خشیت ان یکتب علیکم: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ کو اپنی امت پر بڑی شفقت تھی اور بہت پیار تھا کہ کہیں میرے ہمیشہ پڑھانے سے اور صحابہؓ کے شوق کی وجہ سے یہ امت پر فرض نہ ہو جائے کیونکہ پھر اس کو ادا کرنا مشکل ہو جائے گا اور امت ترکِ فرض کے گناہ میں مبتلا ہوگی اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز حضور ﷺ نے باجماعت پڑھائی ہے اس لئے اس کو جماعت کیساتھ پڑھنا مسنون ہے۔

افضل جگہ صلوٰۃ نوافل کی: اس حدیث میں فرمایا کہ نوافل وسنن کو گھروں میں پڑھو، یہ امر استحبابی ہے وجوب کیلئے نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ صلوٰۃ النفل گھر میں پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اکیلے میں ہونے کی وجہ سے ریاکاری کی تہمت اور خدشہ سے دور ہو گا، مگر وہ نوافل جو کہ اجتماعی طور پر پڑھے جاتے ہیں، مثلاً صلوٰۃ کسوف، اور صلوٰۃ خسوف وغیرہ مسجد میں اور کھلی جگہ مثلاً عیدگاہ وغیرہ میں پڑھنا مسنون ومستحب ہے۔

اسی طرح وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا موقعہ عطا فرمادے تو اس کو بھی تمام نوافل وسنن وفرائض مسجد میں پڑھنا چاہئے کیونکہ جو فضیلت وہاں کی ہے وہ کہیں بھی نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مواقع کبھی کبھی میسر ہوتے ہیں، ہمیشہ نہیں ہوتے اور یہ استثناء فقہاء کے اس ارشاد کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف نفل نماز سے بھی بہتر ہے، بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا عام حالات میں مستحب ہے۔

آنحضرت ﷺ بھی قیام رمضان کیلئے ترغیب دیتے تھے

(۲/۱۲۰۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُرَغِّبُ فِیْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ فِیْ خِلَافَةِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّصَدْرًامِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰی ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۲۳ حدیث رقم (۱۷۴۔۷۵۹)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے، لیکن صحابہ کو اس معاملہ میں پکا حکم نہیں دیتے تھے، پس آپ ﷺ (ترغیباً) فرماتے تھے جس شخص نے ایمان کی حالت میں ثواب کے حصول کیلئے رمضان میں قیام کیا، تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا اور یہ معاملہ اسی طرح تھا اور پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی یہی (ترغیب) معمول جاری رہا اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں بھی معاملہ یہی رہا۔

(مسلم)

تشریح: حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص صحیح ایمان کے ساتھ اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ رمضان المبارک میں عند اللہ عبادت کی بڑی فضیلت ہے اور اس پر زیادہ اجر ملتا ہے رمضان المبارک کی راتوں میں نوافل کے اندر یا تراویح میں کھڑا ہوجاتا ہے قرآن سننے کیلئے تو اس کی برکت سے اس کے تمام گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں، ہاں البتہ کبائر کے لیے توبہ شرط ہے، وہ عبادت سے

معاف نہیں ہوتے اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف کردیں تو یہ اس کی شان کریمی ہے۔

نوافل نماز گھر میں پڑھنے کے اثرات

(۳/۱۲۱۰) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَضٰى اَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِنْ صَلَاتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلَاتِهٖ خَيْرًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٣٩ حديث رقم (٢١٠ - ٧٧٨)۔ وابن ماجه في السنن ١/٤٣٨ حديث رقم ١٣٧٦۔ وأحمد في المسند ٣/١٥۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی فرض نماز اپنی مسجد میں پڑھ لے تو اس کو چاہیے کہ اپنے گھر کے لیے بھی اس میں سے حصہ رکھے (یعنی نوافل اور سنن گھر میں پڑھے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اس نماز کی وجہ سے اس کے گھر میں خیر پیدا فرمادیں گے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرائض کے علاوہ نوافل اور سنن گھر میں پڑھنے چاہئیں کیونکہ گھر میں نماز پڑھنے کی برکت سے اس گھر میں نیکی اور سکون اور برکت پیدا ہوگی اور اسی طرح شرور جن وانس سے بھی حفاظت ہوگی اور اس سے گھر میں رہنے والے بچوں کو بھی ترغیب ہوگی اور عورتیں بھی رغبت اور شوق میں اضافہ کیساتھ نماز پڑھیں گی اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مکینوں کی عمر میں برکت پیدا کرتا ہے اور نیکی کی توفیق دیتا ہے۔ لیکن تراویح کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ وہ باجماع صحابہ مسجد میں جماعت کے ساتھ ہی پڑھنا بہتر ہے۔

سوال: بظاہر اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق نہیں، کیونکہ بات تو تراویح کے بارے میں ہے اور یہ مطلقاً نوافل جو کہ گھر میں پڑھے جاتے ہیں ان کے بارے میں ہے؟

جواب: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ رمضان المبارک میں بھی تراویح کے علاوہ کچھ نوافل گھر میں پڑھنے چاہئیں۔

الفصل الثانی:

عشاء کی فرض نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت

(۴/۱۲۱۱) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ (رواه ابوداود والترمذی والنسائی وروی ابن ماجة نحوه الّا انّ الترمذی لم يذكر) ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔

أخرجه الترمذي في السنن ٣/١٦٩ حديث رقم ٨٠٦۔ والنسائي ٣/٨٣ حديث رقم ١٣٦٤۔ وابن ماجه ١/٤٢٠

حدیث رقم ۱۳۲۷۔ والدارمی ۴۲/۲ حدیث رقم ۱۷۷۷۔ وأحمد فی المسند ۱۵۹/۵۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھے، پس آپ ﷺ نے مہینے کے اکثر ایام میں (راتوں کو) ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا (یعنی تراویح کی نماز نہیں پڑھائی) یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں، تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام کیا (یعنی ہمیں تراویح کی نماز پڑھائی) پس جب چھ راتیں رہ گئیں (یعنی چوبیسویں شب آگئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں فرمایا، پھر جب پانچ راتیں رہ گئیں تو ہمارے ساتھ نصف اللیل تک قیام کیا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کاش آج آپ ہمارے ساتھ قیام کو اور زیادہ کرتے (یعنی بڑھاتے تو کیا ہی مزہ تھا) تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ بے شک آدمی جب امام کے ساتھ فرض نماز پڑھ کر واپس آجاتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ پس جب چار راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چھبیسویں رات آئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ رات کو قیام نہ فرمایا (ہم انتظار کرتے رہے آپ ﷺ کے آنے کا) یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی اور جب تین راتیں باقی بچ گئیں (یعنی ستائیسویں شب آئی) تو آپ ﷺ نے اپنے گھر کی عورتوں اور اپنے اہل خانہ اور تمام لوگوں کو جمع کیا، پس ہمارے ساتھ قیام کیا (یعنی ہمیں نماز پڑھاتے رہے) یہاں تک کہ ہمیں خوف لاحق ہوا کہ کہیں ہم سے فلاح فوت نہ ہو جائے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا حضرت فلاح کیا چیز ہے تو فرمایا کہ وہ سحری ہے (یعنی سحری کھانا ہے) پھر بقیہ ایام رمضان کی راتوں میں حضور ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا۔ یہ ابوداؤد و ابن ماجہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے لیکن امام ترمذی نے آخری الفاظ کہ ثم لم یقم بنا بقیۃ الشہر نقل نہیں کیے۔

تشریح ۞ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تین طاق راتوں میں صحابہ کرام کو تراویح کی نماز پڑھائی پہلے دونوں عشروں میں بالکل تراویح نہیں پڑھائی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کے شوق کو دیکھ کر کہیں فرض نہ کر دی جائیں، اور بعد میں آنے والوں کیلئے مشقت ہوگی ان طاق راتوں میں بھی ستائیسویں رات کا قیام سب سے زیادہ فرمایا اور اس میں اہتمام کے ساتھ تمام گھر والوں اور عورتوں اور تمام لوگوں کو جمع کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرائن سے آپ ﷺ کو اس رات کا شب قدر ہونا معلوم ہو گیا تھا اس چیز کو سامنے رکھتے ہوئے عامۃ المسلمین کا یہی نظریہ ہے کہ لیلۃ القدر صرف ستائیسویں کو ہی ہے۔

فلاح: سحری کے کھانے کو فلاح اس لیے کہا ہے کہ اس کے ذریعے روزہ رکھنے کی قوت اور طاقت پیدا ہوتی ہے اور روزہ داروں کی فلاح اور کامیابی کا سبب ہے اس لیے سحری کو ہی فلاح قرار دیا۔

علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں کہ حتی بقی سبع یہ یقینی حساب کے طور پر فرمایا ہے کیونکہ یہ یقین سے معلوم ہوا ہے کہ وہ مہینہ انتیس ۲۹ کا تھا۔

شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت

(۵/۱۲۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ أَكُنْتِ تَخَافِيْنَ أَنْ يَحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ وزاد رزین مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ الترمذی سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱۱۵/۳ حدیث رقم ۷۳۹۔ وابن ماجه ۴۴۴/۱ حدیث رقم ۱۳۸۹۔ وأحمد فی المسند ۲۳۸/۶۔

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو گم پایا (یعنی دیکھا کہ وہ میرے بستر پر نہیں ہیں پس میں نے آپ ﷺ کو تلاش کیا) تو اچانک آپ کو جنت البقیع میں پایا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا

تمہیں اس بات کا خوف دامن گیر ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ تجھ پر ظلم کریں گے۔ تو میں نے عرض کیا مجھے خیال گذرا کہ آپ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہونگے، تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ماہِ شعبان کی نصف رات (یعنی پندرھویں شعبان کی شب) کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ (یہ ترمذی وابن ماجہ کی روایت ہے) اور رزینؒ نے ممن استحق النار (یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنی برائیوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو چکے ہیں بخشتا ہے) کے الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

تشریح ❁ دوسری حدیث میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک رات میری باری تھی آنحضرت ﷺ میرے ساتھ لیٹے، میں سوگئی اتنے میں اچانک رات کے کسی حصہ میں میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میرے محبوب میرے بستر پر موجود نہیں ہیں، میں نے باہر نکل کر آپ کو تلاش کرنا شروع کر دیا تو قریب جنت البقیع کا قبرستان تھا، تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ اس میں سجدہ کے اندر پڑے ہوئے ہیں اور قریب جا کر کھڑی ہوگئی سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں حضور ﷺ کا وصال ہوگیا ہے، لیکن کافی دیر کے بعد جب حضور ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ کیا تمہیں یہ خوف ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ تمہارے ساتھ زیادتی کریں گے یعنی تیری باری کسی اور خاتون کو دے دیں گے (یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر محض تحسین کلام کے لیے ہے) تو اماں جان فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایسا گمان کیسے کر سکتی ہوں صرف مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ ﷺ اللہ کے حکم یا اپنے اجتہاد سے کسی دوسری زوجہ کے پاس تشریف لے گئے ہونگے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فہم وفراست کی پیکر تھیں ورنہ اگر حضور ﷺ کے جواب میں نعم کہہ دیتیں تو یہ کفر شمار ہوتا بلکہ انہوں نے اپنی فراست اور نور ایمانی سے صرف اپنے اندیشے کا عذر پیش کیا۔

اور پھر حضور ﷺ نے بھی اُن کے پاس سے اٹھ کر آنے کی اصل وجہ بیان فرمائی کہ پندرھویں شعبان کی رات کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت عامہ اور رحمت واسعہ کے ساتھ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اپنی رحمت کے سمندر کو امت محمدیہ ﷺ پر اس طرح انڈیلتا ہے کہ امت کے گناہ گار اور مستحق نار لوگوں میں سے قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی بخشش اور مغفرت ہو جاتی ہے تو یہ تجلیاتِ باری اور رحمت ربی کے نزول کی رات تھی اس لیے میں جنت البقیع میں چلا گیا تھا تا کہ جا کر اپنی امت کے گناہ گاروں کیلئے دعائے مغفرت کروں۔ اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں ایک قبرستان کا نام ہے۔

امام ترمذیؒ نے اپنے استاد امام بخاریؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

سوال: اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے کیونکہ باب تو قیام لیالی شہر رمضان کے فضائل کے بارے میں ہے اور یہ رات تو شعبان کی ہے؟

جواب: اس روایت کو اس باب میں اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس میں پندرہویں شعبان کی رات کا ذکر ہے یہ بھی فضیلت اور برکت کی زیادتی کی وجہ سے رمضان کے قیام کیلئے مقدمہ ہے۔

نفل نماز گھر میں پڑھنے کا مسجد نبوی میں بھی پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے

(۶/۱۲۱۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي مَسْجِدِي هٰذَا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ (رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۶۳۲ حديث رقم ۱۰۴۴۔ والترمذي في السنن ۲/۳۱۲ حديث رقم ۴۵۰۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی اپنے گھر میں پڑھی جانے والی نماز میری اس مسجد میں پڑھی ہوئی نماز سے زیادہ بہتر ہے سوائے فرض نمازوں کے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح ✿ آنحضرت ﷺ نے جب رمضان المبارک میں چند آخری شب کے لئے قیام ترک کر دیا تھا جیسا کہ اس باب کی حدیث نمبر ۴ سے معلوم ہوتا ہے، اس موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا کہ اب باقی دن نوافل گھروں میں جا کر پڑھو کیونکہ گھروں میں نوافل پڑھنا مسجد نبوی میں بھی پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے۔

مسجد نبوی میں ایک فرض نماز پڑھنے کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے لیکن نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر میں نوافل پڑھنا ریا کاری اور دکھلاوے سے مامون ہے اور اصل عبادت کے اندر یہی مطلوب ہے کہ وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو اس میں دکھلاوا نہ ہو۔

صلوٰۃ تراویح کا حکم: اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ اور بعض شوافعؒ نے یہ حکم لگایا ہے کہ تراویح کی نماز بھی گھر میں پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے کیونکہ حضور ﷺ نے صلوٰۃ تراویح مسجد میں صرف بیان جواز کیلئے پڑھیں یا اس لیے کہ آپ معتکف تھے۔ دیگر جمہور ائمہ کے نزدیک تراویح کی نماز مسجد میں پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔

دلیل اوّل: حضور ﷺ نے تراویح کی نماز مسجد میں پڑھائی ہے۔

دلیل ثانی: صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ تراویح کی نماز مسجد میں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں تمام صحابہؓ کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ نے مسجد میں لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد یہی دستور ہر دور کے مسلمانوں کا رہا ہے۔

دلیل ثالث: صلوٰۃ تراویح شعار دین میں سے ہے اس لئے یہ عیدین کی طرح ظاہر پڑھی جائے گی، کیونکہ یہ عیدین کے مشابہ ہے، اور عیدین گھر میں پڑھنا بالکل درست نہیں۔

فقہ کی کتابوں میں محتاط قول اس بارے میں یہ اختیار کیا ہے کہ پیشوا اور رہنمائے دین کیلئے مسجد میں نمازِ تراویح پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ پیشوا اور علماء کے قول کو لوگ حجت بنا کر تراویح میں سستی کریں گے اور عامۃ المسلمین کے قول و فعل کو کوئی بھی دلیل نہیں بناتا، اس لئے ان کے گھر میں پڑھنے سے نقصان متعدی نہیں ہے۔

الفصل الثالث:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے لئے لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کرنا

(۱۲۱۴/۷) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِالْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّي لَوْجَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤/ ٢٥٠ حديث رقم ٢٠١٠ـ

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ فرماتے ہیں کہ میں (رمضان المبارک کی) ایک رات حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا (تو ہم نے دیکھا) کہ لوگ کھڑے ہوئے متفرق تھے۔ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھ رہا تھا (یعنی لوگ الگ الگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میں ان کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو یہ زیادہ مناسب ہوگا، پس آپؓ نے اس کا ارادہ فرمایا اور تمام لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے جمع کر دیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر ایک رات میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ وہاں سب لوگ اپنے امام (یعنی ابی بن کعب) کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھ رہے تھے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے (دیکھ کر) فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ اس وقت کی نماز جب تم سوتے رہتے ہو اس نماز سے بہتر ہے، حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ تراویح کی نماز آخری شب میں پڑھنا اول شب سے زیادہ بہتر ہے یہ اسلئے فرمایا کہ لوگ اول شب میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

تشریح ۞ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ: اس سے مراد بدعت کا لغوی معنی ہے کہ یہ لوگ اس وقت ایک امام کے پیچھے اکٹھے کرنا یہ جدید کام ہے اور اچھا ہے ورنہ اصل جماعت کو بدعت نہیں کہا، اس لئے کہ تراویح کی اصل جماعت تو خود رسول اللہؐ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تین دن تراویح کی نماز کی امامت و جماعت کرائی، اس لئے اس کو بدعت اصطلاحی کہنا گمراہی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ بھی اس کو جاری کریں تو پھر بھی بدعت نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ خلفائے راشدین میں سے خلیفہ ثانی ہیں اور خلفائے راشدین کا جاری کردہ طریقہ بھی سنت ہے کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ اطہر سے ارشاد فرمایا علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین. اس لئے آج کل بعض اہل ہوی اس کو بدعت کہتے ہیں، یہ ان کی بات بالکل درست نہیں۔

تراویح کی تعداد رکعات، نفل نماز میں لاٹھی کا سہارا لینا

(۱۲۱۵/۸) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمًا الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً فَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَاءِ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/ ١١٥ حديث رقم ٤ من كتاب الصلاة في رمضان ـ

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو تراویح کی گیارہ رکعتیں پڑھائیں اور قاری سو سو ۱۰۰، ۱۰۰ آیات پڑھتا (ہر رکعت میں) یہاں تک ہم (طول قیام کی وجہ سے تھک کر) اپنی لاٹھیوں پر سہارا لیکر کھڑے ہوتے اور ہم نماز سے نہیں فارغ ہوتے تھے، مگر فجر کے قریب۔
(امام مالک)

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے، حالانکہ صحیح صحت اور سند کے ساتھ یہ بات منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح پڑھائی جاتی تھیں، تو پھر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھار گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی گیارہ رکعتیں پڑھنا منقول ہے، اور ہمیشہ معمول بیس رکعات کا ہی رہا ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ۲۳ رکعات پڑھانا منقول ہے جن میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر تھے۔ باقی آپؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو امام بنایا دونوں کا طریقہ یہ تھا کہ دس ایک پڑھاتا تھا اور دوسری دس رکعات اور وتر دوسرا پڑھاتا تھا اور

یہی طریقہ زیادہ کثرت سے منقول ہے اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ بعض راتوں میں ایک کو حکم دیا کہ وہ نماز تراویح پڑھائے اور بعض راتوں میں دوسرا پڑھائے۔

لنعتمد علی العصاء: تراویح کے اندر چونکہ قیام لمبا ہوتا تھا اس لئے تھک جاتے تھے اور اپنی لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے کیونکہ تھکاوٹ کی وجہ سے سہارے کے بغیر کھڑا ہونا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نفل نمازوں میں تھکاوٹ کی وجہ سے اور خاص کر حالت ضعف میں لاٹھی وغیرہ یا دیوار وغیرہ کسی بھی چیز پر سہارا لینا جائز ہے۔

تراویح میں طوالت قراءت

(۹/۱۲۱۶) وَعَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَا اَدْرَكْنَا النَّاسَ اِلاَّ وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١١٥ حديث رقم ٦۔

ترجمہ: حضرت اعرج فرماتے ہیں کہ ہم نے نہیں پایا لوگوں کو مگر یہ کہ وہ کفار پر لعنت کرتے تھے رمضان المبارک میں اور قاری سورۂ بقرہ کو تراویح کی آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا اور کبھی کبھار سورۂ بقرہ کو بارہ رکعات میں پڑھتا، تو لوگ سمجھتے تھے کہ نماز ہلکی پڑھی گئی ہے۔ (امام ملک)

تشریح ۞ مسلمان رمضان میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے اس سے مراد رمضان المبارک کے نصف اخیر کے وتر ہیں کہ جب رمضان نصف ہو جاتا تو وتروں کی نماز میں کفار کے خلاف قنوتِ نازلہ پڑھ کر بددعا کی جاتی تھی کیونکہ حضرت عمرؓ سے صراحۃً منقول ہے کہ نصف رمضان کے بعد کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے۔ اب یہ کہ رمضان میں کفار پر لعنت بھیجنے کا سبب کیا تھا تو وہ سبب یہ تھا کہ جب کفار نے اس مہینہ کی عزت وحرمت کا خیال نہ کرتے ہوئے ایمان قبول نہیں کیا وہ مہینہ جو کہ سراپا رحمت ہے اور اسی میں ہدایت اور قرآن کا نزول ہوا ہے تو وہ لعنت کے مستحق قرار پائے۔

تراویح کی تعداد رکعات: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی تراویح آٹھ رکعات پڑھی جاتی تھی اور کبھی بارہ رکعات تو اس بارے میں پہلے وضاحت کر دی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں تراویح آٹھ، بارہ، بیس رکعات پڑھی جاتی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے بیس ۲۰/ رکعات مقرر کیں اور پھر یہی عمل صحابہؓ کا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں رہا، لہٰذا اب اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں اور پھر آنحضرت ﷺ نے بھی خلفائے اربعہ کے فعل کے سنت ہونے کی گواہی دے دی ہے، تو اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ ان بیس رکعات پڑھنے کو بدعت کہے، یا ان کی مخالفت کرے۔

تراویح کو لیٹ کرنا اور دیر سے پڑھنا بھی جائز ہے

(۱۰/۱۲۱۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اُبَيًّا يَقُوْلُ كُنَّا نَنْصَرِفُ فِيْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِيَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السُّحُوْرِ وَفِيْ اُخْرٰى مَخَافَةَ الْفَجْرِ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١١٦ حديث رقم ٧ من كتاب الصلاة في رمضان۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابی ابن کعبؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم جب رمضان مبارک میں قیام یعنی تراویح سے فارغ ہوتے تھے تو ہم خادموں سے کہتے تھے کہ جلدی کھانا لے آؤ، سحری کے وقت کے ختم ہونے کے خوف سے اور ایک دوسری روایت میں سحور کی بجائے فجر کے الفاظ ہیں، ہم فجر ہو جانے کے خوف سے خادموں سے جلدی کھانا لانے کا کہتے

تھے۔ (یہ مؤطا امام مالک کی روایت ہے)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی تراویح کا قیام بہت طویل ہوتا تھا، سحری تک صحابہ کرام تراویح میں مشغول رہتے تھے۔

اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہیں جا سکتا

(۱۱/۱۲۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ هَلْ تَدْرِیْنَ مَافِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ یَعْنِیْ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَافِیْهَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِیْهَا اَنْ یُّكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا اَنْ یُّكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِیْهَا تُنَزَّلُ اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَامِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَقَالَ مَامِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثَلَاثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی هَامَتِهٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ یَقُوْلُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (رواه البیهقی فی الداعوتِ الکبیر)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۱/ ٤٤٥ حدیث رقم ۱۳۹۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتی ہو کہ اس رات میں یعنی شعبان کی پندرہویں رات میں کیا ہوتا ہے؟ تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا آپ ﷺ ہی بتائیں کیا ہوتا ہے تو فرمایا کہ اس رات میں یہ ہوتا ہے کہ بنی آدم کا ہر وہ شخص جو اس سال میں پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھ دیا جاتا ہے اور بنی آدم کا وہ شخص جو اسی سال میں ہلاک ہونے والا ہوتا ہے وہ بھی اس رات میں لکھا دیا جاتا ہے اور اس رات میں بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں اس میں ان کے رزق اتارے جاتے ہیں، پس حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول ﷺ، اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی شخص بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا تو حضور ﷺ نے فرمایا، نہیں ہے کوئی ایک بھی جو جنت میں داخل ہو، سوائے اللہ کی رحمت کے، یہ آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔ میں نے کہا، اور آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہونگے؟ آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا اور فرمایا میں بھی (یعنی میں بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے رحمت سے ڈھانپ لے اور یہ الفاظ بھی آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ (بیہقی، کتاب الدعوات)

تشریح: انسان کی موت و حیات کا وقت اور اس کا رزق اس انسان کی پیدائش سے بہت پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔ شعبان کی پندرہویں رات میں لکھا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ڈیوٹی متعلقہ فرشتوں کے حوالے کی جاتی ہے، یعنی اس سال میں پیدا ہونے والے اور فوت ہونے والے لوگوں کی فہرست ان فرشتوں کے حوالے کی جاتی ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں پیدا ہونے والوں اور فوت ہونے والوں کے وقت کو بطور تجدید کے دوبارہ لکھ دیا جاتا ہے۔

فیها ترفع اعمالهم: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں بندہ سے جو نیک اور اچھے اعمال سرزد ہونے والے ہیں وہ لکھ دیئے جاتے ہیں، اور اس سال میں جوں جوں بندہ ان کو کرتا جاتا ہے وہ کرنے کے بعد اللہ رب العزت کی بارگاہ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔

وفیها تنزل ارزاقهم: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جتنا رزق بندے کو ملنا ہے اس کی تفصیل لکھ کر اس ڈیوٹی پر مامور فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔

فقالت یا رسول اللّٰہ: ام المومنین نے جب یہ سنا کہ جب بندے سے سرزد ہونے والے اعمال پہلے ہی لکھ دیئے جاتے ہیں، تو

انہوں نے سمجھا کہ جنت میں داخل ہونے کا دارومدار بندے کے اعمال پر نہیں ہے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر ہے تو اس خدشہ کی بناء پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ما من احد...... تو آنحضرت ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا، ہاں یہ بات بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہیں جا سکتا۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے اعمال کے ساتھ جنت میں نہیں جا سکتا بلکہ اللہ کی رحمت کے ساتھ جنت میں جائے گا اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کے ساتھ ہی جنت میں جائے گا بظاہر آیت اور حدیث میں تعارض ہے کیا تطبیق ہوگی؟

جواب: ① اعمالِ جنت میں داخل ہونے کا ظاہری سبب ہیں جنت میں داخل ہونے کا حقیقی سبب اللہ کی رحمت ہے کیونکہ جب تک بندے کے ساتھ اللہ کی رحمت اور توفیق شامل نہیں ہوگی اس وقت تک وہ نیک اعمال کر ہی نہیں سکتا، گویا انسان جنت میں جائے گا اعمال کی وجہ سے اور اعمال کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دی اس لئے یہ کہا جائے گا بندہ صرف رحمتِ خداوندی ہی سے جنت میں جا سکتا ہے۔ **جواب:** ② بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ جنت میں داخلہ تو محض پروردگار کی رحمت سے ہوگا اور درجات کا ملنا یہ اعمال پر موقوف ہوگا جتنے اعمال اچھے ہونگے اتنے درجات بلند ہونگے۔

بعض بدبخت اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے بھی محروم ہوتے ہیں

(۱۲/۱۲۱۹) وَعَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَطَّلِعُ فِىْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ (رواه ابن ماجة ورواه احمد عن عبدالله بن عمرو بن العاص وفى روايته) اِلَّا اثْنَيْنِ مُشَاحِنٌ وَقَاتِلُ نَفْسٍ۔

أخرجه ابن ماجه فى السنن ۱/ ٤٤٤ حديث رقم ۱۳۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتے ہیں نصف شعبان کی رات میں (دنیاوالوں کی طرف) پس اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرما دیتے ہیں، سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والے کے۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے اور احمدؒ نے اس کو عبداللہ بن عمرو ؓ ابن عاص سے روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں الا اثنین مشاحن وقاتل کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سوائے دو آدمیوں کے اپنی تمام مخلوق کی بخشش کر دیتے ہیں، سوائے دو آدمیوں کے ایک کینہ رکھنے والا اور دوسرا ناحق قتل کرنے والا۔

تشریح ۞ اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاصہ کے ساتھ دنیا والوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر اس قدر جوش میں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبادات کے اندر انسان کی لغزشوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور ان کیلئے جنت کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، ہاں حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتے، بلکہ ان کو حقوق کی ادائیگی کی مہلت دیتے ہیں، اگر وہ ادا کر دیں تو ٹھیک ہے اور اگر عدم ادائیگی پر ڈٹے رہیں تو عذاب الٰہی میں مبتلا ہونگے۔

او مشاحن: اس سے مراد وہ شخص جو کسی دنیاوی غرض سے کسی مسلمان بھائی کے بارے میں اپنے اندر بغض وکینہ رکھتا ہو تو ایسا بدبخت انسان اللہ تعالیٰ کی اس عام بخشش سے بھی محروم رہتا ہے ایسے عظیم اوقات میں بھی رحمتِ عامہ کا سایہ ان پر نہیں پڑتا۔

فائدہ: اس حدیث میں تین لوگوں کا ذکر ہے جن کی بخشش اس رات میں بھی نہیں ہوتی: ① کینہ رکھنے والا ② مشرک ③ ناحق خون کرنے والا۔ اور بعض روایتوں میں اور بھی مذکور ہیں اور وہ یہ ہیں:

④ قطع تعلق کرنے والا ⑤ ٹخنوں سے ازار اور پاجامہ کو نیچے لٹکانے والا ⑥ عریف: غیب کی باتیں بتانے والا، ⑦ کاہن اور

نجومی ⑧ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ⑨ شراب کا عادی جو کہ ہمیشہ شراب پیتا ہو ⑩ عشار: یعنی ظلم کے ساتھ محصول اور ٹیکس وصول کرنے والا ⑪ عرطبہ: یعنی باجہ بجانے والا۔

پندرہویں شعبان کے روزے اور رات کی عبادت کی فضیلت

(۱۳۲۰/۱۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اَلَامِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُلَهٗ اَلَامُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقُهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رواہ ابن ماجة)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٨٤/١۔ حديث رقم ٣٥٧۔ ومسلم في صحيحه ٤٩٨/١ حديث رقم (٨٢۔ ٣٣٦) و ابوداود في السنن حديث رقم ١٢٩١ والترمذي ٣٣٨/٢ حديث رقم ٤٧٤۔ والنسائي ٢٠٢/١ حديث رقم ٤١٥۔ والدارمي ٤٠٢/١ حديث رقم ١٢٩١۔ وفي الموطأ ١٥٢/١ حديث رقم ٢٨من كتاب قصر الصلاة۔ وأحمد في المسند ٤٢٣/٦۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن کا روزہ رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں سورج غروب ہوتے ہی آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے (یعنی اپنی رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے) پس فرماتا ہے خبردار کیا کوئی ہے بخشش مانگنے والا کہ میں اس کو بخش دوں، کیا کوئی ہے رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں، کیا ہے کوئی مصیبت میں مبتلا میں اس کو نجات دوں، کیا ہے کوئی ایسا ایسا (یعنی اللہ تعالیٰ ضرورتوں کے نام لے لے کر پکارتے رہتے ہیں، مثلاً ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اس کو دوں وغیرہ) یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ❁ اس حدیث مبارکہ میں شب براءت کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ اور رحمت عامہ کے ساتھ دنیا والوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور انسانوں کو اپنی رحمت کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ میری رحمت اور بخشش کے سمندر سے تم بھی سیراب ہو جاؤ، لیکن آگے انسانوں کی دو قسمیں ہیں، کچھ تو وہ خوش قسمت لوگ ہیں جو اس رات میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست پیش کرتے ہیں، اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو یہ رات ان کیلئے رحمتوں اور بخششوں کا ذریعہ بن جاتی ہے اور کچھ وہ بدنصیب لوگ ہوتے ہیں جو اس رات میں لہو و لعب اور آتش بازی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور اس رات کو کھیل تماشہ کی نذر کر دیتے ہیں، تو یہ رات اُن کیلئے اللہ کی رحمتوں سے دوری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

شب براءت کی خاص دُعا

روایات میں منقول ہے کہ اکثر صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت فاروق اعظمؓ فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہما اکثر اس رات میں یہ دعا بطور خاص پڑھتے تھے: **اللهم ان كنت كتبتنا اشقياء فامحه واكتبنا سعداء وان كنت كتبتنا سعداء فاثبتنا فانك تمحو من تشاء وتثبت عندك ام الكتاب.** ''اے اللہ اگر تو نے ہمیں بد بخت لکھا ہوا ہے تو اُسے مٹا دے اور ہمیں نیک بخت لکھ دے اور اگر تو نے ہمیں نیک بخت لکھا ہوا ہے تو اسے برقرار رکھ، بے شک تو جسے چاہے مٹائے اور جس کو چاہے ثابت رکھے، تیرے ہی پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے''۔

یہ حدیث اگرچہ قوی نہیں، لیکن فضائل میں ضعیف حدیث بھی قابل قبول ہے، اور ان **كنت كتبتنا اشقياء** میں کتابت سے مراد

کتابت معلقہ ہے جس میں تغیر وتبدل ممکن ہے۔ کتابت محکمہ مراد نہیں ہے کیونکہ جو چیز کتابت محکمہ میں لکھی جا چکی ہے اسکا مٹانا ممکن نہیں۔

پندرہویں شعبان کی ایک بدعت

اس شب میں ایک نماز بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے جس کو صلوٰۃ الغیہ کہا جاتا ہے اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس میں سو ۱۰۰ رکعات نماز نفل اس طرح پڑھی جائیں کہ اس کی ہر رکعت میں دس دس بار قل کی قراءت ہو اور کئی لوگ اس کا اہتمام جمعہ اور عیدین سے بھی زیادہ کرتے ہیں، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نہ ہی یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی صحابی کا صحیح طریقہ عمل اور قول منقول ہے۔ دیلمی وغیرہ نے اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے بارے میں اکثر علماء یہی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف اور موضوع ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں۔ اور اس میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اس میں بڑا چراغاں ہوتا ہے، حالانکہ کسی بھی نیک عمل کے وقت چراغاں کرنا شرعاً جائز نہیں۔

ابتداء: اس کی ابتداء کے بارے میں منقول ہے کہ یہ نماز سب سے پہلے بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں شروع ہوئی، اور اس کے شروع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس دور کے جاہل اور اقتدار طلب ائمہ مساجد نے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اپنے قریب جمع کرنے کیلئے اور ان سے پیسے حاصل کرنے کیلئے یہ کام شروع کیا۔ اور بہت سارے اولیاء اللہ اس چیز کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے، اور عبادت خداوندی کی آڑ میں ہونے والے اس فسق وفجور سے منہ موڑ کر جنگلوں کی طرف چلے گئے، لیکن علماء حق نے اس بدعت کے رد میں خوب کوشش کی یہاں تک کہ آٹھ سو ہجری میں مصر اور شام کے شہروں سے یہ بدعت بالکل ختم ہوگئی۔

چراغاں کی وجہ: اس رات میں چراغاں کا کام سب سے پہلے قوم برامقہ نے شروع کیا کیونکہ یہ قوم پہلے آتش پرست تھی جب مسلمان ہوگئے، اور پوری طرح اسلام ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا تھا انہوں نے سیاست کے ساتھ آہستہ آہستہ اس کو اسلام میں داخل کر دیا اور وہ اس نماز کے وقت چراغاں کرتے تھے اور وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز کی شکل میں کھڑے ہو کر حقیقت میں آگ کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔ حالانکہ شریعت میں کسی بھی جگہ پر چراغاں درست نہیں مثلاً بعض لوگ جمعرات کے دن گھروں میں چراغاں کرتے ہیں، اسی طرح بعض جاہل حاجی حج کے بعض ارکان ادا کرتے وقت چراغاں کرتے ہیں۔ جو کہ بالکل ناجائز ہے کیونکہ اس سے آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔

ملّا علی قاری کا نظریہ: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الغیہ کا ثبوت اگرچہ ضعیف حدیث سے ہے لیکن فضائل میں ضعیف حدیث چل سکتی ہے علماء حقہ نے اس کو ناجائز اس لئے قرار دیا ہے اس کے ساتھ بہت سارے منکرات مثلاً چراغاں وغیرہ ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اکیلا ان منکرات کے بغیر اس نماز کو پڑھنا چاہتا ہے تو جائز ہے۔

فائدہ: علامہ طرطوسی فرماتے ہیں کہ تراویح کی نماز کے اختتام پر محض اس محفل ختم میں شریک کرنے کیلئے لوگوں کو جمع کرنا اور منبر وغیرہ نصب کر کے چراغاں وغیرہ کرنا بدعت ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ طرطوسی کی یہ عمدہ تحقیق ہے یہ مکروہ رسم مسلمانوں میں بہت زیادہ رائج ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ اہل حرمین نے بھی اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ اختیار کیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس رات میں مردوں عورتوں غلاموں کو نماز عیدین اور نماز جمعہ سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ جمع کرتے ہیں، اور وہاں اس وجہ سے حاجیوں کو تکلیف ہوتی ہے طواف اور تلاوت کرنے والوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بالکل آتش پرستوں کا سا سماں نظر آتا ہے جو کہ انتہائی نقصان دہ اور ایمان کو چھیننے کا ذریعہ ہے۔ اللھم احفظنا منه

بَابُ صَلٰوۃِ الضُّحٰی

نمازِ ضحیٰ کا بیان

ضحیٰ مشتق ہے ضحو اور ضحوۃ سے، اس کا معنی ہے سورج کا بلند ہونا، دن کا چڑھنا اور چاشت کا وقت ہونا اور اس وقت پڑھی جانے والی نماز کو صلوٰۃ ضحیٰ کہتے ہیں، ضحیٰ کی عموماً دو نمازیں ہیں: (۱) نماز اشراق (۲) نماز چاشت۔

نماز اشراق: یہ جب سورج ایک نیزہ بلند ہو جائے اور مکروہ وقت ختم ہو جائے یہ اس وقت پڑھی جاتی ہے اور عربی کی اصطلاح میں اس کو ضحوہ صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ نماز اشراق کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعتیں ہیں۔

نماز چاشت: یہ نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے جب سورج بلند ہو جائے اور دوپہر شروع ہو جائے اور گرمی پیدا ہو جائے، اور عربی میں اس کو ضحوہ کبریٰ کہتے ہیں۔ نماز چاشت کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ چاشت کی چار رکعتیں پڑھنا بہتر ہے کیونکہ صحیح احادیث اور آثار صحابہؓ سے چار رکعتیں پڑھنا ہی منقول ہیں۔ امام نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اشراق اور چاشت دونوں پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ جب آفتاب شرق کی جانب ایسا ہوتا جیسا کہ عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے آنحضرت ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے تھے (یہ نماز اشراق ہوتی تھی) اور جب آفتاب شرق کی جانب ایسا ہوتا جیسا کہ ظہر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آپ ﷺ چار رکعتیں پڑھتے تھے (یہ صلوٰۃ چاشت تھی)۔

صلوٰۃ ضحیٰ کا حکم: اکثر علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے کیونکہ اس کی فضیلت بہت زیادہ منقول ہے شیخ ولی الدین ابن عراقی فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ ضحیٰ کے بارے میں صحیح اور مشہور روایتیں بہت زیادہ منقول ہیں یہاں تک کہ محمد ابن جریر طبرانی فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ ضحیٰ کے متعلق جو احادیث منقول ہیں وہ تواتر کا درجہ رکھتی ہیں۔

علامہ سیوطی نے علامہ دیلمی کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے وہ اکثر اسے پڑھا کرتے تھے۔ اور علامہ ابن نجار نے حضرت ثوبانؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ وہ عظیم نماز ہے جسے حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے ہمیشہ پڑھا، اور علامہ قاضی ابو بکر فرماتے ہیں کہ یہ پچھلے انبیاء اور رسل کی نماز ہے۔

الفصل الاول:

آنحضرت ﷺ کی چاشت کی نماز

(۱۲۲۱/۱) عَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ بَیْتَهَا یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰی ثَمَانِیَ رَكْعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلَاةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَیْرَ اَنَّهُ یُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی وَذٰلِكَ ضُحًی۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۴۸٤۔ حدیث رقم ۳۵۷۔ ومسلم فی صحیحه ۱/٤۹۸ حدیث رقم (۸۲۔ ۳۳۶) و ابوداود فی السنن حدیث رقم ۱۲۹۱ والترمذی ۲/۳۳۸ حدیث رقم ٤۷٤۔ والنسائی ۱/۲۰۲ حدیث رقم ٤۱۵۔ والدارمی ۱/٤۰۲ حدیث رقم ۱۲۹۱۔ وفی الموطأ ۱/۱۵۲ حدیث رقم ۲۸ من کتاب قصر الصلاۃ۔ وأحمد فی المسند ۶/٤۲۳۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے دن میرے گھر میں تشریف لائے، پس آپ ﷺ نے غسل کیا اور پھر آٹھ رکعات نماز (چاشت) پڑھی میں نے اس سے قبل آپ ﷺ کی اس سے ہلکی نماز نہیں دیکھی، لیکن آپ ﷺ رکوع و سجود پورا کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔ (بخاری)

تشریح: نماز رسول اللہ ﷺ کے ہلکا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لمبی قراءت نہیں فرمائی اور اسی طرح رکوع

اور سجدہ میں تسبیحات بھی مختصر پڑھی ہیں جو کہ آنحضرت ﷺ کی روٹین کی نماز تھی، اس سے اس کو ہلکا کر کے پڑھا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے چاشت کے وقت آٹھ رکعات پڑھیں اب آیا پڑھنے کی کیفیت کیا تھی کہ دو سلام کے ساتھ پڑھی یا کہ دو دو رکعات کر کے چار سلاموں کے ساتھ پڑھی یہ منقول نہیں ہے۔ باقی اس موقعہ پر آٹھ رکعات پڑھیں ہیں اور عموماً چار ہی پڑھتے تھے۔

حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا: ان کا نام فاختہ تھا اور شیر اسلام حضرت علی بن ابی طالب کی بہن تھیں، مکہ میں ان کا گھر حضور ﷺ کی دینی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اور یہ بڑی فضیلت اور مرتبہ کی مالک صحابیہ ہیں۔

حضور ﷺ زیادہ تر چاشت میں چار رکعات پڑھتے تھے

(۲/۱۲۲۲)وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ صَلَاةَ الضُّحٰى قَالَتْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۱/ ۴۹۷ حديث رقم (۷۹۔ ۷۱۹)۔ وأحمد فی المسند ۶/ ۱۴۵۔

ترجمہ: حضرت معاذہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ صلوٰۃ ضحیٰ کی کتنی رکعات پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ چار رکعتیں پڑھتے تھے، اور اس سے زیادہ بھی جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، تو پڑھتے تھے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ زیادہ تر چار رکعت چاشت کی نماز پڑھتے تھے اور کبھی کبھار زائد بھی پڑھتے لیکن زائد کی آخری حد بارہ رکعات ہے، اس سے زیادہ کسی حدیث میں منقول نہیں۔ اور یہ حدیث صلوٰۃ اشراق اور صلوٰۃ چاشت دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔

کتاب احیار میں لکھا ہے کہ ان دونوں نمازوں میں عموماً سورۃ الشمس، سورۃ اللیل، سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح پڑھنا چاہئے لیکن ان سورتوں کے علاوہ دیگر سورتوں کو پڑھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

صلوٰۃ ضحیٰ جسم کے تمام جوڑوں کا صدقہ ہے

(۳/۱۲۲۳)وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَ كُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۱/ ۴۹۸ حديث رقم (۸۴۔ ۷۲۰)۔ وأحمد فی المسند ۵/ ۱۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا صبح ہوتے ہی تم میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہے لہٰذا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر تحمید یعنی الحمد للہ کہنا صدقہ ہے اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے اور امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔ اور ان تمام کے قائم مقام ہے کہ بندہ صلوٰۃ الضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھ لے (یعنی صلوٰۃ الضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھنا تمام جوڑوں کا صدقہ ادا کر دیتا ہے)۔ (مسلم)

تشریح ۞ سونے کے بعد ہر انسان کو ایک نئی حیات ملتی ہے اور ہر جوڑ صحیح سالم انسان کو گویا دوبارہ مل جاتا ہے جن کے ساتھ

انسان اپنے دنیاوی کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے اور آرام سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے اسباب اختیار کرتا ہے تو اس عظیم نعمت کا ہر ہڈی اور جوڑ پر صدقہ لازم ہے تو یہ چند کلمات جو حدیث میں مذکور ہیں ان کو پڑھنے سے بھی ہر ہر جوڑ کا صدقہ ادا ہو جاتا ہے کہ تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اتنی مقدار یہ کلمات پڑھ لے یہ بھاری نہیں ہے لیکن اگر کوئی خوش قسمت انسان صلوٰۃ ضحیٰ کی دو رکعات پڑھ لے تو ان تمام کا کفارہ اور صدقہ ادا ہو جاتا ہے صلوٰۃ ضحیٰ ہر ہر عضو کا صدقہ اس لئے ہے کہ اس فعل یعنی نماز میں جسم کے تمام اعضاء شریک ہوتے ہیں بخلاف ذکر و تسبیح کے کہ اس میں صرف ایک عضو شریک ہوتا ہے لہٰذا ایک دفعہ ذکر تسبیح پڑھنا ایک ہی عضو کا صدقہ ہوگا۔

صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کا بہترین وقت

(۴/۱۲۲۴) وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمَ اَنَّهٗ رَاٰى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلَاةَ فِىْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَفْضَلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ صَلَاةُ الْاَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۱/ ۵۱۵ حديث رقم (۱۴۳۔۷۴۸)۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اس نماز کو اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں پڑھنا افضل ہے (پھر اس وقت کیوں پڑھتے ہیں) بے شک رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی (صلوٰۃ ضحیٰ) نماز کا وقت وہ ہے جبکہ اونٹوں کے بچے گرم ہونے لگیں۔ (مسلم)

تشریح ۞ حدیث مبارکہ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ چاشت کی نماز کو اس کے مستحب وقت سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں، تو فرمایا کہ یہ لوگ بڑے عجیب ہیں بہت سی احادیث سے ان کو معلوم بھی ہے کہ چاشت کا افضل وقت دیر سے ہے پھر بھی وہ اس کا انتظار نہیں فرماتے بلکہ پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں اس لئے پھر خود اس کا اصل اور مستحب وقت بیان کیا کہ صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کا مستحب وقت یہ ہے کہ جب اونٹنی کے بچے گرم ہونے لگیں یعنی دھوپ خوب پھیل جائے اور دھوپ میں کھڑا ہونا موسم گرما میں مشکل معلوم ہو اور زمین بھی گرم ہو جائے جو کہ آج کل ۹ تا ۱۰ بجے کے درمیان معلوم ہوتا ہے اس وقت کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں سستی اور کاہلی پیدا ہو جاتی ہے دل کرتا ہے کہ آرام کیا جائے اگر ایسے وقت میں اپنے آرام کو قربان کر کے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگا تو پھر اس انسان کے لئے عظیم ثواب ہوگا۔

الفصل الثانی:

صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ

(۵/۱۲۲۵) وَعَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ وَاَبِىْ ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَّهٗ قَالَ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِرْكَعْ لِىْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهٗ۔ (رواه الترمذی و رواه ابو داود والدارمی) عَنْ نُعَيْمِ بْنِ هَمَّارٍ الْغَطَفَانِىِّ وَاَحْمَدُ عَنْهُمْ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۳۴۰ حديث رقم ۴۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابو دردا اور حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردگار سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے ابن آدم تو دن کے شروع حصہ میں میرے لیے چار رکعتیں پڑھ لیا کر میں تیری اس دن کی

شام یعنی آخر تک تیری کفالت کرونگا۔ یہ ترمذیؒ کی روایت ہے اور ابوداؤد اور داریؒ نے نعیم بن ہماز غطفانی سے نقل کیا ہے اور امام احمدؒ نے ان سب سے یہ روایت نقل کی ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث قدسی ہے حدیث قدسی وہ ہوتی ہے جس میں رسول اللہؐ اپنے رب تعالیٰ کا ارشاد نسبت کر کے نقل فرمائیں۔ ارشاد خداوندی کہ اے ابن آدم...... اس کا مطلب یہ ہے کہ اے انسان تو چاشت کے وقت محض میری رضا کیلئے چار رکعتیں پڑھ لیا کر میں پورا دن تیری تمام جائز حاجات پوری کرونگا اور تیری پریشانیوں کو دور کرونگا اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ چاشت کی نماز کی صورت میں کچھ دیر کیلئے دن کو میرے لیے فارغ کرلے تو میں تیری حاجات کو پورا کر کے اور مشکلات کو حل کر کے تیرے دل کو بھی تسکین پہنچاؤں گا۔ کیا خوب کہا ہے من کان للہ کان اللہ لہ، کہ جو اللہ کا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتوں کا کفیل ہوگا۔ اور یہ بھی بات قابل غور ہے کہ ان چار رکعتوں سے چاشت اور اشراق دونوں مراد ہوسکتی ہیں۔

صلوٰۃ ضحیٰ جسم کے ہر جوڑ کا صدقہ ہے

(۶/۱۲۲۶) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِي الْاِنْسَا نِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَسِتُّوْنَ مَفْصِلاً فَعَلَيْهِ اَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَمَنْ يُطِيْقُ ذٰلِكَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّيْئُ تُنَحِّيْهِ عَنِ الطَّرِيْقِ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰى تُجْزِءُكَ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٥/٤٠٦ حديث رقم ٥٢٤٢ ـ وأحمد في المسند ٥/٣٥٩ ـ

ترجمہ: حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، پس انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر جوڑ کے بدلہ میں صدقہ دے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اس کی کون طاقت رکھتا ہے اے اللہ کے رسول! تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مسجد میں پڑا ہوا تھوک اس کو دفن کرنا بھی صدقہ ہے اور اسی طرح راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے اگر تو یہ چیزیں نہ پائے تو پھر دو رکعتیں چاشت کی پڑھ لینا تیرے لئے کافی ہے۔ (ابوداوُدؒ)

تشریح ۞ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ ہیں اور ہر جوڑ کا صدقہ لازم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بطور شکر کے انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ اللہ کی اس عظیم نعمت کا صدقہ ادا کرے لیکن یہاں لازم سے مراد واجب نہیں ہے جس کا چھوڑنا گناہ ہو، لیکن اس کا چھوڑنا محض تاکید ہے، کہ صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ کسی کے نزدیک بھی نماز اشراق اور نماز چاشت اور راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا یا مسجد سے تھوک کا صاف کرنا واجب شرعی نہیں ہے۔

صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنے پر جنت میں محل ملتا ہے

(۷/۱۲۲۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهٗ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ رواه الترمذى وابن ماجة وقال الترمذى هذا حديث غريب لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔

أخرجه الترمذي في السنن ٢/٣٣٧ ـ وابن ماجه في السنن ١/٤٣٩ حديث رقم ١٣٨٠ ـ

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔ یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس لئے کہ یہ اس

سند کے ساتھ منقول ہے اس کی اور کوئی سند نہیں۔

تشریح: یہاں صلوٰۃ ضحیٰ سے مراد چاشت کی نماز ہے نہ کہ اشراق کی نماز کیونکہ اشراق کی نماز کی زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں، چاشت کا وقت چونکہ یا تو کام کاج کا وقت ہوتا ہے اس وقت انسان کام کاج میں مشغول ہوتا ہے، اور اگر فارغ ہے تو سستی کا وقت ہوتا ہے اگر کام کاج اور سستی کو چھوڑ کر بارہ رکعتیں پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ جنت میں محل دیں گے۔

نمازِ اشراق کی فضیلت

(۸/۱۲۲۸) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ نِالْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَعَدَ فِيْ مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَايَقُوْلُ اِلَّا خَيْرًا غُفِرَلَهٗ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه ابو داوٗد فی السنن ۲/۶۲ حدیث رقم ۱۲۸۷۔ وأحمد فی المسند ۳/۴۳۹۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس الجہنیؓ سے روایت ہے کہ سرکار طیبہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھ کر اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہے یہاں تک کہ اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لے (اور نماز فجر اور نماز اشراق کے درمیان) اپنی زبان سے سوائے کلمہ خیر کے دوسری بات نہ کرے تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

تشریح: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں صلوٰۃ ضحیٰ سے مراد اشراق کی نماز ہے اگرچہ دوسری احادیث میں صلوٰۃ ضحیٰ نماز اشراق اور نماز چاشت دونوں میں محتمل ہوتی ہے۔

من قعد: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز فجر پڑھ کر نیک کاموں میں مشغول ہو جائے مثلاً علم سیکھنا سکھانا شروع کر دے بیت اللہ کا طواف کرے یا ذکر و فکر میں مشغول ہو جائے اور سورج کے بلند ہونے پر اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے تمام صغیرہ گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں، کیونکہ حدیث میں خطایا کا ذکر ہے اور خطا چھوٹے گناہوں کو کہتے ہیں اور گناہ کبیرہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، ہاں اگر اس عظیم عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ بھی معاف کر دیں تو اس کی شان رحیمی سے بعید نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ فجر کے بعد اسی جگہ بیٹھنا مراد نہیں ہے، بلکہ اس کو بطور تمثیل کے ذکر کیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی کاموں میں مشغول نہ ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی انسان کو کسی پریشانی کا ڈر ہو یا ریاکاری کا وسوسہ پیدا ہو، ایسی صورت میں جس مصلے پر نماز فجر پڑھی ہے اس سے اٹھ کر خلوت میں جا کر عبادت میں مشغولیت اختیار کرنی چاہیے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ وہ عمل جس کی جزاء دنیا میں نورانیت کی شکل میں ملتی ہے وہ صلوٰۃ ضحیٰ ہے ایسی صلوٰۃ ضحیٰ جس کے اور صلوٰۃ فجر کے درمیان صرف مشغولیت دینی ہو۔

الفصل الثالث:

(۹/۱۲۲۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَافَظَ عَلٰى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۳۴۱ حدیث رقم ۴۷۶۔ وابن ماجه ۱/۴۴۰ حدیث رقم ۱۳۸۲۔ وأحمد فی المسند ۲/۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص صلوٰۃ ضحیٰ کی دو رکعتوں پر ہمیشگی اختیار کرے گا

اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ترمذی ابن ماجہ اور مسند امام احمد کی روایت ہے۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول

(۱۰/۱۲۳۰) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَلِيْ اَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهَا۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١٥٣ حديث رقم ٣٠ من كتاب قصر الصلاة۔

ترجمہ: حضرت امّ المؤمنین عائشہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ صلوٰۃ ضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں اور پھر فرماتی تھیں اگر میرے لئے میرے ماں باپ بھی زندہ کر دیئے جائیں تو پھر بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں گی۔ (امام مالک)

تشریح ۞ امّ المؤمنین کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ لذت اور مزہ جو مجھے صلوٰۃ ضحیٰ پڑھ کر حاصل ہوتا ہے اگر میرے ماں باپ بھی زندہ ہو جائیں تو مجھے ماں باپ کی ملاقات کی خوشی بھی اس نماز سے نہیں روک سکتی، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تعلیق بالمحال کہ اگر میرے ماں باپ زندہ ہو جائیں جو کہ محال ہے یہ مبالغہ کیلئے کی ہے اور اس کے ساتھ یہ ترغیب دی ہے لوگوں کو باقاعدگی کے ساتھ اس کو پڑھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر شفقت

(۱۱/۱۲۳۱) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/٣٤٢ حديث رقم ٤٧٧۔ وأحمد في المسند ٣/٣٦۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنا شروع کرتے تو ہم کہتے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو نہیں چھوڑیں گے اور آپ اس کو کبھی چھوڑ دیتے، یہاں تک ہم یہ کہتے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہیں پڑھیں گے۔

تشریح ۞ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نوافل کے بارے میں یہ دستور تھا کہ انہیں مداومت کے ساتھ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ کبھی کبھی ترک بھی فرما دیتے تھے اس لئے کہ ہمیشہ پڑھنے سے کہیں وہ فرض ہی نہ ہو جائے، اسی طرح صلوٰۃ ضحیٰ بھی نفل ہے۔ آپ نے کبھی کبھی اس کو ترک اس لئے فرمایا تاکہ یہ بھی فرض نہ ہو جائے، اس کی وجہ سے میری امت تنگی اور تکلیف میں مبتلا ہوگی۔

فائدہ: صرف آنحضرت کے مداومت فرمانے سے کسی بھی عمل کے فرض ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا امت کے لوگ اگر اسی کام کو بالانتظام مداومت کے ساتھ ادا کریں تو وہ فرض نہیں ہوتا مثلاً اگر صلوٰۃ ضحیٰ امت کے لوگ مداومت کے ساتھ پڑھیں تو بھی مستحب ہی رہے گی۔

(۱۲/۱۲۳۲) وَعَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ تُصَلِّي الضُّحٰى قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَاَبُوْبَكْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا اِخَالُهُ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/٥١۔ حديث رقم ١١٧٥۔

ترجمہ: حضرت مورق عجلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، کیا آپ صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ تو میں نے پھر پوچھا کہ حضرت عمرؓ (یعنی حضرت عمرؓ چاشت کی نماز پڑھتے تھے) فرمایا نہیں پڑھتے تھے۔ پھر میں نے پوچھا کیا حضرت ابوبکرؓ؟ (پڑھتے تھے) انہوں نے فرمایا، کہ نہیں۔ تو پھر میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، فرمایا کہ

نہیں میرا خیال یہی ہے۔ (بخاری)

تشریح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ ضحیٰ کی جو نفی فرمائی ہے اس سے مراد یہ بالکل نہیں کہ وہ پڑھتے ہی نہیں تھے، کیونکہ اس کا ثبوت تو بہت ساری احادیث سے ہے اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث میں آیا ہے کہ دوسروں کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے بلکہ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے۔ فرض ہونے کے خطرہ سے کبھی کبھار ترک فرماتے تھے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، زیادہ تر گھر میں پڑھتے تھے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اور مشائخ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صلوٰۃ ضحیٰ فرض ہونے کا اندیشہ نہیں اس لئے اب تمام مسلمانوں کو اس پر مداومت اختیار کرنی چاہئے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ

نفل نماز کا بیان

تطوع یہ طَوْعٌ اور طاعت سے ماخوذ ہے جس کے معنی تابعداری کے ہیں، نفلی عبادت کو تطوع اور نفل عبادت کرنے والے کو متطوِّع کہتے ہیں، عموماً تطوع کا اطلاق فرض کے علاوہ ہر نماز پر ہوتا ہے چاہے وہ سنت ہو مستحب ہو یا نفل ہو، لیکن زیادہ تر تطوع کا اطلاق ان نمازوں پر ہوتا ہے جو کہ سنن غیر مؤکدہ کہلاتی ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے اس باب میں مندرجہ ذیل نفل نمازوں کا تذکرہ کیا ہے:

① تحیۃ الوضو ② صلوٰۃ استخارہ ③ صلوٰۃ توبہ ④ صلوٰۃ حاجت ⑤ صلوٰۃ تسبیح ⑥ مطلق نفل کے بارے میں بھی چند احادیث نقل کی ہیں۔

الفصل الاول:

تحیۃ الوضو کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا منفرد اعزاز

(۱۲۳۳/۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَا بِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَاعَمِلْتُ عَمَلاً اَرْجٰی عِنْدِیْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طَهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ وَلاَ نَهَارٍ اِلاَّ صَلَّيْتُ بِذَالِكَ الطُّهُوْرِ مَاكُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۴/۳۔ حدیث رقم ۱۱۴۹۔ ومسلم فی صحیحه ۱۹۱۰/۴ حدیث رقم (۱۰۸۔ ۲۴۵۸)۔ واحمد فی المسند ۳۳۳/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا، اے بلالؓ! مجھے یہ بتاؤ وہ عمل جس پر آپ کو ثواب کی سب سے زیادہ امید ہو جو آپ نے حالت اسلام میں کیا ہو، وہ کیا ہے؟ بے شک میں نے سنی ہے تمہارے جوتوں کی آواز جنت میں اپنے سامنے تو حضرت بلالؓ نے فرمایا، میں نے نہیں کیا کوئی ایسا عمل جو کہ زیادہ امید والا ہو میرے ہاں سوائے اس کے کہ میں پاکی حاصل نہیں کرتا دن رات کے کسی بھی حصے میں مگر میں پڑھ لیتا ہوں اس وضو کے ساتھ جو میرے مقدر میں ہوتی ہے کہ میں اس نماز کو پڑھ لوں۔ (بخاری، مسلم)

تشریح پاکی سے مراد وضو بھی ہو سکتا ہے، تیمم بھی اور غسل بھی۔ اور یہ تینوں بھی مراد لیے جا سکتے ہیں، اس حدیث میں جس نماز کا ذکر کیا ہے، یہ وہ نماز ہے جو وضو کے بعد پڑھی جاتی ہے اس نماز کو تحیۃ الوضو یا شکر وضو کہتے ہیں۔ حضرت بلالؓ کا جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلنا یہ یا تو آپ کو خواب میں دکھایا گیا ہے یا یہ کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کی سیر کرائی، تو جنت

میں اپنے آگے حضرت بلالؓ کے جوتوں کی آواز سنی ہوگی۔ اور حضرت بلالؓ کا آپ کے آگے چلنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خادم کا اپنے مخدوم کے آگے چلنا۔

صلوٰۃ استخارہ کا طریقہ اور دُعا

(۲/۱۲۳۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَاهَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ قَالَ وَيُسَمِّيْ حَاجَتَهٗ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۳/ حديث رقم ۱۱۶۶۔ والترمذی فی السنن ۲/۲۴۵ حديث رقم ۴۸۰۔ وابن ماجه ۱/۴۴۰ حديث رقم ۱۳۸۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ سکھاتے تھے تمام امور میں جس طرح کہ قرآن مجید کی کوئی سورت ہمیں سکھاتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے جب بھی ارادہ کرے تم میں سے کوئی کسی بھی کام کا تو اس کو چاہیے کہ وہ دو رکعتیں نماز پڑھ لے فرض کے علاوہ (یعنی نفل اور پھر یہ دعا پڑھے اللهم انی استخيرك بعلمك...... اے اللہ میں تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں تیرے علم کے وسیلہ سے اور میں تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں تیری قدرت کے واسطہ سے اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے بڑے فضل کا، پس بے شک تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو سب چیزوں کو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو جاننے والا ہے تمام غیب کی باتوں کو، اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام بہتر ہے میرے لیے، میرے دین میں اور میری دنیا میں، اور میرے انجام کے اعتبار سے۔ راوی کہتے ہیں یا فرمایا، میرے جلد آنے والے معاملے یا بدیر آنے والے معاملے میں یعنی میری دنیا میں یا آخرت میں تو اس کو مہیا فرما دے میرے لیے اور اس کو آسان کر دے میرے لیے پھر تو اس میں برکت ڈال دے میرے لیے اور اگر تو جانتا ہے یہ کام میرے لیے برا ہے میرے دین اور میری معاش اور میرے انجام کے اعتبار سے یا میری دنیا و آخرت میں، تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لیے مہیا فرما جس میں خیر ہو جہاں بھی کہیں ہو اور پھر مجھے اس پر راضی فرما دے، اور لفظ ہذا الامر کی جگہ اپنی ضرورت اور حاجت کا نام لے۔ (بخاری)

تشریح ⊛ کسی بھی کام میں استخارہ کی دو صورتیں ہیں:

⌘ کوئی کام مباح ہو اور اس کی بھلائی میں تردد ہو اور اسی طرح کامیابی اور ناکامی میں تردد ہو تو اس سے پہلے استخارہ کر لے۔ مثلاً سفر کرنے کا ارادہ ہو تجارت کرنا چاہتا ہے یا کسی جگہ نکاح کرنا چاہتا ہے لیکن وہ کام جو متعین ہوں مثلاً کھانا پینا وغیرہ ان کیلئے استخارہ نہیں ہے، تو ایسے کاموں کیلئے استخارہ یہ ذہن میں رکھ کر کرے کہ کیا یہ میرے لیے بہتر ہے یا نہیں۔

⌘ جو کام محض خیر ہی خیر ہو اس میں استخارہ تعیین وقت کیلئے ہوگا یعنی یہ ذہن میں رکھ کر کرے گا یہ کس وقت میرے لیے بہتر ہوگا، باقی واجب اور مستحب کی ادائیگی یا حرام اور مکروہ کو چھوڑنے کیلئے استخارہ نہ کرے۔

اگر کوئی آدمی کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے استخارہ کر لیتا ہے تو کام شروع کرنے والے کے حق میں جو صورت بھی بہتر ہوگی وہ اس کے ذہن میں آجائے گی اور اس کا دل اس پر مطمئن ہو جائے گا، اور اس کا دل اس کے حق میں بہتر ہی چیز کا فیصلہ کرے گا۔

طریقہ استخارہ: استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ اوقات مکروہہ کے علاوہ باوضو ہو کر کسی بھی وقت استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد یہ مذکورہ دعا پڑھے اللهم انی استخیرك...... اور صلوٰۃ استخارہ میں جو سورت چاہے پڑھ لے لیکن بعض روایتوں سے سورت کافرون اور سورۃ اخلاص کا پڑھنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد یا سنت نمازوں کے بعد بھی اگر استخارہ کی نماز پڑھ لی جائے تو جائز ہے لیکن الگ طور پر استخارہ کے دو نفل پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔

او قال عاجلی امری: راوی کو شک ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے فی دینی و معاشی...... فرمایا ہے یا وعاجلی امری اجلہ فرمایا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ دونوں جملے پڑھے جائیں۔

ویسمی حاجتہ: دعائے استخارہ میں هذا الامر کے بجائے اپنے مقصود کام کو ذکر کرے جس کو وہ کرنا چاہتا ہے مثلاً هذا التجارۃ وغیرہ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سات دن تک استخارہ کرو، پھر اس کے بعد جو کچھ بھی تمہارے دل میں بطور غلبہ کے آجائے ویسا کام کرو، وہی بہتر ہے اور ایک روایت میں مختصر استخارہ بھی منقول ہے کہ اگر کوئی شخص جلدی میں ہو اور ہنگامی حالت میں ہو تو اس کام سے پہلے صرف یہ دعا پڑھ لے: اللّٰھم خرلی واختر لی ولا تکلنی الی اختیاری۔

الفصل الثانی:

برائی کے بعد فوراً توبہ کرنی چاہئے

(۳/۱۲۳۵) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَ صَدَقَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ یُّذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَتَطَھَّرُ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ الا ان ابن ماجۃ لم یذکر الآیۃ) وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/ ۱۸۰ حدیث رقم ۱۵۲۱۔ والترمذی فی السنن ۲/ ۲۵۷ حدیث رقم ۴۰۶۔ وابن ماجه ۱/ ۴۴۶ حدیث رقم ۱۳۹۵۔ وأحمد فی المسند ۱/ ۲

ترجمہ: فاتح خیبر حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ خلیفہ بلافصل حضرت صدیق اکبرؓ نے میرے سامنے بیان کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے سچ فرمایا، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص بھی کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر نادم ہوتے ہوئے اٹھتا ہے اور وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو پروردگار اسکی بخشش فرما دیتے ہیں پھر یہ آیت پڑھی: ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً......﴾ وہ لوگ جب کوئی ایسا کام کر بیٹھیں جو برائی والا ہو یا ظلم کر بیٹھیں اپنی ذات پر وہ یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور معافی چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی۔ یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے لیکن ابن ماجہ میں آیت کا حوالہ نہیں۔

تشریح: حضرت علیؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی بھی راوی کی حدیث نقل نہیں کرتے تھے جب تک کہ اس سے قسم نہ لے لیتے۔ جب راوی قسم اٹھا لیتا کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو پھر اس کو قبول فرما لیتے تھے، لیکن جب حضرت ابوبکرؓ سے کوئی

حدیث سنتے تو بغیر قسم کے قبول کرتے۔ اس لئے کہ ان کی سچائی اور صداقت اس پایہ تک پہنچی ہوئی تھی کہ خود آنحضرت ﷺ نے ان کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔

صدق ابو بکرؓ: یہ جملہ معترضہ ہے اس میں حضرت علیؓ نے صدیق اکبر کی صداقت کو بیان کیا ہے اور انکی صداقت کا اقرار کیا ہے۔

فیتطهر: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب گناہ ہو جائے تو وہ آدمی فوراً توبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ مثلاً وہ صلوٰۃ توبہ پڑھنے کیلئے پہلے وضو کرتا ہے پھر صلوٰۃ توبہ پڑھتا ہے اور اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ سے معافی مانگتا ہے توبہ کی شرائط کے ساتھ مثلاً گناہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے کیئے ہوئے گناہ پر ندامت اختیار کرتا ہے۔ اگر کسی کا حق ہے تو اس کو ادا کر دیتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایسے آدمی کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور پھر بطور دلیل کے آیت کا حوالہ دیا کہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ توبہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ قل یا ایها الکفرون پہلی رکعت میں اور قل هو الله احد دوسری رکعت میں پڑھنا مستحب ہے۔

آیت کا بقیہ حصہ: اس آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے ومن یغفر الذنوب الا الله ...... کہ کون ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اللہ کے سوا اور وہ لوگ اپنے گناہوں پر ہمیشگی نہیں اختیار کرتے اور جانتے ہیں' ان لوگوں کی جزاء بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے کیا ہی اچھا ہے نیک کام کرنے والوں کا بدلہ۔

شان نزول: ایک صحابی سے بتقاضائے بشریت ایک غلطی سرزد ہوگئی۔ غسل کرتی عورت پر نظر پڑ گئی۔ تو وہ فوراً نادم اور شرمندہ ہوئے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں توبہ کے ساتھ گناہوں کی معافی کی درخواست پیش کی، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: والذین اذا فعلو میں الذین مبتداء اور اولٰئك جزاء هم ...... خبر ہے اب اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور ثواب وعذاب پر یقین رکھنے والے انسان سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ اس پر ڈٹتے نہیں بلکہ فوراً اس کو چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے۔ اپنی رحمت کے ساتھ انہیں آخرت کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔

مصیبت کے وقت سرکار دو عالم ﷺ کا عمل

(۴/۱۲۳۶) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا حَزَنَهُ اَمْرٌ صَلّٰى۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۷۸ حدیث رقم ۱۳۱۹۔ وأحمد فی المسند ۵/۳۸۸۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو کوئی مصیبت پیش آتی، تو نماز (نفل) پڑھتے تھے۔ (ابوداوٗد)

تشریح ☼ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یا ایها الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰة﴾ اس ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ جب بھی کسی غم اور مصیبت سے دوچار ہوتے تو نماز نفل پڑھتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ مصیبت کے وقت نماز نفل پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی نماز میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر عالم ربوبیت کھل جاتا ہے تو دنیا اس کی نظر میں حقیر اور بے رغبت ہو جاتی ہے، دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کا اس کو کوئی احساس نہیں رہتا، اگر ہے تو خوشی نہیں اور اگر نہیں ہے تو غم نہیں، اس لئے اس کی توجہ آخرت کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

ہر وقت باوضو رہنے اور تحیۃ الوضو پڑھنے کی فضیلت

(۵/۱۲۳۷) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَعَابِلَالًا فَقَالَ بِمَاسَبَقْتَنِيْ اِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا اَصَابَنِيْ

حَدَثٌ قَطُّ اِلاَّ تَوَضَّأْتُ عِنْدَهٗ وَرَأَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهِمَا۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/ ٦٢٠ حديث رقم ٣٦٨٩۔ وأحمد فی المسند ٥/ ٣٦٠۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے صبح کے وقت حضرت بلالؓ کو بلا کر دریافت فرمایا کس عمل کے ذریعے تم نے جنت میں مجھ سے پیش روی اختیار کی ہے اس لئے کہ میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تمہارے قدموں کی چاپ سنی تو عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے جب بھی اذان دی ہے تو اس کے بعد دو رکعتیں ضرور پڑھی ہیں اور میں نے اسی وقت وضو کر لیا ہے اور میں نے ضروری سمجھا ہے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے دو رکعتیں پڑھنا لازم ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اعزاز انہی دونوں کی وجہ سے ہے۔

تشریح: جنت میں حضرت بلالؓ کے آنحضرت ﷺ کے آگے چلنے کی حیثیت ایک خادم کی سی ہے جس طرح کہ پہلی حدیث میں تشریح ہو چکی ہے۔ جو کہ حضرت بلالؓ کیلئے بہت بڑا اعزاز و فضیلت ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا وہ کون سا عمل ہے جس نے آپؓ کو اس درجہ پر پہنچایا، باقی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت بلالؓ جنت میں پہلے گئے اس لئے ان کو نبی ﷺ پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ یہ مرتبہ تو کسی نبی اور پیغمبر کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جنت میں جائے۔ امت کے ایک فرد کو یہ امتیاز کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ باوضو رہے اور تحیۃ الوضو پڑھنے سے آپ ﷺ سے پہلے جنت میں داخل ہو جائے۔

صلوٰۃ حاجت کا طریقہ اور دعا

(۶/۱۲۳۸) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلاَّ غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلاَّ فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى اِلاَّ قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

(رواه الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢/ ٣٤٤ حديث رقم ٤٧٩۔ وابن ماجه ١/ ٤٤١ حديث رقم ١٣٨٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی کوئی حاجت ہو اللہ تعالیٰ یا بنی آدم میں سے کسی ایک کی طرف، پس چاہئے کہ وہ آدمی وضو کرے اور اچھا وضو کرے پھر دو رکعتیں نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرے، اور پھر آنحضرت ﷺ پر درود پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم ...... کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جو بردبار اور کریم ہے پاک ہے اور عرش عظیم کا مالک ہے تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے، اے اللہ میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو تیری رحمت کا سبب ہو اور تیری بخشش کا سبب ہو اور میں حصہ مانگتا ہوں ہر نیکی سے اور میں سلامتی مانگتا ہوں ہر برائی سے اے اللہ نہ چھوڑ میرے کسی گناہ کو مگر یہ کہ تو نے اس کو بخش دیا ہو نہ میرے کسی غم کو مگر یہ کہ تو نے اس کو دور کر دیا ہو اور نہ چھوڑ میری کسی ایسی حاجت کو جو تجھے پسند ہو مگر یہ کہ تو نے اس کو پورا کر دیا ہو، اے بہت زیادہ رحم کرنے والے رحم کرنے والوں میں سے۔ یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ؏ جب کسی انسان کو کوئی ضرورت پیش آئے، چاہے وہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو یا بالواسطہ کسی بندے سے متعلق ہو مثلاً نوکری، نکاح تو اس انسان کو چاہئے کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور وضو کرنے کے بعد دو رکعات نماز نفل پڑھے اور پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور درود پڑھے، اور پھر یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس مقصد میں کامیاب فرما دیں گے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو صلوٰۃ حاجت کہتے ہیں، اور بزرگوں کے ہاں یہ بہت ہی محبوب ہے کہ انہوں نے یہ نماز پڑھ کے اپنی حاجت اللہ کے سامنے پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حاجتوں کو پورا فرمایا۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حاجت مند کو صلوٰۃ حاجت کیلئے پیر والے دن صبح کا وقت اختیار کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص پیر کے دن صبح کے وقت صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اپنی حلال اور جائز حاجت کو طلب کرے گا تو میں اسکی حاجت روی کا ضامن ہوں۔ حصن حصین میں حافظہ کو قوی کرنے کیلئے صلوٰۃ حافظہ کا ایک الگ طریقہ لکھا ہے۔ فليطالع هناك.

بَابُ صَلٰوةِ التَّسْبِيْحِ

نمازِ تسبیح کا بیان

صلوٰۃ التسبیح انتہائی اجر وثواب کی حامل نماز ہے اس کی چار رکعتیں پڑھنی آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اور یہ نماز آپ ﷺ نے اپنے محبوب چچا حضرت عباسؓ کو سکھلائی۔

صلوٰة التسبيح كا طريقه: صلوٰۃ التسبیح کی ان الفاظ میں نیت کرے نویت ان اصلی اربع رکعاتِ صلوٰة التسبيح کہ میں نے چار رکعات صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے اور سبحانك اللهم یعنی ثناء پڑھ کر اس کے بعد پندرہ مرتبہ سبحان الله الحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر. اور تعوذ تسمیہ اور سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت ملانے کے بعد رکوع میں جانے سے قبل دس مرتبہ پھر یہی تسبیح پڑھے پھر رکوع وقومہ اور سجدہ اور جلسہ اور سجدہ ثانی میں دس دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھے اور سجدہ ثانی کے بعد جلسہ استراحت کی ضرورت نہیں پھر ہر رکعت میں پندرہ مرتبہ قراءت سے پہلے اور دس مرتبہ قراءت کے بعد اور باقی دس دس مرتبہ رکوع اور دونوں سجدوں اور قومہ اور جلسہ میں پڑھے یہ کل تین سو دفعہ ہو جائے گی۔ یہ طریقہ ابن مبارکؒ سے منقول ہے۔

طريقه ثانى مشهور يه: اس کا مشہور طریقہ وہی ہے جو کہ حدیث ابن عباسؓ میں منقول ہے ہر رکعت میں قراءت سے فارغ ہو کر رکوع سے قبل پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھے اور پھر دس مرتبہ رکوع میں دس مرتبہ قومہ میں اور دس مرتبہ پہلے سجدہ میں اور دس مرتبہ جلسہ میں اور دس مرتبہ سجدہ ثانی میں اور دس مرتبہ دوسری رکعت سے قبل جلسہ استراحت کر کے پڑھے۔ نیز رکوع اور سجدہ میں تسبیحاتِ رکوع وسجدہ کے بعد یہ تسبیح پڑھے۔ تو یہ تسبیح کل ۳۰۰ بار ہو جائیں گی۔

الفصل الاول:

صلوٰۃ التسبیح گناہوں کا کفارہ ہے

(۱/۱۲۳۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَاعَبَّاسُ يَاعَمَّاهُ اَلَا اُعْطِيْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَخِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ قَدِيْمَهٗ وَحَدِيْثَهٗ خَطَأَهٗ وَعَمْدَهٗ صَغِيْرَهٗ وَكَبِيْرَهٗ سِرَّهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ اَنْ تُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَاُفِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ

فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجة والبیہقی فی الدعوات الکبیر وروی الترمذی عن ابی رافع نحوہ)

اخرجه أبو داؤد في السنن ٢/٦٧ حديث رقم ١٢٩٧۔ وابن ماجه ١/٤٤٢ حديث رقم ١٣٨٦۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا اے عباسؓ! اے میرے چچا! کیا نہ دوں آپ کو کیا نہ عطیہ کروں آپ کو کیا نہ بتاؤں آپ کو کیا آپ کو دس خصلتوں کا متولی اور فاعل نہ بنادوں کہ جب آپ ان کو کریں تو اللہ آپ کے اگلے پچھلے نئے اور پرانے چھوٹے اور بڑے پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے۔ وہ یہ ہے کہ آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی بھی سورت پڑھیں جب پہلی رکعت میں قراءت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے کھڑے یہی پندرہ مرتبہ پڑھیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، پھر آپ رکوع کریں اور رکوع کی حالت میں (تسبیحات رکوع کے بعد دس مرتبہ) یہ تسبیح پڑھیں، پھر رکوع سے سر اٹھائیں، پھر اس کو دس مرتبہ پڑھیں پھر سجدہ میں جائیں اور سجدہ کی حالت میں (تسبیح سجدہ کے بعد) دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں پھر سجدہ سے سر اٹھائیں اور دس مرتبہ اس کو پڑھیں، پھر دوسرا سجدہ کریں اور اس میں دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں، پھر (جب دوسرے) سجدہ سے سر اٹھائیں تو بیٹھ کر دس مرتبہ یہ پڑھیں، پس یہ ہر رکعت میں پچھتر تسبیحات ہو جائیں گی۔ اگر اس نماز کو روزانہ پڑھنے کی آپ طاقت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھیں اور اگر آپ روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھیں، اگر ہفتہ میں نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھ لیں، اگر مہینہ میں نہ پڑھ سکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیں، اگر ہر سال میں ایک مرتبہ نہ پڑھ سکیں تو عمر میں ایک مرتبہ پڑھ لیں۔ یہ ابوداؤد، ابن ماجہ کی روایت ہے اور بیہقی نے کتاب الدعوت الکبیر میں بھی نقل کیا ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے اس طرح کی روایت حضرت ابورافعؓ سے بھی نقل کی ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں صلوٰۃ التسبیح کا دوسرا طریقہ منقول ہے جو کہ باب کے ضمن میں لکھ دیا گیا ہے، بہر حال جو طریقہ بھی ہو دونوں میں تسبیحات کی مقدار برابر ہے وہ اس طرح کہ پہلے طریقہ میں حالت قیام کے اندر اس تسبیح کو ۲۵ مرتبہ پڑھنا ہے پندرہ ۱۵/ مرتبہ قراءت سے قبل اور دس ۱۰/ مرتبہ رکوع میں جانے سے قبل قراءت کے بعد اور جلسہ استراحت میں یعنی سجدہ ثانی سے فارغ ہونے کے بعد نہیں پڑھنا اور اس طریقہ میں قیام کے اندر قراءت کے بعد پندرہ مرتبہ پڑھنا ہے اور سجدہ ثانی کے بعد دوسری رکعت شروع کرنے سے قبل جلسہ استراحت کر کے اس میں بھی دس مرتبہ پڑھنا ہے اس طرح دونوں طریقوں میں ہر ایک رکعت میں ۷۵ مرتبہ ہو گئی، اور چاروں رکعات میں ۳۰۰ مرتبہ ہو جائے گی۔

الا افعل بك عشر خصال: اس جملہ کے چند مطالب ہیں:

① کہ آپ کو ایسی چیز بتاؤں اگر آپ اس کو اختیار کریں گے تو آپ کے دس گناہ معاف ہوں گے۔ ② ان دس خصلتوں سے مراد حالت قیام کے علاوہ ہر رکن میں دس دس (۱۰/۱۰) مرتبہ تسبیح کا پڑھنا ہے۔ ③ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے

کہ عشر خصال سے مراد یہ دس چیزیں ہیں: (۱) چار رکعات پڑھنا (۲) ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا (۳) سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورہ ملانا (۴) حالت قیام میں پندرہ مرتبہ مذکورہ تسبیح پڑھنا (۵) ان تسبیحات کو دس مرتبہ رکوع میں پڑھنا (۶) ان تسبیحات کو دس مرتبہ قومہ میں پڑھنا (۷) ان تسبیحات کو دس مرتبہ سجدہ اول میں پڑھنا (۸) دس مرتبہ جلسہ میں پڑھنا (۹) دس مرتبہ سجدہ ثانی میں پڑھنا (۱۰) دس مرتبہ جلسہ استراحت میں پڑھنا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس نماز میں یعنی صلوٰۃ التسبیح میں یہ سورتیں پڑھی جائیں: (۱) سورۃ التکاثر (۲) سورۃ العصر (۳) سورۃ الکافرون (۴) سورۃ اخلاص۔ اور بعض روایات میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ زلزال دوسری رکعت میں سورۃ عادیات اور تیسری رکعت میں سورۃ نصر اور چوتھی رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھنا مستحب ہے۔

صلوٰۃ التسبیح بزرگان کی نظر میں: ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ غم اور پریشانی اور مصائب کو دفع کرنے میں اس سے زیادہ کوئی اور چیز مؤثر نہیں ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن داؤد فرماتے ہیں کہ جو شخص جنت میں داخلے کا خواہش مند ہو وہ اپنے اوپر صلوٰۃ التسبیح کو لازم کرلے۔

صلوٰۃ التسبیح کا مستحب وقت: ویسے تو یہ نماز اوقات مکروہہ کے علاوہ وقت میں پڑھی جاسکتی ہے لیکن اس میں حد اعتدال یہ ہے کہ ہر جمعہ والے دن زوال کے بعد پڑھی جائے، چنانچہ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ اکثر اس کو جمعہ کے دن زوال کے بعد پڑھتے تھے اور اسی طرح بہت سے مشائخ کا معمول منقول ہے۔

مسئلہ: اگر سجدہ سہو کرنا پڑجائے تو سجدہ سہو میں تسبیحات نہ پڑھی جائیں کیونکہ اس میں سو کی مقدار سے متجاوز ہوجائیں گی، جو کہ منقول نہیں ہیں کیونکہ تمام روایات میں تین سو ہی منقول ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کی خاص دعا: علامہ سیوطیؒ نے امام احمدؒ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ التسبیح میں سلام سے قبل یہ دعا پڑھی جائے: **اللهم انى اسئلك توفيق الهدى واعمال اهل اليقين ومناصحة اهل التوبة وعزم اهل الصبر وجد اهل الخشية وطلب اهل الرغبة وتعبد اهل الورع وعرفان اهل العلم حتى اخافك اللهم انى اسئلك مخافة تحجزنى من معاصيك وحتى اعمل بطاعتك عملا استحق به رضاءك وحتى انا صحك بالتوبة خوفا منك وحتى اخلص لك النصيحة حياء منك وحتى اتوكل عليك فى الامور كلها وحسن ظن بك سبحان خالق النور.** ''اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اہل ہدایت کی سی توفیق اور اہل یقین لوگوں کے سے اعمال اور اہل توبہ کی سی خالص توبہ اور اہل صبر کی سی پختگی اور اہل خشیت کی سی کوشش اور اہل رغبت کی سی طلب تقویٰ والوں کی سی عبادت اور اہل علم کی سی معرفت یہاں تک کہ میں تجھ سے ہی خوف رکھوں، اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے ایسے خوف کو طلب کرتا ہوں، جو مجھے تیری نافرمانیوں سے بچالے یہاں تک کہ میں تیری طاعت کا ایسا عمل کرنے لگوں جس کے ساتھ میں تیری خوشنودی حاصل کرنے کا مستحق بن جاؤں اور یہاں تک کہ تیرے خوف کی وجہ سے سچی توبہ کرنے لگوں اور یہاں تک کہ میں تیرے لیے خیر خواہی یعنی عبادت کو خالص کروں تجھ سے حیاء کرتے ہوئے اور یہاں تک کہ میں تجھ پر بھروسہ کروں تمام معاملات میں اور تجھ پر یعنی تیرے بارے میں اچھا گمان رکھوں، آپ پاک ہیں اے نور کے پیدا کرنے والے''۔

نوافل کا ذخیرہ بھی ہونا چاہیے

(۲/۱۲۴۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَاتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ

شَیْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَیُكَمَّلُ بِهَامَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِیْضَةِ ثُمَّ یَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰی ذٰلِكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ الزَّكَاةُ مِثْلُ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْاَعْمَالُ عَلٰی حَسَبِ ذٰلِكَ۔

(رواہ ابو داود ورواہ احمد عن رجل)

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/ ٥٤٠ حديث رقم ٨٦٤۔ والترمذی ٢/ ٢٦٩ حدیث رقم ٤١٣۔ والنسائی ١/ ٢٣٢ حدیث رقم ٤٩٥ و ابن ماجه ١/ ٤٥٨ حدیث رقم ١٤٢٥۔ وأحمد فی المسند ٢/ ٢٩٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت والے دن سب سے پہلے بندے سے اس کے اعمال میں سے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ پس اگر وہ درست نکل آئی تو وہ فلاح پا گیا اور کامیاب ہو گیا اور اگر وہ خراب نکل آئی (یعنی ادا میں کمی ہو یا خشوع و خضوع میں کمی ہو) تو نقصان اور خسارے میں ہوگا۔ پس اگر اس کے فرض میں کوئی کمی نکل آئی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ دیکھو میرے بندے کے پاس کچھ نوافل بھی ہیں (پس اگر نفل نماز نکل آئی) تو ان کے ساتھ جو فرائض میں کمی رہ گئی ہے اس کو پورا کیا جائے گا پھر اسی طرح بندے کے دیگر اعمال کا حساب ہوگا (یعنی فرائض میں کمی آئی تو نوافل سے پوری کی جائے گی) اور ایک روایت میں ہے پھر ایسے ہی زکوۃ کا حساب ہوگا پھر بقیہ اعمال کا حساب بھی اسی طریقے پر ہو گا یہ ابو داؤد کی روایت ہے امام احمد نے اس کو ایک راوی سے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو نوافل کا ذخیرہ بھی رکھنا چاہئے کہ اگر فرائض میں کمی ہوئی تو نوافل کے ساتھ اس کو پورا کیا جائے گا حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرائض میں اگر کمی ہوئی تو اس کو نوافل سے پورا کیا جائے گا، مثلاً فرض روزے کی کمی نفل روزے سے پوری کی جائے گی اور زکوۃ کی کمی صدقہ سے پوری کی جائے گی اور فرض حج کی کمی حج نفل سے پوری کی جائے گی اور اگر کوئی صاحب حق آ گیا تو اس کے نامہ اعمال میں سے نیکیاں دے کر اس کا حق ادا کیا جائے گا۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے خون یعنی قتل کا حساب کیا جائے گی بظاہر روایات میں تعارض ہے؟

جواب: عبادات یعنی حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل یعنی خونِ ناحق کا حساب ہوگا فلا تعارض بین الروایات۔

نمازِ نفل اور تلاوت کی برکات

(۳/۱۲۴۱) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنَ الرَّكْعَتَیْنِ یُصَلِّیْهِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَیُذَرُّ عَلٰی رَأْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِیْ صَلَاتِهٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰهِ بِمِثْلِ مَاخَرَجَ مِنْهُ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ۔ (رواہ احمد والترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/ ١٧٦ حديث رقم ٢٩١١۔ وأحمد في المسند ٥/ ٢٦٨۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت تامہ کے ساتھ بندے کے کسی عمل پر اتنا زیادہ متوجہ نہیں ہوتے جتنا کہ اس کے دو رکعت نماز پڑھنے پر متوجہ ہوتے ہیں اور بے شک نیکی اور جب تک کہ وہ نماز میں رہتا ہے بھلائی اس کے سر پر مسلسل انڈیلی جاتی ہے اور بندے خدا بزرگ برتر کی طرف جتنا کہ اس سے نکلے ہوئے سے یعنی قرآن سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں کر سکتے۔ (احمد، ترمذی)

تشریح نماز چونکہ تمام عبادات میں سے افضل ہے اس لئے بندہ کے تمام اعمال میں سے زیادہ عنایت ربی کا سبب بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا انسان کو انتہائی قرب بھی نماز میں خاص کر سجدہ کی حالت میں حاصل ہوتا ہے کیونکہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب بندہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

وَاِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ :اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بندہ نماز میں مشغول رہتا ہے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ اور ثواب جزیلہ کا نزول بندہ پر ہوتا رہتا ہے۔

اسی طرح وہ کلام جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے اس کو پڑھ کر اور اس کے مطابق عمل کر کے جتنا بندہ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اتنا اور کوئی بھی عمل ایسا نہیں جو کہ انسان کو اللہ کے قریب کرے۔ اسلئے انسان کو چاہئے کہ نوافل نمازیں زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش کرے اور جتنا ہو سکے اپنے ربّ کے کلام کی تلاوت کرے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائے۔

بَابُ صَلٰوةِ السَّفَرِ

سفر کی نماز کا بیان

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص سفر شرعی کے ارادے سے اپنے گاؤں و شہر کی عمارات سے نکل جائے تو اس پر صلوٰۃ سفر پڑھنا واجب ہو جاتا ہے یعنی اس پر لازم ہے کہ چار رکعات والے فرائض کی دو رکعتیں پڑھے اگر چار پڑھے گا تو گنہگار ہو گا یعنی امام صاحب کے نزدیک قصر واجب ہے اب اگر وہ پوری پڑھتا ہے تو واجب کو ترک کرے گا، (۱) قصر کا تارک ہے جو کہ واجب ہے۔ (۲) قعدہ اول ہی اس کے لئے قعدہ اخیرہ ہے لہٰذا اس کے بعد فوراً سلام پھیرنا واجب تھا اس نے دو رکعتوں کے ساتھ تاخیر کر دی تو اس نے یہ واجب چھوڑ دیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اولیٰ اور بہتر ہے اگر کر لے تو ٹھیک ہے اگر نہیں بھی کرتا بلکہ چار رکعات پڑھتا ہے تو جائز ہے اس کو کوئی گناہ نہیں ہے۔

مدتِ قصر: جب سفر شرعی کے ارادہ سے انسان نکل جائے اور اپنے گاؤں کی عمارات سے تجاوز کر جائے تو قصر نماز پڑھے گا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے وطن اصلی میں واپس آ جائے، یا کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مقام ٹھہرنے کے قابل ہو اگر کوئی شخص دریا میں یا جنگل میں یا بیابان میں ٹھہرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر خانہ بدوش جنگلات میں کسی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو اس کی نیت بہتر ہے کیونکہ وہ زیادہ تر جنگلوں میں ہی رہتے ہیں۔

سفر شرعی کی مقدار: وہ سفر جس میں قصر پڑھنا واجب ہے اس کی مقدار متوسط چال کے اعتبار سے تین دن کی مسافت ہے جو کہ انسان یا اونٹ وغیرہ کی چال کے اعتبار سے ہے اور وہ پورا دن بھی نہ چلے بلکہ صبح سے دوپہر تک چلے اور پھر پڑاؤ ڈال لے۔ موجودہ دور میں فقہاء نے اس کی مسافت کا اندازہ کر کے ۴۸ میل مقرر کی ہے جو کہ کلومیٹر کے حساب سے ۷۸ کلومیٹر بنتی ہے اب یہ اڑتالیس ۴۸/ میل اور ۷۸ کلومیٹر معتبر ہے اگر کوئی گاڑی یا گھوڑے وغیرہ پر بہت کم وقت میں طے کر لے تو اس کا بھی حکم وہی ہے یعنی وہ مسافر ہے۔

مسائل متفرقہ

مَسْئَلَہ (۱) اگر کسی شخص کا ارادہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ہو اور وہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو مسافر ہی ہوگا قصر واجب ہو گی۔ **مَسْئَلَہ** (۲) اگر بالکل ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو بلا ارادہ کئی ماہ بھی ٹھہر جائے تو قصر ہی کرے گا مثلاً یہ ارادہ کرتا ہے شام کو چلا جاؤں گا یا صبح چلا جاؤں گا لیکن دن زیادہ گزر جاتے ہیں تو وہ مسافر ہی ہو گا۔ **مَسْئَلَہ** (۳) اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت

کرے مگر وہ مقام ٹھہرنے کا نہ ہو مثلاً دریا یا جنگل ہو پھر بھی قصر واجب ہے۔ مَسْئَلَہ ④ اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو مگر دو جگہ پر اور اُن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ایک جگہ کی اذان دوسری جگہ نہیں سنائی دیتی تو پھر بھی قصر واجب ہے مثلاً (۲۰) دن ٹھہرنے کا ارادہ کرتا ہے مدینہ اور قبا میں اور دس دن مدینہ میں اور دس دن قبا میں۔ ہاں اگر دن کو مختلف جگہ پھرتا ہے رات ایک جگہ ہی رہتا ہے مثلاً مدینہ میں تو پھر نیت اقامت معتبر ہو گی اور پوری نماز پڑھے گا، قصر جائز نہیں ہو گی، اور اقامت میں اعتبار رات کا ہوتا ہے۔

مَسْئَلَہ ⑤ مقیم مسافر کی اقتداء کر سکتا ہے چاہے نماز ادا ہو یا کہ قضاء ہو امام مسافر دو رکعات پر سلام پھیر دے گا اور مقتدی کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کرے گا۔ مَسْئَلَہ ⑥ مسافر صرف ادا نماز میں مقیم کی اقتدا کر سکتا ہے کیونکہ وقتی نماز یعنی ادا امام کے پیچھے پڑھنے سے امام کی متابعت میں پوری لازم ہو گی لیکن قضا میں مسافر مقیم کی اقتدا نہیں کر سکتا کیونکہ اب اس کی دو رکعات متعین ہو چکی ہیں اب اگر وہ مقیم کی اقتداء کرے گا تو اس کیلئے قعدہ اولی فرض ہو گا اور امام کے حق میں واجب ہو گا پس قعدہ کے اعتبار سے فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی جو کہ جائز نہیں ہے۔

سفر میں نماز سنن کا حکم:

اگر سفر اقامت ہو یعنی کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہو تو پھر سنتوں کو پڑھ لینا مستحب ہے اور اگر سفر سیر ہو یعنی چل رہا ہو تو نہ پڑھے۔

الفصل الاول:

سفر شروع کرتے ہی نماز قصر شروع ہو جاتی ہے

(۱/۱۲۴۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٦٩۔ حديث رقم ١٠٨٩۔ ومسلم في صحيحه ١/٤٨٠ حديث رقم (١١۔ ٦٩٠)۔ وأبو داوٗد في السنن ٢/٨ حديث رقم ١٢٠٢۔ والترمذي ٢/٤٣١ حديث رقم ٥٤٦۔ والنسائي ١/٢٣٥ حديث رقم ٤٦٩۔ والدارمي ١/٤٢٤ حديث رقم ١٥٠٧۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعات پڑھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعات پڑھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ آنحضرت ﷺ حج کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے جب روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے سفر شروع کرنے سے پہلے ظہر کی نماز چار رکعتیں پڑھی لیکن جب سفر شروع ہوا اور ذوالحلیفہ میں پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے وہاں عصر کی نماز قصر پڑھی اور یہ جگہ مدینہ سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب سفر شرعی کے ارادہ سے انسان اپنے شہر یا گاؤں کی عمارات سے نکل جائے تو قصر نماز پڑھنا شروع کر دے، یہی مسلک ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا۔

قصر نماز سفر کی وجہ سے ہے لہٰذا حالت امن میں بھی پڑھی جائے

(۲/۱۲۴۳) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ اَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَاٰمَنُهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٦٣۔ حديث رقم ١٠٨٣۔ ومسلم في صحيحه ١/٤٨٣ حديث رقم (٢٠۔ ٦٩٦)۔

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب خزاعی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی اور اس وقت ہماری تعداد اتنی تھی کہ اس سے قبل اتنی مقدار کبھی بھی نہ تھی اور حالت بھی امن کی تھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اس موقعہ پر چونکہ اسلام بہت زیادہ پھیل چکا تھا اور اکثریت کے دلوں میں چھا چکا تھا اس لیے اس موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ اتنے زیادہ صحابہ تھے کہ اس سے قبل اتنا بڑا اجتماع کبھی بھی نہیں ہوا تھا اور بطور خاص فرمایا کہ ہم حالت امن میں تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ظاہری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر حالت خوف کے ساتھ معلق ہے حالت امن میں نہیں پڑھی جائے گی تو حضرت نے وضاحت کردی کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حالت خوف میں قصر ہے ورنہ نہیں کیونکہ خود نبی اکرم ﷺ نے حالت امن کے اندر صلوٰۃ قصر پڑھائی ہے، لہٰذا قصر سفر پر منحصر ہے نہ کہ حالت خوف پر۔

سفر میں قصر کرنا واجب ہے

(۳/۱۲۴۴) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ اِنَّمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ تَقْصُرُوْامِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَقَدْاَمِنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُعَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۴۷۸/۱ حديث رقم ۶۸۶/۴ وأبوداؤد في السنن ۷/۲ حديث رقم ۱۱۹۹۔ والترمذي ۲۲۷/۵ حديث رقم ۳۰۳۴۔ وابن ماجه ۳۳۹/۱ حديث رقم ۱۰۶۵۔ والدارمي ۴۲۳/۱ حديث رقم ۱۵۰۵۔ وأحمد في المسند ۲۵/۱۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو اگر تم کو خطرہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے، پس تحقیق اب ہم لوگ حالت امن میں ہیں (لہٰذا قصر کی ضرورت نہیں ہے) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ جس چیز سے تمہیں تعجب ہوا ہے مجھے تعجب ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا ایک صدقہ اور احسان ہے جو تم پر کیا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو۔ (مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ [النساء: ۱۰۱] کہ اے مسلمانو! جب تم کسی سفر پر ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں نماز قصر کرنے میں اگر تم کو خطرہ ہو کافروں سے ستانے اور پریشان کرنے کا۔

اس آیت مبارکہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ قصر کا حکم کفار سے خطرہ پر موقوف ہے، اگر خطرہ ہو تو قصر پڑھی جائے گی ورنہ پوری نماز پڑھی جائیگی اس لیے صحابی کو شک ہوا اور اس نے وضاحت طلب کی، باقی آیت مبارکہ میں ان یفتنکم الذین کفروا والی قید باعتبار اغلب کے ہے کہ اس زمانے میں خاص کر جب کفار ہر طرح سے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کے درپے تھے اور ہر طرف پھیلے ہوئے تھے تو عموماً سفر خطرے سے خالی نہیں ہوتے تھے اس لیے یہ قید لگائی ورنہ چاہے تکلیف اور خوف ہو یا کہ نہ، ہر حالت میں قصر واجب ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ کہ یہ کافروں سے خوف کے ساتھ مختص نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے لہٰذا اس کو قبول کرو۔

فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ: یہاں امر وجوب کیلئے ہے لہٰذا ہر شرعی سفر کرنے والے کو قصر پڑھنا واجب ہے اس سے مسلک اہل حق احناف کی تائید ہوتی ہے۔

گھر واپسی تک مسافر قصر پڑھے

(۴/۱۲۴۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ قِيْلَ لَهٗ اَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا۔ (متفق علیه)

أخرج البخاري في صحيحه ۲/۵۶۱۔ حديث رقم ۱۰۸۱۔ ومسلم في صحيحه ۱/۴۸۰ حديث رقم (۱۵۔ ۶۹۳)۔ وأبوداؤد في السنن ۲/۲۶ حديث رقم ۱۲۲۳۔ والترمذي ۲/۴۳۱ حديث رقم ۵۴۸۔ والنسائي ۳/۱۲۱ حديث رقم ۱۴۵۲۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آقائے کائنات ﷺ کے ساتھ ہم مدینہ سے مکہ مکرمہ کی طرف گئے، تو آپ ﷺ دو دو رکعتیں پڑھاتے، یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔ آپؓ (حضرت انسؓ سے) پوچھا گیا کہ آپ لوگ مکہ میں کچھ دیر ٹھہرے تھے، تو فرمایا کہ ہم وہاں پر دس دن ٹھہرے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ❁ یہ حدیث احناف کی مؤید ہے اور امام شافعیؒ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک چار دن سے زیادہ اقامت کی صورت میں قصر جائز نہیں ہے۔

لہٰذا اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دس دن بھی ٹھہرنے سے مقیم نہیں بنتا بلکہ آدمی مسافر ہی رہتا ہے اور اسی طرح جب سفر شروع ہو جائے تو آدمی مسافر بن جاتا ہے، اگر کسی مقام پر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہ کرے تو گھر واپس آنے تک وہ مسافر ہی رہتا ہے۔

یہ واقعہ بھی حجۃ الوداع کا ہے اور حضور ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر دس دن مکہ میں اس ترتیب سے رہے کہ آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ چار ذوالحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد چودہ ذوالحجہ کو وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ فرمایا۔

بلا ارادہ پندرہ دن سے زائد بھی رہنے سے مقیم نہیں بنتا

(۵/۱۲۴۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِیُّ ﷺ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّىْ فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَاِذَا اَقَمْنَا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا اَرْبَعًا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۵۶۱۔ حديث رقم ۱۰۸۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ ﷺ نے ایک مرتبہ سفر کیا، اور وہاں انیس دن قیام فرمایا، تو دوران قیام دو دو رکعتیں پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بھی جب اپنے اور مکہ کے درمیان جب انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ (بخاری)

تشریح ❁ آنحضرت ﷺ بلا ارادۂ قیام وہاں پر انیس دن ٹھہر گئے ارادہ یہی تھا کہ آج چلا جاؤں گا یا کل چلا جاؤں گا اس لئے آپ ﷺ صلوٰۃ قصر ہی پڑھتے رہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ مدت سفر زیادہ سے زیادہ انیس دن ہے انیس دن تک قصر کی جائے گی اور اس کے بعد قصر نہیں ہوگی اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس ؓ منفرد ہیں۔

مدتِ سفر: شروع باب میں لکھا جا چکا ہے کہ سفر کی زیادہ سے زیادہ مقدار پندرہ دن ہے اگر اس سے زائد اقامت کی نیت ہوئی تو سفر ختم تصور کیا جائے گا اور پوری نماز پڑھے گا لیکن اگر کسی مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو، بلا ارادہ برسوں بھی رہے تو قصر پڑھے گا۔ امام طحاوی وغیرہ نے بہت سے جلیل القدر صحابہ مثلاً ابن عمر ؓ وغیرہ سے یہی نقل کیا ہے۔

امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ آذر بائیجان میں چھ مہینہ بلا ارادہ مقیم رہے کہ آج یا کل جاؤں گا تو وہ پورے چھ مہینہ کی مدت میں قصر نماز پڑھتے رہے اور حضرت انس بن مالک بھی مروان کے بیٹے عبدالملک کے ساتھ شام میں دو مہینے بلا ارادہ رہے تو آپؓ بھی قصر نماز پڑھتے رہے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی چار دن قیام کی نیت کر لیتا ہے تو وہ پوری نماز پڑھے گا، اگر بلا ارادہ اٹھارہ دن رہا تو قصر کرے اگر اس سے زیادہ بلا ارادہ بھی رہا تو پھر بھی پوری نماز پڑھنا لازم ہوگا۔

حالت سفر میں نوافل نہ پڑھنے پر بھی مواخذہ نہیں

(۶/۱۲۴۷) وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهٗ وَجَلَسَ فَرَاٰى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَايَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْكُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلَاتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ لَايَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۲/۵۷۷۔ حديث رقم ۱۱۰۱۔ وأبو داوٗد في السنن ۲/ ۲۰ حديث رم ۱۲۲۳۔ والنسائي ۳/۱۲۳ حديث رقم ۱۴۵۸۔ وابن ماجه ۱/ ۳۴۰ حديث رقم ۱۰۷۱۔

ترجمہ: حضرت حفص بن عاصمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مکہ کے راستہ میں حضرت ابن عمرؓ کا رفیق سفر بن گیا تو انہوں نے ظہر کی نماز ہمیں دو رکعت پڑھائی، پھر وہ اپنے کجاوے میں واپس آکر بیٹھ گئے، کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے (نوافل پڑھ رہے) ہیں تو پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ نفلیں پڑھ رہے ہیں تو فرمایا اگر مجھے نفل پڑھنے ہوتے تو میں اپنی فرض نماز کو مکمل کرتا مجھے حضور ﷺ کی رفاقت کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ حضور ﷺ سفر میں دو رکعات فرض قصر پر اضافہ نہیں کرتے تھے اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی (یعنی یہ حضرات بھی حالت سفر میں صرف دو رکعت نماز فرض پڑھتے تھے) (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو کہ یہ فرماتے ہیں کہ حالت سفر میں نفل نہ پڑھے جائیں لیکن ہم نے شروع میں وضاحت کر دی ہے کہ سفر سیر میں نہ پڑھے اور سفر اقامت میں پڑھ لے۔

مسافر جمع صوری کر سکتا ہے

(۷/۱۲۴۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ (رواه البخاري)

اخرجه البخاري في صحيحه ۲/۵۷۹۔ حديث رقم ۱۱۰۷۔ ومسلم ۱/ ۴۹۰ حديث رقم (۵۲۔ ۷۰۶)۔ وأبو داوٗد في السنن ۲/ ۱۰ حديث رقم ۱۲۰۶۔ والترمذي ۲/ ۴۳۸ حديث رقم ۵۵۳۔ والنسائي ۱/ ۸۵ حديث رقم ۵۸۷۔ والدارمي ۱/ ۴۲۶ حديث رقم ۱۵۱۵ ومالك في الموطا ۱/ ۱۴۳ حديث رقم ۲ من كتاب قصر الصلاة۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ سفر پر ہوتے تو ظہر اور عصر کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے تھے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ (بخاری)

تشریح ۞ احناف کے نزدیک جمع حقیقی سوائے حج کے موقع کے میدان عرفات میں ظہر و عصر کی نماز جمع تقدیمی کے ساتھ پڑھی

جائے گی یعنی دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں پڑھی جائیں گی اور پھر مزدلفہ میں مغرب وعشاء جمع تاخیری کے ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھی جائیں گی اس کے علاوہ کسی موقع پر بھی جمع حقیقی جائز نہیں نہ ہی حالت سفر میں اور نہ ہی حالت قیام میں، صرف جمع صوری جائز ہے وہ یہ ہے کہ ایک نماز کو مؤخر کر کے اس کے آخری وقت میں پڑھا جائے اور دوسری نماز کو مقدم کر کے اس کے اوّل وقت میں پڑھا جائے اس طرح صورۃً دونوں نمازیں جمع ہو جائیں گی۔ تو آنحضرت ﷺ نے بھی جمع صوری فرمائی ہے کہ ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے آخر وقت میں پڑھا ہے اور عصر کی نماز کو اول وقت میں پڑھا ہے، اس طرح مغرب کو مؤخر کر کے آخری وقت میں پڑھا ہے اور عشاء کو مقدم کر کے اول وقت میں پڑھا ہے اور یہ جمع صوری بوقت مجبوری سب کے نزدیک جائز ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جمع بین الصلوتین حقیقۃً بھی جائز ہے اور اس حدیث مبارکہ کو انہوں نے جمع حقیقی پر محمول کر کے اپنا مستدل بنایا ہے۔

نفل نماز سواری پر بھی پڑھی جاسکتی ہے

(۱۲۴۹/۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ اِيْمَاءً صَلَاةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٤٨٩۔ حديث رقم ١٠٠٠ ومسلم في صحيحه ١/٤٨٧۔ حديث رقم (٣٩۔ ٧٠٠)۔ وابو داؤد في السنن ٢/٢١ حديث رقم ١٢٢٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب آقا مدنی ﷺ سفر پر ہوتے تو رات کی نماز سوائے فرض کے اپنی سواری پر پڑھتے تھے اشارہ کے ساتھ اور سواری کا منہ جس طرف متوجہ ہوتا تھا اسی طرف نماز پڑھتے تھے اور صلوٰۃ وتر بھی اپنی سواری پر ہی پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارکہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے:

مسئلہ: نمبر ①: سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے چاہے سنت مؤکدہ ہوں یا کہ غیر مؤکدہ یا کہ عام نوافل ہوں، اپنی سواری پر اشارہ سے رکوع سجدہ کرے لیکن سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے پست کرے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت منہ قبلہ کی طرف ہونا ضروری ہے اس کے بعد جس طرف بھی سواری کا منہ ہوگا اسی طرف نمازی بھی متوجہ ہو جائے لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے اس لیے کہ ان کو کسی موقع پر ترک کرنا ناجائز ہے۔ مگر چند اعذار ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے فرض نماز کو بھی سواری پر پڑھ سکتا ہے اس کے علاوہ نہیں۔

① اپنے مال یا جان کی ہلاکت ونقصان کا خطرہ ہو مثلاً کوئی شخص جنگل میں اکیلا ہے اس کو یہ خوف ہے کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھی تو کوئی درندہ یا انسان مال کو یا جان کو نقصان پہنچا دے گا، تو وہ سواری پر ہی فرض بھی پڑھ لے۔
② سواری والا جانور ایسا سرکش ہو کہ اس کو خطرہ ہے کہ اگر اتر کر نماز پڑھوں گا تو دوبارہ سوار نہیں ہونے دے گا۔
③ سوار آدمی اتنا ضعیف ہو کہ نماز پڑھ کر دوبارہ خود بھی سوار نہیں ہو سکے گا اور دوسرا بھی کوئی شخص موجود نہیں جو کہ اس کو سوار کرے اور نماز کیلئے اتار بھی دے۔
④ زمین پر نماز پڑھنے کی جگہ نہ ہو مثلاً زمین کیچڑ اور گندگی والی ہو۔
⑤ بہت زیادہ بارش برس رہی ہو۔

مَسْئَلَہ: نمبر۲: اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سواری پر نماز نفل پڑھنا یہ سفر کے ساتھ خاص ہے حالت حضر میں میں نہیں پڑھ سکتا یہی مذہب جمہور کا ہے اور ایک روایت حضرات شیخینؒ سے بھی یہی ہے۔

امام صاحب کا صحیح مسلک یہ ہے کہ شہر سے باہر نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے چاہے مسافر ہو یا کہ مقیم شہر کے اندر مسافر بھی سواری پر نماز نفل نہیں پڑھ سکتا اور امام محمدؒ کے نزدیک کراہت کے ساتھ شہر میں بھی مسافر سواری پر نمازِ نفل پڑھ سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ اب یہ کہ شہر سے کتنا فاصلہ ضروری ہے اس میں اختلاف ہے۔

اور صحیح قول یہ ہے کہ شہر کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

علامہ شمیؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ فرض کی طرح نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، صلوٰۃ نذر کو سواری پر پڑھنا درست نہیں ہے۔

سواری پر صلوٰۃ وتر: یہ شروع کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی نماز کو بھی نوافل کی طرح سواری پر پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن جب اس کی عظمت کو آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے ذہنوں میں بٹھا دیا تو آنحضرت ﷺ اس کو ہمیشہ مواظبت کے ساتھ پڑھتے تھے اور سواری سے بھی اتر کر پڑھتے تھے۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں بہت سے صحابہؓ و تابعین کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ صلوٰۃ وتر اپنی سواری سے اتر کر پڑھتے تھے۔

الفصل الثانی:

(۹/۱۲۵۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُلُّ ذَالِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَصَرَ الصَّلَاةَ وَاَتَمَّ۔ (رواه فی شرح السنة)

أخرجه الدارقطنی فی السنن۲/۱۸۹ حدیث رقم ۴۳ من باب القبلة للصائم۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ سب کیا ہے حالت سفر میں صلوٰۃ قصر بھی پڑھی ہے اور پوری بھی پڑھی ہے۔ (شرح السنہ)

تشریح: اس روایت میں قصر سے مراد وہ نمازیں ہیں جن میں قصر ہوتی ہے مثلاً ظہر، عصر، عشاء کہ آپ ﷺ ان میں سفر کے اندر قصر کرتے تھے، یعنی دو دو رکعات پڑھتے تھے اور پوری پڑھنے سے مراد وہ نمازیں ہیں جن میں قصر نہیں ہوتی مثلاً مغرب اور صبح کی نماز، تو اب مطلب یہ ہوگا کہ جن نمازوں میں قصر ہوتی تھی آپ قصر کرتے تھے اور جن میں قصر نہیں ہوتی تھی ان کو سفر میں بھی پوری پڑھتے تھے۔

باقی امام شافعیؒ نے اس کے ظاہر معنی مراد لیے ہیں کہ حضور ﷺ چار رکعت والی نمازوں کو کبھی قصر کر کے دو دو رکعات پڑھتے تھے اور کبھی پوری پڑھتے تھے اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قصر وجوبی نہیں اختیاری چیز ہے لیکن علماء محققین کے نزدیک اس حدیث سے استدلال درست نہیں، کیونکہ اس میں ایک راوی ہیں ابراہیم بن یحییٰ جو ضعیف ہیں، اس لئے سفر السعادۃ میں علامہ صاحب رقم طراز ہیں کہ یہ حدیث صحت کی حد کو نہیں پہنچی ہوئی لہٰذا حالت سفر میں پوری چار رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

باقی سنن کبریٰ بیہقی اور دار قطنی کی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں اختیار ہے قصر اور عدم قصر کے درمیان تو ان کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات بھی ابتداء اسلام پر محمول ہیں، لہٰذا ان سے استدلال درست نہیں۔

مسافر امامت کرواسکتا ہے

(۱۰/۱۲۵۱) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَاَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّيْ اِلَّا رَكْعَتَيْنِ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا اَرْبَعًا فَاِنَّا سَفْرٌ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٢/ ٢٣ حديث رقم ١٢٢٩ ـ وأحمد في المسند ٤/ ٤٣٠ ـ

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا، چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ میں بھی شریک تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مکہ میں اٹھارہ دن قیام کیا۔ تو آپؐ دو دو رکعتیں ہی پڑھتے تھے، اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل شہر تم چار رکعتیں پڑھو، ہم مسافر ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس سے پہلی احادیث میں بھی یہ بات وضاحت کے ساتھ گزر چکی ہے کہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو نماز پوری پڑھی جائے گی، ہاں اگر ارادہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ہو، یا بلا ارادہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرے تو قصر ہی پڑھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بلا ارادہ وہاں رہے، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسافر امام مقیمین کو نماز پڑھا سکتا ہے اور مسافر امام دو رکعتیں نماز پڑھا کر سلام پھیر دے اور یہ کہہ دے کہ مقیمین اپنی نماز پوری کر لیں، ہم مسافر ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مقیم مسافر کے پیچھے نماز پڑھے، تو اس کیلئے چار رکعتیں پڑھنا ضروری ہے امام کی متابعت میں دو رکعتیں پڑھنی جائز نہیں بلکہ پوری چار رکعتیں پڑھے گا، اور اگر مسافر مقیم کی اقتداء کرے تو اس کو امام کی متابعت میں چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔

قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہوگی

(۱۲۵۲/۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكْعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ ـ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/ ٤٣٧ حديث رقم ٥٥٢ ـ

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں (یعنی سنت) ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر و حضر میں نماز پڑھی، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضر میں چار رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے آپؐ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتین پڑھی ہیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور اسی طرح عصر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں، اسکے بعد کچھ نہیں پڑھا۔ اور مغرب کی سفر و حضر میں تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور سفر و حضر میں اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔ یہ مغرب کی نماز وتر النہار کہلاتی ہے۔ اسکے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ ابن ملک فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سنت مؤکدہ سفر میں پڑھی جائیں گی، لیکن احناف کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ سفر میں اگر کسی جگہ قیام پذیر ہو تو وہاں سنتیں پڑھ لے۔ اور اگر راستہ میں چل رہا ہے تو نہ پڑھے۔

وھی وتر النھار: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وتر کی تین رکعتیں ہیں جو رات میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح مغرب کی تین رکعتیں ہیں اسی لیے ان کو وتر النہار کہتے ہیں۔ اس سے احناف کی تائید ہوتی ہے کہ وتر ایک ہی سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں۔

اور اس حدیث سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ سفر کی حالت میں قصر ان ہی نمازوں کی ہوگی جو چار رکعتیں ہیں مثلاً ظہر اور عصر اور عشاء اور وہ نمازیں جو چار رکعتوں سے کم ہیں مثلاً فجر، مغرب ان میں قصر جائز نہیں۔

غزوۂ تبوک کے سفر کا واقعہ

(۱۲/۱۲۵۳)وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ فِی غَزْوَةِ تَبُوْكَ اِذَازَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ یَرْتَحِلَ جَمَعَ بَیْنَ الظُّهْرِوَالْعَصْرِوَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِیْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَالظُّهْرَحَتّٰی یَنْزِلَ الْعَصْرَوَفِی الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذَالِكَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ یَرْتَحِلَ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَغِیْبَ الشَّمْسُ اَخَّرَالْمَغْرِبَ حَتّٰی یَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ یَجْمَعُ بَیْنَهُمَا۔ (رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۱۸ حدیث رقم ۱۲۲۰۔ والترمذی ۲/۴۳۸ حدیث رقم ۵۵۳۔ والنسائی ۱/۲۸۴ حدیث رقم ۵۸۶۔ وأحمد فی المسند ۵/۲۴۱۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک میں تھے جب سورج ڈھل جاتا تو کوچ کرنے سے پہلے پہلے ظہر اور عصر کے درمیان جمع کرتے تھے (یعنی ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے) اور جب آپ سورج کے ڈھلنے اور زوال سے پہلے ہی کوچ کر لیتے تو ظہر کو مؤخر کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ عصر کیلئے اترتے (یعنی ظہر اور عصر کو ساتھ پڑھتے) اور مغرب میں بھی یہ معمول تھا کہ جب سورج غروب ہو جاتا تو کوچ کرنے سے پہلے پہلے مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے۔ اور اگر آپ سورج غروب ہونے سے پہلے کوچ کر لیتے تو مغرب کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ عشاء کیلئے اترتے اور ان دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھ لیتے۔ (ابوداود، ترمذی)

تشریح ۞ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سفر میں جمع حقیقی کرتے تھے، احناف کے نزدیک جمع حقیقی جائز نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک سفر میں جمع بین الصلوٰتین تقدیمًا و تاخیرًا دونوں طرح جائز ہے۔ اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔ احناف کی طرف سے اس کے دو جواب ہیں۔

جواب نمبر ①: امام ابوداوٗد فرماتے ہیں کہ وقت سے پہلے نماز پڑھ لینے کے بارے میں کوئی بھی حدیث قوی ثابت نہیں ہے۔ امام ابو داوٗد کے اس قول سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ یہ جو حدیث انہوں نے نقل کی ہے، جمع بین الصلوٰتین والی، یہ ضعیف ہے۔

جواب نمبر ۲: بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی بھی نماز غیر مقررہ وقت پر نہیں پڑھی۔ لہٰذا اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ اس کے ساتھ تعارض ہوگا اور بوقت تعارض حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ والی روایت کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ ہر اعتبار سے فائق اور اعلیٰ ہیں کہ انتہائی احتیاط پسندی کے باوجود ان سے وہی روایت منقول ہو سکتی ہے جو انتہائی صحیح ہو۔

سفر میں سواری پر نفل پڑھتے ہوئے بوقت تحریمہ قبلہ رو ہونا ضروری ہے

(۱۳/۱۲۵۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاسَافَرَوَاَرَادَ اَنْ یَّتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰی حَیْثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۲۱ حدیث رقم ۱۲۲۴ والدارقطنی ۱/۳۹۶ حدیث رقم ۳ من باب صفة صلاة التطوع فی السفر واستقبال القبلة عند الصلاة علی الدابة۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سفر کی حالت میں ہوتے اور نفل پڑھنے کا ارادہ ہوتا تو اپنی سواری (یعنی اونٹنی) کا منہ قبلہ کی طرف کرتے اور تکبیر تحریمہ کہتے پھر آپ اسی طرف نماز پڑھتے، جس طرف آپ کی سواری رخ کرتی۔

تشریح ۞ حدیث نمبر ۸ میں اس کی مکمل وضاحت گزر چکی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رو ہونا شرط ہے چاہے نماز نفل ہو یا سنت لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک فرض میں شرط ہے نفل میں شرط نہیں۔ اور حدیث نمبر ۸ میں سواری پر فرض پڑھنے کے جو اعذار پیش کیے گئے ہیں ان میں سے اگر کسی کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھتا ہے تو بوقت تحریمہ بالاتفاق قبلہ رو ہونا شرط اور ضروری ہے اس کے بعد جس طرف سواری کا منہ ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے، یہی اس کیلئے جائز ہے۔

اگر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہو تو سجدے کا اشارہ رکوع سے پست ہونا ضروری ہے

(۱۴/۱۲۵۵) وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ حَاجَةٍ فَجِئْتُ وَھُوَ یُصَلِّیْ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَیَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّکُوْعِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲/۲۲ حديث رقم ۱۲۲۸۔ والترمذي ۲/۱۸۲ حديث رقم ۳۵۱۔ وأحمد في المسند ۳/۳۳۲۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے کسی کام کیلئے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ اپنی سواری پر مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے پست کرتے تھے۔

تشریح ۞ یعنی آنحضرت ﷺ سواری پر اشارہ سے نفل نماز پڑھ رہے تھے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے بھی زیادہ پست کرتے تھے۔ اور یہی مسئلہ ہے ہر اشارے سے پڑھنے والے کیلئے چاہے وہ سواری پر پڑھے یا زمین پر فرض ہو یا نفل، سجدے کا اشارہ رکوع سے پست کرے۔

الفصل الثالث:

مسافر امام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھے اور اکیلا دو ہی رکعتیں پڑھے

(۱۵/۱۲۵۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِمِنٰی رَکْعَتَیْنِ وَ اَبُوْ بَکْرٍ بَعْدَہٗ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِہٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰی بَعْدُ اَرْبَعًا فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰی مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰی اَرْبَعًا وَ اِذَا صَلاَّھَا وَحْدَہٗ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۵۶۳۔ حديث رقم ۱۰۸۲۔ ومسلم في صحيحه ۱/۴۸۲ حديث رقم (۱۶۔ ۶۹۴)۔ والنسائي ۳/۱۲۱ حديث رقم ۱۴۵۱۔ والدارمي ۱/۴۲۳ حديث رقم ۱۵۰۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی دو رکعت پڑھی ان کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی، اور حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی خلافت کے شروع میں دو رکعت نماز پڑھی (یعنی قصر نماز پڑھی) لیکن پھر حضرت عثمانؓ باقی زمانہ خلافت میں چار رکعتیں پڑھنے لگے تو عبداللہ ابن عمر ؓ کی یہ حالت تھی کہ جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار رکعتیں پڑھتے تھے اور جب اکیلے پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح ۞ حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جب بھی حج کیلئے تشریف لاتے تو منیٰ میں دو رکعتیں (یعنی قصر) پڑھتے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ بھی ابتداء میں دو رکعتیں پڑھتے تھے، لیکن

بعد میں انہوں نے مقیم والی نماز پڑھنی شروع کر دی، اب یہ کہ حضرت عثمانؓ بعد میں چار رکعتیں کیوں پڑھتے تھے؟ تو اس کے مختلف اسباب اور وجوہ بیان کیے گئے ہیں۔

① موسم حج میں منیٰ کے اندر بہت زیادہ مسلمان جمع ہوتے تھے اور ان میں ایسے نومسلم لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوتی تھی جو دین کے احکام سے زیادہ واقف نہیں ہوتے تھے، تو حضرت عثمانؓ ان کو دکھانے اور سکھانے کیلئے چار رکعتیں پڑھتے تھے، تاکہ دیکھنے والے کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ نماز دو ہی رکعت ہے۔

② حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ میں اور منیٰ میں چار رکعتیں اس لئے پڑھتے تھے کہ ان کے اہل وعیال یعنی قبیلہ والے وہاں رہائش پذیر تھے، گویا کہ وہ وہاں پر اپنے آپ کو مقیم تصور کرتے تھے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت عثمانؓ کا قول موجود ہے کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں جب چار رکعتیں پڑھیں، تو لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا، تو عثمانؓ نے فرمایا کہ میں مکہ میں متاہل ہوں یعنی قبیلہ دار ہوں، اس لیے چار رکعتیں پڑھتا ہوں، کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص کسی شہر میں متاہل ہو، وہ مقیم کی طرح نماز پڑھے۔

③ ہو سکتا ہے اس مسئلہ میں حضرت عثمانؓ کی رائے حضرت عائشہؓ کی رائے کے ساتھ متفق ہو گئی ہو کیونکہ ام المومنین کے نزدیک سفر میں قصر اور اتمام دونوں برابر ہیں۔

فائدہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے جب دیکھا چار رکعتیں پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے حیرت کا اظہار کیا یہ حیرت ہی اس بات کی علامت ہے کہ قصر کرنا ضروری ہے۔

ابتداءً سفر وحضر کی نماز برابر تھی

(۱۲۵۷/۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَابَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ كَمَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ۔(متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٦٤/١۔ حديث رقم ٣٥٠۔ ومسلم في صحيحه ٤٧٨/١ حديث رقم (٦٨٥/١)۔ وأبوداوٗد في السنن ٥/٢ حديث رقم ١١٩٨۔ والدارمي ٤٢٤/١ حديث رقم ١٥٠٩۔ ومالك في الموطأ ١٤٦/١ حديث رقم ٨ من كتاب قصر الصلاة ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتداء میں نماز دو رکعتیں ہی فرض ہوئی، پھر جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی، تو حضر کیلئے چار رکعتیں فرض کی گئیں اور صلوٰۃ سفر کو پہلی مقرر کردہ دو رکعتوں پر باقی چھوڑ دیا گیا۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ بن زبیر سے عرض کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیا ہوا کہ سفر میں بھی پوری نماز پڑھتی ہیں، تو حضرت عروہ نے فرمایا وہ ایسی ہی تاویل کرتی ہیں جیسی کہ حضرت عثمانؓ نے کی ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سوائے مغرب کے باقی ساری نمازیں ابتداء بلم دو دو رکعتیں فرض کی گئیں تھیں، چاہے حضر ہو یا سفر۔ لیکن بعد میں مغرب اور فجر کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا ظہر، عصر اور عشاء کو حضر میں چار رکعت فرض قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ سفر میں قصر پڑھنا یہ چار رکعت کے شروع ہونے کے بعد نہیں بلکہ یہ شروع ہی دو دو رکعتیں ہوئی ہیں، اسی لئے قصر عظمت ہے یعنی کرنا لازم ہے، رخصت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سفر میں قصر پڑھنا واجب ہے۔ اگر کوئی چار رکعتیں پڑھتا ہے اگر قعدہ اولیٰ کیا ہے تو پہلی دو رکعتیں فرض کی ہو جائیں گی اور دوسری دو نفل کی اور اگر قعدہ اولیٰ نہیں کیا تو نماز ہی باطل ہو جائے گی کیونکہ قعدہ اولیٰ

اس کیلئے فرض تھا۔

تاولت کما تاول عثمانؓ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ سفر میں چار رکعتیں پڑھتے اور تاویل کرتے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی چار رکعتیں پڑھتی تھیں اور اپنے عمل کی تاویل کرتی تھیں، اور وہ تاویل یہی ہے کہ وہ قصر کو رخصت سمجھتے تھے نہ کہ عزیمت جس طرح کہ روزے کا افطار سفر میں رخصت ہے کہ رکھ لے تو زیادہ ثواب ہے اگر افطار کرلے تو اجازت ہے۔

صلوٰۃ سفر کو اللہ نے فرض ہی قصر یعنی دو رکعتیں کیا ہے

(۱۲۵۸/۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۷۹ حديث رقم ۶/۶۸۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبانی حضر میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں پوری نماز یعنی چار رکعتیں نہ پڑھی جائیں اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

نیز اس حدیث سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت میں ایک ہی رکعت پڑھی جائے گی اب آیا اس حدیث کا حقیقی مطلب کیا ہے اس کے بارے میں محققین کے دو گروہ ہیں۔

① امام حسن بصریؒ، امام اسحٰق بن راہویہ اور دیگر بہت سے محدثین فرماتے ہیں کہ حالت خوف میں صرف ایک رکعت نماز پڑھی جائے گی جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔

② جمہور علماء کے نزدیک سفر میں اور حضر میں امن کی حالت میں اور خوف کی حالت میں نماز کی رکعتوں میں کوئی فرق نہیں، حضر میں حالت امن میں چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، تو حالت خوف میں بھی چار رکعتیں پڑھی جائیں گی اور سفر میں حالت امن کے اندر دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں تو حالت خوف میں بھی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ اب یہ کہ حدیث کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے کہ حالت خوف میں ایک رکعت پڑھی جائے گی ان کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی جائے گی اور ایک رکعت تنہا پڑھے گا جیسا کہ صلوٰۃ خوف خود آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے اسی طرح منقول ہے، کہ حالت خوف میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ لشکر کے دو حصے کرتے ایک حصہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا کر دیتے تھے اور ایک حصہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ جب وہ ایک رکعت پڑھ لیتا، تو دشمن کے مقابلہ میں چلا جاتا اور دوسرا گروہ آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھتا۔ جب امام دو رکعت پر، سلام پھیر دیتا تو دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جاتا پہلا گروہ بغیر قراءت کے اپنی رکعت کو مکمل کرتا کیونکہ یہ لاحق ہیں اور لاحق کے اوپر قراءت نہیں ہوتی کیونکہ حکماً وہ امام کے تابع ہے اور یہ پہلا گروہ اپنی نماز مکمل کر کے دشمن کے مقابلے میں چلا جاتا تھا اور دوسرا گروہ قراءت کے ساتھ اپنی نماز مکمل کر لیتا تھا۔ تو حاصل یہ ہے کہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی جاتی ہے، اس لئے راوی نے کہہ دیا کہ خوف میں ایک ہی رکعت فرض کی گئی ہے۔

فائدہ: حالت حضر میں امام دونوں گروہوں کو دو دو رکعتیں پڑھائے گا، اور مغرب میں پہلے کو دو اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائے گا، باقی مکمل طریقہ صلوٰۃ خوف باب صلوٰۃ الخوف میں آجائے گا۔

سفر میں دو رکعتیں پڑھنا عظمت ہے

(۱۲۵۹/۱۸)وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/۳۷۷ حديث رقم ۱۱۹٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ سفر دو رکعتیں مقرر فرمائی ہے، اور وہ پوری ہیں ناقص نہیں ہیں۔ اور وتر سفر میں سنت ہیں۔

تشریح ⟐ وهما تمام غير قصر کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی نماز شروع ہی دو رکعتیں ہوئی ہیں یہ نہیں کہ پہلے چار رکعتیں تھیں بعد میں دو رکعتیں کم کر دی گئی ہوں، صلوٰۃ سفر کا حکم قرآن سے ثابت ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنے قول وفعل کے ساتھ دنیا والوں کے سامنے مکمل وضاحت کی ہے اس لئے ان حضرات نے کہہ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے سفر کی دو رکعتیں مقرر فرمائی ہیں ورنہ حقیقت میں تو اللہ نے مقرر فرمائی ہیں۔

والوتر في السفر سنة: اس کا یہ مطلب نہیں کہ وتر حالت سفر میں سنت بن جاتے ہیں کیونکہ نماز وتر جس طرح حضر میں واجب ہے اسی طرح سفر میں بھی واجب ہے۔ بلکہ اس کے دو مطلب ہیں: ① سفر میں نماز وتر پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔ ② یہاں سنت کا معنی طریقہ ہے، مطلب یہ ہوگا کہ حالت سفر میں نماز وتر پڑھنا اسلامی طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

مسافت قصر کی مقدار

(۱۲۶۰/۱۹) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَايَكُوْنُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔ (رواه في الموطا)

اخرجه مالك في الموطأ ۱/۱٤۸ حديث رقم ۱۵ من كتاب قصر الصلاة في السفر۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے کہ بے شک حضرت ابن عباسؓ مکہ اور طائف کے درمیان مسافت کی مقدار سفر میں قصر کرتے تھے۔ اور اسی طرح اتنی مقدار جو مکہ اور عسفان کے درمیان ہے اس میں بھی قصر نماز پڑھتے تھے، اسی طرح وہ مسافت جو مکہ اور جدہ کے درمیان ہے اس میں بھی قصر نماز پڑھتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے۔

تشریح ⟐ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جن تین مسافتوں کا ذکر کیا وہ برابر ہیں۔ حالانکہ ان میں کافی فرق ہے مثلاً مکہ اور طائف کے درمیان جتنی مسافت ہے مکہ اور عسفان کے درمیان اتنی نہیں اسی طرح مکہ اور جدہ کے درمیان تو سب سے زیادہ مسافت ہے۔ لہٰذا امام مالک کے اس قول ذلك اربعة برد کا تعلق ان تینوں سے نہیں بلکہ آخری مسافت سے ہے کہ مکہ اور جدہ کے درمیان کی مسافت کا فاصلہ چار برید ہے حضرت ابن عباسؓ کے اس فعل کے بارے میں محدثین لکھتے ہیں کہ یہ آپ کا اجتہاد ہے اور اجتہاد کے ساتھ آپ نے مسافت قصر کی حد مقرر کی ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں مسافت قصر کی کوئی حد بیان نہیں کی، بلکہ مطلقاً سفر کا ذکر کیا ہے کہ حالت سفر میں قصر کرو۔ اور پھر باب صلوٰۃ سفر کی تمام احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جہاں جہاں قصر کی ہے ان تمام مواقع کی مسافت برابر نہیں بلکہ فرق ہے، بعض مسافت کم ہے بعض زیادہ ہے اس لئے آپ کے بعد صحابہ وتابعین اور ائمہ نے اجتہاد کے ذریعے غور وفکر کر کے اپنے اپنے اجتہاد سے مسافت قصر کی حد مقرر کی ہے کہ اس حد سے کم سفر میں قصر نہیں پڑھی جائے

گی بلکہ پوری نماز پڑھی جائے گی، اور اس حد سے زائد سفر میں قصر پڑھنا واجب ہے۔

فائدہ: حدیث مبارکہ میں چار برید کا ذکر ہے چار برید سولہ فرسخ کے برابر ہے، اور ایک فرسخ تین میل کو کہتے ہیں اور ایک میل چار ہزار ہاتھ کی پیمائش کے برابر ہے، اس طرح چار برید اڑتالیس میل کی مسافت ہوئی اور اگر منزلوں کا اعتبار کیا جائے تو چار برید کی چار منزلیں ہیں۔

مذاہب علماء: مسافت قصر کتنی مقدار ہے اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

① اصحاب ظواہر اور غیر مقلدین کے نزدیک مطلقاً سفر کا اعتبار ہوگا یعنی ہر وہ مسافت جس پر سفر کا اطلاق ہوتا ہو خواہ وہ سفر لمبا ہو یا چھوٹا ہو ہر حالت میں قصر نماز ادا کی جائے گی۔

② امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسافت سفر دو روز اور تیسرے روز کے اکثر حصہ کی مسافت ہے۔

③ امام شافعیؒ کی ایک روایت کے مطابق مسافت سفر ایک روز کی مسافت ہے اور دوسری روایت کے مطابق دو روز کی مسافت ہے۔

④ شوافع کی مشہور کتاب حاوی میں سفر کی مقدار سولہ فرسخ ہے اور یہی ان کا معتدبہ مذہب ہے اور یہی مذہب امام مالک اور امام احمد کا ہے۔

فائدہ: اگر دقت نظر سے دکھا جائے تو چاروں ائمہ کے مسلک کا نتیجہ ایک ہی معلوم ہوگا یعنی سب کے نزدیک مسافت سفر ایک ہی ہو گی، یعنی اڑتالیس میل۔ وہ اس طرح کہ احناف کے معمول بہا مذہب کے مطابق مسافت قصر اڑتالیس میل ہے اور حاوی کے قول کے مطابق شوافع اور اسی طرح موالک اور حنابلہ کے نزدیک مسافت قصر سولہ فرسخ ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہے سولہ کو تین سے ضرب دی تو اڑتالیس ہوگیا تو لہٰذا معلوم ہوگیا کہ سب کے نزدیک مسافت قصر اڑتالیس میل ہے۔

سفر میں سنت پڑھنے کا بیان

(۲۰/۱۲۶۱) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ۔ (رواه ابوداود والترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱۹/۲ حديث رقم ۱۲۲۲۔ والترمذي في السنن ۴۳۵/۲ حديث رقم ۵۵۰۔

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں اٹھارہ دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمسفر رہا، میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ظہر سے پہلے اور سورج کے ڈھلنے کے بعد دو رکعتوں کو چھوڑا ہو۔ یہ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ان دو رکعتوں میں دو احتمال ہیں:

① یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضو ہونگی۔

② یہ دو رکعتیں ظہر کی سنتیں ہیں۔ سفر کی وجہ سے آپ ﷺ چار کے بجائے دو پڑھتے تھے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اگر سفر میں کہیں اقامت اختیار کی ہو اور جلدی نہ ہو تو سنن کا پڑھنا بہتر ہے۔

(۲۱/۱۲۶۲) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَرَى ابْنَهُ عُبَيْدَاللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطا ۱۵۰/۱ حديث رقم ۲۴ من كتاب قصر الصلاة۔

ترجمہ: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ اپنے بیٹے عبیداللہ کو سفر میں نفل پڑھتا دیکھتے تھے اور منع نہیں

فرماتے تھے۔(امام مالک)

تشریح ۞ اس روایت میں وارد ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبیداللہ کو جب سنتیں یا نوافل پڑھتا دیکھتے تھے، تو منع نہیں فرماتے تھے۔ اس حدیث کا بظاہر اس باب کی حدیث نمبر ۶ سے تعارض ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضرت حفص بن عاصم فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں اپنے قافلہ والوں کو صلوٰۃ نفل پڑھنے سے روکتے تھے۔

جواب: ان میں فرق ہے، وہ اس طرح کہ حضرت عبیداللہ یا تو سنت مؤکدہ پڑھتے ہونگے یا یہ ہے کہ ان کا اعتقاد تو یہی تھا کہ سفر میں نفل چھوڑنا جائز ہے لیکن وقت میں وسعت کو دیکھ کر وہ نوافل پڑھ لیتے تھے اور یا یہ ہے کہ وہ سفر اقامت تھا اس لئے حضرت ان کو منع نہیں فرماتے تھے اور قافلہ والوں کو اس لئے روکا کہ وہ سفر اقامت نہیں تھا بلکہ سفر سیر تھا یا اس لئے روکا کہ قافلہ والے وقت کے تنگ ہونے کے باوجود نوافل کو سفر میں پڑھنا ضروری سمجھتے تھے۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اگر سفر میں وقت نہ ہو تو تکلف کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ جو عمل آدمی حالت اقامت میں کرتا رہتا ہے اگر سفر اور بیماری میں نہ بھی ہو سکے تو اللہ تعالیٰ پورا پورا ثواب اس انسان کو دے دیتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی آدمی وقت کی تنگی کی وجہ سے دوسروں کو سفر کے اندر نوافل پڑھنے سے روکتا ہے تو اُسے گناہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ نفس نماز سے روکنا بہتر نہیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت نے نماز سے روکنے والے کی مذمت فرمائی ہے: ارء یت الذی ینھٰی عبداً اذا صلی۔

بَابُ الْجُمُعَةِ

جمعہ کا بیان

جمعہ ایام ہفتہ میں سے ایک دن ہے لفظ جمعہ میں چند لغات ہیں:

① جیم اور میم کے ضمہ کے ساتھ یعنی جُمُعَة۔
② جیم کے ضمہ کے ساتھ اور میم کے سکون کے ساتھ جُمْعَة۔
③ جیم کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ جیسے جُمَعَة، لیکن فصیح لغت پہلی ہے۔

وجہ تسمیہ: جمعہ کی وجہ تسمیہ میں چند اقوال ہیں۔

① اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی۔
② جب حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کو جنت سے زمین پر اُتارا تو اس دن میدانِ عرفات میں ان کی ملاقات ہوئی۔
③ بعض کے ہاں جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس دن میں زمین و آسمان کی تخلیق مکمل ہوئی۔
④ جمعہ کو جمعہ اسلئے کہتے ہیں کہ اس دن مختلف محلوں اور گاؤں کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر خدا عزوجل کی عبادت کرتے ہیں۔

اور اسلام سے قبل اس دن کا نام عروبہ تھا، اسلام نے اس کو تبدیل کر کے جمعہ نام رکھا ہے لیکن بعض محققین فرماتے ہیں کہ عروبہ بہت ہی پرانا نام ہے، اسلام سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادھیال میں سے کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا اور اس دن کی تعظیم شروع کی یوں تو جمعہ کا دن ہر مذہب و ملت میں ممتاز تھا، لیکن اسلام نے اس کو حقیقی فضیلت و عظمت کے پیش نظر انتہائی معظم دن قرار دیا۔

نمازِ جمعہ کی مشروعیت کی وجہ: نماز جمعہ کی مشروعیت کی عموماً دو وجہ بیان کی جاتی ہیں:

وجہ نمبر ①: اللہ تعالیٰ کو تمام عبادات میں نماز بہت محبوب ہے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ہوتی ہیں ان کا شکریہ بھی نماز سے زیادہ اور کسی چیز کے ساتھ ادا نہیں کیا جا سکتا تو ہر دن اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو ان کے شکر کے لئے دن رات میں

پانچ نمازیں شروع کی گئیں کہ ان کو ادا کر کے بندہ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرلے اور جمعہ والے دن چونکہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس دن میں انسانیت کی ابتداء ہوتی ہے لہٰذا اس دن خاص نعمتوں کے شکر کے لئے خاص نمازِ جمعہ شروع کی گئی ہے۔

وجہ نمبر ۲: مسلمان ایک دوسرے کیلئے ایک جسم کی مانند ہیں روزمرہ کے معاملات میں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اس لیے روزانہ پانچ نمازیں ایک محلہ والوں کو مسجد میں پڑھنے کا حکم دیا تاکہ ایک دوسرے کی دادرسی ہوسکے اور ایک دوسرے کی پریشانی وحالات معلوم ہوں، اور پھر جمعہ کا دن مقدر فرمایا کہ اس دن میں مختلف محلوں اور گاؤں کے لوگ جمع ہوکر ایک جگہ نماز پڑھیں تاکہ ایک دوسرے کے حالات معلوم ہوں اور اسی طرح روزانہ اتنا اجتماع ممکن نہیں تھا جمع کا دن مقرر فرمایا کہ اس فضیلت والے دن میں مسلمان جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

جمعہ اور اھلِ کتاب: اہل کتاب کو بھی اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کی تعظیم کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سعادت سے محروم کردیا اور یہودیوں نے ہفتہ کے دن کی تعظیم شروع کردی یہ تاویل کرتے ہوئے کہ یہ دن عظمت والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن میں تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے فارغ ہوئے ہیں اور اب بھی یہودی اس دن میں اپنے اپنے عبادت خانوں میں جاکر عبادت کرتے ہیں۔

اور عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کرلیا یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق شروع فرمائی اس لیے عیسائی لوگ اور عیسائی حکومتیں اتوار والے دن ہی چھٹی کرتے ہیں۔ اور دفاتر اور تعلیمی ادارے اور مراکز تجارت بند رکھتے ہیں اور اپنے گرجوں میں جاکر مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں افسوس صد افسوس کہ بعض مسلمان حکومتیں بھی عیسائیوں سے مرعوب ہوکر بجائے جمعہ کے اتوار کی چھٹی کرتی ہیں، اور اسی دن کی تعظیم بھی کی جاتی ہے۔

مشروعیت صلوٰۃ جمعہ: نمازِ جمعہ ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں ہی فرض ہوگیا تھا لیکن اسلام کا غلبہ نہ ہونے کی وجہ سے پڑھنا مشکل تھا اس لئے جب آنحضرت ﷺ مدینہ آئے تو فوراً ہی نماز جمعہ پڑھانا شروع کردیا۔

اور آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل ہی حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اپنے اجتہاد اور نور ایمان کی فراست سے نماز جمعہ پڑھانا شروع کردیا تھا۔

حکم نمازِ جمعہ: نماز جمعہ فرض عین ہے اس کا ثبوت کتاب اللہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت میں ہے لہٰذا اس کا منکر کافر ہے اور بلاعذر چھوڑنے والا فاسق ہے، چنانچہ خالق کائنات کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الجمعه : ۹) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے اذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ و اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

اس آیت میں ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ ہے اور خطبہ جمعہ ہے اور خرید وفروخت کو چھوڑ و اس کو مطلب یہ ہے کہ تم دنیا کے تمام مشاغل کو چھوڑ دو ہر وہ کام جو کہ جمعہ کی تیاری میں رکاوٹ ہے وہ اس حکم میں داخل ہے اور ایسا کام اذانِ جمعہ کے بعد مکروہ تحریمی ہے اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ و اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جمعہ کی نماز کیلئے انتہائی اہتمام کے ساتھ جاؤ۔

الفصل الاول:

امتِ محمدیہ کا منفرد اعزاز

(۱/۱۲۶۳)عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ يَعْنِیْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ وَالنَّاسُ لَنَافِيْهِ تَبَعٌ اَلْيَهُوْدُ غَدًاوَالنَّصَارٰی بَعْدَ غَدٍ متفق عليه وفی رواية لمسلم قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَنَحْنُ اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَيْدَاَنَّهُمْ وَذَكَرَ نَحْوَهٗ اِلٰی اٰخِرِهٖ وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ عَنْهُ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِالْحَدِيْثِ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمَقْضِیُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۵۴/۲۔ حديث رقم ۸۷۶۔ ومسلم ۵۸۵/۲ حديث رقم (۱۹۔ ۸۵۵)۔ والنسائی فی السنن ۸۵/۳ حديث رقم ۱۳۶۷۔ وأحمد فی المسند ۳۴۱/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم (دنیا میں) سب سے آخر میں آئے اور قیامت کے دن سب سے سبقت لے جانے والے ہیں، علاوہ ازیں اہل کتاب کو کتاب دی گئی ہم سے قبل اور ہمیں بعد میں دی گئی ہے پھر یہ دن اُن پر فرض کیا گیا یعنی جمعہ کا دن پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری اس دن کی طرف راہنمائی فرمائی اور لوگ (یعنی یہود و نصاریٰ) ہمارے تابع ہیں، یہود نے کل (یعنی ہفتہ) اور نصاریٰ نے پرسوں (یعنی اتوار) کو اختیار کیا۔ (یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے علاوہ ازیں پھر آخر تک یہی حدیث منقول ہے اور امام مسلم ہی کی ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حذیفہؓ دونوں سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: ہم اہل دنیا میں سے سب سے پیچھے ہیں اور سب سے پہلے ہونگے قیامت کے دن جن کے لئے (حساب و کتاب کے بعد) جنت کا فیصلہ کیا جائے گا تمام مخلوقات سے قبل۔

تشریح ۞ ظاہراً اگرچہ یہود و نصاریٰ کو کتابیں پہلے ملی ہیں اور ہمیں بعد میں ملی ہے لیکن جب شرف و فضیلت کے اصول کے ساتھ دیکھا جائے، تو بعد میں کتاب کا ملنا بھی امت محمدیہ کے شرف اور اعلیٰ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ بعد میں آنے والی کتاب ناسخ ہوتی ہے اور پہلی منسوخ ہوتی ہے اور ناسخ منسوخ سے شرف و مرتبہ میں اعلیٰ ہوتی ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نحن الآخرون۔ یہ بھی امت محمدیہ کی فضیلت کو اجاگر کرنے کیلئے اور اس کو بیان کرنے کیلئے ہے۔

فاختلفوا فيه: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صراحۃً اہل کتاب کو حکم دیا تھا کہ تم جمعہ کے دن کی تعظیم کرو اور ان پر جمعہ کے دن کی عبادت کو فرض قرار دیا تھا کہ اس دن تم سب نے جمع ہو کر خدا وحدہ لاشریک کی عبادت کرنی ہے، لیکن انہوں نے اپنی سرکشی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں اپنی عادت کے مطابق تحریف کی جس طرح کہ تورات وانجیل کے باقی احکامات میں کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا حکم نہیں دیا بلکہ مطلقاً ہفتہ میں ایک دن عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اب تم اپنے اجتہاد سے اس کو متعین کرلو۔

تو یہود نے ہفتہ کا دن مقرر کیا۔ اس دن وہ اپنے عبادت خانے میں جمع ہو کر مذہبی رسومات کے مطابق پوجا کرتے ہیں دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن تمام مخلوقات کو پیدا کر کے فارغ ہو کر آرام کیا تھا لہٰذا تم بھی تمام کاموں سے چھٹی کر کے فراغت کے ساتھ عبادت خداوندی کرو۔

اور یہود کے بعد نصاریٰ یعنی عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کرلیا اس دن وہ تمام کاموں کی چھٹی کر کے گرجوں میں جا کر مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں دلیل یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی پیدائش کو شروع کیا ہے لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی اس دن تمام

کاموں سے فارغ ہو کر عبادت کرتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر اپنا خاص کرم فرمایا کہ ان کو اس دن کی معرفت نصیب فرمائی اور خود واضح طور پر اس دن کو اہل ایمان کی اجتماعی عبادت کیلئے متعین فرمایا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ اور امت کو تمرد اور سرکشی اور اجتہادی خود ساختہ ہوں کے ذریعے اس جمعہ کے مسئلہ میں گمراہ نہیں فرمایا۔

والناس لنا فيه تبع: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم چونکہ اصل دن کی تعظیم کرتے ہیں۔ اس میں عبادت کرتے ہیں اس لئے ہم متبوع ہیں اور اس کے بعد دو دن یعنی ہفتہ اور اتوار کو عبادت کرنے والے ہمارے تابع ہیں، وہ اس طرح کہ جمعہ کا دن ابتدائے انسانیت ہے اس لئے آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعہ کو ہوئی اس لئے انسانی زندگی سب سے پہلا دن ہے لہٰذا اس میں عبادت کرنے والے متبوع ہیں، باقی تابع ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولاً اور شرعاً دونوں اعتبار سے ہی ہفتے کا پہلا دن جمعہ ہے لیکن افسوس کہ یہود و نصاریٰ کی تابعداری میں مسلمان بھی اس دن کے اول ہونے کو بھول چکے ہیں اور اتوار یا ہفتہ کو ہی ہفتے کا پہلا دن سمجھتے ہیں۔

تمام دنوں میں بہترین جمعہ کا دن ہے

(۲/۱۲۶۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲/ ۵۸۵ حديث رقم (۱۸۔ ۸۵۴)۔ والترمذي في السنن ۲/ ۳۵۹ حديث رقم ۴۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان دنوں میں سے جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے اس میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن میں ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن میں انہیں جنت سے نکالا گیا (یعنی زمین پر اتارا گیا) اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم)

تشریح ۞ سورج تو تمام دنوں میں طلوع ہوتا ہے ایسا کوئی بھی دن نہیں ہے جس میں سورج طلوع نہ ہوتا ہو یہاں بطور مبالغہ جمعہ کی فضیلت کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام دنوں میں بہتر جمعہ کا دن ہے۔

فيه خلق آدم: یعنی اس دن میں آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی ہے تو آدم علیہ السلام ابوالانس ہیں، اس لیے ان کی پیدائش کی وجہ سے جمعہ کے دن کی فضیلت تو ظاہر ہے کیونکہ یہ انسانیت کی زندگی کا پہلا دن ہے۔

سوال: آدم علیہ السلام کی تخلیق اور دخول جنت کی وجہ سے جمعہ کی فضیلت تو ظاہر ہے لیکن جنت سے نکلنے کی وجہ سے جمعہ کی فضیلت کیسے ہو سکتی ہے جنت سے نکلنا تو کوئی کمال نہیں ہے؟

جواب: آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیجا گیا تھا تو آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا یہ کمال اور فضیلت کا حاصل ہے کیونکہ ان کا زمین پر آنا انبیاء اور رسل اور صلحاء کی پیدائش کا سبب ہے اور اسی طرح ان کی زندگیوں سے حسنات کے ظہور کا سبب ہے اس لئے اس وجہ سے بھی جمعہ کی فضیلت ہے۔

اور اس طرح جمعہ کے دن قیامت قائم ہوگی، قیامت کا قیام بھی بافضیلت اس لئے ہے کہ قیام قیامت کے بعد ہی صلحاء اور بزرگ ہستیوں کو جنت ملے گی تو گویا قیام قیامت دخول جنت کا ذریعہ ہے اس لیے جمعہ کا دن فضیلت والا ہے۔

نیز قیام قیامت سے مراد یا تو یہ ہے کہ اس دن نفخہ اولی ہوگا جس دن تمام مخلوقات کو فنا کر دیا جائے گا۔

یا اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے کہ اس دن تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان کو احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حساب و کتاب کے لئے پیش کیا جائے گا۔

سوال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہے اور بعض سے (جیسے روایت مذکورہ) معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا دن افضل ہے لہٰذا روایات میں تعارض ہے تو تطبیق کیا ہوگی؟

جواب: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کا دن افضل ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ سال کے تمام دنوں میں عرفہ کا دن افضل ہے اور جن روایات میں آتا ہے کہ جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے تمام دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔

ہاں اگر حسن اتفاق سے جمعہ کا دن بھی عرفہ کے دن میں آجائے تو وہ دن پھر تمام ایام سے بہتر ہوگا اور اس دن میں کیا جانے والا عمل بھی تمام اعمال سے افضل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عرفہ کے دن جمعہ آجائے تو اس دن کا حج فضیلت میں دیگر ایام کے مقابلے میں کیے ہوئے حج سے ستر گنا زیادہ ہوگا۔ جمعہ کی فضیلت کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ حج کے نفل سے بھی افضل ہے۔

اور رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ الجمعة حج المساكين کہ جمعہ ان مساکین اور غرباء جن کے پاس حج کی طاقت نہیں ہے ان کا حج ہے۔

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی

(۳/۱۲۶۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْئَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ متفق عليه وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيْفَةٌ وَفِيْ رواية لَهُمَا قَالَ اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّيْ يَسْئَالُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٤١٥/٢۔ حديث رقم ٩٣٥۔ ومسلم في صحيحه ٥٨٤/٢ حديث رقم (١٥۔ ٨٥٢)۔ والترمذي في السنن ٣٦٢/٢ حديث رقم ٢٩١۔ والنسائي ١١٥/٣۔ ١٤٣١۔ وابن ماجه ٣٦٠/١ حديث رقم ١١٣٧۔ والدارمي ٤٤٣/١ حديث رقم ١٥٦٩۔ ومالك في الموطا ١٠٨/١ حديث رقم٥ من كتاب الجمعة۔ وأحمد في المسند ٤٥١/٥۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آقا مدنی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جمعہ میں البتہ ایک گھڑی ایسی ہے کہ نہیں موافقت کرتا اس کی کوئی مسلمان بندہ کہ سوال کرے اس میں اللہ تعالیٰ سے مگر اللہ تعالیٰ وہ بھلائی اس کو عطا کردیتے ہیں۔ (بخاری، مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کیے گئے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ گھڑی بہت مختصر ہے، اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ والے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر کوئی مؤمن بندہ اس کو پائے اور اس میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھے اور خدا سے خیر مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھلائی اور خیر ضرور عطا فرماتے ہیں۔

تشریح: علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ جتنی بھی احادیث کے اندر ایسی ساعات منقول ہیں کہ ان میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے ان سب میں افضل جمعہ کی گھڑی ہے۔ اور وہ جمعے کی گھڑی ایک ایسی خاص ساعت ہے کہ اگر اس میں کوئی بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی درخواست پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس درخواست کو ضرور منظور فرماتے ہیں۔ اب یہ ساعت کس وقت ہوتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا ہے تاکہ اس عظیم ساعت کی تلاش میں اور اس کی جستجو میں مؤمنین زیادہ محنت کریں۔ اور اس ساعت کی تلاش میں پورا دن اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔

اعطاہ ایاہُ: اس کے دو مطلب ہیں:

① اس مقبول گھڑی میں جب بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے اور جو چیز مانگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ہی عطا فرما دیتے ہیں۔
② دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اور کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی اس دعا کو قبول فرما کے آخرت کیلئے ذخیرہ فرما لیتے ہیں، اور جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ ثواب کی شکل میں اس دعا کا ثمرہ اس بندہ کو عطا کر دیں گے۔

قائم یصلی: اس کے چند مطالب ہیں۔ ① وہ دعا پر مواظبت اور ہیشگی کرتا ہو۔ ② نماز کی پابندی کرتا ہو اور اس کی ہمیشہ پڑھتا ہو۔ ③ نماز کا انتظار کر رہا ہو۔ تو ہر انسان کو چاہئے کہ جمعہ کی اس ساعت کی تلاش میں اپنی جہد کامل کو خرچ کرے۔ کیونکہ اس میں مانگی جانے والی دعا کبھی رد نہیں کی جاتی۔ اگر دنیا میں مطلب پورا نہ ہو تو آخرت میں مل جائے گی۔

جمعہ میں فضیلت والی ساعت کا تعین

(۴/۱۲۶۶) وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ فِیْ شَاْنِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ مَابَیْنَ اَنْ یَجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰی اَنْ تُقْضَی الصَّلٰوةُ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۵۸۴ حدیث رقم (۳) أخرجه ابو داوٗد فی السنن ۱/۶۳۵ حدیث رقم ۱۰۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جمعہ کی اس گھڑی کے بارے میں کہ وہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پڑھے جانے تک کے درمیان کا عرصہ ہے (یعنی جب امام خطبہ کیلئے بیٹھ جائے، اس سے لے کر نماز ختم ہونے تک وہ ساعت ہے)۔ (مسلم)

تشریح ۞ جمعہ کی اس ساعت کی فضیلت اور حقیقت میں سب کا اتفاق ہے۔ لیکن تعیین میں اختلاف ہے کہ آیا وہ ساعت کس وقت ہے۔ اس میں چند اقوال ہیں؛

القول الاول: بعض علماء کے نزدیک یہ ساعت مبہم ہے اور غیر معلوم ہے جس طرح کہ شب قدر کی ساعت قبولیت اور اسم اعظم مبہم ہیں اور اس کو مبہم اس لئے رکھا ہے تاکہ پورا دن ہی اس کی تلاش کی وجہ سے آدمی نماز اور ذکر اذکار وغیرہ میں مشغول رہے۔

القول الثانی: بعض علماء کے نزدیک یہ گھڑی بدلتی رہتی ہے کسی جمعہ کو دن کے اول حصہ میں ہوتی ہے۔ اور کسی جمعہ کو دن کے درمیانہ حصہ میں ہوتی ہے اور کسی جمعہ کو دن کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔

القول الثالث: جمہور علماء کے نزدیک ساعت مقبول متعین اور معلوم ہے لیکن پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کونسی ہے (یعنی کون سا وقت ہے جس میں یہ گھڑی پوشیدہ ہے) تو اس میں کل پینتیس ۳۵/، اقوال ہیں۔

① جمعہ کے دن فجر کی اذان کی ابتداء سے انتہاء تک ② جمعہ کے دن طلوع صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ③ جمعہ کے دن عصر کی نماز سے لے کر غروب آفتاب تک ④ جمعہ کے دن خطبہ کے بعد امام کے منبر سے اترنے سے لے کر نماز کی تکبیر کے درمیان تک ⑤ جمعہ کے دن سورج طلوع ہونے کے فوراً بعد کا وقت ⑥ عین سورج طلوع ہونے کا وقت ⑦ دن کا تیسرا پہر آخر تک ⑧ زوال شروع ہونے سے آدھا ہاتھ سایہ ہو جانے کا وقت ⑨ زوال شروع ہونے سے لے کر ایک ہاتھ سایہ آجانے کا وقت ⑩ ایک بالشت سورج ڈھلنے کے بعد ایک ہاتھ سورج ڈھل جانے تک ⑪ عین سورج کے زوال کا وقت ⑫ جب مؤذن جمعہ کی اذان شروع کرے اس سے لے کر اذان ختم ہونے تک ⑬ زوال شروع ہونے سے لے کر نماز جمعہ میں شامل ہونے تک کا وقت ⑭ زوال کے شروع سے لے کر امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک ⑮ زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک ⑯ عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک ⑰

نمازِ عصر اور عصر کی نماز کے درمیان کا وقت ⑱ عصر کی نماز کے فوراً بعد سے سورج کے متغیر ہونے تک ⑲ مطلقاً عصر کی نماز کے بعد کا وقت ⑳ نمازِ عصر کے بعد نماز کے مستحب وقت کی آخری گھڑی ㉑ عین سورج ڈوبنے کا وقت ㉒ خطبے کیلئے جب امام منبر پر چڑھ جائے اس سے لے کر جمعہ کے شروع ہونے تک کا وقت ㉓ امام کے خطبہ کیلئے منبر پر چڑھنے سے لے کر نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک ㉔ امام کے خطبہ کیلئے منبر پر کھڑے ہونے اور نماز کی ادائیگی کے درمیان کا وقت ㉕ اذانِ جمعہ سے لے کر نماز جمعہ کے ادا ہونے تک کے درمیان کا وقت ㉖ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر پوری نماز ہو جانے تک کا وقت ㉗ جمعہ کی پہلی اذان سے لے کر نماز جمعہ ختم ہونے تک۔ ㉘ جمعہ کی آزان کے قریب کا وقت [یعنی کچھ دیر بعد یا پہلے] ㉙ امام کے خطبہ شروع کرنے اور خطبہ ختم کرنے کے درمیان کا وقت ㉚ امام کے خطبہ کیلئے منبر پر چڑھنے اور خطبہ شروع کرنے کے درمیان کا وقت ㉛ دونوں خطبوں کے درمیان امام کے بیٹھنے کی مقدار ㉜ خطبہ سے فراغت کے بعد امام کے منبر سے اترنے کا وقت ㉝ امام کے مصلے پر کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہنے کے درمیان کا وقت ㉞ اقامت شروع ہونے سے لے کر نماز جمعہ کے اختتام تک کا وقت ㉟ جمعہ کی نماز کی فراغت کے فوراً بعد کا وقت ㊱ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ساعت شب جمعہ میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول: حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اپنے تمام گھر والوں اور خدام کو اس بات پر مامور کر دیتے تھے کہ وہ جمعے کی اس گھڑی کا خیال رکھیں جب وہ پائیں تو سب کو بتادیں تاکہ سب اُس کی برکات سے مستفید ہو سکیں۔

سوال: اس حدیث میں منقول ہے کہ وہ گھڑی خطبہ جمعہ کے شروع سے لے کر نماز کے اختتام تک ہے تو خطبہ جمعہ کے وقت دعا کس طرح مانگی جائے گی، حالانکہ اس وقت خاموش ہونا انتہائی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ کے وقت ذکر واذکار، تلاوت اور نماز اور کلام سے منع فرمایا ہے؟

جواب: دعا میں زبان سے تلفظ شرط نہیں لہٰذا خطبہ جمعہ کے وقت دل ہی دل میں اپنے رب سے مانگ لے، کیونکہ وہ ذات تو علیم بذات الصدور ہے اب اس طرح دعا بھی ہو جائے گی اور خطبہ میں خاموش رہنے کا حکم بھی پورا ہو جائے گا۔

الفصل الثانی:

قبولیت والی ساعت ہر جمعے میں ہوتی ہے

(۱۲۶۷/۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ اِلَى الطُّوْرِ فَلَقِيْتُ كَعْبَ الْاَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهٗ فَحَدَّثَنِیْ عَنِ التَّوْرَاةِ وَحَدَّثْتُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ فِيْمَا حَدَّثْتُهٗ اَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ اُهْبِطَ وَفِيْهِ تِيْبَ عَلَيْهِ وَفِيْهِ مَاتَ وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَهِیَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّیْ يَسْاَلُ اللّٰهَ شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ قَالَ كَعْبٌ ذَالِكَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَرَاَ كَعْبُ التَّوْرَاةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ لَقِيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهٗ بِمَجْلِسِیْ مَعَ كَعْبِ الْاَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهٗ فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لَهٗ قَالَ كَعْبٌ ذَالِكَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهٗ ثُمَّ قَرَاَ كَعْبُ التَّوْرَاةَ فَقَالَ بَلْ

هِيَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ اَيَّةَ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَيَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ هِيَ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُوْنُ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْهَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ فَهُوَ فِيْ صَلَاةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهُوَ ذٰلِكَ۔

(رواہ مالك وابو داؤد والترمذی والنسائی وروی احمدالی قولِهٖ صَدَقَ كَعْبٌ)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٦٣٤ حديث رقم ١٠٤٦۔ والترمذی ٢/٣٦٢ حديث رقم ٤٩١۔ والنسائی ٣/١١٣ حديث رقم ١٤٣٠۔ ومالك فی الموطا ١/١٠٨ حديث رقم ١٦من كتاب الجمعة ۔ (١بلفظ الخيل التی تركب يضاف إلى بقيع الخيل فی سوق المدينة عنددار زيد بن ثابت والخيل خيل ذكر فی المغازی [المعالم الأثيرة]۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن کوہ طور کی طرف گیا، میں وہاں کعب احبار سے ملا، اور میں ان کے پاس بیٹھ گیا تو انہوں نے میرے سامنے تورات کی کچھ باتیں بیان کیں اور میں نے ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی کچھ احادیث بیان کیں۔ من جملہ جو احادیث میں نے ان کے سامنے بیان کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ میں نے کہا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان تمام ایام میں سے جن میں سورج طلوع ہوتا ہے افضل دن جمعے کا ہے اسی میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور اسی میں ان کو زمین پر اتارا گیا، اور اسی دن میں ان کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن میں فوت ہوئے اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی اور کوئی بھی چوپایہ نہیں ہے مگر وہ قیامت قائم ہونے کے انتظار میں رہتا ہے، صبح سے لے کر سورج غروب ہونے تک قیامت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں قیامت نہ آ جائے۔ سوائے جنوں اور انسانوں کے اور اس جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ نہیں پاتا اس کو کوئی مسلمان بندہ کہ وہ نماز پڑھتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ وہ چیز اس کو عطا کر دیتے ہیں۔ تو کعب کہنے لگے یہ پورے سال میں ایک دن ہے (یعنی وہ مقبولیت والی ساعت سال کے جمعہ میں سے ایک جمعہ میں ہوتی ہے) میں نے کہا نہیں بلکہ یہ ہر جمعہ میں ہوتی ہے، پس حضرت کعب نے تورات پڑھی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ کہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں حضرت عبداللہ ابن سلامؓ سے ملا، پس میں نے حضرت کعب کے ساتھ اپنی مجلس کو ان کے سامنے بیان کیا اور اس حدیث کا تذکرہ کیا جو میں نے حضرت کعب کو سنائی تھی جمعہ کی فضیلت کے بارے میں پھر میں نے ان سے کہا کہ حضرت کعب نے کہا ہے کہ یہ گھڑی سال میں ایک مرتبہ ہے (یعنی ایک جمعہ میں ہے) تو حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کعبؓ نے غلط کہا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یہ کہنے کے بعد حضرت کعب نے تورات پڑھی اور پھر فرمایا کہ یہ ہر جمعہ میں ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ نے سچ کہا ہے) تو پھر حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے کہا کہ کعب نے سچ کہا ہے اس کے بعد عبداللہ ابن سلام نے کہا تحقیق میں جانتا ہوں وہ کونسی گھڑی ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھے ضرور بتائیں اور مجھے بتانے میں بخل نہ کریں، تو حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا وہ جمعے کی آخری گھڑی کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن بندہ اس کو پالے اور وہ اس میں نماز پڑھتا ہو...... (یعنی اس میں تو یہ تذکرہ ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہو حالانکہ جمعے کے دن کا آخری وقت مکروہ وقت ہے اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں) تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کیا آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص بیٹھا ہو اپنی جگہ پر اس حال میں کہ وہ نماز کا انتظار کر رہا ہے، پس وہ نماز ہی کے حکم میں ہے، یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لے، تو ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے یہی فرمایا ہے۔ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا، پس نماز سے مراد انتظار ہی ہے۔ یہ مؤطا امام مالک، ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔ امام احمد

نے اس کوروایت کیا ہے۔صدق کعب تک۔

تشریح حضرت عبداللہ ابن سلامؓ اور حضرت کعب احبار یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے یہ یہودیوں کے ان دس بڑے علماء میں سے تھے جو توراۃ کے حافظ تھے اور حبر کہلاتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے فوراً بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی علامات نبوت کو دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گئے، حضرت کعب نے بھی آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا لیکن مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی ایک شان اعجازی واضح ہوتی ہے کہ اُمی ہونے کے باوجود آپ نے اس عظیم الشان چیز کی خبر دی جو کہ توراۃ میں موجود تھی اور توراۃ کے بڑے بڑے عالم پر بھی پوشیدہ تھی۔ لیکن وہ جو اُمی کہلانے والے تھے ان کو اس کی پوری پوری خبر تھی یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ بظاہر تو اُمی تھے، لیکن علوم معرفت کا خزانہ اللہ تعالیٰ نے جتنا آپ کے سینے میں رکھا کسی اور میں نہیں۔

حين تصبح حتى تطلع الشمس: قیامت کا قیام چونکہ جمعہ کے دن صبح سے لے کر غروب آفتاب تک ہے کہ اس دوران کسی بھی وقت قائم ہو سکتی ہے لہٰذا اس پورے دن میں حیوان قیامت کے خوف سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ کہیں قیامت نہ آ جائے حالانکہ قیامت میں ان سے کوئی حساب وکتاب نہ ہوگا اور کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ اس کے باوجود بھی اتنا خوف رکھتے ہیں اور انسان کو تو ان سے زیادہ ڈرنا اور خوف رکھنا چاہئے کیونکہ اس کا حساب وکتاب بھی ہوگا اور جزاء اور انعام بھی ہوگا۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ جمعہ والے دن زیادہ سے زیادہ ذکر و تلاوت اور نماز میں مشغول رہیں۔

(۶/۱۲۶۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِىْ تُرْجٰى فِىْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ۔ (رواه الترمذى)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/ ٣٦٠ حديث رقم ٤٨٩۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تلاش کرو جمعہ کی اس گھڑی کو جس میں دعا کی قبولیت کی امید ہے، عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک۔ (ترمذی)

جمعہ کے دن درود زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہئے کیونکہ مقبول عبادت ہے

(۷/۱۲۶۹) وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَىَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَىَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (رواه ابوداود والنسائى وابن ماجة والدارمى والبيهقى فى الدعوات الكبير)

أخرجه أبوداود في السنن ١/ ٦٣٥ حديث رقم ١٠٤٧۔ والنسائي ٣/ ٩١ حديث رقم ١٣٧٤۔ وابن ماجه ٣/ ٩١ حديث رقم ١٣٧٤۔ والدارمي ١/ ٤٤٥ حديث رقم ١٥٧٢۔ وأحمد في المسند ٤/ ٨۔

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار طیبہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جمعے کا دن تمہارے بہترین دنوں میں سے ہے اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن میں ان کی وفات ہوئی اور اسی دن میں صور پھونکا جائے گا، یعنی نفخہ ثانیہ ہوگا، اور اسی دن میں ہلاک کر دینے والا ہوگا، یعنی نفخہ اولیٰ جس میں ساری چیزیں مر جائیں گی، پس تم اس دن میں مجھ پر زیادہ درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تو صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ ﷺ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جاتا ہے جبکہ آپ کی

ہڈیاں تو بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ راوی کہتے ہیں کہ صحابہ کی مراد ارمت سے بلیت تھی کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر بوسیدہ ہو چکا ہوگا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے زمین پر انبیاء کے جسم کو کھانا (یعنی زمین انبیاء کے جسم کو فنا نہیں کرتی)۔ یہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی اور بیہقی کی روایت ہے۔

تشریح ❁ جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ نے درود پڑھنے کا حکم زیادہ سے زیادہ اس لیے دیا کہ درود چونکہ مقبول ترین عبادت ہے اور جمعہ کے دن ہر نیکی کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے اس لئے جمعہ والے دن درود پڑھنے کا ثواب اور بڑھ جائے گا، جمعہ والے دن درود پڑھنے کے فضائل اور بہت سی احادیث میں منقول ہیں، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ جمعے والے دن زیادہ سے زیادہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے، تاکہ آپ ﷺ پر درود بھیج کر آپ کی شفاعت اور معیت کا مستحق قرار پائے۔

ان افضل ایامکم: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جمعے کا دن تمہارے فضیلت والے دنوں میں سے ہے، سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت والے دن اور بھی ہیں۔ مثلاً عرفہ کا دن، رمضان المبارک کے ایام وغیرہ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جمعہ اور عرفہ فضیلت میں برابر ہیں۔

ان اللّٰہ حرم: ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے عام مُردوں کی طرح انبیاء کے اجسام مطہرہ گل سڑ کر ختم نہیں ہوتے بلکہ قیامت تک محفوظ و مامون و معطر رہتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہ انبیاءؑ کا کفن تک بھی میلا نہیں ہوتا وہ بھی قیامت تک اسی طرح تازہ رہے گا جس طرح کہ پہنایا تھا۔

فان صلوتکم معروضۃ علی: اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قبر مبارک میں حیاتِ جسمانی حقیقی حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی ہوئی ہے کہ جب بھی کوئی آدمی درود پڑھتا ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

جمعہ کی فضیلت

(۸/۱۲۷۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَالْيَوْمُ الْمَشْهُوْدُ يَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَاغَرَبَتْ عَلٰى يَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْهُ فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ يَدْعُوا اللّٰهَ بِخَيْرٍ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ وَلَا يَسْتَعِيْذُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا اَعَاذَهٗ مِنْهُ رواه احمد والترمذی وَقَالَ هٰذَاحَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُوْسَى ابْنِ عُبَيْدَةَ وَهُوَ يُضَعَّفُ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٤٠٦ حدیث رقم ٣٣٣٩۔ وأحمد فی المسند ٣/٤٣٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں الیوم الموعود سے مراد قیامت کا دن ہے اور یوم مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے اور شاھد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور نہیں طلوع ہوتا سورج اور نہ ہی غروب ہوتا ہے کسی ایسے دن جو کہ جمعہ کے دن سے افضل ہو۔ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ نہیں پاتا اس کو مومن بندہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے خیر کی مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں اور نہیں پناہ مانگتا کسی چیز سے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پناہ دیتے ہیں۔ یہ امام احمد اور ترمذی کی روایت ہے۔ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے یہ صرف موسیٰ ابن عبیدہ سے منقول ہے اور وہ ضعیف ہے۔

تشریح ❁ موسیٰ بن عبیدہ کے ضعیف ہونے کے باوجود یہ حدیث قابل قبول ہے کیونکہ اس طرح اور بہت ساری روایتیں جو دوسرے راویوں سے مروی ہیں اور اس مضمون کی ہیں۔

موعود: یہ تینوں الفاظ (یعنی موعود، شاھد، مشھود) سورہ بروج میں منقول ہیں۔ یوم موعود سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آنے کی خبر دی ہے اور اس کے بعد جزاء اور سزا کا وعدہ کیا ہے

شاھدٌ سے مراد جمعہ کا دن ہے کیونکہ یہ مخلوق کے پاس ہر ہفتہ حاضر ہوتا رہتا ہے اور یوم مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے کیونکہ اس دن مسلمان جو حج کرنے کیلئے جاتے ہیں میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں اور اللہ کی رحمت کے فرشتے بھی ان کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔

الفصل الثالث:

جمعہ سیّد الایام ہے

(۹/۱۲۷۱) عَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ اِلَی الْاَرْضِ وَفِیْهِ تَوَفَّی اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَّا یَسْئَلُ الْعَبْدُ فِیْهَا شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَالَمْ یَسْأَلْ حَرَامًا وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَامِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِیَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ رواه ابن ماجة وروی احمد عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اَخْبِرْنَا عَنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِیْهِ مِنَ الْخَیْرِ قَالَ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَسَاقَ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ ـ

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۱/۳۴۴ حدیث رقم ۱۰۸۴ وأحمد فی المسند ۳/۴۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابولبابہ ابن عبدالمنذر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جمعے کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں میں سے زیادہ اللہ کے ہاں عظمت والا ہے۔ اور وہ اللہ کے ہاں عید اضحیٰ اور عید فطر سے بھی زیادہ عظمت والا ہے۔ اس میں پانچ خصلتیں ہیں (جن کی وجہ سے اس کو فضیلت ملی ہے) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسی دن میں پیدا کیا ہے اور اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے آدم کو زمین کی طرف اُتارا ہے اور اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے آدم کو وفات دی ہے اور اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ جس چیز کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عطا کر دیتے ہیں جب تک کہ وہ حرام چیز نہ مانگے اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔ اور نہیں ہے کوئی مقرب فرشتہ اور نہ آسمان اور نہ ہی زمین اور نہ ہی ہوائیں اور نہ ہی پہاڑ اور نہ ہی سمندر مگر وہ ڈرتے ہیں جمعہ کے دن سے (اس لئے کہ اس میں قیامت قائم ہوگی)۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے اور امام احمد نے روایت کیا ہے حضرت سعد بن معاذؓ سے کہ ایک انصاری آنحضرت ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا ہمیں جمعہ کے دن کے بارے میں خبر دیجئے کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں تو فرمایا اس میں پانچ خوبیاں ہیں، پھر آخر تک حدیث مذکورہ بیان کی۔

تشریح ۞ وفیہ خمس: یہاں خمس کا تذکرہ حصر کیلئے نہیں ہے کہ جمعہ کے دن صرف یہی پانچ خوبیاں ہیں۔ بلکہ جمعہ کے دن میں اور بہت ساری فضیلتیں ہیں مثلاً جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شرف جمعہ والے دن حاصل ہوگا اور جمعہ والے دن ہی حضرت نوح علیہ السلام کو نجات ملی اور جمعہ والے دن ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی۔ اب آیا عرفہ کا دن افضل ہے یا جمعہ کا، اس کی مکمل وضاحت ہم نے حدیث نمبر۳ میں کر دی ہے۔ لیکن حضرت رزین فرماتے ہیں کہ تمام دنوں میں سے سب سے افضل دن عرفہ کا ہے۔

جمعہ کے دن کی خصوصیات

(۱۰/۱۲۷۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ لِلنَّبِیِّ ﷺ لِاَیِّ شَیْءٍ سُمِّیَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِاَنَّ فِیْهَا طُبِعَتْ طِیْنَةُ اَبِیْكَ اٰدَمُ وَفِیْهَا الصَّعْقَةُ وَالْبَعْثَةُ وَفِیْهَا الْبَطْشَةُ وَفِیْ اٰخِرِ ثَلَاثِ سَاعَاتٍ مِنْهَا سَاعَةٌ مَنْ دَعَا اللّٰهَ

فِيهَا اسْتُجِيبَ لَهُ - (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٢/ ٣١١۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ شفیع عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کا نام جمعہ کیونکر رکھا گیا ہے، فرمایا اس لئے کہ اس میں تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کر کے خمیر بنایا گیا اور اسی دن میں سب کو فنا کیا جائے گا (یعنی نفخہ اولیٰ ہوگا) اور اسی دن میں زندہ ہونا ہے (یعنی نفخہ ثانیہ ہے) اور اسی دن میں سخت پکڑ ہوگی (یعنی حساب وکتاب ہوگا) اور اس کی آخری تین ساعات میں ایک ایسی گھڑی ہے جو بندہ بھی اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اس کی دعا قبول ہوگی۔ (امام احمد)

تشریح ۞ علامہ یحییٰ رقم طراز ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کر کے خمیر بنایا گیا...... ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بڑے بڑے کام اس دن میں کیئے ہیں اس لئے اس کا نام جمعہ رکھا ہے۔

جمعہ کے دن درود پڑھنے کے فضائل

(۱۲۷۳/۱۱) وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُوْدٌ يَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَإِنَّ اَحَدًا لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔

(رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ١/ ٥٢٤ حديث رقم ١٦٣٧۔

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ شفیع کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود بھیجو کیونکہ یوم جمعہ مشہود ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے۔ حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کیا وفات کے بعد بھی؟ (یعنی وفات کے بعد بھی پیش کیا جاتا ہے) تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نبی (قبر مبارک میں) زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

تشریح ۞ **فانه مشهودٌ**: اس کے دو مطلب ہیں: ① فانه، میں ضمیر کا مرجع صلوٰۃ یوم الجمعہ ہے مطلب یہ ہوگا کہ جمعہ کے دن درود پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ② یوم مشہود سے مراد جمعہ کا دن ہے کیونکہ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے۔

سوال: حضرت علیؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا دن **شاهد** نام سے موسوم ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ **مشهود** کے نام سے موسوم ہے، بظاہر تعارض ہے۔

جواب: کوئی تعارض نہیں کیونکہ جمعہ شاہد اس اعتبار سے ہے کہ ہر شہر میں ہوتا ہے، مشہود اس اعتبار سے ہے کہ اس میں رحمت کے فرشتے بکثرت اترتے ہیں۔

فنبی اللّٰہ حیٌّ یرزق: یہ بات ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ انبیاء کے اجسام مطہر اپنی اپنی قبروں میں بالکل محفوظ معطر ہیں اور کفن سمیت اسی طرح تروتازہ ہیں، جس طرح اس وقت تازہ تھے جس وقت قبر مبارک میں رکھے گئے تھے اور انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔

جمعہ کو مرنے والا فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے

(۱۲/۱۲۷۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ رواه احمد والترمذی وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۳/۳۸٦ حدیث رقم ۱۰۷٤۔ وأحمد فی المسند ۲/۱٦۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مدنی سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہوا اللہ تعالیٰ اس کو فتنۂ قبر (یعنی عذاب قبر سے) سے محفوظ فرماتے ہیں۔ یہ ترمذی اور مسند احمد کی روایت ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند متصل نہیں ہے۔

تشریح ۞ جمعہ کے دن وفات پانے والے کیلئے بہت سی احادیث میں بشارات منقول ہیں۔

① فرمایا جس مسلمان مرد یا عورت کا جمعہ کے دن یا شبِ جمعہ میں انتقال ہو گیا وہ فتنۂ قبر سے محفوظ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے روزِ قیامت اس کی ملاقات اس حال میں ہوگی کہ اس سے کوئی حساب اور سختی نہیں ہوگی اور اس کے ساتھ ایسے گواہ ہونگے جو اس کی بھلائی اور نیکی کی گواہی دینگے۔

② مدنی سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن مرتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے اور قیامت میں شہیدوں کی مہر کے ساتھ میدانِ محشر میں حاضر ہوگا۔

③ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوتا ہے اس کے لئے شہیدوں کا سا اجر وثواب لکھا جاتا ہے اور فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا۔

④ اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن مرنے والے کیلئے بشارت ہے کہ وہ خوش قسمت اس دن میں وفات پانے کی برکت سے عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے تو قبر پہلی سیڑھی ہے جب اس کے عذاب سے بچ گیا تو سمجھ لو کہ آخرت کی تمام منازل میں کامیاب ہو گیا، باقی اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اگرچہ غریب کہا ہے لیکن فضائل میں ایسی روایات قابل قبول ہیں۔

جمعہ وعرفہ مسلمانوں کی عیدین ہیں

(۱۳/۱۲۷۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَاَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اَلْآيَة وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ قَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَاهَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ۔

(رواه الترمذی وَقَالَ هٰذا حدیث حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۸/۲۷۰۔ حدیث رقم ٦/٤٦۰۔ والترمذی فی السنن ۵/۲۳۳ حدیث رقم ۳۰٤٤۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھی ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ (یعنی آج دن ہم نے تمہارے دین کو مکمل کردیا) تو آپؓ کے پاس ایک یہودی بیٹھا تھا تو اس نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو اپنی عید کا دن بنا لیتے، تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں نازل ہوئی یعنی یوم عرفہ اور یوم جمعہ میں۔ یہ ترمذیؒ کی روایت ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح ۞ یہودی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو اس عظیم الشان نعمت کی خوشی میں اور شکرانے کے طور پر ہم اس دن کو عید کی طرح یادگار بنالیتے۔ مگر حیرانگی ہے مسلمانوں پر کہ انہوں نے اس دن کو یادگار نہیں بنایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ خود ہی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ایسے دن میں نازل فرمایا جو ایک نہیں بلکہ دو عیدوں پر مشتمل تھا یعنی عرفہ کا دن بھی اور جمعہ کا دن بھی تھا

حاوی تھا ہمیں تو اس کو یادگار بنانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ خود ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو یادگار بنا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے جو حج فرمایا تھا اس دن عرفہ کا دن جمعہ والے دن آ گیا۔ اب دو عظمتیں جمع ہو گئیں ایک جمعہ کی اور ایک عرفہ کی، پھر اس میں یہ آیت نازل ہوئی جو کہ مسلمانوں کیلئے عظیم الشان نعمت ہے۔

(۱۴/۱۲۷۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُوْلُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ اَزْهَرُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ۳/۳۷۵ حديث رقم ۳۸۱۵۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب رجب کے مہینے میں داخل ہوتے (یعنی رجب کا مہینہ شروع ہوتا) تو فرماتے اے اللہ ہمارے لیے برکت ڈال دے رجب اور شعبان میں، اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے۔ (بیہقی)

تشریح ۞ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی چمک اور نورانیت دو وجہ سے ہے:

① اللہ تبارک وتعالیٰ نے بالذات معنوی طور پر ان میں چمک رکھی ہے۔

② جب بندہ عبادت کرتا ہے اس رات اور دن میں تو اس عبادت کی برکت سے شب جمعہ اور یوم جمعہ میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔

بارك لنا في رجب: اسکا مطلب یہ ہے کہ رجب اور شعبان میں ہمیں کثرت سے عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا تا کہ ہم رمضان کے روزے رکھ کے اور تراویح کی نماز پڑھ کے اور تلاوت اور نوافل کے ساتھ تیرا خوب تقرب حاصل کریں۔

بَابُ وُجُوْبِهَا

جمعہ کے واجب ہونے کا بیان

قرآن وسنت اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ جمعہ فرض عین ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور جس شخص پر جمعہ کے واجب ہونے کی ساری شرائط پوری ہوں وہ اگر سستی کی وجہ سے جمعہ چھوڑتا ہے تو وہ فاسق ہے۔ یہاں اس باب میں وجوب سے مراد فرض ہے۔

الفصل الاول:

ترکِ جمعہ پر مہر جباریت کا لگنا

(۱/۱۲۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْلَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲/۵۹۱ حديث رقم (۴۔ ۸۶۵)۔ والنسائي في السنن ۳/۸۸ حديث رقم ۱۳۷۰۔ وابن ماجه ۱/۲۶۰ حديث رقم ۷۹۴ والدارمي في السنن ۱/۴۴۴ حديث رقم ۱۵۷۰۔ وأحمد في المسند ۲/۸۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اپنے منبر کی لکڑی پر (یعنی منبر پر بیٹھ کر) فرما رہے تھے لوگ جمعہ چھوڑنے سے ضرور باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے پھر وہ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

تشریح ۞ دلوں پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں کو غفلت میں مبتلا کر دیتے ہیں اور نیکی کرنے کی

صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے اور نیکی اور برائی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ تو اب آنحضرت ﷺ نے دو چیزیں مقرر فرما دیں یا تو لوگ جمعہ پڑھیں گے تو ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا عبادت میں مٹھاس میسر ہو گی اور یا وہ جمعہ کو چھوڑ دیں تو مہر جباریت لگ جائے گی جس سے قبولیت حق کے سارے راستے مسدود ہو جائیں گے۔

الفصل الثانی:

(۲/۱۲۷۸) عَنْ اَبِی الْجَعْدِ الضُّمَرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبِهٖ (رواه ابوداودوالترمذی والنسائی وابن ماجة والدارمی ورواه مالك) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَاَحْمَدَ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٦٣٨ حدیث رقم ١٠٥٢۔ والترمذی فی السنن ٢/٣٧٣۔ حدیث رقم ٥٠٠۔ والنسائی ٣/٨٨ حدیث رقم ١٣٦٩۔ وابن ماجه ٢/٣٥٧ حدیث رقم ١١٢٥۔ والدارمی فی السنن ١/٤٤٤ حدیث رقم ١٥٧١ وأحمد فی المسند ٣/٤٢٤۔

ترجمہ: حضرت ابو جعد ابن ضمری سے روایت ہے کہ سرتاج انبیاء کرام ﷺ نے فرمایا: جو شخص محض سستی کی وجہ سے تین جمعہ کو چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ یہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت ہے۔ اور امام مالک نے اس کو صفوان بن سلیم سے نقل کیا ہے اور امام احمدؒ نے اس کو ابو قتادہ سے نقل کیا ہے۔

نمازِ جمعہ کا کفارہ

(۳/۱۲۷۹) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ۔ (رواه احمدوابوداودوابن ماجة)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٦٣٨ حدیث رقم ١٠٥٣۔ والنسائی ٣/٨٩ حدیث رقم ١٣٧٢۔ وابن ماجه ١/٣٥٨ حدیث رقم ١١٢٨۔ وأحمد فی المسند ٥/٨۔

ترجمہ: حضرت سمرہ ابن جندبؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بغیر عذر کے نماز جمعہ ترک کر دے، تو اسے چاہئے کہ وہ ایک دینار صدقہ دے، اگر ایک دینار نہ پائے تو آدھا دینار دے۔

(مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح ۞ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی کہ اگر کسی شخص کا جمعہ رہ جائے تو وہ اس کے بدلے ایک دینار صدقہ کرے، اگرچہ اس سے گناہ معاف نہیں ہوگا لیکن تخفیف کی امید ہے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس صدقہ کی برکت سے اس کو معاف بھی فرما دے۔ اب ایک دینار ساڑھے چار ماشے سونے کے برابر ہوتا ہے تو گویا جو شخص بلا عذر نماز جمعہ چھوڑ دے تو وہ ساڑھے چار ماشے سونا صدقہ کرے۔ اگر ساڑھے چار ماشے سونا نہ پائے تو سوا دو ماشے سونا یا اس کی قیمت کو صدقہ کرے۔

اذانِ جمعہ سن کر جمعہ کی تیاری واجب ہو جاتی ہے

(۴/۱۲۸۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰی مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٦٤٠ حدیث رقم ١٠٥٦۔ والدارقطنی ٢/٦ حدیث رقم ٢ من باب الجمعة علی من سمع النداء۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ خاتم الرسل ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ ہر اُس شخص پر فرض ہے جو اذان سنے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ آدمی شہر سے کتنے فاصلے پر ہو تو اس پر نمازِ جمعہ فرض ہوتی ہے اس میں چند اقوال ہیں:

① ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسی جگہ پر ہو کہ اس کے اور شہر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اگر کوئی شخص شہر میں کھڑا ہو کر آواز دے تو اس تک آواز پہنچ جائے، ایسے شخص پر نماز جمعہ فرض ہے۔

② بعض علماء فرماتے ہیں کہ شہر میں رہنے والے اور شہر کے اطراف میں رہنے والے ایسے لوگ جن کے مکانات شہر سے ملے ہوئے ہوں وہ اذان کی آواز سنیں یا نہ سنیں ان پر نماز جمعہ فرض ہے، لیکن اگر درمیان میں کھیتوں یا چراگاہوں کا فاصلہ ہو تو وہ اگر اذان سن بھی لیں تو ان پر نماز جمعہ فرض نہیں۔

③ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جہاں تک جمعہ کی آواز پہنچتی ہو اور وہ لوگ اذان کی آواز سن لیں تو ان پر جمعہ فرض ہوتا ہے چاہے ان کے درمیان اور شہر کے درمیان فاصلہ ہی کیوں نہ ہو اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت آدمی اذان جمعہ سن لے تو اس کیلئے نماز جمعہ کی طرف جانا اور جمعہ کی تیاری کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ کسی دوسرے کام میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ دوسرے کام میں مشغول ہونا: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

(۵/۱۲۸۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰی مَنْ اٰوَاهُ اللَّیْلُ اِلٰی اَهْلِهٖ۔

(رواه الترمذی وقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۳۷۶ حدیث رقم ۵۰۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صاحب شریعت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز جمعہ ہر اس شخص پر فرض ہے کہ جو رات کو اپنے گھر کو واپس آسکے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

تشریح ۞ اگر کسی شخص کے گھر سے شہر اور جامع مسجد اتنی دور ہو کہ یہ شخص نماز جمعہ پڑھ کے رات کو اپنے گھر واپس آسکتا ہے تو ایسے شخص پر جمعہ فرض ہے، لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور ثبوت احکام میں ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسے شخص پر نماز جمعہ فرض تو نہیں لیکن اگر پڑھ لے تو نور علیٰ نور ہے۔

نمازِ جمعہ کیلئے جماعت شرط ہے

(۶/۱۲۸۲) وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰی اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَّمْلُوْكٍ اَوِامْرَاَةٍ اَوْصَبِیٍّ اَوْمَرِیْضٍ۔ (رواه ابوداود وفی شرح السنة بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِیْ وَائِلٍ)۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/ ۶۴۴ حدیث رقم ۱۰۶۷۔ والدارقطنی ۲/ ۳ حدیث رقم ۲ من باب من تجب علیه الجمعة۔

ترجمہ: حضرت طارق بن شہابؓ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ حق ہے اور سوائے چار آدمیوں کے ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے (وہ چار آدمی یہ ہیں) غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو عورت یا بچہ یا مریض۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث میں چار طرح کے لوگوں کا ذکر فرمایا کہ ان پر نماز جمعہ فرض نہیں۔

① غلام: اس پر اس لئے فرض نہیں کہ یہ دوسرے کی ملکیت میں ہوتا ہے، اور اپنی مرضی سے کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔

② عورت: عورت پر جمعہ دو وجہ سے فرض نہیں {۱} جمعہ میں مردوں کا بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے اور عورتوں کے نماز جمعہ میں شامل ہونے کی وجہ سے بڑے فتنے کا خدشہ ہے گویا کہ اپنی نماز تو خراب ہو ہی جائے گی دوسروں کی بھی خراب کرے گی {۲} عورت کے ذمے خاوند کے حقوق بہت زیادہ ہیں اور نماز جمعہ میں مشغولیت ان حقوق کی ادائیگی سے مانع ہو جائے گی۔

③ بچہ: اس پر نماز جمعہ اس لئے فرض نہیں کہ وہ ہے ہی غیر مکلف، اس پر وقتی نمازیں فرض نہیں تو جمعہ بطریق اولیٰ فرض نہیں ہوگا۔

④ مریض: اگر ایسا مریض ہو جو مرض کی وجہ سے جمعہ نہ پڑھ سکے اور ایسی بیماری ہو کہ جامع مسجد تک جانا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص پر جمعہ فرض نہیں۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف چار طرح کے لوگوں پر جمعہ فرض نہیں، حالانکہ دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوانہ، مسافر، نابینا اور لنگڑا اور شیخ فانی ان پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے۔ بظاہر تعارض ہے۔

جواب: دیوانہ، اندھا، لنگڑا اور شیخ فانی مریض کے حکم میں ہیں اور مسافر غلام کی مانند ہے، اس لئے اس حدیث میں حکماً ان سب کا تذکرہ ہے لہٰذا **فلا تعارض**.

الجمعة حق: اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی فرضیت کتاب وسنت سے ثابت ہے لہٰذا اب اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے **فی جماعة** کی قید سے معلوم ہوا نماز جمعہ با جماعت پڑھی جائے گی، اکیلے نہیں پڑھی جائے گی۔

الفصل الثالث:

تارکِ جمعہ کیلئے وعید شدید

(۷/۱۲۸۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِقَوْمٍ یَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلاً یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰی رِجَالٍ یَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُیُوْتَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۵۲ حدیث رقم (۲۵۴۔ ۶۵۲)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جمعہ سے پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائے اور پھر میں ایسے لوگوں کے گھر جلا دوں جو کہ جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے نماز جمعہ بلا عذر چھوڑنے والوں کی بدبختی اور تباہی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو کہ بلا عذر اور مجبوری جمعہ کو چھوڑتے ہیں کہ وہ پیغمبر جو رحمت للعالمین بن کر آئے، وہ فرما رہے ہیں کہ میں ایسے لوگوں کے گھر جلا دوں لہٰذا ایسے لوگوں کو اس حدیث سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور عزم بالجزم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنی چاہئے ورنہ اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا طوق گلے میں پڑ جائیگا۔

بلا عذر نمازِ جمعہ چھوڑنے والا عملی منافق بن جاتا ہے

(۸/۱۲۹۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ كِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ، ثَلَاثًا۔ (رواہ الشافعی)

أخرجه الشافعي في سنده ص ٧٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز جمعہ بغیر عذر کے چھوڑ دی وہ ایسی کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جائے گی اور نہ کبھی تبدیل ہوگی اور بعض روایات میں تین جمعے چھوڑنے کا ذکر ہے۔(امام شافعیؒ)

تشریح ۞ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شرعی عذر کے بغیر مثلاً بیماری یا سفر یا معذوری وغیرہ نہ ہو، اور اسی طرح ظالم اور دشمن کا خوف بھی نہ ہو، اور اسی طرح جامع مسجد تک راستہ بھی صاف ہو۔ شدید بارش اور برف باری نہ ہو جمعہ کو چھوڑ دیتا ہے، تو اس کو اس کے نامۂ اعمال میں منافق لکھ دیا جاتا ہے، اور نامہ اعمال ایسی چیز ہے جس میں نہ ہی تنسیخ ہو سکتی ہے اور نہ ہی تغیر و تبدل ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص شرعی عذر کی وجہ سے جمعہ چھوڑتا ہے تو وہ منافق نہیں لکھا جاتا۔

کتب منافقاً: اس کا مطلب یہ ہے کہ نفاق جیسی ملعون صفت ہمیشہ کیلئے اس کے گلے کا ہار بن جاتی ہے اور قیامت تک یہ رہتی ہے اور پھر قیامت میں اللہ کی مرضی، معاف کریں یا عذاب دیں لہٰذا ایمان والوں کو چاہئے کہ اگر دونوں جہانوں میں سرخروئی کو مقدر بنانا ہے تو پھر حتی الوسع ایک جمعہ بھی ترک نہ کریں۔

فائدہ: اس منافق سے مراد منافق عملی ہے منافق اعتقادی نہیں۔

بلا عذر جمعہ کی نماز کو چھوڑنے والا اللہ تعالیٰ کی توجہ اور رحمت خاصہ سے محروم ہے

(۹/۱۲۸۵) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَیْہِ الْجُمُعَۃُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا مَرِیْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوِامْرَاَۃٌ اَوْصَبِیٌّ اَوْمَمْلُوْکٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰی بِلَھْوٍ اَوْتِجَارَۃٍ اسْتَغْنَی اللّٰہُ عَنْہُ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ (رواہ الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني في السنن ٢/٣ حديث رقم ١ من باب من تجب عليه الجمعة۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے، سوائے مریض، مسافر، اور عورت اور بچے اور مجنون اور غلام کے، جو شخص جمعہ سے لہو ولعب یا تجارت میں مشغول ہو کر بے پرواہی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے بے پروائی کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور قابل تعریف ہے۔

تشریح ۞ جیسا کہ حدیث نمبر ۶ میں وضاحت ہو چکی ہے کہ معذورین اور مسافر اور عورت اور بچے اور غلام کے علاوہ باقی سب پر جمعہ فرض ہے اگر کوئی شخص بلا عذر شرعی کھیل کود اور تجارت میں مشغول ہو کر نماز جمعہ چھوڑ دیتا ہے، تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خاص توجہ سے محروم ہو جاتا ہے، او دنیا میں جس تجارت کی وجہ سے نماز جمعہ کو چھوڑا ہے اس کو سکون والی روزی میسر نہ ہوگی اور دنیا میں بھی رزق کی تنگی کے اندر مبتلاء ہوگا اور آخرت کا عذاب تو ہے ہی۔ کیونکہ دنیا میں اس نے اللہ کی یاد سے اعراض کیا موذن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے نماز کی ادائیگی کیلئے نہ گیا، تو قیامت والے دن اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کی طرف توجہ نہیں فرمائیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا﴾ [طه: ١٢٤، ١٢٥] کہ جو اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا دنیا میں بھی اس کی روزی تنگ ہوگی اور آخرت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا، پھر وہ کہے گا اے اللہ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا گیا، حالانکہ میں دنیا میں دیکھنے والا تھا اور میری آنکھیں تھیں، تو جواب ملے گا کہ دنیا میں تو نے ہمیں بھلا دیا تھا آج ہم تجھے بھلا دیں گے۔

بَابُ التَّنْظِيْفِ وَالتَّبْكِيْرِ

جمعہ کے دن پاکی حاصل کرنے اور جمعہ کیلئے جلدی جانے کا بیان

پاکی حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرے اور اسی طرح مونچھوں کو کتروائے۔ اور ناخن کاٹے اور زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف کرے۔ نئے یا دھلے ہوئے پاک کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے۔

تبکیر: اس کا معنی ہے صبح سویرے جانا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ والے دن نماز جمعہ پڑھنے کیلئے اگر کوئی شخص جلدی جامع مسجد میں پہنچ جاتا ہے اور دن کے اول حصہ میں جا کر بیٹھ جاتا ہے تو یہ اس کیلئے بہت بہتر اور باعث ثواب ہے۔ امام غزالی اور بہت سارے سلف وصالحین کا معمول تھا کہ وہ جوان برکات کو حاصل کرنے کیلئے صبح سویرے ہی جامع مسجد میں پہنچ جایا کرتے تھے۔

فائدہ: بعض لوگوں نے خاص کر مدینہ والوں نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ وہ جمعہ کے روز دن کے اول حصہ میں مسجد میں جا کر مصلے وغیرہ بچھا دیتے ہیں لیکن خود کر وہاں نہیں بیٹھتے بلکہ واپس آجاتے ہیں اور مصلے اس لئے بچھاتے ہیں تاکہ جگہ قبضہ میں رہے، یہ طریقہ ناجائز ہے اور باعث ثواب نہیں۔ کیونکہ اس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہے اور ان کا حق مارنا ہے، ایسے لوگ آکر وہاں ہی بیٹھ کر ذکر فکر کریں، تو مناسب ہے، لیکن اگر مصلے بچھا کر کھانا کھانے یا کسی اور کام کیلئے گھر چلے جائیں، تو یہ نامناسب ہے، ایسے لوگوں کو ایسے فعل سے روکنا چاہئے۔

الفصل الاوّل:

نمازِ جمعہ پورے ہفتہ کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہے

(۱/۱۲۸۶) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْيَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَاكُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه حديث رقم ۸۸۳۔ والنسائی فی السنن ۱۰۴/۳ حديث رقم ۱۴۰۳۔ والدارمی ۴۳۵/۱ حديث رقم ۱۵۴۱۔

ترجمہ: حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور حسب استطاعت پاکی حاصل کرے، اور اپنے پاس سے تیل لگائے اور اپنے گھر کی خوشبو میں سے خوشبو لگائے اور پھر جمعہ کیلئے نکلے (مسجد میں پہنچ کر) دو آدمیوں کے درمیان حائل نہ ہو اور پھر وہ نماز جو اس کے مقدر میں ہے پڑھ لے، اور پھر خاموش رہے جبکہ امام خطبہ پڑھنے کے دوران، اللہ تعالیٰ اس آدمی کے اس جمعہ اور گزشتہ جمعہ کے درمیان کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ (بخاریؒ)

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن انسان غسل کرے اور بلا تکلف جو خوشبو اور تیل میسر ہو وہ بھی استعمال کرے یہ بہت بڑا ثواب ہے۔

وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان مونچھیں کاٹے اور ناخن کاٹے اور بغلوں اور زیر ناف بالوں کو صاف کرے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے اور مسواک کرے۔

فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ: اس کے تین مطلب ہیں:

① مسجد میں ایسے دو آدمی ساتھ بیٹھے ہوں جن کا آپس میں تعلق ہو مثلاً باپ بیٹا ہوں یا اسی طرح دو اجنبی آدمی ہوں اور مل کر بیٹھے ہوں ان کے درمیان جگہ نہ ہو تو یہ وہاں نہ بیٹھے، ہاں اگر جگہ ہو تو پھر بیٹھ جانے میں کوئی حرج نہیں۔

② اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی بعد میں آئے وہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے، لوگوں کی گردنوں پھلانگتا ہوا اور صفوں کو چیرتا ہوا آگے نہ جائے۔ اور اگر صفوں کو چیرنے کے بغیر آگے جائے اور اگلی صفوں میں کچھ گنجائش ہو، یا یہ گمان ہو کہ لوگ مجھے وہاں جگہ دے دیں گے تو پھر آگے جا سکتا ہے۔ اور اگر اگلی صفوں میں کافی جگہ پڑی ہو تو پھر پچھلی صفوں کو چیرتا ہوا آگے جا سکتا ہے کیونکہ یہ پچھلی صفوں میں بیٹھنے والوں کی غلطی ہے۔

③ اس حدیث میں نماز جمعہ کیلئے جلدی جانے کی ترغیب ہے کہ ایمان والوں کو چاہئے کہ جمعہ والے دن جلدی مسجد میں جائیں تاکہ وہاں تفریق کرنے اور صفوں کو چیرنے کی کی نوبت ہی نہ آئے۔

نمازِ جمعہ پڑھنے اور خطبہ سننے کی فضیلت

(۲/۱۲۸۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَهٗ غُفِرَلَهٗ مَابَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٥٨٧ حديث رقم (٢٦/٨٥٧)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے غسل کیا، پھر نماز جمعہ پڑھنے آیا، اور جو نماز اس کے مقدر میں تھی پڑھی، پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش بیٹھا رہا، پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی، تو اس کے اس جمعہ اور پچھلے جمعہ کے درمیان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بلکہ تین دن زیادہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح ❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہے تو جمعہ سے جمعہ تک سات دن ہیں یعنی ہفتہ میں سات دن ہیں تین دن اور گناہ معاف ہوتے ہیں تاکہ دس دن مکمل ہو جائے اور ایک نیکی کی دھائی مکمل ہو جائے۔

خطبہ کے وقت کسی چیز سے کھیلنا بھی لغو ہے

(۳/۱۲۸۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَاَنْصَتَ غُفِرَلَهٗ مَابَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ وَزِیَادَةُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰی فَقَدْ لَغَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٥٨٨ حديث رقم (٢٧۔ ٨٥٧)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (یعنی آداب کا لحاظ رکھ کر) پھر جمعہ کے لئے آیا اور بغور خطبہ سنا اور خاموش بیٹھا رہا تو اس کے لئے اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں بلکہ تین دن مزید گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس شخص نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کام کیا۔ (مسلم)

تشریح ❁ مَنْ مَسَّ الْحَصٰی: اس کے دو مطلب ہیں:

① نماز میں سجدہ کے اندر ایک دفعہ سے زیادہ کنکریوں کو درست کرنا لغو ہے اگر سجدہ ممکن نہ ہو تو ایک دفعہ اجازت ہے۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ کے وقت وہ کنکریوں سے کھیلتا رہا، کیونکہ کنکریاں وغیرہ سے لہو و لعب کرنا خطبہ سننے سے مانع

ہے اور ہر وہ کام جو خطبہ سننے سے مانع ہو وہ ہونا جائز اور بے ہودہ ہے۔

جمعہ کیلئے پہلے آنا اونٹ صدقہ کرنے کے برابر ہے

(۴/۱۲۸۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاكَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يُهْدِىْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَاخَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۰۷/۲۔ حدیث رقم ۹۲۹۔ ومسلم فی صحیحه ۵۸۷/۲ حدیث رقم(۸۵۰/۲٤)۔ وأبوداؤد فی السنن ۲٤۹/۱ حدیث رقم ۳۵۱۔ والترمذی ۳۷۲/۲ حدیث رقم ٤۹۹۔ والنسائی ۹۷/۳ حدیث رقم ۱۳۸۵۔ وابن ماجه ۳٤۷/۱ حدیث رقم ۱۰۹۲۔ ومالك فی الموطأ ۱۰۱/۱ حدیث رقم ۱ من كتاب الجمعة ۔ وأحمد فی المسند ۲۵۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں، تو وہ پہلے آنے والوں کے نام لکھتے ہیں کہ اور سب سے پہلے آنے والا (ثواب میں) ایسا ہے جیسا کہ کعبۃ اللہ میں اونٹ قربانی کیلئے بھیجنے والا، پھر اس کے بعد میں آنے والا ایسا ہے جیسا کہ گائے کی قربانی کعبۃ اللہ بھیجنے والا اس کے بعد آنے والا ایسے ہے جیسا کہ بکری قربانی کیلئے کعبۃ اللہ بھیجنے والا، پھر اس کے بعد آنے والا ایسے ہے جیسا کہ مرغی صدقہ کرنے والا اور اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسا کہ انڈہ صدقہ کرنے والا اور جب امام خطبہ کیلئے آجائے تو وہ اپنے رجسٹر کو لپیٹ لیتے ہیں، اور بغور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ والے دن اول وقت میں فرشتے آکر جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور جو شخص جمعہ کے لئے آتا ہے، اس کی حاضری لگاتے ہیں، اور جو شخص سب سے پہلے مسجد میں آتا ہے اس کا ثواب سب سے زیادہ ہوتا ہے اس کا ثواب ایسا ہے جیسے حرم میں اونٹ کی قربانی کرنا اونٹ کی قربانی کرنا ویسے بھی بڑا ثواب ہے لیکن حرم میں اس کا ثواب اور زیادہ ہوجاتا ہے اور یہ سلسلہ ثواب کی کمی کے ساتھ خطبہ تک جاری رہتا ہے لیکن جب خطبہ شروع ہوجائے تو رجسٹر بند کرکے فرشتے بھی خطبہ سنتے ہیں لہٰذا اس کے بعد آنے والوں کی حاضری اس رجسٹر میں نہیں لگائی جاتی، اس لئے تمام اہل اسلام کو چاہئے کہ جمعہ والے دن اہتمام کے ساتھ غسل کرکے دیگر لوازمات پورے کرتے ہوئے اذانِ جمعہ سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جائیں تاکہ رجسٹر ملائکہ میں نام درج ہو۔

خطبہ سننا واجب ہے کسی کو چپ کرانا بھی لغو ہے

(۵/۱۲۹۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤۱٤/۲۔ حدیث رقم ۹۳٤۔ ومسلم فی صحیحه ۵۸۳/۲ حدیث رقم (۱۱۔ ۸۵۱)۔ وأبو داوٗد فی السنن ٦٦۵/۱ حدیث رقم ۱۱۱۲۔ والترمذی ۳۸۷/۲ حدیث رقم ۵۱۲۔ والنسائی ۱۰٤/۳ حدیث رقم ۱٤۰۲ ومالك فی الموطأ ۱۰۳/۱ حدیث رقم ٦ من كتاب الجمعة وأحمد فی المسند ۲۷۲/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تو اپنے ساتھ والے سے کہے چپ ہوجا جمعہ

کے دن جبکہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو تم نے بھی لغو کام کیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: خطبہ جمعہ سننے کا حکم: آیا خطبہ جمعہ سننے کا کیا حکم ہے اس میں چند اقوال ہیں:

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب امام خطبہ کیلئے آجائے اس وقت سے۔لے کر نماز ختم ہونے تک کسی قسم کی بات کرنا اور کسی کام میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے اور خطبہ سننا واجب ہے۔

① یہ ہے کہ حدیث میں مذکور ہے: اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ و لا کلام.

② بہت سے صحابہؓ کے اقوال موجود ہیں جن میں صراحۃً وضاحت ہے کہ خطبہ جمعہ کے وقت خاموش رہنا واجب ہے۔ باقی زیر بحث باب کی بہت سی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ جمعہ سننا واجب ہے۔

قول ثانی: امام محمدؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے خطبہ کی طرف آنے اور خطبہ شروع کرنے سے قبل اور خطبہ ختم ہونے کے بعد نماز کی تکبیر تحریمہ شروع ہونے سے قبل کلام کرنا اور نماز پڑھنا اور کسی کو نصیحت کرنا جائز ہے کیونکہ خطبہ سننا واجب ہے اس وقت میں خطبہ نہیں ہوتا۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ سننا مستحب ہے لہٰذا خطبہ کے دوران نماز پڑھ سکتا ہے اور بقدر ضرورت بات بھی کر سکتا ہے۔

امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ خطبہ سننا واجب ہے اس دوران کوئی بھی کام جائز نہیں قول اول کی دلیل۔

دلیل: حضرت جابرؓ کی روایت ہے و فیہ اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ و الامام یخطب فلیر کع رکعتین.

جواب ①: آنحضرت ﷺ نے خطبہ سے خاموشی اختیار فرما کے حضرت سُلیک غطفانی کو یہ دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا کیونکہ ان کے لئے چندہ کرنا تھا تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی حالت واضح ہو جائے یہ واقعہ جزئیہ ہے اور اس دوران آنحضرتؐ نے خطبہ سے خاموشی اختیار فرمائی تھی اور راوی نے اس کو بطور عموم کے نقل کر دیا، لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

جواب ②: آنحضرت ﷺ نے خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر ان کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

جواب ③: احناف کے دلائل والی روایات محرّم ہیں اور یہ روایت مبیح ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔

سوال: وہ لوگ جو دور بیٹھے ہوں وہاں تک امام کی آواز نہ پہنچتی ہو تو ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس میں مختلف اقوال ہیں صحیح اور درست مذہب یہ ہے کہ ان لوگوں کو بھی خاموش رہنا واجب ہے کوئی کلام وغیرہ نہیں کر سکتے کیونکہ اس باب کی حدیث نمبر ۳ میں ہے فاستمع و انصت غفر لہ...... یہاں استماع کا حکم ان لوگوں کو ہے جو کہ امام کے قریب ہیں اور انصات کا حکم ان لوگوں کو ہے جو کہ امام سے دور ہیں اور ان تک امام کی آواز نہیں پہنچتی۔

آداب خطبہ: نمازی کو چاہئے کہ وہ جلدی جا کر مسجد میں بیٹھ جائے اور اپنی زبان سے کوئی بات بھی نہ نکالے جو کہ آداب کے خلاف ہو اور خطبہ شروع ہو تو اس کو توجہ کے ساتھ سنے اور ہر اس کام سے بچے جو کہ نماز میں منع ہے کیونکہ درمختار میں ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ کل شیء حرم فی الصلوٰۃ حرم فی الخطبۃ۔ کہ ہر وہ چیز جو نماز میں حرام ہے خطبہ میں بھی حرام ہے مثلاً کلام کرنا، کھانا، پینا، نصیحت کرنا، سونا وغیرہ۔

مسجد میں کسی کو اٹھا کر خود بیٹھنا جائز نہیں

(۱۲۹۱/۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ اِلٰى مَقْعَدِهٖ فَيَقْعُدُ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ افْسَحُوْا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/١٧١٥ حدیث رقم (٣٠- ٢١٧٨)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ مدنی سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز اپنے بھائی کو جمعہ کے دن (یعنی مسجد میں) اس کی جگہ سے نہ اٹھائے پھر اس کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف جائے اور خود بیٹھ جائے بلکہ وہ کہے کہ جگہ کشادہ کرو۔

(مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں بھی ایمان والوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ جمعہ کے لئے پہلے مسجد میں جائیں تاکہ کسی کو اٹھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے، اور ہر طرح کی لغویات سے اور ظلم سے بچ جائے۔ اس لیے کہ علماء کرام نے وضاحت سے یہ بات لکھی ہے کہ کسی شخص کو جمعہ والے دن اس کی جگہ سے اٹھانا اور پھر خود اس جگہ پر بیٹھنا حرام ہے جب تک کہ جس کو اٹھایا جا رہا ہے وہ حقیقتاً راضی نہ ہو۔

اسی طرح کچھ اہل ثروت لوگوں کا قدیم زمانے میں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے خدام کو مسجد میں بھیج دیتے تھے جگہ رکھوانے کیلئے اور پھر جا کر انکو اٹھا کر خود بیٹھ جاتے تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ مسجد جیسی مقدس جگہوں پر کسی کا بھی قبضہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی کسی جگہ کا حقدار ہے۔

بلکہ بعض جابر حکمرانوں کا تو یہاں تک وطیرہ تھا کہ وہ خدام کے ذریعہ غرباء کو مرواتے اور انہیں ان کی جگہوں سے اٹھا دیتے اور پھر خود وہاں بیٹھ جاتے اس حالت کو دیکھ کر کسی عارف ربانی نے فرمایا کہ ان کی عبادت کا یہ حال ہے کہ وہ بھی ظلم سے خالی نہیں، تو ان کے ظلم کا کیا حال ہوگا۔

ویؤثرون علی انفسهم: اگر کوئی شخص دوسروں کے لئے ایثار کردے اور اپنی جگہ سے خود اٹھ کر ان کو بٹھا دے تو یہ بھی تب جائز ہے کہ جس کیلئے جگہ چھوڑ رہا ہے وہ ظلم میں مشہور نہ ہو اور صاحب ثروت نہ ہو بلکہ اس جگہ چھوڑنے والے سے درجہ میں کم ہو۔ باقی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خود جگہ چھوڑنا بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایثار کرنے والوں کی تعریف کی ہے جیسے ارشاد ہے ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم...... تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نفسانی ضروریات کیلئے ہے نہ کہ ایسے ایثار کیلئے۔

جمعہ کے دن عمدہ لباس پہننا اور خوشبو لگانا سنت ہے

(۱۲۹۲/۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالاَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِیَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِیْبٍ اِنْ کَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَلَمْ یَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰی مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ صَلاَتِهٖ کَانَتْ کَفَّارَةً لِمَا بَیْنَهَا وَبَیْنَ جُمُعَتِهِ الَّتِیْ قَبْلَهَا۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ١/٢٤٤ حدیث رقم ٣٤٣۔ وأحمد فی المسند ٣/٨١۔ الطبرانی فی الکبیر ذکره فی کنز العمال ١٥/٣٠٢ حدیث رقم ٤١١١٨۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور عمدہ لباس پہنا اور خوشبو لگائی اگر اس کے پاس ہو پھر جمعہ کیلئے آئے اور لوگوں کی گردنوں کو نہ پھلانگے، پھر نماز پڑھے جتنی اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھ دی ہے یہاں تک کہ پھر جب امام خطبہ کیلئے نکلے خاموش ہو کے بیٹھ جائے جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ اس کیلئے اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ (ابوداود)

تشریح: اس کا مطلب پہلے وضاحت سے گذر چکا ہے دو باتیں مزید جان لیں (۱) عمدہ لباس سے مراد سفید کپڑے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کو سفید ہی پسند تھے (۲) اگر خوشبو میسر ہو تو لگائے ورنہ مانگ کر لگانا کوئی کمال نہیں۔

(۸/۱۲۹۳) وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَامِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۲۴۶ حدیث رقم ۳۴۵۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۶۷ حدیث رقم ۴۹۶۔ والنسائی ۳/۹۷ حدیث رقم ۱۳۸۴۔ وابن ماجه ۱/۳۴۶ حدیث رقم ۱۰۸۷۔ وأحمد فی المسند ۴/۱۰۴۔

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن نہلائے اور خود بھی غسل کرے اور سویرے جائے اور پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام کے قریب بیٹھے اور توجہ سے خطبہ سنے اور کوئی بے ہودہ بات زبان سے نہ نکالے تو اس کیلئے ہر قدم اٹھانے کے بدلے ایک سال کے روزوں اور رات کو قیام کی عبادت کا ثواب ہوگا (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداود)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ غسل سے مراد یہ ہے کہ اپنی بیوی کو نہلائے یعنی وہ اس سے صحبت کرے تا کہ وہ بیوی کے نہانے کا سبب بن جائے اور پھر خود بھی غسل کرے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ غسل کا معنی دھونا ہے یعنی اپنے کپڑے دھلائے اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ اپنا سر خطمی وغیرہ سے دھلائے۔

جمعہ کے دن بیوی سے صحبت کرنا اس لئے باعث ثواب ہے کہ اس سے زنا کا خطرہ کم ہو جاتا ہے اور نماز کے اندر صحیح توجہ نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ: حدیث مبارکہ میں مشی کے بعد ولم یرکب کی قید تاکید کیلئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پورا راستہ پیدل جائے کسی جگہ پر بھی سوار نہ ہو کیونکہ اگر خالی مشی ہوتا تو اس میں یہ بھی احتمال تھا کہ کچھ راستہ میں پیدل جائے کچھ میں سوار بھی ہو سکتا ہے

جمعہ کیلئے مخصوص لباس بنانا مستحب ہے

(۹/۱۲۹۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاعَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَاَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَىْ مِهْنَتِهٖ۔ (رواہ ابن ماجة ورواہ مالك عن یحیٰی بن سعید)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۶۵۰ حدیث رقم ۱۰۷۸۔ وابن ماجه ۱/۳۴۸ حدیث رقم ۱۰۹۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی حرج نہیں تم میں سے کسی ایک پر کہ اگر طاقت ہو تو وہ دو کپڑے بنالے جمعہ کیلئے کام کاج والے کپڑوں کے علاوہ۔ (ابن ماجہ)

امام مالک نے یہ روایت یحیٰی بن سعید سے نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص جمعہ یا عیدین کیلئے کوئی نیا لباس یا جوتے وغیرہ خریدتا ہے تو یہ تقویٰ کے خلاف نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث مبارکہ میں واضح فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کیلئے بطور خاص کوئی لباس بنالے تو اس میں کوئی حرج نہیں، نیز کہ صحیح روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ کیلئے خاص لباس رکھا ہوا تھا جس کو صرف جمعہ کیلئے ہی استعمال کرتے تھے۔

بوقت جمعہ امام سے دور بیٹھنا جنت سے دوری کا سبب ہے

(۱۰/۱۲۹۵) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَايَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِى الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۶۶۳ حدیث رقم ۱۱۰۸۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خطبہ کیلئے حاضر ہو جاؤ اور امام کے قریب ہو کر بیٹھ جاؤ اس لئے کہ آدمی مسلسل دور ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہونے میں بھی پیچھے رہتا ہے، اگرچہ جنت میں داخل ہو بھی جائے۔ (ابوداؤ)

تشریح ۞ اس حدیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ انسان کو ہمیشہ عزیمت والے اعمال کرنے چاہئیں سوائے مجبوروں کے رخصت کی طرف مائل نہ ہو اس لئے کہ اصل تو عزیمت ہی ہے۔

جمعہ کے روز گردنوں کو پھلانگنے کا بدلہ

(۱۱/۱۲۹۶) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتُّخِذَ جَسْرًا اِلٰى جَهَنَّمَ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذاحدیث غریب)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٦٦٤ حديث رقم ١١١٠۔ والترمذی فی السنن ٢/٣٩٠ وأحمد فی المسند ٣/٤٣٩۔

ترجمہ: حضرت معاذؓ بن انس الجہنی اپنے والد مکرم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے (جامع مسجد میں) جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا تو وہ جہنم کی طرف پُل بنایا جائے گا۔ یہ ترمذی کی روایت ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ۞ جہنم کی طرف پُل بنایا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنے کیے کی سزا اسی صورت میں ملے گی کہ جس طرح جمعہ کے دن جامع مسجد میں لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا اور ان کی بے حرمتی کی اس طرح اس کو بھی جہنم کی طرف پُل بنا کر لوگوں کی گذرگاہ بنایا جائے گا، یا پُل صراط پر لوگوں کے قدموں کے نیچے روندا جائے گا۔

حدیث کی یہ سند معاذ بن انس عن ابیہ درست نہیں کیونکہ انس الجہنی کو آنحضرت ﷺ کی صحبت میسر نہیں ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے سماع ثابت ہے بلکہ درست سند یہ ہے کہ عن سهل بن معاذ عن ابیه. اسی سند کو امام ترمذی نے درست کہا ہے۔

(۱۲/۱۲۹۷) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْحَبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ١/٦٦٨ حديث رقم ١١١٩۔ والترمذی ٢/٤٠٤ حديث رقم ٥٢٦ وأحمد فی المسند ٢/٣٢۔

ترجمہ: حضرت معاذ ابن انس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح ۞ گوٹ مارنا ایک خاص طریقہ ہے بیٹھنے کا جس کی صورت یہ ہے کہ پیٹھ کے بل بیٹھ کر دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے گھٹنوں اور رانوں کو پیٹ کے ساتھ ملا کر کپڑے کے ساتھ باندھ دینا یا ہاتھوں کے ذریعے باندھ لینا خطبہ کے وقت اس طرح کا بیٹھنا ممنوع اس لئے ہے کہ اس سے نیند زیادہ آتی ہے اور بسا اوقات آدمی پہلو کے بل گر جاتا ہے یا یہ کہ بیٹھے بیٹھے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس کو شعور بھی نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح بیٹھنے سے سارے جوڑ بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

(۱۳/۱۲۹۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١١/٦٢۔ حديث رقم ٦٢٧٠۔ ومسلم ٤/١٧١٤ حديث رقم (٢٧۔ ٢١٧)۔ وأبوداود فی السنن ٥/١٦٥ حديث رقم ٤٨٢٨ والترمذی ٥/٨٢ حديث رقم ٢٧٤٩۔ والدارمی ٢/٣٦٥ حديث رقم ٢٦٥٣۔ وأحمد فی المسند ٢/١٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو جمعہ کے دن اونگھ آجائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی جگہ بدل لے، اس سے نیند کا غلبہ کم ہو جائے گا۔ (ترمذی)

الفصل الثالث:

(۱۴/۱۲۹۹) عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهٖ وَيَجْلِسَ فِيْهِ قِيْلَ لِنَافِعٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ فِي الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا۔ (متفق علیه)

۱۳۹۶: أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/ ٦٦٥ حديث رقم ۱۱۱۳۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اسکی جگہ سے اٹھائے اور پھر اس کی جگہ خود بیٹھ جائے۔ نافع سے پوچھا گیا کیا یہ ممانعت جمعہ کیلئے ہے؟ تو فرمایا جمعہ اور غیر جمعہ دونوں کیلئے ہے۔

تشریح ۞ اسلام نے ہر اس کام سے روکا ہے جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف ہو اور اس کی توہین ہو تو اسی طرح کسی مسلمان کو اس کی جگہ سے اٹھانا اس میں بھی اس کی توہین ہے اس لئے چاہے جمعہ ہو یا غیر جمعہ ہو کسی کو اٹھانا بالکل جائز نہیں، ہاں اگر وہ خود جگہ چھوڑ دے تو یہ اس کے اپنے لیے عزیمت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے بھائی کیلئے جگہ چھوڑ دو۔

دعا بھی بے موقع فائدہ مند نہیں

(۱۵/۱۳۰۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِلَغْوٍ فَذَالِكَ حَظُّهٗ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰهَ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهُ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهٗ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِاِنْصَاتٍ وَسُكُوْتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ اَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ اِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أحمد في المسند ۱/ ۲۳۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کیلئے تین قسم کے لوگ حاضر ہوتے ہیں، ایک وہ شخص جو لغو اور بے کار کام کے ساتھ حاضر ہوا، پس اس آدمی کیلئے اس کی حاضری سے یہی حصہ ہوگا (یعنی ثواب سے محروم ہوگا) اور ایک آدمی ہے جو جمعہ میں حاضر ہوتا ہے دعا کی غرض سے پس وہ آدمی ہے جو اللہ سے دعا کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو دے دے گا اگر نہیں چاہے گا تو نہیں دے گا۔ اور ایک وہ شخص ہے جو جمعہ کیلئے آتا ہے خاموشی اور سکوت کے ساتھ یعنی خاموش ہو کر خطبہ سنتا ہے اور کسی مسلمان کی گردن نہیں پھلانگتا اور کسی مسلمان کو تکلیف بھی نہیں دیتا، پس یہ جمعہ اس کیلئے دوسرے جمعہ تک جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اور تین دن زیادہ تک کیلئے کفارہ بن جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿من جاء بالحسنة فله عشر امثالها﴾ کہ جو شخص نیکی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا زیادہ ثواب دے گا۔

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں تین طرح کے لوگوں کا ذکر ہے ایک تو وہ جو کہ جمعہ کیلئے محض کھیل و تماشہ کیلئے حاضر ہوتا ہے اس کیلئے جمعہ کی نماز میں حاضر ہونا باعث ثواب نہیں، کیونکہ اس نے نہ ہی خطبہ توجہ سے سنا اور نہ ہی توجہ سے نماز پڑھی۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جو خطبہ کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہتا ہے جس کی وجہ سے خطبہ نہیں سن سکتا تو ایسے شخص کی دعا بھی قبولیت کے زیادہ قریب نہیں ہے اس لئے کہ وہ شخص خلاف ادب اور حکم رب کے خلاف چل کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے، تو اگر اللہ اپنے فضل سے اور اپنی رحمت کے

صدقے اس کو قبول فرمالیں تو یہ اُس کا کرم ہے وگرنہ عدل وانصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ اس فعل بد کی وجہ سے اس کی دعا کو قبول نہیں فرمائے گا۔احناف کے نزدیک دوران خطبہ زبان سے دعا کرنی مکروہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک حرام ہے۔تیسرا وہ شخص ہے جو کہ نماز جمعہ کیلئے حاضر ہو، مکمل آداب کی رعایت کرتے ہوئے جہاں جگہ میسر ہو بیٹھ جائے کسی کو تکلیف نہ دے (یعنی کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے اور دو آدمیوں کے درمیان حائل نہ ہو) اور اسی طرح مسجد میں ایسی چیز کھا کر نہ جائے جس کی وجہ سے بدبو پیدا ہو مثلاً لہسن، پیاز وغیرہ (یعنی مسواک کر کے غسل کر کے صاف کپڑے پہن کے جائے۔اور توجہ کے ساتھ خطبہ سنے اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھے، تو یہ ایک جمعہ اس کے دس دن کے گناہوں کا کفارہ بن جائیگا۔

علم پر عمل نہ کرنے والے کی مثال

(۱۶/۱۳۰۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا وَالَّذِيْ يَقُوْلُ لَهٗ اَنْصِتْ لَيْسَ لَهٗ جُمُعَةٌ۔ (رواہ احمد)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۳۴۹/۱ حديث رقم ۱۰۹۸۔ ومالك في الموطأ ۶۵/۱ حديث رقم ۱۱۳ من كتاب الطهارة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن بات چیت شروع کردی اس حال میں کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو وہ شخص گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں اور جو شخص اس کو کہے چپ ہو جا تو اس کیلئے جمعہ کا ثواب نہیں۔

تشریح ۞ **کمثل الحمار:** یہ کنایہ ہے اس آدمی سے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے کہ وہ بہت تکلیفیں برداشت کر کے علم حاصل کرتا ہے مگر جس طرح گدھے پر کتابیں لادنے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اس طرح اس انسان کو بھی اس کے علم سے کوئی فائدہ نہیں۔اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جمعہ کے دن خاموش رہ کر خطبہ سننا اس کو معلوم ہے، لیکن پھر بھی اگر وہ اس کا خیال نہیں رکھتا تو وہ اپنے آپ کو تباہی اور بربادی میں ڈال رہا ہے۔

والذی یقول له: اس کا مطلب یہ ہے کہ کہ اگر کوئی شخص بات کرنے والے کو اور خطبہ نہ سننے والے کو زبان سے یہ بھی کہہ دے کہ چپ ہو جا اور خطبہ سن، یہ بھی لغو اور بے فائدہ ہے اس کی تشریح حدیث نمبر ۵ میں گزر چکی ہے۔

سوال: حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی آ گیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میرا مال تباہ و برباد ہو گیا ہے اور میرے اہل وعیال بھوکے ہیں، تو آنحضرت ﷺ اسی حالت میں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت خطبہ بات چیت جائز ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے جائز نہیں۔ بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب ①: یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے کا ہے۔

جواب ②: یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

جواب ③: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ خطبہ کی حالت میں بات چیت کرنا اور بولنا حرام نہیں تھا۔

جمعہ کے دن مسواک ضروری کرنی چاہئے

(۱۷/۱۳۰۲) وَعَنْ عُبَيْدِبْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمُعَةِ يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَمَسَّ مِنْهُ

وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔ رواه مالك ورواه ابن ماجة عنه هو عن ابن عباس مُتَّصِلاً

اخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۴۰۷ حدیث رقم ۵۲۸ وأحمد فی المسند ۴/ ۲۸۲۔

ترجمہ: حضرت عبید بن سباقؒ مرسلاً سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جمعوں (جمع جمعہ) میں سے ایک جمعہ میں فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت بے شک یہ ایسا دن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عید بنایا ہے، پس تم غسل کرو، اور وہ شخص جس کے پاس خوشبو ہو اس پر کوئی حرج نہیں کہ اس کو لگالے اور تم پر مسواک لازم ہے۔ یہ امام مالک کی روایت ہے۔ اور اسی روایت کو ابن ماجہ نے عبیداللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس کو حضرت ابن عباسؓ کے واسطہ سے متصلاً نقل کرتے ہیں۔

تشریح ❁ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کیلئے اور خاص کر اولیاء اللہ اور صالحین کیلئے خوشی اور زیب وزینت کا دن ہے لہٰذا اس دن میں غسل کرنا اور خوشبو لگانا ایسی خوشبو جس مین رنگ نہ ہو، بہت بہتر اور سنت ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں خوشبوؤں میں سے سب سے افضل خوشبو ایسی مشک ہے جس میں گلاب کی آمیزش ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ زیادہ تر مشک ہی کا استعمال کرتے تھے۔

سوال: من كان عنده طيب فلا يضره ان يمس: سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ والے دن خوشبو لگانا گناہ نہیں یعنی مباح ہے حالانکہ جمعہ والے دن خوشبو لگانا سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا یہ طریقہ کیوں اختیار کیا گیا ہے؟

جواب: بعض مسلمان ابتداء میں خوشبو لگانے کو گناہ سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ خوشبو لگانا مردوں کا کام نہیں، بلکہ عورتوں کا کام ہے چنانچہ اس گمان کی نفی کے لئے ارشاد فرمایا کہ خوشبو لگانا عورتوں کا ہی شیوہ نہیں بلکہ مرد بھی لگائیں اور اُن کیلئے سنت ہے جیسا کہ حج وعمرہ میں سعی بین الصفا والمروۃ واجب ہے لیکن اس کو فلا جناح عليه ان يطوف بهما کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے وجہ یہ ہے کہ اس کو بھی ابتداء مسلمانوں نے ناپسند سمجھا تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں یہاں بت رکھے ہوئے تھے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے تو مسلمانوں نے سوچا کہ اسلام کے بعد یہ مناسب نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ اسلوب اختیار فرما کر ان کو حکم دیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرو۔

بیوی سے خوشبو لے کر لگانا جائز ہے

(۱۸/۱۳۰۳) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ اَحَدُهُمْ مِنْ طِيْبِ اَهْلِهٖ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَالْمَاءُ لَهٗ طِيْبٌ۔ (رواه احمد والترمذی وقال هذا حديث حسن)

اخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۴۰۷ حدیث رقم ۲۸ وأحمد فی المسند ۴/ ۲۸۲۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں پر جمعہ کے دن غسل واجب ہے اور چاہئے کہ ہر شخص اپنے گھر میں سے خوشبو لے کر استعمال کرے۔ پس اگر خوشبو نہ پائے تو پانی بھی اس کیلئے خوشبو ہے۔ (ترمذی، مسند احمد) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح ❁ آیا جمعہ کے دن غسل کا کیا حکم ہے تو اس میں اختلاف ہے دو مذہب ہیں۔

مذہب اول: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔

دلیل: انکی دلیل حدیث مذکورہ ہے اور ایک دوسری حدیث ہے من اتى الجمعة فليغتسل، یہاں امر وجوب کیلئے ہے۔

جواب: یہاں اس روایت میں حقا سے مراد سنت مؤکدہ ہے اور دوسری روایت میں امر استحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے نہیں۔

مذہب ثانی: جمہور کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب وسنت ہے واجب نہیں۔

دلیل: بہت سی احادیث جو کہ اس باب میں بھی گذری ہیں وہ غسل کے سنت ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔

من طیب اھلہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اپنے پاس خوشبو نہ ہو اور عورتوں کی عادت ہوتی ہے خوشبو رکھنے کی تو اپنی بیوی سے لے کر خوشبو لگا لے لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ خوشبو میں رنگ نہ ہو۔

فالمآء لہ طیبٌ: یعنی اگر کسی کے پاس خوشبو نہ ہو تو غسل کر لے کیونکہ غسل کرنے سے بدبو وغیرہ ختم ہو جائے گی اور غسل کرنا ہی خوشبو لگانے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلٰوةِ

خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان

خطبہ لغت میں مطلقاً گفتگو اور تقریر اور اس کلام کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے لوگوں کو مخاطب کیا جائے، لیکن شریعت کی اصطلاح میں خطبہ اس کلام کے مجموعے کو کہتے ہیں جو کہ نصائح ذکر واذکار، درود وسلام اور شہادتین پر مشتمل ہو۔

حکم خطبہ: نمازِ جمعہ کے لئے خطبہ شرط اور فرض ہے اس کے بغیر نماز بالکل درست نہیں ہے۔

مقدارِ خطبہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ پڑھ دینا کافی ہے یعنی فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن طویل خطبہ پڑھنا سنت اور واجب ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ طویل خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک سبحان اللہ وغیرہ کہنے سے نمازِ جمعہ درست ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک دو خطبے دینا نماز کیلئے شرط ہے اور فرض ہے اگر ایک خطبہ بھی چھوڑ دیا تو نماز درست نہیں ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک طویل ذکر واذکار اور وعظ ونصیحت پر مشتمل مجموعہ جس کو عرف عام میں بھی خطبہ کہا جاتا ہے ضروری ہے صرف سبحان اللہ سے خطبہ ادا نہیں ہوگا۔

الفصل الاول:

نماز جمعہ کا وقت

(۱/۱۳۰۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَةَ حِیْنَ تَمِیْلُ الشَّمْسُ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۸٦/۲۔ حدیث رقم ۹۰٤۔ وأبو داوٗد فی السنن ٦٥٤/۱ حدیث رقم ۱۰۸٤۔ وأحمد فی المسند ۱٥۰/۳۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سورج مغرب کی طرف مائل ہو جاتا تھا یعنی ڈھل جاتا تھا۔ (بخاری)

تشریح ❁ موسم سرما میں سورج کے ڈھلتے ہی آپ ﷺ نماز جمعہ پڑھاتے تھے یعنی زوال کے بعد جلد جمعہ پڑھاتے تھے لیکن گرمیوں میں آنحضرت ﷺ جمعہ لیٹ پڑھاتے، یہاں تک کہ گرمی کا زور کافی کم ہو جاتا تھا، جس کی وضاحت آگے حضرت انسؓ کی روایت میں آرہی ہے اسی لئے احناف کے ہاں گرمیوں میں جمعہ اور ظہر کی نماز تاخیر سے ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

سونے اور کھانے میں مشغول نہ ہو بلکہ جمعہ کی تیاری کرے

(۲/۱۳۰۵) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا کُنَّا نَقِیْلُ وَلَا نَتَغَدّٰی اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤۲۷/۲۔ حدیث رقم ۹۳۹۔ ومسلم فی صحیحه ٥۸۸/۲ حدیث رقم (۳۰۔ ۸٥۹)۔

وابو داوٗد فی السنن ۱/۶۵۴ حدیث رقم ۱۰۸۶۔ والترمذی فی السنن ۲/۴۱۳ حدیث رقم ۵۲۵۔ وابن ماجه ۱/۳۵۰ حدیث رقم ۱۰۹۹۔ واحمد فی المسند ۵/۳۳۶۔

ترجمہ: حضرت سہیل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن نہ قیلولہ کرتے تھے اور نہ کھانا کھاتے تھے، مگر نماز جمعہ کے بعد۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ والے دن سونے اور کھانے میں مشغول نہیں ہوتے تھے بلکہ صبح سویرے جلدی جمعہ کی تیاری کر کے جمعہ کی طرف روانہ ہو جاتے تھے تاکہ کثرت ثواب کا حصول مقدر بن جائے اور کھانا اور قیلولہ جمعہ کے بعد ہوتا تھا۔ قیلولہ دوپہر کے وقت لیٹنے کو کہتے ہیں، چاہے سویا جائے یا نہ۔

گرمیوں میں ظہر و جمعہ دیر سے پڑھنا سنت ہے

(۱۳۰۶/۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَکَّرَ بِالصَّلٰوۃِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ یَعْنِی الْجُمُعَۃَ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۳۸۸۔ حدیث رقم ۹۰۶۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب سردی کا موسم ہوتا تو آنحضرت ﷺ نمازِ جمعہ کو جلدی پڑھاتے تھے اور جب موسم گرما ہوتا تو ٹھنڈا کر کے پڑھاتے تھے، یعنی نمازِ جمعہ دیر سے پڑھاتے تھے۔ (بخاری)

جمعہ کی پہلی اذان کی ابتداء

(۱۳۰۷/۴) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانَ النِّدَاءُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اَوَّلُہٗ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَی الْمِنْبَرِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا کَانَ عُثْمَانُ وَکَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَی الزَّوْرَاءِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: اور حضرت سائبؓ بن یزید فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں جمعے کی پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جبکہ امام منبر پر بیٹھ جائے، پس جب حضرت عثمانؓ کا دور آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے، تو تیسری اذان کا اضافہ کیا جو کہ زوراء دی جاتی تھی۔ (بخاری)

تشریح: عہد رسالت ﷺ اور عہد شیخین میں جمعہ کیلئے صرف ایک اذان کہی جاتی تھی، کہ جب امام خطبہ کیلئے منبر پر بیٹھ جائے تو اس کے سامنے ایک اذان پڑھ دی جاتی تھی، لیکن جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا لوگ بہت زیادہ ہو گئے اور دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے، تو خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے سوچا کہ حضورؐ کے زمانہ میں لوگوں کی تعداد کم تھی اور اکثر مسجد نبوی کے قریب تھے اور ان میں سے بھی اکثر آپ ﷺ کے ارد گرد رہتے تھے، لہٰذا اب لوگ زیادہ ہو گئے اور دور دراز چلے گئے لہٰذا ان کو جمع کرنے کیلئے ایک اور اذان ہونی چاہئے جو کہ اس اذان سے پہلے ہوتا کہ لوگ خطبہ کے وقت حاضر ہو جائیں اور خطبہ سن سکیں اسلئے اس وقت سے یہ پہلی اذانِ جمعہ شروع ہوئی۔

زاد النداء الثالث: یہ اذان جمعہ کیلئے سب سے پہلے ہوتی ہے اس کو ثالث اس کہا، کہ یہ جمع کی دو اذانوں یعنی اذانِ خطبہ اور اقامت کے بعد تیسرے نمبر پر شروع ہوئی ہے۔

اب یہ اذان بھی سنت مؤکدہ ہے اس لئے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کی جاری کردہ ہے اور خلفاء راشدین کا جاری کردہ فعل سنت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین۔ اب اگر اس کو کوئی بدعت کہتا ہے خود گمراہ ہے یہ بدعت نہیں بلکہ سنت ہے۔ اور اسی طرح بیع و شراء کھانا پینا اور دیگر امور دنیاویہ جس اذان سے مکروہ تحریکی ہوتے ہیں وہ یہی

اذان ہے۔

زوراء: مدینہ کے بازار کا نام ہے یہ اس کے قریب کہی جاتی تھی تا کہ تاجر تجارت چھوڑ دیں اور خرید وفروخت چھوڑ دیں۔
ہاں ایک چوتھی اذان امام مسجد میں آنے سے قبل سنتیں پڑھنے کے وقت بعض جگہ کسی زمانے میں کہی جاتی رہی ہے، اب تو اس کا رواج کسی جگہ نہیں ہے یہ بدعت ہے کیونکہ اس کے موجد نہ تو حضور ﷺ ہیں اور نہ ہی صحابہ ؓ ہیں۔

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے

(۵/۱۳۰۸) وَعَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ يُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا وَّخُطْبَتُهُ قَصْدًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۹۳/۲۔ ۹۱۲۔ وأبو داوٗد في السنن ۶۵۵/۱ حديث رقم ۱۰۸۷۔ والترمذي ۳۹۲/۲ حديث رقم ۵۰۶۔ وأحمد في المسند ۴۵۰/۳۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے دو خطبے ہوتے تھے (یعنی آپ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے) آپ ﷺ ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے، آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی، اور خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا۔ (مسلم)

تشریح ۞ دونوں خطبوں کے درمیان فقہاء کے نزدیک تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار بیٹھنا سنت ہے واجب نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ خود بھی دو خطبوں کے درمیان اتنی مقدار بیٹھتے تھے جتنی مقدار میں آپ ﷺ کے اعضاء میں سے ہر ہر عضو اپنی جگہ پر آ جاتا تھا باقی دو خطبوں کے درمیان بیٹھ کر کوئی دعا پڑھنا بھی مسنون نہیں ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ سے اس دوران کوئی دعا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

خطبہ مختصر مگر جامع ہونا چاہئے

(۶/۱۳۰۹) وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵۸۹/۲ حديث رقم (۳۴۔ ۸۶۲)۔ والشطر الثاني ۵۹۱/۲ حديث رقم (۴۱۔ ۸۶۶)۔ وأبوداوٗد في السنن ۶۵۷/۱ حديث رقم ۱۰۹۴۔ والترمذي ۳۸۱/۲ حديث رقم ۵۰۷ والنسائي ۱۱۰/۳ حديث رقم ۱۴۱۸۔ وابن ماجه ۳۵۱/۱ حديث رقم ۱۱۰۶۔ والدارمي ۴۴۰/۱ حديث رقم ۱۵۵۷۔ وأحمد في المسند ۹۳/۵۔

ترجمہ: حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کی دانائی کی علامت ہے لہٰذا تم نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرو، کیونکہ بعض بیان جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں بلیغ انداز میں اس بات کی طرف ترغیب دی گئی ہے کہ ہر اس کام کو حدِ اعتدال کا لحاظ رکھتے ہوئے لمبا کرنا بہتر ہے جس میں خالق کی طرف توجہ ہو، یہاں اس حدیث مبارکہ میں فرمایا کہ نماز کو لمبا کرو اس لئے کہ اس میں توجہ خالق کی طرف ہوتی ہے لیکن طویل بھی اتنی ہو جو ہمارے آقا ﷺ سے منقول ہے ایسی طوالت جو کہ شریعت سے مطابقت نہیں رکھتی وہ مطلوب نہیں اور خطبہ کے بارے میں فرمایا کہ اس کو مختصر کرو کیونکہ اس میں توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے۔

ان من البیان سحرًا کو خطبہ کے مختصر کرنے کیلئے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ بات پُر اثر ہو، چاہے مختصر ہی کیوں نہ ہو، اور

بعض دفعہ مختصر بات زیادہ اثر رکھتی ہے، اور اس میں فائدہ زیادہ ہے لوگ تھکتے بھی نہیں سننے کی رغبت بھی ہوتی ہے خطیب بھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا، جیسے کہا جاتا ہے وہ قلیل جو کفایت کرے اس کثیر سے بہتر ہے جو کہ اُکتا دے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے خیر الکلام ما قل ودل۔ تو حاصل کلام یہ ہے کہ بات مختصر مگر پُر اثر ہو تو یہ خطیب کی دانائی اور عقلمندی کی علامت ہے۔

فائدہ: سادے الفاظ میں اس حدیث مبارکہ کے اندر بیان کی تعریف بھی ہے اور مذمت بھی ہے کہ وہ بیان جو لوگوں کے دلوں کو نیکی کی طرف مائل کرے وہ بہت اچھا ہے اور جو لوگوں کو اکتا دے اور نیکی کی طرف رغبت نہ دلائے وہ برا ہے۔

خطبہ میں آواز بقدرِ ضرورت بلند ہونی چاہئے

(۱۳۱۰/۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَاَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۵۹۴/۲ حدیث رقم (۴۷۔ ۸۶۹)۔ والدارمی فی السنن ۴۴۰/۱ حدیث رقم ۱۵۵۶۔ واحمد فی المسند ۲۶۳/۴۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تھے، تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور آپ ﷺ کی آواز بلند ہو جاتی تھی، اور آپ ﷺ کا غصہ سخت تیز ہو جاتا تھا یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ (دشمن کے) کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں کہ فرما رہے ہوں کہ دشمن کا لشکر تم پر صبح یا شام حملہ کرنے والا ہے اور خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے اور اپنی شہادت اور درمیان والی انگلی کو ملاتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: کانه منذر جیش: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک کمانڈر اور سپہ سالار اپنی فوج کو دشمن کے حملہ کے وقت وعظ کرتے ہوئے انتہائی فکرمند ہوتا ہے، اور اپنی قوم وفوج کی سستی کو دیکھ کر اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے اور اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی جب وعظ فرماتے تھے، انتہائی فکرمندی اور امت کی کوتاہیوں اور تقصیرات کی وجہ سے اور انتہائی غفلت کی وجہ سے خطبہ کے وقت آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور آواز انتہائی بلند ہو جاتی تھی اور غصہ میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جلال کبریائی کی تجلیات اور امت کی تقصیرات کے موازنہ کی وجہ سے بھی آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو کر یہ کیفیت ہو جاتی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین میں یا کسی بھی معاملہ میں کوتاہی دیکھ کر غصہ آنا عین فطرت ہے اور ایمانی حمیت کا تقاضہ ہے لیکن پھر اسے دبا لینا ناجائز استعمال نہ کرنا یہ کمال ہے غصے کا نہ آنا کوئی کمال نہیں ہے۔

انا والساعة: آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے اور قیامت کے درمیان اب کوئی فاصلہ نہیں جس طرح کہ ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں کیونکہ میں آخری نبی ﷺ ہوں اب قیامت ہی آئے گی، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک انگلی تھوڑی سی آگے کو بڑھی ہوئی ہے اسی طرح میرا آنا بھی قیامت سے تھوڑا ہی پہلے ہے اب میرے بعد جلد ہی قیامت آجائے گی۔

خطبہ میں آیات قرآنی پڑھنا سنت ہے

(۱۳۱۱/۸) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَاُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ (متفق علیه)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۵۹۲/۲ حدیث رقم (۴۳۔ ۸۶۷)۔ وابن ماجه فی السنن ۱۷/۱ حدیث رقم ۴۵۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں نے منبر پر رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے ﴿و نادوا یا مالك لیقض علینا ربك﴾ اے مالک تو اپنے رب سے سفارش کر کہ ہمارا کام تمام کر دے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان میں ترہیب اور ترغیب کے لیے قرآن مجید کی آیات کو پڑھنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرانے کیلئے یہ آیت پڑھی ہے۔ کہ اہل جہنم اور جہنم کے داروغہ اور مالک کے درمیان معاملہ ہوگا کہ جب دوزخی عذاب سے تھک جائیں گے تو مالک جو کہ جہنم کا انچارج ہے اس کے سامنے درخواست پیش کریں گے کہ اپنے اللہ سے عرض کریں کہ وہ ہم پر موت طاری کر دے اور اس عذاب سے چھٹکارہ دے دے، تو وہ آگے سے جواب دے گا: اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ فِيْهِ اَبَدًا کہ اب عذاب سے تمہیں کبھی بھی چھٹکارا نہیں مل سکتا اور اب کبھی بھی تم پر موت نہیں آسکتی اب تمنا اور آہ و زاری چھوڑ دو، کیونکہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

صحابیہ رضی اللہ عنہا کا ایمانی جذبہ

(۹/۱۳۱۲) وَعَنْ اُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمٰنِ قَالَتْ اَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ يَقْرَءُ بِهَا عَلَى الْمِنْبَرِ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۸/۵٦۸۔ حدیث رقم ٤٨١٩۔ ومسلم فی صحیحه ۲/۵۹٤ حدیث رقم (٤٩۔ ۸۷۱)۔

ترجمہ: حارثہ بن نعمان کی بیٹی حضرت ام ہشام فرماتی ہیں کہ میں نے سورۃ ق و القرآن المجید آنحضرت ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کی تھی کہ آپ ﷺ اس کو ہر جمعہ میں منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے پڑھتے تھے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر جمعہ میں اس سورہ مبارکہ کا کچھ حصہ تلاوت فرماتے تھے۔ اور ام ہشام اس تھوڑے تھوڑے کو سن کر یاد کر لیتی، یہاں تک کہ اس نے پوری سورت یاد کر لی کیونکہ ایک ہی بار پوری سورت کا پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تقریبا تمام خطبوں میں قرآنی آیاتِ ضرور پڑھتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی الگ جگہ ہو تو عورتیں نماز جمعہ پڑھ سکتی ہیں۔

عمامہ باندھ کر خطبہ پڑھنا سنت ہے

(۱۰/۱۳۱۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ اَرْخٰى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۵۹۵ حدیث رقم (۵۱۔ ۸۷۳) وأحمد فی المسند ٦/٤٣٦۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن جمعہ کا خطبہ دیا آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور اس کے دونوں کنارے آپ نے اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے لئے عمامہ باندھنا سنت ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے پاس تین عمامے تھے۔ ایک تین گز کا تھا جو آپ روزانہ استعمال کرتے تھے اور ایک پانچ ذراع کا تھا جو کہ عموماً جمعہ میں استعمال کرتے تھے۔ اور ایک سات ذراع کا تھا جو کہ عیدین وغیرہ میں استعمال کرتے تھے۔ تو بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن تزئین و آرائش کرنا اور عمامہ باندھنا سنت ہے۔

عمامہ باندھنے کا طریقہ

امام نووی فرماتے ہیں کہ عمامہ باندھنے کے سنت طریقے دو ہیں (۱) عمامہ باندھ کر دونوں کناروں کو کندھوں کے درمیان لٹکانا اور یہی طریقہ مشہور ہے (۲) عمامہ باندھ کر کنارے سے شملہ بالکل نہ چھوڑا جائے۔

عمامہ کا رنگ: آنحضرت ﷺ سیاہ عمامہ بھی باندھتے تھے اور سفید بھی باندھتے تھے اور دھاری دار عمامہ بھی باندھتے تھے۔ لیکن عموماً سفید اور سیاہ عمامہ ہوتا تھا اس لیے یہ دونوں سنت ہیں۔ علامہ سیوطی نے بہت سارے صحابہ اور تابعین کے بارے میں یہی نقل کیا ہے کہ سیاہ عمامہ باندھتے تھے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت براء ابن عازب، حضرت انس بن مالک، حضرت عمار ابن یاسر، حضرت انس بن مالک، حضرت امیر معاویہ، حضرت واثلہ ابن اسقع اور سعید بن مسیبؒ، حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ۔

بوقت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم

(۱۱/۱۳۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَيَخْطُبُ اِذَاجَآءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٩٩٠ حديث رقم (٤٥٢۔ ١٣٥٩)۔ وأبو داوٗد في السنن ٤/٣٤٠ حديث رقم ٤٠٧٧ والنسائي ٨/٢١١ حديث رقم (٥٣٤٦) وابن ماجه مختصرًا ٢/٩٤٢ حديث رقم ٢٨٢١۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اس حال میں کہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کیلئے آئے۔ اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو، تو اس کو چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ اور چاہے کہ ان دونوں میں انتہائی اختصار کرے۔ (مسلم)

تشریح ۞ یہاں ان دو رکعتوں سے مراد ائمہ نے تحیۃ المسجد لی ہے اب یہاں دو باتیں جاننا ضروری ہے۔

(۱) تحیۃ المسجد کا حکم۔ (۲) خطبہ کے دوران اس کو پڑھنے کا حکم۔

اس میں اختلاف ہے کہ آیا تحیۃ المسجد کا حکم کیا ہے اس میں دو مذہب ہیں:

مذہب اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک یہ واجب ہے۔

مذہب ثانی: امام ابوحنیفہ امام مالک سفیان ثوری جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ تحیۃ المسجد مستحب و سنت ہے واجب نہیں۔

دوران خطبہ پڑھنے کا حکم: امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک خطبہ جمعہ کے دوران بھی تحیۃ المسجد پڑھنا ضروری ہے ان کی دلیل یہ مذکورہ حدیث ہے۔ وفیہ فلیرکع رکعتین کہ اگر امام خطبہ بھی دے رہا ہو تو پھر بھی یہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور سفیان ثوریؒ اور جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب یہ ہے کہ خطبہ کے وقت کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں۔

دلیل: بہت ساری احادیث اور اقوال صحابہ اس بات پر واضح حجت ہیں کہ جب خطبہ شروع ہو جائے تو کوئی کلام اور کوئی نماز اور کوئی بات جائز نہیں کما مر۔ اور محققین نے اس حدیث کے کئی جواب دیئے ہیں۔

جواب (۱): ترجمان احناف شیخ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں، کہ جب وہ شخص مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے اسے نماز پڑھنے کا کہا کہ مختصر دو رکعت پڑھ لو اس وقت آپ ﷺ نے خطبہ روک دیا تھا۔ جب اس کی نماز مکمل ہوئی تو پھر آنحضرت ﷺ نے خطبہ مکمل فرمایا۔ اور اس کی تائید خود دار قطنی کی روایت سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود اس شخص نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو پھر جب تک وہ شخص نماز سے فارغ نہیں ہوا، آپ خاموش رہے۔

سوال: آنحضرت ﷺ نے خطبہ روک کر اتنے اہتمام کے ساتھ اس شخص کو دو رکعت پڑھنے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: پیچھے ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت سلیک غطفانی کا ہے۔ اس کے لئے آنحضرت ﷺ نے چندہ کرنا تھا اس کو کھڑا کر کے آنحضرت نے نماز پڑھائی۔ تا کہ لوگوں کے سامنے ان کا فقر و فاقہ واضح ہو جائے اور راوی نے اس کو واقعہ کلیہ بنا کر نقل کر دیا۔

جواب ۲: یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ دوران خطبہ نماز پڑھنا اور کلام کرنا ممنوع نہیں ہوا تھا۔

جواب ۳: یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے کا ہے۔

(۱۲/۱۳۱۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (متفق علیه)

۱٤۱۲: أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۷۔ حدیث رقم ۵۸۰۔ ومسلم فی صحیحه ۱/٤۲٤ حدیث رقم (۱٦۲۔ و٦۰۷)۔ وأبوداوٗد فی السنن ۱/٦٦۹ حدیث رقم ۱۱۲۱۔ والترمذی ۲/٤۰۲ حدیث رقم ۵۲٤۔ والنسائی ۱/۲۷٤ حدیث رقم ۵۵۳۔ وابن ماجه ۱/۳۵٦ حدیث رقم ۱۱۲۲۔ والدارمی ۱/۳۰۱ حدیث رقم ۱۲۲۰۔ ومالك فی الموطأ ۱/۱۰۵ حدیث رقم ۱۱ من کتاب الجمعة۔ وأحمد فی المسند ۱/۲٤۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ جس شخص نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پا لی اس نے نماز پالی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ✿ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے جماعت کی ایک رکعت بھی امام کے ساتھ پالی تو اس نے جماعت کا ثواب پالیا اس اعتبار سے یہ حدیث جمعہ کی نماز کے ساتھ خاص نہیں ہوگی۔

اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی اس نے جمعہ کو پالیا یعنی اگر جمعہ کی دوسری رکعت میں رکوع پا لیا۔ تو وہ جمعہ ہی کی دو رکعتیں پڑھے۔ اب یہ کہ اگر کوئی شخص جمعہ کی کوئی ایک رکعت بھی امام کے ساتھ نہیں پاتا بلکہ جمعہ کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد امام کے ساتھ ملتا ہے تو اب آیا وہ جمعہ کی دو رکعتیں پوری کرے گا یا کہ ظہر کی چار رکعتیں پوری کرے گا۔ اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں:

مذہب اوّل: امام شافعیؒ اور امام مالک اور امام احمدؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ایسا انسان بعد میں ظہر کی نیت سے چار رکعتیں پڑھے۔

دلیل اول: یہی مذکورہ حدیث ہے کہ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کم پائیں۔ اس کو جمعہ کی نماز نہیں ملے گی۔

جواب: یہ عام نمازوں کے بارے میں ہے جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، جمعہ کیلئے اس کو ائمہ ثلاثہ نے لیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت کی بنیاد پر اور وہ یہ ہے: مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْیُصَلِّ اِلَیْهَا اُخْرٰی وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا، یہ دار قطنی کے حوالے سے ہے اس کے دو جواب ہیں: ① اس حدیث کی سند میں کلام ہے یہ صحیح حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ② من فاتته رکعتان کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی پوری پوری دو رکعتیں رہ جائیں یعنی امام کے ساتھ ایک رکعت بھی میسر نہ ہو، تو وہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھے۔

مذہب ثانی: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے پہلے جو آدمی جمعہ کی نماز میں شریک ہو جائے، تو وہ جمعہ کو پالے گا، اور اب امام کے سلام پھیرنے کے بعد جمعہ کی دو رکعتیں پوری کرے۔

دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے بخاری میں: فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا کہ جو پالو وہ پڑھ لو اور جو فوت ہو اس کو مکمل کرلو، تو یہاں جمعے کی دو رکعتیں ہی فوت ہوئیں ہیں، لہٰذا انہی کو پورا کرنا ہوگا، اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت معاذ ابن

جبلؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر دوسری رکعت کا اکثر حصہ پالیا یعنی اگر رکوع پالیا تو وہ جمعہ ہی کی تکمیل کرے ورنہ ظہر کی۔

الفصل الثانی:

دونوں خطبوں کے درمیان کلام جائز نہیں

(۱۳/۱۳۱۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ اِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ اَرَاهُ الْمُؤَذِّنَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ يَخْطُبُ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/ ۶۵۷ حديث رقم ۱۰۹۲۔ وأحمد في المسند ۲/ ۳۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جمعہ کے دن دو خطبے پڑھتے تھے۔ آپ جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے یہاں تک کہ مؤذن اذان دے کر فارغ ہو جاتا، پھر آپ کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے پھر آپ بیٹھ جاتے، اور کلام نہیں فرماتے تھے اور پھر آپ کھڑے ہو جاتے اور دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اذا صعد المنبر: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا مستحب ہے۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جائے لیکن اگر نیچے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ آیا دو خطبوں کے درمیان کوئی کلام کیا سکتا ہے کہ نہ یا کچھ پڑھا جا سکتا ہے کہ نہ تو اس میں دو قول ہیں۔

قولِ اوّل: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ دو خطبوں کے درمیان نہ کوئی کلام کرنا جائز ہے اور نہ کوئی دعا پڑھنا جائز ہے اور نہ ہی کوئی آیت قرآنیہ پڑھنا جائز ہے۔

دلیل: آنحضرت ﷺ دو خطبوں کے درمیان کلام نہ کرتے تھے۔

قولِ ثانی: ملا علی قاریؒ نے شرح طیبی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ دو خطبوں کے درمیان قرآن کی آیتیں پڑھنا اولیٰ ہے چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلقاً آیات پڑھنی اولیٰ ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سورۂ اخلاص پڑھنی اولیٰ ہے۔

دلیل: حضرت ابن حبانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ جب دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے تو کتاب اللہ کی آیات پڑھتے تھے۔

مقدار جلسة بين الخطبتين: علامہ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ اخلاص پڑھنے کی بقدر دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مستحب ہے۔ اور بعض نے تین دفعہ سبحان اللہ پڑھنے کی مقدار بیٹھنے کو نقل کیا ہے۔

فائدہ: خطبہ ثانی میں آل رسول اور اصحاب رسول کے لئے دعا کرنا مستحب ہے۔ اور خلیفۂ وقت کیلئے بھی دعا کرنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عادل ہوں، خلفائے راشدین والی صفات ان میں پائی جائیں وگرنہ ان کی تعریف قطعاً جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ غلط ہونے کے باوجود ان کی تعریف کرے گا تو اس سے عبادت کے ساتھ جھوٹ کو ملانا لازم آتا ہے۔ اور اس طرح ہمارے زمانے میں بادشاہوں کو عادل کہنا اور ان کی تعریف کرنا کفر تک لے جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا ظلم اور بربریت، فسق و فجور انتہائی ظاہر ہے۔

خطبہ کے وقت لوگ کس جہت منہ کر کے بیٹھیں

(۱۴/۱۳۱۷) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا

(رواه الترمذي وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ)۔

أخرجه الترمذي في السنن ۲/ ۳۸۳ حديث رقم ۵۰۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب منبر پر خطبہ کے لئے بیٹھ جاتے تھے تو ہم آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، اپنے چہروں کے ساتھ۔ (ترمذی) اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف فضل محمد کی سند کے ساتھ پہچانی جاتی ہے، اور وہ ضعیف ہیں، ان کا حافظہ کمزور ہے انہیں حدیث یاد نہیں رہتی تھی۔

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے وقت امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو اور لوگ امام کی طرف متوجہ ہوں، اور توجہ کے ساتھ خطبہ سنیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطیب منبر پر بیٹھنے کے بعد لوگوں کو سلام نہ کرے، لیکن امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ منبر پر بیٹھ کر سلام کرنا مستحب ہے۔

الفصل الثالث:

(۱۳۱۸/۱۵) **عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّاَكَ اَنَّهٗ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَهٗ اَكْثَرَ مِنْ اَلْفَيْ صَلَاةٍ۔** (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲/ ۵۸۹ حديث رقم (۳۵۔ ۸۶۲)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھ جاتے اور پھر کھڑے ہوتے۔ پس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، لہٰذا جو شخص آپ کو یہ خبر دے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ بیٹھ کر ارشاد فرماتے تھے تو وہ جھوٹ بولتا ہے، اللہ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو ہزار سے بھی زیادہ نمازیں پڑھیں ہیں۔

تشریح ۞ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اس لیے خطباء کو بھی چاہئے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دیں۔ اگر کوئی آدمی بیٹھ کر خطبہ دے گا تو مکروہ اور ناجائز ہے۔ اور حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھیں ہیں ان نمازوں سے مراد نماز جمعہ نہیں مطلقاً نمازیں ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے پہلا جمعہ مدینہ میں آکر پڑھایا اور مدینہ میں آپ کی اقامت دس سال تھی اور دس سال کی عرصہ میں جمعوں کی تعداد پانچ سو سے زائد بھی نہیں، آنحضرت ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھنے کا حوالہ دے کر حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ معیت اور رفاقت کی کثرت کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

فائدہ: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جو شہر جہاد اور جنگ کے ذریعے فتح ہو تو وہاں خطیب تلوار ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھے۔ اور جو لوگ اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہوئے ہوں، تو ان کے شہر میں بغیر تلوار لئے خطبہ پڑھے، اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے خطبے کے مقابلے میں دوسرا خطبہ پست آواز میں پڑھے۔

خلافِ سنت کام دیکھ کر غصہ آنا غیرت ایمانی ہے

(۱۳۱۹/۱۶) **وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْلَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔** (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲/ ۵۹۱ حديث رقم (۳۹۔ ۸۶۴)۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ مسجد میں گئے تو عبدالرحمٰن ابن ام الحکم کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے تو حضرت کعب نے فرمایا کہ اس خبیث کی طرف دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَاِذَا رَاَوْا

تِجَارَةً اَوْلَهْوًا اِنْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔ (مسلم)

تشریح ۞ عبدالرحمٰن بن ام الحکم یہ بنوامیہ میں سے تھا۔ حضرت کعب بن عجرہ نے جب اس کو دیکھا کہ یہ بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے تو ان کو شدید غصہ آیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ یا حرام کا ارتکاب کرنے والے کو دیکھ کر غصہ آنا یہ ایمانی غیرت کا تقاضہ ہے اور اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس کو خبیث اس لیے کہا، کہ جو بات آنحضرت ﷺ کے زمانے سے اور آنحضرت ﷺ کے مداومت عمل سے ثابت ہے اس کی مخالفت کرنا خبث باطن کی نشانی ہے۔ اور حضرت کعب بن عجرہ نے اس آیت کو بطور دلیل پڑھا۔ کہ جب اس آیت سے روزِ روشن کی طرح یہ واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے، اور بہت ساری صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے اسلئے خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے اسلئے امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے اور بیٹھ کر پڑھنا مکروہ ہے۔

شانِ نزول: جس آیت کا حوالہ حضرت کعب بن عجرہ نے دیا اس کا شان نزول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ میں قحط پڑ گیا۔ غلہ نہ ملنے کی وجہ سے مسلمان کافی لاغر اور بے حال تھے۔ اور ان دنوں میں خطبہ بھی نماز جمعہ کے بعد ہوتا تھا۔ تو اچانک شام سے تجارتی قافلہ غلہ لے کر آ گیا۔ جب اس قافلہ نے آواز لگائی تو کئی صحابہ کرام نے یہ سوچ کر کہ فرض ادا ہو گیا ہے۔ اور حالت بھی انتہائی اضطراری ہے لہٰذا غلہ لے لیں، اس غرض سے صحابہ کرام باہر تشریف لے گئے صرف بارہ صحابہ کرام مسجد میں بیٹھے رہے اور آنحضرت ﷺ کا خطبہ سنتے رہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ بارہ بھی چلے جاتے تو آج مدینہ پر عذاب آ جاتا۔

وقت جمعہ: جمہور کے نزدیک جمعے کا وقت ظہر والا وقت ہے زوال سے پہلے اور وقت عصر کے دخول کے بعد جمعہ جائز نہیں۔ اور اسی طرح خطبہ بھی وقت کے اندر پڑھنا ضروری ہے پہلے پڑھنا جائز نہیں اور اس طرح خطبہ لوگوں کے سامنے پڑھنا ضروری ہے۔ اگر امام گھر سے خطبہ پڑھ کے آ جائے تو یہ جائز نہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ظہر کے وقت سے پہلے بھی اگر جمعہ پڑھ لیا تو جائز ہے اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر عصر کے وقت داخل ہونے کے بعد اگر جمعہ پڑھا گیا تو یہ بھی جائز ہوگا لیکن ان دونوں حضرات کا مسلک سنت مشہور اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے اس لئے خطبہ جمعہ ظہر کے وقت کے علاوہ جائز نہیں۔

خطبہ کے وقت اُنگلی سے اشارہ کرنا جائز ہے

(۱۳۲۰/۱۷) وَعَنْ عَمَّارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ اَنَّهٗ رَاٰى بِشْرَبْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۵۹۵ حدیث رقم (۵۳۔ ۸۷۴)۔

ترجمہ: حضرت عمارہ بن رویبہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا، کہ وہ منبر پر خطبہ کے وقت اپنے ہاتھ بلند کر رہا ہے، تو فرمایا اللہ تعالیٰ قبیح بنائے ان دو ہاتھوں کو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ نہیں زیادہ کرتے تھے اس سے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ حضرت عمارہ نے جب بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ خطبے کے دوران دور حاضر کے مقررین اور خطباء کی طرح خوب جوش کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو بلند کر رہا تھا، تو جب انہوں نے دیکھا کہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ تو اس پر ناگواری کا اظہار کیا۔ اور پھر اس کے بعد انہوں نے وضاحت کی کہ آنحضرت ﷺ خطبہ میں صرف انگلی سے اس قدر اشارہ فرماتے تھے وہ بھی لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کیلئے اور اس لیے تاکہ لوگوں کے دل میں عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر کھڑے ہو کر خطیب کسی کو بلا سکتا ہے

(۱۳۲۱/۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ عَلَی الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِکَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ تَعَالَ یَاعَبْدَاللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ١/٦٥٦ حديث رقم ١٠٩١۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر کھڑے ہوئے تو لوگوں سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، پس آپ ﷺ کا یہ ارشاد ابن مسعودؓ نے سنا۔ تو مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: کہ عبداللہ ابن مسعودؓ یہاں آ جاؤ۔

تشریح ۞ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کو اس وقت نماز کیلئے کھڑے ہوتے دیکھا۔ تو آپ نے اس کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ خطبہ کے منبر پر جانے کے بعد نماز پڑھنی ناجائز ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خطیب منبر پر کھڑا ہونے کی صورت میں کلام کرنا چاہے تو جائز ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک خطبہ شروع ہونے کے بعد سوائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خطیب کو کوئی بات کرنی جائز نہیں۔

جس شخص کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو ظہر پڑھ لے

۱۳۲۲/(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَدْرَکَ مِنَ الْجُمُعَۃِ رَکْعَۃً فَلْیُصَلِّ اِلَیْھَا اُخْرٰی وَمَنْ فَاتَتْہُ الرَّکْعَتَانِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْقَالَ الظُّھْرَ۔ (رواہ الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني في السنن ٢/١١ حديث رقم ٧۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو جمعہ کی ایک رکعت مل جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دوسری رکعت ملا لے اور جس شخص کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار پڑھ لے، یہاں راوی کہتے ہیں کہ چار کے بجائے ظہر کا لفظ ارشاد فرمایا کہ وہ ظہر کی نماز پڑھ لے۔ (دار قطنی)

تشریح ۞ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے جمعہ کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں یعنی سلام تک جمعہ کی نماز کا کوئی حصہ بھی نہ پائے تو وہ شخص ظہر کی چار رکعت پڑھ لے، تو یہ ظہر جمعہ کے قائم مقام ہو جائے گی۔ لیکن اگر سلام پھیرنے سے پہلے پہلے جمعہ میں امام کے ساتھ شامل ہو گیا تو وہ جمعہ کی دو رکعت پڑھے گا اور اسکی مکمل وضاحت ہم اس سے قبل میں کر چکے ہیں اور بعض حضرات نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جمعہ کی اگر ایک رکعت بھی فوت ہو گئی اور دوسری پالی تو اس پر جمعہ کی بنا کر کے دو رکعتیں پڑھے گا لیکن جس شخص کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں اور اگر وہ سلام سے پہلے امام کے ساتھ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد ملتا ہے تو وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے گا لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور دوسرا اس کا مطلب وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْخَوْفِ

نمازِ خوف کا بیان

کفار کے خوف اور دشمن کے مقابلے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے صلوٰۃ الخوف کہا جاتا ہے۔ اور اس کا ثبوت قرآن مجید،

سنت اور اجماع صحابہ سے ہے۔ اب آیا آنحضرت ﷺ کے بعد بھی یہ نماز مشروع ہے یا یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص تھی اس میں اختلاف تھی، اور دو مذہب ہیں۔

مذہب اوّل: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صلوٰۃ خوف آنحضرت ﷺ کی حیات کے ساتھ خاص ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ﴾ یہ خطاب صرف رسول اللہ ﷺ کو ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ محمد ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے ہر ایک کی کوشش ہوگی جس کی وجہ سے جھگڑے و فساد کا خطرہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد یہ بات ختم ہے، کیونکہ سب کے پیچھے نماز پڑھنا برابر ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی وفات کے بعد صلوٰۃ خوف مشروع نہیں۔

مذہب ثانی: جمہور ائمہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی صلوٰۃ خوف مشروع ہے۔ کیونکہ جس سبب کی وجہ سے آپ کی زندگی میں یہ نماز مشروع ہوئی ہے۔ یعنی خوف وہ آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے بعد بھی صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اصفہان میں صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ اور اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے طبرستان میں مجوسیوں سے جنگ کی، آپ کے ساتھ حسن بن علیؓ، حذیفہ بن اسحاق، عبداللہ ابن عمرو بن عاص تھے تو سعد بن ابی العاص نے ان حضرات کو صلاۃ خوف پڑھائی، کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور حضرت علیؓ نے جنگ صفین اور نہروان میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ جمہور کے نزدیک سفر و حضر میں صلوٰۃ خوف پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک سفر کے ساتھ مخصوص ہے۔

طریقہ صلوٰۃ خوف: صلوٰۃ خوف پڑھنے کے کل سولہ طریقے منقول ہیں، بعض نے اس سے بھی زیادہ نقل کیے ہیں۔ جتنے بھی طریقے منقول ہیں ان کے مطابق نماز خوف پڑھنا جائز ہے، صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ میں اختلاف ہے، کسی نے کس طریقے کو ترجیح دی ہے کسی نے کس کو۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس باب کی پہلی فصل میں حضرت ابن عمرؓ سے جو طریقہ ثابت ہے اور صحاح ستہ میں منقول ہے اس کو ترجیح دی ہے۔

صلوٰۃِ خوف کی مشروعیت: اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک ۴ھ میں ہوئی، بعض کے نزدیک ۵ھ میں اور بعض کے نزدیک ۶ھ میں، اور بعض کے نزدیک ۷ھ میں ہوئی اور یہی جمہور کے نزدیک راجح قول ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں چار دفعہ صلوٰۃ خوف پڑھائی ① غزوہ ذات الرقاع ② بطن نخلہ ③ وادی عسفان ④ وادی ذی مرو۔

الفصل الاول:

صلوٰۃ خوف کا طریقہ

(۱/۱۳۲۳) عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَّعَهٗ وَاَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْ مَّعَهٗ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ طَائِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَآءُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهِمْ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوٰى نَافِعٌ نَحْوَهٗ وَزَادَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْ رُكْبَانًا مُّسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ اَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ لَا اُرٰى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَّا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

ﷺ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۲۹/۲۔ حدیث رقم ۹۴۲۔ والنسائی فی السنن ۱۷۱/۳ حدیث رقم ۱۵۳۹۔ والدارمی ۴۲۸/۱ حدیث رقم ۱۵۲۱۔ وأحمد فی المسند ۱۵۰/۲۔

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ نجد کی طرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ جہاد کیلئے گیا، جب ہم دشمن کے آمنے سامنے ہوئے اور ہم نے ان کے ساتھ مقابلے کیلئے صفیں باندھ لیں، تو آنحضرت ﷺ نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے، ایک گروہ نماز پڑھنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھڑا ہوا اور دوسرا دشمن کے مقابلے کیلئے کھڑا رہا، تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے، پھر وہ لوگ ان لوگوں کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، وہ آئے، آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے، جب آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک رکعت پڑھائی اور ایک رکوع اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا، ان میں سے ہر ایک کھڑا ہو گیا اور اکیلے ایک رکوع اور دو سجدے کئے۔ اور نافعؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے، انہوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو لوگ پیادہ یا کھڑے کھڑے ہو کر اگر ممکن ہو تو قبلہ رو ہو کر ورنہ کسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیں۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہی ہے کہ یہ الفاظ ابن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے ہی نقل کیے ہونگے۔ (بخاری)

تشریح ۞ یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق اس حدیث کی تشریح یہ ہوگی کہ جب شدید خوف ہو تو امام لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دے، ایک حصہ امام کے پیچھے نماز پڑھے، اور دوسرا دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے، جب امام پہلے حصے کو ایک رکعت نماز پڑھا دے، تو لشکر کا یہ حصہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے، اور دوسرا حصہ آ کر امام کے ساتھ نماز پڑھے جب امام ایک رکعت پڑھ کے سلام پھیر دے تو یہ حصہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور پہلا حصہ آ کر بغیر قراءت کے اپنی نماز مکمل کرے کیونکہ وہ لاحق ہے حکماً امام کے پیچھے ہے۔ اور جب یہ اپنی رکعت پوری کر لیں تو دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور دوسرا حصہ قراءت کے ساتھ وہیں یا جماعت کی جگہ پر اپنی ایک ایک رکعت پوری کر لیں۔ یہ حدیث اگرچہ آخر کے اعتبار سے مجمل ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت اس کیلئے تفسیر ہے وہ اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ صحابی کی موقوف روایت جبکہ خلاف قیاس اور خلاف عقل ہو تو وہ مرفوع حدیث ہی کے حکم میں ہوتی ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ امام مسافر ہو۔ اگر حالت حضر ہو تو دونوں گروہوں کو دو دو رکعتیں پڑھائے گا، اور مغرب میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ امام پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور پھر انتظار کرے اور یہ گروہ اپنی دوسری رکعت وہیں پوری کر کے دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے پھر دوسرا گروہ آ جائے اور امام اسکو ایک رکعت پڑھائے اور سلام پھیر دے اور یہ گروہ یہیں اپنی نماز پوری کر کے چلا جائے۔

دلیل: **جواب** ①: پہلا طریقہ زیادہ راجح ہے کیونکہ وہ قرآنی طریقہ کے عین مطابق ہے۔

جواب ②: اس طریقہ میں امام کو انتظار کرنی پڑتی ہے اور امام مقتدیوں کا تابع نہیں ہوتا بلکہ متبوع ہوتا ہے۔

فائدہ: نجد کا معنی ہے بلند زمین۔ اس نجد سے مراد حجاز کا نجد ہے نجد یمن مراد نہیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد جماعت مکروہ ہے خصوصاً جبکہ سارے لوگ حاضر ہوں اس لئے کہ اگر الگ الگ دو جماعتیں بلا قراءت جائز ہوتیں تو آنحضرت ﷺ دونوں جماعتوں کو الگ الگ نماز پڑھنے کا حکم دے دیتے، اور ان کیلئے امام مقرر فرما دیتے، اور اسی طرح یہ حدیث جماعت کے واجب ہونے کی دلیل ہے کیونکہ عین دشمن کے مقابلے میں بھی نماز چھوڑنا جائز نہیں۔

قیاماً علی اقدامهم: اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب خوف بڑھ جائے تو نمازی پیدل یا سواری پر نماز پڑھیں اور

رکوع سجدہ اشارے سے کریں۔ عام حالات میں اگرچہ نماز میں چلنا، لڑنا، سوار ہونا، عمل کثیر ہونے کی وجہ سے نماز کو فاسد کر دیتا ہے، اور اسی طرح اس میں استقبال قبلہ بھی بعض دفعہ ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن یہ صلوٰۃ خوف کا طریقہ قرآن وسنت اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے اس لئے یہ خلاف قیاس مشروع ہے۔

غزوہ ذات الرقاع کا ایک واقعہ

(۲/۱۳۲۴) وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ اَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهٗ وَطَائِفَةً وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِیْ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِیْ بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهٖ ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ (متفق علیه واخرج البخاری بطریق اخرعن القاسم عَنْ صَالِحِ ابْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۷/۴۲۱۔ حدیث رقم ۴۱۲۹۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۵۷۵ حدیث رقم (۳۱۰۔ ۸۴۲)۔ وأبو داؤد فی السنن ۲/۳۰ حدیث رقم ۱۲۳۸۔ والترمذی ۲/۴۵۵ حدیث رقم ۵۶۵۔ والنسائی ۳/۱۷۱ حدیث رقم ۱۵۳۷۔ والدارمی ۱/۴۲۹ حدیث رقم ۱۵۲۲۔

ترجمہ: حضرت یزید ابن رومان حضرت صالح بن خوات سے نقل کرتے ہیں اور وہ اس شخصیت سے نقل کرتے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع والے دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی، فرماتے ہیں ایک گروہ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ صف بندی کی، اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہوگیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے پہلی جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی پھر آنحضرت ﷺ کھڑے رہے اور اس جماعت نے اپنی خود اکیلے اکیلے نماز پوری کی، پھر دوسرا گروہ آیا، آپ نے اس گروہ کو وہ رکعت پڑھائی جو آپ کی باقی تھی، پھر آپ بیٹھے رہے اور اس گروہ نے اپنی بقیہ نماز پوری کی اور پھر آنحضرت نے انکے ساتھ سلام پھیرا۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔ اور بخاری نے اس کو ایک اور طریقہ سے بھی نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے: عن قاسم عن صالح ابن خوات عن سهل بن ابی حثمة عن النبی ﷺ۔

تشریح ۞ ذات الرقاع ایک غزوے کا نام ہے جو ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا لیکن کفار کے ساتھ جنگ کی نوبت نہیں آئی بغیر جنگ کے واپس آئے اس موقع پر یہ صلوٰۃ الخوف پڑھی گئی تھی، اس غزوہ کو ذات الرقاع اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو مسلمان اس غزوہ میں تشریف لے گئے وہ ننگے پاؤں تھے جس کی وجہ سے ان کے پاؤں مبارک زخمی ہوگئے جس کی وجہ سے صحابہ کرام نے اپنے پاؤں پر پرانے کپڑے کے ٹکڑے اور چیتھڑے لپیٹ لیے تھے، اس لئے اس کو ذات الرقاع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جس شخص نے ذات الرقاع والے دن آپ ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی ہے وہ حضرت سھل بن ابی حثمہ ہی تھے، جس کی بخاری کی روایت میں وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ اور یہ حدیث امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک اسی طریقہ سے صلوٰۃ خوف پڑھنا بہتر ہے۔ اور ہم اس کی مکمل وضاحت پچھلی حدیث میں کر چکے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا اللہ پر اعتماد

(۳/۱۳۲۵) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهٗ قَالَ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّائِفَةِ الْاُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۴۲۶/۷۔ حديث رقم ۴۱۳۶۔ ومسلم في صحيحه ۵۷۶/۱ حديث رقم (۳۱۱۔ ۸۴۳)۔ أحمد في المسند ۳۹۰/۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ جہاد کیلئے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع پہنچ گئے، فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ طریقہ تھا کہ جب ہم راستہ میں کسی سایہ دار درخت کے پاس آتے تو ہم اس کو رسول اللہ ﷺ کیلئے چھوڑ دیتے تھے (تا کہ آپ آرام کرلیں اور اس دن بھی ہم نے ایسا ہی کیا اور آپ آرام فرمانے لگے)۔ راوی کہتے ہیں اچانک مشرکین یا ایک آدمی کا اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ کی تلوار درخت پر لٹکی ہوئی تھی۔ تو اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو فرمایا نہیں تو اس نے کہا، کون ہے جو تم کو مجھ سے بچائے گا، فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے تجھ سے بچائے گا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں صحابہ نے اس کو ڈرایا اور دھمکایا، اس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور اس کو درخت پہ لٹکا دیا۔ راوی کہتے ہیں پھر نماز کیلئے اذان کہی گئی، آنحضرت ﷺ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ گروہ پیچھے ہٹ گیا، پھر دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور قوم کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ✿ آنحضرت ﷺ انتہائی بردبار اور بااخلاق تھے کہ ایک کافر نے آنحضرت ﷺ کے سامنے بدتمیزی بھی کی اور آپ کو تکلیف پہنچائی لیکن آپ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی جب صحابہ نے ارادہ کیا تو ان کو بھی روک دیا۔ امام واقدی فرماتے ہیں کہ جب اس نے بُرے ارادے سے تلوار نکالی تو اس کی پیٹھ میں سخت درد شروع ہو گیا جس سے وہ بوکھلا گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے زمین پر گر گئی وہ یہ حالت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور آگے کئی آدمیوں کو مسلمان بنانے کا ذریعہ بنا، لیکن حضرت ابوعوانہؒ نے نقل کیا ہے، کہ وہ مسلمان تو نہیں ہوا لیکن اس نے یہ پکا وعدہ کیا تھا میں کبھی بھی آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ نہیں لڑوں گا۔

سوال: اس سے پہلی روایت جو کہ حضرت سہل بن ابی حثمہ سے منقول ہے اس میں نماز خوف پڑھنے کا اور طریقہ بیان کیا اور اس حدیث میں اور بیان کیا گیا ہے، حالانکہ دونوں کا تعلق ایک ہی جنگ ذات الرقاع سے ہے، بظاہر تعارض ہے؟

جواب نمبر①: تعارض کیلئے آٹھ وحدات شرط ہے ان میں سے ایک ہے وحدت زمان کہ زمانہ ایک ہو اور وقت ایک ہو اور یہاں وقت ایک نہیں ہے، کیونکہ غزوہ ذات الرقاع میں یہ نماز دو مرتبہ پڑھی ہے، ایک مرتبہ اس طریقے سے پڑھی جو سھل بن ابی خثمہ نے نقل کی ہے اور علماء نے لکھا ہے غالباً وہ صبح کی نماز تھی اور حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق دوسری مرتبہ جو نماز پڑھی ہے وہ ظہر یا عصر کی نماز ہوگی۔

جواب نمبر②: بعض نے لکھا ہے یہ دونوں روایتیں تعدّد غزوات پر محمول ہیں ایک واقعہ ایک غزوہ کا ہے دوسرا واقعہ دوسرے غزوے کا ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر چار رکعتیں پڑھی ہیں اور دوسرے لوگوں کی دو دو رکعتیں ہوئیں تو علماء نے اس کی بہت ساری توجیہات لکھی ہیں۔ ان میں سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ یہ واقعہ نماز قصر کے نزول سے پہلے کا ہے یا جس مقام پر یہ نماز پڑھی ہے وہاں قصر واجب نہیں ہوتی تھی۔ تو آنحضرت ﷺ نے بھی چار رکعتیں پڑھیں ہیں اور لشکر والوں نے بھی چار چار رکعتیں پڑھی ہیں دو دو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور دو دو تنہا۔ حدیث کے آخری الفاظ للقوم رکعتان سے مراد بھی یہی ہے کہ دونوں لشکروں میں

سے ہر ایک کی دو دو رکعتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئیں۔

صلوٰۃ خوف کا ایک اور طریقہ

(۴/۱۳۲۶) وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ صَفَّيْنِ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ السُّجُوْدَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ ثُمَّ قَامُوْا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَاَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ الَّذِيْ كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ السُّجُوْدَ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدُوْا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَلَّمْنَا جَمِيْعًا۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۷۴ حديث رقم (۳۰۷۔ ۸۴۰)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مرتبہ صلوٰۃ خوف پڑھائی، پس ہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں باندھ لیں، اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا (یعنی ہمارے سامنے تھا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، ہم سب نے بھی تکبیر کہی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کر لیا جب آنحضرت نے اپنا سر رکوع سے اٹھالیا تو ہم نے بھی سر اٹھالیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کیلئے جھکے تو وہ صف جو آپ کے ساتھ ملی ہوئی تھی وہ بھی ساتھ ہی سجدے میں چلی گئی اور پچھلی صف دشمن کے مقابلے میں کھڑی رہی جو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ پورا کر لیا اور کھڑی ہوگئی وہ صف جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھی تو پچھلی صف سجدے میں چلی گئی۔ پھر جب یہ کھڑے ہوئے تو پھر پچھلی صف آگے آگئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو ہم سب نے بھی آپ کے ساتھ رکوع کیا، پھر آپ سجدے کیلئے جھکے تو وہ صف جو آپ کے قریب تھی اور وہ صف بھی جو کہ پہلی رکعت میں پچھلی صف تھی سجدے میں چلی گئی اور پچھلی صف دشمن کے مقابلے میں کھڑی رہی، پس جب نبیؐ نے سجدہ کر لیا اور اس صف نے بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھی تو پچھلی صف سجدے میں چلی گئی، پس انہوں نے سجدہ کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلام پھیرا۔

تشریح ۞ یہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان میں ادا کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جیسا موقع دیکھتے اسی کے مطابق صلوٰۃ خوف پڑھاتے۔ اس جگہ دشمن چونکہ سامنے تھا تو اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک ہی لشکر بنا کر نماز پڑھائی کیونکہ کسی بھی جماعت کو دشمن کے مقابلے میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی اب پورا لشکر رکوع تک متفق رہا اس لئے کہ دشمن نظروں سے اوجھل نہیں تھا لیکن جب سجدہ کیا تو پہلی صف سجدے میں چلی گئی اور دوسری کھڑی رہی اور جب دوسری صف سجدے میں چلی گئی تو دوسری صف کھڑی رہی اس طرح نماز بھی ادا ہوگئی اور دشمن پر بھی مسلسل نظر رہی۔

الفصل الثانی:

(۵/۱۳۲۷) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ فِي الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰى

بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ طَائِفَةٌ اُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ فی شرح السنة)

أخرجه النسائی فی السنن ۳/۱۷۸ حدیث رقم ۱۵۵۱۔ والدارقطنی ۲/۶۰ حدیث رقم ۱۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے خوف کے وقت بطن نخل میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی پس ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، اور سلام پھیر دیا پھر دوسرا گروہ آیا اس کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔ (شرح السنہ)

تشریح: بطن نخلہ، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اب یہ کہ یہ نماز آپ ﷺ کی قصر تھی یا حضر تھی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نماز قصر تھی اور آنحضرت ﷺ نے پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا اور دوسرے گروہ کو جب نماز پڑھائی تو آنحضرت ﷺ متنفل تھے اور لوگوں کی نماز فرض تھی۔

اسی لئے امام شافعیؒ کے نزدیک نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست ہے۔ احناف کے نزدیک آنحضرت ﷺ نے یہ حضر کی نماز پڑھی ہے، پہلی دو رکعتیں ایک گروہ کو پڑھائیں، اور دوسری دو رکعتیں دوسرے گروہ کو پڑھائیں، باقی دو دو رکعتیں لشکر والوں نے اپنی اپنی پوری کر لیں۔

سوال: اس سے لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ نے چار رکعت والی نماز میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا، حالانکہ چار رکعت فرض میں دو رکعت پر سلام پھیرنا جائز نہیں؟

جواب نمبر ①: یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

جواب نمبر ۲: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ایک فرض نماز دو مرتبہ پڑھی جا سکتی تھی۔

الفصل الثالث:

صلوٰۃِ خوف کا ایک اور طریقہ

(۶/۱۳۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَزَلَ بَيْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِهٰؤُلَآءِ صَلَاةٌ هِيَ اَحَبُّ اِلَيْهِمْ مِنْ اٰبَاءِ هِمْ وَهِيَ الْعَصْرُ فَاَجْمِعُوا اَمْرَكُمْ فَتَمِيْلُوْا عَلَيْهِمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَاَنَّ جِبْرِيْلَ اَتَى النَّبِیَّ ﷺ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّقَسِّمَ اَصْحَابَهٗ شَطْرَيْنِ فَيُصَلِّیْ بِهِمْ وَتَقُوْمُ طَائِفَةٌ اُخْرٰى وَرَآءَ هُمْ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ فَتَكُوْنَ لَهُمْ رَكْعَةٌ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَانِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۳/۱۷۶ حدیث رقم ۱۵۴۹۔ وأحمد فی المسند ۳/۳۷۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد کیلئے ضجنان اور عسفان کے درمیان اُترے تو مشرک کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کی ایک نماز ہے جو ان کو اپنے آباء سے زیادہ محبوب ہے وہ عصر کی نماز ہے لہٰذا تم پختہ ارادہ کر لو اور ان پر یکبارگی حملہ کر دو (یعنی جب نماز میں مشغول ہوں) اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو دو حصوں میں تقسیم کریں اور ان کو نماز پڑھائیں (یعنی ایک حصہ کو) اور دوسرا حصہ ان کے پیچھے کھڑا ہو جائے (دشمن کی رکھوالی کیلئے) اور چاہئے کہ وہ اپنا بچاؤ اور اپنا اسلحہ ساتھ رکھے، پس ان کیلئے ایک ایک رکعت ہو جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ کیلئے دو رکعتیں۔ (ترمذی، نسائی)

تشریح: ضجنان مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے اور عسفان مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک وادی کا نام ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ

عیدین کی نماز

عید لفظ عود سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بار بار آنا اور عید کو بھی عید اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی بار بار ہر سال آتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عید کو عید اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مشتق ہے عودتے، اور اللہ تعالیٰ اس دن اپنے بندوں کی طرف عود کرتا ہے یعنی اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس شخص کی عید نہیں جو نئے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، اور زینت اور آرائش اختیار کرے اور سواریوں پر سوار ہو۔ بلکہ عید تو اس کی ہے کہ جو اپنے رب کی رحمت کا مستحق ہو جائے اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے خاصان خداوندی کے حلقہ میں داخل ہو جائے اور اپنی آخرت کو سنوار لے۔

مسلمانوں کی دو عیدیں ہیں: (۱) عید الفطر، یہ شوال کی پہلی تاریخ کو ہوتی ہے۔ (۲) عید الاضحیٰ، یہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کے مجموعہ کو عیدین کہتے ہیں اور ان دونوں عیدوں میں بطور شکر کے دو دو رکعات نماز پڑھی جاتی ہے جس کو صلوٰۃ عیدین کہتے ہیں۔

حکم نماز عید: آیا عید واجب ہے یا سنت اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں:

مذہب اول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز عیدین واجب ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے مواظبت اور ہمیشگی کے ساتھ نماز عیدین پڑھی ہے۔

مذہب ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز عیدین سنت مؤکدہ ہے۔

الفصل الاول:

نماز عیدین عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے

(۱/۱۳۲۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَأُبِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَیَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِهِمْ فَیَعِظُهُمْ وَیُوْصِیْهِمْ وَیَأْمُرُهُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُاَنْ یَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْیَأْمُرُهُمْ بِشَیْءٍ اَمَرَبِهٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ٤٤٨۔ حدیث رقم ٩٥٦۔ ومسلم فی صحیحه ٢/ ٦٠٥ حدیث رقم (٩ /٨٨٩)۔ والنسائی فی السنن ٣/ ١٨٧ حدیث رقم ١٥٧٦۔ وابن ماجه ١/ ٤٠٩۔ حدیث رقم ١٢٨٨۔ وأحمد فی المسند ٣/ ٣٦۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے۔ تو سب سے پہلے وہاں نماز کے ساتھ ابتداء کرتے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے، آپ ﷺ ان کو وعظ اور وصیت کرتے اور ان کو کوئی حکم ارشاد فرماتے۔ اور اگر کوئی لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو اس کو بھیجتے یا لوگوں کے معاملات میں کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم صادر فرماتے۔ اور پھر گھر واپس آجاتے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ عید والے دن آنحضرت ﷺ صبح سویرے عید کی تیاری کر کے عیدگاہ میں تشریف لے جاتے اور وہاں پر پہلے عید کی نماز پڑھاتے اور جب عید کی نماز سے فارغ ہو جاتے تو زمین پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی لیکن جب تعداد زیادہ ہو گئی تو پھر آنحضرت کے لئے عیدگاہ میں منبر بنا دیا گیا تھا اس پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے۔ اور خطبہ میں مسلمانوں کو دنیا میں زہد و تقویٰ اختیار کرنے اور آخرت کی طرف توجہ کی نصیحت فرماتے تھے اور لوگوں کے سامنے اعمال کے فضائل اور عظمت بیان فرماتے، اور برائیوں سے ڈراتے اور یہ ارشاد فرماتے تھے، کہ لوگو دنیا کی خوشیوں اور مسرتوں میں مشغول ہو کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا۔

ویو صیھم: اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو تقوی کی اور پرہیز گاری کی وصیت فرماتے تھے۔

درجات تقوی: تقوی کے تین درجے ہیں: ادنیٰ' اوسط' اعلیٰ۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو شرک سے بچائے۔ اور اوسط درجہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، ممنوع اور حرام کاموں سے دور رہے۔ (۳) اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو اور ماسوی اللہ کی طرف بالکل توجہ نہ کرے۔

وان کان یرید: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کی روانگی کا حکم دیتے اور وقت متعین فرماتے۔ اور اسی طرح جو لوگوں کے آپس میں دنیاوی معاملات ہوتے ان کے بارے میں جو فیصلہ ہوتا وہ فیصلہ فرماتے۔

مسئلہ: نماز عیدین کو عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے اور عید گاہ بھی کھلی فضا میں ہو، تاکہ کفار مسلمانوں کو جمع ہوتا دیکھ کر مرعوب ہوں کیونکہ عید میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے اور یہ مشاہدہ کھلی فضا میں زیادہ ہو سکتا ہے نہ کہ مسجد میں۔ اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ امام وقت کیلئے ضروری ہے کہ وہ خود عید گاہ جائے اور وہاں نماز پڑھائے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام وقت پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو عید گاہ میں نماز پڑھائے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً بارش وغیرہ تو پھر مسجد میں بھی پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ نماز عید کا عید گاہ میں پڑھنا یہ مسجد حرام اور بیت المقدس کے علاوہ ہے۔ لیکن ان دو مسجدوں میں نماز عیدین پڑھنا عید گاہ سے زیادہ افضل ہے کیونکہ صحابہ کرام و تابعین کا یہی معمول رہا ہے کہ وہ ان دونوں مسجدوں میں نماز عید پڑھا کرتے تھے۔

عیدگاہ مدینہ: مدینہ منورہ کی عید گاہ شہر سے باہر تھی۔ اور اس کا فاصلہ روضہ اقدس سے ایک ہزار قدم ہے۔ اور وہاں پر اب اس کے اردگرد چار دیواری بنادی گئی ہے۔ اور یہ متبرک جگہوں میں شمار ہوتی ہے۔

عیدین کی نماز کیلئے اذان واقامت مسنون نہیں

(۲/۱۳۳۰) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/ ٦٠٤ حديث رقم ٧/٨٨٧۔ وأبوداؤد في السنن ١/ ٦٨٠ حديث رقم ١١٤٨۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک دو مرتبہ نہیں کئی مرتبہ عیدین کی نماز پڑھی، بغیر اذان واقامت کے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اکثر اہل علم کے نزدیک عید الفطر اور عید الاضحیٰ صلوٰۃ کسوف صلوٰۃ خسوف صلوٰۃ استسقاء و دیگر تمام نوافل وغیرہ کیلئے اذان واقامت مسنون نہیں ہے، بلکہ کتاب ازہار میں واضح لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی اذان واقامت عیدین میں پڑھتا بھی ہے تو یہ بدعت اور خلاف سنت ہے۔

عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے

(۳/۱۳۳۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/ ٤٥٣۔ حديث رقم ٩٦٣۔ ومسلم في صحيحه ٢/ ٦٠٤ حديث رقم (٨/٨٨٨) والنسائي في السنن ٣/ ١٨٣ حديث رقم ١٥٦٤۔ وابن ماجه ١/ ٤٠٧ حديث رقم ١٢٧٦٩ ومالك في الموطأ ١/ ١٧٨ حديث رقم ٣ من كتاب العيدين۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نماز عیدین خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات شیخین عیدین کی نماز پڑھنے کے بعد عیدین کا خطبہ پڑھتے تھے۔ اسی لئے ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خطبہ نماز عیدین کے بعد پڑھا جائے گا، لیکن اگر کسی شخص نے نماز سے پہلے ہی خطبہ پڑھ لیا تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی صحابہ کرام کے دور میں جب مروان بن حکم مدینہ کا حاکم بنا تو اس نے خطبہ پہلے پڑھا، تو اس پر صحابہ نے شدید غصے اور ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ صحابہ کرام نے اس لئے غصہ کا اظہار کیا کہ یہ سنت جاریہ کے خلاف کر رہا تھا۔

عیدین کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا عورتوں کو رقت آمیز وعظ

(۴/۱۳۳۲) وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَشَهِدْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيْدَ ؟ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ اَذَانًا وَّ لَا اِقَامَةً ثُمَّ اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يَهْوِيْنَ اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵۲۳/۲ حديث رقم ۹۶۱۔ ومسلم في صحيحه ۶۰۲/۲ حديث رقم (۲۔ ۸۸۴)۔ وأبوداؤد في السنن ۶۷۹/۱ حديث رقم ۱۱۴۶۔ وابن ماجه ۴۰۶/۱ حديث رقم ۱۲۷۳۔ والدارمي ۴۵۶/۱ حديث رقم ۱۶۰۳۔ وأحمد في المسند ۳۹۶/۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ آنحضرت ﷺ کے ساتھ عیدین کی نماز میں شریک ہوئے ہیں تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں (پھر انہوں نے تفصیل بیان کی) کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے، آپ نے وہاں نماز پڑھائی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے اذان واقامت کا ذکر نہیں کیا۔ (راوی فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا) پھر آنحضرت ﷺ عورتوں کے پاس آئے۔ اور ان کو نصیحت فرمائی اور ان کو دین کے احکامات یاد دلائے۔ اور ان کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا۔ پس میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے گلوں اور کانوں کی طرف لے جاتی تھیں اور گلوں اور کانوں کا زیور اتار کر حضرت بلالؓ کو دے دیتی تھیں۔ پھر آنحضرت ﷺ اور حضرت بلالؓ اپنے گھر تشریف لے آئے۔ (بخاری)

تشریح: عید کی نماز پڑھانے کے بعد لوگوں کو خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ عورتوں کے پاس تشریف لے گئے جو کہ الگ اور دور بیٹھی ہوئی تھیں، کیونکہ جب مردوں کو وعظ فرما رہے تھے تو آواز ان تک اچھی طرح نہیں پہنچ رہی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو خصوصی وعظ فرمایا اور صدقہ خیرات کا حکم دیا یہ وعظ اتنا پر اثر تھا کہ عورتوں نے اپنے زیورات تک آپ ﷺ کے خادم حضرت بلالؓ کے حوالے کر دیا ہے۔ تاکہ وہ ان کو مجاہدین غرباء اور مساکین میں خرچ کریں۔ اور پچھلی روایت کی طرح اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عیدین کے لئے تکبیر اور اذان نہیں۔ کیونکہ اگر اذان اور تکبیر کہی ہوتی تو ابن عباس ضرور اس کا تذکرہ فرماتے۔

فائدہ: عورتوں کیلئے الگ باپردہ انتظام کیا ہوا تھا حضرت ابن عباسؓ نے اس لئے ان کو دیکھا کہ یہ اس وقت نابالغ تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی۔

عیدگاہ میں نماز نفل پڑھنا ناجائز ہے

(۵/۱۳۳۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٤٥٣۔ حديث رقم ٩٦٤۔ ومسلم في صحيحه ٢/٦٠٦ حديث رقم (١٣۔ ٨٨٤)۔ وابوداوٗد في السنن ١/٦٨٥ حديث رقم ١١٥٩۔ والترمذي ٢/٤١٧ حديث رقم ٥٣٧۔ والنسائي ٣/١٩٣ حديث رقم ١٥٧٨۔ وابن ماجه ١/٤١٠ حديث رقم ١٢٩١۔ وأحمد في المسند ١/٢٨٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عید الفطر کے دن نماز عید کی دو رکعتیں پڑھی، پس آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں سے پہلے اور ان کے بعد کوئی رکعت نہیں پڑھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ نمازِ عید سے پہلے نفل پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے نہ ہی گھر میں پڑھے جاسکتے ہیں اور نہ ہی بعد میں اور نماز عید ادا کرنے کے بعد عیدگاہ میں تو نہیں پڑھے جاسکتے، ہاں گھر مین پڑھے جاسکتے ہیں، اس لئے کہ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباس والی روایت میں نفی صرف عیدگاہ میں پڑھنے کی ہے کیونکہ ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عید سے پہلے آپ بالکل نفل نہیں پڑھتے تھے اور عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نہیں پڑھتے تھے گھر آ کر نفل پڑھتے تھے اس لئے احناف۔ کے نزدیک نماز عید کے کے عیدگاہ میں مطلقاً نفل پڑھنا ناجائز اور گھر میں جائز ہے اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ حضرت ابن عباسؓ والی روایت کو عموم پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نفل مطلقاً ناجائز ہے۔

عورتیں اگر عیدگاہ میں جائیں تو انتہائی پردے کے ساتھ جائیں

(۶/۱۳۳۴) وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلاَّ هُنَّ قَالَتْ اِمْرَاَةٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٤٦٣۔ حديث رقم ٩٧٤۔ ومسلم في صحيحه ٢/٦٠٦ حديث رقم (١٢۔ ٨٨٣)۔ وابوداوٗد في السنن ١/٦٧٥ حديث رقم ١١٣٦۔ والترمذي ٢/٤١٩ حديث رقم ٥٣٩۔ والنسائي ٣/١٨٠ حديث رقم ١٥٥٨۔ والدارمي ١/٤٥٨ حديث رقم ١٦٠٩ وأحمد في المسند ٥/٨٤۔

ترجمہ: حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم ان عورتوں کو بھی عیدین کیلئے نکالیں جو حیض کی حالت میں ہیں اور ان عورتوں کو بھی جو پردہ نشین ہیں، تاکہ یہ عورتیں مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر ہوں۔ اور حیض والی عورتیں نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں گی۔ تو ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کہ اگر ہم میں سے ایک ایسی ہو کہ اس کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چاہئے کہ اس کو اس کے ساتھ والی عورت چادر پہنا دے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کی برکت سے امن وسکون اور حیاء غالب تھا اس لئے عورتوں کا عیدگاہ میں جانا ممنوع نہیں تھا لیکن آج کل فتنہ فساد اور بے حیائی کے عام ہونے کی وجہ سے عورتوں کے عیدگاہ جانے سے قوی فتنے کا امکان ہے۔ اس لئے عورتوں کا عیدگاہ میں جانا مستحب ومسنون نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عورتوں کو جماعت کی نماز میں جانے سے روکا۔ تو وہ احتجاجاً عائشہؓ کے پاس گئیں اور دلیل پیش کی کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ اور صدیق اکبرؓ نے تو نہیں روکا حضرت عمرؓ کیوں روکتے ہیں؟ تو ام المؤمنین نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہی حالت رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہوتی جو آج کل ہے تو تمہیں ڈنڈے مار کر روکا جاتا۔ جب حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں حالات بدل گئے تھے۔ تو آج کل تو کیا کہیے۔ امام طحاویؒ نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے عیدگاہ جانے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، آنحضرت ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ عورتوں کو عیدگاہ میں لے جایا جائے تاکہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہو اور کفار پر رعب پڑے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حیض والی عورتوں کو

بھی ساتھ لے جایا جاتا تھا۔ حالانکہ ان کے لئے نماز پڑھنا جائز ہی نہیں تھا۔ لیکن بعد میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور فتنے فساد کا بھی خطرہ زیادہ ہوگیا اور عورتیں بہت سارے محرمات اور مکروہات کا عیدگاہ میں ذریعہ بننے لگیں تو پھر ان کو روک دیا گیا۔

لتلبسھا: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی عورت ہے کہ جس کے پاس چادر نہیں کہ اس کے ساتھ پردہ کر کے عیدگاہ میں جائے، تو اس کے ساتھ والی عورت کو چاہئے یعنی اس کی رشتہ دار اور پڑوسن کو کہ وہ اس کو عاریتاً چادر دے دے، تاکہ وہ عید کی نماز میں شریک ہو سکے۔

(۱۳۳۵/۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَابَکْرٍ دَخَلَ عَلَیْھَا وَعِنْدَھَا جَارِیَتَانِ فِیْ اَیَّامِ مِنٰی تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِیْ روایة تُغَنِّیَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ یَوْمَ بُعَاثَ وَالنَّبِیُّ ﷺ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِہٖ فَانْتَھَرَھُمَا اَبُوْبَکْرٍ فَکَشَفَ النَّبِیُّ ﷺ عَنْ وَجْھِہٖ فَقَالَ دَعْھُمَا یَا اَبَابَکْرٍ فَاِنَّھَا اَیَّامُ عِیْدٍ وَفِیْ روایة یَا اَبَابَکْرٍ اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا وَھٰذَا عِیْدُنَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٤٤٥۔ حديث رقم ٩٥٢۔ ومسلم في صحيحه ١/٦٠٧ حديث رقم (١٦۔ ٨٩٢)۔ والنسائي في السنن ٣/١٩٥ حديث رقم ١٥٩٧۔ وابن ماجه ١/٦٠٧۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے ہاں تشریف لائے اس حال میں کہ ان کے ہاں انصار کی دو لڑکیاں ایام منیٰ میں یعنی ایام تشریق میں دف بجا رہی تھیں۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ اشعار گا رہی تھی، جو کہ انصار نے جنگ بعاث کے متعلق کہے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ اپنے چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ کر لیٹے ہوئے تھے، تو حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں لڑکیوں کو جھڑکا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا ابوبکر انہیں چھوڑ دو کیونکہ یہ عید خوشی کا دن ہے اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں اور کہ ابوبکر ہر قوم کی عید کے دن ہوتے ہیں اور یہ ہماری عید ہے۔ (بخاری)

تشریح ✿ ان لکل قوم عیدًا: اس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ قوموں کے لئے بھی خوشی اور مسرت کے دن ہوتے تھے، جن میں وہ لوگ خوشی مناتے تھے جس طرح کہ مجوسیوں کے ہاں نوروز ایک خاص دن تھا۔ اس میں وہ لوگ اپنی عید اور خوشی مناتے تھے اور اسی طرح عیسائی کرسمس ڈے پر خوشی مناتے ہیں اور یہودی اس دن عید مناتے ہیں جس دن انہیں فرعون سے نجات ملی۔ اسی طرح مسلمانوں کیلئے بھی مسرت اور شادمانی کے دو دن ہیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔ یہ تشبیہ صرف تمثیل کی حد تک ہے۔ ورنہ وہ لہو ولعب اور فضولیات جو کہ غیر مسلم اختیار کرتے ہیں وہ مسلمانوں کیلئے اختیار کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

تدففان وتضربان: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکیاں دف بجاتی تھیں اور اچھلتی کودتی تھیں اور ساتھ ساتھ جہادی ترانے پڑھ رہی تھیں۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جنگ بعاث جو کہ زمانہ جاہلیت میں انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی تھی اور قبیلہ اوس کو غلبہ حاصل ہوا تھا۔ تو انہوں نے اپنی بہادری اور شجاعت کو بیان کرنے کیلئے وہ اُشعار کہے تھے تو وہ اشعار لڑکیاں پڑھ رہی تھیں عشقیہ اور فحش گانے اور ایسے گانے کہ جن سے دل گناہ کی طرف راغب ہو اور وہ فتنہ وفساد کی طرف ابھارنے والے ہوں ایسے گانے نہیں گا رہی تھیں اس لئے کہ ان لڑکیوں کی کیا مجال تھی کہ وہ حضرت عائشہؓ اور آنحضرت ﷺ کے سامنے ایسے غلط گانے گا سکتیں۔ اسی لیے جب حضرت صدیق اکبرؓ نے جب انہیں اچانک دیکھا۔ تو فوری دھمکایا کہ تم آنحضرت ﷺ کے پاس کیا کر رہی ہو۔ کہ شیطانی کام یعنی باجا وغیرہ بجا رہی ہو اور ساتھ گانا گا رہی ہو۔ تو آنحضرتؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ یہ فحش گانے نہیں گا رہیں اور مزامیر اور باجا نہیں بجا رہیں بلکہ اشعار پڑھ رہی ہیں اور دف بجا رہی ہیں اور ویسے بھی آج خوشی کا دن ہے اس لیے آج ان کو چھوڑ دیں۔

دَف بجانا: دف کے بارے میں محققین علماء کے دو قول ہیں: ① دف جائز ہے۔ ② بعض علماء کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں تحقیقی قول یہ ہے، کہ ایسا دف کہ جس کے ساتھ ساز اور باجا ہو وہ مطلقاً حرام اور نا جائز ہے۔ لیکن ایسا دف کہ جس کے ساتھ ساز اور باجا نہ ہو وہ نکاح، ولیمہ اور عیدین وغیرہ اور دیگر تقریبات میں مباح ہے۔

گانے بجانے کا حکم

گانا بجانا حرام اور نا جائز ہے۔ اس کی حرمت قرآن وسنت اور اجماع صحابہ اور اجماع فقہاء سے ثابت ہے۔

دلیل نمبر ①: قرآن مجید کی آیت ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (لقمٰن: ٦) کہ لوگوں میں بعض وہ ہیں جو کہ خرید کر لاتے ہیں ایسی باتوں کو جو کہ غافل کرنے والی ہیں، اللہ کے راستے سے بغیر سمجھ بوجھ کے اور وہ بناتا ہے اس کو مزاق یہ وہی لوگ ہیں جن کیلئے ذلت والا عذاب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عکرمہؓ، حضرت سعید بن جبیرؒ، امام مجاہدؒ، امام مکحولؒ، حضرت عمرو ابن شعیبؒ، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں الحدیث سے مراد گانا بجانا ہے۔ اور اس آیت کا شان نزول بھی ایسی بات کو واضح کرتا ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا ہے، کیونکہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ ہے جو کہ ملک شام سے ایک باندی لایا تھا اور گانے بجانے کا ساز وسامان لایا تھا تا کہ لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کر کے قرآن سے دور کیا جائے۔

دلیل نمبر ②: واسفز من استطعت منهم بصوتك، اور پھسلا دے ان میں سے جن کو تو پھسلا سکے اپنی آواز سے۔ حضرت ابن عباسؓ اور امام مجاہدؒ اور امام قتادہؒ اور ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بصوتک سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی معصیت کی طرف بلائے اور گانا سب سے زیادہ معصیت کی طرف بلانے والا ہے اس لئے صوت الشیطان سے مراد یہی ہے۔

دلیل نمبر ③: والذين لا يشهدون الزور واذا مروا باللغو مروا كراما: وہ جو کہ نہیں دیتے جھوٹی گواہی یا وہ لوگ جو بے ہودہ باتوں میں شریک نہیں ہوتے اور اگر بے ہودہ مشغلوں کے قریب سے گزرتے ہیں، تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ امام ابوبکر جصاص رازیؒ بیان فرماتے ہیں یہاں زور اور لغو سے مراد گانا بجانا ہے۔

احادیث مبارکہ: بہت ساری احادیث بھی اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔

دلیل نمبر ④: میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہونگے جو کہ زنا، ریشم اور شراب اور راگ باجوں کو حلال قرار دیں گے۔ (بخاری)

دلیل نمبر ⑤: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے، مگر اس کا نام بدل کر، ان کی مجلس راگ باجوں اور گانے والی عورتوں سے گرم ہونگی، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے گا، اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

دلیل نمبر ⑥: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے مؤمنین کیلئے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا اور باجے اور شرکیہ تعویذ گنڈے اور صلیب اور زمانہ جاہلیت کے غلط کاموں کے مٹانے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد طیالسی)

دلیل نمبر ⑦: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، طبلہ اور سارنگی حرام ہیں۔ (بیہقی)

دلیل نمبر ⑧: آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: گانا بجانا دل میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح کہ پانی سبزے کو اگاتا ہے۔

(ابوداؤد، بیہقی)

دلیل نمبر ⑨: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جب گانے والے عورتوں اور راگ باجوں کا ظہور ہو اور شراب کثرت سے پی جائے اور اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر طعن وتشنیع کرنے لگیں تو ایسے وقت میں عذابوں کا انتظار کرو۔

دلیل نمبر ⑩: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ کام بکثرت ہونے لگیں تو ان پر مصیبت اترے گی، ان میں

سے ایک گانے بجانے والی عورتیں اور باجے اور بانسریاں ہیں۔ (جامع الترمذی)

دلیل نمبر ⑪: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں، ایک گانے کے ساتھ راگ باجوں کی آواز، اور دوسرے مصیبت کے وقت نوحہ کی آواز۔ (بیہقی)

دلیل نمبر ⑫: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم کو دو حماقت اور فسق و فجور سے بھری آوازوں سے روکتا ہوں، ایک لہو ولعب اور شیطانی باجوں کے ساتھ گانے کی آواز، اور دوسرے مصیبت کے وقت چہرے پیٹنے اور گریبانوں کو چاک کر کے نوحہ کرنے کی آواز۔

(مصنف ابن ابی شیبہؒ)

دلیل نمبر ⑬: فرمایا: آخر زمانہ میں اس امت کے کچھ لوگ خنزیروں کی صورت میں مسخ کیے جائیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، کیا وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں پڑھیں گے؟ فرمایا کیوں نہیں! اس سے بڑھ کر وہ روزے بھی رکھیں گے، نماز بھی پڑھیں گے، اور حج بھی ادا کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا پھر عذاب کس وجہ سے ہوگا، فرمایا کہ راگ باجوں اور گانے بجانے والی عورتوں کا مشغلہ اختیار کرنے کی وجہ سے۔

دلیل نمبر ⑭: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے راستے میں بانسری کی آواز سنی، تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔ (احمد، ابوداؤد)

دلیل نمبر ⑮: ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اجماع ہے کہ گانا بجانا حرام اور مکروہ تحریمی ہے۔

حدیث سے اہل سماع کا غلط استدلال

بہت سارے لوگوں نے اس حدیث کو دلیل بنا کر ڈھولک کی تھاپ اور ہارمونیم کے ساتھ قوالی کو مباح قرار دیا ہے، اور اس کے سننے کو جائز قرار دیا ہے، حالانکہ یہ قطعاً حرام اور ناجائز ہے اس کا کوئی بھی قائل نہیں بہت سارے صوفیاء اور اہل معرفت لوگوں سے ان کی حرمت منقول ہے۔ امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ دف اکثر مشائخ کے قول کے مطابق حرام ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ انہوں نے سماع کو چھوڑ دیا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے سماع کو کیوں چھوڑا ہے تو انہوں نے کہا جن شرائط کے ساتھ سننا جائز تھا وہ شرائط اب نہیں پائی جاتیں۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے سماع کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ اور شیخ ابو الحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ سماع میں مشغول ہوتے ہیں اور ظالموں کے ہاں کھانا کھاتے ہیں ان کو یہودیت کا ایک حصہ دیا گیا ہے۔

سوال: بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ وہ ساز بجا کر سماع کرتے تھے؟

جواب: اول تو کسی صوفی کا قول کسی کیلئے حجت شرعیہ نہیں ہے لیکن پھر بھی جو بعض صوفیوں سے سماع منقول ہے وہ بھی چند شرائط کے ساتھ ہے اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ ہوئی تو وہ سماع حرام ہوگا: ① سماع کرنے والوں میں کوئی بے ریش نہ ہو ② سب عارفین کاملین ہوں، ان میں سے کوئی فاسق فاجر طالب دنیا اور عورتوں کا عاشق نہ ہو ③ قوال کی نیت انتہائی اخلاص پر مبنی ہو مزدوری کھانا، اور معاوضہ مدِ نظر نہ ہو ④ اس دوران کھڑے نہ ہوں مگر یہ کہ مغلوب ہو جائیں ⑤ کھانے پینے کیلئے یا دنیاوی غرض کیلئے مجمع جمع نہ ہو ⑥ وجد اور مستی کا اظہار نہ کریں۔ اگر ان چھ شرائط میں سے ایک بھی مفقود ہوئی تو سماع حرام ہوگا اور اسی طرح بعض حضرات نے اور بھی شرائط بیان کی ہیں مثلاً شرکیہ کلمات نہ ہوں، اور اسی طریقے سے گانے والا بھی بے ریش نہ ہو۔

حاصلِ کلام: حاصل کلام یہ ہے کہ راگ باجے ساز اور موسیقی اور مروجہ قسم کی قوالیوں کا سننا ناجائز ہے اور ان کو جائز کہنا بے دینی ہے، اور ان کو ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کریں گے مگر جائز اور حلال سمجھ کر۔

سوال: شادی وغیرہ کے موقعہ پر دف بجانا حدیث سے ثابت ہے تو موسیقی بھی دف کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے؟

جواب نمبر ①: احادیث میں جس دف کا ذکر ہے وہ صرف نکاح کے موقع پر کچھ دیر کیلئے بجایا جاتا تھا، شادی کے علاوہ بلاضرورت دف بجانے والوں کو سیدنا فاروق اعظمؓ کوڑوں کی سزا دیتے تھے۔ (فتح القدیر صفحہ ۳۶ جلد نمبر ۶)

جواب نمبر ۲: شادی کے موقع پر صرف اعلان اور تشہیر کیلئے بچیاں دف بجاتی تھیں اور وہ بھی بالکل سادہ ہوتا تھا۔

جواب نمبر ۳: امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ کے قول کے مطابق دف حرام ہے اور شادی کے موقع پر جس دف کا ذکر ہے یہ صرف اعلان اور تشہیر سے کنایہ ہے۔ جیسے عرف عام میں کہا جاتا ہے ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ نقارہ پیٹ رہے ہیں۔ فلاں لوگ ڈھول بجا رہے ہیں۔

عید الفطر کے دن عید سے قبل میٹھی چیز کھانا سنت ہے

(۱۳۳۶/۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٤٦/٢۔ حديث رقم ٩٥٣۔ والترمذي في السنن ٤٢٧/٢ حديث رقم ٥٤٣۔ وأحمد في المسند ١٢٦/٣۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ عید الفطر کے دن کھجوریں تناول کئے بغیر عیدگاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے اور طاق عدد میں کھجوریں کھایا کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح ❁ عید الفطر کے دن آنحضرت ﷺ عیدگاہ جانے سے پہلے کھجوریں کھاتے تھے۔ اسی لیے اب عید الفطر والے دن عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے امت کیلئے بھی کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے اور آپ ﷺ کھجوریں طاق کھاتے تھے۔ مثلاً تین، پانچ یا سات علی ہذا القیاس۔ اور اسی طرح ہر کام میں طاق عدد کا خیال رکھتے تھے اس لئے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند ہے، جیسے ارشاد ہے: ان اللہ وتر یحب الوتر۔ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ اور آنحضرت اللہ کی پسند کو ہر موقع پر ترجیح دیتے تھے۔

کھجور کھانے کی وجہ: عید کے دن کھجور کھانے کی علماء نے کچھ وجوہ لکھی ہیں:

نمبر ①: عید الفطر کے دن عید سے پہلے کوئی بھی چیز کھانے کا آپ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ رمضان کے دنوں کے ساتھ امتیاز ہو جائے۔ اور دنیا والوں کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ جس طرح رمضان میں کھانے پینے سے بچنا واجب تھا اس طرح عید الفطر کے دن کھانا واجب ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ضیافت اور مہمانی کا دن ہے یہی وجہ ہے کہ عیدین اور ایام تشریق کا روزہ حرام ہے۔ خاص کر کھجوریں اس لئے کھاتے تھے کہ گھر میں موجود کھجوریں ہی ہوتی تھیں۔

نمبر ②: رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی وجہ سے جو ضعف پیدا ہوا ہے اس کو دور کرنے کیلئے کیونکہ کھجور میں اللہ تعالیٰ نے انتہائی قوت اور طاقت رکھی ہے۔

نمبر ③: عید والے دن کھجور اس لئے کھاتے تھے کہ اس سے پہلے کچھ کھایا نہیں ہوتا تھا معدہ خالی ہوتا تھا جب معدہ خالی ہو تو اگر کھجوریں کھائی جائیں تو اس سے نظر بہت تیز ہوتی ہے۔

نمبر ④: کھجوریں چونکہ حلاوت سے بھری ہوتی ہیں اور میٹھی چیز کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ دل کو نرم کرتی ہے اسی لئے کھجور سے روزہ افطار کرنا بھی افضل ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ شیرینی مقتضائے ایمان کے موافق ہے کہ جیسا کہ منقول ہے کہ کوئی آدمی خواب میں میٹھی چیز دیکھ لیتا ہے تو اس کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔

عیدگاہ کی طرف ایک راستے سے جانا دوسرے سے واپس آنا سنت ہے

(۹/۱۳۳۷)وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٢/٤٧٢۔ حديث رقم ٩٨٦۔ والترمذی فی السنن ٢/٤٢٤ حديث رقم ٥٤١۔ وابن ماجه ١/٤١٢ حديث رقم ١٣٠١۔ والدارمی ١/٤٦٠ حديث رقم ١٦١٣۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید والے دن راستہ تبدیل فرماتے تھے۔ (بخاری)

تشریح ۞ راستہ تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس راستے سے عید کی نماز پڑھانے کیلئے جاتے تھے واپسی میں گھر کیلئے اس راستہ سے نہیں جاتے تھے بلکہ دوسرا راستہ اختیار کرتے تھے۔ اب راستے کے تبدیل کرنے کی علماء نے چند وجوہ لکھی ہیں:

① تاکہ دونوں راستے اور ان راستوں کے قریب رہنے والے جن وانس عبادت کی گواہی دیں۔ اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن جس جس جگہ پر عبادت کی ہے وہ جگہ بھی گواہی دے گی۔

② دوراستے اس لئے اختیار فرماتے تھے تاکہ دونوں راستوں میں جس نے مسائل پوچھنے ہوں پوچھ لے۔

③ عید کی طرف جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے ذکر کرتے تھے راستے اسلئے تبدیل فرماتے تاکہ اللہ کے ذکر کی تشہیر ہو۔

④ تاکہ عید کی طرف آنے والا اور جانے والا راستہ لمبا ہو جائے اور قدم زیادہ ہوں اور ثواب میں بھی اضافہ ہو جائے۔

⑤ راستہ اس لئے تبدیل فرماتے تاکہ دونوں راستوں میں جو جو فقراء ہوں ان کو صدقہ دیا جائے۔ یہ چند توجیہات علماء نے بیان فرمائی ہیں۔ اصل وجہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔

شہر میں عید کی نماز سے قبل قربانی جائز نہیں

(۱۰/۱۳۳۸)وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَانَبْدَأُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا نُصَلِّيْ ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٢/٤٥٦۔ حديث رقم ٩٦٨۔ ومسلم فی صحيحه ٣/١٥٥٣ حديث رقم (١٩٦١/٧)۔ وأحمد فی المسند ٤/٢٨٢۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء نے قربانی والے دن ہمیں خطبہ دیا، فرمایا: اس دن پہلا کام جو ہم کرنا چاہیں وہ یہ ہے کہ ہم پہلے نماز پڑھیں پھر واپس گھر آ جائیں اور قربانی کریں جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا۔ اور جس نے ہمارے نماز پڑھنے سے پہلے پہلے ذبح کیا پس وہ ایک گوشت والی بکری ہے جس کو اس نے اپنے گھر والوں کیلئے جلدی ذبح کر لیا، یہ قربانی بالکل نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں قربانی کے وقت کی وضاحت کر دی کہ وہ کس وقت ہے تو ایسا شہر اور قصبہ جہاں نماز عید ہوتی ہو وہاں احناف کے نزدیک قربانی کا وقت عید کی نماز اور خطبہ کے بعد شروع ہوتا ہے اگر اس سے پہلے کوئی قربانی کر لیتا ہے تو جائز نہیں۔ اور دیہات والوں کیلئے دس ذوالحجہ کو طلوع فجر کے بعد قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور قربانی کا آخری وقت بارہ ذوالحجہ کے غروب آفتاب تک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جب سورج بقدر نیزہ بلند ہو جائے اور کم از کم دو رکعت نماز اور دو مختصر خطبے پڑھنے کی بقدر وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے خواہ دیہات ہو یا شہر وہاں عید ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔

فانما ھو لحم شاۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنے سے قربانی کا ثواب نہیں ہوتا بلکہ روزمرہ جو گھر میں گوشت کھلایا جاتا ہے سمجھ لو کہ آج بھی اسی گوشت کا بندوبست کیا ہے۔

عید الاضحی کے دن مشروع ترتیب: مسلمان آدمی سب سے پہلے عید الاضحیٰ کے دن عید کی تیاری کرے یعنی غسل کرے صاف کپڑے پہنے خوشبو لگائے مسواک کرے تکبیر کہتا ہوا عید گاہ میں چلا جائے، وہاں عید کی نماز پڑھ کے عید کے دو خطبے سنے اور پھر اس کے بعد آکر قربانی کرے اور مستحب اور بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی اس قربانی ہی سے کھائے عید گاہ جانے سے قبل کچھ بھی نہ کھائے۔

قربانی کا حکم: اس کی پوری تفصیل باب الاضحیہ میں آرہی ہے مختصراً یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی ہر اس شخص پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی سنت ہے۔

قربانی کا وقت

(۱۱/۱۳۳۹) وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرٰى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحة ۹/۶۳۰۔ حديث رقم ۵۵۰۰۔ ومسلم في صحيحه ۱۵۵۱/۳ حديث رقم (۲۔ ۱۹۶۰)۔ والنسائي ۲۱٤/۷ حديث رقم ٤۳۶۸۔ وابن ماجه ۱۰۵۳/۲ حديث رقم ۳۱۵۲۔

ترجمہ: حضرت جندب ابن عبداللہ بجلی فرماتے ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے قربانی کا جانور عید کی نماز سے پہلے پہلے ذبح کیا، اسے چاہئے کہ وہ اس کی جگہ پر دوسرا جانور ذبح کرے اور جو شخص نماز پڑھنے تک جانور کو ذبح نہ کرے تو اُسے چاہئے کہ نماز کے بعد اللہ کے نام پر ذبح کردے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ آنحضرت ﷺ نے واضح فرمادیا کہ جو شخص عید کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کردے تو اس کی قربانی نہیں ہوگی وہ ایسے ہی ہو جائے گا جیسا کہ قربانی کیلئے خریدا ہوا جانور عید سے پہلے ہی مار دیا گیا ہو اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی انسان کے پاس طاقت نہیں تو پھر وہ اس گوشت کو نہ کھائے فقراء پر صدقہ کردے، لیکن اگر عید کی نماز کے بعد قربانی کا ارادہ بھی ہو اور جانور بھی میسر ہو تو پھر اس کے ساتھ جو مرضی کرے۔

(۱۲/۱۳۴۰) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/۳۔ حديث رقم ۵۵٤۶۔ ومسلم في صحيحه ۱۵۵۲/۳ حديث رقم (٤۔ ۱۹۶۱)۔

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فخر کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کیا پس بے شک وہ اس کو اپنے نفس کیلئے (یعنی گوشت کھانے کیلئے) ذبح کرتا ہے اور جس شخص نے قربانی کا جانور عید کی نماز کے بعد ذبح کیا تو البتہ تحقیق اسکی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقے کو پالیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ پہلے ہم وضاحت کر چکے ہیں، جہاں عید کی نماز ہوتی ہو وہاں اگر عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لی تو قربانی نہیں ہوگی اور اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے لیکن دیہات میں طلوع فجر کے بعد عندالاحناف قربانی جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک شہر میں عید سے پہلے جائز ہے لیکن بہت ساری احادیث ان کے مسلک کے سراسر خلاف ہیں۔

گائے، بکری کا ذبح کرنا اور اُونٹ کا نحر مستحب ہے

(۱۳/۱۳۴۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٧١/٢۔ حديث رقم ٩٨٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عیدگاہ میں ذبح اور نحر کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے دو باتیں سامنے آئیں:

① قربانی عیدگاہ میں کرنا مسنون ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ قربانی عیدگاہ میں کرتے تھے۔

② بکری، گائے، بھینس، دنبہ، بھیڑ ان کو ذبح کرنا مستحب ہے۔ ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زمین پر لٹا کر گلے پر چھری چلائی جائے اور اونٹ میں نحر مستحب ہے۔ نحر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے گردن کے آخر اور سینہ کے شروع حصہ میں اگلی دونوں ٹانگوں کے درمیان سیدھا چھرا گھونپا جائے جس سے خوب خون گرتا ہے، اور اونٹ گر پڑتا ہے۔ لیکن اگر اونٹ کو ذبح کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

قربانی کے جانور: ① اونٹ خواہ نر ہو یا مادہ ② بھینس ③ گائے، بھیڑ، دنبہ، بکری چاہے نر ہو یا مادہ، صرف ان کی قربانی جائز ہے ان کے عادہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔

الفصل الثانی:

اسلامی تہوار

(۱۴/۱۳۴۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٦٧٥/١ حديث رقم ١١٣٤۔ والنسائي ١٧٩/٣ حديث رقم ١٥٥٦۔ وأحمد في المسند ١٠٣/٣۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ خاتم الرسل ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے ہاں دو دن مقرر تھے ان دونوں میں وہ لہو ولعب کرتے تھے خوشیاں مناتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کی ہم ان دو دنوں میں زمانہ جاہلیت میں کھیلا کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے بدلے میں تمہارے لئے ان سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں وہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ زمانہ جاہلیت میں قدیم زمانہ سے لوگ دو دنوں کو تہوار اور خوشی کے طور پر منایا کرتے تھے اور ان دنوں میں ہر طرح کی خوشیو اور لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے ان میں سے پہلا دن نوروز ہے اور دوسرا دن مہرجان ہے۔ اور اصل یہ دن مجوسیوں کے ایجاد کردہ تھے۔ نوروز شمسی سال کا پہلا دن ہے اور یہ موسم بہار کی ابتداء میں ہوتا ہے اور اس دن سورج برج حمل میں ہوتا ہے اس کو نوروز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے تو نو کا معنی ہے نیا، اور روز کا معنی ہے جانوروں کو چارہ چرانا، تو موسم سرما کے بعد اس موسم میں نیا چارہ اُگتا تھا اور لوگ جانوروں کو نیا چارہ چرا کر لایا کرتے تھے۔ اور مہرجان خزاں کا پہلا دن ہے اور اس دن سورج برج میزان میں داخل ہوتا ہے اب ان دنوں میں رات دن برابر ہوتا ہے اور سردی گرمی نہیں ہوتی بلکہ موسم معتدل ہوتا ہے، اس لئے لوگوں نے ان کو خوشیاں منانے کیلئے مقرر کیا ہوا تھا انصار مدینہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی پرانی عادت کے مطابق ان دو ایام میں خوشیاں مناتے تھے۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ گئے۔ تو آنحضرت ﷺ نے انہیں ان دو ایام میں خوشیاں مناتے دیکھا ان سے پوچھا تم ان دنوں کی خوشیاں کیوں مناتے ہو، تو کوئی خاص جواب نہ دے سکے بلکہ صرف یہ جواب دیا کہ ہم شروع سے ان دو دنوں میں خوشیاں مناتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے ان دنوں کو تبدیل کر دیا ہے ان سے بھی بہتر دنوں کے ساتھ وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں اسلام کے دائرہ میں رہ کر ان میں خوشیاں منا سکتے ہو، تو اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

① مسلمان کی خوشی کافر کی خوشی کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کی ایک حد مقرر ہے اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔
② مسلمان خوشی والے دن بھی سب سے پہلے رب کی عبادت کرے، اسی لئے عیدین کے دن سب سے پہلے نماز مشروع کی گئی ہے۔
③ عید کے دن جائز لہو ولعب میں مشغول ہونا درست ہے۔
④ غیر مسلموں کے تہوار میں شریک ہونا اور اسی طرح ان کے تہوار کی تعظیم کرنا اور ان کی رسموں کو اپنانا ممنوع اور حرام ہے۔
⑤ غیر مسلموں کے ساتھ کسی تہوار اور کسی بھی معاملہ میں مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے۔

غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت کا حکم: غیر مسلموں کے تہوار مثلاً کرسمس یہودیوں کی عید کا دن، نوروز، مہر جان، عاشورہ کا دن، ان کی تعظیم کرنا اور ان میں شریک ہونا بہت سے علماء کے نزدیک کفر ہے۔

اقوال علماء:

① ابو حفص کبیر حنفی فرماتے ہیں کہ جو شخص نوروز کی عظمت اور خوشی میں مشرکین کو تحفے میں انڈے وغیرہ بھیجے گا جس طرح کہ اس دن میں مشرکین کی عبادت ہے تو وہ آدمی کافر ہو جائے گا اور اس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔
② فتاویٰ ذخیرہ والے فرماتے ہیں کہ جو شخص ہندوؤں کے تہوار ہولی اور دیوالی دیکھنے کیلئے خاص طور پر نکلتا ہے تو وہ کفر تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ اس میں علی الاعلان کفر ہوتا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی عاشورہ کے دن خوشی مناتا ہے تو اس کی مشابہت خوارج کے ساتھ ہوتی ہے تو انسان بھی ان ہی کے حکم میں ہو جائے گا کیونکہ اس دن خوارج حضرت علیؓ کی شہادت کی وجہ سے خوشی مناتے ہیں، اور اسی طرح عاشورہ کے دن اگر سوگ مناتا ہے اور شیعوں کے تعزیہ میں شریک ہوتا ہے تو وہ بھی ان ہی میں شامل ہو جاتا ہے۔

③ حسن ابن منصور حنفیؒ فرماتے ہیں کہ غیر مسلموں کے تہوار کے دن اگر کوئی چیز انسان بطور خاص خریدتا ہے جیسے کہ دیوالی کے دن مٹھائی کے بنے ہوئے کھلونے وغیرہ یا اس دن بطور خاص کسی کافر کو اس دن کی تعظیم کی خاطر تحفہ بھیجتا ہے وہ شخص اسلام سے نکل جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی چیز محض اپنے استعمال کیلئے اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے خریدتا ہے یا حسب عادت کسی کو ہدیہ بھیجتا ہے تو یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ اس سے کافروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔
④ نوادر الفتاویٰ میں منقول ہے کہ جو شخص اعتقاداً کافروں کی رسومات کو اچھا سمجھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اسی طرح روافض بظاہر تو نوروز کا نام لے کر تہوار مناتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر خوشی مناتے ہیں جس طرح کہ اب بھی ایران وغیرہ میں ہوتا ہے تو اگر کوئی آدمی ان کے ساتھ خوشی میں شریک ہوا تو وہ بھی صحابہ اور اہل سنت والجماعت کے دشمنوں میں شمار ہوگا۔

حاصل کلام: یہ ہے کہ علماء کے نزدیک اہل کفر کے معتقدات اور معاملات میں سے کسی چیز کے اچھا ہونے کا عقیدہ رکھنا اور اس میں شریک ہونا یہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اسی طرح اگر کسی آدمی کا کوئی ایسا کلمہ ہو جو کہ شرک اور کفر پر مبنی ہو اس کو اگر سن کر اس کی تعریف کرتا ہے یا اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

عید الفطر میں عید کی نماز سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے

(۱۳۴۳/۱۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يُطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی)

سنن الترمذی' كتاب الجمعة عن رسول الله' باب ما جاء فی الأكل يوم الفطر قبل الخروج' ح ۴۹۷

ترجمہ: حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عید الفطر کے دن جب تک کہ کچھ کھا نہ لیتے عید گاہ کی طرف نہیں جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن کچھ نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ عید کی نماز پڑھ لیتے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح ۞ عید الاضحیٰ کے دن آنحضرت ﷺ غرباء اور مساکین کی دلجوئی اور ان کے ساتھ شرکت کیلئے عید کی نماز سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے آپ عید کی نماز کے بعد قربانی فرماتے جب گوشت کے ذریعے غرباء اور مساکین کو کھانا پہنچ جاتا اس کے بعد خود بھی تناول فرما لیتے تھے۔ اور عید الفطر میں عید کی نماز سے پہلے کھاتے تھے۔

(۱۳۴۳/۱۶) وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۴۲۶/۲ حديث رقم ۵۴۲۔ وابن ماجه ۵۵۸/۱ حديث رقم ۱۷۵۶۔ والدارمی ۴۵۵/۱ حديث رقم ۱۶۰۰۔ وأحمد فی المسند ۳۵۲/۵۔

ترجمہ: حضرت کثیر بن عبد اللہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں، اور وہ کثیر کے دادا سے نقل کرتے ہیں، کہ آنحضرت ﷺ نے عید کی نماز میں قراءت سے پہلے پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں قراءت سے پہلے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح ۞ یہ روایت امام شافعیؒ کی دلیل ہے اور یہاں ان بارہ تکبیرات سے مراد تکبیرات زوائد ہیں اور احناف کے نزدیک عیدین میں چھ تکبیرات زوائد ہیں۔

(۱۳۴۴/۱۷) وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ كَبَّرُوْا فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ سَبْعًا وَخَمْسًا وَصَلُّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ۔ (رواه الشافعی)

أخرجه الشافعی فی مسنده ص ۷۶۔

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمدؒ مرسلاً نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین اور استسقاء کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہتے تھے، اور ان نمازوں کو خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے اور ان نمازوں میں اونچی آواز سے قراءت کرتے تھے۔ (امام شافعیؒ)

تشریح ۞ سات اور پانچ سے مراد یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قراءت پہلے سات تکبیرات سے کیا کرتے تھے اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے، یہ حدیث بھی امام شافعیؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کا بھی یہی مسلک ہے لیکن احناف کے نزدیک تکبیرات زوائد چھ ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور جعفر بن محمدؒ سے مراد امام جعفر صادق ہیں، جن کا سلسلہ نسب یہ ہے، امام جعفر صادق بن محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حضرت حسینؓ بن حضرت علیؓ، تو گویا کہ یہ امام حسن کے پڑپوتے ہیں۔ روافض نے اپنی فقہ انہی کے نام کی طرف منسوب کی ہوئی ہے جو کہ سراسر غلط ہے، شیعوں کا فقہ کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

تکبیرات زوائد چھ ہیں

(۱۳۴۵/۱۸)وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَأَلْتُ اَبَامُوْسٰى وَحُذَيْفَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا تَكْبِيْرَةً عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ۔

(رواه ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۶۸۲/۱ حديث رقم ۱۱۵۳ وأحمد في المسند ۴۱۶/۴۔

ترجمہ: حضرت سعید بن العاص ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ سے سوال کیا کہ شافع محشر ﷺ عید الاضحی اور عیدالفطر میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے؟ تو ابوموسیٰ ؓ نے جواب دیا آپ ﷺ چار تکبیریں کہا کرتے تھے، جس طرح کہ جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ ابوموسیٰ ؓ نے بالکل سچ کہا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح ❁ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ نماز عیدین میں آپ ﷺ ہر رکعت کے اندر چار تکبیریں کہتے تھے، جس طرح کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے وہ اس طرح کہ پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے ایک تکبیر تحریمہ ہوتی تھی اور تین تکبیرات زوائد، تو گویا کہ تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔ اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد ایک تکبیر رکوع کی ہوتی تھی اور تین تکبیرات زوائد، تو گویا کہ رکوع سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

تعداد تکبیرات عیدین: عیدین کی تکبیرات زوائد کے بارے میں روایات، کے متضاد ہونے کی وجہ سے تکبیرات زوائد کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

مذہب اوّل: امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں، تین پہلی رکعت میں ہیں قراءت سے پہلے، اور تین دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔

دلیل اول: پہلی دلیل حدیث مذکور ہے کہ سعید بن العاص ؓ نے ابوموسیٰ اشعری ؓ اور حضرت حذیفہ ؓ سے سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ عیدین میں کتنی تکبیرات زوائد کہتے تھے، تو ابوموسیٰ اشعری ؓ نے فرمایا کہ ہر رکعت میں چار تکبیریں کہتے تھے۔ جس طرح کہ نماز جنازہ کیلئے چار تکبیرات ہوتی ہیں کہ پہلی رکعت میں ایک تکبیر تحریمہ اور تین تکبیرات زوائد ہوتی تھیں، اور دوسری رکعت میں ایک تکبیر رکوع اور تین تکبیرات زوائد ہوتی تھیں۔

دلیل ثانی: ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کی روایت ہے کہ صلوٰۃ عیدین میں نو تکبیرات ہیں۔ وہ اس طرح کہ پہلی رکعت میں پانچ ہیں ایک تکبیر تحریمہ ایک تکبیر رکوع اور تین تکبیرات زوائد اور دوسری رکعت میں چار تکبیرات ہیں ایک تکبیر رکوع اور تین تکبیرات زوائد ہیں۔

مذہب ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تکبیرات زوائد بارہ ہیں سات پہلی رکعت میں ہیں، قبل القراءت اور پانچ دوسری رکعت میں ہیں قبل القراءت۔

دلیل: ترمذی میں کثیر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل القراءۃ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قبل القراءۃ پڑھتے تھے۔

جواب نمبر ①: اس روایت سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا دارومدار کثیر بن عبداللہ پر ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب نمبر ②: اس حدیث سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے، جس کے ہم بھی قائل ہیں۔

جواب نمبر ③: تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں متضاد اور مختلف روایات سامنے آئی ہیں، اور یہ تکبیرات عیدین خلاف

معمول ہیں لہٰذا ان میں کم کا اختیار کرنا اولیٰ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت خطبہ کمان پر سہارا لینا

(۱۹/۱۳۴۶) وَعَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نُوْوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

أبوداؤد في السنن ۱/ ۶۷۹ حديث رقم ۱۱۴۵۔

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عید کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کمان پیش کی گئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ (ابوداؤد)

تشریح ⊛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تو یہ تھا کہ عصاء وغیرہ پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے لیکن کسی موقع پر عصا نہیں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کا سہارا لے کر ہی خطبہ ارشاد فرمایا۔

بوقت خطبہ لاٹھی کا سہارا لینا مسنون ہے

(۲۰/۱۳۴۷) وَعَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلاً اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ اِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلٰى عَنَزَتِهٖ اِعْتِمَادًا۔ (رواہ الشافعی)

أخرجه الشافعي في مسنده ص ۷۷۔

ترجمہ: حضرت عطاء سے مرسلاً منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو اپنی لاٹھی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ (امام شافعیؒ)

تشریح ⊛ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے وقت لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوتے تھے۔

بوقتِ خطبہ کسی انسان کا سہارا لینا بھی جائز ہے

(۲۱/۱۳۴۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلَاةَ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَااِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ۔ (رواہ النسائی)

أخرجه البخاري في صحيحه مختصرًا ۲/ ۵۲۳ حديث رقم ۹۶۱۔ ومسلم في صحيحه ۲/ ۶۰۳ حديث رقم (۴۔ ۸۸۵)۔ والنسائي ۳/ ۱۸۶ حديث رقم ۱۵۷۵۔ وأحمد في المسند ۳/ ۳۱۸۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کے دن میں نماز کیلئے حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اور تکبیر کے بغیر خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے اور اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور لوگوں کو وعظ کیا، اور ان کو عذاب اور ثواب کے احکام یاد دلائے۔ اور ان کو اللہ کی اطاعت پر ابھارا اور پھر عورتوں کی طرف گئے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے اور ان کو بھی اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور ان کو نصیحت کی، اور انہیں عذاب اور ثواب کے احکام یاد دلائے۔ (نسائی)

تشریح ⊛ عیدین کی نماز میں تکبیر اور اذان مشروع نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیدین کے اور جمعہ کے خطبہ کے وقت خطیب کو کسی چیز کا سہارا لینا مسنون ہے، اگر اور کوئی چیز نہ ملے تو انسان کا ہی سہارا لے لے۔

عیدگاہ کی طرف جانے اور واپس آنے کا مسنون طریقہ

(۲۲/۱۳۴۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَاخَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِیْ طَرِيْقٍ رَجَعَ فِیْ غَيْرِهٖ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢/٤٢٤ حديث رقم ٥٤١۔ وابن ماجه ١/٤١٢ حديث رقم ١٣٠١۔ والدارمی ١/٤٦٠ حديث رقم ١٦١٣۔ وأحمد فی المسند ٢/٣٣٨۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب عید کیلئے جاتے تھے ایک راستے سے تو واپس آتے تھے دوسرے راستے سے۔ (ترمذی، دارمی)

تشریح ⊛ عید کی نماز کیلئے ایک راستے سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا یہ مسنون ہے، اور اسکی چند وجوہات ہیں جو کہ حدیث نمبر۹ میں بیان ہو چکی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عیدالفطر میں عید کی طرف جاتے ہوئے آہستہ آواز میں تکبیر پڑھنا مسنون ہے اور عید الاضحیٰ میں بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے، اور صاحبین کے نزدیک دونوں عیدوں کے موقع پر عیدگاہ کے راستے میں بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے۔

تکبیر عیدین یہ ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ اے اللہ تو بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں۔

بوقتِ عذر مسجد میں بھی نمازِ عیدین پڑھی جاسکتی ہے

(۲۳/۱۳۵۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِیُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِيْدِ فِی الْمَسْجِدِ۔ (رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه ابوداوٗد فی السنن ١/٦٨٦ حديث رقم ١١٦٠۔ وابن ماجه ١/٤١٦ حديث رقم ١٣١٣۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ عید کے دن بارش ہوگئی آنحضرت ﷺ نے ان کو (یعنی صحابہ کو) نمازِ عید مسجد میں پڑھائی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح ⊛ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ عید کی نماز کیلئے مدینہ کے شہر سے باہر کھلی فضا کی طرف جاتے تھے وہاں عیدگاہ بنا رکھی تھی وہاں پر ہی عید کی نماز ادا فرماتے تھے، لیکن جب بارش وغیرہ ہو جاتی تو مسجد نبوی میں ہی عید کی نماز پڑھ لیتے تھے لہٰذا اہل مکہ اور بیت المقدس کے نمازیوں کے علاوہ باقی پوری دنیا میں عید کی نماز عیدگاہ (یعنی کھلی جگہ) میں ادا کرنا مسنون ہے، ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً بارش وغیرہ یا کسی دشمن کا خطرہ ہو یا شدید گرمی وغیرہ یا قریب قریب جگہ ہی نہ ہو تو پھر مسجد میں بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

(۲۴/۱۳۵۱) وَعَنْ اَبِی الْحُوَيْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ اِلٰى عَمْرِوبْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰى وَاَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ۔ (رواه الشافعی)

أخرجه الشافعی فی مسنده ص ٧٤۔

ترجمہ: حضرت ابوالحویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عمرو ابن حزمؓ کی طرف خط لکھ کر بھیجا جبکہ وہ نجران میں گورنر تھے، کہ عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھائیں اور عیدالفطر کی نماز تاخیر سے پڑھائیں، اور لوگوں کو خطبہ میں وعظ و نصیحت کریں۔ (امام شافعیؒ)

تشریح ⊛ عیدالاضحیٰ کی نماز کو جلدی ادا کرنا اس لئے مسنون ہے کہ اس کے بعد قربانی ہوتی ہے تاکہ لوگ نماز سے جلدی فارغ

ہو کر قربانی کرلیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو مہمان نوازی کا سامان ہے (یعنی قربانی کا گوشت) وہ جلد از جلد مہمانوں کو پہنچ جائے کیونکہ یہ دن اللہ کی طرف سے مخلوق کی ضیافت کا ہے۔ اور عید الفطر کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا اس لئے مسنون ہے تاکہ لوگ صدقہ فطر ادا کرلیں اور فقیر بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو جائیں۔

فائدہ: حضرت عمرو ابن حزم عظیم صحابی ہیں ان کی عمر صرف ۱۷ سال تھی کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو نجران کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اور یہ نجران یمن کے اندر ایک شہر ہے۔ جہاں پہلے عیسائی آباد تھے لیکن بعد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا۔

عید الفطر کی نماز دو شوال کو پڑھی جاسکتی ہے

(۱۳۵۲/۲۵) وَعَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَّهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ اِنَّ رَکْبًا جَاءُ وْا اِلَی النَّبِیِّ ﷺ یَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَءَ وُا الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ یُّفْطِرُوْ وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ یَّغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاهُمْ۔

(رواہ ابو داود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۶۸۴ حدیث رقم ۱۱۵۷۔ والنسائی ۳/۱۸۰ حدیث رقم ۱۵۵۷۔ وابن ماجه ۱/۵۲۹ حدیث رقم ۱۶۵۳۔ وأحمد فی المسند ۵/۵۷۔

ترجمہ: حضرت عمیر بن انس اپنے چچاؤں سے نقل کرتے ہیں جو کہ فخر کونین ﷺ کے صحابہؓ میں سے تھے کہ ایک قافلہ آنحضرتؐ کے پاس آیا اور انہوں نے یہ گواہی دی کہ بے شک انہوں نے عید کا چاند کل دیکھا ہے (یعنی گزشتہ رات) تو آنحضرتؐ نے صحابہ کو افطار کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب صبح ہو جائے تو سویرے عید گاہ کی طرف چلے جائیں۔ (ابوداود، نسائی)

تشریح: عید الفطر کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی عذر ایسا پیش آجائے جس کی وجہ سے یکم شوال کو زوال سے پہلے پہلے عید کی نماز نہ پڑھی جاسکے تو دو شوال کو زوال سے پہلے پہلے پڑھ لیں اور اگر دو شوال کو بھی نہ پڑھی جاسکے تو اس کے بعد نماز عید نہ پڑھیں۔ اس پر دلیل یہی واقعہ ہے کہ انتیس رمضان کے بعد رمضان کی تیسری شب کو کسی وجہ سے اہل مدینہ کو چاند نظر نہ آیا لیکن جب رمضان کے تیسویں دن ایک قافلہ باہر سے آیا جس کی صراحت دوسری روایت میں ہے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے گواہی دی کہ ہم نے تو رات کو چاند دیکھ لیا ہے آنحضرت ﷺ نے ان کی گواہی قبول فرمائی اور لوگوں کو افطار کا حکم دے دیا، اب چونکہ زوال کے بعد کا ٹائم تھا زوال کے وقت عید کی نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے عید کی نماز اگلے دن دو شوال کو پڑھائی۔

اور عید الاضحیٰ کی نماز اگر کسی عذر کی وجہ سے پہلے دن (یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو) دوسرے دن (یعنی ۱۱ ذوالحجہ) کو اور تیسرے دن (یعنی ۱۲ ذوالحجہ کو) بوقت عذر پڑھی جاسکتی ہے بلا کراہت لیکن اگر کوئی بلا عذر تاخیر کرتا ہے تو مکروہ ہے۔

الفصل الثالث:

عید گاہ سے باہر عید کیلئے نداء درست ہے

(۱۳۵۳/۲۶) عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَا لَمْ یَکُنْ یُؤَذَّنُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا یَوْمَ الْاَضْحٰی ثُمَّ سَاَلْتُهٗ یَعْنِیْ عَطَاءَ بَعْدَ حِیْنٍ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَنِیْ قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنْ لَّا اَذَانَ لِلصَّلٰوةِ یَوْمَ الْفِطْرِ حِیْنَ یَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا یَخْرُجُ وَلَا اِقَامَةَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَیْءَ لَا نِدَاءَ یَوْمَئِذٍ وَلَا اِقَامَةَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۴۵۱۔ حدیث رقم ۹۶۰۔ ومسلم فی صحیحه ۲/۶۰۴ حدیث رقم ۸۸۶/۵۔

ترجمہ: حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے بارے میں خبر دی انہوں نے فرمایا کہ نہ ہی عید الفطر کے دن اذان دی جاتی تھی اور نہ ہی عید الاضحیٰ کے دن پھر میں نے اُن سے یہی سوال کیا (یعنی عطاءؒ سے) کچھ عرصے کے بعد تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے جابر بن عبداللہؓ نے خبر دی ہے کہ عید الفطر میں نماز کیلئے اذان نہیں ہے، نہ ہی امام کے نکلنے کے وقت اور نہ ہی امام کے باہر آ جانے کے بعد اور نہ ہی تکبیر ہے اور نہ ہی نداء ہے اور نہ کچھ اور اس دن نہ ہی نداء اور نہ ہی اقامت ہے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کیلئے اذان اقامت مشروع نہیں ہے اور اس کے علاوہ نداء مثلاً الصلوٰۃ یا الصلوٰۃ جامعۃ کے کہنے کا کیا حکم ہے تو اس میں دو قول ہیں۔

قولِ اوّل: حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح عیدین کیلئے اذان اور اقامت مشروع نہیں ہے اسی طرح نداء (یعنی الصلوٰۃ جامع) کے الفاظ کہنا بھی مشروع نہیں ہیں کیونکہ یہاں پر **ولا نداء** کے بعد **ولا شیٔ** اور **لا نداء یومئذٍ ولا اقامة** یہ سب لا نداء کی تاکید کیلئے ہیں، تو مطلب یہ ہے کہ کسی طریقے پر بھی الصلوٰۃ جامعۃ وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ جمع کرنا صحیح نہیں۔

قولِ ثانی: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ عیدین کیلئے اذان اور اقامت تو مشروع نہیں ہے لیکن الصلوٰۃ جامعۃ کے الفاظ پکار کر کہنا تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ اور ملا علی قاریؒ کے نزدیک **ولا نداء** سے آخر تک پہلے جملہ کی تاکید ہے اور نداء سے مراد بھی اذان ہے اور اقامت ہے کہ عیدین کے موقع پر اذان اور اقامت بالکل نہیں کہی جائے گی۔

سوال: ان دونوں قولوں میں سے کونسا قول معمول بہا ہو سکتا ہے (یعنی ان دونوں میں تعارض ہے) کس کو ترجیح ہوگی؟

جواب: دونوں قول اپنی اپنی جگہ معمول بہا ہیں۔ شیخ عبدالحقؒ نے نداء کی نفی کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عیدگاہ میں جمع ہونے کے بعد بطریق التزام الصلوٰۃ جامعۃ وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ نداء نہ دی جائے۔ اور ملا علی قاریؒ نے جس نداء کو مستحب قرار دیا ہے اس کا تعلق عیدگاہ سے باہر کے ساتھ ہے (یعنی عیدگاہ سے باہر لوگوں کو عیدگاہ کی طرف بلانے کیلئے الصلوٰۃ جامعۃ کے الفاظ مستحب ہیں)۔

(۱۳۵۴/۲۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ فَاِذَا صَلّٰى صَلَاتَهٗ قَامَ فَاَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ جُلُوْسٌ فِیْ مُصَلَّاهُمْ فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ بِبَعْثٍ ذَكَرَهٗ لِلنَّاسِ اَوْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ بِغَيْرِ ذٰلِكَ اَمَرَهُمْ بِهَا وَكَانَ يَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا وَكَانَ اَكْثَرَ مَنْ يَّتَصَدَّقُ النِّسَآءُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى كَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَرْوَانَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْمُصَلّٰى فَاِذَا كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰى مِنْبَرًا مِنْ طِيْنٍ وَلَبِنٍ فَاِذَا مَرْوَانُ يُنَازِعُنِیْ يَدَهٗ كَاَنَّهٗ يَجُرُّنِیْ نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَاَنَا اَجُرُّهٗ نَحْوَ الصَّلٰوةِ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذٰلِكَ مِنْهُ قُلْتُ اَيْنَ الْاِبْتِدَاءُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ يَا اَبَا سَعِيْدٍ قَدْ تُرِكَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ كَلَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا تَاْتُوْنَ بِخَيْرٍ مِمَّا اَعْلَمُ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۶۰۵ حدیث رقم (۸۸۹/۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ عید الاضحیٰ کے دن اور عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے تو نماز سے ابتداء کرتے، جب نماز پڑھ لیتے تو کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتے اس حال میں کہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوتے (یعنی خطبہ ارشاد فرماتے) اگر آپ کو کہیں لشکر بھیجنے کی ضرورت پڑتی تو اس کا تذکرہ لوگوں کے سامنے فرما

دیتے یا لوگوں کی کوئی اور حاجت ہوتی اس کے بارے میں ان کو حکم ارشاد فرما دیتے اور اپنے خطبہ کے درمیان فرماتے تھے اے لوگو! تم صدقہ کرو صدقہ کرو، اور عورتیں زیادہ صدقہ کیا کرتی تھیں، اور اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے جاتے (پس آپ ﷺ کے زمانے سے) یہی معمول رہا (یعنی خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا) یہاں تک کہ مروان بن حکیم کا زمانہ آیا پس میں ایک دن مروان بن حکیم کا ہاتھ پکڑے ہوئے نکلا یہاں تک ہم عیدگاہ میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں وہاں کثیر بن صلت نے مٹی اور کچی اینٹوں کا منبر بنا رکھا ہے، اچانک مروان مجھے اپنے ہاتھ سے کھینچنے لگا گویا کہ وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا (یعنی میں عید سے پہلے خطبہ پڑھوں) اور میں اس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا (یعنی پہلے نماز پڑھیں پھر خطبہ پڑھیں گے) جب میں نے اس کی ہٹ دھرمی کو دیکھا تو میں نے کہا ابتداء بالصلوۃ کا وہ فعل کہاں ہے، یعنی جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے سے چلا آ رہا تھا تو مروان بن حکم نے کہا اے ابوسعیدؓ جھگڑا نہ کرو، جو آپ جانتے ہیں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نہیں اس سے بہتر چیز نہیں لا سکتے جو میں جانتا ہوں اور یہ بات تین مرتبہ کہی پھر ابوسعیدؓ واپس آ گئے (یعنی مروان کے اس فعل کی وجہ سے نماز میں شریک نہیں ہوئے)۔ (مسلم)

تشریح ❁ مروان بن حکم ۲ھ میں پیدا ہوا لیکن اس کو آنحضرت ﷺ کی صحبت اور زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا اور یہ امیر معاویہؓ کی جانب سے مدینہ منورہ کا گورنر اور حاکم تھا، اور اس کا تعلق خلفائے بنوامیہ سے تھا تو آنحضرت ﷺ اور خلفائے اربعہ عیدین کا خطبہ عید کی نماز کے بعد ارشاد فرماتے تھے لیکن بنوامیہ کے ایک حکمران (یعنی مروان بن حکم وغیرہ نے) عیدین کے خطبے کو نماز سے پہلے شروع کر دیا کیونکہ ان کی پالیسیوں کی وجہ سے اکثر لوگ ان سے نالاں تھے نماز کے بعد ان کا خطبہ سننا لوگ پسند نہیں کرتے تھے اکثر لوگ اٹھ کر چلے جاتے تھے اسی عذر کی بناء پر حضرت ابوسعید خدریؓ سے انہوں نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھوانا چاہا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ سے جو عمل ہوتا رہا ہے، میں اس کے خلاف نہیں کر سکتا یہاں تک کہ ابوسعید خدریؓ عیدگاہ کو چھوڑ کر وہاں سے واپس آ گئے لیکن نبی اور اس کے چار یاروں کے طریقہ کے خلاف کام کو بالکل یہ برداشت نہ کیا اسی طرح کثیر بن صلت یہ عیدگاہ کے قریب رہتا تھا۔ انہوں نے عیدگاہ میں منبر بنایا تاکہ عیدین کا خطبہ اس پر کھڑے ہو کر دیا جائے جس طرح جمعہ کا خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر دیا جاتا ہے۔ تو حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ میں منبر بھی سب سے پہلے مروان بن حکم نے رکھوایا ہے۔

تصدقوا: آنحضرت ﷺ خطبہ میں لفظ تصدقوا (یعنی صدقہ کرو) تین مرتبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے دو وجہ سے۔ ① تاکید کیلئے تاکہ اس کی اہمیت اور فضیلت لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے اور لوگ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ ② تین حالتوں کی طرف اشارہ کرنے کیلئے لفظ تصدقوا تین مرتبہ فرماتے تھے (الف) اپنی زندگی کیلئے صدقہ کرو (ب) اپنی موت کیلئے صدقہ کرو (ج) اپنی آخرت کیلئے صدقہ دو۔ زندگی کیلئے صدقہ دو کیونکہ اس کی برکت سے مصائب اور مشکلات دور ہونگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب سے حفاظت ہوگی اور اللہ کی رحمت نصیب ہوگی۔ موت کیلئے صدقہ دو اس لئے کہ اس کی برکت سے خاتمہ بالخیر ہوگا اور بری موت مرنے سے بچ جاؤ گے۔ اور آخرت کیلئے صدقہ دو، کہ اس کی برکت سے حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی قبر منور ہوگی جنت میں انعامات خداوندی ہمیشہ کیلئے میسر ہونگے اور دیدار خداوندی۔

عیدین کی نماز کا طریقہ: عیدین کی نماز پڑھنے والا سب سے پہلے عیدین کی نیت کرے اگر عید الفطر ہے تو نیت یوں کرے "دو رکعات عید الفطر واجب مع چھ تکبیرات زائد کے پیچھے اس امام کے منہ طرف قبلہ کے وقت چاشت کے" اور پھر تکبیر کہے۔ اور اگر عید الاضحیٰ کی نماز ہو تو نیت میں عید الفطر کے بجائے عید الاضحیٰ کا تصور کرے۔ تکبیر کے بعد ثناء پڑھے ثناء کے بعد تین تکبیرات زوائد کہے، پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور چھوڑ دے، دوسری تکبیر کے ساتھ بھی ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور چھوڑ دے اور تیسری تکبیر کے ساتھ ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور پھر باندھ لے اور پھر تعوذ تسمیہ سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت ملا کر رکوع سجدہ کر

کے دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے۔تسمیہ اور سورت فاتحہ اور کوئی سورت ملائے اور پھر اس کے بعد تین تکبیرات زوائد کہے ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور پھر چھوڑ دے اور چوتھی تکبیر کہہ کر بغیر رفع یدین کے رکوع میں چلا جائے۔

خطبہ: نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے اگر عید الفطر کا خطبہ ہو تو اس میں صدقہ فطر کے احکام اور مسائل وغیرہ بیان کرے اور اگر عید الاضحیٰ کا خطبہ ہو تو قربانی اور تکبیرات تشریق کے احکامات بیان کرے۔

تکبیر تشریق: ہر فرض نماز کے بعد نمازی پر واجب ہے کہ وہ ایک مرتبہ یہ تکبیر پڑھے الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر و لله الحمد۔ اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اور تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ اور یہ تکبیر عرفہ (یعنی ۹ ذوالحجہ) کی فجر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی عصر کی نماز تک ہے۔

فائدہ: تکبیر تشریق مسافر اور عورت پر واجب نہیں، لیکن اگر یہ کسی ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں جس پر تکبیر تشریق واجب ہو تو ان پر بھی تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی۔

بَابٌ فِي الْاُضْحِيَةِ

قربانی کا بیان

امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ اضحیہ میں کئی لغات ہیں۔ اضحیہ بضم الہمزہ۔ (۲) اضحیہ بکسرہ الھمزہ اور ان دونوں کی جمع اضاحیہ آتی ہے۔ (۳) ضَحیّہ اس کی جمع ضحایا آتی ہے۔ (۴) اَضحَات اس کی جمع اُضحٰی آتی ہے۔ یہ اس جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے دنوں میں تقرب الی اللہ کے لئے ذبح کیا جائے۔

قربانی کا حکم: احناف کے نزدیک قربانی ہر اس شخص پر واجب ہے جو کہ مقیم ہو مالدار ہو نصاب کا مالک ہو۔

دلیل اوّل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فصل لربك وانحر۔ اور یہاں نحر سے مراد قربانی ہے۔

دلیل ثانی: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ من کان کرما ساعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا۔

دلیل ثالث: حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ دس سال مدینہ میں رہے ہمیشہ قربانی کی

مذہب ثانی: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور صاحبین کے ایک قول میں قربانی سنت مؤکدہ ہے۔

الفصل الاوّل:

آنحضرت ﷺ کی قربانی

(۱/۱۳۵۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ سَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَأَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۲/۱۰۔ حديث رقم ۵۵٦٤۔ ومسلم في صحيحه ۱۵۵٦/۳ حديث رقم (۱۷۔ ۱۹٦٦)۔ وأبوداؤد في السنن ۲۳۰/۳ حديث رقم ۲۷۹٤۔ والترمذي في السنن ۷۱/٤ حديث رقم ۱٤۹٤ والنسائي ۳۱۹/۷ حديث رقم ٤۳۸۷ وابن ماجة ۱۰٤۳/۲ في حديث رقم ۳۱۲۰۔ والدارمي ۱۰۳/۲ حديث رقم ۱۹٤۵۔ واحمد في المسند ۹۹/۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو دُنبوں کی قربانی کی جو چتکبرے تھے سینگوں والے

تھے۔ ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا آنحضرت ﷺ اپنا پاؤں ان دونوں کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ (بخاری)

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ اور تکبیر پڑھنی ضروری ہے۔ احناف کے نزدیک تسمیہ اور تکبیر ذبحہ کے لئے شرط ہیں اور دیگر علماء کے نزدیک تکبیر مستحب ہے اور ذبح کے وقت درود شریف وغیرہ پڑھنا احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔ لیکن امام شافعیؒ اس کو سنت کہتے ہیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کرنے والا اگر خود صحیح طریقہ سے ذبح کر سکتا ہو تو اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ مستحب ہے اور اگر خود ذبح نہیں کر سکتا تو کسی اور سے کروالے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ غیر مسلم اور بدعقیدہ نہ ہو یعنی مشرک وغیرہ نہ ہو۔

وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہنا بھی صحیح ہے لیکن بسم اللہ واللہ اکبر کہنا زیادہ مستحب اور بہتر ہے۔

(۲/۱۳۵۶) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۵۵۷/۳ حديث رقم (۱۹۔ ۱۹۶۷)۔ وأبوداؤد في السنن ۲۲۹/۳ حديث رقم ۲۷۹۲۔ وأحمد في المسند ۷۸/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قربانی کے لئے ایسا سینگ دار مینڈھا لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو اور سیاہی میں بیٹھتا ہو اور سیاہی میں دیکھتا ہو پس جب آپ کے پاس ایسا دنبہ لایا گیا تا کہ آپ قربانی کریں تو فرمایا اے عائشہ! چھری لاؤ۔ پھر فرمایا اس کو پتھر پر رگڑ کر تیز کرو پس میں نے اس کو تیز کیا پھر آنحضرت ﷺ نے چھری پکڑی اور مینڈھے کو پکڑ کر اس کو لٹایا اور اس کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا تو ارشاد فرمایا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ تو اس کو قبول کر محمد آل محمد اور امت محمدی ﷺ کی طرف سے اور پھر اس کو ذبح کر دیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ وہ دنبہ سیاہی میں چلتا ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاؤں سیاہ ہوں اور سیاہی میں بیٹھتا ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا پیٹ سیاہ ہو اور سیاہی میں دیکھتا ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آنکھوں کے اردگرد سیاہی ہو۔ باقی آنحضرت ﷺ نے جو آخر میں فرمایا: **اللّٰهم تقبل......** ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ثواب میں اپنی امت کو شریک کیا ہے ورنہ ایک جانور کی قربانی دو آدمیوں کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

فائدہ: جانور کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے حضرت فاروق اعظم نے ایک شخص کو درے سے مارا تھا جو کہ جانور کے سامنے چھری تیز کر رہا تھا۔ اور اسی طرح ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو بھی ذبح کرنا مکروہ ہے۔ باقی حضرت عائشہؓ نے جو چھری تیز کی ہے وہ اندر جا کر تیز کی ہوگی۔

قربانی کے جانور کی عمر کی ایک اصطلاح

(۳/۱۳۵۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَّعْسُرَ عَلَيْكُمْ

فَتَذْبَحُوا جَذْعَةً مِنَ الضَّاْنِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۵۵۵/۳ حدیث رقم (۱۳۔ ۱۹۶۳)۔ وأبوداوٗد فی السنن ۲۳۲/۳ حدیث رقم ۲۷۹۷۔ والنسائی ۲۱۸/۷ حدیث رقم ۴۳۷۸۔ وابن ماجه ۱۰۴۹/۲ حدیث رقم ۳۱۴۱۔ وأحمد فی المسند ۳۱۲/۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم قربانی میں مسنہ جانور ذبح کرو اگر مسنہ پانا مشکل ہو تو پھر دنبہ یا بھیڑ کا جذعہ ذبح کرنا۔ (مسلم)

تشریح ۞ مسنہ یا جذعہ کسی خاص جانور کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے جو کہ قربانی کے جانور کی عمر کے بارے میں استعمال ہوتی ہے۔ احناف کے نزدیک اونٹوں میں مسنہ وہ جانور ہے جو کہ اپنی عمر کے پانچ سال پورے کر کے چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ گائے بھینس وغیرہ میں مسنہ وہ جانور ہے جو کہ دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ بکری بھیڑ دنبہ میں مسنہ وہ ہے جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو لہٰذا قربانی کے لئے ان جانوروں کا مسنہ ہونا ضروری ہے جو عمر بیان ہوئی ہے اس سے کم عمر جانور کی قربانی جائز نہیں ہوگی بھیڑ یا دنبے کا جذعہ جس کی عمر ایک سال سے کم ہو مگر چھ ماہ سے زیادہ ہو اور وہ اتنا موٹا تازہ ہو کہ دیکھنے میں مسنوں کے برابر لگے تو پھر اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔

الا ان یعسر: حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسنہ جانور نہ ملے تو پھر جذعہ جانور ذبح کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں تو یہ حکم استحباب پر محمول ہے اگر مسنہ کی قیمت موجود ہے اور مسنہ میسر بھی ہے تو پھر بھی اگر جذعہ ذبح کرے گا تو یہ درست ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے باندی کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے آزاد عورت کے ساتھ استطاعت نہ ہونے کی قید محض استحباب کے لئے ہے۔

(۱۳۵۸/۴) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَعْطَاهُ غَنَمًا یَقْسِمُهَا عَلٰی صَحَابَتِهٖ ضَحَایَا فَبَقِیَ عَتُوْدٌ فَذَکَرَهٗ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَفِیْ روایة قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَصَابَنِیْ جَذَعٌ قَالَ ضَحِّ بِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴/۱۰۔ حدیث رقم ۵۵۴۷۔ ومسلم فی صحیحه ۱۵۵۶/۳ حدیث رقم (۱۶۔ ۱۹۶۵)۔ والترمذی فی السنن ۷۴/۴ حدیث رقم ۱۵۰۰۔ والنسائی ۲۱۸/۷ حدیث رقم ۴۳۷۹۔ وابن ماجه ۱۰۴۸/۲ حدیث رقم ۳۱۳۸۔ والدارمی فی السنن ۱۰۶/۲ حدیث رقم ۱۹۰۵۳۔ وأحمد فی المسند ۱۴۹/۴۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک بکریوں کا ریوڑ دیا تا کہ وہ اسے صحابہؓ میں قربانی کے لئے تقسیم کریں۔ تقسیم کے بعد بکریوں کا ایک بچہ باقی رہ گیا۔ انہوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا آپ اس کی قربانی کر لیں اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے دنبے کا ایک بچہ ملا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم اس کی قربانی کر لو۔ (بخاری)

تشریح ۞ ضحایا یہ یقسمها کی ھا ضمیر سے حال ہے کہ عقبہ بن عامرؓ کو آنحضرت ﷺ نے ایک بکریوں کا ریوڑ دیا کہ وہ صحابہ میں تقسیم کر دیں تا کہ وہ قربانی کر لیں۔ سب مال تقسیم کر دیا ایک عتود رہ گیا۔ امام صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق عتود اس بکری کے بچے کو کہتے ہیں جو ایک سال کا ہو اور موٹا تازہ ہو اس لئے کہ بکری کا بچہ اگر موٹا تازہ ہو اور اس کی عمر ایک سال سے کم ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ عتود بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جو چھ ماہ کا ہو اس صورت میں یہ حضرت عقبہ بن عامر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ دوسروں کے لئے اس کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ جس طرح کہ کئی صحابہؓ کے ساتھ بعض کام مخصوص تھے جیسے حضرت خزیمہؓ کی گواہی کو

آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں کے برابر قرار دیا تھا اور اسی طرح ایک صحابی پر روزہ کے افطار کی وجہ سے کفارہ لازم ہوا آنحضرت ﷺ نے ان کو کفارے کا حکم دیا انہوں نے کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں فرمایا کہ بیٹھ جاؤ کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا فرمایا کہ مدینہ والوں میں تقسیم کر دو تو عرض کرنے لگے کہ میرے بچے سب سے زیادہ مستحق ہیں تو فرمایا جاؤ خود ہی کھالو۔

اونٹ میں نحر اور باقی جانوروں میں ذبح افضل ہے

(۵/۱۳۵۹)وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٤٦/٢ حديث رقم ٩٨٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قربانی کے جانور کو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے عیدگاہ میں۔ (بخاری)

تشریح ۞ اونٹ کے ذبح کرنے کو نحر کہتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کی گردن کے بالکل آخر میں چھری کو سیدھا اندر مارا جائے اونٹ کو ذبح کرنا بھی جائز ہے لیکن نحر افضل ہے۔ اونٹ کے علاوہ باقی جانوروں کو زمین پر لٹا کر ذبح کرنا مسنون ہے۔ جس طرح کہ اس باب کی پہلی حدیث میں گزر چکا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی سب سے بہترین جگہ عیدگاہ ہے تاکہ سب لوگوں کے سامنے ہو اور ان کو ترغیب ہو اور فقراء کو گوشت آسانی سے ایک جگہ سے مل جائے۔

اونٹ اور گائے میں سات آدمی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں

(۶/۱۳۶۰)وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ

(رواہ مسلم وابو داود واللفظ لہ)

أخرجه مسلم في صحيحه ٩٥٥/٢ حديث رقم (٣٥٢۔ ١٣١٨)۔ وأبوداوٗد في السنن ٢٣٩/٣ حديث رقم ٢٨٠٨۔ والنسائي ٢٢٢/٧ حديث رقم ٤٣٩٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے لئے ایک گائے اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ (مسلم۔ ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سات آدمی مل کر ایک گائے ذبح کر لیں اس میں سات آدمیوں کی قربانی ہو جائے گی۔ اسی طرح اونٹ میں بھی لیکن شرط یہ ہے کہ سب کی نیت قربانی کی ہو نہ کہ گوشت کی اور دکھلاوے کی۔

قربانی کرنے والے کے لئے کچھ مستحب امور

(۷/۱۳۶۱)وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ وَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَّلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ رَاٰى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٥٦٥/٣ حديث رقم (٣٩۔ ١٩٧٧)۔ وأبوداوٗد في السنن ٢٢٨/٣ حديث رقم ٢٧٩١۔ وأخرجه الترمذي في السنن ٨٦/٤ حديث رقم ١٥٢٣ والنسائي ٢١١/٧ حديث رقم ٤٣٦٤۔ وابن ماجة ١٠٥٢/٢ حديث رقم ٣١٤٩۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے تو تم میں

سے جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہوتو وہ اپنے بال اور ناخن بالکل نہ کٹوائے اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ پس ہرگز بال نہ کٹوائے اور نہ ہی ناخن تراشے۔اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص عیدالاضحیٰ کا چاند دیکھ لے اور اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہوتو وہ قربانی تک اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔(مسلم)

تشریح ۞ جس آدمی کا قربانی کا ارادہ ہوتو جب ذی الحجہ کا چاند نظر آ جائے تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ نہ ہی ناخن کاٹے اور نہ ہی بال۔جب قربانی کر لے تو اس کے بعد بال بھی کاٹے اور ناخن بھی ہر ایک بال اور ناخن پہ نیکی ملے گی۔لیکن اگر کوئی کاٹتا ہے تو گناہ نہیں ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی بال یا ناخن تراش لیتا ہے تو مکروہ ہے۔

عشرہ ذوالحجہ کے اعمال کی فضیلت

(۸/۱۳۶۲)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَيَّامِ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاالْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَاجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۴۵۷/۲۔ حديث رقم ۹۶۹۔ وأخرجه أبوداؤد ۸۱۵/۲ حديث رقم ۲۴۳۸۔ والترمذي ۱۳۰/۳ حديث رقم ۷۵۷۔ وابن ماجه ۵۵۰/۱ حديث رقم ۱۷۲۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی ایسے ایام نہیں ہے کہ ان میں نیک عمل کرنا اللہ کے ہاں ان دس دنوں سے (یعنی ذوالحجہ کے پہلے عشرہ سے) زیادہ پسند ہو صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی ان دنوں کے اعمال کے برابر نہیں ہے۔آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی ان کے برابر نہیں۔مگر وہ شخص جو اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں نکلا ہو اور پھر وہ بالکل واپس نہ آیا ہو۔(یعنی اس کے اعمال ان دنوں سے بھی زیادہ افضل ہیں)

تشریح ۞ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ذوالحجہ کے دس دنوں میں اعمال کرنا اللہ کے ہاں بہت ہی محبوب ہے یہاں تک کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ افضل ہے لیکن اگر جہاد ایسا ہو کہ اس میں مجاہد اپنی جان اور مال کے ساتھ حاضر ہو اور اپنی جان کو اپنے رب کے راستے میں لٹا دے اس کا عمل اللہ کے ہاں ان دس دنوں کے نیک اعمال سے زیادہ محظوظ ہے اس لئے کہ جو مشقت اور قربانی اس میں ہے اس میں نہیں۔

سوال: بہت سی احادیث میں رمضان کی راتوں کی عبادت کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ رمضان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ کے اعمال عنداللہ زیادہ محبوب ہیں بظاہر تعارض ہے۔

جواب نمبر۱: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے ایام کے علاوہ باقی ایام میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال ذوالحجہ کے دس دنوں کے ہیں۔

جواب نمبر۲: دونوں کی حیثیت میں فرق ہے کہ رمضان کے اعمال اس لئے زیادہ محبوب ہیں کہ ان میں فرض روزے رکھے جاتے ہیں اور لیلۃ القدر کی عظیم رات بھی اسی میں ہے اور عشرہ ذوالحجہ کے اعمال اس حیثیت سے زیادہ محبوب ہیں کہ ان ایام میں افعال حج ادا ہوتے ہیں جو کہ فرائض ہیں اور ان ہی دس دنوں میں ایک عظیم دن یعنی عرفہ بھی آتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ذوالحجہ کے پہلے دس دن بابرکت ہیں کیوں کہ ان میں حج ادا ہوتا ہے جو کہ فرض ہے اس لئے ان ایام کی عبادت بھی انتہائی محبوب ہے اور رمضان اس لئے بابرکت ہے ان میں بھی فرض ادا ہوتا ہے۔(یعنی روزے) اس لئے اس کی عبادت بھی عنداللہ انتہائی محبوب ہے۔

الفصل الثانی:

خصی جانور کی قربانی جائز ہے

(۹/۱۳۶۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الذَّبْحِ کَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَوْجُوْئَیْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ (رواہ احمد وابوداود وابن ماجة والدارمی وفی روایة لِاَحْمَدَ وَاَبِی داود والترمذی) ذَبَحَ بِیَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۳/۲۳۰ حدیث رقم ۲۷۹۵۔ والترمذی ۸۵/۴ حدیث رقم ۱۵۲۱ وابن ماجه ۱۰۴۳/۲ حدیث رقم ۳۱۲۱۔ والدارمی ۱۵۳/۲ حدیث رقم ۱۹۴۶۔ وأحمد فی المسند ۳۷۵/۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے (قربانی کے دن) دو مینڈھے ذبح کئے جو سینگ والے اور چتکبرے اور خصی تھے پس جب ان کے ذبح کرنے کے لئے قبلہ رخ لٹایا تو فرمایا (یعنی یہ دعا پڑھی) انی وجھت وجھی الخ۔ کہ بے شک میں اپنے چہرہ کو متوجہ کرتا ہوں اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اس حال میں کہ میں ملت ابراہیمی پر ہوں جو کہ یکسو تھے اور نہیں ہوں میں مشرکین میں سے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کہ جہانوں کو پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ یہ قربانی تیری عطاء سے ہے اور تیرے لئے ہی ہے محمد ﷺ اور ان کی امت کی طرف سے۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا اور پھر ذبح کر دیا (احمد۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی) احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر (یعنی واؤ کا اضافہ کے ساتھ) اللہ کے نام سے اللہ بہت بڑا ہے یہ قربانی میری طرف سے ہے اور میری امت میں سے ان افراد کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی۔

تشریح ۞ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ علماء امت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نبوت ملنے سے قبل بھی کبھی بت پرستی اور خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے اب یہ کہ نبوت ملنے سے قبل آپ کی عبادت کی نوعیت کیا تھی یہ مخفی ہے اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس طرح عبادت کرتے تھے۔ لیکن آیا آپ ﷺ نبوت ملنے سے قبل کس شریعت کے پابند تھے تو اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

قول نمبر ①: بعض علماء کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع ہو کر خداوند قدوس کی عبادت کرتے تھے۔
قول نمبر ②: بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ نبوت ملنے سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔
قول نمبر ③: آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔
قول نمبر ④: نبوت ملنے سے قبل آپ ﷺ کسی شریعت کے پابند و تابع نہیں تھے بلکہ اپنے اجتہاد اور فہم و عقل کی بناء پر عبادت کرتے تھے اور یہی قول صحیح ہے۔

موجوئین: خصی اس جانور کو کہتے ہیں جس کے خصیتین نکال کر دیئے گئے ہوں ایسا جانور اگر موٹا تازہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے

نیز ایسے جانور کا گوشت لذیذ ہوتا ہے کیونکہ شہوت ختم ہو جاتی ہے اور شہوت والی طاقت بھی گوشت کی طرف ہوتی ہے۔

وعن أمة محمد ﷺ: ایک قربانی آنحضرت ﷺ اپنی طرف سے کرتے تھے اور دوسری اپنی امت کی طرف سے اب یہ عن محمد ﷺ وعن امۃ محمد ﷺ کے الفاظ یا تو اپنی امت کو ثواب میں شریک کرنے کے لئے فرماتے تھے کیونکہ ایک جانور کی قربانی متعدد کی طرف سے جائز نہیں یا یہ حقیقت پر محمول ہے کہ اپنی ساری امت کے ان افراد کی طرف سے قربانی کی جو قربانی نہ کر سکیں تو پھر یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہوگا۔ نیز آنحضرت ﷺ نے مینڈھے خود ذبح کیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اگر خود نہ کر سکتا ہو تو پھر قصائی وغیرہ سے ذبح کروالے۔

فوت ہوئے کی طرف سے قربانی درست ہے

(۱۰/۱۳۶۴) وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَا هٰذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَوْصَانِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ۔ (رواه ابوداود وروى الترمذى نحوه)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲۲۷/۳ حدیث رقم ۲۷۹۰۔ والترمذی ۷۱/٤ حدیث رقم ۱٤۹٥ وأحمد فی المسند ۱۵۰/۱۔

ترجمہ: حضرت حنش فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ وہ دو دنبے قربانی کرتے تھے تو میں نے آپؓ سے عرض کیا یہ کیا؟ (یعنی دو دنبوں کی قربانی کیوں کرتے ہو) تو فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں (ان کی وفات کے بعد) ان کی طرف سے قربانی کروں پس میں اب آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی جائز ہے لیکن اس کا گوشت دوسری قربانی کے گوشت کی طرح تین حصے نہ کرے بلکہ سب غرباء میں تقسیم کر دے۔ بعض علماء مثلاً عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے صدقہ خیرات کیا جائے قربانی جائز نہیں لیکن جمہور کے نزدیک جائز ہے دلیل یہی روایت ہے۔ بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کا ہر سال یہ معمول تھا کہ وہ ایک جانور اپنی طرف سے بطور قربانی ذبح کرتے تھے اور دوسرا حضور ﷺ کی طرف سے۔

عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں

(۱۱/۱۳۶۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ وَأَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ۔ (رواه الترمذى وابوداود والنسائى والدارمى وابن ماجة وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ إِلَى قَوْلِهٖ وَالْأُذُنَ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۷۳/٤ حدیث رقم ۱٤۹۸۔ والنسائی ۲۱٦/۷ حدیث رقم ٤۳۷۳۔ وابن ماجہ ۱۰۵۰/۲ حدیث رقم ۳۱٤۲۔ والدارمی ۱۰٦/۲ حدیث رقم ۱۹٥۲۔ وأحمد فی المسند ۱۰۸/۱۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم (قربانی کا جانور خریدتے وقت اس کا) کان اور آنکھ کو اچھی طرح چیک کر لیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی یا پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو اور نہ ہی اس جانور کی جس کے کان لمبائی میں چیرے ہوئے ہوں۔ یا گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی۔ نسائی) ابن ماجہ کی روایت صرف الاذن تک ہے۔

تشریح ۞ یہ حدیث احناف کے نزدیک نہی تنزیہی پر محمول ہے کیونکہ احناف کے نزدیک جس جانور کا کان آگے سے چیرا ہوا ہو یا پھٹا ہوا ہو وغیرہ اس کی قربانی جائز ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حدیث نہی حقیقی پر محمول ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جس جانور کا

تھوڑا سا بھی کان کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

وہ عیب جن کی وجہ سے قربانی جائز نہیں: احناف کے نزدیک اگر کسی جانور میں مذکورہ عیوب میں سے کوئی عیب ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

(۱) ایسا لنگڑا جانور جو کہ چل کر قربان گاہ تک بھی نہ جا سکتا ہو۔ (۲) جو جانور اندھا ہو۔ (۳) جس جانور کے تھن خشک ہو گئے ہوں۔ (۴) ایسا بیمار جانور جو کہ گھاس وغیرہ نہ کھا سکتا ہو۔ (۵) جس کی مغز نہ ہو۔ (۶) ایسا جانور جس کے دانت نہ ہوں گھاس بھی نہ کھا سکتا ہو۔ (۷) کانا جانور۔ (۸) ایسا جانور جس کے کان پیدائشی نہ ہوں۔ (۹) جس کا تہائی یا زائد کان کٹا ہوا ہو۔ (۱۰) تہائی یا زائد دم کٹی ہوئی ہو۔

ٹوٹے سینگ والے جانور کی قربانی کا مسئلہ

(۱۲/۱۳۶۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه أبوداود في السنن ۲۳۸/۳ حديث رقم ۲۸۰۵ ـ والترمذي ۷۶/۴ حديث رقم ۱۵۰۴ والنسائي ۲۱۷/۷ حديث رقم ۴۳۷۷ـ وابن ماجه ۱۰۵۱/۲ حديث رقم ۳۱۴۵ـ وأحمد في المسند ۸۳/۱ـ

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں اور کان کٹے ہوئے ہوں۔ (ابن ماجہ)

تشریح ❁ یہ حدیث بھی نہی تنزیہی پر محمول ہے کیونکہ احناف کے نزدیک ایسے جانور کی قربانی درست ہے جس کے دونوں سینگ پیدائشی طور پر ہی نہ ہوں یا اوپر سے ایک ٹوٹ گیا ہو یا اس کا خول اتر گیا ہو لیکن ایسا جانور کہ جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا ہو اور چوٹ دماغ تک پہنچ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

(۱۳/۱۳۶۷) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوْرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ۔

(رواه مالك واحمد والترمذي وابوداود والنسائي ابن ماجة والدارمي)

أخرجه أبوداود في السنن ۲۳۵/۳ حديث رقم ۲۸۰۲ـ والترمذي ۷۲/۴ حديث رقم ۱۴۹۷ـ والنسائي ۲۱۵/۷ حديث رقم ۴۳۷۰ـ وابن ماجه ۱۰۵۰/۲ حديث رقم ۳۱۴۴ـ والدارمي ۱۰۵/۲ حديث رقم ۱۹۴۹ـ ومالك في الموطأ ۴۸۲/۱ حديث رقم ۱ من كتاب الضحايا۔ وأحمد في المسند ۲۸۹/۴ـ

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کس جانور کی قربانی سے بچا جائے تو آپ ﷺ نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار قسم کے جانور (۱) لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔ (۲) ایسا کانا کہ اس کا کانا پن ظاہر ہو۔ (۳) ایسا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو۔ (۴) ایسا دبلا کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ (مالک۔ ترمذی)

تشریح ❁ یہ حدیث احناف کی مؤید ہے کیونکہ لنگڑے جانور سے مراد وہ جانور ہے جس کا لنگڑا پن ایسا ہو کہ وہ چل بھی نہ سکے کانے سے مراد یہ ہے کہ جس کی ایک آنکھ کی روشنی بالکل نہ ہو یا تہائی سے زائد نہ ہو۔

موٹے تازے جانور کی قربانی کرنی چاہیے

(۱۴/۱۳۶۸) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُضَحِّيْ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ وَّيَاْكُلُ فِيْ سَوَادٍ وَيَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ۔ (رواه الترمذي وابوداود وابن ماجه)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳/۲۳۱ حدیث رقم ۲۷۹۶۔ والترمذی ٤/۷۲ حدیث رقم ۱٤۹٦۔ والنسائی ۷/۲۲۰ حدیث رقم ٤۳۹۰۔ وابن ماجه ۲/۱۰٤٦ حدیث رقم ۳۱۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایسے سینگ دار اور موٹے دنبے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا اور سیاہی میں کھاتا تھا اور سیاہی میں چلتا تھا۔ (ترمذی۔ابوداؤد۔ابن ماجہ۔نسائی)

تشریح ؂ اگر ایسا موٹا جانور ہو جس کا گوشت صحیح اور تازہ ہو خراب نہ ہو تو ایسے جانور کی قربانی دبلے جانور کی قربانی سے بہتر ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک موٹی تازی بکری کی قربانی دو کمزور اور دبلی بکریوں کی قربانی سے افضل ہے۔

بھیڑ کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی جائز ہے

(۱۵/۱۳٦۹)وَعَنْ مُجَاشِعٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الْجَذَعَ یُوَفِّیْ مِمَّا یُوَفِّیْ مِنْهُ الثَّنِیُّ۔ (رواہ ابو داود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳/۲۳۳ حدیث رقم ۲۷۹۹۔ والنسائی ۷/۲۱۹ حدیث رقم ٤۳۸٤۔ وابن ماجه ۲/۱۰٤۹ حدیث رقم ۳۱٤۰ وأحمد فی المسند ۵/۳٦۸۔

ترجمہ: حضرت مجاشعؓ جو کہ قبیلہ بنو سلیم کے ایک فرد ہیں ان سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جذعہ کافی ہے اس سے کہ جس میں ثنی کافی ہو۔ (ابوداؤد۔ابن ماجہ۔نسائی)

تشریح ؂ ثنی بھی قربانی کے جانوروں کے بارے میں ایک اصطلاح ہے بکری میں ثنی وہ ہے جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں شروع ہو چکی ہو اور اونٹ میں ثنی وہ ہے جو کہ پانچ سال پورے کر کے چھٹے سال میں داخل ہو اور جذع وہ بھیڑ کا بچہ ہے جو کہ چھ ماہ سے زیادہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بھیڑ کا چھ مہینے کا بچہ جو کہ موٹا تازہ ہو وہ قربانی کیا جا سکتا ہے جس طرح کہ ثنی جانور کی قربانی کی جا سکتی ہے اسی طرح وہ عقیقہ میں بھی لگ سکتا ہے۔

(۱٦/۱۳۷۰)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ نِعْمَةُ الْاُضْحِیَةِ الْجَذَعُ مِنَ الضَّاْنِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/۷٤ حدیث رقم ۱٤۹۹ وأحمد فی المسند ۲/٤٤۵۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ دنبے کے جذع کی قربانی بہتر ہے (ترمذی)

تشریح ؂ اس کی قربانی کی تعریف اس لئے کی کہ اس کا گوشت ذائقے دار ہوتا ہے جب کہ موٹا تازہ ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ فرق بکری اور بھیڑ کے بچے میں بتانا مقصود ہے کہ بھیڑ کے جذع کی قربانی جائز ہے اور بکری کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی جائز نہیں ہے۔

قربانی کے حصے

(۱۷/۱۳۷۱)وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰی فَاشْتَرَکْنَا فِی الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَّفِی الْبَعِیْرِ عَشَرَةً۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجة وقال الترمذی ھذاحدیث حسن غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/۷۵ حدیث رقم ۱۵۰۱۔ والنسائی ۷/۲۲۲ حدیث رقم ٤۳۹۳۔ وابن ماجه ۲/۱۰٤۷ حدیث رقم ۳۱۳۱ وأحمدفی المسند ۱/۲۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عید قربان کا موقع آ گیا تو گائے کی

قربانی میں ہم سات آدمی شریک ہوئے اور اونٹ کی قربانی میں ہم دس آدمی شریک ہوئے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ نسائی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح ۞ آیا ایک اونٹ میں کتنے آدمی شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

مذہب اول: امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ایک اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی اونٹ کی قربانی دس بندوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

دلیل: مذکورہ حدیث میں ہے: وَفِی الْبَعِیْرِ عَشَرَۃً۔ کہ ہم اونٹ میں دس آدمی شریک تھے۔

جواب: جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے۔

مذہب ثانی: جمہور ائمہ کے نزدیک چاہے گائے ہو یا اونٹ اس میں سات آدمی شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں اس سے زائد نہیں۔

دلیل: مسلم شریف کی روایت ہے: وفیہ۔ عن جابرؓ ان النبی ﷺ قال البقرۃ عن سبعۃ والجزور عن سبعۃ۔ کہ گائے اور اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔

دس ذوالحجہ کو سب سے پسندیدہ عمل قربانی ہے

(۱۳۷۲/۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاعَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۴/۷۰ حدیث رقم ۱۴۹۳ وابن ماجه ۲/۱۰۴۵ حدیث رقم ۳۱۲۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کا نحر یعنی قربانی کے دن ایسا کوئی عمل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے سے زیادہ محبوب ہو اور بے شک وہ (یعنی قربانی میں ذبح شدہ جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں کے ساتھ اور اپنے کھروں کے ساتھ اور بالوں کے ساتھ آئے گا اور بے شک قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے لہٰذا تم اس کی وجہ سے اپنے نفس کو خوش کرو۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

تشریح ۞ حدیث مبارکہ میں قربانی کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ دس ذوالحجہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل قربانی ہے اور جانور ذبح کرنے کے بجائے اس کی قیمت وغیرہ دینا اور اس کو اچھا سمجھنا بالکل گمراہی ہے۔ اور قربانی کا جانور قیامت والے دن اپنے بالوں اور کھروں اور سینگوں کے ساتھ آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وزن اعمال میں تولا جائے گا اور اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کا نعم البدل بن جائے گا۔ اسی لئے حدیث کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا کہ ان فضائل کو سن کر خوش ہو جاؤ۔ اور مطمئن ہو جاؤ کیونکہ قربانی کرنے کی وجہ سے آخرت میں انعامات ملنے کی امید اور بشارت ہے اور اصل آخرت ہی ہے۔

عشرہ ذوالحجہ کی عبادت کی فضیلت

(۱۳۷۳/۱۹) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِى الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِّنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

(رَوَاهُ الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی اسناده ضعیف)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳/۱۳۱ حدیث رقم ۷۵۸ وابن ماجه ۱/۵۵۱ حدیث رقم ۱۷۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایسا کوئی عمل نہیں کہ اس میں عبادت کرنا عشرہ ذوالحجہ سے زیادہ افضل ہو اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس عشرہ کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث میں ذوالحجہ کے عشرۂ اولی کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس میں قربانی کرنا اور دیگر نفلی عبادات کرنا بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ باقی تفصیلی بحث باب العید میں گزر چکی ہے۔

الفصل الثالث:

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد ہے

(۲۰/۱۳۷۴)عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَعْدُاَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَيَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ اَوْنُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَفِيْ روايةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲ حدیث رقم ۹۸۵ ومسلم ۱۵۵۱/۳ حدیث رقم (۱۔ ۱۹۶۰)۔ والترمذی فی السنن ۷۸/۴ حدیث رقم ۱۵۰۸۔ والنسائی ۲۱۲/۷ حدیث رقم ۴۳۶۸۔ وابن ماجه ۱۰۵۳/۲ حدیث رقم ۳۱۵۲۔ واحمد فی المسند ۱۱۳/۳۔

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں قربانی کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز کے لئے عیدگاہ میں حاضر ہوا ابھی آپ ﷺ خطبہ اور نماز سے پوری طرح فارغ نہیں ہوئے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ قربانی کا گوشت رکھا ہوا ہے اور نماز عید سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربانی ہوگئی ہے پس آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے عید کی نماز پڑھنے سے قبل قربانی کی یا فرمایا کہ ہمارے نماز پڑھنے سے قبل قربانی کی تو اسے چاہئے کہ اس جانور کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور ایک روایت میں ہے حضرت جندب فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے عید قربان کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر قربانی کا جانور ذبح کیا اور فرمایا کہ کہ جس شخص نے قربانی کا جانور ذبح کیا ہے اس سے پہلے کہ وہ عید کی نماز پڑھ لے یا ہم عید کی نماز پڑھ لیں پس چاہئے کہ وہ اس کی جگہ اور جانور ذبح کرے اور جس شخص نے نماز عید سے پہلے جانور ذبح نہیں کیا اسے چاہیے کہ وہ عید کی نماز کے بعد اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ (بخاری)

تشریح ۞ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز اور خطبہ کے ختم ہونے سے پہلے قربانی کرنا ناجائز ہے۔

قربانی کے تین دن ہیں

(۲۱/۱۳۷۵)وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ الْاَضْحٰى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْاَضْحٰى رواه مالك وَقَالَ بَلَغَنِيْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مِثْلَهٗ۔

أخرجه مالك فی الموطأ ۲۸۷/۲ حدیث رقم ۱۲ من کتاب الضحایا۔

ترجمہ: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ عید الاضحیٰ کے دن کے بعد بھی قربانی کے دو دن ہیں۔
(مالک) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے بھی ایک ایسی روایت مجھ تک پہنچی ہے۔

تشریح ۞ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قربانی صرف دس گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو کی جاسکتی ہے۔ بارہ ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد قربانی جائز نہیں۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل یہی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے جو کہ خلاف قیاس ہے اور مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ امام شافعیؒ اور غیر مقلدین کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں۔ دس۔ گیارہ اور بارہ ذوالحجہ اور تیرہ ذوالحجہ کی غروب آفتاب کے بعد قربانی کا وقت ختم ہو جائے گا۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایام تشریق سارے کے سارے قربانی کے ایام ہیں۔
جواب ا: ایام تشریق میں تو پھر ۹ ذوالحجہ بھی داخل ہے اس میں بھی تو قربانی ہونی چاہئے حالانکہ اس کا تو کوئی قائل نہیں ہے۔
جواب ثانی: یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں۔

قربانی کے وجوب کی دلیل

(۲۲/۱۳۷۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِیْنَةِ عَشْرَ سِنِیْنَ یُضَحِّیْ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٧٨ حدیث رقم ١٥٠٧۔ وأحمد فی المسند ٢/٣٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ یہ حدیث قربانی کی فضیلت اور وجوب پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مداومت کے ساتھ قربانی کی۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ قربانی واجب ہے۔

قربانی کی ابتداء

(۲۳/۱۳۷۷) وَعَنْ زَیْدِبْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِیُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْهَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔ (رواہ احمد وابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ٢/١٠٤٥ حدیث رقم ٣١٢٧۔ وأحمد فی المسند ٤/٣٦٨۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ قربانی کی کیا حقیقت ہے فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جاری کردہ طریقہ ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا پھر ہمارے لئے اس میں کیا ہے یعنی کتنا ثواب ہے اے اللہ کے رسول۔ فرمایا کہ ہر بال کے بدلے نیکی ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ اون کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اون کے ہر بال کے بدلے بھی نیکی ہے۔ (احمد)

تشریح ۞ صحابہ کرام کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جاری کردہ طریقہ ہے اور یہ وہ طریقہ ہے کہ جس میں ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو ہماری شریعت بنا دیا گیا ہے جیسے اللہ کا ارشاد ہے۔ اتبع ملة ابراهیم حنیفا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس میں ہمیں کیا ثواب ملے گا فرمایا کہ ہر بال کے بدلے نیکی ہے بھیڑ کی اون پر چونکہ بال کا

اطلاق نہیں ہوتا اس لئے صحابہ نے اس کی اور تفتیش کرتے ہوئے اس کا حکم بھی دریافت کیا تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اون کے بھی ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔

بَابُ الْعَتِيْرَةِ

عتیرہ کا بیان

عتیرہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جو رجب کے مہینے میں ذبح کیا جاتا تھا اور اب اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عتیرہ منسوخ ہے جائز نہیں ہے۔

الفصل الاول:

فرع اور عتیرہ کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں

(۱/۱۳۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهُ لِطَوَاغِيْتِهِمْ وَالْعَتِيْرَةُ فِيْ رَجَبَ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۹۶/۹۔ حدیث رقم ۵۴۷۴۔ ومسلم ۱۵۶۴/۳ حدیث رقم (۳۸۔ ۱۹۷۶)۔ وأبوداوٗد فی السنن ۲۵۶/۳ حدیث رقم ۲۸۳۱۔ والترمذی ۸۱/۴ حدیث رقم ۱۵۱۲۔ والنسائی ۱۶۷/۷ حدیث رقم ۴۲۲۲۔ وابن ماجه ۱۰۵۸/۲ حدیث رقم ۳۱۶۸۔ والدارمی ۱۱۰/۳ حدیث رقم ۱۹۶۴۔ وأحمد فی المسند ۲۳۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام میں فرع اور عتیرہ نہیں ہے۔ فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا تھا اور وہ اس کو اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور عتیرہ وہ جانور ہے جو رجب میں ذبح کیا جاتا تھا۔ (بخاری)

تشریح ۞ فرع جانور کے اس بچے کو کہتے ہیں جو پہلا پہلا پیدا ہو کافر اس کو اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے ذبح کرتے تھے اور مسلمان اس کو ابتدائے اسلام میں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتے تھے لیکن بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا کیونکہ اس سے کفار کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔

عتیرہ: عتیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو مشرکین مکہ رجب کے پہلے عشرہ میں بتوں کا قرب حاصل کرنے لئے ان کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اور ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی رجب میں اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔ لیکن بعد میں اس کو منسوخ کر دیا اس لئے کہ اس میں بت پرستوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور اس عتیرہ کے بارے میں صحیح قول یہی ہے۔

الفصل الثانی:

عتیرہ منسوخ ہے

(۲/۱۳۷۹) عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ كُنَّا وُقُوْفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ عَلٰى كُلِّ اَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ اُضْحِيَّةٌ وَعَتِيْرَةٌ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِيْرَةُ هِيَ الَّتِيْ تُسَمُّوْنَهَا الرَّجَبِيَّةُ۔

(رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حدیث غریب ضعیف الاسناد وقال

ابو داود) وَالْعَتِيرَةُ مَنْسُوخَةٌ ۔

أخرجه أبوداوٗد في السنن ٣/٢٢٦ حديث رقم ٢٧٨٨۔ والترمذي ٤/٩٩ حديث رقم ١٥١٨۔ والنسائي ٧/١٦٧ حديث رقم ٤٢٢٤۔ وابن ماجه ٢/١٠٤٥ حديث رقم ٣١٢٥۔ وأحمد في المسند ٤/٢١٥۔

ترجمہ: حضرت مخنف بن سلیم فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ میدان عرفات میں کھڑے تھے پس میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا اور عتیرہ کرنا واجب ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ عتیرہ کیا ہے فرمایا عتیرہ وہ ہے کہ جس کو تم رجبیہ کہتے ہو۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب اور ضعیف ہے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عتیرہ منسوخ ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عتیرہ اب بھی واجب ہے کیونکہ اس اعتبار سے یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی روایت میں ابورملہ راوی ہیں جو کہ مخنف بن سلیم سے روایت کرتے ہیں اور وہ مجہول ہیں۔

الفصل الثالث:

(۱۳۸۰/۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ بِيَوْمِ الْاَضْحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِيْحَةً اُنْثٰى اَفَاُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَاَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (رواه ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٣/٢٢٧ حديث رقم ٢٧٨٩۔ والنسائي ٧/٢١٢ حديث رقم ٤٣٦٥ وأحمد في المسند ٢/١٦٩۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قربانی کے دن کو عید بنالوں اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اس امت کے لئے عید بنایا ہے تو ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں سوائے مادہ منیحہ جانور کے کچھ نہ پاؤں تو کیا پھر میں اس کی قربانی کرلوں تو فرمایا کہ نہیں لیکن تو اپنے بال کٹوا لے اور اپنے ناخن تراش لے اور اپنی مونچھوں کو تراش لے اور زیر ناف بالوں کو مونڈ لے پس یہ تمام کے تمام اللہ کے ہاں آپ کی قربانی بن جائیں گے۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

تشریح ۞ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تنگ دست پر قربانی واجب نہیں۔ اور منیحہ مشتق ہے منح سے اس کا لغوی معنی ہے عطیہ اور اصطلاح کے اندر منیحہ وہ جانور ہے کہ جس کو اہل عرب کسی غریب اور محتاج کے دے دیتے تھے۔ تاکہ وہ اس کے دودھ اور اون اور بچوں وغیرہ سے فائدہ حاصل کرلے اور حاجت پوری ہونے کے بعد واپس کردے۔ تو مذکورہ صحابی کے پاس بھی اسی طرح کا ہی جانور تھا اس کی قربانی کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا۔ دو وجہ سے: ① وہ آدمی فقیر تھا۔ اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی ایسا جانور بھی نہیں تھا کہ جس سے وہ اپنی حاجت پوری کر سکے۔ ② قواعد کے مطابق وہ جانور اس کی ملکیت میں بھی نہیں تھا کیونکہ واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اب یہ کہ تنگ دست پر قربانی ہے، یا نہیں تو اس میں تین قول ہیں: ① امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تنگ دست پر قربانی نہیں۔ صرف اس شخص پر واجب ہے جو نصاب کا مالک ہو۔ یعنی جس پر زکوٰۃ واجب ہو لیکن وجوب زکوٰۃ کے لئے مال کا نامی ہونا شرط ہے یہاں یہ شرط موجود نہیں ہے۔ ② بعض علماء فرماتے ہیں کہ تنگ دست پر قربانی واجب ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ تنگ دست پر قربانی واجب تو نہیں لیکن مستحب ہے اگر کرے گا تو بہت بڑا ثواب ہے۔

وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ : اس کا مطلب یہ ہے اگر قربانی نہیں کر سکتا تو بال ناخن تراش لے اور مونچھیں کاٹ لے اور زیر ناف بال صاف کرلے یہ اگرچہ قربانی کا بدل نہیں لیکن کچھ نہ کچھ ثواب مل جائے گا۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ

صلوٰۃ خسوف کا بیان

یہاں عموماً دو لفظ استعمال ہوتے ہیں: (۱) خسوف۔ (۲) کسوف۔ کسوف کا اطلاق سورج گرہن پر ہوتا ہے اور خسوف کا اطلاق زیادہ تر چاند گرہن پر ہوتا ہے اور لغت کے اعتبار سے دونوں لفظوں کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا ہے مثلاً کبھی چاند گرہن کو کسوف کہتے ہیں اور کبھی سورج گرہن کو خسوف کہتے ہیں۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ کسوف سورج گرہن کو کہتے ہیں اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں اس باب میں جتنی بھی احادیث نقل کی گئی ہیں ان کا تعلق سورج گرہن والی نماز سے ہے ایک حدیث چاند گرہن کے متعلق بھی ہے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ مصنف کو چاہئے تھا کہ باب صلوٰۃ الکسوف کا عنوان قائم کرتے۔

حکم: جمہور کے نزدیک صلوٰۃ الکسوف سنت ہے اور احناف کے نزدیک یہ نماز دو رکعت باجماعت بغیر خطبہ کے پڑھی جائے گی اور دوسری نمازوں کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہوں گے اور صلوٰۃ خسوف کی احناف کے ہاں مستقل جماعت نہیں سب لوگ اکیلے اکیلے اپنے طور پر پڑھیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف اور خسوف دونوں جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں گی اور دونوں میں خطبہ بھی ہوگا ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے بھی ہوں گے۔

الفصل الاول:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف طویل پڑھی

(۱/۱۳۸۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خُسِفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَاسَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ۔ (متفق علیه)

أخرج البخاري في صحيحه ٥٣٨/٢۔ حديث رقم ١٠٥١ ومسلم في صحيحه ٦٢٧/٢ حديث رقم (٢٠۔ ٩١٠)۔ وأبو داؤد في السنن ٧٠٣/١ حديث رقم ١١٩٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوگیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو بھیجا کہ وہ الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا لگائے۔ (کہ اے لوگو! نماز جمع کرنے والی ہے) پس جب لوگ جمع ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی جن میں چار رکوع اور چار سجدے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی رکوع اس سے لمبا نہیں کیا اور نہ ہی کبھی اس سے طویل سجدہ کیا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ❀ آیا صلوٰۃ کسوف کس طرح پڑھی جائے گی اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

مذہب اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسری نمازوں کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کیے جائیں گے۔

دلیل اوّل: حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف باقی نمازوں کی طرح پڑھائی۔

دلیل ثانی: قبیصہ بن المبارک الہدی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: فاذا رایتموها فصلوا کاحدث صلوٰة صلیتموها من المکتوبة۔ کہ تم جب کسوف شمس کو دیکھو تو اس فرض نماز کی طرح نماز پڑھو جو تم نے قریب ترین زمانہ میں پڑھی ہے اور ایسی نماز صلوٰۃ فجر تھی۔ اور یہ روایت قولی ہے اس لئے اس کو سب پر ترجیح ہوگی کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جہاں قول اور عقل میں

تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے۔

مذہب ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے کیے جائیں گے۔

دلیل: حدیث مذکورہ اور اسی طرح وہ تمام احادیث ہیں جن میں دو رکوع اور دو سجدے کا ذکر ہے

جواب: یہ سب روایات فعلی ہیں اور احناف کی دلیل فعلی روایات سے بھی ہے اور قولی سے بھی ہے فعلی روایات آپس میں متعارض ہوگئیں اور قولی بچ گئی لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی اور اگر ان کا تعارض قولی روایت سے بھی ہو تو پھر بھی اس کو ترجیح ہے کیونکہ قولی میں قانون کلی کا بیان ہوتا ہے اور فعلی میں واقعہ جزئیہ بیان ہوتا ہے اس لئے قولی روایت کو فعلی کے مقابلے میں ترجیح ہوگی۔

الصلٰوۃ جامعۃ:

باجماع امت صلٰوۃ کسوف جماعت کے ساتھ عیدگاہ میں یا بڑی جامع مسجد میں پڑھی جائے گی اوقات مکروہ میں نہیں پڑھی جائے گی اور جب لوگ جمع نہ ہوں تو الصلٰوۃ جامعۃ کے الفاظ کے ساتھ کہنا مستحب ہے تاکہ لوگ صلٰوۃ الکسوف کے لئے جمع ہو جائیں۔

نمازِ خسوف کا بیان

(۲/۱۳۸۲) وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِي صَلَاةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهِ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵٤۹۔ حدیث رقم ۱۰٦۵۔ وأبوداؤد فی السنن ۱/۷۰۲ حدیث رقم ۱۱۸۸۔ والترمذی ۲/٤۵۲ حدیث رقم ۵٦۳۔ والنسائی ۳/۱٤۸ حدیث رقم ۱٤۹٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صلٰوۃ خسوف کے اندر بلند آواز سے قراءت کی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس سے مراد وہ نماز ہے جو چاند گرہن کے موقع پر پڑھی جاتی ہے اور یہ نماز رات میں پڑھی جاتی ہے اسلئے قراءت بلند آواز سے کی اسکو صلٰوۃ کسوف پر محمول نہ کرنا بالکل واضح ہے اسلئے کہ کسوف شمس میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس میں قراءت آہستہ کی جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سورج گرہن کے موقع پر لوگوں کے اعتقاد فاسد کی نفی کرنا

(۳/۱۳۸۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ

فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهُ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَابَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَاَيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَكَا الْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ اَفْظَعَ وَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ فَقَالُوْا بِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؟قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٢/٥٤٠۔ حدیث رقم ١٠٥٢۔ مسلم فی صحیحه ٢/٦٢٦ حدیث رقم (١٧۔ ٩٠٧)۔ وأبوداؤد فی السنن ١/٧٠٢ حدیث رقم ١١٨٩۔ والنسائی فی السنن ٣/١٣٧ حدیث رقم ١٤٨٢۔ وابن ماجه ١/٤٠٢ حدیث رقم ١٣٦٥ ومالك فی الموطأ ١/١٨٧۔ حدیث رقم ٢ من كتاب صلاة الكسوف وأحمد فی المسند ١/٢٩٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہو گیا پس آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ سورۂ بقرہ کی قراءت کی بقدر لمبا قیام کیا پھر لمبا رکوع کیا اور پھر رکوع سے اٹھ کر طویل قومہ فرمایا۔ لیکن یہ قیام یعنی قومے والا پہلے قیام سے کم تھا پھر طویل رکوع کیا جو کہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر رکوع سے سر اٹھایا پھر سجدہ کیا پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے بہت طویل لیکن وہ پہلی رکعت سے قیام میں کم تھا اور پھر لمبا رکوع کیا جو کہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر اپنا سر اٹھایا پھر سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان کو گرہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا اور نہ ہی کسی کی زندگی کی وجہ سے لگتا ہے۔ پس جب تم اس کو دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی اس جگہ سے کسی چیز کو لینا چاہا پھر ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا آپ پیچھے ہٹ گئے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے جنت دیکھی اور اس سے ایک انگور کا گچھا لینے کا ارادہ کیا اگر میں اس انگور کے گچھے کو لے لیتا تو بلاشبہ تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے۔ اور میں نے جہنم کو دیکھا (یعنی جب تم نے مجھ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا) میں نے کبھی بھی کوئی منظر نہیں دیکھا جو کہ آج کے دن کی طرح خوفناک ہو۔ اور میں نے دیکھا کہ دوزخ میں اکثر عورتیں ہیں صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کس وجہ سے فرمایا کہ ان کی ناشکری کی وجہ سے تو صحابہؓ نے عرض کیا کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ وہ اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں اور نعمتوں اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں اگر تم ان میں سے کسی ایک کے ساتھ پورا زمانہ حسن سلوک کرتے رہو اور پھر وہ تمہاری کی طرف سے کوئی ناگوارہ چیز دیکھ لے تو کہے گی میں نے کبھی بھی آپ کے پاس بھلائی نہیں دیکھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ جس دن آنحضرت ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی اس دن اتفاقاً سورج کو گرہن لگ گیا تو زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ سورج کو گرہن کسی بڑے حادثے کی وجہ سے لگتا ہے لہٰذا آج بھی سورج کو گرہن اس لئے لگا ہے کہ آج بھی بڑا حادثہ پیش آیا ہے اس لئے اس کو گرہن لگ گیا ہے اس کی نفی کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے نشانی ہیں اور اللہ کے حکم کے تابع ہیں کسی کی پیدائش یا موت کی وجہ سے انہیں گرہن نہیں لگتا بلکہ ان دونوں کو گرہن میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرماتے ہیں اور اپنے غیظ و غضب سے لوگوں کو ڈراتے ہیں۔

فاذکروا اللّٰہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سورج یا چاند گرہن ہو اور مکروہ وقت نہ ہو تو صلوٰۃ خسوف اور کسوف پڑھ لو اور اگر مکروہ وقت ہو یا نماز پڑھنے سے کوئی مانع موجود ہو تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور فاذکروا اللہ میں امر استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ صلوٰۃ خسوف اور کسوف واجب نہیں ہیں۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ نے اس نماز کے دوران جنت اور جہنم کا مشاہدہ کیا کہ جنت اور دوزخ کو بالکل آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا آپ ﷺ نے جب جنت کو دیکھا تو اس کے باغات میں سے انگور کا ایک خوشہ توڑنا چاہا لیکن اس کو چھوڑ دیا وجہ یہ تھی کہ نعمتیں دیکھنے کے

بعد ایمان بالغیب نہ رہتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر ایک گچھہ انگور کا میں پکڑ لیتا تو تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے وجہ یہ ہے کہ جنت کے درختوں کی ایک خاصیت ہے جونہی اس کا پھل اتارا جاتا ہے تو فوراً اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جاتا ہے اسی طرح اس انگور کے گچھے سے بھی جتنی دفعہ انگور توڑے جاتے اتنی دفعہ پھر دوبارہ لگ جاتے اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا۔

خسوفِ شمس کی صورت میں دعا تسبیح اور نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے

(۱۳۹۴/۴) وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۵۲۹۔ حديث رقم ۱۰۴۴۔ ومسلم في صحيحه ۲/۶۱۸ حديث رقم (۱۔۹۱) والنسائي ۳/۱۳۲ حديث رقم ۱۴۷۴۔ ومالك في الموطأ ۱/۱۸۶ حديث رقم ۱ من كتاب صلاة الكسوف۔ وأحمد في المسند ۳/۳۷۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کی طرح مروی ہے اور اماں جان فرماتی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے پھر لمبا سجدہ کیا پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا پس آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا پہلے آپ ﷺ نے اللہ کی تعریف کی پھر ارشاد فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان دونوں کو کسی کی موت یا کسی کی زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ لہٰذا جب تم اس کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ پھر فرمایا اے امت محمد ﷺ قسم ہے اللہ کی کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے جبکہ زنا کرتا ہے اس کا کوئی بندہ یا زنا کرتی ہے اس کی کوئی بندی اے امت محمد ﷺ اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم بہت ہی کم ہنسو اور البتہ بہت ہی زیادہ روؤ۔

تشریح ۞ ابتدائی مضمون کے اعتبار سے یہ حدیث بھی ابن عباس کی روایت کی طرح ہے اور کچھ امور اس میں زیادہ ہیں۔ مثلاً دعا تکبیر اور صدقہ اور اسی طرح حدیث کے آخری لفظ۔ یا امة محمد۔

ما من احدا غیر من اللہ: غیرت کا معنی ہے اپنے حق میں کسی غیر کی شرکت کو برا سمجھنا اور اللہ تعالیٰ زیادہ غیرت مند ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی طرف سے نافرمانی اور احکامات کا نہ ماننا یہ برا لگتا ہے۔ مثلاً جب کوئی مرد اور عورت خاص کر اپنے متعلقین میں سے زنا میں مبتلا ہو تو جس طرح ان کے متعلقین کو ان دونوں سے نفرت ہوتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھی ان دونوں سے اس سے بھی کہیں زیادہ نفرت ہوتی ہے۔ اور حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے متعلق جو مجھے معلومات ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا غصہ کتنا زیادہ ہے اس کے متعلق جو میں جانتا ہوں وہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے تو تمہیں بھی آخرت کی فکر لگ جائے اور آخرت کی یاد میں رونا شروع کر دو۔

سورج گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ پر پریشانی کا طاری ہونا

(۱۳۸۵/۵) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَزِعًا يَخْشٰى اَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى بِاَطْوَلِ قِيَامٍ وَّرُكُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَاَيْتُهٗ قَطُّ يَفْعَلُهٗ وَقَالَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ الَّتِيْ يُرْسِلُ

اللّٰهُ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنْ يُّخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَاِذَا رَاَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا اِلٰى ذِكْرِهٖ وَدُعَائِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵٤٥۔ حدیث رقم ۱۰۵۹۔ ومسلم فی صحیحه ۲/۶۲۸ حدیث رقم (۲٤۔ ۹۱۲)۔ وأبو داؤد فی السنن ۱/۶۹٥ حدیث رقم ۱۱۷۷۔ والنسائی ۳/۱۵۳ حدیث رقم ۱۵۰۳ وابن ماجه ۱/٤۰۱ حدیث رقم ۱۲۶۳۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سورج کو گرہن لگ گیا پس آنحضرت ﷺ پریشانی کی حالت میں کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ اس طرح خوف میں مبتلا تھے جیسا کہ قیامت قائم ہوگئی۔ پس آپ ﷺ مسجد میں آئے تو طویل قیام اور رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی اور میں نے ایسا کرتے ہوئے کبھی بھی آپ کو نہیں دیکھا (یعنی اتنا لمبا رکوع اور سجدہ اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں کیا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے یہ نہ کسی کی زندگی (یعنی پیدائش) کی وجہ سے ہوتی ہیں اور نہ ہی فوت ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس جب تم ان میں سے کوئی نشانی دیکھو تو اللہ سے ڈرتے ہوئے جلدی اس کے ذکر اور اس سے دعا مانگنے اور استغفار کرنے میں مشغول ہو جاؤ۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ سورج گرہن اور چاند گرہن اور زلزلوں اور آندھی اور طوفان ان تمام کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حالات کو تبدیل کرنے اور آناً فاناً عذاب کو نازل کرنے اور دنیا کو ملیا میٹ کرنے پر قادر ہے گویا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہوئیں۔ اور آنحضرت ﷺ پر ایسے حالات میں جو خوف طاری ہوتا تھا وہ صرف بنی نوع انسانیت پر شفقت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ کہ کہیں اس میں دنیا کی تباہی اور بربادی کا ہی پیغام نہ ہو اپنی ذات کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ پر کوئی خوف نہ تھا۔

يَخْشٰى اَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ : یہ راوی کا قول ہے اور یہ بطور تمثیل کے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ان حالات کی وجہ سے ایسا خوف طاری ہو جاتا تھا کہ گویا قیامت آ گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ قیامت آ رہی ہے اس وجہ سے خوف زدہ ہوتے تھے اس لئے کہ آپ کو بخوبی معلوم تھا کہ جب تک میں موجود ہوں قیامت نہیں آئے گی۔

صلوٰۃ کسوف کے بارے میں ایک روایت

(۶/۱۳۸۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۶۲۳ حدیث رقم ۹۰٤/۱۰۔

ترجمہ: حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوگیا۔ جس دن آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا پس آپ ﷺ نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔ (مسلم)

تشریح ۞ **سِتَّ رَكَعَاتٍ**: اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ خسوف کی دو رکعات نماز پڑھائی اور ہر رکعت میں تین تین رکوع اور دو دو سجدے کیے اور اسی طرح بعض روایتوں میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر رکعت میں دو دو رکوع کیے اور بعض میں چار یا پانچ کا بھی ذکر ہے اس لئے اس کے بارے میں روایات مضطرب ہیں اور معارض ہیں اس لئے ان سے استدلال صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے حالت اصل کا اعتبار کیا ہے کہ جس طرح باقی نمازوں میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں اسی طرح اس میں بھی ایک رکوع اور دو سجدے ہوں گے۔ اور اسی طرح اور فعلی روایات بھی موجود ہیں جن میں ایک رکوع اور دو سجدوں کا ذکر ہے اور اسی طرح قولی روایات بھی موجود ہیں کہ جن میں ایک رکوع اور دو سجدوں کا حکم ہے۔

مَاتَ اِبْرَاهِيْم: یہ آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے ہیں یہ آپ کی باندی ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ۸ھ میں اور ۱۰ھ میں اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پا گئے جس دن ان کی وفات ہوئی اس دن اتفاقاً سورج کو گرہن لگ گیا تو لوگوں نے یہ گمان کیا حضور ﷺ کے بیٹے کی وفات کی وجہ سے سورج کو گرہن لگ گیا ہے آپ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی جس طرح کہ پہلے تفصیلاً لکھا جا چکا ہے۔

(۱۳۸۷/۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ فِيْ اَرْبَعِ سَجْدَاتٍ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٦٢٧/٢ حديث رقم (١٨۔ ٩٠٨)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سورج گرہن کے وقت آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اور حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (مسلم)

تشریح ۞ وَعَنْ عَلِيٍّ ......: اس کا مطلب کیا ہے اس میں دو احتمال ہیں (۱) یعنی حضرت علیؓ نے بھی آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہی نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورج گرہن کے وقت صلوٰۃ کسوف آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ پڑھائی۔ (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے صلوٰۃ کسوف آٹھ رکوع اور چار سجود کے ساتھ پڑھائی بہرحال ماقبل دلائل سے یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ صلوٰۃ کسوف کا اصل طریقہ یہی ہے کہ ایک رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہوں۔

سورج گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کی طویل دعا

(۱۳۸۸/۸) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِيْ بِاَسْهُمٍ لِيْ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِذَا كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى مَاحَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْحَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَأَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم فِيْ صحيحه عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وفي نسخ المصابيح عن جابر بن سمرة)۔

أخرجه مسلم في صحيحه ٦٢٩/٢۔ حديث رقم (٢٦۔ ٩١٣)۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ حیات میں اپنے تیروں کے ساتھ تیراندازی کر رہا تھا کہ اچانک سورج گرہن ہو گیا تو میں نے تیروں کو پھینک دیا اور دل میں کہا کہ اللہ کی قسم میں ضرور دیکھوں گا کہ سورج گرہن کی وجہ سے حضور ﷺ پر کیا حالت طاری ہوتی ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے نماز میں کھڑے تھے۔ پس آپ ﷺ تسبیح پڑھ رہے تھے۔ لا الہ الا اللہ۔ اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھ رہے تھے اور دعا فرما رہے تھے یہاں تک گرہن سورج سے ہٹ گیا پس جب سورج گرہن کا اندھیرا دور ہوا تو آپ ﷺ نے دو سورتیں پڑھیں اور نماز پڑھائی۔ (اس روایت کو امام مسلم نے اپنے کتاب صحیح مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے نقل کیا ہے اسی طرح شرح السنۃ میں بھی ان سے ہی ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں جابر بن سمرہؓ سے منقول ہے)۔

تشریح ۞ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ: ان الفاظ میں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے کہ لوگ صف باندھ کر آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے اور آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا فرما رہے تھے یا یہ نماز کے ساتھ تشبیہ ہے کہ نماز کی طرح قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھائے دعا فرما رہے تھے۔ یہاں صلوٰۃ بمعنی نماز نہیں ہو سکتی کیونکہ صلوٰۃ کسوف میں ہاتھ اٹھا کر نماز پڑھنے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ نیز جب سورج گرہن ختم

ہوا تو پھر بطور شکرانہ کے آنحضرت ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔

سورج گرہن کے وقت صدقہ

(۹/۱۳۸۹) وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ بِالْعِتَاقَةِ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۴۳۔ حدیث رقم ۱۰۵۴۔ وأحمد فی المسند ۶/۳۴۵۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسوف شمس کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری)

تشریح ۞ کسوف شمس کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے غلام آزاد کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ یہ بھی ایک مصیبت حادثہ اور آزمائش ہے اور ایسے موقع پر غلام آزاد کرنا اور صدقہ خیرات کرنا ان مصیبتوں کو دور کرتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سورج گرہن وغیرہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی علامت ہے اور صدقہ رحمان کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

الفصل الثانی:

صلوٰۃ کسوف میں قرآن آہستہ آواز میں پڑھنا مسنون ہے

(۱۰/۱۳۹۰) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ کُسُوْفٍ لَا نَسْمَعُ لَهٗ صَوْتًا۔ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۷۰۱ حدیث رقم ۱۱۸۴۔ والترمذی فی السنن ۲/۴۵۱ حدیث رقم ۵۶۲۔ والنسائی فی السنن ۳/۱۴۱ حدیث رقم ۱۴۸۴۔ وابن ماجه ۱/۴۰۲ حدیث رقم ۱۲۶۴ وأحمد فی المسند ۵/۱۶۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کسوف شمس کے موقع پر نماز پڑھائی آپ ﷺ کی قراءت نہیں سنی جارہی تھی۔ (یعنی پست آواز میں قراءت تھی جیسا کہ عام دن کی نمازوں میں ہوتی ہے) ۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح ۞ صلوٰۃ کسوف میں جمہور ائمہ مثلاً امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن آہستہ آواز میں پڑھا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل زیر بحث باب کی روایت ہے اور اسی طرح بخاری و دیگر صحاح ستہ کی کتابوں میں کافی روایات ہیں جو کہ اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ صلوٰۃ کسوف کی قراءت پست آواز میں کی جائے۔ دیگر بعض حضرات کے نزدیک صلوٰۃ کسوف میں قراءت بلند آواز سے کی جائے گی ان کی دلیل وہ روایات ہیں جس میں جہراً قراءت کرنے کا ذکر ہے۔ ترجمان احناف علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جب روایات دونوں طرح پر مروی ہیں تو روایات میں تعارض آگیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب تعارض ہو تو دونوں جانب کی روایات ساقط ہو جاتی ہیں یا ان میں سے ایک کو کسی امر ثالث کی وجہ سے ترجیح دی جاتی ہے تو یہاں ان روایات کو ترجیح ہوگی جن میں قرآن پست آواز میں کرنے کا ذکر ہے کیونکہ صلوٰۃ کسوف دن کے وقت پڑھی جاتی ہے اور دن میں قراءت کا پست آواز میں ہونا یہ اصل ہے۔

کسی حادثہ کے وقت سجدہ کرنا

(۱۱/۱۳۹۱) وَعَنْ عِکْرِمَةَ قَالَ قِیْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِیْلَ لَهٗ تَسْجُدُ فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَاَیْتُمْ اٰیَةً فَاسْجُدُوْا وَاَیُّ اٰیَةٍ اَعْظَمُ مِنْ ذِهَابِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ (رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۷۰۶ حدیث رقم ۱۱۹۷۔ والترمذی ۵/۶۶۵ حدیث رقم ۳۸۹۶۔

ترجمہ: حضرت عکرمہؒ سے منقول ہے کہ جب ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک (یعنی حضرت صفیہؓ) فوت ہوگئی تو آپ ﷺ یہ سن کر فوراً سجدہ میں گر پڑے پس آپ ﷺ سے عرض کیا گیا آپ اس وقت کیوں سجدہ میں گر پڑے تو فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کوئی حادثہ یا کرشمہ خداوندی کو دیکھو تو سجدہ کرو۔ ازواج نبی ﷺ کی وفات سے بڑا حادثہ اور کیا ہوگا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

تشریح ❁ جب ابن عباسؓ نے حضرت صفیہؓ جو کہ سرکار دو عالم کی زوجہ مطہرہ تھیں ان کی وفات کی خبر سنی تو فوراً سجدے میں گر پڑے اس کے دو مطلب ہیں: نمبر ① آپؓ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ نمبر ② ویسے ہی خالی سجدہ کیا تو لوگوں نے وجہ پوچھی تو تاکیداً آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک پیش کیا کہ جب کوئی حادثہ یا پریشان کن مصیبت دیکھو تو سجدہ کرو اور آپ ﷺ کی ازواج کے دنیا سے جانے سے بڑا حادثہ کون سا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خصوصی معیت اور انتہائی ربط و تعلق کی بنیاد پر جو بھلائی ازواج مطہرات کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں تو جس طرح ان کا دنیا میں رہنا دنیا والوں کے لئے باعث برکت ہے اسی طرح ان کا دنیا سے چلے جانا بھی دنیا والوں کے لئے برکات اور سکون کے اٹھ جانے کا سبب ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر نماز میں مشغول ہونا ہی راہ نجات ہے اس لئے میں نے نماز پڑھی اور سجدہ کیا۔

اهل اللہ کی برکت: اس واقعہ اور ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ والوں کا دنیا میں رہنا دنیا والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکات کے نزول کا سبب ہوتا ہے اور ان کا دنیا سے چلے جانا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکات کے اٹھ جانے کا سبب ہے اور حقیقت یہی ہے کہ اہل اللہ کا دنیا میں رہنا ہی دنیا کی بقا کا ذریعہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے جب تک ایک کلمہ پڑھنے والا بھی باقی ہوگا تو زمین کا نظام چلتا رہے گا اور قیامت قائم نہیں ہوگی۔

فَاسْجُدُوْا: اس میں صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز ہے کہ ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لئے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ایسے موقع (مثلاً زلزلہ۔ آندھی۔ طوفان وغیرہ) میں نماز پڑھنا ہی افضل ہے اور منقول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ایک دفعہ بصرہ میں قیام پذیر تھے وہاں زلزلہ آگیا تو آپؓ نے نماز پڑھی تھی۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف سجدہ ہے نہ نماز۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر سورج گرہن کا موقع ہو تو فاسجدوا سے مراد نماز ہے کہ دو رکعت نماز پڑھو اور اگر باقی کوئی حادثہ ہو تو اس سے مراد خالی سجدہ ہے کہ ایسے موقع پر سجدہ میں گر جاؤ۔ لیکن قول صحیح اول ہی ہے کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ بات منقول ہے کہ حضور ﷺ ایسے حادثاتی مواقع میں فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔

الفصل الثّالث:

(۱۲/۱۳۹۲) عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ اِنْکَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی بِھِمْ فَقَرَاَ بِسُوْرَۃٍ مِّنَ الطُّوَلِ وَرَکَعَ خَمْسَ رَکْعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ قَامَ اِلَی الثَّانِیَۃِ فَقَرَ بِسُوْرَۃٍ مِنَ الطُّوَلِ ثُمَّ رَکَعَ خَمْسَ رَکْعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَ تَیْنِ ثُمَّ جَلَسَ کَمَا ھُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃِ یَدْعُوْ حَتّٰی اِنْجَلٰی کُسُوْفُھَا۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۶۹۹ حدیث رقم ۱۱۸۲۔ وابن ماجه ۲/۴۰۱ حدیث رقم ۱۲۶۲۔ وأحمد فی المسند ۵/۱۳۴۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوگیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی پس آپ ﷺ نے (پہلی دو رکعت میں) لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی اور پانچ رکوع اور دو سجدے کیے پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے پس اس میں قراءت فرمائی طویل سورتوں میں سے کسی ایک کی قراءت کی پھر پانچ رکوع اور دو سجدے کیے اور

پھر اسی حالت پر قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور دعا کرنے لگے یہاں تک کہ سورج سے گرہن دور ہو گیا۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس کی مکمل تشریح اسی باب میں حدیث نمبر ① میں گزر چکی ہے۔

(۱۳/۱۳۹۳) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجَعَلَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَيَسْاَلُ عَنْهَا حَتّٰى اِنْجَلَتِ الشَّمْسُ (رواه ابوداود وفی رواية النسائی) **اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى حِيْنَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلَاتِنَا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَلَهٗ فِيْ اُخْرٰى اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ عُظَمَآءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَاشَآءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَتْ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا۔**

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۷۰٤ حديث رقم ۱۱۹۳۔ والنسائی ۳/۱٤٥ حديث رقم ۱٤۸۷۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا (ابوداؤد) اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھائی اور رکوع اور سجدہ کرتے تھے۔ اور نسائی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ مسجد کی طرف جلدی جلدی تشریف لے گئے تحقیق کی تو سورج گرہن لگ گیا تھا پس آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا پھر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے کہ بے شک سورج اور چاند کو گرہن نہیں لگتا مگر زمین میں رہنے والے بڑے لوگوں میں سے کسی بڑے کی موت کی وجہ سے۔ حالانکہ سورج اور چاند کو گرہن کسی کی موت اور پیدائش کی وجہ سے نہیں لگتا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنی پیدا کردہ چیز میں تغیر پیدا کرتا ہے لہٰذا جب ان دونوں میں سے کوئی گرہن میں آ جائے تو نماز پڑھو یہاں تک کہ گرہن ہٹ جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی حکم ظاہر فرما دیں۔ (نسائی)

تشریح ۞ یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ کسوف کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہوں گے کیونکہ اس میں واضح تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کسوف کسی انوکھے طریقے سے نہیں پڑھائی بلکہ عام نمازوں کی طرح پڑھائی ہے کہ جس طرح باقی نمازوں میں ایک رکوع اور دو سجدے ہر رکعت میں کرتے تھے اس طرح صلوٰۃ کسوف میں بھی کیا۔ احناف کے باقی دلائل حدیث نمبر ① کے ضمن میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا: اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج گرہن کے وقت نماز میں مشغول ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ گرہن ہٹ جائے یا عذاب آ جائے اور قیامت شروع ہو جائے کہ اگر سورج کو گرہن لگا ہے اور ہٹا نہیں تو غروب شمس تک نماز میں مشغول رہو اور اگر چاند کو گرہن لگا ہے تو نماز میں مشغول ہو جاؤ یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے یا صبح ہو جائے اور چاند چھپ جائے۔

بَابٌ فِيْ سُجُوْدِ الشُّكْرِ

یہ باب سجدۂ شکر کے بیان میں ہے

وہ سجدہ جو نماز سے باہر کیا جائے اس حکم کیا ہے تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس سجدہ کی چند اقسام ہیں ہر ایک کا حکم الگ ہے

قسم اوّل: سجدہ سہو۔ یہ نماز کے حکم میں ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے
نمبر (۲): سجدہ تلاوت یہ بھی بلا اختلاف مشروع ہے۔
نمبر (۳): سجدہ مناجات یہ سجدہ راجح یہی ہے کہ مکروہ ہے۔
نمبر (۴): سجدہ شکر جو کسی نعمت کے حصول اور مصیبت کے دور ہونے پر کیا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔
مذہب اول: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ شکر مسنون ہے۔
دلیل: ان حضرات کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں کسی نعمت کے ملنے اور مصیبت کے ہٹنے پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے سجدہ کرنا منقول ہے مثلاً جب آپ ﷺ کو ابوجہل کے مرنے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا اسی طرح جب مسیلمہ کذاب کے جہنم رسید ہونے کی خبر سنی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور حضرت علیؓ نے ذی الثدیہ خارجی کے قتل ہونے پر سجدہ شکر ادا کیا اور حضرت کعب بن مالکؓ نے اپنی توبہ کی قبولیت کا سن کر سجدہ شکر ادا کیا۔
مذہب ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سجدہ شکر مکروہ ہے۔
دلیل: فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں تو پھر ہر نعمت پر شکر ادا کرنا پڑے گا تو بندہ کے اندر اتنی طاقت کہاں ہے کہ ہر نعمت کے مقابلے میں سجدہ کر سکے اس سے خواہ مخواہ اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرے گا۔
جواب: نعمتوں سے مراد یہ ہے کہ وہ نعمت جو نئی ہو اور کبھی کبھی ملے تو اس پر انسان سجدہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ تعدد روایات کی وجہ سے احناف کے ہاں سجدہ شکر کے استحباب کا ہی فتویٰ دیا جاتا ہے۔
فائدہ: اس باب میں فصل اول اور فصل ثالث نہیں ہے

الفصل الثانی:

خوشی کے وقت آپ ﷺ کا عمل

(۱/۱۳۹۴) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَاءَهٗ اَمْرٌ سُرُوْرًا اَوْ یُسَرُّبِهٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاکِرًا لِلّٰهِ تَعَالٰی۔ (رواہ ابوداود والترمذی وَقَالَ هذاحدیث حسن غریب)
اخرجه ابوداؤد فی السنن ۲۱۶/۳ حدیث رقم ۲۷۷٤۔ والترمذی فی السنن ۱۲۰/٤ حدیث رقم ۱۵۷۸۔ وابن ماجه ٤٤٦/۱ حدیث رقم ۱۳۹٤۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی خوش کن امر پیش آتا یا راوی فرماتے ہیں سروراً کی بجائے یسرہ کا لفظ فرمایا یعنی جس کام پر آپ ﷺ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کے لئے آپ ﷺ سجدہ میں گر پڑتے۔
(ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔
تشریح ۞ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ شکر ادا کرنا مکروہ ہے کیونکہ انعامات بے شمار ہیں ہر نعمت پر کون سجدہ کر سکتا ہے اس لئے کہ انعام ربانی سے کوئی لمحہ بھی خالی نہیں اگر وہ اسی سجدہ میں لگا رہا تو دنیا کا دوسرا انظام درہم برہم ہو جائے گا۔ باقی جن احادیث میں سجدے کا ذکر ہے وہ نماز سے کنایہ ہے کہ ایسے موقع پر نماز پڑھو اور اسی طرح آنحضرت ﷺ و صحابہ کرام نے بھی ایسے موقع پر نماز شکر پڑھی ہے نہ کہ خالی سجدہ شکر کیا ہے جب کہ صراحتہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایک جنگ میں فتح کی خوش خبری سنائی گئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر نماز پڑھی بعض حضرات نے حدیث کے ظاہر الفاظ کو ایک سجدے سے مراد سجدہ شکر ہی لیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ سجدہ شکر

مشروع و مسنون ہے

کسی مبتلاء مصیبت کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہئے اور پناہ مانگنی چاہئے

(۲/۱۳۹۵)وَعَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَأٰی رَجُلاً مِنَ النَّغَاشِیْنَ فَخَرَّ سَاجِدًا۔

(رواہ الدارقطنی مرسلاوفی شرح السنۃ لفظ المصابیح)

أخرجه الدارقطنی ۱/ ۴۱۰ حدیث رقم ۱ من باب السنة فی سجود الشکر۔

ترجمہ: حضرت ابوجعفرؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک انتہائی پست قد والے شخص کو دیکھا تو سجدہ ریز ہو گئے۔ یہ دارقطنی کی روایت ہے اورانہوں نے اس کو مرسل نقل کیا ہے اور شرح السنہ نے مصابیح کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

تشریح ۞ علامہ مظہرؒ رقم طراز ہیں کہ اگر کسی آزمائش مصیبت میں کسی شخص کو مبتلا دیکھو تو رب کریم کی بارگاہ میں جھک جاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مصیبت سے محفوظ رکھا ہے لیکن مبتلا بہ کے سامنے سجدہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے مبتلا بہ کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ ہاں اگر کسی فاسق کو دیکھو تو پھر اس کے سامنے ہی سجدہ کرو تا کہ اس کو شرم آئے اور وہ اپنے فعل فسق سے توبہ کر لے جیسے علامہ شبلی کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے خواہشات نفسانیہ کے تابعدار شخص کو دیکھا تو اسکے سامنے فرمایا: الحمدالله الذی عافانی مما ابتلاك به۔ کہ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے محفوظ رکھا ہے اس فسق سے جس میں تجھے مبتلا کیا ہے۔

نَغَاشِیْنَ: اس کا معنی ہے بونا یعنی انتہائی پست قد والا اور پیدائشی کمزور ہو اور چلنے پھرنے میں انتہائی ڈھیلا اور سست ہو۔

اُمت کے لئے آپ ﷺ کی دُعا

(۳/۱۳۹۶) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنْ مَّکَّۃَ نُرِیْدُ الْمَدِیْنَۃَ فَلَمَّا کُنَّا قَرِیْبًا مِّنْ عَزْوَزَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ فَدَعَا اللّٰہَ سَاعَۃً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَکَثَ طَوِیْلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ سَاعَۃً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَکَثَ طَوِیْلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ سَاعَۃً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ شُکْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ شُکْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ الثُّلُثَ الْاٰخَرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ شُکْرًا۔ (رواہ احمدوابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۳/ ۲۱۷ حدیث رقم ۲۷۷۵۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم آقائے دوعالم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کا ارادہ رکھتے ہوئے روانہ ہوئے جب ہم غزوزاء کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور تھوڑی دیر دعا فرمائی پھر آپ ﷺ سجدہ میں گر پڑے اور فرمانے لگے۔ میں نے اپنی امت کے لئے اپنے رب سے دعا کی اور اپنی امت کے لئے رب سے سفارش کی پس مجھے تہائی امت عطاء کر دی گئی (یعنی ان کے بارے میں میری شفاعت قبول کر لی گئی) تو میں اپنے رب کے سامنے اس کا شکرادا کرنے کے لئے سجدہ مین گر پڑا پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے رب سے اپنی امت کے بارے میں سوال کیا تو مجھے دوسرا ثلث بھی دے دیا گیا تو میں نے بطور شکر کے اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ (احمد۔ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے تین دفعہ اپنی امت کے لئے دعا مانگی کہ میری امت کو بخش دیا جائے اور اس کو معاف کر دیا جائے جب پہلے دفعہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے السابقین الاولین۔ یعنی دنیا میں نیکیوں کے اندر سبقت لے

جانے والوں کے حق میں آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی یعنی ان لوگوں کے حق میں دعا قبول فرمائی جو کہ نفس مطمئنہ رکھنے والے تھے۔ جب دوسری مرتبہ دعا فرمائی تو نفس لوامہ والوں کے حق میں دعا قبول ہوئی جو کہ نیکی بدی دونوں میں مبتلا ہیں لیکن نیکیاں غالب ہیں۔ جب تیسری مرتبہ نفس امارہ والوں کے حق میں دعا قبول ہوئی تھی وہ جو کہ نیکی بدی دونوں میں مبتلا ہیں لیکن برائیاں زیادہ ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمام امت کے حق میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی دعا اور شفاعت کو قبول فرمالیا۔

سوال: متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کبائر میں مبتلا ہیں ان کی بخشش بغیر توبہ کے نہیں ہوتی اگر وہ توبہ کے بغیر مر گئے تو ان کو عذاب دیا جائے گا لیکن اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بخشش کردی گئی ہے ان کو عذاب نہیں ہوگا بظاہر اس حدیث کا آیات قرآنیہ اور دیگر احادیث نبویہ سے تعارض ہے۔

جواب: یہ دعا دنیا کے اعتبار سے تھی یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کے سامنے سفارشیں پیش فرمائیں اور دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو پہلی امت کی طرح اجتماعی عذابات مثلاً مسخ صور، خسف ارض اور دیگر آسمانی اور زمینی عذابوں سے محفوظ فرما تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس سفارش و دعا کو قبول فرمالیا اور آپ ﷺ کو سرٹیفکیٹ دے دیا کہ آپ ﷺ کی امت کو ایسے اجتماعی عذابات میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

جواب ۲: آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کے سامنے سفارش پیش فرمائی اور دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ میری امت کو ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس دعا کو قبول فرمالیا کہ سوائے مشرک اور کافر کے باقی آپ ﷺ کی امت اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر ہمیشہ کے لئے جنت میں چلی جائے گی۔

عَزْوَرَاء: یہ ایک جگہ کا نام ہے جو کہ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں واقع ہے۔

فائدہ: اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی امت سے کتنی محبت ہے کہ جب تک ساری امت کے لئے دعا قبول نہیں ہوئی دعا نہیں چھوڑی باقی سجدہ شکر کے متعلق ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ

یہ باب نماز استسقاء کے بیان میں ہے

استسقاء باب استفعال کا مصدر ہے اس میں سین۔ تاء طلب کے لئے ہیں اور اس کا مادہ قی ہے اس کا لغوی معنی ہے بارش طلب کرنا اور پانی مانگنا اور اصلاح شریعت میں استسقاء کا معنی ہے **طلب السقی بوجه مخصوص بانزال المطر ودفع الجدب والقحط**۔ بارش طلب کرنا مخصوص طریقے پر بارش کے نزول کے ساتھ قحط اور خشک سالی کو دور کرنے کے لئے۔

الفصل الاول:

آنحضرت ﷺ کا طلب بارش کے لئے نماز پڑھنا

(۱/۱۳۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ اِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِيْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَآءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥١٤۔ حديث رقم ١٠٢٤۔ ومسلم في صحيحه ٢/٦١١ حديث رقم (١۔ ٨٩٤)۔

وأبوداؤد فی السنن ۱/۶۸۹ حدیث رقم ۱۱۶۶ والترمذی ۲/۴۴۲ حدیث رقم ۵۵۶۔ والنسائی ۳/۱۵۷ حدیث رقم ۱۵۰۹۔ والدارمی ۱/۴۳۲ حدیث رقم ۱۵۳۳۔ ومالك فی الموطأ ۱/۱۹۰ حدیث رقم ۱ من كتاب الاستسقاء۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو لے کر عید گاہ کی طرف نکلے بارش طلب کرنے کے لئے پس ان لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قراءت فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی اور دعا میں اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور قبلہ رخ ہوتے ہوئے اپنی چادر کو پھیرا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ صلوٰۃ استسقاء میں دو بحثیں ہیں۔

① صلوٰۃ استسقاء کی مشروعیت۔ ② صلوٰۃ استسقاء کی ادائیگی کا طریقہ۔

بحث اوّل: جمہور ائمہ کے نزدیک صلوٰۃ استسقاء مسنون ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف صلوٰۃ استسقاء مسنون نہیں بلکہ تین اشیاء میں سے ایک مسنون ہے: ① صرف نماز۔ ② نماز اور دعا دونوں۔ ان کا ثبوت واضح احادیث سے ہے ان میں سے حدیث مذکور بھی ہے۔ ③ صرف دعا اس پر بھی تین دلیلیں ہیں۔

دلیل ۱: استغفروا ربکم انه کان غفارًا یرسل السمآء علیکم مدرارًا ۔ کہ اپنے رب سے استغفار کرو وہ بخشنے والا ہے آسمان تم پر بارش برسائے گا۔ یہاں استغفار بمعنی دعا ہے۔

دلیل ۲: حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں استسقاء کے لئے صرف دعا فرمائی تھی۔

دلیل ۳: آنحضرت ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے قحط کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر بارش کے لئے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہفتہ مسلسل بارش نازل فرما دی اور دوسرے جمعہ کو اسی اعرابی کے سوال اور آپ ﷺ کی دعا کی وجہ سے بارش منقطع ہوئی۔

بحث ثانی: دوسری بحث صلوٰۃ استسقاء کی نوعیت میں ہے کہ نماز استسقاء کس طرح پڑھی جائے گی۔ اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

مذہب اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک صلوٰۃ استسقاء دو رکعت نماز ہے مع بارہ تکبیرات زوائد۔

دلیل: ترمذی کی حدیث ہے اس میں مذکور ہے کہ فصلی رکعتین کان یصلی فی العید۔ آنحضرت ﷺ صلوٰۃ استسقاء اس طرح پڑھتے تھے کہ جس طرح نماز عید پڑھتے تھے اور صلوٰۃ عید میں امام شافعیؒ کے نزدیک بارہ تکبیرات ہیں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں۔

جواب: یہاں صلوٰۃ استسقاء کو صلوٰۃ عید کے ساتھ تکبیرات زوائد میں تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ دیگر تین امور میں تشبیہ دی گئی ہے: ① تعداد رکعات۔ ② خروج الی المصلیٰ۔ ③ اجتماع عظیم۔

مذہب ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ کے نزدیک صلوٰۃ استسقاء عام نمازوں کی طرح ہے۔

تحویل رداء: صلوٰۃ استسقاء کے بعد تحویل رداء امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تفاؤلاً ہے (یعنی نیک شگون کے طور پر ہے) کہ جس حالت میں آئے ہیں اس حالت میں واپس نہیں جانا۔ اور جس طرح چادر تبدیل کی گئی ہے اسی طرح موجودہ حالت بھی تبدیل ہو جائے۔ (یعنی خشک سالی کے بجائے باران رحمت نازل ہو جائے) اور جمہور ائمہ کے نزدیک یہ مسنون ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تحویل رداء فرمائی جیسا کہ روایات میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے جس چادر کو الٹایا وہ چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ اور ایک بالشت چوڑی تھی اور پھر احناف کے نزدیک صرف امام ہی چادر کو پلٹے کیونکہ صلوٰۃ استسقاء کے موقع پر صرف آنحضرت ﷺ نے چادر کو پلٹا نہ کہ صحابہ نے لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک امام اور مقتدی سب تحویل رداء کریں۔

تحویل رداء کا طریقہ: اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے سے لے جا کر دائیں ہاتھ سے چادر کے بائیں کنارے کے نچلے حصے کو پکڑنا اور بائیں ہاتھ سے چادر کے دائیں کنارے کے نچلے حصے کو پکڑنا اور پھر دونوں ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیرنا کہ دائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کنارہ دائیں کندھے پر آجائے اور بائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کنارہ بائیں کندھے پر آجائے اس طرح چادر کا دایاں کنارہ بائیں اور بایاں کنارہ دائیں طرف ہوجائے گا اور نیچے والا حصہ اوپر اور اوپر والا حصہ نیچے ہوجائے گا۔

فائدہ: صلوٰۃ استسقاء کی پہلی رکعت میں سورۂ ق یا سبح اسم ربک الاعلٰی۔ اور دوسری رکعت میں اقتربت الساعۃ یا سورہ غاشیہ پڑھنا مستحب ہے۔

صلوٰۃ استسقاء میں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا مستحب ہے

(٢/١٣٩٨) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ دُعَائِهٖ اِلَّا فِی الْاِسْتِسْقَاءِ فَاِنَّهٗ یَرْفَعُ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ اِبْطَیْهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٢/٥١٧ حدیث رقم ١٠٣١۔ ومسلم ٢/٦١٢ حدیث رقم (٧۔ ٨٩٥)۔ وأبو داوٗد فی السنن ١/٦٩٢ حدیث رقم ١١٧٠۔ والنسائی ٣/١٥٨ حدیث رقم ١٥١٣۔ والدارمی ١/٤٣٣ حدیث رقم ١٥٣٥۔ واحمد فی المسند ٢/٢٣٦۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی بھی دعا میں اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے سوائے استسقاء کے پس آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو اس قدر بلند کرتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ صلوٰۃ استسقاء کے موقع پر آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھوں کو دعا میں زیادہ بلند کرتے تھے۔ بنسبت باقی مواقع کے اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف استسقاء میں ہاتھ اٹھا کے دعا مانگی ہے اس کے علاوہ باقی مواقع پہ ہاتھ اٹھا کے دعا نہیں مانگی اس لئے کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ مثلاً حضرت سعد ابن بیضہ کو دفن کرنے کے بعد ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور اسی طرح صلوٰۃ کسوف کے بعد اور حضرت انس کے گھر میں ان کو نماز پڑھانے کے بعد وغیر ذلک اور اس کی تائید حدیث کے آخری جملے سے ہوتی ہے۔

حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ اِبْطَیْهِ: کہ استسقاء کی دعا میں آپ ہاتھ اتنے بلند کرتے تھے کہ آپ نے اگر کوئی کپڑا نہ اوڑھا ہوتا تو بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جتنا کوئی معاملہ عظیم اور بڑا ہو اتنا ہی ہاتھوں کو بلند کر کے دعا مانگنی چاہیے۔

استسقاء میں ہاتھ اُٹھانے کا ایک طریقہ

(٣/١٣٩٩) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اِسْتَسْقٰی فَاَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّیْهِ اِلَی السَّمَاءِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٢/٦١٢ حدیث رقم ٦/٨٩٦۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے استسقاء کے لئے دعا مانگی تو اپنے ہاتھوں کی پشت کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ (مسلم)

تشریح ۞ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی قحط وغیرہ دور ہونے کی دعا مانگے تو اپنے ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرے اور جو شخص ہاتھ سے کوئی نعمت مانگے تو اپنے ہاتھوں کے اندرونی حصے کو آسمان کی طرف کرے اور باقی جس طرح استسقاء میں چادر پلٹنا اچھا شگون لینے کیلئے ہوتا ہے اسی طرح ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرنا بھی ایک نیک شگون کے تحت ہے جس سے یہ نیک شگون کیا جاتا

ہے کہ جس طرح ہاتھوں کے پیٹھ زمین کی طرف ہے اسی طرح بادل بھی اپنے پیٹھ زمین کی طرف کر کے زمین کو پانی کے ساتھ بھر دیں۔

بارش کے وقت نفع بخش بارش کی دعا مانگنا مسنون ہے

(۴/۱۴۰۰)وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا رَاَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۱۸/۲۔ حدیث رقم ۱۰۳۲۔ والنسائی ۱٦٤/۳ حدیث رقم ۱۵۲۳۔ وابن ماجه ۱۲۸۰/۲ حدیث رقم ۳۸۹۰۔ و أحمد فی المسند ٤١/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب بارش دیکھتے تو یہ دعا فرماتے اے اللہ نفع دینے والی بارش کر ہم پر خوب برسا۔ (بخاری)

تشریح ۞ جس طرح بارش کا نہ ہونا انتہائی نقصان دہ ہے اسی طرح بارش کا ضرورت سے زیادہ ہونا بھی نقصان دہ ہے اور اسی طرح بارش کے اندر جس طرح نفع ہے کئی نقصانات بھی ہیں مثلاً کڑک بجلی، سیلاب، طوفان وغیرہ اس لئے آنحضرت ﷺ جب بارش شروع ہوتی تو دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ اس بارش کو نفع والی بنا ایسا نہ ہو کہ کہیں پہلی امتوں کی طرح عذاب کا ہی پیغام لے کر نہ آجائے۔

بارش کا پانی متبرک وصاف شفاف ہے

(۵/۱۴۰۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَصَابَهٗ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لِاَنَّهٗ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهٖ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٦١٥/٢ حدیث رقم (١٣ـ ٨٩٨)۔ وأبوداؤد فی السنن ٣٣٠/٥ حدیث رقم ٥١٠٠۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے کسی موقع پر تو بارش شروع ہوگئی راوی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے سر سے کپڑے کو ہٹالیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سر مبارک پر بارش کا پانی برسنے لگا، ہم نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کیا ہے کہ یہ پانی ابھی ابھی اپنے رب کے پاس سے آیا ہے۔

تشریح ۞ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب بارش ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے کپڑا اٹھا کر اپنے جسم کو پانی سے تر کیا صحابہ نے عرض کیا ایسا کرنے کی کیا وجہ ہے فرمایا، کہ یہ پانی ابھی ابھی اوپر سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اترا ہے، اور دنیا کی آلودگیوں سے آلودہ بھی نہیں ہوا اور گنا ہگاروں کے گناہ گار ہاتھوں کے ساتھ ملاپ بھی نہیں ہوا اس لئے یہ پانی متبرک ہے اور کچھ حصہ اپنے جسم پر لگا رہا ہوں۔ گویا کہ یہ پانی چھوٹا جو بچہ پیدا ہوا اس کی طرح پاک ہے اور موسم بہار کے نئے پھولوں کی طرح تازہ ہے، اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ بارش کے موقع پر اگر کوئی دعا مانگے تو قبولیت کی امید ہے کیونکہ بارش اللہ کی رحمت کی علامت ہے اور اس وقت اللہ کی رحمت زیادہ متوجہ ہوتی ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بارش کا پانی پاک اور صاف ستھرا ہے۔

الفصل الثانی:

استسقاء میں تحویل رداء کا ذکر

(۶/۱۴۰۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْسَرَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ دَعَااللّٰهَ ۔ (روہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/ ٦٨٨ حديث رقم ١١٦٣۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عیدگاہ کی طرف نکلے وہاں بارش کیلئے دعا مانگی اور اپنی چادر کو پلٹا جب قبلہ رو کھڑے ہوئے۔ پس آپ ﷺ نے چادر کا دایاں کنارہ اپنے بائیں کندھے پر کیا اور چادر کا بایاں کنارہ اپنے دائیں کندھے پر لائے۔ اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگی۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں نماز استسقاء پڑھنے کا ذکر نہیں بلکہ دعا اور تحویل رداء کا ذکر ہے، جوکہ پہلے تفصیلاً گزر چکا۔ اور یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ استسقاء میں نماز ضروری نہیں بلکہ کبھی صرف دعا بھی کی جاسکتی ہے۔

سیاہ چادر بھی پہننا مسنون ہے

(۷/۱۴۰۳) وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اسْتَسْقٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَمِيْصَةٌ لَّهٗ سَوْدَآءُ فَاَرَادَ اَنْ يَّاْخُذَ اَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهٗ اَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَّبَهَا عَلٰى عَاتِقِهٖ۔ (رواه احمد و ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/ ١٨٨ حديث رقم ١١٦٤۔ والنسائی ۳/ ١٥٦ حديث رقم ١٥٠٧۔ وأحمد فی المسند ٤/ ٤٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے بارش طلب کرنے کیلئے دعا مانگی تو اس وقت آپ ﷺ پر سیاہ چادر تھی۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اس کے نچلے حصہ کو پکڑیں اور اس کو اوپر کردیں پس جب اس میں آپ کو دقت پیش آئی تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے کندھے پر ہی پلٹ دیا۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح ۞ یعنی جب آنحضرت ﷺ نے تحویل رداء کے عام طریقے کے مطابق اس چادر کو پلٹنا چاہا لیکن چھوٹی ہونے کی وجہ سے اس میں دقت محسوس ہوئی تو آپ نے اوپر ہی سے چادر کا دایاں کنارہ بائیں کندھے پر کرلیا اور بایاں کنارہ دائیں کندھے پر کرلیا۔ اس سے معلوم ہوا اگر مشہور طریقے کے مطابق تحویل رداء میں دقت محسوس ہوتی ہو تو اس طرح بھی تحویل کی جاسکتی ہے۔

استسقاء کیلئے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے

(۸/۱۴۰۴) وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اٰبِى اللَّحْمِ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِىَّ ﷺ يَسْتَسْقِىْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِّنَ الزَّوْرَاءِ قَائِمًا يَدْعُوْ لِيَسْتَسْقِىَ رَافِعًا يَدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَايُجَاوِزُ بِهَا رَاْسَهٗ۔

(وروى الترمذی والنسائی نحوه رواه ابو داود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/ ٦٩٠ حديث رقم ١١٦٨۔ والترمذی ۲/ ٤٤٣ حديث رقم ٥٥٧ والنسائی ۳/ ١٥٨ حديث رقم ١٥١٤۔ وأحمد فی المسند ٥/ ٢٢٣۔

ترجمہ: حضرت عمیرؓ جوکہ ابی اللحم کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو احجار الزیت کے پاس جوکہ مقام زورہ کے قریب ہے بارش کی دعا کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ کھڑے ہوکر بارش کیلئے دعا مانگ رہے تھے۔ اس حال میں کہ آپ نے اپنے ہاتھ اپنے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھے جوکہ سر سے متجاوز نہیں تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ **اَحْجَارِ الزَّيْتِ** : یہ مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے جوکہ زوراء کے قریب ہے اور زوراء مدینہ کے ایک بازار کا نام ہے۔ وہاں کچھ ایسے پتھر تھے جوکہ سیاہ اور انتہائی چمکدار تھے جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ ان پتھروں پر روغن زیتون لگایا گیا ہے۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت استسقاء آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی پشت کو زمین کی طرف کیا ہوا تھا اور ہاتھ کے اندرونی حصے (یعنی ہتھیلیوں) کو آسمان کی طرف کیا ہوا تھا، اور اس کے مقابلے میں حضرت زیدؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور اسی

طریقے سے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ استسقاء کیلئے دعا کے وقت آنحضرت ﷺ ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرتے تھے، بظاہر تعارض ہے؟

جواب: تعارض کیلئے آٹھ وحدات شرط ہیں جن میں سے ایک وحدت زمان ہے (یعنی زمانے کا ایک ہونا) تو یہاں زمانہ ایک نہیں ہے، اس لئے کہ کسی موقع پر آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کی پشت کو بوقت استسقاء آسمان کی طرف کرتے تھے تفاؤل کے تحت اور بعض دفعہ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرتے تھے (یعنی اوپر رکھتے تھے) جس طرح کہ عام دعا میں ہوتا ہے۔

سوال ثانی: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ استسقاء کی دعا کے وقت ہاتھوں کو زیادہ نہیں بلند کرتے تھے (یعنی چہرے کے برابر بلند کرتے تھے) اور اس سے پہلے حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دعاء استسقاء میں ہاتھوں کو بہت زیادہ بلند کرتے تھے فرماتے ہیں کہ اتنا بلند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی اگر کپڑا وغیرہ نہ ہوتا تو دیکھی جا سکتی تھی بغلوں کی سفیدی تب ہی دیکھی جا سکتی ہے جبکہ ہاتھ سر سے بھی بلند ہوں بظاہر تعارض ہے؟

جواب: ہاتھ اٹھانے میں بھی تفاوت واقعات کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہے (یعنی بعض دفعہ استسقاء میں ہاتھوں کو بہت زیادہ بلند کرتے تھے اور بعض دفعہ بارش مانگتے وقت) ہاتھوں کو کم بلند کرتے تھے لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

دُعا کے اندر خشوع وخضوع اور عاجزی کا ہونا ضروری ہے

(۹/۱۴۰۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْنِيْ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا۔ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۶۸۸ حديث رقم ۱۱۶۵۔ والترمذی ۲/۴۴۵ حديث رقم ۵۵۸۔ و النسائی ۳/۱۵۶ حديث رقم ۱۵۰۸۔ وابن ماجه ۱/۴۰۳ حديث رقم ۱۲۶۶۔ وأحمد في المسند ۱/۳۵۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بارش طلب کرنے کیلئے باہر نکلے اس حال میں کہ آپ ﷺ زیب وزینت ترک کیے ہوئے تھے اور انتہائی تواضع کی حالت میں تھے اور انتہائی عاجزی اور انکساری کی حالت میں تھے اور انتہائی تضرع اور عجز کی حالت میں تھے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کوئی بھی دعا مانگنی و اس میں انتہائی تضرع اور عاجزی ضروری ہے خود رب کریم کا ارشاد ہے: ﴿ادعوا ربكم تضرعا وخفية﴾ کہ اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ پکارو اور آہستہ آواز میں پکارو۔ اسی لئے بارش کا مانگنا یہ بھی ایک عظیم دعا ہے اس لئے اس میں بھی آنحضرت ﷺ دعا کے تمام آداب کو سامنے رکھتے ہوئے بلندیوں کو رب ذوالجلال کے سپرد کرتے ہوئے۔ اور عاجزیوں اور انکساریوں کو خود اختیار کرتے ہوئے رب ذوالجلال کے دربار میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور جو دعا ان امور کے ساتھ ہو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

متبذلاً: اس کا معنی ہے پرانے کپڑے پہننا اور زیب وزینت ترک کرنا۔

متواضعًا: اس کا معنی ہے ظاہری عاجزی وانکساری۔

متخشعًا: اس کا معنی ہے باطنی عاجزی اور حضور قلب۔

متضرعًا: یہ تضرع سے ہے اس کا معنی زبان سے ذکر واذکار میں عاجزی اور یہ چاروں جملے کلام میں حال واقع ہیں مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ صلوٰۃ استسقاء کیلئے جاتے تھے اس حال میں کہ لباس کے اعتبار سے بھی انتہائی عاجزی اختیار کیے ہوئے ہوتے تھے اور

ظاہراً بھی انتہائی عاجزی ہوتی تھی اور دل میں بھی خوف خدا اور عاجزی اور خدا کی طرف انتہائی توجہ ہوتی تھی۔ اور زبان میں بھی بوقت دعا انتہائی عاجزی اور آہ وزاری ہوتی تھی۔ امت کو یہ پیغام دے دیا کہ اگر دعا میں یہ سب چیزیں ہونگی تو قبولیت کی امید ہے ورنہ نہیں۔

بارش کیلئے خاص دعاء

(۱۰/۱۴۰۶) وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَااسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔ (رواه مالك وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/ ٦٩٥ حديث رقم ۱۱۷٦۔ ومالك فی الموطأ ۱/ ۱۹۰ حديث رقم ۲من كتاب الاستسقاء۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب بارش مانگتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ۔اے اللہ اپنے بندوں کو اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب فرمادے اور اپنی رحمت کو پھیلادے اور اپنی خشک زمین کو اور بنجر زمین کو آباد فرمادے۔ (ابوداود)

تشریح ۞ طلب بارش کیلئے آنحضرت ﷺ نے مختلف دعائیں مانگی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

طلب بارش کی ایک اور دُعا

(۱۱/۱۴۰۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُوَاكِیْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَاغَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْئًا مُرِيْعًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ۔ (رواه ابوداود)

سنن ابی داوٗد' كتاب الصلاة' باب رفع اليدين فی الاستسقاء' ح ۹۸۸

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱/ ٦۹۱ حديث رقم ۱۱٦۹ وابن ماجه ۱/ ٤۰۴ حديث رقم ۱۲۷۰ وأحمد فی المسند ٤/ ۲۳۵۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے اور پھیلائے ہوئے طلب بارش کیلئے یہ دعا فرما رہے تھے: اَللّٰهُمَّ اسْقِنَاغَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْئًا مُرِيْعًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ ۔اے اللہ تو ہمیں ایسی بارش سے سیراب فرما جو کہ مددگار ثابت ہو اور جس کا انجام اچھا ہو (یعنی خوشگوار ہو) جو سرسبز بنانے والی ہو نفع بخش ہو نقصان دینے والی نہ ہو اور جلد آنے والی ہو دیر سے آنے والی نہ ہو تو راوی (یعنی حضرت جابرؓ) فرماتے ہیں کہ آسمان ان پر ابر آلود ہو گیا۔ (رواہ ابوداؤد)

تشریح ۞ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دعا مانگنی شروع کی تو آسمان بالکل صاف تھا اور جب دعا ختم فرمائی تو آسمان پر بادل چھا گئے اور بادل برسنا شروع ہو گئے۔

الفصل الثالث:

آنحضرت ﷺ کا صلوٰۃ استسقاء کیلئے مناسب وقت اور موقع کا انتظار فرمانا

(۱۲/۱۴۰۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَى النَّاسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهٗ فِی الْمُصَلّٰى وَوَعَدَالنَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ

الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّتًا وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَاءُ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهٗ وَقَلَّبَ اَوْحَوَّلَ رِدَاءَهٗ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَنْشَأَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَاْتِ مَسْجِدَهٗ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/ ۶۹۲ حديث رقم ۱۱۷۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ لوگوں نے محبوب خدا ﷺ کے سامنے بارش کے نہ ہونے کی شکایت کی ،تو آپ نے منبر رکھنے کا حکم دیا، جب آپ ﷺ کیلئے عیدگاہ میں منبر رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ ایک دن مقرر کرلیا کہ وہ اس دن عیدگاہ میں چلے جائیں تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس دن دعا کیلئے عیدگاہ کی طرف نکلے جبکہ سورج کا کنارہ ظاہر ہو گیا، پس آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کیلئے تعریفی کلمات کہے اور پھر فرمایا کہ بے شک تم نے اپنے شہروں کے خشک ہونے کی اور بارش کے اپنے وقت پر نہ برسنے کی شکایت کی تھی تو تحقیق اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم اس سے مانگو اور تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے وہ تمہاری دعا کو قبول فرمائے گا۔ پھر فرمایا الحمد للہ رب العٰلمین...... تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے قیامت کے دن کا مالک ہے نہیں کوئی معبود مگر اللہ وہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اے اللہ تو ہمارا معبود ہے، نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا، تو بے پرواہ ہے اور ہم محتاج ہیں، ہم پر بارش برسا، اور تو اس بارش کو جو تو اتارے ہمارے لئے قوت اور مقاصد تک پہنچنے کا ذریعہ طویل مدت کیلئے سبب بنا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور نہ چھوڑا اٹھانے کو (یعنی اتنے اٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی) پھیرا لوگوں کی طرف اپنی پشت مبارک کو اور اپنی چادر الٹی کی یا اپنی چادر پھیری اس حال میں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو رکعات نماز پڑھائیں، پس اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر کر دیا۔ پس وہ گرجنے اور چمکنے لگا پھر اللہ کے حکم سے بارش اترنا شروع ہو گئی یہاں تک آپ ﷺ اپنی مسجد تک نہیں پہنچے تھے کہ پرنالے بہنے لگے، پس جب آپ ﷺ نے دیکھا لوگوں کو کوئی اوٹ تلاش کرنے میں جلدی کرتے ہوئے تو ہنس پڑے یہاں تک، آپ کی کچلیاں مبارک ظاہر ہونے لگیں اور فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی روایت کے مطابق صلوٰۃ استسقاء کے بعد خطبہ مشروع نہیں ہے، صرف دعا اور استغفار کی جائے گی۔ اسی لئے ترجمان احناف علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی، نسائی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت اسحٰق بن عبداللہ بن کنانہ سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ اے لوگو! آنحضرت ﷺ عیدگاہ کی طرف جا کر تمہاری طرح خطبہ نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ استسقاء میں جب عیدگاہ جاتے تو برابر دعا اور گریہ وزاری میں مشغول ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی بیان کرتے تھے اس سے

بھی معلوم ہوتا ہے کہ استسقاء کیلئے خطبہ مسنون نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ والی اس مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صرف دعا استغفار اور گریہ وزاری سے کام لیتے تھے مستقل خطبہ نہیں پڑھتے تھے۔ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت ہے کہ نماز استسقاء کے بعد دو خطبے پڑھنا مسنون ہے۔ جس طرح عیدین کے خطبے کی ابتداء تکبیر سے ہوتی ہے ان کی ابتداء استغفار سے ہوگی۔

حاصل: جہاں بھی خطبے کا ذکر ہے اس سے مراد حمد وثناء استغفار اور دعا ہے صلوٰۃ عید اور صلوٰۃ جمعہ کی طرح مروّجہ خطبہ مراد نہیں ہے۔

کسی بزرگ سے دُعا کروانا

(۱۳/۱۴۰۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٩٤/٢ حديث رقم ١٠١٠۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ جب قحط سالی ہوتی تو امیر المومنین عمر بن الخطابؓ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے بارش کیلئے دعا کرواتے تھے۔ چنانچہ فرماتے اے اللہ پہلے ہم تیرے نبی سے بارش کیلئے دعا کرواتے تھے، پس تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، اب ہم تیرے نبی کے چچا سے دعا کرواتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما دے۔ تو راوی فرماتے ہیں کہ وہ سیراب ہو جاتے تھے۔ (یعنی بارش شروع ہو جاتی تھی)۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ استسقاء کیلئے حضرت عباسؓ سے دعا کرواتے تھے اور دوسرے لوگ آمین کہتے تھے جیسے روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے وضاحت کی ہے کہ ان العباس كان يدعوهم ويؤمنون لدعائه حتى سقوا کہ حضرت عباسؓ دعا کرواتے تھے اور لوگ آمین کہتے تھے تو اس طرح بارش ہو جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے کہ انا كنا نتوسل اليك بنبيك سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد دعا ہے کہ اے اللہ پہلے ہم تیرے نبی سے استسقاء کیلئے دعا کرواتے تھے ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ہم ان کے چچا سے دعا کرواتے ہیں، یا اللہ تو بارش عطا کر دے۔

ساری مخلوق اللہ تعالیٰ سے استسقاء کی دعا کرتی ہے

(۱۴/۱۴۱۰) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ خَرَجَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِيْ فَاِذَاهُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ ارْجِعُوْا فَقَدِ اسْتُجِيْبَ لَكُمْ مِّنْ اَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ۔ (رواه الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني في السنن ٦٦/٢ حديث رقم ١ من كتاب الاستسقاء۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ہمراہ استسقاء کیلئے نکلے، انہوں نے اچانک ایک چیونٹی کو دیکھا جو اپنے بعض پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھی، تو یہ دیکھ کر اللہ کے نبی نے فرمایا واپس چلو۔ اس چیونٹی کی وجہ سے آپ کی دعا بھی قبول کر لی گئی۔ (دار قطنی)

تشریح: یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا ہے اور بعض روایات کے اندر چیونٹی کی دعا بھی منقول ہے۔ اللهم انا خلق من خلقك لا غنىً بنا من رزقك فلا تهلكنا بذنوب بني آدم "اے اللہ ہم تیری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں، تیرے رزق سے مستغنی نہیں ہیں (یعنی محتاج ہیں) پس تو ہمیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر"۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

① اللہ کی رحمت تمام مخلوقات پر برابر ہے کہ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کی دعا سنتا ہے اسی طرح اپنی مخلوقات میں سے ہر ایک کی دعا سنتا ہے اور تمام مخلوقات اپنی حاجات اور ضروریات اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتی ہیں، لہٰذا انسان کو بھی اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا چاہئے۔

② انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے بھی بارش وغیرہ رُک جاتی ہے کیونکہ بارش اللہ کی رحمت ہے اور گناہ سے اللہ کی رحمت دور ہو جاتی ہے اور سلب ہو جاتی ہے۔

بَابُ (فِي الرِّيَاحِ وَالْمَطَرِ)

[یہاں مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں فقط باب کا لفظ لکھا ہوا ہے لیکن ہم نے بعد تحقیق مشکوٰۃ کے کچھ نایاب نسخوں میں یہ باب مندرجہ ذیل الفاظ میں دیکھا تو اس کا اضافہ کر دیا]

مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف لفظ باب لکھا ہوا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ مستقل اور الگ باب نہیں ہے بلکہ پہلے باب کے ملحقات میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس باب میں ہواؤں کا ذکر ہے اور ہوائیں اکثر بارش کے آگے پیچھے ہی ہوتی ہیں اس لئے یہاں عنوان قائم نہیں کیا، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مشکوٰۃ کے ایک صحیح نسخہ میں "بابٌ فی الریاح" کے الفاظ مذکور ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس باب میں ہواؤں کے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی۔

الفصل الاول:

ہوا مدد کا ذریعہ بھی ہے اور عذاب کا ذریعہ بھی

(۱/۱۴۱۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۸/۵۷۸۔ حديث رقم ۴۸۲۸ ۔ ومسلم في صحيحه ۲/۶۱۶ حديث رقم (۱۴۔ ۸۹۹)۔ وأبو داوٗد في السنن ۵/۳۲۹ حديث رقم ۵۰۹۸ وأحمد في المسند ۶/۶۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مدد کی گئی ہے بادِ صبا (جو مشرقی جانب سے چلتی ہے) کے ساتھ اور قوم عاد کو ہلاک کیا گیا ہے بادِ دبور کے ساتھ (جو مغربی جانب سے چلتی ہے)۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعدار ہے کبھی تو اللہ کے حکم سے رحمت خداوندی کی شکل میں مدد بن کر آتی ہے کہ جیسے غزوہ خندق کے موقع پر مشرکین مکہ نے بہت سارے قبائل کو ساتھ ملا کر مدینہ کا محاصرہ کیا اور یہ ارادہ کیا کہ مسلمانوں کو بالکل ہی ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ خالق کائنات نے مشرقی جانب سے ایک ایسی تیز ہوا چلائی کہ کفار کے لشکر کے خیمے اُکھڑ گئے۔ ان کی ہانڈیاں الٹا دیں اور ریت اور مٹی کے ساتھ ان کے سب سامان بھر دیئے اور یہاں تک کہ کفار حواس باختہ ہو گئے اور بغیر جنگ کئے ہی دم دبا کر بھاگ گئے۔ حدیث میں نصرت بالصباء کا یہی مطلب ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہی ہوا کسی قوم کی ہلاکت اور عذاب کا سبب بن کر آتی ہے جیسے قوم عاد جو کہ انتہائی قد آور اور سرکش اور بدکار قوم تھی وقت کے نبی

حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں بہت زیادہ سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تیز ہوا چلائی کہ جس نے ان کو زمین پر اوندھا کر دیا، جیسے اللہ کریم کا ارشاد ﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [الحاقه : ٦، ٧] پھر بہرحال قوم عاد ہلاک کی گئی تیز و تند ہوا کے ساتھ جو کہ ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی ان کو ہلاک کرنے کیلئے۔ پس تم دیکھتے ہو قوم کو جو پچھاڑی ہوئی ہے گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔

حدیث میں اُهلكت عاد بدبور سے اسی طرف اشارہ ہے۔

بادل اور ہوا دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا متفکر ہونا

(۲/۱۴۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ اِذَا رَاٰى غَيْمًا اَوْ رِيْحًا عُرِفَ فِيْ وَجْهِهٖ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/ ٣٠٠۔ حديث رقم ٣٢٠٥۔ ومسلم في صحيحه ٢/ ٦١٦ حديث رقم (١٥۔ ٨٩٩)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کا تالو نظر آتا ہو بے شک آپ مسکراتے تھے پھر جب بادل یا ہوا دیکھ لیتے تو آپ کے چہرے پر تغیر (یعنی پریشانی کے آثار) پہچانا جاتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ کی دو چیزوں کی وضاحت فرمائی۔

① آنحضرت ﷺ کبھی بھی کھل کھلا کر نہیں ہنستے تھے بلکہ صرف مسکراتے تھے، آنحضرت ﷺ کا عام معمول یہی تھا۔

② جب بارش سے پہلے بادل یا ہوا دیکھتے تو آنحضرت ﷺ پر انتہائی خوف کی سی کیفیت طاری ہو جاتی اپنے امت پر شفقت کی وجہ سے کہ کہیں اس بادل اور ہوا میں لوگوں کے نقصان اور تکالیف کا ہی حکم نہ ہو تو گویا کہ جلال کبریائی کے مشاہدہ کی وجہ سے قلب اطہر پر خشیت الٰہی طاری رہتی تھی لیکن جب ہوا یا بادل دیکھ لیتے تو تفکر اور غم اور بڑھ جاتا۔

آندھی کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایک خاص دعا

(۳/۱۴۱۳) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَلَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَفَاِذَامَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَاَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَقُوْلُ اِذَارَاَى الْمَطَرَ رَحْمَةً۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٨/ ٢٩١۔ حديث رقم ٤٦٢٧۔ وأحمد في المسند ٢/ ٢٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تو آنحضرت ﷺ یہ دعا فرماتے تھے: اللهم انی اسئلك......

اے اللہ میں تجھ سے وہ خیر مانگتا ہوں جو اس ہوا میں ہے اور اس چیز کی بھلائی اور خیر مانگتا ہوں جس کیلئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے، اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے ہوا کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جو اس ہوا میں ہے اور اس چیز کے شر سے جس کیلئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے۔ اور جب آسمان ابر آلود ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ کا رنگ متغیر ہو جاتا تو آپ بے چینی کی وجہ سے گھر سے باہر نکلتے اور کبھی اندر تشریف لاتے اور اسی طرح آگے پیچھے پھرتے، پس جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ کا اضطراب ختم ہو جاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ جب آنحضرت ﷺ کا اضطراب محسوس کیا تو عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اس کا کیا سبب ہے تو فرمایا اے عائشہ کیا خبر ہے کہ کہیں یہ بادل ویسا ہی ہو جس کو دیکھ کر قوم عاد نے کہا تھا **هذا عارض ممطرنا** کہ جب اس کو دیکھا کہ وہ بادل انکی وادیوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ وہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، کہ جب بارش شروع ہو جاتی یعنی جب بارش کو دیکھتے تو فرماتے یہ اللہ کی رحمت کا سبب ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح ۞ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے یہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ جب تک آپ ان میں ہیں اللہ ان کو ہلاک نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جب ہوا اور بادل کو دیکھتے تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور آپ متفکر ہو کر دعا کرتے کہ کہیں اس بادل میں لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کے جزوی نقصان کا حکم نہ ہو اور اسی طرح اپنی امت کو بھی تعلیم دینا مقصود تھی کہ قوم عاد کی طرح بادل اور ہوا کو دیکھ کر خوش نہ ہونا جس طرح انہوں نے بادل اور ہوا کو دیکھا تو خوش ہوئے کہ ہم پر بھی برسے گا لیکن وہ ان کی تباہی اور بربادی کا سبب بنا۔ بلکہ جب بادل اور ہوا دیکھو تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگو کہ اے اللہ اس بارش کو خیر و برکت والی بنا۔

پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

(۴/۱۴۱۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ۔ (رواه البخاری)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۲۲۲۸/۴ حديث رقم(۴۴ ۔ ۲۹۰۴)۔ واحمد فی المسند ۳۴۲/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ غیب کے خزانے پانچ ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہی پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش برساتا ہے...... (بخاری)

تشریح ۞ سورۃ لقمان کے آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پانچ چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

① قیامت کب قائم ہوگی۔

② بارش برسنے کا علم بھی اللہ کے پاس ہے کہ بارش کب آئے گی اور کتنی آئے گی آج کل آلات کے ذریعہ صرف ایک تخمینہ لگا کر پیشینگوئی کی جاتی ہے۔ اور اکثر اس کے خلاف بھی ہوتا ہے، اس لئے حقیقی علم صرف اللہ کے پاس ہی ہے۔

③ ماں کے پیٹ میں کیا ہے، بیٹا ہے بیٹی ہے کالا ہے یا سفید ہے۔ ادھورا ہے یا مکمل ہے یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں آج کل الٹراساؤنڈ کے ذریعہ پیٹ میں لڑکا لڑکی معلوم کیا جاتا ہے تو وہ محض غیب نہیں بلکہ ایک آلہ استعمال کیا جاتا ہے اس کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے وہ بھی پانچ یا چھ مہینے کے حمل کے بعد اور اس میں بھی بہت دفعہ اس کے خلاف پایا گیا ہے۔

④ ہر انسان کے بارے میں علم کہ وہ کل کیا کرے گا۔

⑤ وہ انسان کس جگہ فوت ہوگا اس کا علم بھی اللہ کے پاس ہے جیسے اللہ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمٰن : ۳٤) بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش اتارتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کس جگہ فوت ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ علم والے خبر رکھنے والے ہیں۔

خشک سالی سے ہی قحط نہیں پڑتا

(۵/۱۴۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِأَنْ لَّا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنَّ السَّنَةَ أَنْ تُمْطَرُوْا وَلَا تُنْبِتُ الْأَرْضُ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/٢٢٢٨ حديث رقم(٤٤- ٢٩٠٤)۔ وأحمد في المسند ٢/٣٤٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ حبیب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قحط یہی نہیں ہے کہ تم پر بارش نہ برسے قحط تو یہ بھی ہے کہ تم پر بارش تو برسے لیکن زمین کچھ بھی نہ اُگائے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے نہ برسنے سے ہی قحط نہیں پڑتا بلکہ بعض دفعہ ایسے ہوتا ہے کہ بارش تو خوب برستی ہے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور بسا اوقات اس میں زیادہ مایوسی ہوتی ہے، کیونکہ توقع اور امید کے بعد جو مایوسی ہوتی ہے وہ سخت ہوتی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی بارش ہوتی یا بارش مانگتے تو عرض کرتے اے اللہ تو اس بارش کو نفع والی بنا۔

الفصل الثانی:

ہوا اللہ کی رحمت ہے

(۶/۱۴۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الرِّيحُ مِنْ رَّوْحِ اللَّهِ تَأْتِي بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَسَلُوا اللَّهَ مِنْ خَيْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهِ مِنْ شَرِّهَا۔ (رواه الشافعي وابوداود وابن ماجة والبيهقي في الدَّعوَاتِ الكَبِيْرِ)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٥/٣٢٨ حديث رقم ٥٠٩٧۔ وابن ماجه ٢/١٢٢٨ حديث رقم ٣٧٢٧۔ وأحمد في المسند ٢/٢٥٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہوا اللہ کی رحمت میں سے ہے اور اللہ کی رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی لاتی ہے، پس تم اس کو برا بھلا نہ کہو، اور اللہ سے اس کی بھلائی مانگو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے نقصان سے پناہ مانگو۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، الشافعی)

تشریح ۞ اس حدیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اگر ہوا کے تیز چلنے سے کسی کو نقصان پہنچے تو وہ ہوا کو برا بھلا نہ کہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگے کیونکہ ہوا اصل، کے اعتبار سے اللہ کی رحمت ہے اور اللہ کے حکم کے تابع ہے اگر کسی قوم کی بربادی کا پیغام لاتی ہے تو وہ بھی ان کی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے اور علماء نے یہاں تک لکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سرکش اور نافرمان بندوں کیلئے عذاب بن کر آتی ہے تو وہ بھی حقیقت میں رحمت ہوتی ہے دو وجہ سے:۔

① اللہ کے نیک بندے اس سے محفوظ رہتے ہیں۔

② نافرمانوں کی ہلاکت سے زمین ان کے شر سے محفوظ ہو جاتی ہے اور ان کی وجہ سے جو رحمت رکی ہوتی ہے وہ زمین کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

ہوا کی کل آٹھ اقسام ہیں، جن میں سے چار رحمت اور چار عذاب کی ہیں: (۱) ناشرات (۲) ذاریات (۳) مرسلات (۴) مبشرات۔
اور عذاب والی چار یہ ہیں: (۱) عاصف (۲) قاصف، یہ سمندر میں ہوا کے عذاب ہیں (۳) صرصر (۴) عقیم۔ یہ آخری دو خشکی میں تباہی پھیلانے والی ہیں۔

ہوا پر لعنت نہیں کرنی چاہیے

(۱۴۱۷/۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً لَعَنَ الرِّیْحَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الرِّیْحَ فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ وَاِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَیْئًا لَیْسَ لَهُ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَیْهِ۔ (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ٥/٢١٢ حدیث رقم ٤٩٠٨ والترمذی فی السنن ٤/٣٠٩ حدیث رقم ١٩٧٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حبیب خدا ﷺ کے پاس ہوا پر لعنت کی، تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا پر لعنت نہ کرو، اس لئے کہ وہ اللہ کی جانب سے مامور ہے (یعنی جو کچھ کرتی ہے اللہ کے حکم سے ہے) اور بے شک جو شخص ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کی مستحق نہیں ہوتی تو وہ لعنت لعنت کرنے والے پر ہی لوٹ آتی ہے۔

تشریح ❀ لعنت کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے دوری، اس لئے جب کوئی لعنت کرتا ہے تو جس پر لعنت کی گئی ہے تو وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے تو فبہا ورنہ وہ لعنت کرنے والے کے پاس لوٹ آتی ہے، اور اللہ کی رحمت سے دور ہونے کا باعث اور سبب بنتی ہے بالفاظ دیگر لعنت کا سبب تین چیزیں ہیں: (۱) کفر (۲) بدعت (۳) فسق۔ جہاں ان تینوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہاں لعنت جائز نہیں ہے اور ہوا میں ان تینوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں اس لئے ہوا پر لعنت کرنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا۔

ہوا کے چلنے کے وقت دعا مانگنی چاہیے

(۱۴۱۸/۸) وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسُبُّوا الرِّیْحَ فَاِذَا رَاَیْتُمْ مَا تَکْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ هٰذِهِ الرِّیْحِ وَخَیْرِ مَا فِیْهَا وَخَیْرِ مَا اُمِرَتْ بِهٖ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّیْحِ وَشَرِّ مَا فِیْهَا وَشَرِّ مَا اُمِرَتْ بِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٥٢١ حدیث رقم ٢٢٥٢۔ واحمد فی المسند ٥/١٢٣۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ محبوب کبریا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہوا کو گالی مت دو، پس جب تم اس میں وہ چیز جو تمہیں ناگوار محسوس ہو تو یہ دعا پڑھو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی طلب کرتے ہیں اور جو کچھ اس ہوا کے اندر ہے اور اس چیز کی جس کیلئے یہ ہوا مامور کی گئی ہے اور ہم تجھ سے پناہ طلب کرتے ہیں اس ہوا کی تر سے اور اس چیز کے شر سے جو اس میں ہے اور اس چیز کے شر سے جس کیلئے یہ ہوا مامور ہے۔ (ترمذی)

تشریح ❀ ہوا بذات خود نہ ہی نقصان دینے والی ہے اور نہ ہی نفع دینے والی ہے، اگر اس میں نفع ہے تو وہ بھی اللہ کے حکم سے ہے اور اگر نقصان ہے تو وہ بھی اللہ کے حکم سے ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہوا میں خیر پیدا کر دے اور اس کے شر سے بچا لے۔ کیونکہ ہوا کے اندر خیر وشر کا ہونا یہ اللہ کے حکم سے ہے۔

ریح اور ریاح میں فرق

(۹/۱۴۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاهَبَّتْ رِيْحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَاتَجْعَلْهَا رِيْحًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا وَّاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمِ وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ وَاَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ ۔ (رواه الشافعي والبيهقي في الدعوات الكبير)

أخرجه الشافعي في مسنده ص ١٨١ ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کبھی بھی تیز ہوا چلتی تھی تو آنحضرت ﷺ دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے "اللهم اجعلها رحمة و لا تجعلها عذابا اللهم اجعلها رياحا و لا تجعلها ريحًا" اے اللہ تو اس ہوا کو ریاح (رحمت) بنا، ریح (یعنی عذاب) نہ بنا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اللہ کے اس ارشاد: ﴿انا ارسلنا عليهم ريحًا صرصرًا وارسلنا عليهم الريح العقيم وارسلنا الرياح لواقح. وان يرسل الرياح مبشرات﴾ اور بھیجی ہم نے ان پر تیز وتند ہوا اور بھیجی ہم نے ان پر بانجھ ہوا (یعنی جوان کے درختوں کے پھل ختم کر دیتی تھی) اور بھیجی ہم نے ان پر پل لانے والی ہوائیں اور یہ کہ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ بارش کی خوشخبری لانے والی ہوائیں۔ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان آیات میں ریح عذاب والی ہوا کیلئے ہے اور ریاح رحمتوں والی ہواؤں کیلئے ہے۔ (بیہقی، شافعی)

تشریح ۞ لفظ ریح اگر مفرد استعمال ہو تو یہ عذاب کیلئے بولا جاتا ہے اور اگر جمع استعمال ہو یعنی ریاح تو یہ رحمت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور اس پر تائید کیلئے صاحب مشکوٰۃ المصابیح امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول پیش کیا ہے کہ انا ارسلنا عليهم ريحًا صر صرًا. وارسلنا عليهم الريح. ان میں لفظ ریح مفرد استعمال ہوا ہے جو کہ عذاب کیلئے ہے۔ اور وارسلنا الرياج لواقح. وان يرسل الرياح مبشرات میں ریاح جمع استعمال ہوا ہے اور یہ رحمت کی ہوا پر بولا جاتا ہے۔

سوال: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ ریاح رحمت کیلئے اور ریح عذاب کیلئے ہے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن میں لفظ ریح رحمت کیلئے استعمال ہوا ہے جیسے وجرين بهم بريح طيبة یہاں ریح رحمت اور بھلائی کیلئے ہے اور اسی طرح بعض احادیث میں بھی لفظ ریح مفرد ہے اور رحمت کیلئے ہے، جیسے ابو ہریرہؓ کی رویات میں گزرا ہے: الريح من روح الله.؟

جواب: لفظ ریح اکثر عذاب کیلئے استعمال ہوتا ہے اور للاکثر حکم الکل کے تحت یہی قاعدہ آتا ہے کہ ریح عذاب کیلئے ہی ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ریح رحمت کیلئے ہے تو پھر آنحضرت ﷺ کے اس قول کہ ریح کو ریاح بنادے کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ آپ بہت ساری ہوائیں چلائیں جو کہ کھیتوں میں خوب بارش برسائیں کیونکہ ایک ہوا میں اتنی زیادہ تاثیر نہیں ہوتی کہ وہ بہت سارے بادلوں کو اکٹھا کر کے بارش برسائے۔

بارش کے وقت کی دعا

(۱۰/۱۴۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَااَبْصَرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهٗ وَاسْتَقْبَلَهٗ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ فَاِنْ كَشَفَهُ اللّٰهُ حَمِدَ اللّٰهَ وَاِنْ مَطَرَتْ قَالَ اللّٰهُمَّ

سَقْيًا نَافِعًا۔ (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجۃ والشافعی واللفظ لہ)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ٥/٣٣٠ حديث رقم ٥٠٩٩۔ والنسائی ٣/١٦٤ حديث رقم ١٥٢٣۔ وابن ماجه ٢/١٢٨٠ حديث رقم ٣٨٨٩۔ وأحمد فی المسند ٦/١٩٠۔

ترجمہ: عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب آسمان سے کوئی بادلوں کی گھٹا اٹھتی ہوئی دیکھتے تو اپنا کام کاج چھوڑ دیتے تھے اور اس کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے، اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ اس ہوا کو بارش برسانے سے پہلے ہی ختم فرمادیتے تو آنحضرت اللہ کی حمد وثناء کرتے اور اگر بارش ہو جاتی تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ تو نفع دینے والا پانی ہم پر خوب برسا۔ (شافعیؒ)

تشریح ۞ ام المؤمنینؓ کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی ہوا چلتی تو آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا شروع کر دیتے کہ کہیں اس میں لوگوں کی بربادی کا سامان نہ ہو اور اسی طرح جب بارش ہوجاتی تو فرماتے اے اللہ اس کو نفع بخش بنا کیوں کہ اگر غیر نفع بخش بارش برسے تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسے کہ پیچھے گزر چکا۔

گرج اور بجلی گرنے کے وقت کی دعا

(۱۱/۱۴۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ اِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔ (رواہ احمد والترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٥٠٣ حديث رقم ٣٤٥٠ وأحمد فی المسند ٢/١٠٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب گرج کی آواز سنتے تھے یا بجلی گرنے کی آواز سنتے تھے تو دعا فرماتے: اے اللہ! تو ہمیں اپنے غضب سے ہلاک نہ کر اور اپنے عذاب کے ساتھ ہمیں نہ مار اور ہمیں اس سے پہلے پہلے عافیت عطا فرمادے۔ (ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح ۞ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ تو ہمیں عافیت کی زندگی عطا فرما اور عافیت کے ساتھ موت عطا فرما (یعنی اپنے عذاب سے ہمیں ہر طرح محفوظ فرما) اور کڑک اور بجلی کے گرنے کے وقت خصوصاً یہ دعا اس لئے فرماتے تھے ان میں عذاب اور ہلاکت کا ہونا زیادہ ہوتا ہے۔

الفصل الثالث:

گرج کی آواز سن کر تسبیحات میں مشغول ہوجانا چاہئے

(۱۲/۱۴۲۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ سُبْحٰنَ الَّذِیْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔ (رواہ مالك)

أخرجه مالك فی الموطأ ٢/٩٩٢ حديث رقم ٢٦ من كتاب الكلام ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ گرج کی آواز سنتے تھے تو بات چیت چھوڑ دیتے تھے اور

سُبْحٰنَكَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔" پاک ہے وہ ذات جس کی رعد پاکی بیان کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف کے ساتھ"۔ (امام مالک)

تشریح ۞ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ گرج کی آواز سن کر سُبْحٰنَكَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ اس لئے پڑھتے تھے کہ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک اور خوف اور اضطراب میں ان الفاظ کا پڑھنا سکون قلب اور ان کے شر سے حفاظت کا عظیم ذریعہ ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر پر تھے تو ہمیں گرج اور بجلی کی چمک اور سخت سردی نے گھیر لیا۔ تو یہ دیکھ کر قاری قرآن حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ جو شخص گرج کی آواز سن کر تین دفعہ اس دعا کو پڑھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ گرج بجلی اور آندھی وغیرہ کے شر سے اس کو محفوظ فرما دیتے ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ہم نے یہ پڑھنا شروع کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عافیت دے دی، اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو شخص بجلی کی چمک وغیرہ کے موقع پر یہ الفاظ تین مرتبہ پڑھ لے اگر وہ ہلاک ہو گیا تو اس کی دیت مجھ پر ہے (یعنی وہ کبھی بھی ہلاک نہیں ہو سکتا)۔

لِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

۞۞۞